شیطان اور اس کے تازیانے و حربے سے آگاہی و تحفظ کے بارے میں لاجواب تحریر

إغاثة اللهفان في مصائد الشيطان

تالیف: شیخ الاسلام حافظ ابن قیم الجوزیہ

الشیطان

من شر الوسواس الخناس

الشیطان

ترجمہ، توضیح و تخریج: حافظ محمد اسلم شاہدروی

مکتبہ اسلامیہ
MAKTABA ISLAMIA

شیطان اور اس کے تازیانے و حربے سے آگاہی و تحفظ کے بارے میں لاجواب تحریر

إغاثة اللهفان في مصايد الشيطان

تالیف: شیخ الاسلام حافظ ابن قیم الجوزیہ

ترجمہ، توضیح و تخریج: حافظ محمد اسلم شاہدروی

تقریظ

سینیٹر پروفیسر ساجد میر حفظہ اللہ
امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان

پروفیسر ڈاکٹر محمد حماد لکھوی حفظہ اللہ
پنجاب یونیورسٹی لاہور

مکتبہ اسلامیہ
MAKTABA ISLAMIA

مکتبہ اسلامیہ ®

کتاب

اغاثۃ اللھفان فی مصاید الشیطان

تالیف

شیخ الاسلام حافظ ابن قیم الجوزیہ

ناشر .... محمد سرور عاصم

اشاعت 2017ء
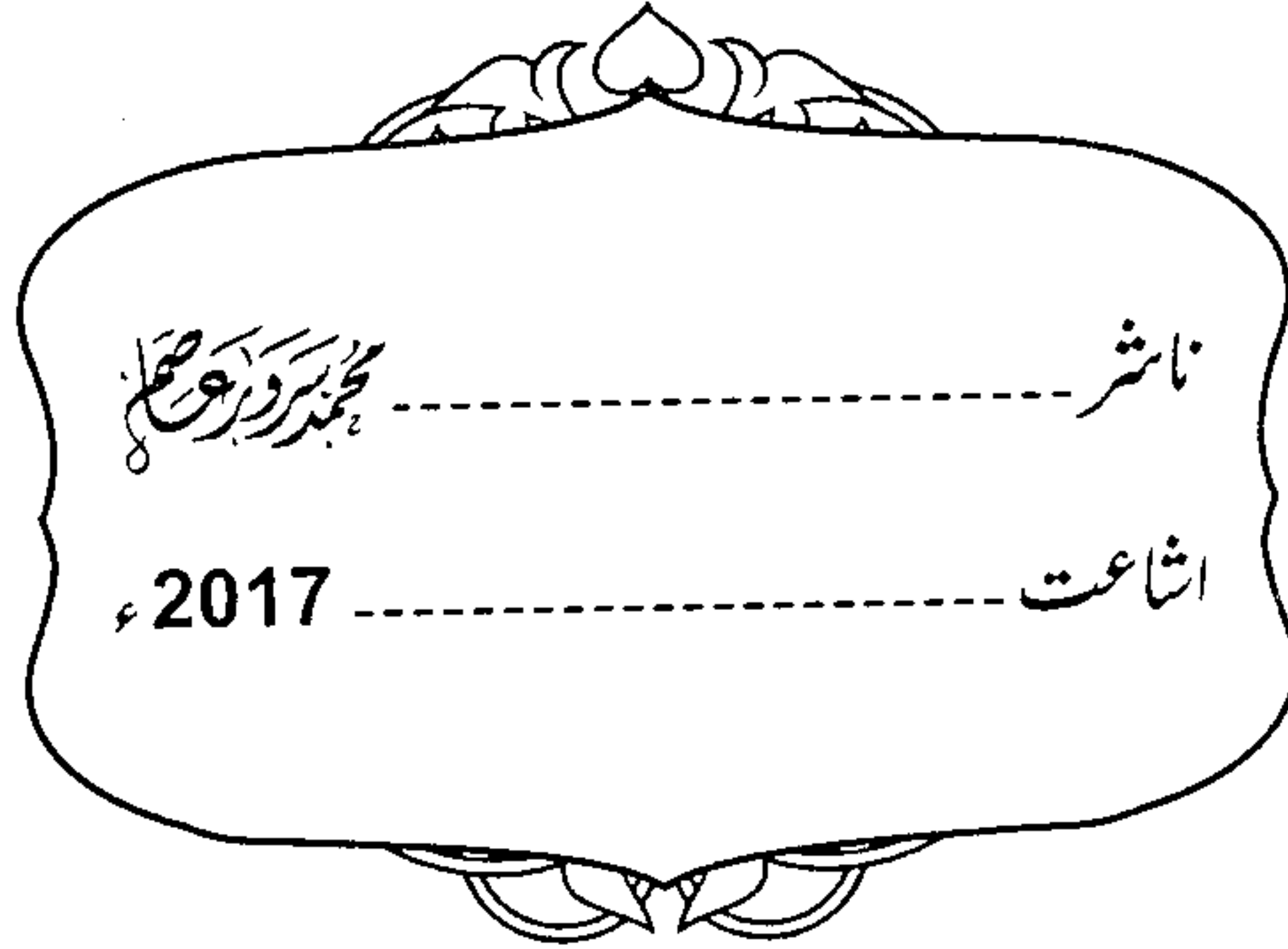
ملنے کا پتا

مکتبہ اسلامیہ®

لاہور G/F-26 بادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-37244973 - 37232369

فیصل آباد بیسمنٹ سمٹ بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد
041-2631204 - 2641204

Ph 0300-8661763 , 0321-8661763
www.facebook.com/maktabaislamia1
maktabaislamiapk@gmail.com
www.maktabaislamiapk.blogspot.com

فہرست مضامین

باب نمبر:13

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الأمین، أما بعد:

اللہ رب العزت نے شیطان کو بنی نوع انسان کا دشمن قرار دیا ہے اور اس کی راہ پر چلنے سے روکا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (البقرۃ:۲۰۸)

''اور شیطان کی پیروی مت کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

انسان کو گمراہ کر کے راہِ جنت سے ہٹا کر راہِ جہنم پر چلانا شیطان کا مقصدِ عظیم ہے، اس کے عزائم و مقاصد کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ ......﴾ (الاعراف: ۱۴۔ ۱۷)

''اس (شیطان) نے کہا: مجھے اس دن تک مہلت دے جب یہ اٹھائے جائیں گے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: بلاشبہ تو مہلت دیے جانے والوں میں سے ہے۔ اس نے کہا: پھر اسی وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا، میں ضرور ان کے لیے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا، پھر میں ہر صورت ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں اور ان کی بائیں جوانب سے آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والے نہیں پائے گا۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝﴾ (المائدۃ:۹۱)

''شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان دشمنی اور کینہ پیدا کردے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے رکھے کیا تم اب بھی باز نہیں آتے؟''

نیز فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ﴾ (النور: ۲۱)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شیطان کے قدم بقدم مت چلو اور جو کوئی اس کی پیروی کرے گا (وہ گمراہ ہو جائے گا) کیونکہ

وہ تو بے حیائی اور برے کام ہی کرنے کو کہے گا۔‘‘

انسان اور شیطان کی معرکہ آرائی آدم علیہ السلام کی پیدائش سے شروع ہوئی اور قیامت تک جاری رہے گی اہل ایمان ہمیشہ کتاب وسنت پر عمل پیرا ہو کر اس کی چالوں کو ناکام بناتے رہیں گے جبکہ کفار، منافقین اور کمزور ایمان والے شیطانی حربوں و جھانسوں میں آتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے شر سے محفوظ فرمائے۔ آمین

شیطانی ہتھکنڈوں، گھاتوں اور وارداتوں سے آگاہ رکھنے کے لیے علمائے امت نے ہر دور میں کتاب وسنت کی روشنی میں کتب تالیف کیں، تاکہ اہل ایمان واسلام کو اس کے تازیانے سے باخبر رکھ سکیں۔

اس سلسلے میں امام ابن ابی الدنیا (متوفی ۲۱۸ھ) کی ’’مکاید الشیطان‘‘

شیخ ابو حامد الغزالی (متوفی ۵۰۵ھ) کی ’’تلبیس ابلیس‘‘ اور حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) کی ’’تلبیس ابلیس‘‘ معروف ومشہور ہیں جو اصلاح امت اور شیطانی چابکدستیوں سے آگاہی کے لیے کارگر ہیں، وللّٰہ الحمد۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد خاص امام ابن القیم رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف ’’اغاثة اللهفان فی مصاید الشیطان‘‘ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو اپنے موضوع پر بہت عمدہ اور نایاب تحریر ہے۔ ہر صاحب علم نے اسے ہمیشہ تحسین ہی کی نظر سے دیکھا، ہمارے اکابر اور اساتذہ اسے سبقاً سبقاً پڑھنے اور گھروں میں اس کی تدریس کا حکم دیا کرتے تھے۔

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کی اس عظیم کتاب کا اردو ترجمہ عوام وخواص میں پیش کرنے کی اولین سعادت مکتبہ اسلامیہ کو حاصل ہو رہی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد اسلم شاہدروی حفظہ اللہ نے اردو خواں طبقے کو مدنظر رکھتے ہوئے آسان اور عام فہم ترجمہ کیا، یقیناً یہ ایک محنت طلب اور دقیق کام ہے جسے سرانجام دینے پر ہم موصوف کے ممنون ہیں۔

سینیٹر پروفیسر ساجد میر حفظہ اللہ (امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان) اور پروفیسر ڈاکٹر حماد لکھوی حفظہ اللہ و دیگر اہل علم کی پسندیدگی اس پر طرہ ہے نیز ہم ان بزرگوں کے شکر گزار بھی ہیں کہ انہوں نے کتاب سے متعلق اپنی رائے بھی صفحۂ قرطاس پر منتقل کی۔ جزاهم اللّٰه خيرًا

ادارے کے رفیق نعیم طارق نے بہترین کمپوزنگ اور عبدالواسع صاحب نے خوبصورت ڈیزائن وٹائٹل بنا کر کتاب کے ظاہری حسن کو چار چاند لگا دیے ہیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ یہ کتاب عوام، خواص اور علماء وطلبا میں یکساں تحسین کی نظر سے دیکھی جائے گی۔ ان شاء اللہ اللہ رب العزت ہماری ان کاوشوں کو شرف قبولیت بخشے اور ہماری نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

محمد سرور عاصم

مدیر مکتبہ اسلامیہ

لاہور۔ فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلماتِ خیر

از قلم: قائد عالم اسلام، رہبر ملت سلفیہ

جناب علامہ پروفیسر سینٹر حافظ ساجد میر حفظہ اللہ

امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان

امام محمد بن ابوبکر ابن القیم رحمہ اللہ (۶۹۱ھ۔۷۵۱ھ) امت کے انتہائی قابل فخر علماء اور مصنفین میں ایک ممتاز مقام کے حامل ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے دین حنیف کی خدمت کے لیے خصوصی ملکۂ تحریر عطا فرمایا تھا جس کے ذریعہ انہوں نے دین کی عظیم خدمت انجام دی۔ اس کے علاوہ انہوں نے تدریس اور افتاء کے میدانوں میں بھی اپنی ثقاہت علم کے جھنڈے گاڑے۔

امام ابن تیمیہ کی شاگردی اور رفاقت نے انہیں کندن بنا دیا تھا۔ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی تحریر اور تقریر سے خالص قرآن و حدیث اور علوم سلف کی اشاعت کا اہتمام کیا اور ان کی پچاس سے زیادہ کتابیں آج تک لاکھوں طالبان حق کے لیے دلیل راہ کا کام دے چکی ہیں۔ وہ اہل سنت کے امام اور اہل حدیث کے سرخیل تھے۔ ان کی کتب سے استفادہ اور توضیح وتشریح کا سلسلہ دنیا بھر میں جاری ہے۔

(اغاثۃ اللہفان ان کی ایک عظیم اور بڑی قابل قدر کتاب ہے جس سے علماء اور عوام نے ہمیشہ فائدہ اٹھایا اور یہ آج بھی اپنے پڑھنے والوں کے لیے مشعل راہ ہے۔

انسان کی زندگی ایک آزمائش اور امتحان ہے اور اس امتحان میں ایک سے زیادہ جن مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ اس کے سب سے بڑے دشمن شیطان کی طرف سے آتی ہیں جن سے بچ کر ہی وہ اپنی زندگی کو کامیاب اور آخرت کے امتحان میں کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا﴾ (فاطر ۳۵:۶)

''بلاشبہ شیطان تمہارا دشمن ہے، سوتم بھی اسے اپنا دشمن سمجھو۔''

یہ اس کتاب کی افادیت اور عظمت ہے کہ وہ انسان کو اپنے سب سے بڑے دشمن کے بارے میں آگاہی دیتی ہے کہ وہ کس طرح مختلف مکروفریب، داؤ، پھندوں اور حیلوں سے کام لے کر انسان کو گمراہ کرتا ہے اور اس گمراہی سے بچنے کے لیے اسے کیا کرنا چاہیے۔

مقام مسرت ہے کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے ممتاز رکن اور متعدد کتب کے مترجم حافظ محمد اسلم شاہدروی (سابق صوبائی معاون ناظم طبع وتالیف) نے اسے اردو میں منتقل کر کے علماء کے ساتھ ساتھ عوام کے استفادہ کے لیے بھی عام اور آسان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مترجم کی محنت اور ناشر کی کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین!

ساجد میر

۱۴۔ جمادی ثانیہ ۱۴۳۸ھ

۱۴۔ مارچ ۲۰۱۷ء

۱۰۶ راوی روڈ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

ازقلم: لکھوی خاندان کے گل سرسبد، پیس و پیغام TV کے مقبول مقرر
جناب ڈاکٹر محمد حماد لکھوی حفظہ اللہ

شیطان نے راندۂ درگاہ قرار دیئے جانے کے بعد مہلت مانگی اور قیامت تک کے لیے انسانوں کو گمراہ کرنے کے مشن پر لگ گیا۔ چیلنج کے انداز میں عہد کیا: ﴿ لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ‌ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ ۝ ﴾ (الاعراف: ١٦ تا ١٧) کہ تیرے سیدھے رستے پر بیٹھ جاؤں گا اور تیرے بندوں کو سیدھے رستے پر جانے نہیں دوں گا کبھی میں ان کے سامنے سے آؤں گا، کبھی پیچھے سے وار کروں گا، کبھی دائیں سے اور کبھی بائیں سے حملہ آور ہوں گا لیکن لوگوں کو ہدایت کے رستے پر جانے نہیں دوں گا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد مقامات پر فرمایا: ﴿ اِنَّ عِبَادِىۡ لَـيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ ﴾ (الحجر ٤٢، الاسراء ٦٥) کہ جو میرے بندے بن جائیں گے ان پر تیرا زور نہیں چل سکے گا۔ یہی کشمکش روز ازل سے جاری و ساری ہے۔ شیطان بدل بدل کر نت نئی چالیں چلتا ہے کہ اللہ کے بندوں کو اپنے دام فریب میں مبتلا کر کے صراطِ مستقیم سے گمراہ کیا جائے۔ اس کے مقابلے میں اللہ کے بندے کتاب و سنت کی رہنمائی میں شیطان کے مکروفریب سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کی چالبازیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے امت کو بھی شیطانی ہتھکنڈوں سے محفوظ کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

اہل اللہ کی انہی کاوشوں کے سلسلے کی ایک کڑی "اغاثۃ اللھفان من مصاید الشیطان" ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگرد اور معتمد علیہ ساتھی، نامور مصنف اور محسنِ امت علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔ جس کا اردو ترجمہ اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔ تیرہ ابواب پر مشتمل اس کتاب میں مصنف علیہ الرحمۃ نے پہلے بارہ ابواب میں اقسام قلب، امراضِ قلب اور ان کی علامات کی نشاندہی کرتے ہوئے کتاب و سنت کی روشنی میں ان کے علاج اور طریقِ علاج کی وضاحت کی ہے۔ تیرھواں باب اس کتاب کا طویل ترین باب ہے جو کہ بقول مصنف علیہ الرحمۃ کتاب ہذا کی تصنیف کا اہل مقصد ہے (کتاب ھذا ص: ۸)۔ اس باب میں شیطان کے مکروفریب اور اس کی چال بازیوں کے مختلف رقیق و دقیق پہلو اس انداز میں بیان کیے گئے ہیں

کہ قاری ان شیطانی مکاریوں سے آگاہ رہتے ہوئے اپنی زندگی کو ان سے محفوظ بنا سکتا ہے۔

اس قدر اہم تصنیف کی فیض رسانی سے اردو دان طبقہ اب تک محروم تھا کہ اس کا اردو ترجمہ تا حال نہیں ہو سکا۔ یہ سعادت علوم اسلامیہ کے ایک سنجیدہ محقق اور مترجم جناب حافظ محمد اسلم شاہدروی کے حصہ میں آئی۔ جو ایک درجن سے زائد عربی کتب کے تراجم قبل ازیں بھی کر چکے ہیں۔ بقول مترجم (ص: ۲) یہ اس کتاب کا پہلا مکمل اردو ترجمہ ہے۔[1] موضوع اور مشمولات کتاب کی اصحیت کے پیش نظر اس کتاب کو اردو قالب میں پیش کرنے کو ایک بہت بڑی دینی خدمت گردانا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف علیہ الرحمۃ، مترجم حفظہ اللہ اور کتاب ہذا کی اشاعت کے تمام ذمہ داران حفظہم اللہ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ کسی بھی کتاب کو دوسری زبان میں منتقل کرتے ہوئے صد فی صد محاورے کا خیال رکھنا ممکن نہیں ہوتا پھر بھی ترجمے کی زبان کو قاری کے لیے قابل فہم بنانا اور اسے مصنف کے مقصد تحریر سے دور نہ جانے دینا مترجم کی اولین ترجیح ہوتی ہے۔

محترم حافظ اسلم صاحب نے اس فرض کو کما حقہ پورا کرنے کی بھرپور سعی کی ہے۔ ادیب یا نثر نگار کی بجائے ایک محقق مترجم ہونے کی حیثیت سے حافظ صاحب کی زیادہ توجہ دوران ترجمہ عربی الفاظ و مفاہیم کی اردو میں پوری طرح منتقلی پر رہی کہ کوئی لفظ ترجمہ ہونے سے رہ نہ جائے۔ اس کا اظہار انہوں نے ''چند توضیحات'' کے عنوان سے اپنے پہلے نکتے میں کیا ہے (صفحہ ۳)۔ یہی وجہ ہے کہ اردو محاورے کے حوالے سے بعض جگہ جملوں کی بناوٹ میں اجنبیت محسوس ہوتی ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی تفہیم عبارت و مطالب کے حوالے سے ترجمہ کی غرض و غایت پوری کرنے کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ہم سب کی تمام کوتاہیوں سے درگزر فرمائے۔

گمراہ کن شیطانی چالوں کو توضیح و تفہیم اور علاج جیسے حساس موضوع پر قبل ازیں علامہ ابن الجوزی کی وقیع تصنیف ''تلبیس ابلیس'' کا اردو ترجمہ قبولیت عامہ حاصل کر چکا ہے۔ امید ہے کہ علامہ ابن القیم کی زیرِ نظر گرانقدر کتاب کا ترجمۂ ہذا بھی علم و عمل کی دنیا میں انتہائی مفید کردار ادا کرے گا۔

محمد حماد لکھوی

پروفیسر علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور

27 جنوری 2017ء

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ

---

[1] اب تک ہماری اطلاع یہی تھی، ۴۔ فروری ۲۰۱۷ء کو بذریعہ ای میل جناب سید عزیز شمس نے مکہ مکرمہ سے اطلاع دی ہے کہ پہلے اس کا ایک ترجمہ ۱۲۸۳ھ میں نور الایمان کے نام سے ہوا تھا۔ ترجمہ مولانا محمد احسن صدیقی نے کیا اور ۶۴۸ صفحات میں مطبع صدیقی بریلی سے طبع ہوا تھا، ہجری اعتبار سے اس ترجمے کو ایک سو پچپن ۱۵۵ برس ہو گئے ہیں اور یہ ہمارے ہاں دستیاب بھی نہیں ہے۔ (مترجم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ازقلم: عالمی مبلغ اسلام مصنف کتب کثیرہ جناب مولانا عبدالمنان راسخ حفظہ اللہ

صاحبِ کتاب کے مختصر حالاتِ زندگی

نام ونسب اور ولادت

شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر بن ایوب زرعی دمشقی رحمہ اللہ آپ کا لقب شمس الدین، آپ کی کنیت ابوعبداللہ اور آپ کا نام محمد تھا۔

اہل علم کے ہاں آپ ''ابن قیم الجوزیہ'' یا اختصار سے ''ابن القیم'' کے عرف سے مشہور ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے والدگرامی ابوبکر رحمہ اللہ، محی الدین یوسف بن عبدالرحمٰن الجوزی کے مدرسہ میں نگران (یعنی قیم) تھے۔ اور ان کو ''قیم الجوزیہ'' کہا جاتا تھا اسی وجہ سے آپ کے بیٹے محمد جو کہ علم وفضل میں اونچا مقام رکھتے تھے وہ ''ابن قیم الجوزیہ'' کے نام سے معروف ہو گئے۔

آپ رحمہ اللہ 7 صفر 691ھ بمطابق 1292م کو دمشق کی بستی ''زرع'' کے ایک علم وفضل والے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان نہایت معزز اور علمی وجاہت میں ایک امتیازی شان رکھتا تھا۔ آپ کی مادری زبان عربی تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے عربی زبان میں مزید مہارت اور درجہ کمال حاصل کرنے کے لیے بہت محنت فرمائی اور عربی زبان کی تمام بنیادی کتب کو بالاستیعاب پڑھا۔

دمشق کے متعلق تو اکثر اہل ذوق جانتے ہیں کہ حرمین کے بعد سب سے زیادہ شان ومقام اسی سرزمین کا بیان ہوا ہے۔ اس کو ارضِ شام بھی کہتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی تھی کہ دمشق کی جامع مسجد کے مینار کے پاس اتریں گے۔

یاد رہے......! اس وقت بائی ایئر اسلام آباد سے دمشق کا سفر تقریباً چھ گھنٹے کے قریب ہے۔

ابتدائی تعلیم اور اساتذہ

آپ رحمہ اللہ نے ابتدائی تعلیم دمشق کے کبار علمائے کرام سے حاصل کی، چونکہ آپ کے والدگرامی بھی بہت بڑے عالم تھے، بلکہ علم الفرائض میں متخصص تھے تو آپ نے علم الفرائض اپنے والدگرامی سے حاصل کیا، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے آپ کے والد گرامی قدر کے علم وفضل کے ساتھ ساتھ ان کی عبادت اور زہد وورع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ حد درجہ عبادت

گزار اور ہر قسم کے تکلفات سے گریزاں تھے، ان کی وفات 723ھ میں ہوئی۔ اس وقت حافظ ابن القیم رحمہ اللہ عین عالم شباب میں تھے اور آپ کی عمر 32 سال تھی۔[1]

آپ رحمہ اللہ نے تمام علوم وفنون، علم وفضل میں مہارت رکھنے والے ائمہ کرام سے حاصل کیے۔ اور اس دور کے مشہور اساتذہ کے حلقہ ہائے درس سے مستفید ہوتے رہے، علم حدیث میں شہاب نابلسی، قاضی تقی الدین بن سلیمان اور اسماعیل بن مکتوم رحمہ اللہ سرفہرست ہیں، اسی طرح عربی زبان اور دیگر علوم وفنون میں ابن ابی الفتح بعلی، مجد الدین تونسی، صفی الدین ہندی، بدر الدین محمد بن ابراہیم کنانی، شمس الدین محمد بن مفلح مقدسی اور اسماعیل بن محمد حرانی رحمہ اللہ، آپ کے نمایاں اساتذہ میں شامل تھے۔ لیکن ان سب اساتذہ سے بڑھ کر جب آپ نے 712ھ میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے ملاقات کی، امام صاحب کے علم وفضل کو دیکھا تو پھر اس کے بعد کسی اور کی طرف نہیں دیکھا، بس انھی کے ہو کے رہ گئے۔ سب سے زیادہ کسب فیض آپ سے کیا، شرفِ تلمذ اور تعلیم وتربیت کے تمام مراحل انھی کے پاس طے کیے، یہاں تک کہ انھی کے ساتھ جیل میں قید بھی رہے اور بالآخر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ 728ھ میں وفات پا گئے۔

آپ رحمہ اللہ کم وبیش پندرہ سال تک شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی صحبت ومعیت اور خدمت میں رہے اور ہر لمحہ آپ سے سیکھتے سمجھتے رہے۔ آج ہمارے دینی طلبا کو بھی حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی طول ملازمت کو اپنے لیے مشعل راہ سمجھنا چاہیے، وہ بھی میدان عمل میں آنے سے قبل، تصنیف وتالیف اور تدریس وخطابت کا شہسوار بننے سے قبل کسی جلیل القدر ممتاز عالم دین کے ساتھ لمبا وقت گزاریں، اس سے بہت سی برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔

بہر صورت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد رشید کی صحابہ وتابعین اور سلف صالحین کے منہج پر ایسی علمی اور روحانی تربیت فرمائی کہ امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ نے ساری زندگی کتاب وسنت کی ترویج اور اہل باطل کی تردید میں قربان کر دی تھی، اس بات پر کوئی دوسری رائے نہیں کہ آپ رحمہ اللہ اہل سنت، اہل حق اور اہل حدیث کے عظیم اور نامور ائمہ عظام کی صف میں سرفہرست ہیں۔

آپ کے تلامذہ

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی ساری زندگی تصنیف اور تدریس میں بسر کی جہاں آپ کی تصانیف کی ایک لمبی فہرست ہے اسی طرح آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی شمار سے باہر ہے۔ بہر صورت آپ کے مشہور تلامذہ میں امام ابن رجب، امام محمد بن احمد الذہبی، امام ابن کثیر، امام ابن قدامہ مقدسی، تقی الدین علی سبکی، ابو عبداللہ محمد بن عبدالقادر نابلسی رحمہ اللہ کے نام حد درجہ نمایاں ہیں۔

سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کے بیٹے ابراہیم اور شرف الدین عبداللہ نے بھی آپ سے بہت زیادہ علمی استفادہ کیا اور وہ اپنے دور کے ممتاز علمائے کرام میں شمار ہوتے تھے۔

چند باتیں ''اغاثة اللهفان'' کے متعلق

امام ابن القیم رحمہ اللہ کی معرکۃ الآرا کتب میں سے ایک کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے، جس کا نام ''اغاثة اللهفان في

[1] الدرر الكامنة: ١/ ٤٧٢۔

مصاید الشیطان" ہے۔

اغاثہ کا معنی ''مدد کرنا'' اور لھفان ''مصیبت یا حسرت زدہ انسان'' کو کہتے ہیں، اسی طرح مصاید کا مطلب شکار گاہیں ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب کے ذریعے امت مسلمہ کو شیطان کے مکر وفریب اور اس کی شکار گاہوں کے متعلق آگاہ کیا ہے۔ جس جس وار کے ساتھ شیطان انسان کو گمراہ کرسکتا ہے امام صاحب نے اس کا دلائل سے ذکر کرتے ہوئے اس سے با آسانی بچنے کی راہیں بھی آسان فرمادیں۔ ویسے یہ کتاب تیرہ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے بارہ ابواب میں امام صاحب رحمہ اللہ نے دل کی اقسام، دل کی حقیقت، دل کو نفع دینے والی اشیاء اور اسی طرح ایک روشن اور صحت مند دل کی علامات اور ایک سیاہ اور ٹیڑھے دل کی نشانیوں کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے اور اس تفصیل کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت تک شیطانی وار سے نہیں بچا جاسکتا جب تک دل کی اصلاح نہ ہو۔

ہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اصلاحِ قلب پر قرآن وحدیث اور سلف صالحین کے اقوال کی روشنی میں اس سے بہتر نہ کسی نے پہلے لکھا تھا نہ اب تک لکھ پایا ہے۔ یہ اللہ کا خاص فضل ہے جو امام ابن قیم رحمہ اللہ کے حصہ میں آیا۔

اس کے بعد آپ رحمہ اللہ نے تیرھویں باب میں بڑی تفصیل سے شیطان کے مکر وفریب کا تذکرہ فرمایا اور شعبہ ہائے زندگی کے تمام لوگوں کو وہ کس طریقے سے شکار کرتا ہے اس سے آگاہ کیا ہے، بالخصوص فلسفی لوگ، مشرک اور بدعتی لوگ کیسے اس کے فریب میں آئے اور اس نے کس طرح تلاوتِ قرآن سے دور کرتے ہوئے لوگوں کو آلاتِ موسیقی پر لگا کر اپنے جال میں پھنسالیا اور وہ کس طرح اپنے لاؤلشکر اور ساتھیوں کے ساتھ اللہ کے بندوں پر حملہ آور ہوتا ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے ان تمام حساس، سنجیدہ اور اہم موضوعات کو کھول کر دلائل سے بیان کردیا ہے۔

ہم یہ بات پوری بصیرت سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر زندگی میں شیطان کے خطرناک ہتھکنڈوں سے بچنے کا ارادہ ہو اور آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں کسی مختصر اور جامع کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیں تو امام صاحب کی یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

آپ رحمہ اللہ کا مسلک اور منہج

امام ابن القیم رحمہ اللہ صحابہ وتابعین اور سلف صالحین کے منہج پر تھے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے معتقد تو تھے لیکن مقلد نہیں تھے۔ آپ کی کتب کا طالب علم اس سچائی سے بخوبی آگاہ ہے کہ وہ کئی ایک مقامات پر شیخ الاسلام سے بھی اختلاف کرتے تھے اور اس کے مقابلہ میں اپنے آپ کو دلیل کے ساتھ کھڑا کرتے تھے۔ جو لوگ امام ابن قیم رحمہ اللہ کو حنبلی مقلد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اعلام الموقعین میں آپ نے جس طرح تقلید وجمود کی کمزوریاں بتائی ہیں اس کتاب کا ایک ایک صفحہ آج بھی اس پر گواہ ہے اور ہم نے اس حقیقت سے بھی کبھی انکار نہیں کیا کہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ان کی فقاہت سے حد درجہ مطمئن تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ آپ کی آراء اور آپ کے استدلال قرآن وحدیث، صحابہ وتابعین اور سلف صالحین کے منہج کے بہت زیادہ قریب ہیں۔

کردار کے چند نمایاں پہلو

مجھ جیسا نااہل آپ کے کردار کی بلندی کو کیسے سر سکتا ہے۔ زبان و بیان پہ قدرت ہے نہ قلم وقرطاس پہ دسترس اور نہ ہی علم وفضل کے حقائق سے آگاہی۔ بہرصورت حافظ ابن القیم رحمہ اللہ جیسے فقید المثال روحانی پیشوا کے حق میں اپنے شکستہ قلم کو حرکت دینا بھی کسی سعادت سے کم نہیں سمجھتا۔

آپ ہمہ صفت موصوف ایک جلیل القدر امام تھے۔ علوم وفنون پر مکمل مہارت ہونے کے علاوہ آپ لیاقت وطہارت، زہد وورع اور للّٰہیت میں بھی بہت اونچا نام رکھتے ہیں، آپ کی ساری دلچسپی رضائے الٰہی میں تھی۔ ساری زندگی دنیا کی ہر رنگینی سے بےتعلق رہے۔ جب بھی کوئی طالب علم آپ کی تصانیف اور آپ کے شب وروز کو قریب سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے تو بےساختہ یہ کہہ اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تفویض وتوکل کا ایسا تعلق تھا کہ شاید چشم فلک نے ایسی شخصیات کو خال خال ہی دیکھا ہو۔ مجھے آپ کی تصانیف پڑھتے ہوئے دس سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے لیکن میں ابھی تک اس بات کا فیصلہ نہیں کر پایا کہ آپ کا علم زیادہ تھا یا تقویٰ۔

بہرصورت آپ کی زندگی میں تین چیزیں حد درجہ نمایاں نظر آتی ہیں۔

❶ آپ رحمہ اللہ اعلیٰ درجے کے عبادت گزار تھے۔ آپ کی محبتِ الٰہی کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے شاگردِ رشید امام ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

وَكَانَ رَحِمَهُ اللّٰهُ ذَا عِبَادَةٍ وَتَهَجُّدٍ وَطُوْلِ صَلاةٍ لَهِجَ بِالذِّكْرِ وَشَغَفَ بِالْمَحَبَّةِ وَالْإِنَابَةِ وَالْإِفْتِقَارِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَالإِنْكِسَارِ لَهُ. ①

آپ رحمہ اللہ عبادت وتہجد اور لمبی نماز پڑھنے والے، ذکر الٰہی کے دلدادہ تھے۔ محبت وانابت اور محتاجی وانکساری سے اللہ کے ساتھ گہرے مانوس تھے۔

اسی طرح امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَكَانَ اِذَا صَلَّى الصُّبْحَ جَلَسَ مَكَانَهُ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى يَتَعَالَى النَّهَار، وَيَقُوْلُ هذه غَدْوَتِيْ لَوْ لَمْ أَقْعَدُهَا سَقَطَتْ قَوَايَ. ②

جب آپ صبح کی نماز پڑھتے تو دن کے روشن ہونے تک اسی جگہ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور فرماتے یہی میرا ناشتہ ہے اگر میں نہ بیٹھوں تو میرے جوڑ ختم ہو جائیں۔

❷ اذکار سے محبت:

آپ رحمہ اللہ کو نوافل کے ساتھ ساتھ ذکرِ الٰہی سے بڑا گہرا شغف تھا۔ قرآن کی تلاوت اور صبح وشام کے مسنون اذکار کے

① الذيل على طبقات الحنابلة لابن رجب:٢/ ٤٤٨۔ ② الدرر الكامنة:٤/ ٢١، ٢٢۔

علاوہ اکثر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہتے تھے۔جن احباب نے آپ کی شاندار کتاب ''الوابل الصیب'' کا مطالعہ کیا ہے وہ باآسانی اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ کس قدر مثالی ذکر وفکر والے انسان تھے۔آپ اپنی ایک مشہور کتاب ''طریق الہجرتین'' میں فرماتے ہیں کہ فجر کی سنتوں کے بعد اور جماعت سے پہلے کا وقت نہایت قیمتی ہے۔اس دورانیہ میں اللہ تعالیٰ سے مانگنے والا کبھی نامراد نہیں ہوسکتا اور فرماتے ہیں: اللہ والے لوگ اور میں نے بھی اس وقت میں جتنا میسر ہوا ''یا حی یا قیوم لاالہ الاانت'' کو پڑھا ہے اور میں نے

لِهٰذَا الذِّكْرِ فِيْ هٰذَا الْمَوْطِنِ تَاْثِيْرٌ عَجِيْبٌ ①

اس جگہ میں اس ذکر کی حیرت انگیز تاثیر دیکھی ہے۔

اسی طرح جب کبھی آپ رحمہ اللہ بیمار ہوتے تو علاج معالجے کے لیے اطبا وحکما کا رخ کرنے کی بجائے تلاوتِ قرآن اور اذکار سے ہی شفا حاصل کرلیا کرتے تھے۔اپنی معروف کتاب ''الجواب الکافی'' میں فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مکہ معظمہ گیا، وہاں بیمار ہوگیا، کوشش کے باوجود وَلَا أَجِدُ طَبِيْبًا② ''مجھے کوئی معالج نہ ملا تو میں نے ارضِ پاک حرم میں بیٹھ کر سورۂ فاتحہ پڑھنی شروع کردی۔کثرت سے پڑھتا رہا اور زمزم پینے سے قبل بھی سورۃ الفاتحہ پڑھ لیتا۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے چند دن میں بغیر دوائی کے صحت یاب فرمادیا۔اللہ اکبر

آپ کی معروف کتاب ''الجواب الکافی'' کا ایک جملے میں خلاصہ یہ ہے کہ مومن کو سب سے زیادہ نفع دینے والی چیز دعا ہے۔اگر زندگی میں شر سے بچنے اور خیر کو حاصل کرنے کا ارادہ ہو تو کسی بھی مسلمان کے لیے دعا سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔

③ حد درجہ تواضع

امام ابن القیم رحمہ اللہ جس قدر بلند پایہ عالم تھے اسی قدر منکسر المزاج اور متواضع شخصیت کے مالک بھی تھے۔آپ عمل کی جس معراج پر تھے اس کو وہی شخص اچھی طرح سمجھ سکتا ہے جس نے مدارج السالکین اور مفتاح دارالسعادۃ جیسی کتب کا مطالعہ کیا ہو۔

آپ رحمہ اللہ طریق الہجرتین میں ''والسابقون السابقون'' یعنی سب سے آگے بڑھنے والے نیک لوگوں کے گروہ کا ذکر خیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ پاکیزہ گروہ تو اعمال میں اس قدر آگے ہے کہ ہم نے تو ان کی خوشبو تک بھی نہیں سونگھی، ہم تو ان کے قدموں کے نشانات تک بھی نہیں پہنچے۔اللہ اکبر

اس جملے سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ کس قدر زیادہ متواضع اور خوفِ خدا رکھنے والے انسان تھے اور ہم پوری بصیرت سے یہ بات کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے فضل سے ''والسابقون السابقون'' کی صف میں شامل تھے۔لیکن اللہ گواہ ہے کہ علم وفضل کی بلندی کے باوجود سادگی کا عالم یہ تھا کہ آپ کی باعظمت پیشانی، اور نورانی چہرے کے سوا کوئی اور دوسری چیز نہیں تھی جو مجلس میں آپ کو دوسروں سے نمایاں کرتی۔

اگر آج طلبا اور علما میں سے جو خوش نصیب علم وعمل کا حقیقی فیض حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لیے یہ تینوں باتیں مشعل راہ ہیں۔

① طریق الہجرتین: ۲۲۳۔ ② الجواب الکافی: ۱۲۔

آپ کی وفات اور جنازہ:

آپ رحمہ اللہ نے اپنی زندگی کی ساٹھ بہاریں دیکھی تھیں اور کیسی خوش نصیبی ہے کہ آپ کی کتب کی تعداد کم وبیش 98 کے قریب ہے۔ آپ رحمہ اللہ 13 رجب 751ھ جمعرات کی رات عشا کے وقت فوت ہوئے۔ آپ رحمہ اللہ کا جنازہ اگلے دن نمازِ ظہر کے بعد دمشق کی اسی مسجد میں پڑھایا گیا جس کے مینار کے پاس سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

شَهِدَهَا الْقُضَاةُ وَالأَعْيَانُ وَالصَّالِحُوْنَ مِنَ الْخَاصَّةِ وَالعَامَّةِ وتَزَاحَمَ النَّاس عَلَى حَمْلِ نَعْشِهِ[1]

''آپ کے جنازہ میں جج حضرات، نامور لوگ، نیکوکار اور عام وخاص سب شریک ہوئے اور آپ کی میت کو اٹھانے میں لوگوں کا بہت زیادہ رش تھا۔''

آپ کی تصانیف

آپ رحمہ اللہ نے امامت وخطابت اور تدریس کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کے لیے نہایت علمی کتب کا خزانہ بھی چھوڑا ہے۔ شاید ہی کوئی اہم موضوع ہوگا جس میں آپ رحمہ اللہ نے شاندار اور بے مثال قلم نہ اٹھایا ہو۔ یہاں ایک بات نہایت قابل ذکر ہے کہ آپ رحمہ اللہ محض لکھنے کی خاطر لکھنے کے قائل نہیں تھے۔ آپ نے جو بھی لکھا ہے یا تو نئی تحقیق پیش کی ہے یا آپ کے قلم نے اہل باطل کے لیے تلوار کا کام کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ عقیدہ، تفسیر، سیرت، حدیث، فقہ، فرقِ باطلہ کا رد اور بالخصوص تعلق باللہ کے حوالے سے آپ کی تصانیف اس قدر جامع اور اہم ہیں کہ کوئی ثقہ عالم بھی ان سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ ہماری ایک عرصہ سے یہ خواہش ہے کہ آپ کی بعض کتب کو بطورِ نصاب جامعات میں پڑھایا جائے، چونکہ ہم نے اس بات کو اچھی طرح محسوس کرلیا ہے کہ امام ابن القیم رحمہ اللہ کو پڑھے بغیر بہت زیادہ خدشہ ہے کہ کوئی عالم روحانی خوشبو پائے بغیر دنیا سے چلا جائے۔ آپ کی کتب کی تعداد 98 کے قریب ہے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

اجتماع الجيوش الاسلامية على غزو المعطلة والجهمية

اغاثة اللهفان فى حكم طلاق الغضبان

اعلام الموقعين عن رب العالمين

امثال القرآن

بدائع الفوائد

التبيان فى اقسام القرآن

تحفة الودود فى احكام المولود

---

[1] البداية والنهاية: ١٤/ ٢٠٢۔

تفسير المعوذتين

تهذيب سنن ابى داود

جلاء الافهام فى الصلاة والسلام على خير الأنام

الجواب الكافى لمن سأل عن الدواء الشافى

حادى الارواح إلى بلاد الافراح

كتاب الصلاة وحكم تاركها

كتاب الروح

روضة المحبين ونزهة المشتاقين

زاد المسافرين الى منازل السماء

زاد المعاد فى هدى خير العباد

شفاء العليل فى حكم القضاء و القدر والحكمة والتعليل

الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطلة

الطرق الحكمية فى السياسية الشرعية

طريق الهجرتين وباب السعادتين

عدة الصابرين وذخيرة الشاكرين

الفوائد المشوّق الى علوم القرآن وعلم البيان

الكافية الشافية فى الانتصار الفرقة الناجية

مدارج السالكين بين منازل اياك نعبد واياك نستعين

مفتاح دارالسعادة ومنشور ولاية اهل العلم والارادة

هداية الحيارىٰ فى اجوبة اليهود والنصارىٰ

الوابل الصيب

الرسالة التبوكية

آپ کی سیرت اور خدمات پر لکھی گئی کتب

آپ کی وفات کے بعد کئی ایک ائمہ نے آپ کے علمی جلال اور عملی جمال کو قلم بند کیا ہے ان میں سے آپ کے شاگرد امام ابن رجب رحمہ اللہ نے ذیل الطبقات میں۔ آپ کے شاگرد امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایۃ والنہایۃ میں۔ آپ کے شاگرد امام ذہبی رحمہ اللہ نے ذیل العبر میں۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ نے الدرر الکامنۃ میں۔ امام صفدی نے الوافی بالوفیات میں۔ اور امام ابن العماد نے شذرات الذہب میں۔ اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے بغیۃ الوعاۃ میں۔ اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے البدر الطالع میں۔ آپ کی عظمت کے بہت سے پہلو نمایاں کیے۔

چونکہ امام صاحب کی علمی خدمات اور زہد وورع آپ کا مقام ہم جیسے طلبا کے لیے مشعل راہ تھا اس لیے آپ کی سیرت پر عرب میں کئی ایک کتب مستقل طور پر بھی شائع ہو چکی ہیں، ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

ابن القيم الجوزية ، حياته وآثاره (بكر بن عبدالله أبوزيد)

ابن القيم وموقفه من التقليد الإسلامي (عوض الله جاد حجازی)

ابن القيم الجوزية ، عصره ومنهجه وآراؤه (عبدالعظيم)

منهج ابن القيم فی التفسير (محمد احمد)

ابن القيم وحسّه البلاغی فی تفسير القرآن (عبدالفتاح)

عظیم کتاب کے عظیم مترجم

امام ابن القیم رحمہ اللہ کی اس شاندار اور مفید ترین کتاب کا ترجمہ ہمارے محترم شیخ استاذ العلماء، شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ محمد اسلم شاہدروی حفظہ اللہ کے نصیب میں آیا ہے۔ مجھے تو آپ کے نصیب پر قلبی طور پر بہت رشک ہے۔

کتاب کا ترجمہ کوئی عالم بھی کرتا تو خوشی کی بات تھی لیکن میں دل کے جذبات نوکِ قلم پہ لانا سعادت سمجھتا ہوں کہ مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ ایک صالح جلیل القدر امام کی اعلیٰ ترین کتاب کا ترجمہ ایک صالح باعمل ممتاز عالم دین نے کیا ہے۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء

محترم شیخ شاہدروی صاحب حفظہ اللہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ میں نے آج سے تیس سال پہلے سے جامعہ علوم اثریہ میں شیخ محترم کی، طلبہ سے محبت، علم میں محنت اور عمل میں رغبت کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ آپ ہماری جماعت کے ثقہ مترجم ہی نہیں، بلکہ بلا مبالغہ سینکڑوں طلبہ وطالبات کے روحانی باپ اور مربی بھی ہیں۔ میدانِ خطابت میں آپ جس قدر سنجیدگی اور دلائل سے قرآن وحدیث کی تعلیمات سامعین کے دل میں اتار دیتے ہیں اس کی نظیر بھی بہت کم دیکھنے کو ملی ہے۔ اللہ گواہ ہے کہ میں نے آپ کی ہر ادا کو تکلف سے بالاتر دیکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے محترم حافظ صاحب حفظہ اللہ کو علم کی وسعت اور بصیرت کے ساتھ ساتھ شرافت، سادگی اور للّٰہیت جیسے خزانوں سے بھی بہت زیادہ مالا مال کیا ہے۔

میری دردِ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شیخ مکرم کو صحت وایمان اور سلامتی وعافیت والی عمر نوح عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

سلامت با کرامت تا قیامت

ابو الحسن عبد المنان بن عبد الرحمن راسخ

فیصل آباد

22-2-2017

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

ازقلم: حافظ محمد اسلم شاہدروی

مترجم کتاب ہذا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ وَبَعْدُ!

اللہ تعالیٰ نے ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، فرشتوں سے ان کو سجدہ کروایا، ابلیس جو جنوں میں سے تھا، نیکی، فرمانبرداری اور پرہیزگاری کی وجہ سے فرشتوں کے ساتھ شامل تھا، اُس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور راندۂ درگاہِ الٰہی ہوا

اس نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت اماں حواء علیہا السلام کو اس درخت کا پھل کھلا دیا جس سے اللہ نے روکا تھا۔
اس نے قابیل کے لیے اس کے بھائی ہابیل کے قتل کو مزین کر دیا۔
اُس نے حضرت ایوب علیہ السلام کی نیک اور صابرہ زوجہ محترمہ کو بھی بہکانے کی کوشش کی۔
شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک انسانیت کو کیسے بہکایا اور ورغلایا اور انہیں راہِ راست سے کیسے ہٹایا یہ طویل سرگزشت ہے۔ لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اس کو اپنا کھلا دشمن سمجھتے ہوئے بھی اُس کے دامِ تزویر میں آ جاتا ہے۔ شیطان انسان کو کیسے بہکاتا ہے؟ علامہ ابن جوزی کی کتاب ''تلبیس ابلیس'' اس موضوع پر نہایت مفید کاوش ہے۔ یہ کتاب بھی جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اسی سلسلہ کی نہایت اہم کڑی ہے۔

علامہ ابن قیم

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (المتوفی ۷۵۱ھ) کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ آپ کے سوانح آگے آ رہے ہیں یہاں صرف یہ عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کے اساتذہ میں امام ابن تیمیہ کے علاوہ شہاب العابد، ابوالفتح بعلبکی، ابن قدامہ، عیسیٰ بن عبدالرحمٰن صالحی وغیرہ شامل ہیں، جبکہ شاگردوں میں ابن عبدالہادی المقدسی، محمد بن احمد ذہبی، علی السبکی، خلیل بن ایبک صفدی، حافظ ابن کثیر، ابن رجب حنبلی، محمد بن یعقوب فیروز آبادی وغیرہ شامل ہیں۔ آپ نے وعظ وارشاد اور تصنیف وتالیف کے ذریعے اپنے زمانہ کے لوگوں کے

لیے رشد وہدایت کا سامان کیا۔اپنے شیخ امام ابن تیمیہ کی معیت میں اصلاح خلق کا بیڑا اٹھایا۔آپ نے اس ذمہ داری کو خوب نبھایا اوراس سلسلہ میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

وہ تحریر کی شکل میں جو کام کر گئے ہیں وہ رہتی دنیا تک کے لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ رہے گا۔ان شاء اللہ تعالیٰ

علامہ موصوف نے چھوٹی بڑی سیکڑوں کتب تالیف فرمائیں جن میں سے بیسیوں مطبوع ہیں اور بہت سی قلمی صورت میں لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کی تمام کتب کو منظر عام پر لایا جائے۔اگر اپنی اصل زبان عربی میں بھی شائع ہو جائیں تو بساغنیمت ہے اور اگر ان کے اردو تراجم کا بھی اہتمام کیا جائے تو نعمت غیر مترقبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا محمد جونا گڑھی کو جزائے خیر دے انہوں نے ابنِ قیم کی کتب کے تراجم کا اہتمام کیا اور کافی کام کر گئے۔یہ سلسلہ مکمل نہیں ہوا،ابھی اس سلسلہ میں بہت سا کام باقی ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی اس عظیم النفع کتاب کا ایک جدید ایڈیشن دار عالم الفوائد مکہ مکرمہ سے شائع ہوا ہے،اس کی تحقیق اور مقدمہ مولانا عزیز شمس حفظہ اللہ نے لکھا ہے،اس مقدمہ سے استفادہ کرتے ہوئے چند ضروری معلومات درج کی جاتی ہیں۔

کتاب کا عنوان اور مؤلف کی طرف نسبت اور زمانۂ تالیف

مؤلف نے خود کتاب کے مقدمے میں اس کا نام ”إغاثة اللهفان فی مصاید الشیطان“ ذکر کیا ہے،بعض لوگ فِیْ کی جگہ مِنْ لگاتے ہیں جو کہ درست نہیں ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قارئین کرام کی کسی مسئلہ پر مدد اور مشکل میں راہنمائی مقصود ہو تو اس باب کا صلہ فِیْ کے ساتھ آتا ہے،جب آپ تحقیق کریں گے تو اس نام کی کئی کتابیں آپ کو مل جائیں گی،کبھی کسی چیز کا وسیلہ یا ذریعہ ذکر کرنا ہو تو پھر صلہ ”بِ“ کے ساتھ آتا ہے۔

تذکرہ نگاروں نے اس کتاب کو ان کی طرف ہی منسوب کیا ہے،جیسا کہ صاحب کشف الظنون اور دیگر اہل علم ہیں،پھر اس کتاب کے اندر کئی ایسے مقامات ہیں،جہاں مؤلف کسی بھی مسئلہ کی توضیح کرتے ہوئے اشارہ کر دیتے ہیں کہ اس کے متعلق زیادہ تفصیل کے لیے میری فلاں کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔مثلاً کسی مسئلہ کی تفصیل کے لیے إعلام الموقعین کا حوالہ دے دیا۔

امام رازی کے کلام پر تبصرہ اور مجاز کی بحث،دونوں مقامات پر اپنی کتاب الصواعق المرسلة کا حوالہ دیا۔

اللہ تعالیٰ کے ارادۂ کونیہ اور شرعیہ کے متعلق خاص عقیدے کی بحث میں شفاء العلیل فی القضاء والقدر والحکمة والتعطیل کا حوالہ دیا۔

گانے بجانے،قوالی اور سماع کے ردّ پر الکلام علی مسألة السماع کا ذکر کیا۔

حدود و احکامِ شرع کے نفاذ کی بحث میں اپنی کتاب الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة کا حوالہ دیا۔

پھر اپنے استاد،شیخ الاسلام،امام ابن تیمیہ کی کتاب کے جب وہ حوالے پیش کرتے ہیں،نیز اُن کے ساتھ گفتگو یا کسی موقع پر موجودگی اور کسی واقعہ میں اُن کے ہمراہ ہونا بیان کرتے ہیں تو بھی اس کتاب کی نسبت ان کی طرف طے ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی شواہد ہیں جو اس کتاب کی ان کی طرف نسبت ثابت کرتے ہیں۔

اس کتاب کا جو قدیم ترین نسخہ ہمارے سامنے آتا ہے وہ ۷۴۸ھ میں مؤلف کی زندگی میں ہی لکھا گیا ہے، امام ابن تیمیہ کی وفات ۷۲۸ھ کو ہوئی، اُن کی وفات کے بعد ہی علامہ ابن قیم نے اپنی زیادہ تر کتب تالیف فرمائی ہیں۔

موضوعِ کتاب

اس کتاب کے شروع میں دل کی بیماریوں اور اُن کے علاجوں پر بحث کی گئی ہے، لیکن اصل موضوع کتاب کا تیرھواں باب ہے جو پہلے بارہ ابواب کے سارے مواد کے مقابلے میں بھی کہیں لمبا اور مفصل ہے، مؤلف نے خود بتایا ہے کہ میں نے یہ کتاب اس باب کی وجہ سے مرتب کی ہے۔

یہ باب شیطانی وسوسوں، اس کے حیلوں اور مکروفریب پر مشتمل ہے، ذیل میں اس کے چند نمونے دیے جاتے ہیں:

☆ شیطان انسان کو کئی چکروں میں دھوکے سے پھنساتا ہے، جب وہ پھنس جاتا ہے تو خود اُس سے نکل جاتا ہے، اُسے رسوا ہوتا دیکھ کر مذاق اُڑاتا ہے۔

☆ وہ اہل ایمان کو اپنے لشکر سے ڈراتا ہے، تا کہ وہ جہاد نہ کریں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑ دیں۔

☆ وہ ہمیشہ عقل کو اپنے دامِ تزویر میں رکھتا ہے، بندے کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ میرے لیے نفع مند کیا ہے اور نقصان دِہ کیا ہے؟

☆ اُس نے سب سے پہلا دھوکہ اور فریب حضرت آدم وحواء کو دیا اور ان دونوں کو جنت سے نکال دیا۔

☆ جب وہ کسی بندے کی ہمت بڑھتی دیکھتا ہے وہ اُسے کمزور کرتا ہے، اگر اُسے کمزور دیکھتا ہے تو اُسے کمزوری پر پکا کرتا ہے۔

☆ باطل کلام، گھٹیا افکار و نظریات بھی اُس کا فریب ہیں۔

☆ اس کا ایک فریب یہ ہے کہ اُس نے متکلمین کی زبانوں سے یہ بات جاری کرائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیغمبر ﷺ کے فرامین محض الفاظ ہیں، پکی بات نہیں ہیں۔

☆ جاہل صوفیاء کو فریب دیا کہ قرآن وسنت کچھ نہیں، اصل حقیقت کچھ اور ہے جسے کشف کے نام سے مزین کر دیا۔

☆ بندے کو فریب دیا کہ اپنی خوش روئی اور خوش خُلقی سے فائدہ اٹھا کر بدکاریاں کرلے۔

☆ اگر بندے نے رضائے الٰہی کے کام کیے تو اُس کی عزت نفس اور پرسنالٹی کا کیا ہوگا؟

☆ بندے کو فریب دیا کہ مسجد، خانقاہ، درگاہ وغیرہ میں گوشہ نشین ہوجائے، اگر باہر نکلا تو اس کی عزت اور احترام میں کمی آئے گی۔

☆ بندے کو خود پسندی میں مبتلا کیا کہ لوگ اُس کے ہاتھ اور پاؤں چومیں۔

☆ زہد و ریاضت والوں کو ایسی خلوت پر لگا دیا جو اُن کو شارع کے کسی بھی حکم کی پابندی سے دور کردے۔

☆ لوگوں کو فریب دیا کہ وہ ایک خاص وضع، ایک لباس، ایک چال، ایک ڈھال، ایک بزرگ اور ایک خاص طریقت کے پابند ہوجائیں۔

ان فصول کو مختصر طور پر ذکر کر کے مؤلف نے بعض چیزوں پر کچھ مفصل کلام کیا ہے، وہ ایسی چیزیں ہیں جن کے ذریعے

سے شیطان انسانوں کو گمراہ کرتا ہے، مثلاً:

☆ شیطان نے بعض لوگوں کو طہارت اور نماز وغیرہ میں بہت وسوسے ڈالے، حتیٰ کہ وہ کئی بوجھوں اور رواجوں تلے دبتے چلے گئے اور اتباعِ سنت سے دور نکل گئے، مؤلف نے وسوسہ والوں کے دلائل پر خوب ردّ کیا ہے۔

☆ شیطان کا ایک بڑا فریب لوگوں کو قبروں کی تعظیم اور عبادت پر لگانا ہے، اُن پر گنبد اور مساجد بنتی ہیں، چراغ جلائے جاتے ہیں۔

☆ لوگوں کو شیطان نے گانے اور موسیقی پر لگا دیا ہے، پھر سماع وغیرہ ناموں پر مفصل کلام اور احادیث سے ان کی حرمت بیان کی ہے۔

☆ حلالہ والے کرائے کے سانڈ کا مفصل ردّ ہے، جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے۔ ملعون حلالے کی مصیبت اور تین طلاقوں کے بیک وقت وقوع پر بھی مفصل کلام ہے۔

☆ حیلوں بہانوں کا ردّ بھی مفصل ہے جن کے ذریعے سے شیطان لوگوں کو حرام کو حلال بنانے پر آمادہ کرتا ہے، اس کی مختلف صورتوں پر بہت تفصیلی بات کی گئی ہے۔

☆ صورتوں کے عاشقوں اور دنیا و آخرت میں ان کی حرماں نصیبی بھی ذکر کی گئی ہے۔

☆ منکرینِ آخرت، بت پرستوں اور چاند و سورج کے پجاریوں کا ردّ۔

☆ بے دین لوگوں کا ردّ اور ان کے نظریات اور گروہوں کی تفصیل۔

☆ دہریت اور خالقِ کائنات کے منکرین کا ردّ۔

☆ شرک، باری تعالیٰ کی صفات کی تعطیل اور نبوت کے انکار پر فلاسفہ کا ردّ۔

☆ عیسائیوں کی طرف سے اپنے دین کو بگاڑنے، باپ، بیٹا اور روح القدس، نیز عیسائیت کی تاریخ اور گمراہیاں، شیطان نے انہیں کیسے گمراہ کیا؟

☆ مغضوب قوم یہودیت کے ساتھ شیطان کیسے کھیلتا رہا، اور ان کی گمراہیوں کا ذکر۔

ان موضوعات پر حضرت امام نے قدرے مفصل کلام کیا ہے۔[1]

منہج مؤلف

دیگر کتب کی طرح اس کتاب میں بھی مؤلف نے کتاب و سنت اور آثارِ صحابہ و تابعین سے دلائل پیش کرنے کا منہج اختیار کیا ہے، کتاب کی ترتیب عمدہ ہے، علمی مواد مرتب ہے، بیان میں قوت ہے، الفاظ میں مٹھاس ہے، ہر موضوع کی پوری تفصیل و وضاحت ہے، کسی بھی نظریہ کی حمایت یا ردّ میں بہت سی مثالیں پیش کی ہیں، معاشرے کی اخلاقی فکری اور عقیدے کی بیماریوں کا

[1] حیلے اور مکر و فریب پر بہت مفصل اور مدلل کلام کیا گیا ہے۔ (مترجم)

ذکر اور علاج بھی اس کتاب میں مذکور ہے۔

علامہ ابن قیم کی تالیفات کی یہی خصوصیات ہیں، انہی میں سے بعض موضوعات پر انہوں نے مستقل کتب بھی تالیف فرمائی ہیں۔

ایک وقت یا ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کا مسئلہ اس کتاب میں بڑی تفصیل سے آیا ہے، ان کی دیگر کتب میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے، اُنہیں اس وجہ سے جیل میں بند کیا گیا اور ان پر کئی آزمائشیں اور امتحانات گزرے، کیونکہ ایک ہی لفظ سے تین طلاق کو ایک قرار دینا اکثر علماء کے نزدیک اچنبھے کی بات تھی، وہ تو تین ہی لاگو کر دیتے تھے، لیکن حضرت امام نے اس مسئلہ میں بہت احادیث، آثار اور لغت سے دلائل پیش کر کے اپنے مؤقف کو مضبوط طور پر ثابت کیا ہے۔

صورتوں کے عاشقوں اور دل کے مریضوں کے متعلق مباحث بھی نہایت عمدہ ہیں۔

کتاب کی اہمیت اور مصادر

شیطان کے فریبوں، دھوکے اور گمراہیوں سے بچنے کے لیے یہ کتاب بہت مفید ہے، اس میں امراضِ قلب، فاسد عقائد اور مختلف فرقوں اور گروہوں کی گمراہیوں کا بیان بھی ہے۔ بدعت اور گمراہی کے ردّ کے ساتھ ساتھ ان بیماریوں کے علاج بھی بتائے گئے ہیں۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت اہمیت رکھتی ہے، علماء نے اسے پسند کیا ہے، اہل علم کے ہاں یہ متداول ہے، انہوں نے اس کی تعریف میں نظمیں لکھی ہیں، اس موضوع کی دوسری کتب کے مقابلے میں اس کے فوائد بتائے ہیں، طالب علموں کو اس سے استفادے اور پڑھنے کی خاص ترغیب دی ہے۔

تلبیس ابلیس اور اغاثہ کے عناوین میں کافی فرق بھی ہے، ابن جوزی کی کتاب بھی تیرہ ابواب پر مشتمل ہے، پہلے چار ابواب میں لزومِ جماعت، بدعت اور مبتدعین کی مذمت، شیطان کے مکروفریب سے بچاؤ، اور تلبیس وغرر کے معانی آ گئے ہیں۔ بقیہ ابواب میں عقائد، دین، علماء، سلاطین، زہاد، صوفیاء اور عوام پر شیطان کے فریبوں کا ذکر ہے۔

تیرھواں باب جو صوفیاء کے ردّ میں ہے اس میں بڑی لمبی بات ہے جو نصف کتاب سے بھی زیادہ ہے، لیکن جو موضوعات امام ابن قیم نے ذکر کیے ہیں، اُن میں سے بعض نمایاں ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں، اس طرح اس ترتیب وتفصیل کے ساتھ یہ مباحث کسی اور کتاب میں نہیں ہیں۔

مؤلف نے اس کتاب میں متنوع مصادر سے استفادہ کیا ہے، جو کہ حدیث، فقہ، تفسیر، لغت، ادب، تاریخ اور تصوف وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں، البتہ بعض موضوعات کو احسن انداز میں نبھانے کے لیے کچھ خاص کتب سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے، مثلاً: دلوں کی بیماریوں اور ان کے علاج کے متعلق امام احمد کی کتاب الزہد اور ابن ابی الدنیا کی دو کتابیں ذم الدنیا اور محاسبۃ النفس خاص قابل ذکر ہیں۔

وسوسہ اور اہل وسوسہ کے رد میں ابن قدامہ کی ذم الوسواس خاص ملحوظ رہی۔

قبروں اور مزارات کے متعلق امام ابن تیمیہ کی اقتضاء الصراط المستقیم سامنے رہی۔

بتوں اور تیروں کے ردّ میں ابوبکر طرطوشی اور ابوشامہ کی البدع ملحوظ رہی۔

سماع اور گانے کے متعلق بھی ابوبکر طرطوشی کی تحریم السماع، نووی کی روضۃ الطالبین، فتاویٰ ابن الصلاح اور گانے کے ناموں کے متلق ابن ابی الدنیا کی ذم الملاہی اور مکاید الشیطان اور ابوالحسین ابن المنادی کی احکام الملاہی قابل ذکر ہیں۔[1]

حلالے کے ردّ میں امام ابن تیمیہ کی بیان الدلیل علی ابطال التحلیل سامنے رہی، اور تین طلاقوں کے مسئلہ میں بھی اس پر زیادہ اعتماد رہا۔

حیلے کے مسئلہ میں بھی اس کتاب کے علاوہ ابن بطہ کی الحیل ملحوظ رہی۔

بت پرستوں کے متعلق ابن کلبی کی کتاب الاصنام اور سیرۃ ابن اسحاق سامنے رہیں۔

صابئین، دہری، فلسفی وغیرہ لوگوں کے ردّ میں ابن حزم کی الفصل اور شہرستانی الملل والنحل پر زیادہ اعتماد رہا۔

عیسائیوں کے افکار و باطل نظریات کے ردّ میں سعید بن بطریق نصرانی کی تاریخ اور یہود کے ردّ میں بذل المجہود فی إفحام الیہود از تالیف مسوال بن یحییٰ المغربی بڑا مصدر ہے۔ اس سلسلے میں ابن تیمیہ کی الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح بھی ملحوظ رہی۔

یہ چند اہم مصادر ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ مؤلف کا پورا اعتماد ان کتب پر رہا، بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان سے خاص استفادہ کیا گیا، مؤلف چونکہ بڑے عالم اور وسیع المطالعہ تھے اس لیے انہوں نے کئی مصادر ملحوظ رکھے۔ پھر آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ سے ان کے استدلالات بہت عمدہ ہیں۔

کتاب کے نسخے

دُنیا کی لائبریوں میں اس کتاب کے کئی نسخے موجود ہیں، کچھ کامل ہیں اور کچھ ناقص ہیں، ہمارے سامنے جو اہم نسخے رہے اُن میں سے بعض یہ ہیں:

(ا) علامہ عبدالعزیز میمنی[2] کا نسخہ

---

[1] مولانا محمد جوناگڑھی نے اس موضوع پر نور محمد المعروف بحرمت قوالی اردو میں عمدہ کتاب لکھی ہے، راقم نے اس کی تحقیق وتخریج نیز مکمل تصحیح کی تھی، جسے مکتبہ محمدیہ اردو بازار لاہور نے شائع کیا تھا۔

اسی طرح مولانا احمد علی لاہور نے "شهادة النحارير على حرمة المزامير" لکھی، جو رفاہ عام پریس لاہور سے ۱۳۴۳ھ کو شائع ہوئی۔
اس طرح برصغیر کے اہل علم کو اس موضوع سے بھی خاص تعلق رہا ہے۔ (مترجم)۔

[2] علامہ عبدالعزیز میمنی ۲۳ اکتوبر ۱۸۸۸ء کو ضلع راج کوٹ میں پیدا ہوئے، عربی زبان وادب کے مایہ ناز سکالر اور استاد تھے، تحقیق تالیف یا ترجمہ کے حوالے سے انہوں نے تیس ۳۰ سے زائد کتب لکھیں، کئی مخطوطات کو منظر عام پر لائے، اہل عرب انہیں امام اللغۃ اور الاستاذ کہا کرتے تھے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج اور کراچی اور پشاور کی سرکاری درسگاہوں میں عربی کے پروفیسر یا صدر شعبہ رہے۔ کراچی سے محمد راشد شیخ نے ان کے حالات پر مستقل کتاب لکھی ہے جو ۶۳۲ صفحات میں شائع ہوئی ہے، عقیدے میں سلفی اور اہل حدیث نقطۂ نظر کے حامل تھے، انہوں نے ۲۷۔ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو کراچی میں وفات پائی (از مترجم)

یہ علامہ عبدالعزیز میمنی کا خاص نسخہ ہے، یہ سندھ یونیورسٹی جام شورو (صوبہ سندھ پاکستان) میں 36335 نمبر کے تحت موجود ہے۔ یہ مؤلف کے حینِ حیات ۷۴۸ھ میں لکھا گیا، اس کے آخر میں ایک نظم ہے، جس کے دو شعر اس طرح ہیں۔

إن شئت أن تنجو من الشيطان　　فالزم كتاب إغاثة اللهفان

فيه شفاء القلب من أمراضه　　وهو الطريق إلى رضا الرحمٰن

''اگر تو شیطان سے بچنا چاہتا ہے، تو اِغاثۃ اللھفان کتاب کو لازم پکڑ لے، اس میں دل کی بیماریوں کا علاج ہے، یہ رحمٰن (اللہ) کی طرف پہنچنے کا راستہ بھی ہے۔''

(ب) برنسٹن یونیورسٹی کا نسخہ

یہ نسخہ ۷۹۰ھ کو لکھا گیا، یہ بھی قدیم نسخوں میں سے ہے۔

(ج) نسخہ کو پریللی

یہ نسخہ محمد بن ابراہیم بدر بشتکی کے خط سے ہے، ان کی پیدائش ۷۴۸ھ میں جبکہ وفات ۸۳۰ھ میں ہوئی، وہ بڑے ادیب اور شاعر تھے، یہ نسخہ اسی زمانے میں لکھا گیا۔ یہ نسخہ مجھے ڈاکٹر عبداللہ البراک نے ترکی سے فوٹو کاپی کروا کر بھیجا، اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

(د) نسخہ تشستر بیتی

یہ نسخہ خط نسخ میں ہے اور ۹۸۴ھ کو لکھا گیا ہے، اس کے کاتب محمد تاتلاتی نے اس کتاب کی تعریف میں چند فی البدیہہ اشعار کہے۔

يا من يخاف مكايد الشيطان　　و يروم سبل خلاصة الايمان

شمر ذيولك كى ترى سنن الهدىٰ　　فى طيى زبر إغاثة اللهفان

''اے وہ شخص جو شیطان کے مکروں سے خوفزدہ ہے اور خالص ایمان کی راہوں پر چلنے کا امیدوار ہے، ہدایت کے طریقوں کو اپنانے کے لیے اپنی کمر کس لے، اس کتاب اغاثۃ اللھفان کے ساتھ جو کاغذ میں لپٹی ہوئی ہے۔''

اس کے بعد چند اشعار اور ہیں، پھر ان اشعار کے خاتمہ پر دس ابیات پر مشتمل ''ن'' کے قافیہ میں ہی چند عمدہ اشعار مزید مکتوب ہیں۔

(و) نسخہ محمودیہ

مدینہ منورہ کی شاہ عبدالعزیز لائبریری میں یہ نسخہ موجود ہے، یہ ۱۱۵۷ھ کو لکھا گیا ہے۔

یہ چند عربی نسخوں کا مختصر تعارف ہے جو میرے علم میں آئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کتاب کے دس سے زائد نسخے دنیا کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہیں، بھارت میں ایک نسخہ خدا بخش پٹنہ لائبریری، ایک ہمدرد یونیورسٹی لائبریری دہلی اور ایک فارسی رسم الخط میں دار العلوم ندۃ العلماء لکھنؤ میں ہے۔

مولانا عبداللہ غازی پوری (متوفی ۱۳۳۷ھ) نے "ابراء أهل الحديث والقرآن مما فی جامع الشواهد من التهمة والبهتان" میں اس کا کچھ حصہ اردو میں نقل کیا ہے۔ الشیخ عزیر شمس کے مقدمہ سے استفادہ یہاں پر مکمل ہوا۔

إغاثۃ اللھفان

اس نام سے امام ابن قیم نے دو کتب لکھی ہیں: ایک اغاثۃ اللھفان فی طلاق غضبان و سکران یعنی غصے والے اور مدہوش شخص کی طلاق کے حکم کے بارے میں۔ جبکہ دوسری کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ شیطان کے فریبوں کے بارے میں ہے۔ پہلی کو اغاثۃ صغریٰ اور دوسری کو اِغاثۃ کبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ اس کتاب کے ساتھ ہر دور کے علماء کو خاص شغف رہا ہے۔ اہل عرب نے اسے متعدد تحقیقات اور تخریجات کے ساتھ شائع کیا ہے۔ برصغیر کے علماء نے بھی اس سے خوب استفادہ کیا ہے۔ اس کے متعدد حصوں سے بہت فائدہ اٹھایا۔ اُن کو تلخیص یا ترمیم کے ساتھ بعض کتب کا حصہ بھی بنایا۔

ترجمۂ کتاب

راقم الحروف کو اللہ کریم نے عربی سے اردو ترجمہ کی صلاحیت عنایت فرمائی ہے۔ ۱۹۹۹ء سے اب تک عرصہ اٹھارہ برس میں کم وبیش بیس ۲۰ کتب کا ترجمہ میرے قلم سے ہو چکا ہے۔ نصف کے قریب شائع شدہ بھی ہیں۔ مجھے الفاظ سے آزاد ترجمہ/ ترجمانی کی عادت نہیں، یہ دینی اور شرعی کتب کے ترجمہ کا تقاضا بھی ہے۔ کبار اہل علم نے میری شائع شدہ کتب پر تقاریظ، مقدمے اور تبصرے تحریر فرما کر توثیق اور حوصلہ افزائی کی ہے۔

کتاب سرسری طور پر میں نے پہلے بھی دیکھی تھی لیکن ترجمہ کرتے ہوئے حرف بحرف پڑھی اور اس کتاب کو بہت مفید پایا۔

حدیث شریف میں ہے کہ'' دین خیر خواہی کا نام ہے'' دراصل یہ کتاب اسی جذبہ کی عکاس ہے۔ یہ ایک دردِ دل والے کی آواز ہے۔ جو قرآن وحدیث کے چراغ لے کر لوگوں کو شیطانی گمراہیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے بچانے اور دور ہٹانے کے لیے سرراہ کھڑا ہے۔ باطل پرست اور شیطان کے بھائی اُس پر سب وشتم بھی کرتے ہیں، اُسے اس کے عمل خیر سے روکتے ہیں لیکن وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا کیے بغیر فی سبیل اللہ جہد مسلسل اور عمل پیہم جاری رکھے ہوئے ہے۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ ۲۰۰۶ء میں کیا گیا، ۱۲ اپریل ۲۰۰۷ء کو عرضِ مترجم لکھا گیا، دس سال تک یہ ترجمہ کمپوزر کے کمپیوٹر میں پڑا رہا، ۲۰۱۶ء کے آخری مہینوں میں یہ ترجمہ حاصل کر کے اس کی پروف ریڈنگ اور نظر ثانی کا کام کیا گیا اور اُسی عرضِ مترجم میں کچھ ترمیم کر کے اس مقدمہ کی صورت میں شامل کیا جا رہا ہے۔

دس سال بعد جب یہ ترجمہ لفظ بلفظ پڑھا گیا تو اسے بہتر ہی پایا گیا، البتہ ضمیروں اور اشارات کے تراجم وہ، اُن، اُس، یہ وغیرہ سے بدل کر اصل الفاظ دینے کی کوشش کی گئی تا کہ تفہیم میں آسانی ہو اور بہت سی ضمیروں کا ترجمہ حذف بھی کر دیا گیا۔ تصحیح میں باریک بینی سے کام لیا گیا ہے لیکن قارئین کرام اگر کوئی خطا پائیں تو ضرور اطلاع کریں۔

حیلہ کے ردّ میں خاص فقہی مباحث اور دیگر مباحث میں بھی ضمیریں بہت ہوتی ہیں، وہاں ترجمہ میں ان کو کسی حد تک ملحوظ رکھا

گیا ہے، بعض مباحث کے خاص الفاظ اور اصطلاحات ہوتی ہیں، اُن کا ذکر بار بار آتا ہے، اُن کا ترجمہ لمبی عبارت کا تقاضا کرتا ہے، وہاں شروع میں تو ترجمہ دیا گیا، بار بار آنے پر وہی لفظ دہرایا گیا، ایسا مقام ترجمے کی پیچیدگی کا ہوتا ہے، علماء ان مواقع کو بخوبی سمجھ جاتے ہیں، وہاں اصل ضرورت بھی علماء کے استفادے کی ہوتی ہے، ہر ایک کی نہیں۔

مترجم کے ملحوظ نسخے

(۱) شیخ محمد حامد الفقی کی تحقیق والانسخہ:

اس کے ٹائٹل پر ''توزیع عباس احمد الباز مکة المکرمة'' لکھا ہے۔ نام اِغاثۃ اللھفان من مصاید الشیطان ہے، اندرونی ٹائٹل پر دار المعرفة بیروت لبنان لکھا ہے، پھر حصہ اول کی فہرست ہے، جبکہ دوسرے حصے کی فہرست کتاب کے آخر میں ہے، یہ کتاب ایک جلد میں بڑے سائز کے ۸۴۳ صفحات پر طبع کی گئی ہے۔ جس کی تقسیم اس طرح ہے کہ پہلے حصے میں دیباچہ اور فہرست کے ۲۸ صفحات ہیں، پھر ۴۰۴ صفحات پر مشتمل پہلا حصہ ہے۔ دوسرے حصے کے آخر میں فہرست ہے اور فہرست سمیت یہ حصہ ۴۱۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ میں نے اس نسخے کو سامنے رکھا ہے اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ یہ نسخہ بہت عمدہ ہے، میں نے ترجمہ کر کے یہ نسخہ واپس کر دیا تھا، اب دس سال بعد نظر ثانی کے وقت مجھے یہ نسخہ نہیں مل سکا۔ البتہ جب نظر ثانی مکمل ہوگئی تو انٹرنیٹ کے مکتبہ شاملہ سے یہ نسخہ مل گیا، لیکن کئی مقامات پر جو نگاہ ڈالنا مقصود تھی وہ کام نہ ہو سکا۔

(۲) شیخ محمد حسین عفیفی کی تحقیق والانسخہ:

یہ نسخہ دو الگ الگ جلدوں پر مشتمل ہے، میرے سامنے جو نسخہ ہے یہ جمعیة احیاء التراث الاسلامی کویت کا شائع کردہ ہے، یہ طبع ثالثہ ہے جو ۱۹۹۸ء بمطابق ۱۴۱۹ھ کو معرضِ اشاعت میں آئی ہے، پہلی جلد کے شروع میں شیخ عفیفی کا دیباچہ اور چند نسخوں کی تصاویر ہیں یہ حصہ ۵۱ صفحات پر مشتمل ہے، پھر کتاب کا پہلا حصہ جس کے آخر میں فہارس ہیں ۶۰۲ صفحات پر مشتمل ہے، دوسری جلد کی فہرست بھی آخر میں ہے اور یہ ۶۶۸ صفحات پر مشتمل ہے کل ملا کر یہ سوا تیرہ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ نسخہ مجھے میرے عزیز اور ساتھی مولانا منیر احمد وقار (ایم فِل ساکن کامونکی، حال مقیم لاہور) نے ترجمہ کے دوران خاص طور پر بطور ہدیہ عنایت فرمایا تھا۔ جزاہ اللہ خیراً۔ علامہ حامد الفقی والے نسخے کی نسبت اس میں بہت غلطیاں ہیں۔ میں نے غلطیوں پر نشانات لگائے ہیں، ہر تین چار صفحات کے بعد کوئی نمایاں غلطی یا کمی بیشی آجاتی ہے، کئی جگہ پر دسیوں سطریں بلکہ پورے صفحے تک چھوڑ دیا گیا ہے، اس طرح اس میں بہت نقائص ہیں۔ ان نقائص کی نشاندہی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ محقق نے الشیخ الفقی کی تحقیق والے نسخے پر اپنے مقدمے میں بہت اعتراضات پیش کیے ہیں، الشیخ عفیفی کی کتاب بعد میں شائع ہونے کے باوجود زیادہ غلطیوں پر مشتمل ہے۔

البتہ الشیخ عفیفی نے تخریج احادیث کی بہت مفصل اور کامیاب کوشش کی ہے، بعض جگہ لمبے توضیحی حواشی لکھے ہیں، اس طرح تحقیق و تخریج کے طلبگاروں کے لیے یہ نسخہ قابل مطالعہ ہے۔

(۳) الشیخ محمد عزیز شمس کی تحقیق والا نسخہ:

یہ دار عالم الفوائد مکہ مکرمہ نے ۱۴۳۲ھ میں یعنی آج سے کوئی چھ برس قبل دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ پہلی جلد کے شروع میں ستر صفحات مقدمہ یا نسخوں کی تصاویر کے لیے ہیں، پھر متن کتاب سے نمبر دوبارہ شروع ہوتے ہیں اور ۱۱۵۷ صفحات پر مشتمل یہ متن دو جلدوں میں مسلسل ترقیم کے تحت ہے، دوسری جلد کے آخر میں ۲۴۰ صفحات پر مشتمل مفصل فہارس ہیں۔ اس طرح اس کے کل صفحات ۱۴۶۵ کے لگ بھگ ہیں۔

محقق نے تحقیق کا خوب حق ادا کیا ہے، صفحات کے نیچے ہی حوالہ جات کا اہتمام ہے، ضروری مقام پر توضیحی حاشیہ دیا جاتا ہے اور بعض حواشی بہت مفصل اور مفید ہیں، اس طرح یہ نسخہ اس کتاب کا اب تک مؤخر ترین اور جدید ترین قرار دیا جا سکتا ہے، کتاب کے ترجمہ میں اس نسخہ کی موجودگی سے بہت فائدہ ہو سکتا تھا لیکن ترجمہ کرنے سے تقریباً پانچ برس بعد یہ شائع ہوا ہے، لہٰذا نظر ثانی میں معدودے چند مقامات پر اس کی طرف رجوع کیا گیا۔

(۴) محمد بن عبد اللطیف طالبی کی تحقیق والا نسخہ:

یہ نسخہ دار طیبہ الریاض نے شائع کیا ہے، شروع میں دو صفحات کا دیباچہ اور دو صفحات میں ہی حضرت امام کے احوال ہیں، پھر اصل متن شروع ہو جاتا ہے، فہارس اس کے آخر میں ہیں، صفحات کی کل تعداد ۹۰۴ ہے۔ اس کی جلد، کاغذ، کمپوزنگ اور طباعت عمدہ ہیں۔ البتہ توضیحی حواشی نہ ہونے کے برابر ہیں، کہیں کہیں تخریج حدیث کا مختصراً اہتمام کیا گیا ہے۔ تحقیق و تخریج کے نقطۂ نظر سے یہ قابل حوالہ نہیں ہے۔ یہ نسخہ مجھے نظر ثانی مکمل ہونے کے بعد لاہور میں عربی کتب کے بڑے تاجر جناب عبد الرحیم (کوئٹہ والے) نے عنایت فرمایا۔ اللہ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

محققین کا تعارف

ذیل کی سطور میں ان چند محققین کا تعارف دیا جا رہا ہے، ان میں الشیخ محمد حامد الفقی کے احوال کی تفصیل نسبتاً زیادہ ہے، کیونکہ انہی کے نسخے کے مطابق میں نے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔

① سوانح الشیخ محمد حامد الفقی

پیدائش اور ابتدائی تعلیم:

ان کی پیدائش ۱۳۱۰ھ بمطابق ۱۸۹۲ء کو مصر کے ضلع بحیرہ، تحصیل شبراخیت کے گاؤں نکلا العنب میں ہوئی۔ ان کے والد بھی ازہر کے تعلیم یافتہ تھے اور ان کی والدہ قرآنِ پاک کی حافظہ، قاریہ اور عالمہ تھیں، ان والدین کی سرپرستی میں یہ پروان چڑھے، بارہ برس کی عمر میں قرآنِ پاک حفظ کر لیا اور اپنے والد سے معانی اور تفسیرِ قرآن کا علم حاصل کیا۔

اعلیٰ تعلیم:

ان کے والد نے اپنے چار بڑے بیٹوں کو چار فقہی مذاہب میں تخصص کے ساتھ علم حاصل کرنے کا حکم دیا، بڑا بیٹا مالکی، دوسرا حنفی، تیسرا شافعی جبکہ چوتھے حامد الفقی حنبلی فقہ سیکھنے لگے۔ تین بیٹوں نے والد محترم کی تجویز کے مطابق مہارت حاصل کی البتہ حامد الفقی جامعہ ازہر میں حنفی بن کر داخل ہوئے، یہ ۱۳۲۲ھ ۱۹۰۴ء کی بات ہے۔ وہاں فقہ اور نحو سیکھی، اس زمانے میں کتاب کی تکمیل نصاب تھا، کلاس کا نصاب نہیں تھا۔ نحو میں کتاب الکفراوی اور فقہ میں مراقی الفلاح کے بعد دیگر کتب کی تکمیل کی۔ اٹھارہ برس کی عمر میں حدیث اور تفسیر پڑھی اور کتاب وسنت کا علم ان کے رگ وپے میں معنوی اور روحانی طور پر رچ بس گیا۔

حدیث وسنت کی دعوت:

حدیث وتفسیر کے علاوہ صحیح ومستقیم منہج والے ائمہ کی کتب کا مطالعہ کیا جن میں امام احمد بن حنبل، ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن حجر خاص قابل ذکر ہیں، پھر صحیح اسلام کی روح کو سمجھا اور بدعات وخرافات سے سخت متنفر ہو گئے۔ اس طرح کتاب وسنت اور صحیح عقیدہ کے داعی بن گئے۔ جب اس کی تبلیغ شروع کی تو کوئی قریبی ساتھی بھی مشکلات کا مقابلہ نہ کرتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے۔

۱۹۱۷ء یعنی پچیس برس کی عمر میں جامعہ ازہر سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور کتاب وسنت کی دعوت پر کمر بستہ ہو گئے، ۱۹۱۹ء کے انقلاب میں بھی ان کا نمایاں مقام رہا۔

۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۶ء تک سولہ برس کی جدوجہد کے بعد جماعت انصار السنۃ المحمدیہ کی بنیاد رکھی۔

۱۹۳۶ء میں مجلہ الھدی النبوی شروع کیا، جو کئی برس تک مقبول اور متداول رہا اور دنیا کے کبار اہل علم اور ائمہ حرمین شریفین اس میں مضامین لکھتے رہے۔

ان کی زندگی جہاد سے عبارت تھی اور قرآن پاک وصحیح حدیث کے وہ سب سے بڑے داعی تھے، اس کے لیے انہیں بہت سی مشکلات کا بھی مسلسل سامنا رہا۔ ان کا سلسلہ وعظ وتبلیغ بھی ملک مصر اور دنیا بھر میں مقبول رہا۔

تحریر وتصنیف:

حامد الفقی نے درج ذیل کتب کی تحقیق کی، جو کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی ہیں:

① اقتضاء الصراط المستقیم
② مجموعہ رسائل
③ القواعد النورانیۃ الفقھیہ
④ المسائل الماردینیہ
⑤ المنتقی من اخبار المصطفی
⑥ موافقۃ صحیح المنقول لصریح المعقول (شیخ محمد محی الدین عبدالحمید کے ساتھ مل کر)
⑦ نفائس مشتمل بر چہار رسالہ

⑧ الحموية الکبریٰ

علامہ حامد الفقی نے امام ابن قیم کی درج ذیل کتب کی تحقیق کی:

⑨ إغاثۃ اللھفان

⑩ المنار المنیف

⑪ مدارج السالکین

⑫ رسالۃ فی احکام الغناء

⑬ التفسیر القیم

⑭ رسالۃ فی امراض القلوب

⑮ الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ

دیگر مؤلفین کی درج ذیل کتب کی بھی تحقیق کی:

⑯ فتح المجید از الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن

⑰ بلوغ المرام از حافظ ابن حجر عسقلانی

⑱ جامع الاصول من احادیث الرسول از ابن الاثیر

⑲ الاختیارات الفقھیۃ من فتاویٰ ابن تیمیہ از علی الدمشقی

⑳ کتاب الاموال از علامہ الھروی

㉑ الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف

㉒ جواہر العقود و معین القضاۃ از سیوطی

㉓ ردّ الامام عثمان علی بشر المریسی

㉔ شرح الکوکب المنیر

㉕ اختصار ابن النجار

㉖ کتاب الشریعۃ از امام علامہ آجری

㉗ العقود الدریۃ من مناقب ابن تیمیہ

㉘ القواعد و الفوائد الاصولیۃ از ابن اللحام

㉙ مختصر سنن ابوداود از منذری (شیخ احمد شاکر کے ساتھ مل کر)

㉚ معارج الالباب فی مناہج الحق و الصواب

㉛ تیسیر الوصول إلی جامع الاصول

(۳۲) العقود از شیخ الاسلام (شیخ البانی کے ساتھ مل کر)۔

مجلہ اخبار التراث الاسلامی ۱۹۸۸ء کی اشاعت میں ہے کہ ہزاروں کتب پر مشتمل ان کے ذخیرے میں ستر سے زائد مخطوطات بھی تھے۔

وفات اور اولاد:

۷۔رجب ۱۳۷۸ھ بروز جمعہ بمطابق ۱۶ جنوری ۱۹۵۹ء کی صبح العجوزہ ہسپتال میں ایک عمل جراحی کے بعد بوقت فجر ان کا انتقال ہوگیا۔اس سے قبل انہوں نے پانی منگوا کر وضو کیا اور نمازِ فجر میں سورۃ الرعد مکمل پڑھی، ان کی وفات کی خبر جلد پھیل گئی اور ملک بھر سے بڑی تعداد میں عوام الناس، علماء اور حکام وقت نے شرکت کی۔

ان کے تین بیٹے تھے (۱) طاہر محمد (۲) سید احمد اور (۳) محمد طیب۔ بڑا بیٹا ان کے سفر حج کے دوران وفات پا گیا تھا، دوسرا ان کی وفات سے ایک برس قبل وفات پا گیا اور خطبہ جمعہ کے بعد انہوں نے خود ہی اس کا جنازہ پڑھایا۔تیسرا ان کی زندگی تک بقید حیات تھا۔

اللہ تعالیٰ اس عالم بے بدل پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔

(از ہری سلفی کے قلم سے۔انٹرنیٹ سے عربی میں ماخوذ، پھر ترجمہ اور استفادہ)

(۲) الشیخ محمد حسنی عفیفی

ان کی تحقیق کے ساتھ اغاثۃ اللھفان دو جلدوں میں جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت نے ۱۴۱۹ھ بمطابق ۱۹۹۸ء کو شائع کی۔البتہ ان کے مقدمہ کے آخر میں ۱۷ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ بمطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۸۴ء تاریخ لکھی گئی ہے۔الشیخ عفیفی نے کتاب کی تحقیق اور حواشی پر بہت محنت کی ہے اور سلفی نقطہ نظر اجاگر کیا ہے۔ کتاب کے آخر میں ۴۹۷ سے ۶۶۷ تک ۱۷۰ صفحات پر مشتمل فہارس ہیں۔ان کے مزید احوال پر مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی۔

(۳) الشیخ محمد عزیز شمس:

مولانا سید ڈاکٹر محمد عزیز شمس کا تعلق بھارت سے ہے، ایک عرصہ سے سعودی عرب، مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں، ۲۰۰۵ء اور ۲۰۱۲ء کے سفر عمرہ میں میری ان سے ملاقات ہوئی، بلکہ ان کے ہمراہ ہی مولانا ابو الاشبال شاغف بہاری کے گھر اور مکتبہ کی زیارت ہوئی، مجھے ان دونوں کے گھر میں مہمان بننے کا شرف حاصل ہوا ہے، ۲۰۱۵ء کے سفر عمرہ میں مولانا ابو الاشبال کے دفتر رابطہ عالم اسلامی میں ملاقات کے لیے حاضر ہوا، لیکن جانبین کی مصروفیت کے سبب سے عزیز صاحب کے ساتھ ملاقات نہ ہو سکی، البتہ کسی واسطہ سے کتب کے تحائف کا تبادلہ ہوا۔ یہ کئی کتب کے محقق اور مصنف ہیں۔ ان کے نسخہ پر "آثار ابن قیم و مالحقها من الأعمال" لکھا ہے جس کا مطلب ہے کہ مکہ مکرمہ میں ان کا ادارہ حضرت امام ابن قیم کی تالیفات کی طباعت اور

نشر واشاعت میں خاص دلچسپی لے رہا ہے۔ حفظہ اللہ

④ الشیخ محمد عبد اللطیف الطالبی: کے احوال مجھے نہیں مل سکے۔

چند توضیحات

- ترجمہ عبارت کے الفاظ کو مکمل سامنے رکھ کر ایسا با محاورہ کیا گیا ہے کہ شاید کوئی لفظ بھی نہ چھوٹا ہوگا۔
- اس کتاب کا تیرھواں باب کتاب کے تقریباً ۸۰ فیصد حصہ پر مشتمل ہے اس میں بہت سی فصلیں ہیں ان فصلوں پر میں نے آسانی کے لیے عنوانات لگا دیئے ہیں۔ کچھ عنوانات پہلے ابواب کی فصلوں پر بھی لگائے گئے ہیں۔
- قرآن پاک کے ترجمہ میں کسی حد تک مولانا فتح محمد جالندھری کے ترجمہ سے مدد لی گئی ہے۔ چھوٹی چھوٹی آیات کا ترجمہ ہر جگہ پر میں نے خود کیا ہے۔ جہاں ضرورت پڑی مولانا کے ترجمہ میں معمولی رد و بدل بھی کیا گیا۔ بالخصوص اللہ پاک کی صفات والی آیات میں جہاں تاویل کا شائبہ نظر آ رہا تھا۔
- تخریج احادیث میں زیادہ مدد شیخ عفیفی کی تخریج سے لی گئی ہے۔ لیکن کافی مدد شیخ الفقی کے حوالوں سے بھی لی گئی ہے۔ بعض احادیث کی میں نے خود تخریج کی ہے۔
- میرے ہاں اس طرح کی کتب پر تخریج کا نقطۂ نظر صرف حوالے لگا دینا ہے۔ اگر ایک حوالہ مل جائے تو بھی کافی ہے۔ اس لیے میں نے زیادہ حوالوں سے گریز کیا ہے کیونکہ کتاب پہلے ہی طویل تھی اور ایک جلد میں شائع کرنے کا ارادہ تھا۔
- صحیح بخاری یا دیگر حوالوں کے ساتھ ہم نے کوشش کی ہے کہ مسند امام احمد کا حوالہ ضرور دیا جائے۔ کیونکہ وہ کتاب اکثر احادیث پر مشتمل ہے اور اس میں سے حدیث شریف کو تلاش کرنا آسان بھی ہوتا ہے۔ یہ حوالہ چھ جلدوں والے نسخے کے مطابق ہے۔
- ضروری مقامات پر راقم نے خود توضیح کر کے آخر میں (مترجم) لکھ دیا ہے۔ الشیخ حامد الفقی کی توضیحات کے آخر میں (الفقی) اور الشیخ محمد عفیفی کی توضیحات کے آخر میں (عفیفی) لکھ دیا گیا ہے۔
- ناراضگی، فوتگی وغیرہ الفاظ ادبی قاعدہ کی رو سے درست نہیں ہیں لیکن ان کی تعبیر اور وسیع مفہوم لوگوں کے اذہان میں موجود اور بکثرت مروج ہونے کے سبب سے ہم نے انہی الفاظ کو استعمال کیا ہے۔

عالمی نظریات، عقائد اور چند شخصیات

اس کتاب کے آخری حصے میں مؤلف نے کئی نظریات، عقائد و افکار پر بحث کی ہے، اُن کی غلطیاں اور کمزوریاں ذکر کر کے اسلام کی حقانیت واضح کی ہے، اس حوالے سے چند شخصیات کا بکثرت ذکر آیا ہے، حواشی میں اُن کے تعارف کے بجائے مقدمہ میں ہی ان کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

① فیثاغورث

۵۸۲ قبل مسیح میں پیدا ہوا، ایک مذہبی اور سیاسی فلسفے کا بانی ہوا، جسے فیثاغورث اِزم کہا جاتا ہے، اعلیٰ اخلاقی اقدار کا پیامبر تھا، ریاضی سے اس کو خاص شغف تھا، اور اعداد کو کائنات کا رازِ خاص سمجھتا تھا، اس نے ۵۰۰ قبل مسیح میں انتقال کیا۔

② سقراط

۴۶۹ قبل مسیح میں پیدا ہوا، اس نے علم کو عام کرنے کی تحریک چلائی، کئی علوم کی اصطلاحات وضع کیں، اور بعض کی تجدید و توضیح کی، مخالفین نے اس پر مذہب کی گستاخی کا الزام عائد کیا، اور سزائے موت میں اسے زہر کا پیالہ ۳۹۹ قبل مسیح میں پینا پڑا، جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔

③ بقراط

۴۶۰ قبل مسیح میں پیدا ہوا، ماہر طبیب اور سائنس دان تھا، انسانوں کی بیماریوں کو دیوتاؤں کی ناراضگی کا سبب قرار دینے کے نظریئے کا رد کیا اور بیماریوں کے اسباب بتائے۔ ۳۷۷ قبل مسیح میں اس کا انتقال ہوا۔

④ افلاطون

۴۲۷ قبل مسیح میں پیدا ہوا، اس نے جمہوریت کا نظریہ پیش کیا، مرد وزن کے مساوات کے تصور کا بھی یہ موجد ہے، فلسفہ اس کا خاص موضوع تھا، ۸۰ برس کی عمر میں کسی شادی کی دعوت میں شامل تھا کہ اچانک وفات پا گیا، اس کا انتقال ۳۴۷ قبل مسیح کو ہوا۔

⑤ ارسطو

اس کو ارسطاطالیس بھی کہا جاتا ہے، اس کی پیدائش ۳۸۴ قبل مسیح میں ہوئی، طبیعیات، فلکیات، حیوانیات، سیاسیات و اخلاقیات میں اس نے بہت محنت کی اور اپنے نتائج پیش کیے، اس کا انتقال ۳۲۲ قبل مسیح میں ہوا۔

⑥ جالینوس

اس کی پیدائش ۱۳۰ء میں ہوئی۔ طب، منطق، فلسفہ، اخلاقیات اور عربی کی نحو وصرف سے اس کو خاص لگاؤ تھا، طب میں جوارش جالینوس اس کی شہرہ آفاق ایجاد ہے، اس کا انتقال ۲۰۰ء کو ہوا۔

⑦ زرتشت

اس کو زردشت بھی کہا جاتا ہے، اس کی پیدائش افغانستان کے علاقے میں چھ ہزار برس قبل مسیح اندازہ کی گئی ہے، اس وقت دنیا میں آتش پرستی کا عروج تھا، اس نے اس کا رد کیا، پھر سورج کی عبادت کا نظریہ پیش کیا اور خیر وشر کے دو الگ الگ خداؤں کا نظریہ بھی اس کی ایجاد ہے، اس کا مذہب پارسی ازم کی صورت میں باقی ہے۔ امام ابن قیم نے اس کتاب میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قوم کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔

⑧ مہاویر

گوتم بدھ کا ہم عصر تھا، اس کا زمانہ پانچ سو برس قبل مسیح اندازہ کیا گیا ہے، یہ جین مت کا بانی ہے، اس نے ترکِ دنیا اور دنیا کی لذتوں سے فائدہ نہ اُٹھانے کا نظریہ پیش کیا۔ اس کا تعلق بھارت کے علاقے سے تھا۔

⑨ کنفیوشس

اس کو کنفیوشن بھی کہا جاتا ہے، اس کا زمانہ بھی پانچ سو برس قبل مسیح کا ہے، اس کا تعلق چین کے علاقے سے تھا، علاقے کا چیف جسٹس اور مالدار تھا، ترکِ وطن کر گیا، ایک عرصے بعد معلم بن کر لوٹا، اور لوگوں کے اخلاق و کردار کی اصلاح کرنے لگا، اس کے اقوالِ زریں کتب کی زینت ہیں۔

⑩ گوتم بدھ

اِسے مہاتما بدھ بھی کہا جاتا ہے، یہ کپل وستو (نیپال) میں ۵۶۳ قبل مسیح کو پیدا ہوا، شاہِ وقت کا بیٹا تھا، روح کی ہدایت، روشنی اور سکون کے متعلق بکثرت غور و فکر کرتا تھا، ترکِ دنیا کر کے جنگلوں اور دور کے ملکوں میں گھومنے لگا، اس نے دکھ اور بیماری سے نجات کا فلسفہ پیش کیا اس نے خدا یا کسی دیوتا کا ذکر نہیں کیا، نہ کوئی کتاب لکھی اور نہ با قاعدہ مذہب پیش کیا، البتہ اس کے ماننے والوں نے اس کی تعلیمات پر ایک مذہب قائم کر لیا، اس کا انتقال ۴۸۳ قبل مسیح میں ہوا۔ بدھ مت کے بڑوں کی اصل تعلیمات کے مطابق کسی کو تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں ہے، آج کل جو کچھ برما میں مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے یہ بدھ مت کی تعلیمات کے خلاف ہے۔

⑪ سینٹ پال

۴ء کو پیدا ہوا، اس کو ساؤل بھی کہا جاتا ہے، یہ رومی یہودی تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تو مسیحیت کی طرف راغب ہو گیا، پہلے یہ مسیحیت کا سخت مخالف تھا اب اس کے حق میں پر جوش مبلغ بن گیا، اس کی تبلیغ سے کئی ملکوں میں مسیحیت نافذ ہوگئی، اس نے شادی نہیں کی اور تجرد کی زندگی کی تبلیغ کرتا رہا، عہد نامۂ جدید کے مصنفین میں اس کا بلند مقام ہے، انتقال ۶۴ء میں ہوا۔

⑫ حمورابی

بابل کے اس حکمران کا زمانۂ حکومت ۱۷۹۲ سے ۱۷۵۰ قبل مسیح تک ہے، اس نے اخلاقی قوانین بنائے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی اس کے قوانین متعارف تھے، انجیل میں اس کا نام اُم رافیل آیا ہے۔

⑬ بخت نصر

۶۳۰ سے ۵۶۲ قبل مسیح تک اس کا زمانہ ہے، اس نے اپنے زمانے میں بہت سے یہودیوں کو قتل کیا، یہ بادشاہ ظلم میں مشہور تھا۔

⑭ نوشیروان

کا زمانہ ۵۳۱ سے ۵۷۸ء تک ہے، اس کو عادل حکمران قرار دیا جاتا ہے۔ اس نے فارس کی سلطنت کو وسعت دی اور علم و ہنر والوں کی سرپرستی کی۔

⑮ ابونصر الفارابی

اس کی پیدائش ۸۷۰ء کو ترکستان میں ہوئی، اسلامی فقہ کی تعلیم کے بعد اس نے منطق و فلسفہ میں مہارت حاصل کی، پھر موسیقی سے زیادہ شغف ہو گیا، اس نے ارسطو کے نظریات بھی پھیلائے، اس کو ارسطو ثانی کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، اس نے ۹۵۰ء کو دمشق میں وفات پائی۔

⑯ ابن سینا

الشیخ الرئیس ابوعلی کی پیدائش ۲۵ اگست ۹۸۰ء کو بخارا میں ہوئی۔ اس نے طب، فلسفہ، ہندسہ اور منطق میں خاص مہارت حاصل کی، اس کے خاندان کا تعلق اسماعیلی فرقے سے تھا، اس نے الشفاء اور القانون کے نام سے طب میں مفصل کتب لکھیں اور ۱۰ دسمبر ۱۰۳۷ء کو ہمدان میں وفات پائی۔

⑰ ابن رُشد

۱۴ اپریل ۱۱۲۸ء کو قرطبہ میں پیدا ہوا، اس کا تعلق قرطبہ کے قاضی خاندان سے تھا، اس کو فقہ، طب، شاعری، فلسفہ اور علم الآفاق سے گہرا شغف تھا، اس نے ارسطو اور افلاطون کی کتب کی شروحات لکھیں، اس پر کئی دفعہ کفر کا فتویٰ لگا، جلاوطن کیا گیا اور اس کی کتب جلائی گئیں، ابن رشد نے ۱۰ دسمبر ۱۱۹۸ء کو مراکش میں وفات پائی۔

⑱ ابن عربی

ابوبکر محمد بن العربی کی پیدائش ۲۸ جولائی ۱۱۶۵ء کو مرسیہ (سپین) میں ہوئی، فقہ، فلسفہ اور منطق کے بعد زیادہ توجہ تصوف کی طرف چلی گئی، اس کے فلسفیانہ خیالات سے معتبر اہل علم پوری طرح متفق نہیں ہیں، اس نے ۱۰ نومبر ۱۲۴۰ء کو قاسیوں (شام) میں وفات پائی۔

⑲ سوفسطائی مذہب

قدیم یونانیوں کے عالم و فاضل سوفسطائی کہلاتے تھے جو معاوضہ لے کر علوم و فنون پڑھایا کرتے تھے، یہ لوگ حقیقت اور صداقت کے منکر ہیں، موجود حقائق کو بھی تسلیم نہیں کرتے اس لیے جھوٹے لوگوں کے لیے بھی سوفسطائی کا لفظ استعمال ہونے لگا، یہ خدا کے منکر ہیں اور انسان کو خود مختار قرار دیتے ہیں۔

⑳ ہندومت

یہ نظریہ دنیا کے قدیم نظریات میں سے ہے، اس کی اصل ویدوں پر ہے جو ۱۵۰۰ قبل مسیح میں مرتب ہوئیں، انہیں مقدس

صحیفے کا درجہ حاصل ہے، پھر اُپنی شد میں برہمن اور آتما کے متعلق نظریات پیش کیے گئے، اس مذہب میں شادی، غمی، موت وغیرہ معاشرتی معاملات پر سخت اور مختلف رسمیں پائی جاتی ہیں، بہت سے توہمات بھی ہیں، اس مذہب میں انسانوں کی طبقاتی تقسیم سب سے بڑی مشکل ہے۔

(۲۱) لاہوت اور ناسوت

یہ دو لفظ بھی کتاب کے آخری حصے میں بکثرت آئے ہیں۔

لاہوت سے مراد تصوف کی اصطلاح میں ذاتِ الٰہی کے متعلق وہ مقام ہے جہاں سالک کو فنافی اللہ کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اور ناسوت سے مراد عالمِ اجسام اور دنیا ہے جہاں شریعت اور عباداتِ ظاہریہ کو اپنایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاک انبیاء و رسل نیز اس امت کے سب سے بڑے اولیاء یعنی صحابہ کرام کے اقوال و اعمال سے ہمیں ناسوت سے تعلق کی تعلیم ملتی ہے، جبکہ لاہوت کو ایک تصوراتی مقام ہی قرار دیا جا سکتا ہے، اس مشتِ خاک کے لیے عالمِ حقیقت ناسوت ہی ہے۔

تاثرات وتقاریظ

الحمد للہ میری سابقہ کتب پر جناب پروفیسر عبد الجبار شاکر، مولانا محمود احمد غضنفر اور مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہم اللہ، نیز پروفیسر محمد یحییٰ جلالپوری، علامہ فاروق احمد راشدی، رانا محمد شفیق خاں پسروری اور حافظ صلاح الدین یوسف حفظہم اللہ تاثرات یا تقاریظ لکھ چکے ہیں جو کہ شائع شدہ ہیں، اس کتاب کے لیے علامہ سینئر حافظ پروفیسر ساجد میر، جناب ڈاکٹر محمد حماد لکھوی اور مولانا عبد المنان راسخ میرے خاص شکریہ کے مستحق ہیں، نیز علامہ ڈاکٹر عزیز شمس بھی جنہوں نے اپنے مقدمہ سے استفادہ کر کے کچھ حصہ مقدمہ میں شامل کرنے کا مشورہ دیا۔ جزاہم اللہ خیراً۔

یہ توثیق، تصدیق یا حوصلہ افزائی کا ایک انداز ہوتا ہے، گو کہ میں ایک طالب علم اور چھوٹا آدمی ہوں لیکن پھر بھی کئی بڑے علماء کی کتب پر تاثرات، تقاریظ اور تبصرے لکھ چکا ہوں جو ان کتب میں شائع ہو چکے ہیں اور اُن میں سے اکثر ہفت روزہ مجلات اور اخبارات کے صفحات کی زینت بنے اور بنتے رہتے ہیں۔

درخواست دعا

اللہ تعالیٰ اس کتاب کا نفع عام فرمائے، ہمیں شیطان کے فریبوں سے بچائے، دنیا میں عمل صالح کی توفیق بخشے، اس قلم کو ترجمۂ کتب دینیہ کے لیے رواں دواں رکھے۔ مؤلف، مترجم، پبلشر، کمپوزر، اور قارئین کرام کو جزائے خیر سے نوازے۔ مکتبہ اسلامیہ اردو بازار لاہور، فیصل آباد کی پوری ٹیم اور اس کے بانی جناب سرور عاصم کی جملہ نیک خواہشات اور حاجات اللہ اپنی خاص رحمت سے پوری فرمائے۔ اُن کے خانہ اور اہل خانہ کو ہمیشہ برکتوں سے نوازتا رہے اور جملہ مشکلات دور فرمائے۔ ہمارے والدین اور اساتذہ کی حسنات قبول فرمائے۔ زندگی اسلام کے مطابق گزارنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ بوقتِ موت کلمۂ اسلام زبان پر جاری فرمائے۔ قبر میں منکر نکیر کے سوالوں کے جواب آسان کر دے اور حشر میں بلا حساب راہِ جنت پر چلا دے، کہ اس پر کچھ مشکل نہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

خودنوشت

☆ پیدائش 20اپریل 1974ء شاہدرہ۔لاہور

☆ حفظ القرآن مدرسہ متصل مسجد لسوڑھے والی لاہور 1987ء

☆ حفظ مع التجوید دارالعلوم رحمانیہ فاروق آباد شیخوپورہ 1988ء

☆ مڈل سکول و درس نظامی جامعہ علوم اثریہ جہلم 1988.1992ء

☆ دورۃ اللغۃ العربیۃ، مدینہ یونیورسٹی (منعقدہ کراچی) 1992ء

☆ الشہادۃ العالیۃ جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ 1993ء

☆ الشہادۃ العالیۃ دارالحدیث چینیا نوالی لاہور 1994ء

☆ تدریس عربی و اسلامیات (مختلف مدارس و کالجز) 1994.2008ء

☆ تکمیل شہادات وفاق المدارس سلفیہ فیصل آباد 2006.2012ء

☆ HEC اسلام آباد سے مساوی MA ڈگری 2013ء

☆ وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی سے مساوی MA ڈگری 2014ء

☆ لاہور لیڈ یونیورسٹی سے ایم فل اسلامک سٹڈیز 2014.2016ء

☆ خطابت جامع مسجد نور شاہدرہ 27 فروری 1997ء سے۔تاحال

☆ مرکزی جمعیت اہل حدیث کی ضلعی شہری وصوبائی ذمہ داریاں 1994ء سے۔تاحال

☆ دروس قرآن وحدیث چینیا نوالی ومبارک مسجد 2012ء سے تاحال

☆ اسفار عمرہ. 2005ء. 2012ء 2015ء۔امسال حج کا ارادہ ہے ان شاء اللہ۔

☆ رکن مجلس ادارت حرمین جہلم، تنظیم اہل حدیث لاہور و مدیر معاون صدائے ہوش

☆ محقق وایڈیٹر (سابق انچارج) دارالمعارف لاہور 2008ء سے۔تاحال۔

☆ اساتذہ کرام: (ناظرہ قرآن پاک) طیب بھٹوی۔(حفظ وتجوید) قاری نصیر احمد، قاری نورالحسن اور قاری اسلم بلوچ۔(درس نظامی وعلوم اسلامیہ) پیر محمد یعقوب قریشی، مولانا فاروق احمد راشدی، مولانا محمد بن عبداللہ شجاع آبادی، مولانا عبیداللہ عفیف اور مولانا محمد یونس عاصم۔(ایم فل) ڈاکٹر شبیر منصوری، ڈاکٹر مستفیض علوی اور ڈاکٹر حمیداللہ عبدالقادر۔(دورۃ اللغۃ العربیۃ) ڈاکٹر محمد بن عبدالعزیز السدیس اور ڈاکٹر علی سلطان الحکمی۔(خصوصی استفادہ) مولانا فیض الرحمٰن ثوری جن کے ذریعہ سید نذیر حسین تک میری سند کے دوواسطے ہیں، پروفیسر محمد یحییٰ جلالپوری اور ڈاکٹر شیر محمد زمان چشتی۔

الراقم: فقیر بارگاہ صمدی، حافظ محمد اسلم شاہدروی
سابق معاون ناظم طبع وتالیف مرکزی جمعیت اہل حدیث۔صوبہ پنجاب
تحریر بتاریخ ۵۔فروری ۲۰۱۷ء
0333/322-4202019

تقدیم

از قلم: جناب فضیلۃ الشیخ علامہ محمد حامد الفقی رحمہ اللہ

اما بعد: یہ کتاب اِغاثۃ اللھفان میں اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، اب جبکہ دنیا میں فتنے بہت ہو گئے ہیں، اِن کی وجہ سے خیر اور اصلاح کی بنیادیں کمزور ہو رہی ہیں، زندگی کی لذت کم اور حیات پریشان ہو گئی ہے، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ دلوں کا تعلق پیدا کرنے والے مہربان پروردگار کے ساتھ کمزور ہو رہا ہے اور شیطان کی رسیوں کے فتنے میں انسان جکڑتا جا رہا ہے، جو انسان کا ازلی دشمن اور اسے نقصان پہنچانے والا ہے۔

اس نے انسانوں پر ایسا قبضہ جمایا ہے کہ وہ اس سے بچنے کے بجائے اس کے ساتھ چمٹے رہنے میں نجات سمجھنے لگے ہیں، اُس نے ان پر حق و باطل، علم و جہل، روشنی و اندھیرا اور دشمن و محبوب کو خلط ملط کر دیا ہے، قرآنی نفع مند ہدایت، نور اور دلوں کی دواؤں سے علاج کے بجائے انہیں دھوکہ دے کر مزین اور ملمع کر کے نقصان دہ چیزوں کی طرف لگا دیا ہے، اُس نے فریب کے قالب میں نام بدل کر غلط باتوں پر لوگوں کو پکا کر دیا ہے۔

اُس کے فریب اور دھوکے سے محض اللہ کے مخلص بندے ہی بچ سکتے ہیں۔

اگر آپ بھی دنیا و آخرت کی سعادت و خوش نصیبی چاہتے ہیں، تو آپ کو علم، عمل اخلاق، کردار، عقیدے اور نظریئے میں اُسی جانب لوٹنا ہوگا جس اعتقاد پر اس امت کے سلف تھے، اس کے لیے بہت جلدی کرنا پڑے گی اور اس کا چشمۂ صافی صرف کتاب و سنت ہے۔

یہ کتاب آپ کو بہتر مقصود تک پہنچائے گی، ہدایت محمدی کے انوار کی تجلیات عطا کرے گی، شیطان کے فریب واضح کرے گی، یہ آپ کے ہاتھ میں ایک تیز چھری ہے جس سے آپ اس کی رسیاں کاٹیں گے اور خود کو اس کی بیڑیوں سے آزاد کرائیں گے نیز یہ کتاب محبوبِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع دار اور محب بنائے گی۔

یہ کتاب آپ کو علم، بصیرت اور وہ خالص حق عطا کرے گی جو ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے دو عظیم اماموں حضرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد رشید حضرت امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی علمی اور عملی جدوجہد کے ذریعے پیش فرمایا۔

انہوں نے اپنی زبان و علم سے بدعات، خرافات، اعتقاد و عمل کی خرابیوں پر خوب ردّ کیا، شیطانی گروہوں نے انہیں بہت ستایا لیکن وہ جادۂ مستقیم پر قائم رہے۔ انہوں نے شیطانی گروہوں کے خلاف جہاد کیا اور ان کا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکا۔

یہ کتاب اِغاثۃ اللھفان امام ابن قیم کی ایک بہترین کتاب ہے، ان کے قلم سے نکلی ایک عمدہ تحریر ہے، ان کے قلب سے نکلی

ایک پاکیزہ سوچ ہے، علماء اور عوام الناس نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب دستیاب نہیں تھی، لوگوں کو اس کی شدید طلب تھی، مجھے ان دونوں اماموں کی کتب سے خاص شغف ہے، لہٰذا: میں نے سید مصطفیٰ حلبی کے بیٹوں سے اس کتاب کی جدید اشاعت کے لیے بات کی، انہوں نے فوراً ہامی/ حامی بھر لی۔

میں اس کے لیے محوِ جستجو ہوا، مصر کے کتب خانوں میں اس کے مخطوطات تلاش کرنے لگا لیکن مجھے کچھ نہ مل سکا، مجھے علاقۂ حجاز کے ایک سفر کا موقع ملا، وہاں میری ملاقات سعودی حکومت کے حائل کے علاقہ کے قاضی/ جسٹس عبداللہ بن سلیمان بلیھد کے ساتھ ہوئی، میں نے اُن سے بات کی وہ بہت خوش ہوئے اور بتایا کہ میرے پاس علماء محققین کے ہاں پڑھا گیا اور تصحیح کیا گیا ایک خطی نسخہ موجود ہے پھر انہوں نے لمحہ بھر میں وہ مجھے پیش کر دیا، مجھے بھی اس پر خوشی ہوئی اور وہ نسخہ بہت بہتر تھا جیسے الشیخ نے بتایا تھا۔

اس کو ایک مطبوعہ نسخے کے ساتھ تقابل کر کے پڑھا گیا تو بہت فرق سامنے آئے، کمی بیشی کے کئی مقامات بھی آئے، میں نے اس کی تصحیح میں بہت کوشش کی، آیات واحادیث پر اعراب اور حوالے لگائے، اس کی ترتیب وتہذیب میں بھی بہت محنت اُٹھانا پڑی۔

اس کے باوجود مجھے اپنی کوتاہی کا اعتراف ہے، حق ادا نہ کر سکنے کا اقرار ہے، قارئین کریم سے امید اور استدعا ہے کہ وہ میری لغزشوں سے درگزر فرمائیں گے۔

مختصر احوالِ مصنف

قارئین کرام کی خدمت میں امام ابن قیم رحمہ اللہ کے مختصر حالات علامہ ابن رجب کی کتاب طبقاتِ حنابلہ سے پیش کر رہا ہوں، وہ لکھتے ہیں: محمد بن ابوبکر بن ایوب زرعی، دمشقی، اُصولی اور نحوی، شمس الدین بن قیم الجوزیہ ۶۹۱ ھ کو پیدا ہوئے، قاضی تقی الدین، شہاب نابلسی اور دیگر اہل علم کی شاگردی اختیار کی۔ تفسیر، حدیث، اصول الدین، فقہ، اصول فقہ، علم الکلام میں مہارتِ تامہ حاصل کی۔ تصوف کے اشارات اور دقائق کا پورا فہم حاصل کیا۔

ذہبی فرماتے ہیں: حدیث کے متنوں اور رجال میں انہیں خاص درک تھا۔

میں کہتا ہوں: عبادت وریاضت میں ان کا مقام بہت بلند تھا، علم کی وسعت اور ایمان کی معرفت میں بھی وہ یکتائے روزگار تھے۔ ان پر کئی آزمائشیں اور امتحانات آئے، حضرت امام ابن تیمیہ کا ساتھ دینے کی وجہ سے کئی دفعہ پابند سلاسل کیے گئے، حج وعمرے بھی کیے، اہل مکہ ان کی عبادت اور کثرتِ طواف کو یاد کرتے ہیں۔ میں ان کی مجالس میں بیٹھتا رہا ہوں، میں نے قصیدہ نونیہ خود ان سے پڑھا ہے۔ بڑی تعداد میں مخلوق نے ان سے فیض پایا، ابن عبدالہادی جیسے فضلاء ان کے شاگرد ہوئے۔ قاضی برھان الدین زرعی ان کے متعلق فرماتے ہیں: آسمان کی چھت کے نیچے ان سے بڑھ کر کوئی اہلِ علم موجود نہیں ہے۔ ابنِ قیم علم سے محبت رکھنے والے، مطالعہ کے شوقین، کتابیں جمع کرنے کے خوگر اور کثیر التصانیف تھے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی تصانیف

① اجتماع جیوش الاسلامیہ (مطبوع)

② أخبار النساء (مطبوع)

③ إعلام الموقين عن رب العالمين (مطبوع)

④ إغاثة اللهفان فی حکم طلاق الغضبان (مطبوع)

⑤ إغاثة اللهفان فی مصاید الشیطان (مطبوع)

⑥ أمثال القرآن

⑦ بدائع الفوائد (مطبوع)

⑧ بطلان الکیمیا من اربعین وجها

⑨ بیان الدلیل علی استغناء المسابقة عن التحلیل

⑩ التبیان فی اقسام القرآن[1] (مطبوع)

⑪ التحریر فیما یحل و یحرم من الحریر

⑫ التحفة المکیة

⑬ تحفة الودودفی احکام المولود (مطبوع)

⑭ تفسیر الفاتحة

⑮ تفسیر المعوذتین (مطبوع)

⑯ تفضیل مکةعلی المدینة

⑰ تهذیب مختصر سنن ابی داود (میرے پاس اس کا مخطوطہ ہے، اللہ اس کی طباعت آسان کر دے)

⑱ جلاء الأفهام فی الصلاة علی خیر الانام (مطبوع)

⑲ عابدی الصلبان و أن ما هم علیه دین الشیطان

⑳ الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی (مطبوع)

㉑ حادی الأرواح إلی بلاد الأفراح (مطبوع)

㉒ حرمة السماع

㉓ حکم إغمام هلال رمضان

㉔ حکم تارك الصلاة

㉕ الرسالة الجلیة فی الطریقة المحمدیة (نظم)

㉖ رفع التنزیل

---

① اس کتاب پر راقم الحروف نے ایم فل کی ایک اسائنمنٹ بنائی تھی۔ (مترجم)

(۲۷) رفع اليدين فی الصلاة
(۲۸) الروح (مطبوع)
(۲۹) روضة المجين و نزهة المشتاقين (مطبوع)
(۳۰) زاد المسافرين إلی منازل السعداء فی هدی خاتم الانبياء
(۳۱) زاد العباد فی هدی خير العباد (مطبوع)
(۳۲) السنة والبدعة
(۳۳) شرح اسماء الکتاب العزيز
(۳۴) شرح اسماء الحسنی
(۳۵) شفاء العليل (مطبوع)
(۳۶) الصبر والسکن
(۳۷) الصراط المستقيم فی أحکام أهل الجحيم
(۳۸) الصواعق المنزلة علی الجهمية والمعطلة (مطبوع)
(۳۹) الطاعون
(۴۰) طيب القلوب (معلوف کہتے ہیں برلن میں اس کا ایک نسخہ ہے)
(۴۱) الطرق الحکمية فی السياسة الشرعية (مطبوع)
(۴۲) طريق الهجرتين (مطبوع)
(۴۳) عدة الصابرين و ذخيرة الشاکرين (مطبوع)
(۴۴) عقد محکم الاحباء بين الکلم الطيب والعمل الصالح المرفوع إلی رب السماء
(۴۵) الفتح القدسی
(۴۶) الفرق بين الخلة والمحبة و مناظرة الخليل لقومه
(۴۷) فضل العلم
(۴۸) الفروسية المحمدية (مکتبہ ظاہریہ میں موجود ہے)
(۴۹) الفوائد (مطبوع)
(۵۰) الفوائد المشوق إلی علوم القرآن و علم البيان
(۵۱) الکافية الشافية فی الفرقة الناجية، یہی قصیدۃ نونیۃ ہے (مطبوع)
(۵۲) الکافية الشافية فی النحو

۵۳ الكبائر

۵۴ الكلم الطيب والعمل الصالح

۵۵ مدارج السالكين (مطبوع)

۵۶ المسائل الطرابليسة

۵۷ معانی الأدوات والحروف

۵۸ مفتاح دار السعادة (مطبوع)

۵۹ المهدی

۶۰ المهذب

۶۱ نقد المنقول والمحك المميز بين المردود والمقبول

۶۲ نكاح المحرم

۶۳ نور المؤمن

۶۴ هداية الحيارىٰ من اليهود و النصارىٰ (مطبوع)

۶۵ الوابل الصيب من الكلم الطيب (مطبوع)

۶۶ الرسالة التبوكية (مطبوع)

ان کے علاوہ بھی حضرت امام کی تصانیف ہیں، لیکن دستیاب نہیں ہیں۔ ابن رجب فرماتے ہیں: ۱۳۔ رجب ۷۵۲ھ [1] بروز جمعرات بوقتِ نمازِ عشاء انہوں نے وفات پائی۔ اگلے دن ظہر کے بعد جامع الجراح میں اِن کی نماز جنازہ ادا کی گئی، باب صغیر قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ جنازے میں بڑی مخلوق نے شرکت کی۔ ان کے متعلق اہل علم نے بہت اچھے خواب بھی دیکھے جن سے ان کے بلند مرتبے کا اشارہ ملتا ہے۔ علامہ ابن رجب حنبلی کا بیان مکمل ہوا۔

ابن رجب نے حضرت امام کی جن کتب کا ذکر کیا تھا، ہم نے ان پر اضافہ کیا ہے اور انہیں برادر احمد آفندی عبید کے کتاب روضۃ المحبین مطبوعہ دمشق کی ترتیب پر ذکر کیا ہے۔ (مطبوعہ کتاب کی تقدیم سے اخذ و استفادہ کر کے ترجمہ)

وصلی اللہ علی حبیبہ محمد وعلی آلہ وسلم۔ والحمدللہ اولا وآخرا وظاہرا وباطنا

بارگاہِ الٰہی میں معافی کا خواستگار

محمد حامد الفقی (قاہرہ)

۱۸۔ جمادی الآخرۃ ۱۳۵۸ھ

۴۔ اگست ۱۹۳۹ء

---

[1] اکثر مؤرخین نے ۷۵۱ھ لکھا ہے۔ (مترجم)

دیباچہ

از: علامہ ابن قیم رحمہ اللہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ... وَبِہٖ نَسْتَعِیْنُ ...

(اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا کر اور ہمارے لیے ہمارے کام میں درست راہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ پر اور اُن کی آل پر رحمت نازل فرمائے۔

اُس اللہ کے لیے حمد ہے جو اپنے اولیاء کے لیے اپنے جلال کی صفات میں ظاہر ہوا۔ اُن کے دلوں کو اپنی صفاتِ کمال کے مشاہدہ سے روشن کیا۔ جو کچھ اُن پر پیہم انعام وفضل فرمائے اُن کے ساتھ اپنا تعارف کرایا۔ وہ سمجھ گئے کہ وہ واحد، احد، فرد، صمد ہے۔ جس کا نہ اس کی ذات میں، نہ صفات میں اور نہ افعال میں کوئی شریک ہے۔ بلکہ وہ ایسا ہے جیسے اُس نے اپنی تعریف ان ہستیوں کی زبانی کروائی جن کو شرفِ رسالت عطا فرمایا۔ وہ اول ہے جس سے پہلے کوئی چیز نہیں۔ وہ آخر ہے جس کے بعد کوئی چیز نہیں۔ وہ ظاہر ہے جس سے اوپر کوئی چیز نہیں۔ وہ باطن ہے جس سے نیچے کوئی چیز نہیں۔ وہ جس پردے میں ملبوس ہے اس سے مخلوق کو حجاب میں نہ رکھے گا۔ [1] وہ ہمیشہ زندہ اور قائم ہے۔ تنہا باقی رہنے والا ہے۔ جبکہ ہر مخلوق کی انتہاء زوال پر ہے۔ وہ ایسا سننے والا ہے جو مختلف زبانوں میں قسم ہا قسم کی حاجات مانگنے والوں کی آوازوں کے ہنگاموں کو سن رہا ہے۔ ایک کا سننا دوسرے کے سننے سے اُسے مشغول نہیں کرتا۔ نہ اس پر درخواستیں خلط ملط ہوتی ہیں۔ وہ چمٹ کر مانگنے والوں کے چمٹنے سے تنگ نہیں ہوتا۔ وہ ایسا دیکھنے والا ہے کہ پہاڑ پر یا زمین پر پڑے سخت پتھر پر اندھیری رات میں چیونٹی کا رینگنا دیکھتا ہے۔ اس سے بھی لطیف رؤیت اس کا بندے کے دل کی بدلتی ہوئی حالت کو دیکھنا اور اس کے مختلف احوال کا مشاہدہ ہے۔

اگر بندہ اس کی طرف آئے تو وہ اُسے ملتا ہے۔ بندے کا اس کی طرف آنا اُس کے التفات کا سبب ہے۔ اگر بندہ اس سے اعراض کرے تو وہ اس کو اپنے دشمن کے سپرد نہیں کرتا اور نہ ہی اس سے بے توجہی برتتا ہے۔ بلکہ وہ اس پر اس ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے جو اپنے بچے پر حمل میں، رضاعت میں اور دودھ چھڑاتے وقت مہربانی کرتی ہے۔ [2] اگر کوئی بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ بندے کی توبہ پر اُس مسافر سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جس نے اپنی سواری کو گم پایا جس پر اُس کا زادِ راہ تھا، وہ ہلاکت والی سرزمین تھی، اس کو وہ سواری مل گئی جبکہ وہ موت اور دنیا سے تعلقات کے خاتمے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ [3] اگر آدمی اپنے چلنے پھرنے میں اللہ کی نافرمانی پر مصر رہے، اللہ کے دشمن سے ناطہ جوڑے اور اپنے آقا سے ناطہ توڑے تو وہ ہلاکت کا مستحق بن گیا۔ اللہ کے ہاں وہی بندہ ہلاکت میں پڑتا ہے جو بدنصیب ہو اور اُس کی رحمت اور وسیع فضل کا طالب نہ ہو۔

---

[1] بلکہ وہ روزِ قیامت مومنوں کو اپنا دیدار کرائے گا۔ اے دونوں جہانوں کے مالک! ہمیں بھی اپنا دیدار نصیب فرما۔ آمین! (مترجم)

[2] اور [3] احادیث مبارکہ سے مفہوم ہے۔ (مترجم)

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، وہ الٰہ، واحد، اَحد، فرد، صمد ہے جو اَشباہ وامثال سے بڑھ کر جلیل ہے۔ وہ ضد، ند، شریک اور مثل سے پاک ہے۔ جو وہ دینا چاہے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ جو وہ روکنا چاہے کوئی دینے والا نہیں۔ اُس کے حکم کو کوئی رد کرنے والا نہیں۔ اُس کے حکم کا کوئی پیچھا کرنے والا نہیں۔ ارشاد ہے: ﴿وَ اِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ . . .﴾ (الرعد:۱۱) ''اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ تکلیف کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور نہ اُن کے لیے اس کے سوا کوئی والی ہے۔''

میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اُس کے حق کو قائم کرنے والے، اُس کی وحی پر امین اور اُس کی مخلوق میں بہترین ہیں۔ اللہ نے اُن کو جہانوں کے لیے رحمت، متقین کے لیے امام، کافروں پر حسرت [1] اور سب جہانوں پر حجت بنایا ہے۔ اُن کو پیغمبروں کے وقفے پر مبعوث فرمایا۔ اُن کے ذریعے واضح ترین اور سیدھی راہ کی طرف لوگوں کی راہنمائی کی۔ بندوں پر اُن کی اطاعت، اُن کی محبت، تعظیم، توقیر اور اُن کے حقوق کی ادائیگی کو فرض کر دیا۔ پیغمبر ﷺ کے راستے کے سوا جنت جانے کے سب راستے بند کر دیئے، اور اُس کی طرف کوئی راستہ نہ کھولا۔ اللہ نے اُن کا شرح صدر کیا، اُن کا بوجھ اُتارا، اُن کے ذکر کو بلند کیا، ذلت اور رسوائی اس کا مقدر بنا دیا جو ان کے امر اور نہی کی مخالفت کرے گا، اپنی کتاب مبین میں اُن کی حیات کی قسم کھائی۔ [2]

اُن کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا دیا، جب بھی اللہ کا ذکر ہوگا ساتھ نبی کریم ﷺ کا ذکر ہوگا۔ جیسے کلمۂ شہادت، خطبہ اور اذان میں ہے۔ آپ مسلسل اللہ کے حکم کو قائم کرتے رہے کوئی روکنے والا آپ کو اس سے نہ روک سکا۔ آپ اللہ کی خوشنودی کے لیے کمر بستہ رہے، کوئی رکاوٹ ڈالنے والا اس میں رکاوٹ نہ ڈال سکا۔ حتیٰ کہ دنیا آپ ﷺ کے پیغام سے روشن ہوئی اور چمک اٹھی۔ لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ آپ کا مضبوط دین وہاں تک گیا جہاں تک دن اور رات کا جانا ہے۔ پھر اللہ نے آپ کو اپنے پاس لے جانا پسند فرما لیا تا کہ اُن کے لیے وہ وعدہ پورا ہو جائے جو کتاب مبین میں فرمایا گیا تھا۔ اس سے پہلے آپ نے پیغام (الٰہی) پہنچا دیا، اُمت کی خیر خواہی کر دی، اللہ کی راہ میں جہاد کیا جیسے اس جہاد کا حق تھا، دین کو قائم کر دیا، اپنی اُمت کے راہروؤں کو سفید، روشن اور واضح راستہ پر چلا دیا اور فرمایا: ﴿هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (یوسف:۱۰۸)۔ ''یہ میری راہ ہے میں اس کی طرف بصیرت کے ساتھ بلاتا ہوں میں اور جس نے میری پیروی کی اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔''

اما بعد! اللہ پاک نے اپنی مخلوق کو بے کار اور رائیگاں پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اُن کو احکام کا مکلف بنایا۔ جس چیز کے ذریعے ان کو ہدایت دی ہے اُس کا فہم اُن پر مجمل اور مفصل لازم کیا ہے۔ اُن کو خوش نصیب اور بدنصیب میں تقسیم کیا ہے۔ ہر دو گروہ کا ایک مرتبہ بنایا ہے۔ اُن کو علم و عمل کے ذرائع یعنی دل، کان، آنکھ اور دیگر اَعضاء عطا فرمائے۔ یہ اپنی رحمت اور فضل سے دیئے۔ جس نے ان کو اس کی اطاعت میں استعمال کیا، ان کو اس راہِ معرفت پر لگا دیا جو راہ اس نے خود بتائی ہے۔ اور اس راہ سے روگردانی فرمائی، تو جو کچھ بندے کو دیا گیا اُس پر اُس نے شکر ادا کیا، اللہ کی خوشنودی کی راہ پر اُسے چلایا۔ لیکن جس نے اپنے نفس کو اپنی مرضی اور خواہش

---

[1] جب کافروں نے نبی ﷺ کی طاعت نہ کی۔ اُن کی آخرت برباد ہوگئی۔ تو جس وجہ سے یہ بربادی ہوئی وہ حسرت ہے۔ (مترجم)

[2] دیکھیے سورۃ الحجر، آیت:۹۲

کی راہ پر لگایا جب اس کو خالق کا حق پوچھا جائے پریشان ہو جائے دیر تک غمگین رہے۔ اُس کے اعضاء پر اللہ کے حق کا حساب ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ پاک کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ (الاسراء:٣٦) ''بے شک کان، آنکھ اور دل، ان میں سے ہر ایک کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

دل ان اعضاء کے لیے گویا امیر ہے جو لشکر پر اپنا حکم چلاتا ہے۔ سب اُس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ وہ جہاں چاہے اُنہیں کام پر لگا دیتا ہے۔ سب اس کی غلامی میں ہیں۔ اُسی سے استقامت یا ٹیڑھا پن سیکھتے ہیں۔ دِل کسی ارادہ کو پختہ کرے یا اسے توڑ دے اُس میں اس کی پیروی کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ» [1]

''خبردار! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ صحیح رہے سارا جسم صحیح رہتا ہے۔''

دِل جسم کا بادشاہ ہے۔ اعضاء اسی کا حکم چلاتے ہیں۔ جو ہدایت اس کی طرف سے آئے وہ قبول کرتے ہیں۔ اعضاء کا کوئی بھی عمل اس وقت تک سیدھا نہیں ہوسکتا جب تک دل کا ارادہ اور نیت نہ ہو۔ یہ ان سب کی طرف سے ذمہ دار ہے، چونکہ ہر ذمہ دار سے اُس کی ذمے داری/ رعایا کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ [2]

تو ذمہ داریعنی دِل کو سیدھا اور درست کرنے کا اہتمام ہی سب سے بہتر کام ہے جو راہ ہدایت پر چلنے والوں کو کرنا چاہیے۔

جب دشمن خدا ابلیس کو معلوم ہوا کہ (جسم کا) دار و مدار دل پر ہے اور اسی پر اس کا اعتماد ہے، تو وہ اس پر وسوسے کھینچ لایا۔ طرح طرح کی شہوات اس پر پیش کر دیں۔ اس کے لیے اس نے ایسے اعمال و احوال مزین کر دیئے جو اسے سیدھی راہ سے روکتے ہیں۔ سرکشی کے ایسے وافر اسباب مہیا کر دیے جو اسے اسباب توفیق (خیر) سے کاٹ کر رکھ دیتے ہیں۔ اس کے لیے ایسی رسیاں اور جال لگا دیئے کہ جن میں اگر پھنسنے سے بچ بھی گیا تو اس میں کچھ خلل آ جانے سے نہ بچ پائے گا۔ اس کے فریبوں اور جالوں سے اس وقت تک نجات ممکن نہیں جب تک مسلسل اللہ سے مدد نہ مانگی جائے، اور اُس کی خوشنودی کے اسباب کی کوشش نہ کی جائے اور دل کو حرکات و سکنات میں اُسی کا سوالی نہ بنایا جائے۔

بندگی کی ہر کوشش بھی اللہ کے لیے کی جائے جو انسان کا سب سے مضبوط تعلق ہے تاکہ وہ اس خدائی وعدہ میں شامل ہو جائے: ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ (الحجر:٤٢) ''بے شک جو میرے بندے ہیں [3] اُن پر تیرے لیے کوئی غلبہ نہیں ہے۔'' یہ اضافت بندے اور شیاطین کے مابین تعلق کو توڑتی ہے۔ یہ حاصل تب ہوتی ہے جب پروردگارِ عالم کے لیے بندگی کا مقام ثابت کیا جائے۔ دل کو احساس دلایا جائے، اخلاص عمل اور یقین پیہم آ جائے۔ جب دل میں بندگی اور اخلاص کوٹ کوٹ کر بھر دیئے جائیں ایسا بندہ اللہ پاک کے ہاں مقربین میں سے ہو جاتا ہے۔ وہ اس استثناء میں شامل ہو جاتا ہے:

---

[1] صحيح بخاری، كتاب الايمان، باب فضل من استبرء لدينه؛ صحيح مسلم، كتاب المساقاة، باب أخذ الحلال و ترك الشبهات۔ بعض روایات میں اس کا باقی حصہ یوں آیا ہے: اور اگر یہ خراب ہوگا تو سارا جسم خراب ہو جائے گا۔ (مترجم)

[2] اس مفہوم کے لیے دیکھئے صحيح بخاری ج ١ ص ٢٢٧۔ و صحيح مسلم ج ٦ ص ٨۔ عفيفی

[3] یعنی جو عبادی میں ''میرے بندے'' کہہ کر اللہ پاک نے اپنی طرف بندوں کی اضافت/نسبت کی ہے۔ (مترجم)

﴿إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝﴾(الحجر: ٤٠) "سوائے تیرے بندے جو ان میں سے خالص کیے گئے ہیں۔"

(جب اللہ کریم نے اپنی مہربانی سے مجھ پر یہ احسان فرمایا کہ مجھے ایسی باتیں معلوم ہوئیں جن سے میں دل کی بیماریوں اور ان کی دواؤں پر آگاہ ہوا، یعنی دل میں اس کے دشمن شیاطین کے کیا وسوسے آتے ہیں، ان وساوس کے نتیجے میں کیا کیا اعمال پیدا ہوتے ہیں، ان کے بعد دل پر کیا احوال آتے ہیں؟ برے عمل کی جڑ دل کے مقصد کی خرابی ہے۔ پھر دل پر عمل کی خرابی سے سختی آجاتی ہے۔ مرض پر مرض میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ دل مردہ ہوجاتا ہے۔ اُس کی بقیہ حالت یہ ہوتی ہے کہ اس میں کوئی زندگی ہے، نہ ہی اس میں کوئی نور ہے۔ یہ سب کچھ تب ہوا جب دل شیطانی وسوسہ کے آگے جھک گیا۔ اپنے ایسے دشمن کی طرف مائل ہوگیا جس کی کھلم کھلا مخالفت کے بغیر کوئی کامیابی نہیں پاسکتا، تو میں نے چاہا کہ میں ان باتوں کو اس کتاب میں قلمبند کردوں تاکہ اس طرح میں اللہ تعالیٰ کے فضل ونعمت کا معترف ہوکر اُسے یاد رکھ سکوں) اس کتاب سے ہر وہ شخص مستفید ہوگا جو اس میں مؤلف کے لیے رحمت ومغفرت کی دعا کرتے ہوئے غور کرے گا۔ میں نے اس کا نام "إغاثة اللهفان في مصائد الشيطان" رکھا ہے۔ اور اس کو میں نے درج ذیل تیرہ ابواب پر مرتب کیا ہے:

باب ① دلوں کی تقسیم تندرست، بیمار اور مردہ

باب ② امراضِ قلب کی حقیقت کا ذکر

باب ③ امراض قلب کی دواؤں کی فطری اور شرعی تقسیم

باب ④ دل کی حیات اور رونق انسان میں ہر خیر کا مادہ، جبکہ اس کی موت اور اندھیرا ہر شر کا مادہ ہے

باب ⑤ دل کو زندگی اور تندرستی نہیں مل سکتی جب تک آدمی حق کو چاہنے والا، پانے والا اور اُسے ناحق پر ترجیح دینے والا نہ ہو۔

باب ⑥ دل کو سعادت، لذت، نعمت اور فائدہ اس وقت تک نہیں مل سکتا جب تک اس کا اِلٰہ، اکیلا پیدا کرنے والا ہی اُس کا معبود، غایت اور مطلوب نہ ہو اور اُسے ہر ماسوا سے بڑھ کر محبوب نہ ہو۔

باب ⑦ قرآن پاک دل کی تمام بیماریوں کے علاج اور ادویہ پر مشتمل ہے

باب ⑧ دل کا بڑھنا/ نیکی میں آگے جانا

باب ⑨ دل کی نجاستوں اور گندگیوں سے طہارت

باب ⑩ امراض قلب کی علامات اور اس کی صحت

باب ⑪ غلبۂ نفس میں امراض قلب کا علاج

باب ⑫ شیطانی امراض قلب کا علاج

باب ⑬ اُن فریبوں کے بارے میں، جن کے ساتھ شیطان انسان کو چکر دیتا ہے

یہی وہ باب ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اس میں کچھ فصلیں ہیں جن میں عظیم فوائد اور بہترین مقاصد ہیں۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو اپنی رضا کے لیے خالص کردے۔ نقصان دہ انجام سے بچائے۔ اس کے مصنف کاتب اور پڑھنے والے کو دنیا وآخرت میں اس سے نفع عطا فرمائے۔ بے شک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ گناہ سے بچنے اور نیکی کرلینے کی قوت صرف اللہ ہی دیتا ہے، جو بلند ہے اور عظیم تر ہے۔

باب نمبر: 1

دلوں کی تقسیم: تندرست، بیمار اور مردہ

جب دل میں زندگی اور موت کی صفت پائی جاتی ہے تو اس بنیاد پر اس کی تقسیم ان تین احوال میں ہوئی ہے۔

① صحیح دل

یہی وہ قلب سلیم ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قیامت والے دن وہی نجات پائے گا جو یہ دل لائے گا: ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝﴾ (الشعراء: ۸۸، ۸۹)۔ ''جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے۔ ہاں جو شخص اللہ کے پاس سلیم دل لے کر آیا'' (وہ بچ جائے گا)۔

سلیم سالم ہوتا ہے، یہ لفظ فعیل کے وزن پر اس لیے آیا ہے کیونکہ یہ صفات کے لیے ہے، جیسے طویل (لمبا)، قصیر (چھوٹا) اور ظریف (عقلمند)۔ سلیم وہ دل ہے کہ جس کے لیے سلامتی صفت ثابتہ ہوگئی ہو جیسے علیم (علم والا) اور قدیر (قدرت والا) ہے۔ نیز یہ مریض، سقیم اور علیل کی ضد بھی ہے۔

قلب سلیم کے مفہوم کے متعلق لوگوں کی مختلف تعبیریں ہیں۔ ان سب میں جامع بات یہ ہے کہ وہ ایسا دل ہے جو ہر اس خواہش سے سلامت ہو جو خواہش اللہ کے امر اور اس کی نہی کے خلاف ہو، ہر شبہ سے جو اس کی خبر کے متضاد ہو، وہ اس کے ماسوا کی بندگی سے سلامت ہو، اس کے پیغمبر کے علاوہ کسی کو فیصلہ کنندہ بنانے سے سلامت ہو۔ وہ اللہ کے ساتھ غیر کی محبت، خوف، امید، توکل، عاجزی اور انکساری سے سلامت ہو۔ ہر حال میں اس کی خوشنودی کو ترجیح دینے والا ہو۔ ہر طرح سے اس کی ناراضگی سے دور رہنے والا ہو۔ یہی بندگی کی وہ حقیقت ہے جو اللہ وحدہٗ لاشریک، پاک و بلند کے سوا کسی کے لیے بھی درست نہیں ہے، تو قلب سلیم وہ ہے جو اس بات سے سلامت ہو کہ اس میں غیر اللہ کے لیے کسی بھی طرح کا شرک ہو۔ بلکہ وہ اللہ کی بندگی میں خالص ہو۔ ارادہ، محبت، توکل، انابت، جھکاؤ، خوف، امید اور اپنے عمل کو اللہ کے لیے خالص کر لے۔ اگر محبت کرے تو اللہ کے لیے کرے۔ اگر بغض رکھے تو اللہ کے لیے رکھے۔ اگر دے تو اللہ کے لیے دے۔ اگر روکے تو اللہ کے لیے روکے۔

اس بندے کو یہ بھی کافی نہیں ہے بلکہ جب تک وہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کو فیصلہ کنندہ بنانے اور کسی کے لیے فرمانبرداری سے سلامت نہ ہو۔ اس کا دل صرف آپ ﷺ کے ساتھ لگاؤ اور پیروی میں پختہ عہد رکھے۔ کسی کو بھی خاطر میں نہ لائے۔ دل کے اقوال وعقائد اور زبان کے اقوال کو آپ ﷺ کے تابع کر دے۔ زبان کے اقوال جو کچھ دل کے اندر ہے اس کا اظہار ہوتے ہیں۔ جبکہ دل کے اعمال ارادہ، محبت، کراہت، ان کی تابع چیزیں اور اعضاء و جوارح کے اعمال ہیں۔ اس بندے کے ہاں ہر چھوٹی بڑی چیز پر حاکم وہ دین ہو جو پیغمبر علیہ السلام لے کر آئے ہیں۔ وہ عقیدہ، قول اور عمل میں اس سے آگے نہ بڑھے۔ جیسے اللہ

تعالیٰ نے فرمایا:﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ﴾ (الحجرات:۱)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم اللہ اور اس کے پیغمبر سے آگے نہ بڑھو۔''

یعنی تم کوئی کام و فعل اس وقت تک نہ کرو جب تک آپ ﷺ حکم نہ فرمائیں۔ بعض سلف نے فرمایا ہے: ہر فعل گو وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اس کے لیے دو رجسٹر کھولے جائیں گے۔ ''کیوں اور کیسے؟'' یعنی تم نے کیوں کیا؟ اور تم نے کیسے کیا؟

پہلا سوال

فعل کی علت، سبب اور داعیہ کے متعلق ہے کہ کیا یہ عمل کرنے والے کے لیے کوئی فوری دلچسپی (یعنی دنیا میں ہی) مطلوب ہے۔ اغراض دنیا میں سے کوئی غرض ہے یعنی لوگوں کی مدح کی خواہش یا ان کا خوف یا کسی پسندیدہ چیز کی فوری رغبت یا کسی تکلیف دہ چیز کا فوری دور کرنا، یا اس کے فعل کا سبب حق بندگی کو قائم کرنا ہے۔ پروردگار پاک کے قرب کی طلب اور اس کی طرف وسیلہ کی تلاش ہے؟ اس سوال کا اصل مقصود یہ ہے کہ کیا تجھ پر لازم تھا کہ تو یہ فعل اپنے مالک کے لیے کرتا یا تو نے یہ کام اپنی کسی طلب اور خواہش پر کیا ہے؟

دوسرا سوال

اس بندگی کے حوالے سے پیغمبر علیہ السلام کی تابعداری کے متعلق ہے کہ آیا یہ عمل اس دین میں سے ہے جو میں نے اپنے پیغمبر کی زبان سے تیرے لیے مشروع کیا تھا یا وہ عمل ہے جسے نہ میں نے مشروع کیا اور نہ میں نے پسند کیا ہے؟

پہلا سوال اخلاص کے متعلق ہے اور دوسرا تابعداری کے متعلق۔ یہ دو سوال اس لیے ہیں کہ اللہ پاک کسی عمل کو ان دونوں کے بغیر قبول نہیں کرتے۔

پہلے سوال سے نجات کا راستہ محض اخلاص کو اپنانا ہے۔ جبکہ دوسرے سے نجات کا راستہ عمل میں تابعداری ہونا اور دل کو اخلاص کی مخالفت اور اپنی ایسی خواہش سے محفوظ رکھنا ہے جو تابعداری کے خلاف ہو۔

یہ اس دل کی سلامتی کی حقیقت ہے جس کے لیے نجات اور سعادت کی ضمانت دی گئی ہے۔

فصل: مردہ دل کے بارے میں

② مردہ دل

صحیح کے برعکس ہے، وہ ایسا مردہ ہے جس میں زندگی نہیں ہے۔ وہ اپنے رب کو نہیں پہچانتا نہ اس کی عبادت اس کے حکم کے مطابق اور اس کی رضا و محبت کے مطابق کرتا ہے۔ وہ اپنی خواہش اور لذت پر قائم ہے گو اس میں اس کے رب کی رضا ہو یا ناراضگی۔

وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والا ہے۔ اس کی محبت، خوف، رضا، تعظیم اور عاجزی سب غیر اللہ کے لیے ہے۔

اگر محبت کرے تو اپنی خواہش کے لیے کرتا ہے۔ اگر بغض رکھے تو اپنی خواہش کے لیے رکھتا ہے۔ اگر کسی کو دے تو اپنی

خواہش پر دیتا ہے۔ اگر روکے تو اپنی خواہش پر روکتا ہے، اس کے ہاں اپنی خواہش اپنے مالک کی رضا سے بڑھ کر محبوب اور ترجیح والی ہے، خواہش اس کی امام ہے۔ شہوت اس کی قائد ہے۔ جہالت اس کی راہنما ہے۔ غفلت اس کی سواری ہے۔ وہ اپنی دنیوی اغراض کے حصول کی فکر میں ہمہ تن مستغرق ہے۔ دنیا کی محبت اور خواہش کے نشہ میں مدہوش ہے۔ اس کو اللہ اور آخرت کے گھر کی طرف دور سے آواز دی جاتی ہے۔ وہ کسی نصیحت کنندہ کے بلاوے کو قبول نہیں کرتا۔ ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتا ہے۔ دنیا ہی اس کو ناراض یا راضی کرتی ہے۔ خواہش اس کو باطل کے سوا ہر چیز سے بہرہ کر دیتی ہے۔ دنیا کے متعلق اس کی یہ حالت ایسی ہے جیسے لیلیٰ کے بارے میں شعر کہا گیا ہے: ''(میں) اس کا دشمن ہوں جس کی وہ (لیلیٰ) دشمن ہے اور میں اس کے اہل کے لیے سلامتی والا ہوں جس کے لیے وہ سلامتی والی ہے اور جس کو لیلیٰ قریب کرے میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اس کو قریب کرتا ہوں۔''

جس کا دل اس طرح کا ہو اس سے میل جول بیماری ہے۔ اس سے دوستی زہر ہے اور اس کی ہم نشینی ہلاکت ہے۔

فصل: فتنوں والا مریض دل

③ مریض دل

وہ دل ہے جس میں زندگی ہے اور بیماری بھی ہے۔ اس کے دو مادے ہیں۔ ایک مادہ اس طرف کھینچتا ہے۔ دوسرا دوسری طرف کو۔ جب ان دونوں میں سے ایک غالب آتا ہے تو اس میں اللہ کی محبت، اس پر ایمان، اس کے لیے اخلاص اور اس پر توکل آجاتا ہے۔ یہ اس دل کی حیات والا مادہ ہے۔

اس دل میں شہوات کی محبت بھی ہے، ان کو ترجیح دینا، ان کے حصول کی حرص، حسد، تکبر، فخر، عہدے کی خواہش اور بڑائی کی چاہت ہے۔ یہ مادہ اس دل کی ہلاکت اور تباہی کا مادہ ہے۔

یہ دِل دو دعوت دینے والوں کے مابین امتحان میں پڑا ہوا ہے۔ ایک دعوت دینے والا اسے اللہ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ جبکہ دوسرا دعوت دینے والا اسے دنیا کی طرف بلاتا ہے۔ وہ دونوں میں سے اسی کی بات مانے گا جس کا دونوں میں سے دروازہ قریب ہے اور جس کا پڑوس اس کے نزدیک ہے۔

تو پہلا دل: زندہ، قبول کرنے والا، نرم اور دعوت دینے والا ہے۔

دوسرا دل: خشک اور مردہ ہے۔

تیسرا دل: مریض ہے، وہ سلامتی کے قریب ہے یا تباہی کے نزدیک ہے۔

اللہ پاک نے ان تینوں دلوں کو اپنے اس فرمان میں جمع کر دیا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾

(الحج:٥٢۔٥٤)

''اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر جب وہ کوئی آرزو کرتا تھا تو شیطان اس کی آرزو میں (وسوسہ) ڈال دیتا تھا تو جو (وسوسہ) شیطان ڈالتا ہے اللہ اس کو دور کر دیتا ہے پھر اللہ اپنی آیتوں کو مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ علم والا، حکمت والا ہے۔غرض یہ ہے کہ جو شیطان ڈالتا ہے اس کو ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں ذریعہ آزمائش ٹھہرائے۔ بے شک ظالم پرلے درجے کی مخالفت میں ہیں اور یہ بھی غرض ہے کہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے وہ جان لیں کہ وہ (یعنی وحی) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو وہ اس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اللہ کے آگے عاجزی کریں اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کو سیدھے رستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تین طرح کے دل بتائے ہیں۔ دو دل فتنہ والے ہیں جبکہ ایک دل نجات پانے والا ہے۔فتنہ والے دو دلوں میں ایک تو وہ ہے جس میں بیماری ہے اور دوسرا سخت دل ہے۔البتہ نجات پانے والا، مومن دل وہ ہے جو اپنے رب کی طرف جھکنے والا ہے۔اس کی طرف مطمئن ہے۔اس کے لیے عاجزی، فرمانبرداری اور جھکاؤ اختیار کرنے والا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ دل وغیرہ جو اعضاء ہیں، ان سے مقصود یہ ہے کہ وہ صحیح سلامت ہوں ان پر کوئی آفت نہ ہو۔ان سے وہ کچھ حاصل ہو جس کے لیے یہ بنائے گئے اور جس وجہ سے پیدا کیے گئے ہیں۔ان کا راہ راست سے ہٹنا ان کی خشکی اور سختی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ نیز اس وجہ سے کہ ان سے وہ کچھ حاصل نہ ہو جو ان کا مقصود ہے۔مثلاً بے کار ہاتھ، گونگی زبان، کٹی ناک، بے کار آلہ اور وہ آنکھ جو کچھ نہ دیکھتی ہو۔ یہ کسی مرض اور آفت کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے جو اسے ان افعال کے کمال اور درست طریقہ سے کام کرنے سے روک دے۔لہٰذا: دل کی تقسیم ان تین قسموں پر ہے:

① صحیح اور سلیم دل: وہ دل ہے جس کے اور قبول حق اور اس کی محبت اور ایثار کے درمیان سوائے اس کے ادراک کے کچھ نہ ہو۔ یہ صحیح ادراک والا دل ہے۔اللہ کی فرمانبرداری قبول کرنے والا ہے۔

② مردہ اور سخت دل: نہ حق کو قبول کرتا ہے۔نہ اس کے لیے جھکتا ہے۔

③ اور مریض دل: اگر اس پر مرض غالب ہو تو وہ مردہ اور سخت دل کے ساتھ مل جاتا ہے اور اگر اس پر صحت غالب آئے تو وہ سلیم دل کے ساتھ مل جاتا ہے۔

جو کچھ شیطان کانوں میں الفاظ اور دلوں میں شکوک وشبہات ڈالتا ہے۔ وہ ان دو دلوں کے لیے فتنہ اور زندہ اور سلیم دل کے لیے قوت ہے کیونکہ وہ ان کو ناپسند کرتا ہے۔ان کو برا اور مکروہ جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ حق اس کے خلاف ہے۔اس کا دل حق کے لیے جھک جاتا ہے، مطمئن اور مطیع ہو جاتا ہے۔جو کچھ شیطان نے ڈالا وہ اس کا باطل ہونا جانتا ہے۔وہ حق پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی محبت میں بڑھ جاتا ہے۔وہ باطل کے انکار اور اس کی کراہت میں بڑھ جاتا ہے۔فتنہ میں ڈالا گیا دل ہمیشہ شیطان کے وسوسے پر شبہ میں رہتا ہے۔لیکن صحیح وسلیم دل پر جو کچھ شیطان ڈالتا ہے اسے وہ کچھ بھی نقصان نہیں دے سکتا۔حضرت حذیفہ بن ایمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوْبِ كَعَرْضِ الْحَصِيْرِ عُوْدًا عُوْدًا»①

''فتنے دلوں پر پیش کیے جاتے ہیں جس طرح چٹائی کے تنکے، تنکا تنکا پھیلے ہوتے ہیں۔ جس دل میں یہ ڈالے گئے ان میں ایک کالا نکتہ ڈالا جاتا ہے جس دل نے ان کا انکار کیا اس میں سفید نکتہ ڈالا جاتا ہے حتیٰ کہ دل دو طرح کے ہوجاتے ہیں۔ ایک سخت کالا دل جیسے لوٹا الٹا پڑا ہو، وہ نیکی کو نیکی نہیں سمجھتا اور نہ برائی کو برائی سمجھتا ہے مگر جس قدر اس میں خواہش ڈالی گئی ہے۔ اور دوسرا سفید دل ہے جس کو کوئی فتنہ تکلیف نہ دے گا جب تک آسمان وزمین ہیں۔''

دلوں پر آہستہ آہستہ پیش آنے والے فتنوں کو چٹائی کے پھیلے ہوئے تنکوں کی ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ جب دلوں پر فتنے پیش ہوتے ہیں تو ان کو دو قسموں میں تقسیم کیا۔ ایک وہ دل جس پر فتنے پیش کیے جائیں تو وہ اسے پلائے جاتے ہیں جس طرح فوم پانی پی لیتا ہے پھر اس پر ایک کالا نکتہ پڑ جاتا ہے۔ وہ اس پر پیش آنے والے ہر فتنے کو پیتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ کالا اور الٹا ہوجاتا ہے۔ یہی آپ کے فرمان: «كَالْكُوْزِ مجَخِّيًا» کا مطلب ہے۔ یعنی الٹا کیا گیا اور اوندھا کیا گیا۔ جب وہ کالا اور الٹا ہوجاتا ہے تو اس پر یہ دو آفتیں مرض بن کر اترتی ہیں جو اسے ہلاکت کی طرف پھینکتی ہیں۔

پہلا دل: اس پر نیکی بدی کے ساتھ مشتبہ ہوجاتی ہے۔ وہ نیکی کو نیکی اور برائی کو برائی نہیں سمجھتا۔ بسا اوقات اس میں یہ بیماری پکی ہوجاتی ہے حتیٰ کہ وہ نیکی کو برائی اور برائی کو نیکی، سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت، حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے۔

دوسرا دل: جو دین پیغمبر ﷺ لے کر آئے وہ اس پر اپنی خواہش کو فیصلہ کنندہ بنالیتا ہے۔ وہ دِل خواہش کا پیروکار اور تابعدار بن جاتا ہے۔

جبکہ سفید دل وہ ہے: جس میں ایمان کا نور چمکتا ہے۔ اس میں اس کا دیا جلتا ہے، جب اس پر فتنے پیش ہوتے ہیں تو وہ ان کا رد اور انکار کرتا ہے، لہٰذا اس کا نور، قوت اور روشنی بڑھتی جاتی ہے۔

جو فتنے دلوں پر پیش کیے جاتے ہیں وہ اس کی بیماری کے اسباب ہیں اور وہ شہوات کے فتنے، شبہات کے فتنے، سرکشی اور گمراہی کے فتنے، بدعتوں اور گناہوں کے فتنے اور ظلم وجہالت کے فتنے ہیں۔

پہلا: قصد اور ارادہ کے فساد کا موجب ہے۔

دوسرا: علم واعتقاد کے فساد کا موجب ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دلوں کی چار قسمیں بنائی ہیں۔ جیسا کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے ان کا قول بسند صحیح مروی ہے کہ دل چار طرح کے ہیں: خالی دل جس میں چراغ روشن ہوتا ہے اور یہ مومن کا دل ہے۔

پردے والا دل: یہ کافر کا دل ہے۔ الٹا دل: یہ منافق کا دل ہے۔ پہلے اچھائی کو پہچانتا ہے پھر انکار کرتا ہے۔ دیکھتا ہے پھر اندھا ہوجاتا ہے۔

اور ایک دل وہ ہے: جس میں دونوں مادے پھلتے ہیں۔ ایمان کا مادہ اور نفاق کا مادہ۔ ان دونوں میں سے جو اس پر غالب آجائے یہ دِل اس طرف ہوجاتا ہے۔②

---

① صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الاسلام بدء غریبًا۔ و مسند امام احمد ج۵، ص ۳۸۶۔ ائمہ نے اس حدیث کی وضاحت میں طویل کلام بھی لکھا ہے۔ الفقی ② مسند امام احمد ج۳، ص ۱۷۔ اس حدیث کو مرفوعاً بھی بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اس کی بعض اسناد میں رواۃ متکلم فیہ ہیں پھر بھی حدیث حسن درجہ کی ہے۔ (عفیفی)

''خالی دل'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اس کے پیغمبر ﷺ کے سوا (کی محبت) سے خالی ہے۔ وہ حق کے سوا سے خالی اور سلامت ہوتا ہے۔ ''اس میں چراغ جلتا ہے'' یعنی ایمان کا دیا۔

خالی ہونے کے ساتھ یہ اشارہ کر دیا کہ وہ باطل کے شبہات اور گمراہی کی شہوات سے الگ تھلگ اور خالی ہے۔ اس میں چراغ ہونے سے یہ اشارہ کیا کہ وہ نورِ عمل اور ایمان سے روشن ہوتا اور چمکتا ہے۔

پردے والے دل کے ساتھ کافر کے دل کی طرف اشارہ کیا۔ کیونکہ وہ اپنے غلاف اور پردے میں رہتا ہے۔ اس تک علم و ایمان کا نور نہیں پہنچتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے یہود کی حکایت میں فرمایا:

﴿وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ط﴾ (البقرۃ:٨٨) ''اور انہوں نے کہا: ہمارے دل پردے میں ہیں۔''

''غلف'' اغلف کی جمع ہے۔ وہ چیز جو اپنے غلاف میں داخل ہو جیسے قلف اور اقلف ہے۔ اس غلاف سے مراد وہ پردے ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے دلوں پر ڈال دیے ہیں۔ ان کے لیے حق کو رد کرنے اور اس کے قبول سے تکبر کی یہ سزا ہے۔ یہ دلوں پر پردے ہیں اور کانوں پر بوجھ ہیں اور آنکھوں میں اندھا پن ہے۔ یہ وہ پردہ ہے جو نظروں سے اوجھل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ وَّ جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ط﴾ (الاسراء:٤٥، ٤٦)

''اور جب تم قرآن پڑھا کرتے ہو تو ہم تم میں اور ان لوگوں میں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے حجاب پر حجاب کر دیتے ہیں اور ان لوگوں کے دلوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں کہ اسے سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں ثقل (ڈاٹ) پیدا کر دیتے ہیں۔''

جب ایسے دلوں پر خالص توحید اور خالص اتباع کا ذکر کیا جاتا ہے تو ایسے لوگ اپنی پیٹھیں پھیر کر بھاگ نکلتے ہیں۔

الٹے اور اوندھے دل کے ساتھ منافق کے دل کی طرف اشارہ کیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَمَا لَكُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ط﴾ (النساء:٨٨)

''تو کیا سبب ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو حالانکہ اللہ نے ان کو ان کے کرتوتوں کے سبب اوندھا کر دیا ہے۔''

یعنی ان کو الٹا کیا اور اسی باطل میں لوٹا دیا جس میں وہ تھے، یہ حال ان کے کرتوت اور ان کے باطل اعمال کی وجہ سے ہوا۔ یہ دلوں میں سے بدترین اور خبیث ترین ہیں۔ یہ دِل باطل کو حق گردانتا ہے اور باطل لوگوں سے دوستی رکھتا ہے اور حق کو باطل سمجھتا ہے اور حق والے لوگوں سے دشمنی رکھتا ہے۔ اللہ پناہ دے۔

جس دل میں دو مادے ہیں اس سے اس دل کی طرف اشارہ کیا جس میں ایمان نے جگہ نہیں پکڑی نہ اس میں اس کا چراغ روشن ہوا ہے۔ کیونکہ وہ اس حق کے لیے خالی نہ تھا جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو دے کر بھیجا اس میں حق کا مادہ بھی ہے اور اس کے خلاف مادہ بھی ہے۔ کبھی یہ ایمان سے بڑھ کر کفر کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور کبھی کفر سے بڑھ کر ایمان کے قریب تر ہوتا ہے۔ حکم غالب کا ہے اور اسی کی طرف یہ دِل لوٹتا ہے۔

باب نمبر:2

دل کی بیماری کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا:

﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ﴾ (البقرة:۱۰)

''ان کے دلوں میں بیماری ہے پس اللہ نے ان کو بیماری میں بڑھا دیا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِّیَجْعَلَ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ (الحج:۵۳)

''تاکہ اسے کردے جو شیطان ڈالتا ہے ان لوگوں کے لیے فتنہ جن کے دلوں میں بیماری ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ﴾ (الاحزاب:۳۲)

''اے نبی کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو (کسی اجنبی شخص سے) نرم نرم باتیں نہ کیا کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی امید (نہ) پیدا کرلے۔''

اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے کلام میں نرمی نہ کریں جس طرح بہت نرم خو عورت اپنی بات میں نرمی کرتی ہے، پس وہ شخص طمع کرے گا جس کے دل میں شہوت کا مرض ہے۔ مزید برآں وہ عورتیں گفتگو میں ایسی باتیں نہ کریں جو فحاشی سے ملتی جلتی ہوں بلکہ مناسب بات کریں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ۝﴾ (الاحزاب:۶۰)

''اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو مدینے میں بری بری خبریں اڑایا کرتے ہیں باز نہ آئیں گے تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر وہاں تمہارے پڑوس میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلْنَاۤ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓىِٕكَةً ۪ وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۙ لِیَسْتَیْقِنَ الَّذِیْنَ

أُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ يَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّ لَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَ لِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ ﴾(المدثر: ۳۱)

''اور ہم نے دوزخ کے داروغہ فرشتے بنائے ہیں اور ان کا شمار کافروں کی آزمائش کے لیے مقرر کیا ہے۔ اس لیے کہ اہل کتاب یقین کرلیں اور مؤمنوں کا ایمان اور زیادہ ہو اور اہل کتاب اور مومن شک نہ لائیں اور اس لیے کہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے اور کافر کہیں کہ اس مثال سے اللہ کا کیا مقصود ہے؟''

آیاتِ مبارکہ میں اس پاک و بلند ذات نے اس حکمت کی خبر دی ہے کہ جس کی وجہ سے اس نے جہنم کے داروغہ (نگران) فرشتوں کی تعداد انیس مقرر کی ہے۔ پس اس ذات پاک نے پانچ حکمتوں کا ذکر کیا ہے۔

کافروں کے لیے فتنہ

کہ تعداد کا یہ ذکر ان کے کفر اور گمراہی میں اضافے کا سبب ہوگا اور اہل کتاب کے یقین کا سبب ہوگا۔ ان کے نفس تقویت پائیں گے کہ یہ خبر اس کے موافق ہے جو انہیں ان کے انبیاء کی طرف سے دی گئی۔ یہ رسول اللہ ﷺ سے خود سیکھنے کے علاوہ ہے۔ [1] اس مثال سے ان کے مخالف پر حجت قائم ہوگی۔ جس کو اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرے وہ ایمان کے لیے مطیع ہو جائے گا۔ ان لوگوں کے ایمان میں اضافہ ہوگا جو ایمان لائے اور اس کی پرزور تصدیق کی، تو پہلے نمبر پر یہ چار حکمتیں ہیں: ① کفار کے لیے فتنہ ② اہل کتاب کا یقین ③ مومنوں کے ایمان کا اضافہ اور ④ مؤمنوں اور اہل کتاب سے شک کی نفی۔ جبکہ ⑤ پانچویں چیز: کافر اور جس کے دل میں مرض ہے اس کی حیرت اور اس کے دل کا اس کی مراد سمجھنے سے اندھا پن۔ لہٰذا فرمایا:

﴿مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ﴾ (البقرۃ:۲۶)

''(کفار نے کہا) اللہ نے اس مثال کے ساتھ کیا ارادہ کیا ہے۔''

جب نازل کردہ حق دلوں پر وارد ہوتا ہے تو ایک دل کفر و انکار کے فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ایک دل ایمان اور تصدیق میں بڑھ جاتا ہے۔ ایک دل اس کا یقین کر لیتا ہے، اس پر حجت قائم ہوتی ہے اور ایک دل حیرت اور اندھے پن کو لازم کر لیتا ہے۔ اس کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے کیا مراد ہے۔

اس جگہ پر یقین اور عدم شک اگر دونوں ایک چیز کی طرف لوٹ آئیں تو عدم شک کا ذکر یقین کو قائم کرنے والا اور اس کی تاکید کرنے والا ہوتا ہے اور اس کی کسی بھی طرح مخالفت کرنے والی باتوں کی نفی کرتا ہے۔ اگر وہ دونوں دِل دو چیزوں کی طرف لوٹیں کہ خبر میں مذکور فرشتوں کی تعداد کا یقین ہو۔ جبکہ اس چیز کے عموم کے بارے میں عدم شک ہو جس کی پیغمبر نے خبر دی ہے۔ اس خبر یعنی فرشتوں کی تعداد کی دلالت کی سچائی صرف پیغمبروں کی طرف سے جانی جاسکتی ہے۔ جس کو اس خبر کی سچائی معلوم ہو جائے وہ اس کے بعد پیغمبر کی تصدیق میں شبہ نہیں کرتا۔ اس طرح اس مثال کے ذکر کرنے کا فائدہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔

---

① جو کچھ رسول کریم ﷺ سے حاصل کیا گیا اس سے آپ کی صداقت ثابت ہوتی ہے لیکن ان کے ہاں صداقت کے دلائل پہلے سے بھی موجود تھے۔ (مترجم)

مقصد

مرض قلب اور اس کی حقیقت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾﴾ (یونس:٥٧)

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔''

دلوں میں جو جہالت اور سرکشی کا مرض ہے یہ قرآن اس کی شفا ہے۔ جہالت ایک مرض ہے۔ اس کی شفا علم وہدایت ہے۔ سرکشی ایک مرض ہے۔ اس کی شفا رشد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان دونوں بیماریوں سے پاک بنایا ہے۔

لہٰذا فرمایا:

﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ﴿١﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿٢﴾﴾ (النجم: ١، ٢)

''تارے کی قسم جب غائب ہونے لگے کہ تمہارے رفیق نہ رستہ بھولے ہیں نہ بھٹکے ہیں۔''

آپ ﷺ نے اپنے خلفاء کی صفت ان دونوں گمراہیوں سے پاک بیان کی ہے۔ لہٰذا آپ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ بَعْدِيْ»[1]

''تم میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے بعد خلفاء کی سنت کو جو رشد و ہدایت والے ہیں۔''

اللہ نے اپنے کلام کو لوگوں کے لیے عام نصیحت قرار دیا ہے۔ جو اس پر ایمان لائیں ان کے لیے خاص ہدایت اور رحمت بنایا ہے اور جو کچھ دلوں میں ہے اس کے لیے یہ مکمل شفا ہے۔ جس نے اس سے شفا طلب کی وہ اپنی بیماری سے صحیح اور شفایاب ہو گیا اور جس نے اس سے شفا طلب نہ کی وہ ایسے ہے جیسے کہا گیا ہے

''جب وہ اس بیماری سے درست ہوا جو اس کو تھی تو اس نے گمان کیا کہ وہ نجات پا گیا ہے، جبکہ اس میں وہ بیماری موجود ہے جو اسے ختم کرنے والی ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ إِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾﴾ (الاسراء:٨٢)

''اور ہم قرآن سے نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور نہیں یہ ظالموں کو بڑھاتا مگر خسارے میں۔''

بظاہر یہاں پر ''مِنْ'' بیان جنس کے لیے ہے[3] کہ قرآن سب کا سب شفا اور مومنوں کے لیے رحمت ہے۔

---

[1] سنن ابی داود، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة (حدیث)؛ جامع ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی آخذ السنة، حدیث: ٢٦٧٦؛ سنن ابن ماجه، المقدسة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین: حدیث ٥٢؛ مسند امام احمد: ج٤ ص ١٢٦؛ سنن دارمی: ج١ ص ٤٤۔ اس حدیث کے اور بھی طرق ہیں اور حدیث صحیح ہے۔ (عفیفی)

[2] مرض میں بَلَّ اور اَبَلَّ کا مطلب درست ہونا ہے۔ یہ شعر بڑھاپے کے متعلق ہے۔ (الفقی)

[3] مؤلف نے یہاں پر ان لوگوں کے مؤقف کی کمزوری کی طرف اشارہ کیا ہے جن کے خیال میں یہاں ''مِن'' تبعیض کے لیے ہے۔ واللہ اعلم۔ (مترجم)

فصل: امراض قلب وجسم کے اسباب اوران کی تشخیص

جسمانی مرض بدن کی صحت اور صلاحیت کے خلاف حالت کا نام ہے۔ یعنی یہ کسی خرابی کی وجہ سے اپنے فطری اعتدال سے باہر نکل جائے۔ یعنی جو معاملہ اس کے ادراک اور فطری حرکت میں خرابی پیدا کرتا ہے یا وہ اس کے ادراک کو بالکل ختم کر دیتا ہے جیسے اندھا، بہرا اور بیکار ہونا یا وہ اشیاء کو ان کی حقیقت کے خلاف پاتا ہے مثلاً وہ میٹھے کو کڑوا، خبیث کو طیب اور طیب کو خبیث پاتا ہے۔ فطری حرکت میں خرابی اس طرح ہوسکتی ہے کہ اس کی قوت ہاضمہ، قوت پکڑ، قوت مدافعت یا قوت جاذبہ کمزور ہو جائے تو اس کو اس قدر تکلیف ہوگی جس قدر وہ اعتدال سے نکلا ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ موت و ہلاکت کی حد کو نہیں پہنچتا بلکہ اس میں ایک گونہ قوت ادراک باقی ہوتی ہے۔

اعتدال سے اس کے خروج کا سبب کمیت میں خرابی ہے یا کیفیت میں۔

پہلا: مرض مادہ میں اضافہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہاں کمی کی ضرورت پڑتی ہے۔

دوسرا: مرض گرمی، سردی، تری، خشکی کی زیادتی یا اس کی فطری مقدار میں کمی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یہاں اس کی ضرورت کے مطابق دوا دی جائے گی۔ یہاں صحت کی بنیاد قوت کی حفاظت، ایذاء دینے والی چیزوں سے پرہیز اور فاسد مادوں کا اخراج ہے۔ طبیب کی نگاہ ان اصولوں پر ہوتی ہے۔

اللہ پاک نے مسافر اور مریض کو حکم دیا ہے کہ وہ رمضان میں روزہ چھوڑ دیں۔ [1]

مسافر جب سفر سے واپس آ جائے اور مریض جب صحیح ہو جائے تو وہ چھوڑا ہوا روزہ رکھیں۔ تاکہ ان دونوں کی قوت کی حفاظت ہو۔ روزہ مریض کی کمزوری بڑھائے گا۔ مسافر کو سفر کی مشقت کی وجہ سے اپنی قوت بڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ روزہ اسے کمزور کرتا ہے۔

ایذاء دینے والی چیزوں سے پرہیز کی مثال یوں ہے کہ اللہ پاک نے مریض کو وضو اور غسل میں ٹھنڈے پانی کے استعمال سے روکا ہے۔ جب پانی اسے نقصان دیتا ہو تو اسے حکم دیا ہے کہ اس کے بجائے تیمم کر لے۔ [2] تاکہ اس کے ظاہر جسم پر ایذاء دینے والی چیزوں کے آنے کو روکا جائے، تو جو اس کے باطن کے لیے موذی ہو اس کا کیا حکم ہوگا؟

فاسد مادوں کے اخراج کی مثال یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُس احرام والے شخص کے لیے سر منڈوانا مباح کر دیا جس کے سر میں کوئی تکلیف ہو۔ [3] وہ سر منڈوا کر اپنے لیے موذی بخارات کو خارج کرتا ہے۔ اخراج کی اقسام میں یہ سب سے آسان اور خفیف طریقہ ہے۔ اس کے طریقے سے جو شخص زیادہ حاجت مند ہو (یعنی جسے اس سے زیادہ تکلیف ہو) ہو اس پر تنبیہ کر دی ہے۔

میں نے مصر کے نامور اطباء میں سے کسی سے ایک موقع پر اس بات کا ذکر کیا تو اس نے کہا: اللہ کی قسم اگر میں اس بات کی معرفت کے لیے مغرب کا سفر بھی کرتا تو کم فائدہ ہوتا یا جیسے اس کے الفاظ تھے۔

---

[1] تفصیل کے لیے سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۵ دیکھیے (الفقی)

[2] تفصیل کے لیے سورۃ المائدہ کی آیت: ٦ دیکھیے (الفقی)

[3] تفصیل کے لیے سورۃ البقرۃ کی آیت: ۱۹٦ دیکھیے (الفقی)

جب یہ بات معلوم ہو چکی تو اب یہ سمجھنا چاہیے کہ دل اس چیز کا محتاج ہے جو اس کی قوت کی حفاظت کرے اور وہ ایمان اور فرمانبرداری کے وظائف واعمال ہیں۔ اس کو نقصان دہ موذی چیز سے پرہیز کی بھی ضرورت ہے۔ اور یہ گناہوں اور نافرمانیوں کے اجتناب سے ممکن ہے۔

اس کو ہر پیش آنے والے فاسد مادہ کے اخراج کی بھی ضرورت ہے۔ یہ خالص توبہ اور ایسے استغفار کے ذریعے سے ہو سکتا ہے جو خطاؤں کو بخشنے والا ہو۔

اس کا مرض ایک گونہ خرابی سے آ گیا ہے جو اس کے لیے حق کے تصور اور اس کے ارادہ کو خراب کرتا ہے۔ وہ حق کو حق نہیں سمجھتا یا اسے اس کی حقیقت کے خلاف دیکھتا ہے یا اس کا ادراک ناقص ہوتا ہے اس کے ساتھ اس کا ارادہ خراب ہوتا ہے۔ وہ نفع بخش حق کو ناپسند کرتا ہے یا نقصان دہ باطل کو پسند کرتا ہے یا اس میں دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں اور یہ بات غالب ہو جاتی ہے۔ اسی لیے اس وجہ سے پیش آمدہ مرض کی تفسیر کبھی شک وشبہ سے کی جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت مجاہد اور قتادہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ (البقرة:۱۰) کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد شک ہے۔ اور کبھی شہوت زنا مراد ہے جیسے اللہ کے فرمان: ﴿ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ ﴾ (الاحزاب:۳۲) کی تفسیر کی گئی ہے۔

تو پہلا مرض شبہ ہے، جبکہ دوسرا مرض شہوت ہے۔

صحت کی حفاظت مثل اور شبہ کے ساتھ ہوگی، جبکہ مرض کو ضد اور خلاف کے ساتھ دور کیا جائے گا۔ یہ اپنے مثلِ سبب سے قوی ہوتا ہے اور اپنی ضد سے ختم ہوتا ہے۔ جبکہ صحت کی حفاظت مثلِ سبب سے ہوتی ہے اور وہ اپنی ضد سے کمزور یا ختم ہوتی ہے۔ مریض کے بدن کے لیے وہ چیز موذی ہے جو تندرست کے لیے موذی نہیں مثلاً معمولی گرمی، سردی، حرکت وغیرہ۔ یہی دل کی مثال ہے۔ اس کے لیے ادنیٰ شبہ یا شہوت بھی موذی ہے۔ کیونکہ جب یہ دونوں آئیں تو وہ ان کو دور کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ جبکہ تندرست اور قوی دل پر اس طرح کی کئی باتیں گزرتی رہتی ہیں، اور وہ اپنی قوت اور صحت کی وجہ سے ان کو اپنے جسم سے دور پھینکتا رہتا ہے۔

بہر حال! اگر مریض کو اس کے سببِ مرض کی مثل سے علاج تجویز کر دیا جائے تو اس کا مرض بڑھ جائے گا۔ اس کی قوت کمزور ہوگی۔ وہ اس کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کرے گا جب تک اس کا تدارک نہ کیا جائے یعنی اسے وہ چیز دی جائے جو اس کی قوت میں اضافہ کرے اور اس کی بیماری کو ختم کرے۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

باب نمبر: 3

امراض قلب کی ادویہ کی دو قسمیں: فطری اور شرعی

مرض قلب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو آدمی کو فی الحال تکلیف نہیں دیتی۔ یہ قسم متقدم ہے۔ مثلاً مرضِ جہالت اور مرضِ شکوک وشبہات۔ یہ قسم تمام اقسام سے بڑھ کر تکلیف دہ ہے۔ لیکن دل کا فساد تکلیف کو محسوس نہیں کرتا اس لیے کہ جہالت اور خواہش کا نشہ اس کے اور تکلیف کے ادراک کے مابین حائل ہوجاتا ہے۔ ورنہ اس کی تکلیف اس کے پاس حاضر ہے، موجود ہے، وہ اس کی ضد میں مشغول ہے اس لیے مرض اس سے پوشیدہ ہے۔ یہ دو مرضوں میں سے زیادہ خطرناک اور زیادہ مشکل ہے۔ اس کے علاج کے لیے پیغمبروں اور ان کے تابعداروں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ وہی اس مرض کے اطباء ہیں۔

دوسری قسم کا مرض وہ ہے جو آدمی کو فی الحال تکلیف دیتا ہے مثلاً دکھ، غم، پریشانی اور غصہ۔ یہ مرض فطری دواؤں سے ختم ہوجاتا ہے مثلاً: اس کے اسباب کا ازالہ یا ان اسباب کے خلاف چیزوں کے ساتھ علاج۔ ان اسباب کے قیام اور ان کے موجب کو بھی دور کرنا ہے۔ جس طرح بدن کی تکلیف دل کو محسوس ہوتی ہے، اس کی بدنصیبی پر یہ بدنصیب ہوتا ہے، اسی طرح دل کی تکلیف بدن کو بھی محسوس ہوتی ہے اور وہ اس کی بدنصیبی پر بہت بدنصیب ہوتا ہے۔ دل کی وہ بیماریاں جو فطری دواؤں سے ختم ہوجاتی ہیں وہ امراض جسم کی جنس سے ہیں۔ یہ موت کے بعد بدبختی اور عذاب کا موجب نہیں ہوتیں۔ لیکن جو امراض ایمانی اور نبوی دواؤں کے بغیر ختم نہ ہوں وہ بدبختی اور ہمیشہ کے عذاب کی موجب ہیں، اگر ان کی مخالف دواؤں سے ان کا تدارک نہ کیا جائے۔ اور اگر ان دواؤں کو استعمال کیا جائے تو اسے شفا ملے گی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے "اس نے اپنے غیظ پر شفا پائی" یعنی جب کسی پر اس کے دشمن نے غلبہ پایا تو اس کو اس نے تکلیف دی اور جب اس سے انصاف پالیا تو اس کے دل کو شفا مل گئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ﴾ (التوبہ: ۱۴، ۱۵)

"ان سے لڑو، اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب میں ڈالے گا اور رسوا کرے گا اور تم کو ان پر غلبہ دے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا بخشے گا اور ان کے دلوں سے غصہ دور کردے گا اور جس پر چاہے گا توبہ قبول کرے گا۔"

اللہ نے (مومنوں کو) اپنے دشمنوں سے لڑنے کا حکم دیا اور ان کو بتایا کہ اس میں چھ فوائد ہیں: [1]

غیظ جو دل کو دکھ پہنچاتا ہے۔ اس کی شفا بدلہ پورا ہونے میں ہے اگر اس کو شفا حق کے ساتھ دی تو وہ شفا پائے گا۔ اگر اس کو

---

[1] حضرت امام نے چھ فوائد کا اشارہ دیا ہے، لیکن ذکر نہیں فرمائے، وہ چھ فوائد یہ ہیں: (۱) مومنوں کے ہاتھوں سے عذاب۔ (۲) کافروں کے لیے رسوائی۔ (۳) اُن پر نصرت۔ (۴) مومنوں کے دلوں کے لیے شفاء۔ (۵) اُن کے دلوں سے غیظ نکالنا۔ اور (۶) اللہ جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے۔ (از مترجم)

شفا ظلم اور باطل سے دی تو اس کا مرض اس انداز میں بڑھے گا کہ وہ سمجھے گا کہ وہ اسے شفا دے رہا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی عاشق کو معشوق کے ساتھ بدکاری کے ذریعے شفا دے۔ اس طرح تو اس کا مرض بڑھے گا اور اس کو مرض عشق سے بھی مشکل اور امراض لگا دے گا جیسا کہ آگے تفصیلاً ذکر آئے گا۔

اسی طرح دکھ، غم اور پریشانی امراض قلب ہیں۔ ان کی شفا ان کے خلاف خوشی اور فرحت میں ہے۔ اگر یہ حق کے ساتھ ہو تو دل شفا پائے گا اور وہ اپنی بیماری سے صحیح اور تندرست ہو جائے گا۔ اگر باطل کے ساتھ ہو تو یہ پردے میں چلا جائے گا اور چھپ جائے گا۔ یہ اپنے پیچھے ایسی بیماریاں چھوڑ جائے گا جو زیادہ پیچیدہ اور خطرناک ہوں گی۔

جہالت بھی ایک مرض ہے جو دل کو نقصان دیتی ہے۔ بعض لوگ اس کا علاج ان علوم کے ساتھ کرتے ہیں جو نفع نہیں دیتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان علوم کے ساتھ مریض اپنی بیماری سے اچھا ہو گیا ہے۔ وہ درحقیقت اس کو مرض در مرض بڑھا رہا ہے۔ لیکن دل اس میں مشغول ہے۔ اسے چھپے ہوئے درد کا ادراک نہیں ہے کیونکہ اسے نفع مند علوم کا علم نہیں ہے جو اس کی صحت اور تندرستی کے لیے شرط ہیں۔ نبی ﷺ نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا جنہوں نے نادانی میں فتویٰ دیا تھا اور سائل ان کے فتویٰ کی وجہ سے ہلاک ہو گیا تھا:

«قَتَلُوْهُ، قَتَلَهُمُ اللّٰهُ، أَلَا سَأَلُوْا إِذْ لَمْ يَعْلَمُوْا؟ فَإِنَّمَا شِفَاءُ الْعَيِّ السُّؤَالُ»[1]

''انہوں نے اس کو مارا اللہ ان کو مارے۔ جب ان کو علم نہ تھا تو انہوں نے کیوں نہ سوال کیا؟ لاعلمی کی شفا تو صرف سوال ہے۔''

آپ نے جہالت کو ایک مرض اور اس کی شفا اہل علم سے سوال کو قرار دیا۔ اسی طرح کسی چیز میں جو شک و شبہ کرنے والا ہے، اس کا دل پریشان ہے جب تک اس کو علم اور یقین حاصل نہ ہو۔ جب ایسا ہو جائے تو اس کے لیے حرارت (فرحت) کا موجب ہوتا ہے۔ اسی لیے جس کو یقین حاصل ہو اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کا سینہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اسے یقین کی ٹھنڈک حاصل ہو گئی۔

جہالت اور گمراہی کے ذریعے طریق ہدایت سے دل میں تنگی آتی ہے اور یہ ہدایت اور علم کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ﴾ (الانعام:۱۲۵)

''تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔''

دل کی گھٹن، اس کا سبب اور اس کے علاج کا ذکر آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ

مقصد

بعض امراض قلب فطری دواؤں سے دور ہو جاتے ہیں۔ بعض شرعی اور ایمانی دواؤں کے بغیر دور نہیں ہوتے۔ دل میں حیات، موت، بیماری اور شفا سب کچھ ہے۔ بلکہ دل میں یہ سلسلہ جسمانی بیماریوں سے بڑھ کر ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ

[1] سنن ابی داود، کتاب الطهارت، باب فی المجروح تیمم (حدیث ۳۳٦) و سنن ابن ماجه. کتاب الطهارت و سننها، باب فی المجروح تصیبه الجنابة (حدیث ۵۷۲) و سنن دارمی ج۱ ص ۱۹۲۔ و مسند امام احمد ج۱ ص ۳۳۰۔ (عفیفی)

باب نمبر: 4

دل کی حیات اور اس کی روشنی ہر خیر کا مادہ ہے، اس کی موت اور اس کا اندھیرا ہر شر کا مادہ ہے

بندے کے لیے بلکہ ہر ذی روح ناطق کے لیے ہر خیر و سعادت کی اصل اس کی حیات اور اس کے نور کا کمال ہے۔ حیات اور نور ہر خیر کا مادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ (الانعام: ۱۲۲)

''بھلا جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لیے روشنی کر دی جس کے ذریعے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کہیں اس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہوا اور ان سے نکل ہی نہ سکے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو اصلوں یعنی حیات اور نور کو اکٹھے ذکر فرمایا ہے۔ حیات آدمی کی قوت سمع، بصر، حیاء، پاکدامنی، شجاعت، صبر، تمام اخلاق فاضلہ، اچھائی کے لیے محبت اور برائی کے لیے نفرت کی بنیاد ہے۔ جب جب اس میں حیات قوی ہوگی اس میں یہ صفات بھی قوی ہوں گی۔ جب اس میں حیات کمزور ہوگی اس میں یہ صفات بھی کمزور ہوں گی۔ قبیح چیزوں سے اس کی حیاء اس کے نفس میں حیات کے بقدر ہوگی۔ صحیح زندہ دل پر جب قبائح کو پیش کیا جائے وہ طبعاً ان سے نفرت کرتا ہے۔ ان سے بغض رکھتا ہے۔ ان کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا۔ بخلاف مردہ دل کے کہ وہ اچھائی اور برائی میں فرق نہیں کرتا۔ جیسے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وہ شخص ہلاک ہو گیا جس کے پاس ایسا دل نہ ہو جو نیکی اور برائی کو پہچان سکے۔''

اسی طرح جس دل میں مرض شہوت ہو، اس کے ضعف کی وجہ سے جو شہوت بھی اس پر پیش ہو وہ مرض کی قوت اور ضعف کے حساب سے اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ جب اس کا نور اور روشنی قوی ہوگی۔ اس کے لیے معلومات کی صورتیں اور حقائق اپنی اصل حالت پر منکشف ہوں گے، نور کی وجہ سے اچھائی کی خوبی اس پر واضح ہوگی۔ وہ اپنی زندگی میں اس کو ترجیح دے گا۔ اس پر برائی کا برا ہونا بھی کھل جائے گا۔ اللہ پاک نے ان دو اصلوں کو اپنی کتاب عزیز کے کئی مقامات پر ذکر کیا ہے۔ مثلاً فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾ (الشوریٰ: ۵۲)

''اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے (قرآن) بھیجا ہے۔ تم نہ تو کتاب کو

جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک آپ ضرور صراطِ مستقیم کی طرف راہ دکھاتے ہیں۔''

اللہ پاک نے روح اور نور کو اکٹھے بیان کیا۔ روح سے حیات ملتی ہے اور نور سے روشنی اور چمک ملتی ہے، اور یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ نے جو کتاب اپنے پیغمبر ﷺ پر اتاری ہے اس کے اندر دونوں چیزیں موجود ہیں۔ ایک روح ہے جس سے دلوں کو حیات ملتی ہے اور دوسری نور ہے جس سے لوگ روشنی اور چمک پاتے ہیں۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ﴾ (الانعام:۱۲۲)

''بھلا جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لیے روشنی کر دی جس کے ذریعے وہ لوگوں میں چلتا ہے کیا وہ اس کی طرح ہے جو اندھیروں میں ہے وہ اس سے نکلنے والا نہیں ہے۔''

جو شخص کافر ہو اس کا دل مردہ ہو، وہ جہالت کے اندھیرے میں مستغرق ہو ہم نے اس کو نیکی کا راستہ دکھایا۔ ایمان کی توفیق دی۔ اس کے دل کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا۔ اسے اندھیرے کے بعد نور اور روشنی والا بنایا۔ کافر کو فرمانبرداری سے نکلنے، اپنی معرفت سے جہالت، توحید اور شرائع دین سے ناآشنائی، اس کی رضا والے حصہ کو چھوڑنے اور نجات و سعادت تک لے جانے والے عمل نہ کرنے کی وجہ سے بہ منزلہ مردہ قرار دیا۔ جو نہ خود کو کسی طرح کا کوئی نفع دے سکے۔ نہ کوئی تکلیف دور کر سکے ہم نے اس کو اسلام کی ہدایت اور اس کے مطابق زندگی عطا کی۔ وہ اپنے نفس کے منافع اور نقصانات کو جاننے والا ہو گیا۔ وہ اللہ کی ناراضگی اور عذاب سے بچانے والے عمل کرنے لگا۔ اس نے حق سے اندھا ہونے کے بعد اس کو دیکھ لیا۔ اس کو جہالت کے بعد پہچان لیا۔ اس سے اعراض کے بعد اس کی اتباع کی۔ اس کو نور اور روشنی مل گئی جس سے وہ راہ پاتا ہے وہ اپنے نور کے ساتھ لوگوں میں چلتا ہے جبکہ لوگ ظلم کے اندھیروں میں ہیں، جیسے کہا گیا ہے ؎

''لوگ ظلام کے اندھیروں میں ہیں جبکہ ہم دن کی روشنی میں ہیں۔''

اسی لیے اللہ پاک اپنی وحی اور اپنے بندوں کے لیے پانی اور آگ کی مثال بیان کرتے ہیں۔ پہلی مثال سورۃ الرعد میں ہے:

﴿ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ﴾ (الرعد:۱۷)

''اس نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہہ نکلے۔ پھر نالے پر پھولا ہوا جھاگ آ گیا اور جس چیز کو زیور یا کوئی اور سامان بنانے کے لیے آگ میں تپاتے ہیں اس میں بھی ایسا ہی جھاگ ہوتا ہے اس طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے۔ سو جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے اور (پانی) جو لوگوں کو

فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے۔اس طرح اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے۔''

اپنی وحی کے لیے اللہ تعالیٰ نے پانی کی مثال بیان فرمائی کیونکہ اس سے حیات ملتی ہے۔آگ سے وہ آگ مراد ہے جس سے روشنی اور چمک ملتی ہے۔اس بلند و پاک ذات نے خبر دی ہے کہ نالے اپنے اندازے کے مطابق بہتے ہیں۔کوئی نالہ بڑا ہے وہ زیادہ پانی کی گنجائش رکھتا ہے۔کوئی نالہ چھوٹا ہے وہ کم پانی کی گنجائش رکھتا ہے۔اسی طرح دلوں کو نالوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، کوئی دل بڑا ہے وہ زیادہ علم کی گنجائش رکھتا ہے۔کوئی دل چھوٹا ہے اس میں اسی کے بقدر گنجائش کم ہے۔

وحی کے اترنے اور دلوں سے ملنے پر جو ان میں شبہات اور شہوات آئیں اور اس کی اس پر جو نشانیاں آئیں ان کو سیلاب سے اٹھنے والے جھاگ سے تشبیہ دی۔ان شبہات کے بطلان کو علم نافع کے وہاں ٹھہر جانے سے تشبیہ دی۔اسی طرح اس سے بعد والی مثال میں بھی ہے کہ اس جوہر سے گندگی چلی جاتی ہے جبکہ اس کا خالص حصہ بچا رہتا ہے۔درج ذیل دونوں مثالوں کو بندوں کے لیے بیان کیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾﴾ (البقرۃ:١٧، ١٨)

''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی جب آگ نے اس کے اردگرد کی چیزیں روشن کیں تو اللہ نے ان لوگوں کی روشنی زائل کر دی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں دیکھتے۔بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں کہ لوٹ ہی نہیں سکتے۔''

یہ آگ والی مثال ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ﴾ (البقرۃ:١٩)

''یا ان کی مثال بارش کی سی ہے جو آسمان سے ہے۔اس میں اندھیرے پر اندھیرا ہو اور گرج ہو اور بجلی ہو تو یہ کڑک سے موت کے خوف سے کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہیں۔''

ان دو مثالوں میں جو سربستہ راز اور حکمتیں موجود ہیں ان کے بارے میں ہم نے کتاب المعالم وغیرہ[1] میں مفصل گفتگو کی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ: دل کی درستی، اس کی سعادت اور فلاح ان دو اصلوں پر موقوف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴿٦٩﴾ لِّيُنذِرَ مَن كَانَ حَيًّا﴾ (یٰسٓ:٦٩، ٧٠)

---

[1] کتاب اجتماع الجیوش الاسلامیہ میں ان دو مثالوں کے متعلق قیمتی گفتگو ہے۔(الفقی)

''نہیں ہے یہ مگر ذکر اور واضح قرآن ہے۔ تاکہ ڈرائے اس کو جو زندہ ہے۔''

یہاں یہ خبر دی ہے کہ قرآن سے نفع اٹھانا اور اس کے ساتھ ڈرانا اس شخص کے لیے ہی ممکن ہے جس کا دل زندہ ہے۔ جیسے دوسری جگہ پر فرمایا:

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ﴾ (قٓ:۳۷)

''بے شک اس میں اس شخص کے لیے نصیحت ہے جو دل رکھتا ہو۔''

اور فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ﴾ (الانفال:۲۴)

''مومنو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم قبول کرو جبکہ وہ تمہیں ایسے کام کے لیے بلاتے ہیں جو تم کو زندگی بخشتا ہے۔''

اس ذات پاک نے خبر دی ہے کہ ہماری حیات صرف وہ ہے جس کی طرف ہم کو اللہ اور اُس کے پیغمبر بلاتے ہیں، یعنی علم اور ایمان، تو معلوم ہوا کہ ان کا فقدان دل کی موت اور اس کی ہلاکت ہے۔

جو پیغمبر ﷺ کی بات کو قبول نہیں کرتا اللہ پاک نے اس کو اصحاب قبور کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ یہ ایک بہت عمدہ تشبیہ ہے۔ ان کے جسم ان کے دلوں کے لیے قبریں ہیں۔ ان کے دل مر چکے ہیں ان کی قبریں ان کے جسموں میں بنا دی گئی ہیں۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴾ (الفاطر:۲۲)

''بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے سناتا ہے اور تم ان کو سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں۔''

کہنے والے نے خوب کہا ہے

اسی لیے اللہ پاک نے اس وحی کو روح قرار دیا ہے جو وہ اپنے انبیاء کی طرف ڈالتا ہے۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ (المؤمن:۱۵)

''وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح کو اتارتا ہے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں دو جگہ ہے۔ [2]

پھر فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ (الشوریٰ:۵۲)

''اسی طرح ہم نے اپنے امر سے تمہاری طرف روح وحی کی۔''

---

① جہالت کی وجہ سے بے حس و حرکت پڑے ہیں۔ (مترجم)

② دوسرا مقام سورۃ النمل کی آیت ۱۶ ہے۔ (الفقی)

کیونکہ روحوں اور دلوں کی حیات اسی کے ساتھ ہے۔ یہ وہ حیات طیبہ ہے جس کے ساتھ اللہ نے اپنے اس بندے کو خاص کیا ہے، یعنی جس نے اس کی وحی کو قبول کیا اور اس پر عمل کیا۔

لہٰذا فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (النحل:۹۷)

''جو شخص نیک اعمال کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہوگا تو ہم اس کو پاک زندگی سے زندہ رکھیں گے اور ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔''

اللہ پاک نے ان لوگوں کو دونوں جہانوں میں حیات طیبہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔

لہٰذا اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِىْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ﴾ (ھود:۳)

''اور یہ کہ اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو وہ تم کو ایک وقت مقررہ تک نیک متاع سے بہرہ مند کرے گا اور ہر صاحب بزرگ کو اس کی بزرگی دے گا۔''

نیز اللہ کا فرمان ہے:

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ (النحل:۳۰)

''جو لوگ نیکوکار ہیں ان کے لیے اس دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو بہت ہی اچھا ہے اور پرہیزگاروں کا گھر بہت خوب ہے۔''

اس ذات پاک نے وضاحت فرمائی ہے کہ وہ نیکوکار کو اس کی نیکی کے ساتھ دنیا و آخرت میں سعادت مند کرے گا۔ جیسا کہ یہ بھی بتایا ہے کہ وہ برے کو اس کی برائی کے ساتھ دنیا و آخرت بدنصیب بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴾ (طٰہٰ:۱۲۴)

''اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا بے شک ہم اس کی گزران تنگ کر دیں گے اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے دونوں حالتوں کو اکٹھا کر کے بھی ذکر فرمایا:

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاۗءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ (الزمر:۱۲۵)

''تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے

اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اس طرح اللہ ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے عذاب بھیجتا ہے۔''

جو لوگ اہل ایمان و ہدایت ہیں ان کو شرح صدر، دل کی وسعت اور کشادگی ملتی ہے۔ جبکہ اہل ضلالت کو ضیق صدر (دل کی تنگی) اور نقصان ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ (الزمر:۲۲)

''بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو''

تو اہل ایمان نور اور انشراح صدر میں ہیں۔ جبکہ اہل ضلالت اندھیرے اور ضیق صدر میں ہیں۔ ''دل کی طہارت کے باب'' میں اس کا مزید بیان آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حاصل یہ ہے کہ: دل کی حیات اور اس کی روشنی ہر خیر کا مادہ ہے۔ جبکہ اس کی موت اور ظلمت ہر شر کا مادہ ہے۔

باب نمبر:5

دل کی حیات اور اس کی صحت صرف اس وقت حاصل ہو گی جب آدمی حق کا ادراک کرنے والا، اس کا ارادہ کرنے والا اور اس کو دوسرے (ناحق) پر ترجیح دینے والا ہو

دل میں دو قوتیں ہیں قوت علم وتمیز اور قوت ارادہ ومحبت۔ آدمی کا کمال اور اس کا فائدہ ان دو قوتوں کو ان چیزوں کے مکمل کرنے میں ہے جو اس کو نفع دیں اور اس کو فائدہ اور سعادت دیں۔ قوت علم کے استعمال میں اس کا کمال حق کے ادراک اور اس کی معرفت میں ہے، نیز اس کے اور باطل کے مابین فرق میں ہے۔ قوت ارادہ ومحبت کے استعمال میں حق کی طلب، اس کی محبت اور اس کو باطل پر ترجیح دینے میں ہے۔ جس نے حق کو نہ پہچانا وہ گمراہ ہے۔ جس نے اس کو پہچانا لیکن دوسرے کو اس پر ترجیح دی وہ غضب کردہ ہے۔ جس نے حق کو پہچانا اور اس کی پیروی کی وہ انعام کردہ ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم اپنی نمازوں میں اس سے درخواست کریں کہ وہ ''ہمیں ان لوگوں کے راستے کی ہدایت دے جن پر اس نے انعام کیا ہے نہ ان لوگوں کا جن پر غضب کیا گیا ہے اور نہ گمراہوں کا۔'' لہٰذا عیسائی گمراہی کے ساتھ خاص ہو گئے۔ کیونکہ وہ جاہل امت ہیں۔ یہودی غضب کے ساتھ خاص ہو گئے کیونکہ وہ سرکش امت ہیں، اور یہ امت انعام کردہ لوگوں کی ہے۔ اسی لیے حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے عبادت گزاروں میں سے جس نے خرابی کی پس اس میں عیسائیوں کی مشابہت ہے اور ہمارے علماء میں سے جس نے خرابی کی پس اس میں یہودیوں کی مشابہت ہے۔ کیونکہ عیسائیوں نے بغیر علم کے عبادت کی، اور یہودیوں نے حق کو پہچانا اور اس سے پھر گئے۔

مسند احمد اور ترمذی میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی گئی ہے، کہ آپ نے فرمایا:

«اَلْيَهُوْدُ مَغْضُوْبٌ عَلَيْهِمْ، وَالنَّصَارٰى ضَالُّوْنَ»[1]

''یہود پر غضب کیا گیا ہے جبکہ نصاریٰ گمراہ ہونے والے ہیں۔''

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان دو اصلوں کو اپنی کتاب میں ایک سے زائد جگہ پر جمع کیا ہے۔ مثلاً اللہ نے فرمایا:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ

[1] جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة فاتحة الکتاب(حدیث ۲۹۵۳) ج۵، ص ۲۰۳۔ ومسند امام احمد ج٤ ص ۳۷۸۔

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿١٨٦﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

''اور جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں قریب ہوں۔ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک رستہ پائیں''

اللہ پاک نے اپنا حکم قبول کرنے اور ایمان کو اکٹھا بیان کیا ہے۔لہٰذا اپنے پیغمبر ﷺ کے بارے میں اس طرح فرمایا:

﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٥٧﴾﴾

(الاعراف:۱۵۷)

''تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی وہی مراد پانے والے ہیں۔''

سورۂ بقرہ کے درمیان میں فرمایا:

﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾﴾ (البقرۃ:۱۷۷)

''بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں اور نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی ہیں جو ڈرنے والے ہیں۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالْعَصْرِ ﴿١﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴿٢﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿٣﴾﴾ (العصر:۱۔۳)

''زمانہ کی قسم! بے شک انسان ضرور خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کیے اور باہم حق کی تلقین کی اور باہم صبر کی تلقین کی۔''

اللہ پاک و بلند نے عصر کے وقت کی قسم کھائی ہے جو کہ نفع و نقصان کے اعمال کا وقت ہے کہ ہر ایک شخص خسارے میں ہے۔ سوائے اس کے جس نے اللہ پر ایمان کے ساتھ قوت علمیہ کو مکمل کیا اور اللہ کی فرمانبرداری کے عمل کے ساتھ قوت عملیہ کو۔ یہ اس کی ذات میں اس کا کمال ہے۔ پھر دوسرے کو اس کی وصیت اور اسے اس کے حکم کے ساتھ کامل کیا۔ ان سب کا سرمایہ صبر ہے۔ اپنے

نفس کو علم نافع اور عمل صالح سے مکمل کیا۔ دوسرے کو اس کی تعلیم دے کر مکمل کیا اور اس پر صبر کی وصیت کی۔

اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اگر لوگ سورت العصر میں غور وفکر کر لیں تو ضرور ان کو کفایت کرے گی۔''

یہ مفہوم قرآن پاک کے بہت مقامات پر ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ اہل سعادت وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو پہچانا اور اس کی اتباع کی۔

اہل شقاوت وہ لوگ ہیں جو حق سے جاہل اور گمراہ ہوئے، اس کی مخالفت کی اور اس کے غیر کی پیروی کی۔

یہ جاننا چاہیے کہ یہ دو قوتیں دل میں معطل نہیں ہوتیں۔ یا آدمی اپنی علمی قوت کو حق کی معرفت اور ادراک میں صرف کرے گا ورنہ باطل کی مناسب اور ضروری معرفت میں صرف کرے گا۔

یا قوت ارادہ عملیہ کو اس پر عمل میں صرف کرے گا یا اس کے خلاف میں استعمال کرے گا۔ انسان فطری طور پر حارث (عملی کوشش والا) اور ہمام (فکری کوشش والا) ہے۔

جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَصْدَقُ الْأَسْمَاءِ حَارِثٌ وَهَمَّامٌ» [1]

''سچے ترین اسماء حارث اور ہمام ہیں۔''

حارث کام کرنے والا اور عمل والا ہے۔ جبکہ ہمام ارادہ کرنے والا ہے۔ نفس ارادے کے ساتھ متحرک ہوتا ہے۔ اس کی حرکت ارادیہ کے لیے اس کے لوازم ذاتیہ ہیں۔ ارادہ ایک مراد کو مستلزم ہوتا ہے جو اس کے لیے متصور ہے۔ اس کے ہاں تمیز کردہ ہے۔ اگر وہ حق کا تصور، مطالبہ اور ارادہ نہ کرے گا تو باطل کا تصور، ارادہ اور مطالبہ لازمی طور پر کرے گا۔

یہ بات اگلے باب سے واضح ہوگی۔

[1] سنن ابی داود، کتاب الأدب، باب تغییر الأسماء (حدیث ٤٩٥٠) ج١ ص ٢٣٧۔ و مسند امام احمد ج٤ ص ٣٤٥۔

باب نمبر:6

دل کی سعادت اس کی لذت، نعمت اور صلاحیت اس کے بغیر نہیں کہ اللہ اس کا الٰہ، اکیلا پیدا کرنے والا، اس کا معبود اور آخری مقصود ہو اور وہ ہر ماسوا سے بڑھ کر اس کو محبوب ہو

یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ اس پاک و بلند ذات کے سوا ہر زندہ انسان، جن، فرشتہ اور حیوان سب اپنے لیے جو چیز اسے نفع دے اسے حاصل کرنے اور جو اسے نقصان دے اسے دور کرنے کا محتاج ہے۔ یہ تبھی ہوسکتا ہے جب اس کے ہاں کسی نفع دینے والے اور نقصان دینے والے کا تصور ہو۔ نفع نعمت اور لذت کی جنس سے ہے۔ جبکہ نقصان دکھ اور عذاب کی جنس سے ہے۔

ہر آدمی کے لیے دو باتیں ضروری ہیں، ایک محبوب و مطلوب جس سے وہ نفع پائے اور جس کے ادراک سے لذت پائے۔ دوسرا معین و مددگار جو اُسے اس مقصود تک پہنچائے اور اس کو حاصل کرے۔ اس کے مقابل بھی دو باتیں ہیں: ایک ناپسندیدہ اور مبغوض چیز اور دوسرا کوئی مددگار جو اس کو اس سے دور کرنے والا ہو، تو یہ کُل چار چیزیں ہیں:

پہلی: وہ چیز جو مطلوب اور ذاتی طور پر محبوب ہے۔

دوسری: وہ چیز جو ناپسندیدہ ہے اور اس کا نہ ہونا مطلوب ہے۔

تیسری: محبوب کے حصول کا وسیلہ۔

چوتھی: مکروہ کے دور کرنے کا وسیلہ۔

تو یہ چار چیزیں بندے کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ بلکہ ہر ذی روح کے لیے اس کا وجود اور فائدہ ان کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔

جب یہ بات طے ہوگئی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو یقینی طور پر، مقصود مطلوب اور مدعو ہے۔ جس کی خوشنودی مراد، جس کا قرب مطلوب اور جس کی رضا مقصود ہے۔ اس کے حصول پر مددگار بھی وہ خود ہی ہے۔ اس کے غیر کی بندگی، دوسرے پر نگاہ اور اس سے تعلق نقصان دہ اور مکروہ ہے اور وہی اس کے دور کرنے پر معین ہے۔ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہی ان چار امور کے لیے جامع ہے، اور کوئی نہیں۔ وہ معبود، محبوب اور مراد ہے۔ بندے کے لیے اللہ تک رسائی اور اللہ کی عبادت کے لیے اللہ ہی اس کی مدد کرنے والا ہے۔ اس کی مشیت اور قدرت سے ہی مکروہ اور ناپسندیدہ چیز آتی ہے۔ بندے کے لیے اس کے دور کرنے پر وہی مددگار ہے۔

مخلوق میں اس کو سب سے زیادہ پہچاننے والی ذات ﷺ نے فرمایا:

«أَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَأَعُوْذُ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ، وَأَعُوْذُبِكَ مِنْكَ»[1]

''میں تیری رضا کے ساتھ تیری ناراضگی سے پناہ پکڑتا ہوں۔ تیری معافی کے ساتھ تیری سزا سے پناہ پکڑتا ہوں اور میں تجھ سے ہی تیری پناہ پکڑتا ہوں۔''

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْلَمْتُ نَفْسِيْ إِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ أَمْرِيْ إِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ إِلَيْكَ وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ إِلَيْكَ رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَى مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ»[2]

''اے اللہ میں نے اپنے نفس کو تیرے سپرد کر دیا۔ میں نے اپنا چہرہ تیری طرف متوجہ کر دیا میں نے اپنا معاملہ تجھ کو سونپ دیا۔ میں نے اپنی پشت کو تیری التجاء میں دے دیا[3] تیری طرف رغبت اور خوف سے۔ تجھ سے پناہ اور نجات کی کوئی جگہ نہیں مگر تیری طرف۔''

اس بلند ذات کے ہاں سے نجات اور پناہ کی جگہ مل سکتی ہے۔ ہر شر سے پناہ اسی معاملے کے ساتھ ہے جو اس کی مشیت اور قدرت سے ہونے والا ہے۔ پناہ دینا اس کا فعل ہے۔ جس چیز سے پناہ طلب کی جاتی ہے وہ اس کا فعل ہے یا اس کا مفعول ہے جو اس نے اپنی مشیت سے پیدا کیا ہے۔

حکم سب اس کے لیے ہے۔ حمد سب اس کے لیے ہے۔ بادشاہت سب اس کے لیے ہے۔ خیر سب اس کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی ثناء کو شمار نہیں کر سکتا، جس طرح خود اس نے اپنے نفس کی ثناء کی ہے اور اس سے بڑھ کر جو اس کی مخلوق میں سے ہر ایک ثناء کرتا ہے۔ اسی لیے بندے کی خوش بختی اور اس کا فائدہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کو ثابت کرنے میں ہے۔ (یعنی عقیدہ و عمل سے ثابت کریں کہ ہم اسی کی بندگی و اعانت کے محتاج ہیں)۔

بندگی مطلوب و مقصود کو شامل ہے جبکہ جو مستعان ہے اس سے مطلوب پر مدد طلب کی جاتی ہے۔

پہلا اس کی الوہیت کے مفہوم سے ہے۔ جبکہ دوسرا اس کی ربوبیت کے مفہوم سے ہے۔ الٰہ وہ ہے جس کو دل محبت، انابت، اجلال، اکرام، تعظیم، عاجزی، خضوع، خوف، امید اور توکل سے چاہیں۔

رب وہ ہے جو اپنے بندے کی تربیت کرتا ہے۔ اس کی تخلیق کرتا ہے پھر اس کے فوائد کی اسے راہ بتاتا ہے، تو اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور اس کے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ جس طرح اس کے غیر کی ربوبیت سب سے بڑا باطل ہے۔ اسی طرح اس کے غیر کی الوہیت بھی باطل ہے۔

اس ذات پاک نے ان دو اصلوں کو اپنی کتاب کے کئی مقامات پر ذکر کیا ہے۔ جیسے فرمایا:

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب ما يقال فى الركوع والسجود، حديث: ٢٢/ ٢٨٦، ج: ١، ص: ٣٥٢؛ مسند امام احمد، ج:١، ص: ٩٠۔ [2] صحيح بخارى، كتاب الدعوات، باب ما يقول إذا نام، ج: ٧، ص: ١٤٧؛ صحيح مسلم، حديث: ٥٧/ ٢٠٨١، ج: ٤، ص:٢٠٨١۔

[3] اس سے مراد بوجھ بھی ہوتا ہے۔ یعنی میں اپنی کمر کے بوجھوں پر تجھ سے آسانی کا طلب گار ہوں۔ (مترجم)

﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ (هود: ۱۲۳)

''توتم اس کی عبادت کرو اور اس پر توکل کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت شعیب کے متعلق فرمایا:

﴿وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ○﴾ (هود:۸۸)

''اور میری توفیق اللہ کے بغیر نہیں ہے اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف میں جھکتا ہوں۔''

اور فرمایا:

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ﴾ (الفرقان:۵۸)

''اور تم اس زندہ پر توکل کرو جس کو موت نہیں اور تم اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرو۔''

اور فرمایا:

﴿وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ⑧ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ⑨﴾ (المزمل:۸، ۹)

''اور تم اس کی طرف الگ ہو جاؤ الگ ہونا۔ مشرق اور مغرب کا رب، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے تو تم اس کو وکیل پکڑو۔''

اور فرمایا:

﴿قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ○﴾ (الرعد:۳۰)

''کہہ دیجیے! وہ میرا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ اس پر میں نے بھروسا کیا اور اس کی طرف میرا لوٹنا ہے''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار حنفاء کے متعلق اللہ نے فرمایا:

﴿رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ○﴾ (الممتحنہ:٤)

''اے ہمارے رب! ہم نے تجھ پر بھروسا کیا اور تیری طرف ہم جھک گئے اور تیری طرف لوٹنا ہے۔''

تو یہ سات [1] مقامات ہیں جو ترتیب سے ان دو اصلوں کو بیان کر رہے ہیں جو مفہوم توحید کے لیے جامع ہیں اور ان دونوں کے بغیر بندے کے لیے بالکل سعادت و خوش بختی نہیں ہے۔

دوسری وجہ [2]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ جو اس کی معرفت، اس کی طرف جھکاؤ اور محبت اور اس کے لیے اخلاص کی جامع ہے۔ اللہ کے ذکر سے ہی مخلوق کے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔ ان کے نفسوں کو سکون ملتا ہے۔ آخرت میں اس کے دیدار سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ ان کی نعمت پوری ہوگی۔ آخرت میں جو نعمتیں اللہ نے ان کو عطا کرنی ہیں ان میں سے کوئی بھی نعمت اس کے دیدار سے اور بلا واسطہ اس کا کلام سننے سے بڑھ کر ان کو محبوب، ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والی اور ان کے دلوں کو راحت دینے والی نہیں ہے۔

[1] یہاں ''سات'' کا لفظ ہے۔ جبکہ یہ چھ آیات ہیں۔ شاید إِيَّاكَ نَعْبُدُ ساتویں ہو یا وہ حدیث شریف جس کا ذکر پہلے گزرا ہے۔ واللہ اعلم۔ (مترجم)

[2] پہلی وجہ باب کا ابتدائی حصہ ہوگا، الگ سے پہلی وجہ کو نمایاں نہیں کیا گیا۔ (مترجم)

اس نے دنیا میں اپنے ایمان، اپنی محبت، ملاقات کے شوق، قرابت کے انس اور اپنے ذکر کی نعمت سے بڑھ کر ان کو کوئی نعمت نہیں دی جو ان کے لیے بہتر اور محبوب ہو اور ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو۔

نبی ﷺ نے ان دونوں باتوں کو اس دعا میں جمع کر دیا ہے جسے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نسائی، ابن حبان وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبِ، وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ، أَحْيِنِيْ مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِّيْ، وَتَوَفَّنِيْ إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ، وَأَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، وَأَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضٰى، وَأَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنٰى، وَأَسْأَلُكَ نَعِيمًا لَا يَنْفَدُ، وَأَسْأَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَا تَنْقَطِعُ، وَأَسْأَلُكَ الرِّضٰى بَعْدَ الْقَضَاءِ، وَأَسْأَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَأَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ إِلٰى وَجْهِكَ، وَأَسْأَلُكَ الشَّوْقَ إِلٰى لِقَائِكَ، فِيْ غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ، وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ، اَللّٰهُمَّ زَيِّنَّا بِزِيْنَةِ الْإِيْمَانِ، وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُّهْتَدِيْنَ»[1]

''اے اللہ! تیرے علم غیب کے ساتھ اور تیری مخلوق پر قدرت کے وسیلہ سے (میں دعا کرتا ہوں کہ) تو مجھے زندہ رکھ جب تک تو میرے لیے زندگی کو بہتر جانے اور مجھے فوت کر جب میرے لیے وفات بہتر ہو۔ میں تجھ سے غائبانہ اور ظاہر میں تیرا ڈر مانگتا ہوں۔ میں تجھ سے غضب اور رضا میں کلمہ حق مانگتا ہوں۔ میں تجھ سے فقر وغنا میں میانہ روی مانگتا ہوں۔ میں تجھ سے وہ نعمت مانگتا ہوں جو ختم نہ ہو۔ میں تجھ سے آنکھوں کی ٹھنڈک مانگتا ہوں جو ختم نہ ہو۔ میں فیصلے کے بعد تجھ سے رضا مانگتا ہوں۔ میں موت کے بعد تجھ سے زندگی کی ٹھنڈک مانگتا ہوں۔ میں تجھ سے تیرے چہرے کی طرف لذت نظر مانگتا ہوں۔ میں تجھ سے تیری ملاقات کا شوق مانگتا ہوں۔ جو نہ نقصان دہ تکلیف میں ہو اور نہ گمراہ کن فتنہ میں۔ اے اللہ! ہم کو ایمان کی زینت سے مزین فرما اور ہم کو ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا دے۔''

اس عظیم القدر دعا میں دنیا کی سب سے پیاری چیز یعنی اس ذات پاک کی ملاقات کا شوق اور آخرت کی سب سے پیاری چیز یعنی اس ذات پاک کے چہرے کے دیدار کو جمع کر دیا۔ چونکہ اس کا کمال اور انجام اس چیز کے نہ ہونے پر موقوف ہے جو دنیا میں نقصان اور دین میں فتنہ دے، اس لیے فرمایا ''نہ نقصان دہ تکلیف میں اور نہ گمراہ کن فتنہ میں۔''

چونکہ بندے کا کمال اس میں ہے کہ وہ حق کو جاننے والا، اس کا متبع، دوسرے کو تعلیم دینے والا اور اس کی راہنمائی کرنے والا ہو۔ اس لیے فرمایا ''ہمیں ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا بنا دے۔''

چونکہ نفع مند رضا مقصود کو حاصل کرنے والی ہے یعنی رضا بعد القضاء نہ کہ اس سے قبل۔ بلاشبہ یہ رضا پر عزم ہے۔ جب فیصلہ ہو جاتا ہے یہ عزم ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے بعد رضا کا سوال کیا۔ تقدیر میں لکھی گئی بات کا تعلق دو چیزوں سے ہے۔ اس کے وقوع سے قبل استخارہ اور اس کے وقوع کے بعد رضا۔ بندے کے لیے باعث سعادت یہ ہے کہ اس کے پاس یہ دونوں جمع ہوں۔

---

[1] سنن النسائی، کتاب الدعاء والذکر، باب: ٦٢، ج:٣،ص:٥٤؛ مسند امام احمد، ج:٤،ص: ٢٦٤۔

جیسے مسند وغیرہ میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے:

«إِنَّ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ اِسْتِخَارَةُ اللّٰهِ وَرِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ، وَإِنَّ مِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُ اِسْتِخَارَةِ اللّٰهِ، وَسَخَطُهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ تَعَالٰى»[1]

''ابن آدم کی سعادت میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ سے استخارہ کرے اور جو اللہ فیصلہ کرے اس پر راضی ہو۔ ابن آدم کی شقاوت میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ سے استخارہ کرنا ترک کردے اور جو اللہ نے فیصلہ کیا اس پر ناراضگی ہو۔''

کیونکہ علانیہ اور غائبانہ اللہ کا ڈر ہر خیر کی چوٹی ہے، اس لیے غائبانہ اور علانیہ اس کے خوف کا سوال کیا اور خوف مانگا۔

چونکہ اکثر لوگ اس کی رضا میں حق کی گفتگو کرتے ہیں لیکن جب غصہ میں آئے تو اس کا غصہ اس کو باطل کی طرف لے جاتا ہے۔ اس میں کبھی اس کی باطل کی رضا بھی داخل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ وہ اسے غضب اور رضا میں کلمہ حق کی توفیق دے۔ اس لیے بعض سلف نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ کہ جب بندہ راضی ہو تو اپنی رضا کو باطل میں بھی داخل کردے اور جب غصہ میں آئے تو اسے اس کا غصہ حق سے نکال دے۔

چونکہ فقر وغنا دونوں آزمائش اور امتحان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بندے کو آزماتا ہے وہ غنا میں اپنا ہاتھ کھول دیتا ہے اور فقر میں اسے بند کر دیتا ہے اس لیے اللہ عزوجل سے دونوں حالتوں میں میانہ روی کا سوال کیا۔ یعنی وہ درمیانہ راستہ جس میں بے جا اڑانا اور کنجوسی کرنا نہ ہو۔

چونکہ نعمت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جسم کے لیے اور دوسری دل کے لیے یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک، اور اس کا کمال اس کے دوام اور ہمیشگی سے ہے۔ ان دونوں کو اس فرمان میں جمع کر دیا ''میں تجھ سے نعمت مانگتا ہوں جو ختم نہ ہو اور آنکھوں کی ٹھنڈک جو بند نہ ہو''

چونکہ زینت بھی دو طرح کی ہے۔ جسم کی زینت اور دل کی زینت۔ دل کی قدر ان میں سے زیادہ اور اس کا معاملہ ان دونوں میں اہم ہے۔ جب یہ زینت حاصل ہوگی تو آخرت میں جسم کی زینت کامل ترین وجوہ سے حاصل ہوگی۔ اس لیے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ وہ اسے باطنی زینت عطا کرے۔ لہٰذا فرمایا: ''ہمیں ایمان کی زینت سے مزین فرما''

چونکہ دنیا کی زندگی یہاں پر کسی کے لیے بھی ٹھنڈی نہیں ہوتی۔ یہ غموں، دکھوں سے بھرپور اور ظاہری اور باطنی تکالیف میں گھری ہوئی ہے۔ اس لیے سوال کیا کہ ''موت کے بعد زندگی کی ٹھنڈک عطا فرما۔''

مقصود:

نبی کریم ﷺ نے اس دعا میں دنیا اور آخرت کی سب اچھی چیزوں کو جمع فرما دیا ہے۔

بلاشبہ بندوں کے لیے اپنے پروردگار کی بندگی اور اس کی الوہیت کی حاجت اسی طرح ہے جس طرح ان کو پیدائش، رزق، جسموں کی عافیت، عیوب کی پردہ پوشی اور گھبراہٹوں سے امن میں اس کی حاجت ہوتی ہے۔ بلکہ اس کی الوہیت، محبت اور بندگی میں ان کو حاجت زیادہ ہوتی ہے۔ یہی وہ غرض وغایت ہے جس کے لیے ان کو پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے بغیر کسی بھی طرح ان کا نہ

[1] مسند امام احمد، ج:١، ص: ١٦٨؛ جامع الترمذی، کتاب القدر، باب ماجاء فی الرضا بالقدر، حدیث: ٢١٥١، ج:٤، ص: ٤٥٥۔

فائدہ ہے، نہ خوشی ہے، نہ فلاح ہے، نہ لذت ہے اور نہ سعادت ہے۔

اسی لیے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سب سے پیاری نیکی ہے۔ توحید الوہیت دین کی چوٹی ہے۔ توحید ربوبیت کا اقرار تو مسلم اور کافر سب نے کیا ہے۔ اسے اہل کلام نے اپنی کتب میں بیان کیا ہے۔ یہ تنہا کافی نہیں۔ یہ تو ان کے خلاف حجت ہے۔ جیسے اللہ پاک نے اسے اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اسی لیے اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ بنائیں۔ یہ بات اس صحیح حدیث میں بھی ہے جسے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

«اَتَدْرِیْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلٰی عِبَادِهٖ؟ قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، قَالَ: حَقُّهٗ عَلٰی عِبَادِهٖ أَنْ يَّعْبُدُوْهُ وَلَا يُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، اَتَدْرِیْ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللّٰهِ اِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ؟ قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ: حَقُّهُمْ عَلَيْهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ بِالنَّارِ»[1]

''کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا حق اس کے بندوں پر کیا ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: اس کا حق اپنے بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ (پھر فرمایا:) کیا تم جانتے ہو کہ جب وہ ایسا کر لیں تو بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ان کا اس پر حق یہ ہے کہ وہ ان کو آگ کا عذاب نہ دے۔''

اللہ پاک اپنے مومن اور موحد بندوں کو پسند فرماتا ہے، ان کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اس میں بندے کے لیے بھی بڑی لذت، سعادت اور نعمت ہے۔ اللہ پاک کے سوا کائنات میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کی طرف دلوں کو سکون ملے اور ان کو انس اور اطمینان نصیب ہو۔ اس کی طرف رخ کرنے سے نعمت ملے۔ جس نے اللہ پاک کے سوا کسی کی عبادت کی اس کو ایک گونہ لذت اور منفعت مل بھی گئی تو اس کا نقصان نفع کی نسبت کئی گنا بڑھ کر ہے۔ یہ مزید ارز ہریلا کھانا کھانے کے مرتبہ میں ہے۔ جس طرح اگر زمین آسمان میں اس کے سوا کوئی الٰہ ہوتے تو ضرور دونوں میں فساد برپا ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ﴾ (الانبیآء:۲۲)

''اگر ان دونوں میں اللہ کے سوا کوئی الٰہ ہوتے تو ضرور دونوں میں فساد ہو جاتا۔''

اسی طرح دل ہے۔ اگر اس میں اللہ کے سوا کوئی معبود ہو تو اس میں ایسی خرابی آتی ہے جس کی اصلاح کی امید نہیں۔ ماسوائے اس کے کہ اس معبود کو اس کے دل سے نکالا جائے۔ اکیلا اللہ ہی اس کا الٰہ اور معبود ہو جائے جس سے وہ محبت کرے، جس سے وہ امید رکھے، جس کا خوف ہو، جس پر توکل ہو اور جس کی طرف جھکاؤ ہو۔

تیسری وجہ

اکیلے اللہ کی عبادت کہ اس کا کوئی شریک نہیں اس کی طرف بندے کی حاجت اس انداز کی ہے کہ جس کی کوئی مثال نہیں ہے

[1] صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب اسم الفرس والحمار، ج:۳، ص: ۳۱۶؛ صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات علی التوحید دخل الجنة، حدیث ۴۵، ج:۱ ص ۵۶۔

جس پر اسے قیاس کیا جائے۔ لیکن بعض وجوہ سے اس کی مشابہت جسم کی غذا، پانی اور سانس کی حاجت جیسی ہے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ بندے کی حقیقت اس کا دل اور اس کی روح ہے۔ اس کی اصلاح اس کے معبود برحق کے بغیر نہیں ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ اطمینان صرف اس کے ذکر سے ملتا ہے۔ سکون صرف اس کی معرفت اور محبت میں ہے۔ وہ اس کی طرف کوشش کرنے والا ہے، پس اس سے ملاقات کرنے والا ہے۔ اس کے لیے اس کی ملاقات تو ضروری ہے۔ لیکن اس کا اس وقت تک فائدہ نہیں جب تک اس اکیلے کی محبت، عبادت، خوف اور امید نہ ہو۔ اس کے بغیر اس کو جس طرح کی لذات بھی مل جائیں وہ ہمیشہ نہ رہیں گی۔ بلکہ ایک سے دوسری قسم میں منتقل ہو جائیں گی۔ نیز ایک شخص سے دوسرے شخص کی طرف۔ کبھی اس حالت میں خوشی چلی جاتی ہے اور کبھی اُس حالت میں۔ اکثر اس طرح کی نعمت جو آدمی پاتا ہے یہ اس کی تکلیف اور نقصان کا سب سے بڑا سبب بن جاتی ہے۔

لیکن جو بندے کا معبود برحق ہے ہر وقت اور ہر حال میں اس سے تعلق ضروری ہے۔ یہ صرف اس پر ایمان، محبت، عبادت، اجلال اور ذکر سے ہو سکتا ہے جو انسان کی غذا، اس کی قوت، اس کے فائدہ اور گزران کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ یہ اہل ایمان کا نظریہ ہے۔ اس پر سنت اور قرآن کی دلالت موجود ہے۔ اس پر فطرت اور طبیعت نے شہادت دی ہے، اس طرح نہیں جس طرح ان لوگوں نے کہا ہے جنہیں تحقیق و عرفان اور احسان میں کم حصہ ملا ہے کہ اللہ کی عبادت، اس کا ذکر اور شکر ایک تکلیف اور مشقت ہے جو محض ابتلاء و امتحان ہے یا محض ایک الگ ثواب کے عوض میں ہے۔ جس طرح ایمان کا عوض ہے، یا محض جسمانی ورزش اور تربیت ہے تاکہ وہ چوپائے حیوان سے بلند درجہ ہو جائے۔ یہ ان لوگوں کی باتیں ہیں جن کا رحمن کی معرفت میں حصہ کم ہو گیا ہے۔ حقائق ایمان کے ذوق سے ان کا نصیبہ کم ہو گیا ہے۔ وہ اپنے ہاں کے افکار کے چھاچھ اور اذہان کے پھوک پر خوش ہوتا ہے۔ بلکہ درحقیقت اللہ کی عبادت، معرفت، توحید اور اس کا شکر انسان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ روح کے لیے اور زندہ دل کے لیے افضل لذت ہے۔ سب سے پاکیزہ یہ نعمت وہ شخص پاتا ہے جو اس شان کا اہل ہو۔ اللہ پاک سے ہی مدد طلب کی جاتی ہے اور اس پر بھروسا کیا جاتا ہے۔

عبادت اور اوامر سے مشقت اور تکلیف اصل مقصد نہیں ہے۔ یہ تو بعض عبادات میں ضمناً اور تبعاً چند اسباب کی وجہ سے آ گئی ہے جو اس کا تقاضا کرتی ہے اور ضروری ہے۔ کیونکہ وہ اس محنت کے لوازم سے ہے۔

اس ذات پاک کے اوامر، جو حق اس نے ان پر واجب کیا ہے اور وہ احکامِ شرع جو اس نے ان کے لیے مقرر کیے ہیں۔ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک، دلوں کی لذت، روحوں کی نعمت، ان کا سرور، ان کی سعادت و فلاح ہیں، زندگی اور آخرت کا کمال ان میں ہے۔ بلکہ کوئی سرور، کوئی فرحت، لذت اور حقیقی نعمت ان کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝ ﴾ (یونس: ۵۷، ۵۸)

''لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفاء اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔ کہہ دو کہ (یہ کتاب) اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے (نازل ہوئی) ہے تو چاہیے کہ لوگ اس سے خوش ہوں، یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کا فضل قرآن ہے۔ اس کی رحمت یہ ہے کہ اس نے تم کو اس کا اہل بنایا ہے۔

ہلال بن یساف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس اسلام کے ساتھ جس کی اس نے تم کو ہدایت دی اور اس قرآن کے ساتھ جس کا اس نے تم کو علم دیا ہے۔ یہ اس سے بہتر ہے جو تم سونے اور چاندی سے جمع کرتے ہو۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حسن اور قتادہ رحمہم اللہ نے کہا ہے: اس کا فضل اسلام ہے۔ اس کی رحمت قرآن ہے۔ سلف کی ایک جماعت نے کہا ہے: اس کا فضل قرآن ہے اور اس کی رحمت اسلام ہے۔

تحقیق: یہ ہے کہ ہر ایک میں فضل اور رحمت دونوں صفتیں ہیں۔ یہی وہ دو باتیں ہیں جن کے ساتھ اللہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی ہے۔ لہٰذا ارشاد فرمایا:

﴿ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ ﴾ (الشوری:۵۲)

''اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف اپنے امر سے روح کی وحی کی۔ تم نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان (ہی سے واقف تھے)۔''

اللہ پاک نے جن کو بلند کیا کتاب اور ایمان کے ساتھ بلند کیا اور جن کو پست کیا ان دونوں کے نہ ہونے کی وجہ سے پست کیا۔

اگر یہاں یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن میں اس کا نام ''تکلیف'' ذکر کیا گیا ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ ﴾ (البقرۃ:۲۸۲) ''اللہ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی وسعت کے مطابق۔''

نیز فرمایا:

﴿ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ج ﴾ (الانعام:۱۵۲) ''ہم کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی وسعت کے مطابق۔''

جواباً کہا جائے گا: جی ہاں یہ تو نفی کے پہلو میں آیا ہے۔ اللہ پاک نے اپنے اوامر، وصایا اور شرائع کو کبھی تکلیف کا نام نہیں دیا۔ بلکہ ان کا نام نور، شفاء، ہدایت، رحمت، عہد، وصیت وغیرہ بیان کیا ہے۔

چوتھی وجہ

آخرت کی سب سے بڑی، جلیل اور مطلقاً اعلیٰ نعمت پروردگار جل جلالہ کے چہرے کا دیدار اور اس کے خطاب کو سننا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں:

«إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ نَادٰى مُنَادٍ: يَاأَهْلَ الْجَنَّةِ، إِنَّ لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ مَوْعِدًا يُرِيْدُ أَنْ يُنْجِزَ كُمُوْهُ؟ فَيَقُوْلُوْنَ؟ مَاهُوَ؟ أَلَمْ يُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا؟ وَيُثَقِّلْ مَوَازِيْنَنَا؛ وَيُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ، وَيُجِرْنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: فَيُكْشَفُ الْحِجَابُ، فَيَنْظُرُوْنَ إِلَيْهِ، فَمَا أَعْطَاهُمْ شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلَيْهِ»[1]

''جب اہل جنت، جنت میں داخل ہوں گے، ایک منادی آواز دے گا: اے اہل جنت! تمہارے لیے اللہ کے ہاں ایک

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب اثبات رؤیة المؤمنین فی الآخرة ربهم سبحانه و تعالٰی، حدیث ۱۸۱، ج: ۱ ص ۲۹۷؛ مسند امام احمد ج ٤ ص ۳۳۲۔

وعدہ ہے وہ اسے تمہارے ساتھ پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ کہیں گے: وہ کیا ہے؟ کیا اس نے ہمارے چہروں کو سفید نہیں کیا؟ ہمارے (نیکی کے) ترازو کو بھاری نہیں کیا؟ ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور ہمیں اپنی جہنم سے نہیں بچایا؟ فرمایا: حجاب کھلے گا اور وہ اس کی طرف دیکھیں گے۔ جو کچھ اس نے ان کو عطاء فرمایا ہوگا اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے سے بڑھ کر ان کو کچھ بھی محبوب نہ ہوگا۔''

دوسری حدیث میں ہے'' وہ کسی بھی نعمت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں گے جب تک وہ اس کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔''

تو نبی ﷺ نے بیان فرمادیا کہ باوجودیکہ جو کچھ ان کو ان کے رب نے دیا وہ جنت میں کمال تنعم میں ہوں گے۔ پھر بھی اللہ نے ان کو اپنے دیدار سے بڑھ کر محبوب کوئی نعمت نہیں دی۔ یہ ان کو زیادہ محبوب اس لیے ہے کیونکہ اس سے جو لذت، نعمت، فرحت سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک ملتی ہے وہ کھانے، پینے اور حورعین سے فائدہ اٹھانے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ان دونوں نعمتوں اور لذتوں کے مابین بالکل کوئی نسبت نہیں ہے۔ اس لیے اللہ پاک نے کفار کے متعلق فرمایا:

﴿كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝﴾ (المطففين:١٥، ١٦)

''بے شک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے روکے جائیں گے، پھر دوزخ میں جا داخل ہوں گے۔''

ان پر دو طرح کا عذاب جمع کر دیا۔ آگ کا عذاب اور اس ذات پاک سے حجاب کا عذاب، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے لیے دو قسم کی نعمتیں رکھی ہیں۔ جو کچھ جنت میں ہے اس سے فائدہ اٹھانے کی نعمت اور اس کے دیدار سے بہرہ ور ہونے کی نعمت۔ اس ذات پاک نے ان چاروں اقسام کو اس سورت میں ذکر کیا ہے۔ نیکوں کے متعلق فرمایا:

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝﴾ (المطففين:٢٢، ٢٣)

''بے شک نیک لوگ نعمت میں ہوں گے، تختوں پر بیٹھے ہوئے نظارے کریں گے۔''

اس شخص نے آیت کا مفہوم غلط سمجھا جس نے یہ کہا کہ وہ اپنے دشمنوں کو عذاب ہوتا دیکھ رہے ہوں گے یا اپنے محلات اور باغات کو دیکھ رہے ہوں گے یا وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ یہ سب اصل مفہوم سے دوسری طرف ہٹنا ہے۔ اصل مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے چہرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ کافروں کی حالت کے برعکس جو اپنے رب سے پردہ میں رکھے جائیں گے۔ پھر وہ جہنم میں جا ملیں گے۔ تم غور کرو کہ جو کچھ کفار نے دنیا میں اپنے مخالفوں کے بارے میں کہا، ان سے مذاق کے لیے۔ اللہ نے روز قیامت کس طرح اس کے خلاف کیا اور ان کا مقابلہ کیا۔ کافر جب مؤمنوں کے پاس سے گزرتے تو ان کو حقیر جانتے اور ان پر ہنستے تھے۔ لہٰذا فرمایا:

﴿وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ۝﴾ (المطففين:٣٢)

''اور جب ان (مومنوں) کو دیکھتے تو کہتے یہ تو گمراہ ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ﴾ (المطففين:٣٤)

''تو آج کے دن اہل ایمان کافروں پر ہنسیں گے۔''

یہ کفار کی ان کے لیے حقارت اور ان پر ہنسنے کے جواب میں ہے۔ پھر فرمایا:

﴿ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴾ (المطففین:۳۵)

''تختوں پر بیٹھے نظارے کرتے ہوں گے۔''

یہاں نظر کو مطلق رکھا۔ کسی ایک چیز کے بجائے دوسری پر نظر کو مقید نہیں کیا تو سب سے اعلیٰ، اجل اور عظیم چیز جس کی طرف وہ دیکھیں گے وہ اللہ پاک کی ذات ہے۔ اس کی طرف نظر نظر کی تمام قسموں میں سے اجل اور افضل ہے۔ یہ مراتب ہدایت میں اعلیٰ ہے۔ اسی لیے ان کی بات کے مقابل فرمایا:

﴿ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴾ (المطففین:۳۲)

''بے شک یہ گمراہ ہیں۔''

پروردگار پاک کی طرف نظر ان دو حالتوں میں سے لازماً مراد ہے: یا تو اپنے خلوص کے ساتھ یا اطلاق اور عموم کے ساتھ۔ جس نے سیاق پر غور کیا وہ اس کے علاوہ راہ نہیں پائے گا کہ یہ دو قسمیں اس ارادہ کے علاوہ بھی احتمال رکھتی ہوں: خصوصاً یا عموماً۔

فصل: اس بارے میں کہ روز قیامت اللہ کے چہرے کی طرف نظر دنیا میں اس کی معرفت اور محبت سے لذت حاصل کرنے کے تابع ہے

جس طرح جنت میں موجود نعمتوں کی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنے کی نعمت سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ اسی طرح دنیا کی نعمتوں کی اللہ پاک کی محبت، معرفت، اس کے شوق اور اس پر ایمان کی نعمت سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ بلکہ اس ذات پاک کی طرف نظر اس کی معرفت اور اس کے لیے محبت کے تابع ہے۔ بلاشبہ لذت شعور اور محبت کے تابع ہوتی ہے۔ جب جب محب محبوب کی معرفت زیادہ رکھے گا۔ اس سے شدید محبت کرے گا۔ اس کے قرب، وصول اور دیدار کی لذت بھی بڑھتی جائے گی۔

پانچویں وجہ

مخلوق کے پاس بندے کے لیے کوئی نفع اور نقصان، کوئی عطاء اور منع، کوئی ہدایت اور گمراہی، کوئی مدد اور رسوائی، کوئی بلندی اور پستی اور کوئی عزت اور ذلت نہیں ہے، بلکہ اللہ اکیلا ہی ہے۔ وہی بادشاہ ہے۔ اسی کے پاس اس سب کی بادشاہت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۖ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ (الفاطر:۲)

''اللہ جو اپنی رحمت کھول دے تو کوئی اس کو بند کرنے والا نہیں اور جو بند کر دے تو اس کے بعد کوئی اس کو کھولنے والا نہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۷﴾﴾ (یونس:۱۰۷)

''اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تم سے بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فائدہ پہنچاتا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

مزید فرمایا:

﴿اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ﴾(آل عمران:۱۶۰)

''اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے؟''

سورہ یٰسین میں دعوت دینے والے شخص کی بات کے ذکر میں فرمایا:

﴿ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ۚ﴾

(یٰس:۲۳)

''کیا میں اس کو چھوڑ کر اوروں کو معبود بناؤں؟ اگر اللہ میرے حق میں نقصان کرنا چاہے تو ان کی سفارش مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے اور نہ وہ مجھے چھڑا ہی سکیں گے۔''

نیز فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ٘ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳﴾﴾ (الفاطر:۳)

''لوگو! اللہ کے جو تم پر احسانات ہیں ان کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تم کو آسمان سے اور زمین سے رزق دے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم کہاں بہکے پھرتے ہو؟''

اور فرمایا:

﴿اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ۚ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾﴾ (الملک:۳۱)

''بھلا ایسا کون ہے جو تمہاری فوج ہو کر اللہ کے سوا تمہاری مدد کر سکے؟ کافر تو دھوکے میں ہیں بھلا اگر وہ اپنا رزق بند کر لے تو کون ہے جو تم کو رزق دے؟ لیکن یہ سرکشی اور نفرت میں پھنسے ہوئے ہیں۔''

اس ذات پاک نے مدد اور رزق کو جمع کر دیا۔ بندہ تو اس کا محتاج ہے جو اپنی مدد کے ساتھ اس کے دشمن کو اس سے دور کرے۔ اس کے لیے اس کے رزق کے منافع کھینچ لائے۔ اس کے لیے ایک مددگار اور رازق ضروری ہے۔ اللہ اکیلا ہی تو ہے جو مدد اور رزق دیتا ہے۔ وہ بہت رزق دینے والا، مضبوط قوت والا ہے۔ بندے کی کمال ذہانت اور معرفت میں سے یہ بات بھی ہے

کہ وہ جان لے کہ جب اس کو اللہ کسی تکلیف کے ساتھ چھو لے اس سے دوسرا کوئی (وہ تکلیف) ہٹا نہیں سکتا۔

جب اس کو کوئی نعمت پہنچائے اس کے سوا اس کو کوئی یہ نعمت نہیں دے سکتا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی کی طرف وحی کی: ''تو میرے لیے لطیف فطنہ اور خفی لطف کا ادراک کر۔ بے شک میں اس کو پسند کرتا ہوں۔ کہا: اے میرے رب لطیف فطنہ کیا ہے؟ فرمایا: اگر تجھ پر ایک مکھی بیٹھے تو جان لے کہ یہ میں نے بٹھائی ہے تو مجھ سے سوال کر کہ میں اس کو اٹھاؤں؟ کہا: خفی لطف کیا ہے؟ فرمایا: جب تیرے پاس کوئی دانہ آئے تو جان لے کہ میں نے اس کے ساتھ تجھ کو یاد کیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کے متعلق فرمایا:

﴿وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ:۱۰۲)

''اور نہیں تھے وہ اس کے ساتھ کسی کو تکلیف دینے والے مگر اللہ کے اذن سے۔''

تو وہی تنہا پاک ذات ہے جو اپنے بندے کو کفایت کرتا ہے اسے مدد دیتا، رزق دیتا اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے بواسطہ عبدالرزاق، عمران سے بیان کیا ہے، کہتے ہیں: میں نے وہب [1] کو کہتے ہوئے سنا: اللہ عزوجل نے اپنی کسی کتاب میں فرمایا ہے: مجھے میری عزت کی قسم! جو میرے ساتھ مضبوط تعلق جوڑ لے، اگر آسمان اور اہل آسمان اور زمین اور اہل زمین اس کے خلاف مکر کریں۔ میں اس کے لیے اس سے نکلنے کا راستہ بناؤں گا اور جس نے میرے ساتھ تعلق مضبوط نہ کیا میں اس کے ہاتھوں کو آسمان کے اسباب سے منقطع کر دوں گا۔ میں اس کو اس کے پاؤں کے نیچے سے زمین میں دھنسا دوں گا۔ میں اس کو ہوا میں کر دوں گا۔ پھر میں اس کو اس کے نفس کے حوالے کر دوں گا، میرے بندے کے لیے میرا دینا کافی ہے۔ جب میرا بندہ میری فرمانبرداری میں ہو۔ میں اس کو سوال سے پہلے عطا کروں گا۔ میں اس کے لیے دعا سے پہلے قبول کروں گا۔ جو حاجت اس کو لاحق ہے میں اس کو اس سے بڑھ کر جانتا ہوں۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے بواسطہ ہاشم بن قاسم، ابوسعید المؤدب، ایک شخص کے واسطہ سے بیان کیا ہے جس نے عطاء الخراسانی سے سنا کہ: ''میں حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ کو ملا جب وہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ میں نے کہا: آپ مجھے کوئی بات بتائیں جس کو میں اسی جگہ آپ سے حفظ کر لوں اور مختصر بیان کیجیے! فرمایا: ہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: اے داؤد! مجھے میری عزت اور عظمت کی قسم! میرے بندوں میں سے جو بندہ میری مخلوق کے بجائے میرے ساتھ تعلق مضبوط جوڑے (میں یہ بات اس کی نیت سے جانتا ہوں)۔ اس کے خلاف سات آسمان اور ان کے رہنے والے، سات زمینیں اور ان کے رہنے والے تدبیر کریں۔ لیکن میں ضرور اس کے لیے ان کے درمیان سے نکلنے کی راہ بناؤں گا۔ خبردار! میری عزت اور عظمت کی قسم! میرے بندوں میں سے کوئی بندہ میری بجائے میری مخلوق کے ساتھ تعلق مضبوط جوڑے (یہ میں اس کی نیت سے جانتا ہوں) مگر ضرور میں اس کے لیے اس کے ہاتھ سے آسمان کے اسباب کاٹ دوں گا۔ میں اس کے قدموں کے نیچے سے زمین سمیٹ لوں گا۔

[1] اس سے مراد حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ ہیں جو سابقہ کتب کا علم بھی رکھتے تھے، جیسا کہ آئندہ روایت میں بھی ہے۔ (مترجم)

پھر میں پروا نہیں کرتا کہ وہ جس وادی میں بھی ہلاک ہو جائے۔''

یہ وجہ عام لوگوں کے لیے پہلی وجہ سے زیادہ واضح ہے۔ اسی لیے قرآن میں وہ پہلی وجہ سے بڑھ کر اس کے ساتھ مخاطب کیے گئے اور اس سے پیغمبروں نے پہلی کی طرف دعوت دی۔ جب کوئی عقلمند قرآن پر غور کرے گا۔ وہ دیکھے گا کہ اللہ پاک اپنے بندوں کو اس وجہ کے ساتھ پہلی وجہ کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ یہ وجہ اللہ تعالیٰ پر توکل، اس سے مدد طلب کرنے، اس کو پکارنے اور اس کے سوا کے بجائے اس سے مانگنے کا تقاضا کرتی ہے۔ نیز یہ وجہ اس کی محبت اور عبادت کا بھی تقاضا کرتی ہے کیونکہ وہ اپنے بندے پر احسان کرتا ہے اس پر اپنی نعمتیں زیادہ کرتا ہے۔ جب وہ اس کی عبادت کریں گے، اس سے محبت کریں گے، اس وجہ سے اس پر بھروسا کریں گے، وہ اس طرح سے پہلی وجہ میں داخل ہو جائیں گے۔

اس کی مثال وہ شخص ہے جس پر بڑی آزمائش، شدید فاقہ یا پریشان کن خوف اترتا ہے۔ وہ اللہ پاک سے دعا کرنے لگتا ہے۔ اس کی طرف عاجزی کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے لیے مناجات کی لذت، اس پر عظیم ایمان اور اس کی طرف جھکاؤ کھل جاتا ہے جو اس کو اس حاجت سے بڑھ کر محبوب ہو جاتا ہے جس کا اس نے اولاً قصد کیا تھا۔ لیکن وہ پہلے اس لذت کو نہ جانتا تھا حتیٰ کہ وہ یہ طلب کر لیتا اور اس کا شوق رکھتا۔

چھٹی وجہ

بندے کا اللہ تعالیٰ کے غیر سے تعلق اس کے لیے نقصان دہ ہے یعنی جب وہ اس کو قدر حاجت سے زائد اپنا لے۔ وہ اس سے اللہ کی فرمانبرداری پر مدد طلب کرنے والا نہ ہو۔ اگر آدمی کھانے، پینے، نکاح اور لباس سے اپنی ضرورت سے بڑھ کر چمٹے اس کو یہ نقصان دیتے ہیں۔ اگر غیر اللہ سے اس کی محبت زیادہ ہو گئی تو ضروری ہے کہ وہ اسے چھینے گا اور اسے علیحدہ کرے گا۔ اگر وہ اس سے غیر اللہ کے لیے محبت کرے تو وہ اس کو لازماً نقصان دے گی اور اس کو محبوب کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا، یا دنیا میں یا آخرت میں۔ اغلب گمان یہ ہے کہ اس کو دونوں جہانوں میں عذاب دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝﴾ (التوبة:٣٥)

''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو (اس دن کے) عذاب الیم کی خبر سنا دو، جس دن وہ (مال) دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا۔ سو جو تم جمع کرتے تھے اس کا مزہ چکھو۔''

اور فرمایا:

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝﴾ (التوبہ:٥٥)

''تم ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کرنا اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیا کی زندگی میں ان کو عذاب دے اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) وہ کافر ہی ہوں۔''

اس شخص کا قول درست نہیں جس نے جرجانی وغیرہ کی طرح کہا ہے کہ اِس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ﴿فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ آخری حصہ کے بعد اپنی جگہ پر اس تاویل کی رو سے مرتب نہیں ہے۔

''فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا'' ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا جاتا ہے حالانکہ یہ منقطع ہے۔ اسے قتادہ رحمہ اللہ اور ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔ گویا جب انہیں دنیا میں اموال و اولاد کے ساتھ عذاب دینے کی صورت میں اشکال محسوس ہوا، کہ لوگوں کی خوشی، مسرت اور فرحت ان ہی میں ہے تو انہوں نے تقدیم و تاخیر کی راہ اختیار کی۔

جن لوگوں کی رائے میں یہ آیت اپنی صورت اور ترتیب پر ہے۔ انہوں نے عذاب دینے کے مفہوم میں اختلاف کیا۔ حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: ان سے اس میں سے زکوٰۃ لے کر اور جہاد میں خرچ کروا کر عذاب دے گا۔ اسے ابن جریر رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے اور اس کی وضاحت کی ہے کہ ان کے ذریعے عذاب سے مُراد ان پر اس بات کی پابندی ہے جو اللہ نے ان پر اپنے حقوق و فرائض لازم کیے ہیں۔ جب اس سے یہ حصہ لیا جاتا ہے وہ دل سے خوش نہیں ہوتا نہ اللہ سے جزا کی امید رکھتا ہے۔ نہ اس سے لینے پر وہ حمد و شکر کرتا ہے۔ بلکہ ناپسندیدگی اور کراہت کا اظہار کرتا ہے۔ یہ بھی دنیا میں ان چیزوں کے ذریعے ان کو عذاب دینے سے (جو آیت کا مفہوم و مقصود ہے) ہٹتا ہے۔ ایک گروہ نے کہا: ان کا ان چیزوں کے ذریعے عذاب یہ ہے کہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے گرفت کے سامنے ہیں، ان کے اموال غنیمت اور ان کی اولاد قید کی جاتی ہے۔ یہ کافر کا حکم ہے۔ یہ بھی در پردہ ایسے ہیں۔ یہ بھی گزشتہ کی جنس سے ہی ہے۔ اللہ پاک نے منافقوں کے ظاہری اسلام کی وجہ سے ان کو برقرار رکھا، ان کے اموال و اولاد کی حفاظت کی اور ان کے باطن کا خود ذمہ دار بن گیا۔

اگر مراد یہ ہو جو ان لوگوں نے بیان کیا ہے تو اللہ پاک کی مراد واقع ہو گئی تھی کہ ان کے اموال غنیمت بنے اور ان کی اولاد قیدی بنی۔ یہاں ارادہ کونیہ بمعنی مشیت ہے جو اللہ چاہتا ہے وہ ہوا اور یقینا ہوا اور جو اس نے نہیں چاہا نہیں ہوا۔

درست بات (واللہ اعلم) یہ ہے کہ ان کے ذریعے جو ان کو عذاب دینا ہے، یہ امر مشاہدہ ہے کہ دنیا کے طالب، اس کے محب اور اس کو آخرت پر ترجیح دینے والے اس عذاب میں ہیں کہ اس کے حصول کی حرص، اس کے جمع کرنے میں حد درجہ تھکاوٹ میں مبتلا ہوتے ہیں اور اس کے متعلق گوناگوں تکالیف برداشت کرتے ہیں۔ جس کا بڑا دکھ دنیا ہو اس سے زیادہ تھکا ہوا تم کسی کو نہ پاؤ گے۔ وہ اس کے حصول پر اپنی محنت کے ساتھ حریص ہے۔ یہاں عذاب سے مراد تکلیف، مشقت اور تھکاوٹ ہے۔

جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ»[1]

''سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔''

---

[1] مسند امام احمد، ج: ٢، ص: ٢٣٦۔

اور فرمایا: «إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ»[1]

''بے شک میت کو اس کے اہل کے اس پر رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔''

یعنی اسے دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے۔

یہ مطلب نہیں کہ ان کے اعمال کی وجہ سے اس کو سزا دی جاتی ہے۔ اسی طرح وہ شخص ہے جس کا بڑا غم یا سارا غم وفکر دنیا ہی ہے۔ جیسے نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے جسے ترمذی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے:

«مَنْ كَانَتِ الْآخِرَةُ هَمَّهُ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ، وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ، وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ، وَمَنْ كَانَتِ الدُّنْيَا هَمَّهُ جَعَلَ اللّٰهُ فَقْرَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَفَرَّقَ عَلَيْهِ شَمْلَهُ، وَلَمْ يَأْتِهِ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا مَا قُدِّرَ لَهُ»[2]

''جس کا غم آخرت ہو اللہ اس کا غنا اس کے دل میں ڈالتے ہیں اور اس کے بکھرے کام مجتمع کرتے ہیں، دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آجاتی ہے اور جس کا غم دنیا ہو اللہ اس کا فقر اس کی آنکھوں کے درمیان (یعنی سامنے) کر دیتے ہیں اور اس کے مجتمع امور متفرق کر دیتے ہیں، اور اس کے پاس دنیا اتنی آتی ہے جتنی اس کے مقدر میں ہو''

دنیا میں سب سے بڑا عذاب مجتمع کاموں کا بکھرنا، دل کا ٹکڑے ہونا، فقیری کا اس کی آنکھوں پر نصب ہونا ہے کہ وہ اس سے جدا نہ ہو۔ اگر عشاق دنیا کو اس کی محبت کا نشہ نہ ہو تو وہ ضرور اس عذاب سے فریاد طلب کرتے کہ ان میں سے اکثر اس پر چیختے اور شکوہ کرتے رہتے ہیں۔

ترمذی میں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ابْنَ آدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِي أَمْلَأْ صَدْرَكَ غِنًى، وَأَسُدَّ فَقْرَكَ، وَإِنْ لَا تَفْعَلْ مَلَأْتُ يَدَيْكَ شُغْلًا، وَلَمْ أَسُدَّ فَقْرَكَ»[3]

''اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا میں تیرے سینے کو غنا سے بھر دوں گا اور میں تیرا فقر ختم کر دوں گا۔ اگر تو یہ نہ کرے گا تو میں تیرے ہاتھوں کو مصروف کر دوں گا اور میں تیرا فقر ختم نہ کروں گا۔''

یہ بھی ایک گونہ عذاب ہے کہ آدمی کا دل اور جسم مصروف رہے۔ دنیا کی کلفتیں اٹھائے، دنیا والوں سے اس کے لیے لڑے اور ان کی دشمنی برداشت کرے جیسے بعض سلف نے کہا ہے: جس نے دنیا سے محبت کی وہ اپنے دل کو مصائب کے برداشت کی جگہ بنائے۔ دنیا کا محب تین چیزوں سے الگ نہیں رہ سکتا۔ لازم غم، دائمی تھکاوٹ اور نہ ختم ہونے والی حسرت۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب البكاء عند المریض، ج:۲، ص: ۷۹؛ ج: ۲، ص: ۸۵۔

[2] مسند امام احمد، ج: ۵، ص: ۱۸۳۔

[3] جامع ترمذی، کتاب صفة القیامة، باب: ۳۰، حدیث: ۲٤٦٦، ج: ٤، ص: ٦٤٣؛ سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب الهم بالدنیا، حدیث: ٤١٠٧، ج: ۲، ص: ۱۳۷٦۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ آدمی کو ان میں سے کوئی چیز مل جائے تو اس کا نفس اس سے اعلیٰ کا متلاشی ہوتا ہے۔ جیسے صحیح حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى لَهُمَا ثَالِثًا»[1]

''اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ ضرور تیسری کی تلاش کرے گا''

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے دنیا کے محب کو شراب پینے والے کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ وہ جب جب زیادہ پیتا ہے تب تب اس کی پیاس بڑھتی ہے۔

ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا ہے کہ حضرت حسن[2] نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو خط لکھا: اما بعد! بے شک دنیا سفر کا گھر ہے۔ یہ اقامت کا گھر نہیں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو تو یہاں سزا کے طور پر اتارا گیا۔ اے امیر المومنین! آپ اس سے بچیں۔ اس سے زاد سفر اس کا ترک ہے۔ اس میں غنا اس کا فقر ہے۔ ہر وقت اس کا کوئی مقتول ہے۔ جو اس کی عزت کرے اسے ذلیل کرتی ہے۔ جو اس کو جمع کرے اسے فقیر کرتی ہے۔ یہ زہر کی طرح ہے اس کو وہ کھاتا ہے جو اس کو پہچانتا نہیں۔ اس میں اس کی موت ہے۔ آپ اس میں اس شخص کی طرح ہو جائیں جو اپنے زخموں کا علاج کرتا ہے۔ طویل تکلیف کے ڈر سے وہ اس میں تھوڑا پرہیز کرتا ہے۔ طویل آزمائش کے خوف سے وہ شدت دوا پر صبر کرتا ہے۔ اس بہت دھوکا دینے والے گھر سے آپ بچ کر رہیں۔ جو پرفریب اور پرتخیل ہے۔ وہ اپنے دھوکا کے ساتھ مزین ہوئی ہے۔ اس نے اپنے فریب کا فتنہ دیا ہے۔ اس نے اپنی آرزوؤں کا تخیل دیا ہے۔ وہ اپنی طرف پیغام نکاح دینے والوں کے لیے آراستہ ہوئی ہے۔ وہ زیور پہنی دلہن کی طرح ہوگئی ہے۔ نظریں اس کی طرف دیکھنے والی ہیں۔ دل اس پر فریفتہ ہیں۔ دل اس کے عاشق ہیں۔ وہ اپنے سب خاوندوں کی قاتل ہے۔ اس کا کوئی عاشق اگر کبھی اپنی حاجت میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اس نے دھوکا کھایا اور سرکشی کی۔ وہ آخرت کو بھول گیا۔ اس کے ساتھ اس کی عقل مشغول ہوگئی حتیٰ کہ اس پر اس کا پاؤں پھسل گیا تو اس پر اس کی ندامت زیادہ ہوگئی۔ اس کی حسرت بڑھ گئی۔ اس پر موت کی بے ہوشیاں اور اس کی تکلیف جمع ہوگئی اور چھوٹ جانے کی حسرتیں بھی۔

اس کا کوئی عاشق وہ ہے جس نے اس سے اپنے مقصد کو نہیں پایا۔ اس نے بدلہ لیا اپنے غم کے ساتھ، اور وہ لوٹا اپنی پریشانی کے ساتھ۔ اس نے اس سے جو چاہا سو نہ پایا۔ اس نے اپنے نفس کو تھکاوٹ سے آرام نہ دیا۔ وہ نکلا بغیر زاد راہ کے اور وہ نہ آیا پست زمین پر۔ جو اس میں سب سے زیادہ راز دان ہوا تو اس کے لیے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوا۔ دنیا والا جب جب اس سے سرور کی طرف مطمئن ہوگا وہ اسے مکروہ کی طرف جھکائے گی۔ اس کی آسودگی مصیبتوں کے ساتھ ملائی گئی ہے۔ اس میں بقا کو فنا بنایا گیا ہے۔ اس کی خوشی غموں سے ملی ہے۔ اس کی خواہشیں جھوٹی ہیں۔ اس کی آرزوئیں باطل ہیں۔ اس کا صاف گندا ہے۔ اس کی زندگی پریشانی ہے۔ اگر اس کے رب نے اس کی طرف سے کوئی خبر نہ دی ہوتی اور اس کے لیے کوئی مثال بیان نہ کی ہوتی تو ضرور اس نے

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الرقاق، باب ما يتقى منه المال، ج:٧، ص: ١٧٥؛ صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب لو أن لابن آدم و اديين ......، حديث: ١١٦، ج: ١ ص ٧٢٥۔

[2] اس سے مراد غالباً حضرت حسن بصری رحمہ اللہ ہیں۔ جو ایک جلیل القدر تابعی ہیں اور ان کے مواعظ بہت معروف اور نفع مند ہیں۔ (مترجم)

سوئے کو جگایا ہوتا۔ غافل کو متنبہ کیا ہوتا۔ کیسے ہے جب اللہ کی طرف سے اس میں نصیحت کنندہ آیا اور اس سے روکنے والا بھی؟ اس کے لیے اللہ کے ہاں کوئی وزن اور قدر نہیں ہے۔ جب سے اس نے اسے پیدا کیا اسے نہیں دیکھا ہے (یعنی نظرِ رحمت سے)۔ ہمارے نبی پر اس کے خزانے اور اس کی چابیاں پیش کی گئیں [1] جو اللہ کے خزانوں سے ایک مچھر کے پر کے برابر بھی کمی نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ نے اس چیز کی محبت نہیں چاہی جس کو آپ کے خالق نے ناپسند کیا ہے۔ یا اسے بلند کرنا جسے آپ کے مالک نے پست کیا ہے۔ اس نے اسے نیکوکاروں پر اپنی پسند سے لپیٹ کر رکھا ہے اور اپنے دشمنوں کے لیے اسے دھوکے سے پھیلا رکھا ہے۔ اس کے دھوکے میں آنے والا اس پر اختیار پانے والا سمجھتا ہے کہ وہ اس کی وجہ سے عزت پا گیا ہے۔ وہ بھول گیا ہے کہ جو اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کے ساتھ کیا، جب آپ نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا تھا۔" [2]

حضرت حسن رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں: ایک قوم نے دنیا کی تکریم کی۔ اس نے ان کو لکڑیوں پر سولی چڑھایا۔ تم اس کی توہین کرو۔ سب سے زیادہ آسانی تب ہوگی جب تم اس کی توہین کرو گے اور یہ باب بہت وسیع ہے۔

دنیا والے اور اس کے عاشق بہتر جانتے ہیں کہ اس کی طلب میں وہ کس طرح گوناگوں عذاب اور دکھ برداشت کرتے ہیں۔ جب یہ اس شخص کا بڑا غم ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ جو اپنے رب کی ملاقات کی امید نہیں رکھتا۔ اس کی وجہ سے اس کا عذاب بھی اس کی حرص کے حساب سے ہے اور اس کی طلب میں زیادہ کوشش سے ہے۔

اگر اس کے ذریعہ سے تم ان لوگوں کے عذاب کو پہچاننا چاہو تو تم عاشق کے حال پر غور کرو وہ اپنے معشوق کی محبت میں، جب جب اس کا قرب چاہے اس سے دور ہٹتا ہے۔ وہ اس سے وفا نہیں کرتا اس سے ہجر کرتا ہے۔ اس کے دشمن سے وصل کرتا ہے۔ وہ اپنے معشوق کے ساتھ بدترین زندگی میں ہے۔ اس کے بغیر موت پسند کرتا ہے۔ لیکن اس کا معشوق کم وفا والا، زیادہ جفا والا، بہت دوستوں والا، جلد بدل جانے والا، بڑی خیانت والا، بہت رنگ باز ہے۔ اس کے عاشق کو اس کی موجودگی میں اپنی جان اور مال کی پریشانی بھی رہتی ہے۔ لیکن وہ اس سے صبر بھی نہیں کر سکتا۔ نہ اس کے بغیر وہ کسی تسلی کی راہ پاتا ہے جو اسے راحت دے۔ نہ اس کے بغیر کوئی وصال ہے۔ اگر اس عاشق کے لیے اس دنیا میں اس ارادے کے سوا کوئی عذاب نہ بھی ہو تو یہ کافی ہے۔ پھر کیسے ہے کہ جب اس کے اور اس کی تمام لذتوں کے درمیان رکاوٹ آ جائے۔ جس چیز سے وہ لذت پاتا ہے اسی سے اپنی لذت کے بقدر اس کے نفس کو عذاب دیا جاتا ہے، جس نے اس کو اپنے زادِ راہ کی طلب سے اور آخرت کے مفادات سے مشغول کر رکھا ہے؟

اس موضوع پر گفتگو مکمل کرنے کے لیے ہم ان شاء اللہ "باب ذکر علاج مرض القلب بحب الدنیا" میں دوبارہ بات کریں گے۔

کیونکہ مقصود اس بات کا بیان ہے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی سے محبت کی اور اس کی اس سے محبت اللہ کے لیے نہیں ہے نہ وہ اس کے لیے اللہ کی فرمانبرداری پر مددگار ہے تو وہ آخرت سے پہلے اسی کے ذریعے دنیا میں عذاب دیا جائے گا۔

---

[1] اس سے اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں۔ (المنتقی)

[2] اس سے غزوۂ خندق یا آپ ﷺ کی بھوک کے دیگر واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ (مترجم)

جیسے کہا گیا ہے ؎

''تو ہر اس شخص کا قاتل ہے جس سے تو نے محبت کی، تو تو خواہش میں اپنے نفس کے لیے اُسے اختیار کر لے جس کو تو پسند کرے۔''

جب قیامت کا دن ہوگا، وہ پاک و عادل بادشاہ ہر محب کو اس کے ساتھ ملائے گا جس سے وہ دنیا میں محبت کرتا تھا وہ اس کے ہمراہ ہوگا۔ یا نعمت دیا جائے گا یا عذاب دیا جائے گا۔ اسی لیے مال والے کے لیے اس کے مال کی مثال بڑے گنجے سانپ کے ساتھ دی گئی ہے جو اس کی باچھوں سے پکڑے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ اس کے لیے جہنم سے تختیاں گرم کی جائیں گی اور ان کے ساتھ اس کی پیشانی، اس کے پہلو اور اس کی پیٹھ کو داغا جائے گا۔'' ①

صورتوں کے عاشق کا بھی یہی حال ہوگا جب وہ اور اس کا معشوق اللہ کے حکم اطاعت کے بغیر جمع ہوں گے۔ ان دونوں کو جہنم میں جمع کیا جائے گا اور ہر ایک کو اس کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۶۷﴾ ﴾ (الزخرف:٦٧)

''دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیزگار۔''

اس ذات پاک نے خبر دی ہے کہ جنہوں نے دنیا میں شرک پر دوستی کی وہ روز قیامت ایک دوسرے کو نہ پہچانیں گے۔ ایک دوسرے پر لعنت کریں گے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ محب دنیا و آخرت میں اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ روز قیامت مخلوق سے فرمائیں گے:

«أَلَيْسَ عَدْلًا مِنِّيْ أَنْ أُوَلِّيَ كُلَّ رَجُلٍ مِنْكُمْ مَا كَانَ يَتَوَلّٰى فِيْ دَارِ الدُّنْيَا؟»

''کیا یہ میری طرف سے عدل نہیں کہ میں ہر آدمی کو اس کے ساتھ ملا دوں جس سے وہ دنیا کے گھر میں محبت کرتا تھا؟''

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ» ②

''آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ یَوۡمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیۡہِ یَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِی اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِیۡلًا ﴿۲۷﴾ یٰوَیۡلَتٰی لَیۡتَنِیۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِیۡلًا ﴿۲۸﴾ لَقَدۡ اَضَلَّنِیۡ عَنِ الذِّکۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِیۡ ؕ وَ کَانَ الشَّیۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ خَذُوۡلًا ﴿۲۹﴾ ﴾
(الفرقان:٢٧-٢٩)

''اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا۔ کہے گا: اے کاش! میں نے پیغمبر کے ساتھ رستہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا کہ اس نے مجھ کو نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔''

① اس مفہوم کے لیے دیکھیے: حديث صحيح بخاری، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، ج: ٢، ص: ١١٠ (عفيفی)

② صحيح بخاری، كتاب الأدب، باب علامة حب الله عزوجل، ج: ٧، ص: ١١٢۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝﴾ (الصافات:۲۲، ۲۵)

''جولوگ ظلم کرتے تھے ان کو اور ان کے ہم جنسوں کو اور جن کو وہ پوجا کرتے تھے (سب کو) جمع کرلو اللہ کے سوا پھر ان کو جہنم کے رستے پر چلا دو، اور ان کو ٹھہرائے رکھو کہ ان سے (کچھ) پوچھنا ہے۔ تم کو کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَزْوَاجَهُمْ سے ان جیسے اور ان سے ملتے جلتے لوگ مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝﴾ (التکویر:۷)

''اور جب نفس جوڑے جائیں گے۔''

ہر جنس کو اس کے ہم جنس سے ملا دیا جائے گا وہ اس کے لیے ساتھی اور جوڑا بن جائے گا۔ نیک، نیک کے ساتھ اور بد، بد کے ساتھ۔

حاصل یہ ہے کہ: جس نے اللہ کے سوا کسی سے محبت کی تو اس کو تکلیف اس کے محبوب کی وجہ سے ہوگی اگر اسے پالے یا نہ پائے۔ اگر وہ اسے نہ پائے تو نہ ملنے کی وجہ سے اس کو عذاب ہوگا۔ اس کے دل کے تعلق کے حساب سے اس کو تکلیف ہوگی۔ اگر وہ اس کو پالے تو اس کے حصول سے پہلے کے دکھ، اس کے حصول کی حالت میں پریشانی اور اس کے چھوٹ جانے کے بعد جو حسرت ہوگی یہ سب اس کے حصول میں جو لذت ہے اس سے کہیں بڑھ کر ہیں۔

''محبت کرنے والے سے بڑھ کر زمین میں کوئی بدنصیب نہیں ہے، گو کہ وہ خواہش کو پالے جو اس کے مذاق کی مٹھاس ہے۔'' تم اُسے ہر حال میں روتا دیکھو گے، جدائی کے خوف میں یا ملاقات کے شوق میں اگر وہ دور ہوں تو ملاقات کے شوق میں روتا ہے، اور اگر قریب ہوں تو جدائی کے اندیشے سے روتا ہے۔

اس کی آنکھ وقتِ ملاقات بھی غمناک ہے، وہ وقتِ جدائی بھی غمناک ہے۔

دنیا کے گہرائی سے مطالعہ، عبرت اور تجربوں سے یہ بات معلوم کی گئی ہے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا جسے ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے:

«اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ مَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ وَمَنْ وَالَاهُ»[1]

''دنیا ملعون ہے اور جو اس میں ہے ملعون ہے، سوائے اللہ کے ذکر کے اور جو اس کا ساتھی بنے۔''

اس کا ذکر اس کی فرمانبرداری کی تمام اقسام ہیں۔ جو بھی اس کی فرمانبرداری میں ہے تو وہ اس کا ذکر کرنے والا ہے۔ اگرچہ اس کی زبان ذکر کے ساتھ نہیں ہلی۔ جس نے بھی اللہ سے دوستی اور اس نے اس سے محبت کی اور اس کا قرب پایا تو اس کو کسی طرح

[1] سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب مثل الدنیا، حدیث: ۴۱۱۱، ج: ۲، ص: ۱۳۷۷، اس میں "یا عالم یا متعلّم" کا اضافہ بھی ہے۔ (عفیفی)

بھی لعنت نہ پہنچے گی، یہ تو ہر اس شخص کو پہنچنے والی ہے جو اس کے خلاف ہے۔

ساتویں وجہ

بندے کا مخلوق پر اعتماد اور بھروسا اس کے لیے اسی طرف سے ضرر کا موجب ہے۔ یہ لازماً اس کی آرزو کے برعکس ہے۔ جس طرف سے اس نے اندازہ لگایا کہ اسے مدد ملے گی وہ وہاں سے ضرور رسوائی پائے گا۔ جہاں سے تعریف چاہی ضرور مذمت پائے گا۔ یہ بات جس طرح قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ اسی طرح گہرے مطالعہ اور تجربات سے بھی معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ ﴾ (مریم: ۸۱، ۸۲)

''اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں تا کہ وہ ان کے لیے (موجب عزت و) مدد ہوں ہرگز نہیں! وہ ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن ہوں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَ هُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿٧٥﴾ ﴾ (یٰس: ۷۵)

''اور انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا لیے ہیں کہ شاید ان کو مدد پہنچے۔ وہ ان کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے اور وہ ان کی فوج ہو کر حاضر کیے جائیں گے۔''

یعنی وہ ان کے لیے غصہ کریں گے اور لڑائی کریں گے۔ جس طرح لشکری اپنے ساتھیوں کی طرف سے غصہ میں آتا اور لڑائی کرتا ہے۔ وہ ان کی مدد کی طاقت نہ پائیں گے بلکہ ان پر بوجھ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿١٠١﴾ ﴾ (الھود: ۱۰۱)

''اور ہم نے ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا، غرض جب تمہارے پروردگار کا حکم آ پہنچا تو جن معبودوں کو وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور تباہ کرنے کے سوا ان کے حق میں کچھ اور نہ کر سکے۔''

یعنی خسارہ دینے کے علاوہ کچھ نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿٢١٣﴾ ﴾ (الشعراء: ۲۱۳)

''تو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو مت پکارنا ورنہ تم کو عذاب دیا جائے گا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿٢٢﴾ ﴾ (الاسراء: ۲۲)

''اور اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہ بنانا کہ ملامتیں سن کر اور بے کس ہو کر بیٹھے رہ جاؤ گے۔''

مشرک اپنے شرک سے کبھی مدد کی امید رکھتا ہے اور کبھی حمد و تعریف کی۔ اللہ پاک نے بتایا ہے کہ اس کا مقصود اس پر الٹا ہو جاتا ہے اور اسے رسوائی اور مذمت ہی ملتی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ: یہ دو صورتیں مخلوق میں ہیں۔ جبکہ خالق کے ہاں ان کی ضد ہیں۔

تو دل کی درستی، اس کی فلاح اور خوش بختی اللہ کی عبادت اور اس سے مدد طلب کرنے میں ہے۔ جبکہ اس کی ہلاکت، بدنصیبی، موجودہ اور آئندہ وقت میں تکلیف مخلوق کی عبادت اور اس سے مدد طلب کرنے میں ہے۔

آٹھویں وجہ

اللہ پاک غنی، کریم، عزیز اور رحیم ہے۔ وہ بندے سے غنا کے باوجود اس پر احسان کرتا ہے اور اس کے لیے خیر چاہتا ہے۔ اس سے ضرر دور کرتا ہے۔ اس کو بندے سے اپنے لیے کوئی جلبِ منفعت نہیں ہے۔ نہ کوئی دفع مضرت ہے۔ بلکہ بندے پر اس کی رحمت اور احسان ہے۔ اللہ پاک نے اپنی مخلوق کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ قلت سے ان کی وجہ سے کثرت پائے نہ ان کی وجہ سے عزت پائے، نہ یہ کہ وہ اس کو رزق دیں، نہ یہ کہ وہ اس کو نفع دیں، نہ اس لیے کہ وہ اس سے کچھ دور کریں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۝ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ۝ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۝﴾ (الزاریات: ٥٦ ـ ٥٨)

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں، میں ان سے رزق کا طالب نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں، اللہ ہی تو رزق دینے والا، زور آور، مضبوط ہے۔''

اور فرمایا:

﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ۝﴾ (الاسراء: ١١١)

''اور کہو کہ سب تعریف اللہ ہی کو (سزاوار) ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ اس وجہ سے کہ وہ عاجز و ناتواں ہے کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کو بڑا جان کر بڑائی کرتے رہو۔''

وہ پاک و بلند جس سے دوستی کرتا ہے عاجزی کی وجہ سے دوستی نہیں کرتا۔ جس طرح مخلوق مخلوق سے دوستی کرتی ہے۔ وہ تو اپنے ولیوں سے احسان، محبت اور رحمت کی وجہ سے دوستی کرتا ہے۔ رہے بندے تو جیسے اللہ نے فرمایا:

﴿وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ﴾ (محمد: ٣٨)

''اور اللہ غنی ہے جبکہ تم فقراء ہو۔''

لوگ اپنے فقر اور حاجت کی وجہ سے ایک دوسرے پر احسان کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کی کوئی حاجت ہوتی ہے یا جلد یا بدیر کوئی نفع مقصود ہوتا ہے۔ اگر یہ نفع کا تصور نہ ہو تو اس پر احسان نہ کرے۔ اس کا درحقیقت ارادہ خود پر احسان کا ہے۔ اس نے

دوسرے پر احسان کو اس احسان کے حصول کا ذریعہ اور طریقہ بنایا ہے۔ وہ یا تو اس پر احسان جلد اس کے بدلہ کی توقع سے کرتا ہے کہ اس کو اس جزاء کی حاجت ہے۔ یا اس کے احسان کا بدلہ ہے۔ یا اس کی تعریف اور شکریہ کی توقع ہے۔ تو وہ اس پر احسان صرف اس لیے کر رہا ہے کہ وہ اس کی تعریف اور شکر کا محتاج ہے۔ وہ دوسرے پر احسان کر کے خود پر احسان کر رہا ہے۔ یا وہ آخرت میں اللہ سے جزاء چاہتا ہے اس طرح وہ خود پر احسان کرنے والا ہے۔ اس کی جزاء کو اس کے فقر و فاقہ کے دن تک مؤخر کر دیا گیا ہے۔ اس مقصد میں اس پر ملامت نہیں ہے۔ بے شک بندہ فقیر و محتاج ہے۔ اس کا فقر و حاجت اس کے لیے ایک لازمی امر ہے جو اس کے ذاتی لوازم میں سے ہے۔ اس کا کمال یہ ہے کہ جس کا اس کو نفع ملے اس کی حرص کرے اور اس سے عاجز نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ﴾ (الاسراء:۷)

''اگر تم احسان کرو تو تم اپنے لیے ہی احسان کرو گے۔''

اور فرمایا:

﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ﴾ (البقرۃ:۲۷۲)

''اور جو بھی تم خیر سے خرچ کرو گے تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تم ظلم نہ کیے جاؤ گے۔''

پیغمبر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے حدیث قدسی بیان کی ہے:

«يَا عِبَادِيْ إِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا نَفْعِيْ فَتَنْفَعُوْنِيْ، وَلَنْ تَبْلُغُوْا ضُرِّيْ فَتَضُرُّوْنِيْ؛ يَا عِبَادِيْ، إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيْهَا لَكُمْ، ثُمَّ أُوَفِّيْكُمْ إِيَّاهَا، فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ، وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ»[1]

''اے میرے بندو! بے شک تم ہرگز میرے نفع کو نہ پہنچو گے کہ تم مجھے نفع دو اور تم ہرگز میرے ضرر کو نہ پہنچو گے کہ تم مجھے ضرر دو۔ اے میرے بندو! یہ تو تمہارے اعمال ہی ہیں جن کو میں تمہارے لیے شمار کرتا ہوں۔ پھر میں تم کو وہ پورے پورے دوں گا، تو جو خیر پائے اسے اللہ کی حمد کرنی چاہیے اور جو اس کے علاوہ پائے تو وہ اپنے نفس کے سوا کسی کو ہرگز ملامت نہ کرے۔''

تو مخلوق کا مقصود تمہارے نفع سے قصد اول نہیں۔ بلکہ اس کا مقصود تجھ سے نفع اٹھانا ہے۔ جبکہ رب تعالیٰ کا ارادہ تجھ کو نفع دینا ہے، تجھ سے نفع لینا نہیں، یہ نفع تمہارے لیے نقصان سے خالص ہے۔ برخلاف مخلوق کے ارادۂ نفع کے کہ اس میں کبھی تم کو نقصان پہنچ سکتا ہے گو اس کا احسان اٹھا کر ہی ہو۔

تم اس پر غور کرو! اس کا ملاحظہ تجھ کو توجہ دلائے گا کہ تم اللہ کے سوا کسی مخلوق سے امید لگاؤ یا اس سے نفع مانگو یا تکلیف دور کرنا یا تیرے دل کا اس سے تعلق ہو۔ اس کا ارادہ تم سے نفع لینا بھی ہے نہ کہ محض تم کو نفع دینا۔ یہ حال سب مخلوق کا ایک دوسرے کے ساتھ

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة ، باب تحریم الظلم، حدیث: ۵۵/ ۲۵۷۷، ج:٤، ص: ۱۹۹٤۔ یہ ایک لمبی حدیث کا حصہ ہے۔(عفیفی)

ہے۔ بیٹے کا اپنے باپ کے ساتھ یہ حال ہے۔ خاوند کا بیوی کے ساتھ۔ خادم کا اپنے آقا کے ساتھ۔ شریک کا اپنے شریک کے ساتھ۔ خوش بخت وہ ہے جو ان سے معاملہ اللہ کے لیے کرے نہ ان کے لیے۔ ان پر احسان اللہ کے لیے کرے۔ ان کے بارے میں اللہ سے ڈرے۔ اللہ کے ساتھ ان سے نہ ڈرے۔ ان پر نیکی میں اللہ سے امید رکھے۔ اللہ کے ساتھ ان سے امید نہ رکھے۔ ان سے محبت اللہ کی محبت کی وجہ سے کرے۔ اللہ کے ساتھ ان سے محبت نہ کرے۔ [1] جیسے اللہ عزوجل کے اولیاء کا کہنا ہے:

﴿اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴾ (الدھر:۹)

''ہم تو تم کو صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں ہم تم سے کوئی جزا اور کوئی شکریہ نہیں چاہتے۔''

نویں وجہ

بندے کو تمہارے فائدے کا علم نہیں جب تک اس کو اللہ نہ بتائے نہ وہ تمہارے لیے اس کے حصول کی قدرت رکھتا ہے، جب تک اللہ اسے قدرت نہ دے۔ وہ اس کا ارادہ نہیں کرسکتا جب تک اللہ اس کا ارادہ اور مشیت پیدا نہ کرے، تو سب معاملہ اس اللہ کی طرف لوٹ گیا جس سے شروع ہے۔ وہی وہ ذات ہے جس کے ہاتھ میں سب خیر ہے اور سب معاملہ اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ تو امید، خوف، توکل اور عبادت کے ذریعہ سے دل کا تعلق اگر غیر سے جوڑیں تو سراسر نقصان ہے نفع کوئی نہیں ہے۔ اس سے جو نفع مل بھی جائے تو وہ ہے جو اس اکیلے نے تمہارے لیے مقدر اور میسر کیا اور تم تک اسے پہنچایا۔

دسویں وجہ

اکثر مخلوق کا مقصد تجھ سے بس اپنی حاجتیں پوری کرنا ہے۔ گو اس سے تمہارے دین و دنیا کو نقصان پہنچے۔ ان کی غرض تو بس اپنی حاجات کو پورا کرنا ہے گو تم کو نقصان پہنچا کر ہو۔ رب تعالیٰ کا ارادہ صرف تمہارے لیے ہے۔ وہ تجھ پر احسان صرف تمہارے لیے کرنا چاہتا ہے نہ کہ اپنے نفع کے لیے۔ اس کا ارادہ تجھ سے ضرر دور کرنا ہے۔ تو تمہاری آرزو، امید اور خوف کا اس کے غیر کے ساتھ تعلق کیسا ہے؟ اس سب کا نچوڑ یہ ہے کہ تم جان لو:

«أَنَّ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ لَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوْا كُلُّهُمْ عَلٰى اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوْكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْكَ» [2]

''اگر مخلوق کے سب لوگ اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ وہ تجھے کسی چیز کا نفع دیں تو وہ تجھے نفع نہ دیں مگر اسی چیز کا جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے اور اگر وہ سب اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ تجھے کسی چیز کا نقصان دیں تو وہ تجھے نقصان نہ دیں گے مگر اسی چیز کا جو اللہ نے تجھ پر لکھ دی ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ (التوبۃ:۵۱)

---

[1] یعنی محبت میں ان کو اللہ کا شریک نہ بنائے۔ (مترجم)

[2] سنن الترمذی، کتاب صفة القیامة، باب ۵۹، ج٤، ص٦٦٧، حدیث: ٢٥١٦، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

''کہہ دو کہ ہم کو کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہو، وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔''

اس باب کا خاتمہ

جب انسان اور ہر زندہ رہنے والا ایک ارادہ سے حرکت کرتا ہے۔ وہ اس ارادہ سے عمل علم اور کسی ارادہ سے الگ نہیں ہوتا۔ اس کا ایک مطلوب و مراد ہے۔ ایک راستہ اور سبب ہے جو اس تک پہنچانے والا ہے۔ اس پر مددگار ہے۔ کبھی سبب اس کے اندر سے ہوتا ہے، کبھی اس سے خارج اور جدا ہوتا ہے اور کبھی اس سے اور خارج ہوتا ہے، تو زندہ شخص کی یہ فطرت بنائی گئی ہے کہ وہ کسی چیز کا قصد و ارادہ کرتا ہے تو اس پر کسی چیز سے مدد طلب کرتا ہے اور اپنی مراد کے حصول میں اس پر اعتماد کرتا ہے۔

مراد کی دو قسمیں ہیں:

پہلی: جو خود کی مراد ہے۔

دوسری: جو کسی کی مراد ہے۔

جس سے مدد طلب کی جائے اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

پہلی: جس سے خود مدد طلب کی جائے۔

دوسری: جو اس کے تابع اور آلہ ہو۔

تو یہ چار امور ہیں۔ خود کے لیے مراد، غیر کے لیے مراد، جس سے خود مدد لی جائے اور جس کو آلہ بنا کر مدد لی جائے اور وہ خود مدد لیے گئے کے تابع ہو۔

دل کے لیے ایک مطلوب لازم ہے جس کی طرف وہ اطمینان پائے۔ اس کی محبت تک پہنچے۔ اس کے لیے کوئی ایسی چیز بھی ضروری ہے جس کے ذریعہ سے وہ وہاں تک پہنچے اور اپنے مطلوب کے حصول میں اس سے مدد طلب کرے۔ جس سے مدد طلب کی جائے، وہ مسئول اور مدعو ہے۔ عبادت اور استعانت اکثر لازم و ملزوم ہیں۔ جس پر دل نے اپنے رزق، نصرت اور نفع کے لیے اعتماد کیا، اس کے لیے جھک گیا، عاجزی کی، مطیع ہوا اور اس کے ساتھ اس جہت سے محبت کی۔

اگر اس نے اس کی ذات کے لیے اس سے محبت نہ کی لیکن اس پر حال کا حکم غالب آتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کی ذات کے لیے محبت کرتا ہے۔ اس سے اپنا مقصود بھول جاتا ہے۔ جس سے دل محبت کرتا ہے۔ اس کا ارادہ و قصد کرتا ہے۔ کبھی اس سے مدد طلب نہیں کرتا۔ اس کے غیر سے اس پر مدد طلب کرتا ہے۔ جیسے کسی نے مال، منصب یا کسی عورت سے محبت کی۔ اگر معلوم ہو کہ اس کا محبوب اس کی غرض کے حصول پر قادر ہے تو اس سے مدد طلب کرے گا تو اس کے لیے محبت اور استعانت جمع ہو گئی۔

تو قسمیں چار ہیں:

(پہلی) نفس اور ذات کے طور پر محبوب۔ اسی کی ذات سے مدد طلب کی جائے۔ یہ اعلیٰ قسم ہے۔ یہ صرف اکیلا اللہ ہے۔ اس کے سوا ہر ایک اس کی محبت کے تابع ہو کر محبوب ہے۔ اس سے مدد طلب کی جاتی ہے کہ وہ آلہ اور سبب ہے

(دوسری) غیر کے لیے محبوب اور اس سے مدد بھی طلب کی جائے۔ جیسے وہ محبوب جو اپنے محب کی غرض کے حصول پر قادر ہو۔
(تیسری) محبوب جس پر دوسرے سے مدد طلب کی جائے۔
(چوتھی) اس سے مدد طلب کی جائے۔ وہ نفسہٖ محبوب نہیں ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا تو بات واضح ہو گئی کہ ان چار اقسام میں بندگی اور استعانت کا زیادہ حق دار کون ہے۔ اس کے غیر کی محبت اور اس سے استعانت اگر اس کی محبت اور اس سے استعانت کا وسیلہ نہ ہو تو وہ بندے کے لیے نقصان دہ ہے، اور اس کے فائدے سے بندے پر اس کا نقصان زیادہ ہے۔

اللہ سے مدد طلب کی جاتی ہے اور اسی پر بھروسا کیا جاتا ہے۔

باب نمبر:7

قرآن میں دل کے تمام امراض کی ادویہ اور اس کا علاج موجود ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ﴾ (یونس:۵۷)

''لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا آ پہنچی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (الاسراء:۸۲)

''اور ہم قرآن سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔''

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ امراض قلب کا نچوڑ امراضِ شبہات اور شہوات ہیں۔قرآن میں ان دونوں اقسام کے لیے شفا ہے۔اس میں وہ براہین اور قطعی بینات ہیں جو حق کو باطل سے واضح کرتی ہیں۔اس سے شبہ کی بیماریاں ختم ہوتی ہیں۔جو علم، تصور اور ادراک کے لیے خرابی پیدا کرنے والی ہیں کہ آدمی اشیاء کو ان حقیقت میں دیکھتا ہے جس پر وہ ہیں۔آسمان کی چھت کے نیچے کوئی ایسی کتاب نہیں جو قرآن سے بڑھ کر مطالب عالیہ پر براہین اور نشانیاں رکھتی ہو یعنی توحید، اثبات صفات، اثبات آخرت اور نبوات ہوں، اور باطل فرقوں اور فاسد آراء کا رد قرآن کی طرح ہو۔یہ ان سب پر نگہبان ہے۔ان کو احسن و اکمل وجوہ سے شامل اور تمام کرنے والا ہے۔عقلوں کے لیے قریب تر اور بیان کے لیے فصیح تر ہے۔یہ درحقیقت شکوک وشبہات کے لیے شفا ہے۔لیکن یہ اس کے فہم اور اس کی مراد کی معرفت پر موقوف ہے۔جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ عطا کیا ہو وہ حق و باطل کو اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔جس طرح وہ دن اور رات کو دیکھتا ہے۔اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے علاوہ لوگوں کی کتابیں اور معقولات یا تو ایسے علوم ہیں جن پر کوئی بھروسا نہیں وہ صرف آراء اور تقلید ہیں یا جھوٹے گمان ہیں جو حق کے مقابل کچھ بھی کفایت نہیں کرتے یا صحیح امور ہیں، لیکن دل کا ان میں کچھ نفع نہیں ہے یا صحیح علوم ہیں لیکن ان کے حصول میں وہ راہ سے ہٹ گئے ہیں۔ان کے اثبات میں لمبا کلام کیا گیا ہے حالانکہ ان کا نفع بھی کم ہے۔وہ تو دبلے اونٹ کا گوشت ہیں جو مشکل پہاڑ پر ہے۔آسان نہیں کہ چڑھا جائے اور نہ موٹا ہے کہ اسے منتقل[1] کیا جائے۔''[2] متکلمین وغیرہ کے ہاں جو احسن باتیں ہیں وہ قرآن میں صحیح ترین بیان اور بہترین تفسیر ہے۔ان کے ہاں تو صرف تکلف، تطویل اور پیچیدگی ہے۔جیسے کہا گیا ہے ؎

''وہ اپنے زعم میں سمجھتے ہیں کہ انہوں نے جو بنایا ہے اس سے وہ شکوک وشبہات دور کرتے ہیں۔جبکہ فاضل اور ہونہار آدمی

---

[1] یعنی ایسا بھرپور اور مرغوب گوشت نہیں جس کو کوئی اُٹھا کر لے آئے۔(مترجم) [2] اس لفظ کے لیے دیکھیے صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب حسن المعاشرة مع الأهل، ج: ٦، ص: ١٤٦۔

جان لیتا ہے کہ اس سے شکوک وشبہات بڑھتے ہیں۔''

یہ ناممکن ہے کہ کتاب اللہ اور اللہ کے پیغمبر کے کلام سے شفا، ہدایت، علم اور یقین حاصل نہ ہو اور ان پریشانوں، بدحالوں اور شکوک والوں کے کلام سے حاصل ہو، جیسا کہ اس کے متعلق ان کے آخری اقدامات پر واقف اور ان کے مقاصد کی حد تک پہنچنے والے شخص نے بتایا۔ وہ کہتا ہے:

''عقلوں کے اقدام کی انتہاء پیچیدگی ہے، اور اکثر ایسے عالموں کی کوشش گمراہی ہے۔ ہماری روحیں ہمارے جسموں سے وحشت میں ہیں، اور ہماری دنیا کا حاصل تکلیف اور وبال ہے۔ ہم نے اپنی بحث سے اپنی ساری عمر کوئی استفادہ نہیں کیا، سوائے اس کے کہ ہم نے اس میں قیل وقال کو جمع کیا ہے۔''[1]

میں نے اہل کلام کے طرق اور فلسفی مناہج پر غور کیا ہے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ یہ کسی بیمار کو شفا دیتے ہوں اور نہ کسی پیاسے کو سیراب کرتے ہوں۔ سب راہوں سے قریب راستہ میں نے قرآن کا دیکھا ہے۔ میں اثبات میں پڑھتا ہوں: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ (طٰہٰ:٥) ''رحمن عرش پر مستوی ہوا۔'' اور ﴿ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ ﴾ (الفاطر:١٠) ''اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں۔'' میں نفی میں پڑھتا ہوں ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ (الشوریٰ:١١) ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔'' اور ﴿ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴾ (طٰہٰ:١١٠) ''اور وہ اس کا علم سے احاطہ نہیں کرتے۔'' جس کا تجربہ میرے تجربہ کی طرح ہوا۔ اس نے میری معرفت کی طرح معرفت پائی۔

اس کے یہ اشعار اور الفاظ اس کی آخری کتب میں ہیں۔ یہ اپنے اہل زمانہ میں علی الاطلاق علم کلام وفلسفہ میں افضل تھا۔ اس طرح کے دلائل میں اس طرح کے لوگوں کا ہم نے کتاب "الصواعق المرسلہ" وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔[2] ہم نے بعض عارفین کا قول ان کے کلام کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ''متکلمین کا آخری معاملہ شک ہے اور اہل تصوف کا آخری معاملہ شطح ہے۔''[3]

قرآن ان مطالب میں جو بندوں کے اعلیٰ مطالب ہیں تجھ کو نفسِ یقین تک پہنچائے گا۔ اسی لیے اس کو اس ذات نے اتارا ہے جس نے یہ کلام کیا ہے۔ اسے جو کچھ دلوں میں ہے اس کے لیے شفا اور مؤمنوں کے لیے ہدایت اور رحمت بنایا ہے۔

مرض شہوات میں اس کی شفا، حکمت اور موعظہ حسنہ کی وہ باتیں ہیں جو ترغیب، ترہیب، دنیا کے زہد اور آخرت کی ترغیب میں آئی ہیں۔ نیز امثال وقصص جن میں انواع واقسام کی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں۔ جب قلب سلیم اس کو دیکھتا ہے تو وہ اس میں سے اپنی دنیا وآخرت میں نفع دہندہ چیزوں میں رغبت رکھتا ہے۔ اپنے لیے نقصان دہ سے بے رغبتی رکھتا ہے۔ پھر وہ دل ہدایت کے لیے محبت کرنے والا اور گمراہی سے نفرت کرنے والا ہو جاتا ہے۔

---

[1] یہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ہیں۔ انہوں نے یہ بات اپنی کتب میں ایک سے زائد جگہ پر کہی ہے مثلاً کتاب اقسام اللذات میں (الفقی)۔ ان کی تفسیر اپنے موضوع پر ایک کبیر، طویل اور معروف کتاب ہے۔ (مترجم)

[2] "الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطلة" ملحدوں، طاغوتوں، فلسفیوں اور ان سے متاثر نصوص کی تاویل اور تحریف کرنے والوں کی تردید میں سب سے عمدہ اور قوی کتاب ہے۔ (الفقی)

[3] صوفیاء کے خاص اقوال وافعال۔

قرآن فاسد ارادوں کا سبب بننے والے امراض کو ختم کرنے والا ہے۔ دل درست ہوتا ہے تو اس کا ارادہ درست ہوتا ہے۔ وہ اپنی اس فطرت کی طرف لوٹتا ہے جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے کسبی اور اختیاری افعال درست ہو جاتے ہیں۔ جس طرح جسم اپنی صحت اور طبعی صلاحیت کی طرف لوٹ آتا ہے۔ وہ صرف حق کو اس انداز میں قبول کرنے والا بن جاتا ہے جیسے بچہ دودھ کے سوا کچھ قبول نہیں کرتا۔ دل ایمان وقرآن سے وہ غذا پاتا ہے جو اس کو پاک اور قوی کرے۔ اس کو تائید، فرحت، مسرت اور نشاط دے۔ اس کا اختیار ثابت کرے۔ جس طرح جسم وہ غذا لیتا ہے جو اسے بڑھائے اور مضبوط کرے۔

دل وجسم میں سے ہر ایک ترقی کا محتاج ہے کہ وہ بڑھے اور پرورش پائے حتیٰ کہ کامل اور درست ہو جائے۔ جس طرح جسم محتاج ہے کہ وہ ان غذاؤں کے ساتھ ترقی پائے جو اس کو درست کریں۔ اس سے پرہیز کرے جو اس کو نقصان دے۔ جب تک اسے نفع مند غذا نہ دی جائے اور نقصان دہ سے اس کو روکا نہ جائے وہ بڑھ نہیں سکتا۔ اسی طرح دل نہ بڑھتا ہے نہ نمو پاتا ہے نہ اس کا فائدہ پورا ہوتا ہے جب تک یہ نہ ہو۔ اس تک پہنچنے کے لیے اس کے پاس قرآن کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اگر قرآن کے علاوہ وہ ان میں سے کسی چیز تک پہنچے گا تو یہ کم تر اور معمولی راستہ ہوگا۔ اس کو اس سے پورا مقصود حاصل نہ ہوگا۔ اسی طرح کھیت بھی ان دو کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ اسی لیے تو کھیت کو زَکَا الزَّرْعُ وَ کَمُلَ یعنی ''کھیت بڑھا اور مکمل ہوا'' کہا جاتا ہے۔

جب اس کی حیات اور نعمت اس کو بڑھانے اور ظاہر کرنے کے بغیر نہیں ہو سکتی تو دونوں کے ذکر کے بغیر کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں: [1]

---

[1] یہاں کوئی قول نہیں ہے، البتہ اس قول سے مراد اگلا باب ''دل کی پاکیزگی یا پڑھنا ہے'' (مترجم)۔

باب نمبر: 8

دل کے بڑھانے کے متعلق

لغت میں زکوۃ بڑھنے، زیادہ فائدہ اور چیز کے کمال کو کہا جاتا۔ زَکَا الشَّيْئُ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی چیز بڑھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ (التوبۃ:۱۰۳)

''ان کے مال میں سے زکوۃ قبول کرلو کہ اس سے تم ان کو پاک اور پاکیزہ کرتے ہو۔''

اس میں دو باتوں کو جمع کیا: طہارت اور زکوۃ۔ کیونکہ یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔ دل میں بے حیائیوں اور برائیوں کی نجاست جسم میں ردی چیزوں کے مل جانے کے مرتبہ میں ہے۔ کھیت میں بوٹیوں کے جھنڈ کے مرتبہ میں اور سونے، چاندی، تانبے اور لوہے میں گند مل جانے کے مرتبہ میں ہے۔ جس طرح جسم جب ردی اخلاط سے فارغ ہوجائے تو اس سے اس کی طبعی قوت خالص ہوجاتی ہے تو وہ آرام پاتا ہے۔ وہ اپنا کام بغیر رکاوٹ اور ممانعت کے کرتا ہے لہٰذا جسم نمو پاتا ہے۔ اسی طرح جب دل گناہوں سے توبہ کے ساتھ خالی ہوجائے تو وہ خلط ملط ہونے سے خالی ہوجاتا ہے اور دل کی قوت اور اس کا خیر کے لیے ارادہ خالص ہوجاتا ہے۔ وہ ان فاسد جذبات اور ردی مقاصد سے آرام پا جاتا ہے۔ وہ بڑھتا ہے، نمو پاتا ہے، قوی ہوتا ہے، شدید ہوتا ہے، اور اپنی بادشاہی کے تخت پر بیٹھتا ہے، اس کی رعایا میں اس کا حکم نافذ ہوتا ہے۔ وہ اس کے لیے سنتا اور اطاعت کرتا ہے۔ اس کی زکوۃ کی طرف کوئی راستہ نہیں مگر اس کی طہارت کے بعد۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾ (النور:۳۰)

''مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے۔ جو کام یہ کرتے ہیں اللہ ان سے خبردار ہے۔''

اللہ پاک نے نگاہ جھکانے اور شرم گاہ کی حفاظت کے بعد پاکیزگی کو رکھا ہے۔ اس لیے محارم سے نگاہ جھکانا تین جلیل القدر اور عظیم فوائد کا موجب ہے:

پہلا فائدہ

ایمان کی مٹھاس اور اس کی لذت جو اس چیز سے کہیں میٹھی پاکیزہ اور لذت والی ہے جس سے اس نے اپنی نظر کو پھیرا ہے اور اس کو چھوڑا ہے۔ جس نے اللہ کے لیے کسی چیز کو چھوڑا تو اللہ اس کے عوض میں اس کو بہتر چیز عطا کرتا ہے۔ نفس تو جمیل صورتوں پر محبت کی نظر کا شوقین ہے۔ آنکھ دل کی جاسوس ہے۔ وہ اپنے جاسوس کو تصویر بھیجتا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ وہ وہاں کیا ہے۔ اگر دیکھے

گئے کے حسن و جمال کی وہ اس کو خبر دے تو وہ اس کی طرف شوق سے حرکت کرتا ہے۔ اکثر وہ تھک جاتا ہے۔ اس کا پیغامبر اور جاسوس بھی تھک جاتا ہے۔ جیسے کہا گیا ہے تم نے جب اپنی نظر کو جاسوس بنا کر بھیجا، اپنے دل کے لیے کسی دن تو تجھے مناظر نے تھکا دیا۔ تم نے وہ دیکھا جس کے کل پر تم قادر نہیں اور نہ اس کے بعض سے تم صابر ہو۔

جب جاسوس کشف و مطالعہ سے رک جائے تو دل کو طلب و ارادہ کی کلفت سے آرام مل جاتا ہے۔ جس نے اپنی نگاہوں کو کھلا رکھا اس کی حسرتیں بڑھ گئیں۔ نظر محبت کی تاکید کرتی ہے۔ پھر وہ تعلق شروع ہوتا ہے جو دل کو دیکھے گئے سے جوڑتا ہے۔ پھر یہ قوی ہو کر صبابہ بن جاتا ہے۔ دل پورے طور اس سے لگا ؤ رکھتا ہے۔ پھر قوی ہو کر غرام بنتا ہے جو دل کو اس طرح چمٹتا ہے جس طرح قرض خواہ اپنے قرض دار سے جدا نہیں ہوتا۔ پھر یہ قوی ہو کر عشق بن جاتا ہے۔ یہ افراط والی محبت ہے۔ پھر یہ قوی ہو کر شغف بن جاتا ہے۔ یہ وہ محبت ہے جو دل کے پردے سے مل جاتی ہے اور اس میں داخل ہو جاتی ہے۔ پھر یہ قوی ہو کر تتیمّ بن جاتا ہے۔ تتیمّ کا مطلب بندگی کرنا ہے۔ تیمة الحب[1] کہتے ہیں جب کوئی محبت کی بندگی کرے۔ تیم اللہ کہتے ہیں جب کوئی اللہ کی بندگی کرے۔ دل اس کا بندہ ہو جاتا ہے جس کا بندہ ہونا اس کے لیے درست نہیں ہے۔ یہ سب نظر کا قصور ہے۔ تب دل قید میں چلا جاتا ہے۔ وہ بادشاہ ہونے کے بعد قیدی ہو جاتا ہے۔ وہ آزادی کے بعد جیل میں بند ہو جاتا ہے۔ آنکھ کا ظلم سہتا اور اس کا شکوہ کرتا ہے۔ آنکھ کہتی ہے میں تیری جاسوس اور پیغامبر ہوں۔ تو نے ہی مجھے بھیجا تھا۔

یہ آزمائش ان دلوں کی ہے جو اللہ کی محبت اور اس کے لیے اخلاص سے خالی ہیں۔ دل کے لیے تو کسی محبوب سے تعلق ضروری ہے۔ جس کا اکیلا اللہ محبوب، الٰہ اور معبود نہ ہو تو ضروری ہے کہ اس کا دل غیر کی بندگی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ (یوسف:٢٤)

''یہ اس لیے کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں۔ بے شک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔''

بادشاہ کی بیوی چونکہ مشرکہ تھی وہ اس بات میں مبتلا ہوگئی باوجود یکہ وہ خاوند والی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام چونکہ اللہ کے لیے مخلص تھے وہ اس سے نجات پا گئے باوجود یکہ وہ جوان، غیر شادی شدہ، بے وطن اور غلامی میں تھے۔

دوسرا فائدہ

نگاہ جھکانے میں دل کا نور اور دانائی کی صحت ہے۔ ابوشجاع الکرمانی کہتے ہیں: جس نے اپنے ظاہر کو اتباع سنت سے معمور کیا، اپنے باطن پر مسلسل نگاہ رکھی، اپنے نفس کو شہوات سے بند کیا، اپنی نظر کو محارم سے جھکایا اور اس نے اکل حلال کو عادت بنایا اس کی دانائی خطا نہ کرے گی۔ اللہ پاک نے قوم لوط کے واقعہ اور ان کی آزمائش کے ذکر کے بعد فرمایا:

﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴾ (الحجر:٧٥)

''بے شک اس میں اہل فراست کے لیے نشانی ہے۔''

---

[1] صبابہ۔ غرام۔ شغف۔ اور تتیمّ۔ یہ لغت میں محبت کے درجات ہیں۔

یہ وہ دانا لوگ تھے جو نظر حرام اور بے حیائی سے سالم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو نظریں جھکانے اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کے حکم کے بعد فرمایا:

﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (النور:۸)

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔''

اس میں راز یہ ہے کہ جزاء جنس عمل سے ہے۔ جس نے اپنی نظر کو اس سے روکا جس کو اللہ نے حرام کیا تھا۔ اللہ اس کے عوض میں اس کی جنس سے اس کو بہتر چیز عطا کرے گا۔ جیسے اس نے اس کی بصر کے نور کو محرمات سے روکا تو اللہ نے اس کی بصیرت اور قلب کے نور کو کھلا رکھا۔ اس نے اس کے ساتھ وہ دیکھا جو اس نے نہ دیکھا، جس نے اپنی بصر کو کھلا رکھا اور اللہ کے محارم سے بند نہ کیا۔ یہ وہ امر ہے جس کو انسان اپنے نفس سے محسوس کرتا ہے۔ دل آئینے کی طرح ہے۔ اس میں خواہش زنگ کی طرح ہے۔ جب یہ زنگ سے پاک ہوگا تو اس میں حقائق کی صورتیں اسی طرح آئیں گی جس طرح وہ ہیں، اور اگر زنگ آلود ہوگا تو اس میں معلومات کی صورتیں درست نہ آئیں گی تو اس کا علم اور کلام اندازے اور گمان کے باب سے ہوگا۔

تیسرا فائدہ

دل کی قوت، اس کا ثبات اور شجاعت جو ہے، اللہ اس کو اپنی قوت سے سلطان و نصرت عطا کرتا ہے۔ جیسے وہ اسے نور سے سلطان حجت (زور والی دلیل) عطا کرتا ہے۔ اس کے لیے دونوں سلطان جمع ہو جاتے ہیں۔ اس سے شیطان بھاگتا ہے جیسے ایک روایت میں ہے: ''جو اپنی خواہش کی مخالفت کرے شیطان اس کے سائے سے بھی ڈرتا ہے۔'' اسی لیے خواہش کے پیروکاروں میں ایسا آدمی بھی پایا جاتا ہے جس نے نفس کو ذلیل کیا، اسے کمزور کیا اور اسے ایسی رسوائی ملی جیسی اللہ اپنے نافرمان کو دیتا ہے۔ اللہ پاک نے عزت اپنے فرمانبردار کے لیے جبکہ ذلت اپنے نافرمان کے لیے بنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (المنافقون:۸)

''اور اللہ کے لیے عزت ہے اور اس کے پیغمبر کے لیے اور مومنوں کے لیے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (آل عمران:۱۳۹)

''اور تم کمزور مت بنو اور نہ غم کرو اور تم ہی بلند ہو اگر تم مومن ہو۔''

نیز فرمایا:

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ﴾ (الفاطر:۱۰)

''جو عزت چاہتا ہے تو اللہ کے لیے سب عزت ہے۔''

یعنی جو عزت کو طلب کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی فرمانبرداری میں طلب کرے یعنی پاکیزہ کلمات اور عمل صالح کے ذریعے سے۔ بعض سلف نے کہا: لوگ بادشاہوں کے دروازوں پر عزت تلاش کرتے ہیں۔ لیکن وہ اس کو اللہ کی فرمانبرداری کے بغیر

نہیں پا سکتے۔

حضرت حسن (بصری رحمہ اللہ از مترجم) نے فرمایا: اگر ان کے ساتھ عمدہ تر کی گھوڑے نرم چال چلیں۔ ان کے خچر پاؤں کی آواز دیں۔[1] لیکن نافرمانی کی ذلت ان کے دلوں میں ہے۔ اللہ عزوجل اُسے عزت دینے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ جس نے اس کی نافرمانی کی وہ اسے ذلت دے گا، جس نے اللہ کی اطاعت کی اس نے اس کو ولی بنایا اور جو اپنے رب کو ولی بنائے وہ ذلیل نہیں ہوتا۔ جس طرح دعائے قنوت میں ہے:

«إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ»[2]

''شان یہ ہے کہ جس کو تو ولی بنائے وہ ذلیل نہیں ہوتا اور جس سے تو دشمنی رکھے وہ عزت نہیں پاتا۔''

مقصود یہ کہ: دل کی زکوٰۃ اس کی طہارت پر موقوف ہے جس طرح جسم کی زکوٰۃ اس کو ردی اور فاسد اخلاط سے خالی رکھنے پر موقوف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (النور:۲۱)

''اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو ایک شخص بھی تم میں پاک نہ ہو سکتا مگر اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔''

اس ذات پاک نے اس بات کو زنا، قذف اور نکاح زانیہ کی تحریم کے بعد ذکر کیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہوگئی کہ پاکیزگی اس سے اجتناب ہے۔ اسی طرح گھر والوں سے اجازت طلب کرنے کے متعلق اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ﴾ (النور:۲۸)

''اگر تم کو کہا جائے کہ لوٹو تو لوٹ جاؤ یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔''

ان کو رجوع کا حکم دیا گیا ہے تا کہ وہ اس پردے پر مطلع نہ ہوں جس پر اطلاع گھر والے کو پسند نہیں ہے۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے۔ جیسے نظر کو پھیرنا اور جھکانا آدمی کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۭ﴾ (الاعلیٰ:۱۴، ۱۵)

''تحقیق وہ کامیاب ہوا جس نے تزکیہ کیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پس نماز پڑھی۔''

---

① مطلب یہ ہے کہ اُن کو دنیا میں اتنی شوکت مل جائے۔ (مترجم)

② سنن ابی داود، کتاب الوتر، باب القنوت فی الوتر، حدیث: ۱۴۲۵، ج: ۲، ص: ۱۳۳؛ سنن نسائی، کتاب قیام اللیل، باب الدعاء فی الوتر، ج: ۳، ص: ۲۴۸۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کو خطاب کے ذکر میں فرمایا:

﴿ فَقُلْ هَلْ لَّكَ إِلَىٰٓ أَن تَزَكَّىٰ ﴾ (النازعات:۱۸)

''کیا تیرے لیے اس طرف (توجہ) ہے کہ تو تزکیہ کرے؟''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ۝ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَوٰةَ ﴾ (حمٓ السجدة:۶، ۷)

''اور مشرکوں کے لیے تباہی ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔''

اکثر مفسرین سلف اور بعد والوں نے فرمایا ہے: یہ توحید ہے۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی شہادت ہے۔ اس چیز پر ایمان ہے جو دل کو پاکیزگی دے۔ یہ اپنے دل سے اللہ کے سوا کی الوہیت کی نفی لیے ہوئے ہے۔ یہ اس کی طہارت ہے۔ اس ذات پاک کی الوہیت کا اثبات ہی ہر زکوٰۃ و نمو کی بنیاد ہے۔

تزکیہ (گو کہ اس کی اصل نمو، اضافہ اور برکت ہے) یہ صرف شر کو ختم کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے تزکیہ دو اکٹھی چیزوں سے بنتا ہے۔ اصل جس چیز سے دلوں اور روحوں کو پاکیزگی ملتی ہے وہ توحید ہے۔ تزکیہ کا مطلب کسی چیز کو پاک بنانا ہے۔ یا اس کی ذات میں یا اس کے متعلق خبر اور اعتقاد میں۔ جیسے کہا جاتا ہے: میں نے اس کو عادل بنایا۔ میں نے اس کو فاسق بنایا۔ جب تم خارج میں یا اعتقاد و خبر میں یہ کرو۔ اس بنیاد پر اللہ کا فرمان

﴿ فَلَا تُزَكُّوٓا أَنفُسَكُمْ ﴾ (النجم:۳۲) ''پس تم خود کو نیک نہ بتاؤ۔''

﴿ قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّىٰهَا ﴾ (الشمس:۹) ''تحقیق کامیاب ہوا جس نے اس کو نیک بنایا'' کے معنی میں نہیں ہے۔ پہلے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کی پاکیزگی کی خبر نہ دو۔ وہ کہتے تھے: ہم نیک، پاک اور صالح ہیں۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا:

﴿ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰٓ ﴾ (النجم:۳۲)

''وہ اس کو بہتر جانتا ہے جو متقی ہوا۔''

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نام برہ تھا۔ فرمایا: وہ اپنے نفس کو نیک بتاتی ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام زینب رکھ دیا اور فرمایا: اللہ تم میں سے نیکی والوں کو بہتر جانتا ہے۔[1]

اسی طرح اللہ کا فرمان

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم ﴾ (النساء:۴۹)

---

[1] صحيح بخاري، ج: ٤، ص: ١٥٧؛ صحيح مسلم، ج: ٦، ص: ١٧٣؛ سنن دارمي، كتاب الاستئذان، باب في تغيير الأسماء، ج: ٢، ص: ٢٩٥؛ سنن ابن ماجه: ٣٧٣٢ اور مسند امام احمد، ج:٢، ص: ٤٣٠۔ (عفيفي)

یہ حضرت زینب بنت جحش ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی ہیں۔ ان کے اور ان کے خاوند حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق سورۃ الاحزاب کی آیات ۳۶ تا ۴۰ نازل ہوئیں۔ (الفقی) بعد میں یہ ازواج مطہرات میں شامل ہو گئی تھیں۔ (مترجم)

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو خود کو نیک بتاتے ہیں۔''

یعنی خود کی پاکیزگی کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس کی خبر دیتے ہیں جس طرح گواہ کسی کی پاکی بیان کرتا ہے۔ وہ اس کے نفس کے بارے میں بتاتا ہے جو کچھ تزکیہ کی شہادت دینے والا اس کے متعلق کہتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء:٤٩)

''بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے پاک بناتا ہے۔''

یعنی وہی اس کو پاک بناتا ہے اور اس کی پاکیزگی کی خبر دیتا ہے۔ یہ

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا﴾ (الشمس:٩) ''وہ کامیاب ہوا جس نے اس کو پاک بنایا'' کے خلاف ہے کیونکہ یہ

﴿فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى﴾ (النازعات:١٨) ''کیا تیرے لیے ہے کہ تو پاکی اختیار کرے'' کے باب سے ہے۔

یعنی تو اللہ کی فرمانبرداری کا کام کرے تو تو نیک ہو جائے۔ اسی طرح یہ بھی فرمان ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ (الاعلیٰ:١٤)

''تحقیق کامیاب ہوا جو نیک ہوا۔''

اللہ تعالیٰ کے فرمان زَكّٰهَا میں جو ضمیر مرفوع ہے اس کے متعلق اختلاف ہے[1] ایک قول کے مطابق یہ اللہ کے لیے ہے یعنی وہ نفس کامیاب ہوا جس کو اللہ نے پاک کیا اور وہ نفس خسارے میں رہا جسے اس نے خاک میں ملایا۔ ایک قول میں ضمیر اَفْلَحَ کے فاعل کی طرف لوٹتی ہے جو کہ مَنْ ہے۔ وہ موصول ہو یا موصوف۔ اگر ضمیر اللہ کی طرف لوٹتی تو فرمان ہوتا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهُ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهُ۔ پہلے قول والے کہتے ہیں: مَنْ کا لفظ گو مذکر ہے لیکن جب مؤنث پر واقع ہو تو معنی کا لحاظ کرتے ہوئے اس پر مونث کی ضمیر لانا اور لفظ کا لحاظ کرتے ہوئے مذکر کی ضمیر لانا جائز ہے۔ یہ دونوں ہی فصیح کلام میں سے ہیں۔ قرآن پاک میں اس کے لفظ و معنی دونوں کا اعتبار آیا ہے۔ پہلا: مثلاً

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ﴾ (الانعام:٢٥)

''اور ان میں سے وہ شخص بھی ہے جو آپ (ﷺ) کی بات کو غور سے سنتا ہے۔''

یہاں مفرد کی ضمیر ہے۔ دوسرا: جیسے فرمایا:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ﴾ (یونس:٤٢)

''اور ان میں سے کچھ لوگ آپ (ﷺ) کی بات کو غور سے سنتے ہیں۔''

پہلے قول کو ترجیح دینے والے کہتے ہیں: ہمارے قول کی صحت پر دلیل وہ حدیث ہے جسے اصحاب سنن نے بروایت ابن ابی ملیکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے، فرماتی ہیں: میں ایک رات آئی، میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے پایا:

---

[1] یعنی ''اس نے اس نفس کو پاک کیا'' اس میں پاک کرنے والا کون ہے۔ یہ ضمیر فاعل کس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ (مترجم)

«رَبِّ أَعْطِ نَفْسِيْ تَقْوَاهَا، وَزَكِّهَا، أَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا، أَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا»①

''اے میرے پروردگار! میرے نفس کو اس کا تقویٰ دے اور اس کو پاک کر۔ تو بہتر ہے جس نے اس کو پاک کیا۔ تو اس کا ولی اور اس کا مولیٰ ہے۔''

یہ دعا گویا اس آیت کی تفسیر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نفوس کو پاک کرتا ہے اور وہ پاک ہوجاتے ہیں۔ اللہ مزکی یعنی پاک کرنے والا ہے۔ بندہ متزکی یعنی پاک ہونے والا ہے۔ ان دونوں کے مابین فرق فاعل اور فرمانبردار کا ہے۔

علماء کہتے ہیں: قرآن میں جو بندے کی طرف اضافت زکوٰۃ ہے وہ پہلے کے بجائے دوسرے معنی میں ہی ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝﴾ (الاعلیٰ:١٤) اور فرمایا: ﴿هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝﴾ (النازعات:١٨)

یعنی کیا تو اپنے لیے اللہ کی پاکی کو قبول کرتا ہے کہ تو پاک ہوجائے؟

علماء کہتے ہیں: یہی حق ہے کیونکہ کامیاب تو صرف وہ ہوسکتا ہے جس کو اللہ پاک کرے۔

علماء کہتے ہیں: یہی ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اختیار کردہ موقف ہے۔ انہوں نے ابن ابی طلحہ، عطاء اور کلبی کی روایت میں فرمایا: ''وہ کامیاب ہوا جس کے نفس کو اللہ نے پاک کردیا'' ابن زید نے بھی بعینہٖ یہی کہا۔ ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ کہتے ہیں: اس کی شہادت شروع سورت میں اللہ کے فرمان: ﴿فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝﴾ (الشمس:٨) ''پس اس نے اس کو اس کا گناہ اور اس کی نیکی الہام کردی ہے'' میں بھی ہے۔ مفسرین کہتے ہیں: ''اس ذات پاک نے خبر دی ہے کہ وہ نفس اور اس کی صفات کو پیدا کرنے والا ہے اور یہی تو تسویہ یعنی برابر کرنے کا مفہوم ہے۔''

دوسرے قول والے کہتے ہیں: کلام کا ظاہر اور اس کی صحیح ترتیب کا تقاضا یہ ہے کہ ضمیر مَنْ کی طرف لوٹے گی۔ یعنی وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا۔ یہ مفہوم فوری سمجھ میں آنے والا ہے۔ بلکہ دوسرا بھی یہی سمجھتا ہے۔ جیسے تم کہو: اس لونڈی کو جس نے خریدا اس نے نفع پایا۔ اس نماز کو جس نے پڑھا وہ خوش نصیب ہوا۔ اس گم شدہ چیز کو جس نے جگہ دی وہ خسارے میں گیا۔'' اور دیگر مثالیں بھی اسی طرح ہیں۔

مفسرین کہتے ہیں: نفس مؤنث ہے۔ اگر ضمیر اللہ پاک کی طرف لوٹے تو صورت کلام یوں ہوگی: قَدْ أَفْلَحَتْ نَفْسٌ زَكَّاهَا یا أَفْلَحَتْ مَنْ زَكَّاهَا۔ کیونکہ نفس پر مَنْ واقع ہو رہا ہے۔

مفسرین کہتے ہیں: اگر فعل کو لفظ مَنْ کی وجہ سے تاء سے خالی کرنا جائز ہو جیسے کہو کہ: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ قَامَتْ مِنْكُنَّ یعنی وہ کامیاب ہوئی جو تم میں کھڑی ہوئی۔''

تو یہ وہ جگہ ہے جہاں اشتباہ والتباس واقع نہیں ہوتا۔ اگر اشتباہ واقع ہو تو اس چیز کا ذکر ضروری ہے جو اس کو ختم کردے۔

مفسرین کہتے ہیں: مَنْ بمعنی اَلَّذِیْ ہے۔ اگر کہا جائے قَدْ اَفْلَحَ الَّذِیْ زَكَّاهَا اللهُ تو جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ مؤنث کی ضمیر الذی پر

---

① صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والإستغفار، باب التعوذ من شر ما عمل و من شر ما لم يعمل، حديث: ٧٣/ ٢٧٢٢، ج: ٥، ص: ٢٠٨٨۔

لوٹ رہی ہے جو کہ مذکر ہے۔

مفسرین کہتے ہیں: اس ذات پاک کا مقصود فلاح کی نسبت صاحب نفس کی طرف ہے جب وہ اپنے نفس کو پاک کرلے۔ اسی لیے فعل کو تاء سے فارغ کیا اور مَنْ کو لائے جو بمعنی اَلَّذِیْ ہے۔ اس قول پر جمہور مفسرین متفق ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اصحاب بھی۔

مفسر حضرت قتادہ نے کہا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا یعنی جس نے عمل خیر کیا اس نے اس کو اللہ عزوجل کی فرمانبرداری سے پاک کیا۔ نیز کہا: وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو عمل صالح سے پاک کیا۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا، اس کی اصلاح کی اور اس کو اللہ کی فرمانبرداری پر لگایا اور گھاٹے میں گیا وہ جس نے اس کو اللہ کی نافرمانی میں ہلاک کیا۔ حضرت ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پاک کیا یعنی اس کی نمو اور برتری فرمانبرداری، صدقہ، نیکی اور اچھائی سے کی۔ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا یعنی جس نے اس کو نقصان میں رکھا اور نیکی کا عمل چھوڑ کر اور گناہوں پر مصر ہو کر اس کو چھپا دیا۔

فاجر ہمیشہ گھٹیا مرتبے والا، عدم اخلاق والا، شخصیت کو چھپانے والا اور سر کو جھکانے والا ہے۔ بے حیائیوں کا مرتکب خود کو چھپانے اور دھنسانے والا ہے۔ نیکی کرنے والا اپنے نفس کو معروف اور بلند کرتا ہے۔ عرب کے بہادر بلند جگہوں اور ٹیلوں پر ٹھہرتے تھے۔ تاکہ مہمانوں اور کھانے کے طلب گاروں پر ان کی جگہیں معروف ہوں۔ وہ رات کو آنے والوں کے لیے آگ جلاتے تھے۔ کمینے لوگ غاروں، وادیوں اور گھاٹیوں میں اترتے تھے تاکہ طلب گاروں پر ان کی جگہیں مخفی ہوں۔ پہلوں نے خود کا تعارف کروایا اور نفسوں کو پاک کیا۔ دوسروں نے خود کو دبایا اور نفسوں کو مخفی رکھا۔ شعر ؎

اور تم نے اپنا گھر نمایاں جگہ پر بنایا ہے جہاں صبح جانے اور شام لوٹنے کی اچھی وسیع جگہ ہے۔

یہ دو قول اس آیت کے متعلق مشہور ہیں۔

یہاں پر تیسرا قول بھی ہے، کہ: مفہوم یہ ہے کہ گھاٹے میں گیا وہ شخص جس نے خود کو صالحین میں چھپایا، حالانکہ وہ ان میں سے نہیں ہے۔ اسے مفسر واحدی نے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے خود کو صالحین میں چھپایا ہے۔ وہ لوگوں کو دکھاتا ہے کہ وہ ان میں سے ہے۔ حالانکہ اس کے اندر وہ ہے جو صالحین کے اندر نہیں ہوتا۔

یہ قول گو کہ فی نفسہ حق ہے۔ لیکن اس کا اس آیت سے مراد ہونا محل نظر ہے۔ یہ آیت میں بطریق عموم ہی داخل ہو سکتا ہے۔ جو اپنے نفس کو گناہوں میں دباتا ہے جب اہل خیر سے میل جول رکھے گا تو وہ خود کو ان میں چھپائے گا واللہ اعلم۔

باب نمبر:9

دل کی گندگیوں اور نجاستوں سے طہارت

یہ باب گو کہ پچھلے باب میں شامل ہے۔ جیسے ہم نے بتایا کہ زکوٰۃ طہارت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ ہم نے اس کا الگ ذکر کیا ہے تاکہ معنی طہارت واضح ہو۔ اس کی شدید ضرورت ہے اور اس پر قرآن وسنت کی دلالت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ﴾ (المدثر:١-٤)

''اے کپڑا لپیٹنے والے اٹھو اور ہدایت کردو اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۚ وَّ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ (المائدة:٤١)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہیں چاہا۔ ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔''

سلف اور بعد کے جمہور مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں پر کپڑوں سے مراد دل ہے اور طہارت سے مراد اخلاق و اعمال کی اصلاح ہے۔ واحدی کہتے ہیں: مفسرین نے اس کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ عطاء رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے، انہوں نے فرمایا: مراد گناہ اور وہ سب کچھ ہے جس کو جاہلیت والے جائز کہتے تھے۔ یہ قتادہ اور مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ وہ دونوں کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ: اپنے نفس کو گناہ سے پاک رکھ۔ اسی طرح شعبی، ابراہیم، ضحاک اور زہری رحمہ اللہ کا قول ہے۔ اس قول کے مطابق ''ثیاب (کپڑے)'' نفس سے عبارت ہیں۔ عرب کے لوگ نفس سے کپڑے کنایہ کے طور پر مراد لیتے ہیں۔ اسی سے شماخ کا قول ہے:

''انہوں نے ان کو مارا ہلکے کپڑوں سے، پس تو نہ دیکھے گا، ان کے لیے کوئی تشبیہ مگر بھگائے گئے شتر مرغوں کی۔''

یعنی سواریوں کو اپنے جسموں سے مارا۔

عنترہ نے کہا

''میں نے لمبا نیزہ اس کے ثیاب کی ہڈیوں تک پہنچا دیا، عزت دار آدمی نیزے پر حرام نہیں ہے۔''

ثیاب سے مراد اس کا جسم ہے۔

کلبی کی روایت میں ہے، انہوں نے کہا: یعنی تو دھوکا نہ کر۔ ورنہ تو دھوکے والا اور گندے کپڑے والا ہو جائے گا۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب آدمی دھوکا باز ہوتا تو عرب لوگ کہتے: یہ گندے کپڑوں والا، خبیث لباس والا ہے۔

عکرمہ رحمۃ اللہ کہتے ہیں: تو اپنا کپڑا نافرمانی پر نہ پہن اور نہ گناہ پر۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ انہوں نے قول شاعر کو حجت بنایا ''بے شک میں نے اللہ کی تعریف سے نہ دھوکے والا کپڑا، پہنا ہے اور نہ میں کسی رسوائی کو اوڑھتا ہوں۔''

یہی معنی اس شخص نے مراد لیا ہے جس نے آیت کے متعلق کہا: تم اپنے عمل کی اصلاح کرو۔ یہ ابورزین کا قول ہے۔ منصور کی مجاہد اور ابوروق سے ایک روایت ہے۔ سدی کہتے ہیں: آدمی اگر نیک ہو تو کہا جاتا ہے یہ نیک کپڑے والا ہے اور اگر برا ہو تو کہا جاتا ہے: یہ خبیث کپڑے والا ہے۔

شاعر نے کہا: ''مجھے یہ بات بہت پریشان کرتی ہے کہ عامر بن جہم نے، حج کو لازم کرلیا ہے۔ گندے کپڑوں میں۔''

شاعر کا کہنا ہے: وہ گناہوں میں لتھڑا ہوا ہے۔ جس طرح وہ لوگ دھوکا باز اور فاجر کو کپڑوں کی گندگی سے بیان کرتے تھے، اسی طرح صالح کو کپڑوں کی طہارت سے بیان کرتے تھے۔

امراؤالقیس نے کہا۔

''ثِيَابُ بَنِيْ عَوْفٍ طَهَارٰى نَقِيَّةٌ''

''بنوعوف کے کپڑے پاک اور صاف ہیں۔''

مطلب یہ کہ وہ دھوکا نہیں کرتے بلکہ وفا کرتے ہیں۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ نے کہا: تم اپنے اخلاق کو اچھا کرو۔ یہ قرطبی رحمۃ اللہ کا قول ہے۔ اس بنیاد پر کپڑے اخلاق سے عبارت ہیں کیونکہ اخلاق انسان پر اس طرح حاوی ہے جس طرح کپڑا اس کے جسم کو لپیٹتا ہے۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے متعلق بیان کیا ہے، اُنہوں نے فرمایا: تم جو کپڑے پہنتے ہو وہ غیر طیب کمائی سے نہ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو پاک رکھو کہ وہ غصب کیے گئے نہ ہوں یا ایسی صورت سے نہ ہوں جس سے ان کا لینا حلال نہ ہو۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ سے مروی ہے: تم اپنے دل اور نیت کو پاک رکھو۔ ابوالعباس نے کہا: ثیاب لباس ہے۔ ایک قول دل کا بھی ہے۔ اس پر یہ جملہ پڑھتے ہیں:

فَسُلِّيْ ثِيَابِيْ مِنْ ثِيَابِكَ تَنْسَلِيْ ③

''تم میرے کپڑے اپنے کپڑوں سے نکالو تو تم صاف ہو جاؤ گی۔''

ان میں سے بعض اہل علم کا مذہب اس آیت کی تفسیر میں اس کے ظاہر کے مطابق ہے۔ وہ کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے کپڑوں کو ان نجاستوں سے پاک رکھیں جن کے ساتھ نماز جائز نہیں ہے۔ یہ قول ابن سیرین اور ابن زید رحمۃ اللہ کا ہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ نے ذکر کیا ہے: تم اپنے کپڑوں کو چھوٹا رکھو۔ کیونکہ کپڑوں کو چھوٹا رکھنا نجاست سے بہت بچانا ہے۔ اگر وہ زمین پر گھسیٹے گا تو اندیشہ ہے کہ اس کو کوئی نجاست لگ جائے۔ یہ طاؤس کا قول ہے۔ ابن عرفہ نے کہا: ''تم اپنی عورتوں کو پاک رکھو۔''

کبھی عورتوں کو لباس اور کپڑے سے کنایہ کے طور پر مراد لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

① تفسیر ابن جریر میں اس طرح ہے ''نہ میں گندگی سے کوئی بناوٹ کرتا ہوں'' انہوں نے شاعر کا نام غیلان بن سلمہ بتایا ہے۔ (الفقی)

② مطلب یہ ہے کہ اس نے خود پر حج کو لازم کرلیا اس حال میں کہ وہ گناہوں سے لبریز ہے۔ (الفقی)

③ سل کا مطلب کسی چیز کو کھینچنا اور آرام سے نکالنا ہے۔ یہ شعر امراؤالقیس کا ہے۔ (الفقی)

﴿أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ﴾ (البقرۃ:۱۸۷)

''روزوں کی راتوں میں تمہارے لیے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔''

ان سے ازار بھی ایک کنایہ ہے۔اس سے شاعر کا قول ہے ۔

''خبردار! تم پہنچاؤ ابوحفص کو پیغامبر، تمہارے لیے قربان ہے بھروسے والے سے میرا ازار۔''

یعنی میرے گھر والے۔

اسی سے ہے کہ حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے عقبہ کی رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

«لَنَمْنَعَنَّكَ مِمَّا نَمْنَعُ مِنْهُ أُزُرَنَا» ①

''ہم آپ کو ضرور بچائیں گے جس سے ہم اپنے اُزُر کو بچاتے ہیں۔''

یعنی اپنی عورتوں کو۔

میں کہتا ہوں: آیت ان سب کو شامل ہے۔بطریق تنبیہ اور لزوم ان سب پر دلالت کرتی ہے۔گو لفظاً ان کو شامل نہیں ہے۔ اگر مامور بہ دل کی طہارت ہو تو کپڑے کی طہارت اور پاک کمائی اس کی تکمیل ہے۔برا لباس دل کو بری ہیئت دیتا ہے جس طرح برا کھانا اس کو برائی دیتا ہے۔اسی لیے چیتوں اور درندوں کے چمڑوں کو حرام کیا گیا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحیح احادیث ② میں ان سے منع کیا ہے جن کا کوئی معارض نہیں ہے۔کیونکہ وہ دل کو ان جانوروں سے مشابہ ہیئت دیتے ہیں۔ظاہری لباس باطن تک سرایت کرتے ہیں۔اسی لیے مردوں پر ریشم اور سونا پہننا ③ حرام کیا گیا۔کیونکہ یہ دل کو وہ ہیئت دیتے ہیں جو ان کے پہننے والوں، عورتوں، گنہگاروں اور اہل فخر کی ہوتی ہے۔

مقصود یہ ہے کہ: کپڑے کی طہارت اور اس کا پاک کمائی سے ہونا، یہ دل کی طہارت اور اس کے کمال میں سے ہے۔گو کہ مامور بہ وہ ہے لیکن یہ دیگر کے لیے مقصود اور وسیلہ ہے۔مقصود خود زیادہ حق دار ہے کہ وہ مامور بہ ہو، گو کہ مامور بہ دل کی طہارت اور تزکیہ نفس ہے۔یہ اس کے بغیر پورا نہیں ہوتا تو قرآن کی دلالت دونوں پر واضح ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ نے ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ﴾ (المائدۃ:٤١)

اپنے اس فرمان کے بعد ذکر کیا ہے:

﴿سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّٰعُونَ لِقَوْمٍ ءَاخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهِۦ ۖ﴾ (المائدۃ: ٤١)

① دیکھیے سیرۃ ابن ہشام ج ۲ ص ٦۴۔یہ اہل عرب کا کنایہ ہے۔(عفیفی)

② جامع ترمذی، کتاب اللباس، باب ماجاء فی النهی عن جلوء السباع، حدیث: ١٧٧٠، ج: ٤، ص:٢٤١؛ مسند امام احمد، ج: ٤، ص: ١٠١۔

③ صحیح بخاری، ج:٤، ص: ٨٣؛ سنن النسائی، کتاب الزینة، باب التشدید فی لبس الحریر، ج: ٨، ص: ٢٠٠۔

''یہ غلط باتیں بنانے کے لیے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لیے جاسوس بنے ہیں جو ابھی تمہارے پاس نہیں آئے اور باتوں کو ان کے مقامات کے بعد بدل دیتے ہیں۔''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب بندہ باطل کے سننے اور قبول کرنے کا عادی ہو جائے تو اس کے نتیجہ میں اس کے اندر حق کے مقامات سے تحریف آ جاتی ہے۔ جب وہ باطل کو قبول کرتا ہے۔ اسے پسند کرتا ہے۔ اس پر خوش ہوتا ہے۔ اگر حق اس کے خلاف آئے تو اسے رد کرتا ہے۔ جھٹلاتا ہے اگر مقدور ہو، ورنہ اس میں تحریف کرتا ہے۔ جیسے جہمیہ صفات کی آیات اور احادیث کے متعلق کرتے ہیں۔ ان کا رد تاویل سے کرتے ہیں، جو ان کے حقائق کی تکذیب ہے۔ کبھی کہا کہ یہ اخبار احاد ہیں جن پر اللہ کی معرفت اور اس کے اسماء وصفات میں اعتماد جائز نہیں۔ یہ اور ان کے بھائی جن کے دلوں کو پاک کرنے کا اللہ نے ارادہ نہیں کیا۔ اگر یہ پاک ہوتے تو اللہ اور اس کے پیغمبر کے کلام کے عوض میں باطل نہ لیتے۔ جس طرح منحرفین اہل ارادہ کے دل جب پاک نہ ہوئے تو انہوں نے قرآنی اور ایمانی سماع کے عوض شیطانی سماع لے لیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر ان کے دل پاک ہوتے تو کلام اللہ سے سیر نہ ہوتے۔

تو پاک دل اپنی حیات کے کمال، نور، خباثتوں اور گندگیوں سے بچے ہونے کی وجہ سے قرآن سے سیر نہیں ہوتا۔ وہ صرف اس کے حقائق سے غذا پاتا ہے۔ وہ اس کی ادویہ سے شفا لیتا ہے۔ برخلاف اس دل کے جس کو اللہ نے پاک نہیں کیا وہ اپنی نجاست کے بقدر ایسی غذائیں لیتا ہے جو اس کو موافق نہیں ہیں۔ نجس دل بیمار و مریض جسم کی طرح ہے کہ اس کو وہ غذائیں موافق نہیں ہوتیں جو صحیح کو موافق ہوتی ہیں۔

آیت میں اس بات کی دلالت بھی ہے کہ دل کی طہارت اللہ کے ارادہ پر موقوف ہے اس ذات پاک نے جب باطل کے قائلین اور حق سے منحرف لوگوں کے دلوں کے لیے ارادہ نہیں کیا تو ان کو طہارت حاصل نہیں ہوئی۔

درست نہیں ہے کہ ارادہ کی تفسیر یہاں ارادۂ دینیہ سے کی جائے جو کہ امر ومحبت ہے۔ اس ذات پاک نے ان کے لیے امر و محبت کا ارادہ کیا۔ لیکن ان سے یہ ارادۂ کونیہ نہیں کیا۔ اس نے ان کے لیے طہارت کا ارادہ کیا اور ان کو اس کا حکم دیا ہے۔ ان سے اس کے وقوع کا ارادہ نہیں کیا۔ کیونکہ اس کے لیے اس میں ایسی حکمت ہے جس کا چھوٹ جانا ان کے لیے طہارت کے چھوٹ جانے سے بڑھ کر مکروہ ہے، ہم نے اس کے متعلق سیر حاصل گفتگو تقدیر کے متعلق اپنی بڑی کتاب میں کی ہے۔[1]

آیت میں اس بات کی دلالت بھی ہے کہ جس کے دل کو اللہ نے پاک نہ کیا اس کے لیے دنیا میں رسوائی اور اس کے دل کی نجاست اور خباثت کے اعتبار سے آخرت میں عذاب لازم پہنچنے والا ہے۔ اس لیے اللہ پاک نے جنت کو اس شخص پر حرام کر دیا ہے جس کے دل میں نجاست اور خباثت ہو۔ وہ جنت میں داخل ہی اس کے طیب اور طاہر ہونے کے بعد ہوگا۔ جنت طیب لوگوں کا گھر ہے۔ اس لیے ان سے کہا جائے گا:

﴿طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾ (الزمر: ۷۳)

---

① یہ ہے کتاب شفاء العلیل فی القضاء والقدر والتعلیل۔ (الفقی)

''تم پاک ہوئے پس اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو کر داخل ہو جاؤ۔''

یعنی اس میں اپنی پاکیزگی کے سبب سے داخل ہو جاؤ۔ یہ بشارت ان کے لیے موت کے وقت دیگر بشارتوں کے علاوہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٢﴾﴾ (النحل:۳۲)

''جب فرشتے ان کی جانیں نکالنے لگتے ہیں اور یہ پاک ہوتے ہیں تو سلام علیکم کہتے ہیں (حکم ہوگا) جو عمل تم کیا کرتے تھے ان کے بدلے میں بہشت میں داخل ہو جاؤ۔''

جنت میں کوئی خبیث داخل نہ ہوگا اور نہ وہ جس کے دل میں خباثت ہوگی۔ جو دنیا میں کوشش کر کے پاک ہوا۔ وہ اللہ کو اپنی نجاست سے پاک حالت میں ملا۔ وہ جنت میں بلا رکاوٹ داخل ہوگا اور جس نے دنیا میں پاک ہونے کی کوشش نہ کی۔ اگر اس کی نجاست عینی ہو جیسے کافر ہے تو وہ اس میں کسی حال میں داخل نہ ہوگا اور اگر اس کی نجاست کسبی اور عارضی ہوئی تو وہ اس سے پاک ہونے کے بعد جنت میں داخل ہو جائے گا۔ پھر اس سے نہیں نکلے گا حتیٰ کہ اہل ایمان جب صراط سے گزریں گے۔ ان کو جنت اور جہنم کے درمیان ایک پل پر ٹھہرایا جائے گا۔ وہ اس بقایا برائی سے پاک کیے جائیں گے جو ان پر رہ گئی تھی جس نے ان کو جنت سے روک رکھا ہے۔ ان کے لیے دخول جہنم بھی واجب نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ جب وہ پاک اور صاف کر دیے جائیں گے تو ان کو دخول جنت کی اجازت دی جائے گی۔ اللہ پاک نے اپنی حکمت سے جنت میں داخلہ طہارت پر موقوف کر دیا ہے۔ اس میں کوئی نمازی نہ جائے گا حتیٰ کہ پاک ہو جائے۔ اسی طرح جنت میں داخلہ پاکیزگی و طہارت پر موقوف کر دیا۔ اس میں صرف طیب و طاہر شخص داخل ہوگا۔ تو یہ دو طہارتیں ہیں: جسم کی طہارت اور دل کی طہارت۔ اس لیے وضو کرنے والے کے لیے مشروع کیا گیا ہے کہ وہ اپنے وضو کے بعد کہے

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ»[1]

''میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک حضرت محمدؐ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اے اللہ مجھے بہت توبہ کرنے والوں میں سے کر دے اور اے اللہ مجھے پاک رہنے والوں میں سے کر دے۔''

دل کی طہارت توبہ سے ہے۔ جسم کی طہارت پانی سے ہے۔ جب اس کے لیے دونوں طہارتیں جمع ہو گئیں تو اس کے لیے اللہ کے پاس حاضری، اس کے سامنے کھڑا ہونا اور اس سے سرگوشی درست ہو گئی۔

[1] صحیح مسلم، کتاب الطھارت، باب الذکر المستحب عقب الوضوء، حدیث: ۱۷/ ۲۳۴، ج: ۱، ص: ۲۰۹؛ مسند امام احمد، ج: ٤، ص: ١٥٤۔

میں نے شیخ الاسلام (ابن تیمیہ رحمہ اللہ) سے نبی ﷺ کی اس دعا کا مفہوم پوچھا:

«اَللّٰهُمَّ طَهِّرْنِيْ مِنْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ»[1]

''اے اللہ مجھے میرے گناہوں سے پانی، برف اور اولوں کے ساتھ پاک کر دے۔''

ان سے گناہ کس طرح پاک کیے جاتے ہیں؟ اس کے ساتھ طہارت کو خاص کرنے کا فائدہ کیا ہے؟ دیگر لفظ ''ٹھنڈے پانی'' کے ہیں۔ جبکہ گرم پانی صفائی کے لیے بہتر ہوتا ہے؟ فرمایا: گناہ دل کے لیے حرارت، نجاست اور ضعف کا موجب ہیں۔ وہ دل کو ڈھیلا کرتے ہیں۔ ان میں شہوت کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ اس کو نجس کرتے ہیں۔ گناہ اور خطائیں اس کے لیے بمنزلہ ایندھن کے ہیں جو آگ کو جلاتے اور زیادہ کرتے ہیں۔ لہٰذا جب جب گناہ بڑھیں گے دل کی آگ اور ضعف شدید ہوگا۔ پانی خباثت کو دھوتا اور آگ کو بجھاتا ہے۔ اگر ٹھنڈا ہو تو جسم کو مضبوطی اور قوت دے گا۔ اگر اس کے ساتھ برف اور اولے ہوں تو ٹھنڈا کرے گا، جسم کی قوت اور مضبوطی کو بڑھائے گا اور وہ گناہوں کے اثر کو بہت دور لے جانے والا ہوگا۔ یہ ان کے کلام کا مفہوم ہے۔ یہ مزید بیان و شرح کا محتاج ہے۔

تو یہاں چار امور کو جان لینا چاہیے: دو حسی امر اور دو معنوی امر۔

جو نجاست پانی سے اترتی ہے اور اس کو اتارنے والا دونوں چیزیں حسی ہیں۔ گناہوں کا اثر جو توبہ و استغفار سے اترتا ہے۔ وہ اور اس کو اتارنے والا دونوں چیزیں معنوی ہیں۔ دل کی صلاحیت، حیات اور نعمت دونوں کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی، تو نبی ﷺ نے ہر حصہ کے لیے ایک قسم ذکر کردی ہے جس کے ساتھ دوسری قسم پر تنبیہ کردی ہے۔ آپ ﷺ کا کلام نہایت اختصار اور حسن بیان کے ساتھ اپنے اندر چاروں قسمیں رکھتا ہے۔ جیسا کہ دعا بعد الوضو میں ہے:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ»

''اے اللہ مجھے بہت توبہ کرنے والوں میں سے کردے اور مجھے پاک رہنے والوں میں سے کر دے۔''

یہ آپ ﷺ کے بیان کا کمال ہے کہ وہ اپنے اندر وہ چاروں باتیں رکھتا ہے، جس کی آپ خبر دیتے ہیں اور جس کا حکم دیتے ہیں۔ اس کی مثال محسوس امر سے دیتے ہیں تاکہ معنوی امر سمجھ آ جائے۔ یہ آپ کے کلام میں بکثرت ہے۔

مثلاً حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«سَلِ اللّٰهَ الْهُدٰى وَالسَّدَادَ»[2]

''تم اللہ سے ہدایت اور سیدھا ہونا مانگو۔''

تم اپنی ہدایت سے اپنے راستے کی ہدایت یاد کرو جبکہ سیدھا ہونے سے تیر کا سیدھا ہونا۔ یہ بہت بلیغ تعلیم اور نصیحت ہے۔ بندے کو حکم دیا کہ جب وہ اس کی رضا اور جنت کے راستے کی ہدایت طلب کرے تو وہ اپنا مسافر ہونا یاد کرے جو راستہ

---

① صحیح بخاری، کتاب الآذان، باب ما یقول بعد التبکیر، ج: ۱، ص: ۱۸۱؛ صحیح مسلم، کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ، باب ما یقال بعد تبکیرۃ الإحرام، حدیث: ۱۴۷/ ۵۹۸، ج: ۱، ص: ۴۱۹۔

② سنن نسائی، کتاب الزینۃ، باب النھی عن الخاتم فی السبابۃ، ج:۸، ص: ۱۷۷؛ مسند امام احمد، ج: ۱، ص: ۸۸۔

سے گم ہوگیا ہے۔ اس کو معلوم نہیں ہے کہ کس طرف جانا ہے۔ بندے کے سامنے راستے کی خبر اور اس کا علم رکھنے والا ایک آدمی آیا۔ اس نے اس سے سوال کیا کہ وہ اسے راستہ کی ہدایت دے۔ آخرت کے راستے کا بھی ایسا ہی معاملہ ہے۔ اس کی مثال مسافر کے لیے محسوس راستے کے ساتھ دی گئی ہے۔ مسافر کو کسی شہر تک جانے کی حاجت اور اس کے لیے راہ بتانے والے کی جو حاجت ہے، اس سے بڑھ کر مسافر کو اس ذات پاک کی طرف پہنچنے کی حاجت ہے کہ وہ اس شخص کو اللہ کی راہ بتائے۔

اسی طرح سیدھا ہونا یعنی قول وعمل میں برابر ہونا ہے۔ اس کی مثال تیر پھینکنے والے کی طرح ہے۔ اگر اس کا تیر اسی چیز میں جا لگے جس کو اس نے مارا تھا تو اس نے اپنے تیر کو سیدھا کیا اور اس کو درست کیا ہے۔ وہ باطل واقع نہیں ہوا ہے۔ اسی طرح قول وعمل میں حق کے لیے درست ہونے والا شخص بمنزلہ درست نیزہ پھینکنے والے کے ہے۔

قرآن میں اکثر یہ بھی آیا ہے اور وہ بھی۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ (البقرۃ:۱۹۷)

''اور تم زادِ سفر لے لو بے شک بہتر زادِ سفر تقویٰ ہے۔''

حاجیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے سفر کے لیے زادِ سفر لے لیں۔ وہ بغیر زاد کے سفر نہ کریں۔ پھر ان کو سفر آخرت کے زاد پر تنبیہ کی جو کہ تقویٰ ہے۔ جس طرح مسافر منزل مقصود تک پہنچانے والے زاد کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح اللہ اور اخروی گھر کی طرف سفر کرنے والا تقویٰ کے زاد کے بغیر منزل تک نہیں پہنچ سکتا تو دونوں زادِ راہ جمع کر دیے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ﴾ (الاعراف:۲۶)

''اے بنی آدم! ہم نے تم پر پوشاک اتاری کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور زینت اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے اچھا ہے۔''

اس میں دو زینتوں کو جمع کیا۔ لباس کے ساتھ جسم کی زینت اور تقویٰ کے ساتھ دل کی زینت۔ ظاہر و باطن کی زینت اور ظاہر و باطن کا جمال۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝﴾ (طٰہٰ:۱۲۳)

''تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ شقاوت میں پڑے گا۔''

اس سے گمراہی کی نفی کی جو دل اور روح کا عذاب ہے۔ اور شقاوت کی نفی کی جو جسم اور روح کا بھی عذاب ہے۔ ہدایت اور فلاح سے اس کے دل کو خوشی ملے گی۔

مصر کے بادشاہ کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہا، جب اس نے ان عورتوں کو دکھایا جو اس کو ان کی محبت میں ملامت کرنے والی تھیں:

﴿فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ﴾ (یوسف:۳۲)

''یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دیتی تھیں۔''

اس نے ان کو ظاہر جمال دکھایا پھر کہا:

﴿وَ لَقَدۡ رَاوَدۡتُّهٗ عَنۡ نَّفۡسِهٖ فَاسۡتَعۡصَمَ ؕ﴾ (یوسف:۳۲)

''اور بے شک میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا مگر یہ بچا رہا۔''

اس نے ان کے جمال کی خبر پاک دامنی کے ساتھ دی۔ اس نے ان کو ان کا جمال باطن بتایا اور ان کو ان کا جمال ظاہر دکھایا۔

نبی ﷺ نے اپنے فرمان:

«اَللّٰهُمَّ طَهِّرۡنِيۡ مِنۡ خَطَايَايَ بِالۡمَاءِ وَالثَّلۡجِ وَالۡبَرَدِ»[1]

''اے اللہ مجھ کو پاک کر میرے گناہوں سے پانی، برف اور اولوں کے ساتھ''

میں جسم اور دل کی شدید حاجت بتائی ہے یعنی جو چیز ان کو پاک کرے، ٹھنڈا کرے مضبوط کرے۔ آپ ﷺ کی دعا میں اس کی درخواست بھی ہے اور اُس کی بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس سے ملتی جلتی ایک بات یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ جب بیت الخلاء سے نکلتے تو (غُفۡرَانَكَ)[2] ''تیری بخشش'' پڑھتے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس میں راز یہ ہے کہ پائخانہ جسم کو بوجھل کرتا ہے۔ اس کے رکنے سے اس کو ایذاء دیتا ہے اور گناہ دل کو بوجھل کرتے ہیں۔ ان کے رکنے سے اس کو ایذاء دیتے ہیں۔ یہ دونوں دل اور جسم کو ضرر اور ایذاء دینے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے اللہ کی حمد کی اس موذی کے اس کے جسم سے نکلنے اور چھٹکارا پانے پر کہ جسم کو خفت اور راحت ملی۔ سوال کیا کہ وہ اسے دوسرے موذی سے چھٹکارا دے اور اس کے دل کو اس سے راحت اور خفت دے۔

آپ ﷺ کی دعاؤں اور کلمات کے راز انسانی سوچ سے کہیں بڑھ کر ہیں۔[3]

فصل: شرک، زنا اور ہم جنس پرستی نجاستیں ہیں

دیگر گناہوں کے بجائے اللہ پاک نے اپنی کتاب میں شرک، زنا اور ہم جنس پرستی کو نجاست اور خباثت کا نام دیا ہے۔ گو کہ دیگر گناہ بھی ان پر مشتمل ہیں۔ لیکن قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان آیا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ﴾ (التوبة:۲۸)

''اے مومنو! مشرک تو صرف نجس ہیں۔''

---

[1] صحیح بخاری، کتاب صفة الصلاة، باب الدعاء بعد التکبیر، ج: ۲، ص: ۱۹۰؛ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب ما یقال بین تکبیرة الإحرام والقرأة، ج: ۱، ص: ۵۹۸۔

[2] سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب ما یقول الرجل إذا اخرج من اطلاء، ج: ۱، ص: ۳۰؛ مسند امام احمد، ج: ٦، ص: ۱۵۵۔

[3] ایک حکمت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ آدمی اس دوران ذکر الٰہی کے لیے ممنوع مقام پر ہونے کی وجہ سے اللہ کا ذکر نہ کرنے پر اس کی بخشش طلب کرتا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ (مترجم)

قوم لوط کے متعلق فرمایا:

﴿وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴾ (الانبیآء:۷٤)

''اور لوط کو ہم نے حکم اور علم بخشا اور اس بستی سے جہاں کے لوگ گندے کام کیا کرتے تھے بچا نکالا۔ بے شک وہ برے اور بدکردار لوگ تھے۔''

لوطیوں نے کہا:

﴿اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴾ (النمل:٥٦)

''لوط کے گھر والوں کو اپنے شہر سے نکال دو۔ یہ لوگ پاک بننا چاہتے ہیں۔''

وہ اپنے شرک اور کفر کے ساتھ بڑی خباثتوں اور نجاستوں میں رہے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی آل نجاست سے پاک ہیں کیونکہ وہ اس سے اجتناب کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زانیوں کے متعلق فرمایا:

﴿اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ﴾ (النور:٢٦)

''خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے جبکہ خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے ہیں۔''

رہی شرک کی نجاست تو یہ دو اقسام پر مشتمل ہے: نجاست مغلظہ اور نجاست مخففہ۔

نجاست مغلظہ شرک اکبر ہے جس کو اللہ نہیں بخشے گا۔ اللہ اپنے ساتھ شرک کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔

جبکہ نجاست مخففہ شرک اصغر ہے۔ مثلاً ریا، مخلوق کے لیے کام کرنا، اس کی قسم، خوف اور امید ہے۔

شرک کی نجاست عینی ہے، اسی لیے اللہ پاک نے شرک کو نجس (بفتح جیم) کہا۔ یہ نہیں کہا کہ مشرک نجس ہیں (یعنی زیر کے ساتھ) کیونکہ نَجَس عین نجاست ہے۔ جبکہ نَجِس (زیر کے ساتھ) نجاست والا بندہ ہے۔ کپڑے کو اگر پیشاب یا شراب لگے تو وہ نَجِس ہے۔ جبکہ پیشاب اور شراب نَجَس ہے۔

سب سے بڑی نجاست شرک ہے۔ جس طرح شرک یہ سب سے بڑا ظلم بھی ہے۔ لغت اور شرع میں نجس وہ گندی سمجھی گئی چیز ہے جس سے دوری پسند کی جاتی ہے کہ اسے نہ چھوا جائے نہ سونگھا جائے اور نہ دیکھا جائے۔ چہ جائیکہ اس سے مخالفت یا ملابست کی جائے۔ کیونکہ وہ گند ہے اس سے طبع سلیم متنفر ہے۔ جب زندہ شخص میں اکمل حیات ہو اور صحیح ترین حیا ہو تو نجاست سے اس کی دوری عظیم تر ہوتی ہے اور اس سے نفرت قوی تر ہوتی ہے۔

نجس چیزیں جسم کو یا دل کو تکلیف دیتی ہیں یا دونوں کو اکٹھے تکلیف پہنچاتی ہیں۔ جبکہ نجس کبھی اپنی بو سے موذی ہے، کبھی میل جول سے، گو کہ اس کی بو مکروہ نہ ہو۔

مقصود یہ ہے کہ: نجاست کبھی ظاہری طور پر محسوس ہوتی ہے، کبھی معنوی اور باطنی طور پر۔ پس روح وقلب پر کبھی خباثت اور

نجاست غالب آتی ہے۔حتیٰ کہ زندہ دل والا شخص اس روح وقلب سے بری بو پانے لگتا ہے جس سے وہ ایذا پکڑتا ہے۔جس طرح وہ گندگی بو سے تکلیف پاتا ہے۔ یہ اکثر اس کے پسینے سے ظاہر ہوتا ہے۔حتیٰ کہ تم کسی شخص کے پسینے سے گندی بو پاؤ گے۔روح و قلب کی گندی بو جسم کے باطن کو اس کے ظاہر کی نسبت زیادہ پہنچتی ہے۔پسینہ باطن سے بہتا ہے۔اسی لیے نیک آدمی کا پسینہ اچھا ہوتا ہے۔رسول اللہ ﷺ بلحاظ پسینہ سب سے اچھے تھے۔حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے آپ کا پسینہ مانگا۔وہ اس کو جمع کررہی تھیں اور کہہ رہی تھیں: یہ سب سے اچھی خوشبو ہے۔[1]

نجس اور خبیث جسم کی خباثت اور نجاست قوی ہوجاتی ہے حتیٰ کہ وہ جسم پر ظاہر ہونے لگتی ہے۔جبکہ پاک نفس اس کے الٹ ہے، جب اُس سے وہ نکلے اور جسم سے خارج ہو۔وہ اس کے لیے روئے زمین پر پھیلائی گئی سب سے عمدہ، کستوری کی خوشبو سے بہتر ہوتی ہے،دوسری طبیعت والے کے لیے سب سے گندی بو جو کسی لاش والی زمین پر پائی گئی ہے۔[2]

حاصل یہ ہے کہ: شرک جب سب سے بڑا ظلم ہے،سب سے قبیح قباحت،سب سے بڑی برائی ہے۔یہ اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند،سب سے زیادہ مکروہ اور اس کے ہاں سب سے بڑی ناراضگی والا ہے۔اس پر دنیا وآخرت میں وہ سزائیں ہیں جو کسی اور گناہ پر لاگو نہیں ہوتیں۔اللہ نے بتایا ہے کہ وہ شرک کو معاف نہ کرے گا۔مشرک لوگ نجس ہیں۔ان کی قربانی کو منع اور حرام کیا گیا ہے۔ان کے ذبیحہ اور ان کے ساتھ نکاح کو حرام کیا گیا۔اللہ نے ان کو اپنا،فرشتوں،پیغمبروں اور مؤمنوں کا دشمن قرار دیا۔اہل توحید کے لیے ان کے اموال، بیٹوں اور عورتوں کو مباح کردیا کہ وہ ان کو غلام بنالیں۔یہ اس لیے ہے کہ شرک حق ربوبیت کو ختم کرنے والا، عظمت الوہیت میں نقص لانے والا اور جہانوں کے پروردگار کے ساتھ ایک بدگمانی ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَّ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا۝﴾ (الفتح:٦)

’’اور منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کے بارے میں برے برے خیالات رکھتے ہیں عذاب دے،انہی پر برے حادثے واقع ہوں اور اللہ ان پر غصے ہوا اور ان پر لعنت کی اور ان کے لیے دوزخ تیار ہے اور وہ بری جگہ ہے۔‘‘

اللہ نے وعید اور سزا کسی پر اس طرح جمع نہیں کی جس طرح اہل شرک پر جمع کی ہے،انہوں نے اللہ کے بارے میں برا خیال کیا حتیٰ کہ اس کے ساتھ شرک کیا۔اگر وہ اللہ پر اچھا گمان رکھتے تو اس کی توحید کا حق ادا کرتے۔اسی لیے اللہ پاک نے مشرکین کے متعلق اپنی کتاب کے تین مقامات پر خبر دی ہے کہ انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جس طرح اس کی قدر کا حق ہے۔[3] وہ شخص اللہ کی قدر کا حق کیسے ادا کرسکتا ہے جس نے اس کے لیے برابر اور شریک بنائے؟ جن سے وہ خوف اور امید رکھتا ہے۔ان کے لیے ذلت

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب طيب عرق النبى ﷺ والتبرك به، حديث: ٨٣، ج: ١، ص: ٨١٥؛ مسند امام احمد، ج: ٣، ص: ١٣٦۔ [2] مسند امام احمد، ج: ٤، ص: ٢٨٧ اور دیگر مقامات پر احادیث ہیں۔جن میں مومن کی روح کو جان نکلنے کے بعد خوشبو والی،جبکہ کافر کی روح بدبو والی بتائی گئی ہے۔(الفقی)

[3] پہلا مقام سورۃ الانعام کی آیت ۹۱ ہے۔دوسرا مقام سورۃ الحج کی آیت: ۷۴ ہے اور تیسرا مقام سورۃ الزمر کی آیت ۶۷ ہے۔(الفقی)

اورخشوع کرتا ہے۔ان کی ناراضگی سے بھاگتا ہے۔ان کی خوشنودی کو ترجیح دیتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ﴾ (البقرة:١٦٥)

''اورلوگوں میں سے بعض وہ ہے جواللہ کے سوا معبود پکڑتا ہے۔وہ ان سے اللہ کی محبت کی طرح محبت کرتا ہے۔''

ساوراللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ①﴾ (الانعام:١)

''ہر تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرا اور روشنی بنائی۔پھر بھی کافر اللہ کے برابر (شریک) ٹھہراتے ہیں۔''

یعنی عبادت،محبت اور تعظیم میں کسی کو اس کے برابر کرتے ہیں۔یہی وہ برابری ہے جسے مشرکوں نے اللہ اور اپنے معبودوں کے مابین بنایا ہے۔جب وہ جہنم میں جائیں گے تو پہچان لیں گے کہ یہ گمراہی والا اور باطل عمل ہے۔وہ اپنے معبودوں کو کہیں گے جب وہ ان کے ساتھ جہنم میں ہوں گے:﴿تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (الشعراء:٩٧، ٩٨) ''اللہ کی قسم!ہم واضح گمراہی میں تھے جب ہم تم کو پروردگار عالم کے برابر بناتے تھے۔''

خوب معلوم ہے کہ انہوں نے ان کو اس کی ذات،صفات اور افعال میں برابر نہ بنایا تھا،نہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ان کے معبودوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے یا وہ زندہ کرتے اور مارتے ہیں۔انہوں نے ان کو اپنی محبت میں برابر کیا تھا۔ان کی تعظیم اور عبادت میں بھی برابر کیا۔جیسے تم ان شرک والوں کو دیکھو گے جو اسلام کی طرف نسبت رکھتے ہیں۔تعجب ہے کہ وہ اہل توحید کو انبیاء،صالحین اور بزرگوں کی گستاخی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔حالانکہ ان کا گناہ صرف یہ ہے کہ انہوں نے کہا:یہ بندے ہیں۔یہ اپنے لیے اور کسی کے لیے نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں۔نہ موت وحیات کے اور نہ دوبارہ اٹھانے کے۔وہ اپنے عبادت گزار کی سفارش بھی نہ کریں گے۔بلکہ اللہ نے ان کے لیے ان کی شفاعت کو حرام کر دیا ہے۔ان کو اس معاملہ کا کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔بلکہ سب اختیار اللہ کے لیے ہے۔سب شفاعت اس ذات پاک کے حکم سے ہے۔[1] سب ولایت اس کے لیے ہے۔اس کی مخلوق کے لیے اس کے سوا کوئی ولی نہیں ہے اور نہ کوئی شفیع ہے۔

شرک اور اللہ کی صفات کو معطل کرنا اللہ پر برے گمان کی بنیاد ہے۔اسی لیے امام الحنفاء[2] نے اپنے مخالف مشرکوں سے کہا:

﴿اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ؕ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (الصافات:٨٦، ٨٧)

''کیا جھوٹ (بناکر) اللہ کے سوا اور معبودوں کے طالب ہو؟ بھلا پروردگار عالم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''

اور اگر مفہوم یہ ہو کہ:تمہارا اس کے متعلق کیا گمان ہے کہ وہ تم سے کیا معاملہ کرے گا اور تم کو بدلہ دے گا جبکہ تم نے اس کے

---

① اہل توحید اور اسلام کی نسبت رکھنے والے اہل شرک کے مابین آج بھی یہی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔اللہ ہدایت دے۔(مترجم)

② اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔(مترجم)

ساتھ دیگر معبودوں کی بھی عبادت کی اور تم نے ان کو اس کا شریک بنایا؟ تم اس وعید کے تحت سنو گے: تم نے اپنے رب کے ساتھ کیا برا گمان کیا، حتیٰ کہ تم نے اس کے ساتھ غیر کی عبادت کی۔

مشرک یا تو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ پاک امر عالم میں کسی وزیر، معین اور مددگار کا محتاج ہے جو اس کے ساتھ ہوگا۔ یہ اس پاک ذات کی بڑی گستاخی ہے، جو اپنی ذات کے علاوہ ہر ایک سے غنی ہے۔ اس کے سوا ہر ایک ذاتی طور پر اس کا محتاج ہے، یا مشرک یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ پاک کی قدرت شریک کی قدرت سے مل کر پوری ہوتی ہے، یا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اس کا علم نہیں رکھتا جب تک اسے واسطہ نہ بتائے، یا وہ گمان کرتا ہے کہ وہ رحم نہیں کرتا کہ واسطہ اسے رحم بتاتا ہے، یا وہ اکیلا بندے کو کافی نہیں ہے کہ جو بندہ چاہتا ہے وہ کرتا نہیں حتیٰ کہ واسطہ اس کے ہاں شفاعت کرے، جس طرح مخلوق مخلوق کے ہاں سفارش کرتی ہے۔ دنیا والا قبول شفاعت کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ اس کو شفاعت کنندہ کی حاجت ہوتی ہے اور اس سے نفع لینا ہوتا ہے۔ قلت کی وجہ سے اس سے کثرت، اور ذلت کی وجہ سے اس سے عزت لیتا ہے۔

یا وہ بندوں کی دعا قبول نہیں کرتا حتیٰ کہ وہ واسطہ سے درخواست کرتا ہے کہ وہ ان حاجات کو مجھ تک پہنچائے جس طرح دنیا کے بادشاہوں کا حال ہے۔ یہ بات مخلوق کے شرک کی بنیاد ہے۔

یا مشرک گمان کرتا ہے کہ اللہ ان کی دعا ان سے دوری کی وجہ سے نہیں سنتا حتیٰ کہ واسطہ اس کی طرف اس دُعا کو اٹھاتا ہے۔

یا وہ گمان کرتا ہے کہ مخلوق کا اس پر کوئی حق ہے۔ وہ اس کو مخلوق کے اس پر جو حق ہے اُس کی قسم دیتا ہے۔ وہ اس مخلوق کے ذریعے اس کو وسیلہ دیتا ہے۔ جس طرح لوگ بڑوں اور بادشاہوں کو ان کا وسیلہ دیتے ہیں جو ان پر زور رکھتے ہوں۔ جن کی مخالفت بادشاہ کے لیے ممکن نہ ہو۔

یہ سب گمان ربوبیت کی توہین ہے۔ اللہ کا حق ختم کرنا ہے۔ ایسا نہ بھی ہو تو اس طرح اللہ کی محبت، خوف، رجا، توکل اور عاجزی میں بندے کی طرف سے توہین ہے۔ اس کے دل میں شرک آتا ہے جس وجہ سے وہ ان چیزوں کو اللہ پاک کے اور شریک کے مابین تقسیم کرتا ہے جس کو اس نے اللہ کا شریک بنایا۔ اس کی تعظیم، محبت، خوف اور رجا میں کمزوری، نقص اور اضمحلال آجاتا ہے کیونکہ وہ ان باتوں کا اکثر حصہ یا کچھ حصہ اللہ کے سوا جس کی وہ عبادت کرتا ہے اسے دے دیتا ہے۔

شرک اللہ پاک کی توہین کو لازم کرتا ہے۔ یہ ضرور لازم ہے، مشرک مانے یا انکار کرے۔ اس لیے اس ذات پاک کی حمد اور کمال ربوبیت نے تقاضا کیا کہ وہ مشرک کو نہ بخشے گا۔ وہ اس آدمی کو دردناک عذاب میں ہمیشہ ڈالے گا۔ اس کو مخلوق میں سب سے بدنصیب بنائے گا۔ تم جس مشرک کو بھی دیکھو گے، وہ اللہ پاک کی توہین ضرور کرنے والا ہوگا۔ گو کہ وہ گمان کرے کہ وہ اس طرح اللہ کی تعظیم کرتا ہے۔

جس طرح تم بدعتی کو دیکھو گے کہ وہ ضرور پیغمبر ﷺ کا گستاخ ہوگا۔ گو کہ وہ گمان کرے کہ وہ اس بدعت کے ذریعے آپ ﷺ کی تعظیم کرنے والا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ سنت سے بہتر چیز ہے اور درستی کی ضرورت ہے، یا وہ سمجھتا ہے کہ یہ سنت ہے، اگر وہ جاہل مقلد ہو، اور اگر اپنی بدعت پر بصیرت رکھنے والا ہو تو وہ اللہ اور اس کے پیغمبر ﷺ کا مخالف ہے۔

یہ توہین کرنے والے لوگ اللہ، پیغمبر ﷺ اور اولیاء کے نزدیک ناقص ہیں۔ یہ اہل شرک و بدعت ہیں۔ بالخصوص وہ شخص

جس نے اپنے دین کی بنیاد اس بات پر رکھی کہ اللہ اور اس کے پیغمبر کا کلام ادلہ لفظیہ ہیں جو یقین کو قبول نہیں کرتے نہ یہ یقین اور علم میں کافی فائدہ دیتے ہیں۔ اللہ مسلمانوں کو ہدایت دے!

اس توہین میں اب کیا کمی رہ گئی ہے؟

اس طرح جس شخص نے رب تعالیٰ کی صفات کمال کی نفی اس خدشہ سے کی کہ اس کے وہم میں اس سے تشبیہ اور تجسیم لازم آتی ہے۔ جبکہ توہین اس چیز کی مخالفت میں ہے جو اللہ پاک نے اپنے نفس کا کمال بیان کیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ: یہ دونوں گروہ درحقیقت گستاخی والے ہیں۔ بلکہ سب لوگوں سے بڑھ کر گستاخ ہیں۔ ان پر شیطان نے دین کو خلط ملط کیا ہے حتیٰ کہ انہوں نے گمان کرلیا ہے کہ ان کی یہ گستاخی ہی کمال ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بدعت شرک کا قرینہ بتائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الاعراف:۳۳)

''کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں ہے۔''

تو گناہ اور زیادتی جس طرح دونوں ساتھی ہیں شرک و بدعت بھی دونوں اسی طرح ساتھی ہیں۔

فصل: شرک اور زنا کی نجاست

رہی گناہوں اور نافرمانیوں کی نجاست تو یہ ایک دیگر صورت ہے۔ یہ توہین ربوبیت کو مستلزم نہیں نہ اللہ عزوجل پر گمان کو۔ اسی لیے اللہ پاک نے اس پر وہ سزائیں اور احکام لاگو نہیں کیے جو شرک پر کیے ہیں۔ شریعت میں یہ قرار پایا ہے کہ معمولی نجاست پر معافی ہے۔ جیسے ڈھیلے استعمال کرنے کی جگہ پر نجاست،[1] موزے اور جوتے کے نیچے،[2] دودھ پیتے بچے کا پیشاب[3] وغیرہ۔ لیکن شرک جیسی سخت نجاست پر اس طرح کی معافی نہیں ہے۔ اسی طرح چھوٹے گناہ والوں کو وہ معافی ملتی ہے جو بڑے والوں کو نہیں ملتی۔

خالص توحید والے جنہوں نے توحید کے ساتھ شرک کو نہیں ملایا ان کو وہ معافی ملتی ہے جو دیگر کو نہیں ملتی۔ اگر وہ موحد مرنے

---

[1] اس کا مفہوم سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب الاستنجاء بالحجارة، حدیث: ۴۰، ج: ۱، ص: ۳۷؛ مسند امام احمد، ج: ۳، ص: ۴۰۰ کی حدیث میں ہے۔(عفیفی) [2] یہ مفہوم سنن ابوداود، کتاب الطهارة، باب فی الأذی یصیب النعل، حدیث: ۳۸۵، ج: ۱، ص: ۲۶۷ میں ہے۔(عفیفی)

[3] یہ مفہوم صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب بول الصبیان، ج: ۱، ص: ۶۲؛ صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب حکم بول الطفل الرضیع و کیفیة غسله، ج: ۱، ص: ۲۳۷ میں ہے۔ (عفیفی)

کے بعد اللہ کو ملا جس نے اس کے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا اور وہ رب کے پاس زمین بھر کر گناہ لے گیا تو اللہ اس کی اسی کے بقدر مغفرت فرمائے گا۔[1] یہ فائدہ اس شخص کو حاصل نہیں جس کی توحید میں نقص ہو اور اس نے اس میں شرک ملایا ہو۔ خالص توحید جس میں شرک نہ ملا ہو۔ اس کی موجودگی میں کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔ اس کے اندر اللہ کی محبت، اس کا اجلال، تعظیم، خوف اور اس اکیلے سے امید جو ہے یہ گناہوں کے دھونے کے موجب نظریات ہیں۔ گو وہ زمین بھر کر ہوں۔ نجاست عارضی ہے۔ اس کو دور کرنے والا قوی ہے۔ اس کی موجودگی میں یہ نجاست ٹھہر نہیں سکتی۔ لیکن زنا اور اغلام بازی کی نجاست دیگر نجاستوں سے قوی تر ہے کہ وہ دل کو خراب کرتی ہے اور اللہ کی توحید کو بہت کمزور کرتی ہے۔ اس لیے جو آدمی زیادہ شرک والا ہے اس کا اس نجاست میں حصہ بھی زیادہ ہے۔ جب آدمی میں شرک زیادہ ہوگا تو اس میں یہ نجاست اور خبائث غالب ہوں گی۔ جتنا آدمی میں اخلاص[2] زیادہ ہوگا وہ اس سے اتنا زیادہ دور ہوگا۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف الصدیق علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ (یوسف:۲۴)

''یہ اس لیے کہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں بے شک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔''

حرام صورتوں سے عشق ان کی ایک گونہ عبادت ہے۔ بلکہ یہ عبادت کی ایک نمایاں قسم ہے۔ بالخصوص جب وہ عشق دل پر غلبہ پالے، اس میں جگہ پکڑ لے تو وہ تتیمّ بن جاتا ہے۔ تتیمّ عبادت کرنا کہلاتا ہے۔ عاشق اپنے معشوق کا عبادت گزار بن جاتا ہے۔ اکثر اس کی محبت، ذکر، اس کی طرف شوق، اس کی خوشنودیوں کی کوشش، اس کی محبتوں کو اللہ کی محبت پر ترجیح اور اس کی رضا کی کوشش اس پر غالب ہو جاتی ہے۔ بلکہ اکثر عاشق کے دل سے یہ چیزیں بالکل ختم ہو جاتی ہیں۔ وہ معشوق کے تصور سے چمٹا رہتا ہے۔ جیسے وہ اس کو دیکھ رہا ہو۔ اللہ کے بجائے معشوق ہی اس کا الٰہ ہو جاتا ہے۔ وہ اس کی رضا و محبت کو اللہ کی رضا و محبت پر مقدم کرتا ہے۔ وہ اس کا ایسے قرب چاہتا ہے جس طرح وہ اللہ کا قرب بھی نہیں چاہتا۔ وہ اس کی خوشنودیوں میں اس طرح خرچ کرتا ہے جیسے وہ اللہ کی خوشنودیوں میں خرچ نہیں کرتا۔ وہ اس کی ناراضگیوں سے اس طرح بچتا ہے جس طرح وہ اللہ کی ناراضگیوں سے نہیں بچتا۔ وہ اس کے ہاں محبت، خشوع، عاجزی، سمع اور طاعت میں اپنے پروردگار سے بڑھ کر ترجیح دینے والا ہو جاتا ہے۔

لہٰذا عشق و شرک دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اللہ پاک نے مشرکین قومِ لوط کی طرف سے عشق کا واقعہ بیان کیا ہے۔ عزیز مصر کی بیوی کا بھی واقعہ ہے جو کہ اس وقت مشرکہ[3] تھی۔ جب آدمی کا شرک قوی ہوگا تو وہ صورتوں کے عشق میں مبتلا ہوگا۔ جب اس کی توحید قوی ہوگی تو وہ اس سے بچایا جائے گا۔ زنا اور ہم جنس پرستی کی لذت کا کمال صرف عشق کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان دونوں قسم کے لوگ اس سے خالی نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلتا رہتا ہے۔ اس کا عشق ایک جگہ پر ٹھہرتا نہیں ہے۔ بلکہ کئی

---

[1] یہ مفہوم صحیح مسلم، كتاب الذكر و الدعاء، باب فضل الذكر والدعاء، حديث: ٢٦٨٧، ج: ٥، ص: ٢٠٦٨؛ جامع ترمذی، كتاب الدعوات، باب فی فضل التوبة والإستغفار، حديث: ٣٥٤٠، ج: ۵، ص: ٥٤٨ میں ہے۔ (عفیفی) [2] اس سے مراد توحید کا اخلاص ہے۔ (مترجم)

[3] یہ اس وقت مشرکہ تھی بعد میں بھی اس کا ایمان معلوم نہیں۔ اس کے متعلق بہت سی بے سروپا کہانیاں بنادی گئی ہیں۔ (مترجم)

حصوں پر تقسیم ہوتا ہے۔ ہر محبوب کا اس کو الٰہ اور معبود بنانے میں اپنا حصہ ہوتا ہے۔ گناہوں میں دل اور دین کو زیادہ خراب کرنے والی دو بے حیائیوں سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ دل کو اللہ سے دور کرنا ان دونوں کا ہی خاصہ ہے۔ یہ سب سے بڑی خباثتیں ہیں۔ جب دل ان دونوں میں رنگا جاتا ہے تو وہ پاک چیز سے دور ہو جاتا ہے۔ اللہ کی طرف تو صرف پاک عمل ہی کو چڑھنا ہے۔ جب جب خباثت بڑھتی ہے۔ بندے کی اللہ سے دوری بڑھتی ہے۔ اسی لیے حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا (اسے امام احمد رحمہ اللہ نے کتاب الزہد میں روایت کیا ہے) بے کار لوگ حکماء میں سے نہیں ہو سکتے اور نہ زانی لوگ آسمان کی بادشاہت کو پہنچیں گے۔''

جب زنا کا اتنا برا حال ہے تبھی تو یہ کتاب اللہ میں شرک کے قریب بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً ۫ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ﴾ (النور:۳)

''بدکار مرد تو بدکار یا مشرک عورت کے سوا نکاح نہیں کرتا اور بدکار عورت کو بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوا اور کوئی نکاح میں نہیں لاتا اور یہ مومنوں پر حرام کیا گیا ہے۔''

درست بات یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے اس کو کسی نے منسوخ نہیں کیا۔ یہ خبر اور تحریم پر مشتمل ہے۔ جس نے اس کے نسخ کا دعویٰ کیا وہ بالکل کوئی دلیل نہیں لا سکا ہے۔ اس میں جو بات عام لوگوں پر اشکال پیدا کرتی ہے، وہ بحمد اللہ واضح ہے۔ ان پر اشکال ﴿ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً ﴾ سے ہوا ہے کہ آیا یہ خبر ہے یا نہی ہے یا اباحت ہے؟ اگر خبر ہے تو ہم نے کئی زانیوں کو پاک دامن عورت سے نکاح میں دیکھا ہے۔ اگر نہی ہے تو زانی کو سوائے زانیہ یا مشرکہ کے نکاح سے روکا گیا ہے۔ اس طرح زانی کے لیے مومنہ اور پاک دامن عورتوں سے نکاح کی نہی اور مشرکہ و زانیہ عورتوں سے نکاح کی اباحت ہے۔ اللہ پاک نے اس کا تو قطعاً ارادہ نہیں فرمایا۔ جب لوگوں پر یہ اشکال آیا تو انہوں نے آیت میں تاویل کی کوئی صورت ڈھونڈی جس پر اس کو محمول کرنا درست ہو سکے۔

بعض نے کہا: نکاح سے مراد وطی اور زنا ہے۔ گویا فرمایا: زانی زنا نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرکہ کے ساتھ۔

یہ معنی فاسد ہے۔ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اللہ کے کلام کو اس طرح کے مفہوم پر محمول کرنے سے محفوظ رکھنا چاہیے۔

(دوسرا سوال) جب یہ معلوم ہے کہ زانی صرف زانیہ سے زنا کرتا ہے تو پھر اس کی خبر دینے کا کیا فائدہ ہے؟

جب جمہور نے اس مفہوم میں فساد دیکھا تو انہوں نے اس سے اعراض کیا۔

پھر ایک گروہ نے کہا: یہ عام لفظ اور خاص معنی ہے۔ اس سے مراد ایک مرد اور ایک عورت ہے۔ وہ عناق زانیہ اور اس کا ساتھی ہے۔[1] وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے ساتھ نکاح کی اجازت طلب کی تو یہ آیت اتری۔

یہ مفہوم بھی فاسد ہے۔ یہ ایک متعین صورت ہے۔ گو یہ سبب نزول ہے۔ لیکن قرآن اپنے اسباب نزول پر اکتفا نہیں کرتا۔

---

[1] یہ مرثد بن ابو مرثد رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ قیدیوں کو مکہ سے مدینہ لاتے تھے۔ (الفقی) اس واقعہ کے لیے دیکھیے: سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی قوله تعالى الزاني لا ينكح إلا زانية، حديث: ۲۰۵۱، ج:۲، ص: ۵۴۲۔ (عفیفی)

اگر یہ اس طرح ہو تو اس آیت سے دیگر لوگوں کے لیے استدلال باطل ہو جائے گا۔

ایک گروہ نے کہا: یہ آیت اللہ کے فرمان ﴿ وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ ﴾ (النور: ۳۲) ''تم اپنے میں سے بے نکاحوں کے نکاح کرواؤ'' کے ساتھ منسوخ ہے۔

یہ سب سے فاسد تر قول ہے۔ کیونکہ ان دو آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔[1] نہ ایک آیت دوسری کے خلاف ہے۔ بلکہ اللہ پاک نے بے نکاحوں کے نکاح کروانے کا حکم فرمایا ہے اور زانیہ سے نکاح حرام کر دیا ہے۔ جس طرح عدت گزارنے والی خاتون، حرام کردہ اور محرم عورت سے نکاح حرام کیا ہے، تو یہاں پر ناسخ اور منسوخ کہاں ہے؟ اگر پوچھا جائے کہ آیت کا مفہوم کیا ہے؟

جواباً کہا جائے گا کہ بہتر تو اللہ جانتا ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ شادی کرنے والے کو حکم دیا گیا ہے کہ نیک پاک دامن عورت سے شادی کرے۔ اس کے لیے عورت سے نکاح صرف اس شرط پر مباح کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک نے سورۂ نساء اور مائدہ میں ذکر کیا ہے۔ جو حکم شرط سے معلق ہو۔ شرط کی نفی پر حکم کی نفی ہو جاتی ہے۔ اباحت تو پاکدامنی کی شرط سے معلق کی گئی ہے۔ جب پاکدامنی نہ ہوئی تو اس سے مشروط اباحت بھی نہ ہوئی۔ شادی کرنے والا یا تو اللہ کے حکم اور اس کی شرع کی پابندی کرے گا جسے اس نے اپنے پیغمبر کی زبان سے مشروع کیا ہے یا وہ اس کی پابندی نہ کرے گا۔ اگر وہ پابندی نہیں کرے گا تو وہ مشرک ہے۔ وہ اسی عورت سے نکاح پسند کرے گا جو اس کی طرح ذہنی طور پر مشترکہ ہوگی۔ اگر وہ اس حکم کی پابندی کرتا ہے لیکن مخالفت کر کے اس عورت سے نکاح کر لے جسے اس پر حرام کیا گیا ہے تو نکاح درست نہ ہوگا اور وہ بندہ زانی ہوگا، تو اللہ کے فرمان: لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً کا معنی واضح ہو گیا۔ مقصود بیان بھی سامنے آ گیا۔ مرد کی طرح عورت کا حکم بھی یہی ہے۔

جس طرح یہ حکم قرآنی موجب اور صریح ہے۔ اسی طرح یہ تقاضائے فطرت اور مقتضائے عقل بھی ہے۔ اللہ پاک نے اپنے بندے پر حرام کر دیا ہے کہ وہ قرنان، دیوث یا زانیہ[2] کا خاوند بنے۔ اللہ پاک نے لوگوں کی فطرت میں اس کو قبیح اور برا جان رکھ دیا ہے۔ اسی لیے عرب لوگ کسی کو برا کہنے میں مبالغہ کریں تو کہتے ہیں: یہ زانیہ کا خاوند ہے۔ اللہ پاک نے مسلمان پر حرام کیا ہے کہ وہ ایسا ہو۔ تحریم کی حکمت اور آیت کا معنی واضح ہو گیا۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ۔

جو بات تحریم کو واضح کرتی ہے، وہی اس شریعت کاملہ کے لائق ہے کہ عورت کی یہ خیانت خاوند کے بستر کی خرابی اور اس نسب کی خرابی کے باعث ہے جسے لوگوں کے مابین ان کی عام مصلحت کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس نسب کو منجملہ اللہ کی نعمتوں سے شمار کیا گیا ہے۔ زنا نطفوں کے اختلاط اور انساب کے اشتباہ کا موجب ہے۔

زانیہ سے نکاح کی حرمت شریعت کے محاسن میں سے ہے حتیٰ کہ وہ توبہ کر لے اور استبراء رحم ہو جائے۔

نیز زانیہ خبیثہ بھی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اللہ پاک نے نکاح کو مودّت اور رحمت کا سبب بنایا ہے۔ مودّت خالص محبت ہے۔ خبیثہ طیب کی محبوبہ کس طرح بن سکتی ہے کہ وہ اس کا خاوند بنے؟ خاوند کو زوج از دواج کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب اشتباہ ہے۔ زوجین دونوں باہم مشابہ ہوتے ہیں۔ جبکہ طیب اور خبیث کے مابین نفرت شرعاً ثابت ہے اور تجربہ کی روشنی میں بھی یہ

---

[1] یعنی نسخ کے لیے ایک بنیاد یہ بھی ہوا کرتی ہے کہ دونوں آیات میں بظاہر تعارض یا تضاد ہو جو یہاں پر نہیں ہے۔ (مترجم)

[2] یہ تینوں الفاظ ہم معنی ہیں۔ (مترجم)

پکی بات ہے۔ ان دونوں کو ازدواج اور باہم رحمت ومحبت حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس شخص نے بہت ہی اچھا موقف اختیار کیا ہے جس کا یہ مذہب ہے کہ وہ ہر مرد کو اس بات سے منع کرتا ہے کہ وہ زانیہ کا خاوند بنے۔

یہ بات اس شخص کے قول کے مقابل کہاں ہے جس نے مرد کو اجازت دی ہے کہ وہ اس سے شادی کرلے اور آج رات اس سے جماع کرلے جبکہ گزشتہ رات اس سے زانی نے جماع کیا تھا۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ زانی کے نطفہ کی کوئی حرمت نہیں ہے۔ چلو یہ درست ہے کہ بات یونہی ہے لیکن خاوند کے نطفہ کی تو ایک حرمت ہے، تو ایک رحم میں اس کا زانی کے نطفہ کے ساتھ اجتماع کیونکر ہوسکتا ہے؟

حاصل یہ ہے کہ: اللہ پاک نے زانی مردوں اور عورتوں کو خبیثین اور خبیثات کا نام دیا ہے۔

اس طرح کے فعل کی جنس میں گو وہ حلال طریقے سے ہو طہارت شرعاً لازم کی گئی ہے۔ اس کے فاعل کا نام جنبی [1] رکھا ہے کیونکہ وہ قرأت قرآن سے، نماز سے اور مساجد سے دور رہتا ہے۔ اس سب سے اس شخص کو روکا حتیٰ کہ وہ پانی سے طہارت حاصل کرلے۔

پھر کیا درجہ ہے جب یہ فعل حرام ہو اور دل کو اللہ تعالیٰ سے اور آخرت کے گھر سے دور کرنے والا ہو۔ بلکہ اس کے اور ایمان کے درمیان حائل ہوجائے۔ جب تک توبہ سے کامل طہارت اور جسم کے لیے پانی سے طہارت حاصل نہ ہو۔

قوم لوط کا یہ قول:

﴿ اَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ قَرۡيَتِكُمۡ ۚ اِنَّهُمۡ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوۡنَ ۝ ﴾ (الاعراف:۸۲)

''ان کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ لوگ پاک بننا چاہتے ہیں۔''

اللہ پاک کے اصحاب الاخدود کے متعلق اس فرمان کی جنس سے ہے:

﴿ وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ ۝ ﴾ (البروج:۸)

''ان کو مومنوں کی یہی بات بری لگتی تھی کہ وہ اللہ پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب اور قابل ستائش ہے۔''

اور اللہ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿ قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ هَلۡ تَنۡقِمُوۡنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلُ ﴾ (المائدہ:۵۹)

''کہو کہ اے اہل کتاب! تم ہم میں برائی ہی کیا دیکھتے ہو سوا اس کے کہ ہم اللہ پر اور جو (کتاب) ہم پر نازل ہوئی اس پر اور جو پہلے نازل ہوئیں ان پر ایمان لائے ہیں۔''

اسی طرح مشرک مومن پر اس کی خالص توحید کی ہی برائی جانتا ہے کہ وہ توحید کے ساتھ شرک کو نہیں ملاتا۔ جبکہ بدعتی بندہ سنی پر یہی برائی جانتا ہے کہ وہ خالص پیغمبر ﷺ کی اتباع کرتا ہے۔ اس کے ساتھ اس نے لوگوں کی آراء کو نہیں ملایا نہ اس کی مخالف کسی بھی چیز کو کچھ اہمیت دی ہے۔ موحد اور پیغمبر کے پیروکار کا اہل شرک اور بدعت کی ناراضگی پر صبر اس کے لیے بہتر اور نفع مند ہے۔ اس کے لیے یہ اللہ اور رسول کی اس ناراضگی سے آسان تر ہے جو وہ اہل شرکت وبدعت کی موافقت پر رکھتے ہیں۔

''جب صبر کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو تم صبر کرو، حق پر۔ اس صبر کا انجام قابل تعریف ہوتا ہے۔''

---

[1] جنبی کا لغوی معنی ہٹنے والا ہے۔ (مترجم)

باب نمبر:10

امراض قلب کی علامات اور اس کی صحت

اعضائے بدن میں سے ہر عضو ایک خاص فعل کے لیے پیدا کیا گیا ہے، جب یہ فعل اس سے حاصل ہوتو اس کا کمال ہے۔ اس کا مرض یہ ہے کہ اس پر وہ فعل مشکل ہو جائے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ اس سے ادا نہ ہو سکے، یا ادا تو ہو لیکن ایک گونہ مشکل کے ساتھ۔

ہاتھ کا مرض

اس کے لیے پکڑنا مشکل ہو جائے۔

آنکھ کا مرض

اس کے لیے دیکھنا مشکل ہو جائے۔

زبان کا مرض

اس پر بولنا مشکل ہو جائے۔

جسم کا مرض

اس کی طبعی حرکت مشکل ہو جائے یا وہ کمزور ہو جائے۔

اور دل کا مرض

یہ ہے کہ جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے یعنی اللہ کی معرفت، اس کی محبت، اس کی ملاقات کا شوق، اس کی طرف جھکاؤ اور اس کو اپنی ہر خواہش پر ترجیح دینا، یہ اُس کے لیے مشکل ہو جائے۔ اگر آدمی ہر چیز کو پہچان لے لیکن اپنے رب کو نہ پہچانے تو اس نے گویا کسی چیز کو نہیں پہچانا۔ اگر اس نے دنیا کے حصوں میں سے ہر حصہ پالیا اس کی لذات وشہوات کو حاصل کر لیا اور وہ اللہ کی محبت، اس کی طرف شوق اور اس کے ساتھ اس کے حصول میں کامیاب نہ ہوا تو گویا وہ کسی لذت، نعمت اور آنکھوں کی ٹھنڈک کے ساتھ کامیاب نہیں ہوا۔ بلکہ اگر دل اس سے خالی ہوگا تو یہ حصے اور لذتیں اس کے لیے لازماً عذاب بن کر لوٹ آئیں گے۔ جس چیز کے ساتھ وہ خوش تھا اسی سے وہ دو وجہ سے عذاب پائے گا:

پہلے اس کے چھوٹ جانے کی وجہ سے کہ اس کے اور اس کے مابین رکاوٹ ڈال دی گئی ہے۔ باوجودیکہ اس کی روح کا تعلق

اس کے ساتھ شدید ہے۔

اور دوسرے اس سے بہتر، نفع منداور ہمیشہ رہنے والی چیز کے چھوٹ جانے کے سبب سے کہ وہ بھی اس کو نہ ملی۔

حاصل یہ کہ محبوب ہاتھ سے نکل گیا۔ بڑے محبوب کے حصول میں کامیابی نہ ملی۔ جس نے اللہ کو پہچانا، اس نے اس سے محبت کی اور لازماً اس کے لیے اپنی عبادت کو خالص کیا اور کسی بھی محبوب کو اس پر ترجیح نہ دی۔ جس نے کسی بھی محبوب چیز کو اس پر ترجیح دی اس کا دل مریض ہے۔ جیسے معدہ اگر خبیث کھانے کا عادی ہو جائے اور اسے طیب پر ترجیح دے تو اس سے طیب کی محبت نکل جائے گی اور اس کے عوض میں دوسرے یعنی خبیث کی محبت آ جائے گی۔

کبھی دل بیمار ہوتا ہے۔ اس کا مرض شدید ہو جاتا ہے۔ اس آدمی کو پتہ بھی نہیں چلتا کیونکہ وہ اس کی صحت اور صحت کے اسباب کی معرفت سے لاتعلق ہو گیا ہے بلکہ کبھی دل مردہ ہو جاتا ہے اور آدمی کو اس کے مردہ ہونے کا علم نہیں ہوتا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اسے قبائح کے زخم تکلیف نہ دیں۔ اسے حق کے ساتھ جاہلیت اور باطل عقائد پریشان نہ کریں۔ دل اگر زندہ ہو تو وہ اس پر قبح کے آنے سے درد پاتا ہے۔ اپنی حیات کی وجہ سے وہ حق کے ساتھ جہالت کی تکلیف محسوس کرتا ہے۔

«وَمَا لِجُرْحٍ بِمَيِّتٍ إِيْلَامُ»[1]

''میت کو کسی زخم کی کوئی تکلیف نہیں پہنچتی''

کبھی اس کو مرض کا احساس ہو جاتا ہے۔ لیکن دوا کی کڑواہٹ کی برداشت اور صبر اس پر مشکل ہو جاتا ہے۔ وہ دوا کی مشقت پر اپنے دکھ کے بقا کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کی دوا خواہش کی مخالفت میں ہے۔ اور یہ نفس پر سب سے مشکل چیز ہے۔ لیکن اس کے لیے اس سے بڑھ کر نفع مند کچھ اور نہیں ہے۔

کبھی آدمی خود کو صبر پر لگاتا ہے پھر اس کا عزم ٹوٹ[2] جاتا ہے۔ وہ اپنے علم، بصیرت اور صبر کی کمزوری کی وجہ سے اس پر برقرار نہیں رہتا۔ وہ اس شخص کی طرح ہے جو ایسے خوف والے راستے میں داخل ہوا جو امن کی حد تک پہنچاتا ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ اگر اس نے اس پر صبر کیا تو خوف ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد امن ہو گا۔ وہ قوت صبر کا محتاج ہے اور اُس قوت یقین کا بھی جس کے ساتھ وہ یہاں تک پہنچے۔ جب اس کا صبر اور یقین کمزور ہو گا تو وہ راستے سے لوٹ آئے گا اور اس کی مشقت برداشت نہ کرے گا۔ بالخصوص اگر اس کا کوئی ساتھی نہ ہو اور وہ تنہائی سے وحشت محسوس کرے اور کہنے لگے کہ لوگ کہاں چلے گئے؟ میرے لیے تو ان میں نمونہ عمل ہے۔

یہ اکثر مخلوق کا حال ہے اسی بات نے ان کو تباہ کیا ہے۔ سچا اور بصیرت والا شخص دوست کی کمی یا اس کی عدم موجودگی سے وحشت محسوس نہیں کرتا۔ جب اس کے دل میں پہلے رفیقوں کی سنگت کا احساس ہو۔ جن پر اللہ نے نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین میں سے انعام کیا ہے۔ یہ بلحاظ دوست بہت اچھے ہیں۔ آدمی کا اپنی طلب کی راہ میں تنہا ہونا بھی صدق طلب کی دلیل ہے۔

اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ سے ایک مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ انہیں بتایا گیا کہ آپ کے بھائی احمد بن

---

[1] یہ متنبی کے شعر کا ایک مصرعہ ہے۔ پورا اس طرح ہے ''جو رسوا ہو اس کے لیے رسوائی آسان ہوتی ہے۔ میت کو کسی زخم کی کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔'' (الفقی)

[2] بعض سلف سے مروی ہے: عَرَفْتُ رَبِّيْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ یعنی میں نے اپنے رب کو ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا۔ (مترجم)

حنبل رحمہ اللہ اس بارے میں آپ کی طرح فرماتے ہیں، فرمایا: میرا گمان نہیں تھا کہ کوئی ایک شخص بھی اس بات پر میری موافقت کرتا ہے۔

درست رائے کے ظہور کے بعد ان کو اس بات سے وحشت محسوس نہ ہوئی کہ اس پر کوئی موافقت کرنے والا نہیں۔ جب حق چمکے اور روشن ہو جائے تو وہ کسی گواہ کا محتاج نہیں ہوتا جو اس پر شہادت دے۔ دل حق کو دیکھتا ہے جس طرح آنکھ سورج کو دیکھتی ہے۔ جب بندہ سورج کو دیکھے تو اس کے علم اور اعتقاد کے لیے کہ سورج طلوع ہو گیا ہے اُسے کسی گواہ یا موافق کی حاجت نہیں ہوتی۔

ابو محمد عبد الرحمٰن بن اسماعیل المعروف ابو شامہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الحوادث والبدع'' میں کیا ہی اچھی بات کہی ہے کہ: جہاں جماعت کے لزوم کا حکم آیا ہے۔ وہاں حق اور اس کے پیروکاروں کے ساتھ وابستہ رہنا مراد ہے۔ گو اس کے ساتھ پیوستہ لوگ کم اور اس کے مخالف زیادہ ہوں۔ کیونکہ حق وہ ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی پہلی جماعت تھی۔ اس کے بعد اہل باطل کی کثرت لائق التفات نہیں ہے۔

عمرو بن میمون الازدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں یمن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا۔ میں ان سے الگ نہ ہوا حتیٰ کہ میں نے ان کو شام میں مٹی میں دفن کر دیا۔ پھر ان کے بعد میں لوگوں میں سب سے بڑے فقیہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا۔ میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا: تم جماعت کو لازم پکڑو بے شک جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ پھر کسی دن میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا: تم پر عنقریب ایسے ذمہ داران آئیں گے جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کریں گے تو تم نماز کو اس کے وقت پر پڑھو وہ فریضہ ہے۔ ان کے ساتھ بھی نماز پڑھو، وہ نفل ہے۔[1] کہتے ہیں: میں نے کہا: آپ مجھے جماعت کا حکم اور اس پر ترغیب دیتے ہیں، پھر کہتے ہیں تم اکیلے نماز پڑھو وہ فرض ہے اور جماعت کے ساتھ پڑھو وہ نفل ہے؟ فرمایا: اے عمرو بن میمون! میں تجھے اس بستی کا بڑا اہل علم سمجھتا تھا۔ تم جانتے ہو جماعت کیا ہے؟ جمہور جماعت وہ لوگ ہیں جو عام جماعت سے الگ ہو گئے۔ جماعت وہ ہے جو حق کے موافق ہو گو تم اکیلے ہی ہو۔

دیگر روایت میں ہے: انہوں نے میری ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا: تجھ پر افسوس! اکثر لوگ تو جماعت کو چھوڑ گئے۔ جماعت وہ ہے جو اللہ عزوجل کی فرمانبرداری میں موافقت کرے۔ نعیم بن حماد رحمہ اللہ کہتے ہیں: یعنی جب جماعت میں خرابی آ جائے تو تو خراب ہونے سے پہلے اس چیز سے بچ جا جس پر جماعت ہے۔ اگر تم اکیلے ہی ہو تو بلاشبہ تم ہی اس حالت میں جماعت ہو۔ اسے بیہقی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

ابو شامہ نے بواسطہ مبارک حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے، فرمایا: اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، سنت غلو کرنے والے اور سختی کرنے والے کے درمیان راستہ ہے۔ اللہ تم پر رحم کرے! تم اس پر ڈٹے رہو۔ اہل سنت گزشتہ زمانہ میں سب لوگوں سے کم تھے۔ وہ آئندہ بھی سب لوگوں سے کم ہوں گے۔ جو حد سے بڑھنے والوں کے ساتھ ان کے عمل میں شامل نہ ہوئے، نہ اہل بدعت کے ساتھ ان کی بدعت میں۔ اور انہوں نے خود کو سنت پر قائم رکھا حتیٰ کہ اپنے رب سے جا ملے۔ تو اگر اللہ چاہے تم بھی اس طرح کے بن جاؤ۔

---

[1] حکم قرآنی کے مطابق نماز وقت مقررہ پر فرض کی گئی ہے۔ لیکن ذمہ داران کی طرف سے کسی فتنہ سے بچنے کے لیے ان کی جماعت کے ساتھ بھی بطور نفل پڑھ لی جائے۔ (مترجم)

محمد بن اسلم الطوسی ایک امام تھے، ان کی امامت اور رتبہ سب نے مانا ہے۔ وہ اپنے وقت میں سب لوگوں سے بڑھ کر سنت کے تابع تھے، حتیٰ کہ فرمایا: مجھ تک رسول اللہ ﷺ کی جو بھی سنت پہنچی ہے، میں نے اس پر ضرور عمل کیا ہے۔ بلاشبہ میں نے یہ بھی کوشش کی تھی کہ میں بیت اللہ کا طواف سواری پر کروں لیکن مجھے اس کی اجازت نہ مل سکی۔

بعض اہل علم سے ان کے زمانہ میں سوادِ اعظم کے متعلق پوچھا گیا جن کے بارے میں حدیث میں آیا ہے "جب لوگوں میں اختلاف ہوگا تو تم سوادِ اعظم کو لازم پکڑو۔" وہ کہنے لگے: محمد بن اسلم الطوسی سوادِ اعظم ہیں۔ ① اللہ کی قسم! انہوں نے سچ کہا۔ جس زمانہ میں ایسا امام ہو جو سنت کو جاننے والا اور اس کی دعوت دینے والا ہو تو وہ حجت ہے، وہی اجماع ہے، وہی سوادِ اعظم ہے، وہی مؤمنوں کا ایسا راستہ ہے کہ اس سے جو الگ ہوا اور دوسروں کی پیروی کی، اللہ اس کو اُسی طرف پھیریں گے جس طرف وہ پھرتا ہے، اس کو جہنم میں ڈالے گا اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ: امراض قلب کی علامات میں سے بندے کا ان غذاؤں سے ہٹ جانا بھی ہے جو کہ اس کے لیے نافع اور موافق ہیں تا کہ آدمی مضر غذائیں لے۔ نیز شافی دواؤں سے پھر کر مہلک دوائیں لینا بھی۔

تو یہ چار باتیں ہوئیں: ❶ نافع غذا ❷ شافی دوا ❸ مضر غذا اور ❹ مہلک دوا۔

صحیح دل نافع اور شافی کو مضر اور موذی پر ترجیح دیتا ہے۔ جبکہ مریض دل اس کے الٹ چلتا ہے۔

غذاؤں میں سب سے نفع مند غذا ایمان کی ہے۔ دواؤں میں سب سے نفع مند دوا قرآن کی ہے۔ نیز ان ہر دو میں غذا بھی ہے اور دوا بھی ہے۔

اس کی صحت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دنیا سے (تصور) سفر کر جائے حتیٰ کہ آخرت میں پہنچے۔ وہاں پر پڑاؤ ڈالے۔ وہ دنیا میں اس طرح رہے کہ وہ آخرت والا اور اس کا بیٹا ہے۔ وہ اس سرزمین پر مسافر بن کر آیا تھا، یہاں پر اپنا کام کیا اور اپنے وطن کی طرف لوٹے گا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد ملتا ہے:

«كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ، وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ» ②

---

① یہ قول حلیۃ الاولیاء میں ہے، اس قول کے مصداق امام ابوالحسن محمد بن اسلم طوسی بڑے صاحبِ علم وفضل تھے، سنت کے پیروکار اور آراء سے بچنے والے تھے، انہیں خطاب و بیان کا بھی خاص ملکہ حاصل تھا، اور زہد وقناعت میں یگانۂ روزگار تھے ان کی عبادت کو صحابہ کرام کے مشابہ قرار دیا جاتا تھا حافظ، امامِ ربانی اور شیخ الاسلام تھے۔ اپنے وقت میں حضرت ابن المبارک کے ہم پلہ قرار دیے جاتے تھے۔ طلب علم حدیث کے لیے سفر کیے اور مسند اور اربعین نامی کتب تصنیف فرمائیں، حضرت اسماعیل بن ابراہیم عنبری فرماتے ہیں: میں مصر میں ماہِ محرم ۲۴۲ھ کے آخر میں حضرت ابن وہب کی کتاب لکھ رہا تھا کہ ہاتفِ غیب نے آواز دی: آج اللہ کا نیک بندہ محمد بن اسلم فوت ہوگیا ہے، مجھے صبح ان کی وفات کی خبر مل گئی، ان کے جنازے میں ایک لاکھ افراد نے شرکت کی۔ ان کے احوال کی تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن العماد کی شذرات الذهب: ۲/ ۱۰۰۔ خلیل صفدری کی الوافی بالوفیات: ۲/ ۱٤٦۔ امام ذہبی کی سیر اعلام النبلاء: ۱۲/ ۱۹۵۔ ابونعیم کی حلیة الأولیاء: ۹/ ۲۳۸۔ اور ابن تغدی بدری کی النجوم الزاهرة: ۲/ ۳٦۹۔ (از مترجم)

② صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب قول النبی ﷺ کن فی الدنیا.....، ج:۷، ص: ۱۷۰، اس میں آخری حصہ نہیں ہے؛ مسند امام احمد، ج:۲، ص: ۲٤۔

''تم دنیا میں ایسے رہو گو یا تم ایک مسافر ہو یا راہ گزرنے والے ہو اور تم اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرو۔''

؎ تم آؤ جناتِ عدن کی طرف بے شک وہ، تیری پہلی منازل ہیں اور وہیں ٹھکانہ ہے لیکن ہم دشمن کے قیدی ہیں، کیا تم دیکھتے ہو، ہم اپنے وطنوں کی طرف لوٹیں گے اور ہم بچ جائیں گے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دنیا ہم سے پیٹھ پھیر کر جا رہی ہے۔ آخرت ہماری طرف متوجہ ہو کر آ رہی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں۔ تم آخرت کے بیٹوں میں سے ہو جاؤ اور تم دنیا کے بیٹوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ آج کا دن عمل ہے اور حساب نہیں ہے۔ جبکہ کل حساب ہے اور عمل نہیں ہے۔

جب دل بیماری سے صحیح ہوگا تو وہ آخرت کی طرف سفر کرے گا اور اس کے قریب ہو جائے گا، حتیٰ کہ اس کے اہل سے ہو جائے گا۔ جب دل مریض ہوگا، بیمار ہوگا تو وہ دنیا کو ترجیح دے گا اور اس میں اپنا وطن بنانا چاہے گا حتیٰ کہ وہ اس کے اہل سے ہو جائے گا۔

دل کی صحت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے صاحب کو جھنجھوڑتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کی طرف جھکتا اور اس سے لو لگاتا ہے۔ اس سے ایسا تعلق پیدا کرتا ہے جو محب اور مضطر کا اپنے محبوب سے ہوتا ہے۔ جس میں آدمی کی حیات، اس کی فلاح، خوشی اور مسرت اللہ کی رضا، قرب اور انس کے بغیر نہیں ہوتی۔ اس کی طرف وہ مطمئن ہوتا ہے، اس کی طرف سکون اور اس کی طرف جگہ پکڑتا، اس کے ساتھ خوش ہوتا، اس پر توکل، اس پر بھروسا، اس سے امید اور اس کے لیے خوف رکھتا ہے۔ اس کا ذکر اس کی قوت ہے، اس کی غذا اور اس کی محبت ہے۔ اس کی طرف شوق اس کی حیات، نعمت، لذت اور سرور ہے۔ اس کے لیے غیر کی طرف التفات اور دیگر سے تعلق اس کی بیماری ہے۔ اس کی طرف رجوع اس کی دوا ہے۔ جب اس کو اس کا رب مل گیا تو وہ اس کی طرف سکون اور اطمینان پاتا ہے۔ یہ اضطراب و بے چینی چلی جاتی ہے۔ یہ فاقہ ختم ہو جاتا ہے۔ دل میں ایک فاقہ ہوتا ہے جسے اللہ کے سوا کوئی بھی ختم نہیں کر سکتا۔ اس میں پراگندگی ہے جسے اس کی طرف توجہ کے بغیر کوئی درست نہیں کر سکتا۔ اس میں مرض ہے جسے اللہ کے لیے اخلاص اور اس اکیلے کی عبادت کے سوا کچھ بھی درست نہیں کر سکتا۔

وہ پیہم اپنے ساتھی کو ہلاتا ہے حتیٰ کہ اس کو اپنے الٰہ اور معبود کی طرف سکون ملتا ہے۔ اس وقت روح کو حیات نصیب ہوتی ہے۔ وہ اس کا ذائقہ چکھتا ہے۔ اس کو دوسری حیات ملتی ہے۔ جو حیات اس بات سے اعراض کرنے والے غافلوں والی نہیں ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کے لیے مخلوق کو پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے لیے جنت اور جہنم کو پیدا کیا گیا۔ اس کے لیے پیغمبروں کو بھیجا گیا۔ کتب کو نازل کیا گیا۔ اگر اس کے اپنے وجود کے سوا کوئی جزا نہ ہو تو یہ جزا ضرور کافی ہے۔ اس کا چھوٹ جانا حسرت اور سزا میں بھی کافی ہے۔

کسی عارف کا قول ہے: دنیا کے مساکین دنیا سے نکلے۔ لیکن وہ اس میں سب سے اچھی چیز کا ذائقہ نہ چکھ سکے۔ پوچھا گیا: اس میں سب سے اچھی چیز کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کی محبت، اس کے ساتھ انس، اس کی ملاقات کا شوق اور اس کے ذکر و فرمانبرداری کے ذریعے سے خوشحالی پانا۔

کسی اور نے کہا ہے: مجھ پر ایسے اوقات گزرتے ہیں جن میں میں کہتا ہوں: اگر اہل جنت اس طرح کی زندگی میں ہیں تو بلاشبہ وہ بہت اچھی زندگی میں ہیں۔

دیگر نے کہا: دنیا تو صرف اللہ کی محبت اور فرمانبرداری کی وجہ سے اچھی ہے اور جنت اس کی رؤیت اور مشاہدہ کی وجہ سے۔

ابوالحسین الوراق نے کہا: دل کی زندگی اللہ حیّ قیوم کے ذکر میں ہے جس کو موت نہیں۔ مزے کی زندگی اللہ کے ساتھ ہے کسی اور کے ساتھ نہیں۔

اسی لیے اللہ کے عارفین کے ہاں اس کے تعلق کا فوت ہونا (چھوٹ جانا) ان کے لیے موت سے شدید تر ہے۔ کیونکہ فوت ہونا حق سے کٹنا ہے۔ موت خلق سے کٹنا ہے۔ ان دونوں انقطاعوں کے مابین کیا نسبت ہے؟

دیگر نے کہا: جس کی آنکھ اللہ کے ساتھ ٹھنڈی ہوئی، اس کے ساتھ ہر آنکھ ٹھنڈی ہوئی۔ جس کی آنکھ اللہ کے ساتھ ٹھنڈی نہ ہوئی، اس کا دل دنیا پر حسرتوں میں ٹوٹ جاتا ہے۔

یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ نے کہا: جس کو اللہ (کے دین) کی خدمت میں خوشی ہو۔ ہر چیز اس کی خدمت پر خوش ہوتی ہے۔ جس کی آنکھ اللہ کے ساتھ ٹھنڈی ہو۔ اس کی طرف دیکھنے والے ہر ایک کی آنکھ ٹھنڈی ہوتی ہے۔

صحت قلب کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے رب کے ذکر سے نہ تھکے نہ اس کی خدمت سے اکتائے، نہ کسی اور سے مانوس ہو۔ سوائے اس کے جو اس کو اس کی طرف راہنمائی کرے، اس کو ذکر کرے اور اس کا مذاکرہ کرے۔

اس کی صحت کی علامات میں سے یہ بھی ہے کہ جب اس سے اس کا ورد چھوٹ جائے تو وہ اس کے چھوٹنے پر اس سے بڑھ کر دکھ پاتا ہے جو کوئی لالچی شخص اپنے مال کے ضائع ہونے اور فقدان پر پاتا ہے۔

اس کی صحت کی علامات میں سے اس (کے دین) کی خدمت کا شوق بھی ہے۔ جیسے بھوکے کو کھانے اور پینے کا شوق ہوتا ہے۔

اس کی صحت کی علامات میں سے ہے کہ جب وہ نماز میں داخل ہو جائے تو اس سے اس کا دنیا والا ہم اور غم ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے نکلنا اس پر گراں ہوتا ہے۔ اس میں وہ راحت و نعمت پاتا ہے۔ اپنی آنکھ کی ٹھنڈک اور دل کا سرور پاتا ہے۔

اس کی علامات صحت میں سے ہے کہ اس کی فکر ایک ہے اور وہ اللہ کی ذات کے بارے میں ہے۔

اس کی علامات صحت سے یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے وقت کے ضائع چلے جانے پر کنجوس سے بڑھ کر بخیل ہوتا ہے، جو اپنے مال کے دینے اور روکنے پر بخل کرتا ہے۔

اسی سے یہ بھی ہے کہ اس کے ہاں عمل سے بڑھ کر تصحیح عمل اہم ہے۔ اس میں وہ اخلاص، نصیحت، متابعت اور احسان کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ خود پر اللہ کے احسان اور اپنی طرف سے اس کے حق میں کوتاہی کی شہادت دیتا ہے۔

یہ چھ مشاہد ہیں۔ یہ زندہ و سلیم دل کو ہی ملتے ہیں۔

بہر حال! صحیح دل وہ ہے جس کی سب پریشانی اللہ کے لیے ہو، اس کی سب محبت اس کے لیے، اس کا مقصد اس کے لیے، اس کا جسم اس کے لیے، اس کے اعمال اس کے لیے، اس کی نیند اس کے لیے، اس کی بیداری اس کے لیے، اس کی باتیں اور اس کے بارے میں باتیں، اسے ہر بات سے بڑھ کر محبوب ہوں۔ اس کے افکار اس کی رضا اور محبت کے گرد گھومیں۔ اس کے لیے خلوت

اسے مخلوط (جلوت) سے محبوب ہو۔ ہاں جہاں مخلوط ہونا اس کو پسند ہو۔ وہ اس پر راضی ہو۔ اس کی آنکھ کی ٹھنڈک اس کے ساتھ ہو۔ اس کا اطمینان اور سکون اس کی طرف ہو۔ وہ جب بھی اپنے دل سے کسی اور طرف التفات پائے۔ اس کا دل اس پر یہ تلاوت کرتا ہے:

﴿ يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴾ (الفجر: ۲۷، ۲۸)

''اے اطمینان پانے والے نفس! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔''

وہ اس پر اس خطاب کو دہراتا ہے۔ تاکہ وہ اسے اپنے پروردگار سے روز قیامت سن لے۔ اس کا دل اپنے الٰہ اور معبود برحق کے آگے بندگی کے رنگ میں رنگا جائے۔ بندگی اس کی صفت اور ذوق بن جائے نہ کہ تکلف۔ وہ اس سے محبت، مودت اور وہ قرب پاتا ہے جو خالص محب اپنے محبوب کی محبت میں اس کی خدمت اور افعال کی انجام دہی سے پاتا ہے۔ جب بھی اس کے رب کا کوئی حکم آتا ہے یا نہی، وہ اپنے دل سے ایک بولنے والا پاتا ہے جو بولتا ہے: ''میں حاضر ہوں۔ میں خوش نصیبی کے لیے موجود ہوں۔ میں سننے والا، ماننے والا اور مطیع ہوں۔ اس کا احسان مجھ پر تیری طرف سے ہے۔ اس میں حمد بھی تیری طرف لوٹنے والی ہے۔''

اگر اس کے دل پر کچھ وجد آئے تو اس کا دل بول کر کہتا ہے: میں تیرا بندہ، تیرا مسکین، تیرا فقیر، تیرا محتاج، عاجز، ضعیف اور لاچار بندہ ہوں۔ تو میرا غالب اور مہربان رب ہے۔ اگر تو مجھے صبر نہ دے تو میرے لیے صبر نہیں ہے۔ اگر تو مجھے قوت و برداشت نہ دے تو مجھ میں قوت نہیں ہے۔ میرے لیے تیرے علاوہ تجھ سے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ میرے لیے تیرے سوا تجھ سے کوئی طلب کیا گیا نہیں ہے، میرے لیے تیرے دروازے سے پھرنا نہیں ہے۔ نہ تجھ سے دور جانے کی کوئی جگہ ہے۔

تب وہ اپنی سب حاجات اس کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اس پر اپنا سب بھروسا رکھتا ہے۔ اگر اسے کوئی ناپسندیدہ تکلیف پہنچے تو کہتا ہے: میری طرف رحمت بھیجی گئی ہے۔ مشفق طبیب کی جانب سے نفع مند دوا ہے۔ اگر اس کی پسندیدہ چیز اس سے دور ہو جائے تو کہتا ہے: مجھ سے شر دور کر دیا گیا ہے۔

''کتنے ہی معاملے ہیں جن کو میں نے چاہا تو نے میرے لیے اس سے پھرنا پسند کیا، تو میرے ساتھ ہمیشہ ہی بہت مہربان اور احسان کرنے والا رہا۔''

آدمی کو جو بھی خوشی اور تنگی آئے۔ اس سے وہ اس کی طرف راہ پکڑتا ہے اور اس کے لیے اس کی طرف ایک دروازہ کھل جاتا ہے جس سے وہ اس پر داخل ہوتا ہے۔ جیسے کہا گیا ہے۔

''میری تقدیر سے جو ملے خوشی یا ناخوشی سے، مگر میں اس سے تیری طرف ایک راہ پاتا ہوں تو تقدیر جاری کر، اس پر میری رضا سے، بے شک میں نے تکلیف میں تجھے ایک دوست پایا ہے۔''

اللہ ہی ان دلوں اور جو ان میں ضمائر ہیں ان کا مالک ہے۔ جو کچھ ان میں خزانے اور ذخائر رکھے گئے ہیں ان کا بھی۔ اللہ ہی کے لیے ان کے رازوں کی پاکی ہے۔ خاص طور پر جس دن اعمال کو پرکھا جائے گا۔

''عنقریب اس کے لیے پاکیزگی، نور اور رونق سامنے آئے گی اور اچھی تعریف، جس دن راز کھولے جائیں گے۔''

اللہ کی قسم! ان دلوں کے لیے بڑا علم بلند کیا گیا تو وہ اس کی طرف تیز چلے۔ ان کے لیے صراط مستقیم واضح ہوا تو وہ اس پر پکے ہو گئے۔ ان کو ان کے مطلوب اعلیٰ کے علاوہ دعوت دی گئی تو انہوں نے قبول نہ کی۔ انہوں نے ماسوا پر اسی کو ترجیح دی اور جو کچھ اس کے پاس ہے اس کو اختیار کر لیا۔

باب نمبر: 11

نفس کے دل پر غلبہ پانے کے مرض کا علاج

یہ باب آئندہ ابواب کے لیے گویا بنیاد اور اساس ہے۔ تمام امراض نفس کی جانب سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ تمام فاسد مواد اسی پر گرتے ہیں۔ پھر اس سے اعضاء کی جانب پھیلتے ہیں۔ سب سے پہلے دل تک پہنچتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اپنے خطبہ حاجت میں فرمایا کرتے تھے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَهْدِيْهِ، وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا»[1]

''اللہ کے لیے حمد ہے۔ ہم اس سے مدد طلب کرتے ہیں ہم اس سے ہدایت طلب کرتے ہیں ہم اس سے مغفرت طلب کرتے ہیں ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔''

مسند احمد اور ترمذی میں حضرت حصین بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«يَا حُصَيْنُ، كَمْ تَعْبُدُ، قَالَ: سَبْعَةٌ، سِتَّةٌ فِي الْأَرْضِ وَوَاحِدٌ فِي السَّمَاءِ، قَالَ: فَمَنِ الَّذِيْ تُعِدُّ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ؟ قَالَ: الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ۔ قَالَ: أَسْلِمْ حَتّٰى أُعَلِّمَكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا، فَأَسْلَمَ، فَقَالَ: قُلْ: اَللّٰهُمَّ أَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ، وَقِنِيْ شَرَّ نَفْسِيْ»[2]

''اے حصین! تم کتنے معبود پوجتے ہو؟ کہا: ''سات'' چھ زمین میں اور ایک آسمان میں ہے۔ فرمایا: ان میں سے کون سا ہے جسے تو اپنی رغبت اور رہبت کے لیے پکارتا ہے؟ کہا: جو آسمان میں ہے۔ فرمایا: تو مسلمان ہو جا حتیٰ کہ میں تجھے چند کلمات سکھا دوں جن کے ساتھ اللہ تجھ کو نفع دے گا۔ وہ مسلمان ہو گئے۔ فرمایا: تم کہو: اے اللہ! مجھ کو میری ہدایت الہام کر دے اور مجھے میرے نفس کے شر سے بچا۔''

رسول اللہ ﷺ نے نفس کے شر سے عموماً پناہ طلب کی ہے۔ اور ان اعمال کے شر سے بھی جو اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس پر لاگو ہونے والی تکالیف اور سزاؤں کے شر سے بھی۔ پناہ طلب کرنے میں نفس کے شر اور اعمال کی برائیوں کو جمع کر دیا۔ اس کی دو وجہیں ہیں۔

پہلی وجہ: یہ نوع کی اضافت جنس کی طرف کے باب سے ہے۔ یعنی میں اس نوع کے اعمال سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

---

[1] سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی خطبة النکاح، حدیث: ۲۱۱۸، ج: ۲، ص: ۵۹۱۔
[2] جامع الترمذی، کتاب الدعوات، باب ۷۰، حدیث: ۳۴۸۳، ج: ۵، ص: ۵۱۹۔

دوسری وجہ: اس سے مراد اعمال کی سزائیں ہیں۔ جو اس آدمی کو بری لگتی ہیں۔
پہلی کی بنیاد پر: آپ ﷺ نے نفس کی صفت اور اس کے عمل سے پناہ طلب کی۔
دوسری کی بنیاد پر: سزاؤں اور ان کے اسباب سے پناہ طلب کی تھی۔

برا عمل نفس کے شر میں داخل ہے۔ تو کیا معنی ہے: جو مجھے میرے عمل کی سزا بری لگتی ہے اس سے؟ یا میرے برے عمل سے؟
پہلے معنی کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔ برے عمل کے وقوع کے بعد اس سے پناہ طلب کرنا۔ یہ اس کی جزاء اور موجب سے پناہ ہی ہے۔
ورنہ موجود کو بعینہٖ اٹھانا تو ممکن نہیں ہے۔

اللہ کی طرف چلنے والوں نے باوجود اپنے طرق کے اختلاف اور باوجود الگ الگ سلوک کے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ نفس دل کے اور رب تک پہنچنے کے درمیان رکاوٹ ڈالتا ہے۔ اس ذات پاک تک پہنچنا اور اس کا قرب تب ہی مل سکتا ہے جب اس کو مارا جائے، اس کی مخالفت سے اسے چھوڑا جائے اور اس پر کامیابی پائی جائے۔

لوگوں کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم ان لوگوں کی ہے جن پر ان کے نفسوں نے کامیابی پائی۔ اس نے ان پر اختیار پایا۔ ان کو ہلاک کیا اور وہ اس کے حکموں میں اس کے تابع ہو گئے۔ دوسری وہ قسم ہے جن لوگوں نے اپنے نفسوں پر کامیابی پائی۔ ان کو مغلوب کیا۔ وہ ان کے مطیع ہوئے اور ان پر اپنے حکم نافذ کروانے والے ہو گئے۔

بعض عارفین کا قول ہے: طالبین کا سفر اپنے نفسوں پر کامیابی سے انتہا کو پہنچتا ہے۔ جس نے اپنے نفس پر کامیابی پائی وہ فلاح پا گیا اور کامیاب ہوا اور جس پر اس کے نفس نے کامیابی پائی وہ گھاٹے اور خسارے میں گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ؕ﴿۳۹﴾ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ؕ﴿۴۱﴾﴾ (النازعات: ۳۷۔ ۴۱)

”تو جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا اور نفس کو خواہشوں سے روکتا رہا اس کا ٹھکانہ بہشت ہے۔“

نفس سرکشی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دینے کی دعوت دیتا ہے۔ رب تعالیٰ اپنے بندے کو اپنے خوف کی طرف بلاتا ہے اور نفس کو خواہش سے روکنے کی طرف۔

دل دونوں دعوت دینے والوں کے درمیان ہے۔ کبھی اس داعی کی طرف مائل ہوتا ہے اور کبھی اُس کی طرف۔ یہ اس کے لیے آزمائش و ابتلا کا مقام ہے۔

اللہ پاک نے قرآن میں نفس کے تین وصف بتائے ہیں: ❶ مطمئنہ ❷ برائی کا بہت حکم دینے والا (امارہ) اور ❸ لوامہ۔
لوگوں نے اِس بات میں اختلاف کیا ہے کہ کیا نفس ایک ہے اور یہ اس کے اوصاف ہیں؟ یا بندے کے لیے تین نفس ہیں؟ یعنی نفس مطمئنہ، نفس لوامہ اور نفس امارہ۔
پہلا قول: فقہاء، متکلمین، جمہور مفسرین اور محققین صوفیاء کا ہے۔

دوسرا قول: اکثر اہل تصوف کا ہے۔
تحقیق: یہ ہے کہ دونوں فریقوں کے مابین کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ نفس اپنی ذات کے اعتبار سے واحد ہے اور اپنی صفات کے اعتبار سے تین ہے۔ جب ذات مراد ہوگی تو وہ ایک ہے۔ اگر ہر ہر صفت الگ دیکھیں تو یہ متعدد ہے۔
میں نہیں سمجھتا کہ وہ کہتے ہوں گے کہ ہر آدمی کے تین نفس ہیں اور ہر نفس ذاتی طور پر موجود ہے اور صفت اور حقیقت میں دوسرے کے مساوی ہے۔ جب بندے کو فوت کیا جائے تو اس کے تینوں نفس قبض کیے جائیں گے۔ ہر ایک بنفسہٖ مستقل ہے۔
جہاں بھی اللہ پاک نے نفس کا ذکر کیا اور آدمی کی طرف اس کی اضافت کی تو اسے مفرد لفظ کے ساتھ ہی ذکر کیا۔ اسی طرح تمام احادیث میں بھی ہے۔ کسی بھی جگہ پر ''نفوسك، نفوسه، أنفسك اور انفسه'' نہیں آیا ہے۔ یہ جمع تو صرف ارادہ عموم کے وقت آیا ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿ وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ ﴾ (التکویر: ۷)

''اور جب نفس جوڑے جائیں گے۔''

یا جب اس کی اضافت جمع کی طرف ہو، جیسے فرمایا:

«اِنَّمَا أَنْفُسُنَا بِيَدِ اللّٰهِ»[1]

''بے شک ہمارے نفس اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔''

اگر انسان میں تین نفس ہوتے تو یہ لفظ ضرور بوقت اضافت جمع آتا، گو ایک مقام پر ہی آتا۔
جب نفس اللہ کی طرف سکون پکڑے، اس کے ذکر سے مطمئن ہو، اس کی طرف جھکے، اس کی ملاقات کا مشتاق ہو، اس کے قرب سے مانوس ہو تو وہ مطمئن ہے۔ اسی کو بوقت وفات کہا جائے گا:

﴿ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ۝ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ ﴾ (الفجر: ۲۷، ۲۸)

''اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل، تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ کے بارے میں کہتے ہیں: یہ تصدیق کرنے والا نفس ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: یہ مؤمن ہے جس کا نفس اللہ کے وعدے کی طرف مطمئن ہو گیا ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ نے کہا: جو اللہ نے کہا اس پر مطمئن اور جو اس نے کہا اس کی تصدیق کرنے والا ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ نے کہا: یہ عاجزی کرنے والا اور جھکنے والا وہ نفس ہے جس نے یقین کر لیا ہے کہ اللہ اس کا رب ہے۔ اس کے حکم اور اطاعت کے لیے اس نے اپنا پہلو جھکا دیا ہے اور اس کی ملاقات کا یقین کر لیا ہے۔
اطمینان کی حقیقت سکون اور قرار پکڑنا ہے۔ اسی نے اپنے رب کی طرف اور اس کی اطاعت اور امر و نہی کی طرف سکون پایا ہے۔ اس کے سوا اس کو سکون نہیں ہے۔ وہ اس کی محبت، بندگی اور ذکر پر مطمئن ہے۔ وہ اس کے امر و نہی پر اور خبر پر مطمئن ہے۔ وہ

---

[1] یہ الفاظ ایک لمبی حدیث سے ہیں۔ دیکھیے: صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة و استحباب تعجيل قضائها، حديث: ۳۰۹، ج: ۱، ص: ۴۷۱۔

اس کی ملاقات اور وعدے پر مطمئن ہے۔ وہ اس کے اسماء وصفات کے حقائق کی تصدیق پر مطمئن ہے۔ وہ اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور حضرت محمد ﷺ کے رسول ہونے پر مطمئن ہے وہ اس کی قضا وقدر پر مطمئن ہے۔ وہ اس کی کفایت، حسب اور ضمانت پر مطمئن ہے۔ اس کو اطمینان ہے کہ وہی اکیلا اس کا رب، اس کا الٰہ، اس کا معبود، اس کا مالک اور ہر چیز پر اختیار رکھنے والا ہے۔ اس کا لوٹنا اس کی طرف ہے۔ وہ اس سے ایک آنکھ کے جھپکنے کے بقدر بھی بے پروا نہیں ہو سکتا۔

اگر نفس اس کے خلاف ہے تو وہ امارہ ہے جو اپنے صاحب کو اس کی خواہش کے مطابق برائی کا حکم دیتا ہے۔ سرکشی کی خواہشات اور باطل کی اتباع بھی اس میں آتی ہے۔ یہ ہر برائی کی آماجگاہ ہے۔ اگر اس کی بات مانے تو وہ اسے ہر قبیح اور مکروہ کی طرف چلاتا ہے۔ اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ وہ نفس برائی کے لیے امارہ ہے۔ آمرہ نہیں کہا۔ کیونکہ اس میں اکثر مبالغہ ہوتا ہے۔ اس کی یہی عادت اور طریقہ ہے۔ سوائے اس کے جس نفس پر اللہ رحم کر دے۔ اس کو نیک کر دے جو اسے خیر کا حکم دے۔ یہ اللہ کی رحمت سے ہے۔ اس نفس کی طرف سے نہیں ہے۔ وہ تو ذاتی طور پر برائی کا بہت حکم دینے والا ہے۔ اس کی اصل تخلیق جہالت اور ظلم پر ہے۔ عدل اور علم اس پر اس کے رب اور پیدا کرنے والے کی طرف سے الہام سے طاری ہوتا ہے۔ جب وہ نفس کو اس کی ہدایت الہام نہ کرے تو وہ اپنے ظلم اور جہل پر باقی رہتا ہے۔ وہ صرف موجب جہل اور ظلم کا حکم دیتا ہے۔ اگر لوگوں پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے کوئی نفس بھی پاک نہ ہوتا۔

جب اللہ پاک بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتے ہیں تو پاک اور درست کرنے والے ارادے اور تصورات اس میں پیدا کرتے ہیں۔ اگر اس کے ساتھ یہ ارادہ نہ ہو تو اسے اس کی جہالت وظلم والی اس حالت پر چھوڑ دیتے ہیں جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے۔

ظلم کا سبب جہالت ہے یا حاجت ہے۔ نفس دراصل جاہل ہے اور حاجت اس کے لیے لازم ہے۔ اسی لیے برائی کا حکم دینا اس کے لیے لازم ہے۔ اگر اس کا ادراک اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ کرے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے کی اپنے رب کی طرف ضرورت ہر ضرورت سے بڑھ کر ہے۔ اس کے مشابہ کوئی ضرورت نہیں ہے جسے اس پر قیاس کیا جا سکے۔ وہ اگر اس سے آنکھ جھپکنے کے بقدر اپنی رحمت، اپنی توفیق اور اپنی ہدایت روک دے تو وہ خسارے اور ہلاکت میں چلا جائے۔

فصل: نفس لوامہ اور محاسبہ نفس

رہا لوامہ: تو اس لفظ کے اشتقاق میں اختلاف ہے کہ یہ تلون یعنی تردد سے ہے یا تلوم سے جو کہ ملامت ہے؟ سلف کی عبارات ان دونوں معانی کے گرد گھومتی ہیں۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: لوامہ کیا ہے؟ فرمایا: وہ ملامت کرنے والا نفس ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ نے کہا: وہ نفس ہے جو چھوٹ جانے والی چیز پر بندے کو شرمندہ کرے اور اس پر ملامت کرے۔ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: وہ فاجر ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا: وہ خیر وشر پر ملامت کرتا ہے۔ عطاء رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا: وہ ہر ایسا نفس ہے جو خود کو روز قیامت ملامت کرے گا۔ نیکوکار خود کو ملامت کرے گا کہ اس نے زیادہ نیکی کیوں نہ کی اور برائی والا خود کو

ملامت کرے گا کہ وہ اپنی برائی سے کیوں نہ لوٹا۔

حسن رحمہ اللہ نے کہا: اللہ کی قسم! مومن کو تم نہ دیکھو گے مگر وہ اپنے ہر حال میں نفس کو ملامت کرے گا، ہر فعل پر اس کو کوتاہ بتائے گا وہ شرمسار ہوگا اور خود کو ملامت کرے گا۔ گنہگار آگے آگے بڑھتا ہے اور وہ اپنے نفس کو ڈانٹتا نہیں ہے۔

یہ ان لوگوں کی باتیں ہیں جن کے خیال میں یہ ملامت سے نکلا ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے اس کو کثرت تلون اور تردد کی وجہ سے تلوّم سے بنایا ہے یعنی کہ یہ ایک حالت پر برقرار نہیں رہتا۔ لیکن پہلا زیادہ ظاہر ہے۔ اگر یہ معنی مراد ہو تو ضرور نفس کو ''متلوّمہ'' کہا جاتا۔ جیسے متلوّنہ اور متردّدہ کہا جاتا ہے یہ تو پہلے قول کے لوازم سے ہے۔ یہ اپنے تلون اور عدم ثبات کی وجہ سے کوئی کام کرتا ہے پھر اس پر ملامت کرتا ہے تو تلوم ملامت کے لوازم سے ہے۔

کبھی نفس امارہ ہوتا ہے، کبھی لوامہ اور کبھی مطمئنہ۔ بلکہ ایک گھڑی اور ایک دن میں اس پر تینوں حالات آتے ہیں۔ اس پر حکم اس کے غالب احوال سے ہوگا۔ اس کا مطمئنہ ہونا اس کی مدح والا وصف ہے۔ اس کا برائی کا حکم دینے والا یعنی امارہ ہونا اس کی مذمت والی صفت ہے۔ جبکہ لوامہ جو یہ رنگ بدلے اسی حساب سے مدح اور ذم کی طرف جاتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ: نفس امارہ کے دل پر غلبہ پانے کے مرض کے علاج کا ذکر ہے۔ اس کے لیے دو علاج ہیں: اس کا محاسبہ اور اس کی مخالفت۔

جب دل کا محاسبہ چھوڑ دیا جائے، اس کی موافقت اور خواہش کی اتباع کی جائے تو یہ دل کی بربادی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ»[1]

''دانا وہ ہے جو اپنے نفس کا حساب کرے اور موت کے بعد کے لیے عمل کرلے۔ عاجز وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اس کی خواہش کا تابع بنایا اور اللہ پر آرزو کی۔''

دَانَ نَفْسَهٗ کا مطلب ہے اس نے اپنے نفس کا حساب کیا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے، انہوں نے فرمایا: تم اپنے نفسوں کا محاسبہ اس سے پہلے کرو کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے۔ اپنے نفسوں کا وزن اس سے پہلے کرو کہ تمہارا وزن کیا جائے۔ تمہارے لیے کل کے حساب کے مقابل آسان تر بات یہ ہے کہ تم اپنے نفسوں کا محاسبہ آج کرلو۔ تم اس دن کی بڑی پیشی کے لیے تیاری کرو جب تم پیش کیے جاؤ گے اور تم سے کوئی چھپنے والی چیز نہ چھپے گی۔

اہلِ علم نے حضرت حسن رحمہ اللہ سے بھی بیان کیا ہے۔ فرمایا: تم کو ایسا مومن نہ ملے گا جو اپنے نفس کا حساب کرنے والا نہ ہو کہ میں نے اپنی بات سے کیا ارادہ کیا؟ میں نے اپنے کھانے سے کیا ارادہ کیا؟ میں نے اپنے پینے سے کیا ارادہ کیا؟ جبکہ گنہگار آگے

---

[1] جامع ترمذی، کتاب صفة القيامة، باب ٢٥، حديث: ٢٤٥٩، ج: ٤، ص: ٦٣٨؛ مسند امام احمد ج ٤ ص ١٢٤۔

آگے بڑھتا ہے اور وہ اپنے نفس کا محاسبہ نہیں کرتا۔

قتادہ رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ (الکھف:۲۸) ''اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے۔'' کے متعلق فرمایا: اس نے اپنے نفس کو ضائع کیا اور دھوکے میں رکھا۔ اس کے باوجود تم اس کو دیکھو گے کہ جو چیز اس کے دین کو ضائع کرنے والی ہے وہ اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ نے کہا: بندہ ہمیشہ خیر پر رہتا ہے جب تک اس کے نفس کی طرف سے ایک وعظ کنندہ رہے، اور محاسبہ اس کی سوچ سے ہو۔

میمون بن مہران رحمہ اللہ نے کہا: آدمی اس وقت تک متقی نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے نفس کا محاسبہ اس سے بڑھ کر نہ کرے جو شریک اپنے شریک کا کرتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے: نفس خائن شریک کی طرح ہے۔ اگر تو اس کا محاسبہ نہ کرے گا تو وہ تیرا مال لے جائے گا۔ نیز فرمایا: متقی اپنے نفس کے لیے نافرمان حکمران اور کنجوس شریک سے بڑھ کر محاسبہ کرنے والا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے وہب سے بیان کیا، کہتے ہیں: آل داؤد کی حکمت میں لکھا ہوا ہے: ''عاقل پر حق ہے کہ وہ چار وقتوں سے غافل نہ ہو۔ ایک وقت جس میں وہ اپنے رب سے سرگوشی کرے۔ ایک وقت جس میں وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔ ایک وقت جس میں وہ اپنے ان بھائیوں کے ساتھ خلوت میں بیٹھے جو اس کو اس کے عیوب بتاتے ہوں اور اس کے نفس کی طرف سے اس کی تصدیق کرتے ہوں اور ایک وقت جس میں وہ اپنے نفس اور اس کی خوبصورت اور حلال لذتوں کے مابین سے ہٹ جائے۔ اس وقت میں ان وقتوں پر مدد ہے اور دلوں کے لیے آرام ہے۔''

اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے مرفوع بھی روایت کیا گیا ہے۔ جیسے ابوحاتم اور ابن حبان رحمہ اللہ وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

احنف بن قیس رحمہ اللہ چراغ کے پاس آتے، اپنی انگلی اس پر رکھتے پھر کہتے: اے حنیف![1] حساب کرو آج تم نے جو کیا اس پر تجھے کس نے آمادہ کیا؟ فلاں دن جو تو نے کیا اس پر تجھے کس نے آمادہ کیا؟

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے کسی گورنر کو خط لکھا: کہ سخت حساب سے قبل نرمی میں ہی اپنے نفس کا محاسبہ کرلو۔ جس نے نرمی میں ہی سخت حساب سے پہلے خود کا حساب کرلیا، اس کا معاملہ رضا اور رشک کی طرف لوٹے گا۔ جس کو اس کی زندگی نے غافل کردیا، اور اس کی خواہشات نے مشغول کردیا، اس کا معاملہ ندامت اور خسارے کی طرف لوٹے گا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ نے کہا: مومن اپنے نفس پر نگہبان ہے۔ وہ اللہ کے لیے خود کا حساب کرتا ہے۔ روز قیامت ان لوگوں پر حساب ہلکا ہوگا جنہوں نے اپنے نفسوں کا محاسبہ دنیا میں کرلیا اور روز قیامت ان لوگوں پر حساب مشکل ہوگا جنہوں نے اس معاملہ کو بلاحساب پکڑلیا۔ مومن پر اچانک کوئی چیز آتی ہے۔ اس کو اچھی لگتی ہے۔ وہ کہتا ہے: اللہ کی قسم! میں نے تیری خواہش ضرور کی۔ بے شک تو میری حاجت ہے۔ لیکن واللہ! تیری طرف پہنچنے کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے۔ دوری ہو، دوری ہو، میرے اور تیرے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی ہے۔

---

[1] حُنیف میں حاء پر پیش ہے، یہ مصغر ہے خود کو چھوٹا ظاہر کرنے کے لیے۔ (مترجم)

اس بندے سے کوئی چیز چھوٹ جائے تو وہ اپنے نفس کی طرف لوٹتا ہے۔ کہتا ہے: میں نے اس کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ میرے لیے اور اس کے لیے کیا ہے؟ اللہ کی قسم! میں اس کی طرف کبھی نہ لوٹوں گا۔ مومن وہ قوم ہیں جن کو قرآن نے مضبوط کر دیا وہ ان کے اور ان کی ہلاکت کے مابین رکاوٹ بن گیا۔ مومن دنیا میں اپنے نفس کو چھڑانے میں بہت تیز چلنے والا ہے۔ وہ کسی چیز سے بے خوف نہیں ہوتا حتیٰ کہ اللہ سے جا ملے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ اپنے سمع میں، اپنی بصر میں، اپنی زبان میں اور اپنے اعضاء کے بارے میں ماخوذ ہوگا۔ اسے ان سب پر پکڑا جائے گا۔

مالک بن دینار رحمہ اللہ نے کہا: اللہ اس بندے پر مہربانی کرے جس نے اپنے نفس کو کہا: کیا تو ایسا کرنے والا نہیں؟ کیا تو ایسا کرنے والا نہیں؟ پھر اس کو لگام دے پھر اس کو رسی ڈالے پھر اس کو اللہ عزوجل کی کتاب کا پابند بنائے، تو یہ اس طرح اس کے لیے قائد بن جائے۔

نفس کی اپنے صاحب کے ساتھ مثال مال میں شریک کے ساتھ دی گئی ہے۔ جس طرح شرکت سے مقصود نفع اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک پہلے شرط نہ لگائی جائے کہ شریک کیا کرے گا۔ پھر اس کے عمل کا مطالعہ ہو۔ پہلے نمبر پر اس پر نگرانی اور دوسرے نمبر پر نگہبانی ہو۔ پھر تیسرے نمبر پر اس کا محاسبہ ہو۔ پھر چوتھے نمبر پر اگر خیانت پر مطلع ہو تو اسے روکے۔

اسی طرح نفس ہے۔ پہلے نمبر پر اس کو سات اعضاء کی حفاظت کی شرط لگائی جائے جو راس المال ہیں۔ اس کے بعد نفع ہے۔ جس کا راس المال نہ ہو وہ نفع کی امید کیسے کرے گا؟ یہ جو سات اعضاء ہیں یعنی آنکھ، کان، منہ، شرم گاہ، ہاتھ اور پاؤں[1] یہ نجات اور تھکاوٹ کے لیے سواری ہیں۔ ان میں سے جو تھکتا ہے وہ نفس کی عدم توجہ اور سستی کی وجہ سے تھکتا ہے۔ جو نجات پاتا ہے وہ اس کے خیال اور حفاظت کی وجہ سے نجات پاتا ہے۔ اس کی حفاظت ہر خیر کی بنیاد اور اس کی بے توجہی ہر شر کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ﴾ (النور: ٣٠)

''مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔''

اور فرمایا:

﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝﴾ (الاسراء: ٣٧)

''اور زمین پر اکڑ کر مت چل کر کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں تک پہنچ جائے گا۔''

نیز فرمایا:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝﴾ (الاسراء: ٣٦)

''اور جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ۔ کان اور آنکھ اور دل ان سب سے ضرور باز پرس ہوگی۔''

---

[1] یہ اسی طرح ہے۔ لیکن ساتویں کا ذکر نہیں کیا۔ (الفقی) ایک نسخہ میں ''زبان'' بھی شامل ہے، وہ ساتویں ہے۔ (مترجم)

اور فرمایا:

﴿ وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ﴾ (الاسراء:۵۳)

''اور میرے بندوں سے کہہ دو کہ ایسے بات کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہو۔''

اور فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ﴾ (الاحزاب:۷۰)

''مومنو! اللہ سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو۔''

اور فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾ (الحشر:۱۸)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا بھیجا ہے۔''

جب اس سے ان اعضاء کی حفاظت کی شرط لگائے گا۔ وہ اس سے اس کے مطالعہ، اس پر نگرانی اور نگہبانی کی طرف منتقل ہوگا۔ وہ اس کو کوتاہی کا موقع نہ دے گا۔ اگر وہ اس کو ایک لحظہ بھی مہلت دے تو وہ ہمیشہ خیانت کی چراگاہ میں جائے گا۔ اگر وہ مہلت میں لمبا ہو جائے تو وہ خیانت میں لمبا ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ سب راس المال کو لے جائے گا۔ جب وہ نقصان کو محسوس کرے گا تو محاسبہ کی طرف منتقل ہوگا۔ اس وقت اس کے لیے گھاٹے اور خسارے کی حقیقت کھلے گی جب اس کو گھاٹے کا احساس اور یقین ہوگا۔ وہ اس کا پیچھا کرے گا جس طرح شریک شریک کا پیچھا کرتا ہے یعنی گزشتہ پر رجوع، مستقبل میں نگہبانی اور حفاظت کا فریضہ۔ اس کی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ اس خائن سے عقد شراکت کو توڑا جائے اور اس کے بدلے میں کسی اور سے عقد کیا جائے۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس کی نگرانی اور محاسبہ میں بہت کوشش کرے اور اس کو کھلا چھوڑنے سے ڈرے۔

اس محاسبہ اور نگرانی پر اس بات کی معرفت بھی مددگار ہوگی کہ اگر وہ اس میں آج کوشش کرلے گا تو کل اس سے اس وقت آرام پائے گا جب حساب دیگر کے پاس جائے گا۔ اگر آج غفلت کرے گا تو اس پر کل حساب سخت ہو جائے گا۔

اس کے لیے اس بات کی معرفت بھی مددگار ہے کہ اس تجارت کا نفع جنت الفردوس کی رہائش اور پروردگار پاک کے چہرے کا دیدار ہے۔ اس کا خسارہ جہنم میں دخول اور رب تعالیٰ سے حجاب ہے۔ جب اس کو اس کا یقین ہوگا تو اس پر آج حساب آسان ہوگا۔ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان اور نگاہ رکھنے والے مومن پر لازم ہے کہ اپنے نفس کے حساب اور اس پر اس کی حرکات، سکنات، خطرات اور اقدامات سے غافل نہ ہو۔ زندگی کی سانسوں میں سے ہر سانس قیمتی جوہر ہے اس کے بدل کوئی خزانہ بھی خریدا جائے ممکن نہیں۔ اس کی نعمتیں ابدالآباد تک ختم نہ ہوں گی۔ ان سانسوں کو ضائع کرنا یا ان کے مالک کا ان کے بدلے میں وہ خریدنا جو اس کی ہلاکت کھینچ لائے ایک عظیم خسارہ ہے۔ اس جیسی تجارت لوگوں میں سے اس بندے کو روا ہے جو سب سے احمق، اجہل اور بلحاظ عقل کم تر ہو۔ اس کے لیے اس گھاٹے کی حقیقت یوم تغابن کو کھلے گی (جس دن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا):

﴿ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ﴾ (آل عمران:۳۰)

''جس دن ہر شخص اپنے اعمال کی نیکی کو موجود پالے گا اور ان کی برائی کو بھی، تو آرزو کرے گا کہ اے کاش اس میں اور اس برائی میں دور کی مسافت ہو جاتی اور اللہ تم کو اپنے نفس سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے''

فصل: محاسبہ نفس کس طرح ہو؟

محاسبہ نفس دو طرح ہے: ایک قسم عمل سے قبل اور دوسری قسم عمل کے بعد کی ہے۔

رہی پہلی قسم: کہ اول کسی کام کی ہمت اور ارادہ پر ٹھہر جائے، عمل میں جلدی نہ کرے، حتیٰ کہ اس کے لیے اس کے ترک پر رجحان واضح ہو جائے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ اس بندے پر رحم کرے جو اپنے ارادے کے وقت ٹھہر گیا۔ اگر اللہ کے لیے ہے تو چل پڑا اور اگر کسی اور کے لیے ہے تو پیچھے ہٹ گیا۔

بعض نے اس کی شرح میں کہا ہے: جب نفس میں کسی بھی عمل کے لیے حرکت پیدا ہو بندہ اس کا ارادہ کرے تو اولاً: ٹھہر کر غور کرے کہ کیا یہ عمل ممکن ہے یا امکان واستطاعت میں ہے؟ اگر ممکن نہ ہو تو اس پر اقدام نہ کرے۔ اگر ممکن ہو تو دوسری مرتبہ ٹھہرے اور غور کرے کہ کیا اس کا فعل اس کے ترک سے بہتر ہے یا اس کا ترک اس کے فعل سے بہتر ہے؟ اگر دوسری بات ہے تو اسے چھوڑ دے اور اس پر اقدام نہ کرے۔ اگر پہلی بات ہے تو تیسری مرتبہ ٹھہرے اور غور کرے کہ کیا اس کا باعث اللہ کی رضا اور ثواب کا ارادہ ہے یا مخلوق سے تعریف، مرتبہ اور مال حاصل کرنے کا ارادہ ہے؟ اگر دوسری بات ہے تو اس پر اقدام نہ کرے۔ گو وہ اس کے مطلوب تک پہنچاتا ہو، تاکہ نفس شرک کا عادی نہ ہو جائے اور اس پر غیر اللہ کے لیے عمل آسان نہ ہو جائے۔ جس قدر اس پر یہ آسان ہوگا، اس پر اللہ کے لیے عمل بھاری ہو جائے گا حتیٰ کہ یہ اس پر سب سے بوجھل بات ہو جائے گی۔

اگر پہلی بات ہے تو ایک مرتبہ پھر ٹھہرے اور غور کرے کہ کیا اس کی مدد کی جائے گی؟ اگر عمل میں مدد کی ضرورت ہو تو اس کے مددگار ہوں گے جو اس کی مدد ونصرت کریں گے یا نہیں؟ اگر اس کے مددگار نہ ہوں تو اس سے رک جائے۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں جہاد سے رکے رہے حتیٰ کہ آپ کے مددگار پیدا ہو گئے اور قوت بن گئی۔ اگر اس کو اس پر مددگار مل جائیں تو وہ اس پر اقدام کرے۔ اس کی نصرت ہوگی، اس سے کامیابی نہ چھوٹے گی۔ ہاں اس شخص کو کامیابی نہ ملے گی جس نے ان خصال میں سے کسی خصلت کو چھوڑا۔ ورنہ ان سب کے ہوتے ہوئے اس سے کامیابی نہیں چھوٹ سکتی۔

یہ چار مقامات ہیں جن میں آدمی قبل فعل اپنے نفس کے محاسبہ کا محتاج ہے۔ جو کچھ بندہ کرنا چاہتا ہے وہ اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا۔ جو کچھ بھی ممکن ہو اس کا فعل اس کے ترک سے ہمیشہ بہتر نہیں ہوتا۔ پھر جس کا فعل اس کے ترک سے بہتر ہو وہ ضروری نہیں کہ اللہ کے لیے ہو۔ ہر وہ عمل جو وہ اللہ کے لیے کرتا ہے اس پر مددگار ہوں گے؟ یہ ضروری نہیں۔ جب اپنے نفس کا اس طرح محاسبہ کرے گا تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ کس فعل پر اقدام کرنا ہے اور کس فعل سے اس نے رکنا ہے۔

فصل: عمل کے بعد محاسبہ

دوسری قسم عمل کے بعد نفس کا محاسبہ ہے۔اس کی تین اقسام ہیں:

پہلی: نیکی پر محاسبہ جو اس نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی اور نیکی کو اس صورت میں نہ کیا جس طرح مناسب تھی۔

نیکی میں اللہ کا حق چھ امور ہیں جو پیچھے بھی گزر چکے ہیں۔وہ یہ ہیں ❶ علم میں اخلاص ❷ اس میں اللہ کے لیے نصیحت ❸ اس میں پیغمبر ﷺ کی متابعت ❹ اس میں احسان کے دیکھنے کی گواہی ❺ اس پر اللہ کے احسان کی گواہی اور ❻ ان سب میں بعد میں اپنی کوتاہی کی گواہی۔

وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے کہ کیا اس نے ان مقامات کا حق ادا کیا ہے؟ اور اس نیکی میں اس نے ان کو انجام دیا ہے؟

دوسری: اپنے نفس کا ہر اس عمل پر محاسبہ کرے جس کا ترک اس کے لیے اس کے فعل سے بہتر تھا۔

تیسری: وہ مباح یا عام معاملہ پر اپنے نفس کا محاسبہ کرے کہ اس نے یہ کیوں کیا؟ کیا اس نے اس سے اللہ اور روز آخرت کا ارادہ کیا؟ تو وہ نفع پانے والا ہوگا، یا اس کے ساتھ دنیا اور جلد بدلے کا ارادہ کیا تو اس نفع میں گھاٹا پائے گا اور اس پر کامیابی اس سے چھوٹ جائے گی۔

فصل: ترک محاسبہ کا نقصان

آدمی کے لیے سب سے نقصان دہ چیز سستی، ترک محاسبہ اور ڈھیل ہے۔نیز معاملات کو کھلا چھوڑ نا اور چلاتے جانا بھی۔اس کا انجام ہلاکت ہے۔یہ حالت دھوکا والوں کی ہے۔وہ انجام سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔اسی حالت پر چلتے ہیں۔معافی پر بھروسا کرتے ہیں۔ایسا شخص اپنے نفس کا محاسبہ اور انجام پر نگاہ میں کوتاہی کرتا ہے۔جب وہ ایسا کرتا ہے اس پر گناہ کرنا آسان ہو جاتا ہے اور گناہوں سے مانوس ہو جاتا ہے اور اس پر ان کا چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔جب اس کو عقل آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے چھوڑنے، اس عادت اور الفت کے ترک سے اس پر پرہیز آسان تر تھا۔

ابن ابی الدنیا کہتے ہیں: مجھے قریش کے ایک آدمی نے واقعہ بتایا اس کا کہنا تھا کہ میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں۔کہا: توبہ بن صمہ رقہ میں تھا۔وہ اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرتا تھا۔ایک دن اس نے حساب لگایا تو وہ ساٹھ برس کا ہو گیا تھا۔اس نے ان کے دنوں کا شمار کیا تو وہ اکیس ہزار اور پانچ سو[1] دن تھے۔وہ چیخا اور کہا: ہائے مجھ پر افسوس! کیا میں اپنے رب کو اکیس ہزار گناہوں کے ساتھ ملوں گا؟ پھر کیسے ہوگا اگر ہر روز ہزاروں گناہ ہوں؟ پھر بے ہوش ہو کر گر گیا تو وہ مرا پڑا تھا۔انہوں نے کسی کہنے والے کو کہتے ہوئے سنا: تیری خوش نصیبی۔جنت الفردوس کی طرف دھکا ہے۔[2]

اس میں مجموعی بات یہ ہے کہ آدمی اولاً فرائض پر اپنے نفس کا محاسبہ کرے اگر ان میں کوئی نقص یاد آئے تو اس کا تدارک

---

① ایک نسخہ میں چھ سو ہے۔قمری مہینوں کے اعتبار سے ساٹھ سالوں کے ایام میں یہ کمی بیشی ممکن ہے۔(مترجم)

② تجھے ایک دم جنت میں داخل کر دیا گیا ہے۔(مترجم)

اصلاح یا قضا کے ساتھ کرے۔ پھر اس کا ممنوعات پر محاسبہ کرے اگر یاد آئے کہ وہ کسی کا مرتکب ہوا ہے تو اس کا تدارک توبہ، استغفار اور گناہ مٹانے والی نیکیوں سے کرے۔ پھر اپنے نفس کا غفلت پر محاسبہ کرے۔ اگر جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا، اس میں اس نے غفلت کی تو اس کا تدارک ذکر اور اللہ کی طرف متوجہ ہو کر کرے۔ پھر اس نے جو کلام کیا اس پر محاسبہ کرے، یا جس کی طرف اس کے پاؤں چل کر گئے، یا جس کو اس کے ہاتھوں نے پکڑا، یا اس کے کانوں نے جو سنا ہے کہ اس نے اس سے کیا ارادہ کیا ہے؟ کس کے لیے یہ کیا؟ اور کس صورت پر یہ کیا؟ اس کو معلوم رہے کہ اس کی ہر حرکت اور کلمہ کے لیے دو دفتر کھولے جائیں گے۔ ایک دفتر کہ تم نے یہ کس کے لیے کیا؟ اور ایک دفتر کہ یہ تم نے کس طرح کیا؟ پہلا سوال اخلاص کے متعلق ہے جبکہ دوسرا سوال (پیغمبر ﷺ کی) پیروی کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (الحجر:۹۲، ۹۳)

''پس تیرے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور ضرور سوال کریں گے اس چیز کے بارے میں جو وہ عمل کرتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآىِٕبِيْنَ ۝﴾

(الاعراف:۶، ۷)

''پس ہم ضرور ضرور ان سے سوال کریں گے جن کی طرف بھیجا گیا اور ہم ضرور ضرور پیغمبروں سے سوال کریں گے پس ہم ضرور ضرور ان پر علم سے بیان کریں گے اور ہم غائب نہ تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ﴾ (الاحزاب:۸)

''تاکہ وہ سچوں سے ان کے سچ کے بارے میں سوال کرے۔''

جب سچوں سے سوال کیا جائے گا، ان کے سچ پر حساب کیا جائے گا تو جھوٹوں کے بارے میں کیا گمان ہے؟

مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے ان سے پختہ وعدہ لیا تاکہ اللہ سچوں یعنی نبیوں سے تبلیغ رسالت کا سوال کرے۔ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: مبلغین پیغمبروں کے جانشینوں سے سوال ہوگا کہ کیا انہوں نے ان کی نیابت میں اللہ کا حکم پہنچایا؟ جیسے پیغمبروں سے سوال کیا جائے گا کہ کیا انہوں نے اللہ کی طرف سے حکم پہنچایا؟

حقیقت میں یہ آیت دونوں کو شامل ہے۔ پیغمبر اور ان کی طرف سے پہنچانے والے نائب سچے ہیں۔ پیغمبروں سے اللہ کی تبلیغ رسالت کا سوال کیا جائے گا، مبلغین سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ یعنی اس چیز کی تبلیغ کا جو ان کو پیغمبروں نے پہنچائی تھی۔ پھر ان سے سوال کیا جائے گا جن کو پیغام پہنچا کہ انہوں نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝﴾ (القصص:۶۵)

''اور وہ اس دن ان کو آواز دے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا؟''

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: پہلوں اور پچھلوں سے دو باتوں کا سوال کیا جائے گا: تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ اور تم نے پیغمبروں

کو کیا جواب دیا؟

تو سوال معبود اور عبادت کے متعلق کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴾ (التکاثر:۸)

''پھر تم ضرور ضرور اس دن نعمتوں کے متعلق سوال کیے جاؤ گے۔''

محمد بن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پھر اللہ عزوجل ضرور تم سے ان نعمتوں کے متعلق سوال کرے گا جن میں تم دنیا میں تھے کہ تم نے ان میں کیا عمل کیا؟ تم کہاں سے ان تک پہنچے؟ تم نے ان کو کیسے پایا؟ تم نے ان کے ساتھ کیا کیا؟

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ پاک نے ہر بندے کو جو نعمت اور حق دیا ہے اس کے متعلق سوال کرے گا۔

سوال کی گئی نعمت دو طرح کی ہے: ایک نعمت جس کو حلال لیا اور حق میں صرف کیا، اس کے شکر کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

ایک نعمت جس کو غیر حلال لیا اور غیر حق میں صرف کیا۔ اس کے نکالنے کی جگہ اور خرچ کی جگہ کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

جب بندہ ہر چیز پر مسئول اور حساب دینے والا ہے حتیٰ کہ اپنے کان، آنکھ اور دل پر بھی، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴾ (الاسراء:۳۶)

''بے شک کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کے متعلق سوال کیا جائے گا۔''

تو بندے کو چاہیے کہ سخت حساب سے پہلے خود ہی اپنا محاسبہ کرلے۔ نفس کے محاسبہ کے وجوب پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾ (الحشر:۱۸)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل کے لیے کیا بھیجا ہے۔''

یعنی اللہ فرماتے ہیں: ہر شخص کو غور کرنا چاہیے کہ اس نے روز قیامت کے لیے کیسے اعمال بھیجے ہیں۔ آیا وہ نیکیاں ہیں جو اس کو نجات دیں گی یا برائیاں ہیں جو اسے ہلاک کریں گی؟

قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: تمہارا رب ہمیشہ قیامت کو قریب بتاتا رہا حتیٰ کہ اسے کل کی طرح قرار دے دیا۔

حاصل یہ ہے کہ: دل کا فائدہ نفس کے محاسبہ میں ہے اور اس کا نقصان اس کو کھلا چھوڑنے اور اس کے ساتھ ڈھیل کرنے میں ہے۔

فصل: محاسبہ نفس کے فوائد

محاسبہ نفس کے چند فوائد ہیں۔

ایک فائدہ اس کے عیوب پر اطلاع ہے۔ جس کو اپنے نفس کے عیب کی اطلاع نہ ہو اس کے لیے ان کا ازالہ ممکن نہیں ہے۔ اگر بندہ اس کے عیب پر مطلع ہو جائے تو وہ اللہ کی ذات کے لیے اپنے نفس سے ناراض ہو جائے گا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں: آدمی پورے طور پر سمجھدار نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ وہ لوگوں سے اللہ کے لیے ناراضگی رکھے۔ پھر وہ اپنے نفس کی طرف اس حال میں لوٹے کہ وہ اس سے سخت ناراض ہو۔

مطرف بن عبداللہ رحمہ اللہ نے کہا: اگر وہ کچھ نہ ہوتا جو میں اپنے نفس کے بارے میں جانتا ہوں تو میں ضرور لوگوں سے ناراضگی رکھتا۔
مطرف نے ہی عرفہ میں اپنی دعا میں کہا: اے اللہ! تو لوگوں کو میری وجہ سے رد نہ کر۔
بکر بن عبداللہ مزنی رحمہ اللہ نے کہا: جب میں نے اہل عرفات کی طرف دیکھا تو میں نے گمان کیا کہ ان سب کو بخشا جائے گا، اگر میں ان میں نہ ہوتا۔

ایوب سختیانی رحمہ اللہ نے کہا: جب صالحین کا ذکر کیا جائے گا تو میں ان سے الگ تھلگ ہوں گا۔

جب حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا وقت وفات آیا تو ان کے پاس ابوالاشہب اور حماد بن سلمہ رحمہ اللہ گئے۔ حماد رحمہ اللہ نے ان سے کہا: اے ابوعبداللہ! کیا آپ اس بات سے امن میں نہیں جس کا آپ کو خوف ہے؟ آپ اس ذات کے پاس جا رہے ہیں جس کی آپ کو امید ہے وہ ارحم الراحمین ہے۔ کہنے لگے: اے ابوسلمہ! کیا تو میرے جیسے کے لیے طمع رکھتا ہے کہ وہ جہنم سے بچ جائے گا؟ کہا: جی ہاں۔ اللہ کی قسم! میں اس کی ضرور امید رکھتا ہوں۔

ابن زید نے مسلم بن سعید الواسطی، حماد بن جعفر بن زید، ان کے باپ سے بیان کیا ہے، کہتے ہیں: ہم کابل کی طرف ایک سفرِ جہاد کے لیے گئے۔ لشکر میں حضرت صلہ بن اشیم بھی تھے۔ لوگ عشاء کے وقت رکے۔ انہوں نے نماز پڑھی پھر لیٹ گئے۔ میں نے کہا: آج رات میں ضرور ان کے عمل پر نظر رکھوں گا۔ انہوں نے لوگوں کی نیند پر نظر رکھی حتیٰ کہ لوگوں کی آنکھیں سکون پا گئیں۔ اچانک اٹھے اور قریب درختوں کے ایک جھنڈ میں چلے گئے۔ میں بھی ان کے پیچھے چلا گیا۔ حضرت صلہ نے وضو کیا پھر اٹھے اور نماز پڑھنے لگے۔ ایک شیر آیا حتیٰ کہ ان کے قریب ہو گیا۔ میں ایک درخت پر چڑھ گیا۔ تمہارا خیال ہے کہ شیر نے ان کو دیکھا اور گھسیٹ کر لے گیا ہوگا؟ جب سجدہ کیا تو میں نے کہا: اب وہ ان کو پھاڑے گا۔ وہ بیٹھے پھر سلام پھیرا پھر کہا: اے درندے! رزق کسی اور جگہ پر ڈھونڈو۔ شیر ایسے چنگھاڑتا ہوا واپس گیا کہ میں کہتا ہوں: اس سے پہاڑ ٹوٹ جائیں۔ کہتے ہیں: وہ اسی طرح نماز پڑھتے رہے حتیٰ کہ صبح قریب ہو گئی۔ بیٹھ کر اللہ کی ایسی حمد کی کہ اس جیسے کلماتِ حمد میں نے نہ سنے تھے۔ پھر کہا: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے جہنم سے بچا۔ میرے جیسا یہ جرأت تو نہیں کر سکتا کہ وہ تجھ سے جنت کا سوال کرے۔ کہتے ہیں: پھر اس طرح لوٹ گئے اور صبح کی گویا وہ رات بستر پر تھے اور میں نے اس طرح کی گھبراہٹ پر صبح کی جس کو اللہ ہی جانتا ہے۔''

یونس بن عبید رحمہ اللہ نے کہا: میں خیر کی خصلتوں میں سے ایک سو خصلت پاتا ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میرے نفس میں ان میں سے ایک بھی خصلت موجود ہو۔

محمد بن واسع رحمہ اللہ نے کہا: اگر گناہوں کی بدبو ہوتی تو کوئی بھی میرے پاس بیٹھنے کی قدرت نہ رکھتا۔

ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے: کہتے ہیں: بنی اسرائیل کا ایک راہب اپنی جھونپڑی میں ساٹھ برس سے رہ رہا تھا۔ اس کو خواب میں دکھایا گیا اور اسے کہا گیا: فلاں موچی تجھ سے بہتر ہے۔ پھر ایک رات کے بعد اس کو موچی دکھایا گیا۔ اس نے اس کے عمل کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا: میں ایسا آدمی ہوں کہ جو کوئی بھی میرے پاس سے گزرے میں سمجھتا ہوں کہ یہ جنت میں جانے والا ہے اور میں جہنم میں ہوں۔ اس موچی کو اپنے نفس کو حقیر جاننے کی وجہ سے راہب پر فضیلت دی گئی۔

داؤد الطائی نے بعض امراء کے پاس یہ واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے ان کی تعریف کی۔ کہا: اگر لوگ بعض وہ چیز جان لیں جس

پر ہم ہیں تو کوئی زبان ہمارے لیے ذکر خیر سے کبھی مطیع نہ ہو۔

ابو حفص رحمہ اللہ نے کہا: جس شخص نے اپنے نفس کو دوام اوقات پر متہم نہ کیا، نہ تمام احوال میں اس کی مخالفت کی، نہ اس کو اس کے تمام اوقات میں اس کی ناپسندیدگی کی طرف چلایا وہ دھوکے والا ہوا۔ جو اس کی طرف اس کی کچھ اچھائی سمجھ کر دیکھتا ہے اس نے اس کو ہلاک کر دیا۔ نفس ہلاکتوں کی طرف دعوت دینے والا ہے۔ ہر قبیح چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔ ہر برائی کا تتبع ہے۔ وہ طبعاً میدان مخالفت میں چلتا ہے۔ جس نعمت کی کوئی پریشانی نہیں، وہ نفسِ بد سے نکلنا اور اس کی غلامی سے چھٹکارا ہے۔

بلا شبہ یہ بندے اور اللہ کے مابین بڑا حجاب ہے۔ لوگوں میں جو سب سے زیادہ اللہ کو جانتا ہے وہ نفس کو سخت حقیر جانتا ہے اور اس سے ناراضگی رکھتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اس سند سے بیان کیا ہے: علی بن حسین، المقدسی، عامر بن صالح، عن ابیہ، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: اے اللہ میرے لیے میرا ظلم اور میرا کفر بخش دے۔ کسی کہنے والے نے کہا: اے امیر المومنین! یہ ظلم (تو معلوم) ہے۔ کفر کا کیا حال ہے؟ فرمایا: ''بے شک انسان ضرور بہت ظلم کرنے والا بڑا ناشکرا ہے۔''

اس سند سے بھی بیان کیا: یونس بن حبیب، ابوداؤد، صلت بن دینار، بقیہ بن صہبان الہنائی کہتے ہیں: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ عزوجل کے اس فرمان کے متعلق سوال کیا:

﴿ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡكِتٰبَ الَّذِيۡنَ اصۡطَفَيۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا‌ ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ‌ ۚ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ‌ۚ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ ؕ﴾ (الفاطر: ٣٢)

''پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا۔ تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والے ہیں۔''

کہنے لگیں: اے بیٹے! یہ جنت میں ہیں۔ رہے نیکیوں میں آگے بڑھنے والے تو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پر چلا، اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور رزق کی شہادت دی ہے۔ رہے میانہ رو، تو ان کے اصحاب میں سے جس نے ان کی پیروی کی حتیٰ کہ ان سے جا ملا۔ رہے اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے تو وہ میرے [1] اور تمہارے جیسے ہیں۔ انہوں نے اپنے نفس کو بھی ہمارے ساتھ ہی کر دیا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اس سند سے بیان کیا ہے: حجاج، شریک، عاصم، ابووائل، مسروق کہتے ہیں: عبدالرحمن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ مِنْ أَصْحَابِيْ لَمَنْ لَّا يَرَانِيْ بَعْدَ أَنْ أَمُوْتَ أَبَدًا فَخَرَجَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ مِنْ عِنْدِهَا مَذْعُوْرًا۔ حَتّٰى دَخَلَ عَلٰى عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقَالَ لَهٗ: اِسْمَعْ مَا تَقُوْلُ أُمُّكَ، فَقَامَ عُمَرُ۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَتّٰى أَتَاهَا فَدَخَلَ عَلَيْهَا، فَسَأَلَهَا، ثُمَّ قَالَ: أَنْشُدُكِ بِاللّٰهِ، أَمِنْهُمْ أَنَا؟ قَالَتْ: لَا، وَلَنْ أُبَرِّئَ بَعْدَكَ أَحَدًا» [2]

---

[1] یہ انہوں نے از راہ تواضع فرمایا ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سابقین اور مقربین میں سے ہیں۔ (الفقی)

[2] مسند امام احمد، ج: ٦، ص: ٢٩٨۔

''میرے اصحاب میں سے بعض وہ ہے جو میرے مرنے کے بعد مجھے کبھی نہ دیکھے گا۔ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ وہاں سے گھبرائے ہوئے نکلے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا: سنو! تمہاری ماں کیا کہتی ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے حتیٰ کہ ان کے پاس پہنچے۔ کہا: میں تم کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، کیا میں ان میں سے ہوں؟ فرمانے لگیں: نہیں! لیکن میں تیرے بعد کسی کو بھی ہرگز بری نہ کروں گی۔''

میں نے اپنے شیخ کو کہتے ہوئے سنا: انہوں نے ارادہ کیا کہ میں ان پر یہ دروازہ نہ کھولوں۔ ان کا یہ ارادہ نہ تھا کہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے بجائے تو اکیلا ہی اس سے بری ہے۔

اللہ کی ذات کے بارے میں نفس سے ناراضگی صدیقوں کی صفات میں سے ہے۔ اس کے ذریعہ سے اللہ پاک کا بندہ اس سے بڑھ چڑھ کر قریب ہو جاتا ہے۔ جتنا عمل سے قریب ہوتا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے مالک بن دینار سے بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک قوم بروز عید اپنی ایک مسجد میں تھی۔ ایک جوان آیا حتیٰ کہ مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا۔ کہنے لگا: میرے جیسا تمہارے پاس نہیں آ سکتا۔ میں فلاں گناہ والا ہوں۔ میں فلاں گناہ والا ہوں۔ وہ خود کو حقیر بتانے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی کی طرف وحی کی کہ فلاں شخص صدیق ہے۔ [1]

امام احمد رحمہ اللہ نے اس سند سے بیان کیا ہے: محمد بن حسن بن انس، منذر، وہب [2] کہتے ہیں: ایک عبادت گزار نے ستر برس اللہ عزوجل کی عبادت کی۔ پھر ایک دن نکلا اور اپنے عمل کو کم سمجھا اور اس کی اللہ سے شکایت کی اور اپنے گناہ کا اعتراف کیا۔ اس کے پاس خواب میں اللہ کی طرف سے کوئی آیا اور فرمایا: تیری یہ مجلس مجھے تیری عمر کے گزشتہ تمام اعمال سے بڑھ کر محبوب ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے عبدالصمد، ابو ہلال، قتادہ سے بیان کیا ہے: حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے فرمایا: بے شک میں نرم دل ہوں اور اپنے نفس کے ہاں صغیر ہوں۔

احمد رحمہ اللہ نے ہی عبداللہ بن رباح الانصاری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے، کہتے ہیں: حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل میں سب سے کم تر حلقے کو دیکھتے اور ان کے درمیان بیٹھ جاتے۔ پھر کہتے: اے میرے رب! میں مساکین کے درمیان ایک مسکین ہوں۔

عمران بن موسیٰ القصیر سے بیان کیا گیا ہے، کہتے ہیں: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! میں تجھ کو کہاں تلاش کروں؟ فرمایا: مجھے عاجز دل لوگوں کے پاس ڈھونڈو۔ میں ہر روز ان کی طرف دو بالشت قریب ہوتا ہوں۔ اگر یہ نہ ہوں تو لوگ ہلاکت میں گر جائیں۔

امام احمد رحمہ اللہ کی کتاب الزہد میں ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے ایک حاجت کی طلب میں ساٹھ سال عبادت کی۔ اس کو اس پر کامیابی نہ ملی۔ اس نے اپنے نفس سے کہا: اللہ کی قسم اگر تجھ میں خیر ہوتی تو تو ضرور اپنی حاجت پر کامیابی پاتا۔ اس کو خواب میں دکھایا گیا اور اسے کہا گیا: تم نے ان اوقات میں اپنے نفس کو کبھی حقیر جاننا دیکھا ہے؟ یہ تیری عبادت کے ان

---

[1] قرآنی بیان کے مطابق صدیقوں کا درجہ نبیوں کے بعد جبکہ شہداء اور صالحین سے پہلے ہے۔ (مترجم)

[2] ایک نسخہ میں مزنی ہے۔ (مترجم)

سالوں سے بہتر ہے۔

محاسبہ نفس کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اس سے خود پر اللہ کا حق پہچانتا ہے۔ لیکن جس نے خود پر اللہ کے حق کو نہ پہچانا اس کی عبادت اس کو کوئی فائدہ/سخاوت دینے والی نہیں۔ یہ بہت ہی کم نفع والی عبارت ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اس سند سے بیان کیا ہے: حجاج، جریر بن حازم، وہب کہتے ہیں: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا گزر ایک شخص کے پاس سے ہوا جو دعا کر رہا تھا اور اس میں تضرع کر رہا تھا۔ کہا: اے پروردگار! اس پر رحم فرما۔ بے شک میں نے اس پر رحم کھایا ہے۔ اللہ نے ان کی طرف وحی کی: اگر یہ مجھ سے دعا کرے حتیٰ کہ اس کی قوتیں ختم ہو جائیں تو بھی میں اس کی دعا قبول نہ کروں گا جب تک وہ اس حق کو نہ دیکھے جو میرا حق اس پر ہے۔

دل کے لیے بہت نفع مند بات یہ ہے کہ وہ بندے پر اللہ کے حق کو دیکھے۔ اس کے نتیجہ میں اُسے اپنے نفس سے ناراضگی اور اس پر حقارت ملے گی، یہ اسے فخر اور عمل کی ریاکاری سے نجات دے گا اور اس کے لیے اس کے رب کے سامنے خضوع، عاجزی اور انکساری کا دروازہ کھولے گا۔ نیز اپنے نفس سے ناامیدی کا بھی۔ اس کو نجات اللہ کی معافی، اس کی مغفرت اور رحمت کے بغیر حاصل نہ ہو سکے گی۔ اللہ کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے، اسے بھلایا نہ جائے۔ اس کا شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے۔

جو اپنے اوپر رب کے اس حق کو پہچانے، اسے علم یقین سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اُس طرح بندگی کا حق ادا نہیں کر رہا جس طرح کرنا چاہیے۔ اس کے لیے سوائے معافی اور بخشش کے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر اس کو اس کے عمل کے حوالے کیا گیا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔

جو لوگ اللہ کی اور اپنے نفسوں کی معرفت رکھتے ہیں ان کے لیے یہ مقام قابلِ غور ہے۔ اسی بات نے ان کو ان کے نفسوں سے مایوس کیا ہے اور ان کی سب امید کو اللہ کی معافی اور اس کی رحمت سے معلق کر دیا ہے۔

جب تم اکثر لوگوں کی حالت پر غور کرو گے تو تم ان کو اس کے الٹ پاؤ گے۔ وہ اللہ پر اپنے حق کو تو دیکھتے ہیں لیکن جو اللہ کا حق ان پر ہے اسے وہ لوگ نہیں دیکھتے۔ یہیں سے وہ اللہ سے کٹ گئے۔ ان کے دل اس کی معرفت، اس کی محبت، اس کی ملاقات کے شوق اور اس کے ذکر سے خوشحالی پانے سے پردے میں چلے گئے۔ انسان کے لیے اپنے پروردگار کے ساتھ اور اپنے نفس کے ساتھ یہی انتہائی جہالت ہے۔

نفس کا محاسبہ اولاً یہ ہے کہ بندہ اپنے اوپر اللہ کا حق دیکھے۔ پھر دوبارہ اس پر نگاہ ڈالے کہ آیا جس طرح حق تھا اس نے اسے ادا کیا ہے؟ افضل فکر اس کے متعلق فکر ہے۔ یہ دل کو اللہ کی طرف چلاتا ہے۔ اس کے سامنے اسے عاجزی، خضوع، انکساری اور ایسا ٹوٹنے والا کر کے ڈال دیتا ہے جس میں اس کا جڑنا ہے۔ ایسی فقیر والے فقر میں جس میں اس کی غنا ہے۔ ایسی ذلت میں جس میں اس کی عزت ہے۔ وہ جیسے بھی عمل کر لے قریب نہیں کہ یہ عمل کرے۔ اگر اس سے یہ چھوٹ گیا، پس اس سے جو نیکی چھوٹی ہے وہ اس سے افضل تھی جو اس نے کی ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ اس سند سے بیان کرتے ہیں: ابن القاسم، صالح المدنی، ابی عمران الجونی، ابوالجلد کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: جب تم میرا ذکر کرو تو اس حال میں میرا ذکر کرو کہ تمہارے اعضاء کپکپاتے ہوں۔ تو میرے ذکر پر خاشع اور مطمئن ہو جا۔ جب تو میرا ذکر کرے تو اپنی زبان کو اپنے دل کے پیچھے کر دے۔ جب تو میرے سامنے کھڑا ہو تو حقیر اور ذلیل بندے کی طرح کھڑا ہو جا۔ تو اپنے نفس کو ملامت کر کہ یہ ملامت کا زیادہ حق دار ہے۔ تو مجھ سے سرگوشی کر، ڈرنے والے دل کے ساتھ اور سچی زبان کے ساتھ۔

بندے کو خود پر اللہ کے حق دیکھنے کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنا عمل بالکل کسی کو نہیں بتاتا خواہ کوئی ہو جس نے اپنا عمل بتایا، وہ اللہ کی طرف نہ چڑھا۔

جیسے امام احمد رحمہ اللہ نے کسی اللہ والے کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ ان کو کسی آدمی نے کہا: میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو روتا ہوں حتیٰ کہ سبزہ میرے آنسوؤں سے بھیگنے کے قریب ہو جاتا ہے۔ فرمایا: اگر تو ہنسے اور اللہ کے لیے اپنے گناہ کا اعتراف کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ تو روئے اور اپنا عمل لوگوں کو بتائے۔ بتانے والے کی نماز اس کے اوپر نہیں چڑھتی۔

اس نے ان سے کہا: مجھے وصیت کیجیے؟ فرمایا: تو دنیا سے بے رغبتی اختیار کر نیز یہ کہ تو دنیا والوں سے نہ الجھے گا۔ تو شہد کی مکھی کی طرح ہو جا۔ اگر کھائے تو پاک کھاتی ہے اور اگر چھوڑے تو پاک چھوڑتی ہے۔ اگر کسی ٹہنی پر بیٹھے نہ اسے نقصان دیتی ہے نہ اس کو توڑتی ہے۔ میں تجھے اللہ کے لیے اخلاص کی نصیحت کرتا ہوں۔ جیسے کتا اپنے مالک کے لیے مخلص ہوتا ہے۔ وہ اسے بھوکا رکھتے ہیں، اسے دھتکارتے ہیں لیکن وہ پھر بھی ان کے اردگرد رہتا ہے اور ان کے لیے مخلص رہتا ہے۔

یہیں سے امام شاطبی رحمہ اللہ نے اپنا یہ شعر بنایا ہے۔

''کہا گیا: تو کتے کی طرح ہو جا۔ اسے اس کا مالک دور کرتا ہے اور وہ ان کی خیر خواہی میں کوتاہی کرتے ہوئے الگ نہیں ہوتا۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے اس سند سے بیان کیا ہے: سیار، جعفر، جریری کہتے ہیں: مجھے خبر پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جسے اللہ کی طرف ایک حاجت تھی۔ اس نے عبادت کی اور بہت محنت کی پھر اللہ سے اپنی حاجت طلب کی مگر اس نے کامیابی نہ دیکھی۔ ایک رات وہ اپنے نفس کو حقیر بناتے ہوئے سو گیا اور کہا: اے نفس! تجھے کیا ہے کہ تیری حاجت پوری نہیں کی جاتی؟ وہ رات غمزدہ سویا۔ اس نے اپنے نفس کو حقیر کہا، اپنے نفس پر الزام لگایا اور کہا: اللہ کی قسم! تو میرے رب کی طرف سے نہیں آیا۔ بلکہ تو میرے نفس کی طرف سے آیا ہے۔ وہ اس رات بھی اپنے نفس کو حقیر کہتے ہوئے سو گیا اور اس کو ملامت کا سزاوار ٹھہرایا۔ پس اللہ کی طرف سے اس کی حاجت پوری کر دی گئی۔

باب نمبر:12

دل کے شیطانی مرض کا علاج

یہ باب کتاب کا اہم باب ہے اور بلحاظ نفع عظیم ترین ہے۔ متاخرین ارباب سلوک نے اس کا اس طرح اہتمام نہیں کیا جس طرح انہوں نے نفس، اس کے عیوب اور آفات کے ذکر کا اہتمام کیا ہے۔ انہوں نے اس بارے میں تو وسیع بات کی ہے۔ جبکہ اس باب میں انہوں نے کوتاہی کی ہے۔

جو قرآن و سنت پر غور کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ان دونوں میں شیطان اور اس کی مخالفت کا ذکر نفس کے ذکر سے زیادہ آیا ہے۔ نفس مذموم کا ذکر اس قول میں ہے:

﴿اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ﴾ (یوسف:۵۲)

''بے شک نفس برائی کا بہت حکم دینے والا ہے۔''

لوامہ کا ذکر اس فرمان میں ہے:

﴿وَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ ۝۲﴾ (القیامة:۲)

''مجھ کو نفس لوامہ کی قسم ہے۔''

نفس مذموم کا ذکر اس فرمان میں بھی ہے:

﴿وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ۝۴۰﴾ (النازعات:۴۰)

''اور اس نے نفس کو خواہش سے روکا۔''

شیطان کا ذکر متعدد مقامات پر آیا ہے۔ اس کے لیے ایک الگ سورت بھی ہے[1]۔ رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو شیطان سے ڈرایا ہے۔ یہ نفس سے ڈرانے سے بڑھ کر ہے۔ یہی بات سب سے مناسب ہے۔ نفس کا شر اور فساد شیطان کے وسوسہ سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ یہ اس کی سواری اور شر کی جگہ ہے۔ یہ اس کی فرمانبرداری کا مقام ہے۔ تلاوت قرآن وغیرہ کے موقع پر اس سے پناہ مانگنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے۔ یہ اس سے پناہ مانگنے کی شدید حاجت کی وجہ سے ہے۔ ایک جگہ پر بھی نفس سے پناہ مانگنے کا حکم نہیں دیا۔ اس کے شر سے پناہ مانگنا تو صرف نبی کریم ﷺ کے خطبہ حاجت میں اس قول میں آیا ہے:

«وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا»[2]

[1] شاید اس سے مراد سورت الناس ہے۔ (الفقی)

[2] سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی خطبة النکاح، حدیث: ۲۱۱۸، ج: ۲، ص: ۵۹۱۔

''اور ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں اپنے نفسوں کی شرارتوں سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے۔''

جیسا کہ گزشتہ باب میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں باتوں سے پناہ مانگنا جمع کر دیا ہے جسے ترمذی نے روایت کیا ہے:

«أَنَّ أَبَابَكْرِ ن الصِّدِّيْقَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، عَلِّمْنِيْ شَيْئًا أَقُوْلُهُ إِذَا أَصْبَحْتُ وَإِذَا أَمْسَيْتُ، قَالَ: ''قُلْ اَللّٰهُمَّ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكَهُ. أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَشَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ[1] وَأَنْ أَقْتَرِفَ عَلٰى نَفْسِيْ سُوْءًا أَوْ أَجُرَّهُ إِلٰى مُسْلِمٍ. قُلْهُ إِذَا أَصْبَحْتَ وَأَمْسَيْتَ وَإِذَا أَخَذْتَ مَضْجَعَكَ»[2]

''حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! مجھے کوئی چیز سکھایئے جسے میں صبح شام پڑھا کروں؟ فرمایا تم کہو: اے اللہ! اے غیب اور ظاہر کو جاننے والے! آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! ہر چیز کے رب اور اس کے مالک! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ میں اپنے نفس کے شر سے، شیطان کے شر اور اس کے شرک سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور اس سے کہ میں اپنے نفس پر کسی برائی کا اکتساب کروں یا اسے کسی مسلمان کی طرف لے جاؤں۔ تم یہ کہو جب تم صبح کرو اور جب تم شام کرو اور جب تم (رات کو) اپنے بستر پر لیٹو۔''

یہ حدیث شریف اپنے ضمن میں شر، اس کے اسباب اور اس کی غایت سے پناہ طلب کرنے پر مشتمل ہے۔ سب شر شیطان کی طرف سے صادر ہوتا ہے یا نفس کی طرف سے۔ اس کی انتہا عامل پر لوٹتی ہے یا اس کے مسلمان بھائی پر، تو اس حدیث میں شر کے دونوں مصدر [illegible] گئے ہیں جن سے یہ صادر ہوتا ہے اور دونوں انتہائیں جن تک یہ پہنچتا ہے۔

فصل: شیطان سے پناہ مانگنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝﴾ (النحل:۹۸، ۱۰۰)

''اور جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو کہ جو مومن ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں ان پر اس کا کچھ زور نہیں چلتا اس کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں اور اس کے (وسوسے کے) سبب (اللہ کے ساتھ) شریک مقرر کرتے ہیں۔''

---

① شرک میں شین پر زیر ہے۔ ایک روایت میں شرک زبر کے ساتھ ہے۔ جس کا مطلب شیطان کا جال اور اس کی رسیاں ہیں۔ (الفقی)

② سنن ابی داود، كتاب الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، حديث: ٥٠٦٧، ج: ٥، ص: ٣١٠؛ مسند امام احمد، ج:١، ص:٩۔

اِسْتَعِذْ بِاللهِ کا مطلب ہے اس کے ساتھ پناہ پکڑ، اس کو مضبوط تھام، اس سے التجاء کر۔ اس کا مصدر عوذ، عیاذ اور معاذ ہے۔ اس کا اکثر استعمال اس چیز کے بارے میں ہے جس سے پناہ پکڑی جائے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لَقَدْ عُذْتِ بِمَعَاذٍ»[1]

''تو نے ایک پناہ والی ذات کی پناہ طلب کی ہے۔''

اس لفظ کا اصل مطلب کسی چیز کی طرف جڑنا اور اس کا قرب لینا ہے۔ کلام عرب میں أَطْيَبُ اللَّحْمِ عُوْذُهُ بولا جاتا ہے یعنی وہ گوشت جو ہڈی سے ملا ہوا اور اس کے ساتھ جڑا ہو۔ ناقة عائذ وہ اونٹنی ہے جس کے ساتھ اس کا بچہ ملا ہو۔ اس کی جمع عُوْذٌ ہے جیسے حُمْرٌ ہے۔ اسی سے حدیث حدیبیہ میں ہے۔ ''ان کے ساتھ عوذ مطافیل تھیں''[2] ''مطافیل''، مطفل کی جمع ہے یہ وہ اونٹنی ہے جس کے ساتھ اس کا دودھ پیتا بچہ ہو۔ ایک جماعت کا قول ہے (جن میں صاحب جامع الاصول بھی ہیں) کہ: اس کو عورتوں کے لیے استعارہ بنایا۔ یعنی ان کے ساتھ ان کی عورتیں اور بچے تھے۔

اس مفہوم کی ضرورت نہیں ہے بلکہ لفظ اپنی حقیقت پر ہے یعنی وہ تیری طرف اپنے چوپایوں اور سواریوں کے ساتھ نکلے حتیٰ کہ انہوں نے اپنے ہمراہ ان اونٹنیوں کو بھی نکالا جن کے ساتھ ان کے بچے تھے۔

اللہ پاک نے قرأت قرآن کے وقت شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس کی چند[3] وجوہ ہیں:

ایک وجہ یہ ہے کہ قرآن سینوں کی بیماریوں کے لیے شفاء ہے۔ شیطان ان میں جو وسوسے، شہوات اور برے ارادے ڈالتا ہے ان کو وہ دور کر دیتا ہے۔ شیطان ان میں جو حکم ڈالتا ہے یہ اس کی دوا ہے۔ حکم دیا گیا ہے کہ وہ بیماری کا مادہ پھینک دے اور اس سے دل کو خالی کر دے۔ تاکہ دوا خالی جگہ پر پہنچ جائے، وہاں جگہ پکڑے اور اس میں اثر کرے، جیسے کہا گیا ہے ؎

''میرے پاس اس عورت کی محبت اس سے پہلے آئی کہ میں محبت کو پہچانتا اس نے دل کو خالی پایا پس اس میں جگہ بنالی۔''

یہ شافی دوا دل میں آتی ہے، جو اس کے مخالف اور مضر سے خالی ہے۔ پس وہ اس پر کامیابی پاتی ہے۔

دوسری وجہ: قرآن دل میں ہدایت، علم اور خیر کا مادہ ہے۔ جس طرح پانی نبات (جڑ) کا مادہ ہے، شیطان آگ ہے جو جڑ کو اول اول جلاتا ہے۔ جب بھی وہ دل میں خیر کی جڑ کو محسوس کرتا ہے اس کے جلانے اور خرابی کی کوشش کرتا ہے۔ حکم فرمایا گیا ہے کہ اس سے اللہ کی پناہ پکڑو تاکہ جو کچھ قرآن سے حاصل ہوتا ہے وہ اس پر خراب نہ ہو جائے۔

اس وجہ اور پچھلی وجہ کے مابین فرق یہ ہے کہ پہلی وجہ میں پناہ مانگنے سے فائدہ حاصل کرنا قرآن کے لیے ہے۔ دوسری وجہ

---

① یہ اسماء بنت نعمان بن الجون الکندیہ تھی جس سے نبی ﷺ نے شادی کی تھی۔ جب آپ اس کے قریب گئے تو اس نے یہ لفظ کہے۔ دیکھیے صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب من طلق وهل یواجه الرجل امرأته بالطلاق، ج: ٦، ص: ١٦٣؛ مسند امام احمد، ج:٣، ص: ٤٩٨۔

② اس واقعہ کے لیے دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع ......، ج: ٣، ص: ١٧٨؛ مسند امام احمد، ج: ٣، ص: ٢٣٩۔

③ ہم نے فائدہ کی غرض سے ان وجوہ پر اپنی طرف سے نمبر لگا دیے ہیں۔ (مترجم)

میں اس فائدہ کے بقاء، اس کی حفاظت اور اس کے ثبات کے لیے ہے گویا جس نے کہا: کہ پناہ مانگنا قرأت کے بعد ہے اس نے اس معنیٰ کو ملحوظ رکھا اور اللہ کی قسم! یہ اچھا نکتہ ہے۔ لیکن سنت اور آثار صحابہ میں پناہ مانگنا قرأت شروع کرنے سے پہلے آیا ہے۔ یہ امت کے جمہور سلف کا قول ہے اور یہ گزشتہ دونوں باتوں کا نچوڑ بھی ہے۔

تیسری وجہ: فرشتے قرآن پڑھنے والے کے قریب ہوتے ہیں۔ اس کی قرأت کو غور سے سنتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ جب وہ قرآن پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے چھتری کی مانند چیز دیکھی جس میں چراغ بھی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ ملائکہ تھے۔''[1]

شیطان فرشتے کی ضد اور اس کا دشمن ہے۔ اللہ نے قاری کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ سے اس کے دشمن کو دور کرنے کی دعا کرے حتیٰ کہ اس کے خاص بندے اور اس کے فرشتے اس کے پاس آسکیں۔ یہ ایسا مرتبہ ہے جس میں ملائکہ اور شیاطین اکٹھے نہیں ہوسکتے۔

چوتھی وجہ: شیطان قاری پر اپنے سوار اور پیادے دوڑاتا ہے تاکہ وہ اسے مقصود قرآن سے ہٹادے۔ وہ اس کا تدبر اور فہم ہے۔ نیز اس بات کی معرفت کہ اس کی متکلم ذات پاک نے اس سے کیا ارادہ کیا ہے۔ وہ اپنی کوشش سے حرص کرتا ہے کہ وہ آدمی کے دل اور مقصود قرآن کے مابین حائل ہوجائے۔ قاری اس سے کامل نفع نہ پاسکے تو تلاوت کے شروع میں حکم دیا گیا کہ بندہ شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرلے۔

پانچویں وجہ: قاری اللہ کے کلام کے ذریعے اس سے سرگوشی کرنے والا ہے۔ ''اللہ تعالیٰ اچھی آواز والے قاری کے قرآن کو اس سے بڑھ کر سنتے ہیں جو کوئی گانے والی سے گانا سنتا ہے۔''[2]

شیطان کی قرأت تو شعر اور گانے ہیں۔ قاری کو حکم دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کے وقت اس شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کرکے اُسے دور کرے۔ نیز جبکہ تعالیٰ اس کی قرأت کو غور سے سنتے ہیں۔

چھٹی وجہ: اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ اس نے جو بھی رسول اور نبی بھیجا ہے جب اس نے تمنا کی، شیطان نے اس کی تمنا میں اپنی بات ڈالی۔ سب سلف کے ہاں اِس کا مفہوم یہ ہے کہ جب تلاوت کی شیطان نے اس کی تلاوت میں اپنی بات ڈال دی۔ جیسے شاعر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا:

''انہوں نے اللہ کی کتاب کی تلاوت کی اپنی رات کے شروع میں، اور اس کے آخر میں انہوں نے موت کے فرشتوں سے ملاقات کرلی۔''

جب شیطان کا پیغمبروں کے ساتھ یہ[3] رویہ ہے تو دوسروں کے ساتھ کیسا ہوگا؟ اس لیے کبھی وہ قاری سے غلطی کرواتا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب السکینة والملائکة عند قرأة القرآن، ج: ٦، ص: ١٠٦؛ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب نزول السکینة لقرأة القرآن، ج: ١، ص: ٤٧٥؛ مسند امام احمد، ج: ٣، ص: ٨١۔ [2] سنن ابن ماجه، کتاب إقامة الصلوٰة والسنة فیها، باب فی حسن الصوت بالقرآن، حدیث: ١٣٣٩، ج: ١، ص: ٤٢٥، اس مفہوم کی ایک حدیث صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب استحباب تحسین الصوت بالقرآن، حدیث: ٢٣٣، ج: ١، ص: ٥٤٥۔ میں بھی ہے۔

[3] قرآن کریم میں اس بات کا بیان سورت الحج کی آیات ٥٢ تا ٥٥ میں ہے۔ (مترجم)

کبھی اس پر قرأت کو خلط ملط کرتا ہے۔ کبھی اس کو پریشان کرتا ہے اس کی زبان سے غلطی کرواتا ہے اور کبھی اس کے فہم اور دل کو پریشان کرتا ہے۔ جب قرأت پر وہ حاضر ہو قاری اِس سے یا اُس سے بچتا نہیں۔ کبھی دونوں باتیں اکٹھی ہوجاتی ہیں۔ اس لیے یہ ایک اہم بات ہے کہ قرأت کے وقت شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑی جائے۔

ساتویں وجہ: شیطان کی انسان کے خلاف سب سے بڑی کوشش اس وقت ہوتی ہے جب وہ خیر کا ارادہ کرتا ہے۔ اور اسے شروع کرتا ہے۔ وہ اس پر اس حالت میں سخت حملہ کرتا ہے تاکہ اسے اس سے ہٹا دے۔ صحیح بخاری میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے

«إِنَّ شَيْطَانًا تَفَلَّتَ عَلَيَّ الْبَارِحَةَ، فَأَرَادَ أَنْ يَقْطَعَ عَلَيَّ صَلَاتِي»[1]

''گزشتہ رات ایک شیطان نے مجھ پر حملہ کردیا۔ اس نے چاہا کہ مجھ پر میری نماز میں رکاوٹ ڈال دے''

جتنا بندے کا فعل اس کے لیے نفع مند اور اللہ کو زیادہ محبوب ہوگا۔ اس پر شیطان کی رکاوٹ بھی اُتنی زیادہ ہوگی۔

مسند امام احمد میں حضرت سبرہ بن ابوالفاکہ کی حدیث ہے انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ قَعَدَ لِابْنِ آدَمَ بِأَطْرُقِهِ، فَقَعَدَ لَهُ بِطَرِيقِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ: أَتُسْلِمُ وَتَذَرُ دِينَكَ وَدِينَ آبَائِكَ وَآبَاءِ آبَائِكَ، فَعَصَاهُ فَأَسْلَمَ، ثُمَّ قَعَدَ لَهُ بِطَرِيقِ الْهِجْرَةِ، فَقَالَ: أَتُهَاجِرُ وَتَذَرُ أَرْضَكَ وَسَمَائَكَ؟ وَإِنَّمَا مَثَلُ الْمُهَاجِرِ كَالْفَرَسِ فِي الطِّوَلِ، فَعَصَاهُ وَهَاجَرَ، ثُمَّ قَعَدَ لَهُ بِطَرِيقِ الْجِهَادِ- وَهُوَ جِهَادُ النَّفْسِ وَالْمَالِ، فَقَالَ: تُقَاتِلُ فَتُقْتَلُ، فَتُنْكَحُ الْمَرْأَةُ وَيُقْسَمُ الْمَالُ؟ قَالَ ''فَعَصَاهُ فَجَاهَدَ''»[2]

''شیطان ابن آدم کی راہوں میں بیٹھ گیا۔ وہ اس کے لیے اسلام کے راستے میں بیٹھ گیا۔ کہتا ہے: کیا تو مسلمان ہوجائے گا۔ تو اپنا، اپنے آباء اور آباء کے آباء کا دین چھوڑ دے گا؟ اس نے اس کی بات نہ مانی اور مسلمان ہوگیا۔ پھر وہ اس کے لیے ہجرت کے راستے پر بیٹھا۔ کہتا ہے: کیا تو ہجرت کرے گا اور اپنی زمین کو اور اپنے آسمان کو چھوڑ دے گا؟ مہاجر کی مثال تو اپنی رسی میں (بندھے) گھوڑے کی مانند ہے۔ اس نے اس کی بات نہ مانی اور ہجرت کی۔ پھر اس کے لیے جہاد کے راستے میں بیٹھ گیا جو جان اور مال کا جہاد ہے۔ کہا: تو لڑے گا تو تو مارا جائے گا۔ تیری بیوی سے نکاح کرلیا جائے گا اور مال تقسیم کردیا جائے گا۔''

گویا شیطان انسان کے لیے ہر خیر کی راہ پر گھات لگائے بیٹھا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب الأسیر أوالغریم یربط فی المسجد، ج: ۱، ص: ۱۱۸؛ مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۲۹۸، مزید فرمایا: میں نے اس کو پکڑ لیا میں نے چاہا کہ اس کو باندھ دوں حتیٰ کہ تم صبح اس کو دیکھتے۔ پھر مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام پیغمبر کی دعا یاد آ گئی........(الفقی)

[2] مسند امام احمد ج ۳ ص ۴۸۳۔ اس میں مزید ہے ''جس نے ان میں سے یہ کیا تو اللہ پر حق ہے کہ وہ اس کو جنت میں داخل کرے، یا شہید کیا گیا تو اللہ عزوجل پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے، یا غرق ہوا تو اللہ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے، یا اس کے جانور نے اس کو گرا کر مار دیا تو اللہ پر حق ہے کہ اس کو جنت میں داخل کرے۔''(الفقی)

منصور مجاہد سے بیان کرتے ہیں: جو کوئی جماعت مکہ کی طرف نکلتی ہے۔ ابلیس بھی ان کے ساتھ ضرور ان کی طرح سامان سفر تیار کرتا ہے۔ اسے ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔

لہٰذا وہ ہر نیکی پر گھات لگائے بیٹھا ہے۔ خاص طور پر قرأت قرآن کے وقت۔

اس ذات پاک نے بندے کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے اس دشمن سے لڑے جو اس کا راستہ کاٹتا ہے۔ پہلے اس سے اللہ کی پناہ پکڑے۔ پھر چلنا شروع کرے۔ جیسے اگر مسافر کے راستے میں ڈاکو آ جائے تو پہلے وہ اس کو دور کرنے کا کام کرتا ہے۔ پھر اپنا سفر جاری رکھتا ہے۔

آٹھویں وجہ: قرأت سے قبل پناہ طلب کرنا ایک عنوان اور اعلان ہے کہ اس کے بعد آنے والا قرآن ہے۔ اس لیے کسی اور کے کلام سے قبل یہ استعاذہ مشروع نہیں کیا گیا۔ بلکہ استعاذہ ایک طرح کا مقدمہ اور سامع کے لیے تنبیہ ہے کہ اس کے بعد تلاوت آ رہی ہے۔ جب سامع استعاذہ کو سنے گا۔ وہ کلام اللہ کو غور سے سننے کے لیے مستعد ہو جائے گا پھر اس کو قاری کے لیے مشروع کیا گیا گو وہ اکیلا ہی ہو۔ کیونکہ اس میں دیگر حکمتیں بھی ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے تو یہ استعاذہ کے چند فوائد ہیں۔

حنبل کی روایت میں امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ نماز یا غیر نماز میں قرأت سے قبل استعاذہ ضرور پڑھتے۔ کیونکہ اللہ عز و جل کا فرمان ہے:

﴿فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ (النحل:۹۸)

''اور جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔''

ابن مشیش کی روایت میں ہے: جب بھی وہ قرأت کرتے استعاذہ پڑھتے۔

عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ [1] نے کہا: میں نے اپنے باپ سے سنا جب وہ قرأت کرتے تو ان الفاظ میں استعاذہ پڑھتے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمِ '' مسند اور ترمذی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہتے ہیں:

«كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ اِسْتَفْتَحَ ثُمَّ يَقُوْلُ: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ [2] وَنَفْثِهٖ» [3]

''جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو (دعائے) استفتاح پڑھتے پھر فرماتے: میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں جو سننے والا اور جاننے والا ہے شیطان مردود سے، اس کے ہمز سے، اس کے نفخ سے اور اس کے نفث سے۔''

ابن المنذر کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مذکور ہے کہ آپ قرأت سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھتے۔ اسے امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور قاضی رحمہم اللہ نے الجامع میں اختیار کیا ہے کہ بندہ یہ کہے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ ظاہر آیت کی

---

[1] عبداللہ بن احمد، یہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ (مترجم)

[2] ان الفاظ کی وضاحت آئندہ صفحات میں ہے۔ (مترجم)

[3] سنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب الإستعاذة فى الصلاة، حديث: ۸۰۷، ج: ۱، ص: ۲۶۵؛ مسند امام احمد، ج: ۳، ص: ۵۰۔

وجہ سے یہ امام احمد رحمہ اللہ سے مروی ہے اور ابن منذر کی حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ سے عبد اللہ کی روایت میں اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہے کیونکہ یہ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ[1] سے مروی حدیث میں آیا ہے۔ یہ حضرت حسن اور ابن سیرین رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔

اس کی دلیل ابوداؤد کی وہ حدیث بھی ہے جسے انہوں نے واقعہ افک میں بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے، اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اور[2] اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھا۔

امام احمد رحمہ اللہ سے دیگر روایت میں ہے کہ وہ ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ'' پڑھتے۔

یہی سفیان ثوری اور مسلم بن یسار رحمہما اللہ نے کہا ہے۔ اسے قاضی نے المجرد میں اور ابن عقیل نے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ اللہ کے فرمان ''فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔'' کا تقاضا ہے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ کے بعد مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ آئے۔ دوسری آیت میں ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴾(حٰم السجدة:٣٦) آیا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ استعاذہ کے ساتھ اس کے اس وصف سمیع العلیم کو ذاتی طور پر مستقل جملہ میں بیان کیا جائے، جس کی تاکید ان کے ساتھ ہو۔ کیونکہ اللہ پاک نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

اسحاق کہتے ہیں: جو میں نے اختیار کیا ہے۔ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ۔

حدیث میں اس کی تفسیر آئی ہے۔ فرمایا: شیطان کا ہمزہ جنون ہے۔ اس کا نفخ تکبر ہے اور اس کا نفث شعر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۙ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴾ (المومنون:٩٧، ٩٨)

''اور کہو کہ اے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور اے پروردگار اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آ موجود ہوں۔''

''ہمزات'' ہمزہ کی جمع ہے جیسے تمرات اور تمرہ (کھجور) ہے۔ ہمزہ کا اصل معنی دور کرنا ہے۔ ابوعبید، الکسائی سے بیان کرتے ہیں ہمز، لمز، لھز اور نھز اُس وقت بولتے ہیں جب تم کسی کو دور کرو۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ وہ دور کرنا ہے جو طعن کے مشابہ ہو۔ یہ ایک خاص قسم کا دور کرنا ہے۔ شیطانوں کے ہمزات دلوں میں ان کے وسوسے اور بہکاوے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حسن رحمہ اللہ نے فرمایا: شیطانوں کے ہمزات ان کے وساوس اور چوکے ہیں۔ ان کے ہمزات کی تفسیر ان کے نفخ اور نفث سے بھی کی گئی ہے۔ یہ مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے۔ ان کے گلا گھونٹنے سے بھی اس کی تفسیر کی گئی ہے جو کہ وہ بیماری ہے جو مرگی کے مشابہ ہو۔

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب فیما یقوله الرجل عند دخوله المسجد، حدیث: ٤٦٥، ج: ١، ص: ٣١٨؛ مسند امام احمد، ج: ٥، ص: ٢٦۔

[2] دیکھیے سنن أبی داود، کتاب الصلاة، باب فیما یقوله الرجل عند دخوله المسجد، حدیث: ٤٦٥، ج: ١، ص: ٣١٨۔

حدیث کا ظاہر بتاتا ہے کہ ہمز نفخ اور نفث کے علاوہ ایک قسم ہے۔ ایک بہت ظاہر قول یہ ہے کہ جب شیاطین کے ہمزات کا منفرد ذکر ہو تو اس میں ابن آدم کو دی گئی ان کی سب تکلیفیں داخل ہوتی ہیں۔ لیکن جب اس کو نفخ اور نفث کے ساتھ ملایا جائے تو یہ اپنے ہم مثلوں کی طرح ایک خاص قسم بن جائے گی۔

پھر فرمایا: وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ابن زید کہتے ہیں: یعنی میرے معاملات میں۔ کلبی نے کہا: تلاوت قرآن کے وقت۔ عکرمہ نے کہا: جان کنی کے عالم میں اور وقت نزع پر۔ اس کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہمز سے پہنچنے والے اور ان شیاطین کے انسان سے قریب ونزدیک آنے والے دونوں قسم کے شر سے پناہ مانگے۔ استعاذہ کے ضمن میں یہ بات بھی آ گئی ہے کہ وہ شیاطین آدمی کو نہ چھوئیں اور نہ اس کے قریب جائیں۔ اللہ پاک نے اس کو اس فرمان کے بعد بیان کیا ہے۔

﴿عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ (المومون:۹۲)

اور بری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی ہو اور یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے۔

حکم دیا کہ شیاطینِ اِنس کے شر سے بچیں۔ ان کی برائی کو اچھے طریقے سے دور کریں۔ پھر شیاطینِ جن کے شر کو دور کرنے کے لیے ان سے استعاذہ کا حکم فرمایا۔

اسی طرح سورۃ الاعراف میں ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ (الاعراف:۱۹۹)

''عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کرلو۔''

اس میں حکم دیا کہ جاہلین کے شر کو دور کرنا ان سے اعراض کے ذریعہ سے ہے۔ پھر شیاطین کے شر کو دور کرنے کے لیے ان سے استعاذہ کا حکم اس طرح فرمایا:

﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (الاعراف:۲۰۰)

''اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ سے پناہ مانگو بے شک وہ سننے والا، جاننے والا ہے۔''

اس کی مثال سورت فصلت میں بھی ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ:۳۴)

''اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی تو ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے۔''

یہ شیاطینِ اِنس کے شر کو دور کرنے کا طریقہ ہے۔ پھر فرمایا:

﴿وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾ (الصافات:۲۶)

''اور اگر تمہیں شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو بے شک وہ سننے والا، جاننے والا ہے۔''

یہاں ﴿ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ فرمایا۔ یہاں پر ان اور ضمیر منفصل [1] کے ساتھ تاکید آئی ہے۔ یہاں السَّمِيعُ اور الْعَلِيمُ میں ''اللام'' بھی آیا ہے جبکہ سورۃ الاعراف میں سمیع علیمٌ ہے۔ اس کا راز یہ ہے (بہتر تو اللہ ہی جانتا ہے) کہ: جہاں خالی اسم آیا ہے۔ تاکید نہیں آئی وہاں مراد صرف صفت کو ثابت کرنا ہے جو کہ استعاذہ اور اخبار میں کافی ہے کہ اللہ پاک سنتا اور جانتا ہے۔ وہ تیرا استعاذہ سنتا ہے اسے قبول کرتا ہے۔ جس سے تو پناہ مانگتا ہے وہ اسے جانتا ہے، لہٰذا وہ اسے تجھ سے دور کرے گا۔ سننا یعنی پناہ مانگنے والے کی بات کو ہے، اور علم بالفعل پناہ مانگنے گئے کا ہے۔ اس سے استعاذہ کا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ یہی یہ معنی دونوں جگہوں کو شامل ہے۔

سورۂ فصلت میں جو ذکر آیا ہے وہ مزید تاکید، تعریف [2] اور تخصیص سے ممتاز ہے۔ کیونکہ اس کے سیاق میں اللہ پاک نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جنہوں نے اللہ کے بارے میں ان کی باتیں سننے اور ان کے بارے میں جاننے کا شک کیا۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں:

«اِجْتَمَعَ عِنْدَ الْبَيْتِ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ قُرَشِيَّانِ وَثَقَفِيٌّ۔ أَوْ ثَقَفِيَّانِ وَقُرَشِيٌّ۔، كَثِيرٌ شَحْمُ بُطُونِهِمْ، قَلِيلٌ فِقْهُ قُلُوبِهِمْ، فَقَالُوا: أَتُرَوْنَ اللّٰهَ يَسْمَعُ مَا نَقُولُ؟ فَقَالَ أَحَدُهُمْ: يَسْمَعُ إِنْ جَهَرْنَا وَلَا يَسْمَعُ إِنْ أَخْفَيْنَا، فَقَالَ الْآخَرُ: إِنْ سَمِعَ بَعْضَهُ سَمِعَ كُلَّهُ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ»

''بیت اللہ کے پاس تین آدمی اکٹھے ہوئے۔ دو قریشی اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریشی تھا۔ ان کے پیٹوں پر چربی زیادہ تھی اور ان کے دلوں میں سمجھ کم تھی۔ کہنے لگے: بتاؤ جو ہم کہتے ہیں اللہ سنتا ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا: اگر ہم اونچی آواز سے کہیں تو سنتا ہے اور اگر ہم چپکے سے کہیں تو نہیں سنتا۔ دوسرے نے کہا: اگر وہ بعض باتیں سنتا ہے تو سب کو بھی سنتا ہے تو اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَٰكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ۝﴾ (الصافات:۲۲، ۲۳)

''اور تم اس سے تو پردہ نہیں کرتے تھے کہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہارے چمڑے تمہارے خلاف شہادت دیں گے بلکہ تم یہ خیال کرتے تھے کہ اللہ کو تمہارے بہت سے عملوں کی خبر ہی نہیں اور اسی خیال نے جو تم اپنے پروردگار کے بارے میں رکھتے تھے تم کو ہلاک کر دیا اور تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو گئے۔'' [3]

---

[1] اس سے مراد ''ھو'' ہے۔ حالانکہ پہلے ''انہ'' میں بھی ضمیر تھی لیکن الگ ضمیر سے اس کی تاکید آئی ہے۔ (مترجم)

[2] یعنی السمیع اور العلیم پر ''الْ'' لگا کر ان دونوں کو معرفہ کر دیا۔ جبکہ دوسری آیت میں سمیع اور علیم نکرہ ہیں۔ (مترجم)

[3] صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللّٰہ تعالٰی وما کنتم تستترون، ج: ۸، ص:۲۰۷؛ جامع الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ حٰمٓ السجدۃ، حدیث: ۳۲۴، ج: ۵، ص: ۳۷۵۔

﴿ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴾ میں تاکید[1] اس انکار کے سیاق میں ہے۔یعنی وہی اکیلا ہے جسے سمع کا کمال قوت اور علم کا احاطہ ہے۔ایسے نہیں جیسے اس کے جاہل دشمن گمان کرتے ہیں کہ وہ اگر آہستہ اور چپکے سے کہیں تو نہیں سنتا، اور جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں اکثر کو وہ نہیں جانتا۔

اس کو مزید اچھا مضمون بھی کر دیا کہ سورت فصلت میں ان کی برائی کا جواب اچھے طریقے سے دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ خالی اعراض کی نسبت طبیعتوں پر زیادہ گراں ہوتا ہے۔اس لیے اس کے بعد ہی فرمادیا:

﴿ وَمَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا‌ ۚ وَمَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِيۡمٍ ۝٣٥ ﴾ (حٰمٓ السجدة:٣٥)

''اور یہ بات انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور ان ہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں۔''

پناہ مانگنے والے کی حاجت کے لیے تاکید کو خوبصورت بنا دیا، نیز یہاں پر سیاق میں اس کی صفات کے کمال، ان کے ادلہ کے ثبوت، اس کی ربوبیت کی آیات اور اس کی توحید کے شواہد ہیں۔

اس لیے اس کے بعد فرمایا:

﴿ وَمِنۡ اٰيٰتِهِ الَّيۡلُ وَالنَّهَارُ ﴾ (حٰمٓ السجدة:٣٧)

''اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن ہے۔''

نیز فرمایا:﴿ وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الۡاَرۡضَ خَاشِعَةً ﴾ (حٰمٓ السجدة:٣٩)

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تو زمین کو دبی ہوئی یعنی خشک دیکھتا ہے۔''

یہاں حرف تعریف لایا گیا جو اس بات پر دلالت کنندہ ہے کہ السَّمِيۡعُ اور الۡعَلِيۡمُ [2] اس کے اسماء میں سے ہے جیسا کہ اسماء حسنیٰ سب مُعَرَّف[3] آتے ہیں۔ جو سورت الاعراف میں ہے[4] وہ مشرکین اور ان کے شیاطین بھائیوں کی وعید کے سیاق میں ہے۔ نیز پناہ طلب کرنے والے کو وعدہ دینے کے لیے کہ اس کا رب جو ہے وہ سنتا اور جانتا ہے، جبکہ مشرکین کے معبود جن کی انہوں نے اللہ کے سوا عبادت کی ہے ان کی آنکھیں نہیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں۔ ان کے کان نہیں ہیں جن سے وہ سن سکیں۔ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ان کے معبود نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ جانتے ہیں۔ وہ ان کو عبادت میں اس کے برابر کیسے قرار دیتے ہیں؟ یہاں معلوم ہو گیا کہ یہاں پر تنکیر[5] کے علاوہ کچھ مناسب نہیں جیسا کہ وہاں تعریف کے علاوہ کچھ مناسب نہیں ہے۔ اللہ ہی اپنے کلام کے رازوں کو خوب جاننے والا ہے۔

سورۂ مومن میں جس سے پناہ طلب کی گئی وہ اس کی آیات کے متعلق کفار کے جھگڑے کا شر ہے اور جو کچھ ان کے افعال

---

① یعنی اس میں ان، ضمیر منفصل ھو اور دونوں اسموں پر ''ال'' کے ساتھ جو تاکید آئی ہے۔(مترجم)

② یعنی السمیع اور العلیم پر ''الْ''(مترجم) ③ یعنی ان پر ''ال'' لگایا جاتا ہے۔(مترجم)

④ یعنی سمیع علیم نکرہ کے ساتھ۔(مترجم) ⑤ یعنی نکرہ، اور تعریف معرفہ ہے۔(مترجم)

سے اس پر مرتب ہوتا ہے جو آنکھوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ لہٰذا فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِیْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِیْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴾ (المومن:٥٦)

''جولوگ بغیر کسی دلیل کے جوان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں ان کے دلوں میں سوائے تکبر کے کچھ نہیں ہے اور وہ اس کو پہنچنے والے نہیں تو اللہ کی پناہ مانگو بے شک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''

جب پناہ طلب کی گئی چیز ان کا کلام اور ان کے افعال تھے جو آنکھوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ لہٰذا فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴾ دوسری جگہ پناہ طلب کی گئی چیز ہمارے مشاہدہ میں نہیں ہے۔ شیطان اور اس کا گروہ ہم کو دیکھتا ہے جہاں سے ہم اس کو نہیں دیکھتے۔ بلکہ وہ ایمان کے ساتھ اور اللہ اور اس کے پیغمبر کے خبر دینے سے ہمیں معلوم ہوا ہے۔

فصل: شیطان کا تسلط اور اس کا رد

قرآن ان دونوں دشمنوں کو آسان تر طریقہ سے دور کرنے کے لیے بہت راہنمائی کرنے والا ہے، یعنی ان سے پناہ طلب کی جائے، جاہلین سے اعراض کیا جائے اور ان کی برائی کو اچھائی سے دور کیا جائے۔ یہ بھی خبر دی ہے کہ جس کو یہ توفیق ملی ہے وہ بڑے نصیبے والا ہے۔ وہ اس سے اپنے دشمن کے شر کو روکتا ہے کہ وہ اس کو دوست میں بدلتا ہے۔ لوگوں کی اس کے لیے محبت، اس کے لیے ان کی تعریف اپنی خواہش کو مغلوب کرنا، دل کو کینہ اور نفرت سے پاک کرنا، لوگوں کا اطمینان حتیٰ کہ دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔ اس ذریعے سے یہ سب کچھ ملتا ہے، نیز اسے اللہ کی طرف سے عزت، ثواب اور رضا بھی حاصل ہوتی ہے۔ یہ دنیا اور آخرت میں بڑا نصیبہ ہے۔

جب یہ صبر کے بغیر نہیں مل سکتا تو فرمایا:

﴿ وَمَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ ﴾ (حٰمٓ السجدة: ٣٥)

جو بیوقوف اور جوشیلا ہے وہ اس کے مقابلہ اور تحمل کی برداشت نہیں رکھتا۔

جب غصہ شیطان کی سواری ہے۔ غصے والا نفس اور شیطان نفس مطمئنہ کے خلاف باہم تعاون کرتے ہیں، جو برائی کا بدلہ اچھائی سے دینے کا حکم دیتا ہے، حکم فرمایا گیا ہے کہ اس سے پناہ مانگ کر اس سے تعاون کریں۔ استعاذہ نفس مطمئنہ کو مدد دیتا ہے۔ وہ غصے والے نفس کے لشکر کے مقابلے کی طاقت رکھتا ہے۔ اس پر صبر کی مدد آتی ہے جس کے ساتھ نصرت ہے۔ ایمان اور توکل کی مدد آتی ہے۔ لہٰذا یہ شیطان کا تسلط باطل کرتا ہے۔ فرمایا:

﴿ اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴾ (النحل:٩٩)

''کہ جو مومن ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں ان پر اس کا کچھ زور نہیں چلتا۔''

مجاہد، عکرمہ اور دیگر مفسرین رحمہم اللہ نے کہا: شیطان کے پاس ان کے خلاف کوئی حجت نہیں ہے۔

صحیح یہ ہے کہ ایسے کہا جائے: اس کے پاس کوئی راہ نہیں جس سے وہ ان پر تسلط پائے نہ حجت کی طرف سے اور نہ قدرت کی طرف سے۔ قدرت بھی سلطان کے اسم میں داخل ہے۔ حجت کا نام سلطان اس لیے رکھا گیا ہے کہ حجت والا اس کے ساتھ تسلط پاتا ہے جس طرح قدرت والا اپنے ہاتھ سے تسلط پاتا ہے۔ اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ اس کے مومن، متوکل بندوں پر اس کے دشمن کا کوئی تسلط نہیں ہے۔ سورۃ الحجر میں فرمایا:

﴿قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾﴾ (الحجر: ۳۹-۴۲)

''کہا: پروردگار جیسا تو نے مجھے رستے سے الگ کیا ہے۔ میں بھی زمین میں لوگوں کے لیے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر میرا زور نہ ہوگا) فرمایا: یہ میرا سیدھا رستہ ہے جو میرے (مخلص) بندے ہیں۔ ان پر تجھے کچھ قدرت نہیں ہے۔ ہاں جو بدراہوں میں سے تیرے پیچھے چل پڑے۔''

سورۃ النحل میں فرمایا:

﴿اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾﴾ (النحل: ۹۹، ۱۰۰)

''کہ جو مومن ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں ان پر اس کا کچھ زور نہیں چلتا اس کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں اور اس کے سبب شریک مقرر کرتے ہیں۔''

اس کے اندر دو باتیں ہیں۔ ان میں سے ایک اس کے زور اور غلبہ کی نفی اور اہل توحید اور اخلاص پر اس کا ابطال ہے۔ دوسری بات: اس کا اہل شرک اور جو اسے دوست بنائیں ان پر تسلط کا اثبات ہے۔

جب اللہ کے دشمن کو معلوم ہوا کہ اللہ اس کو اہل توحید اور اخلاص پر تسلط نہ دے گا۔ تو وہ کہنے لگا:

﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾﴾ (ص: ۸۲، ۸۳)

''کہنے لگا کہ مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور بہکاؤں گا سوائے ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں۔''

اللہ کے دشمن کو پتہ چل گیا کہ جس شخص نے اللہ سے تعلق مضبوط کیا، اس کے لیے مخلص ہوا اور اس پر توکل کیا وہ اس شخص کو بہکانے اور گمراہ کرنے پر قدرت نہ پائے گا۔

اس کا تسلط تو ان لوگوں پر ہے جو اس کو دوست بنائیں اور اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائیں گے۔ یہ اس کی رعایا ہے اور وہ ان کا سلطان اور ان کا متبوع ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس کے دوستوں پر یہاں تسلط ثابت ہو گیا ہے تو اس فرمان میں اس کی نفی کیسے ہوگی:

﴿ وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ﴾ (سبا:۲۱،۲۰)

''اور شیطان نے ان کے بارے میں اپنے گمان سچ کر دکھایا کہ مؤمنوں کی ایک جماعت کے سوا وہ اس کے پیچھے چل پڑے اور اس کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر مقصود (ہمارا) یہ تھا کہ جو لوگ آخرت میں شک رکھتے ہیں ان سے ان لوگوں کو جو اس پر ایمان رکھتے ہیں ممتاز کر دیں۔''

اس کے جواب میں کہا جائے گا اللہ کے فرمان: ﴿ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ﴾ میں اگر ضمیر مؤمنوں پر لوٹ رہی ہے تو سوال ہی ساقط ہے، اور استثناء (یعنی مومن بندوں پر اس کا کچھ زور نہیں چلتا) اس طرح ختم ہو جاتا ہے: ''یعنی ہم نے ابلیس کے ساتھ ان کا امتحان کیا تا کہ ہم واضح کر دیں، کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور ان میں سے کون اس پر شک میں ہے؟''

اگر یہ ضمیر اس کی طرف لوٹے جس کی طرف ﴿ وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ ﴾ میں لوٹ رہی ہے [1] جو کہ ظاہر ہے تا کہ مستثنیٰ منقطع کا وقوع نفی کے بعد ہونا درست ہو جائے، پھر مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے اس کو ان پر صرف اس لیے مسلط کیا تا کہ ہم واضح کر دیں کہ اُن میں سے کون آخرت پر ایمان لاتا ہے۔

ابن قتیبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب ابلیس نے اللہ سے مہلت مانگی، اور اللہ نے اس کو مہلت دی تو وہ کہنے لگا: میں ان کو ضرور بہکاؤں گا، اور ان کو ضرور گمراہ کروں گا، میں ان کو فلاں بات کا ضرور حکم دوں گا، میں تیرے بندوں سے ایک طے شدہ حصہ ضرور پکڑوں گا۔ [2] جب وہ یہ بات کہہ رہا تھا اس کو یقین نہ تھا کہ جو اس نے اندازہ لگایا ہے وہ پورا ہو جائے گا۔ یہ تو اس نے گمان سے کہا تھا۔ جب لوگوں نے اس کی اتباع کی، اس کی بات مانی اس نے ان پر وہ سچ کر دیا جو ان کے لیے گمان کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے جو اس کو ان پر غلبہ دیا تھا وہ اس لیے تھا تا کہ ہم شک کرنے والوں سے مؤمنوں کو واضح کر دیں یعنی ہم ان کو ظاہر اور موجود کر دیں کہ ان پر بات حق اور سچ ہو جائے اور سزا واقع ہو جائے۔

لہٰذا یہاں پر اس کا تسلط اس شخص پر ہے جو آخرت پر ایمان نہ لایا اور اس میں شک کیا۔ وہی اس کو دوست اور شریک بناتے ہیں۔ اس کا تسلط ثابت ہے اس کی نفی نہیں ہے۔ تب یہ آیت دیگر آیات کے مفہوم سے متفق ہو جائے گی۔

اگر پوچھا جائے کہ تم اس آیت کا کیا کرو گے جو سورت ابراہیم میں ہے۔ جس میں شیطان اہل جہنم کو کہتا ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ﴾ (ابراھیم:۲۲)

''اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا۔ ہاں میں نے تم کو بلایا تو تم نے میرا کہنا مان لیا۔''

یہ اگرچہ اس کی بات ہے۔ لیکن اللہ پاک نے اس کی طرف سے یہ خبر دی ہے، اس کا اثبات کرتے ہوئے نہ کہ انکار کرتے ہوئے۔ اس بات کی یہ دلیل ہے کہ یہ اسی طرح ہے۔

---

[1] یعنی علیھم میں، جو ضمیر دونوں مقامات پر ہے۔ (مترجم)

[2] یہ مفہوم سورۃ النساء کی آیات ۱۱۷ تا ۱۱۹ میں ہے۔ (الفقی)

جواباً کہا جائے گا کہ یہ سوال اچھا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس زور اور غلبہ کی اس جگہ نفی کی گئی ہے وہ حجت اور برہان ہے۔ یعنی میرے لیے تم پر کوئی حجت اور برہان نہ تھی جس سے میں تم پر حجت پاتا۔

جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میرے لیے تم پر کوئی حجت نہ تھی جو میں تم پر پاتا یعنی میں نے تمہارے لیے کوئی حجت ظاہر نہ کی تھی مگر یہ کہ میں نے تم کو بلایا اور تم نے میری بات مان لی۔ تم نے میری بات کو سچا کہا اور میری بات کو بغیر حجت اور برہان کے مان لیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں جس تسلط کو ثابت کیا ہے یعنی ﴿ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ ﴾ (النحل: ۱۰۰) وہ ان پر بہکانے، گمراہ کرنے اور ان پر ایسی قدرت حاصل کرنے کا تسلط مراد ہے جس سے وہ ان کو شرک اور کفر کی طرف بلائے، ان کو اس پر مجبور کرے، ان کو نہ چھوڑے کہ وہ اسے ترک کر دیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴾ (مریم: ۸۳)

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کو ابھارتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کو بے کار بناتے ہیں۔ دیگر الفاظ ہیں ان کو ترغیب دیتے ہیں۔ دیگر: ان کو گناہوں کی طرف مجبور کرتے ہیں۔ دیگر: ان کو حرکت دیتے ہیں جیسے پانی کو حرکت دینے یعنی گرم کرنے کے لیے نیچے آگ جلائی جاتی ہے۔

اخفش نے کہا: ان کو بھڑکاتے ہیں۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ ''أَزّ'' کا مطلب ہلانا اور بھڑکانا ہے۔ ہنڈیا کے جوش کو ازیز کہا جاتا ہے۔ کیونکہ پانی جوش کے ساتھ اس وقت ہلتا ہے۔ اسی سے حدیث میں ہے:

«لِجَوْفِهِ أَزِيْزٌ كَأَزِيْزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَاءِ»[1]

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں رونے سے جوش پیدا ہوتا تھا جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا ہے۔''

ابوعبیدہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ازیز'' شعلے مارنا اور ہلنا ہے۔ جیسے آگ ایندھن پر شعلے مارتی ہے۔ إِزَّ قِدْرَكَ یعنی تم اپنی ہنڈیا کے نیچے آگ بھڑکاؤ۔ إِئْتَزَتِ الْقِدْرُ کہا جاتا ہے جب ہنڈیا کا جوش شدید ہو جائے۔

تو أَزّ کے دو معنی ہو گئے۔ ایک حرکت دینا اور دوسرا آگ جلانا اور بھڑکانا۔ یہ دونوں باہم قریب ہیں۔ یہ شعلہ اور بھڑکاؤ کے ساتھ خاص تحریک ہے۔ یہ اس تسلط میں سے ہے جو اس کو اپنے دوستوں اور اہل شرک پر ملتا ہے۔ لیکن اس پر کوئی سلطان، حجت اور برہان نہیں ہے۔ انہوں نے تو محض اس کے بلانے پر اس کی بات مان لی، جب اس کی دعوت ان کی خواہش اور اغراض کے موافق ہوئی۔ انہوں نے خود ہی اپنے خلاف اس کی مدد کی۔ اپنے دشمن کو اپنے اوپر تسلط کا موقع دیا۔ جب انہوں نے اس کی موافقت اور

---

[1] سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب البکاء فی الصلاۃ، حدیث: ۹۰۴، ج: ۱، ص: ۵۵۷؛ مسند امام احمد، ج: ۴، ص: ۲۵۔

متابعت کی۔ جب انہوں نے سب کچھ اس کے ہاتھوں میں دے دیا۔ اس کو ترجیح دی اور وہ ان پر سزا کے طور پر مسلط کر دیا گیا۔

یہاں سے اللہ پاک کے اس فرمان کا مطلب واضح ہو گیا:

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴾ (النساء:١٤١)

''اور اللہ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا۔''

یہ آیت اپنے عموم اور ظاہر پر ہے۔ مومنوں سے ایمان کے متضاد معصیت اور مخالفت جو صادر ہوتی ہے۔ اس مخالفت کے بقدر کافروں کو ان پر راستہ ملتا ہے۔ جیسے وہ پیغمبر ﷺ کی مخالفت اور نافرمانی سے جنگ احد کے دن اس بات کا سبب [1] بنے۔ اللہ پاک بندے پر شیطان کے لیے کوئی غلبہ نہیں رکھتا حتیٰ کہ بندہ ہی اس کی بات مان کر اس کو شریک بنا کر راہ دیتا ہے پھر اللہ اس کے لیے اس پر تسلط اور غلبہ دے دیتے ہیں۔ جو خیر پائے وہ اللہ کا شکر کرے اور جو اس کے علاوہ پائے وہ صرف اپنے نفس کو ملامت کرے۔

توحید، توکل اور اخلاص اس کے تسلط کو روکتے ہیں۔ شرک اور اس کی فروع (جزئیات) اس کے تسلط کی موجب ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کی تقدیر سے ہے جو اپنی مرضی سے کام کرتا ہے۔ اس کی طرف ان کا لوٹنا ہے۔ اسی کے لیے بالغ حجت ہے۔ اگر وہ چاہتا تو لوگوں کو ایک امت بنا دیتا۔ لیکن اس کی حکمت، حمد اور بادشاہی نے اس کے سوا کچھ نہ مانا۔

﴿فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ (الجاثية: ٣٦، ٣٧)

''پس اللہ ہی کے لیے ہر طرح کی تعریف ہے جو آسمانوں کا مالک اور زمین کا مالک اور تمام جہان کا پروردگار ہے اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لیے بڑائی ہے اور وہ غالب (اور) دانا ہے۔''

[1] امام احمد، بخاری اور مسلم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن پچاس تیر اندازوں پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا.......... آخر میں ہے کہ انہوں نے اپنے امیر کی نافرمانی کی۔ اس سبب سے مسلمانوں کو اس روز کچھ مشکل اٹھانی پڑی۔ (الفقی)

باب نمبر:13

شیطان کی ان چالوں کے متعلق جن کے ذریعے وہ ابنِ آدم کو دھوکا دیتا ہے

حضرت آدم علیہ السلام کو بہکاوا، ہر انسان کو بہکاوا

جب ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا تو اس سے پوچھا گیا اس نے دلیل یہ دی کہ میں اس سے بہتر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ نیز شیطان کا جنت سے نکالنا بھی جب اس نے درخواست کی کہ اسے مہلت دی جائے اللہ نے اس کو مہلت دے دی۔ پھر اللہ کے اس دشمن نے کہا:

﴿قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝﴾ (الاعراف:١٦، ١٧)

''شیطان نے کہا مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے میں بھی تیرے سیدھے رستے پر ان (کو گمراہ کرنے) کے لیے بیٹھوں گا۔ پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔''

جمہور مفسرین اور نحوی کہتے ہیں کہ ''علی'' کو محذوف کیا گیا لہٰذا نصب آ گیا ہے۔ اصل عبارت یوں ہوگی ''لا قعدن لھم صراطك'' بظاہر فعل مضمر ہے۔ کسی چیز پر بیٹھنے والا اس کے ساتھ لازم ہونے والا ہوتا ہے، گویا شیطان نے یہ کہا کہ میں ضرور اس کے ساتھ چمٹ کر رہوں گا، ضرور اس کی گھات میں رہوں گا اور ضرور اس کو ٹیڑھا کروں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ''صراط مستقیم'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مراد تیرا واضح دین ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ کتاب اللہ ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ اسلام ہے۔ مجاہد کہتے ہیں: وہ حق ہے۔ یہ سب ایک ہی مفہوم بتا رہے ہیں۔ یعنی وہ راستہ جو اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا ہو۔ حضرت سبرہ بن ابو الفاکہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پیچھے گزر چکی ہے کہ

«إِنَّ الشَّيْطَانَ قَعَدَ لِابْنِ آدَمَ بِأَطْرُقِهِ كُلِّهَا» [1]

''یعنی شیطان ابن آدم کے لیے اس کی تمام راہوں پر بیٹھا ہوا ہے۔''

کوئی بھی خیر کا راستہ ہو شیطان راہ میں بیٹھا ہوا ہے جو چلنے والے کی راہ کاٹتا ہے۔

---

[1] مسند امام احمد، ج: ٣، ص: ٤٨٣، تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ (مترجم)

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ مِنۡ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ ﴾ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول عطیہ [1] کی روایت سے مروی ہے کہ ''دنیا کی طرف سے۔'' اور علی [2] کی ان سے روایت میں ہے کہ ''میں ان کو آخرت کے متعلق شک میں ڈالوں گا۔'' اسی طرح حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''آخرت کی طرف سے جنت وجہنم کو جھٹلاتے ہوئے۔'' مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''ان کے آگے سے جہاں سے وہ دیکھتے ہیں''

﴿ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ ﴾ ''اوران کے پیچھے سے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''میں ان کوان کی دنیا میں رغبت دلاؤں گا۔'' حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''ان کی دنیا کی طرف سے میں اسے ان کے لیے مزین کروں گا اوران کواس پر شہوت دلاؤں گا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دیگر روایت میں ''آخرت کی طرف سے'' تفسیر کی گئی ہے۔ ابوصالح کہتے ہیں ''میں ان کوآخرت میں شک دلاؤں گا اوران کے لیے اس کو دور ظاہر کروں گا۔'' مجاہد رحمہ اللہ نے بھی ایسے ہی کہا ہے کہ ''جہاں سے وہ دیکھ نہ سکتے ہوں۔''

﴿ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ ﴾ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''میں ان پران کے دین کا معاملہ مشتبہ کردوں گا۔'' ابو صالح کہتے ہیں ''حق کے متعلق میں ان کو شک میں ڈالوں گا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ ''ان کی نیکیوں کے حوالے سے۔'' حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''نیکیوں کے حوالے سے میں ان کو روکوں گا۔'' ابوصالح بھی فرماتے ہیں ''ان کے آگے سے اوران کے پیچھے سے، ان کے دائیں سے اوران کے بائیں سے میں ان کوراغب کروں گا اور میں ان کو شوق دلاؤں گا۔''

حسن رحمہ اللہ ﴿ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''برائیوں کا ان کو شیطان حکم دے گا، انہیں ان کی ترغیب دے گا اوران کی نظروں میں ان کو مزین کرے گا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح قول مروی ہے، انہوں نے فرمایا ''ان کے اوپر سے نہیں کہا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اللہ ان کے اوپر ہے۔'' شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''تو اللہ عزوجل نے ان کے اوپر سے ان پر رحمت نازل فرمائی۔'' قتادہ کہتے ہیں ''اے ابن آدم! شیطان تیرے پاس ہر طرف سے آیا لیکن وہ تیرے اوپر سے نہ آیا اور وہ طاقت نہیں رکھتا کہ تیرے اوراللہ کی رحمت کے درمیان رکاوٹ بن سکے۔'' واحدی رحمہ اللہ کہتے ہیں ''اس شخص کا قول اچھا ہے جس نے کہا کہ ''أَيۡمَان'' نیکیوں سے کنایہ ہے جبکہ شمائل برائیوں سے کنایہ ہے۔ کیونکہ عرب کہتے ہیں ''مجھے اپنے یمین میں رکھنا اور مجھے اپنے شمال میں رکھنا۔'' مطلب یہ ہوتا ہے کہ مجھے اپنے قریبیوں میں رکھنا اوراپنے سے دور لوگوں میں نہ رکھنا۔ یہاں پر ابن دُمَینہ کا شعر بھی ذکر کیا گیا ہے۔

''اے لبنیٰ! کیا تو نے مجھے اپنا ہاں یمین میں رکھا ہے کہ میں خوش ہوجاؤں یا تو نے مجھے اپنے شمال میں کر دیا ہے؟''

ابوعبید نے اصمعی سے بیان کیا ہے کہ وہ ہمارے ہاں یمین میں ہے یعنی اچھے درجہ پر ہے۔ اس کا الٹ ہے کہ وہ ہمارے ہاں شمال میں ہے۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

---

[1] یہ عطیہ بن سعد بن جنادہ العوفی ابوالحسن الکوفی ہیں۔ حضرت ابوہریرہ، ابوسعید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ ان کو ثوری، ہشیم اور ابن عدی نے ضعیف کہا ہے۔ ترمذی نے ان کی احادیث کو حسن کہا ہے۔ ۱۱۱ھ میں وفات پائی۔ (الفقی)

[2] یہ علی ابی طلحہ سالم الہاشمی مولیٰ ابوالحسن الجزری ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرسل روایت کرتے ہیں۔ ان کی مسلم میں ایک حدیث ہے، جبکہ ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں دیگر احادیث ہے۔ ۱۴۳ھ میں وفات پائی۔ (الفقی)

''میں نے بنی علات کو دیکھا ہے کہ جب انہوں نے کامیابی پائی تو وہ میرے حصہ کو اپنے درمیان شمائل میں رکھنے لگے۔''
یعنی مجھے برے درجے میں رکھنے لگے۔

ازھری نے بعض حضرات سے اس آیت کے متعلق بیان کیا ہے ''میں ان کو ضرور بہکاؤں گا حتیٰ کہ وہ ان امور کی تکذیب کریں گے جو سابقہ امتوں میں گزرے، اوران کے پیچھے قیامت کے دن اٹھنے کو، اوران کے دائیں سے اوران کے بائیں سے یعنی جو وہ عمل کرتے ہیں میں ان میں ان کو گمراہ کروں گا۔ کام کے متعلق کہا جاتا ہے یہ ''تمہارے ہاتھوں نے کیا'' اگرچہ ہاتھوں نے کچھ نہیں کیا ہوتا لیکن تصرف [1] کی بنیاد وہی ہوتے ہیں، تو ان دونوں کی ان کاموں میں بھی مثال دی جاتی ہے جو کسی اور نے کیے ہوتے ہیں۔ ابواسحاق، زمخشری وغیرہ نے کہا ہے ''اللہ تعالیٰ نے ان صورتوں کو تاکید میں مبالغہ کے لیے ذکر کیا ہے یعنی (شیطان کا قول کہ) میں ان کے پاس ہر طرف سے آؤں گا۔ اصل مطلب یہ ہے کہ ان کو ہر طرف سے گمراہ کرنے کے لیے میں تصرف [2] کروں گا۔ واللہ اعلم۔

زمخشری کہتے ہیں: ''پھر میں ان کے پاس چاروں اطراف سے آؤں گا جہاں سے عام طور پر دشمن آتے ہیں۔ یہ اس کے وسوسہ کی اور جس طرح بھی اس کے لیے ممکن و مقدور ہو ان کو گمراہ کرنے کی ایک مثال ہے۔ جیسے اللہ نے فرمایا ہے:

﴿وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ﴾ (الاسراء:٦٤)

''اوران میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکاتا رہ اوران پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ۔''

یہ اسی کے موافق ہے جو ہم نے حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ ''وہ تیرے پاس ہر طرف سے آیا لیکن وہ تیرے پاس اوپر سے نہ آیا۔''

یہ قول بلحاظ فائدہ عام ہے۔ یہ سلف کے قول کے مخالف نہیں ہے کیونکہ یہ تمثیل کے طور پر ہے نہ کہ تعیین کے طور پر۔

شقیق رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہر صبح کو شیطان میرے لیے چار جگہ گھات لگا کر بیٹھ جاتا ہے میرے آگے، میرے پیچھے، میرے دائیں اور میرے بائیں۔ [3] مجھے کہتا ہے تو مت ڈر بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے پس میں یہ آیت پڑھتا ہوں:

﴿وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝﴾ (طٰہٰ:٨٢)

''اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے پھر سیدھے رستے پر چلے اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔''

وہ میرے پیچھے سے آتا ہے تو مجھے میرے بعد میرے بچوں کے حوالوں سے ڈراتا ہے میں یہ آیت پڑھتا ہوں:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ (ھود:٦)

''اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔''

---

[1] بنوعلات وہ ہوتے ہیں جن کی مائیں مختلف ہوں اور ان کا باپ ایک ہو جبکہ سَهْمٌ نصیب اور حصہ کو کہتے ہیں۔ (الفقی)

[2] تصرف کا مطلب ''کچھ کرنا ہے۔'' (مترجم)

[3] یہاں یوں کہنا چاہیے کہ وہ میرے آگے سے آتا ہے جیسا کہ آئندہ عبارت سے واضح ہو رہا ہے۔ (مترجم)

میرے دائیں طرف سے آتا ہے اور مجھے عورتوں پر اکساتا ہے تو میں پڑھتا ہوں: ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (اعراف: ۱۲۸) اور آخر بھلا تو ڈرنے والوں کا ہے۔'' پھر بائیں طرف سے آتا ہے اور مجھے شہوات پر ابھارتا ہے تو میں پڑھتا ہوں:

﴿وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ﴾ (سبا: ٥٤)

''اور ان میں اور ان کی خواہش کی چیزوں میں پردہ حائل کر دیا گیا۔''

میں کہتا ہوں: انسان جن راہوں پر چلتا ہے وہ چار ہیں ان کے علاوہ کوئی نہیں۔ کبھی وہ اپنے دائیں جانب کو راہ پکڑتا ہے، کبھی بائیں، کبھی آگے اور کبھی پیچھے کو۔ ان میں سے وہ جس راہ پر بھی چلے شیطان کو وہاں پر گھات لگائے ہوئے پائے گا۔ اگر وہ نیکی کے راستہ پر چلے تو وہ دیکھے گا کہ شیطان اس کو اس سے روکتا ہے، ہٹاتا ہے یا اس پر تاخیر وسستی کی سوچ دلاتا ہے۔ اگر گناہ کے راستہ پر چلے تو وہ دیکھے گا کہ شیطان اس کو اس پر ابھارتا ہے اس کا خادم، مددگار اور آرزو دلانے والا بن جاتا ہے۔ اگر اتفاقاً نیچے کو جارہا ہو تو وہ وہاں بھی شیطان ضرور آئے گا۔

بزرگوں کے ان اقوال کی صحت پر جو دلائل شاہد ہیں ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ (حٰمٓ السجدہ:۲۵)

''اور ہم نے (شیطانوں کو) ان کا ہم نشین مقرر کر دیا تھا تو انہوں نے ان کے لیے مزین کر دیا جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔''

کلبی کہتے ہیں: یعنی ہم نے شیاطین کو ان کے پکے دوست بنا دیا۔

مقاتل کہتے ہیں: ہم نے شیاطین کو ان کے لیے بطور دوست تیار کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جو ان کے آگے ہے یعنی دنیا کا معاملہ اور جو ان کے پیچھے ہے یعنی آخرت کا معاملہ۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ان کے لیے دنیا کو مزین کیا حتیٰ کہ انہوں نے اس کو ترجیح دی اور آخرت سے ان کو منہ پھیرنے والا اور جھٹلانے والا بنا دیا۔

کلبی کہتے ہیں: ان کے لیے مزین کر دیا جو آگے آخرت کا معاملہ ہے کہ وہاں جنت ہے، نہ جہنم ہے اور نہ مر کر اٹھنا ہے اور ان کے پیچھے سے مراد دنیا کا معاملہ ہے یعنی جس گمراہی پر وہ کاربند ہیں اس کو مزین کر دیا۔ فراء نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ جو ان کے خبیث اعمال گزرے ان کو ان کے لیے مزین کر دیا اور جو آئندہ ہوں گے ان کو بھی۔'' اس بنیاد پر مطلب یہ ہوگا کہ جو عمل وہ کر چکے ان کو مزین کر دیا تو انہوں نے ان سے توبہ نہ کی اور جو آئندہ کا عزم ہے اس کو چھوڑنے کی نیت نہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کے دشمن کا یہ کہنا کہ ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ﴾ دنیا و آخرت دونوں کو شامل ہے اور یہ جو کہا کہ ﴿وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکیوں والا فرشتہ دائیں طرف ہے جو انسان کو نیکی کی ترغیب دیتا ہے شیطان اس طرف سے آتا ہے اور اس کو اس سے روکتا ہے۔ برائیوں والا فرشتہ بائیں طرف ہے جو انسان کو برائیوں سے روکتا ہے شیطان اس طرف سے بھی آتا ہے اور اس کو برائیوں پر آمادہ کرتا ہے۔ یہ تفصیل ہے اس اجمال کی جو اس کے اس قول میں ہے:

﴿فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ (ص:۸۲)

''مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکارتا رہوں گا۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ۙ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ۙ﴿۱۱۸﴾ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا ؕ﴿۱۱۹﴾ یَعِدُهُمْ وَ یُمَنِّیْهِمْ ؕ وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾﴾ (النساء: ۱۱۷۔ ۱۲۰)

''یہ اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں تو عورتوں ہی کی اور پکارتے ہیں تو شیطان سرکش ہی کو جس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ کہنے لگا: میں تیرے بندوں سے (غیر اللہ کی نذر دلوا کر مال کا) ایک مقرر حصہ لے لیا کروں گا اور ان کو گمراہ کرتا اور امیدیں دلاتا رہوں گا اور یہ سکھاتا رہوں گا کہ جانوروں کے کان چیرتے رہیں اور (یہ بھی) کہتا رہوں گا کہ وہ اللہ کی بنی ہوئی صورتوں کو بدلتے رہیں اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا، وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انہیں وعدے دیتا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔''

ضحاک کہتے ہیں: مقرر حصہ کا مطلب معلوم حصہ ہے۔

زجاج کہتے ہیں: یعنی ایک حصہ جس کو میں نے خود پر فرض کر لیا۔

فراء کہتے ہیں: یعنی جس پر اس کے لیے لوگوں کی طرف سے راہ بنایا گیا ہے وہ حصہ ان کے نزدیک فرض کی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں فرض کی اصل مقرر کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس نے شیطان کی تابعداری اور پیروی کی تو وہ اس کا فرض کیا گیا نصیب اور مقرر کیا گیا حصہ ہے، تو ہر وہ شخص جو دشمن کی پیروی کرے وہ اس کے فرض کیے گئے حصہ سے ہے۔

اس طرح لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک شیطان کا حصہ اور اس کا مقرر کردہ۔ دوسرے اللہ کے ولی، اس کی جماعت اور اس کے خاص بندے۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ کا مطلب ہے کہ میں ان کو حق سے گمراہ کروں گا۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مراد توبہ کو موخر کرنا اور اس سے روکنا ہے۔

کلبی کہتے ہیں: میں ان کو یہ آرزو دلاؤں گا کہ نہ جنت ہے نہ جہنم اور نہ مر کر اٹھنا ہے۔

زجاج کہتے ہیں: میں گمراہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے لیے اس خیال کو ملا دوں گا کہ وہ آخرت میں اپنا حصہ پائیں گے۔ ایک قول ہے کہ میں ان کو ایسی خواہشات پر عمل کی دعوت دوں گا جو نافرمانیوں اور بدعتوں کی طرف لے جائیں۔ دیگر قول ہے کہ میں ان کو دنیا کی نعمتوں میں لمبے وقت تک باقی رہنے کی امید دلاؤں گا۔ موت کے وقت کو ان کے لیے دور بتاؤں گا تا کہ وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں۔

﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ﴾ بَتَكَ: کا مطلب کاٹنا ہے۔ تمام مفسرین کے نزدیک یہاں بحیرہ[1] کے کان کاٹنا مراد

---

[1] بحیرہ سے مراد وہ اونٹنی ہے جو بتوں کی نذر کی جاتی تھی۔ اس کے کان چیر دیے جاتے تھے اور کوئی اس کا دودھ نہ دوہتا تھا۔ (مترجم)

ہے۔ یہاں سے جمہور اہل علم نے بچوں کے کانوں میں بالیاں ڈالنے کے لیے سوراخ کرنے کو مکروہ کہا ہے۔ بعض نے لڑکوں کے بجائے لڑکیوں کے لیے اس کی اجازت دی ہے۔ کیونکہ ان کو زیور پہننے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ان کی دلیل حدیث ام زرع [1] ہے اس میں ہے (أَنَاسَ مِنْ حُلِيٍّ أُذُنَيَّ) کہ اس نے میرے دونوں کانوں کو زیور سے بوجھل کر دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا تھا: «كُنْتُ لَكِ كَأَبِي زَرْعٍ لِأُمِّ زَرْعٍ» کہ میں تیرے لیے [2] ایسے ہوں جیسے ابوزرع ام زرع کے لیے تھا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے لڑکی کے حق میں اس کے جواز اور لڑکے کے حق میں کراہت پر نص بیان کی ہے۔

﴿وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مراد اللہ کا دین ہے۔ یہی قول ابراہیم، مجاہد، حسن، ضحاک، قتادہ، سدی، سعید بن جبیر اور سعید بن مسیب رحمہم اللہ کا ہے۔

اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو فطرتِ مستقیمہ پر پیدا فرمایا ہے اور وہ ملت اسلام ہے جیسے کہ فرمایا:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ﴾ (الروم: ۳۰، ۳۱)

"تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (اللہ کے راستے) پر سیدھا منہ کیے چلے جاؤ (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اسی کی طرف رجوع کیے رہو اور اس سے ڈرتے رہو۔"

اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَا تُنْتَجُ [3] الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ، فَهَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ، حَتَّى تَكُونُوا أَنْتُمْ تَجْدَعُونَهَا» ثُمَّ قَرَأَ أَبُوهُرَيْرَةَ رضي الله عنه: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ الآية. متفق عليه۔ [4]

---

[1] حدیث ام زرع کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب النکاح، باب حسن المعاشرة مع الاهل میں مکمل ذکر کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں: "گیارہ عورتیں بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں...... الخ۔" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ام زرع بنت اکمل بن ساعدہ تھی۔ اَنَاسَ کا مطلب ہے، بوجھل کر دیا حتیٰ کہ ہلنے اور لٹکنے لگے اور نوس کا مطلب ہر لٹکتی ہوئی چیز کا ہلنا ہے۔ مسلم نے بھی اس کو روایت کیا ہے (الفقی) مترجم کہتا ہے دیکھیے: صحیح بخاری، حدیث: ٥١٨٩، ج: ٩، ص: ٢٥٤۔ [2] تیرے لیے سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ (مترجم)

[3] تنتج کا مطلب ہے کہ وہ جنم دیتی ہے۔ نتجت الناقة کہتے ہیں: جب مادہ جنم دے اور وہ متوجہ ہوتی ہے۔ جمعاء کا مطلب ہے کہ اس کے تمام اعضاء عیوب سے سلامت ہیں۔ جدع کا مطلب ناک، کان اور ہونٹ کاٹنا ہے، یہ ناک کے ساتھ خاص ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پیدا ہونے والا ایک گونہ طبیعت پر پیدا ہوتا ہے جو کہ اللہ کی فطرت ہے۔ وہ طبعاً اور خوشی سے حق کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے اگر جنوں اور انسانوں کے شیاطین سے بچ جائے۔ اگر وہ اختیار پائے تو اسلام کے علاوہ کسی دین کو پسند نہ کرے گا، تو ناک کٹا اور صحیح سلامت کو اس بات کے لیے بطور مثال بیان فرمایا ہے۔ (الفقی)

[4] صحيح بخاری، كتاب الجنائز، باب ما قيل فی اولاد المشركين، ج:٢، ص: ١٠٤؛ صحيح مسلم، كتاب القدر، باب معنی كل مولود يولد على الفطرة، حديث: ٢٢/٢٦٥٨، ج: ٥، ص: ٢٠٤٨۔

''نہیں کوئی پیدا ہونے والا مگر وہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی بناتے ہیں یا عیسائی بناتے ہیں یا مجوسی بناتے ہیں جیسے چوپایہ پیدا ہوتا ہے تو پورا چوپایہ ہوتا ہے کیا تم اس میں کوئی ناک کان کٹا دیکھتے ہو؟ حتیٰ کہ تم ہی اس کی ناک کان کو کاٹتے ہو پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ آخر تک۔'' (متفق علیہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں کو اکٹھا بیان فرمایا یعنی فطرت کی تبدیلی یہودی اور عیسائی بنا کر جبکہ خلقت کی تبدیلی ناک، کان کاٹ کر۔ یہی وہ دو باتیں ہیں جن کے متعلق ابلیس نے کہا تھا کہ وہ ان دونوں کو ضرور بدلے گا۔ اس نے اللہ کی فطرت کو کفر کے ذریعے بدل دیا یہ اس طبیعت کی تبدیلی ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے اور اس نے ناک کان کٹوا کر شکلوں کو بدل دیا۔ گویا فطرت کو شرک کے ذریعہ سے اور خلقت کو ناک کان کٹوا کر بدلا۔ ایک روحانی خلقت کی تبدیلی ہے دوسری جسمانی خلقت کی تبدیلی ہے۔

پھر فرمایا: ﴿يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ﴾ اس کا وعدہ وہ ہے جو انسان کے دل تک پہنچتا ہے۔ مثلاً تیری عمر بہت لمبی ہوگی، تو دنیا میں اپنا مزہ پائے گا، تو اپنے ساتھیوں پر بڑا بن جائے گا، تو اپنے دشمنوں پر کامیابی پائے گا، دنیا بدل جاتی ہے کل تیری ہوگی جیسے آج کسی اور کی ہے، وہ اس کی موت کا وقت دور بتاتا ہے، اسے شرک اور گناہوں پر بھی اچھے انجام کا وعدہ دیتا ہے، اسے مختلف صورتوں میں جھوٹی آرزوئیں دلاتا ہے۔

اس کے وعدے اور آرزو دلانے میں فرق یہ ہے کہ وہ وعدہ باطل کرتا ہے اور آرزو ناممکن کی دلاتا ہے، وہ گھٹیا ذہن جن کی کوئی قدر نہیں ہوتی اس کے وعدے اور آرزو کو غذائے زندگی بناتے ہیں۔ جیسے کسی کہنے والے نے کہا ہے:

''آرزو اگر سچی ہو تو آرزوؤں میں سب سے اچھی ہے، ورنہ ہم نے ان کے ساتھ ایک زمانہ فراخ دلی کا گزارا ہے۔''

جو باطل اور گھٹیا ذہن ہوتا ہے وہ باطل آرزوؤں اور جھوٹے وعدوں سے لذت پاتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے عورتیں اور بچے بھی عموماً ایسی باتوں پر خوش ہوتے ہیں اور متحرک ہو جاتے ہیں۔ باطل اقوال کا مصدر شیطان کا وعدہ اور اس کی آرزو ہوتا ہے۔ شیطان اپنے ساتھیوں کو بظاہر حق کو پالینے اور اس کے ساتھ کامیاب ہونے کی آرزو دلاتا ہے۔ وہ انہیں اصل راستے کے بغیر حق تک پہنچنے کا وعدہ دیتا ہے تو ہر باطل پرست کا حصہ اس فرمان میں ہے:

﴿يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ (النساء:۱۲۰)

''وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انہیں وعدے دیتا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔''

اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ﴾ (البقرۃ:۲۶۸)

''شیطان تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے۔''

﴿يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ﴾ کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ وہ تمہیں اس کا خوف دلاتا ہے۔ کہتا ہے اگر تم نے اپنے اموال کو خرچ کیا تو تم فقیر ہو جاؤ گے۔ ﴿وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾ سے مفسرین کہتے ہیں اس جگہ پر خاص طور پر بخل مراد ہے۔

مقاتل اور کلبی سے مذکور ہے کہ قرآن میں ہر فحشاء سے مراد زنا ہے سوائے اس مقام کے۔ یہاں پر بخل مراد ہے۔

درست بات یہ ہے کہ فحشاء اپنے معنی پر ہے۔ یہ ہر بے حیائی کو کہتے ہیں یہ محذوف موصوف کی صفت ہے۔ عموم مراد لینے کی وجہ سے اس کا موصوف حذف کیا گیا ہے یعنی بے حیائی کا کام اور بے حیائی کی عادت۔ تو بخل بھی منجملہ اس کے ہے۔

اس ذات پاک نے شیطان کا وعدہ اور اس کا حکم ذکر کیا ہے کہ وہ ان کو شر کا حکم دیتا ہے اور خیر کے کام سے خوف دلاتا ہے۔ یہی دو کام اس کا ماحصل ہیں جو کچھ شیطان انسان سے چاہتا ہے، جب وہ اسے فعل خیر سے ڈرائے گا تو وہ اسے کرنا چھوڑ دے گا۔ جب وہ اسے بے حیائی کا حکم دے گا اور اسے اس کے لیے مزین کرے گا تو وہ اس کا مرتکب ہوگا۔ اس ذات پاک نے شیطان کے ڈراوے کو ''وعدہ انتظار'' کا نام دیا ہے۔ جیسے موعود اپنے وعدہ کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ڈراوے کا انتظار کرتا ہے۔ پھر اس ذات پاک نے اپنی فرمانبرداری، احکام کو ماننے اور نواہی سے اجتناب پر اپنے وعدے کا ذکر فرمایا جو کہ مغفرت اور فضل ہے۔ مغفرت شر سے بچانا جبکہ فضل سے مراد خیر عطا کرنا ہے۔

ایک مشہور حدیث میں ہے:

«إِنَّ لِلْمَلَكِ بِقَلْبِ ابْنِ آدَمَ لَمَّةٌ، وَلِلشَّيْطَانِ لَمَّةٌ، فَلَمَّةُ الْمَلَكِ: إِيْعَادٌ بِالْخَيْرِ، وَتَصْدِيْقٌ بِالْوَعْدِ، وَلَمَّةُ الشَّيْطَانِ: إِيْعَادٌ بِالشَّرِّ، وَتَكْذِيْبٌ بِالْوَعْدِ. ثُمَّ قَرَأَ: ﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾» (البقرة:٢٦٨)

''بے شک فرشتے کا ابن آدم کے دل پر ایک مرتبہ پیش آنا ہے اور شیطان کا بھی پیش آنا ہے۔ فرشتے کا پیش آنا خیر کا وعدہ دلانا اور وعدہ کی تصدیق ہے۔ جبکہ شیطان کا پیش آنا شر کا وعدہ دلانا اور وعدہ کی تکذیب ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾ [1] الخ! [2]''۔

فرشتہ اور شیطان انسان کے دل پر دن اور رات کی طرح آگے پیچھے آتے ہیں۔ بعض لوگوں کی رات ان کے دن سے لمبی ہوتی ہے اور بعض اس کے الٹ۔ کئی لوگوں کا ہر وقت دن ہوتا ہے بعض اس سے الٹ ہوتے ہیں۔ ہم شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

فصل: انسان کے لیے کفر اور برائی کو مزین کرنا

شیطان انسان کو جو دھوکے دیتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اسے ایسے کاموں میں مبتلاء کرتا ہے جس سے انسان کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ اس میں میرا فائدہ ہے۔ پھر اس کو شیطان اس جگہ پہنچا دیتا ہے جہاں اس کی بدنامی ہوتی ہے وہ اس کو چھوڑ دیتا ہے اور دور پھینک دیتا ہے اور کھڑا ہو کر تماشا دیکھتا ہے اس پر ہنستا ہے۔ مثلاً وہ اسے چوری، زنا، قتل کا حکم دیتا ہے، اسے راہ بتاتا ہے پھر اسے رسوا کرتا ہے۔

---

① جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب تفسیر سورۃ البقرۃ، حدیث: ٢٩٨٨، ج: ٥، ص: ٢١٩۔

② اسے ترمذی، نسائی، ابن ابی حاتم اور ابن حبان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حسن غریب ہے۔ لَمَّۃ میں لام اور میم پر زبر ہے۔ اس کا مطلب دل میں پیش آنے والی سوچ وفکر ہے۔ شیطان اور فرشتے کے ''لمہ'' سے مراد انسان سے ان کا قرب ہے۔ (الفقی)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَ قَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَ اِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾﴾ (انفال:۴۸)

''اور جب شیطان نے ان کے اعمال ان کو آراستہ کر کے دکھائے اور کہا کہ آج کے دن لوگوں میں تم پر کوئی غالب نہ ہوگا اور میں تمہارا رفیق ہوں (لیکن) جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل (صف آراء) ہوئیں تو پسپا ہو کر چل دیا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں میں تو ایسی چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے اور اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔''

جب مشرکین مکہ بدر کی طرف نکلے تو وہ ان کے سامنے سراقہ بن مالک کی شکل میں آیا۔ کہنے لگا اگر مسلمان تمہارے گھر بار کی طرف میلی نظر ڈالیں گے تو بنو کنانہ میں سے میں تمہارا ساتھی ہوں۔ جب اللہ کے اس دشمن نے اللہ کے فرشتوں کے لشکر دیکھے جو پیغمبر علیہ السلام کی مدد کو آئے تھے تو یہ بھاگ گیا اور ان کو چھوڑ گیا۔[1] جیسے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے ۔

''اس نے ان کو دھوکے کی راہ بتائی پھر ان کو چھوڑ گیا، بے شک خبیث جس سے دوستی کرے بہت دھوکا دینے والا ہے۔''[2]

اسی طرح اس نے اس راہب کے ساتھ کیا تھا اس نے عورت اور اس کے بچے کو قتل کر دیا۔ پہلے اسے زنا پھر قتل کا کہا۔ پھر عورت کے گھر والوں کو اس کا حال بتا دیا اور ان پر معاملہ واضح کر دیا، پھر اس کو سجدہ کا حکم دیا جب اس نے یہ کیا تو اس کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اسی کے متعلق اللہ پاک نے نازل فرمایا ہے:

﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾﴾ (الحشر:۱۶)

''جیسے شیطان کی مثال ہے اس نے انسان سے کہا: ''کفر کر'' جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا مجھے تجھ سے کچھ سروکار نہیں

---

[1] ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں جب قریش نے سفر کا ارادہ کیا تو ان کو اپنی اور بنو بکر کی لڑائی یاد آ گئی قریب تھا کہ وہ سفر سے رک جائیں ابلیس ان کے سامنے سراقہ بن مالک بن جعشم المدلجی کی شکل میں نمودار ہوا وہ بنی کنانہ کا سردار تھا کہنے لگا اگر بنو کنانہ کی طرف سے تمہیں کوئی پریشانی پہنچے تو میں تمہارا ساتھی ہوں۔ اس پر وہ تیزی سے سفر پر روانہ ہو گئے۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: مذکور ہے کہ وہ اسے ہر منزل پر سراقہ بن مالک کی شکل میں دیکھتے رہے ان کو کوئی انکار نہ تھا۔ جب بدر کا دن آیا اور دونوں جماعتیں آمنے سامنے صف آراء ہوئیں تو اسے حارث بن ہشام یا عمیر بن وہب نے بھاگتے ہوئے دیکھ لیا۔ کہا سراقہ کدھر؟ کدھر؟ اللہ کا دشمن دور ہو کر کہنے لگا ''ان کو لایا پھر ان کو چھوڑا۔'' کہتے ہیں اللہ کے دشمن نے اللہ کے ان لشکروں کو دیکھ لیا تھا جن کے ذریعے سے اللہ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام اور مومنوں کی مدد کی تھی وہ ایڑیوں کے بل پھر گیا اور کہنے لگا ''میں تم سے بری ہوں میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔'' (الفقی)

[2] اس سے پہلا شعر ہے: ''ہم چلے ان کے وقت کے لیے اور وہ بھی چلے بدر کی طرف + اگر وہ علم رکھتے یقینی علم تو وہ نہ چلتے۔''

اور اس کے بعد ہے: ''اور اس نے کہا میں تمہارا ساتھی ہوں اس نے ان کو اتارا اتارنے کی بری جگہ پر جہاں رسوائی اور عار تھی۔ پھر جب ہماری مڈبھیڑ ہوئی تو وہ اپنی جماعت سے بھاگے بعض پینے سے شرابور تھے جبکہ ایک گروہ پسپا ہو گیا تھا۔'' (الفقی)

مجھ کوتو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔''

یہ سیاق اُسی شخص کے لیے خاص نہیں جس کے متعلق یہ واقعہ مذکور ہے [1] بلکہ ہر اس شخص کے متعلق عام ہے جس نے شیطان کا کفر والا حکم مانا تا کہ وہ اس کی مدد کرے اور اپنی حاجت پوری کرے وہ اس سے بری ہو جاتا ہے اور اسے چھوڑ دیتا ہے جیسے وہ دوستوں سے بری ہوگا جو اکٹھے جہنم میں پڑے ہوں گے اور ان کو کہے گا ﴿ اِنِّیْ کَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَکْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ﴾ کہ ''جو تم نے مجھے جو اس سے پہلے شریک بنایا میں نے اس کا انکار کیا۔'' وہ ان کو بدترین جگہ پر گرائے گا اور ان سے پورا پورا لاتعلق ہو جائے گا۔ اللہ کے دشمن کے قول: ﴿ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ ﴾ کے متعلق قتادہ اور ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ کے دشمن نے ﴿ اِنِّیْٓ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ ﴾ کے متعلق سچ کہا تھا جبکہ ﴿ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ ﴾ جھوٹ کہا تھا۔ اللہ کی قسم! اس کو اللہ کا ڈر نہیں ہے۔ لیکن اس کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہاں کوئی قوت اور بچاؤ نہیں ہے اس نے ان کو وہاں پہنچایا اور چھوڑ دیا۔ اللہ کے دشمن کی اپنے ہر فرمانبردار کے ساتھ شروع سے یہی عادت ہے۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈر گیا تھا جیسے کافر اور فاجر ڈرتا ہے کہ وہ قتل کر دیا جائے گا یا اپنے جرم میں پکڑا جائے گا وہ آخرت میں اپنی سزا سے نہیں ڈرا تھا۔

یہی زیادہ درست ہے اور شیطان کے اس خوف سے نہ ایمان لازم آتا ہے اور نہ نجات۔

کلبی کہتے ہیں: وہ اس بات سے ڈرا کہ جبریل علیہ السلام اسے پکڑ کر اس کے حال کی پہچان کرا دیں پھر لوگ اس کی بات نہ مانیں گے۔ یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ ابلیس نے یہ بات بھاگ جانے اور ایڑیوں پر پھر جانے کے بعد کہی تھی الا یہ کہ یہاں مراد یہ ہو کہ اگر مشرکین کو پتہ چل جائے کہ جو ان کا ساتھی بنا اور انہیں یہاں تک لایا وہ ابلیس تھا تو آئندہ وہ اس کی فرمانبرداری نہ کریں گے۔ اگر یہ مراد ہو تو بھی بہت بے فائدہ بات ہے اور غیر مقصود تکلف ہے۔

عطاء کہتے ہیں: میں اللہ سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے ہلاک کرنے والوں میں ہلاک کر دے۔ یہ دنیا کی ہلاکت کا خوف ہے تو یہ اس شیطان کو نفع نہ دے گا۔

زجاج اور ابن الانباری کہتے ہیں: اس نے گمان کیا کہ جس وقت تک اسے مہلت دی گئی ہے وہ وقت آ چکا۔ ابن الانباری نے مزید کہا کہ: میں ڈرتا ہوں کہ جس وقتِ معلوم کے ساتھ میری مہلت ختم ہوگی وہ آ چکا تو مجھ پر عذاب آئے گا۔ کیونکہ جب اس نے فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو ڈر گیا کہ وقت مہلت ختم ہو گیا ہے پھر اس نے جو کچھ بھی کہا وہ اپنی جان کے ڈر سے کہا تھا۔

فصل: ڈر اور خوف کے ذریعے سے شیطان کا دھوکا

اللہ تعالیٰ کے دشمن کے دھوکوں میں سے ایک دھوکا یہ بھی ہے کہ وہ اپنے لشکر اور ساتھیوں سے مومنوں کو ڈراتا ہے کہ وہ ان سے جہاد نہ کریں، ان کو نیکی کا حکم نہ دیں اور ان کو برائی سے نہ روکیں۔ اہل ایمان کے خلاف اس کی یہ بہت بڑی چال ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے اس کام سے ہمیں اپنے اس ارشاد کے ذریعے سے متنبہ فرمایا ہے:

---

[1] اس کے واقعہ کو ابن جریر اور ابن کثیر رحمہما اللہ نے تفسیر سورۃ الحشر میں حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مختصراً بیان کیا ہے۔ بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تفصیلاً بیان کیا ہے انہوں نے راہب کا نام برصیصا بتایا ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ دوسری سند سے بیان کیا ہے۔ (الفقی)

﴿ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (آل عمران:۱۷۵)

''یہ (خوف دلانے والا) تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے تو اگر تم مومن ہو ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرنا۔''

تمام مفسرین کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: تمہارے دلوں میں ان کی بڑائی لاتا ہے۔ اسی لیے فرمایا:﴿ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ تو جب جب بندے کا ایمان قوی ہوگا اس کے دل سے شیطان کے ساتھیوں کا خوف ختم ہوگا۔ اور جب جب ایمان کمزور ہوگا اس کا ان سے خوف قوی ہوگا۔ اس کی ایک چال یہ ہے کہ وہ چکر دینے کے لیے ہمیشہ عقل پر جادو رکھتا ہے۔ اس کے جادو سے وہی بچتا ہے جسے اللہ چاہے۔ جو کام انسان کے لیے نقصان دہ ہے وہ اسے اس طرح مزین کرتا ہے کہ انسان کے خیال میں وہ اس کے لیے سب سے نفع مند کام ہوتا ہے۔ وہ بڑے نفع والے کام سے اسے متنفر کرتا ہے حتیٰ کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ اس کے لیے نقصان دہ ہے۔

اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ اس جادو میں کتنے ہی لوگ پھنس گئے؟ کتنے ہی لوگوں کے دل اور اسلام، ایمان، احسان کے درمیان یہ رُکاوٹ بن گیا؟ کتنی دفعہ اس نے باطل کو روشن اور خوبصورت شکل میں پیش کیا۔ حق کو بدصورت بنایا اور ناپسندیدہ شکل میں پیش کیا۔ ماہرین پر کتنی ہی درست سیڑھیاں اس نے ٹیڑھی کر دیں۔ کتنے ہی پر فریب عمل ہیں جن پر اس نے عارفین کو لگا دیا۔

وہی تو ہے جس نے عقلوں پر جادو کر دیا تا آنکہ اَربابِ عقل کو مختلف خواہشات اور الگ الگ آراء پر لگا دیا۔ ان کو گمراہی کے ہر راستے پر چلایا۔ ان کو ایک کے بعد دوسری (پھر) سب ہلاکتوں میں گرایا۔ ان کے لیے بتوں کی عبادت، قطع رحمی، بچیوں کو زندہ درگور کرنا، ماؤں کے ساتھ نکاح کو مزین کیا۔ انہیں کفر، فسق، نافرمانی کے باوجود جنتوں اور کامیابی کا وعدہ دیا۔ تعظیم کی صورت میں ان کے آگے شرک رکھ دیا۔ تنزیہہ [1] کے قالب میں رب تعالیٰ کی صفات، اس کے علو اور اس کے تکلم کا انکار پیش کر دیا۔ لوگوں کے ساتھ رکھ رکھاؤ اور اچھے اخلاق کے بہانہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کروایا۔ نیز کہا کہ اللہ کے اس فرمان پر عمل کرو﴿ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ (المائدہ:۱۰۵) کہ تم پر اپنی جانوں کو بچانا لازم ہے۔'' جو رسول علیہ السلام لے کر آئے اس سے اعراض تقلید [2] کے رنگ میں پیش کیا، نیز کہا کہ تم سے جو بڑے عالم ہیں ان کے قول پر عمل کو کافی سمجھو۔ اللہ کے دین پرستی اور نفاق کو عقلِ معیشی کے قالب میں پیش کیا کہ جب کاروبار نہ ہوگا تو آدمی کی عزت لوگوں میں ختم ہو جائے گی۔ تمہارے ماں باپ کے پاس شیطان ہی تھا جب اس نے ان دونوں کو جنت سے نکالا۔ قابیل کے پاس یہی تھا جب اس نے اپنے بھائی کو قتل کیا۔ قوم نوح کے پاس یہی تھا جب وہ غرق کیے گئے۔ قوم عاد کے پاس یہی تھا جب وہ زور کی آندھی سے ہلاک کیے گئے۔ قوم صالح کے پاس یہی تھا جب وہ چیخ کے زلزلہ سے تباہ کیے گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی امت کے پاس یہی تھا جب ان کو دھنسایا گیا اور بعد میں ان پر پتھروں کی بارش کی گئی۔ فرعون اور اس کی قوم کے پاس جب ان پر بہت بڑی پکڑ آئی۔ بچھڑے کے پجاریوں کے پاس یہی تھا جب ان پر

---

[1] تنزیہہ کا مطلب پاک قرار دینا ہے منکرین صفات تنزیہہ کو آڑ بناتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت بے مثال ہے، بے عیب ہے۔ (مترجم)

[2] اعلام الموقعین سے مستفاد میری تحقیق کے ساتھ مطبوع امام ابن قیم رحمہ اللہ کا ''رسالة التقليد'' دیکھیے۔ (عفیفی)

عذاب آیا۔قریش کے پاس بھی یہی تھا جب انہوں نے بدر کے دن اس کو پکارا۔اسی طرح ہر ہلاک و برباد ہونے والے کے ساتھ اس کا فریب ہوا کرتا ہے۔

فصل: حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکا دینے کا واقعہ

اس کا پہلا فریب اور دھوکا یہ ہے کہ اس نے ہمارے ماں باپ کو جھوٹی قسموں کے ساتھ دھوکا دیا کہ وہ ان کا خیر خواہ ہے اور وہ ان کی جنت میں ہمیشگی چاہتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَ قَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ وَ قَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ﴾ (الاعراف: ۲۰-۲۲)

''تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تا کہ ان کے ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے صرف اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں پس اس نے ان دونوں کو دھوکا دیا۔''

وسوسہ دل کی بات اور پست آواز کو کہتے ہیں۔زیور کی آواز کا نام وسواس ہے،آدمی کو موسوس کہتے ہیں۔واؤ پر زیر۔زبر غلط ہے۔اس کو موسوس اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کا دل اسے وسوسہ ڈالتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ﴾ (ق: ۱۶)

''اور جو خیالات اس کے دل میں گزرتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں۔''

اللہ کے دشمن کو معلوم تھا کہ جب یہ دونوں درخت کا پھل کھائیں گے ان کی شرم گاہیں کھل جائیں گی۔یہ ایک گناہ ہے۔گناہ اللہ اور بندے کے درمیان کے پردے کو چاک کر دیتا ہے۔جب انہوں نے نافرمانی کی وہ پردہ چاک ہو گیا تو ان دونوں کی شرم گاہیں کھل گئیں۔گناہ ظاہری اور باطنی ستر کھول دیتا ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں زنا کار مردوں اور عورتوں کو اپنے ستر کھولے دیکھا[1]،[2] اسی طرح اگر مرد یا عورت خود کو خواب میں کھلے ستر دیکھے یہ اس کے دین میں خرابی کی دلیل ہے۔شاعر کہتا ہے

''بے شک میں گویا کہ اس شخص کو ننگا دیکھتا ہوں،جس میں حیاء نہیں اور نہ امانت ہی،لوگوں کے درمیان۔''

---

① بخاری نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے،فرماتے ہیں:رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنے اصحاب کو کہتے کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ پھر جو اللہ چاہے اس پر بیان فرماتے۔ایک دن آپ نے ہم سے فرمایا آج رات میرے پاس دو افراد آئے۔انہوں نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔کہنے لگے چلو! میں ان کے ساتھ چل پڑا،پھر پوری حدیث:ذکر کی اس میں یہ بھی ہے کہ ہم چلے اور تنور کی طرح ایک جگہ پر پہنچے۔کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ فرمایا:اس میں شور اور آوازیں تھیں۔کہتے ہیں ہم نے جھانکا تو اس میں ننگی عورتیں اور مرد تھے ان پر اچانک ایک شعلہ آتا۔جب وہ شعلہ آتا تو سب بہت چیختے۔فرمایا کہ ان دونوں فرشتوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ یہ زنا کار لوگ ہیں۔(الفقی)

② صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب بعد باب اولاد المشرکین، ج: ۲، ص: ۱۰۴؛ کتاب التعبیر، باب تعبیر الرؤیا، ج: ۸، ص: ۸۴۔

اللہ پاک نے لوگوں پر دو لباس نازل کیے ہیں۔ ایک ظاہری لباس جو شرم گاہ کو چھپاتا اور پردہ کرتا ہے۔ ایک باطنی لباس جو تقویٰ سے ہے وہ بندے کو جمال اور ستر دیتا ہے۔ جب یہ لباس اتر جائے تو اس کا باطنی ستر کھل جاتا ہے۔ جس طرح ظاہری لباس اتارنے سے ستر کھلتا ہے۔

پھر کہا: ﴿مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ﴾ یعنی صرف اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے منع کیا ہے کہ تم دونوں فرشتے ہو جاؤ گے اور ناپسند کرتے ہوئے کہ تم دونوں ہمیشہ جنت میں رہو گے۔ جب اسے پتہ چلا کہ وہ دونوں جنت میں ہمیشگی چاہتے ہیں تو اس راہ سے وہ ان دونوں کے پاس پہنچا۔ یہ اس کے فریب کا سب سے بڑا دروازہ ہے جس سے وہ ابن آدم کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ اس کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے حتیٰ کہ اس کے نفس سے جا ٹکراتا ہے اور اس سے گھل مل جاتا ہے۔ اس سے پوچھتا ہے کہ اسے کیا پسند اور محبوب ہے۔ جب اسے پتہ چل جاتا ہے تو اس پر بندے کی مدد کرتا ہے اس دروازے سے وہ داخل ہوتا ہے۔

اسی طرح اس نے اپنے انسانی بھائیوں اور دوستوں کو سکھایا ہوا ہے کہ جب ایک دوسرے سے ان کی فاسد اغراض ہوں تو وہ اُن اغراض تک اس دروازے سے پہنچیں جسے وہ پسند کرتے اور چاہتے ہوں۔ اس دروازہ سے جو بھی آئے اس کی حاجت پوری ہونے میں کوئی ذلت نہیں۔ جو کسی اور طریقہ سے آنا چاہے تو اس پر دروازہ بند ہے اور اس کا مقصد پورا نہ ہوگا۔

اللہ کے دشمن نے ہمارے ماں باپ کا معاملہ محسوس کیا۔ اس نے سمجھا کہ یہ اس گھر میں ہمیشگی چاہتے ہیں اور اس طرف مائل ہیں جہاں ہمیشہ کی نعمتیں ہیں۔ اسے معلوم ہوگیا کہ میں ان کے پاس اس دروازے کے علاوہ پہنچ نہیں سکتا، تو اس نے ان دونوں کے سامنے اللہ کی قسم کھائی کہ وہ ان دونوں کا خیر خواہ ہے۔ کہنے لگا:

﴿مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ﴾ (الاعراف: ۲۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کو مَلِكَيْنِ یعنی لام پر زیر کے ساتھ پڑھا کرتے تھے [1] وہ فرماتے ہیں ان کو یہ طمع نہ تھی کہ وہ ملائکہ میں سے ہو جائیں بلکہ انہوں نے یہ شوق رکھا کہ وہ دونوں بادشاہ ہو جائیں تو وہ ان کے پاس بادشاہی کے لالچ کے ساتھ آیا۔

دوسری آیت میں اللہ کا فرمان اس قرأت کی دلیل ہے:

﴿قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ (طٰہٰ: ۱۲۰)

''کہا کہ آدم! بھلا میں تم کو (ایسا) درخت بتاؤں (جو) ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو۔''

رہی جو مشہور قرأت ہے تو ایک قول ہے کہ دشمن نے حضرت آدم علیہ السلام کو کیسے لالچ میں ڈالا کہ وہ اس درخت کا پھل کھا کر فرشتوں میں سے ہو جائیں گے جبکہ فرشتوں کا نہ کھانا اور نہ پینا ظاہر ہے۔ آدم علیہ السلام اللہ کو خود کو اور فرشتوں کو جانتے تھے وہ کیسے طمع کریں گے کہ وہ اس کو کھا کر ان میں سے ہو جائیں۔ خاص طور پر جب اللہ عزوجل نے اس سے منع بھی کر دیا تھا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے اس بات کا بالکل طمع نہیں کیا۔ لیکن اللہ کے دشمن نے ان سے جھوٹ کہا اور دھوکا

[1] جس کا مطلب ''دو بادشاہ'' ہے۔ (مترجم)

اور فریب کیا اس درخت کو ہمیشگی کے درخت کا نام دے دیا۔ یہ پہلا دھوکا اور فریب تھا۔ اسی سے اس کے پیروکاروں نے یہ طریقہ اپنایا ہے کہ وہ حرام چیزوں کو وہ نام دیتے ہیں جو نام لوگوں کو پسند ہوتے ہیں۔ شراب کا نام ام الافراح رکھ دیا (یعنی خوشیوں کی جڑ)، دیگر کا نام سکون کا لقمہ رکھ دیا، سود کا نام معاملہ، ٹیکسوں کا نام شاہی حقوق، بدترین اور کھلے عام مظالم کا نام عدالتی قانون، رب کریم کی صفات کے واضح انکار والے کفر کا نام تنزیہہ اور فسق کی مجالس کا نام پاکیزگی کی مجالس [1] رکھ دیا۔ جب اس نے اس کو ہمیشگی کے درخت کا نام دیا تو کہا کہ تم کو تمہارے رب نے اس سے یہ ناپسند کرتے ہوئے روکا ہے کہ تم اس سے پھل کھا کر ہمیشہ جنت میں رہو گے تم کو موت نہ آئے گی، تو تم ملائکہ کی طرح ہوجاؤ گے جو مرتے نہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو علم نہ تھا کہ بعد میں مرنا ہے انہوں نے جنت میں ہمیشہ رہنے والی خواہش کی دشمن کی بات اور اس کے اللہ کے نام کی پختہ قسم کھانے سے شبہ لے لیا کہ وہ ان کا خیرخواہ ہے۔ شبہ اور خواہش اکٹھے ہو کر تقدیر کے معاون بن گئے ان کو غفلت کی اونگھ آ گئی اور دشمن جاگتا رہا۔ جیسے شعر کہا گیا ہے ؎

وَ اسْتَيْقَظُوْا وَ أَرَادَ اللّٰهُ غَفْلَتَهُمْ   لِيَنْفُذَ الْقَدْرُ الْمَحْتُوْمُ فِي الْأَزْلِ

''وہ جاگ رہے تھے اللہ نے ان کی غفلت (نیند) کا ارادہ کیا تا کہ تقدیر پوری ہوجائے جس کا ازل سے حتمی فیصلہ ہو گیا تھا۔''

ہاں اس جواب پر یہ اعتراض آ سکتا ہے کہ فرمایا: ﴿ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴾ اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ دھوکا اور فریب دینے والا لازماً اپنے دھوکے اور فریب کا تناقض اور بطلان رکھتا ہے جس سے اس کا دھوکا اور فریب معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ہم اللہ کے دشمن کی بات کی تصحیح کریں یا کچھ عذر ڈھونڈیں۔ عذر تو والد بزرگوار کی طرف سے ہے کہ یہ بات ان کے دل میں بیٹھ گئی اور ان کے کان سے ٹکرا گئی۔ اس نے ان کو پختہ طور پر نہیں کہا تھا کہ اگر وہ کھالیں گے تو فرشتے بن جائیں گے بلکہ اس نے معاملہ کو دو معاملوں کے درمیان متردّد رکھا۔ ایک ناممکن، دوسرا ممکن۔ یہ دھوکا اور فریب کی بہت بڑی قسم ہے۔ جب اس نے ان کو ممکن بات کا طمع دیا تو پختہ بات کی اور تردّد نہیں دیا، کہا کہ ﴿ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴾ یہاں کوئی شک کا لفظ داخل نہ کیا۔ لیکن ﴿ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴾ میں شک کا لفظ داخل کر دیا۔ [2] اس پر آپ غور کریں اس لیے بعد میں ہے۔

﴿ وَ قَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾ تو اس خبر میں کئی قسم کی تاکیدیں آ گئی ہیں:

پہلی: قسم کے ساتھ تاکید۔

دوسری: اِنَّ کے ساتھ تاکید۔

تیسری: معمول کو عامل پر مقدم رکھنا تا کہ اختصاص معلوم ہو یعنی میری نصیحت تم دونوں کے ساتھ خاص ہے۔ اس کا فائدہ بھی تم دونوں کو ہے مجھے تو کوئی فائدہ نہیں ہے۔

چوتھی: یہاں پر اسم فاعل لانا جو ثبوت اور لزوم پر دلالت کرتا ہے۔ [3] یہ فعل نہیں آیا جو تجدد پر دلالت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خیرخواہی میری صفت اور عادت ہے یہ کوئی میرے ہاں نیا کام نہیں ہے۔

---

① حضرت امام کا ان مجالس سے مراد سماع و قوالی وغیرہ کی مجالس ہیں جیسا کہ ان کی دیگر کتب سے واضح ہے۔ (مترجم)

② شک والا لفظ ''اَوْ'' ہے۔ (مترجم)   ③ اسم فاعل سے مراد ''ناصحین'' ہے۔ (مترجم)

پانچویں: جوابِ قسم میں لام تاکید کا لانا۔ [1]

چھٹی: اس نے منجملہ ناصحین کے اپنے آپ کو بھی ان دونوں کے خیر خواہ کا روپ دیا۔ گویا اس نے ان دونوں کو کہا: تمہارے اس معاملہ کے متعلق خیر خواہ بہت ہیں ان میں سے ایک میں بھی ہوں۔ جیسے تم کسی کو کسی کام کے بارے میں کہو کہ سب لوگ اس حوالے سے میرے ساتھ ہیں میں بھی ان میں سے ایک ہوں جو تمہیں مشورہ دے رہا ہوں۔

''اس نے اس کی طرف کوشش کی حتیٰ کہ اپنی حد سے تجاوز کر گیا اور بہت زیادہ کیا تو وہ شک میں پڑ گئی اور اگر وہ چاہتا تو کم کرتا۔''

اللہ کے دشمن نے اپنے دوستوں اور اپنے گروہ کو مومنوں کو دھوکا دینے کے لیے یہ فریب سکھایا ہے جیسا کہ منافقین رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہتے تھے:

﴿ نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ (المنافقون:۱)

''ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے پیغمبر ہیں۔''

انہوں نے اپنی گواہی کی خبر کو اِنَّ اور لام تاکید کے ساتھ موکد کیا۔ اسی طرح اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ ﴾ (التوبة:۵۶)

''اور وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ بے شک وہ ضرور تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں۔'' [2]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ﴾ اور ابو عبیدہ کہتے ہیں: ان کو رسوا کیا اور ان دونوں کو چھوڑ دیا۔ یہ تَدْلِيَةُ الدَّلْوِ سے نکلا ہے جب ڈول کو کنویں میں چھوڑا جائے۔

ازھری نے اس لفظ کے لیے دو اصل ذکر کی ہیں:

ایک: فرماتے ہیں اس کی اصل یہ ہے کہ پیاسا آدمی کنویں میں اترا۔ تاکہ پانی سے سیراب ہو۔ وہ اس میں پانی نہیں پاتا تو یہ اس میں دھوکا کے ساتھ اترا۔ تدلیہ اس جگہ استعمال ہوگا کہ کسی چیز میں طمع کیا گیا لیکن اس سے نفع نہ ملا۔ کہا جائے گا: دَلَّاهُ'' جب اس نے اس کو طمع دیا۔'' اسی سے ابو جندب ہذلی کا قول ہے۔

''میں کاٹتا ہوں تو میں پناہ نہیں دیتا اور جس کو میں پناہ دوں تو وہ اس شخص کی طرح نہیں ہے جو دھوکہ پر اترا ہو۔''

دوسری: ﴿ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ﴾ یعنی ان کو درخت سے کھانے پر جرأت دلائی۔ اس کی اصل دَلَّلَهُمَا دلال اور دالة [3] سے

---

[1] اس سے مراد ''لَمِنَ'' کا لام ہے۔ (مترجم)

[2] اس میں بھی تاکید اِنَّ اور لام تاکید دو طرح سے ہے۔ لیکن اللہ پاک نے فرمایا کہ ان تاکیدوں کے باوجود منافقین جھوٹے ہیں۔ (مترجم)

[3] ابو حیان اندلسی البحر میں فرماتے ہیں کہ مضاعف اخیر کو حرفِ علت سے بدلا گیا جیسے تظنیت کہتے ہیں اس کی اصل تظننت ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکا دیا، وہ دھوکہ کھا گئے ہمیں بھی جو اللہ کے نام پر دھوکا دے ہم اس سے دھوکا کھا جاتے ہیں؟

ابن سعد رحمہ اللہ نے طبقات میں اور ابو نعیم رحمہ اللہ نے حلیہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ ''جب وہ اپنے کسی غلام کی اچھی فرمانبرداری اور نماز دیکھتے تو اس کو آزاد کر دیتے۔ ان کے غلام آزادی کے لیے اسی طرح کرتے تھے۔ ان سے کہا گیا یہ آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ فرمایا جو ہمیں اللہ کے نام پر دھوکا دے ہم اس سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔'' (الفقی)

ہوگی جو کہ جرأت ہے۔شمر کہتے ہیں مَا دَلَّلَكَ عَلَيَّ کا مطلب ہے: تجھے میرے خلاف کس نے جرأت دلائی۔اس نے قیس بن زہیر کا شعر پڑھا۔''میرا گمان ہے کہ میری قوم نے مجھے حلم پر جرأت دی ہے اور کبھی حلیم آدمی کو جاہل سمجھا جاتا ہے۔''

میں کہتا ہوں: لغت میں تدلیۃ کی اصل چھوڑنا اور لٹکانا ہے، کہا جاتا ہے: اس نے کسی چیز کو گہرائی کی طرف چھوڑا۔ جب اس نے لٹکا کر چھوڑا ہو۔ جبکہ تَدَلّٰی کسی چیز کا خود لٹکنا ہے۔اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَهُ﴾ (یوسف:۱۹)''انہوں نے (پانی کے لیے) اپنا سقا بھیجا اس نے کنویں میں اپنا ڈول لٹکایا۔'' اکثر اہل لغت کہتے ہیں أَدْلَى دَلْوَهُ کہا جاتا ہے جب وہ اس کو کنویں میں چھوڑ دے۔ دلاھا بغیر شد کے، کہا جاتا ہے جب ڈول کو کنویں سے کھینچے تو پہلا: اس وقت بولا جائے گا جب ڈول کنویں میں ڈالیں۔ دوسرا: اس وقت جب اسے کھینچیں اور نکالیں۔اسی سے إدلاء ہے جو کہ کسی آدمی کے ساتھ رحم سے ملنا ہے۔ بڑے اشتقاق میں دلالۃ بھی اس کے ساتھ شریک ہے جو کہ کسی چیز کو کھل کر اور واضح ہو کر ملنا مراد ہے۔اسی سے دل ہے۔یعنی وہ چیز جو بندے کے افعال پر دلالت کرے۔، حدیث: میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو هَدْي، دَلّ اور سَمْتْ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تشبیہ دی جاتی تھی، هَدْي وہ طریقہ ہے جس پر بندہ کاربند ہو۔ اخلاق، اعمال اور اقوال وغیرہ۔ دَلّ وہ چیز ہے جو اس کے ظاہر سے اس کے باطن پر دلالت کرے۔ جبکہ سَمْتْ اس کی ہیئت، وقار اور سنجیدگی کو کہتے ہیں۔

بہر حال! مقصود اللہ کے دشمن کے مکر اور ہمارے ماں باپ کو فریب دینے کا ذکر ہے۔

مطرف بن عبداللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس نے ان کو کہا مجھے تم دونوں سے پہلے پیدا کیا گیا۔ میں تم دونوں سے زیادہ جانتا ہوں۔تم میری پیروی کرو میں تمہیں راہ دکھاؤں گا۔ان کے سامنے قسم کھائی۔مومن اللہ کے نام پر دھوکا کھا جاتا ہے۔

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: بعض اہل علم کہا کرتے تھے جو ہمیں اللہ کے نام پر دھوکا دے ہم دھوکے میں آجاتے ہیں۔مومن سادہ لوح اور معزز ہوتا ہے جبکہ فاجر تیز مزاج اور کمینہ ہوتا ہے۔

صحیحین میں ہے کہ''حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے ایک آدمی کو چوری کرتے ہوئے دیکھا۔فرمایا تو نے چوری کی؟ اس نے کہا نہیں! اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا: میں اللہ پر ایمان لایا اور میں نے اپنی نظر کو جھٹلا دیا۔''[1]

بعض نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ جب اس نے قسم کھائی تو ممکن ہے کہ اس نے اپنے مال کو لیا ہو اور حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کو چوری سمجھ لیا۔لیکن یہ ایک معنوی تکلف ہے۔اصل میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات حضرت مسیح علیہ السلام کے دل میں اس سے کہیں جلیل اور عظیم ہوئی کہ کوئی اس کے نام کی جھوٹی قسم کھائے۔جب چور نے قسم کھالی تو معاملہ اس پر تہمت اور اپنی نظر پر تہمت کے درمیان ہو گیا۔اس نے قسم میں یہی کوشش کی تھی تو آپ نے اپنی نظر پر تہمت لگا دی، جس طرح ابلیس کے اللہ کی قسم کھانے پر حضرت آدم علیہ السلام

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب واذکر فی الکتاب مریم، ج: ٤، ص: ١٤٢؛ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل عیسی ابن مریم، حدیث: ٢٣٦٨، ج: ٤، ص: ١٨٣٨۔

نے سمجھا کہ یہ سچا ہے۔ فرمایا: میں گمان نہیں کرتا تھا کہ کوئی اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم کھاتا ہوگا۔

فصل: افکار وخیالات پر شیطان کا غلبہ

اس کا ایک عجیب فریب یہ ہے کہ وہ دل کی ٹوہ لگاتا ہے تا کہ اسے معلوم ہو کہ اس پر دو میں سے کون سی قوت غالب ہے۔ آگے بڑھنے اور بہادری کی قوت یا پیچھے ہٹنے، رک جانے اور ذلیل ہونے کی قوت؟

اگر وہ دیکھتا ہے کہ اس نفس پر ذلت اور پیچھے ہٹنا غالب ہے تو وہ اسے پیچھے ہٹانے، ہمت کمزور کرنے اور کام پر اس کا ارادہ کمزور کرنے میں لگ جاتا ہے۔ اسے وہ کام بھاری دکھاتا ہے۔ اس کا چھوڑنا آسان بتاتا ہے حتیٰ کہ وہ اسے بالکل چھوڑ دیتا ہے یا اس میں سستی اور کوتاہی کرتا ہے۔ اگر اس میں آگے بڑھنے اور بلند ہمتی کی قوت غالب پاتا ہے تو وہ کام کو اس کے نزدیک چھوٹا بنانے لگتا ہے۔ اسے یہ وہم دلاتا ہے کہ یہ کافی نہیں ہے۔ اسے اس میں زیادتی اور اضافہ کی ضرورت ہے۔ تو پہلے میں وہ کوتاہی کرتا ہے اور دوسرے میں تجاوز کر جاتا ہے۔ جس طرح کسی بزرگ کا قول ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے جو بھی حکم دیا ہے شیطان اس میں دو طرح در غلاتا ہے: یا کمی اور کوتاہی کے ساتھ یا تجاوز اور غلو کے ساتھ۔ اسے کوئی پروا نہیں کہ ان میں سے جس میں بھی وہ کامیاب ہو جائے۔''

بہت کم لوگوں کو چھوڑ کر انسانوں کی بہت بڑی تعداد نے ان دو وادیوں کا سفر کیا ہے۔ ایک کوتاہی کی وادی اور دوسری تجاوز و حد سے بڑھنے کی وادی۔ جس راستے پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم تھے اس پر بہت ہی کم لوگ چلتے[1] ہیں۔

❶ کچھ لوگ ایسے ہیں جو طہارت کے واجبات ادا کرنے میں بھی کوتاہی کرتے ہیں جب کہ کچھ لوگوں کو شیطان وسوسہ کے ذریعے حد سے بہت آگے لے گیا ہے۔ ❷ کچھ لوگ ہیں جو مال کا فرض حصہ نکالنے میں کوتاہی کرتے ہیں جبکہ کچھ لوگ حد سے تجاوز کر گئے حتیٰ کہ اپنا سب کچھ خرچ کر دیا اور لوگوں پر بوجھ بن گئے اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس پر نظر رکھنے لگے۔ ❸ کچھ لوگ ہیں جنہوں نے ضرورت کا کھانا، پینا اور لباس چھوڑ دیا حتیٰ کہ اپنے جسموں اور دلوں کو نقصان پہنچایا جبکہ کچھ لوگ حد سے تجاوز کر گئے، ضرورت سے زائد استعمال کرنے لگے جس سے انہوں نے اپنے دلوں اور جسموں کو نقصان پہنچایا۔ ❹ کچھ لوگوں کو شیطان نے انبیاء اور ان کے ورثاء کے حق میں کوتاہ بنایا کہ انہوں نے ان کو قتل کر دیا جبکہ کچھ کو تجاوز کرایا اور وہ ان کی عبادت کرنے لگے۔ ❺ کچھ لوگوں کو انسانوں سے میل جول میں پیچھے کر دیا حتیٰ کہ نیکیوں، جمعہ، جماعت، جہاد اور تعلیم میں وہ ان سے الگ رہنے لگے جبکہ کچھ لوگ حد سے بڑھے اور وہ ظلم، گناہ اور نافرمانیوں میں میل جول رکھنے لگے۔ ❻ کچھ لوگوں کو کوتاہ بنایا کہ وہ کھانے کے لیے بکری یا چڑیا بھی ذبح نہ کریں جبکہ کچھ لوگوں کو حد سے بڑھا کر معصوموں کے خون بہانے کی جرأت دے دی۔ ❼ کچھ لوگوں کو کوتاہ بنایا کہ ان کو اس علم کے حصول سے روک دیا جو ان کو نفع دے جبکہ کچھ حد سے بڑھے اور انہوں نے عمل کے بجائے صرف علم کو ہی اپنا مقصد بنالیا۔ ❽ کچھ لوگوں کو کوتاہ بنایا کہ ان کو عام انسانی غذا کے بجائے جنگلی گھاس اور بوٹیاں کھانے پر لگا دیا جبکہ کچھ حد سے بڑھے تو ان کو اس نے صرف حرام کھلایا۔ ❾ کچھ لوگوں کو کوتاہ بنایا حتیٰ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نکاح والی سنت کو چھوڑ دیا اور اس سے بالکل منہ پھیر لیا جبکہ کچھ کو حد سے بڑھایا حتیٰ کہ ان کو حرام کاری پر لگا دیا۔ ❿ کچھ لوگوں کو کوتاہ بنایا حتیٰ کہ انہوں نے

[1] حضرت امام نے یہاں پر لوگوں کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں۔ مزید سہولت اور فائدہ کے لیے ہم نے ان اقسام پر نمبر لگا دیے ہیں۔ (مترجم)

دین اور نیک بزرگوں کی مخالفت کی ان سے منہ پھیرا اور ان کا حق ادا نہ کیا جبکہ دیگر کو حد سے بڑھایا کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ بزرگوں کی عبادت بھی شروع کر دی۔ ⑪ کچھ لوگوں کو کوتاہ بنایا کہ ان کو اہل علم کے اقوال قبول کرنے اور ان کی طرف بالکل نظر اٹھانے سے بھی روک دیا جبکہ دیگر کو بڑھایا حتیٰ کہ انہوں نے ان کے حلال کو حلال اور ان کے حرام کو حرام گردانا۔ انہوں نے علماء کے اقوال کو رسول اللہ ﷺ کی صحیح اور صریح سنت پر مقدم کر دیا۔ ⑫ کچھ لوگوں کو کوتاہ بنادیا کہ انہوں نے کہا کہ اللہ پاک اپنے بندوں کے افعال پر قدرت نہیں رکھتا نہ اس نے ان سے وہ اعمال چاہے ہیں لیکن وہ یہ عمل اللہ کی مشیت اور قدرت کے بغیر کرتے ہیں جبکہ کچھ کو حد سے بڑھایا اور وہ کہنے لگے کہ وہ کچھ بھی بالکل نہیں کرتے صرف اللہ پاک ہی ان تمام افعال کا حقیقی فاعل ہے۔ یہ اسی کا فعل ہے ان کے افعال نہیں۔ بندوں کی کوئی قدرت اور فعل بالکل نہیں ہیں۔ ⑬ کچھ لوگوں کو کوتاہ بنادیا اور وہ کہنے لگے کہ پروردگار عالم نہ اپنی مخلوق میں داخل ہے اور نہ ان سے جدا ہے نہ وہ ان کے اوپر ہے نہ نیچے، نہ آگے ہے اور نہ ان کے دائیں اور بائیں ہے جبکہ کچھ کو حد سے بڑھادیا وہ کہنے لگے کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ ہر جگہ پر ہے جس طرح ہوا ہے جو ہر جگہ داخل ہوتی ہے۔ ⑭ کچھ لوگوں کو کوتاہ بنادیا انہوں نے کہا کہ پروردگار پاک نے کبھی ایک لفظ بھی کلام نہیں کیا جبکہ دوسروں کو حد سے بڑھایا انہوں نے کہا کہ وہ ہمیشہ سے ہمیشہ تک کلام کرنے کی حالت میں ہے جیسے فرمایا:

﴿ قَالَ يَاإِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ﴾ (صٓ:٧٥)

''فرمایا کہ اے ابلیس جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا؟''

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا:

﴿ اِذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ ﴾ (طٰهٰ:٢٤)

''تو جا فرعون کی طرف۔''

یہ گفتگو اس ذات کے ساتھ قائم ہے، اس سے سنی جاتی ہے جس طرح اس کے ساتھ زندگی کی صفت قائم ہے۔ ⑮ کچھ لوگوں کو کوتاہ بنایا انہوں نے کہا اللہ پاک کسی کے حق میں کسی کی سفارش بالکل قبول نہیں کرتا نہ کسی کی شفاعت سے کسی پر رحم فرماتا ہے جبکہ دیگر کے ساتھ تجاوز کیا اور انہوں نے عقیدہ بنالیا کہ مخلوق اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرتی ہے جس طرح کوئی جاہ و مرتبہ والا بادشاہوں وغیرہ کے پاس سفارش کرتا ہے۔ ⑯ کچھ لوگوں کو کوتاہ بنایا انہوں نے کہا کہ لوگوں میں سب سے فاسق اور سب سے ظالم کا ایمان حضرت جبریل اور میکائیل علیہما السلام کی طرح ہے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تو کجا، جبکہ دیگر کو حد سے بڑھادیا انہوں نے ایک کبیرہ گناہ سے آدمی کو اسلام سے خارج کر دیا۔ ⑰ کچھ لوگوں کو کوتاہ بنادیا انہوں نے رب تعالیٰ کے اسماء اور صفات کے حقائق کی نفی کی اور ان کو معطل کیا[1] جبکہ دیگر کو بڑھایا اور انہوں نے اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ اور تمثیل بیان کی۔ ⑱ کچھ لوگوں کو کوتاہ بنایا انہوں نے اہل بیت رسول ﷺ سے عداوت رکھی، ان سے لڑائی کی، ان کی عزت کو پامال کیا جبکہ دیگر کو حد سے بڑھایا حتیٰ کہ انہوں نے ان میں نبوت کی خصوصیات عصمت وغیرہ کا دعویٰ کیا بلکہ بسا اوقات ان کے متعلق الوہیت کا دعویٰ کیا۔ ⑲ یہود کو

---

① اس کو عقیدہ کی اصطلاح میں تعطیل کہتے ہیں۔ (مترجم)

فصل: لفظی ہیرا پھیری

شیطان کا لوگوں کو علم اور دین سے نکالنے کے لیے ایک فریب اور دھوکا یہ بھی ہے کہ اس نے ان کی زبان پر یہ بات ڈال دی کہ اللہ اور اس کے رسول کے کلام ظاہر لفظی باتیں ہیں۔ جو یقین کا فائدہ نہیں دیتیں۔ ان کو کہا کہ عقلاً قطعی باتیں اور یقینی دلائل فلاسفہ کے مناہج اور کلامیہ کے اصولوں میں ہیں۔ وہ قرآن کے چراغ سے ہدایت اور یقین حاصل کرنے کے اور ان کے درمیان رکاوٹ بن گیا۔ اس نے ان کو یونان کی منطق پر لگا دیا اور ان جھوٹے دعووں پر جو دلیل سے عاری تھے۔ اس نے ان کو کہا کہ یہ قدیم علوم ہیں ان کو عقلوں اور ذہنوں نے زنگ آلود کر دیا ہے۔ ان پر صدیاں اور زمانے گزر گئے ہیں۔ تم غور کرو کہ اس نے کیسی ہوشیاری سے ان کو مکر و فریب دیا حتیٰ کہ ان کو ایمان سے خارج کر دیا جیسے بال گوندھے ہوئے آٹے سے نکالا جاتا ہے۔

فصل: صوفیاء کی تنہائی پسندی کا ردّ

اس کا ایک فریب وہ ہے جو اس نے جاہل صوفیوں کو تعجب خیز اور حیرت انگیز باتوں کے حوالے سے دیا ہے۔ کشف کے قالب میں ان پر کئی خیالات کھولے ہیں۔ انہیں گونا گوں باطل اور جھوٹے راستوں پر لگا دیا ہے۔ ان کے لیے تباہ کن دعووں کے دروازے کھول دیے ہیں۔ ان کو یہ بات سمجھائی ہے کہ علم کے پیچھے ایک راستہ ہے اگر وہ اس پر چلیں گے تو وہ اپنی آنکھوں سے کشف تک پہنچ جائیں گے۔ اس طرح وہ قرآن وسنت کی پابندی سے بھی بے نیاز ہو جائیں گے۔

اس نے نفسوں کی ریاضت اور تہذیب کو ان کے ہاں خوبصورت بنایا، اخلاق کی صفائی، دنیا والوں، اہل ریاست، فقہاء اور ارباب علم سے ہٹ کر رہنے کو مزین کر دیا۔ دل کو فارغ اور ہر چیز سے خالی کرنے پر لگا دیا۔ تاکہ اس میں حق کسی ذریعہ سے علم حاصل کرنے کے بغیر نقش ہو جائے۔ جب دل علم کی اس صورت سے خالی ہو گیا جو پیغمبر ﷺ لے کر آئے تھے تو اس میں شیطان نے اُس میں اپنا نقش جما دیا جو کہ سب باطل انواع کے لیے تیار رہتا ہے۔ اس کے نفس میں تخیل پیدا کیا حتیٰ کہ وہ خود کو آنکھوں سے کشف و مشاہدہ والا سمجھنے لگ گیا۔

جب پیغمبر ﷺ کے وارث علماء نے اس کا رد کیا وہ کہنے لگے تمہارے لیے ظاہر علم ہے اور ہمارے لیے باطن کشف ہے۔ تمہارے لیے ظاہر شریعت ہے۔ ہمارے لیے باطن حقیقت ہے۔ تمہارے لیے چھلکے ہیں۔ ہمارے لیے اندر کا پھل اور مغز ہے۔

جب یہ بات ان کے دلوں میں مضبوط ہو گئی تو ان کے دل کتاب، سنت اور آثار صحابہ سے اس طرح نکل گئے جس طرح رات دن سے نکلتی ہے۔ پھر ان کے سلوک کی حالت میں شیطان نے یہ باتیں ان کو بتائیں۔ ان کو یہ وہم دیا کہ یہ آیات بینات ہیں۔ یہ اللہ پاک کی طرف سے الہامات اور تعریفات ہیں۔ ان خیالات کو قرآن وسنت پر تصحیح کے لیے پیش نہ کیا جائے گا اور نہ ان کو قبول کرنے اور ماننے کے بغیر کوئی راہ ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے نہیں بلکہ غیر اللہ کے لیے، شیطان ان پر خیالات، حیرت انگیزیاں اور مختلف بدگوئیاں کھول دیتا ہے۔ جب جب وہ قرآن سے اور پیغمبر ﷺ کی تعلیم سے دور ہوتے جاتے ہیں ان کے دلوں پر یہ دروازہ زیادہ کھلتا جاتا ہے۔

فصل: چہروں کی خوبصورت اور بدصورتی

اس کے مکروفریب میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بندے کواس کے حسن اخلاق، خوش روئی اور خوش گفتاری سے مختلف قسم کے گناہوں اور برائیوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جس شخص کے شر سے بچنا ترش روئی، چہرے پر تیوری چڑھانے اور منہ پھیرنے کے بغیر ممکن نہ ہواس کے متعلق دشمن کہتا ہے کہ اس کو خوش روئی، خوش گفتاری اور خوش کلامی سے ملو۔ اس کا اس سے تعلق ہو جاتا ہے۔ وہ باوجود چاہنے کے اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتا تو دشمن ان دونوں کے درمیان مسلسل اس کوشش میں رہتا ہے حتیٰ کہ اس کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اس بندے تک وہ اپنا فریب حسن اخلاق اور خوش گفتاری کے دروازے سے لاتا ہے۔

اسی طرح دلوں کے طبیبوں (علماء) کو کہتا ہے کہ اہل بدعت سے اعراض کرو، ان کو سلام نہ کہو، نہ ان کو خوش روئی دکھاؤ۔ جب بھی ملو ترش روئی سے اور منہ پھیر کر ملو۔

اسی طرح جن عورتوں اور بے ریش لڑکوں سے فتنہ کا ڈر ہوتا ہے ان سے ملاقات کے وقت کہتا ہے: اگر تو نے عورت یا بچے کے سامنے اپنے دانتوں کی سفیدی ظاہر کی تو جوان کے پاس ہے وہ تیرے آگے کھول دیں گے اور اگر تو ان کو ترش روئی سے ملے تو ان کے شر سے بچ جائے گا۔

اس کا ایک فریب یہ ہے کہ وہ تجھے حکم دے گا کہ تو مساکین اور حاجت مندوں کو ترش روئی سے ملا کر، انہیں خوش روئی اور خوش کلامی نہ دکھا ورنہ وہ تجھ سے طمع رکھیں گے، تیرے قریب آئیں گے، ان کے دلوں سے تیرا رعب ختم ہو جائے گا۔ اس طرح وہ تمہیں ان کی نیک دعاؤں، تیری طرف ان کے دلوں کے میلان اور ان کی تیرے لیے جو محبت ہے اس سے محروم کرتا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ برے اخلاق اور خوش روئی وخوش گفتاری نہ کرنے کا تجھے حکم دیتا ہے۔ جبکہ دوسروں کے ساتھ اچھے اخلاق اور خوش روئی کا حکم دیتا ہے۔ تاکہ تیرے لیے شر کا دروازہ کھول دے اور تجھ پر خیر کا دروازہ بند کر دے۔

فصل: انسانی نفس کی برعکس عزت اور ذلت

اس کے فریبوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تجھے حکم دیتا ہے کہ اپنی جان کو محفوظ رکھو اور اس کی عزت بناؤ، اس جگہ پر جہاں خرچ کر کے اور اسے ذلیل کر کے رب تعالیٰ کی رضا مندی ہو۔ مثلاً کفار و منافقین سے جہاد، ظالموں اور بدکاروں کو نیکی کا حکم دینا اور ان کو برائی سے روکنا۔ وہ تجھے یہ خیال ڈالے گا کہ اس طرح تمہاری ذات ذلت کی جگہوں پر چلی جائے گی۔ دشمن کا غلبہ ہوگا۔ وہ تجھ پر طعن کریں گے۔ تیری عزت جاتی رہے گی۔ آئندہ نہ تیری بات مانی جائے گی نہ سنی جائے گی۔ دوسری طرف یہ ہے کہ وہ تجھے حکم دے گا کہ تم اپنی جان کو وہاں پر رسوا کرو، خرچ کرو جہاں اس کی عزت اور حفاظت کا فائدہ ہو۔ مثلاً وہ تمہیں کہے گا کہ تم ارباب حکومت کے سامنے جھک کر رہو۔ اپنے آپ کو وہاں کمتر رکھو۔ تمہیں یہ خیال دے گا کہ تم ان کے ساتھ عزت پاؤ گے۔ ان کے آگے جھک کر تمہاری قدر بڑھے گی۔ وہ تمہیں شاعر کا قول یاد دلائے گا:

''میں ان کے لیے اپنے نفس کی توہین کرتا ہوں تاکہ ان کی وجہ سے میں اسے بلند کروں اور ہرگز اس نفس کو عزت نہیں مل سکتی جس کو تو رسوا نہ کرے۔''

قائل نے یہ شعر غلط کہا ہے کیونکہ یہ صرف اللہ واحد کے لیے ہی درست ہے کہ بندہ جب جب اس کے لیے خود کو رسوا کرے گا وہ اس کو عزت اور شان دے گا، برخلاف مخلوق کے کہ تو جب جب ان کے لیے خود کو رسوا کرے گا اللہ کے ہاں اور اس کے ولیوں کے ہاں تو ذلیل ورسوا ہو جائے گا۔

فصل: اپنی ذات کے خول میں بند رہنا

اس کا ایک مکر وفریب یہ ہے کہ وہ آدمی کو حکم دیتا ہے کہ وہ مسجد، گھر، خانقاہ یا جنگل میں تنہا رہے۔ وہ اسے باہر نکلنے سے روکتا ہے۔ وہ اسے کہتا ہے: جب تو باہر نکلا تو لوگوں میں ذلیل ہوگا اور ان کی نظروں سے گر جائے گا ان کے دلوں سے تیرا رعب اٹھ جائے گا اور ہو سکتا ہے کہ راستے میں تجھے کسی پریشانی سے واسطہ پڑ جائے۔

دشمن اس سے کئی خفیہ مقاصد چاہتا ہے مثلاً تکبر، لوگوں کو حقیر سمجھنا، عزت کی حفاظت اور بڑائی کا قیام۔ لوگوں سے میل جول سے یہ نہیں رہتا۔ وہ شخص چاہتا ہے کہ لوگ ملا کریں وہ نہ ملے۔ لوگ اس کے پاس آئیں وہ نہ جائے۔ اسے خوشی ہوتی ہے امراء اس کے پاس آئیں اور لوگ اس کے پاس جمع ہوتے ہیں اور اس کے ہاتھ چومتے ہیں۔ وہ فرائض، مستحبات اور اللہ کے قریب کرنے والے اعمال ترک کر دیتا ہے۔ ان کی جگہ وہ ایسے عمل کرتا ہے جس سے وہ لوگوں کے قریب ہو جائے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ بازار کی طرف نکلتے تھے بعض حفاظ حدیث نے بیان کیا ہے (وَكَانَ يَشْتَرِيْ حَاجَتَهٗ وَيَحْمِلُهَا بِنَفْسِه) ''یعنی نبی کریم ﷺ ضرورت کی چیزیں خریدتے اور انہیں بذات خود اٹھا کر لاتے۔''[1] (اسے ابو الفرج ابن الجوزی رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے)۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بازار جاتے، کپڑا اٹھاتے اور خرید وفروخت کرتے۔ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بازار سے گزرے تو سر پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا آپ نے یہ کیوں اٹھا رکھا ہے جبکہ اللہ نے آپ کو غنی کر دیا ہے؟ فرمایا میں نے چاہا کہ میں اس طرح تکبر دور کروں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَبْدٌ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنَ الْكِبْرِ»[2]

''یعنی وہ بندہ جنت میں داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب مدینہ کے گورنر تھے تو لکڑیاں وغیرہ ضروریات زندگی اپنے سر پر اٹھائے ہوئے چلتے اور فرماتے ''اپنے امیر کے لیے کشادگی کرو۔ اپنے امیر کے لیے کشادگی کرو۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب خلیفہ تھے ایک دن اپنے کسی کام کے لیے پیدل چلے جا رہے تھے کہ تھک گئے۔ ایک لڑکے کو ایک گدھے پر سوار دیکھا تو فرمایا اے لڑکے! مجھے بھی سوار کر لو میں تھک گیا ہوں؟ وہ لڑکا جانور سے اتر آیا۔ کہا امیر المومنین سوار ہو جائیے! فرمایا نہیں۔ تو بھی سوار ہو جا میں تیرے پیچھے بیٹھتا ہوں۔ آپ اس لڑکے کے پیچھے سوار ہو گئے حتیٰ کہ مدینہ میں داخل ہوئے جبکہ لوگ آپ کو دیکھ رہے تھے۔

---

[1] دیکھیے۔ الوفاء باحوال المصطفیٰ۔ عفیفی۔

[2] صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب تحريم الكبر و بيانه، حديث: ١٤٧، ج: ١، ص: ٩٣۔

فصل: جس کے ہاتھ چومے جائیں

ایک اس کا فریب یہ ہے کہ وہ لوگوں کو کسی کے ہاتھ چومنے سے بہکاتا ہے۔ لوگ اس کو چھوتے ہیں۔ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اس سے دعا کی درخواست کرتے ہیں وغیرہ۔ وہ خود کو بڑا سمجھتا ہے اور فخر میں آجاتا ہے۔ اگر اسے کہا جائے کہ تو روئے زمین کی بڑی بڑی ہستیوں میں سے ہے، تیری وجہ سے مخلوق سے بلائیں ٹلتی ہیں، وہ اس کو سچ سمجھتا ہے۔

اگر اسے کہا جائے کہ تیرے نام کا اللہ کو وسیلہ دیا جاتا ہے، تیرے نام اور تیری شان کے طفیل اللہ سے مانگا جاتا ہے پھر وہ لوگوں کی حاجات پوری فرماتا ہے تو یہ بات اس کے دل میں گھر کر جاتی ہے وہ اس پر خوش ہوتا ہے اور اس کو حق سمجھتا ہے۔ یہ مکمل ہلاکت ہے۔

جب وہ لوگوں میں سے کسی کی طرف سے خود سے ہٹاؤ دیکھتا ہے یا عاجزی میں کمی تو اس پر دل گرفتہ ہوتا ہے۔ اس پر اندر سے ناراضگی رکھتا ہے۔ جو لوگ کبیرہ گناہوں پر ڈٹے ہوئے ہیں یہ ان سے بھی بدترین شخص ہے۔ ان کی سلامتی اس کی نسبت زیادہ ممکن ہے۔

فصل: خودساختہ شریعت پر صوفیاء کا ردّ

اس کا ایک فریب یہ ہے کہ وہ اہل خلوت وزہد اور ریاضت والوں کو کہتا ہے کہ جو تمہارے احساسات وخیالات ہیں ان پر عمل کرو۔ شارع کے حکم کی پابندی نہ کرو۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ جب دل اللہ کے ساتھ خالص ہو تو خیالات وافکار خطا سے بچ جاتے ہیں۔ دشمن کا ان کو یہ سب سے بڑا فریب ہے۔

خیالات وافکار کی تین اقسام ہیں ❶ رحمانی ❷ شیطانی ❸ نفسانی جیسے خواب ہے۔ بندہ زہد وعبادت کے کسی بھی درجہ پر پہنچ جائے شیطان اور نفس اس کے ساتھ ہیں وہ دونوں اس کو مرتے دم تک نہیں چھوڑتے۔ شیطان اس کے اندر خون کی گردش کی طرح چلتا ہے۔ معصوم تو صرف اللہ کے پیغمبر صلوات اللہ وسلامہ علیہم ہوتے ہیں۔ جو اللہ عزوجل کے امر ونہی کی تبلیغ اور وعدہ ووعید پہنچانے میں اللہ کے اور اس کی مخلوق کے درمیان ذریعہ ہوتے ہیں۔

جن لوگوں کو الٰہی الہام ہوتا ہے یا جن کے دل میں اللہ کی طرف سے بات ڈالی جاتی ہے ان کے سردار حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کوئی بات کہتے اور ان سے کوئی چھوٹا آدمی اس کا رد کرتا۔ اگر ان پر غلطی واضح ہو جاتی تو اس کی طرف رجوع کرتے۔ وہ اپنے خیالات وافکار کو کتاب وسنت پر پیش فرماتے۔ نہ اپنے خیالات کو نظر میں لاتے نہ ان کے مطابق فیصلہ کرتے۔ ①

---

① ابویعلی، ابن منذر، زبیر بن بکار اور ابن جریر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھے۔ پھر فرمایا اے لوگو! تم نے عورتوں کے حق مہر میں بہت اضافہ کر دیا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ہاں حق مہر چار سو درہم یا اس سے کم ہوتا تھا۔ اگر اس میں اللہ کے ہاں تقویٰ یا عزت ہوتی تو تم اُن سے آگے نہ بڑھتے۔ میرے علم میں کوئی ایسا آدمی نہ آئے جس نے کسی عورت کو حق مہر چار سو درہم سے زیادہ دیا ہو۔ آپ نے یہ فرمایا پھر اتر آئے۔

ان کو قریش کی ایک عورت ملی اور کہنے لگی: اے امیر المومنین! آپ نے لوگوں کو منع کر دیا ہے کہ وہ چار سو درہم سے زیادہ کسی عورت کو حق مہر نہ دیں؟ فرمایا ہاں! وہ بولی: کیا آپ نے نہیں سنا کہ اللہ نے قرآن میں کیا اتارا ہے؟ فرمایا: کیا؟ بولی کیا آپ نے نہیں سنا کہ اللہ پاک فرماتے ہیں: ﴿وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا﴾ ''اور خواہ تم نے ان میں سے کسی عورت کو ایک خزانہ دیا ہو۔'' کہتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: اے اللہ مجھے معاف فرما! سب لوگ عمر سے زیادہ سمجھدار ہیں۔ پھر واپس آئے، منبر پر چڑھے اور فرمایا: اے لوگو! میں نے تم کو عورتوں کے حق مہر چار سو درہم سے زیادہ کرنے سے منع کیا تھا، تو جو اپنے مال سے جتنا چاہے دے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ابویعلی کی سند جید ہے۔ (الفقی)

اور نہ ہی ان پر عمل کرتے۔

اگر ان جہلاء میں سے کوئی معمولی چیز دیکھے تو اپنے خیالات اور افکار کو کتاب وسنت پر حاکم بناتا ہے۔ ان کی طرف دیکھتا ہی نہیں۔ کہتا ہے: میرے دل نے میرے رب سے مجھے یہ بات بتائی ہے۔ ہم نے اس زندہ سے حاصل کیا ہے جو نہیں مرتا۔ تم نے ذرائع سے حاصل کیا ہے۔ ہم نے حقائق سے حاصل کیا ہے۔ تم نے رسوم کی پیروی کی ہے۔ اسی طرح کی دیگر باتیں کرتا ہے جو کفر والحاد ہیں۔ ایسے آدمی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کو عذرِ جہل کی بناء پر معذور سمجھا جائے۔

کسی ایسے ہی آدمی کو کہا گیا: کیا تم چل کر (محدث) عبدالرزاق سے حدیث نہیں سنتے؟ اس نے کہا وہ عبدالرزاق سے حدیث سن کر کیا کرے گا جو بادشاہ خلاق سے سنتا ہے؟

یہ جہالت کی انتہاء ہے۔ جس نے بادشاہ، خلاق سے سنا وہ حضرت موسیٰ بن عمران کلیم الرحمن علیہ السلام تھے۔ رہے یہ اور اس طرح کے لوگ، انہوں نے تو پیغمبر کے کسی وارث سے کچھ نہیں سنا جبکہ وہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ انہوں نے پیغمبر کو بھیجنے والے سے سنا۔ اس طرح وہ ظاہر علم سے استغناء چاہتے ہیں۔

شاید ان سے جو مخاطب ہے وہ شیطان ہے یا ان کا جاہل نفس یا دونوں اکٹھے یا الگ الگ۔

جو یہ سمجھے کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علم سے ان باتوں کی وجہ سے مستغنی ہے جو اس کے دل میں خیالات وافکار آتے ہیں تو وہ لوگوں میں سب سے بڑا کافر ہے۔

اسی طرح اگر وہ یہ سمجھے کہ کبھی اس کو یہ کافی ہے اور کبھی وہ۔ ①

جو باتیں دل میں آئیں ان کا کوئی اعتبار نہیں، نہ ان کی طرف توجہ کی جائے گی جب تک اس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے علم پر پیش نہ کیا جائے اور اس سے موافقت کی شہادت نہ لی جائے۔ ورنہ وہ نفس اور شیطان کا وسوسہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی عورت کے متعلق ایک ماہ تک سوال کیا گیا۔ آپ نے ایک ماہ بعد فرمایا: ''میں اس کے متعلق اپنی رائے سے کہتا ہوں۔ اگر درست ہوا تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہوا تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔'' ②

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کاتب نے ان کے سامنے لکھا: یہ وہ ہے جو اللہ نے عمر کو رائے دی۔ فرمایا: نہیں! اس کو مٹاؤ اور لکھو کہ:

① مطلب یہ ہے کہ کبھی علم شریعت کافی ہے اور کبھی نفسانی اور شیطانی افکار۔ (مترجم)

② ابوداؤد نے "بَابُ مَنْ تَزَوَّجَ ولم یسم صداقًا حتّٰی مَاتَ" میں حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی کے متعلق اس طرح کی خبر آئی۔ کہتے ہیں کہ اس کے متعلق دو ماہ اختلاف رہا یا کہا کہ کئی مرتبہ۔ فرمایا میں اس کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ اس کو وہاں کی عورتوں کی طرح حق مہر ملے گا۔ نہ کم ہوگا اور نہ زیادہ۔ اس کو وراثت بھی ملے گی اور اس پر عدت بھی لازم ہوگی۔ اگر یہ فیصلہ درست ہوا ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر خطاء ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔ اللہ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔ اشجع قبیلہ کے کچھ لوگ آئے جن میں جراح اور ابوسنان بھی تھے۔ کہنے لگے: اے ابن مسعود! ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق اور ان کے خاوند ہلال بن مرہ الاشجعی کے متعلق یہی فیصلہ فرمایا جس طرح آپ نے فیصلہ کیا۔ کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات پر بہت ہی خوش ہوئے کہ ان کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیے ہوئے فیصلے کے موافق ہوگیا ہے۔ (الفقی)

یہ وہ ہے جو عمر کی رائے ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہی فرمایا: ''اے لوگو! دین کے متعلق اپنی رائے کا مواخذہ کرو۔ میں نے خود کو ابو جندل ① کے دن دیکھا ہے کہ اگر میں چاہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ رد کروں تو اس دِن ضرور کرتا۔''

صحابہ کا اپنی آراء پر مواخذہ بہت مشہور ہے۔ وہ دلی طور پر امت میں سب سے نیک، بلحاظ علم سب سے گہرائی والے اور شیطان سے بہت دور رہنے والے تھے۔ وہ امت میں سنت کے سب سے زیادہ تابع دار اور اپنی آراء پر سب سے زیادہ مواخذہ کرنے والے تھے۔ جبکہ یہ لوگ ان کے الٹ ہیں۔

ان میں سے اہل استقامت صحیح راہ پر چلے۔ انہوں نے افکار، خیالات اور الہامات میں سے کسی پر توجہ نہیں دی جب تک کہ ان کے خلاف گواہی دینے والے دو گواہ نہ کھڑے ہو جائیں۔ ②

حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابو سلیمان دارانی نے کہا: کبھی میرے دل میں قوم کے نکات میں سے کوئی نکتہ کئی دن رہتا ہے میں اس کو قبول نہیں کرتا جب تک کتاب و سنت کے دو عادل گواہ اس پر گواہی نہ دیں۔

حضرت ابو یزید رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر تم کسی آدمی کو دیکھو کہ اسے کرامات عطا کی گئی ہیں حتیٰ کہ چار زانو ہو کر ہوا میں بیٹھا ہے تو تم اس پر دھوکہ نہ کھاؤ ③ جب تک یہ نہ دیکھو کہ اس کا امر، نہی اور حدود شریعت کی پابندی میں کیا رویہ ہے۔ نیز کہتے ہیں: جس نے قرأت قرآن، لزوم جماعت، ④ جنائز میں شمولیت اور مریضوں کی عیادت کو ترک کر دیا اور اس شان کا دعویٰ کیا تو وہ صرف دعویٰ کرنے والا ہے۔ ⑤

---

① ابو جندل بن سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ، مکہ میں مسلمان ہوئے ان کے باپ نے ان کو قید کیا اور بیڑیاں ڈال دیں۔ جب حدیبیہ کا دن آیا تو ابو جندل رضی اللہ عنہ بھاگ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ ان کے باپ سہیل (یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ رضی اللہ عنہ) قریش کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدۂ صلح کے سربراہ تھے۔ وہ دستاویز لکھ رہے تھے کہ اچانک ابو جندل آ گئے۔ ان کا باپ اٹھا ان کے چہرے پر ضرب لگائی اور ان کے گریبان سے پکڑا۔ کہنے لگا: اے محمد! اس کے آنے سے پہلے میرے اور آپ کے درمیان معاہدہ مضبوطی سے طے پا گیا ہے۔ فرمایا: تم نے سچ کہا۔ ابو جندل چیخنے لگے۔ فرمایا: صبر کر اور ثواب کی امید رکھ۔ بے شک اللہ تیرے اور کمزور سمجھے گئے تیرے ساتھیوں کے لیے کشادگی اور نکلنے کی راہ بنانے والا ہے۔ ہم نے ایک قوم سے مصالحت کی ہے اور بے شک ہم دھوکا نہیں کرتے، جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آئے تھے، وہ فتح میں شک نہیں کرتے تھے۔ جب حدیبیہ کی صلح ہو گئی تو وہ بہت غمزدہ ہوئے۔ ان میں سب سے زیادہ غم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوا۔ انہوں نے کہا کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ کیا وہ باطل پر نہیں ہیں اور ان کا دین باطل نہیں ہے؟ اور ہمارا دین حق نہیں ہے؟ ہمیں کیا ہے کہ ہم اپنے دین کے متعلق کمزوری پر راضی ہو جائیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ''میں اللہ کا پیغمبر ہوں۔'' لوگ سمجھ رہے تھے کہ یہ صلح مسلمانوں پر زیادتی اور ان کی حیثیت کو گرانے والی ہے جبکہ اللہ جانتا تھا کہ یہ خیر ہے۔ اس صلح سے واپسی پر راستے میں ہی اللہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سورت نازل فرمائی: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ ''بے شک ہم نے آپ کو فتح دی ہے واضح فتح۔'' یہی وہ بات ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے۔ (الفقی)

② دو گواہوں سے مراد کتاب و سنت ہیں۔ (مترجم)

③ یعنی اس کو ولی نہ سمجھو بلکہ وہ شعبدہ باز ہے۔ (مترجم)

④ یعنی نمازوں کی باجماعت ادائیگی کے لیے وہ مسجد میں نہیں آتا۔ (مترجم)

⑤ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ولایت کا دعویٰ کرے تو جھوٹا ہے۔ اور اس کا محض دعویٰ ہے۔ (مترجم)

سری سقطی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس نے ایسے باطنی علم کا دعویٰ کیا جس کی مخالفت ظاہر علم [1] کرتا ہو تو وہ غلطی کرنے والا ہے۔

جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارا یہ مذہب کتاب وسنت کے اصولوں کا پابند ہے۔ جس نے نہ کتاب کو یاد رکھا نہ حدیث کو لکھا اور نہ فقہ کو، اس شخص کی پیروی نہیں کی جائے گی۔

ابوبکر الدقاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس نے ظاہر [2] میں امر و نہی کی حدود پر عمل نہ کیا وہ باطن میں دل کے مشاہدہ سے محروم رہے گا۔''

ابوالحسین نوری رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس کو تم دیکھو کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جو اسے علم شرعی کی حد سے نکالتی ہو تو تم اس شخص کے قریب نہ جاؤ اور جس کو تم ایسی حالت میں دیکھو جس پر اس کے ظاہر کی پابندی کی شہادت نہ ہو تو تم اس کے دین پر مواخذہ کرو۔

حضرت جریری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہمارے اس سب معاملے کی بنیاد ایک فیصلہ پر ہے کہ تم اپنے دل کو مراقبہ کا پابند بناؤ اور تمہارا علم ظاہر پر قائم ہو۔

ابوحفص الکبیر الشأن رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس نے اپنے احوال و افعال کا موازنہ کتاب وسنت سے نہ کیا نہ اپنے خیالات کا مواخذہ کیا تو تم اس کو اچھے لوگوں کے گروہ میں شامل نہ کرو۔

ابواحمد شیرازی رحمہ اللہ نے کیا اچھی بات کہی ہے: صوفیاء شیطان پر ہنستے تھے اور اب شیطان صوفیاء پر ہنستا ہے۔

اسی کی مثل وہ بات بھی ہے جو کسی اہل علم نے کہی ہے: گزشتہ زمانوں میں شیطان انسان سے ڈرتا تھا، آج کا آدمی شیطان سے ڈرتا ہے۔

فصل: خاص وضع قطع کی پابندی

اس کا ایک فریب یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ایک انداز، ایک لباس، خاص وضع قطع، خاص چال، متعین بزرگ اور من گھڑت طریقہ کی پابندی کا حکم دیتا ہے۔ وہ ان پر اس کی پابندی اس طرح لازم کرتا ہے جس طرح فرائض کی پابندی ہوتی ہے۔ وہ لوگ اس طریقہ سے نکلتے نہیں۔ جو اس سے نکلے اس پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ بسا اوقات ان میں سے کوئی نماز کے لیے جگہ خاص کر لیتا ہے۔ وہ اس جگہ کے بغیر نماز نہیں پڑھتا۔

رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ (أَنْ يُوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ لِلصَّلَاةِ كَمَا يُوَطِّنُ الْبَعِيرُ) یعنی کوئی آدمی نماز کے لیے جگہ مقرر کرلے جس طرح اونٹ جگہ مقرر کرتا ہے۔ [3] اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے کوئی شخص بغیر جائے نماز کے نماز نہیں پڑھتا۔ نبی کریم ﷺ نے کبھی بھی مصلیٰ پر نماز نہیں پڑھی۔ نہ آپ کے سامنے کبھی مصلیٰ بچھایا گیا۔ بلکہ آپ زمین پر نماز پڑھتے، کبھی کیچڑ میں سجدہ کرتے، کبھی چٹائی پر نماز پڑھتے۔ جو بھی چیز بچھی ہوتی نماز پڑھ لیتے۔ اگر وہاں کوئی چیز نہ ہوتی تو زمین پر

---

[1] اس سے مراد علم شریعت ہے۔ (مترجم) [2] ایضاً۔ (مترجم)

[3] سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب صلاة من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود، حديث: ٨٦٢، ج: ١، ص: ٥٣٨؛ سنن النسائي، كتاب التطبيق، باب النهي عن نقرة الغراب، ج: ٢، ص: ٢١٤۔

نماز پڑھ لیتے۔

یہ لوگ شریعت اور حقیقت سے ہٹ کر رسوم کے پابند ہو گئے۔ یہ ایسی خود ساختہ رسوم پر کار بند ہو گئے جو نہ اہل فقہ کے ہاں ہیں اور نہ اہل حقائق کے ہاں۔ جو صاحب حقیقت ہوتا ہے اسے من گھڑت رسوم کی پابندی سب سے برا کام لگتا ہے۔ کیونکہ یہ رسوم اس کے دل کے اور اللہ کے درمیان سب سے بڑی رکاوٹ ہوتی ہیں۔ جب بندہ ان کی پابندی کرتا ہے تو اس کا دل رب کی طرف چلنے سے رک جاتا ہے۔ اس کے بدترین حالات یہ ہیں کہ وہ ان رسوم پر رک جائے اور اس چلنے میں رکنا نہیں۔ بلکہ یا تو آگے بڑھنا ہے یا پیچھے ہٹنا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ﴾ (المدثر: ۳۷)

''اس کے لیے جو تم میں سے چاہے کہ وہ آگے بڑھے یا پیچھے ہٹے۔''

تو راستہ میں رکنا نہیں ہے۔ یا چلنا اور آگے بڑھنا ہے یا لوٹنا اور پیچھے ہٹنا ہے۔

جو شخص رسول اللہ ﷺ کی سیرت و کردار پر غور کرے گا وہ دیکھے گا کہ یہ ان کے طریقہ کے خلاف ہے۔ کبھی آپ قمیص پہنتے، کبھی قباء، کبھی جبہ، کبھی ازار اور کبھی چادر۔ آپ کبھی اکیلے اونٹ پر سواری کرتے اور کبھی دوسرے کو اپنے ساتھ سوار کر لیتے۔ گھوڑے پر زین رکھ کر سواری کرتے اور ننگے گھوڑے پر بھی۔ آپ گدھے پر بھی سواری کر لیتے۔ جو موجود ہوتا کھا لیتے۔ کبھی زمین پر بیٹھتے، کبھی چٹائی پر اور کبھی بچھونے پر۔ کبھی تنہا پیدل چلتے اور کبھی اپنے اصحاب کے ساتھ۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت یہ ہے کہ جو آپ کو آپ کے رب نے حکم دیا ہے اس کے بغیر کسی بات پر تکلف اور پابندی نہیں، تو آپ کی سیرت اور ان لوگوں کے کردار کے درمیان بہت بعد ہے۔

فصل: وسوسہ کی برائیاں اور اہل وسوسہ کے دلائل

اس کا ایک فریب جس سے اس نے جاہلوں کو بہت دور پہنچا دیا ہے، وہ ہے وسوسہ، جس کے ذریعہ سے اس نے ان کی نماز و طہارت کے ارادہ کے وقت ان کو فریب دیا ہے۔ ان پر بڑے بوجھ اور طوق ڈال دیے ہیں۔ ان کو رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع سے خارج کر دیا ہے۔ وہ ان کو خیال ڈالتا ہے کہ جو کچھ سنت میں آیا ہے وہ کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ اور نہ ملایا جائے۔ اس نے ان کے لیے اس ظن فاسد اور موجودہ پریشانی کو نیز اجر کے بطلان یا اس کی کمی کو جمع کر دیا ہے بلاشبہ شیطان ہی وسوسوں کی طرف بلاتا ہے۔ اس کے ساتھیوں نے اس کی بات مان لی، اس کی دعوت پر لبیک کہا، اس کے حکم کی فرمانبرداری کی جبکہ نبی ﷺ کی سنت اور آپ کے طریقہ سے انہوں نے منہ پھیرا۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ رسول اللہ ﷺ کے وضو کی طرح وضو کرے گا یا آپ کے غسل کی طرح غسل کرے گا تو وہ پاک نہ ہوگا اور نہ اس کی نجاست زائل ہوگی۔ اگر عذر جہالت نہ ہو تو یہ پیغمبر ﷺ کی مخالفت ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایک مد سے وضو کرتے جو کہ دمشقی رطل کے ایک ثلث کے برابر ہے[1] جبکہ ایک صاع سے غسل کرتے جو کہ تقریباً ایک رطل اور تہائی ہے۔

---

[1] مد چوتھائی صاع ہے۔ صاحب قاموس نے کہا: ایک معتدل انسان کی دونوں ہتھیلیاں بھر کر جب وہ ان کو بھر لے اور ان کے ساتھ اپنے ہاتھ کو پھیلائے۔ اسی سے نام ''مد'' پڑ گیا۔ وہ کہتے ہیں میں نے اس کو آزمایا ہے اور اس کو صحیح پایا ہے۔ (الفقی)

وسوسہ والا سمجھتا ہے کہ یہ مقدار اس کے ہاتھوں کو دھونے کے لیے بھی کافی نہیں ہے۔ نبی ﷺ سے بسند صحیح مروی ہے کہ آپ نے وضو میں اعضاء کو ایک ایک مرتبہ دھویا جبکہ تین بار سے زیادہ نہ دھویا۔ بلکہ فرمایا:

«مَنْ زَادَ عَلَيْهَا فَقَدْ أَسَاءَ وَتَعَدّٰى وَظَلَمَ»[1]

''یعنی جس نے اس سے زیادہ کیا اس نے برا کیا، زیادتی کی اور ظلم کیا۔''

تو رسول اللہ ﷺ کی گواہی کے مطابق وسوسہ والا شخص برا ہے، وہ زیادتی کرنے والا اور ظالم ہے۔ آدمی اس عمل کے ذریعہ سے اللہ کا قرب کیونکر پا سکتا ہے جس میں وہ برائی کرنے والا اور اس میں اللہ کی حدوں سے آگے بڑھنے والا ہے؟

نبی کریم ﷺ سے بسند صحیح مروی ہے کہ آپ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں ایک پیالے سے غسل کرتے جس میں گوندھے ہوئے آٹے کا نشان بھی ہوتا تھا۔ اگر یہ وسوسہ والا کسی کو اس طرح کرتے دیکھے تو اس کو بہت ہی زیادہ برا جانے اور کہے کہ اس قدر پانی دو افراد کے غسل میں کیسے کافی ہو سکتا ہے؟ کیسے جبکہ پانی اس آٹے کو حل کر دے گا اور وہ اس کو بدل دے گا؟ آب پاش یعنی پانی گرانے کا آلہ پانی میں اترتا ہے تو ان میں سے بعض کے نزدیک اس کو نجس کر دیتا ہے جبکہ دوسروں کے خیال میں اس کو فاسد کر دیتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ طہارت درست نہیں۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ نے اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر ازواج مطہرات مثلاً حضرت میمونہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہن کے ہمراہ بھی کیا جو کہ سب صحیح میں مروی[2] ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بسند صحیح ثابت ہے۔ آپ نے فرمایا:

«كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَتَوَضَّؤُوْنَ مِنْ إِنَاءٍ وَّاحِدٍ»[3]

''یعنی رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مرد اور عورتیں ایک ہی برتن سے وضو کرتے تھے۔''

جن برتنوں سے آپ علیہ السلام، آپ کی ازواج، اصحاب اور صحابہ کرام کی عورتیں غسل کرتے تھے وہ کوئی بڑے برتن نہ ہوتے تھے۔ نہ حمام وغیرہ کی نالیوں کی طرح کوئی چیز ہوتی تھی جس کے ذریعہ سے پانی مزید آتا جائے۔ نہ وہ ان کے لبالب بھر جانے کا خیال رکھتے کہ پانی اس کے کناروں سے بہہ پڑے جیسا کہ جاہل لوگ جو وسوسوں میں مبتلا ہیں حمام کے جرن[4] پر کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت (کہ جس نے اس سے منہ پھیرا اس نے آپ کی سنت سے منہ پھیرا) میں حوض اور برتنوں سے غسل کا جواز ملتا ہے۔ گو کہ کم ہوں بھرے ہوئے نہ ہوں۔ جو حوض کا انتظار کرے حتیٰ کہ وہ بھر جائے پھر اس کو اکیلا استعمال کرے، کسی دوسرے کو اس کے استعمال میں شریک نہ ہونے دے تو وہ بدعتی ہے۔ شریعت کا مخالف ہے۔[5]

---

[1] احمد، ابوداود، نسائی عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جدّه۔ اور ابن خزیمہ وغیرہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ مترجم کہتا ہے: دیکھیے: سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب الوضوء ثلاثًا، حدیث: ۱۳۵، ج: ۱، ص: ۹۴۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الغسل، باب غسل الرجل مع امرأته، ج:۱، ص ۶۸؛ صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابة، حدیث: ۳۱۹/۴۰، ج:۱، ص: ۲۵۵۔

[3] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب وضوء الرجل مع امرأته و فضل وضوء امرأة، ج:۱، ص: ۵۶۔

[4] جرن ایک پتھر ہے جس میں وضو کے لیے سوراخ کیا جاتا ہے۔ کذا فی القاموس۔ (الفقی)
بعض دیہاتی علاقوں کے حماموں میں اوپر چھوٹی سی ٹینکی بنا کر غسل کے لیے سوراخ رکھا جاتا ہے جس کو چمڑے کی رکاوٹ سے بند کرتے ہیں۔ واللہ اعلم (مترجم)

[5] اندازہ فرمایئے کہ اس شخص کو بدعتی اور مخالف شریعت کہا ہے جبکہ ہمارے ہاں لوگ بڑی بڑی بدعتیں کر کے بھی سنی کہلاتے ہیں۔ اللہ ہدایت دے۔ آمین۔ (مترجم)

ہمارے شیخ کہتے ہیں: یہ اور اس طرح کے لوگ ایسی تعزیر کے مستحق ہیں جو ان کو بدعت سے روک دے کہ وہ دین میں ایسے کام شروع کریں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی وہ اللہ کی عبادت بدعت کے ذریعہ سے کرتے ہیں نہ کہ سنت سے۔

یہ صحیح روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ نبی ﷺ، آپ کے صحابہ اور ان کے نیک تابعین پانی زیادہ نہ بہاتے تھے۔ اسی پر ان کا عمل رہا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں ''میں کوز الحب [1] سے استنجاء کرتا ہوں اور اس سے وضو کرتا ہوں اور اس سے اپنے گھر والوں کے لیے پانی باقی بھی چھوڑتا ہوں۔''

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پانی کے ساتھ کم کھیلنا آدمی کے سمجھدار ہونے کی علامت ہے۔

مروزی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ابوعبداللہ کو خیمہ گاہ کے پاس وضو کرایا، میں نے ان کو لوگوں سے اوٹ میں رکھا تاکہ پانی کم بہانے کی وجہ سے لوگ یہ نہ کہیں کہ یہ وضو صحیح نہیں کرتے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ وضو کرتے تو زمین کی مٹی نہیں بھیگتی تھی۔

نبی کریم ﷺ سے صحیح میں ثابت ہے، کہ

«أَنَّهُ تَوَضَّأَ مِنْ إِنَاءٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهِ ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ» [2]

''یعنی آپ نے ایک برتن سے وضو کیا تو اس میں اپنا ہاتھ داخل کیا پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔''

اسی طرح آپ ﷺ کا غسل تھا کہ اپنا ہاتھ برتن میں داخل کرتے۔ اس سے پانی پکڑتے جبکہ وسوسہ والا اس کو جائز نہیں کہتا۔ وہ تو شاید پانی کی نجاست کا حکم لگا دے اور اس طرح اس کی پاکیزگی ختم کر دے۔

بہرحال! اس کا نفس اتباع رسول اللہ ﷺ پر آمادہ نہ ہوگا اور کبھی اس طرح نہ کرے گا جس طرح آپ ﷺ نے کیا۔ وسوسہ والا کیسے اپنے آپ کو آمادہ کرسکتا ہے کہ وہ اور اس کی بیوی ایک ہی برتن سے غسل کرلیں جس کا پیمانہ ایک ''فرق'' ہے جو تقریباً پانچ دمشقی رطل کے برابر ہوتا ہے۔ اس میں وہ دونوں اپنے ہاتھ ڈبوئیں اور اپنے اوپر پانی ڈالیں؟ وسوسہ والا تو اس سے اس طرح نفرت کرے گا جس طرح مشرک کی نفرت ہوتی ہے جب اس کے سامنے تنہا اللہ کا ذکر کیا جائے۔

اصحاب وسواس کہتے ہیں: ہم یہ اس لیے کرتے ہیں کہ ہمارے دین میں احتیاط ہو اور رسول اللہ ﷺ کے ان فرامین پر عمل ہو سکے (پہلا) دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ [3] ''یعنی اس چیز کو چھوڑ دو جو تمہیں شبہ میں ڈالے اور اسے اختیار کرو جو شبہ میں نہ ڈالے۔'' (دوسرا) مَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ [4] ''یعنی جو شخص شبہات سے بچا تو اس نے اپنے دین اور عزت کو بچانے کی کوشش کی۔'' (تیسرا) الْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ [5] ''یعنی گناہ وہ ہے جو تیرے دل

[1] حب میں حاء پر پیش ہے۔ یہ گھڑا ہے یا دو دستی والا برتن۔ (الفقی)

[2] صحيح بخاری، کتاب الوضو، باب غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة، ج:۱، ص: ٤٤۔

[3] بروایت حضرت انس احمد، نسائی و ترمذی۔ نیز انہوں نے فرمایا یہ حسن صحیح ہے۔ ابن حبان نے اسے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے۔ (الفقی)

[4] صحيح بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبراء لدينه، ج: ۱، ص: ۱۹۔

[5] صحيح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تفسير البر والإثم، حديث: ١٤، ج: ٤، ص: ۱۹۸۰۔

میں کھٹکے۔'' (چوتھا) بعض سلف کا قول ہے: گناہ دل کی پریشانی[1] کا نام ہے۔ نبی ﷺ نے ایک کھجور (راستے میں) پائی تو فرمایا:

«لَوْلَا أَنِّيْ أَخْشٰى أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا»

''یعنی اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ یہ صدقہ سے ہے تو میں اس کو ضرور کھا لیتا۔''

کیا تم نہیں دیکھتے کہ آپ ﷺ نے اس کا کھانا احتیاطاً چھوڑ دیا؟

امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق جس نے اپنی عورت کو طلاق دی کہ آیا وہ ایک ہے یا تین، فتویٰ دیا کہ وہ تین ہے تاکہ شرم گاہوں کے متعلق احتیاط رہے۔

کسی شخص نے طلاق پر قسم کھائی کہ اس بادام میں دو دانے ہیں اسے معلوم نہیں تھا معاملہ اسی طرح نکلا جس طرح اس نے قسم کھائی تھی انہوں (یعنی امام مالک رحمہ اللہ) نے فتویٰ دیا کہ اس کی قسم ٹوٹ گئی کیونکہ اس نے اس بات پر قسم کھائی تھی جس کا اس کو علم نہ تھا۔

جس شخص نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دی پھر اس کو بھول گیا انہوں نے فتویٰ دیا کہ احتیاطاً اس کی سب عورتوں کو طلاق ہو جائے گی تاکہ شک ختم ہو۔

مالکیہ نے اس شخص کے متعلق کہا ہے جس نے کوئی قسم کھائی پھر اس کو بھول گیا کہ اس پر ہر وہ چیز لازم آئے گی جس کی عام طور پر قسم کھائی جاتی ہے۔ اس پر طلاق لازم آئے گی، آزادی بھی، مال کی ایک تہائی کا صدقہ، ظہار کا کفارہ، اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کا کفارہ، پا پیادہ حج، اس کی تمام عورتوں کو طلاق ہو جائے گی، اس کے تمام غلاموں اور لونڈیوں کو آزادی مل جائے گی۔ یہ ان کے ہاں دو قولوں میں سے ایک ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا یہ مذہب بھی ہے کہ بندے نے جب کوئی قسم کھائی کہ وہ اس طرح ضرور کرے گا۔ اس پر قسم کا ٹوٹنا لازم آئے گا جب تک وہ اس کام کو نہ کرے گا، اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان علیحدگی کروا دی جائے گی۔

ان کا یہ مذہب بھی ہے کہ جب کسی نے کہا: جب سال کا اخیر ہوگا تو تجھ کو تین طلاقیں ہوں گی۔ فرمایا اس کو ابھی تین طلاق ہوں گی۔ یہ سب احتیاط کے طور پر ہے۔

فقہاء کہتے ہیں: جس شخص پر کپڑے کی نجاست کی جگہ مخفی ہو جائے اس پر وہ سارا دھونا لازم ہے۔

یہ بھی کہتے ہیں: اگر کسی کے پاس پاک کپڑے ہوں۔ ان میں سے کچھ کپڑے نجس ہو جائیں اور اس کو ان کے متعلق شک ہو۔ وہ نجس کپڑوں کی تعداد کے مطابق ایک ایک کپڑے میں نماز پڑھے پھر ایک نماز اضافی پڑھ لے تاکہ اس کا بری الذمہ ہونا یقینی ہو جائے۔

کہتے ہیں: جب پاکیزہ اور نجس برتنوں میں شبہ ہو جائے تو سب سے پانی انڈیل دے اور بندہ تیمم کر لے۔

اسی طرح جب قبلہ میں شبہ ہو جائے اور بندے کو معلوم نہ ہو کہ قبلہ کس جہت میں ہے تو بعض ائمہ کے نزدیک وہ چار نمازیں پڑھ لے[2] تاکہ یقین کے ساتھ بری الذمہ ہو جائے۔

---

[1] یہاں پر حَوْز کا لفظ ہے جس کا مطلب حیرانی اور بے چینی ہے۔ (الفقی)

[2] مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ہر جہت کی طرف منہ کر کے ایک ایک نماز پڑھے۔ واللہ اعلم۔ (مترجم)

کہتے ہیں جس کی ایک دن میں کوئی نماز ترک ہوگئی پھر وہ نماز بھول گیا تو اس پر لازم ہے کہ وہ پانچ نمازیں پڑھے۔
جبکہ نبی ﷺ نے حکم فرمایا ہے: ''جس نے اپنی نماز میں [1] شک کیا وہ یقین پر بنیاد رکھے۔''
آپ ﷺ نے شکار کا کھانا حرام فرمایا جب شکاری کو شک ہو کہ یہ اس کے تیر کے ساتھ مرا ہے یا کسی اور چیز کے ساتھ۔ اسی طرح جب مرا ہوا شکار پانی میں پڑا ہو۔
آپ ﷺ نے اس کا کھانا حرام فرمایا ہے جب اس کے کتے کے ساتھ کوئی اور کتا بھی مل گیا ہو کہ دوسرے کتے والے نے اس پر بسم اللہ پڑھی ہے یا نہیں۔ اس باب کا تتبع کریں تو یہ بہت لمبا ہو جائے گا۔
شرع میں یقین اور احتیاط کے اپنانے کو برا نہیں سمجھا گیا۔ گو کہ تم نے اس کا نام وسوسہ رکھ دیا ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نابینا ہونے تک وضو میں آنکھوں کے اندرونی حصہ کو بھی دھوتے رہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب وضو کرتے تو کہنی سے مونڈھے تک پانی پہنچا دیتے اور جب پاؤں دھوتے تو پنڈلیوں تک پانی پہنچاتے۔
جب ہم اپنے لیے احتیاط اپنائیں، یقین کو پکڑیں، جو چیز شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ اپنائیں جو شک میں نہ ڈالے، ہم مشکوک کو یقینی معلوم کی بنیاد پر چھوڑ دیں اور ہم اشتباہ کی جگہ سے اجتناب کریں گے تو اس طرح ہم شریعت سے خارج نہ ہوں گے اور نہ بدعت میں داخل ہوں گے۔ یہ سستی کرنے اور چھوڑ دینے سے تو بہتر ہے کہ بندے کو اپنے دین کی پروا نہ رہے؟ اس پر وہ احتیاط نہ کرے گا بلکہ کاموں کو آسان کرے گا اور ان کو ان کے حال پر چلائے گا؟ اس کو پروا نہیں کہ وہ کس طرح وضو کرتا ہے؟ یا کس پانی سے وضو کرتا ہے؟ یا کس جگہ نماز پڑھتا ہے؟ اس کے دامن کو یا کپڑے کو کیا لگا ہے اس کو پروا نہیں۔ جو کچھ ہوا اس کے متعلق پوچھتا نہیں بلکہ غفلت برتتا ہے تو یہ شخص اپنے دین میں سستی کرنے والا ہے۔ اس میں جو شک ہوا پروا نہیں کرتا۔ کئی باتوں کو طہارت میں سے سمجھتا ہے گو وہ واضح ترین نجاست ہو۔ وہ شک میں داخل ہوتا ہے اور شک پر نکلتا ہے۔ یہ اس شخص کے مقابل کہاں ہے جس نے حکم کی گئی بات پر پورا عمل کیا۔ اس میں کوشش کی۔ اس میں کچھ کمی نہ کی۔ اگر اس مامور سے زیادہ کیا تو اس کا مقصد مامور کی تکمیل ہے اور یہ کہ اس میں سے کچھ کم نہ رہے؟
کہتے ہیں: ہم پر جو اعتراض ہیں ان کا خلاصہ کسی کام کے کرنے میں احتیاط یا کسی ممنوع کے اجتناب میں احتیاط ہے۔ یہ عمل بہتر ہے اور بلحاظ انجام ان دونوں کوتاہیوں سے بہتر ہے۔ اس سے اکثر انسان فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کر جاتا ہے اور حرام کام میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب ہم اس برائی اور وسوسہ کی برائی کا موازنہ کریں گے تو وسوسہ کی برائی کم ہے۔ یہ تو تب ہے کہ جب ہم تمہاری موافقت میں اس کا نام وسوسہ رکھیں۔ ہم تو اس کا نام احتیاط اور دھیان رکھتے ہیں۔ تم سنتوں کی پیروی میں ہم سے زیادہ خوش نصیب نہیں ہو۔ جبکہ ہم ان کے گرد گھومتے ہیں اور ان کی تکمیل کا ہم ارادہ کرتے ہیں۔
درمیانی راہ پر چلنے والے اور سنت کے پیروکار ان باتوں کے جواب میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

[1] صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب التوجه نحو القبلة حيث كان، ج: ١، ص: ١٠٤۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱)

''البتہ تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ) میں بہترین نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو اللہ اور روز آخرت کا ارادہ کرتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران:۳۱)

''کہہ دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو تم میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ (الاعراف:۱۵۸)

''اور تم اس (پیغمبر ﷺ) کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (الانعام:۱۵۳)

''اور بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے تو تم اس کی پیروی کرو، اور راہوں کی تم پیروی نہ کرو کہ اس (اللہ) کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے یہ اللہ تم کو حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیز گار بنو۔''

یہ جو صراط مستقیم ہے جس کی پیروی کا اُس نے ہم کو حکم فرمایا ہے یہ وہی راستہ ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب تھے یہی معتدل راستہ ہے جو اس سے نکلا وہ ظلم کے راستوں پر ہے۔ گو کہ وہ قول کسی بھی کہنے والے کا ہو۔

راہ حق سے یہ کنارہ کشی کبھی بہت زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کم۔ اس کے درمیان بھی کئی مراتب ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی شمار نہیں کرسکتا۔ اس کی مثال ایک عام راستہ کی سی ہے۔ چلنے والا کبھی پٹڑی سے اتر جائے تو کبھی دور کی کنارہ کشی ہوتی ہے اور کبھی وہ زیادہ دور نہیں جاتا۔

جس ترازو سے سیدھی راہ پر گامزن شخص اور کنارہ کش کی پہچان ہوگی وہ ایسا عمل ہے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے کیا۔

کنارہ کش تقریباً تین طرح کے ہیں ❶ حد سے بڑھنے والا، ظلم کرنے والا ❷ کوشش کرنے والا، تاویل کرنے والا اور ❸ جاہل، تقلید کرنے والا۔

ان میں سے کوئی سزا کا مستحق ہے کسی کو معافی ہو جائے گی اور کوئی ایک اجر پائے گا۔ یہ سب ان کی نیات، مقاصد اور اللہ اور اس کے پیغمبر ﷺ کی اطاعت میں کوشش یا کوتاہی کی بنیاد پر ہے۔

ہم رسول اللہ ﷺ کا کردار اور آپ ﷺ کے اصحاب کا کردار پیش کرتے ہیں جو واضح طور پر بتائے گا کہ دو گروہوں میں سے کون زیادہ فرمانبرداری کے قریب ہے۔ پھر ہم اللہ کی مدد اور اس کی توفیق سے ان کے دلائل کا جواب بھی دیں گے۔

اس سے پہلے ہم غلو، حد سے تجاوز اور اسراف کی ممانعت کے دلائل ذکر کریں گے۔ نیز میانہ روی اور سنت کی پیروی کہ ان

دونوں پر دین کا دارومدار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ ﴾ (النساء:۱۷۱) ''اے اہل کتاب تم اپنے دین میں غلو نہ کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴾ (الانعام:۱٤۱)

''اور تم اسراف نہ کرو بے شک وہ (اللہ) اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ﴾ (البقرۃ:۲۲۹) ''یہ اللہ کی حدیں ہیں تو تم ان سے تجاوز نہ کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴾ (البقرۃ:۱۹۰)

''اور تم حد سے نہ بڑھو بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴾ (الاعراف:۵۵)

''تم اپنے پروردگار کو عاجزی اور آہستگی سے پکارو۔ بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ کی رات جب آپ اونٹنی پر سوار تھے، فرمایا: میرے لیے کنکریاں اٹھالا! میں آپ کے لیے سات پتھریلی کنکریاں اٹھا کر لایا۔ آپ ان کو اپنے ہاتھوں میں جھٹکنے لگے اور فرمانے لگے: اس طرح کی کنکریاں پھینکا کرو پھر فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ، إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمُ الْغُلُوُّ فِي الدِّيْنِ»[1]

''اے لوگو! تم دین میں غلو سے بچو۔ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو نے ہی ہلاک کیا۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ فَيُشَدِّدَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَإِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارَاتِ رَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ»[2]

---

[1] مسند امام احمد، ج:۱، ص: ۲۱۵؛ سنن النسائی، کتاب المناسک، باب التقاط الحصی، ج: ۵ ص: ۲٦۸۔

[2] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کو تفسیر سورۃ الحدید میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں: حافظ ابویعلیٰ رحمہ اللہ نے اس کی سند پوری ذکر کی ہے۔ اس کو عبدالرحمن بن ابی العمیاء سے روایت کیا ہے کہ سہل بن ابی امامہ نے ان کو بتایا کہ وہ اور ان کے والد حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ میں گئے، یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا زمانہ تھا، جبکہ وہ مدینہ کے گورنر تھے اور وہ مختصر سی نماز پڑھ رہے تھے...... الحدیث۔ (الفقی)

''تم اپنے نفسوں پر تشدد نہ کرو ورنہ اللہ تم پر سختی کرے گا ایک قوم نے خود پر سختی کی تو اللہ نے ان پر سختی کی۔ یہ ان کے باقی ماندہ ہیں جو معبدوں اور گرجا گھروں میں ہیں۔ یہ رہبانیت انہوں نے خود گھڑلی ہے ہم نے ان پر یہ لازم نہیں کی۔''

نبی ﷺ نے دین میں تشدد سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ حکم شرع پر زیادتی کا نام ہے۔ آپ ﷺ نے یہ خبر بھی دی ہے کہ بندے کا خود پر تشدد ہی اللہ کی طرف سے اس پر سختی کا سبب ہے۔ وہ تقدیر کے ذریعہ سے ہو یا تشریع کے ذریعہ سے۔

شرع کے ذریعہ سے سختی کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص خود پر ایک بوجھل نذر کی سختی ڈالتا ہے تو اس پر اس کو پورا کرنا لازم ہے۔

تقدیر کے ساتھ: جس طرح کہ وسوسہ والے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ پر سختی کی تو ان پر تقدیر نے سختی کردی کہ ان کا وسوسہ پکا ہو گیا اور یہ ان کی لازمی صفت بن گیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: اہل علم نے وضو میں اسراف کو ناپسند کیا ہے۔ نیز نبی ﷺ کے فعل سے تجاوز کو بھی ناپسند کیا ہے۔[1]

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''تم سیدھی راہ اور سنت کو اپناؤ۔ جو کوئی بندہ سیدھی راہ اور سنت پر چلتا ہے۔ اللہ عزوجل کا ذکر کرے تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح سوکھے ہوئے درخت سے اس کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ سیدھی راہ اور سنت پر میانہ روی سے چلنا سیدھی راہ اور سنت کے خلاف تیز چلنے سے بہتر ہے۔ جب تمہارے اعمال میانہ رو ہوں تو کوشش کرو کہ تم انبیاء علیہم السلام کے منہج اور ان کی سنت کو اپنا لو۔''

شیخ ابو محمد المقدسی اپنی کتاب ''ذم الوسواس'' میں لکھتے ہیں: اس اللہ کی تعریف ہے جس نے اپنے فضل سے ہم کو ہدایت دی۔ ہمیں حضرت محمد ﷺ کی ذات اور آپ کی رسالت کے ذریعے سے شرف بخشا۔ ہمیں آپ ﷺ کی پیروی اور سنت پر پختہ عمل عطا کیا۔ ہم پر آپ ﷺ کی اتباع کا احسان فرمایا جس کو اپنی محبت اور مغفرت کی نشانی، اپنی رحمت کی فرضیت کا سبب اور اپنی ہدایت کے حصول کا ذریعہ بنایا۔

اللہ پاک نے فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

(آل عمران: ۳۱)

''کہہ دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور وہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ رَحْمَتِيْ وَ سِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۚ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ﴾ (الاعراف: ۱۵۶، ۱۵۷)

''اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کرتے اور زکوۃ دیتے

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الوضوء، باب ماجاء في قول الله تعالى إذا قمتم إلى الصلاة ......، ج: ١، ص: ٤٢۔

اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں وہ جو (محمد) رسول کی جو نبی اُمی ہیں پیروی کرتے ہیں۔''

پھر فرمایا:

﴿ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾

(الاعراف:۱۵۸)

''توتم اللہ پر اور اس کے رسول پیغمبرِ اُمی پر جو اللہ اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کروتا کہ ہدایت پاؤ۔''

امابعد! اللہ پاک نے شیطان کو انسان کا دشمن بنایا ہے۔ وہ اس کے لیے صراط مستقیم پر بیٹھتا ہے۔ ہر راہ اور طریقے سے اس کے پاس آتا ہے۔ جیسے اللہ پاک نے اس کے متعلق بتایا ہے کہ اس نے کہا:

﴿ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴾ (الاعراف:۱۶، ۱۷)

''میں تیرے سیدھے رستے پر ان (کو گمراہ کرنے) کے لیے بیٹھوں گا پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔''

اللہ عزوجل نے ہمیں اس کی پیروی سے ڈرایا ہے اور اس کی مخالفت اور دشمنی کا حکم دیا ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا:

﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ﴾ (الفاطر:۶)

''بے شک شیطان تمہارے لیے دشمن ہے تو تم اس کو دشمن پکڑو۔''

اور فرمایا:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ ﴾ (الاعراف:۲۷)

''اے بنی آدم! تم کو ہرگز شیطان آزمائش میں نہ ڈالے جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا تھا۔''

اللہ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے ہمارے ماں باپ کے ساتھ کیا کیا؟ تاکہ ہمیں شیطان کی پیروی سے ڈرایا جائے اور اس کی فرمانبرداری میں عذر (جہالت) کو ختم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے صراط مستقیم کی اتباع کا حکم فرمایا اور ہم کو دیگر راہوں کی پیروی سے منع فرمایا۔ اللہ پاک نے فرمایا:

﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ﴾ (الانعام:۱۵۳)

''اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا، اور رستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) اللہ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے۔''

اللہ کا راستہ اور اس کا صراط مستقیم وہی تو ہے جس پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ تھے۔ اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے:

﴿یٰسٓ ۝۱ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝۲ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝۳ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۴﴾ (یٰس:۱۔۴)

''یٰسٓ قرآن حکیم کی قسم بے شک آپ ضرور پیغمبروں میں سے ہیں صراط مستقیم پر ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّکَ لَعَلٰی ھُدًی مُّسْتَقِیْمٍ ۝۶۷﴾ (الحج:٦٧)

''بے شک آپ سیدھی ہدایت پر ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۵۲﴾ (الشوریٰ:٥٢)

''اور بے شک آپ ضرور صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔''

جس شخص نے ہر قول اور فعل میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی وہ اللہ کے صراط مستقیم پر ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کو اللہ بخشے گا اور ان سے محبت فرمائے گا۔

اور جس نے قول وفعل میں آپ ﷺ کی مخالفت کی وہ بدعتی ہے۔ شیطان کے راستے کی پیروی کرنے والا ہے وہ ان لوگوں میں داخل نہیں ہے جن سے اللہ نے جنت، بخشش اور احسان کا وعدہ فرمایا ہے۔

فصل: اہل وسوسہ پر شیطان کا غلبہ

پھر وسوسہ والوں کے گروہ سے شیطان کی فرمانبرداری ثابت ہوگئی۔ حتیٰ کہ وہ اس کے وسوسہ سے متصف ہو گئے، اس کی بات انہوں نے قبول کی، اس کے پیچھے لگ گئے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کی اتباع سے انہوں نے منہ پھیرا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ان میں سے کوئی اگر پیغمبر ﷺ کے وضو کی طرح وضو کرے یا آپ کی نماز کی طرح نماز پڑھے تو سمجھتا ہے کہ اس کا وضو باطل ہو گیا اور اس کی نماز درست نہیں ہوئی۔ وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ اگر وہ پیغمبر ﷺ کی طرح بچوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے یا عام لوگوں کا کھانا کھائے تو وہ پلید ہو جائے گا۔ اس کو اپنے ہاتھ اور منہ کو سات مرتبہ دھونا لازم ہے جیسے ان دونوں پر کسی کتے نے منہ مارا ہے یا ان دونوں پر کسی بلی نے پیشاب کر دیا ہے۔

پھر ابلیس نے ان پر اس حد تک غلبہ پایا کہ انہوں نے اس کی باتوں کو جنون کی حد تک قبول کر لیا۔ وہ سوفسطائی مذہب کے قریب پہنچ گئے جو موجودات کے حقائق اور محسوسات امور کا بھی انکار کرتے ہیں۔

انسان کا علم اپنے نفس کے حال سے ضروریات اور یقینیات کے امور میں سے ہے۔ ان میں سے کوئی اپنے کسی عضو کو دھوتا ہے۔ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اللہ اکبر کہتا ہے۔ زبان سے پڑھتا ہے حتیٰ کہ اس کے کان سنتے ہیں اس کا دل جان لیتا ہے بلکہ کوئی دوسرا آدمی بھی جان لیتا ہے اور یقین کر لیتا ہے لیکن اس کو شک ہی رہتا ہے کہ آیا اس نے یہ کیا ہے یا نہیں؟

اسی طرح شیطان اس کے لیے اس کی نیت اور ارادے میں شک ڈال دیتا ہے جسے وہ اپنے دل کے یقین سے جانتا بھی ہے۔ بلکہ اس کے احوال کے قرائن سے دوسرے کو بھی پتہ چل جاتا ہے۔ اس کے باوجود وہ ابلیس کی بات کو قبول کر لیتا ہے کہ اس

نے نماز کی نیت اور ارادہ نہیں کیا۔ وہ اپنی ہی نظر کی ڈھٹائی سے مخالفت کرتا ہے۔ اپنے دل کے یقین کا انکار کرتا ہے، تم دیکھو گے کہ وہ حیران و پریشان ہے۔ گویا اس کا پالا کسی ایسی چیز سے پڑ گیا ہے جو اسے کھینچ رہی ہے۔ یا اس کے اندر کوئی چیز ہے جسے وہ نکالنا چاہتا ہے۔ یہ سب ابلیس کی حد سے زیادہ فرمانبرداری اور اس کے وسوسہ کو قبول کرنے کا نتیجہ ہے۔ جس نے ابلیس کی بات اس حد تک مان لی تو وہ اس کی فرمانبرداری کی حد کو پہنچ گیا۔

پھر وہ اس کی بات قبول کر کے اپنے آپ کو عذاب دیتا ہے۔ اپنے جسم کو تکلیف دینے میں اس کی بات مانتا ہے۔ کبھی ٹھنڈے پانی میں ڈبکی لگاتا ہے۔ کبھی اس کو بہت استعمال کرتا ہے اور دیر تک جانچ کرتا ہے۔ کبھی اپنی آنکھوں کو ٹھنڈے پانی میں کھولتا ہے، ان کے اندرونی حصہ کو دھوتا ہے اور اپنی نظر کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ کبھی شیطان اسے اپنی شرم گاہ لوگوں کے سامنے کھولنے تک پہنچا دیتا ہے۔ کبھی ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ بچے اس سے مذاق کرتے ہیں اور ہر دیکھنے والا اس پر ہنستا ہے۔

میں کہتا ہوں: ابوالفرج ابن جوزی رحمہ اللہ نے ابوالوفاء ابن عقیل سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے ان سے کہا: میں پانی میں کئی دفعہ غوطے لگاتا ہوں پھر بھی مجھے شک رہتا ہے کہ غسل درست ہوا ہے یا نہیں۔ آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ شیخ نے اس سے فرمایا: تو جا تجھ سے نماز معاف ہو گئی ہے۔ اس نے کہا وہ کیسے؟ فرمایا: کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: اَلْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يُفِيْقَ، وَالنَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَالصَّبِيِّ حَتّٰى يَبْلُغَ» [1]

”تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے ❶ مجنون سے جب تک افاقہ نہ ہو ❷ سونے والے سے جب تک کہ بیدار نہ ہو اور ❸ بچے سے جب تک کہ بالغ نہ ہو۔“

جو آدمی پانی میں کئی مرتبہ ڈبکیاں لگاتا ہے پھر بھی اس کو شک رہتا ہے کہ آیا اس تک پانی پہنچا ہے یا نہیں تو وہ مجنون ہے۔

فرماتے ہیں: [2] کبھی اس کو اپنے وسوسہ میں مشغول رکھتا ہے کہ اس کی جماعت نکل جاتی ہے۔ کبھی وقت نکل جاتا ہے۔ کبھی اپنے وسوسہ سے نیت میں مشغول رکھتا ہے حتیٰ کہ اس کی تکبیر اُولیٰ نکل جاتی ہے۔ کبھی اس سے ایک رکعت یا زیادہ چھڑوا دیتا ہے۔ ان میں سے کوئی قسم کھاتا ہے کہ وہ اس پر مزید نہ کرے گا پھر اپنے لیے ہی جھوٹ بولتا ہے۔

میں کہتا ہوں: مجھے ایک قابل اعتماد آدمی نے ایک بڑے وسوسہ والے کے متعلق خبر دی ہے کہ میں نے اسے دیکھا کہ وہ نیت کے الفاظ کئی مرتبہ دہراتا تھا۔ وہ مقتدیوں کو بہت پریشان کرتا تھا۔ اس کے ساتھ یہ معاملہ بھی ہوا کہ اس نے کہا: اگر میں طلاق کی قسم کھا لوں تو آئندہ دفعہ مزید قسم نہ کھاؤں گا۔ ابلیس نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا حتیٰ کہ اس نے ایک اور قسم کھا لی۔ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان علیحدگی ہو گئی۔ اس کو اس کا بڑا صدمہ پہنچا۔ وہ دونوں لمبا عرصہ الگ الگ رہے۔ عورت نے کسی اور مرد سے شادی کر لی ان سے اس کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا۔ پھر اس نے ایک قسم کھا کر توڑ دی جس کی وجہ سے ان دونوں میں علیحدگی ہو گئی۔ وہ پھر پہلے کے پاس واپس آ گئی جبکہ قریب تھا کہ وہ اس کی جدائی پر مر جاتا۔

---

[1] احمد، ابوداؤد اور حاکم بروایت حضرت علی وعمر (الفقی)، مترجم کہتا ہے کہ دیکھیے: مسند امام احمد، ج: ۱، ص: ۱۱۶۔

[2] یہ قول ابن قدامہ رحمہ اللہ کا ہے۔ جو ابن جوزی رحمہ اللہ کا قول ہے وہ ابن قدامہ کے دو کلاموں کے مابین جملہ معترضہ ہے۔ اسی طرح اس بڑے وسوسہ والے کی بات بھی جس نے تکلف اور تشدد سے اللہ، اس کے پیغمبر اور نمازیوں کو تکلیف دی۔ (الفقی)

ایک اور آدمی کا واقعہ میرے علم میں آیا ہے۔ وہ نیت کے الفاظ پر بہت شدت کرتا اور بہت کرید کرتا تھا۔ ایک دن یہ کرید اور تشدد بہت ہوا کہ اس نے کئی مرتبہ کہا ''میں نماز پڑھتا ہوں، میں نماز پڑھتا ہوں، فلاں، فلاں نماز'' اس نے چاہا کہ میں ''اللہ کے لیے ادا'' کہوں۔ اس نے ''دال پر نقطہ پڑھ دیا کہ ''اللہ کے لیے اذاء ہے۔'' اس کے ساتھ والے آدمی نے اپنی نماز توڑی اور کہا: اللہ کے رسول، اس کے فرشتوں اور سب نمازیوں کے لیے بھی ''اذاء'' ہے۔

کہتے ہیں: ان میں سے کوئی آدمی ایک حرف ادا کرنے میں وسوسہ کرتا ہے حتیٰ کہ اسے کئی مرتبہ دہراتا ہے۔

کہتے ہیں: میں نے ان میں سے ایک ایسا شخص بھی دیکھا ہے جو ''اللہ اککبر'' کہتا ہے۔

کہتے ہیں: مجھے ان میں سے ایک شخص نے کہا: مجھ سے ''السلام علیکم'' نہیں کہا جاتا۔ میں نے کہا جس طرح تم نے اب کہا تھا اسی طرح کہا کرو۔ اب تو تم نے بہت آسانی سے کہہ دیا تھا۔

شیطان نے ان کو اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ ان کو آخرت سے قبل دنیا میں ہی عذاب میں مبتلاء کر رکھا ہے۔ ان کو پیغمبر ﷺ کی اتباع سے نکال دیا ہے اور ان کو تشدد اور غلو والوں میں شامل کر دیا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

جو اس مصیبت سے چھٹکارا چاہتا ہے اس کو جان لینا چاہیے کہ حق رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل کی اتباع میں ہے۔ اس کو آپ کے طریقہ پر پرعزم ہو کر چلنا چاہیے کہ بلاشبہ وہ صراط مستقیم پر ہے۔ جس نے اس راستے کی مخالفت کی وہ ابلیس کے وسوسے اور بہکاوے میں آیا۔ وہ یقین کرے کہ وہ اس کا دشمن ہے۔ وہ اسے خیر کی طرف نہیں بلاتا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ ﴾ (فاطر:٦)

''وہ تو اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ جہنم والوں میں سے ہو جائیں۔''

بندے کو چاہیے کہ ہر اس طریقہ پر قدم رکھنا چھوڑ دے جو پیغمبر ﷺ کے خلاف ہو۔ وہ طریقہ چاہے کس کا بھی ہو اور کیسا ہی ہو۔ وہ شک وریب میں مبتلا نہ ہو کہ پیغمبر ﷺ صراط مستقیم پر تھے۔ جس نے اس میں شک کیا وہ مسلمان نہیں۔

جس کو یہ معلوم ہے وہ آپ کی سنت کو چھوڑ کر کس طرف پھرا جا رہا ہے؟ آپ کے طریقہ کے علاوہ بندہ کون سا طریقہ ڈھونڈ رہا ہے؟ وہ اپنے دل کو کہہ رہا ہوتا ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہی صراط مستقیم ہے؟ جب اس کا دل اس کو کہے کیوں نہیں! تو وہ دل کو کہتا ہے کیا وہ ایسا ہی کرتا ہے؟ وہ کہے گا نہیں! تو تو اس کو کہہ دے کہ حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے؟ جنت کے راستے کے بعد جہنم کے علاوہ بھی کوئی راہ ہے؟ اللہ اور اس کے پیغمبر کے راستے کے بعد شیطان کے علاوہ بھی کوئی راستہ ہے؟ اگر تو نے اس کے راستے کی پیروی کر لی تو تو اس کا دوست بن جائے گا۔ اور تیرا دل فوراً کہے گا:

﴿ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴾

''یعنی اے کاش میرے اور تیرے درمیان دو مشرقوں کی سی دوری ہو پس وہ برا دوست ہے''

اسے چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں بزرگوں کے احوال پر غور کرے اور ان کی پیروی کرے پس ان کا طریقہ اختیار کرے۔

ان میں سے کسی کی روایت ہم تک پہنچی ہے، کہتے ہیں: مجھ سے ایک قوم آگے بڑھ گئی۔ اگر وہ وضو میں ایک ناخن پر بھی تجاوز نہ کرتے تو میں ان پر افراط نہ کرتا۔ میں کہتا ہوں: یہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تھے۔

حضرت زین العابدین رحمہ اللہ نے ایک دن اپنے بیٹے سے فرمایا: اے میرے بیٹے میرے لیے ایک کپڑا لو جو میں قضائے حاجت کے وقت اوڑھ لیا کروں۔ میں دیکھتا ہوں کہ مکھیاں کسی چیز پر بیٹھتی ہیں پھر کپڑوں پر بیٹھ جاتی ہیں۔ پھر متنبہ ہوئے اور فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے پاس تو صرف ایک ہی کپڑا ہوا کرتا تھا۔ لہٰذا آپ نے یہ ارادہ چھوڑ دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی بات کا عزم وارادہ کرتے جب انہیں بتایا جاتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں کیا تو رک جاتے۔ ایک دفعہ آپ نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا ہے کہ یہ کپڑے پہننے سے منع کردوں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ عجائز [1] کے پیشاب میں رنگے جاتے ہیں۔ حضرت اُبی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: آپ کس طرح روک سکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنا اور آپ کے زمانہ میں یہ پہنے گئے اگر اللہ پاک اس کے پہننے کی حرمت جانتے تو اسے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ضرور بیان فرماتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے سچ کہا ہے۔

پھر یہ بھی جاننا چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی بھی وسوسہ والا نہ تھا۔ اگر وسوسہ اچھا ہوتا تو اللہ اس کو اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے چھپا کر نہ رکھتے وہ مخلوق میں سب سے بہتر اور افضل لوگ تھے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسوسہ والوں کو دیکھتے تو ضرور ان سے ناراض ہوتے۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو پالیتے تو ضرور ان کو مارتے اور ادب سکھاتے۔ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم ان لوگوں کو پالیتے تو ضرور ان کو بدعتی کہتے۔ آیئے! اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں ان کے مذہب کے خلاف دلائل تفصیل سے ذکر کرتا ہوں۔

فصل اول: نماز اور طہارت کی نیت

نیت کسی کام کا قصد وارادہ ہے۔ اس کا محل دل ہے۔ اس کا زبان سے بالکل تعلق نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے نیت کا کوئی بھی لفظ کسی بھی حال میں مروی نہیں ہے۔ نہ ہم نے ان سے اس کے متعلق کچھ ذکر سنا ہے۔

جو نیات عبادات وضو اور نماز کی ابتداء میں بنائی گئی ہیں ان کو شیطان نے وسوسہ والوں کے لیے بہت ضروری بنا دیا ہے۔ وہ ان کو یہاں پر روک لیتا ہے اور ان کو اس کی تکلیف دیتا ہے۔ اس کی تصحیح کی ضرورت میں مبتلا کر دیتا ہے آپ کسی ایسے آدمی کو دیکھ لیں وہ ان الفاظ کو دہراتا ہے۔ ان کی ادائیگی میں خود کو مشقت میں ڈالتا ہے حالانکہ ان کا نماز سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ نیت تو کسی کام کے کرنے کا ارادہ ہے۔ کسی کام کا جو شخص ارادہ کرے تو وہ اس کی نیت کرنے والا ہے۔ کام کا نیت سے الگ ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ وہی اس کی حقیقت ہے۔ کام کے ہوتے ہوئے نیت کا نہ ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ جو شخص وضو کے لیے بیٹھا ہے اس نے وضو کی نیت کر رکھی ہے۔ جو نماز کے لیے کھڑا ہے اس نے نماز کی نیت کر رکھی ہے۔ کوئی عقلمند عبادات کرے یا کچھ اور، بندہ بغیر نیت کے کچھ بھی نہیں کرتا۔

---

[1] عجائز کے کئی معانی ہیں۔ بعض ادباء نے ان معانی کے جمع کے لیے عجائز پر قصیدے بھی کہے ہیں جو کتب لغت میں درج ہیں۔ یہاں پر شیر، بھیڑیا، گدھ، کتا وغیرہ کے معانی ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (مترجم)

انسان کے مقصود افعال کے لیے نیت تو ایک لازمی امر ہے جو کسی تکلف اور ادائیگی کا محتاج نہیں ہے۔ اگر انسان اپنے اختیار کردہ افعال کو نیت سے خالی کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا۔ اگر اللہ عزوجل اس کو نماز اور وضو بغیر نیت کا مکلف بنائیں تو یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔ انسان ایسا نہیں کرسکتا۔ تو جو بات اس طرح ہو اس کے حاصل کرنے میں پریشانی چہ معنی دارد؟ اگر نیت کے حصول میں اس کو شک ہوجائے تو یہ ایک گونہ جنون ہے۔ آدمی کا اپنے نفس کے حال کا علم ایک یقینی امر ہے۔ تو عقلمند اپنے نفس سے اس کے متعلق کیونکر شک کرسکتا ہے؟ جو آدمی امام کے پیچھے نماز ظہر کی ادائیگی کے لیے کھڑا ہوا۔ اس کو اس میں کیسے شک ہوسکتا ہے؟ اگر اس کو اس حالت میں کوئی بلانے والا کسی کام پر بلائے تو وہ کہے گا میں مصروف ہوں میں نماز ظہر ادا کرنا چاہتا ہوں۔

اگر اس کو کوئی نماز کے لیے نکلتے ہوئے کہے تم کدھر جارہے ہو؟ وہ ضرور کہے گا: میں امام کے ساتھ نماز ظہر کا ارادہ کرتا ہوں۔ کوئی عقلمند اس میں اپنے بارے میں ہی کیونکر شک کرسکتا ہے جبکہ وہ اس کو یقین کے ساتھ جانتا ہے؟ اس سب سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ حالات کے قرائن سے دوسرا شخص بھی اس بات کو جان لیتا ہے۔ اگر کوئی کسی کو لوگوں کی جماعت کے وقت اور نماز کے وقت میں صف میں بیٹھا دیکھے تو اسے معلوم ہوجائے گا کہ یہ نماز کا منتظر ہے۔ جب دیکھے کہ اقامت اور لوگوں کے اٹھنے کے وقت وہ اٹھا ہے تو اسے معلوم ہوجائے گا کہ وہ نماز پڑھنے کے لیے اٹھا ہے۔ اگر مقتدیوں سے آگے بڑھے گا تو معلوم ہوجائے گا کہ وہ ان کی امامت کا ارادہ کرتا ہے۔ اگر صف میں دیکھے گا تو معلوم ہوجائے گا کہ وہ مقتدی بننے لگا ہے۔

کہتے ہیں: جب حالات کے ظاہر قرائن سے دوسرے کو اس کی باطنی نیت معلوم ہوسکتی ہے تو وہ خود اپنے آپ سے کیسے ناآشنا ہے، جبکہ اس کو اپنے باطن کا علم بھی ہے؟ اس وقت وہ شیطان کی بات مانتا ہے (جب کہتا ہے) کہ اس نے نیت نہیں کی یہ آنکھوں دیکھے ہوئے کا انکار شیطان کی تصدیق میں ہے، یقینی معلوم حقائق کا رد ہے، شریعت کی مخالفت ہے، سنت سے اور طریق صحابہ سے بے رغبتی ہے۔ جو نیت پہلے ہی حاصل ہے اس کی پھر تحصیل ممکن نہیں۔ جو ممکن ہے اس کی ایجاد ممکن نہیں۔ کیونکہ چیز کے ایجاد کی شرط اس کا عدم ہے۔ موجود کا ایجاد تو محال ہے۔ جب حالت یہ ہے تو پھر (نیت کے لیے) ٹھہر کر کیا ملے گا، گو وہ ہزار سال ٹھہرا رہے؟

کہتے ہیں: تعجب ہے کہ وہ بحالت قیام وسوسہ میں رہتا ہے امام رکوع کرلیتا ہے جب اس کو رکوع چھوٹ جانے کا خدشہ ہوتا ہے تو جلدی سے تکبیر کہتا ہے اور امام سے مل جاتا ہے۔ جس کو فارغ وقت میں کافی دیر کھڑے رہ کر نیت حاصل نہ ہوئی وہ اس کو تنگ وقت میں کیسے حاصل کرے گا جب کہ اس کو رکعت چھوٹ جانے کا خدشہ بھی ہے؟

پھر جو وہ چاہتا ہے، وہ آسان ہے یا پھر مشکل؟ اگر آسان ہے تو وہ اس کو مشکل کیوں بنارہا ہے؟ اگر وہ مشکل تھا تو امام کے رکوع کی حالت میں تھا تو یہ آسان کیسے ہوگیا؟ یہ معاملہ نبی ﷺ، آپ کے سب صحابہ، تابعین اور بعد والوں پر کیسے مخفی رہ گیا؟ یہ صرف اسی کے علم میں آیا ہے جس پر شیطان نے غلبہ پایا ہے۔ کسی اور کے لیے کیوں نہیں؟ کیا وہ اپنی جہالت سے یہ سمجھتا ہے کہ شیطان اس کا خیر خواہ ہے؟ کیا اسے معلوم نہیں کہ وہ ہدایت کی طرف نہیں بلاتا نہ وہ خیر کی راہ بتاتا ہے؟

وہ رسول اللہ ﷺ اور ان تمام مسلمانوں کی نماز کے متعلق کیا کہے گا جنہوں نے اس وسوسہ والے کی طرح نہیں کیا؟ وہ اس کے نزدیک ناقص اور مفضول رہی یا تام اور فاضل ہوئی؟ ان کی مخالفت اور ان کی راہ سے بے رغبتی پر اس کو کس بات نے ابھارا ہے؟

اگر وہ کہے کہ یہ ایک مرض ہے جس میں میں مبتلا ہو گیا ہوں۔

ہم کہیں گے جی ہاں: اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے شیطان کی طرف سے اس کو قبول کیا ہے اللہ تعالیٰ کسی کا بھی یہ عذر قبول نہیں کرتے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کو جب شیطان نے وسوسہ ڈالا اور انہوں نے اسے قبول کیا تو وہ جنت سے نکالے گئے۔ ان کو جو کہا گیا تمہارے علم میں ہے۔ ان کا عذر قبول کے جانے کے بہت قریب بھی تھا۔ کیونکہ ان سے پہلے کوئی انسان نہ گزرا تھا جس سے وہ عبرت حاصل کرتے۔ تم نے تو سنا ہے۔ اللہ نے تمہیں اس کی آزمائش سے ڈرایا ہے۔ تم پر اس کی دشمنی کو واضح کیا ہے۔ تمہیں حق کا راستہ بتایا ہے۔ لہٰذا سنت کو چھوڑنے اور شیطان کی بات ماننے میں تمہارا کوئی عذر اور حجت قبول نہیں۔

میں کہتا ہوں: ہمارے شیخ نے کہا: یہ لوگ دسیوں ایسی بدعتیں کرتے ہیں جو کام رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب نے نہیں کیے۔ ان میں سے ایک یہ ہے: کوئی کہتا ہے: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ'' نیت کرتا ہوں میں نماز ظہر کی، وقت پر فرض، اللہ تعالیٰ کے لیے ادا، امام یا مقتدی بن کر چار رکعت، منہ قبلہ کی طرف۔ پھر اپنے اعضاء کو حرکت دیتا ہے پیشانی کو جھکاتا ہے، گردن کے پٹھے اکڑاتا ہے اور چیخ کر تکبیر کہتا ہے گویا وہ دشمن کے خلاف تکبیر کہہ رہا ہے۔

اگر ان میں سے کوئی حضرت نوح علیہ السلام والی عمر گزار کر بھی ڈھونڈتا رہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے ان میں سے کوئی کام کیا ہے؟ تو وہ کامیابی نہیں پا سکتا سوائے اس کے کہ وہ کچھ کھلا جھوٹ کہہ دے۔

اگر اس میں کوئی خیر ہوتی تو وہ ضرور ہم پر اس میں سبقت لے جاتے۔ اگر یہ ہدایت ہے تو یہ ان کو کیوں نہ مل سکی اور اگر ان کا طریقہ ہدایت اور حق تھا تو حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں ہے۔

کہتے ہیں: وسوسہ کی بعض اقسام وہ ہیں جو نماز کو فاسد کرتی ہیں۔ مثلاً کسی کلمہ کو دہرانا، کوئی اَلتَّحِیَّاتُ میں کہتا ہے أَتْ أَتْ اَلتَّحِیْ اَلتَّحِیْ۔ سلام میں أَسْ أَسْ اور تکبیر میں أَککبر وغیرہ۔

اس طرح تو نماز کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ اگر نمازی امام ہو تو مقتدیوں کی نماز خراب کرتا ہے۔ یہ نماز جو اللہ کی بہت بڑی فرمانبرداری ہے کبائر سے بڑھ کر انسان کو اللہ سے دور کرنے والی بن جائے گی۔

اگر اس سے نماز باطل نہ بھی ہو تو بھی یہ مکروہ ہے۔ سنت سے ہٹنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ، آپ کی سیرت اور آپ کے اصحاب کے عمل سے روگردانی ہے۔

کبھی وہ اونچی آواز سے یہ الفاظ بولتا ہے اور سامعین کو تکلیف پہنچاتا ہے اور لوگوں کو اپنی مذمت اور تشنیع پر ابھارتا ہے۔ اس نے اپنے اوپر ابلیس کی فرمانبرداری اور سنت کی مخالفت کو جمع کر لیا۔ نیز بدترین اور بدعت امور کا ارتکاب، اپنے نفس کی تعذیب، وقت کا ضیاع، اجر کم کرنے والا کام، نفع والی چیز کا چھوٹ جانا، لوگوں کو خود پر طعن و تشنیع کا موقع دینا اور جاہلوں کو اپنی پیروی پر ابھارنا بھی اس میں شامل ہے۔ جاہل کہے گا: اگر یہ کام افضل نہ ہوتا تو یہ شخص نہ کرتا۔ اس طرح اس نے سنت کے خلاف بدگمانی پیدا کی، کہ اس کو صرف سنت کافی نہیں۔ اپنے نفس کو شیطان کا پابند اور غلام بنا دیا شیطان کا اس میں طمع بڑھ گیا۔ شیطان اس کو تقدیر کے ساتھ تشدید پر پیش کرنے لگا، تاکہ اس کو سزا دے، اس کو جہالت پر قائم رکھے اور عقل کی اس خرابی پر وہ راضی رہے۔ جیسے ابوحامد

غزالی رحمہ اللہ یا کسی اور کا قول ہے کہ: وسوسہ کا سبب شریعت سے ناواقفیت ہے یا عقل کی خرابی اور یہ دونوں ہی بہت بڑے نقص اور عیب ہیں۔

وسوسہ کی یہ تقریباً پندرہ خرابیاں ہیں۔ اس کے نقصانات بہت ہی زیادہ ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث مروی ہے۔ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! شیطان میرے اور میری نماز کے درمیان حائل ہوتا ہے اور میری نماز کو مجھ پر خلط ملط کرتا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ذَاكَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهُ: خِنْزَبٌ، فَإِذَا أَحْسَسْتَهُ فَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْهُ، وَاتْفُلْ عَنْ يَسَارِكَ ثَلَاثًا، فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ فَأَذْهَبَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنِّيْ»

''یہ ایک شیطان ہے جسے خنزب کہا جاتا ہے جب تم یہ محسوس کرو تو تین مرتبہ اس سے اللہ کی پناہ[1] پکڑو اور اپنے بائیں طرف تین مرتبہ تھوکو۔[2] میں نے یہ کیا تو اللہ نے مجھ سے اس تکلیف کو ختم کر دیا۔''[3]

وسوسہ والے خنزب اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ ہم اس سے اللہ عزوجل کی پناہ پکڑتے ہیں۔

فصل: زیادہ پانی بہانے کا وسوسہ

وضو اور غسل کے پانی میں اسراف بھی اس وسوسہ میں داخل ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے کہ

«أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَرَّ بِسَعْدٍ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ، فَقَالَ: لَا تُسْرِفْ، فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَوَ فِي الْمَاءِ إِسْرَافٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَإِنْ كُنْتَ عَلٰى نَهْرٍ جَارٍ»[4]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے۔ وہ وضو کر رہے تھے۔ فرمایا اسراف نہ کرو۔ کہا اے اللہ کے پیغمبر! کیا پانی میں بھی اسراف ہے؟ فرمایا، ہاں اگرچہ تو جاری نہر پر ہو۔''

جامع ترمذی میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ لِلْوُضُوْءِ شَيْطَانًا يُقَالُ لَهُ: اَلْوَلْهَانُ، فَاتَّقُوْا وَسْوَاسَ الْمَاءِ»[5]

''بے شک وضو (کے وسوسہ) کے لیے ایک شیطان ہے جسے وَلْھَانْ کہا جاتا ہے تو تم پانی کے وسوسوں سے بچو۔''

مسند اور سنن میں حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

---

[1] یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھو۔ (مترجم) [2] نماز کی حالت میں ''تھو'' کر دینا کافی ہے۔ (مترجم)

[3] صحيح مسلم، كتاب السلام، باب التعوذ من الشيطان الوسوسة فى الصلاة، حديث: ٢٢٠٣/٦٨، ج:٣، ص: ١٧٢٨۔ [4] سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب ماجاء فى القصد فى الوضوء و كراهية التعدى فيه، حديث: ٤٢٤، ج:١، ص: ١٤٧۔

[5] جامع ترمذى، أبواب الطهارة، باب ماجاء فى كراهية الإسراف فى الوضوء بالماء، ج: ١، ص: ٨٤۔

«جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَسْأَلُهُ عَنِ الْوُضُوءِ، فَأَرَاهُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، وَقَالَ: هٰذَا الْوُضُوءُ فَمَنْ زَادَ عَلَى هٰذَا فَقَدْ أَسَاءَ وَتَعَدّٰى وَظَلَمَ» ①

''ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ وہ آپ سے وضو کے متعلق سوال کرنے لگا۔ آپ نے اس کو تین تین مرتبہ دکھایا اور فرمایا: یہ وضو ہے تو جس نے اس پر زیادہ کیا اس نے برا کیا، زیادتی کی اور ظلم کیا۔''

ابوبکر بن عبدالعزیز کی ''کتاب الشافی'' میں حضرت ام سعد رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يُجْزِئُ مِنَ الْوُضُوءِ مُدٌّ، وَالْغُسْلِ صَاعٌ، وَسَيَأْتِيْ قَوْمٌ يَسْتَقِلُّوْنَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ خِلَافُ أَهْلِ سُنَّتِيْ وَالْآخِذُ بِسُنَّتِيْ فِيْ حَظِيْرَةِ الْقُدُسِ متنزّه أَهْلِ الْجَنَّةِ»

''وضو کے لیے ایک مد اور غسل کے لیے ایک صاع کافی ہے۔ عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو اس کو کم جانیں گے یہ میری سنت والوں کے مخالف ہوں گے اور میری سنت کے پیروکار حظیرۃ القدس میں ہوں گے جو اہل جنت کی سیر گاہ ہے۔''

سنن الاثرم میں سالم بن ابی الجعد کی روایت سے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں:

«يُجْزِئُ مِنَ الْوُضُوءِ الْمُدُّ، وَمِنَ الْغُسْلِ مِنَ الْجَنَابَةِ الصَّاعُ، فَقَالَ رَجُلٌ: مَا يَكْفِيْنِيْ، فَغَضِبَ جَابِرٌ حَتّٰى تَرَبَّدَ وَجْهُهُ، ثُمَّ قَالَ: قَدْ كَفٰى مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْكَ وَأَكْثَرُ شَعْرًا»

''وضو پر ایک مد اور غسل جنابت پر ایک صاع کافی ہے۔ ایک آدمی نے کہا: مجھ کو کافی نہیں ہوتا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ غصہ میں آئے حتیٰ کہ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر فرمایا: یہ اس کو کافی تھا جو تجھ سے بہتر تھا② اور اس کے بال بھی زیادہ تھے۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے اسے اپنی مسند میں مرفوع بیان کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يُجْزِئُ مِنَ الْغُسْلِ الصَّاعُ وَمِنَ الْوُضُوءِ الْمُدُّ» ③

''غسل کے لیے ایک صاع اور وضو کے لیے ایک مد کافی ہے۔''

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«أَنَّهَا كَانَتْ تَغْتَسِلُ هِيَ وَالنَّبِيُّ ﷺ مِنْ إِنَاءٍ وَّاحِدٍ يَسَعُ ثَلَاثَةَ أَمْدَادٍ، أَوْ قَرِيْبًا مِّنْ ذٰلِكَ» ④

''بے شک وہ اور نبی ﷺ ایک برتن سے غسل کرتے تھے جس کی گنجائش تین مد تھی یا اس کے قریب۔''

سنن نسائی میں حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

---

① سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة ج:۱، ص: ۱۴۶۔

② اس سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ (مترجم) ③ مسند امام احمد، ج: ٦، ص: ١٣٥۔

④ دیکھیے بحوالہ: سنن الدار قطنی، ج:۱، ص: ۹۴، باب:۱، حدیث: ۲۔

«أَنَّ عَائِشَةَ رضي الله عنها قَالَتْ: لَقَدْ رَأَيْتُنِي أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللّٰهِ مِنْ هٰذَا، فَإِذَا تَوْرٌ [1] مَوْضُوعٌ مِثْلَ الصَّاعِ أَوْ دُونَهُ۔ نَشْرَعُ فِيهِ جَمِيعًا فَأُفِيضُ بِيَدَيَّ عَلٰى رَأْسِي ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَمَا أَنْقُضُ لِي شَعْرًا» [2]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں نے خود کو دیکھا ہے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے غسل کرتے تھے، وہاں ایک ''تور'' رکھا تھا جو صاع جتنا ہوگا یا اس سے چھوٹا۔ ہم اس سے اکٹھے غسل کرتے۔ میں اپنے ہاتھوں سے اپنے سر پر تین مرتبہ پانی ڈالتی اور میں اپنے بال نہ کھولتی تھی۔''

سنن ابی داؤد اور نسائی میں حضرت عباد بن تمیم حضرت ام عمارہ بنت کعب رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم تَوَضَّأَ، فَأُتِيَ بِمَاءٍ فِي إِنَاءٍ قَدْرِ ثُلُثَيِ الْمُدِّ» [3]

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔ آپ کے پاس ایک برتن میں پانی لایا گیا جو دو تہائی مد کے برابر تھا۔''

عبدالرحمٰن بن عطاء کہتے ہیں: میں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ کو کہتے ہوئے سنا: میرے پاس ایک رِکوۃ [4] ہے یا پیالہ ہے جو تقریباً نصف مد سے زیادہ گنجائش نہیں رکھتا۔ میں پیشاب کرتا ہوں۔ پھر اس سے وضو کرتا ہوں اور اس میں سے بچاتا ہوں۔ عبدالرحمن کہتے ہیں: میں نے اس کا ذکر سلیمان بن یسار رحمہ اللہ سے کیا۔ انہوں نے کہا: مجھے بھی یہ کافی ہے۔ عبدالرحمن کہتے ہیں: میں نے اس کا ذکر ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر رحمہ اللہ سے کیا۔ انہوں نے کہا: ہم نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا ہے۔ (بروایت سنن الاثرم)

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ لوگ (صحابہ) تم سے بہت بڑھ کر پانی پر کفایت کرنے والے تھے وہ یہ سمجھتے تھے کہ مد کا ایک چوتھائی حصہ وضو کے لیے کافی ہے۔'' یہ بہت زیادہ مبالغہ ہے۔ مد کا چوتھائی دمشقی حساب سے ڈیڑھ اوقیہ تک بھی نہیں پہنچتا۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ، وَيَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ إِلٰى خَمْسَةِ أَمْدَادٍ» [5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مد سے وضو کرتے تھے اور ایک صاع سے پانچ مد تک غسل کرتے تھے۔''

صحیح مسلم میں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم يُغَسِّلُهُ الصَّاعُ مِنَ الْجَنَابَةِ، وَيُوَضِّئُهُ الْمُدُّ» [6]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک صاع غسل جنابت کرواتا اور ایک مد آپ کو وضو کرواتا۔ (یعنی کفایت کرتا۔)''

حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رحمہ اللہ نے نصف مد یا اس سے کچھ زیادہ کے ساتھ وضو کیا۔

---

① یہ پیتل یا پتھر کا برتن ہے جو تھال کی مانند ہے۔ (الفقی)

② نیز دیکھیے: سنن ابی داود، كتاب الطهارة: ٧٦، ج:١، ص: ٦١۔

③ دیکھیے بحوالہ: سنن الدار قطنی، ج: ١، ص: ٩٤، باب: ١ حديث: ۔

④ یہ چمڑے کا ایک چھوٹا برتن ہے جس سے پانی پیا جاتا ہے۔ (الفقی)

⑤ صحيح مسلم، كتاب الحيض: ٣٢٥ / ٥١، ج١، ص ٢٥٨۔ ⑥ ايضًا۔

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں اَلْحِبّ [1] کے کوزہ سے دومرتبہ وضو کر لیتا ہوں۔ محمد بن عجلان رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ کے دین میں سمجھداری یہ ہے کہ وضو کامل کیا جائے اور پانی کم بہایا جائے۔

امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ پانی کے ساتھ بہت مشغولیت آدمی کے کم سمجھدار ہونے کی نشانی ہے۔

میمونی کہتے ہیں: میں زیادہ پانی سے وضو کیا کرتا تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے مجھے فرمایا: اے ابوالحسن! کیا تم اس طرح کا ہونا پسند کرتے ہو؟ پھر میں نے زیادہ (پانی) چھوڑ دیا۔

عبداللہ بن امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے اپنے والد کو کہا: میں کثرت سے وضو کرتا ہوں۔ انہوں نے مجھے اس سے روک دیا۔ فرمایا: اے میرے بیٹے! مروی ہے کہ وضو کا ایک شیطان ہے جسے ولہان کہا جاتا ہے۔ انہوں نے مجھے کئی دفعہ یہ کہا۔ وہ مجھے زیادہ پانی بہانے سے روکتے تھے اور مجھے کہا کرتے تھے: اے میرے بیٹے! اس پانی کو کم استعمال کیا کر۔

اسحاق بن منصور رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے کہا: ہم وضو میں تین مرتبہ سے زیادہ کر لیں؟ فرمایا نہیں۔ اللہ کی قسم ایسا تو مجنون شخص کر سکتا ہے۔ اسود بن سالم ایک نیک بزرگ اور امام احمد رحمہ اللہ کے شیخ تھے۔ فرماتے ہیں: میں وضو کی کثرت میں مبتلا تھا۔ میں دریائے دجلہ پر وضو کے لیے رکا۔ میں نے ایک آواز سنی۔ کہنے والا کہہ رہا تھا: اے اسود! وضو تین مرتبہ ہے۔ جو زیادہ ہو وہ اٹھایا نہیں جاتا۔ [2] میں نے نگاہ اٹھائی تو مجھے کوئی نظر نہ آیا۔

ابوداود نے اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«سَيَكُوْنُ فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ فِي الطَّهُوْرِ وَالدُّعَاءِ» [3]

''عنقریب اس امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو طہارت و دعا میں حد سے بڑھیں گے''

اگر آپ اس حدیث کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ (البقرة: ۱۹۰) ''یعنی بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا'' کے ساتھ ملائیں اور آپ کو معلوم ہو کہ اللہ اپنی عبادت کو پسند کرتا ہے تو اس سے آپ کے سامنے نتیجہ آئے گا کہ وسوسہ والے کا وضو عبادت نہیں جو اللہ تعالیٰ قبول کر لے۔ گو کہ اس سے فرض ساقط ہو گیا ہے لیکن اس کے وضو کے لیے جنت کے آٹھ دروازے نہ کھولے جائیں گے کہ جس میں سے چاہے داخل ہو جائے۔

وسوسہ کے نقصانات میں سے یہ بھی ہے کہ حاجت سے زائد پر بندے کا ذمہ بھی بڑھ جاتا ہے یعنی جب پانی کسی دوسرے کی ملکیت میں ہو جیسے حمام وغیرہ کا پانی، اس سے جب آدمی نکلتا ہے تو حاجت سے زائد ادائیگی اس کے ذمہ پر لاگو ہو گی، اس پر قرض بڑھے گا حتیٰ کہ اس سے کئی چیزیں لاگو ہوتی جائیں گی جن کا اس کو برزخ (قبر کی زندگی) اور روز آخرت نقصان اٹھانا پڑے گا۔

---

[1] ''حب'' گھڑے کی شکل کا ایک برتن ہوتا ہے۔ (مترجم)

[2] مطلب یہ ہے کہ دیگر اعمال کی طرح قبولیت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں اٹھایا جاتا۔ (مترجم)

[3] سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء، مسند امام احمد، حدیث: ۱۴۸۳۔

فصل: ہوا خارج ہونے کا وسوسہ

ایک وسوسہ ہوا خارج ہونے سے وضوٹوٹ جانے کا بھی ہے جس پر توجہ نہیں دینی چاہیے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ: أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْئٌ أَمْ لَا؟ فَلَا يَخْرُجْ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا»[1]

''جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کوئی چیز پائے اور اس پر اشکال ہو کہ آیا اس سے کوئی چیز نکلی ہے یا نہیں؟ تو وہ مسجد سے نہ نکلے جب تک آواز نہ سنے یا بو نہ پالے۔''

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی گئی کہ کسی آدمی کو خیال آتا ہے کہ وہ نماز میں کوئی چیز[2] پاتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

«لَا يَنْصَرِفْ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا»[3]

''وہ نہ جائے جب تک آواز نہ سنے یا بو نہ پالے۔''

مسند اور سنن ابی داوٗد میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْتِي أَحَدَكُمْ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ، فَيَأْخُذُ بِشَعْرَةٍ مِّنْ دُبُرِهِ فَيَمُدُّهَا، فَيُرٰى أَنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ، فَلَا يَنْصَرِفْ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا»[4]

''شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے جبکہ وہ نماز میں ہوتا ہے اس کی دبر سے ایک بال کو پکڑتا ہے اور اس کو کھینچتا ہے اس کو خیال آتا ہے کہ وہ بے وضو ہو گیا ہے وہ نہ نکلے جب تک آواز نہ سنے یا بو نہ پالے۔''

ابوداوٗد کے الفاظ ہیں:

«إِذَا أَتَى الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَقَالَ لَهُ: إِنَّكَ قَدْ أَحْدَثْتَ، فَلْيَقُلْ لَهُ: كَذَبْتَ، إِلَّا مَا وَجَدَ رِيحًا بِأَنْفِهِ، أَوْ سَمِعَ صَوْتًا بِأُذُنِهِ»[5]

''جب تم میں سے کسی کے پاس شیطان آئے اور اس کو کہے کہ تو بے وضو ہو گیا ہے تو وہ اس کو کہے: تم نے جھوٹ کہا، ماسوائے اس کے کہ اپنی ناک سے بو پالے یا اپنے کان سے آواز سن لے۔''

جہاں شیطان کے سچ کا احتمال بھی ہو وہاں بھی آپ علیہ السلام نے اس کی تکذیب کا حکم دیا ہے۔ تو پھر وہاں کیا حکم ہوگا جہاں اس کا

---

① مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ٤١٤، نیز یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔

② یعنی اس کو تصور ہوتا ہے کہ میری ہوا خارج ہو گئی ہے۔ (مترجم)

③ صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب لا یتوضأ من الشك حتى يتيقن، ج: ۱، ص: ۴۳۔

④ مسند امام احمد ج۳۔ ص ۹۶۔

⑤ سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب في الانتفاخ، حدیث: ١٦٦، ج: ۱، ص: ۱۱۷۔

جھوٹ معلوم اور یقینی ہو؟ جیسے وہ وسوسہ والے کو کہتا ہے تم نے یہ نہیں کیا حالانکہ اس نے کیا ہوتا ہے۔

شیخ ابومحمد کہتے ہیں: انسان کے لیے مستحب ہے کہ پیشاب کے بعد اپنی شرم گاہ اور شلوار پر پانی کے چھینٹے مار لے تا کہ اس کے ذہن سے وسوسہ دور ہو جائے۔ اگر وہ کوئی تری پائے تو کہے کہ یہ اس پانی سے ہے جس کے میں نے چھینٹے مارے تھے۔ کیونکہ ابوداود نے حضرت سفیان بن حکم ثقفی رضی اللہ عنہ یا حکم بن سفیان ثقفی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا بَالَ تَوَضَّأَ وَيَنْتَضِحَ»

''نبی ﷺ جب پیشاب کرتے تو وضو کرتے اور چھینٹے مارتے۔''

ایک روایت میں ہے:

«رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بَالَ ثُمَّ نَضَحَ فَرْجَهُ»[1]

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ نے پیشاب کیا پھر اپنی شرم گاہ پر چھینٹے مارے۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی شرم گاہ پر چھینٹے مارتے حتیٰ کہ ان کی شلوار بھیگ جاتی۔ امام احمد رحمہ اللہ کے پاس ان کے کسی ساتھی نے شکایت کی کہ وہ وضو کے بعد تری پاتا ہے۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ جب وہ پیشاب کرے تو اپنی شرم گاہ پر چھینٹے مارے۔ فرمایا: اس کو بڑی پریشانی نہ سمجھو اور اس پر توجہ نہ دو۔

حضرت حسن رحمہ اللہ یا کسی اور سے اس کے متعلق سوال کیا گیا، فرمایا: ''اس پر توجہ نہ دو'' اس نے سوال دہرایا۔ فرمایا: تمہارا باپ نہ ہو، کیا تم اس سے پیشاب نکلواتے ہو؟ اس پر توجہ نہ دو!

فصل: اہل وسوسہ کی پیشاب کے بعد دس عادتیں

اکثر وسوسہ والے پیشاب کے بعد اس طرح کے کئی کام کرتے ہیں[2] اور یہ دس چیزیں ہیں: سلت، نتر، نحنحہ، مشی، قفز، حبل، تفقد، وجور، حشو، عصابہ اور درجہ۔[3]

سلت: (اچھی طرح ہاتھ پھیرنا) اوپر سے نیچے تک ذکر پر ہاتھ پھیرنا۔ اس کے متعلق ایک غریب حدیث مروی ہے جو ثابت نہیں۔ مسند احمد اور سنن ابن ماجہ میں عیسیٰ بن داود اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلْيَمْسَحْ ذَكَرَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ»[1]

---

[1] مسند امام احمد ج۳۔ ص ۴۱۰۔

[2] پیشاب کے بعد جو کچھ اہل وسوسہ کرتے ہیں اور جو کچھ حضرت امام نے ذکر فرمایا ہے، اسے شیخ محمود خطاب سبکی نے اپنی کتاب الدین الخالص میں واجب قرار دیا ہے۔ پھر یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ بندہ سیڑھی پر چڑھے اور اترے بلکہ کہتے ہیں وہ ایک پہلو پر سوئے۔ پاخانے کے بعد زیادہ صفائی کے متعلق کہتے ہیں: آدمی اپنی دبر کو دھوتا جائے حتیٰ کہ کھردراپن ختم ہو کر جگہ ملائم ہو جائے۔ یہ بات میں اپنی یادداشت سے لکھ رہا ہوں۔ کاش کہ الدین الخالص کتاب میرے پاس ہوتی یا میں اسے حاصل کر پاتا تو شیخ مذکور نے اس کتاب میں جو کچھ مزید شرطیں لگائی ہیں، ان کو حرف بحرف نقل کرتا۔ (عفیفی)

[3] یہاں جو شمار ہوئے ہیں وہ گیارہ ہیں شاید کوئی ایک چیز کسی دوسرے میں شامل ہو۔ (الفقی) [4] سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب الاستبراء بعد البول، حديث: ٢٣٦، ج: ١، ص: ١١٨؛ مسند امام احمد، ج: ٤، ص: ٣٤٧۔

''جب تم میں سے کوئی پیشاب کرے تو وہ اپنے ذکر پر تین مرتبہ ہاتھ پھیرے۔''

جابر بن زید کہتے ہیں: جب تم پیشاب کرو تو اپنے ذکر کے نچلے حصہ پر تین مرتبہ ہاتھ پھیرو اس سے پیشاب رک جائے گا (سنن سعید بن منصور)۔

کہتے ہیں کہ سلت اور نتر (کھینچنے) سے استنجاء کے بعد کچھ لوٹنے کا خدشہ ہو تو وہ نکل آتا ہے۔

کہتے ہیں: اگر اس کے لیے چند قدم مشی (چلنے) کی ضرورت ہو تو ایسا کرلے۔ اچھا ہے۔

نحنحه: (کھانسنا) تاکہ بچا ماندہ نکالا جائے۔

قفز: (اچھلنا) زمین سے تھوڑا سا اٹھے پھر جلدی سے بیٹھے۔

حبل: (رسی) آدمی کوئی ایک رسی لیتا ہے۔ اس سے چمٹتا ہے۔ اٹھنے کے قریب ہوتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی منسلک رہتے ہوئے بیٹھ جاتا ہے۔

تفقد: (تلاش) آدمی ذکر کو پکڑتا ہے۔ پھر نکلنے کی جگہ کو دیکھتا ہے کہ اس میں کچھ باقی ہے یا نہیں۔

وجور: (ڈالنا) ذکر کو پکڑتا ہے۔ پھر سوراخ کھولتا ہے اور اس میں پانی ڈالتا ہے۔

حشو: (بھرنا) بندے کے پاس ایک سلائی اور روئی ہوتی ہے اس کے ساتھ اس کو بھرتا ہے جس طرح کسی زخم کو صاف کر کے بھرا جاتا ہے۔

عصابه: (پٹی) سے مراد ایک کپڑے کو پٹی بنا کر لپیٹنا ہے۔

درجة: (چڑھنا) بندہ کسی سیڑھی پر تھوڑا سا چڑھتا ہے۔ پھر تیزی سے اتر آتا ہے۔

مشی: (چلنا) بندہ چند قدم چلتا ہے پھر دوبارہ ڈھیلے استعمال کرتا ہے۔

ہمارے شیخ کہتے ہیں: یہ سب وسوسے اور بدعت ہیں۔ میں نے سلت اور نتر کے متعلق ان سے تکرار کیا۔ انہوں نے اس کو بھی جائز نہ کہا اور فرمایا: حدیث صحیح نہیں ہے۔ کہا کہ پیشاب کی مثال دودھ کی سی ہے اگر چھوڑ و تو ٹھہر جائے گا اور اگر نکالو تو بہہ پڑے گا۔

کہتے ہیں: جو ان باتوں کا عادی ہو گیا وہ اس شخص کی نسبت سں آزمائش میں پڑ گیا جو ان سے بچا ہے اور توجہ نہیں کرتا۔

کہتے ہیں: اگر یہ سنت ہوتی تو سب لوگوں سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب اس کو اپناتے۔ ایک یہودی نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو کہا تھا: تم کو تمہارے نبی ﷺ نے ہر چیز کی تعلیم دی ہے حتیٰ کہ پاخانہ کا طریقہ بھی؟ فرمایا: ہاں!......[1]

---

[1] مسلم، ابوداود اور ترمذی۔ اس کا بقیہ حصہ ہے''آپ ﷺ نے ہم کو منع کیا ہے کہ ہم پیشاب یا پاخانہ کے وقت قبلہ رخ ہوں یا دائیں ہاتھ سے استنجاء کریں یا ہم میں سے کوئی تین سے کم پتھروں کے ساتھ استنجاء کرے یا گوبر یا ہڈی کے ساتھ استنجاء کرتے۔''(الفقی) مترجم کہتا ہے کہ اسے مسلم نے بیان کیا ہے، کتاب الطهارة ، باب الاستطابة، حدیث: ۲۶۲، ج: ۱، ص: ۲۲۳۔

نبی ﷺ نے ہمیں یہ سب چیزیں یا ان میں سے ایک چیز بھی کہاں سکھائی ہے؟ آپ نے مستحاضہ کو لگام باندھنا[1] سکھایا۔ اسی طرح سلسل البول[2] والے کو بتایا کہ احتیاط کرے اور کپڑا مضبوطی سے باندھ لے۔

فصل: گندے راستے کا وسوسہ

کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کو آسان اور یک طرفہ دین لانے والے (پیغمبر ﷺ) نے تو آسان کر دیا تھا لیکن ان لوگوں نے ان باتوں میں تشدد کیا ہے۔

ان میں سے ایک گلیوں میں ننگے پاؤں چلنا ہے۔ پھر آدمی نماز پڑھے اور اپنے پاؤں نہ دھوئے۔ ابوداود نے اپنی سنن میں بنوعبدالاشہل کی ایک عورت سے بیان کیا ہے۔ کہتی ہیں:

(قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّ لَنَا طَرِيْقًا إِلَى الْمَسْجِدِ مُنْتِنَةً، فَكَيْفَ نَفْعَلُ إِذَا تَطَهَّرْنَا؟ قَالَ: أَوَلَيْسَ بَعْدَهَا طَرِيْقٌ أَطْيَبُ مِنْهَا؟ قَالَتْ: بَلٰى قَالَ: فَهٰذِهٖ بِهٰذِهٖ)[3]

''میں نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! ہمارے لیے مسجد کی طرف ایک راستہ ہے جو گندا ہے۔ جب ہم پاکیزگی اختیار کرلیں تو کیا کریں؟ فرمایا: کیا اس کے بعد اس سے ستھرا راستہ نہیں ہے؟ کہتی ہیں: میں نے کہا: کیوں نہیں! فرمایا: تو یہ اس کے بدلہ میں ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم راستہ میں روندی گئی گندگی پر وضو نہ کرتے تھے۔[4]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو پاخانہ کو روندتا ہے؟ فرمایا: اگر خشک ہو تو کچھ حرج نہیں اور اگر تر ہو تو جہاں لگے وہاں سے دھوئے۔

حفص کہتے ہیں:[5] میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ تھا ہم مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو میں وضو خانہ کی طرف گیا تاکہ اپنے پاؤں کو جو کچھ لگا ہے دھولوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ایسا نہ کرو بے شک تم گندی جگہ کو

---

[1] استحاضہ والی عورت حدیث شریف کے مطابق ایسی مضبوطی سے کپڑا باندھے جس طرح لگام ہے۔ (مترجم)

[2] سلسل البول: وہ بیماری ہے جس میں انسان کو پیشاب کے قطرے مسلسل آتے رہتے ہیں۔ (مترجم)

[3] ابوداؤد اور ترمذی میں اس طرح کی روایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ (الفقی) مترجم کہتا ہے دیکھیے: سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب فی الأذی یصیب الذیل، حدیث: ۳۸۳، ج: ۱، ص: ۳۸۳۔

[4] بروایت ابوداؤد و ترمذی۔ روایت میں وارد لفظ موطیٰ کا مطلب وہ گندگی وغیرہ ہے جو راہ میں روندی جائے۔ اس کی اصل موطؤ ہے۔ عراقی رحمہ اللہ کہتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ وہ کیچڑ وغیرہ سے اپنے پاؤں نہیں دھوتے تھے۔ وہ اس پر اس بناء پر چلتے کہ اس میں اصل طہارت ہے۔ بیہقی رحمہ اللہ نے اس کو خشک نجاست پر محمول کیا ہے کہ وہ لوگ اس کے چھونے سے اپنے پاؤں نہیں دھویا کرتے تھے۔ ترمذی کہتے ہیں: یہ ایک سے زائد اہل علم کا قول ہے۔ کہتے ہیں: اگر آدمی گندی جگہ کو روندلے تو اس پر پاؤں دھونا لازم نہیں، الا یہ کہ وہ تر ہو تو جہاں لگے اس کو دھولے۔ (الفقی) مترجم کہتا ہے دیکھیے: سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب فی الرجل، حدیث: ۲۰۴، ج: ۱، ص: ۱۴۱۔

[5] شاید یہ حفص بن عنان حنفی یمانی ہیں۔ عین پر زیر اور زبر دونوں کے ساتھ۔ مترجم کہتا ہے کہ ان کے حالات کے لیے دیکھیے: تقریب التهذیب ص، ۲۶۰ راوی نمبر: ۱۴۳۸۔

روندتے ہو پھر تم اس کے بعد پاک جگہ کو روندتے ہو (یا صاف جگہ کہا) تو یہ پاک ہو جاتا ہے پس ہم مسجد میں اکٹھے داخل ہو گئے اور ہم نے نماز پڑھی۔

ابوالشعثاء کہتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما منیٰ میں خشک گوبروں اور خونوں کے درمیان ننگے پاؤں چلتے پھر مسجد میں داخل ہوتے۔ اس میں نماز پڑھتے اور اپنے پاؤں نہ دھوتے تھے۔

عمران بن حدیر کہتے ہیں: میں حضرت ابومجلز کے ساتھ جمعہ کے لیے جا رہا تھا راستے میں خشک پاخانے پڑے تھے۔ وہ ان کو پاؤں مارنے لگے اور فرمانے لگے یہ تو بس کالے ڈھیلے ہیں۔ پھر وہ ننگے پاؤں مسجد میں آئے، نماز پڑھی اور اپنے پاؤں کو نہیں دھویا۔

عاصم الاحول کہتے ہیں: ہم حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ کے پاس گئے۔ ہم نے وضو کے لیے پانی منگوایا۔ فرمایا: تمہیں کیا ہوا؟ کیا تم نے وضو نہیں کر رکھا؟ ہم نے کہا کیوں نہیں۔ لیکن راستے میں ہم کچھ گندگیوں سے گزر کر آئے ہیں۔ فرمایا: کیا تم نے کسی تر چیز کو روندا جو تمہارے پاؤں کو لگ گئی ہے؟ ہم نے کہا: نہیں! فرمایا اس سے سخت ترین گندگیوں کا کیا حال ہے جو خشک ہو جاتی ہیں تو ہوائیں ان کو اڑا کر تمہارے سروں اور داڑھیوں پر پھینکتی ہیں؟

فصل: جوتے اور موزے پر گندگی کا وسوسہ

اسی طرح ایک مسئلہ یہ ہے کہ جب موزے اور جوتے کو نیچے سے نجاست لگ جائے تو اس کو زمین کے ساتھ رگڑنا ہی کافی ہے۔ اس میں صحیح سنت کے مطابق نماز جائز ہے۔ اس پر امام احمد رحمہ اللہ کی نص ہے اور ان کے محقق اصحاب نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ابوالبرکات کہتے ہیں: ''صرف رگڑنا کافی ہے'' کی روایت میرے نزدیک صحیح ہے، کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا وَطِيءَ أَحَدُكُمْ بِنَعْلِهِ الْأَذٰى فَإِنَّ التُّرَابَ لَهُ طَهُوْرٌ»۔ وَفِيْ لَفْظٍ: «إِذَا وَطِئَ أَحَدُكُمُ الْأَذٰى بِخُفَّيْهِ فَطَهُوْرُهُمَا التُّرَابُ» [1]

''جب تم میں سے کوئی اپنے جوتے کے ساتھ گندگی کو روندلے تو مٹی اس کو پاک کرنے والی ہے۔ دیگر الفاظ ہیں: جب تم میں سے کوئی اپنے موزوں سے گندگی کو روندلے تو ان کو پاک کرنے والی مٹی ہے۔''

حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں:

«أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: صَلّٰى فَخَلَعَ نَعْلَيْهِ فَخَلَعَ النَّاسُ نِعَالَهُمْ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ: لِمَ خَلَعْتُمْ؟ قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، رَأَيْنَاكَ خَلَعْتَ فَخَلَعْنَا، فَقَالَ: إِنَّ جِبْرِيْلَ اَتَانِيْ فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّ بِهِمَا خُبْثًا، فَإِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَقْلِبْ نَعْلَيْهِ، ثُمَّ لِيَنْظُرْ فَإِنْ رَاٰى خُبْثًا فَلْيَمْسَحْهُ بِالْأَرْضِ ثُمَّ لِيُصَلِّ فِيْهِمَا»

[1] سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب فی الأذی یصیب النعل، حدیث: ۳۸۵، ج: ۱، ص: ۲۶۷۔

’’بے شک رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی اور آپ نے اپنے جوتے اتارے، لوگوں نے بھی اپنے جوتے اُتارے۔ آپ نے فرمایا: تم نے کیوں اتارے؟ کہنے لگے: اے اللہ کے پیغمبر ہم نے آپ کو اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی اتارے۔ فرمایا: بے شک میرے پاس جبریل آئے انہوں نے مجھے بتایا کہ ان میں گندگی ہے۔ جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو وہ اپنے جوتوں کو الٹائے۔ پھر دیکھے اگر کوئی گندگی نظر آئے تو اس کو زمین کے ساتھ صاف کر کے پھر ان میں نماز پڑھے۔‘‘[1]

بلغم وغیرہ پاک چیزیں جن کو گندا سمجھا جاتا ہے، یہاں پر ان کا لگ جانا مراد لینا چند وجوہ کی بناء پر درست نہیں ہے:

پہلی: اس کا نام گندگی نہیں رکھا جاتا۔

دوسری: نماز کے وقت اس کو صاف کرنے کا حکم نہیں کیونکہ یہ اس کو باطل نہیں کرتی۔

تیسری: اس کے لیے نماز میں جوتے نہیں اتارے جاتے۔ یہ عمل غیر حاجت سے ہے۔ اس کا کم ترین درجہ کراہت ہے۔

چوتھی: دارقطنی نے اپنی سنن میں جوتے اتارنے کی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ جِبْرِيْلَ اَتَانِيْ، فَأَخْبَرَنِيْ أَنَّ فِيهِمَا دَمَ حَلَمَةٍ»[3]

’’بے شک حضرت جبرئیل میرے پاس آئے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ اس میں چچڑی کا خون لگا ہے۔‘‘

روایت میں وارد لفظ حلمة بڑی چچڑی کو کہتے ہیں۔

نیز یہ تو بکثرت نجاست کے لگنے کی جگہ ہے تو اس کو سخت چیز سے رگڑنا کافی ہے۔ جس طرح استنجاء کی جگہ ہے یا اس سے بھی بڑھ کر کہ استنجاء کی جگہ پر نجاست دن میں دو یا تین مرتبہ لگتی ہے۔

فصل: عورت کے کپڑے پر گندگی کا وسوسہ

اسی طرح صحیح مذہب کے مطابق عورت کے کپڑے کا نچلا حصہ بھی ہے۔

ایک عورت نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: میں اپنے کپڑے کا نچلا حصہ لمبا رکھتی ہوں اور میں گندی جگہ پر چلتی ہوں؟ وہ بولیں:

«قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يُطَهِّرُهُ مَا بَعْدَهُ»[4]

’’رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اس کے بعد حصہ ہے وہ اس کو پاک کرے گا۔‘‘

نبی ﷺ نے عورت کو رخصت دی ہے کہ وہ اپنے کپڑے کے نچلے حصہ کو ایک بازو بھر لٹکا لے۔[5] یہ تو معلوم ہے کہ اس کو گندگی لگتی ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو دھونے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ عورتوں کو فتویٰ دیا ہے کہ وہ زمین کے ساتھ ہی پاک ہو جاتا ہے۔

---

① اس کو ابوداؤد، حاکم اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔ (الفقی) ② مسند امام احمد، ج: ۳، ص: ۲۰۔

③ سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی النعل، حدیث: ٦٥٠، ج: ١، ص: ٤٢٦۔

④ مسند امام احمد، ج: ۳، ص: ۲۰۔

⑤ ابوداؤد و نسائی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، جب انہوں ازار کا ذکر کیا اور یہ کہ وہ ’’ٹخنوں کے اوپر ہے تو اے اللہ کے پیغمبر! عورت؟ فرمایا: وہ ایک بالشت کپڑا لٹکا لے۔ حضرت ام سلمہ نے کہا: پھر تو اس کا پاؤں کھلا رہے گا۔ فرمایا: تو ایک بازو بھر۔ اس سے زیادہ نہ کرے۔ (الفقی)

فصل: جوتوں میں نماز پڑھنے پر وسوسہ

جن باتوں پر اہل وسوسہ کے دل مطمئن نہیں ہوتے۔ ان میں سے ایک جوتوں میں نماز بھی ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کی سنت ہے۔ آپ کا فعل بھی ہے اور حکم بھی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کَانَ یُصَلِّیْ فِیْ نَعْلَیْهِ[1]

''آپ اپنے جوتوں میں نماز پڑھ لیتے تھے۔''

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْیَهُوْدَ، فَإِنَّهُمْ لَا یُصَلُّوْنَ فِیْ خِفَافِهِمْ وَلَا نِعَالِهِمْ»[2]

''تم یہود کی مخالفت کرو۔ بے شک وہ اپنے موزوں میں نماز نہیں پڑھتے اور نہ اپنے جوتوں میں۔'' (ابوداود)

امام احمد رحمہ اللہ سے کہا گیا: کیا آدمی اپنے جوتوں میں نماز پڑھ سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں! اللہ کی قسم۔

تم وسوسہ والوں کو دیکھو گے کہ جب ان میں سے کسی کو جنازہ کی نماز پڑھنی پڑے تو وہ اپنی ایڑیوں پر کھڑا ہوگا۔ گویا وہ گرم انگارے پر ہے لیکن جوتوں میں نماز نہیں پڑھے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو وہ نظر ڈالے۔ اگر وہ اپنے جوتوں پر کوئی گندگی دیکھے تو اسے صاف کرے اور ان میں نماز پڑھ لے۔''

فصل: جانوروں کے پیشاب والی جگہ پر نماز کا وسوسہ

اسی طرح ایک بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کسی بھی جگہ نماز پڑھنا ہے۔ جہاں بھی اتفاق ہو۔ سوائے قبرستان، حمام اور اونٹوں کے باڑے کے۔ آپ ﷺ نے ان جگہوں پر منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ سے بسند صحیح مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

«جُعِلَتْ لِیَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا، فَحَیْثُمَا أَدْرَکَتْ رَجُلًا مِنْ أُمَّتِیَ الصَّلَاةُ فَلْیُصَلِّ»[3]

''میرے لیے زمین کو سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنایا گیا ہے تو جہاں بھی میری امت کے کسی آدمی کو نماز پا لے وہ وہیں نماز پڑھ لے۔''

آپ ﷺ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کا حکم بھی دیا ہے اور اس پر کسی رکاوٹ یا باڑ کی شرط بھی نہیں لگائی۔

---

① صحیح البخاری، کتاب الصلاة، باب الصلاة فی النعال، ج: ۱، ص: ۲۰۱؛ صحیح مسلم، کتاب المساجد، حدیث: ۶۹/۵۵۵، ج: ۱، ص: ۳۹۱۔

② سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب الصلاة فی النعل، حدیث: ۶۵۲، ج: ۱، ص: ۴۲۷۔

③ بخاری، مسلم وغیرہ بروایت حضرت جابر۔ (الفقی) مترجم کہتا ہے دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب التیمم، باب قول اللّٰه تعالٰی: ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً...﴾، ج: ۱، ص: ۸۶۔

ابن منذر کہتے ہیں: تمام قابل ذکر اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ بکریوں کے باڑے میں نماز جائز ہے سوائے امام شافعی رحمہ اللہ کے۔ انہوں نے کہا: میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں الا یہ کہ وہ باڑہ ان کے گوبر سے صاف ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَلُّوْا فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ، وَلَا تُصَلُّوْا فِيْ أَعْطَانِ الْإِبِلِ»①

''تم بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھو اور تم اونٹوں کے باڑے میں نماز نہ پڑھو۔''

اسے ترمذی نے روایت کیا ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَلُّوْا فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَلَا تُصَلُّوْا فِيْ أَعْطَانِ الْإِبِلِ» أَوْ «مَبَارِكِ الْإِبِلِ»②

''تم بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھو اور تم اونٹوں کے باڑوں میں نماز نہ پڑھو۔ یا۔ اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہوں پر۔''

مسند ہی میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَلُّوْا فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَلَا تُصَلُّوْا فِيْ أَعْطَانِ الْإِبِلِ، فَإِنَّهَا خُلِقَتْ مِنَ الشَّيَاطِيْنِ»③

''تم بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھو اور تم اونٹوں کے باڑوں میں نماز نہ پڑھو۔ بے شک وہ شیاطین سے پیدا کیے گئے ہیں۔''

اس مسئلہ میں حضرت جابر بن سمرہ، براء بن عازب، اسید بن حضیر اور ذی الغرۃ رضی اللہ عنہم سے بھی روایت ملتی ہے۔ سب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

«صَلُّوْا فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ»④

''تم بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھو۔''

احادیث کے بعض الفاظ میں ہے:

«صَلُّوْا فِيْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ فَإِنَّ فِيْهَا بَرَكَةٌ»⑤

''تم بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھو پس بے شک ان میں برکت ہے۔''

---

① جامع ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی أن الأرض کلها مسجد إلا المقبرة، حدیث: ۳۱۷، ج۲، ص: ۱۳۱۔ ② مسند امام احمد ج٤۔ ص ۲۸۸۔

③ مسند امام احمد، ج: ٤، ص: ۸۵۔

④ اس کو امام احمد اور ابن ماجہ نے بھی بیان کیا ہے۔ مترجم کہتا ہے۔ دیکھیے: مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ٤۵۱۔

⑤ امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس مسئلہ میں حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مسلم کی حدیث ہے۔ ابوداؤد میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے۔ ابن ماجہ اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے۔ شیخین کے ہاں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے۔ طبرانی میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے اور احمد اور طبرانی میں حضرت یعیش جہنی رضی اللہ عنہ المعروف بذی الغرہ سے مروی ہے اور اس کی سند کے رجال ثقہ ہیں۔ (الفقی)

اور فرمایا:

«اَلْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبَرَةُ وَالْحَمَّامُ»[1]

''سب زمین سجدہ گاہ ہے سوائے قبرستان اور حمام کے۔''

اسے سب اہل سنن نے ماسوائے نسائی کے روایت کیا ہے۔

کہاں یہ کردار اور سیرت اور کہاں اس شخص کا فعل جو جائے نماز کے بغیر نماز نہیں پڑھتا؟ وہ بچھونے کے اوپر ہے اور بچھونا چٹائی کے اوپر ہے۔ پھر اس کے اوپر رومال رکھتا ہے۔ وہ چٹائی اور بچھونے پر چلتا نہیں بلکہ اس پر اس طرح چلتا ہے جس طرح چڑیا دانہ چگتی ہے۔ یہ لوگ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اِس قول کے بہت مصداق ہیں کہ: تم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہدایت والے ہو یا تم گمراہی کے ایک شعبہ پر ہو؟''[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوریے پر نماز پڑھی جو کثرت استعمال سے کالا ہوگیا تھا۔ آپ کے لیے اس پر پانی کے چھینٹے مارے گئے۔ آپ نے اس پر نماز پڑھی۔ نہ آپ کے لیے اس پر مصلیٰ بچھایا گیا اور نہ کوئی رومال۔[3]

آپ کبھی مٹی پر سجدہ کرتے، کبھی کنکریوں پر اور کبھی کیچڑ میں حتیٰ کہ اس کا نشان آپ کی پیشانی اور ناک پر دیکھا جاتا تھا۔[4]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کتے مسجد میں آتے اور جاتے اور پیشاب کرتے تھے۔ لیکن وہ لوگ اس پر کچھ جگہ دھوتے نہ تھے۔[5] لیکن اس میں پیشاب کا ذکر نہیں۔ یہ اضافہ ابوداؤد میں بسند صحیح ہے۔

فصل: ننگے پاؤں مسجد جانے پر وسوسہ

اِس سلسلے میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رحمہم اللہ اور بعد کے زمانوں میں لوگ مساجد میں ننگے پاؤں کیچڑ وغیرہ میں چل کر آتے تھے۔

یحییٰ بن وثاب کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: کوئی آدمی وضو کرے اور مسجد کی طرف ننگے پاؤں نکل جائے؟ فرمایا: اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔

---

[1] جامع ترمذی، ابواب الصلوٰة، باب ماجاء فی الصلوٰة فی مرابض الغنم، ج:۲، ص:۱۸۰۔

[2] یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے متعلق کہا جو مسجد میں دائرے بنا کر بیٹھتے تھے۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں کنکریاں تھیں۔ ہر حلقہ میں ایک شخص تھا جو ان کو کہتا سو مرتبہ تکبیر کہو۔ وہ سو مرتبہ تکبیر کہتے۔ پھر کہتا سو مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھو۔ وہ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے۔ پھر وہ کہتا تم سو مرتبہ تسبیح پڑھو۔ وہ سو مرتبہ تسبیح پڑھتے۔ آخر تک حدیث..........اسے دارمی نے روایت کیا ہے۔ دیکھیے: ج:۱، ص: ٦٨۔ (الفقی)

[3] اسے بخاری اور مسلم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نماز کے واقعہ میں ذکر کیا ہے جو آپ نے حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر پڑھی تھی جب وہ نابینا ہو گئے اور وہ اپنی قوم کے امام تھے۔ (الفقی)

[4] اسے بخاری اور مسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لیلۃ القدر کی صبح والی نماز کے واقعہ میں ذکر کیا ہے۔ نیز جب آپ نے بروز جمعہ لوگوں کے لیے بارش کی دعا کی تو اللہ نے بارش نازل کی اور مسجد کی زمین بھیگ گئی۔ دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب الطهارة، باب الصلاة على الحصير، ج: ۱، ص: ۱۰۱۔

[5] صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب الماء الذی یغسل به شعر الإنسان، ج: ۱، ص: ۵۱۔

کمیل بن زیاد رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ وہ بارش کے کیچڑ میں چل رہے تھے، پھر مسجد میں داخل ہوئے نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔''

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ لوگ پانی اور کیچڑ سے گزر کر مسجد جاتے تو نماز پڑھتے۔

یحییٰ بن وثاب کہتے ہیں: وہ بارش کے پانی میں چلتے اور ان پر چھینٹے پڑتے تھے۔

یہ روایات امام سعید بن منصور رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں بیان کی ہیں۔

ابن منذر رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما منیٰ میں ننگے پاؤں پانی اور کیچڑ کو روندتے آئے پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

کہتے ہیں: یہی رائے علقمہ، اسود، عبداللہ بن مغفل، سعید بن مسیب، شعبی، امام احمد، ابوحنیفہ، مالک رحمہم اللہ اور شافعیہ کے دو اقوال میں سے ایک قول بھی یہی ہے۔ کہتے ہیں: یہ قول اکثر اہل علم کا ہے۔ اس کو نجس قرار دینے میں بہت بڑی مشقت ہے جس کی شریعت نفی کرتی ہے۔ جیسا کہ کافروں کے کھانے، ان کے کپڑے نیز فاسقوں کے کپڑے اور شراب پینے والوں وغیرہ کا حکم ہے۔

ابوالبرکات ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ سب دلائل زمین کو خشکی کے ساتھ طہارت کے حکم کو مضبوط بنا رہے ہیں۔ کیونکہ انسان عموماً جن راہوں پر چلتا ہے وہاں نجاستوں کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ وہ بازار جا رہا ہو یا مسجد وغیرہ کی طرف، اگر وہ پاک نہ ہوتو جب تک خشکی اس کا اثر ختم نہ کردے اس پر لازم ہے کہ نجاست کے جن علاقوں سے گزرا ان سے اجتناب کرے۔

وسوسہ والوں کے ہاں بعد میں بھی وہاں ننگے پاؤں جانا جائز نہ ہوگا لیکن معلوم ہے کہ سلف صالحین اس سے احتراز نہ کرتے تھے۔

اس کی تائید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بھی ہوتی ہے کہ ''جو اپنے جوتوں میں مسجد جاتے ہوئے گندگی دیکھے وہ ان کو زمین کے ساتھ رگڑے۔'' اگر اس سے زمین نجس ہو جاتی ہو اور خشک ہونے سے پاک نہ ہوتی ہو تو ضرور آپ حکم دیتے کہ مسجد کے راستہ کو اس سے بچایا جائے کیونکہ وہاں پر ننگے پاؤں والے نے بھی چلنا ہے اور دوسرے نے بھی۔

میں کہتا ہوں: ہمارے شیخ رحمہ اللہ کا اختیار کردہ موقف یہی ہے۔

ابوقلابہ کہتے ہیں: زمین کا خشک ہونا اس کا پاک ہونا ہی ہے۔

فصل: کپڑے کو مذی لگنے پر وسوسہ

ایک مسئلہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپ نے اس پر وضو کا حکم دیا۔ سوال کیا گیا:

«كَيْفَ تَرٰى بِمَا أَصَابَ ثَوْبِيْ مِنْهُ؟ قَالَ: تَأْخُذُ كَفًّا مِنْ مَّاءٍ فَتَنْضَحُ بِهٖ حَيْثُ تَرٰى أَنَّهٗ أَصَابَهٗ»[1]

''آپ کا کیا فرمان ہے اس کے متعلق جو اس میں سے میرے کپڑے کو لگ گیا ہے؟ فرمایا: ایک ہتھیلی پانی کی لپ بھر، اس کے وہاں پر چھینٹے مارو جہاں تم دیکھتے ہو کہ وہ لگ گیا ہے۔''

---

[1] اسے ابوداؤد، ابن ماجہ اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے اس کو بروایت حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ حسن صحیح کہا ہے۔ (الفقی) مترجم کہتا ہے دیکھیے: مسند امام احمد، ج: ۱، ص: ۱۰۴۔

آپ ﷺ نے جہاں مذی لگی ہو اس پر چھینٹے مارنا جائز کہا ہے، جس طرح بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارنے کا حکم دیا۔ (1)
ہمارے شیخ کہتے ہیں: یہی درست ہے۔ کیونکہ اس نجاست سے بچاؤ بہت مشکل ہے۔ تنہا رہنے والے جوان کے کپڑوں کو بکثرت لگ سکتی ہے۔ یہ بچے کے پیشاب اور جوتے اور موزے کے نچلے حصہ سے بھی بڑھ کر تخفیف کے قابل ہے۔

فصل: کپڑوں پر خون اور گندگی لگنے پر وسوسہ

اسی طرح ایک مسئلہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی سنت کے مطابق مسلمانوں کا اجماع ہے کہ گرمی اور سردی کے زمانوں میں (پاخانہ کے بعد) ڈھیلے استعمال کرنا جائز ہے۔ باوجودیکہ اس جگہ پر پسینہ بھی آتا ہے اور قطرے کپڑوں کو لگتے ہیں لیکن آپ نے اس کے دھونے کا حکم نہیں دیا۔

اسی طرح خچر، گدھے وغیرہ جانوروں کے معمولی گوبر پر معافی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایات میں سے ایک یہ ہے۔ ہمارے شیخ نے بھی احتراز کی مشقت کی وجہ سے اسی کو اختیار کیا ہے۔

ولید بن مسلم کہتے ہیں: میں نے اوزاعی رحمہ اللہ سے کہا: ان جانوروں کے پیشاب کا کیا حکم ہے جن کا گوشت نہیں کھایا جاتا مثلاً خچر، گدھا اور گھوڑا؟ (2) فرمایا: غزوات میں یہ مسئلہ پیش آتا تھا تو صحابہ کرام اپنے جسم اور کپڑوں کو نہ دھوتے تھے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے نص بیان کی ہے کہ معمولی سی ودی پر مذی کی طرح معافی ہے۔

اسی طرح معمولی سی قے پر بھی امام احمد رحمہ اللہ نے معافی کی نص بیان کی ہے۔

ہمارے شیخ کہتے ہیں: پیپ کی تمام اقسام پر کپڑے اور جسم کو دھونا واجب نہیں ہے۔ کہتے ہیں: اس کی نجاست پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

بعض اہل علم کا مذہب اس کی طہارت کا ہے۔ اسے ابوالبرکات نے بیان کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پیپ پر نماز سے نکلتے نہ تھے جبکہ وہ خون سے نکلتے تھے۔ (3) حضرت حسن رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ابومجلز رحمہ اللہ سے پیپ کے متعلق سوال کیا گیا کہ وہ کپڑے یا بدن کو لگ جائے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں۔ اللہ نے صرف خون کا ذکر کیا ہے پیپ کا نہیں کیا۔ اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: خون کے علاوہ ہر چیز میرے نزدیک بدبودار پسینے وغیرہ کی طرح ہے۔ وہ وضو کو واجب نہیں کرتی۔

امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کے نزدیک خون اور پیپ برابر ہے؟ فرمایا: نہیں! خون میں لوگوں کا اختلاف نہیں ہے جبکہ پیپ میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا: پیپ کی تمام اقسام میرے نزدیک خون سے خفیف ہیں۔

---

(1) اسے بخاری، مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے پاس اپنا چھوٹا بچہ لے کر آئیں جو کھانا نہیں کھاتا تھا اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے پانی منگوایا اس پر چھینٹے مارے اور اس کو دھویا نہیں۔ مترجم کہتا ہے دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب بول الصبیی، ج: ۱، ص: ۶۲۔

(2) سائل کے نزدیک گھوڑے کا گوشت کھانا حرام ہوگا۔ لیکن یہ حرام نہیں ہے۔ (مترجم)

(3) خون بہتے ہوئے نماز جاری رکھنا کثیر صحابہ کے عمل سے ثابت ہے، جیسے کہ گزر چکا ہے۔ (مترجم)

اسی طرح وہ مسئلہ ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ: اگر چوہے کی مینگنی گندم میں گر جائے اسے پیسا یا پکایا جائے یا مائع تیل میں گر جائے تو اس کا کھانا جائز ہے، بشرطیکہ تغیر بیان نہ ہو۔ کیونکہ اس کو اس سے بچانا ممکن نہیں ہے۔ کہتے ہیں اگر پانی میں گر جائے تو اس کو نجس کر دے گی۔

بعض شوافع کا مذہب اس گندم کو بغیر دھوئے کھا لینے کے جواز کا ہے جسے کھیت [1] میں گدھے کا پیشاب لگ جائے۔ کہتے ہیں: کیونکہ سلف نے اس سے احتراز نہ کیا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم گوشت کھاتے تھے جبکہ خون کی لکیریں ہنڈیا پر ہوتی تھیں۔

اللہ عزوجل نے کتے کا شکار کیا ہوا مباح کیا اور اسے مطلق بیان کیا ہے۔ یہ حکم نہیں دیا کہ اس کے منہ کی جگہ، اس کے کاٹنے کی جگہ اور اس کے پنجے کی جگہ کو دھویا جائے، نہ ہی اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے اور نہ کسی صحابی نے یہ فتویٰ دیا ہے۔

اسی طرح وہ فتویٰ بھی ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر، عطاء بن ابی رباح، سعید بن مسیب، طاؤس، سالم، مجاہد، شعبی، ابراہیم نخعی، زہری، یحییٰ بن سعید انصاری، حکم، اوزاعی، مالک، اسحاق بن راہویہ اور ابوثور رحمہم اللہ کا ہے، اور دو میں سے صحیح ترین روایت امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ہے، اور دیگر ائمہ سے بھی کہ: اگر آدمی اپنے بدن پر یا کپڑے پر نماز کے بعد نجاست دیکھے جس کا اس کو علم نہ تھا، یا علم تھا لیکن بھول گیا، یا بھولا نہیں لیکن اس کو صاف کرنے سے عاجز تھا تو اس کی نماز صحیح ہے۔ اس پر اُسے دہرانا لازم نہیں ہے۔

فصل: بچوں کے لعاب اور نماز پر وسوسہ

ایک مسئلہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

«كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ ابْنَتِهِ زَيْنَبَ، فَإِذَا رَكَعَ وَضَعَهَا، وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا» [2]

''نماز پڑھتے اور آپ اپنی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی امامہ کو اٹھائے ہوتے۔ جب آپ رکوع کرتے تو اس کو بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے اس کو اٹھا لیتے۔''

ابوداؤد میں ہے کہ:

«إِنَّ ذٰلِكَ كَانَ فِيْ إِحْدٰى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ» [3]

''یہ رات کی دو نمازوں میں سے ایک میں تھا (یعنی مغرب یا عشاء میں)۔''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پرورش کنندہ، رضاعت کنندہ، حائض اور بچے کے کپڑے میں نماز جائز ہے جب تک ان کی نجاست ثابت نہ ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] کھیت/ کھلیان کے لیے لسان العرب کے مطابق دارس اور لغت اہل شام میں دیاس کا لفظ ہے۔ (عفیفی)

[2] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب إذا جمل جاریة صغیرة علی عنقه فی الصلاۃ، ج: ۱، ص: ۱۳۱؛ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب جواز حمل الصبیان فی الصلاۃ، حدیث: ٤١، ج: ۱، ص: ۳۸۵۔

[3] سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب العمل فی الصلاۃ، حدیث: ۹۱۷، ج: ۱، ص: ۵۶۳۔

«كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ صَلَاةِ الْعِشَاءِ فَلَمَّا سَجَدَ وَثَبَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلٰى ظَهْرِهٖ، فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهٗ أَخَذَهُمَا بِيَدَيْهِ مِنْ خَلْفِهٖ أَخْذًا رَفِيْقًا وَوَضَعَهُمَا عَلَى الْأَرْضِ، فَإِذَا عَادَ عَادَا، حَتّٰى قَضٰى صَلَاتَهٗ»[1]

''ہم نبی ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز میں تھے۔ جب آپ نے سجدہ کیا تو حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما آپ کی کمر پر چڑھ گئے۔ جب آپ نے اپنا سر اٹھایا تو ان دونوں کو اپنے پیچھے سے اپنے دونوں ہاتھوں کے ساتھ نہایت نرمی سے پکڑا اور ان کو زمین پر بٹھا دیا۔ جب آپ نے دوبارہ سجدہ کیا تو ان دونوں نے پھر وہی کیا۔ حتیٰ کہ آپ نے نماز پوری کی۔''

شداد بن الہاد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں:

«خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ حَامِلٌ اَلْحَسَنَ أَوِ الْحُسَيْنَ۔، فَوَضَعَهٗ، ثُمَّ كَبَّرَ لِلصَّلَاةِ، فَصَلّٰى فَسَجَدَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ صَلَاتِهٖ سَجْدَةً أَطَالَهَا، فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَالَ: إِنَّ ابْنِيْ إِرْتَحَلَنِيْ فَكَرِهْتُ أَنْ أُعْجِلَهٗ»[2]

''رسول اللہ ﷺ ہماری طرف نکلے جبکہ آپ حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا حسین رضی اللہ عنہ کو اٹھائے ہوئے تھے ان کو بٹھا دیا پھر نماز کے لیے تکبیر کہی پس نماز پڑھائی۔ اپنی نماز کے دوران میں آپ نے ایک سجدہ بہت لمبا کیا۔ جب آپ نے نماز پوری کی تو فرمایا: میرا بیٹا میرے اوپر چڑھ گیا تھا میں نے اس کو جلدی اتارنا پسند نہ کیا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ وَأَنَا إِلٰى جَنْبِهٖ، وَأَنَا حَائِضٌ، وَعَلَيَّ مِرْطٌ وَعَلَيْهِ بَعْضُهٗ»[3]

''رسول اللہ ﷺ رات کو نماز پڑھ رہے ہوتے اور میں آپ کے پہلو میں (لیٹی) ہوتی اور (حالانکہ) میں حائض تھی۔ مجھ پر ایک چادر ہوتی تھی جس کا کچھ حصہ آپ پر بھی ہوتا تھا۔''

نیز فرماتی ہیں:

«كُنْتُ أَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَبِيْتُ فِي الشِّعَارِ الْوَاحِدِ، وَأَنَا طَامِثٌ حَائِضٌ۔ فَإِنْ أَصَابَهٗ مِنِّيْ شَيْءٌ غَسَلَ مَكَانَهٗ وَلَمْ يَعْدُهٗ وَصَلّٰى فِيْهِ»[4]

''میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی چادر میں رات کو سوتے تھے جبکہ میں حائض ہوتی۔ اگر آپ کو مجھ سے کوئی چیز لگ جاتی تو اس جگہ کو دھو لیتے مزید کچھ نہ کرتے اور اس میں نماز پڑھتے۔''

---

① مسند امام احمد، ج:۲، ص: ۵۱۳۔

② مسند امام احمد، ج:۳، ص: ۴۹۳۔

③ سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ علی الخمرۃ، حدیث: ٦٥٦، ج: ١، ص: ٤٢٩۔

④ سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب فی اتیان الحائض و مباشرتھا، حدیث: ٢١٦٦، ج: ٢، ص: ٦٢١۔

فصل: مشرکوں کے بنے ہوئے کپڑے

ایک مسئلہ یہ ہے کہ نبی ﷺ وہ کپڑے پہن لیتے تھے جو مشرکین بنتے تھے اور آپ ان میں نماز پڑھتے تھے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول گزر چکا ہے اور ان کا ارادہ بھی کہ لوگوں کو ایسے کپڑے پہننے سے منع کریں جن کے متعلق ان کو پتہ چلا تھا کہ وہ پیشاب سے رنگے جاتے ہیں اور حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کا ان کو فرمانا کہ: آپ اس سے کیوں روک رہے ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو پہنا ہے اور آپ کے زمانہ میں یہ پہنے گئے ہیں؟ اگر اللہ جانتا کہ یہ حرام ہیں تو ضرور اپنے پیغمبر پر یہ واضح کر دیتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے سچ کہا ہے۔

میں کہتا ہوں: جوخ[1] کا بھی اسی پر قیاس ہوگا۔ بلکہ یہ ان کپڑوں کی نسبت عدم نجاست کا زیادہ حقدار ہے تو اس سے بچنا یا اس کو نجس کہنا وسوسہ کے باب سے ہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ''جابیہ'' میں پہنچے تو ایک عیسائی سے کپڑا مستعار لے کر پہنا حتیٰ کہ اس نے آپ کے لیے قمیص کو سیا اور اس کو دھویا۔

آپ نے ایک عیسائی عورت کے گھڑے سے وضو بھی کیا۔

حضرت سلمان اور ابو درداء رضی اللہ عنہما نے ایک عیسائی عورت کے گھر میں نماز پڑھی۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: کیا تمہارے گھر میں کوئی پاک جگہ ہے جہاں ہم نماز پڑھیں؟ وہ بولی: تم دونوں اپنے دلوں کو پاک رکھو۔ پھر جہاں پسند کرو نماز پڑھو! حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان کو فرمایا: غیر فقیہ سے یہ مسئلہ لے لو۔

فصل: کھلے حوضوں اور تالابوں کے پانی پر وسوسہ

ایک مسئلہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کھلے حوضوں اور برتنوں سے وضو کرتے تھے۔ یہ نہ پوچھتے کہ اس کو کوئی نجاست لگی ہے یا یہاں کوئی کتا یا درندہ آیا ہے؟ موطا میں حضرت یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چند مسافروں کے ساتھ سفر پر نکلے۔ ان میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بھی تھے وہ ایک حوض پر پہنچے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: اے حوض والے! کیا تیرے حوض پر درندے بھی آتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمیں نہ بتاؤ ہم درندوں کے بعد آتے ہیں اور وہ ہمارے بعد آتے ہیں۔[2]

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے

«سُئِلَ: أَنَتَوَضَّأُ بِمَا أَفْضَلَتِ الْحُمُرُ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَبِمَا أَفْضَلَتِ السِّبَاعُ»[3]

''سوال کیا گیا: کیا ہم اس پانی سے وضو کریں جو گدھوں نے (پینے کے بعد) چھوڑا ہو؟ فرمایا: ہاں اور اس کے ساتھ وہ بھی جو درندوں نے چھوڑا ہو۔''

---

[1] یہ ایک قسم کا اونی کپڑا ہے۔ (مترجم)

[2] مؤطا امام مالك، كتاب الطهارة، باب الطهور للوضوء، حديث: ١٤، ج: ١، ص: ٢٣۔

[3] سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب الحياض، حديث: ٥١٩، ج: ١، ص: ١٧٣۔

اسی طرح اگر کسی پرنالے سے کوئی چیز گرے اور بندے کو معلوم نہیں کہ وہ کیا ہے پانی ہے یا پیشاب؟ اس پر لازم نہیں کہ اس کے متعلق سوال کرے۔ اگر سوال کرے تو جس سے پوچھا گیا ہے اس پر جواب دینا لازم نہیں گو اسے معلوم ہو کہ وہ نجس ہے اور اس پر اس کا دھونا واجب نہیں ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک دن گزر رہے تھے۔ ایک ساتھی بھی ہمراہ تھا۔ آپ پرنالے سے کچھ گرا۔ آپ کے ساتھی نے کہا: اے پرنالے والے! تیرا پانی پاک ہے یا نجس؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے پرنالے والے! ہمیں خبر نہ دو اور آگے چل دیے۔

ہمارے شیخ کہتے ہیں: اسی طرح کسی کے پاؤں کو یا دامن کو رات کے وقت کوئی تر چیز لگ جائے اور اسے معلوم نہیں کہ کیا ہے۔ اس پر لازم نہیں کہ وہ اسے سونگھے اور پہچان کرے کہ کیا ہے؟

انہوں نے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پرنالے والے واقعہ سے دلیل لی ہے۔ یہی اصل فقہ ہے۔ احکام تو مکلف پر تبھی لاگو ہوتے ہیں جب اس کو ان کے اسباب کا علم ہو جائے۔ رہا اس سے قبل کا معاملہ تو اس پر معافی ہے، تو جس چیز پر اللہ نے معافی رکھی ہو اس کی کرید مناسب نہیں ہے۔

فصل: کپڑوں پر معمولی خون اور پانی کی طہارت

ایک مسئلہ یہ ہے کہ معمولی خون کے ساتھ نماز ہو جائے گی۔ اس کو دہرانا لازم نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حسن رحمہ اللہ نے فرمایا: مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نماز پڑھتے رہے۔

کہتے ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک پھنسی کو دبایا تو اس سے خون نکل آیا آپ نے وضو نہیں کیا۔

حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے خون تھوکا اور اپنی نماز کو جاری رکھا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی جبکہ ان کا زخم خون بہا رہا تھا۔[1]

---

[1] یثعب عین پر زبر ہے یعنی چلتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ان آثار کے ساتھ باب "من لم یر الوضوء إلا من المخرجین القبل والدبر" میں ذکر نہیں کیا۔ بلکہ اس سے پہلے ذکر کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ ذات الرقاع میں تھے۔ ایک آدمی کو تیر لگ گیا تیر نے بہت خون نکالا اور نکل گیا۔ انہوں نے سجدہ کیا اور نماز کو جاری رکھا۔ فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۷ میں حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جابر رضی اللہ عنہ کے اثر کو ابن اسحاق نے مغازی میں موصولاً بیان کیا ہے۔ اسے احمد، ابوداؤد، دارقطنی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔ پھر کہتے ہیں: بظاہر بخاری کی رائے یہ ہے کہ نماز میں خون کا نکلنا اس کو باطل نہیں کرتا۔ اس کی دلیل انہوں نے بعد میں ذکر کی ہے جو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا اثر ہے۔ کہتے ہیں: مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نماز پڑھتے رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے کہ انہوں نے اس حال میں نماز پڑھی کہ ان کا زخم خون بہا رہا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حسن رحمہ اللہ کے اثر کے بعد کہا: اور طاؤس نے باسناد صحیح کہا ہے۔ عطاء کے اثر کو عبدالرزاق نے موصولاً بیان کیا ہے۔ عبدالرزاق نے اسے بطریق ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیرؒ، ابن ابی شیبہ نے بطریق ابن عمر و سعید بن مسیب، اسماعیل القاضی نے بطریق ابی الزناد اہل مدینہ کے فقہاء سبعہ سے ذکر کیا ہے۔ یہی قول امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر کو ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح موصولاً ذکر کیا ہے۔ "اور وضو نہیں کیا" سے پہلے "پھر نماز پڑھی" کا اضافہ کیا ہے۔ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ ہے اور یہ صحابی ہیں۔ اسے سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں باسناد صحیح موصولاً بیان کیا ہے۔ پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے ان آثار کے ذکر کے بعد لکھا ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حسن رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فرمایا جو سینگی لگواتا ہے۔ اس پر صرف سینگی کی جگہوں کو دھونا لازم ہے۔ (الفقی)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے عہد سے آج تک دودھ پلانے والیاں اپنے کپڑوں میں نماز پڑھتی ہیں۔ جبکہ بچے دودھ نکال دیتے ہیں۔ ان کا لعاب ان عورتوں کے کپڑوں اور بدن کو لگتا ہے۔ وہ کچھ بھی نہیں دھوتیں۔ کیونکہ دودھ پیتے بچے کی تھوک اس کے منہ کو بضرورت پاک کرتی ہے جس طرح بلی کی تھوک اس کے منہ کو پاک کرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے (بلی کے متعلق) فرمایا ہے:

«إِنَّهَا لَيْسَتْ بِنَجَسٍ، إِنَّهَا مِنَ الطَّوَّافِينَ عَلَيْكُمْ وَالطَّوَّافَاتِ» ①

''یہ نجس نہیں ہے۔ یہ تم پر چکر لگانے والوں اور چکر لگانے والیوں میں سے ہے۔''

«وَكَانَ يُصْغِيْ لَهَا الْإِنَاءَ حَتّٰى تَشْرَبَ» ②

''اور آپ اس کے لیے برتن کو جھکاتے حتیٰ کہ وہ پانی پی لے۔''

اسی طرح حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی کیا۔ باوجودیکہ یقینی علم ہے کہ وہ چوہے اور حشرات کھاتی ہے۔ یہ بھی قطعی معلوم ہے کہ مدینہ میں قلتین (دو قلّے کی مقدار) سے بڑھ کر حوض نہ تھے جن پر بلیاں آتی ہوں۔ یہ دونوں باتیں قطعی معلوم ہیں۔

اسی طرح صحابہ اور ان کے بعد والے نماز پڑھتے جبکہ وہ اپنی تلواریں اٹھائے ہوتے جن کو خون لگا ہوتا۔ وہ ان کو صاف کر لیتے اور اس کو کافی سمجھتے۔

بنابریں قیاس صقلی آئینہ صاف کرنا بھی ہے جب اس کو نجاست لگ گئی ہو صاف کرنے سے وہ پاک ہو جاتا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے قصاب کی چھری کو صاف کرنے سے طہارت پر نص بیان کی ہے۔ اسی طرح دھوبی کی رسّی پر نص بیان کی ہے۔ وہ اس پر نجس کپڑے ڈالتا ہے۔ پھر اس کو دھوپ خشک کرتی ہے۔ پھر اس پر پاک کپڑے ڈالتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی طرح ہے کہ نجس زمین کو دھوپ اور ہوا پاک کرتی ہے۔ حنابلہ کے نزدیک بھی ایک صورت یہی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس سے تیمم کو بھی جائز کہتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اس میں نص کی طرح ہے۔ وہ ان کا قول ہے کہ کتے مسجد میں آتے جاتے اور پیشاب کرتے تھے اور وہ اس پر کچھ بھی پانی نہ بہاتے تھے۔

اس سے بنیادی بات یہی سمجھ آتی ہے کہ ہوا اور دھوپ سے زمین کی طہارت کا فتویٰ ہے، اسی طرح ایک مسئلہ سنت

---

① احمد، ترمذی اور نسائی۔ ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اسے بخاری، عقیلی، ابن خزیمہ اور ابن حبان رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا بنت کعب بن مالک سے مروی ہے، وہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے نکاح میں تھیں: ابوقتادہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے۔ میں نے ان کے لیے وضو کا پانی ڈالا۔ ایک بلی آئی اور وہ اس سے پانی پینے لگی۔ انہوں نے اس کے لیے برتن کو جھکا دیا حتیٰ کہ اس نے پی لیا۔ حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: انہوں نے دیکھا کہ میں ان کو دیکھ رہی ہوں۔ کہا: اے بھتیجی! کیا تو تعجب کرتی ہے؟ میں نے کہا ہاں! فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: بے شک یہ نجس نہیں ہے یہ تم پر چکر لگانے والوں اور چکر لگانے والیوں میں سے ہے''(الفقی)۔ مترجم کہتا ہے دیکھیے: سنن ابی داود، کتاب الطهارة، باب سؤر الهرة، حدیث: ۷۵، ج:۱، ص:۶۰۔

② اسے دارقطنی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ بلی کے لیے برتن کو جھکا دیتے حتیٰ کہ وہ پی لیتی پھر اس کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرتے۔ مترجم کہتا ہے دیکھیے: سنن دار قطنی، ج:۱، ص: ۶۶۔

رسول ﷺ کی دلالت اور آثار صحابہ سے ثابت ہے کہ پانی تغیر کے بغیر نجس نہیں ہوتا گو وہ کم ہی ہو۔

یہ قول اہل مدینہ، جمہور سلف اور اہل حدیث کا ہے۔ اسی کا فتویٰ عطاء بن ابی رباح، سعید بن مسیب، جابر بن زید، اوزاعی، سفیان ثوری، مالک بن انس اور عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ نے دیا ہے۔ ابن منذر رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اہل ظاہر کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایات میں سے ایک کے مطابق اسی پر نص ہے۔ ہمارے اصحاب میں سے ایک جماعت نے بھی اس کو اختیار کیا ہے جن میں ابن عقیل ہیں جنہوں نے اپنے مفردات میں بیان کیا ہے اس کے علاوہ ہمارے شیخ ابوالعباس اور ان کے شیخ ابن ابی عمر بھی شامل ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَاءُ لَا یُنَجِّسُهٗ شَیْئٌ»[1]

''پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔''

مسند اور سنن میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

«قِیْلَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَنَتَوَضَّأُ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ؟ وَهِیَ بِئْرٌ یُلْقٰی فِیْهَا الْحِیَضُ وَلُحُوْمُ الْكِلَابِ وَالنَّتْنُ۔ فَقَالَ: اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ، لَا یُنَجِّسُهٗ شَیْئٌ»[2]

''کہا گیا اے اللہ کے پیغمبر! کیا ہم بئر بضاعہ سے وضو کر لیں؟ اس کنویں میں حیض کے کپڑے، کتوں کے گوشت اور گندگی گرائی جاتی ہے۔ فرمایا پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔''

ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: بئر بضاعہ کی حدیث صحیح ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«إِنَّهٗ یُسْتَقٰی لَكَ مِنْ بِئْرِ بُضَاعَةَ، وَهِیَ بِئْرٌ یُطْرَحُ فِیْهَا مَحَایِضُ النِّسَاءِ، وَلَحْمُ الْكِلَابِ، وَعَذَرُ النَّاسِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ الْمَاءَ طَهُوْرٌ لَا یُنَجِّسُهٗ شَیْئٌ»[3]

''آپ کے لیے بئر بضاعہ سے پانی لایا جاتا ہے جبکہ اس کنویں میں عورتوں کے حیض کے کپڑے، کتوں کا گوشت اور لوگوں کی گندگیاں گرائی جاتی ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک پانی پاک ہے۔ اس کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔''

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث مروی ہے:

«اَلْمَاءُ لَا یُنَجِّسُهٗ شَیْئٌ إِلَّا مَا غَلَبَ عَلٰی رِیْحِهٖ، أَوْ طَعْمِهٖ، أَوْ لَوْنِهٖ»[4]

''پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی مگر جو اس کی بو یا اس کے ذائقے یا اس کے رنگ پر غالب آ جائے۔''

---

[1] مسند امام احمد، ج: ۱، ص: ۲۳۷۔ [2] ایضًا۔ [3] ایضًا

[4] نیز دیکھیے: سنن النسائی، کتاب المیاہ، باب ذکر بئر بضاعة، ج: ۱، ص: ۱۷۳۔

اسی بارے میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

«سُئِلَ عَنِ الْحِيَاضِ الَّتِيْ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ، تَرِدُهَا السِّبَاعُ وَالْكِلَابُ وَالْحُمُرُ، وَعَنِ الطَّهَارَةِ بِهَا؟ فَقَالَ: لَهَا مَا حَمَلَتْ فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَنَا مَا غَبَرَ طَهُوْرٌ»[1]

''ان حوضوں کے متعلق سوال کیا گیا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہیں۔ ان پر درندے، کتے اور گدھے وارد ہوتے ہیں۔ اور ان سے وضو کے متعلق سوال کیا گیا؟ تو آپ نے فرمایا: ان کے لیے ہے جو انہوں نے اپنے پیٹوں میں اٹھالیا اور جو بچ جائے وہ ہمارے لیے پاک کرنے والا ہے۔''

گو کہ ان دو حدیثوں کی سندوں پر اعتراض ہے لیکن ہم نے ان کو استشہاد کے طور پر ذکر کیا ہے نا کہ اصل اعتماد کے طور پر۔

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: زہری رحمہ اللہ نے فرمایا: پانی پر کوئی اعتراض نہیں جب تک اس کا ذائقہ یا بو یا رنگ نہ بدل جائے۔

زہری رحمہ اللہ نے ہی فرمایا: جب برتن میں کتا منہ مارے اور آدمی کے پاس اس کے علاوہ وضو کے لیے پانی نہ ہو تو اس سے وضو کرلے پھر تیمم کرلے۔

سفیان رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ بعینہ فقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا﴾ (المائدۃ: ٦) ''پس پانی نہ پاؤ تو تیمم کرلو۔'' یہ ایک پانی ہے۔ لیکن دل میں اس کے متعلق کچھ کھٹکا ہے۔ لہٰذا اس سے وضو کرلے پھر تیمم کرلے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے زیتون کے بھرے ہوئے بڑے گھڑے کے متعلق نص بیان کی ہے کہ جس میں کتے نے منہ مارا۔ فرمایا: وہ زیتون کھایا جائے گا۔

فصل: ہر ایک کی دعوت قبول کرنا اور ترک تکلف

نبی اکرام صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کی دعوت قبول کرلیتے۔ اس کا کھانا کھالیتے۔ ایک یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اس میں جو کی روٹی اور بدبودار چربی تھی۔[2]

مسلمان اہل کتاب کا کھانا کھالیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کتاب پر ہر گزرنے والے مسلمان کی ضیافت کی پابندی لگائی تھی۔ آپ فرماتے ''جو خود کھاتے ہو ان کو بھی کھلاؤ۔'' جبکہ اللہ عزوجل نے اس کو اپنی کتاب میں حلال کہا ہے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام آئے تو اہل کتاب نے ان کے لیے کھانا پکایا اور بلانے آئے آپ نے فرمایا: کہاں ہے؟ وہ بولے: گرجا میں۔ آپ نے وہاں جانا پسند نہ کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم لوگوں کو لے کر چلے جاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو لے گئے وہ اندر گئے اور کھانا کھایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تصویریں دیکھنے لگے اور فرمایا: امیر المومنین کو کیا تھا اگر وہ بھی آجاتے اور کھانا کھاتے۔

---

① مسند امام احمد، ج:۳، ص: ۳۱۔

② اسے امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ ابوالبرکات ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح مروی ہے کہ آپ نے مشرکہ عورت کے مشکیزہ سے وضو کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نصرانی عورت کے گھڑے سے وضو کرنا مروی ہے۔

نبی ﷺ اپنی بیٹی کے دونوں بیٹوں (حضرات حسنین رضی اللہ عنہما) کے منہ سے بوسہ لیتے تھے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے منہ لگنے کی جگہ سے پانی پیتے۔آپ ﷺ ہڈی چوستے اور اپنا منہ ان کے منہ کی جگہ پر رکھتے حالانکہ وہ حائضہ ہوتی تھیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھے پر اٹھایا جبکہ ان کا لعاب ان پر بہہ رہا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا آپ نے اس کو اپنی گود میں بٹھایا اس نے آپ پر پیشاب کر دیا۔آپ نے پانی منگوایا اس پر چھینٹے مارے اور اس کو نہیں دھویا۔آپ کے پاس بچوں کو لایا جاتا تھا۔آپ ان کو اپنی گود میں بٹھاتے اور ان کے لیے دعائے برکت فرماتے تھے۔

اس طرح کی کثیر احادیث میں سے ہم نے یہ چند ایک ذکر کی ہیں۔جسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کی سیرت کا علم ہے اس پر حقیقت حال مخفی نہیں ہے۔امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں نبی کریم ﷺ سے بیان کیا ہے:

«بُعِثْتُ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحَةِ»[1]

''مجھے یکطرفہ آسان دین دے کر بھیجا گیا ہے۔''

آپ ﷺ نے اپنے دین کا یکطرفہ اور آسان ہونا اکٹھا بیان فرمایا۔یہ توحید میں یکطرفہ ہے۔عمل میں آسان ہے۔ان دونوں کے الٹ شرک اور حلال کو حرام بنانا ہے۔یہی وہ دو باتیں ہیں جن کو نبی ﷺ نے اس حدیث (قدسی) میں بیان کیا ہے جسے آپ پروردگار تبارک وتعالیٰ سے بیان کرتے ہیں: فرمایا

«إِنِّيْ خَلَقْتُ عِبَادِيْ حُنَفَاءَ، وَإِنَّهُمْ اَتَتْهُمُ الشَّيَاطِيْنُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِيْنِهِمْ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا أَحْلَلْتُ لَهُمْ، وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ يُّشْرِكُوْا بِيْ مَالَمْ أُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا»[2]

''بے شک میں نے اپنے بندوں کو یکطرفہ دین پر پیدا کیا ہے۔ان کے پاس شیاطین آئے انہوں نے ان کو ان کے دین سے پھیر دیا۔انہوں نے ان پر وہ کچھ حرام کیا جو میں نے ان پر حلال کیا تھا۔انہوں نے ان کو حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ شریک ٹھہرائیں جس کی میں نے کوئی بھی دلیل نازل نہیں کی۔''

شرک اور حلال کو حرام بتانا یہ دونوں اکٹھے ہیں۔ان دونوں پر ہی اللہ نے اپنی کتاب میں سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف میں مشرکین پر عیب لگایا ہے۔

نبی ﷺ نے دین میں تکلف کرنے والوں کی مذمت کی ہے اور ان کی بربادی کی خبر دی ہے۔فرمایا:

«أَلَا هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ، أَلَا هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ، أَلَا هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ»[3]

''خبردار! تکلف والے ہلاک ہوئے۔خبردار تکلف والے ہلاک ہوئے۔خبردار تکلف والے ہلاک ہوئے۔''

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمیں اسامہ نے مسعر سے بیان کیا کہ معن بن عبدالرحمن نے ان کو ایک تحریر دکھائی اور اللہ کی

---

① مسند امام احمد، ج: ٥، ص: ٢٦٦۔ ② مسند امام احمد، ج:٤، ص: ١٦٢۔

③ اسے احمد، مسلم اور ابوداود نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔(الفقی) مترجم کہتا ہے دیکھیے: مسند امام احمد، ج:١، ص: ٣٨٦۔

قسم کھائی کہ یہ ان کے باپ کا خط ہے۔ اس میں لکھا تھا: عبداللہ کہتے ہیں: اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی الہٰ نہیں ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر تکلف کرنے والوں کے خلاف کسی کو نہیں پایا۔ آپ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر ان سے خوف دلانے والا کسی کو نہیں پایا اور میں گمان کرتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روئے زمین والوں سے بڑھ کر ان پر خوف والے تھے۔''[1]

پیغمبر ﷺ گہرائی میں جانے والوں کو ناپسند کرتے تھے حتیٰ کہ جب آپ نے ان کے ساتھ روزوں کو مسلسل رکھا پھر چاند دیکھا تو فرمایا:

«لَوْ تَأَخَّرَ الْهِلَالُ لَوَاصَلْتُ وِصَالًا يَدَعُ الْمُتَعَمِّقُوْنَ تَعَمُّقَهُمْ»[2]

''اگر چاند مؤخر ہوتا تو میں ان کے ساتھ ایسے مسلسل روزے رکھتا کہ گہرائی میں جانے والے اپنی گہرائی چھوڑ دیتے۔''

گویا آپ ان کو عبرت دلاتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے نبی ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے اس امت میں سب سے کم تکلف والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴾ (ص:٨٦)

''کہہ دیجیے! میں تم سے اس پر اجر کا سوال نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔''[3]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: تم میں سے جو طریقہ اپنانا چاہے وہ ان کا طریقہ اپنائے جو وفات پا گئے ہیں۔ زندہ پر فتنہ کا اندیشہ ہوتا ہے یہ اصحاب محمد ﷺ تھے جو اس امت میں افضل تھے۔ بلحاظ دل سب سے نیک تھے۔ بلحاظ علم سب سے گہرے تھے۔ بلحاظ تکلف سب سے کم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی ﷺ کی صحبت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے چن لیا تھا۔ تم ان کے فضل کو پہچانو! اور ان کے طریقہ اور ان کی سیرت کی پیروی کرو بلاشبہ وہ ہدایت مستقیم پر تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھے کہ میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا: ہمیں تکلف سے منع کیا گیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے کچھ طریقے مقرر فرمائے اور آپ کے بعد کے خلفاء نے بھی۔ ان پر عمل کرنا اللہ کی کتاب کی تصدیق، اللہ کی اطاعت کی تکمیل اور اس کے دین پر استقامت

---

[1] سنن دارمی، باب من هاب الفتیا۔ مترجم کہتا ہے دیکھیے: مقدمه، ج: ۱، ص: ۵۳۔

[2] بخاری نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے صوم وصال سے منع فرمایا۔ مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! آپ تو وصال کرتے ہیں۔ فرمایا: تم میں سے میری طرح کا کون ہے؟ میں رات گزارتا ہوں کہ مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔ جب انہوں نے وصال سے رکنے سے انکار کیا تو آپ ان پر متوجہ ہوئے ایک دن پھر دوسرا دن پھر انہوں نے چاند دیکھا تو فرمایا: اگر یہ مؤخر ہوتا تو میں ضرور تمہارے لیے زیادہ کرتا۔ گویا ان کو عبرت دلائی جب انہوں نے رکنے سے انکار کر دیا تھا۔ مسلم، ابوداود و ترمذی۔ (الفقی) مترجم کہتا ہے دیکھیے: صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب ما یکره من التعمق والتنازع فی العلم، ج: ۱، ص: ۱۴۴۔

[3] دارمی نے عن مسروق عن عبد اللّٰه بن مسعود بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: تم میں سے جس کو علم ہو وہ کہے اور جس کو علم نہ ہو وہ اس چیز پر ''اللہ اعلم'' کہے۔ عالم سے جب وہ بات پوچھی جائے جس کو وہ نہیں جانتا تو وہ کہتا ہے ''اللہ اعلم''۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو فرمایا: ﴿قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ (ص: ٨٦) ''کہہ دیجیے میں اس پر اجر کا سوال نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔'' (الفقی)

ہے۔کسی کو ان میں تغیر اور تبدیلی کی اجازت نہیں اور نہ ان کے خلاف سوچنے کی۔جس نے ان کی پیروی کی تو وہ ہدایت والا ہے۔ جس نے ان کے ساتھ مدد مانگی اس کی مدد کی جائے گی۔جس نے ان کی مخالفت کی اور مومنوں کے علاوہ راہ کی پیروی کی۔اللہ اس کو پھیرے گا جس طرف وہ پھرتا ہے اور اس کو جہنم میں داخل کرے گا اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے خبر پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: تمہارے لیے سنتیں مقرر کر دی گئیں۔تمہارے لیے فرائض لازم کر دیے گئے۔تم کو واضح راستہ پر چھوڑا گیا ہے الا یہ کہ تم لوگوں کو لے کر دائیں اور بائیں پھرو۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهُ يَنفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ، وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ، وَتَأْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ»

''اس علم کو ہر اہل آدمی کے بعد اس کے برابر کے لوگ اٹھائیں گے جو اس سے غلو پسندوں کی تحریف، باطل پرستوں کی ہیرا پھیری اور جاہلین کی تاویل کو دور کریں گے''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ غلو پسند آپ کے لائے ہوئے علم میں تحریف کریں گے۔باطل پرست اپنے باطل کے ساتھ اس کی طرف وہ کچھ منسوب کریں گے جو اس میں نہیں ہے، اور جاہل اس میں وہ تاویل کریں گے جو تاویل اس کی نہیں ہے۔اسلام میں انہی تین گروہوں کی طرف سے فساد آیا ہے۔اگر اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لیے ایسے لوگ پیدا نہ فرماتے جو اس سے ایسے لوگوں کے نظریات کو دور کرتے ہیں تو اس دین کا بھی وہی حال ہوتا جو اس سے قبل انبیاء علیہم السلام کے دینوں کا حال ہوا۔

فصل: قراء کے وسوسے

اسی طرح ایک وسوسہ حروف کے مخارج اور ان میں تکلف کا ہے۔جو کچھ علماء نے اس کے متعلق ذکر کیا ہے ہم اسے انہی کے الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:

ابوالفرج ابن جوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابلیس نے بعض نمازیوں کو مخارج حروف میں وسوسہ دیا ہے۔تم دیکھو گے، وہ کہتا ہے: **الحمد الحمد**۔وہ یہ کلمہ دہرانے سے ادب نماز کے قانون سے نکل جاتا ہے۔کبھی وہ **المغضوب** کا ضاد ادا کرنے میں شدید وسوسہ اندازی کرتا ہے۔کہتے ہیں: میں نے ایسا آدمی بھی دیکھا ہے جو ضاد کو بہت سخت نکالتے ہوئے تھوک بھی نکال دیتا ہے۔ حالانکہ مقصد صرف حرف کی ادائیگی ہے۔ابلیس ایسے لوگوں کو ادائیگی کی حد سے آگے نکال دیتا ہے۔انہیں حروف کے مبالغہ میں مشغول رکھ کر فہم تلاوت سے دور کرتا ہے۔یہ سب وساوس ابلیس کی طرف سے ہیں۔

محمد بن قتیبہ رحمہ اللہ ''مشکل القرآن'' میں کہتے ہیں: لوگ قرآن کو اپنی اپنی لغات میں پڑھا کرتے تھے۔پھر ان کے بعد مختلف علاقوں اور عجم کے پیدا شدہ لوگ جانشین بن گئے۔ان کی یہ فطری زبان نہ تھی اور نہ علم تکلف۔انہوں نے بکثرت حروف میں بے پر کی اڑائی۔انہوں نے محض ذلت اٹھائی اور کوتاہی کی۔

ان میں سے ایک شخص ایسا ہے جس پر اللہ نے عوام کے ہاں صلاح [1] کا پردہ ڈالا ہے۔ اور دین کی وجہ سے اس کو دلوں کے قریب کر دیا ہے۔ جن لوگوں کی قرأت کی وجوہ پر میں نے غور کیا۔ ان میں تخلیط اور شدید اضطراب والا میں نے اس سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ کیوں کہ وہ ایک حرف میں جو طریقہ استعمال کرتا ہے اُسی طرح کے دوسرے حرف میں اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ پھر ایک اصل قائم کرتا ہے اور بغیر علت کے اس کا قصد دوسرے حرف کی طرف کر دیتا ہے۔ بہت سے حروف میں وہ انداز اختیار کرتا ہے جو ان کا مخرج نہیں ہوتا ماسوائے اس کے کہ وہاں کسی ضعیف حیلہ کی طلب ہے۔

بہرحال! وہ اپنی قرأت سے عرب اور اہل حجاز کے مذاہب کو توڑ رہا ہے۔ وہ مد ہمز اور اشباع میں زیادتی کرتا ہے۔ اضجاع اور ادغام میں غلطی کرتا ہے۔ وہ اپنے شاگردوں کو سخت طریقہ پر لگاتا ہے۔ امت پر سختی کر رہا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے آسانی کی ہے اور تنگی کر رہا ہے جہاں وسعت دی ہے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ان طریقوں سے قرأت سکھاتا ہے۔ جبکہ ان طریقوں سے تلاوت کر کے نماز کو وہ مکروہ سمجھتا ہے۔ اگر ان طریقوں سے نماز جائز نہیں ہوتی تو یہ قرأت کس جگہ استعمال ہوگی؟

ابن عیینہ رحمہ اللہ کی رائے یہ تھی کہ جو اپنی نماز میں اس طرح قرأت کرے یا ایسے امام کی اقتداء کرے جو اس کی طرح قرأت کرتا ہے وہ نماز کو دہرائے گا۔ بہت سے بہتر مسلمانوں نے اس پر ان کی موافقت بھی کی ہے جن میں بشر بن حارث اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہیں۔ کم علم اور عامۃ الناس اس کی قرأت پر فریفتہ ہو گئے ہیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس میں مشقت اور صعوبت ہے۔ اس میں طالب علم استاد کے سامنے لفظ کو کئی مرتبہ دہراتا ہے۔ [2]

جب لوگوں نے دیکھا کہ شاگرد سورۂ فاتحہ میں دس دن لگا رہا، سو آیات پر ایک مہینہ اور (پہلی) سات لمبی سورتوں پر ایک برس مشق کرتا رہا اور انہوں نے دیکھا کہ بوقت قرأت دونوں جبڑے مائل، دونوں رخسار ہلتے اور پیشانی پسینہ ٹپکا رہی ہے تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس کو قرأت میں فضیلت اور بڑی مہارت ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت اس طرح نہ تھی، نہ نیک صحابہ کرام کی اور نہ تابعین کی نہ ان قراء کی جو [3] عالم تھے۔ بلکہ وہ آسان اور ''رِسل'' (نرم) تھی۔ [4]

---

① شاید اس سے مراد حمزہ ہو یہی امام سے منقول ہے۔ اور ابن جوزی رحمہ اللہ کا اس کے متعلق تلبیس ابلیس میں کلام بھی ہے۔ واللہ اعلم۔ (الفقی)

② ایسے صاحب مشقت مُقری آج بھی ہیں۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ مبلغین اور عامۃ الناس کے فطری طریقہ قرأت کو نہ صرف غلط سمجھتے ہیں بلکہ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ کی من مانی تفسیر بنا کر ان پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں اور اپنے حلقہ احباب و شاگردان میں محض مُقری ہونے کے باوجود طعن کردہ علماء سے خود کو بڑا عالم کہلوا کر اتراتے ہیں۔ حالانکہ جن قرأتوں کو وہ بار بار دہراتے ہیں ان میں سے ایک لفظ کے پورے معانی بھی ان کے علم میں نہیں ہوتے۔ حدیث شریف میں ایسے قراء کی مذمت آئی ہے جو ریاء کرتے ہیں اور ان اہل علم کی بھی جو اس لیے علم کی جستجو میں ہیں کہ ناواقفوں پر اپنی علمی دھاک بٹھائیں اور علماء پر اپنے علم کی بڑائی ظاہر کریں۔ اللہ سب کو ہدایت دے۔ آمین (مترجم)

③ اس سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ قرأت میں یہ تکلیف و تکلف ان قراء کی پیداوار ہے جو عالم نہیں ہیں۔ (مترجم)

④ رسل میں راء پر زیر اور سین ساکن ہے۔ اس کا مطلب نرمی اور آہستگی ہے۔ کوئی آدمی اپنی چال اور کلام میں ترسل کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اُس نے آہستگی کی اور جلدی نہ کی۔ خود پر نرمی کی اور خود کو مشقت میں نہ ڈالا۔ ترسیل اور ترتیل برابر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرأت تکلف والی نہ ہو جس طرح آج کل قراء اپنی قرأتوں میں تکلف کرتے ہیں۔ بعض خود کو ایسی مشقت میں ڈالتے ہیں قریب ہے کہ اس کا گلا گھونٹا جائے۔ وہ قراء قرآن کے اس ذکر سے خارج ہو جاتے ===>

خلال نے الجامع میں ابوعبداللہ سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں فلاں کی قرأت کو پسند نہیں کرتا۔ مراد یہی شخص ہے جس کی طرف ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے۔ انہوں نے اس کو سخت ناپسند کیا ہے۔ اس قرأت پر تعجب کرنے لگے اور فرمایا: یہ مجھے اچھی نہیں لگتی، اگر کوئی شخص تجھ سے یہ قبول کرے اس کو اس سے روک دو۔

ابن مبارک رحمہ اللہ سے بیان کیا گیا ہے، وہ ربیع بن انس رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے لوگوں کو اس قرأت سے روک دیا تھا۔

فضل بن زیاد کہتے ہیں: ایک شخص نے ابوعبداللہ [1] سے کہا: میں اس کی قرأت سے کیا چھوڑ دوں؟ فرمایا: ادغام اور کسر۔ یہ لغات عرب میں کسی لغت میں معروف نہیں۔

ان کے بیٹے عبداللہ نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو فرمایا: میں شدید کسرا اور اضجاع کو ناپسند کرتا ہوں۔ ایک دیگر موقع پر فرمایا: اگر اس کے ہاں ادغام اور اس طرح کا اضجاع نہ ہوتو اس میں حرج نہیں ہے۔

ان سے حسن بن محمد بن حارث نے سوال کیا: کیا آپ ناپسند کرتے ہیں کہ آدمی یہ قرأت سیکھے؟ فرمایا: میں اس کو سخت ناپسند کرتا ہوں۔ یہ تو من گھڑت قرأت ہے۔ اس کو سخت ناپسند کیا حتیٰ کہ غصہ میں آ گئے۔

ان سے ابن سُنید نے بیان کیا ہے کہ آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: میں اس کو سخت ناپسند کرتا ہوں۔ پوچھا گیا آپ اس کو کیوں ناپسند کرتے ہیں؟ فرمایا: یہ من گھڑت قرأت ہے۔ یہ قرأت کسی نے بھی نہیں کی۔

جعفر بن محمد رحمہ اللہ نے ان سے بیان کیا ہے کہ آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے اس کو ناپسند کیا اور فرمایا: اس کو ابن ادریس [2] نے ناپسند کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ فرمایا: اور عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ نے بھی۔ اور فرمایا: میں نہیں جانتا یہ قرأت کیا ہے؟ پھر فرمایا: ان کی یہ قرأت کلام عرب سے مشابہت نہیں رکھتی۔

عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر میں ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھوں جو یہ قرأت کرتا ہوتو میں ضرور نماز دہراؤں گا۔

امام احمد رحمہ اللہ کی اس بات پر نص ہے کہ وہ دہرائے گا۔ جبکہ دیگر روایت میں ہے کہ نہیں دہرائے گا۔

مقصود: یہ ہے کہ ائمہ نے کسی حرف کے بولنے میں تکلف اور غلو کو ناپسند کیا ہے۔ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور آپ کی طرف سے ہر اہل زبان کو ان کی قرأت پر برقرار رکھنے پر غور کرے گا۔ اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حروف کے اخراج میں تکلف، وسوسہ اور باچھیں کھولنا آپ ﷺ کی سنت سے ثابت نہیں ہے۔

<=== ہیں جس سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے اور وہ قراء گانے اور ترنم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہ سب اس لیے کہ لوگ کہیں ''تم نے خوب پڑھا ہے۔'' نیز اس تھوڑی قیمت میں اضافہ ہو جائے جس کے عوض میں وہ قرآن کو ماتمی اور دیگر مجالس میں بیچ رہے ہیں۔ اللہ ان کو ہدایت دے اور ان کو معاف فرمائے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ (الفقی) [1] اس سے مراد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہیں۔ واللہ اعلم۔ (مترجم)

[2] اس سے مراد امام شافعی رحمہ اللہ ہیں۔ واللہ اعلم۔ (مترجم)

فصل: اہل وسوسہ کے دلائل کے جواب میں

رہا ان کا یہ کہنا کہ ہم جو کرتے ہیں وہ احتیاط کے طور پر ہے۔

ہم کہتے ہیں: تم نے جو نام چاہا اس کو دے دیا۔ ہم تم سے پوچھتے ہیں: کیا یہ احتیاط رسول اللہ ﷺ کے فعل، آپ کے امر اور صحابہ کے طرز عمل کے موافق ہے یا مخالف؟

اگر تم کہو کہ موافق ہے تو کھلا جھوٹ اور بہتان ہے۔ اس کی عدم موافقت کا اقرار لازماً کرنا پڑے گا۔ نیز یہ ان کے مخالف ہے۔ اگر تم اس کا نام احتیاط رکھ دو تو تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اس کی مثال یونہی ہے کہ کوئی شخص حرام کا مرتکب ہو اور اس کا نام دوسرا رکھ دے جس طرح شراب کا نام اور رکھا جاتا ہے۔[1] سود کا نام معاملہ۔ فعل حلالہ کا نام نکاح، جس کے فاعل پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے۔ چونچ مار کر نماز پڑھنے کا نام تخفیف رکھ دیا ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ ایسا کرنے والے نے نماز نہیں[2] پڑھی۔ اس کو اس کی نماز کفایت نہ کرے گی اور اللہ تعالیٰ اس سے یہ نماز قبول نہ کرے گا۔

اسی طرح دین میں غلو اور تکلف کا نام احتیاط رکھ دیا گیا ہے۔

یہاں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ وہ احتیاط جو اپنے کرنے والے کو نفع دیتی ہے اور اس پر اللہ اجر بھی دیتے ہیں وہ سنت کی موافقت اور اس کی مخالفت کو ترک کرنے میں احتیاط ہے۔ جتنی بھی احتیاط ہو اس میں ہو۔ ورنہ جو بندہ سنت سے نکل گیا اس نے احتیاط نہیں کی بلکہ اس نے احتیاط کی حقیقت کو چھوڑ دیا۔

اسی طرح جھگڑوں کے مواقع پر جہاں ائمہ کا اختلاف ہے جو لوگ وقوع طلاق میں جلد بازی کرتے ہیں۔ مثلاً مجبور کیے گئے کی طلاق، مدہوش کی طلاق، طلاق بتہ، تین طلاقیں اکٹھی ہو جانا، صرف نیت پر طلاق، ایک وقت معلوم تک موخر کی گئی طلاق جس کا وقت آنے والا ہے، طلاق کی قسم وغیرہ جن میں علماء کا اختلاف ہے۔ اگر مفتی دلیل کے بغیر تقلید کی وجہ سے طلاق واقع کر دے اور کہے کہ یہ شرم گاہوں میں احتیاط کے لیے ہے، تو اس نے احتیاط کا مفہوم چھوڑ دیا، وہ تو اس پر شرم گاہ کو حرام کر رہا ہے جبکہ اسے دوسرے کے لیے مباح کر رہا ہے۔ یہاں پر احتیاط کہاں ہے؟

اس کو چاہیے کہ اسے باقی چھوڑ دے حتیٰ کہ جس کے لیے حلال ہے اس پر حرام ہونے اور اس سے دور کرنے کے لیے امت کا اجماع ہو جائے، یا اللہ اور اس کے پیغمبر کی طرف سے کوئی دلیل لائے تو ضرور اس نے احتیاط پر عمل کیا۔

اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ نے نشہ والے کی طلاق میں نص بیان کی ہے۔ ابو طالب کی روایت کے مطابق فرمایا: جو طلاق کا حکم نہیں دیتا اس نے ایک کام کیا اور جو طلاق کا حکم دیتا ہے اس نے دو کام کیے: ❶ عورت کو اس پر حرام کیا۔ ❷ اسے دوسرے پر حلال

---

[1] جس طرح مصر میں اس کا نام ''بوظہ'' اور ''بیرہ'' لیا جاتا ہے اور دیگر نام بھی ہیں جن سے وہ حقیقت نہیں بدلتی جس کی وجہ سے اس کو حرام کیا گیا ہے۔ یعنی عقل کو ختم کرنا، اس پر پردہ ڈالنا، حواس باختہ کرنا، نیز اس کی وجہ سے شیطان کا لوگوں میں نفرت اور دشمنی ڈالنا۔ (عفیفی)

[2] اسے بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے۔ اس میں اس شخص کا واقعہ ہے کہ جو اپنی نماز درست نہ پڑھتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کو تین بار دہرا کر فرمایا ''تو جا نماز پڑھ، تو نے نماز نہیں پڑھی۔'' (الفقی)

کیا۔ پہلے والا دوسرے سے بہتر ہے۔

وقوع طلاق میں احتیاط ممکن ہی نہیں۔ مگر جہاں امت کا اجماع ہو جائے یا وہاں پر اللہ اور اس کے پیغمبر کی طرف سے کوئی دلیل ہو جس کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ ہمارے شیخ کہتے ہیں: احتیاط اچھی چیز ہے بشرطیکہ وہ اُسے سنت کی مخالفت تک نہ لے جائے۔ اگر وہاں تک لے جائے تو پھر یہاں ترک احتیاط ہی احتیاط ہے۔ اسی طرح ان کی اس دلیل کا بھی جواب آ گیا ہے جو انہوں نے آپ ﷺ کے ان فرامین سے لی ہے:

«مَنْ تَرَكَ الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ»

''جس نے شبہات کو چھوڑا تو تحقیق اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔''

نیز فرمایا: «دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ»

''تم چھوڑ دو جو تمہیں شک میں ڈالے اور اس کو اختیار کرو جو تمہیں شک میں نہ ڈالے۔''

اور فرمایا:

«اَلْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ» ①

''گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے۔''

یہ سب تو وسوسہ کے بطلان پر مضبوط دلائل ہیں۔ شبہات وہ ہوتے ہیں جن سے حق اور باطل، حلال اور حرام اس طرح مشتبہ ہوں کہ کسی ایک جانب بھی واضح دلیل نہ ہو یا وہاں پر دونوں علامات متعارض ہوں۔ اور آدمی کے خیال میں کوئی بھی راجح نہ ہو سکے۔ اس پر دونوں مشتبہ ہو جائیں تو ایسے آدمی کی نبی ﷺ نے راہنمائی فرمائی ہے کہ مشتبہ چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جو بالکل واضح ہے۔ یہ بات بھی معلوم ہے کہ وسوسہ کی انتہاء یہ ہے کہ کسی آدمی پر کسی عمل کے متعلق اشتباہ ہو جائے کہ یہ نیکی اور اطاعت ہے یا نافرمانی اور بدعت؟

یہاں پر بہترین طریقہ اور واضح ترین راستہ رسول اللہ ﷺ کے طریق نیز جو آپ نے امت کے لیے قولاً وفعلاً مقرر فرمایا ہے اس کی اتباع ہے۔

جو شخص شبہات کو چھوڑنا چاہتا ہے وہ اس مشتبہ سے اس واضح کی طرف آ جائے۔ پھر اللہ کے حکم سے کوئی شبہ نہیں رہے گا۔ جب سنت سے ثابت ہو جائے کہ یہ تکلف اور غلو ہے۔ پھر اس کو اختیار نہ کرنا سنت اور اخذ بدعت ہے اور اس چیز کو چھوڑنا ہے جو اللہ کو پسند اور محبوب ہے اور اس چیز کو پکڑنا ہے جو اللہ کو ناپسند اور مبغوض ہے۔ اس سے اللہ کا قرب کبھی نہیں مل سکتا۔ اس کا قرب تو صرف شرعی طریقہ سے ملتا ہے نہ کہ اس طریقہ سے جو بندے کی خواہش ہو اور وہ اپنی طرف سے کر رہا ہو۔ یہی بات سینے میں کھٹکا دیتی ہے، دل میں تردد لاتی ہے اور یہی دل کا حواز ② ہے۔

---

① ان تینوں روایات کے حوالے پیچھے ''اہل وسوسہ کے دلائل'' کی فصل میں گزر چکے ہیں۔ (مترجم)

② ابن الاثیر کہتے ہیں: ''حز'' کسی چیز کو بغیر جدا کرنے کے کاٹنا ہے یہ لکڑی کے متعلق بھی بولا جاتا ہے۔ اسی سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ''گناہ دل کا حواز ہے'' یہ وہ امور ہیں جو اس میں ''حز'' یعنی اثر پیدا کرتے ہیں جس طرح کسی چیز میں حز کا اثر ہوتا ہے۔ یہ وہ معاملات ہیں جن کے متعلق خدشہ ہو کہ گناہ ہیں۔ ان سے اطمینان ختم ہو جاتا ہے۔ ایک روایت ''تحوز'' کی بھی ہے یعنی اس پر غالب آنا اور قبضہ کرنا۔ (الفقی)

رہی وہ کھجور جس کا کھانا رسول اللہ ﷺ نے ترک کیا اور فرمایا تھا:

«أَخْشٰى أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ»[1]

''مجھے ڈر ہے کہ یہ صدقہ (کے مال) سے ہو۔''

یہ شبہات سے بچنے کے باب سے ہے اور حرام و حلال کے اشتباہ کے ترک سے ہے۔ یہ کھجور آپ ﷺ کو اپنے گھر میں ملی تھی۔ گھر میں صدقہ کی کھجوریں آتی تھیں جو آپ ان لوگوں پر تقسیم کرتے تھے جن کے لیے صدقہ حلال ہے۔ آپ کے گھر میں اہل خانہ کے کھانے کے لیے بھی کھجوریں آتی تھیں تو آپ کے گھر میں دو قسم کی کھجوریں آتی تھیں۔ جب آپ نے یہ کھجور اٹھائی تو آپ کو معلوم[2] نہ تھا کہ یہ دو میں سے کس قسم کی ہے؟ لہٰذا آپ اس کو کھانے سے رک گئے، تو یہ حدیث پرہیزگاری اور شبہات سے بچنے میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ کہاں اہل وسوسہ کے تصورات اور کہاں یہ حدیث؟ رہا تمہارا یہ کہنا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس شخص کے متعلق فتویٰ دیا ہے جس نے طلاق دی اور اسے معلوم نہیں کہ ایک دی یا تین، وہ احتیاطاً تین ہوں گی۔

جی ہاں! یہ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے تو کیا ہوا؟ کیا یہ امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام احمد رحمہم اللہ اور اس مسئلہ میں ان کے ہر مخالف کے خلاف حجت ہے؟ حتیٰ کہ ان پر لازم آئے کہ وہ اس قول پر اپنے قول کو چھوڑ دیں۔ اس قول کو حجت کے لیے پیش کیا گیا ہے جبکہ اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ اس کا وسوسہ کے باب سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ طلاق بیوی کو حرام کرنے کی موجب ہے۔ رجوع اس حرمت کو ختم کرتا ہے تو وہ کہتے ہیں حرمت کے سبب کا تو یقین ہو گیا ہے جو کہ طلاق ہے۔ لیکن رجوع کے ساتھ اس کے خاتمہ میں شک ہے۔ کیونکہ احتمال ہے کہ وہ رجعی ہو تو رجوع اس حرمت کو ختم کرتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ تیسری ہو تو اس کو رجوع ختم نہیں کر سکتا۔ تحریم کے سبب کا تو یقین ہو گیا ہے لیکن اس کو رفع کرنے والے سبب کے متعلق شک ہو گیا ہے۔

جمہور کہتے ہیں: نکاح یقینی ہے جبکہ اس کو توڑنے والا اور شرم گاہ کی حلت کو ختم کرنے والا اَمر مشکوک ہے کہ اس میں احتمال ہے کہ طلاق رجعی ہو تو نکاح ختم نہیں ہوتا اور یہ بھی احتمال ہے کہ بائن ہو تو ختم ہو جائے گا۔ دونوں فریقوں کو نکاح کا یقین ہے لیکن اس کو ختم کرنے والے کے متعلق شک ہے تو اصل نکاح موجود ہے جب تک اس کو ختم کرنے والے کا یقین نہ ہو جائے۔

اگر تم کہو کہ تحریم (حرام کرنے) کا یقین تو ہو گیا ہے لیکن تحلیل (حلال کرنے) میں شک ہے؟ ہم کہیں گے: تمہارے نزدیک رجوع حرام نہیں ہے۔ اسی لیے تم اس عورت سے جماع جائز کہتے ہو اور یہ رجوع ہو گا اگر اس کے ساتھ رجوع کرنے کی نیت کرے۔

اگر تم کہو کہ عورت حرام ہے جبکہ رجوع بحالتِ جماع نیت سے ہوا ہے؟

ہم کہیں گے: یہ بات بھی تم کو نفع نہ دے گی۔ کیونکہ اس نے ایسی تحریم کا یقین کیا تھا جو رجوع سے ختم ہو گی نہ کہ ایسی تحریم کا یقین کیا تھا جس میں رجوع مؤثر نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ کی وضاحت یہاں مقصود نہیں ہے۔ مقصود تو صرف یہ ہے کہ اس میں اہل وسوسہ کے لیے کوئی راحت نہیں ہے۔

---

[1] اس کا حوالہ پیچھے گزر چکا ہے۔ دیکھیے ''اہل وسوسہ کے دلائل'' کی فصل۔ (مترجم)

[2] اس سے بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ علم غیب نہ جانتے تھے۔ (مترجم)

فصل: اگر قسم کھائی کہ بادام میں دو دانے ہیں

رہا وہ شخص جس نے طلاق کی قسم کھائی کہ اس بادام میں دو دانے ہیں وغیرہ جس کا قسم کھانے والے کو یقین نہیں ہوتا تو وہ ایسے ہی نکلا جیسے اس نے قسم کھائی تھی۔ اکثر کے نزدیک اس کی قسم نہیں ٹوٹی۔ اسی طرح اگر حال واضح نہ ہوا اور وہ پیہم مجہول ہی رہے تو نکاح یقین کے ساتھ ثابت ہے اس نکاح کو شک ختم نہیں کرسکتا۔ امام مالک رحمہ اللہ کا ایک قاعدہ ہے جس میں دوسروں نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قسم ٹوٹنے میں شک پر طلاق واقع کرنا۔ اسی طرح اس کے عدد میں شک پر بھی طلاق واقع کرنا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

نیز اس کا مطلقہ کے متعلق شک پر طلاق واقع کرنا جیسا کہ اس نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دی پھر وہ اس کو بھول گیا۔ مدت ایلاء[1] تک حالت ایسے رہی واضح نہ ہوسکا تو اس پر اُس کی سب عورتوں کو طلاق ہوجائے گی۔

اسی طرح اگر بندے نے قسم کھائی کہ یہ فلاں ہے یا حیوان ہے؟ جبکہ اس کو اس کا یقین نہیں ہے بلکہ بحالتِ قسم وہ شک پر ہے۔ پھر واضح ہوا کہ معاملہ اس طرح ہے جس پر اس نے قسم کھائی تھی تو اس وقت اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی۔ جس نے کسی آدمی کے متعلق قسم کھائی کہ وہ زید ہے پھر واضح ہوا کہ وہ کوئی اور ہے یا واضح نہ ہوا کہ یہ وہی ہے جس پر قسم کھائی گئی ہے یا نہیں ہے؟ اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ اگر واضح ہوگیا کہ یہ وہی ہے جس پر قسم کھائی گئی ہے تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ بحالت قسم شک تھا۔ گو کہ وہ بوقت قسم اس کی حقیقت نہ جانتا تھا۔ نہ اس پر ظن غالب تھا اور نہ ہی اس کے علم کا کوئی مروج راستہ تھا۔

قسم کھانے والے نے جس پر قسم کھائی تھی اس کی مخالفت کی وجہ سے اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ طلب میں صورت یہ ہوگی کہ جس کے ترک کی اس نے قسم کھائی تھی وہ کام کرلے اور خبر میں اس طرح کہ اس کا جھوٹ واضح ہوجائے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں دوسرے معاملے کی وجہ سے اس کی قسم ٹوٹے گی وہ ہے بحالت قسم شک، گو کہ اس کا سچ واضح ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

اس سے واضح تر یہ ہے کہ وہ قسم کا توڑنا اس پر ڈالتے جو کسی انسان پر طلاق کی قسم ڈالے کہ اس کے پہلو میں انسان ہے یا پتھر وغیرہ؟ اور وہ پتھر تھا۔ اس میں شک نہیں ہے۔ ان کی بنیاد دونوں جگہ پر یہ ہے کہ قسم کھانے والا مذاق کرنے والا ہے۔

جس نے کہا: تجھ کو طلاق ہے اگر تو عورت نہ ہو یا اگر میں مرد نہ ہوں۔ اس کے کلام کا سوائے مذاق کے کوئی مفہوم نہیں ہے۔ اس طرح کی بات کا عقلمندوں سے کچھ بھی واسطہ نہیں ہے۔

کہتے ہیں: اگر یہ مذاق نہ ہو تو بلاشبہ مذاق کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

کبھی انہوں نے قسم ٹوٹنے کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس نے پختہ طلاق کا ارادہ کیا تھا پھر اس کو ندامت ہوئی تو اس نے اس کو ختم کرنے کے لیے وہ بات ملادی جو بے فائدہ ہے۔ رہی پہلی قسم: تو اس میں اصل شک کے ساتھ قسم ٹوٹنے کا حکم غالب ہے جیسے کسی نے قسم کھائی پھر شک ہوا کہ اس کی قسم ٹوٹی ہے یا نہیں؟ تو وہ اس کو اس کی بیوی سے جدائی کا حکم دیتے ہیں۔ کیا یہ وجوب پر مبنی ہے یا استحباب پر؟ اس میں دو قول ہیں۔ پہلا ابن القاسم کا ہے اور دوسرا امام مالک رحمہ اللہ کا۔

---

[1] ایلاء کی مدت چار ماہ ہوتی ہے۔ (مترجم)

امام مالک رحمہ اللہ نکاح کی بقاء کوملحوظ رکھتے ہیں جبکہ ہم کو اس کے زوال میں شک ہے گو کہ اصل بقاء ہی ہے۔
ابن القاسم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس پر جماع کی حلت مشکوک ہوگئی ہے۔ لہٰذا اس مرد پر اس عورت کو چھوڑنا واجب ہوگیا ہے۔
اکثر کہتے ہیں: اس پر اس کو چھوڑنا واجب نہیں نہ ہی مستحب ہے۔ کیونکہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ کسی اصل معلوم کے ازالہ پر شک قوی نہیں اور نہ یقین ختم ہوگا۔ الا یہ کہ اس سے قوی یا اس کے برابر کا یقین آجائے۔

فصل: جو شخص طلاق دے کر بھول گیا یا طلاق مبہم ہوگئی

رہا وہ شخص جس نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دی پھر اسے بھول گیا یا ایک مبہم کو طلاق دی اس کو متعین نہ کیا تو اس مسئلہ کے حکم میں فقہاء کا اختلاف چند اقوال پر ہے:
امام ابوحنیفہ، شافعی، ثوری اور حماد رحمہم اللہ کہتے ہیں: وہ ان میں سے کسی ایک کو چن لے اور اس پر مبہم کی طلاق واقع کردے۔ رہا بھولی ہوئی کا مسئلہ تو وہ ان کو روکے رکھے، ان پر خرچ کرے حتیٰ کہ معاملہ واضح ہوجائے۔ اگر قرعہ ڈالنے سے پہلے خاوند فوت ہوجائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ان سب کے درمیان بیوی والی وراثت تقسیم کی جائے گی۔
امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس عورت کی وراثت روک دی جائے گی حتیٰ کہ ان عورتوں کا اتفاق ہوجائے۔
مالکیہ کہتے ہیں: اگر اس نے ان میں سے ایک کو طلاق دی جو اس کے ہاں بھی غیر معلوم تھی مثلاً کہا: تجھے طلاق ہے اور وہ جانتا نہیں کہ کس عورت کو؟ تو سب کو طلاق ہوجائے گی۔ اگر ایک معلوم کو طلاق دی پھر وہ بھول گئی وہ ان کے ساتھ ٹھہرا رہے گا حتیٰ کہ اس کو یاد آجائے۔ اگر دن زیادہ ہوجائیں تو اس کے لیے ایلاء کرنے والے کی مدت مقرر کی جائے گی۔ اگر اس مدت میں یاد آجائے (تو درست) ورنہ سب کو طلاق ہوجائے گی۔
اگر کہے: تم میں سے ایک کو طلاق ہے اور اس کو ذہن میں متعین نہ کیا تھا، تو سب کو طلاق ہوجائے گی۔
امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: دونوں صورتوں میں عورتوں کے مابین قرعہ اندازی ہوگی۔ ان کے اصحاب کی ایک جماعت کی روایت کے مطابق اس پر ان کی نص ہے اور انہوں نے اسے حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔
ظاہری مذہب جس پر زیادہ تر اصحاب (احمد) ہیں یہ ہے کہ مبہم اور بھولی ہوئی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔
''صاحب المغنی'' لکھتے ہیں: مبہم کو وہ قرعہ اندازی کے ساتھ نکال دے گا۔ رہی بھولی ہوئی تو اس پر سب حرام ہیں حتیٰ کہ طلاق والی واضح ہوجائے۔ خرچہ سب کا لیا جائے گا۔ اگر خاوند مرجائے تو ان کے مابین وراثت کے لیے قرعہ اندازی ہوگی۔
کہتے ہیں: اسماعیل بن سعید رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ بھولی ہوئی میں حلال کی پہچان کرنے کے لیے قرعہ استعمال نہ ہوگا۔ یہ تو وراثت کی پہچان کے لیے استعمال ہوگا۔ کہتے ہیں: میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو اپنی بیویوں میں سے ایک کو طلاق دیتا ہے اور وہ جانتا نہیں کہ ان میں سے کس کو اس نے طلاق دی ہے؟ فرمایا: میں طلاق میں قرعہ کا حکم پسند نہیں کرتا۔ میں نے کہا: آپ کا کیا خیال ہے اگر یہ آدمی مرجائے؟ فرمایا: پھر میں قرعہ کا حکم دیتا ہوں۔ اس لیے کہ قرعہ مال پر ہوجائے گا۔ کہتے ہیں: ایک جماعت نے ان سے بھولی ہوئی کے متعلق جو قرعہ ذکر کیا ہے وہ وراثت

کے متعلق ہے۔ رہی حلت تو اس کو ثابت کرنے کے لیے قرعہ مناسب نہیں ہے۔ کہتے ہیں: یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔

شیخ نے اپنے قول کی صحت پر اس بات سے دلیل ہے کہ اس کی بیوی اس پر ایک اجنبیہ کی وجہ سے مشتبہ ہوئی ہے تو ان میں سے ایک قرعہ کے ساتھ اس پر حلال نہ ہوگی۔ جیسے وہ اس اجنبیہ کے ساتھ مشتبہ ہوئی ہوتی جس کا اس کے ساتھ نکاح ہی نہ تھا، اس لیے بھی کہ قرعہ مطلقہ سے تحریم کو ختم کرتا ہے تو جس پر طلاق واقع ہوئی ہے وہ اس پر سے طلاق کو اٹھا نہیں سکتا۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ مطلقہ وہ نہ ہو جس کے خلاف قرعہ نکلا ہے۔

لہٰذا اگر ذکر ہو کہ مطلقہ دوسری ہے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی اور اگر تحریم اٹھ گئی یا طلاق کے ساتھ زائل ہوئی تو ذکر سے لوٹ نہ آئے گی۔ تحریم کی بقا تو قرعہ کے بعد بھی لازم رہے گی جس طرح اس سے قبل تھی۔

کہتے ہیں: خرقی نے اس شخص کے متعلق کہا ہے جس نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور معلوم نہ رہا کہ ایک دی ہے یا تین؟ اور جس نے طلاق کی قسم کھائی کہ وہ کھجور نہ کھائے گا۔ وہ قسم کچھ کھجوروں پر پڑی اور ان میں سے ایک کھجور اس نے کھالی تو اس کی بیوی اس پر حلال نہ ہوگی حتیٰ کہ وہ بتائے کہ یہ وہ کھجور نہیں ہے جس پر قسم واقع ہوئی ہے کہ یہ عورت کو مجھ پر حرام کرے۔

ساتھ یہ بھی ہے کہ اصل حکم بقاء نکاح ہے۔ نفس تحریم اس کا مخالف نہیں ہے تو یہاں تو بالا ولی ہے۔

کہتے ہیں: یہ حکم ہر اس جگہ پر ہے جہاں ایک عورت کو متعین کر کے طلاق دی۔ پھر وہ دوسری کے ساتھ مشتبہ ہو گئی۔ مثلاً وہ ایک عورت کو روشن دان سے یا منہ پھیر کر جاتی دیکھتا ہے اور کہتا ہے: تجھے طلاق ہے۔ اسے معلوم نہیں ہے کہ یہ میری بیویوں میں سے کون ہے؟ اسی طرح قرعہ اور اس سے مشابہ مسائل میں اگر آدمی اپنی بیویوں میں سے ایک کو طلاق دیتا ہے تو اس پر اس کی سب بیویاں حرام ہوں گی حتیٰ کہ مطلقہ واضح ہو جائے۔ خرچہ سب کا لیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اس پر روکی ہوئی ہیں۔ اگر وہ ان کے درمیان قرعہ ڈالے تو قرعہ کچھ بھی فائدہ نہ دے گا۔ جس پر قرعہ واقع ہوا ہے اس کے لیے شادی جائز نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مطلقہ نہ ہو۔ خاوند کے لیے دوسری حلال نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ مطلقہ ہو۔

ہمارے اصحاب کہتے ہیں جب عورتوں کے مابین قرعہ ڈالے اور ان میں سے ایک پر وہ قرعہ نکلے تو اس میں طلاق کا حکم ثابت ہوگا اور عورت کی عدت پوری ہونے کے بعد اس کے لیے نکاح حلال ہوگا اور خاوند کے لیے دوسری بیوی حلال ہوگی جس طرح کہ اگر طلاق ایک غیر معینہ عورت پر پڑی تھی۔

ہمارے شیخ کہتے ہیں: دونوں صورتوں میں قرعہ کا استعمال صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: جماعت کی روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کی بھی اس پر نص ہے۔ رہی شالنجی کی روایت تو اس میں انہوں نے توقف کیا ہے اور قرعہ کا فتویٰ ناپسند کیا ہے۔ لیکن بھولی ہوئی یا مبہم عورت کو متعین نہیں کیا ہے۔ ان کی اکثر نصوص دونوں صورتوں میں قرعہ پر ہی ہیں۔

کہتے ہیں: میمونی کی روایت میں اس شخص کے متعلق ذکر آیا ہے جس کی چار بیویاں ہوں اور ان میں سے ایک کو اُس نے طلاق دی اور معلوم نہیں کہ وہ کون سی ہے تو وہ ان کے درمیان قرعہ ڈالے گا۔ اسی طرح غلاموں کے متعلق بھی ہے۔[1] اگر ان عورتوں

---

[1] غلاموں کا مسئلہ آزادی کے حوالے سے ہے۔ (مترجم)

کے درمیان قرعہ ڈالا اور وہ ایک عورت پر نکلا۔ پھر جس کو طلاق دی تھی وہ یاد آ گئی تو یہ قرعہ جس پر نکلا تھا وہ واپس آئے گی اور جو یاد آئی ہے اس پر طلاق پڑے گی۔ اگر وہ شادی کر چکی ہے تو اُس کا معاملہ گزر گیا ہے۔

اسی طرح ابوالحارث نے ایک آدمی کے متعلق ذکر کیا ہے جس کی چار بیویاں ہیں اور اس نے ان میں سے ایک کو طلاق دی ہے اور کسی ایک کے متعلق اس کی خاص نیت نہ تھی تو وہ ان کے درمیان قرعہ ڈالے گا۔ جس کے نام پر قرعہ نکل آئے وہ مطلقہ ہے۔

اسی طرح اگر ایک کو متعین کیا تھا لیکن بھول گیا تو دونوں صورتوں میں قرعہ پر نص بیان کی ہے۔ دونوں کو برابر کہا ہے۔

جس کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دیا ہے۔ وہ بھولی ہوئی کے متعلق ہے۔ اسی کو امام احمد رحمہ اللہ نے حجت بنایا ہے۔

وکیع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عبداللہ سے سنا، کہتے ہیں: میں نے ابوجعفر سے سوال کیا: ایک آدمی کی چار بیویاں ہوں اور اس نے ان میں سے ایک کو طلاق دی تھی اور وہ جانتا نہیں کہ اس نے کس کو طلاق دی ہے۔ کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ ان کے مابین قرعہ ڈالے گا۔

قرعہ پر دلالت کرنے والے دلائل دونوں صورتوں کو شامل ہیں۔ بھولی ہوئی تو شرعاً مجہول کی طرح ہوگئی ہے۔ اس کے اور مبہمہ مجہولہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یاد آنے تک روکے رکھنا، اس پر سب کا حرام ہونا اور سب کا خرچہ واجب ہونے میں خاوند اور بیویوں کے لیے کئی نقصانات ہیں جن کو شرعاً دور کرنا چاہیے۔ اس کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قرعہ مقاصد شرع کے قریب تر ہے۔ اس میں بیویوں کا فائدہ ہے کہ وہ معلق نہ رہیں گی کہ نہ خاوند والی اور نہ بے خاوند۔ خاوند بھی معلق نہ رہے گا کہ نہ بیوی والا اور نہ تنہا۔

شریعت میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ بلکہ اس میں ٹھہراؤ کے احکام نہیں۔ جبکہ فیصلہ کرنا اور قریب ترین راہوں سے جھگڑا ختم کرنا ضروری ہے۔ اگر راہ تنگ ہو جائیں اور قرعہ کے بغیر کوئی صورت نہ رہے تو پھر اس راہ کو متعین کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ شارع علیہ السلام نے کئی فیصلوں میں اس کو متعین کیا تھا جہاں کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملہ کو وقتِ انکشاف تک ٹھہرایا نہیں۔ جب معلوم ہو کہ انکشافِ حال کا کوئی راستہ نہیں تو معاملے کو مؤخر کرنے تک ٹھہرانا بہت بڑی خرابی ہے جو شریعت کا حکم نہیں ہے۔

زیادہ سے زیادہ یہی فرض کیا جا سکتا ہے کہ قرعہ اس عورت پر پڑے جس کو طلاق نہ دی تھی اور مطلقہ میں خطا ہوگئی۔ یہاں اس میں بھی کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ جب طلاق والی مجہول ہوگئی تھی تو مجہول معدوم کی طرح ہے۔ اس میں جو بھی خرابی فرض کی جا سکتی ہے تو وہ آزادی میں بھی برابر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح سنت سے ثابت ہے کہ آزاد کیے گئے سے دوسرے کو قرعہ کے ذریعہ سے نکالا جا سکتا ہے۔ [1] امام احمد رحمہ اللہ نے قرعہ کے ساتھ شرم گاہ کی حلت پر نص بیان کی ہے۔ ابن منصور کی روایت

---

[1] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے اپنے چھ غلاموں کو اپنی موت کے وقت آزاد کر دیا۔ وارثوں کے پاس ان کے علاوہ مال نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا۔ ان کے تین حصے بنائے اور ان کے درمیان قرعہ ڈالا۔ دو غلاموں کو آزاد کر دیا اور چار کو باقی رکھا اور اس آدمی کے متعلق سخت بات کہی۔'' مسلم اور ابوداؤد اور نسائی نے سخت بات کی وضاحت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں اس کے دفن سے پہلے موجود ہوتا تو وہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاتا۔ (عفیفی) مترجم کہتا ہے: اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں بھی ہر جگہ حاضر نہ ہوتے تھے نیز تین حصے بنانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ گویا وصیت ہے جو ایک تہائی تک جائز ہے۔ آپ نے سخت بات اس لیے فرمائی کہ اس نے حکم شرع سے زیادہ وصیت کی تھی۔ جبکہ اس کے پاس اور مال بھی نہ تھا۔ اس طرح اس کے وارثوں کو بہت نقصان پہنچ سکتا تھا۔

میں ہے، فرمایا: کسی عورت کی شادی دو ولی کریں اور معلوم نہ ہو کہ پہلے کس نے کی تھی تو ان کے درمیان قرعہ ڈالا جائے گا جس کے نام پر قرعہ نکلے فیصلہ دیا جائے گا کہ وہ اول ہے۔

اگر آپ قرعہ کے ساتھ خاوند کی تخصیص اور شرم گاہ کی حلت کو قوی کر سکتے ہیں تو مطلقہ کی شرم گاہ کو حرام کرنے میں آپ اس طرح زیادہ قوی موقف رکھ سکتے ہیں کہ طلاق کی بنیاد تغلیب اور نفاذ پر ہوتی ہے وہ کئی وجوہ سے نافذ اور ثابت ہونے میں نکاح سے تیز تر ہے۔

شیخ ابو محمد (قدس اللہ روحہ) کا جو قول ہے کہ اگر اس پر اس کی بیوی اجنبیہ کے ساتھ مشتبہ ہوگئی تو اس کے لیے ایک قرعہ کے ساتھ حلال نہ ہوگی۔ جس طرح وہ اس اجنبیہ کے ساتھ مشتبہ ہوئی تھی جس کے ساتھ اس کا نکاح ہی نہ ہوا تھا۔

اس کا جواب: دوام اور ابتداء دونوں حالتوں میں فرق کے ساتھ ہے۔ یہاں پر اس کو شک ہوا ہے کہ اس اجنبیہ کے ساتھ نکاح بھی ہوا ہے یا نہیں؟ اس میں اصل تحریم ہے۔ اگر زوجہ اس کے ساتھ مشتبہ ہوئی ہے اور یہ شبہ ان دونوں میں سے ایک پر پہلے نہ تھا۔

جبکہ اِس طرف حلت اور نکاح ثابت ہو چکا ہے۔ شک بعد میں آیا ہے کہ آیا نکاح اس میں ختم ہوا ہے یا دوسری میں؟ یا دونوں کو حرام کریں یا دونوں کو حلال؟ یا کہا جائے گا کہ جس پر تحریم لاگو ہوتی ہے اس کو چن لے؟ یا معاملہ ہمیشہ کے لیے موقوف کیا جائے؟ یا قرعہ استعمال کیا جائے؟ پہلی چاروں قسمیں باطل ہیں۔ ان کی سنت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ قرعہ کے برخلاف شارع نے ان کو کوئی درجہ نہیں دیا ہے۔

بہر حال! دونوں صورتوں میں سے ایک کو دوسری سے ملانا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرف حرمت یقینی ہے اور ہمیں اس کی حلت میں شک ہے جبکہ دوسری طرف ہر دو کی حلت یقینی ہے اور ایک کی نسبت حرمت کا شک ہے۔

رہا ان کا یہ قول: قرعہ مطلقہ سے تحریم کو زائل نہیں کرتا اور نہ طلاق جس پر واقع ہوئی ہے اس سے ختم ہوگی۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا: جب مطلقہ مجہول ہوگئی اور اس کے تعین کی کوئی راہ نہ رہی تو قرعہ شاہد اور خبر کنندہ کے درجہ میں آ گیا کہ ضرورت کی وجہ سے یہی مطلقہ ہے کہ اس نے ایک راہ متعین کر دی ہے۔ جو مطلقہ مجہولہ ہے اس کی متعین طلاق تو معدوم کی طرح ہوگئی تھی۔ گو کہ فی الواقع وہ مطلقہ ہی تھی۔ شارع نے ہم کو معاملے کے اندرون کا مکلف نہیں بنایا بلکہ کھلے اور واضح کا مکلف بنایا ہے۔

اسی طرح اگر طلاق کو آدمی بالکل بھول گیا اور عورت سے جماع کرتا رہا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گیا تو اس کے احکام خاوند والے ہوں گے۔ نسب اس کے ساتھ ملے گا۔[1] وراثت[2] ثابت ہوگی۔ وہ نفس امر میں تو مطلقہ ہوگی لیکن اللہ کے حکم میں مطلقہ نہ ہوگی۔ اس کی مثال یوں ہے کہ نفس امر میں نیا چاند طلوع ہو گیا۔ لیکن لوگوں میں سے کسی نے اس کو نہیں دیکھا یا چاند بادلوں کے پیچھے ہے تو اس پر مہینہ شروع ہونے کے احکام لاگو نہیں ہوں گے اور نہ وہ اللہ کے حکم میں طلوع شمار ہوگا۔ اگر بادلوں کے پیچھے ہے تو اس پر مہینہ کا حکم لاگو نہ ہوگا اور نہ وہ اللہ کے حکم میں طلوع شمار ہوگا۔ گو کہ نفس امر میں وہ طلوع ہے۔ اس طرح کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

---

① یعنی اس جماع کے دوران کے حمل سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب۔ (مترجم)

② یعنی عورت کے لیے فوت شدہ خاوند کی بیوی کی وراثت۔ (مترجم)

اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عورت نفس امر میں مطلقہ ہے اور مرد کو اس کی طلاق کا علم نہیں ہے تو وہ حکم میں مطلقہ نہ ہوگی۔ جس طرح اگر وہ اس کی طلاق بھول گیا تھا۔

نیز ان کا کہنا کہ اسی طرح اگر اس کو یاد آیا کہ مطلقہ اور تھی تو وہ اس پر حرام ہوگی اگر تحریم اٹھ جائے یا طلاق ختم ہو جائے تو یاد آنے سے وہ نہ لوٹے گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مسلسل بھول کے ساتھ قرعہ نے عمل کیا۔ جب بھول ختم ہوگئی قرعہ کا عمل ختم ہو گیا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ جب تیمم والا پانی کے استعمال پر قادر ہو جائے تو اس کے تیمم کا حکم باطل ہو جائے گا۔ مٹی تو تب ہی کام کرتی ہے جب پانی میسر نہ ہو۔ جب پانی پر بندہ قادر ہو جائے تو مٹی کا حکم باطل ہو جائے گا۔ اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

ایک یہ ہے کہ اجتہاد پر عمل صرف اس وقت ہوتا ہے جب نص نہ ہو۔ جب نص واضح ہو جائے تو پھر اجتہاد نہیں۔ ماسوائے اس کے کہ نص کے مخالف کو باطل کرنا ہو۔

ان کا کہنا کہ خرقی نے اس شخص کے متعلق کہا ہے جس نے اپنی عورت کو طلاق دی اور اسے معلوم نہیں کہ آیا ایک طلاق دی ہے یا تین؟ اس پر تین لازم ہوں گی۔ جس نے طلاق کی قسم کھائی کہ وہ ایک کھجور نہ کھائے گا۔ وہ کھجوروں پر پڑی کہ اس نے ان میں سے ایک کھجور کھا لی اس کے لیے اس کی عورت حلال نہیں حتیٰ کہ معلوم ہو جائے کہ یہ وہ کھجور نہیں ہے جس پر طلاق واقع ہوئی ہے۔ انہوں نے عورت کو حرام کہا۔ باوجودیکہ اصل حکم بقاء نکاح ہے اور حرمت کا یقین اس کا معارض نہیں تو یہاں بالاولیٰ ہے؟

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ خرقی نے دو مسئلوں پر نص بیان کی ہے انہوں نے اپنے مختصر (رسالہ) میں ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ وہاں کہتے ہیں: جب آدمی نے اپنی ایک بیوی کو طلاق دی اور اس کو بھول گیا تو وہ عورت قرعہ کے ساتھ نکالی جائے گی۔ کہتے ہیں: یہی شیخ نے ان کے متعلق دو جگہوں پر ذکر کیا ہے۔ رہا وہ شخص جس نے شک کیا کہ آیا اس نے ایک طلاق دی ہے یا تین؟ تو اکثر نصوص اس پر ہیں کہ اس پر ایک لازم ہوگی اور یہی ظاہر مذہب ہے۔

خرقی نے دوسری روایت کو اختیار کیا ہے اور وہ بھی امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے جبکہ دونوں قولوں کا ماخذ اور ان میں سے راجح کا بیان گزر چکا۔ تینوں کے لزوم کے قول میں فرق کی وضاحت کی ہے۔ نیز بھولی ہوئی کو قرعہ سے نکالنے کی وضاحت کی ہے کہ: شرع میں مجہول معدوم کی طرح ہے۔ ہمیں دو بیویوں میں سے ایک پر طلاق کا وقوع معلوم نہ رہا اور ہمارے پاس ان دونوں کو مباح کرنے اور نہ ہی حرام کرنے کا کوئی راستہ رہا۔ اب مسئلہ کو یونہی چھوڑنے میں بظاہر خرابی ہے۔ لہٰذا قرعہ متعین ہو گیا۔ برخلاف اس شخص کے جس نے اپنی بیوی پر طلاق واقع کر دی جبکہ اس کے عدد میں شک کیا۔ اس کا شک تو اس میں ہے کہ آیا یہ طلاق رجوع سے ختم ہوگئی ہے یا نہیں ہوئی؟ لہٰذا اس نے اس پر تین کو لازم کر دیا تو اس قول میں ان دونوں کے مابین فرق ظاہر ہو گیا ہے۔

لہٰذا: اِس مذہب کا مشہور قول جو ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

رہا وہ شخص جس نے طلاق کی قسم کھائی تھی کہ وہ ایک کھجور نہ کھائے گا وہ قسم کچھ کھجوروں پر جا پڑی تو اس نے ان میں سے ایک کھالی۔ خرقی کہتے ہیں: اس کو اپنی بیوی سے جماع سے روکا جائے گا حتیٰ کہ اسے یقین ہو جائے، یہ قول کراہت اور تحریم کا احتمال رکھتا ہے۔

امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کی قسم نہیں ٹوٹی اور نہ اس پر اپنی بیوی سے جماع حرام ہوگا۔ یہی ابو الخطاب کا پسندیدہ مسلک ہے اور یہی صحیح ہے۔ اگر ان کی اس سے مراد تحریم ہو تو پھر ان کا قول اور امام مالک رحمہ اللہ کا قول ملتا جلتا ہے اس شخص کے متعلق جس نے طلاق دی اور شک کیا کہ آیا ایک طلاق دی ہے یا تین؟

فصل: جو قسم کھا کر بھول گیا

رہا وہ شخص جس نے قسم کھائی پھر اسے بھول گیا۔ نیز ان کا یہ کہنا کہ اس پر ہر قسم کھائی جانے والی چیز کا کفارہ لازم آئے گا تو یہ قول بہت ہی شاذ ہے۔ یہ امام مالک رحمہ اللہ سے مروی نہیں ہے۔ یہ تو ان کے بعض اصحاب کا قول ہے۔ جبکہ تمام اہل علم اس کے خلاف ہیں۔ اس شخص پر کچھ بھی لازم نہیں حتیٰ کہ اس کو یقین ہو جائے جیسا کہ اگر اس کو شک ہو کہ آیا اس نے قسم کھائی ہے یا نہیں؟

اگر کہا جائے کہ اس شخص کو قسم کا کفارہ لازم ہوگا کیونکہ یہ کم از کم ہے؟

اس کے جواب میں کہا جائے گا: قسموں سے واجب ہونے والے احکام مختلف ہوتے ہیں۔ جب قسم میں شک کیا گیا ہے کہ آیا اس نے قسم کھائی ہے یا نہیں؟ ہمارے شیخ کے قول کے مطابق اس پر صرف قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔ کیونکہ ان کے نزدیک ہر قسم سے یہی حکم واجب ہے۔ [1]

فصل: غیر معینہ وقت کی قسم کھانا

رہا وہ شخص جس نے قسم کھائی کہ وہ یہ کام ضرور کرے گا لیکن اس نے کوئی وقت متعین نہ کیا۔

تو جمہور کے نزدیک اس کو آخر عمر تک مہلت ہے۔ الا یہ کہ اپنے ذہن سے وہ کوئی وقت متعین کر دے تو وہ اس کا پابند ہوگا۔

اگر وہ اس کو بالکل چھوڑنے کا عزم کر لے تو عزم کی حالت میں اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ اس پر امام احمد رحمہ اللہ کی نص ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی قسم ٹوٹی ہوئی ہے حتیٰ کہ وہ کام کرے تو اس کے اور اس کی عورت کے درمیان رکاوٹ ڈالی جائے گی، یہاں تک کہ وہ قسم کھائے گئے کام کو کرے۔

یہی درست ہے۔ اس کی بنیاد سد الذرائع [2] ہے۔ اگر اس بندے کو موت تک مہلت دی جائے تو قسم کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ پھر حالت یہ ہوگی کہ قسم اور عدم قسم میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ اس میں اگر نیت نہ ہو تو یہ قسم قرینہ یا عرف پر محمول ہوگی اور یہ قسم ان تین باتوں سے الگ نہ ہو سکے گی۔

---

① یعنی اس قسم سے اس کو طلاق لازم نہ ہوگی۔ یہی وہ حق ہے جس پر کتاب و سنت سے دلیل موجود ہے۔ یہ بات ہمیں عنقریب آئندہ فصلوں میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہوگی۔ ان شاء اللہ۔ (الفقی)

② اصول فقہ کی رو سے سد الذرائع سے غلط کاموں کے روکنے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جائے وہ مراد ہے۔ یعنی غیر ضروری قسم سے روکنے کے لیے یہاں اُسے حانث بنایا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (مترجم)

فصل: مشروط اور معلق طلاق

رہا طلاق کو کسی ایسے وقت کے ساتھ معلق کرنا جو لامحالہ آنے والا ہے مثلاً مہینہ یا سال کا آخر دن کا آخر وغیرہ، تو فقہاء کے اس کے متعلق چار اقوال ہیں:

پہلا قول: اس کو کسی حال میں طلاق نہ ہوگی۔ یہ مذہب امام ابن حزم رحمہ اللہ کا ہے۔ ابو عبدالرحمن شافعی نے اسی کو اختیار کیا ہے جو کہ بڑے نامور فقیہ ہیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ طلاق شرط کے ساتھ تعلیق کو قبول نہیں کرتی جس طرح نکاح بیع، اجارہ اور ابراء وغیرہ قبول نہیں کرتے۔ کہتے ہیں: نہ اس کو فی الحال طلاق ہوگی اور نہ اس شرط کا وقت آنے پر۔ فی الحال اس لیے نہیں کہ اس نے اس کو ابھی پورے طور پر واقع نہیں کیا اور وقت آنے پر اس لیے نہیں کہ اس وقت اس سے یہ صادر نہیں ہوئی۔ وقت آنے کے علاوہ اس نے نئے سرے سے طلاق نہیں دی۔ جبکہ وقت کا آنا طلاق نہیں ہوتا۔

(دوسرا قول): دوسروں[1] کا قول اس کے مقابل ہے۔ وہ کہتے ہیں: طلاق فی الحال واقع ہو جائے گی یہ امام مالک کا اور تابعین کی ایک جماعت کا مذہب ہے۔

ان کی دلیل یہ ہے: کہتے ہیں: اگر فی الحال طلاق واقع نہیں ہوئی تو بندے کو ایک وقت مقرر تک جماع کے مباح ہونے کی اجازت مل گئی۔ جبکہ یہ شرع میں جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جماع کا مباح ہونا صرف مطلق ہوتا ہے وقت مقرر تک نہیں ہوتا۔ اسی لیے نکاح متعہ حرام ہے کیونکہ اس میں وقت مقرر شامل ہے۔ نیز مکاتبہ[2] سے جماع بھی حرام ہے۔ پھر آپ دیکھیں کہ اگر اس کو وقت سے الگ کر دیا جائے مثلاً مالک (لونڈی کو) کہے: اگر تو میرے پاس ایک ہزار درہم لائے تو تو آزاد ہے تو اس سے جماع منع نہ ہوگا۔

وقت آ جانے پر طلاق واقع کرنے والے کہتے ہیں: یہ جائز نہیں کہ ابتداء کے حکم سے ہمیشگی کا حکم لے لیا جائے۔ شریعت نے کئی جگہوں پر ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے۔ مثلاً بحالت احرام عقد نکاح کی ابتداء حرام ہے نہ کہ اس کا دوام۔ عدت والی پر عقد نکاح کی ابتداء فاسد ہے نہ کہ اس کا دوام۔ گنجائش ہوتے ہوئے اور زنا کا خوف نہ ہوتے ہوئے بھی[3] لونڈی سے عقد نکاح کی

---

[1] یہاں پر ''دوسرا قول'' کا عنوان ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اصل کتاب میں نہیں ہے۔ بات کو بہتر طریقہ سے سمجھنے کے لیے ہم نے بریکٹ میں اس کا اضافہ کر دیا ہے۔ جبکہ پہلا، تیسرا اور چوتھا قول اصل کتاب کے عنوان ہیں۔ (مترجم)

[2] مکاتبہ وہ لونڈی ہے جس سے اس کا مالک آزادی کے لیے کچھ رقم وغیرہ مقرر کر کے لکھ لے جس کی ادائیگی کے بعد وہ آزاد ہو جائے گی۔ (مترجم)

[3] ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ﴾ (النساء: ۲۵) ''اور جو شخص تم میں سے آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرنے کا مقدور نہ رکھے تو مومن لونڈیوں ہی سے جو تمہارے قبضے میں آ گئی ہوں (نکاح کر لے) اور اللہ تمہارے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے تم میں سے بعض بعض سے ہے، تو ان لونڈیوں کے ساتھ ان کے مالکوں سے اجازت حاصل کر کے نکاح کر لو اور دستور کے مطابق ان کا مہر بھی ادا کر دو۔ بشرطیکہ پاک دامن ہوں نہ ایسی کہ کھلم کھلا بدکاری کریں اور نہ در پردہ دوستی کرنا چاہیں۔ پھر اگر نکاح میں آ کر بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں تو جو سزا آزاد عورتوں کے لیے ہے اس کی آدھی ان کو (دی جائے)۔ یہ اجازت اس شخص کو ہے جسے گناہ کر بیٹھنے کا اندیشہ ہو اور اگر صبر کرو تو یہ تمہارے لیے بہت اچھا ہے۔''

آیت میں آمدہ لفظ ''طول'' کا مطلب وہ اضافی مال ہے جس سے آزاد عورتوں سے نکاح ممکن ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جو تین سو درہم کا مالک ہو اس پر حج واجب ہے اور اس پر لونڈیوں سے نکاح حرام ہے۔ (الفقی)

ابتداء فاسد ہے اس کا دوام فاسد نہیں ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے موافقین کے نزدیک زانیہ سے عقد نکاح کی ابتداء فاسد ہے[1] اس کا دوام فاسد نہیں ہے۔ اس طرح کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

کہتے ہیں: جس مفہوم سے نکاح متعہ حرام ہے، وہ بنیادی طور پر نکاح کا وقت مقرر تک ہونا ہے۔ یہ نکاح مطلق ہے۔ یہ ایک چیز اگر اچانک پیش آ گئی ہے جو اس کو ختم اور باطل کر رہی ہے تو یہ باطل نہیں۔ جس طرح اگر وہ طلاق کو شرط کے ساتھ معلق کرے جبکہ وہ جانتا ہے کہ وہ یہ کرے گی اور خود بھی لازما یہ کرے گا۔ لیکن اس کو پیچھے چھوڑنا جائز ہے۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ اگر آئندہ وقتِ معلوم کے ساتھ معلق طلاق تین والی ہو تو فی الحال واقع ہو جائے گی اور اگر رجعی ہو تو وقت آنے سے پہلے واقع نہ ہوگی یہ امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایات میں سے ایک ہے۔ مہنا کی روایت میں اس پر ان کی نص ہے ''جب اس نے کہا کہ تجھ کو میری موت سے ایک ماہ قبل تین طلاق ہے اس کو اسی وقت طلاق ہو گی۔ سعید بن مسیب اور زہری رحمہ اللہ طلاق میں وقت مقرر نہ کرتے تھے۔'' مہنا کہتے ہیں، میں نے ان سے کہا: جس کے متعلق مرد نے کہا ہو کہ تجھ کو میری موت سے ایک ماہ قبل تین طلاق۔ کیا وہ عورت شادی کر سکتی ہے؟ فرمایا: نہیں۔ لیکن مرد کو اس سے جماع سے مستقل روک دیا جائے گا حتی کہ وہ مر جائے۔ یہ ان کے الفاظ ہیں۔

یہ تو نہایت اشکال والی بات ہے کہ اس نے عورت پر طلاق واضح طور پر واقع کر دی ہے۔ لیکن اس کو شادی سے روک دیا ہے کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔ اس سے جماع حرام ہو گیا جو کہ طلاق کا نتیجہ ہے اور اس کو شادی سے روک دیا کیونکہ نکاح نہ کسی نص کے ساتھ ختم ہوا تھا اور نہ جماع کے ساتھ۔

اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب طلاق تین والی ہو تو مرد کے لیے وقت مقرر آ جانے کے بعد اس عورت سے جماع حلال نہیں اور جماع کی حالت وقت مقرر والی ہو جائے گی۔ اگر رجعی ہو تو وقت مقرر کے بعد اس سے جماع جائز ہو گا پھر حالت وقت مقرر والی نہ ہو گی۔ پہلے قول کی نسبت یہ زیادہ فقہ والا (بہتر) قول ہے۔

چوتھا قول: یہ ہے کہ اُس عورت کو طلاق نہ ہو گی مگر وقت آنے پر ہی اور یہ جمہور کا قول ہے لیکن ان کا اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا مرد فی الحال طلاق دینے والا ہے اور وقت کا آنا نفاذ طلاق کی شرط ہے۔ جیسے اس نے اگر کسی کو وکیل بنایا اور کہا: تم مہینے کے آخر تک تصرف نہ کرو تو مہینے کے آخر کا آ جانا اس کے اختیار کے نفاذ کی شرط ہے نہ کہ حصول وکالت کی۔ برخلاف اس کے اگر اس نے کہا ہوتا: جب مہینے کا آخر آ جائے تو میں نے تمہیں وکیل بنا دیا۔

اس لیے امام شافعی رحمہ اللہ ان دونوں میں فرق کرتے ہیں وہ پہلی صورت کو درست اور دوسری کو باطل کہتے ہیں۔

یا کہا جائے گا کہ وہ مرد فی الحال طلاق دینے والا نہیں ہے۔ وہ تو وقت مقرر آنے پر طلاق دینے والا ہے۔ تو پھر یہ فرض کیا جائے گا کہ اس نے کہا ''تو طلاق والی ہے۔'' لہٰذا شرط کا حصول اور ''تو طلاق والی ہے'' کا فرضی حصول اکٹھا ہی ہو جائے گا۔

---

[1] ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً ۫ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْکِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ ﴾ (النور: ۳) ''بدکار مرد تو بدکار یا مشرک عورت کے سوا نکاح نہیں کرتا اور بدکار عورت کو بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوا اور کوئی نکاح میں نہیں لاتا اور یہ مومنوں پر حرام ہے۔'' (الفقی)

تو پہلی فرضی صورت میں سبب مقدم ہو گیا اور اس کی تاثیر کی شرط مؤخر ہو گئی۔ جبکہ دوسری صورت میں نفسِ سبب فرضی طور پر وقت آنے تک مؤخر ہو گیا پھر گویا اس نے یوں کہا: جب مہینہ کا آخر آ جائے تو میں تیرے لیے کہنے والا ہوں کہ ''تو طلاق والی ہے'' لہٰذا: جب ماہ کا آخر آ گیا تو اس لفظ متقدم کو وہ فرضی طور پر کہنے والا ہو گیا۔

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ شرط کے ہوتے ہوئے علت نہیں رہتی۔ جب شرط پائی گئی اور علت بھی پائی گئی تو علت کا وجود شرط کی طرف مضاف ہوگا۔ شرط کے وجود سے پہلے معلق علیہ علت نہ تھا۔ برخلاف وجوب کے کہ وہ شرط آنے سے پہلے بھی ثابت ہوتا ہے۔

بالفرض کسی نے کہا: ''اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تو طلاق والی ہے'' اس میں وقوع کی علت طلاق کا لفظ بولنا ہے۔ داخل ہونا شرط ہے۔ اور شرط سے قبل علت کا وجود نہ ہونا اس کی تاثیر ہے۔ جب شرط پائی گئی تو علت پائی گئی۔

شوافع کہتے ہیں: شرط کا اثر حکم کی مہلت میں ہے۔ جبکہ علت موجود ہے۔ اگر علت کی تاثیر شرط کا وقت آنے تک مؤخر ہو گئی ہے تو متقدم علت ہے اور اس کی تاثیر شرط کے آنے تک مؤخر ہو گئی ہے۔

فصل: وضو ٹوٹنے میں شک کرنا

رہا وہ فتویٰ جو حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ اور دو میں سے ایک روایت کے مطابق امام مالکؒ نے دیا ہے کہ جس شخص کو شک ہو کہ آیا اس کا وضو ٹوٹا ہے یا نہیں؟ اس شخص پر لازم ہے کہ وہ احتیاطاً وضو کر لے اور اس طہارت کے ساتھ نماز میں شامل نہ ہو جس میں شک کیا گیا ہے۔ تو یہ مسئلہ فقہاء کے مابین نزاعی ہے۔

جمہور، امام شافعی، امام احمد، امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب رحمہم اللہ اور دوسری روایت کے مطابق امام مالکؒ کہتے ہیں: اس پر وضو واجب نہیں ہے اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اسی وضو سے نماز پڑھ لے جس کا اس کو یقین ہے جبکہ اس کے ٹوٹنے کا شک ہے۔

ان کی دلیل صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِيْ بَطْنِهِ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ: أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا، فَلَا يَخْرُجْ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيْحًا»

''جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں (ہوا وغیرہ) کچھ پائے اور اس کو اشکال ہو کہ آیا اس سے کچھ خارج ہوا ہے یا نہیں؟ تو وہ مسجد سے نہ نکلے حتیٰ کہ آواز سن لے یا بو پا لے۔''

یہ حکم نمازی بندے اور دیگر سب لوگوں کے لیے عام ہے۔

پہلے قول والے کہتے ہیں: نماز اس شخص کے ذمے قطعی طور پر ثابت ہے۔ جبکہ وہ اس وضو کے ساتھ اس سے بری الذمہ ہونے میں شک کرتا ہے۔ اب یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی نماز صحت پر باقی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نماز ٹوٹنے سے باطل ہو گئی ہو تو اس شخص کو اپنے بری الذمہ ہونے کا یقین نہ رہا۔ نیز اس بندے کو نماز کی شرط میں بھی شک ہے کہ آیا وہ باقی تھی یا نہیں؟ تو وہ اس میں شک کے ساتھ داخل نہ ہو۔

دوسرے فقہاء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس کی یہ نماز اس طہارت کی بنیاد پر ہے جو معلوم ہے اور اس کے بطلان کا شک ہے

توشک کی طرف نہ دیکھا جائے گا۔ نہ اس شک کے ساتھ یقین ختم ہوگا۔ مثلاً اگر بندے کو شک ہو کہ آیا اس کے کپڑے یا بدن پر نجاست لگی ہے یا نہیں؟ تو اس پر اس کا دھونا واجب نہیں۔ لیکن وہ نماز میں شک کے ساتھ داخل ہوا تو انہوں نے اپنے مابین دو فرق رکھے ہیں:

پہلا فرق: اجتناب نجاست شرط نہیں۔ اس لیے اس کی نیت واجب نہیں۔ یہ تو ایک مانع ہے۔ اصل اس کا عدم ہے۔ برخلاف وضو کے وہ شرط ہے۔ اس کے ثبوت میں شک ہو گیا ہے تو یہ کہاں اور وہ کہاں؟

دوسرا فرق: وہ شخص وضو سے پہلے بے وضو تھا۔ اس میں یہ اصل ہے۔ جب اس (وضو) کی بقا میں شک ہوا تو اصل کی طرف لوٹ آیا۔ اس میں اصل نجاست نہیں کہ ہم کہیں کہ جب اس کے حصول میں شک ہوا تو ہم اصل نجاست کی طرف لوٹ آئے۔ اُدھر اصل طہارت کی طرف لوٹنا ہے۔ ادھر اصل بے وضو ہونے کی طرف لوٹنا ہے۔

دوسرے کہتے ہیں: اصل بے وضو ہونا تو یقین طہارت سے ختم ہو چکا تو طہارت ہی اصل ہوگئی۔ جب ہمیں بے وضو ہونے میں شک ہوگا ہم اس کی طرف لوٹیں گے تو یہ باتیں کہاں ہیں اور شرعاً، عقلاً اور عرفاً مذموم وسوسے کہاں ہیں؟

فصل: کپڑے پر اگر نجاست کی جگہ مخفی ہو جائے

رہا تمہارا یہ کہنا کہ: جس پر کپڑے کی نجاست کی جگہ مخفی ہو جائے اس بندے کے لیے سارا کپڑا دھونا واجب ہے؟

یہ وسوسہ نہیں ہے۔ اس کا تعلق ''جس کے بغیر واجب ادا نہیں ہوتا'' کے باب سے ہے۔ جب اس پر اپنے کپڑے کا (گندہ) حصہ دھونا واجب ہوا اور اس کو متعین طور پر حصہ معلوم نہ تھا۔ تو اس واجب کی ادائیگی معلوم کرنے کا کوئی راستہ اس کے بغیر نہ تھا کہ سارا کپڑا ہی دھو لیا جائے۔

فصل: اگر پاک اور نجس کپڑے مل جائیں

رہا کپڑوں کا یہ مسئلہ کہ ان میں سے پاک اور نجس کپڑے مشتبہ ہو گئے ہیں تو یہ بھی ایک نزاعی مسئلہ ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ بندہ ایک کپڑے کے بعد دوسرے کپڑے میں نماز پڑھ لے حتیٰ کہ اس کو یقین ہو جائے کہ اس نے پاک کپڑے میں نماز پڑھی ہے۔

جمہور، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور دوسری روایت کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ پاک کپڑے کی جستجو کرے کسی ایک کپڑے میں نماز پڑھ لے۔ جس طرح وہ (مشتبہ ہو جانے پر) قبلہ کی جستجو کرتا ہے۔

مزنی اور ابوثور رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ ننگا نماز پڑھ لے۔ ان میں سے کسی کپڑے میں نماز نہ پڑھے۔ کیونکہ نجس کپڑا شرعاً نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس میں نماز حرام ہے۔ اگر وہ پاک کپڑے کے ساتھ خود کو ڈھانپنے سے عاجز آ گیا تو اس سے ڈھانپنے کا فرض ساقط ہو گیا۔ یہ سب سے ضعیف قول ہے۔

جستجو والا قول بظاہر راجح ہے۔ پاک کپڑوں کی تعداد زیادہ ہو یا کم۔ یہ ہمارے شیخ کا پسندیدہ قول ہے۔ ابن عقیل تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: اگر کپڑوں کی تعداد زیادہ ہو تو مشقت ختم کرنے کے لیے جستجو کر لے اور اگر کم ہو تو یقین پر عمل کر لے۔

ہمارے شیخ کہتے ہیں: نجاست سے اجتناب کرنا ممنوع کے باب سے ہے۔ اگر آدمی نے جستجو کی اور اس کا گمان غالب کسی کپڑے پر ہوا تو وہ اس میں نماز پڑھ لے گا۔ اس کی نماز پر شک کی وجہ سے بطلان کا حکم نہ لگایا جائے گا۔ بے شک اصل تو عدم نجاست ہے۔ اگر اس کپڑے میں اس کو عدم نجاست کا شک ہے تو وہ اس میں نماز پڑھ لے گا۔

جس طرح اگر اس نے کوئی کپڑا خریدا یا مستعار لیا اور اس کو اس کے حال کا علم نہ ہو۔

امام ثور رحمہ اللہ کا قول نہایت برا ہے۔ اگر اس کو کپڑے کی نجاست کا یقین ہو تو بھی اس کی اس کپڑے میں نماز بہتر ہے اور اللہ کو پسند ہے، نا یہ کہ ننگا نماز پڑھ لے اور اپنی شرم گاہ کو دیکھنے والوں پر کھلا رکھے۔

بہر حال! اس کا تعلق مذموم وسوسہ سے نہیں ہے۔

فصل: برتنوں کا اشتباہ

رہا برتنوں کے مشتبہ ہونے کا مسئلہ (کہ ان میں موجود پانی نجس ہے یا پاک) تو یہ بھی وسوسہ کے باب سے نہیں ہے۔ اس کے متعلق فقہاء نے واضح اختلاف کیا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: ان کو چھوڑ دے اور تیمم کر لے۔ ایک موقع پر فرمایا: (ان میں موجود) پانی بہا دے اور تیمم کر لے تا کہ اس بات کا یقین ہو جائے کہ اس کے پاس پاک پانی بالکل نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اگر پاک برتنوں کی تعداد زیادہ ہو تو وہ جستجو کر لے اور اگر برابر ہوں یا نجس زیادہ ہوں تو جستجو نہ کرے۔

یہ ابوبکر ابن شاقلا اور حنابلہ میں سے نجاد رحمہ اللہ [1] کا پسندیدہ مسلک ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور مالکیہ کہتے ہیں: وہ ہر حال میں جستجو کرے گا۔

عبدالملک بن ماجشون رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہر ایک کے ساتھ ایک وضو کر لے اور نماز پڑھے۔

محمد بن مسلمہ مالکی رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ ان میں سے ایک سے وضو کر لے اور نماز پڑھے پھر جو کچھ اس سے لگا ہوا سے دھو لے۔ پھر دوسرے سے وضو کرے اور نماز پڑھے۔

ایک طائفہ کا قول ہے جس میں ہمارے شیخ بھی ہیں: وہ جس برتن سے چاہے وضو کر لے اور نماز پڑھے۔ بنیاد یہ ہے کہ پانی نجس نہیں ہوتا جب تک اس میں تغیر نہ آئے اور مسئلہ کی حالت نہ بدلے۔

یہاں موقع نہیں کہ ان اقوال کے دلائل اور ان میں سے راجح کو ذکر کیا جائے۔

فصل: قبلہ مشتبہ ہونا

رہا یہ مسئلہ کہ اگر قبلہ مشتبہ ہو جائے تو سب اہل علم کا خیال یہ ہے کہ بندہ (قبلہ رخ کی) جستجو کرے اور ایک نماز پڑھ لے۔

بعض لوگوں نے شاذ موقف اختیار کیا ہے۔ کہتے ہیں: وہ چاروں اطراف کا رخ کر کے چار نمازیں پڑھے گا۔ یہ قول شاذ ہے

---

[1] نجاد، احمد بن سلیمان بن حسن عالم، متقی اور پرہیز گار ہیں۔ ان کی روایات امام احمد رحمہ اللہ سے بہت ہیں۔ ان کی احادیث اور کتب بھی بکثرت ہیں۔ ذی الحجہ ۳۴۸ھ میں انھوں نے وفات پائی۔ (الفقی)

اورسنت کے خلاف ہے۔ اس کے قائل نے یہ مسئلہ کپڑوں کے اشتباہ سے لازم کیا ہے۔ یہ اوراس طرح کے وجوب تنگیوں کے وقت ہوتے ہیں تاکہ دلیل پکڑنے والے کی ایسی دلیل کورد کیا جائے جس کی طرف التفات نہیں کیا جاتا اور نہ اس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

اس کی مثال ازالۂ نجاست کے لیے نیت کی شرط لازمی بنانے کا وجوب ہے۔ جب اصحاب ابوحنیفہ نے لوگوں پر اس کو لازم کیا۔ تو بعض نے کہا: یہ ہمارا قول ہے۔

اس کی (دوسری) مثال امام کے ساتھ تکبیر پالینے سے جمعہ کو پالینا ہے۔ جب حنفیہ نے اس میں مخالفت کرنے والوں کے لیے جمعہ اور جماعت کے مابین برابری لازم کی تو بعض نے اس کو واجب کیا اور کہا کہ: یہ ہمارا قول ہے۔

فصل: چھوڑی ہوئی نماز کا بھول جانا

رہا وہ شخص جس نے ایک دن میں کوئی نماز چھوڑی اور اس کو اس کا متعین علم نہ رہا تو فقہاء نے اس مسئلہ پر چند اقوال کی صورت میں اختلاف کیا ہے:

پہلا قول:...... اس پر پانچ نمازیں لازم ہیں۔ اس پر امام احمد رحمہ اللہ کی نص ہے۔ یہی امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور اسحاق رحمہ اللہ کا قول ہے۔ کیونکہ اس کے بالیقین بری الذمہ ہونے کا علم اس طریقہ کے بغیر کسی طرح نہیں ہوسکتا۔

دوسرا قول:...... یہ ہے کہ وہ چار رکعت والی نماز پڑھے گا اور اس پر جو نماز لازم ہے وہ اس کی نیت کرے گا۔ دوسری، تیسری اور چوتھی رکعت کے بعد بیٹھے گا۔ یہ امام اوزاعی، زفر بن ہذیل اور محمد بن مقاتل حنفی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

ان کی بنیاد یہ ہے کہ وہ نماز سے بغیر نبی ﷺ پر درود پڑھے اور سلام کے نکلے گا۔ نیز فرض کی نیت بغیر تعیین کے بھی کفایت کرتی ہے۔ جیسے زکوٰۃ میں ہے۔ اگر بھولی ہوئی نماز چار رکعت والی ہے تو تیسری کے بعد اس کا بیٹھنا نقصان دہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ جنس نماز سے اضافہ ہے نہ کہ دانستہ طور پر ہے۔

تیسرا قول:...... یہ ہے اس کو بس یہ کافی ہے کہ وہ فجر اور مغرب اور ایک چار رکعت والی نماز پڑھ لے اور جو نماز اس پر لازم ہے اس کی نیت کرلے۔ یہ سفیان ثوری اور محمد بن حسن رحمہ اللہ کا قول ہے۔ جب ہم کہیں گے کہ فرض کی نیت بغیر تعیین کافی ہے تو اس مذہب کی توجیہ لازم آئے گی۔

عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: کسی شخص نے میرے والد[1] سے سوال کیا: آپ اس شخص کے متعلق کیا کہتے ہیں جس کو یاد آیا کہ اس کے ذمہ ایک نماز لازم ہے جب کہ متعین طور پر اس کا علم نہیں۔ وہ دو رکعت نماز پڑھے، بیٹھے اور تشہد پڑھے اور اس پر فجر کی نیت کرے اور سلام نہ پھیرے پھر اٹھے اور ایک رکعت پڑھے، بیٹھے، تشہد پڑھے اور اس پر مغرب کی نیت کرنے پھر اٹھے سلام نہ پھیرے اور چوتھی رکعت پڑھے، پھر بیٹھے، تشہد پڑھے اور اس پر ظہر، عصر اور عشاء کی نیت کرے پھر سلام پھیرے؟

میرے والد نے اس کو کہا: عراقیوں کے مذہب کے مطابق یہ اسے کافی ہے اور نماز ادا ہوجائے گی۔ کیونکہ تشہد کے متعلق ان کا اعتماد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر ہے:

---

[1] والد سے مراد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہیں۔ (مترجم)

«إِذَا قُلْتَ هٰذَا فَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُكَ»[1]

''جب تم نے یہ کہہ لیا تو تمہاری نماز پوری ہوگئی۔''

رہا ہمارا مذہب اور ہمارے ساتھی ابوعبداللہ شافعی رحمہ اللہ کا مذہب تو وہ یہ ہے کہ یہ نماز اس کو کفایت نہ کرے گی کیونکہ ہمارا مذہب آنحضرت ﷺ کے اس فرمان پر ہے:

«تَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ»[2]

''نماز کی تحریم تکبیر ہے اور اُس کی تحلیل سلام ہے۔''

نیز ہمارا مذہب رسول اللہ ﷺ پر تشہد میں درود پڑھنا ضروری ہونے کا بھی ہے۔ یہ ان کے لفظ ہیں۔

ابوالبرکات کہتے ہیں: اس میں امام احمد رحمہ اللہ کی طرف سے وضاحت کی جا رہی ہے کہ ایک کی قضاء اس کو کفایت نہ کرے گی۔ کیونکہ جو معتبر تحلیل[3] ہے وہ یہاں ممکن نہیں۔ نہ کہ تعیین کی نیت فوت ہونے کی وجہ سے۔ جب تین سے قضاء کرے گا جیسا کہ امام ثوری رحمہ اللہ نے کہا ہے تو خرابی دور ہو جائے گی۔

بہر حال! اس مسئلہ میں وسوسہ والوں کے لیے تو کچھ بھی سکون نہیں ہے۔

---

[1] حافظ زیلعی رحمہ اللہ تخریج احادیث ہدایہ میں کہتے ہیں: مصنف نے اس سے تشہد میں نبی ﷺ پر درود کی عدمِ فرضیت کی دلیل لی ہے۔ یہ گزر چکا ہے کہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے اسے اپنی سنن میں بیان کیا ہے۔ معالم السنن، ج ۱، ص ۲۲۹ میں خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس اضافہ کے متعلق محدثین کا اختلاف ہے کہ آیا یہ نبی ﷺ کا کلام ہے یا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا کلام ہے اور حدیث میں مدرج کیا گیا ہے؟ اگر یہ مرفوعاً صحیح سند سے نبی ﷺ سے ثابت ہے تو اس میں دلیل ہے کہ تشہد میں نبی ﷺ پر درود واجب نہیں ہے۔ انتہیٰ

امام بیہقی رحمہ اللہ سنن، ج ۲، ص ۱۷۴ میں کہتے ہیں: اسے شبابہ بن سوار نے اپنی روایت میں بیان کیا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے کلام کو نبی ﷺ کے کلام سے الگ کیا ہے۔ اسی طرح اسے عبدالرحمن بن ثابت بن ثوبان نے حسن بن حر سے الگ اور جدا بیان کیا ہے۔ ابن حبان رحمہ اللہ اپنی کتاب کی قسم اول کی نوع نمبر ۲۱ میں بلفظِ ''سنن'' اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: جن لوگوں کو علم حدیث کی مہارت نہیں ان کو اس حدیث نے وہم دیا ہے کہ تشہد میں نبی ﷺ پر درود واجب نہیں۔ یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ ''جب تم نے یہ کہہ دیا...... الخ۔''

یہ اضافہ ہے جسے زہیر بن معاویہ نے اس روایت میں حسن بن حر سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں: ابن ثوبان نے ذکر کیا ہے کہ یہ اضافہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے ہے۔ نبی ﷺ کے قول سے نہیں ہے۔ زہیر نے اس کو حدیث میں درج کر دیا ہے۔ اسی طرح امام زیلعی رحمہ اللہ نے امام دارقطنی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ کسی راوی نے اسے زہیر سے اس حدیث میں درج کیا ہے اور اسے نبی ﷺ کے کلام سے ملا دیا ہے۔ شبابہ نے اسے زہیر سے الگ بیان کیا ہے اور اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول بنایا ہے۔ یہی بات زیادہ صحیح ہے۔ پھر اس کی وجہ بھی بیان کی ہے۔ دیکھیے: نصب الرایہ، ج ۱، ص ۴۲۴ اور اس کا حاشیہ بھی۔ اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی کتاب الصلاۃ و آداب المشی إلیہا بھی دیکھیں جو میری تحقیق کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔ (عفیفی)

[2] اسے امام احمد، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ، شافعی اور حاکم رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح بھی کہا ہے۔ سب نے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی روایت سے کیا ہے۔ ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ اس مسئلہ میں سب سے صحیح اور احسن روایت ہے۔ ابونعیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کے ساتھ ابن عقیل عن ابن الحنفیة عن علی متفرد ہیں۔ بزار رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسے ہم صرف اس سند سے جانتے ہیں۔ عقیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی سند میں نرمی ہے۔ (الفقی)۔ مترجم کہتا ہے دیکھیے: مسند الامام احمد، ج: ۱، ص: ۱۲۳۔

[3] تحلیل کا مطلب ہے کہ سلام پھیرنے سے نماز میں ممنوع کام حلال ہو جاتے ہیں۔ اور تحریم کا مطلب ہے وہ کام حرام ہو جاتے ہیں۔ مترجم۔

فصل: نماز میں شک

رہا وہ شخص جس نے اپنی نماز میں شک کیا تو وہ یقین پر بنیاد رکھے گا۔ کیونکہ شک کے ساتھ اس کا ذمہ نماز ختم نہ ہوگا۔

رہا شکار کا کھانا حرام کہنا جب شکاری کو شک ہو کہ آیا وہ زخم لگنے سے مرا ہے یا پانی کے ساتھ؟ اسی طرح اس کا کھانا حرام کہنا جب اس کے کتے کے ساتھ کوئی اور کتا مل گیا ہو۔ تو یہ ایسی بات ہے جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا ہے کیونکہ اس شخص نے حلت کے سبب میں شک کیا تھا۔

حیوان میں اصل حرمت ہے۔ جب اس کی حلت کے سبب میں شک ہو تو مباح نہ ہوگا۔ برخلاف ان چیزوں کے جن کی اصل حلت ہو۔ ان کی حرمت کے سبب میں شک پر حرمت نہ ہوگی۔ مثلاً کوئی شخص پانی، کھانا یا کوئی کپڑا خریدے جس کی حالت کا اس کو علم نہ ہو تو اس کو پینا، کھانا اور پہننا جائز ہوگا، اگرچہ اس کو شک ہو کہ نجس ہوا ہے یا نہیں؟ جب شرط کا معتبر ہونا مشکل ہو یا اصل عدم مانع ہو تو وہ قابل التفات نہیں۔

پہلی مثال:...... جب کوئی گوشت لایا جائے، اور معلوم نہ ہو کہ ذبح کرنے والے نے اس پر اللہ کا نام پڑھا ہے یا نہیں؟ یا اس کو حلق اور لبہ میں چھری پھیری ہے اور ذبح کی شروط کو پورا کیا ہے یا نہیں؟ اس کا کھانا حرام نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی تفتیش مشکل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! بعض دیہاتی لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اس پر اللہ کا نام پڑھا ہے یا نہیں؟ فرمایا:

«سَمُّوْا أَنْتُمْ وَكُلُوْا»[1]

''تم اللہ کا نام پڑھ لو اور کھاؤ۔''

باوجودیکہ آپ ﷺ نے وہ کھانے سے منع کیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ پڑھا جائے۔

دوسری مثال:...... جیسے ہم نے پانی، کھانے اور لباس کا ذکر کیا ہے کہ ان میں اصل طہارت ہے اور نجس کنندہ کے وجود میں شک ہے، لہٰذا وہ قابل التفات نہیں۔

فصل: اعضائے وضو کی چمک

رہا وہ جو تم نے حضرت ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے تو یہ ایک ایسی بات ہے جس کے ساتھ وہ سب صحابہ سے منفرد ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے موافقت نہیں کی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: میرے کچھ خیالات ہیں تو تم میری پیروی نہ کرو۔

امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ آنکھوں کے اندرونی حصہ کا وضو مستحب نہیں ہے گو کہ تکلیف کا اندیشہ نہ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب من لم یر الوساوس و نحوها من الشبهات، ج: ٣، ص: ٥؛ سنن دارمی، کتاب الاضاحی، باب اللحم یوجد فلا یدری أذکر اسم اللّٰه علیه أم لا، ج: ١، ص: ٤٧٩۔

بھی ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے منقول نہیں کہ آپ نے کبھی یہ کیا ہو یا اس کا حکم دیا ہو۔ جب کہ آپ کے وضو کو بہت سے صحابہ نے بیان کیا ہے۔ مثلاً حضرت عثمان، علی، عبداللہ بن زید، ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ ان میں سے کسی نے نہیں کہا کہ آپ نے اپنی آنکھوں کے اندرونی حصہ کو دھویا ہو۔

جنابت میں اس کے وجوب کے متعلق امام احمد رحمہ اللہ سے دو روایات ہیں۔ ان میں سے صحیح ترین یہ ہے کہ یہ واجب نہیں، اور یہ جمہور کا قول ہے۔ اس مؤقف کی بنیاد پر ان کا نجاست کے وقت دھونا بھی واجب نہ ہوگا۔ بلکہ یہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ اس وقت تکلیف زیادہ غالب ہے۔ اس لیے کہ تکرار اور کوشش زیادہ ہے۔

شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ واجب ہے کیونکہ ان کو نجاست کم پہنچتی ہے لہٰذا ان دونوں کا دھونا مشکل نہیں ہے۔

اصحاب احمد میں سے بعض فقہاء نے غلو کیا ہے اور انہوں نے وضو میں ان کا دھونا واجب کہا ہے۔ یہ ایسا قول ہے جو نا قابل التفات اور نا قابل توجہ ہے۔ درست بات یہ ہے کہ: وضو جنابت اور نجاست میں ان کا دھونا واجب نہیں ہے۔ رہا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فعل تو یہ انہوں نے از خود حدیث کی تفسیر بنالی تھی۔ (یعنی انہوں نے حدیث سے اپنی دانست کے مطابق مسئلہ بیان کردیا مترجم۔) دیگر صحابہ نے ان کی مخالفت کی تھی اور وہ ان پر ردّ کرتے تھے۔ اس مسئلہ کو " مسئله اِطالةُ الغرّة "[1] کا نام دیا گیا ہے۔ گو کہ غرہ چہرے کے ساتھ خاص ہے۔

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے اس کے متعلق دو روایات ہیں:

پہلی روایت: اس کو بڑھانا مستحب ہے۔ یہی قول امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے اور اسی کو ابو البرکات ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔

دوسری روایت: یہ مستحب نہیں ہے۔ یہ مذہب امام مالک رحمہ اللہ کا ہے اور ہمارے شیخ ابو العباس کا اختیار کردہ ہے۔

جو لوگ اسے مستحب سمجھتے ہیں، ان کی دلیل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتُمُ الْغُرُّ الْمُحَجَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ أَثَرِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ فَلْيُطِلْ غُرَّتَهُ وَتَحْجِيْلَهُ»[2]

"تم روزِ قیامت وضو کے نشانات سے سفید اور چمکتے ہوگے۔ تو تم میں سے جو چاہے کہ وہ اپنی چمک اور سفیدی کو بڑھائے اسے چاہیے کہ وہ کرے۔"

نیز فرمایا: «تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوْءُ»[3]

"مؤمن کا زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو پہنچے گا۔"

---

[1] "غرہ" گھوڑے کے چہرے کی سفیدی کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد مؤمن کا نور اور زیور ہے جو روزِ قیامت اس کے اعضائے وضو پر ہوگا۔ (المنتقی) مترجم کہتا ہے: اطالة الغره کا مطلب اپنی چمک کو بڑھانا اور لمبا کرنا ہے۔

[2] متفق عليه، صحيح بخاری، کتاب الوضوء، باب فضل الوضوء، ج: ۱، ص: ۴۳۔

[3] مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۳۰۰۔

استحباب کی نفی کرنے والے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ حَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا»[1]

''بلاشبہ اللہ نے کچھ حدیں مقرر کی ہیں تو تم ان سے تجاوز نہ کرو۔''

اللہ پاک نے کہنیوں اور ٹخنوں کو حد بنایا ہے۔ ان سے تجاوز مناسب نہیں ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ سے جس نے بھی وضو نقل کیا ہے، کسی نے نقل نہیں کیا کہ آپ ان دونوں سے آگے بڑھے ہوں۔ اور یہی وسوسہ کی بنیاد اور مادہ ہے۔ نیز اس کا فاعل اسے نیکی اور عبادت سمجھ کر کرتا ہے جبکہ عبادات کی بنیاد اتباع ہے۔ نیز رانوں اور کندھوں تک دھونے کا ذریعہ بھی یہی ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب نے ایسا نہیں کیا۔ ایک مرتبہ بھی نہیں کیا۔ نیز یہ غلو سے بھی ہے جبکہ آپ نے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ»[2]

''تم دین میں غلو سے بچو۔''

نیز یہ ایک تکلف ہے جو ممنوع ہے۔ یہ اعضائے طہارت میں سے ایک عضو ہے۔ تو چہرے کی طرح اس سے تجاوز مکروہ ہے۔ رہی حدیث تو اس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے نعیم المجمر ہیں اور وہ کہتے ہیں: میں نہیں جانتا کہ ''جو تم میں سے اپنی چمک کو بڑھانا چاہے وہ کرلے'' یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے یا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اس بات کو امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں روایت کیا ہے۔[3]

رہی زیور والی حدیث تو زینت دینے والا زیور وہ ہوتا ہے جو اپنی جگہ پر ہو۔ پس جب اپنی جگہ سے تجاوز کر جائے تو زینت نہیں ہوتی۔

فصل: افراط وتفریط کے درمیان

رہا تمہارا یہ کہنا کہ کوتاہی اور سستی کرنے والوں کے طرز عمل سے وسوسہ بہتر ہے۔ نیز معاملات کو جیسے ممکن ہو چلاتے جانا وغیرہ۔ اللہ کی قسم! اس میں دونوں پہلو ہیں افراط بھی اور تفریط بھی۔ غلو بھی اور تقصیر بھی۔ زیادتی بھی اور کمی بھی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جہاں ضرورت نہ ہو وہاں ان دونوں سے منع فرمایا ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ (الاسراء:۲۹)

''اور نہ تم اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کی طرف بند کر کے رکھو اور نہ اس کو پورا ہی پھیلا دو۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] احمد، دارقطنی بروایت حضرت ابوثعلبہ خشنی۔ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حسن ہے۔ (الفقی)۔ مترجم کہتا ہے، دیکھئے: سنن دار قطنی۔ صفحہ ۵۰۲۔

[2] احمد، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ اس کا باقی حصہ ہے: ''تم سے پہلے لوگ دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔'' (الفقی) مترجم کہتا ہے، دیکھیے: سنن نسائی، کتاب مناسك الحج، باب التقاط الحصٰی، ج: ٥، ص: ٢٦٨۔

[3] مسند امام احمد، ج: ٢، ص: ٣٤٤۔

﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾ (الاسراء:٢٦)

''اورتم قریب والے کواور مسکین کواور مسافر کواس کا حق دواورتم بے جانہ اڑاؤ۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ (الفرقان:٦٧)

''اوروہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں اور وہ اس کے درمیان قائم ہیں۔''

نیز ارشاد ہوتا ہے:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (الاعراف:٣١)

''اورتم کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک وہ (اللہ) فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

اللہ کا دین اس میں غلو کرنے والے اور اس سے دور ہٹنے والے کے درمیان ہے۔لوگوں میں سے بہتر وہ ہے جو درمیانہ اور ایک راہ پر چلنے والا ہو، یعنی وہ لوگ ہیں جنھوں نے کوتاہی والوں کی کوتاہی کو ہٹایا۔ اور حد سے بڑھنے والوں کے غلو کے ساتھ بھی نہ ملے۔ اللہ پاک نے اس امت کو درمیانہ بنایا ہے یعنی بہتر اور عدل والی۔ کیونکہ یہ دو مذموم طرفوں کے درمیان میں ہے۔ عدل کا مطلب ظلم اور کوتاہی کی دو طرفوں کے درمیانی راہ ہے۔ آفات ہمیشہ اطراف پر اترتی ہیں، جب کہ درمیان والے اپنے اطراف کی وجہ سے محفوظ رہتے ہیں۔ لہٰذا بہترین معاملات درمیانے ہوتے ہیں۔ یہاں پر ذم الوسوسۃ نامی رسالہ کے ناقل کی بات ختم ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا۔

''محبت درمیان میں اور محفوظ تھی، چمٹے رہے اس کے ساتھ حادثات حتیٰ کہ وہ ایک طرف ہوگئی۔''

فصل: پرستشِ قبور کی ابتداء اور اسباب

شیطان کا سب سے بڑا فریب جس کے ذریعہ سے اس نے اکثر لوگوں کو دھوکا دیا ہے اور اس سے صرف وہ بچا ہے جس کی آزمائش کا اللہ نے ارادہ نہیں فرمایا۔ شیطان نے قدیم وجدید زمانوں میں اپنے گروہ اور دوستوں کو فتنۂ قبور کا الہام کیا۔ نوبت بایں جا رسید کہ قبروں والوں کی اللہ کے سوا عبادت کی جانے لگی۔ وہ وثن بن گئے۔ ان پر عمارتیں بنائی گئیں۔ ان کے اندر ان کی تصویریں بنائی گئیں۔ پھر ان تصویروں کو سایہ دار جسم دیئے گئے۔ پھر ان کو بت بنایا گیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی عبادت کی جانے لگی۔

اس بہت بڑی بیماری کا آغاز قومِ نوح سے ہوا۔ اللہ پاک نے ان کے متعلق اپنی کتاب میں خبر دی ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا ۚ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۚ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ﴾ (نوح:٢١-٢٤)

''نوح نے کہا: میرے پروردگار! یہ لوگ میرے کہنے پر نہیں چلے اور ایسوں کے تابع ہوئے جن کو ان کے مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیا اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے اور کہنے لگے: اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور

ودّاور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا۔ اور انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا۔''

ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہم تک ان کے متعلق جو خبر پہنچی ہے ابن حمید نے، ان سے مہران نے، ان سے سفیان نے، ان سے موسیٰ، محمد بن قیس سے مروی ہے کہ یغوث یعوق اور نسر اولادِ آدم کی ایک قوم سے نیک لوگ تھے۔ کچھ لوگ ان کی پیروی کرتے تھے۔ جب یہ فوت ہو گئے تو ان کے پیروکاروں نے کہا: اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو ان کی یاد کے وقت ہم کو عبادت کا شوق بڑھے گا۔ لہٰذا انہوں نے ان کی تصویریں بنالیں۔ جب وہ فوت ہو گئے تو (بعد والوں کے پاس) ابلیس رینگتا ہوا آیا اور کہا: وہ تو ان کی عبادت کرتے تھے۔ ان کے نام پر بارش مانگتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔

سفیان اپنے باپ سے اور وہ عکرمہ سے بیان کرتے ہیں۔ فرمایا: حضرتِ آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان دس صدیاں گزریں اور وہ سب اسلام پر تھے۔ ابن عبدالاعلیٰ نے فرمایا، انہوں نے عبدالرزاق سے سنا، انہوں نے معمر قتادہ سے وہ، اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں: یہ معبود تھے جن کی قومِ نوح نے عبادت کی۔ پھر اس کے بعد اہلِ عرب نے کی۔ وَدّ دومۃ الجندل میں کلب کا معبود تھا، سواع بنو ہذیل کا، یغوث بنو مراد میں سے بنو غطیف کا، یعوق بنی ہمدان کا اور نسر بنو حمیر میں سے ذی کلاع کا معبود تھا۔

والبی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں: یہ بت تھے جن کی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں عبادت کی جاتی تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابراہیم بن موسیٰ نے کہا، انہوں نے ہشام سے، انہوں نے ابی جریج سے، انہوں نے کہا کہ عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جو قومِ نوح کے بت تھے وہ بعد میں عرب کے ہو گئے۔ وَدّ دومۃ الجندل میں بنی کلب کے لیے تھا۔ سواع بنی ہذیل کا، یغوث بنی مراد کا، پھر سبا کے قریب جُرف میں بنی غطیف کا، یعوق بنی ہمدان کا اور نسر آلِ ذی الکلاع میں سے بنی حمیر کا۔ یہ قومِ نوح کے نیک لوگوں کے نام تھے۔ جب یہ وفات پا گئے تو شیطان نے ان کی قوم کو سوجھ دی کہ تم اپنی مجالس میں ان کی مورتیاں نصب کرو۔ انہوں نے ایسا کر دیا لیکن ان کی عبادت نہ کی گئی۔ جب یہ لوگ فوت ہو گئے اور اُصل علم فراموش ہو گیا تو ان کی عبادت شروع ہو گئی۔

کئی سلف یہ فرمایا کرتے تھے: یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگ تھے جب یہ فوت ہو گئے تو لوگ ان کی قبروں پر مجاور بن گئے۔ ان کی مورتیاں بنائیں پھر لمبا وقت گزرا۔ تا آنکہ لوگ ان کی عبادت کرنے لگے۔

ان لوگوں نے دو فتنوں کو جمع کیا: ❶ قبروں کا فتنہ اور ❷ مورتیوں کا فتنہ۔ یہی وہ دو فتنے ہیں جن کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متفق علیہ حدیث میں اشارہ فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس گرجا گھر کا ذکر کیا جو انہوں نے ارضِ حبشہ میں دیکھا تھا۔ اس کا نام ماریہ تھا۔ اس میں جو تصویریں دیکھیں، ان کا بھی ذکر کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُولَٰئِكَ قَوْمٌ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ، أَوِ الرَّجُلُ الصَّالِحُ، بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، أُولَٰئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ تَعَالَى»

''یہی وہ لوگ ہیں کہ جب ان میں نیک بندہ یا نیک مرد فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بناتے اور وہ اس میں یہ والی

تصویریں بناتے یہی اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین مخلوق ہیں۔''

صحیحین کے دیگر الفاظ میں ہے کہ حضرتِ امّ حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے گرجا کا ذکر کیا جو انہوں نے دیکھا تھا۔ [1]

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مورتیوں اور قبروں کو جمع کیا اور یہی لات کی عبادت کا سبب تھا۔

ابن جریر نے اپنی سند سے سفیان سے، انہوں نے منصور سے اور انہوں نے مجاہد سے بیان کیا ہے کہ ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ﴾ (النجم:۱۹) ''کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا ہے'' کی تفسیر میں مروی ہے کہ لات ان کے لیے ستو بھگوتا تھا وہ اس کی قبر کے گرد بیٹھ گئے۔ اسی طرح ابوالجوزاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ ''وہ حاجیوں کے لیے ستو بھگوتا تھا۔''

آپ نے دیکھا کہ وَدّ، یغوث، یعوق، نسر اور لات کی عبادت کا سبب صرف ان کی قبروں کی تعظیم تھا۔ پھر ان لوگوں نے ان کی مورتیاں بنائیں اور ان کی عبادت کی۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

ہمارے شیخ کہتے ہیں: یہی وہ وجہ ہے جس کے لیے شارع نے قبور پر مساجد بنانے سے منع کیا ہے۔ اس نے بہت سے لوگوں کو شرکِ اکبر یا اس سے کم شرک میں مبتلا کر دیا ہے۔ لوگوں نے نیک لوگوں کی مورتیوں میں شرک کیا تھا اور ان مورتیوں کو انہوں نے ستاروں کے طلسم سمجھ رکھا تھا۔ وغیرہ۔

جس نیک آدمی کا عقیدہ بھی درست ہو اس کی قبر پر شرک شروع کرنا لکڑی یا پتھر سے زیادہ لوگوں کے ہاں مؤثر ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ شرک والے بکثرت ان مقامات پر اس طرح عاجزی کرتے ہیں، جھکتے ہیں، خشوع کرتے ہیں اور ان کی اپنے دل سے عبادت کرتے ہیں جس طرح وہ اللہ کے گھروں میں اور وقت سحر نہیں کرتے۔ بعض وہاں پر سجدہ کرتے ہیں اور وہاں پر نماز اور دعا سے برکت کی ایسی امید رکھتے ہیں جو امید وہ مساجد میں نہیں رکھتے۔

اسی خرابی کے پیش نظر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے مادّے کو دبایا ہے۔ حتیٰ کہ آپ نے قبرستان میں مطلقاً نماز سے روک دیا ہے گو کہ نمازی کا مقصد اس جگہ پر نماز سے حصولِ برکت نہ ہو، جس طرح مساجد میں نماز سے برکت کی امید کی جاتی ہے۔ ایسے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوعِ شمس اور غرب کے وقت نماز سے منع فرمایا ہے کیونکہ ان اوقات میں مشرک سورج کے لیے نماز کا قصد کرتے تھے۔ آپ نے اپنی امت کو اس وقت نماز سے منع کر دیا ہے گو کہ نمازی کا وہ مقصد نہیں جو مشرکوں کا مقصد ہے، تا کہ ذریعہ بند کیا جائے۔

کہتے ہیں: اگر آدمی کا قبروں کے پاس نماز سے مقصد اس جگہ سے تبرک حاصل کرنا ہو تو یہ بالکل اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی، ان کے دین کی مخالفت اور ایسا نیا دین جاری کرنا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔ مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ بات بالضرورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے معلوم ہے کہ قبروں کے پاس نماز سے روکا گیا ہے۔ جس نے ان کو سجدہ گاہ بنایا اس پر آپ نے لعنت کی ہے۔ سب سے بڑی بدعت اور شرک کا سبب وہاں نماز پڑھنا، ان کو سجدہ گاہ بنانا اور ان پر مساجد بنانا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق نہی اور ڈانٹ کی نصوص متواتر آئی ہیں۔ عام علماء نے ان پر مساجد بنانے کی ممانعت کی صراحت کی ہے تا کہ سنت صحیحہ صریحہ کی پیروی ہو۔ اصحابِ احمد وغیرہ، اصحاب مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی حرمت کی

[1] صحيح بخاری، كتاب الفضائل، باب هجرة الحبشة، ج:٤، ص: ٢٤٥۔

صراحت کی ہے۔ بعض علماء نے مطلق کراہت کہا ہے۔ [1] مناسب یہ ہے کہ اسے کراہت تحریمی پر محمول کیا جائے تاکہ علماء پر حسن ظن ہو۔ اور ان پر یہ گمان نہ ہو کہ وہ ایسے عمل کو جائز کہیں گے جس کے فاعل پر بتواتر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے لعنت اور اس کی ممانعت ثابت ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی وفات سے پانچ روز قبل یہ بات فرماتے ہوئے سنا:

«إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى اللّٰهِ أَنْ يَكُوْنَ لِيْ مِنْكُمْ خَلِيْلٌ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدِ اتَّخَذَنِيْ خَلِيْلًا، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا وَلَوْكُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِيْ خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ، فَإِنِّيْ أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ» [2]

''میں اللہ کے حضور اعلان برأت کرتا ہوں کہ میرا تم میں سے کوئی خلیل ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ کو خلیل بنایا ہے جس طرح اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا ہے۔ اور اگر میں اپنی امت میں سے خلیل بناتا تو ضرور ابوبکر کو بناتا۔ خبردار! جو تم سے پہلے لوگ تھے وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مساجد بناتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو مساجد نہ بنانا، بے شک میں تم کو اس سے روکتا ہوں۔''

حضرت عائشہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، دونوں کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ پر وقت آخریں آیا تو آپ اپنی چادر کو اپنے چہرے پر ڈالتے۔ جب آپ پر بیماری کی تکلیف بڑھتی تو اس کو پھر ہٹا دیتے۔ آپ نے اسی حالت میں فرمایا:

«لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا» [3]

''اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا۔ آپ ان کے کیے سے ڈراتے تھے۔''

صحیحین میں ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ» [4]

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو تباہ کرے، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مساجد بنالیا۔''

صحیح مسلم کی ایک روایت میں منقول ہے:

«لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ» [5]

''اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔''

آپ نے اپنی زندگی کے آخر میں قبروں پر مسجدیں بنانے سے منع کیا۔ پھر آپ نے ایسا کرنے والوں پر لعنت کی جبکہ آپ موت وحیات کی کشمکش میں تھے، تاکہ آپ اپنی امت کو ایسا کرنے سے ڈرائیں۔

---

[1] اس کے متعلق علماء کے مذاہب کے لیے شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کا رسالہ ''تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد'' دیکھیے۔ (عفیفی)

[2] صحیح بخاری، کتاب المساجد، باب النهی عن ضیاء المساجد علی القبور، حدیث: ۳۷۸/ ۲۳، ج: ۱، ص: ۳۷۷۔ [3] أیضًا، حدیث: ۳۵۲/ ۲۳۔ [4] ایضًا۔ [5] صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المساجد علی القبور، حدیث: ۵۳۱/ ۲۲، ج: ۱، ص: ۳۷۷۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری میں فرمایا جس سے آپ صحت یاب نہ ہوئے:
«لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، وَلَوْ لَا ذٰلِكَ لَأُبْرِزَ قَبْرُهٗ، غَيْرَ أَنَّهٗ خُشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا»①

''اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا، اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کو نمایاں کیا جاتا، لیکن اس بات کا خوف ہوا کہ اس کو مسجد نہ بنایا جائے۔''

حدیث کا لفظ ''خُشِيَ'' خاء کے پیش کے ساتھ ہے۔ یہ آپ کی قبر کے نمایاں نہ ہونے کی وجہ ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں بسند جید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
«إِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُمُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ، وَالَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ»②

''بے شک بدترین وہ لوگ ہیں جن پر قیامت آئے گی اور وہ زندہ ہوں گے اور وہ لوگ جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں۔''

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
«لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اِتَّخَذُوْا أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»③

''اللہ یہود پر لعنت کرے، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنایا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں:
«لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ»④

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں، ان پر مساجد بنانے والوں اور ان پر چراغ جلانے والوں پر لعنت کی۔''

صحیح بخاری میں ہے:

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے دیکھا، فرمایا قبر سے ہٹو قبر سے ہٹو۔''⑤

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہاں یہ طے تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قبور کے پاس نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا فعل اس کے جواز کے اعتقاد کی دلیل نہیں ہے، بلکہ شاید انہوں نے اس کو دیکھا نہ تھا یا انہیں معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے یا آپ سے یہ مخفی رہ گیا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو تنبیہ کی تو وہ متنبہ ہو گئے۔

---

① متفق علیه، صحیح بخاری، کتاب الصلاة؛ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المساجد علی القبور، ج: ۱، ص: ۳۷۶۔

② مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۲٤٦۔ ③ مسند امام احمد، ج: ۱، ص: ٤٠٥

④ مسند امام احمد، ج: ۱، ص: ۲۲۹۔

⑤ صحیح بخاری، کتاب الصلاة: باب هل تنبش قبور ......

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ»①

''زمین سب مسجد ہے، سوائے قبرستان اور حمام کے۔''

امام احمد، اصحاب سنن اربعہ اور ابوحاتم ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

اس سے بھی بلیغ بات یہ ہے کہ آپ نے قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے بھی منع کیا ہے۔ قبر نمازی اور قبلہ کے درمیان نہ ہو۔ مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ، وَلَا تُصَلُّوْا إِلَيْهَا»②

''تم قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ تم ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔''

اس میں اس شخص کے قول کا بطلان ہے جس کا خیال ہے کہ وہاں پر نماز کی ممانعت نجاست کی وجہ سے ہے۔ یہ قول تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصد سے بہت بعید ہے اور متعدد وجوہ③ سے باطل ہے:

اوّل: تمام احادیث میں اس کے متعلق کوئی فرق مذکور نہیں کہ وہ قبر نئی ہو یا پرانی، جیسا کہ نجاست کی علت بیان کرنے والے کہتے ہیں۔

ثانی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے پر یہود و نصاریٰ پر لعنت کی ہے۔ یہ تو قطعی معلوم ہے کہ یہ نجاست کی وجہ سے نہیں ہے۔ یہ انبیاء کی قبور کے ساتھ خاص ہے۔ نیز انبیاء علیہم السلام کی قبور تو پاکیزہ ترین ٹکڑے ہیں۔ وہاں پر تو نجاست کے لیے بالکل کوئی راستہ نہیں ہے کیونکہ اللہ پاک نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔④ لہٰذا وہ اپنی قبروں میں تر و تازہ ہیں۔

ثالث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

رابع: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ سب زمین سجدہ گاہ ہے، سوائے قبرستان اور حمام کے۔ اگر یہ نجاست کی وجہ سے ہو تو استنجا خانوں اور مذبح خانوں وغیرہ کا ذکر قبروں کے ذکر سے اَولیٰ ہے۔

خامس: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد (نبوی) کی جگہ پر مشرکین کی قبریں تھیں آپ نے ان کی قبور کو اکھیڑا، جگہ کو برابر کیا اور اس جگہ مسجد بنالی، آپ نے اس مٹی کو منتقل نہ کیا، بلکہ زمین کو برابر اور ہموار کر دیا اور اس پر نماز پڑھی۔⑤ جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

---

① سنن ابن ماجه، كتاب المساجد، باب المواضع التى تكره فيها الصلاة، حديث: ٧٤٥، ج: ١، ص: ٢٤٦۔

② صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب النهى عن الجلوس على القبر والصلاة عليه، حديث: ٩٧/٩٨٢، ج: ٢، ص: ٦٦٨۔ ③ ان وجوہ پر آسانی کے لیے ہم نے نمبر لگا دیے ہیں۔ (مترجم)

④ مسند امام احمد، ج: ٤، ص: ٨۔ ⑤ صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب النهى عن الجلوس على القبر والصلوٰة عليه، حديث: ٩٧/٩٨٢، ج: ٢، ص: ٦٦٨۔

''جب نبی ﷺ مدینہ آئے تو آپ مدینہ کے اُوپری علاقہ کے ایک محلہ میں ٹھہرے جس کو بنوعمرو بن عوف کہا جاتا ہے نبی ﷺ ان کے ہاں چودہ دن اقامت گزین رہے۔ پھر آپ نے بنونجار کے سرداروں کو پیغام بھیجا، وہ تلواریں لٹکائے ہوئے آئے، گویا کہ میں نبی ﷺ کو دیکھ رہا ہوں، آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے بیٹھے ہیں، بنونجار کے سردار آپ کے اردگرد ہیں۔ آپ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے اترے۔ آپ ﷺ کو جہاں بھی نماز کا وقت آ جائے آپ وہاں نماز پڑھنا پسند فرماتے تھے۔ آپ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے۔ آپ نے مسجد بنانے کا حکم دیا۔ آپ نے بنونجار کے سرداروں کو پیغام بھیجا اور فرمایا: بنونجار! میرے ساتھ اس باغیچہ کی قیمت طے کرو، انہوں نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم! ہم تو اس کی قیمت صرف اللہ کی طرف رکھتے ہیں۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ اس میں کچھ مشرکوں کی قبریں تھیں، کچھ خراب جگہ تھی اور کچھ کھجوروں کے درخت۔ نبی ﷺ نے مشرکوں کی قبروں کے متعلق حکم دیا وہ اکھیڑی گئیں پھر خراب جگہ کو برابر کیا گیا اور کھجوروں کے درخت کاٹے گئے۔ کھجوروں کے تنے انہوں نے بجانب قبلہ مسجد بچھائے۔ اس کی دونوں چوکھٹ پر پتھر رکھے گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم پتھر اٹھا کر لاتے اور شعر پڑھتے۔''

ششم: قبروں کے پاس نماز کے ذریعہ سے شرک کا فتنہ اور بتوں کے پجاریوں کی مشابہت، عصر اور فجر [1] کے بعد نماز سے بھی زیادہ خرابی رکھتے ہیں۔ جب آپ نے اس سے روکا تا کہ اس مشابہت کا ذریعہ بند ہو جو قریب ہے کہ نمازی کے دل کو پریشان کرے۔ تو اس قریبی ذریعہ کا کیا حکم ہوگا؟ جو اکثر اپنے ساتھی کو شرک، مردوں کو پکارنے، ان سے مدد طلب کرنے اور ان سے حاجات طلب کرنے کی طرف بلاتا ہے۔ نیز یہ اعتقاد بھی آ جاتا ہے کہ ان قبروں کے پاس نماز مساجد میں نماز سے افضل ہے، وغیرہ۔ یہ سب اللہ اور اس کے پیغمبر کی واضح مخالفت ہے۔ جگہ کی نجاست کی علت بیان کرنے اور اس خرابی میں کیا نسبت ہے؟ بات یہ سمجھ آتی ہے کہ نبی ﷺ نے اس امت کو فتنہ قبور سے روکنے کا قصد فرمایا ہے۔ جیسا کہ اس فتنہ میں قومِ نوح اور بعد کے لوگ مبتلا ہوئے تھے۔

ہفتم: آپ ﷺ نے ان پر مساجد بنانے والوں پر لعنت کی ہے، اگر یہ نجاست کی وجہ سے ہوتا تو ان پر مساجد کا بنانا پاک مٹی کے ساتھ ممکن کیا جاتا تو لعنت ختم ہو جاتی۔ اور یہ قطعاً باطل ہے۔

ہشتم: آپ ﷺ نے قبروں پر مساجد بنانے والوں اور ان پر چراغ جلانے والوں پر لعنت کو اکٹھا کر دیا ہے۔ لعنت میں یہ دونوں ساتھی ہیں۔ ارتکابِ کبیرہ میں یہ دونوں ایک طرح ہیں۔ ہر وہ کام جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے وہ کبائر میں سے ہے۔

یہ بھی معلوم ہے کہ ان پر چراغ جلانے والے پر لعنت اس وجہ سے کی گئی ہے کہ یہ عمل قبور کی تعظیم کا وسیلہ بن جائے گا۔ اس کو ایسا آستانہ بنائے گا جس کی طرف مشرک کھنچے چلے آئیں گے جیسا کہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح ان پر مساجد بنانا بھی ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے ان دونوں کو اکٹھا کر دیا۔ ان پر مساجد بنانا بھی ان کی تعظیم ہے اور ان سے فتنہ کی راہ پیدا کرنا ہے۔

اللہ پاک نے اصحابِ کہف کے معاملہ پر غلبہ پانے والوں کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے کہا:

---

[1] ان اوقات میں نماز کی ممانعت مشرکین کی مشابہت سے بچنے کے لیے بھی ہے۔ (مترجم)

﴿ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴾ (الکهف:۲۱)

''ضرور ضرور ہم ان پر مسجد بنائیں گے۔''[1]

نہم: آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ، اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»[2]

''اے اللہ میری قبر کو وثن نہ بنانا جس کی عبادت کی جائے۔ اس قوم پر اللہ کا سخت غضب ہوا جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔''

آپ ﷺ نے اپنے فرمان: ''اے اللہ! میری قبر کو وثن نہ بنانا، جس کی عبادت کی جائے'' کے بعد جو کچھ ذکر کیا ہے یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ یہ عمل ان تک لعنت پہنچنے کا سبب ہے اور اس سے لوگ یہاں تک پہنچتے ہیں کہ قبر عبادت کیا جانے والا وثن بن جاتی ہے۔ بہر حال! جس کو شرک، اس کے اسباب اور ذرائع کی معرفت ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ کے مقاصد کو سمجھتا ہے، وہ قطعی طور پر بلاشبہ جان لے گا کہ یہ آپ کی طرف سے لعنت اور ممانعت میں مبالغہ ہے آپ نے دو لفظ بولے ہیں ''تم نہ کرو'' اور ''بے شک میں تم کو روکتا ہوں'' یہ الفاظ نجاست کی وجہ سے نہیں ہیں۔ بلکہ یہ شرک کی نجاست کی وجہ سے ہیں جو اس کے مخالف کو ملتی ہے۔ اور اس کی نافرمانی والے تک پہنچتی ہے۔ جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی اور وہ اپنے پروردگار اور مالک سے نہ ڈرا۔ اس کو شہادت لا الہ الا اللہ کا ثبوت نہ رہا یا اس کا اس میں سے حصہ کم ہو گیا۔

یہ اور اس طرح کی مثالیں نبی اکرم ﷺ کی طرف سے توحید کے پہلو کو محفوظ رکھنے کے لیے ہیں کہ اس میں شرک مل کر اس کو ڈھانپ نہ لے۔ اسے پاک کیا جائے اور رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر کے اس کے غضب سے بچا جائے۔

مشرکوں نے بات نہ مانی اور وہ امر کے نافرمان اور نہی کے مرتکب ہوئے۔ ان کو شیطان نے دھوکا دیا اور کہا کہ یہ تو بزرگوں اور نیکوں کی قبروں کی تعظیم ہے، جب تم ان کی تعظیم زیادہ کرو گے تو ان میں زیادہ غلو کرو گے۔ تم ان کے قرب سے زیادہ خوش نصیب اور ان کے دشمنوں سے زیادہ دور ہو جاؤ گے۔

اللہ کی قسم! بالکل اسی دروازہ سے وہ بندہ یغوث، یعوق اور نسر کے عبادت گزاروں کے ہاں پہنچا اور اسی سے وہ بتوں کے پجاریوں تک شروع دن سے قیامت تک پہنچنے والا ہے۔ مشرکین نے ان میں غلو اور ان کے طریقہ پر طعن کو جمع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل توحید کو ہدایت دی ہے کہ وہ ان بزرگوں کے راستہ پر بھی چلے اور ان بزرگوں کو وہ عزت دی جس کا اللہ نے ان کو حق دار بنایا تھا کہ وہ بندے ہیں اور ان سے معبودانہ صفات کا انکار کیا۔ یہی ان کی حد درجہ تعظیم اور فرمانبرداری ہے۔ رہے

---

[1] ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر ج ۴، ص: ۷۷۳ میں لکھتے ہیں: ایسا کہنے والوں کے متعلق ابن جریر رحمہ اللہ نے دو قول نقل کیے ہیں: پہلا کہ وہ مسلمان تھے۔ دوسرا وہ مشرک تھے۔ واللہ اعلم۔ غلبہ کا مطلب ہے کہ جنہوں نے یہ کہا، ان کی بات معتبر ہوتی تھی اور ان کا حکم نافذ ہوتا تھا۔ لیکن کیا انہوں نے یہ کام قابل تعریف کیا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ محل نظر ہے۔ اور احادیث و آثار کی روشنی میں قابل تعریف معلوم نہیں ہوتا۔ ملخصًا (عفیفی)

[2] مؤطا امام مالك، ج: ۱، ص: ۱۷۲۔

مشرک تو انہوں نے ان کی نافرمانی کی اور ان کی تعظیم کی صورت میں ان کی تنقیص کی۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''میں ناپسند کرتا ہوں کہ کسی مخلوق کی تعظیم کی جائے حتیٰ کہ اس کی قبر کو مسجد بنایا جائے۔ اس پر اور اس کے بعد والے لوگوں پر فتنہ کے خوف سے۔''
جن لوگوں نے شرک اور یہود ونصاریٰ کی مشابہت کی علت بتائی ہے۔ ان میں سے الاثرم نے اپنی کتاب ناسخ الحدیث و منسوخہ میں یہ ذکر کیا ہے۔ انہوں نے حضرت ابوسعید کی حدیث ذکر کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
«جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا إِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ»[1]
''میرے لیے زمین مسجد بنائی گئی ہے، سوائے قبرستان اور حمام کے۔''
زید بن جبیر نے، داؤد بن حصین سے اور وہ نافع سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا:
«نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ وَذَكَرَ مِنْهَا الْمَقْبَرَةَ»[2]
''سات جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور ان میں قبرستان کو بھی ذکر کیا۔''
اثرم کہتے ہیں: قبرستان میں نماز اہل کتاب کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے مکروہ کہی گئی ہے، کیونکہ وہ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں پر مساجد بناتے تھے۔

فصل: قبروں کو عید یا میلہ بنانے کا مفہوم

ایک مسئلہ قبروں کو عید بنانے کا ہے۔ عید وہ مکان اور زمان ہے جس تک جانے اور قصد کی عادت بنائی جائے۔ رہا زمان تو جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:
«يَوْمُ عَرَفَةَ وَيَوْمُ النَّحْرِ وَأَيَّامُ مِنًى عِيدُنَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ»[3]
''عرفہ کا دن اور نحر کا دن اور منیٰ کے دن ہماری اہل اسلام کی عید ہیں۔''
رہا مکان تو جیسے ابوداؤد نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! میں نے نذر مانی تھی کہ بوانہ جگہ پر ایک اونٹ قربان کروں گا۔ آپ نے فرمایا: کیا وہاں پر مشرکین کے اوثان میں سے کوئی وثن ہے یا ان کی عیدوں میں سے کوئی عید؟ کہا: نہیں! فرمایا:
«فَأَوْفِ بِنَذْرِكَ»

---

① سنن ابن ماجه، كتاب المساجد، باب المواضع التى تكره فيها الصلاة، حديث: ٧٤٦، ج: ١، ص: ٢٤٦۔
② جامع ترمذى، كتاب الصوم، باب ماجاء فى كراهية الصوم فى أيام التشريق، حديث: ٧٧٣، ج: ٣، ص: ١٤٣۔
③ سنن أبى داود، كتاب الصوم، باب صيام أيام التشريق، حديث: ٢٤١٩۔

''تو[1] اپنی نذر کو پورا کر۔''[2]

اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا»[3]

''تم میری قبر کو عید نہ بناؤ۔''

''عید'' کا لفظ معاودہ اور اعتیاد سے ماخوذ ہے جب یہ کسی مکان کا نام ہو تو اس سے ایسا مکان مراد ہے جہاں اجتماع کا قصد کیا جائے اور وہاں عبادت وغیرہ کے لیے باری باری آیا جائے۔ جس طرح مسجد الحرام، منیٰ، مزدلفہ، عرفہ اور مشاعر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حنفاء کے لیے عید اور جائے ثواب بنایا ہے جیسا کہ ان میں عبادت کے ایام کو عید بنایا ہے۔ مشرکین کی زمانی اور مکانی عیدیں ہوتی تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ اسلام کو لایا تو ان کو باطل کر دیا اور مسلمانوں کو ان کے بجائے عید الفطر، عید نحر اور ایام منیٰ دیئے، جیسا کہ ان کو مشرکوں کی مکانی عیدوں کی جگہ پر کعبہ بیت الحرام، عرفہ، منیٰ اور مشاعر دیئے۔ قبروں کو عید بنانا یہ طریقہ مشرکین کی اُن عیدوں میں سے ہے جس پر وہ اسلام سے پہلے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی سردار قبر کے متعلق اس سے منع کر دیا تا کہ اس طرح دوسروں پر تنبیہ ہو جائے۔

ابوداؤد کہتے ہیں: احمد بن صالح بواسطه علی عبداللّٰه بن نافع اخبرنی ابن أبی ذئب عن سعید المقبری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں؛ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا، وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِيْدًا، وَصَلُّوْا عَلَیَّ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ حَيْثُ كُنْتُمْ»[4]

''تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور نہ تم میری قبر کو عید بناؤ اور تم مجھ پر درود پڑھو، بے شک تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔''

یہ سند حسن ہے اور اس کے سب راوی ثقہ اور مشہور ہیں۔

---

[1] یہ آدمی کردم بن سفیان ثقفی ہے۔ ابوداؤد میں حدیث کے الفاظ ہیں: میمونہ بنت کردم بیان کرتی ہیں: میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حج کو روانہ ہوئی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی اور میں نے لوگوں کو کہتے سنا: یہ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ میں اپنی نظر ان کی طرف رکھتی۔ میرے والد آپ ﷺ کے قریب گئے ...... میرے والد نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! میں نے نذر مانی ہے کہ اگر میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو میں بوانہ کی چوٹی پر بکریوں کی ایک تعداد قربان کروں گا۔ کہتی ہیں: میرے خیال میں پچاس کہا۔ فرمایا: جو تو نے اللہ کے لیے نذر مانی ہے اس کو پورا کر۔ کہتی ہیں: انہوں نے وہ جمع کیں، ان کو ذبح کرنے لگے۔ ان میں سے ایک بکری بھاگ نکلی۔ وہ اس کو ڈھونڈنے نکلے اور کہہ رہے تھے: اے اللہ! میری نذر کو پورا کر دے۔ وہ اس کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے اور اس کو ذبح کر دیا۔ عون المعبود، ج: ۳، ص: ۲۲۷ میں ہے کہ اسے ابن ماجہ، احمد، ابن ابی شیبہ اور بغوی نے بھی روایت کیا ہے۔ (الفقی)

[2] سنن ابن ماجه، کتاب الکفارات، باب الوفاء بالنذر، حدیث: ۲۱۳۰، ج: ۱، ص: ۶۸۸۔

[3] مسند امام احمد، ج: ۶، ص: ۳۶۶۔

[4] سنن أبی داود، کتاب المناسك، باب زیارة القبور، حدیث: ۲۰۴۲، ج: ۲، ص: ۵۳۴۔

ابو یعلی موصلی اپنی مسند میں کہتے ہیں: ہمیں ابوبکر بن أبی شیبۃ نے زید بن الحباب سے بیان کیا ہے حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ [1] سے مروی ہے۔ انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو نبی ﷺ کی قبر کے پاس ایک کشادہ جگہ پر آتا۔ اس میں داخل ہوتا اور دعا کرتا۔ آپ نے اس کو روکا اور فرمایا: کیا میں تم کو وہ حدیث نہ سناؤں، جسے میں نے اپنے باپ سے، انہوں نے میرے دادا سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟

«لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا، وَلَا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا، فَإِنَّ تَسْلِیْمَکُمْ یَبْلُغُنِیْ أَیْنَمَا کُنْتُمْ» [1]

''تم میری قبر کو عید نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبریں بناؤ۔ بے شک تمہارا سلام مجھ کو پہنچتا ہے تم جہاں بھی ہو۔''

اسے ابوعبداللہ محمد بن عبدالواحد المقدسی نے اپنی مختارات میں بیان کیا ہے۔

امام سعید بن منصور رحمہ اللہ سنن میں کہتے ہیں: ہمیں حبان بن علی نے بیان کیا محمد بن عجلان أبوسعید مولی المہری سے نقل کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا، وَلَا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا، وَصَلُّوْا عَلَیَّ حَیْثُمَا کُنْتُمْ، فَإِنَّ صَلَاتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ» [2]

''تم میری قبر کو عید نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ اور تم جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو۔ بے شک تمہارا درود مجھ کو پہنچتا ہے۔''

سعید کہتے ہیں: حدثنا عبدالعزیز بن محمد أخبرنی سهیل بن أبی سهیل وہ کہتے ہیں: مجھے حسن بن حسن بن علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے قبر [3] کے پاس دیکھا۔ تو مجھے آواز دی جب کہ وہ حضرت فاطمہ کے گھر میں رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ کہا: آؤ! رات کا کھانا کھاؤ۔ میں نے کہا: میرا ارادہ نہیں۔ فرمایا: مجھے کیا ہے کہ میں نے تجھ کو قبر کے پاس دیکھا ہے؟ میں نے کہا: میں نے نبی ﷺ پر سلام پڑھا ہے۔ فرمایا: جب تم مسجد میں داخل ہو جاؤ تو سلام پڑھو۔ پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَتَّخِذُوْا بَیْتِیْ عِیْدًا، وَلَا تَتَّخِذُوْا بُیُوْتَکُمْ مَقَابِرَ، لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ، وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَإِنَّ صَلَاتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُمَا کُنْتُمْ»

''تم میرے گھر کو عید نہ بناؤ اور نہ تم اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ۔ مجھ پر درود پڑھو کیونکہ تم جہاں بھی ہو تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔''

پھر فرمایا تم اور وہ لوگ جو اندلس میں ہیں اس مسئلے میں برابر ہو۔

---

1. حضرت علی بن حسین بن علی بن ابو طالب کا لقب زین العابدین ہے۔ (مترجم)
2. نیز دیکھئے: مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۳۶۷۔
3. نیز دیکھئے: مسند امام احمد، ج: ٤، ص: ۱۱٤۔
4. اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی قبر ہے۔ (مترجم)

یہ دومختلف سندوں کی مرسل روایات اِس حدیث کے ثبوت کی دلیل ہیں ۔ خاص طور پر جس نے اس کو مرسل [1] کیا ہے اس نے اس سے حجت بھی پکڑی ہے ۔ یہ اس کے ہاں اس کے ثبوت کا متقاضی ہے ۔ یہ بات تو تب ہے کہ جب ان دو سندوں کے مستند سندوں سے یہ روایت مروی نہ ہو ۔ یہ تو مسنداً پیچھے گزر بھی چکی ہے ۔

شیخ الاسلام قدس اللہ روحہ فرماتے ہیں: وجہ دلالت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر روئے زمین پر افضل ترین قبر ہے ۔ آپ ﷺ نے اس کو عید رمیلہ بنانے سے منع فرمایا ہے تو دیگر قبر پر نہی بالا ولیٰ ہوگی وہ کسی کی بھی ہو ۔

پھر آپ ﷺ نے اس کے ساتھ ''اور تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ'' بھی فرمایا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ گھروں کو نماز، دعا اور قرأت سے خالی نہ کرو کہ وہ قبرستان کے درجہ پر ہو جائیں ۔ آپ ﷺ نے گھروں میں نوافل کی جستجو (کوشش) کا حکم فرمایا ہے اور قبروں کے پاس عبادت کی جستجو سے منع فرمایا ہے ۔ یہ مشرکوں اور نصاریٰ وغیرہ کے برخلاف ہے ۔ پھر آپ نے اپنی قبر کو عید بنانے کی ممانعت کے بعد ہی فرمایا ''اور تم مجھ پر درود پڑھو بے شک تمہارا درود مجھ کو پہنچتا ہے خواہ تم جہاں بھی ہو ۔'' اس میں اشارہ ہے کہ تمہارا درود وسلام میری قبر سے تم دور ہو یا قریب، وہ مجھے پہنچ جاتا ہے ۔ للہذا تمہیں میری قبر کو عید/ میلہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے ۔

بعض لوگ جو شرک میں نصاریٰ اور تحریف میں یہود کی راہ پر چلے ہیں، انہوں نے ان احادیث کی (معنوی) تحریف کی ہے ۔ کہتے ہیں! اس کا مطلب آپ ﷺ کی قبر کے ساتھ چمٹنا، وہاں بیٹھے رہنا، اس کے قصد کی عادت بنانا اور وہاں باری باری آنا ہے ۔ نیز اس میں اس بات کی ممانعت بھی ہے کہ اسے عید کی طرح نہ بنایا جائے جو سال میں ایک دو مرتبہ آتی ہے ۔ گویا کہ وہ کہتے ہیں: تم اس کو اس عید کے درجہ پر نہ رکھو جو سال بعد آتی ہے بلکہ اس کا قصد ہر گھڑی اور ہر وقت کرو ۔

بلاشبہ یہ اللہ کے حکم کی مخالفت اور دشمنی ہے ۔ یہ پیغمبر ﷺ کے مقصد کی نافرمانی ہے ۔ یہ حقائق کو بدلنا ہے ۔ یہ تناقض کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرف تدلیس اور تلبیس کی نسبت ہے ۔ اللہ اہل باطل کو تباہ کرے یہ کیسے کیسے جھوٹ باندھتے ہیں؟

جو شخص لوگوں کو کسی بات کی پابندی، اس کی عادت بنانے اور بکثرت وہاں جانے کا حکم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کو ''عید نہ بناؤ'' تو وہ دلالت وبیان کے بجائے تلبیس اور بیان کی مخالفت کے زیادہ قریب ہے ۔ اگر یہ تنقیص نہیں ہے تو پھر ہمارے نزدیک تنقیص کی کوئی حقیقت نہیں ہے ۔ جیسے کوئی بد باطن اپنی بیماری اور بدبختی سے رسول اللہ ﷺ کے انصار و اصحاب رضی اللہ عنہم پر تہمت لگائے اور خود کو کھینچ نکالے گو یا وہ بری ہے ۔

بلاشبہ شرک کے بعد کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب بھی کم گناہ اور چھوٹی سزا والا ہے بہ نسبت دین میں اور آپ ﷺ کی سنت میں اس طرح کی باتوں کو رواج دینے کے ۔ اسی طرح پیغمبروں کے دینوں کو بدلا گیا ۔ اگر اللہ اپنے دین کے انصار و مددگار پیدا نہ کرتا جو اس کا دفاع کریں تو اس کا ماجرا بھی وہی ہوتا جو اس سے قبل ادیان کا ہوا ۔

---

[1] مرسل وہ روایت ہے جسے تابعی رسول اللہ ﷺ سے بیان کرے ۔ (مترجم)

اگر رسول اللہ ﷺ کا ارادہ وہ ہوتا جو یہ گمراہ لوگ کہتے ہیں تو آپ قبروں کو مساجد بنانے سے نہ روکتے نہ ایسا کرنے والے پر لعنت کرتے۔ جب آپ نے ان کو مساجد بنانے والوں پر لعنت کی ہے کہ وہاں پر اللہ کی عبادت کی جاتی ہے پھر آپ ﷺ کیسے اس سے لگاؤ اور وہاں ٹھہرنے کا حکم دے سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ اس کا قصد کیا جائے۔ وہاں بار بار آیا جائے۔ اسے اس عید کی طرح نہ بنایا جائے جو سال کے بعد آتی ہے؟ آپ اپنے پروردگار سے یہ درخواست کیونکر کر سکتے ہیں کہ ''ان کی قبر کو وثن نہ بنایا جائے جس کی عبادت کی جائے؟'' اس بات کو مخلوق میں سب سے زیادہ جاننے والے یہ کیسے کہہ سکتے ہیں ''اگر یہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھلی رکھی جاتی لیکن خدشہ ہوا کہ اس کو مسجد بنایا جائے گا؟'' آپ یہ کیسے فرماتے ''تم میری قبر کو عید نہ بناؤ اور مجھ پر درود پڑھو جہاں بھی تم ہو؟'' کیسے آپ ﷺ کے اصحاب اور اہل بیت اس سے وہ مفہوم نہ لے سکے جو مفہوم ان گمراہوں نے آج لیا ہے۔ جنہوں نے شرک اور تحریف کو جمع کر دیا ہے؟

آپ کے اہل بیت میں سے افضل تابعی حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما ہیں۔ [1] انہوں نے ایک شخص کو منع کر دیا کہ وہ آپ ﷺ کی قبر کے پاس دعا کی جستجو کرے۔ انہوں نے حدیث سے دلیل لی اور انہوں نے اس حدیث کو اپنے والد حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے سنا اور روایت کیا اور انہوں نے ان کے دادا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے۔ وہ ان گمراہوں سے کہیں بڑھ کر اس کے مفہوم کو جاننے والے تھے۔

اسی طرح ان کے چچا زاد بھائی حضرت حسن بن حسن اہل بیت کے ایک بزرگ ہیں انہوں نے بھی مکروہ سمجھا کہ کوئی کوئی آپ ﷺ کی قبر پر آئے، جب مسجد میں آنے کا ارادہ نہ ہو۔ ان کے خیال میں یہ اس کو عید بنانا ہے۔

ہمارے شیخ کہتے ہیں: اس سنت کو دیکھو کہ اہل مدینہ اور اہل بیت سے اس کا مخرج کیا ہے، جن کی رسول اللہ ﷺ سے نسب اور گھر کی قرابت ہے۔ کیونکہ ان کو دوسروں کی نسبت اس کی زیادہ ضرورت تھی، لہٰذا وہ اس کو سب سے بہتر یاد رکھنے والے ہیں۔

فصل: قبروں کو عید/میلہ بنانے کے نقصانات

پھر قبروں کو عید/میلہ بنانے میں بڑے بڑے نقصانات ہیں جن کی کثرت کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ جس کے دل میں بھی اللہ تعالیٰ کا وقار، توحید پر غیرت، شرک کی مذمت اور قباحت ہے اس کو اس پر غصہ آتا ہے۔ لیکن ع

مَا لِجُرْحٍ بِمَيِّتٍ إِيْلَامٌ

یعنی: مرے ہوئے کو کسی زخم کی تکلیف نہیں ہوتی۔

قبروں کو عید بنانے کے چند [2] نقصانات یہ ہیں:

1. ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا۔
2. ان کے گرد چکر لگانا۔
3. ان کو چومنا اور بوسہ دینا۔

---

[1] یہ زین العابدین کے لقب سے مشہور ہیں۔ (مترجم)

[2] سہولت کے لیے ہم نے ان پر نمبر لگا دیئے ہیں۔ (مترجم)

4. ان کی مٹی رخساروں پر ملنا۔
5. اہل قبور کی عبادت۔
6. ان سے مدد طلب کرنا۔
7. ان سے نصرت، رزق اور عافیت مانگنا۔
8. ادائیگی قرض۔
9. مشکلات کے خاتمہ اور
10. پریشانیوں کے حل کے لیے ان کو پکارنا وغیرہ درخواستیں جو بتوں کے پجاری اپنے بتوں سے کرتے تھے۔

اگر تم قبروں کو عید بنانے والوں اور غلو کرنے والوں کو دیکھو۔ وہ دور سے انہیں دیکھ کر جب اونٹوں اور سواریوں سے اترتے ہیں، پیشانی زمین پر لگاتے ہیں، زمین کو چومتے ہیں، سروں کو ننگا کر لیتے ہیں۔ ان کی چیخوں کی آواز بلند ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ تم ان کے رونے کی آواز بھی سن سکتے ہو۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے دلیل میں غالب آنے پر فتح پالی ہے۔ وہ اس سے مدد مانگتے ہیں جس نے نہ پہلے پیدا کیا اور نہ دوبارہ کرے گا۔ وہ ندا کرتے ہیں لیکن دور کی جگہ سے حتیٰ کہ جب وہ اس کے قریب جاتے ہیں تو قبر کے پاس دو رکعت نماز پڑھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بہت سا اجر جمع کر لیا ہے۔ اور ان لوگوں کے لیے اتنا اجر نہیں جنہوں نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔

تم دیکھو گے کہ وہ قبر کے گرد رکوع اور سجدہ کرتے ہیں اور میت کا فضل اور رضا چاہتے ہیں جب کہ درحقیقت انہوں نے اپنے ہاتھوں کو گھاٹے اور خسارے سے بھر لیا ہے۔ جو آنسو وہاں گرائے جاتے ہیں وہ غیر اللہ کے لیے بلکہ شیطان کے لیے ہیں۔ آوازیں بلند کی جاتی ہیں اور میت سے حاجات طلب کی جاتی ہیں اور تکلیفیں دور کرنے کا سوال کیا جاتا ہے اور فاقہ زدوں کو غنی کرنے اور آفت زدہ اور مصیبت زدہ کے لیے عافیت مانگی جاتی ہے۔ پھر قبر کے گرد جھکتے ہوئے طواف کرتے ہیں۔ بیت اللہ الحرام کی مشابہت کرتے ہیں جسے اللہ نے جہانوں کے لیے برکت اور ہدایت والا بنایا ہے۔ پھر وہ بوسہ اور سلام کرنے لگتے ہیں۔ کیا تم نے حجر اسود دیکھا ہے؟ بیت اللہ الحرام کے زائر وہاں پر جو کچھ کرتے ہیں (یہ بھی کرتے ہیں)۔

پھر اس کے سامنے ان پیشانیوں اور رخساروں پر مٹی ملتے ہیں جن کے متعلق اللہ جانتا ہے کہ کبھی اس کے سامنے سجدوں میں ان کو مٹی نہیں لگی۔

پھر قبر کے حج کے مناسک پورے کرتے ہوئے وہاں پر سر منڈواتے یا بال کٹواتے ہیں۔ اس بت سے وہ اپنے حصے کا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں کہ ان کے لیے اللہ کے ہاں کوئی حصہ نہیں ہے۔

اس بت کے لیے قربانی بھی کرتے ہیں۔ ان کی نماز، ان کا حج اور ان کی قربانی پروردگار عالم کے غیر کے لیے ہوتی ہے۔

اگر تم ان کو دیکھو کہ وہ لوگ ایک دوسرے کو مبارک دیتے ہوئے کہتے ہیں: اللہ تمہارے لیے اور ہمارے لیے وافر اجر اور حصہ عطا فرمائے۔

جب وہ واپس آتے ہیں تو پیچھے رہ جانے والے غالیوں میں سے کوئی کہتا ہے: میں نے جو بیت اللہ الحرام کا حج کیا تھا اس کے بدلہ میں مجھے قبر کے حج کا ثواب بیچ دو۔ وہ کہے گا: نہیں۔ میں تمہارے ہر سال کے حج کے بدلہ میں بھی نہ بیچوں گا۔ بہر حال! اس سے زیادہ ہم ان کے متعلق بیان نہیں کرتے۔ ہم ان کی بدعتوں اور گمراہیوں کو اکٹھا ذکر نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ سوچ سے بڑھ کر ہیں۔ ان کا پورا تصور ذہن میں نہیں پھر سکتا۔ قومِ نوح میں بتوں کی عبادت کا آغاز بھی اسی طرح ہوا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

جس کو بھی علم اور فقہ کی تھوڑی سی شُدبُد ہے وہ جانتا ہے کہ اس بیماری کے حوالہ سے سب سے ضروری کام اس کا ذریعہ بند کرنا ہے۔ صاحب شریعت نے جس بات سے منع کیا آپ اس کا انجام اور اختتام خوب جانتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس پر سختی سے ممانعت کی اور اس پر ڈانٹا بھی۔ خیر اور ہدایت آپ ﷺ کی اتباع اور فرمانبرداری میں ہے۔ جبکہ شر اور گمراہی آپ کی نافرمانی اور مخالفت میں ہے۔ میں نے ابوالوفاء ابن عقیل رحمہ اللہ کی اس حوالہ سے اچھی تحریر دیکھی ہے۔ اس کو میں ان کے الفاظ میں ہی ذکر کرتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں:

جب جاہلوں اور سرکشوں پر شریعت کی پابندیاں مشکل ہوئیں تو انہوں نے شریعت کے احکام کی جگہ پر خود احکام بنا لیے اور وہ ان پر آسان ہوئے۔ کیونکہ اس طرح وہ کسی کے حکم کے پابند نہ رہے تھے۔ کہتے ہیں: میرے نزدیک وہ ان احکام کی وجہ سے کافر ہیں۔ مثلاً قبروں کی تعظیم اور اس انداز کا اکرام جس سے شریعت نے منع فرمایا ہے، مثلاً آگ جلانا، قبروں کو چومنا، ان پر تیل رکھنا، مردوں کو مخاطب کر کے حاجات پیش کرنا، ان کی طرف مثلاً درخواستیں لکھنا: اے میرے مالک میرا یہ یہ کام کر دے، وہاں کی مٹی بطورِ تبرک لینا، قبروں پر اگربتیاں جلانا، ان کی طرف سفر کا قصد کر کے جانا، درختوں پر کپڑے یا ٹاکیاں لٹکانا، بالکل ایسے جیسے لات وعزیٰ کے پجاری کرتے تھے۔

ان کے ہاں اس شخص پر افسوس ہے جس نے الکف کے مزار کو بوسہ نہ دیا اور نہ بروز بدھ مسجد الملموسہ کی اینٹوں کو چھوا۔ نہ اس کا جنازہ اٹھانے والوں نے کہا: ابوبکر صدیق، یا محمد اور علی، یا جو اپنے والد کی قبر کو چونا اور پکی اینٹ سے بنا کر اس پر نہ بیٹھا، نہ اس نے اپنے کپڑے کو دامن تک پھاڑا اور نہ قبر پر عرقِ گلاب ڈالا" انتہیٰ

قبروں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے طریقہ، آپ کے امر و نہی اور صحابہ کے عمل کو جو شخص جمع کرے پھر آج کے اکثر لوگوں کے طریقوں کو دیکھے تو وہ جان لے گا کہ یہ ایک دوسرے کی ضد اور مخالف ہے اور اس طرح ہے کہ دونوں کبھی بھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

مثلاً رسول اللہ ﷺ نے قبور کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اور یہ ان کے پاس نماز پڑھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کو سجدہ گاہ بنانے سے منع کیا ہے یہ ان پر مساجد بناتے ہیں اور انہیں مزار کا نام دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے گھروں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان پر چراغ جلانے سے منع کیا ہے اور یہ وہاں پر چراغوں کے جلانے کے لیے باقاعدہ جگہیں بناتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کو عید بنانے سے منع کیا ہے اور یہ قبروں کو عید اور عبادت کی جگہیں بناتے ہیں۔ اور اس کے لیے اس طرح جمع ہوتے ہیں جس طرح عید کے لیے اجتماع ہوتا ہے یا اس سے بھی زیادہ۔ آپ نے قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں ابوالہیاج اسدی سے مروی ہے، کہتے ہیں: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِيْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، أَنْ لَّا تَدَعَ تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ، وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ»①

"کیا میں تمہیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا تھا کہ تم کسی مورتی کو مٹائے بغیر نہ چھوڑنا اور نہ کسی اونچی قبر کو برابر کیے بغیر چھوڑنا۔"

صحیح مسلم میں ہی ثمامہ بن شفی سے مروی ہے، کہتے ہیں: ہم روم کی سرزمین میں روڈس کے مقام پر حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ ہمارا ایک ساتھی فوت ہو گیا۔ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے اس کی قبر کے متعلق حکم دیا، اس کو برابر کیا گیا پھر فرمایا:

«سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُ بِتَسْوِيَتِهَا»②

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ اس کو برابر کرنے کا حکم دیتے تھے۔"

یہ لوگ ان دونوں حدیثوں کی مخالفت میں مبالغہ کرتے ہیں، یہ گھر کی طرح قبریں بلند کرتے اور ان پر گنبد بناتے ہیں۔

آپ ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے اور ان پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے، کہتے ہیں:

«نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ تَجْصِيصِ الْقَبْرِ، وَأَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ، وَأَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ بِنَاءٌ»③

"رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے، ان پر بیٹھنے اور ان پر عمارت بنانے سے منع فرمایا۔"

آپ ﷺ نے ان پر لکھنے سے بھی منع فرمایا ہے، جیسا کہ ابوداود اور ترمذی نے اپنی سنن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نَهٰى أَنْ تُجَصَّصَ الْقُبُوْرُ، وَأَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهَا»④

"قبروں کو پختہ کرنے اور ان پر لکھنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا۔"

ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

یہ لوگ ان پر تختیاں لگاتے ہیں اور ان پر قرآن وغیرہ لکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان پر ان کی مٹی سے اضافہ بھی منع فرمایا ہے۔ جس طرح ابوداود نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا:

«نَهٰى أَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ، أَوْ يُكْتَبَ عَلَيْهِ، أَوْ يُزَادُ عَلَيْهِ»⑤

"منع فرمایا ہے کہ قبر کو پختہ بنایا جائے یا اس پر لکھا جائے یا اس پر اضافہ کیا جائے۔"

یہ لوگ مٹی کے علاوہ اس پر اینٹ، پتھر اور چونے کا اضافہ کرتے ہیں۔

---

① صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب الأمر بتسوية القبر، حديث: ٩٦٩، ج: ٢، ص: ٦٦٦۔

② ايضًا۔ حديث: ٩٩٢۔ ③ صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب النهى عن تجصيص القبر والبناء عليه، حديث: ٩٤/٧٩٠، ج: ٢، ص: ٦٦٧۔ ④ جامع ترمذى، كتاب الجنائز، باب ماجاء فى كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها، حديث: ١٠٥٢، ج: ٣، ص: ٣٦٨۔ ⑤ نیز دیکھیے: مسند امام احمد، ج: ٣، ص: ٣٣٢۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے قبر کو پختہ اینٹ سے بنانے سے منع فرمایا اور وصیت فرمائی کہ میری قبر کے ساتھ ایسے نہ کیا جائے۔

اسود بن یزید رحمہ اللہ نے وصیت فرمائی کہ میری قبر پر پختہ اینٹ نہ لگاؤ۔

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ لوگ اپنی قبروں پر پختہ اینٹ مکروہ سمجھتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا جب وقت وفات آیا تو وصیت فرمائی کہ میری قبر پر خیمہ نہ لگانا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے قبر پر خیمہ لگانے کو مکروہ کہا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ قبروں کی تعظیم کرنے والے، ان کو عید بنانے والے، ان پر چراغ جلانے والے، ان پر مساجد اور گنبد بنانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور آپ کے دین کے مخالف ہیں۔ سب سے بڑی مخالفت ان کو سجدہ گاہ بنانا اور ان پر چراغ جلانا ہے۔ یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ حنابلہ وغیرہ فقہاء نے اس کی تحریم کی صراحت کی ہے۔

ابومحمد المقدسی کہتے ہیں: اگر قبروں پر چراغ جلانا مباح ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنے والوں پر لعنت نہ کرتے۔ اس میں بے فائدہ مال ضائع کرنے کا جرم بھی ہے۔ نیز قبروں کی تعظیم میں ایسا غلو ہے جو بتوں کی تعظیم کے مشابہ ہے۔

کہتے ہیں: اس حدیث کی وجہ سے قبور پر مساجد بنانا جائز نہیں ہے۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوْا»[1]

''اللہ یہود پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ جو کچھ انہوں نے کیا آپ اس سے ڈراتے تھے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر صرف اس لیے کھلی نہیں رکھی گئی کہ اسے سجدہ گاہ نہ بنایا جائے۔

قبروں کے پاس نماز، بتوں کے لیے سجود اور ان کے قرب کے لیے کی جانے والی تعظیمی عبادت کے مشابہ ہے۔ ہمارے علم میں یہ روایت بھی آئی ہے کہ بتوں کی عبادت کی ابتداء فوت شدہ لوگوں کی تصویریں بنانے، ان کو ہاتھ لگانے اور تعظیماً ان کے ہاں نماز پڑھنے سے ہوئی۔ انتہی

ان گمراہ مشرکوں کے معاملہ اس حد تک پہنچا کہ انہوں نے قبروں کے لیے ایک حج بنالیا اور اس کے مناسک مقرر کیے۔ حتیٰ کہ کسی حد سے گزرے ہوئے شخص نے اس کے متعلق ایک کتاب بھی لکھ دی اور اس کا نام ''مزارات کے حج کے طریقے'' رکھ دیا، تاکہ وہ بیت اللہ الحرام کے مقابلہ میں قبروں کا فخر پیش کر سکے۔ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ یہ دین اسلام کو چھوڑنا اور بتوں کے پجاریوں کے دین میں داخل ہونا ہے۔

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع فرمایا ہے اور جو آپ کا قبروں کے حوالہ سے ممانعت سے مقصود ہے۔ اس کے اور جو کچھ ان لوگوں نے بنا رکھا ہے اس کے درمیان بہت واضح فرق کو دیکھو۔ بلاشبہ اس میں اتنے نقصانات آ گئے ہیں جن کو بندہ شمار

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ۔

کرنے سے عاجز ہے۔ مثلاً:[1]

1. قبروں کی تعظیم جو قبروں کے فتنہ میں مبتلا کرنے والی ہے۔
2. ان کو عید رمیلہ گاہ بنانا۔
3. ان کی طرف سفر کرنا۔
4. بتوں کی عبادت کی مشابہت۔ جو لوگ وہاں ٹھہرتے رہتے ہیں، ان کے مجاور بنتے ہیں، وہاں چادریں ڈالتے اور ان کی خدمت کرتے ہیں، ان کے عبادت گزار وہاں مجاور بننے کو مسجد الحرام کے مجاور بننے پر ترجیح دیتے ہیں اور وہ ان کی خدمت مساجد کی خدمت سے افضل گردانتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ بڑی بدنصیبی ہے کہ ایک رات وہاں رکھا گیا چراغ بجھ جائے۔
5. ان کے لیے اور ان کی خدمت کے لیے نذر و نیاز۔
6. مشرکین کا ان کے متعلق اعتقاد کہ ان سے بلائیں ٹلتی ہیں، دشمنوں پر مدد ملتی ہے، آسمان سے رحمت نازل ہوتی جاتی ہے، دکھ دور ہوتے ہیں، حاجات بر آتی ہیں، مظلوم کی مدد ہوتی ہے، ڈرے ہوئے کو پناہ ملتی ہے وغیرہ۔
7. اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی لعنت میں داخل ہونا، جو ان پر مساجد بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں کے لیے ہے۔
8. شرکِ اکبر جو قبروں پر کیا جاتا ہے۔
9. مشرکین جو کچھ کرتے ہیں، اس سے وہ ان قبروں والوں کو ایذاء پہنچاتے ہیں۔ جو کچھ ان کی قبروں کے پاس کیا جاتا ہے یہ بات ان کو ایذاء پہنچاتی ہے۔ وہ اس کو نہایت ناپسند کرتے ہیں۔ جیسے حضرت مسیح علیہ السلام ناپسند کرتے ہیں کہ جو کچھ عیسائی ان کے بارے میں کرتے ہیں۔ اسی طرح دیگر انبیاء، اولیاء اور مشائخ کو وہ بات تکلیف پہنچاتی ہے جو کچھ عیسائیوں کے مشابہ لوگ ان کی قبروں کے پاس کرتے ہیں اور وہ روزِ قیامت ان سے اظہارِ برأت کریں گے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰۤؤُلَاۤءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَاۤءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۝﴾ (الفرقان: ۱۷، ۱۸)

''اور جس دن (اللہ) ان کو اور ان کو جنھیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں جمع کرے گا تو فرمائے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود گمراہ ہو گئے تھے۔ وہ کہیں گے تو پاک ہے۔ ہمیں یہ بات شایاں نہ تھی کہ تیرے سوا اوروں کو کارساز بناتے، لیکن تو نے ہی ان کو اور ان کے باپ دادا کو برتنے کی نعمتیں دیں یہاں تک کہ وہ (تیری) یاد کو بھول گئے اور یہ ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔''

پھر اللہ نے مشرکین کو فرمایا:

﴿فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا

[1] آسانی کے لیے ہم نے نمبر لگا دیے ہیں۔ (مترجم)

كَبِيرًا ﴿١٩﴾ (الفرقان:١٩)

''تو انہوں نے تم کو تمہاری بات میں جھٹلا دیا، پس (اب) تم (عذاب کو) نہ پھیر سکتے ہو نہ (کسی سے) مدد لے سکتے ہو اور جو شخص تم میں سے ظلم کرے گا ہم اس کو بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿١١٦﴾ (المائدة:١١٦)

''اور جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟ وہ کہیں گے تو پاک ہے مجھے کب شایاں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں، اگر میں نے ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا۔ جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے جی میں ہے اسے میں نہیں جانتا۔ بے شک تو علام الغیوب ہے۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٤٠﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم ۖ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ (سبا:٤٠، ٤١)

''اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا: کیا یہ لوگ تم کو پوجا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے: تو پاک ہے تو ہی ہمارا کارساز ہے نہ کہ یہ، بلکہ یہ جنات کو پوجا کرتے تھے اور اکثر ان ہی کو مانتے تھے۔''

⑩ قبروں کو سجدہ گاہ بنانے اور ان پر چراغ جلانے میں یہود و نصاریٰ کی مشابہت۔

⑪ خود ساختہ شریعت میں اللہ اور اس کے پیغمبر کی نافرمانی اور مخالفت۔

⑫ کبیرہ گناہ اور بڑے بوجھ کے ساتھ ساتھ نہایت مشقت۔

⑬ سنتوں کو مٹانا اور بدعتوں کو زندہ کرنا۔

⑭ اللہ کے پسندیدہ اور زمین کے بہترین ٹکڑوں مساجد پر ان کو فضیلت دینا۔ قبروں کے پجاری ان کو ایسی تعظیم، احترام، خشوع، رقت قلب اور مردوں کے ہاں ایسے اہتمام سے ڈیرہ رکھتے ہیں جو کچھ وہ مساجد میں نہیں کرتے، بلکہ مساجد میں اس کی مثل یا اس سے قریب قریب بھی نہیں کرتے۔

⑮ اس سے مزارات کی آبادی اور مساجد کی بے آبادی ہوتی ہے۔ جو دین اللہ نے اپنے پیغمبر کو دے کر بھیجا یہ اس کے خلاف عمل ہے۔ سب لوگوں میں سے علم اور دین سے دور ترین رافضی لوگ جب آئے تو انہوں نے مزارات کو آباد اور مساجد کو بے آباد کیا۔

⑯ رسول اللہ ﷺ نے زیارتِ قبور کے وقت جو مشروع فرمایا ہے وہ تو آخرت کی یاد، جس قبر کی زیارت ہے اس کے لیے دعا،

اس پر رحم کی درخواست، اس کے لیے استغفار اور اس کے لیے عافیت کا سوال ہے۔ گویا زائر اپنے لیے اور میت کے لیے نیکی کرنے والا ہے۔ ان مشرکوں نے معاملہ برعکس کیا اور دین کو الٹ دیا۔ انہوں نے زیارت کا مقصد میت کے ساتھ شرک، اس کو پکارنا، اس کے وسیلہ سے دعا، ان سے حاجات طلبی، ان سے نزول برکات کی استدعا، دشمنوں کے خلاف مدد کی درخواست وغیرہ بنالیا۔[1]

لہٰذا انہوں نے اپنے ساتھ برا سلوک کیا اور میت کے ساتھ بھی۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے دعا، رحم کی درخواست اور استغفار کی مشروع برکت سے بھی محروم ہو گئے۔

اب تم اہل ایمان کی زیارت کا طریقہ سنو۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کی زبان سے مشروع فرمایا ہے۔ پھر اس کے اور اہل شرک کے طریقہ زیارت کا موازنہ کرو جو ان کے لیے شیطان نے مقرر کیا ہے اور اپنے لیے ایک طریقہ پسند کرو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں؛ جب کبھی رسول اللہ ﷺ رات کو ان کے پاس ہوتے تو آخر رات کو بقیع قبرستان کی طرف نکلتے اور فرماتے:

«اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ، وَاٰتَاکُمْ مَا تُوْعَدُوْنَ غَدًا مُؤَجَّلُوْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَهْلِ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ»[2]

''سلام ہو تم پر مومن قوم کے گھر والو، جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ تمہارے پاس کل موجل آئے گا۔ اور بے شک اگر اللہ نے چاہا تو ہم تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ اہلِ بقیع غرقد کو بخش دے۔''

صحیح مسلم میں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ آپ کا رب آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اہل بقیع کے ہاں جائیں اور ان کے لیے استغفار کریں؟ کہتی ہیں، میں نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر (اگر میں وہاں جاؤں تو) میں ان کے لیے کیا کہوں؟ فرمایا: تم کہو:

«اَلسَّلَامُ عَلٰی أَهْلِ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ، وَیَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِیْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ»[3]

''مومن اور مسلم اہل دیار کو سلام۔ اور اللہ ہم میں سے پہلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے اور بے شک اگر اللہ نے چاہا تو ہم تم سے ضرور ملنے والے ہیں۔''

---

① صحیح مسلم، باب مایقال عند دخول القبور، امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: " دَارَ " نداء کی وجہ سے منصوب ہے یعنی "یا أهل دار" مضاف کو حذف کیا اور مضاف الیہ اس کی جگہ پر آیا۔ ایک قول ہے کہ اختصاص کی وجہ سے منصوب ہے۔ صاحب المطالع کہتے ہیں: علیکم کی ضمیر سے بدل کے طور پر اس کی جر بھی جائز ہے۔ بقیع اہل مدینہ کے قبرستان کا نام ہے۔ اس کا نام بقیع الغرقد ہے کیونکہ اس میں ایک غرقد تھا۔ غرقد بہت بڑا خاردار درخت ہے۔

② صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب مایقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، حدیث: ١٠٢/٩٧٤، ج: ٢، ص: ٦٦٩۔

③ یہ ایک لمبی حدیث ہے۔ اور یہ اس کا آخری حصہ ہے۔ دیکھئے: ج ٣، ص: ٤٤-٤٣۔

صحیح مسلم میں ہی سلیمان بن بریدہ سے مروی ہے، وہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم دیتے تھے کہ جب وہ قبرستان کی طرف نکلیں تو یہ کہیں:

اہلِ دیار پر سلام، دیگر الفاظ ہیں:①

«أَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَا حِقُوْنَ، نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»②

''سلام تم پر اے مومن اور مسلم اہل دیار اور بے شک ہم اگر اللہ نے چاہا تو تم کو ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت مانگتے ہیں۔''

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَمَنْ أَرَادَ أَنْ يَّزُوْرَ فَلْيَزُرْ، وَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا»③

''میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کیا تھا تو جو زیارت کا ارادہ رکھے وہ زیارت کر لے اور تم غیر ضروری بات نہ کرو۔''

رسول اللہ ﷺ نے مردوں کو زیارتِ قبور سے منع کیا تھا، تاکہ شرک کا ذریعہ بند ہو۔ جب ان کے دلوں میں توحید نے جگہ بنالی تو آپ نے ان کو اس طریقہ سے زیارت کی اجازت دے دی جو مشروع تھا۔ آپ نے ان کو غیر ضروری بات کہنے سے روک دیا۔ تو جو قبروں کی زیارت اس طریقہ سے نہ کرے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے پسند کیا ہے تو اس کو زیارت کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ سب سے غیر ضروری بات وہاں پر قولاً اور فعلاً شرک کرنا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«زُوْرُوا الْقُبُوْرَ، فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ»④

''تم قبروں کی زیارت کرو، بے شک یہ موت یاد دلاتی ہیں۔''

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّيْ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْاٰخِرَةَ»⑤

''میں نے تم کو زیارتِ قبور سے روکا تھا تو تم ان کی زیارت کرو، پس بے شک یہ تم کو آخرت یاد دلاتی ہیں۔''

---

① یہ زہیر بن حرب کی روایت ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ (الفقی)

② صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب مایقال عند دخول القبور والدعاء لأهلها، حدیث: ٩٧٥/ ١٠٤، ج: ٢، ص: ٦٧١۔ ③ صحیح مسلم، حدیث زیارة النبی ﷺ قبر أمه واستئذانه ربه أن یستغفر لها فلم یأذن له۔ فاستأذنه أن یزور قبرها فأذن له۔ اس کے آخر میں ہے ''تم قبروں کی زیارت کرو یہ موت یاد دلاتی ہیں۔'' امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسے ابوداود، نسائی، ابن ماجہ سب نے ثقات سے بیان کیا ہے اور یہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے۔ (الفقی) ④ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب استئذان النبی ﷺ ربه عز و جل فی زیارة قبر أمه، حدیث: ٩٧٧/ ١٠٦، ج: ٢، ص: ٦٧٢۔

⑤ مسند امام احمد، ج: ١، ص: ١٥٤۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قبرستان سے گزرے۔ اس کی طرف منہ کیا اور فرمایا:

«اَلسَّلَامُ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ، يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ، وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ»[1]

''سلام ہو تم پر، اے اہل قبور۔ اللہ تم کو اور ہم کو بخش دے اور ہم (تمہارے) پیچھے ہیں۔''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ، فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا، وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ»[2]

''میں نے تم کو زیارتِ قبور سے روکا تھا تو تم زیارتِ قبور کرو، بے شک وہ دنیا میں بے رغبتی دلاتی اور آخرت یاد دلاتی ہیں۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے، کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ، فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّ فِيْهَا عِبْرَةً»[3]

''میں نے تم کو زیارتِ قبور سے روکا تھا، تو تم ان کی زیارت کرو، پس بے شک ان میں عبرت ہے۔''

تو یہ زیارت کا وہ شرعی طریقہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے مقرر فرمایا ہے اور ان کو اس کی تعلیم دی ہے۔ کیا تم اس میں کوئی ایسی چیز پاتے ہو جس پر اہل شرک و بدعت کا اعتقاد ہے؟ یا تم اس کو ہر طرح ان کے خلاف ہی پاتے ہو؟

امام مالک بن انس رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب کہا ہے:

''اس امت کے آخر کو ہرگز کوئی چیز درست نہیں کرسکتی مگر وہی چیز جس نے اس کے اوّل کو درست کیا تھا۔''

لیکن جب جب امتوں کا اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ عہد کا تعلق کمزور ہوا اور ان کا ایمان ناقص ہوا، اس کے بدلہ میں ان کے اندر شرک اور بدعت کوئی چیز آئے۔

سلف صالحین نے توحید کو شرک و بدعت سے بالکل الگ رکھا اور اس کی حفاظت کی۔ ان میں سے کوئی شخص جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھتا، پھر دعا کا ارادہ کرتا تو بجانب قبلہ ہو جاتا اور اپنی کمر دیوارِ قبر کی طرف کرتا، پھر دعا کرتا۔

سلمہ بن وردان کہتے ہیں:

''میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھتے پھر اپنی کمر دیوارِ قبر سے لگاتے پھر دعا کرتے۔''

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کی اس پر نص ہے کہ بوقت دعا منہ قبلہ کی جانب کیا جائے گا تاکہ قبر کے پاس دعا نہ ہو جائے۔ بلاشبہ دعا ایک عبادت ہے۔ ترمذی وغیرہ میں مرفوعاً مروی ہے:

---

[1] احمد، ترمذی انہوں نے اسے حسن کہا ہے۔ مسند امام احمد، ج: ۳، ص: ۳۸

[2] سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، ج: ۱، ص: ۵۰۰۔

[3] مسند امام احمد، ج: ۵، ص: ۳۵۰۔

«اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ»[1]

"دعا عبادت ہی ہے۔"

سلف نے عبادت کو اللہ کے لیے خاص رکھا اور اس کا کوئی حصہ قبر کے پاس نہ رکھا سوائے اس کے جس کی رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی ہے، مثلاً اہل قبور کو سلام کہنا، ان کے لیے استغفار اور رحم طلبی کی دعا کرنا۔

بہر حال! میت کے عمل کا تعلق ختم ہو گیا۔ وہ اپنے لیے دعا اور شفاعت کا محتاج ہے۔ لہٰذا اس کے لیے نماز میں ایسی دعائیں وجوباً اور استحباباً مشروع کی گئی ہیں، جس طرح کی دعائیں زندہ کے لیے مشروع نہیں ہیں۔ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی تو میں نے آپ سے دعا یاد کی۔ آپ پڑھ رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ، وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ، وَأَكْرِمْ نُزُلَهٗ، وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ، وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهٖ، وَأَهْلًا خَيْرًا مِّنْ أَهْلِهٖ، وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ، وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ، وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ أَوْمِنْ عَذَابِ النَّارِ»[2]

"اے اللہ! اس کو بخش دے، اس پر رحم فرما، اس کو معاف فرما، اس سے درگزر فرما، اس کی اچھی مہمانی فرما، اس کے داخل ہونے کی جگہ کشادہ فرما، اس کو پانی، برف اور اولوں سے دھو ڈال۔ اس کو گناہوں سے اس طرح صاف کر جس طرح تو نے سفید کپڑے کو میل سے صاف کیا۔ اے اللہ اس کے گھر کے بدلے اس کو بہتر گھر دے، اہل کے بدلے بہتر اہل دے، جوڑے کے بدلے بہتر جوڑا دے، اس کو جنت میں داخل فرما، اس کو عذاب قبر یا جہنم کے عذاب سے پناہ دے۔" جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اس میت پر دعا کی میں نے تمنا کی کہ کاش یہ میت میں ہوتا۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا:

«اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبُّهَا، وَأَنْتَ خَلَقْتَهَا، وَأَنْتَ هَدَيْتَهَا لِلْإِسْلَامِ، وَأَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهَا، وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَعَلَانِيَتِهَا، جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَهٗ»[3]

"اے اللہ! تو اس کا رب ہے، تو نے اس کو پیدا کیا، تو نے اس کو اسلام کے لیے ہدایت دی، تو نے اس کی روح قبض کی، تو اس کے پوشیدہ اور علانیہ کو بہتر جاننے والا ہے، ہم سفارشی بن کر آئے ہیں، تو اس کو معاف فرما دے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ»[4]

---

[1] جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب تفسیر السورۃ، حدیث: ۲۹۶۹، ج: ۵، ص: ۲۱۱۔

[2] صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمیت فی الصلاۃ، حدیث: ۹۶۳/ ۸۵، ج: ۲، ص: ۶۶۲۔

[3] مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۲۵۶۔

[4] سنن ابی داود، کتاب الجنائز، بابٌ للمیت، حدیث: ۳۱۹۹، ج: ۳، ص: ۵۳۸۔

''جب تم میت کا جنازہ پڑھو تو اس کے لیے اخلاص سے دعا کرو۔''

حضرت عائشہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ (آپ نے فرمایا):

«مَا مِنْ مَيِّتٍ يُصَلِّيْ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهُ، إِلَّا شُفِعُوْا فِيْهِ» ①

''جب کسی میت پر مسلمانوں کی ایک جماعت جنازہ پڑھے جو سو تک پہنچتے ہوں، اور وہ سب اس کے لیے سفارش کرتے ہوں، تو ان کی سفارش اس کے لیے ضرور قبول کر لی جائے گی۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں؛ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جِنَازَتِهٖ أَرْبَعُوْنَ رَجُلًا، لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا إِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيْهِ» ②

''جو کوئی مسلمان فوت ہوتا ہے اور اس کے جنازے پر چالیس آدمی کھڑے ہوں، جو اللہ کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کرتے ہوں تو ضرور اللہ ان کی اس کے متعلق سفارش قبول فرمائے گا۔''

میت پر نمازِ جنازہ سے یہی مقصود ہے، یعنی اس کے لیے دعا، استغفار اور اس کے حق میں سفارش۔ یہ بھی معلوم ہے کہ جب وہ قبر میں ہے تو اس کو دُعا کی زیادہ ضرورت ہے کہ اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے بہ نسبت اس کی نعش کے۔ ③

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفن کے بعد قبر پر کھڑے ہوتے اور فرماتے:

«سَلُوْا لَهُ التَّثْبِيْتَ فَإِنَّهُ الْاٰنَ يُسْئَلُ» ④

''تم اس کے لیے ثابت قدمی کا سوال کرو، پس بے شک اس سے اب سوال کیا جا رہا ہے۔''

معلوم ہوا کہ دفن کے بعد وہ دعا کا زیادہ محتاج ہوتا ہے۔ جب ہم اس کے جنازہ پر اس کے لیے دعا کرتے ہیں، ہم اس کے وسیلہ سے دعا نہیں کرتے۔ اس کے لیے سفارش کرتے ہیں، اس کو سفارش کا وسیلہ نہیں بناتے تو وہ دفن کے بعد وہ اس کا زیادہ حق دار اور ضرورت مند ہے۔

اہل بدعت و شرک نے بات بدل دی جو ان کو کہی گئی تھی۔ اس کے لیے دعا کے بدلہ میں وہ اس سے اپنے لیے دعا کرنے لگے۔ اس کے لیے سفارش کے بجائے اس کو اپنے لیے سفارشی بننے کی درخواست کرنے لگے۔ زیارت کا جو مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع فرمایا تھا کہ میت کے ساتھ نیکی ہو، زائر کے لیے بھی نیکی ہو اور آخرت یاد آئے، اس کے بدلہ میں انہوں نے میت سے سوال شروع کر دیا۔ اس کی اللہ کو قسمیں دینے لگے۔ اس جگہ کو دعا کے ساتھ خاص کرنے لگے جو کہ عبادت کا مغز ہے۔ وہاں حضورِ قلب کیا اور مساجد اور اوقاتِ سحر سے بڑھ کر وہاں خشوع اختیار کیا۔

---

① صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب من صلى عليه مائة شفعوا فيه، حديث: ٩٤٧/ ٨٥، ج: ٢، ص: ٦٥٤۔

② سنن ابى داود، كتاب الجنائز، باب الاستغفار غند القبر للميت، حديث: ٣٢٢١، ج: ٣، ص: ٥٥٠۔

③ یعنی جب نعش باہر تھی، اس کی میت جب قبر میں چلی گئی تو دُعا کی زیادہ مستحق ہے۔ (مترجم)

④ ابو داود و حاکم بروایت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ (الفقی)

یہ ناممکن ہے کہ مردوں کو پکارنا، دعا میں ان کو وسیلہ بنانا یا ان کی قبر کے پاس دعا کرنا مشروع اور عمل صالح ہو اور رسول اللہ ﷺ کی نص سے فضیلت دیئے گئے تین زمانے اس سے محروم رہیں۔ پھر یہ عمل ان نااہل جانشینوں کو دیا جائے جو وہ باتیں کہتے ہیں جن پر عمل نہیں کرتے۔ اور وہ کرتے ہیں جس کا حکم نہیں دیا گیا۔ تقریباً تیئیس برس رسول اللہ ﷺ کا اہل قبور کے متعلق یہی طریقہ رہا، حتیٰ کہ اللہ نے آپ کو وفات دے دی۔ یہی آپ کے خلفائے راشدین کی سنت ہے۔ اور یہی تمام صحابہ اور نیک تابعین کا طریقہ رہا ہے۔

کیا روئے زمین پر کسی انسان کے لیے ممکن ہے کہ وہ ان میں سے کسی ایک سے صحیح یا حسن یا ضعیف یا منقطع روایت پیش کرے کہ جب صحابہ کو حاجت ہوتی تو وہ قبروں کا قصد کرتے، وہاں پر دعا کرتے، ان کو چھوتے۔ چہ جائیکہ وہ وہاں نماز پڑھتے ہوں یا اللہ سے قبر والوں کے وسیلہ سے مانگتے ہوں یا اپنی حاجات ان سے مانگتے ہوں؟ وہ ہمیں اس کے متعلق ایک اثر یا کوئی ایک حرف ہی دکھا دیں۔

ہاں! ان کے لیے یہ ممکن ہے کہ بعد کے نااہل جانشینوں سے اس طرح کی بہت سی چیزیں لا دیں۔ جب جب زمانہ طویل ہوا اور وہ عہد دور ہوا، یہ باتیں بہت ہوئیں۔ حتیٰ کہ اس کے متعلق کئی کتابیں سامنے آئیں جن میں رسول اللہ ﷺ سے، نہ آپ کے خلفائے راشدین سے، اور نہ آپ کے اصحاب سے ایک حرف بھی آیا۔

ہاں، جیسا کہ ہم پیچھے بتا آئے ہیں۔ ان کے خلاف بہت سی مرفوع احادیث ہیں۔ آثارِ صحابہ بھی زائد از شمار ہیں۔ ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت انس رضی اللہ عنہ پر ردّ ذکر کیا ہے، جب وہ قبر کے پاس نماز پڑھنے لگے، فرمایا: قبر سے ہٹو! قبر سے ہٹو!

محمد بن اسحٰق رحمہ اللہ نے اپنی مغازی میں یونس بن بکیر کے زیادات سے ذکر کیا ہے، بواسطۂ ابی خلدہ خالد بن دینار کہتے ہیں: ہم سے ابوالعالیہ نے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں: جب ہم نے تستر [1] کو فتح کیا۔ ہرمزان [2] کے بیت المال میں ہم نے ایک تختہ دیکھا جس پر ایک شخص کی نعش ہے اور اس کے سر کے پاس اس کا ایک صحیفہ پڑا ہے۔ ہم نے وہ صحیفہ پکڑا اور اسے اٹھا کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے۔ آپ نے حضرت کعب [3] کو بلایا۔ انہوں نے اس کا عربی میں ترجمہ کر دیا۔ میں عرب کا پہلا شخص ہوں جس نے اس کو پڑھا۔ میں اسے اس طرح پڑھتا جس طرح قرآن پڑھتا ہوں میں نے ابوالعالیہ سے کہا: اس میں کیا تھا؟ فرمایا: تمہاری سیرت، تمہارے معاملات، تمہارے کلام کے مضامین اور جو بعد میں ہونے والا ہے، میں نے کہا تم نے اس شخص کا کیا کیا؟ کہا: ہم نے دن کو تیرہ (۱۳) متفرق قبریں کھودیں۔ جب رات ہوئی تو ہم نے اس کو دفن کر دیا اور سب قبریں برابر کر دیں تا کہ ہم لوگوں پر اسے مخفی رکھیں اور وہ اس کی قبر نہ کھودیں۔ میں نے کہا: وہ اس سے کیا امید رکھتے تھے؟ کہا: جب ان سے بارش رک جاتی تو وہ تختہ کو باہر لاتے اور ان پر بارش ہو جاتی۔ میں نے کہا: تمہارے خیال میں وہ کون شخص تھا؟ کہا: اس آدمی کو حضرت دانیال علیہ السلام کہا جاتا تھا۔ میں نے کہا تمہارے خیال میں کتنی مدت پہلے انہوں نے وفات پائی؟ کہا: تین سو سال پہلے۔ میں نے کہا: ان کی کوئی چیز بدلی بھی تھی؟ کہا: نہیں،

---

[1] یہ ایک قلعہ ہے۔ (مترجم)

[2] یہ بادشاہ تھا۔ (مترجم)

[3] یہ حضرت کعب الاحبار رحمہ اللہ ہیں جو اہل کتاب کے علماء میں سے مسلمان ہو گئے تھے۔ (مترجم)

ہاں ان کی گدی کے چند چھوٹے بال۔ بے شک انبیاء کے جسموں کو زمین بوسیدہ نہیں کرتی اور نہ ان کو درندے کھاتے ہیں۔''[1]

اس واقعہ میں مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم نے ان کی قبر کو نامعلوم کرنے کے لیے جو کچھ کیا، صرف اس لیے کہ لوگ اس کے فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ انہوں نے وہاں پر دعا کے لیے اور اس سے تبرک کے لیے اس کو کھلا نہ چھوڑا۔ اگر پچھلے لوگ اس پر کامیابی پاتے تو ضرور اس پر تلواروں سے لڑائی کرتے اور اس کی اللہ کے سوا عبادت کرتے۔ انہوں نے تو قبروں کو بت بنالیا جو اس کے قریب قریب بھی نہیں ہیں۔ ان کی خدمت کی اور ان کو مساجد سے بڑی عبادت گاہ بنایا اگر قبروں کے پاس دعا، وہاں نماز اور ان سے تبرک فضیلت، سنت یا مباح ہوتا تو مہاجرین وانصار اس قبر کو اس نشانی کے طور پر چھوڑتے، وہاں دعا کرتے۔ بعد والوں کے لیے یہ طریقہ جاری کرتے۔ لیکن وہ اللہ، اس کے پیغمبر اور اس کے دین کو بعد کے ان نااہل جانشینوں سے بہتر جانتے تھے جو بعد میں آئے۔ اس طرح نیکی میں ان کی پیروی کرنے والے تابعین اس راہ پر چلے۔ ان کے پاس مختلف علاقوں میں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قبریں بڑی تعداد میں تھیں۔ وہ خود بھی بہت تھے، لیکن کسی نے صحابی کی قبر پر مدد طلب نہ کی، نہ اس سے دعا کی، نہ اس کے وسیلہ سے دعا کی، نہ اس کے پاس دعا کی، نہ اس کے وسیلہ سے شفا طلب کی، نہ اس کے وسیلہ سے بارش مانگی اور نہ اس کے وسیلہ سے مدد مانگی، یہ بات بھی معلوم ہے کہ اس طرح کی باتوں کو نقل کرنے کے لیے اسباب وہمتیں بہت ہوتی ہیں۔ بلکہ اس سے کم تر کو نقل کرنے کے لیے بھی۔

پھر یہ مسئلہ دو باتوں سے خالی نہیں: یا تو یہاں پر دعا کرنا اور قبر والوں کے وسیلہ سے دعا کرنا دیگر جگہ کی بہ نسبت افضل ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اگر افضل ہے تو علمی اور عملی طور پر صحابہ، تابعین اور تبع تابعین پر یہ کیسے مخفی رہا؟

تین فضیلت والے زمانے اس عظیم فضل سے علماً اور عملاً ناآشنا رہے اور علماً وعملاً بعد کے نااہل لوگ اس پر کیسے کامیاب ہوئے؟

یہ تو ممکن نہیں کہ وہ اس پر عمل بھی کرتے ہوں اور اس کو چھپا کر بھی رکھتے ہوں کہ وہ ہر خیر پر حرص رکھتے تھے۔ خاص طور پر دعا کے لیے۔ مجبور آدمی ہر طریقہ اپناتا ہے۔ گو کہ اس میں کچھ ناگواری بھی ہو۔ پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ بکثرت دعا کے محتاج بھی ہوں، قبروں کے پاس دعا کی فضیلت کو جانتے بھی ہوں، پھر بھی ان کا قصد نہ کریں؟ یہ فطری اور شرعی طور پر محال ہے۔

---

[1] ابوعبید قاسم بن سلام کتاب الاموال، ص: ۳۴۳، نمبر ۸۷۸ میں قتادہ رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں: جب حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ''سوس'' فتح ہوا تو لوگوں نے ابرن میں حضرت دانیال علیہ السلام کو دیکھا، ان کے پہلو میں مال تھا اور ایک خط میں لکھا تھا: ''جو چاہے آکر اس مال سے وقت مقرر تک قرض لے لے۔ اگر وقت مقرر پر ادا کرے تو درست ورنہ برص میں مبتلا ہوجائے گا۔'' حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑا اور بوسہ دیا اور کہا: ربّ کعبہ کی قسم! یہ حضرت دانیال علیہ السلام ہیں۔ ان کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا: ان کو کفن دو، لاش کو حنوط کرو، ان کا جنازہ پڑھو اور اس طرح دفن کرو جس طرح انبیاء علیہم السلام کو دفن کیا گیا۔ اور دیکھو ان کے مال کو مسلمانوں کے بیت المال میں رکھ دو۔ کہتے ہیں: ان کو کتان کے دو سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ ان کا جنازہ پڑھایا گیا اور ان کو دفن کیا گیا۔ تاریخ طبری، ج: ٤، ص: ۲۲۰۔ سن ۱۷ھ کے واقعات میں حضرت دانیال علیہ السلام کا واقعہ ہے لیکن وہ اس طرح نہیں ہے۔ آپ بلاذری کی فتوح البلدان، ص: ۳۷۱ بھی دیکھیں۔ ''کورِ اھواز'' کی فتح کے واقعات میں ہے کہ ''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے قلعہ میں ایک کمرہ دیکھا، جس پر پردہ تھا۔ اس کے متعلق پوچھا۔ تو بتایا گیا کہ اس میں حضرت دانیال نبی علیہ السلام کا جسم ہے۔ ان پر جب قحط آتا تو وہ اہل بابل سے درخواست کرتے کہ حضرت دانیال علیہ السلام ہمیں دیں تاکہ بارش کی دعا کی جائے۔ وہ ایسا ہی کرتے۔ بخت نصر نے حضرت دانیال علیہ السلام کو قید کیا تھا اور وہ ان کو بابل لے آیا تھا۔ وہ وہیں پر فوت ہوگئے۔ تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک نہر میں بند لگوایا جب پانی بند ہوگیا تو ان کو دفن کردیا۔ پھر اس نہر میں پانی کو چلادیا۔ (الفقی)

لہٰذا دوسری قسم ہی متعین ہو جائے گی وہ یہ کہ یہاں پر دعا کی کوئی فضیلت نہیں ہے۔ نہ یہ مشروع ہے۔ نہ خاص مقصد سے اس کی اجازت ہے۔ بلکہ اس کو دعا کے ساتھ خاص کرنا ان خرابیوں کا ذریعہ ہے جو پیچھے گزری ہیں۔ اس طرح کے عمل کو تو اللہ اور اس کا پیغمبر بالکل مشروع نہیں کرتا۔ بلکہ یہاں پر دعا کا استحباب عبادت کی ایسی خود ساختہ شریعت ہے جو اللہ نے نہیں بنائی اور نہ اس نے اس پر کوئی دلیل نازل کی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو اس سے چھوٹے غیر مسنون عمل پر بھی بہت رد کیا ہے۔

معرور بن سوید رحمہ اللہ سے کئی راوی بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ کے راستے میں صبح کی نماز پڑھی۔ آپ نے اس میں سورۃ الفیل اور سورۃ القریش کی تلاوت کی۔ پھر دیکھا کہ لوگ مختلف اطراف کو جا رہے ہیں۔ فرمایا: یہ لوگ کدھر جا رہے ہیں؟ بتایا گیا: اے امیر المؤمنین! ایک مسجد ہے جہاں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی یہ وہاں نماز پڑھیں گے۔ آپ نے فرمایا: تم سے پہلے لوگ اس طرح کے عمل سے ہلاک ہوئے۔ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کے آثار کو تلاش کرتے اور ان کو گرجے اور کلیسے بناتے۔ تم میں سے جس کو ان مساجد میں نماز کا وقت آئے وہ نماز پڑھ لے۔ اور جس کو نہ آئے تو وہ چلتا جائے اور ان کا قصد نہ کرے۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم پر اس بات کا رد کیا، جب انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ ہمارے لیے ایک خاص درخت مقرر کریں جس پر ہم اپنا اسلحہ اور سامان لٹکایا کریں؟

صحیح بخاری میں حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف نکلے۔ ہم نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ مشرکین کی ایک بیری تھی جس کے گرد وہ ٹھہرتے اور اس پر اپنا اسلحہ لٹکاتے۔ اس کا نام ''ذات انواط'' تھا۔ ہم اس بیری کے پاس سے گزرے، ہم نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! ہمارے لیے بھی ایک ذاتِ انواط بنائیے، جس طرح ان کے لیے ذاتِ انواط ہے؟ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ، هٰذَا كَمَا قَالَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ» ''اللہ اکبر! یہ تو ایسے ہے جیسے بنی اسرائیل نے کہا تھا:

﴿اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۚ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝﴾ (الاعراف:۱۳۸)

یعنی: (قومِ موسیٰ نے کہا) ہمارے لیے ایک الٰہ بناؤ جس طرح ان کے لیے الٰہ ہے۔ فرمایا: بے شک تم جہالت کرنے والی قوم ہو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ضرور بضرور اپنے پہلوں کے طریقوں پر چلو گے۔ [1]

اگر اسلحہ لٹکانے اور ارد گرد ٹھہرنے کے لیے درخت مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ الٰہ بنانے سے تعبیر ہے حالانکہ وہ اس کی عبادت نہیں کرتے۔ نہ اس سے سوال کرتے ہیں تو قبر کے ارد گرد ٹھہرنے، اس کو پکارنے، اس کے وسیلہ سے دعا اور اس کے پاس دعا کرنے کا کیا حکم ہوگا؟ اگر اہل شرک و بدعت علم رکھتے ہیں تو بتائیں کہ درخت کے فتنہ کو قبر کے فتنہ سے کیا نسبت ہے؟

[1] نیز دیکھیے مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۳۲۷

مالکیہ میں سے کسی [1] اہل علم کا قول ہے: اللہ تم پر رحم فرمائے، تم دیکھو تم کو جہاں کوئی بیری یا درخت ملے جس کا لوگ قصد کرتے ہوں، اس کی تعظیم کرتے ہوں، اس سے شفا اور صحت یابی کی امید رکھتے ہوں، وہاں پر کیل ٹھونکتے اور کپڑے لٹکاتے ہوں تو وہ ''ذاتِ انواط'' (کی طرح) ہے تم اس کو کاٹ دو۔

اللہ تعالیٰ نے کن مقاصد کے ساتھ اپنے پیغمبر ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ جس کو اس کا اور جو کچھ آج اس حوالہ سے اہل شرک و بدعت کر رہے ہیں اس کا علم ہو تو وہ جان لے گا کہ سلف اور ان نااہل جانشینوں کے درمیان مشرق و مغرب کے مابین سے بڑھ کر دوری ہے۔ ان کا طریقہ اور ہے، سلف کا طریقہ اور تھا، جیسے شعر ہے۔

''وہ مشرق کی طرف چلی اور تو مغرب کی طرف چلا۔ مشرق کی طرف چلنے والے اور مغرب کی طرف چلنے والے کے درمیان بہت دوری ہے۔''

اللہ بہت بڑا ہے اور یہ معاملہ اس عمل سے بہت بڑا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا سے مذکور ہے، کہتی ہیں: میرے پاس حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ غصے کی حالت میں آئے۔ میں نے کہا آپ کو کیا ہوا؟ فرمایا: حضرت محمد ﷺ کے امر سے میں ان لوگوں میں کوئی بھلائی نہیں پاتا الّا یہ کہ نماز اکٹھے پڑھتے ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ مؤطا میں اپنے چچا ابوسہیل بن مالک سے، وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں، فرمایا: جس عمل پر میں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا۔ اس طرح کے کسی عمل پر لوگ آج نہیں ہیں، سوائے نماز کی ندا (اذان) کے۔

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں دمشق میں حضرت انس بن مالک رحمہ اللہ کے پاس گیا وہ رو رہے تھے۔ میں نے کہا: آپ کو کیا چیز رلاتی ہے؟ فرمایا: میں نے جو بھلائی پائی اس میں سے سوائے اس نماز کے کچھ نہیں جانتا اور یہ نماز بھی ضائع کر دی گئی ہے۔ [2]

دیگر الفاظ ہیں: رسول اللہ ﷺ کے عہد کی میں کوئی چیز آج نہیں جانتا، مگر آج میں اس کا انکار کرتا ہوں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ایک شخص نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، کہا: اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ اگر رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان ہوں تو جو کچھ ہم کرتے ہیں اس میں سے کسی چیز کا انکار کریں گے؟ آپ غصہ میں آئے اور فرمایا: جو کچھ تم کرتے ہو کیا وہ اس کو اچھا سمجھیں گے؟

مبارک بن فضالہ کہتے ہیں: حضرت حسن رحمہ اللہ نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور بیٹھے رونے لگے، ان سے کہا گیا، آپ کو کیا چیز رلاتی ہے؟ فرمایا: کیا تم مجھ کو رونے پر ملامت کرتے ہو؟ اگر مہاجرین میں سے کوئی شخص تمہاری مسجد کے دروازے سے جھانکے تو آج تم جو کچھ کر رہے ہو، رسول اللہ ﷺ کے عہد کی خیر میں سے تم میں کچھ نہ پائے سوائے تمہارے اس قبلہ کے۔

یہی وہ عظیم فتنہ ہے جس کے متعلق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارا کیا حال ہوگا جب تم کو ایسا فتنہ ڈھانپے گا جس میں جوان بوڑھا ہو جائے گا اور چھوٹا جوان ہو جائے گا۔ وہ لوگوں کی راہ پر چلے گا۔ لوگ سنت کے بدلنے کے بعد اسے اپنائیں گے۔

---

[1] یہ ابوبکر محمد بن ولید طرطوشی رحمہ اللہ ہیں جیسا کہ آگے آئے گا۔ (المحقق)

[2] بخاری۔

کہا گیا: سنت بدلی جائے گی یا یہ برائی ہوگی؟

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جب خلافِ سنت عمل جاری ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہے نہ وہ لائق التفات ہے۔ خلافِ سنت عمل حضرت ابودرداء اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی ہوا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔

ابوالعباس احمد بن یحییٰ بیان کرتے ہیں: مجھے محمد بن عبید بن میمون نے عبداللہ بن اسحق الجعفری سے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: حضرت عبداللہ بن حسن اکثر ربیعہ کے پاس بیٹھتے تھے۔ کہتے ہیں ایک دن وہ باہم سنتوں کا ذکر کرنے لگے، مجلس میں سے ایک شخص نے کہا: اس پر عمل نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ نے کہا: تم مجھے بتاؤ، اگر جہلاء کی کثرت ہو حتیٰ کہ وہی حاکم ہوں۔ تو کیا وہ سنت کے خلاف حجت ہوں گے؟ ربیعہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے بیٹوں کا سا کلام ہے۔

فصل: بت اور آستانے

اس کا بہت بڑا فریب یہ ہے کہ اس نے لوگوں کے لیے بت اور تیر کھڑے کر دیئے ہیں جو شیطان کا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔ اور فلاح کو اس سے اجتناب سے معلق کیا ہے۔ (یعنی اس سے بچنے میں فلاح و نجات ہے۔) لہٰذا فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (المائدہ: ۹۰)

''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک کام اعمالِ شیطان سے ہیں۔ سو ان سے بچتے رہنا تا کہ نجات پاؤ۔''

انصاب ہر وہ چیز ہے جو اللہ کے سوا عبادت کے لیے نصب کی جائے۔ خواہ حجر ہوں شجر، بت ہو یا قبر۔ [1] یہ جمع ہے اور واحد نصب ہے۔

جیسے طنب اور اطناب ہے۔

مجاہد، قتادہ اور ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ بیت اللہ کے ارد گرد کچھ پتھر تھے جاہلیت والے ان پر جانور ذبح کرتے اور ان پر گوشت بناتے، وہ ان پتھروں کی تعظیم کرتے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ بت نہیں تھے، بت تو وہ ہوتے ہیں جن کی تصویر اور نقشہ بنایا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ وہ بت ہیں جن کی وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے تھے۔

---

[1] ہشام بن سائب کلبی کتاب الاصنام میں کہتے ہیں: عرب کے لوگ بتوں کی عبادت کے بہت دلدادہ ہوئے۔ کسی نے گھر بنایا۔ کسی نے بت بنایا۔ جو اس پر اور گھر بنانے پر قادر نہ ہوا۔ اس نے اپنے خیمہ کے سامنے پتھر گاڑ لیا جو اس کو پسند آیا۔ پھر اس کا بیت اللہ کی طرح طواف کیا اور اس کا نام نصب رکھا۔ اگر مورتیاں ہوتیں تو ان کا نام صنم اور وثن رکھتے، اور ان کے گرد طواف کو دورہ کہتے۔ کوئی آدمی سفر کرتا اور وہ کسی جگہ پر ٹھہرتا تو چار پتھر لیتا ان میں سے جسے اچھا دیکھتا اس کو رب بنالیتا۔ اور تین کو اپنی ہنڈیا کے لیے پائے بنالیتا۔ جب کوچ کرتا تو اس کو چھوڑ دیتا، جب کسی اور جگہ ٹھہرتا تو اسی طرح کرتا۔ وہ ان سب کے ہاں اونٹ اور دیگر جانور ذبح کرتے اور ان کا قرب چاہتے تھے۔ اس کے باوجود وہ ان سب پر کعبہ کی فضیلت جانتے تھے اور اس کا حج اور عمرہ کرتے تھے۔ جو لوگ اپنے سفروں میں ایسا کرتے تھے وہ صرف وہاں کیے جانے والے ان افعال کی پیروی اور دلدادگی کی وجہ سے کرتے تھے۔ (الفقی)

زجاج کہتے ہیں: یہ ان کے پتھر تھے، ان کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے اور یہی وثن ہیں۔

فراء کہتے ہیں: یہ الٰہ تھے جن کی عبادت کی جاتی تھی یعنی پتھر وغیرہ۔

اس لفظ کی اصل وہ نصب کی گئی چیز ہے جس کی طرف دیکھنے والا قصد کرے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ﴾ (المعارج:۴۳)

''جس دن وہ قبروں سے تیزی سے نکلیں گے گویا وہ بتوں کی طرف دوڑ رہے ہیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک حد یا نشان کی طرف دوڑیں گے۔ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے۔ حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں: یعنی اپنے بتوں کی طرف کہ کون ان کو پہلے چھوتا ہے۔

زجاج کہتے ہیں: یہ اس شخص کی قرأت کے مطابق ہے جس نے نُصُبْ پر دو پیشیں پڑھی ہیں۔ جیسے اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ (المائدۃ:۳)

''اور جو آستانوں پر ذبح کیا گیا۔''

اس آیت کا مطلب ان لوگوں کے بت ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ نصب سے مراد ہر وہ چیز ہے جو نصب کی گئی ہو جیسے لکڑی یا پتھر یا علم۔

ایفاض کا مطلب جلدی چلنا ہے۔

رہے ''ازلام'' تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: وہ ایسے تیر تھے جن سے وہ لوگ اپنے معاملات کی قسمت آزمائی کرتے تھے۔ یعنی جو ان کی قسمت میں لکھا گیا ہے اس کا علم تلاش کرتے تھے۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ان کے پاس کچھ کنکریاں تھیں۔ جب کوئی شخص سفر کا یا بیٹھنے کا ارادہ کرتا تو ان سے قسمت آزمائی کرتا۔ نیز کہتے ہیں: ان کے پاس دو تیر تھے جن سے اہل جاہلیت اپنے معاملات میں قسمت آزمائی کرتے تھے۔ ایک پر لکھا تھا ''مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے'' اور دوسرے پر ''مجھے میرے ربّ نے منع کیا ہے'' مکتوب تھا۔ جب وہ لوگ کسی کام کا ارادہ کرتے تو ان کو رکھتے اگر وہ تیر نکلتا جس پر حکم ہوتا تو وہ اپنے ارادے پر عمل کرتے، اگر منع والا تیر نکلتا تو وہ اس کام کو چھوڑ دیتے۔

ابو عبید کہتے ہیں: الاستقسام کا مطلب قسمت آزمائی ہے۔

مبرد کہتے ہیں: اس کا مطلب ہر ایک بندے کا اپنا حصہ لینا ہے۔

ایک قول ہے کہ: اس کا مطلب جو تیر حکم دیں اس کو اپنے اوپر لازم کرنا ہے، جس طرح قسم لازم ہوتی ہے۔

امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ﴿وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ تم تیروں کی طرف سے معلوم کرو کہ تمہاری قسمت میں دو باتوں میں سے کیا لکھا گیا ہے۔

ابو اسحاق زجاج وغیرہ کہتے ہیں: تیروں سے قسمت آزمائی حرام ہے۔

اس کے اور نجومی کی باتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ وہ کہتا ہے تو فلاں ستارے کی وجہ سے نہ نکل اور فلاں ستارہ طلوع

ہونے پر ضرور نکل۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ (لقمان: ۳٤)

''اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔''

یہ اللہ عزوجل کے علم غیب میں دخل اندازی ہے۔ جو ان تیروں کی طرح حرام ہے، جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ لوگ انصاب و ازلام میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اَنصاب شرک اور عبادت کے لیے ہیں۔ جب کہ ازلام کہانت کے لیے اور اس علم کی طلب کے لیے ہے جس کو اللہ نے اپنے ساتھ خاص کیا ہے۔ یہ علم کے لیے ہے اور وہ عمل کے لیے ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا دین دونوں کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا دین ان دونوں کو باطل کرتا ہے۔ اور اَنصاب و ازلام کو توڑتا ہے۔ ①

اَنصاب وہ چیزیں ہیں جن کو شیطان مشرکین کے لیے نصب کرتا ہے وہ درخت ہو یا ستون ② یا وثن یا قبر یا لکڑی یا چشمہ وغیرہ۔ ضروری ہے کہ ان سب کو گرایا جائے اور ان کا نشان مٹایا جائے۔ جیسے نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اونچی قبریں ③ گرانے اور ان کو زمین کے برابر کرنے کا حکم دیا تھا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو الہیاج اسدی سے مروی ہے، کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم فرمایا: کیا میں تمہیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے بھیجا تھا؟ کہ میں کوئی مورتی نہ چھوڑوں مگر اس کو مٹا دوں اور نہ کوئی اونچی قبر مگر اس ④ کو برابر کر دوں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر کو مجہول کر دیا اور اس کو لوگوں سے چھپا دیا۔ ⑤

جب ان (حضرت عمر رحمہ اللہ) کو یہ خبر پہنچی کہ لوگ اس درخت کے پاس آتے جاتے ہیں جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ نے

---

① قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ آیات الاحکام، ج: ۱، ص: ۲۲۵ میں لکھتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ تم وہ معلوم کرو جو تمہاری قسمت میں لکھا گیا ہے۔ جو تمہارے نصیب، انجام اور منافع رکھے گئے ہیں۔ یہ عمل کرنا حرام اور فسق ہے۔ یہ علم غیب کے درپے ہونا ہے۔ مخلوقِ الٰہی میں سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ غیب کے درپے ہو اور اس کو تلاش کرے۔ اللہ پاک نے اس کو اپنے نبی کے بعد اٹھا لیا ہے، سوائے خواب کے۔ اگر کہا جائے: کیا اس کو قرآن میں ڈھونڈنا جائز ہے؟ ہم کہیں گے جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اس لیے بیان نہیں کیا گیا کہ اس سے غیب معلوم کیا جائے۔ اس کی آیات اس لیے بیان کی گئی ہیں اور اس کے کلمات لکھے گئے ہیں تاکہ غیب سے روکا جائے تو تم اس میں مشغول مت ہو جاؤ، نہ تم میں سے کوئی اس کے درپے ہو یہ جو خواب کی بات کہی ہے، اس کا مطلب وہ نہیں کہ جو بعض دجال دعویٰ کرتے ہیں کہ بندے کی استطاعت میں ہے کہ وہ جو چاہے، جب چاہے، جس کے لیے چاہے دیکھ لے۔ کسی کے ارادے پر جو تقدیر ہے اس کی معرفت لوگوں کو دے دے۔ بلاشبہ یہ جہل اور دجل میں غلو اور ایک جھوٹا دعویٰ ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر، ج: ٦، ص: ۵۹ میں فرماتے ہیں: سلف نے ازلام کا معنی بیان کیا اور بتایا ہے کہ ان سب سے استقسام حصہ اور قسمت طلب کرنا مراد ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے مال باطل طریقہ سے کھایا ہے۔ یہ حرام ہے۔ ہر جوا جو کبوتروں سے ہو، یا مُہروں سے یا شطرنج سے یا دیگر کھیلوں سے تو یہ قسمت آزمائی اور ازلام کے معنی میں ہے جو سب حرام ہے۔ یہ کہانت کی ایک قسم اور علم غیب کے دعویٰ کے درپے ہونا ہے۔ اسی طرح جو لوگ تسبیح سے استخارہ کرتے ہیں اور گھڑے، پیالے، ہتھیلی وغیرہ سے فال لیتے ہیں۔ یہ سب ازلام سے قسمت آزمائی ہے اور حرام ہے۔ (الفقی)

② جس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نام سے بنائی گئی مسجد میں احمد بدوی کی طرف منسوب ایک ستون ہے۔

③ اونچی کا مطلب زمین سے اونچی بنائی گئی ہے۔ یا اس پر اشیاء لٹکا کر اُسے اونچا کر دیا گیا ہے۔ شیطان کا بہت عجیب فریب یہ بھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی رسول اللہ ﷺ کے حکم سے قبروں کو گرایا۔ پھر وہ بنائی گئیں اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی مخالفت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اولادِ علی کے نام پر بعد میں بہت مزارات بنائے گئے جب کہ اللہ کی قسم وہ لوگ اس سے بری ہیں۔ (الفقی)

④ حوالہ پیچھے گزرا۔ (مترجم) ⑤ حوالہ پیچھے گزرا۔ (مترجم)

اپنے اصحاب سے بیعت لی تھی تو آپ نے آدمی بھیج کر اس درخت کو کٹوا دیا۔

ابن وضاح نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں: میں نے عیسیٰ بن یونس کو کہتے ہوئے سنا: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا جس کے نیچے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی گئی تھی۔'' آپ نے اس کو کٹوا دیا کیونکہ بعض لوگ وہاں جا کر اس کے نیچے نماز پڑھتے تھے تو آپ کو ان پر فتنہ کا اندیشہ ہوا۔ [1]

عیسیٰ بن یونس کہتے ہیں: یہ حدیث ہمارے ہاں ابن عون بواسطہ نافع سے منقول ہے کہ ''لوگ درخت کے پاس جاتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو کاٹ دیا۔'' جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل اس درخت کے متعلق ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے۔ [2] اور جس کے نیچے صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی۔ تو اس کے علاوہ انصاب و اوثان کا کیا حکم ہوگا جن کا فتنہ بہت بڑھ کر ہے۔ اور جن کی وجہ سے آزمائش شدید تر ہے؟

اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد ضرار [3] کو گرا دیا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس چیز کا فساد اِس سے بڑا ہوا سے گرا دینا چاہیے، جیسے وہ مساجد ہیں جو قبروں پر بنائی گئی ہیں۔ ان کے متعلق اسلام کا حکم یہ ہے کہ ان سب کو گرایا جائے حتیٰ کہ زمین کے برابر کر دیا جائے۔ یہ مسجد ضرار سے بڑھ کر گرائے جانے کی حقدار ہیں۔ [4]

اسی طرح وہ قبے جو قبروں پر بنائے گئے ہیں ان سب کو گرا دینا چاہیے کیونکہ ان کی بنیاد پیغمبر ﷺ کی مخالفت پر رکھی گئی ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے قبروں پر عمارت بنانے سے منع کیا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ تو وہ عمارت جسے آپ ﷺ کی مخالفت اور نافرمانی میں بنایا گیا ہو۔ وہ عمارت قابل احترام نہیں ہے اور وہ کسی غاصب کی عمارت سے بھی زیادہ گرائے جانے کی حق دار ہے۔

---

[1] اسے ابن وضاح نے کتاب البدع والنہی عنہا کے صفحہ ۴۲ پر ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں: حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ وغیرہ علمائے مدینہ نبی اکرم ﷺ کے ان آثار اور مساجد میں نہ جاتے تھے، سوائے مسجد قباء اور احد پہاڑ کے۔ ابن وضاح مزید کہتے ہیں: میں نے علماء سے سنا ہے کہ سفیان ثوری رحمہ اللہ القدس کی مسجد میں گئے، وہاں نماز پڑھی اور آثار کی ٹوہ نہ لگائی نہ وہاں نماز پڑھی۔ اسی طرح دیگر مقتدر علماء کا فعل بھی ہے۔ وکیع رحمہ اللہ بھی بیت المقدس گئے اور سفیان رحمہ اللہ کے فعل سے زائد کچھ نہ کیا۔ نیز طرطوشی کی کتاب الحوادث والبدع کے صفحہ نمبر ۱۳۷ کا مطالعہ کیجیے۔ نیز ابو شامہ رحمہ اللہ کی الباعث علی انکار البدع والحوادث صفحہ نمبر ۲۴ کا بھی۔ (عفیفی)

[2] اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح میں فرمایا: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ﴾ (فتح :۱۸) ''جب مؤمن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اللہ ان سے خوش ہوا۔ اور جو ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا۔ تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی۔'' (الفقی)

[3] اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا﴾ ''اور جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کریں اور مؤمنوں میں تفرقہ ڈالیں اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے پہلے جنگ کر چکے ہیں ان کے لیے گھات کی جگہ بنائیں۔ اور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصود تو صرف بھلائی تھی۔ مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔'' یہ مسجد منافقوں نے ابو عامر فاسق کے مشورہ سے گھات کی جگہ بنائی تھی کہ مسلمانوں کی مخالفت کا یہ مرکز ہو، مسلمانوں کے لیے فتنہ ہو۔ اور ان کے لیے دھوکا ہو۔ (الفقی)

[4] مؤلف کہتے ہیں: جن جگہوں پر اللہ اور اس کے پیغمبر کی نافرمانی کی جائے ان کو جلانا چاہیے۔ آپ ﷺ نے ایسی جگہ کو گرانے کا حکم دیا تھا، وہ مسجد تھی، اس میں نماز پڑھی جاتی تھی، اس میں اللہ کا نام ذکر کیا جاتا تھا، کیونکہ اس کی بنیاد مؤمنوں کے لیے ضرر اور فرقہ بازی پر تھی۔ وہ منافقوں کی آماجگاہ تھی۔ جو بھی جگہ اس طرح کی ہو امام پر لازم ہے کہ اسے بند کر دے یا گرا دے یا جلا دے یا اس کی صورت بدل کر جس مقصد کے لیے بنائی گئی تھی اس سے نکال دے۔ دیکھیے: زاد المعاد، ج: ۳، ص: ۲۲۔ (عفیفی)

رسول اللہ ﷺ نے اونچی قبریں گرانے کا حکم دیا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے تو قبروں پر بنائے گئے قبوں، عمارتوں اور مساجد کو گرانا بہت ضروری اور لازم ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ان پر مساجد بنانے والوں پر لعنت کی ہے۔ ان پر عمارت بنانے سے منع کیا ہے۔ لہٰذا جس کے فاعل پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہو اور جس کام سے روکا ہو اس کے گرانے کے لیے جلدی اور مدد کرنی چاہیے۔ اللہ عزوجل اپنے دین اور اپنے پیغمبر کی سنت کے لیے ایسا آدمی کھڑا کرے گا جو ان کی مدد کرے اور ان کا دفاع کرے کیونکہ وہ بہت غیرت والا اور جلد مدد کرنے والا ہے۔ اسی طرح ہر قندیل اور چراغ جو قبر پر جلایا گیا ہو اسے ہٹانا اور بجھانا لازم ہے۔ کیونکہ اس کا فاعل رسول اللہ ﷺ کی لعنت سے ملعون ہے۔ اس کا وہاں رہنا درست نہیں۔ نہ ہی اس کو ثابت اور باقی رکھنا اچھا ہے۔

امام ابوبکر طرطوشی کہتے ہیں: تم دیکھو، جہاں بھی تم کوئی بیری یا درخت پاؤ، جس کے پاس لوگ جاتے ہوں، اس کی تعظیم کرتے ہوں، اس کی جانب سے شفا اور صحت یابی کی امید رکھتے ہوں، وہاں پر کیل اور کپڑے لٹکاتے ہوں تو وہ ذاتِ انواط ہے تو تم اس کو کاٹ دو۔

حافظ ابومحمد عبدالرحمن بن اسماعیل المعروف ابوشامہ ''الحوادث والبدع'' میں لکھتے ہیں: اسی قسم کا ایک مسئلہ جس کی پریشانی بہت بڑھ گئی ہے کہ شیطان عوام الناس کے لیے کچھ عمل مزین کرتا ہے۔ وہ لوگ ستونوں اور دیواروں پر خوشبو ملتے ہیں۔ ہر شہر میں خاص جگہ پر چراغ جلاتے ہیں۔ انہیں کوئی بتانے والا بتاتا ہے کہ میں نے خواب میں یہاں پر فلاں مشہور نیک ولی دیکھا تھا۔ لوگ یہاں یہ عمل پابندی سے کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے فرائض اور سنتوں کو چھوڑا جا رہا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نیکی کر رہے ہیں۔ پھر اس سے آگے بڑھ کر ان کے دلوں میں ان جگہوں کی بڑائی آ جاتی ہے وہ ان کی تعظیم کرنے لگتے ہیں۔ وہ اپنے بیماروں کے لیے شفاء کی امید کرتے ہیں ان کے لیے اپنی حاجات پوری ہونے کی نذر مانتے ہیں۔ یہ چشمے بھی ہیں، دیواریں بھی، درخت بھی اور پتھر بھی۔ ①

دمشق شہر میں اس طرح کی کئی جگہیں ہیں۔ جیسے ''بابِ توما'' کے باہر " عوینۃ الحمیٰ "② ''باب صغیر'' کے اندر "عمود المخلق۔" ''بابِ نصر'' کے باہر ''لعنت والا خشک درخت۔'' پھر اسی راستے پر حدیث شریف میں آمدہ ذاتِ انواط سے بہت مشابہت رکھنے والا ''ایک درخت'' بھی ہے۔ اللہ اس کا کاٹنا اور اسے جڑ سے اکھیڑ پھینکنا آسان فرما دے۔

پھر حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے کہ ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک بڑے سرسبز درخت

---

① اس طرح کے مقامات ہمارے برصغیر پاک و ہند میں بکثرت ہیں۔ ہر ایک کی مثالیں ہیں۔ اختصاراً ایک مثال عرض کرتا ہوں۔ میں نے ایک درگاہ پر ایک دیوار دیکھی جس کی لوگ تعظیم کرتے ہیں، اس چھوٹی سی دیوار پر بیٹھتے اور بچوں کو بٹھاتے ہیں میرے معلوم کرنے پر بتلایا گیا کہ صاحب درگاہ کی اولاد میں سے کسی نے اس دیوار پر بیٹھ کر سینکڑوں میل کا سفر منٹوں میں طے کیا تھا۔ لہٰذا یہ متبرک ہو گئی ہے۔ (مترجم)

② امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ مصر وغیرہ ممالک اسلامیہ میں بھی دمشق کی طرح مقامات ہیں بلکہ زیادہ ہیں۔ وہاں پر سب کی سب مصیبت عبیدی لوگوں کی ہے۔ جنہوں نے جھوٹ اور بہتان سے اپنی نسبت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف کر لی ہے۔ وہ اپنی نسبت ان سے کرتے ہیں لیکن ان کے اعمال سے بری ہیں۔ سب سے پہلے یہی لوگ ہیں جنہوں نے قاہرہ وغیرہ میں اس کی بنیاد رکھی ہے اور ہر طرح سے اس کا دفاع کیا ہے۔ اللہ ان کو اور جو ان کے ساتھی، ان کے کفر کو رواج دینے والے اور ان کے طاغوت ہیں سب کو ذلیل اور رسوا کرے۔ (الفقی)

کے نیچے سے گزرے جس کو ''ذاتِ انواط'' کہا جاتا تھا۔ کہنے لگے: اے اللہ کے پیغمبر! ہمارے لیے ایک ذاتِ اَنواط بنایئے جس طرح ان کا ذاتِ انواط ہے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! یہ تو ایسے ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا: ''ہمارے لیے ایک معبود بنایئے جیسے ان کے معبود ہیں۔'' فرمایا: بے شک تم جہالت والی قوم ہو۔ ضرور ضرور تم اپنے سے پہلوں کے طریقوں پر چلو گے۔''[1]

پھر ایک اہل علم نے بلادِ افریقہ میں جو کچھ کیا اس کا ذکر کیا کہ وہاں پر ایک چشمہ تھا جس کا نام ''عین عافیت'' تھا۔ عوام الناس اس کے فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ دور دراز علاقوں سے لوگ وہاں پر آتے تھے۔ جس کی شادی میں رکاوٹ ہوتی یا اولاد نہ ہوتی تو وہ کہتا کہ مجھے ''عافیت'' پر لے چلو۔ شیخ نے اس فتنہ کو پہچان لیا۔ بوقت سحر وہاں گئے اور اس کو گرا دیا۔ صبح کی اذان وہاں پر دی۔ پھر دعا کی: اے اللہ! میں نے اس کو تیرے لیے گرایا ہے۔ تو اس کے لیے کوئی سر نہ اٹھا۔ کہتے ہیں آج تک اس کے لیے کوئی سر نہیں اٹھا یعنی مخالفت میں کوئی بندہ اُن کے سامنے نہیں آیا۔[2]

دمشق میں اس طرح کے کئی آستانے ہیں۔ اللہ پاک نے شیخ الاسلام اور اپنی موحد جماعت کے ہاتھوں ان کا توڑنا آسان فرما دیا ہے۔[3] مثلاً ❶ عمودِ مخلق۔ ❷ وہ آستانہ جو عیدگاہ کے پاس مسجد نارنج میں تھا جس کی جاہل لوگ پرستش کرتے تھے۔ ❸ عیسائیوں کے قبرستان کے پاس وہ آستانہ جو طاجون کے نیچے تھا، جس کے پاس لوگ تبرک کے لیے آتے جاتے تھے۔ ❹ دریائے قلوط میں ایک پتھر پر بت کی شبیہ تھی لوگ وہاں نذر مانتے اور اس سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ ❺ اللہ پاک نے اس آستانے کو بھی توڑا جو رحبہ کے پاس تھا۔ وہاں چراغ جلائے جاتے اور مشرک اس سے تبرک لیتے تھے۔ یہ ایک لمبا ستون تھا اور اس کی چوٹی پر گیند کی طرح ایک پتھر تھا۔

❻ مسجد درب الحجر کے قریب ایک آستانہ تھا۔ وہاں ایک چھوٹی سی مسجد بھی بنائی گئی تھی۔ وہاں مشرک عبادت کرتے تھے، اللہ نے اس کا توڑنا بھی آسان کر دیا۔

اہل شرک اللہ کے سوا شن پکڑنے میں کس قدر تیز ہیں گو کہ وہ کوئی بھی چیز ہو۔ وہ کہتے ہیں یہ پتھر ہے، یہ ایسا درخت ہے اور یہ چشمہ ہے جو نذر قبول کرتا ہے۔ یعنی اللہ کے سوا یہ بھی عبادت قبول کرتا ہے۔ نذر تو ایک عبادت اور تقرب ہے جس کے ذریعے نذر

---

① دیکھیے الباعث علیٰ انکار البدع والحوادث، ص: ۲۳۔ جو کہ شیخ شہاب الدین ابو محمد عبدالرحمن بن اسماعیل بن ابراہیم المعروف ابوشامہ کی تالیف ہے۔ یہ کتاب الحوادث والبدع نہیں ہے۔ کیونکہ مؤخر الذکر ابوبکر محمد بن ولید طرطوشی کی تالیف ہے۔ (عفیفی)

② حضرت پیر بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ نے عقیدۂ توحید کی حمایت میں کئی خدمات انجام دیں۔ ہدایۃ المستفید کے شروع میں ایک طویل علمی مقدمہ لکھا، جس میں توحید کے حوالہ سے تالیفی خدمات انجام دینے والے اکابر اہل حدیث کا تذکرہ بھی تفصیل سے آیا ہے۔ عملی طور پر ضلع سانگھڑ کا ایک واقعہ ان کی اہم خدمت ہے کہ کسی شخص نے ایک قبر بنالی اور اس پر مجاور بن گیا۔ حضرت راشدی صاحب اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ گئے اور اس بناوٹی قبر کو اکھیڑ دیا، قریب ایک نہر تھی اس قبر کی مٹی اور دیگر جلائی ہوئی چیزوں کو نہر میں پھینک دیا۔ ساتھ یہ آیت مبارکہ تلاوت کرتے رہے: ﴿وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا﴾ (طٰهٰ: ۹۷) وہ مجاور سامنے کھڑا تھا لیکن کچھ نہ کر سکا۔ حضرت پیر صاحب نے ۸ / جنوری ۱۹۹۶ء کو وفات پائی۔ اللہ پاک مغفرت فرمائے۔ (مترجم)

③ آسانی کے لیے ہم نے نمبر لگا دیے ہیں۔ (مترجم)

ماننے والا جس کے لیے نذر ماننے اس کا قرب چاہتا ہے۔ وہ ان چیزوں کو چھوتے ہیں اور ان کو چومتے بھی ہیں۔

بعض سلف نے مقامِ ابراہیم کے پتھر کو چھونے کا بھی انکار کیا ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ علامہ ازرقی رحمۃ اللہ نے کتاب تاریخ مکہ میں حضرت قتادہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق ذکر کیا ہے:

﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ (البقرة:١٢٥)

''اور تم مقام ابراہیم پر نماز کے لیے جگہ بناؤ۔''

کہتے ہیں لوگوں کو صرف یہ حکم دیا گیا کہ وہاں پر نماز پڑھیں۔ اس کو چھونے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس امت میں بھی کئی تکلفات ایسے آئے جو پہلی امتوں میں تھے۔ ہمیں پتہ چلا ہے کہ بعض لوگ اس کے نشان اور انگلیوں کے آثار کو چھوتے ہیں حتیٰ کہ وہ پرانا ہو گیا ہے۔

ان آستانوں کا سب سے بڑا فتنہ قبروں کے آستانے ہیں۔ بتوں کی عبادت کے فتنہ کی بنیاد بھی یہی ہے جیسا کہ سلف صالحین، صحابہ و تابعین نے فرمایا ہے، اور حوالے پیچھے گزر چکے ہیں۔

شیطان کا بہت بڑا فریب یہ ہے کہ وہ اہل شرک کے لیے ایک تعظیم والی قبر مقرر کر دیتا ہے جس کی لوگ تعظیم کرتے ہیں۔ پھر اسے اللہ کے سوا عبادت کیا جانے والا وثن بنا دیتا ہے۔ پھر اپنے دوستوں کو الہام کرتا ہے کہ جو اس کی عبادت اور اسے میلہ گاہ بنانے سے منع کرے اور اس کو وثن قرار دے۔ اس نے اس کی گستاخی کی ہے۔ اس کی شان گھٹائی ہے۔ پھر جاہل مشرک اسے قتل کرنے، اسے سزا دینے اور اسے کافر قرار دینے میں جلدی کرتے ہیں۔

اہل شرک کے ہاں اس شخص کا گناہ یہ ہے کہ وہ اس چیز کا حکم دیتا ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ وہ اس چیز سے روکتا ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول نے روکا ہے یعنی اس کو وثن اور عید بنانا، اس پر چراغ جلانا، اس پر مساجد اور قبے بنانا، اس کو چونا گچ اور مضبوط بنانا، اس کو بوسہ دینا اور چومنا، اس سے دعا کرنا، اس کے وسیلہ سے دعا کرنا، اس کی طرف سفر کرنا، یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد طلب کرنا جو کہ دین اسلام سے بالضرورت معلوم ہے کہ یہ اس خالص توحید کے خلاف ہے جو اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو دے کر بھیجا۔ نیز اس بات کے بھی خلاف ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔

جب موحد اس سے روکتا ہے تو مشرکوں کو غصہ آتا ہے۔ ان کے دل تنگ ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں: اس نے جلیل القدر ہستیوں کی گستاخی کی۔ اس نے ان کی عزت اور قدر نہیں کی۔ یہ بات جاہلوں اور سرکشوں کے ذہنوں میں سرایت کر گئی ہے اور بہت سے ایسے لوگوں کے ذہنوں میں بھی جن کی نسبت علم اور دین کی طرف کی جاتی ہے، حتیٰ کہ انہوں نے اہل توحید سے دشمنی رکھی۔ ان پر بڑے بہتان باندھے، لوگوں کو ان سے متنفر کیا اور اہل شرک سے دوستی کی، ان کی تعظیم کی، ان کو اللہ کے ولی اور اس کے دین اور پیغمبر کے مددگار سمجھا۔ حالانکہ اللہ اس کا انکار کرتے ہیں اللہ کے ولی تو صرف اس کے پیروکار اور موافق ہی ہیں۔ جو دین کی پہچان رکھتے ہیں اور اس کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ نہ ملی ہوئی چیز سے خود کو سیر نہیں بتاتے۔ جھوٹے کپڑے پہننے والے نہیں ہیں، جو لوگوں کو اپنے نبی ﷺ کی سنت سے روکتے ہیں۔ اس میں کجی تلاش کرتے ہیں۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کوئی اچھا کام کر رہے ہیں۔

فصل: قبروں والوں کی تعظیم کا طریقہ اور عبادتِ قبور کے اسباب

(میرے بھائی!) تجھ پر اللہ نے اپنی سیدھی راہ کی اتباع کا انعام کیا ہے۔ جو اس کے اہل نعمت و رحمت اور کرامت والوں کا راستہ ہے۔ تم یہ مت سمجھنا کہ قبروں کو وثن، عید اور انصاب بنانے کی ممانعت، ان کو یا ان پر مساجد بنانے کی ممانعت، ان پر چراغ جلانا، ان کی طرف سفر کرنا، ان کے لیے نذر ماننا، ان کو چومنا، بوسہ دینا اور ان کی خاک سے اپنے چہروں کو آلودہ کرنے کی جو ممانعت ہے۔ اس سے قبروں والوں کی توہین ہوتی ہے۔ نہ ان کی شان میں کمی وکوتاہی ہے۔ جیسا کہ گمراہ اہل شرک سمجھتے ہیں، بلکہ یہ ان کی عزت، تعظیم اور احترام ہے، ان کے پسندیدہ عمل پر ان کی اتباع اور ناپسند عمل سے اجتناب ہے۔

اللہ کی قسم! تم ان کے ولی اور محب ہو، ان کے طریقے اور سنت کے مددگار ہو، ان کی سیرت و کردار پر عمل پیرا ہو۔ رہے یہ مشرک! یہ لوگوں میں سب سے بڑھ کر ان کے نافرمان، ان کے طریقے اور پیروی سے سب سے دور ہیں۔ جیسے عیسائیوں کا معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ، یہودیوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور رافضیوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔

اہل حق ہی اہل حق کے قریبی ہیں نہ کہ اہل باطل۔ مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ جبکہ منافق مرد اور منافق عورتیں باہم ساتھی ہیں۔ تم جان لو کہ جب دل بدعتوں میں مشغول ہو جائیں تو سنتوں سے اعراض کر لیتے ہیں۔ تم دیکھو گے کہ اکثر قبروں پر جانے والے جو قبر میں دفن ہیں ان کے طریقے اور ان کی سیرت اور کردار سے اعراض کرتے ہیں۔ اس کے حکم اور دعوت کو چھوڑ کر اس کی قبر کے ساتھ مشغول ہیں۔

انبیاء وصالحین کی تعظیم ومحبت تو صرف ان کی اتباع میں ہے۔ یعنی جس علم نافع اور عمل صالح کی انہوں نے دعوت دی۔ ان کے آثار کی پیروی کی جائے۔ ان کا طریقہ اپنایا جائے نہ کہ ان کی قبروں کی عبادت کی جائے، ان پر ٹھہرا جائے اور ان کو میلہ گاہ بنایا جائے۔

جس نے ان کے آثار کی پیروی کی، وہ ان کی اتباع کر کے اور لوگوں کو ان کی اتباع کی دعوت دے کر ان کے اجر میں اضافے [1] کا باعث بن گیا۔ اگر اس نے ان کی دعوت سے اعراض کیا اور اس سے الٹ کام کیا تو اس نے خود کو اور ان کو اس اَجر سے محروم کیا۔ تو اس میں ان کی کون سی تعظیم اور احترام ہے؟

اکثر لوگ کئی قسم کی مبتدعانہ عبادات میں مشغول ہو گئے ہیں جن کو اللہ اور اس کا رسول پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ انہوں نے شریعت سے یا اس کے کچھ حصہ سے اعراض کیا ہے۔ اگر وہ اس کی ظاہری صورت کو اپناتے بھی ہیں۔ تو انہوں نے اس سے جو حقیقت مقصود ہے اس کو چھوڑ رکھا ہے۔

ورنہ جو شخص اپنے چہرے اور دل کے ساتھ (یعنی ظاہر و باطن کے ساتھ) پانچ نمازوں پر متوجہ ہو۔ جو کچھ احادیث میں نیک اعمال مذکور ہیں ان کو پہچانتا ہو اور ان کا پورا اہتمام کرتا ہو۔ یہ عمل اس کو شرک سے بے پروا کر دے گا۔ اور جو کوئی اس میں یا اس کے کچھ حصہ میں کوتاہی کرے تو تم اس میں اسی حساب سے شرک پاؤ گے۔

---

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے کسی شخص کو اچھے کام پر لگایا تو اس کے لیے بھی اَجر ہو گا، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ ورنہ مرنے کے بعد انسان کے عمل کا سلسلہ رک جاتا ہے۔ (مترجم)

جس نے اللہ کے کلام پر اپنے دل سے کان لگائے اور اس میں غور وفکر کیا تو یہ عمل اس کو شیطانی سماع [1] سے روک دے گا۔ جو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکتا ہے اور دل میں نفاق اگاتا ہے۔

اسی طرح جس نے کلام اللہ اور حدیث رسول ﷺ پر اپنے کان مکمل دھر دیے اور اپنے آپ کو اس سے علم اور ہدایت کے حاصل کرنے پر لگایا نہ کہ کسی اور سے، تو یہ عمل اس کو بدعات، آراء، اندازوں، تصورات اور تخیلات سے غنی کر دے گا، جو کہ محض دلوں کے وسوسے اور خیالات ہیں۔

اور جو شخص اس سے دور ہوا پھر لازماً اس کے عوض میں وہ چیز اس کو ملے گی جو اس کو نفع نہ دے گی۔ جس طرح اگر کسی شخص نے اپنے دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے ذکر میں مشغول کیا، اس کی خشیت، اس پر توکل اور اس کی طرف جھکاؤ اختیار کیا تو یہ عمل اس کو دوسروں کی محبت اور ان پر بھروسا سے بے نیاز کر دے گا۔ اس کو صورتوں کے عشق سے بھی بے نیاز کرے گا۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو وہ اپنی خواہش کا غلام بن جائے گا۔ جس چیز کو بھی اچھا جانے گا اسے اختیار کرے گا اور اس کی غلامی میں آجائے گا۔

توحید سے اعراض کرنے والا مشرک ہے مانے یا نہ مانے۔ سنت سے اعراض کرنے والا گمراہ بدعتی ہے۔ مانے یا نہ مانے۔ اللہ کے ذکر اور اس کی محبت سے اعراض کرنے والا صورتوں کا پجاری ہے۔ مانے یا نہ مانے۔ اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ اسی پر بھروسا ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اگر پوچھا جائے کہ قبروں کے پجاریوں کو اس فتنہ میں کس نے مبتلاء کیا جب کہ وہ جانتے بھی ہیں کہ ان کے رہنے والے مردہ ہیں اور ان کے لیے نفع، نقصان، موت، حیات اور دوبارہ اٹھانے کا اختیار بھی نہیں رکھتے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ان کو درج ذیل امور نے مبتلا کیا ہے:

پہلا: جو دین اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بلکہ سب پیغمبروں کو دے کر بھیجا ہے اس کی حقیقت سے ناآشنائی۔ یعنی توحید کو ثابت کرنا اور شرک کے ذرائع ختم کرنا، ان کا یہ حصہ بہت کم ہوا۔ شیطان نے ان کو فتنہ کی طرف بلایا۔ ان کے پاس علم نہ تھا جس سے وہ اس کی دعوت کو باطل کہتے۔ جس طرح ان کے پاس جہالت تھی اسی حساب سے انہوں نے اس کی بات کو مان لیا۔ اور جس قدر علم ان کے پاس تھا اسی حساب سے وہ بچ بھی گئے۔

دوسرا: جھوٹی من گھڑت حدیثیں، جو بتوں کے پجاریوں وغیرہ قبر پرستوں نے رسول اللہ ﷺ کے نام پر گھڑلی ہیں جو آپ کے دین کے خلاف ہیں۔ مثلاً یہ حدیث:

«إِذَا أَعْيَتْكُمُ الْأُمُوْرُ فَعَلَيْكُمْ بِأَصْحَابِ الْقُبُوْرِ» [2]

''جب تم کو معاملات پریشان کریں تو تم اصحابِ قبور کے پاس جاؤ۔''

اور اسی طرح یہ حدیث بھی بنائی گئی ہے کہ:

---

[1] خاص طور پر وہ سماع بھی جو آج کل محفل سماع میں ہوتا ہے۔ (مترجم)

[2] اسے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مجموع الفتاویٰ میں موضوع کہا ہے۔ اور میں نے اسے ''موسوعۃ الاحادیث الموضوعۃ'' میں درج کیا ہے۔ (عفیفی)

«لَوْ أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ ظَنَّهُ بِحَجَرٍ نَفَعَهُ»[1]

''اگر تم میں سے کوئی کسی پتھر کے متعلق بھی اچھا گمان رکھے تو وہ اس کو نفع دے گا۔''

اسی طرح کی دیگر احادیث بھی جو دین اسلام کے خلاف ہیں۔ ان کو مشرکوں نے بنایا ہے اور ان جیسے گمراہوں اور جاہلوں میں مشہور ہیں۔ اللہ نے اپنے پیغمبر کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ جو بتوں کے بارے میں[2] اچھا گمان رکھے ان کو قتل کیا جائے۔ آپ ﷺ نے اپنی امت کو فتنہ قبور سے ہر طرح بچایا۔ جیسے کہ پیچھے گزرا ہے۔

تیسرا: کچھ کہانیاں ہیں جو ان قبروں کے متعلق بیان کی جاتی ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں قبر سے تنگی کے وقت مدد مانگی تو اس کو اس سے چھٹکارا مل گیا۔ فلاں نے اس کو پکارا یا اس کے وسیلہ سے پکارا تو اس کی حاجت پوری ہوگئی۔ فلاں پر تکلیف آئی اس نے اس قبر والے سے امید باندھی تو اس نے اس کی تکلیف دور کر دی۔

قبروں کے پجاریوں اور مجاوروں کے پاس اس طرح کی بہت ہی زیادہ کہانیاں ہیں یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں زندوں اور مردوں کے متعلق سب سے زیادہ جھوٹے ہیں، انسانی ذہن اپنی حاجات پوری ہونے اور تکلیفیں دور ہونے کا شوق رکھتے ہیں، وہ سنتے رہتے ہیں کہ فلاں قبر ایک مجرب تریاق ہے۔

شیطان اپنی دعوت کے لیے بہت حیلہ گر ہے۔ پہلے وہ ان کو دعوت دیتا ہے کہ یہاں پر دعا کرو۔ آدمی نہایت کسمپرسی، عاجزی وانکساری سے دعا کرتا ہے قبر کی وجہ سے نہیں بلکہ دل سے نکلنے کی وجہ سے اللہ یہ دعا قبول کر لیتا ہے۔ اگر اس نے یہ دعا مچھلی کی دکان، شراب خانے، حمام اور بازار میں کی ہوتی تو بھی قبول ہوتی۔ جاہل سمجھتا ہے کہ اس دعا کی قبولیت میں قبر کا کوئی اثر ہے۔ جبکہ اللہ پاک مجبور کی دعا قبول کرتے ہیں گو وہ کافر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝۲۰﴾ (الاسراء:۲۰)

''ہم اُن کو اور اُن کو سب کو تمہارے پروردگار کی بخشش سے مدد دیتے ہیں اور تمہارے پروردگار کی بخشش (کسی سے) رکی ہوئی نہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی دعا کا ذکر کیا۔ فرمایا:

﴿وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۲۵)

''اور اس کے رہنے والوں میں سے جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان لائیں، ان کو کھانے کو میوے عطا فرما۔''

تو اللہ نے فرمایا:

﴿قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۲۶﴾ (البقرۃ:۱۲۶)

---

[1] ایضاً۔

[2] بقول شاعر:

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی — مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

نیز قتل کا مطلب یہ ہے کہ اگر اسلام قبول نہ کرے اور فرمانبرداری قبول کر کے جزیہ بھی ادا نہ کرے۔ (مترجم)

''جو کافر ہوگا میں اس کو کسی قدر متمتع کروں گا (مگر) پھر اس کو (عذاب) دوزخ کے (بھگتنے کے) لیے ناچار کردوں گا اور وہ بری جگہ ہے۔''

ہر وہ شخص جس کی دعا اللہ قبول کرے وہ اس پر راضی نہیں ہوتا اور نہ اس کا محب ہوتا ہے، اور نہ اس کے فعل پر راضی ہوتا ہے۔ وہ تو نیک و بد، مؤمن و کافر سب کی دعا قبول کرتا ہے۔ کئی لوگ دعا کرتے ہیں تو اس میں حد سے بڑھتے ہیں یا دعا میں شرط لگاتے ہیں یا ایسی چیز جس کا مانگنا جائز نہیں ہوتا مانگتے ہیں۔ اس کو یہ یا اس کا کچھ حصہ مل جاتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ میرا عمل نیک اور اللہ کو پسند آ گیا ہے۔ وہ اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جس کو مہلت دی گئی اور مال و اولاد عطا کی گئی۔ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ اس کے لیے بھلائیوں میں جلدی فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (الانعام:٤٤)

''جب وہ بھول گئے جو ان کو یاد کرایا گیا تھا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے۔''

دعا کبھی عبادت ہوتی ہے اور داعی کو اس پر ثواب ملتا ہے۔ کبھی مانگ ہوتی ہے اور اس کی حاجت پوری کرتی ہے اور اس کے لیے نقصان ہوتی ہے کہ جو ملتا ہے اس سے سزا ہوتی ہے یا اس کا درجہ کم کیا جاتا ہے۔ اس کی حاجت پوری کرتی ہے اور اس کی سزا اس جرأت پر ہوتی ہے جو اس نے اس کے حقوق ضائع کیے اور اس کی حدود سے تجاوز کیا۔

مقصود: شیطان اپنی حیلہ گری سے قبر کے پاس دعا کو اچھا بناتا ہے، اس کو گھر مسجد اور اوقاتِ سحر سے بھی افضل بتاتا ہے۔ جب کسی کے ذہن میں یہ بات پختہ ہو جاتی ہے تو شیطان اسے دوسرے درجے تک لے جاتا ہے یعنی وہاں پر دعا سے آگے بڑھ کر اس کے وسیلہ سے دعا کی طرف اور اللہ کو اس کی قسم دینا۔ یہ پہلے سے بڑھ کر ہے۔ اللہ کی شان اس سے بلند تر ہے کہ اس کو کسی کی قسم [1] دی جائے یا مخلوق میں سے کسی کے وسیلہ سے اس سے دعا کی جائے۔ ائمہ اسلام نے اس کا انکار کیا ہے۔

ابوالحسین قدوری [2] شرح کتاب الکرخی میں کہتے ہیں: مبشر بن ولید نے کہا، میں نے ابو یوسف رحمہ اللہ کو کہتے ہوئے سنا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ سے اس کے وسیلہ کے علاوہ دعا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ کہتے ہیں: میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ کوئی کہے: ''تیرا عرش جو جائے عزت ہے میں اس کے وسیلہ سے تجھ سے مانگتا ہوں'' اور میں یہ کہنا بھی ناپسند کرتا ہوں کہ

---

[1] یہ ایک حدیث شریف میں بھی مذکور ہے۔ (مترجم)

[2] اصل مخطوطہ کے حاشیہ میں ہے۔ ابوالحسین قدوری، احمد بن محمد بن احمد القدوری الحنفی۔ ان کی پیدائش ۳۶۲ھ میں ہوئی۔ عراق میں حنفیت کی سیادت ان تک پہنچتی ہے۔ مختصر القدوری کے نام سے ان کی ایک کتاب بھی ہے۔ معلوم نہیں کہ ان کی نسبت قدوری کیوں ہے؟ ۴۲۸ھ میں فوت ہوئے (بحوالہ تاریخ ابن الوردی مختصر) ان کی شرح مختصر الکرخی کئی جلدوں میں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کے اختلاف کے متعلق ان کی کتاب ''التقريب الاول فی الفقه'' ہے۔ اس طرح ''التقريب الثانی'' کی متعدد جلدیں ہیں۔ ان کے حالات البدايه والنهايه، ج: ۲، ''النجوم الزاهرة، ج: ۵، ص: ۲۴ اور ''تاریخ بغداد'' میں ہیں، اور ان کی سچائی کی تعریف کی گئی ہے۔ (الفقی)

''قدور'' قدر کی جمع ہے۔ قدر ہنڈیا کو کہتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بغداد کے جس محلہ سے ان کا تعلق تھا وہاں یہ بنائی جاتی تھیں، لہٰذا وہ محلہ قدور کہلاتا تھا اور ان کی نسبت قدوری ہوگئی۔ واللہ اعلم۔ (مترجم)

فلاں کے وسیلہ سے اور تیرے انبیاء ورسل کی طفیل سے اور بیت الحرام کی طفیل سے۔

ابوالحسین کہتے ہیں: رہا اللہ کے سوا کسی سے مانگنا تو علماء کے ہاں یہ برا عمل ہے کیونکہ اللہ کے علاوہ کسی کا اس پر حق نہیں ہے۔ مخلوق پر صرف اللہ کا حق ہے۔ رہا یہ کہنا کہ "تیرے عرش کی جائے عزت کے وسیلہ سے" اس کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مکروہ کہا ہے۔ جبکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ نے اس کی رخصت دی ہے۔

کہتے ہیں: نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے اس طرح دعا کی ہے۔ کہتے ہیں: اس لیے بھی کہ "عرش کی جائے عزت" سے مراد اللہ کی وہ قدرت ہے جس کے ساتھ اس نے اپنے عرش کو عظمت دے کر پیدا کیا، گویا اس نے اللہ کی صفات کے وسیلہ سے سوال کیا ہے۔

ابن بلدجی شرح المختار میں کہتے ہیں: "اللہ کو صرف اس کے وسیلہ سے پکارا جائے دیگر کے وسیلہ سے پکارنا مکروہ ہے، کہ کوئی کہے: میں تجھ سے فلاں کے وسیلہ سے مانگتا ہوں، یا تیرے فرشتوں کے وسیلہ سے، یا تیرے انبیاء کے وسیلہ سے وغیرہ۔ کیونکہ مخلوق کا اپنے خالق پر کوئی حق لازم نہیں ہے۔ یا کوئی کہے کہ؛ میں تجھ سے تیرے عرش کی جائے عزت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں۔ ابو یوسف رحمہ اللہ سے اس کا جواز منقول ہے۔ جس کے متعلق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کہیں "میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں" تو وہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک حرام ہے اور امام ابوحنیفہ اور ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وہ حرام کے زیادہ قریب ہے اور اس پر تحریم کا پہلو غالب تر ہے۔

ابومحمد بن عبدالسلام رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں ہے کہ "اللہ پاک سے اس کی کسی مخلوق کے وسیلہ سے سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ نہ اس کے انبیاء علیہم السلام سے، نہ کسی اور سے۔" انہوں نے ہمارے نبی ﷺ کے متعلق توقف کیا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس کے متعلق حدیث آئی ہے [1] جبکہ ان کو حدیث کی صحت کا علم نہیں تھا۔

جب شیطان بندے کے ذہن میں یہ بات بٹھا دیتا ہے کہ اللہ کو اس کی قسم دینا اور اس کے وسیلہ سے دعا میں اس کی تعظیم اور احترام بہت ہے نیز اس طرح اس کی جلد حاجت برآری ہوگی تو شیطان اس کو اگلے درجے میں پہنچاتا ہے کہ اللہ کی بجائے خود اس سے دعا کرلی جائے۔

پھر اس کو مزید اگلے درجے میں پہنچاتا ہے کہ اس کی قبر کو وثن بنائے، اس پر معتکف ہو، اس پر قندیل روشن کرے، اس پر چادریں چڑھائے، اس پر مسجد بنائے، اس کو سجدہ کرکے اس کی عبادت کرے، اس کا طواف کرے، اس کو چومے، بوسہ دے، اس کا حج کرے اور اس کے پاس جانور ذبح کرے۔

پھر اس کو اگلے درجے میں منتقل کرتا ہے کہ لوگوں کو اس کی عبادت اور اس کو عید وجائے عبادت بنانے کی طرف دعوت دے اور بتائے کہ یہ ان کے لیے ان کی دنیا وآخرت میں بہت نفع مند ہے۔

---

[1] ان کا اشارہ نابینا صحابی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی طرف ہے۔ اس کے متعلق امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تفصیل سے بات کی ہے۔ (الفقی)
تفصیل کے لیے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی التوسل والوسیلہ، نیز مولانا محمد بشیر سہوانی کی صیانة الانسان عن وسوسة الشیخ دحلان دیکھیے۔ (عفیفی)

ہمارے شیخ رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ جو بدعتی معاملات قبور پر کیے جاتے ہیں ان کے کچھ مراتب ہیں:

پہلا مرتبہ: جو شریعت سے بہت دور ہے کہ میت سے اپنی حاجت مانگے، حاجت میں اس کے وسیلہ سے مدد طلب کرے، جیسا کہ اکثر لوگ کرتے ہیں۔ فرمایا: ایسے لوگ یہ بتوں کے پجاریوں کی جنس سے ہیں۔ اسی لیے کبھی شیطان ان کے سامنے میت کی یا کسی غائب کی شکل میں آتا ہے جس طرح بتوں کے پجاریوں کے ہاں شکل بنا کر آتا ہے۔ یہ کافر اور اہل کتاب مشرکوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس کی تعظیم کی طرف بلایا جائے کبھی شیطان اس کی شکل بنا کر آتا ہے اور بعض غائب معاملات کے متعلق ان سے گفتگو کرتا ہے۔ اسی طرح قبر کو سجدہ، اس کو چھونا اور چومنا بھی ہے۔

دوسرا مرتبہ: کہ اللہ عزوجل سے اس میت کے وسیلہ سے سوال کیا جائے۔ یہ کثیر متاخرین کا فعل ہے جو کہ باتفاقِ مسلمین بدعت ہے۔

تیسرا مرتبہ: کہ خود میت سے سوال کرے۔

چوتھا مرتبہ: گمان کرے کہ اس کی قبر کے پاس دعا قبول ہوتی ہے یا یہ مسجد میں دعا کرنے سے افضل ہے۔ وہ اپنی حاجات بر آری کے لیے اس کی زیارت اور وہاں پر نماز کا قصد کرتا ہے۔ یہ بھی باتفاق مسلمین بری بدعتوں میں سے ہے اور یہ حرام ہے۔ میرے علم میں اس کے متعلق ائمہ دین کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگرچہ کثیر متاخرین یہ کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ''فلاں کی قبر مجرب تریاق ہے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ کے متعلق جو کہانی بیان کی جاتی ہے کہ ''وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی قبر کے پاس دعا کا قصد کرتے تھے'' تو یہ سراسر جھوٹ ہے۔

فصل: موحدین اور مشرکین کی زیارتِ قبور میں فرق

موحدین جو قبروں کی زیارت کرتے ہیں تو اس کا مقصد تین باتیں ہیں:

پہلی: آخرت کی یاد، عبرت اور نصیحت۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرف اپنے فرمان میں اشارہ کیا ہے:

«زُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْآخِرَةَ»[1]

''تم قبروں کی زیارت کیا کرو، بے شک یہ آخرت یاد دلاتی ہیں۔''

دوسری: میت پر نیکی، کہ اس سے ربط کا تعلق دور نہ ہو جائے کہ وہ اس کو چھوڑ بیٹھے اور بھول جائے۔ جس طرح اگر کسی زندہ کی ملاقات لمبی مدت تک چھوڑ دے اور اس کو بھول جائے، جب زندہ سے ملاقات کی جاتی ہے وہ خوش اور مسرور ہوتا ہے تو میت زیادہ حق دار ہے۔ کیونکہ اس کا ٹھکانہ ایسی جگہ ہے جہاں اس کے بھائی، بیوی اور جان پہچان والے سب اس کو چھوڑ چکے ہیں۔ جب وہ اس کی زیارت[2] کرے گا، اسے دعا یا صدقہ یا قربانی کا ہدیہ دے گا۔ اس سے اس کی خوشی و فرحت بڑھے گی۔ جس طرح کہ

---

[1] سنن ابن ماجه، کتاب الجنائز، ج: ۱، ص: ۵۰۰۔

[2] اس سے مراد قبر کی زیارت ہے۔ اس میں اور بعد کی باتوں میں احکام شرع کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ زیارت و عبادت قبول نہیں۔ واللہ اعلم۔ (مترجم)

زندہ شخص کو ملاقات وتحفہ پر خوشی ہوتی ہے۔

اسی لیے نبی ﷺ نے زائرین کے لیے مشروع فرمایا ہے کہ وہ اہل قبور کے لیے مغفرت ورحمت کی دعا اور صرف سوال عافیت ہی کریں۔ ان سے دعا کرنا، ان کے وسیلہ سے دعا کرنا اور ان کے پاس نماز پڑھنا مشروع نہیں فرمایا۔

تیسری: سنت کی اتباع سے زیارت کرنے والے کی اپنے لیے نیکی۔ نیز جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے مشروع فرمایا ہے وہ ادا کر کے انسان اپنے ساتھ اور میت کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔

رہی شرکیہ زیارت تو اس کی اصل بتوں کے پجاریوں سے ماخوذ ہے۔ کہتے ہیں: تعظیم والی میت کا اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب، منزلت اور خوبی ہے۔ اس کے پاس اللہ کے ہاں سے الطاف آتے رہتے ہیں اور وہ اس کی روح پر خیرات بہاتے رہتے ہیں۔ جب زائر اپنی روح اس سے معلق کرے گا، اس کے قریب کرے گا تو قبر والے کی روح سے زائر کی روح پر بالواسطہ الطاف اتریں گے۔ جس طرح صاف آئینہ اور پانی وغیرہ سے اس کے مقابل جسم پر شعاع پڑتی ہے۔

کہتے ہیں: اس زیارت کی تکمیل یہ ہے کہ زائر اپنی روح اور قلب کے ساتھ میت کے پاس حاضر ہوتا ہے، وہ اپنی ہمت وہاں لگاتا ہے، اپنا پورا قصد اور توجہ اس کی طرف یوں رکھتا ہے کہ کسی اور کی طرف جھانکتا بھی نہیں۔ توجہ اور دل کا ارادہ جس قدر یہاں زیادہ ہوگا، اسی قدر اس کو نفع ملے گا۔

اس طرح کے طریقۂ زیارت کو ابن سینا اور الفارابی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ کواکب پرستوں نے بھی اپنی عبادت میں اس کی صراحت کی ہے۔

کہتے ہیں: جب نفس ناطقہ کا تعلق ارواحِ علویہ سے ہو جائے تو اس پر نور کا فیضان ہوتا ہے۔

اسی راز کی وجہ سے ستاروں کی پوجا کی گئی، ان کے ہیکل بنائے گئے، ان کے لیے دعائیں تصنیف کی گئیں، ان کے جسم کے لیے بت بنائے گئے۔

بعینہٖ یہ وہ طریقہ ہے جو قبروں کے پجاریوں نے اپنا لیا ہے، وہ ان کو عید بناتے ہیں، ان پر چادریں چڑھاتے ہیں، ان پر چراغ جلاتے ہیں، اور ان پر مساجد بناتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اسی طریقہ کو بالکل ختم کرنے اور مٹانے کا قصد فرمایا تھا۔ آپ نے ان ذرائع کو بند کیا جو یہاں تک پہنچاتے ہیں۔ مشرکین آپ کی راہ میں کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے آپ کے مقصد کی مخالفت کی تو رسول اللہ ﷺ ایک جانب اور یہ لوگ دوسری جانب ہو گئے۔

یہی وہ چیز ہے جس کو مشرکوں نے زیارتِ قبور میں ذکر کیا ہے۔ یعنی وہ سفارش جس کے متعلق ان کا گمان ہے کہ ان کے معبود نفع دیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔ کہتے ہیں: جب کسی بندے کی روح اللہ کے عزت دار مقرب بندے کی روح سے معلق ہو جائے اور وہ اپنا ارادہ اس پر ڈال دے، اپنا دل اس پر جھکا دے تو ان دونوں کے درمیان ایک ملاپ ہوتا ہے جس سے اس پر فیضان کا وہ حصہ نازل ہوتا ہے جو اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

انہوں نے اس کی تشبیہ اس شخص کے ساتھ بیان کی ہے جو کسی بادشاہ کے قریبی عزت دار وعہدہ دار کی خدمت کرتا ہے تو اس کا اس سے شدید تعلق ہوتا ہے۔ اس کو بادشاہ سے جو بھی انعام وفضل ملے۔ وہ اس متعلق شخص کو بھی اپنے تعلق کے حساب سے مل جاتا ہے۔ بتوں کی عبادت کا بھی یہی راز ہے۔

اللہ نے اسی کے ردّ کے لیے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا، اس کے ابطال میں اپنی کتابیں نازل فرمائیں، ایسا کرنے والوں کو کافر کہا، ان پر لعنت کی، ان کے خون و مال مباح اور ان کے بچوں کو قیدی بنانا جائز کہا اور ان کے لیے جہنم کو واجب کر دیا۔ قرآن اوّل سے آخر تک ایسے لوگوں کے ردّ اور ان کے مذہب کے ابطال سے بھرا پڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَ لَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ﴾ (الزمر: ۴۳، ۴۴)

''کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور سفارشی بنا لیے ہیں، کہو کہ خواہ وہ کسی چیز کا بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ (کچھ) سمجھتے ہی ہوں۔ کہہ دو کہ سفارش تو سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔''

اس آیت میں خبر دی گئی ہے کہ شفاعت اس کے اختیار میں ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ وہ اللہ اکیلا ہی ہے۔ وہ اپنے آگے خود کو سفارشی بنائے گا تاکہ اپنے بندوں پر رحم کرے۔ پھر اجازت دے گا جس کے لیے شفاعت چاہے گا۔ تو سفارش درحقیقت اس کے اختیار میں ہوئی۔ جو بھی اس کے ہاں سفارش کرے گا وہ اس کی اجازت اور حکم سے ہی سفارش کرے گا۔ ایسا اللہ پاک کی خود اپنے آگے سفارش کے بعد ہوگا جو کہ اس کی ذات کی طرف سے اپنے بندے پر رحم کا ارادہ ہے۔

یہ اس شرکیہ شفاعت کے برعکس ہے جسے ان مشرکوں اور ان کے موافقوں نے ثابت کیا ہے۔ اس سفارش کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس فرمان کے ذریعے سے باطل کیا ہے:

﴿ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ: ۱۲۳)

''اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی شخص کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ اس سے بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ اس کو کسی کی سفارش کچھ فائدہ دے گی۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ ؕ ﴾ (البقرۃ: ۲۵۴)

''اے ایمان والو! جو (مال) ہم نے تم کو دیا ہے۔ اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کر لو جس میں نہ سودا ہوگا۔ اور نہ دوستی اور سفارش ہو سکے گی۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّ لَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ (الانعام:۵۱)

''اور جو لوگ خوف رکھتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر کیے جائیں گے۔ اس کے سوا نہ تو ان کا کوئی کارساز ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا، ان کو اس (قرآن) کے ذریعے سے نصیحت کردو تا کہ پرہیزگار بنیں۔''

اور مزید فرمایا:

﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ﴾ (السجدة:٤)

''اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں سب کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر قائم ہوا اس کے سوا تمہارا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ سفارش کرنے والا۔''

اس ذاتِ پاک نے خبر دی ہے کہ بندوں کے لیے اس کے سوا کوئی سفارشی نہیں بلکہ جب اللہ پاک کسی بندے پر اپنی رحمت کا ارادہ کریں گے تو وہ اس کے متعلق سفارش کرنے والے کو اجازت دیں گے۔ جیسے فرمایا:

﴿مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ﴾ (یونس:۳)

''کوئی سفارشی نہ ہوگا مگر اس کی اجازت کے بعد۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ (البقرة:۲۵۵)

''کون ہے جو اس کے ہاں سفارش کر سکے مگر اس کی اجازت کے ساتھ۔''

جو سفارش اس کی اجازت سے ہے، وہ سفارش اس کے بغیر نہیں ہے۔ نہ کوئی سفارش کنندہ اس شفیع کے بغیر ہے۔ بلکہ اس کی اجازت سے سفارش کنندہ ہے۔ دونوں سفارشیوں میں فرق شریک اور حکم دیے گئے بندے کا ہے۔

جس سفارش کو اللہ نے باطل کیا ہے وہ شریک کی سفارش ہے۔ اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور جس سفارش کو ثابت کیا ہے وہ حکم دیے گئے بندے کی سفارش ہے جو نہ سفارش کرے گا اور نہ اپنے مالک سے آگے بڑھے گا حتیٰ کہ وہ اس کو اجازت دے گا اور فرمائے گا: ''فلاں کے لیے سفارش کر۔'' اسی لیے روزِ قیامت سیّد الشفعاء ﷺ کی سفارش کے سب لوگوں سے بڑھ کر حق دار اہل توحید ہوں گے، جنہوں نے خالص توحید کو مانا، اس کو شرک اور اس کی آلائشوں سے الگ رکھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ پاک نے پسند فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ (الانبیآء:۲۸)

''وہ سفارش نہ کریں گے مگر اس کی جس کے لیے وہ پسند کرے۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴾ (طٰہٰ:۱۰۹)

''اس دن سفارش نفع نہ دے گی، مگر جس کے لیے رحمن اجازت دے اور اس کے لیے بات کو پسند کرے۔''

تو خبر دے دی گئی ہے کہ اس دن شفاعت نہ ہو سکے گی۔ مگر اسی صورت میں کہ جس کے لیے شفاعت کی جا رہی ہے اس کی بات پسند کی گئی ہو۔ اور شفاعت کنندہ کو اس کے لیے اجازت مل جائے۔

مشرک پر اللہ راضی نہیں ہے، نہ اس کی بات کو پسند کرتا ہے۔ سفارش کنندگان کو مشرک کے لیے سفارش کی اجازت نہ ملے گی۔ اس ذاتِ پاک نے سفارش کو دو باتوں سے معلق فرمایا ہے: جس کے لیے سفارش کی جاتی ہے اس کے لیے رضا۔ اور سفارش کنندہ کے لیے اللہ کی اجازت۔ جہاں دونوں باتیں اکٹھی نہ ہوں گی وہاں پر سفارش نہ ہو گی۔

اس میں سربستہ راز یہ ہے کہ سب اختیار اس اللہ واحد کے لیے ہے۔ اس کے ساتھ کسی کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔ اس کے ہاں مخلوق میں سے اعلیٰ، افضل و اکرم پیغمبر اور مقرب فرشتے ہیں۔ وہ محض عبادت گزار ہیں۔ قول میں یا کسی اور طرح اللہ سے آگے نہیں بڑھتے۔ نہ اس کی اجازت اور حکم کے بغیر کچھ کرتے ہیں۔ بالخصوص اس روز کہ جب کوئی نفس کسی نفس کے لیے کچھ بھی اختیار نہ رکھے گا۔ وہ تو مملوک اور مربوب ہیں۔ ان کے تمام افعال اللہ کے حکم اور اجازت کے مقید ہیں۔

جب مشرک ان کو شریک بنائے گا۔ ان کو اُس کے سوا اِس گمان سے سفارشی بنائے گا کہ جب وہ ایسا کرے گا تو وہ اس کے لیے آگے بڑھ کر اللہ کے ہاں سفارش کریں گے، تو ایسا شخص پروردگار پاک کے حقوق سے جاہل اور اپنے لیے واجب اور ممنوع اور سے نا آشنا ہے۔ یہ تو محال اور ناممکن ہے۔ اس میں ربّ تعالیٰ کو بادشاہوں اور بڑوں پر قیاس کیا گیا ہے کہ آدمی ان کے خواص اور دوست ڈھونڈ لیتا ہے جو حاجات میں اس کے لیے وہاں سفارش کرتے ہیں۔ اسی قیاسِ فاسد کی بنیاد پر بتوں کی عبادت کی گئی اور مشرکوں نے اللہ کے سوا ولی اور شفیع بنا لیے۔

ان دونوں کے مابین خالق و مخلوق، ربّ و مربوب، آقا و غلام، مالک و مملوک اور غنی و فقیر کا فرق ہے۔ نیز ایک وہ جس کو کبھی کسی کی کوئی حاجت نہیں اور دوسرا وہ جو ہر طرح کسی کا محتاج ہے۔

مخلوق کے ہاں جو سفارش کنندگان ہیں، وہ ان کے شریک ہوتے ہیں، ان سے ان کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں۔ وہ ان کے دوست اور مددگار ہوتے ہیں۔ بادشاہوں اور بڑوں کا وجود ان کی وجہ سے قائم ہوتا ہے۔ اگر وہ نہ ہوں تو لوگوں میں ان کے ہاتھ اور زبانیں اثر نہ کریں۔ وہ ان کی ضرورت کی وجہ سے ان کی سفارش قبول کرنے کے محتاج رہتے ہیں۔ گو کہ اجازت نہ ہوا اور وہ سفارش کنندہ پر راضی نہ بھی ہوں۔ کیونکہ ان کی سفارش قبول نہ کرنے پر ان کو اپنی فرمانبرداری ختم ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، کہ وہ کسی اور کے پاس چلے جائیں گے، تو وہ خوشی یا مجبوری سے ان کی سفارش قبول کرنے کے سوا کوئی راہ نہیں پاتے۔

رہا وہ غنی، کہ بے پروائی جس کی ذات کا خاصہ ہے، اس کے سوا سب ذاتی طور پر اس کے محتاج ہیں، آسمان و زمین والے سب اس کے بندے ہیں، اس کے قہر سے مقہور ہیں، اس کی مشیت کے مطابق چل رہے ہیں۔ اگر وہ ان سب کو ہلاک کر دے تو اس کی عزت، سلطنت، بادشاہت، ربوبیت اور الوہیت میں ایک ذرہ کے برابر بھی فرق نہ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ ﴾ (المائدۃ:۱۷)

''جولوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ ہیں وہ بے شک کافر ہیں (ان سے) کہہ دو کہ اگر اللہ عیسیٰ ابن مریم کواوران کی والدہ کواور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کس کی پیش چل سکتی ہے؟ اورآسمان وزمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے، سب پر اللہ ہی کی بادشاہی ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

قرآن کی آیات کی سردار آیۃ الکرسی میں اس ذات پاک نے فرمایا:

﴿ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ ﴾ (البقرۃ:۲۵۵)

''جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے، کون ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کر سکے؟''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۞ ﴾ (الزمر:۴۴)

''کہہ دو کہ سفارش تو سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے، اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔''

اس نے یہ خبر دی ہے کہ اس کی آسمان وزمین کی بادشاہت کی حالت اس بات کی موجب ہے کہ سب شفاعت اس اکیلے کے لیے ہو۔ کسی کو اس کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کی اجازت نہیں۔ سفارشی اس کا شریک نہیں بلکہ محض ایک بندہ ہے۔ برخلاف اہل دنیا کی سفارش کے جو وہ ایک دوسرے کے ہاں کرتے ہیں۔

یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جس سفارش کی نفی[1] اللہ پاک نے قرآن میں کی ہے وہ یہی شرکیہ سفارش ہے جو لوگوں کے ہاں معروف ہے۔ جو وہ ایک دوسرے کے ہاں کرتے ہیں۔ اسی لیے کبھی اس کی مطلق نفی فرمائی ہے کہ لوگوں کے ہاں یہی معروف اور مشاہد ہے۔ کبھی اس کو مقید کیا ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر یہ نفع نہ دے گی۔ یہ سفارش درحقیقت اسی کی طرف سے ہے، یعنی جس نے اجازت دی ہے، جس نے قبول کی ہے، جو سفارش کردہ پر راضی ہے اور جو مستحق شفاعت ہونے والے قول وفعل کی توفیق دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَ لَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَعْقِلُوْنَ ۞ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ

[1] اس موضوع کو مزید سمجھنے کے لیے ''تقویۃ الایمان'' کے باب شفاعت کا مطالعہ خالی از فائدہ نہیں۔ ان شاء اللہ۔ (مترجم)

جَمِيعًا ﴾ (الزمر:٤٣، ٤٤)

''کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور سفارشی بنا لیے ہیں، کہو کہ خواہ وہ کسی چیز کا بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ (کچھ) سمجھتے ہی ہوں، کہہ دو کہ سفارش تو سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝﴾ (یونس:١٨)

''اور یہ (لوگ) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ ہی سکتی ہیں اور نہ کچھ بھلا ہی کر سکتی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں۔ کہہ دو کیا تم اللہ کو ایسی چیز بتاتے ہو جس کا وجود اسے نہ آسمانوں میں معلوم ہوتا ہے اور نہ زمین میں؟ وہ پاک ہے اور (اس کی شان) ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے۔''

اس ذاتِ پاک نے واضح فرما دیا کہ سفارشی پکڑنے والے لوگ مشرک ہیں۔ شفاعت سفارشی پکڑنے سے نہیں ملتی۔ یہ تو شفاعت کنندہ کے لیے اجازت اور شفاعت کردہ کے لیے اللہ کی رضا پر ملتی ہے۔

دونوں شفاعتوں کے مابین جو فرق پنہاں ہے وہ یہ ہے کہ مخلوق کی مخلوق کے ہاں شفاعت اور جس کے پاس شفاعت کی جاتی ہے وہاں مشفوع کا سوال جو ہے اس کے لیے کوئی خاص حاجت نہیں۔ یعنی نہ خلق کی ضرورت ہے، نہ امر کی اور نہ اذن کی۔ بلکہ اس کا محرک کوئی خارجی سبب ہوتا ہے۔ جس طرح دیگر اسباب کے لیے کچھ محرکات ہوتے ہیں۔

یہ جو محرک سبب ہوتا ہے بسا اوقات جس کے لیے محرک ہے اس کے موافق بھی ہوتا ہے، مثلاً سفارش ایسی بات کی گئی جس کو وہ چاہتا اور پسند کرتا ہے۔ کبھی اس کے مخالف معاملہ بھی ہوسکتا ہے یعنی ایسی بات کی سفارش جس کو وہ ناپسند کرتا ہے لیکن اس کا سوال و سفارش مخالف سے قوی تر ہے تو وہ سفارش کنندہ کی سفارش قبول کرتا ہے۔

کبھی مخالف سفارش کنندہ کی سفارش سے قوی تر ہوتا ہے تو وہ سفارش ردّ کر دیتا ہے اور اس کو قبول نہیں کرتا۔

کبھی اس کے ہاں دونوں باتوں کا تعارض ہوتا ہے تو وہ دونوں کے مابین متردّد ہو جاتا ہے۔ یعنی اس مخالف کے مابین جو ردّ کا موجب ہے اور اس سفارش کے مابین جو قبول کی متقاضی ہے۔ وہ اس وقت تک توقف کرتا ہے جب تک کسی ترجیح کی بنیاد پر دو میں سے ایک اس کے ہاں ترجیح نہ پائے۔

انسان کی مخلوق کی شفاعت کی یہی مثال ہے۔ یعنی ایسے سبب کی تگ ودَو جو مشفوع الیہ سے الگ ہوتا ہے لیکن اس کو اس کی تحریک دیتا ہے گو وہ ناپسند بھی کرے۔ وہاں شفاعت کا مرتبہ کسی کو حکم دینے کا ہے یا کسی فعل پر مجبور کرنے کا، طاقت وقوت کے ساتھ یا کسی ترغیب کے ساتھ۔ لازماً پھر مشفوع الیہ کو شافع کی طرف سے رغبت ملتی ہے جس سے وہ نفع پائے گا۔ یا خوف ملتا ہے جس کو وہ اس سفارش کے ذریعے سے دور کرے گا۔

پروردگار پاک کے ہاں شفاعت اس سے مختلف ہے۔ وہ جب تک شافع کی شفاعت خلق (پیدا) نہ کرے، اس کی اجازت

نہ دے، اس کو پسند نہ کرے اور شافع پر راضی نہ ہو تب تک سفارش کا وجود ہی نہ ہوگا۔

رب تعالیٰ کے ہاں کوئی شافع اس طرح نہیں کہ رب کو اس کی ضرورت ہے نہ اس کو اس سے کوئی خوف ہے۔ نہ اس کو اس سے کوئی رغبت ہے۔ وہ تو صرف اس لیے سفارش کرتا ہے کہ اس کے حکم کی فرمانبرداری اور اطاعت ہو۔ اس کو شفاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ حکم کا پابند ہے۔ انبیاء، ملائکہ اور مخلوق میں سے کوئی بھی شفاعت یا کسی اور بات کا محرک نہیں ہوتا یہ تو صرف اللہ کی مشیت (چاہت) اور اس کے خلق (پیدا کرنے) سے ہوتی ہے۔

پروردگار سبحانہ وتعالیٰ خود ہی شافع کو شفاعت کی تحریک دیتا ہے جب کہ مخلوق کے ہاں شافع وہ ہوتا ہے جو مشفوع الیہ کو شفاعت قبول کرنے کی تحریک دے۔ مخلوق کے ہاں شافع اس سے اکثر امور میں بے پرواہوتا ہے۔ وہ درحقیقت اس کا شریک ہے گو وہ اس کا کارندہ اور غلام ہو۔ جس کے ہاں سفارش ہے اس کو اس کی مدد، نصرت اور نفع وغیرہ کی حاجت ہوتی ہے۔ اسی طرح شافع بھی اس کا محتاج ہوتا ہے اور اس سے رزق، نصرت یا دیگر چیزیں حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا ان میں سے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔

جس شخص کو اللہ پاک اس موضوع کے فہم و معرفت کی توفیق بخشے، اس پر توحید و شرک کی حقیقت کھل جائے گی۔ نیز جس شفاعت کو اللہ تعالیٰ نے ثابت کیا ہے اور جس کی نفی اور ابطال کیا ہے اس کا فرق اُس پر واضح ہو جائے گا۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ (النور: ٤٠)

''اور جس کو اللہ نور نہ دے اس کے لیے کوئی نور نہیں ہے۔''

فصل: قوالی اور گانے بجانے کی مذمت

اللہ کے دشمن کے دھوکے اور فریب جن سے اس نے کوتاہ عقل اور علم و دین میں کوتاہ لوگوں کو بہکایا اور جاہلین و مبطلین کو فریب دیا ہے ان میں سے ایک عمل سیٹیاں، تالیاں اور حرام کیے گئے آلات کے ساتھ گانے سننا ہے جو ان کے دلوں کو قرآن سے روکتا ہے اور ان کو گناہ و نافرمانی پر ٹھہراتا ہے۔ یہ شیطان کا قرآن ہے۔ رحمٰن کے آگے اور لوگوں کے درمیان ایک دبیز پردہ ہے اور یہ لواطت و زنا کا منتر ہے۔ اسی کے ذریعہ سے براعاشق اپنے معشوق سے انتہائی مقصد حاصل کرتا ہے۔

باطل نفسوں کو شیطان نے اس سے دھوکا دیا۔ مکر وفریب سے اسے ان کے لیے مزین کیا۔ اس کی خوبی پر ان کو باطل شبہات الہام کیے۔ انہوں نے اس کو قبول کر لیا اور اس کی وجہ سے قرآن کی تلاوت کو چھوڑ دیا گیا۔

اگر تم ان کو بوقتِ سماع دیکھو تو ان کی آوازیں دبی ہوئی، حرکات رکی ہوئی، دل پوری طرح اس پر جھکے ہوئے، پوری لگن اسی کی طرف رکھی ہوئی، وہ اس پر ایسے مائل جیسے نشہ والا مائل ہوتا ہے۔ حرکات و رقص میں ایسی لچک جیسے ہیجڑوں اور عورتوں میں لچک ہوتی ہے۔ یہ لفظ ان کے لیے درست ہے۔ اس کا نشہ دلوں پر حاوی ہوتا ہے۔ پھر حالت اس سے بھی بڑھ کر ہوتی ہے جیسے پیالوں میں شراب کا جوش ہوتا ہے۔ غیر اللہ کے لیے بلکہ شیطان کے لیے وہاں پر دل پھٹتے ہیں، کپڑے چاک کیے جاتے ہیں اللہ کی نافرمانی پر اموال خرچ کیے جاتے ہیں۔ جب ان میں نشہ اپنا عمل کرتا ہے، شیطان ان میں اپنی امید و آرزو پوری کر لیتا ہے، انہیں اپنی آواز و فریب سے بہکالیتا ہے، ان پر اپنے پیادے اور شہسوار دوڑا لیتا ہے تو ان کے سینوں میں ایک بھونچال پیدا ہوتا ہے۔ وہ

ان کو زمین پر پاؤں مارنے پر جوش دلاتا ہے۔کبھی ان کو گدھوں کی طرح کر دیتا ہے جو مدار کے گرد چکر لگاتے ہیں اور کبھی ان پتنگوں کی طرح جو روشنی کے گرد گھومتے ہیں۔ وہ چھتیں اور زمین کس قدر قابل رحم ہیں جن پر رقص کے یہ قدم مارے جاتے ہیں۔

گدھوں اور جانوروں کے مشابہ یہ لوگ کس قدر برے ہیں؟ اعدائے اسلام کا دین پر عیب لگانا باعث افسوس ہے جو ان کو اسلام کے خاص افراد سمجھتے ہیں۔ [1]

انہوں نے اپنی زندگی کو لذت وطرب میں گزارا۔ دین کو لہو ولعب بنایا۔شیطانی آلاتِ موسیقی انہیں قرآن کی سورتیں سننے سے زیادہ محبوب ہو گئے ہیں۔

اگر ان میں سے کوئی کوئی قرآن کو اوّل تا آخر سنے تو وہ کسی ساکن جذبہ کو متحرک نہ کرے گا۔ نہ کسی رکے ہوئے کو تیز کرے گا۔ نہ اس کے ہاں اللہ کے شوق کے شعلے بھڑکیں گے۔ لیکن جب اس پر شیطان کا قرآن (موسیقی) پڑھا جائے۔ اس کے آلات کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائے۔ اس کے دل سے وجد کے چشمے پھوٹ کر اس کی آنکھوں پر آتے ہیں تو وہ بہہ پڑتی ہیں۔ پاؤں پر آتے ہیں تو وہ رقص کرتے ہیں۔ ہاتھوں پر آتے ہیں تو وہ تالیاں بجاتے ہیں۔ تمام اعضاء پر آتے ہیں تو وہ ہلتے اور خوش ہوتے ہیں۔ اس کی سانسوں پر آتے ہیں تو وہ پھول جاتی ہیں۔ اس کے جذبات پر آتے ہیں تو وہ بڑھ جاتے ہیں اور اس کے شوق کی رگوں پر آتے ہیں تو وہ بھڑک اٹھتی ہیں۔

تو اے فاتن اور مفتون! اللہ کے بجائے شیطان کے آگے اپنا حصہ بیچنے والے! گھاٹے اور دھوکے کا سودا کرنے والے! قرآن سنتے وقت تیرے ہاں یہ جوش کیوں نہ ہوا؟ قرآنِ مجید کی قرأت پر ایسے ذوق اور وجد کیوں نہ آئے؟ سورتوں اور آیات کی تلاوت پر یہ عمدہ حالات کیوں نہ ہوئے؟

لیکن ہر شخص اپنے مناسب کی طرف جھکتا ہے۔ اپنے جیسے کی طرف میلان رکھتا ہے۔ ہم جنس ہونا قدرتی اور شرعی طور پر ملاپ کی علت ہے۔ ایک جیسا ہونا عقلاً وشرعاً میلان کا سبب ہے۔ [2]

یہ بھائی چارہ اور نسب کہاں سے آیا؟ اگر شیطانی تعلق سب سے قوی سبب نہ ہوتا؟ یہ مصالحت کہاں سے آئی جس نے ایمان کے عقد اور رحمن کے عہد میں رکاوٹ پیدا کر دی؟ (ارشاد ہوتا ہے):

﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ ﴾ (الکہف: ۵۰)

”کیا تم اس (شیطان) کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور ظالموں کے لیے برا بدل ہے۔“

---

[1] شیخ رحمہ اللہ یہاں پر وہ صوفیاء مراد لیتے ہیں جو (مزعومہ ذکر کے لیے) حلقے بناتے ہیں۔ پھر ان میں رقص کرنے لگتے ہیں۔ گانوں کے نغموں اور آلاتِ موسیقی بجنے پر خم دکھاتے ہیں اور آوازیں نکالتے ہیں۔ وہ باہم ہلتے اور رقص کرتے ہیں اور اس کا نام ذکر رکھتے ہیں۔ جبکہ یہ گناہ، نافرمانی اور شیطان کا ذکر ہے۔ اللہ ان کو ہدایت دے۔ ان سے چھٹکارا دے۔ اور اسلام کو ان گناہوں اور برائیوں سے بچائے۔ (الفقی)

[2] کند ہم جنس باہم جنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز۔ (مترجم)۔

کہنے والے نے خوب کہا ہے۔

''اللہ کی کتاب تلاوت کی گئی انہوں نے سر جھکا دیا، خوف سے نہیں + بلکہ غافل اور بھولے ہوئے کی طرح سر جھکا دیا۔''

''گانا آیا تو وہ گدھوں کی طرح رینگے + اللہ کی قسم وہ اللہ کے لیے نہ ہلے۔''

''دف، بانسری اور شادن کا نغمہ + تم نے کب دیکھا ہے کہ آلاتِ موسیقی کے ساتھ عبادت ہو؟'' ''اللہ کی کتاب ان پر بھاری ہوگئی جب انہوں نے دیکھا + کہ وہ اوامر ونواہی کی پابندیاں لگاتی ہے۔'''' انہوں نے اس کے لیے گرج اور کڑک سنی جب وہ + ممنوع افعال کے کرنے پر ڈانٹ اور ڈراوے پر مشتمل ہے۔''

''ہم نے سنت مصطفی (ﷺ) پر زندگی گزاری + اور وہ تباہی در تباہی پر مر گئے۔''

اسلام کے مددگار اور ہدایت کے ائمہ ہر دور میں زمین کے کناروں میں ان کو سمجھاتے رہے۔ ان کی راہ پر چلنے اور ان کی پیروی سے تمام گروہانِ ملت کو ڈراتے رہے۔

امام ابوبکر طرطوشی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''تحریم السماع'' کے خطبہ میں فرمایا ہے:

سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا پروردگار ہے، نیک انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے، حد سے بڑھنے کا کام تو صرف ظالم ہی کرتے ہیں، ہم اس سے درخواست گزار ہیں کہ وہ ہمیں حق کو حق دکھائے کہ ہم اس کی پیروی کریں۔ باطل کو باطل دکھائے کہ ہم اس سے اجتناب کریں۔ گزشتہ زمانوں کے لوگوں میں سے کوئی گناہ کر بیٹھتا تو اس کو چھپاتا پھر اللہ سے استغفار اور توبہ کرتا۔ پھر جہالت بڑھ گئی، علم کم ہوا، معاملہ الٹ ہوا کہ ہر کوئی گناہ کھل کر کرتا ہے۔

پھر معاملہ اور پیچھے چلا گیا، حتیٰ کہ ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ ہمارے کچھ مسلمان بھائی ہیں (اللہ ان کو اور ہم کو نیک توفیق دے) ان کو شیطان نے پھسلایا ہے۔ گانے، لہو، باجے گاجے کی آواز کے سماع میں ان کی عقلوں کو بہکایا ہے۔ انہوں نے اس کو دین کا ایسا حصہ سمجھ لیا جو ان کو اللہ کے قریب کرتا ہے۔ اس بات پر انہوں نے مسلمانوں کی جماعت کا مقابلہ کیا، مؤمنوں کی راہ کی مخالفت کی، دین کے حامل علماء وفقہاء سے اختلاف کیا۔ (ارشاد ہے:)

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء: ۱۱۵)

''اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے۔ اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے۔ اور اس کو ہم جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔''

میں نے چاہا کہ میں حق واضح کر دوں اور اہل باطل کے شبہات ختم کروں اور ان دلائل کو پیش کروں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے مستفاد ہیں۔

شروع میں میں ان علماء کے اقوال ذکر کرتا ہوں جن پر دنیا کے قریب و دور علاقوں میں فتویٰ کا دارومدار ہے۔ تاکہ اس گروہ کو

معلوم ہو جائے کہ انہوں نے اپنی اس بدعت میں علماء مسلمین کی مخالفت کی ہے۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِيْق

پھر فرمایا: امام مالک رحمہ اللہ نے گانے سے اور اس کے سننے سے منع کیا ہے وہ کہتے ہیں اگر کسی نے لونڈی خریدی اور اس کو گانے والی پایا تو اس عیب کی وجہ سے اس کو واپس کرنے کا اختیار ہے امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ بعض اہل مدینہ گانے کی رخصت دیتے ہیں؟ فرمایا: ہمارے ہاں تو یہ فاسق لوگوں کا کام ہے۔

فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ گانے کو مکروہ سمجھتے اور اس کو گناہ گردانتے تھے۔ اہل کوفہ، سفیان، حماد، ابراہیم، شعبی رحمہم اللہ وغیرہ کا بلا اختلاف یہ مسلک ہے۔ اہل بصرہ میں بھی اس کی ممانعت میں ہم کوئی اختلاف نہیں جانتے۔

میں کہتا ہوں: اِس بارے میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب سب سے سخت ہے۔ اس کے متعلق ان کا قول بہت سخت ہے۔ ان کے اصحاب نے تمام قسم کے آلات موسیقی سے سماع حرام ہونے کی صراحت کی ہے۔ مثلاً باجا، بانسری، دف وغیرہ۔ وہ کہتے ہیں یہ گناہ ہے اور موجب فسق ہے اور اس کی وجہ سے آدمی کی شہادت ردّ کی جائے گی۔ اِس سے بھی بڑھ کر انہوں نے کہا ہے کہ سماع فسق ہے اور اس سے لذت حاصل کرنا کفر ہے۔ یہ ان کے لفظ ہیں۔ اس کے متعلق انہوں نے ایک حدیث بھی بیان کی ہے جس کا مرفوع ہونا درست نہیں ہے۔

وہ کہتے ہیں: آدمی پر لازم ہے کہ اگر وہاں سے گزرے یا اس کے پڑوس میں ہو تو اس کو سننے کی کوشش نہ کرے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ اس گھر کے متعلق کہتے ہیں جہاں سے موسیقی اور گانے کی آواز سنائی دے رہی ہو: تم اس گھر میں بلا اجازت داخل ہو جاؤ کیونکہ برائی سے روکنا فرض ہے۔ اگر بغیر اجازت داخل ہونا جائز نہ کہا جائے تو لوگوں کے لیے فرض ادا کرنا ناممکن ہو جائے گا۔

کہتے ہیں: جس گھر سے اس کی آواز سنی جائے اگر وہ آدمی مُصِر ہو تو حکمران اس کو قید کرے یا کوڑے مارے اور اگر چاہے تو اس کو یہاں سے بے گھر کر دے۔

امام شافعی کتاب ''ادب القضاء'' میں کہتے ہیں: گانا مکروہ لہو ہے جو باطل ومحال کے مشابہ ہے جس شخص کو اس کی عادت ہو وہ بے وقوف ہے اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

ان کے مذہب کی پہچان رکھنے والے ان کے اصحاب نے بھی اس کی حرمت کی صراحت کی ہے اور اس کی حلت کے قول والوں پر ردّ کیا ہے، مثلاً قاضی ابوطیب طبری، شیخ ابواسحاق اور ابن صباغ رحمہ اللہ۔

شیخ ابواسحاق رحمہ اللہ ''التنبیہ'' میں کہتے ہیں: حرام منافع پر مزدوری جائز نہیں مثلاً گانا، بانسری اور شراب اٹھانا۔ اس میں کسی اختلاف کا ذکر نہیں ہے۔

اور ''المہذب'' میں کہتے ہیں: حرام منافع پر کام کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ حرام ہیں اور ان کا معاوضہ لینا جائز نہیں جیسے مردار اور خون کا۔

شیخ کے کلام سے کچھ باتیں نکلتی ہیں:

پہلی: اکیلے گانے کا نفع حرام نفع ہے۔

دوسری: اس پر مزدوری طلب کرنا باطل ہے۔

تیسری: اس کے ذریعے مال کھانا باطل کے ذریعے سے مال کھانا ہے۔ اس کے کھانے کا وہی درجہ ہے جو مردار اور خون کے معاوضے کا ہے۔

چوتھی: آدمی کے لیے گانے والے پر اپنا مال خرچ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ یہ حرام ہے۔ کیونکہ وہ اپنا مال حرام کے مقابل خرچ کر رہا ہے اس میں خرچ ایسے ہے جیسے مردار اور خون کے مقابل خرچ ہے۔

پانچویں: بانسری حرام ہے۔

جب بانسری جو کہ آلات موسیقی میں چھوٹی سی چیز ہے حرام ہو تو اس سے بڑی چیزوں کا حکم اس سے سخت نہ ہوگا؟ جیسے عود، طنبور، اور یراع[1] جس نے بھی علم کی کچھ بو سونگھی ہے اس کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اس کی تحریم میں توقف کرے، اس میں کم از کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ فاسقوں اور شراب پینے والوں کا شعار ہے۔

ابوزکریا نووی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''روضہ'' میں اسی طرح لکھا ہے کہ:

دوسری قسم: کوئی آدمی گانے کے کسی آلہ کے ساتھ گائے جو کہ شراب پینے والوں کا شعار ہے۔ یہ ستار، سارنگی اور جانجھ کی طرح آدمی کو نچاتا ہے دیگر آلات موسیقی تانت وغیرہ کا استعمال اور سننا حرام ہے۔ کہتے ہیں: بانسری کے متعلق دو قول ہیں۔ بغوی رحمہ اللہ نے تحریم کو درست کہا ہے پھر امام غزالی رحمہ اللہ سے جواز ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں: درست بات اس کی حرمت ہے۔ اس کا نام یراع بھی ہے اور شبابہ بھی۔[2] ابوالقاسم الدولعی رحمہ اللہ نے بانسری کے حرام ہونے کے متعلق ایک کتاب تصنیف کی ہے۔

ابوعمرو ابن الصلاح رحمہ اللہ نے تحریم سماع پر اجماع بیان کیا ہے یعنی جس میں دف، بانسری اور گانا جمع ہو۔ وہ اپنے فتاویٰ میں کہتے ہیں: رہا اس سماع کا مباح یا حلال ہونا، تو معلوم ہونا چاہیے کہ دف، بانسری اور گانا جب اکٹھے ہو جائیں تو ائمہ مذاہب وغیرہ ائمہ مسلمین کے نزدیک اس کا سننا حرام ہے۔ اجماع یا اختلاف میں جن کا قول معتبر ہوتا ہے، ان میں سے کسی سے ثابت نہیں کہ اس نے اس سماع کو مباح کہا ہو، بعض اصحاب شافعی سے جو مخالفت منقول ہے وہ تو تنہا بانسری یا تنہا دف کے متعلق ہے۔ جس شخص کے ہاں علم و تحقیق کا مادّہ نہ ہو وہ اسے شافعیہ کے مابین اس سماع کے متعلق جو ان گانوں کی قسم سے ہے اختلاف سمجھ لیتا ہے۔ جو ایسا سوچے اس کا وہم ہے اور اس کے خلاف شرع اور عقل کے دلائل بول رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ ہر اختلاف لائق اعتناء اور قابل اعتماد نہیں ہوتا۔ جس نے علماء کے اختلاف کا پیچھا کیا اور اس کے متعلق ان کی رخصتوں کے اقوال پکڑے وہ زندیق ہو گیا یا قریب ہے کہ ہو جائے۔

کہتے ہیں: مذکورہ سماع کے متعلق ان کا جو قول ہے کہ یہ نیکی اور فرمانبرداری ہے، یہ مسلمانوں کے اجماع کے خلاف ہے۔ جو

---

[1] ''عود'' کا مطلب سارنگی ''طنبور'' ستار جبکہ ''یراع'' بانسری کو کہتے ہیں۔ (مترجم)

[2] امام نووی رحمہ اللہ کی بات کا تکملہ یہ ہے: وہ روضۃ الطالبین: القسم الثانی، ج:۱۱ ص ۲۲۸ میں لکھتے ہیں: ''بانسری سے مراد ہر بانس والی چیز نہیں بلکہ عراقی مزمار بھی ہے۔ جس کے ساتھ تانتوں کو بجایا جائے وہ بھی ہے۔ یہ سب بلا اختلاف حرام ہیں۔''

میں کہتا ہوں: صحیح بات بانسری کی تحریم ہے۔ یہ وہ بانسری ہے جس کو شبابہ بھی کہتے ہیں۔ ابوالقاسم الدولعی رحمہ اللہ نے بانسری کی تحریم پر ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ جو نہایت عمدہ باتوں پر مشتمل ہے انہوں نے نہایت تفصیل سے اس میں دلائل تحریم ذکر کیے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (عفیفی)

ان کے اِجماع کی مخالفت کرے اس پر اللہ کے اس فرمان کی وعید صادق آئے گی:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا﴾ (النساء:۱۱۵)

''اور جو شخص سیدھا رستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے۔ اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے۔''

ان دو گروہوں کے خلاف جن کی طرف سے اسلام کو نقصان پہنچتا ہے انہوں نے طویل گفتگو کی ہے یہ اللہ کے حرام کردہ کو حلال کرنے والے ہیں ان اعمال کے ذریعے اللہ کا قرب چاہتے ہیں جو ان کو اس سے دور کرتے ہیں۔ لوگوں میں امام شافعی رحمہ اللہ، ان کے قدیم اصحاب اور ان کے مذہب کے علماء میں اس کے متعلق سب سے سخت قول انہوں نے اختیار کیا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ سے بتواتر مروی ہے وہ کہتے ہیں: میں بغداد میں ایک چیز پیچھے چھوڑ آیا ہوں جسے زندیقوں نے ایجاد کیا ہے اس کا نام انہوں نے تغبیر رکھا ہے۔ وہ اس کے ذریعے لوگوں کو قرآن سے روکتے ہیں۔

جب تغبیر کے متعلق ان کا یہ قول ہے پھر علت یہ بتائی کہ یہ قرآن سے روکتا ہے یہ شعر ہے جو دنیا کی بے رغبتی بتاتا ہے کوئی پڑھنے والا پڑھتا ہے اور حاضرین میں سے کوئی اس کے شعر پر داد دیتے ہوئے بچھونے یا تکیے پر بانس مارتا ہے۔ یہ تو دریا میں ایک تھوک ہے۔ کاش معلوم ہو کہ اُن کا (یعنی امام شافعی رحمہ اللہ کا) قول اس کے سماع کے متعلق کیا ہوگا جو ہر برائی پر مشتمل ہے اور اس نے ہر برائی کو جمع کرلیا ہے۔ اللہ ہی اپنے دین حق اور ہر فتنہ سیکھنے والے جاہل عابد کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔ [1]

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہا جاتا ہے: برے عالم اور جاہل عابد کے فتنہ سے بچو۔ ان دونوں کا فتنہ ہر مفتون کے لیے فتنہ ہے۔ [2]

جو شخص اِس امت میں وارد فساد پر غور کرے گا وہ دیکھے گا کہ یہ چیز بھی ان دونوں کے فتنہ سے ہے۔

فصل: گانے اور گانے والی کے متعلق امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب

رہا امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب، تو ان کے بیٹے عبداللہ کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے گانے کے متعلق پوچھا؟ فرمایا: گانا دل میں نفاق اگاتا ہے، یہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ پھر امام مالک رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا ہے: ہمارے ہاں تو یہ صرف فاسقوں کا کام ہے۔

عبداللہ کہتے ہیں: میں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا: میں نے یحییٰ القطان رحمہ اللہ کو کہتے ہوئے سنا: اگر کوئی آدمی ہر رخصت پر عمل کرے یعنی نبیذ میں اہل کوفہ کے قول پر، سماع میں اہل مدینہ کے قول پر اور متعہ میں اہل مکہ کے قول کو اپنائے تو وہ ضرور

---

[1] ملک شام میں ایسے گانوں اور قوالیوں کی تردید میں بعض علماء نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ اس طرح کی کیسٹیں ریکارڈ کی جاتی ہیں، ہم کو چاہیے کہ ہم سنت کی اتباع کریں اور بدعت سے اجتناب کریں ملخصا۔ (عفیفی)

[2] آج کل قوالیوں اور دینی مجالس میں شعری کلام کو آلات موسیقی کے ساتھ پڑھنا بعض علما نے ہی مباح کیا ہے۔ بعض لوگ اس کے سننے کو تلاوتِ قرآن سننے کے برابر سمجھتے ہیں۔ اللہ ہدایت دے۔ (مترجم)

فاسق ہوگا۔

امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں، سلیمان تیمی رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر تو ہر عالم کی رخصت لے لے یا تو ہر عالم کی رخصت اپنا لے تو تجھ میں پورا شر جمع ہو جائے گا۔

انہوں نے ستار وغیرہ آلات لہو کو توڑنے پر نص بیان کی ہے اگر ان کو کوئی کھلا دیکھے اور اس کے لیے ان کو توڑنا ممکن ہو۔
جب وہ کسی کپڑے میں ڈھانپے گئے ہوں اور بندے کو معلوم ہو جائے تو ان کے توڑنے کے متعلق ان سے دو روایات کی نص بیان کی گئی ہے:

ان کی ایک نص ان یتیموں کے متعلق ہے جو ایک گانے والی لونڈی کے وارث بنے اور انہوں نے اس کو بیچنا چاہا۔ کہتے ہیں: اگر گانے والی کے طور پر بیچا جائے تو بیس ہزار یا اس کے برابر قیمت کے مساوی ہوگی اور اگر عام بیچی جائے تو دو ہزار کے مساوی ہو گی۔ فرمایا: اس کو صرف عام ہی بیچا جائے۔ [1]

اگر گانے کا نفع مباح ہوتا تو وہ اس مال سے یتیموں کو محروم نہ کرتے۔

فصل: گانے اور سماع کی حرمت

رہا گانے کو اجنبی عورت یا بے ریش لڑکے سے سننا تو یہ بہت بڑا حرام کام ہے اور اس کا دین کے لیے بہت فساد ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب لونڈی کا گانا سننے کے لیے لوگ جمع ہوں تو اس کا مالک بے وقوف ہے اور اس کی شہادت رد کی جائے گی۔ اس کے متعلق ان کا قول سخت ہے، کہتے ہیں: یہ دیاثت ہے اور ایسا کرنے والا دیوث ہے۔

قاضی ابو الطیب رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کے مالک کو بے وقوف اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اس نے لوگوں کو باطل کی طرف دعوت دی اور جو لوگوں کو باطل کی طرف دعوت دے وہ بے وقوف اور فاسق ہے۔

کہتے ہیں: امام شافعی رحمہ اللہ تغبیر یعنی بانس کو بچھونے اور تکیے پر مارنا ناپسند کرتے تھے اور فرماتے: اسے زندیقوں نے ایجاد کیا ہے تاکہ قرآن سے دور کریں۔

کہتے ہیں: تمام قسم کے سارنگی، ستار اور دیگر آلات حرام ہیں۔ ان کو سننے والا فاسق ہے۔ ائمہ جماعت کی اتباع ان دو آدمیوں کے پیچھے لگنے سے بہتر ہے جن پر طعن کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ان دو سے مراد ابراہیم بن سعد اور عبیداللہ بن حسن ہیں۔ انہوں نے فرمایا: گانے کے متعلق صرف دو آدمیوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک ابراہیم بن سعد جن کے متعلق علامہ ساجی نے بیان کیا ہے کہ وہ گانے میں حرج نہیں سمجھتے تھے۔ دوسرے عبیداللہ بن حسن العنبری جو کہ بصرہ کے قاضی تھے اور ان پر طعن کیا گیا ہے۔

ابوبکر طرطوشی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ گروہ مسلمانوں کی جماعت کے مخالف ہے کیونکہ انہوں نے گانے کو دین اور نیکی بنا لیا ہے اور اس کا مساجد، مدارس، قابل احترام مقامات اور عبادت گاہوں میں اعلان جائز سمجھا ہے۔ امت میں یہ رائے رکھنے والا کوئی نہیں ہے۔

[1] طبقات ابن ابی یعلی، ص ۹۵ پر یہ فتویٰ حسن بن عبدالعزیز الجروی کے حالات میں دیکھیے۔ (الفقی)

میں کہتا ہوں: ایک بہت بڑی برائی یہ ہے کہ وہ یہ کام عرفہ کی رات مسجد اقصیٰ میں آسانی سے کرتے ہیں۔ یہ کام اور اس کا کرنے والا ملعون ہے۔

وہ ایام منیٰ میں یہ مجلس مسجد خیف میں بھی قائم کرتے ہیں۔ ہم نے ان کو مار کر اور جلاوطن کر کے یہاں سے کئی مرتبہ نکالا ہے۔

میں نے ان کو دیکھا کہ وہ اس کو مسجد الحرام میں بھی قائم کر رہے تھے اور لوگ طواف کر رہے تھے میں نے حزب اللہ کو بلوایا اور ہم نے ان سب کو تتر بتر کر دیا۔

میں نے ان کو دیکھا کہ وہ عرفات میں بھی یہ مجلس لگاتے ہیں۔ جب کہ لوگ دعا، التجا، عاجزی اور اللہ کے ہاں گڑگڑانے میں مصروف ہوتے ہیں۔ وہ اس ملعون سماع میں بانسری، دف اور گانے گاتے ہیں۔

اس گروہ کو اِس عمل پر برقرار رکھنا ایسا گناہ ہے جو ان کو برقرار رکھنے والے کی عدالت اور اس کے دینی منصب کو داغدار کرتا ہے۔

خبردار ان کو کہہ دو ایک نصیحت کنندہ بندے کی بات، اور نصیحت کا حق یہ ہے کہ وہ سنی جائے۔ کب لوگوں کو ہمارے دین میں یہ سکھایا گیا ہے، کہ گانا کوئی سنت ہے جس کی پیروی کی جائے؟

کسی اور نے کہا اور کیا ہی خوب کہا۔

انہوں نے سماع کو اپنی خواہشات کی سواری بنایا، اس میں انہوں نے غلو کیا اور ہر جھوٹ کہا۔ [1]

فصل: سماع کے نام

یہ جو شیطانی سماع ہے اور رحمانی سماع کے خلاف ہے، اس کے شرع میں دس سے زائد نام ہیں:

لھو، لغو، باطل، زُور، مکاء، تعدیۃ، زنا کا منتر، شیطان کا قرآن، دل میں نفاق اُگانے والا، احمق آواز، بدکار آواز، شیطان کی آواز، شیطان کا باجا اور سمود۔ ایک شعر ہے۔

اس کے اسماء اس کے اوصاف پر دلالت کرتے ہیں، بربادی ہے نام والے اور ان صفات والے کے لیے۔

اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام کے اقوال میں یہ نام جس طرح آئے ہیں ہم ذکر کریں گے، تاکہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ انہیں کیا کامیابی ملی ہے، یا کس نفع مند تجارت میں انہوں نے گھاٹا پایا ہے، چند اشعار ہیں۔

انہوں نے اللہ کی فرمانبرداری سے ہٹ کر مذہب اختیار کیا ہے......۔

فصل: لہو الحدیث کی تعریف

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾ (لقمان:٦، ٧)

---

[1] یہاں پر مفصل اور اگلی فصل میں مختصر اشعار ہیں۔ (مترجم)

''اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بیہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ لوگوں کو بے سمجھے اللہ کے رستے سے گمراہ کرے اور اس سے استہزاء کرے یہی لوگ ہیں جن کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا اور جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو اکڑ کر منہ پھیر لیتا ہے۔ گویا ان کو سنا ہی نہیں جیسے ان کے کانوں میں ثقل ہے۔ تو اس کو درد دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو۔''

واحدی وغیرہ کہتے ہیں: اکثر مفسرین کے نزدیک ''لہوالحدیث'' سے مراد گانا ہے۔ سعید بن جبیر اور مقسم کی روایت کے مطابق یہ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے۔ ابوالصہباء کی روایت کے مطابق حضرت ابن مسعود کا یہی قول ہے اور یہی صحابہ کرام اور عکرمہ کا قول ہے۔

ثور بن ابی فاختہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابن عباس سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ کی تفسیر بیان کرتے ہیں: فرمایا: اس سے مراد وہ شخص ہے جو لونڈی خریدتا ہے جو اس کو دن رات گانا سناتی ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے بیان کیا ہے: یہ گانے والے اور گانے والی کو بہت مال کے ساتھ خریدنا ہے۔ اس کو غور سے سننا ہے اور اس طرح کی باطل چیزوں کو سننا ہے۔ یہ مکحول کا قول ہے۔ ابواسحاق نے بھی اس کو اختیار کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اکثر تفسیر میں اس سے مراد گانا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انسان کو غافل کرتا ہے۔ [1]

واحدی کہتے ہیں: علم المعانی والوں نے کہا: اس سے مراد ہر قسم کا لہو، گانا آلاتِ موسیقی اور باجے کو قرآن پر اختیار کرنا ہے گو کہ لفظ خریدنے کا آیا ہے۔ خریدنے کا لفظ تبدیل اور اختیار کا مفہوم بھی رکھتا ہے۔ اس کی قرآن پاک میں بہت مثالیں ہیں کہتے ہیں: اس کی دلیل وہ ہے جو قتادہ نے اس آیت کے متعلق کہا ہے کہ ''شاید وہ زیادہ مال خرچ کرنے والا نہ ہو۔''

کہتے ہیں: آدمی کے گمراہ ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ حدیث حق پر حدیث باطل کو اختیار کرے۔

واحدی کہتے ہیں: یہ آیت اس تفسیر کے مطابق گانے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے پھر گانے کے اعلان پر گواہی رد ہو جانے کا امام شافعی کا قول ذکر کیا۔

کہتے ہیں: رہا لونڈیوں کا گانا تو یہ اس معاملے میں سب سے شدید صورت ہے کیونکہ اس پر کثرت کے ساتھ وعید ہے اور یہی نبی ﷺ سے مروی ہے:

«مَنِ اسْتَمَعَ إِلٰى قَيْنَةٍ صُبَّ فِيْ أُذُنَيْهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» [2]

''جس نے لونڈی کا گانا غور سے سنا اس کے کانوں میں روزِ قیامت آنک پگھلا کر ڈالا جائے گا۔''

آنک سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے۔

لہوالحدیث کی گانے سے تفسیر مرفوعاً نبی ﷺ سے بھی مروی ہے۔ مسند امام احمد، مسند عبداللہ بن زبیر الحمیدی اور جامع ترمذی میں حضرت ابوامامہ کی حدیث ہے۔ الفاظ ترمذی کے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَبِيْعُوا الْقَيْنَاتِ، وَلَا تَشْتَرُوْهُنَّ، وَلَا تُعَلِّمُوْهُنَّ، وَلَا خَيْرَ فِيْ تِجَارَةٍ فِيْهِنَّ، وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ- فِيْ

مِثْلِ هٰذَا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ»

''تم گانے والی لونڈیوں کی خرید وفروخت نہ کرو۔ نہ ان کو تعلیم دو نہ ان کی تجارت میں خیر ہے۔ ان کی قیمت حرام ہے۔''

اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾

اس حدیث کا دارو مدار عبید اللہ بن زحر عن علی بن یزید الالہانی عن القاسم کی سند پر ہے۔ عبید اللہ بن زحر ثقہ ہے۔ قاسم ثقہ ہے۔ جب کہ علی ضعیف ہے لیکن اس حدیث کے کئی شواہد اور متابعات ہیں جن کا ہم آئندہ ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

لہوالحدیث کے متعلق صحابہ وتابعین کی تفسیر کافی ہے کہ یہ گانا ہے۔ یہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود سے صحیح مروی ہے۔

ابو الصہباء کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن مسعود سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ ﴾ کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی الہ نہیں اس سے مراد گانا ہے۔ یہ تین مرتبہ کہا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی صحیح مروی ہے کہ یہ گانا ہے۔

حاکم ابوعبداللہ، المستدرک کی کتاب التفسیر میں کہتے ہیں: اس علم کے حاصل کرنے والے کو جاننا چاہیے کہ صحابی کی تفسیر جو وحی اور تنزیل کے مطابق ہو وہ شیخین کے نزدیک ایک مسند حدیث ہے۔

اپنی کتاب میں ایک اور جگہ کہتے ہیں: وہ ہمارے ہاں مرفوع کے حکم میں ہے یہ گو کہ محل نظر ہے، لیکن بلاشبہ یہ بعد کے لوگوں کی تفسیر کو قبول کرنے سے زیادہ لائق ہے۔ اللہ عزوجل کی اپنی کتاب میں مراد کیا ہے، امت میں اس کے سب سے پہلے مخاطب یہی لوگ تھے۔ انہوں نے اس کی تفسیر کا علمی اور عملی مشاہدہ رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ وہ درحقیقت فصحاء عرب ہیں جہاں بھی ممکن ہو ان کی تفسیر سے ہٹنا نہیں چاہیے۔

لہوالحدیث کی تفسیر گانا اور اس کی تفسیر عجمیوں، رومیوں اور ان کے بادشاہوں کی کہانیاں وغیرہ کرنے میں کوئی تعارض نہیں ہے، جو کہانیاں نضر بن الحارث اہل مکہ کو سناتا تھا۔ اس طرح ان کو قرآن سننے سے وہ دور کرتا تھا۔ تو یہ دونوں ہی لہوالحدیث ہیں اسی لیے حضرت ابن عباس نے فرمایا: لہوالحدیث سے مراد گانا اور باطل ہے۔

بعض صحابہ نے اس کو ذکر کیا ہے بعض نے دوسرے کو اور بعض نے دونوں کو اکٹھا ذکر کیا ہے، گانا بلحاظ کھیل شدید تر اور بلحاظ ضرر بادشاہوں کے واقعات اور کہانیوں سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ کہ یہ زنا کا منتر ہے۔ نفاق کو اگانے والا ہے۔ شیطان کا جال ہے۔

---

① ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں صحابہ وتابعین سے کثیر اقوال بیان کیے ہیں۔ ابوامامہ کی حدیث کئی سندوں سے مروی ہے۔ پھر کہتے ہیں اس متعلق درست بات یہ ہے کہ: اس سے مراد ہر وہ بات ہے جو انسان کو اللہ کے رستے سے غافل کرنے والی ہو۔ جس کا سننا اللہ اور اس کے پیغمبر نے منع کیا ہو۔ کیونکہ اللہ نے اپنے فرمان میں ''لہوالحدیث'' کو عام رکھا ہے۔ اس کو کسی کے ساتھ خاص نہیں کیا۔ تو یہ حکم اپنے عموم پر رہے گا حتیٰ کہ اس کے خصوص کے لیے کوئی دلیل آ جائے۔ جب کہ گانا اور شرک اس سے ہی ہے۔ (الفقی)

② سیوطی الجامع الصغیر میں کہتے ہیں!!۔ سے ابن عساکر نے حضرت انس سے بیان کیا ہے۔ اور یہ ضعیف ہے۔ (الفقی)

عقل کا پردہ ہے۔ یہ کلام باطل وغیرہ سے بڑھ کر قرآن سے روکنے والا ہے۔ کیونکہ نفس شدت سے اس کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اس کا شوق رکھتے ہیں۔

جب یہ معلوم ہو گیا تو یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ تو گانے والے اور اس کو غور سے سننے والوں کا اس مذمت میں حصہ ہے۔ یعنی جس قدر وہ قرآن سے بے رغبتی کریں گو کہ ان کا پورا حصہ نہ بھی ہو۔ آیات کے اندر اس شخص کی مذمت آئی ہے جس نے قرآن کے بجائے بغیر علم لہوا الحدیث کو لیا۔ وہ اس کو مذاق بناتا ہے۔ جب اس پر قرآن پڑھا جاتا ہے۔ وہ تکبر کرتے ہوئے پھر جاتا ہے گویا اس نے اس کو نہیں سنا۔ گویا اس کے کانوں میں بوجھ اور بہرا پن ہے۔ جب اس کو اس کی کوئی چیز معلوم ہوتی ہے اس کا مذاق اڑاتا ہے یہ سب باتیں اسی شخص کی طرف سے ہوتی ہیں جو لوگوں میں بڑا کافر ہو، گو کہ کچھ باتیں گانے والوں اور سننے والوں کی طرف سے بھی ہوتی ہیں۔ تو ان کا بھی اس مذمت میں نصیب اور حصہ ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تم گانے اور موسیقی کا جو بھی دلدادہ شخص دیکھو گے۔ اس میں علمی اور عملی گمراہی اور راہ حق سے ہٹنا ضرور پاؤ گے۔

اس کو قرآن سننے میں بے رغبتی اور گانا سننے کی رغبت ہوگی۔ وہ بھی اس طرح کی کہ اگر اس کے سامنے گانا سننا اور قرآن سننا اکٹھا ہو وہ قرآن کو چھوڑ دے گا، اس پر قرآن سننا اور قرآن سنانا گراں ہوگا۔ یہ حالت بھی ہو سکتی ہے کہ وہ قاری کو چپ کرا دے اور اس کی قراءت کو لمبا جانے۔ جب کہ اس میں کم از کم یہ ہے کہ اس کو اس مذمت کا ایک بڑا حصہ ملے گا۔ گو اس کو اس کا پورا حصہ نہ بھی ملے۔

اس متعلق بحث تو اس شخص کے ساتھ کی جا سکتی ہے کہ جس کا دل زندہ اور حساس ہو۔ جس کا دل مردہ ہو گیا ہو۔ وہ بہت فتنہ میں آ گیا ہو تو اس نے خود پر نصیحت کا دروازہ بند کر لیا۔ ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚۖ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝﴾ (المائدة: ٤١)

''اور جس کے لیے اللہ فتنہ کا ارادہ کرے تو اس کے لیے تم کچھ بھی اللہ سے (ہدایت کا) اختیار نہیں رکھتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہیں چاہا۔ ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔''

فصل: گانے کا ایک نام زور ہے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝﴾ (الفرقان: ٧٢)

''اور جو جھوٹ پر حاضر نہیں ہوتے اور جب بیہودہ چیز کے پاس سے گزرتے ہیں تو عزت کے انداز سے گزرتے ہیں۔''

محمد بن الحنیفہ کہتے ہیں: زور سے مراد یہاں گانا ہے۔ لیث نے بھی مجاہد سے یہی بیان کیا ہے۔

کلبی کہتے ہیں: وہ مجالس باطل میں حاضر نہیں ہوتے۔

لغتاً لغو وہ چیز ہے جس کو رائیگاں کیا جائے اور پھینکا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ باطل مجالس میں حاضر نہیں ہوتے اور جب کسی

بھی رائندہ قول وعمل سے ان کا گزر ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو اس پر ٹھہرانے سے بچا کر معزز ہو کر گزرتے ہیں۔ نہ کہ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ اس میں مشرکین کے میلے، گانا اور باطل کی تمام اقسام داخل ہیں جیسا کہ سلف نے اس کی تفسیر بیان کی ہے۔

زجاج کہتے ہیں: نہ وہ اہل معاصی کے ہم نشین ہوتے ہیں نہ ان پر ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ وہ ان عزت دار لوگوں کی طرح گزرتے ہیں جو لغو کو پسند نہیں کرتے کیونکہ اس میں داخل نہ ہو کر اور اس سے الگ رہ کر وہ خود کو معزز کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ لہو کے پاس سے گزرے تو اس سے اعراض کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک ابن مسعود عزت والا ہو گیا ہے۔''①

اللہ پاک نے ان لوگوں کی تعریف کی ہے جو لغو کو سننے پر اس سے اعراض کرتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ﴾ (القصص: ۵۵)

''اور جب وہ بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم کو ہمارے اعمال اور تم کو تمہارے اعمال۔''

اس آیت کا گو سبب نزول خاص ہے لیکن معنی عام ہے۔② یہ ہر اس شخص کو شامل ہے جس نے لغو کو سنا اور اس سے اِعراض کیا اور اپنی زبان یا دِل سے ان لوگوں نے کہا ''ہمارے لیے ہمارے اعمال اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔''

اس بات پر غور کرو کہ اللہ پاک نے کس طرح فرمایا ہے:

﴿لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ﴾ جب کہ بِالزّور نہیں کہا کیونکہ یَشْهَدُونَ حاضر ہونے کے معنی میں ہے۔ مجالس زور میں حاضر نہ ہونے پر ان کی مدح کی ہے۔ تو زور کا بولنا یا کرنا کیسا ہوگا؟ گانا سب سے بڑا زور ہے، جیسے حضرت معاویہ کی حدیث میں ہے جس میں وہ واقعہ ہے کہ انہوں نے خود ساختہ ملائے جانے والے بالوں کا ایک گچھا پکڑا اور فرمایا یہ زور ہے۔③

زور قول بھی ہے، فعل بھی، اور جگہ بھی۔ اس کا اصل معنی میلان کا ہے۔ اسی سے زَوَرْ زبر کے ساتھ ہے۔ مثال ہے زَرْتَ

---

① اصل کے حاشیہ میں ہے اِنْ اَصْبَحَ کا مطلب قَدْ (تحقیق) ہے۔ کیونکہ اِنْ مکسورہ کے فوائد میں سے ہے کہ وہ کبھی قَدْ کے معنی میں آتا ہے۔ یہ ابن ہشام نے ''مغنی اللبیب'' میں کہا ہے کہ اھ اس حدیث کو ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے، اس کی سند ابن ابی حاتم کی ہے۔ اس میں مروی ہے کہ ''ابن مسعود صبح بھی عزت والا ہوا، شام کو بھی عزت والا ہوا۔'' (الفقی)

② ابن کثیر نے ابن اسحاق سے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت بعض انصار کے متعلق نازل ہوئی۔ جو مکہ میں آئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا ان کی آنکھیں بہہ پڑیں۔ وہ مسلمان ہو گئے۔ ابوجہل نے قریش کی جماعت میں ان کی مذمت کی تو انہوں نے کہا: تم کو سلام! ہم تم سے جہالت کا معاملہ نہیں کرتے جس پر ہم ہیں وہ ہمارے لیے ہے۔ اور جس پر تم ہو وہ تمہارے لیے ہے۔ ہم اپنے آپ کو خیر سے محروم نہیں کر سکتے (الفقی)

③ امام مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حمید بن عبدالرحمن بن عوف سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ سے حج کے سال منبر پر سنا جب کہ انہوں نے ایک سپاہی کے ہاتھ سے بالوں کا ایک گچھا پکڑ کر دکھایا۔ فرمایا: اے اہل مدینہ تمہارے علماء کہاں ہیں؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کی چیز سے منع کرتے ہوئے سنا ہے۔ اور فرمایا ''بنی اسرائیل اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ ان کی عورتوں نے اس کو اپنایا۔'' بخاری ومسلم کی ابن المسیب والی روایت میں ہے کہتے ہیں: حضرت معاویہ مدینہ آئے انہوں نے ہم کو خطبہ دیا اور بالوں کا ایک گچھا نکالا۔ فرمایا: میں نہیں سمجھتا تھا کہ یہ کام یہود کے علاوہ بھی کوئی کرتا ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی بات پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام ''زور'' رکھا۔ بخاری کی ایک اور روایت میں ہے۔ حضرت معاویہ نے ایک دن فرمایا تم نے ایک نیا فیشن بنا لیا ہے۔ جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''زور'' سے منع فرمایا ہے۔ (الفقی)

فلانًا یعنی جب تم کسی طرف جھکو اور مائل ہو جاؤ۔ تو ''زور'' سے مراد ثابت شدہ حق سے اس باطل کی طرف قولاً اور فعلاً مائل ہونا جس کی کوئی حقیقت نہ ہے۔

فصل: گانے کا نام باطل بھی ہے

باطل حق کی ضد ہے، اس سے مراد وہ معدوم چیز ہے جس کا وجود نہ ہو۔ اور وہ موجود چیز جس کے وجود کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ ہو۔

پہلے کی مثال کسی مؤحد کا قول ہے کہ: اللہ کے سوا ہر الٰہ باطل ہے۔ [1]

دوسرے کی مثال: یہ کہنا ہے کہ جادو باطل ہے۔ کفر باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴾ (الاسراء: ۸۱)

''اور کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا، بے شک باطل نابود ہونے والا ہے۔''

تو باطل یا تو معدوم ہے جس کا وجود نہیں۔ یا وہ موجود چیز ہے جس کا نفع نہیں۔

کفر، فسق، نافرمانی، جادو، گانا اور موسیقی سننا یہ سب دوسری قسم سے ہیں۔ ابن وھب کہتے ہیں: مجھے سلیمان بن بلال نے کثیر بن زید سے خبر دی ہے انہوں نے عبید اللہ سے سنا، وہ قاسم بن محمد سے کہہ رہے تھے، تمہارا گانے کے متعلق کیا خیال ہے؟ قاسم نے اس کو کہا: وہ باطل ہے۔ کہا مجھے معلوم ہے کہ وہ باطل ہے۔ لیکن تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟ قاسم نے اس کو کہا: تمہارا باطل کے متعلق کیا خیال ہے وہ کہاں ہوگا؟ کہا: جہنم میں۔ کہا: یہی تو وہ ہے۔

ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: تمہارا گانے کے متعلق کیا کہنا ہے؟ کیا یہ حلال ہے یا حرام؟ فرمایا: میں صرف اس چیز کو حرام کہتا ہوں جو کتاب اللہ میں ہو۔ کہا: تو کیا یہ حلال ہے؟ کہا: میں یہ نہیں کہتا۔ پھر اس کو کہا: تمہارا حق و باطل کے متعلق کیا خیال ہے جب وہ دونوں روزِ قیامت آئیں گے تو گانا کہاں ہوگا؟ اس آدمی نے کہا: باطل کے ساتھ ہوگا۔ حضرت ابن عباس نے اس کو کہا: جاؤ تم نے خود کو فتویٰ دے دیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ جواب دیہاتیوں کے گانے کے متعلق ہے جس میں شراب، زنا اور لواطت کی مدح نہیں ہوتی تھی۔ عورتوں کے حسن کا تذکرہ نہیں۔ آلاتِ موسیقی اور باجوں کی آواز نہیں۔ ان لوگوں کے جو گانے تھے ان میں اس طرح کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اگر وہ اس گانے کا مشاہدہ کرتے تو اس متعلق بڑی بات کہتے۔ بے شک اس کا نقصان اور فتنہ شراب پینے سے زیادہ نقصان والا اور زیادہ فتنہ والا ہے۔

سب سے بڑا باطل یہ ہے کہ کوئی شریعت اس کو مباح ہے۔ جس نے اس کو ان لوگوں کے گانے پر قیاس کیا تو اس کا قیاس سود کے بیع پر، مردار کے مذبوح پر اور حلالہ کے نکاح پر قیاس کی طرح ہے۔ حلالہ کرنے والا ملعون ہے۔ نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ جو کہ عبادت کے نوافل کے لیے تنہائی اختیار کرنے سے افضل ہے۔ اگر حلالہ شرع میں جائز ہوتا تو ضرورات کے قیام اور نفل روزے سے افضل ہوتا۔ چہ جائیکہ اس کے فاعل پر لعنت کی جائے۔

---

[1] باطل ہے کہا یہاں مطلب معدوم ہے۔ یعنی نہیں ہے۔ مترجم

فصل: گانے کا نام مکاء اور تصدیہ بھی ہے

رہا مکاء اور تصدیہ کے نام تو اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً﴾ (الانفال:۳۵)

''اور نہیں ہے ان کی نماز بیت (اللہ) کے پاس مگر مکاء اور تصدیہ۔''

حضرت ابن عباس، ابن عمر، عطیہ، مجاہد، ضحاک، حسن اور قتادۃ نے فرمایا: مکاء سیٹی اور تصدیہ تالی بجانا ہے۔ اسی طرح اہل لغت نے فرمایا کہ مکاء سیٹی ہے۔ مکا، یمکو، مکائ اُس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص اپنے ہاتھوں کو ملائے پھر ان سے سیٹی بجائے۔ اسی سے چوپائے کی مقعد کے متعلق مَکَتْ کا لفظ بولا جاتا ہے، جب اس سے آواز کے ساتھ بو نکلے۔ اسی لیے یہ رغاء، عواء اور ثغاء کی طرح اسماء اصوات کی بناء/وزن پر بنا ہے۔[1]

ابن سکیت نے کہا کہ تمام اسماء اصوات ایک جیسے ہیں سوائے نداء اور غناء کے۔

رہا تصدیہ تو لغتاً اس کا مطلب تالی بجانا ہے صدی یصدی تصدیۃ کہتے ہیں۔ جب کوئی اپنے دونوں ہاتھوں سے تالی بجائے۔

حضرت حسان بن ثابت مشرکین پر ان کی سیٹی اور تالی پر عیب لگاتے ہوئے کہتے ہیں۔

(اِذَا قَامَ الْمَلَائِكَةُ انْبَعَثْتُمْ .... صَلَاتكمْ التَّصَدِّيْ وَالْمكَاء)

جب فرشتے کھڑے ہوتے ہیں تم جلدی کرتے ہو۔ تمہاری نماز تصدی اور مکاء ہے۔

یہ مثال ایسے ہی تھی۔ مسلمان فرض و نفل نمازوں میں مشغول ہوتے جب کہ مشرکین تالی اور سیٹی میں مشغول ہوتے تھے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: قریش بیت اللہ کا ننگے طواف کرتے اور تالیاں اور سیٹیاں بجاتے تھے۔

مجاہد کہتے ہیں: طواف میں وہ نبی ﷺ پر مشکل ڈالتے تھے۔ وہ تالیاں اور سیٹیاں بجاتے۔ آپ ﷺ پر نماز اور طواف میں خلل ڈالتے اِسی طرح مقاتل سے بھی مروی ہے۔

بلاشبہ وہ دونوں طرح کرتے تھے جو لوگ تالی اور سیٹی کے ساتھ اللہ کا قرب چاہتے ہیں وہ پہلوں کی قسم کے مشابہ ہیں۔ جب کہ ان کے جو بھائی نماز ذکر اور قراءت والوں پر خلل ڈالتے ہیں وہ دوسرے لوگوں کی قسم سے ہیں۔

ابن عرفہ اور ابن الانباری نے کہا: مکاء اور تصدیہ نماز نہیں ہیں۔[2] اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ انہوں نے ان چیزوں کو اس نماز کی جگہ رکھ لیا تھا جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا۔ تو مکاء اور تصدیہ نے ان پر بڑا گناہ لازم کر دیا۔ یہ ایسے ہے جیسے تم کہو کہ میں نے اس کی زیارت کی اس نے میری جفاء کو میرا صلہ بنایا، اس نے صلہ کی جگہ جفاء کو رکھا۔

---

① رغاء اونٹ کی، عواء کتے کی اور ثغاء بکری کی آواز ہے۔ الفقی

② درحقیقت یہ دونوں چیزیں اللہ کے ہاں نماز نہیں ہیں۔ اللہ نے ان دونوں کا نام نماز اس لیے رکھا ہے کہ وہ سیٹی اور تالی کا نغمات پر واقع اپنی حرکات میں یونہی کرتے تھے اس سے ان کا مقصد اللہ کا قرب حاصل کرنا تھا۔ اللہ نے ان پر اس کا عیب لگایا ان کی مذمت کی اور یہ واضح کر دیا کہ اس سے ان پر عذاب الیم کی جزاء ہی واجب ہوگی۔ اسی کی پوری پوری مثال ہمارے زمانہ میں تصوف والوں کے حلقات (ذکر) ہیں۔ وہاں تالی اور سیٹی پر نغمات اور رقص ہوتا ہے۔ ان کی پختہ خواہش ان کی جہالت ہے اور جنوں اور انسانوں میں سے جو ان کے شیاطین ساتھ ہیں۔ انہوں نے ان پر یہ بات مزین کر دی ہے کہ یہ اللہ کا ذکر اور عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند (اور پاک) ہے۔ (الفقی)

المقصود: بانسری اور باجوں وغیرہ پر تالیاں اور سیٹیاں بجانے والے لوگ ان کے مشابہ ہیں۔ گو کہ یہ محض ظاہر شبہ ہے۔ ان کی مشابہت کے حساب سے ان کا مذمت میں حصہ ہے۔ گو کہ وہ ان کے پورے مکاء اور تصدیۃ میں مشابہ نہیں ہیں۔ اللہ پاک نے مردوں کے لیے تالی کو جائز نہیں رکھا۔ جب ان کو نماز میں کوئی معاملہ درپیش ہو اور اس کی حاجت بھی ہو۔ بلکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کے بدلہ میں تسبیح کہیں تا کہ وہ عورتوں کے مشابہ نہ ہوں۔ تو پھر جو بلا حاجت تالیاں بجاتے ہیں ان کا کیا حکم ہوگا جب انہوں نے اس کے ساتھ کئی طرح کے قولی اور فعلی گناہ بھی ملا رکھے ہیں؟

فصل: گانے کا نام زنا کا منتر

اس کا نام زنا کا منتر بھی ہے۔ یہ نام اس کے موافق اور لفظ بمطابق معنی ہے۔ زنا کے منتروں میں اس سے کامیاب تر کوئی نام نہیں ہے۔ یہ نام حضرت فضیل بن عیاض سے معروف ہے۔ ابن ابی الدنیا کہتے ہیں: ہمیں حسین بن عبدالرحمن نے خبر دی کہتے ہیں: فضیل بن عیاض نے فرمایا ''گانا زنا کا منتر ہے۔''

کہتے ہیں: ہمیں ابراہیم بن محمد المروزی نے ابوعثمان اللیثی سے خبر دی ہے، وہ کہتے ہیں کہ یزید بن الولید نے کہا: اے بنوامیہ! تم گانے سے بچو بے شک یہ حیاء کو کم کرتا ہے، شہوت کو زیادہ کرتا ہے، اخلاق میں گراوٹ لاتا ہے، شراب کی نیابت کرتا ہے اور جو کچھ نشہ آور چیز کرے یہ بھی وہی کرتا ہے۔ اگر تم نے ضرور گانا سننا ہو تو اس سے عورتوں کو الگ رکھو، پس بے شک گانا زنا کی دعوت دینے والا ہے۔''

کہتے ہیں: مجھے محمد بن فضل الازدی نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ حطیہ [1] عرب کے ایک آدمی کے پاس ٹھہرا اس کے ساتھ اس کی بیٹی ملیکہ بھی تھا۔ جب رات چھانے لگی اس نے گانے کی آواز سنی اس نے گھر والے کو کہا اس کو مجھ سے بند رکھو! اس نے کہا تو اس سے کیا ناپسند کرتا ہے؟ کہا کہ یہ گناہ کے جاسوسوں میں سے ایک جاسوس ہے۔ میں پسند نہیں کرتا کہ اس کو یہ یعنی اس کی بیٹی سنے، اگر تو اس کو بند کر دے تو وہ درست ہے ورنہ میں یہاں سے نکل جاتا ہوں۔

پھر خالد بن عبدالرحمٰن سے ذکر کیا وہ کہتے ہیں: ہم سلیمان بن عبدالملک کے لشکر میں تھے اس نے رات کو گانے کی آواز سنی۔ صبح ان کو پیغام بھیجا ان کو لایا گیا۔ فرمایا: گھوڑا بولتا ہے گھوڑی اس کے قریب آتی ہے اسے چاہتی ہے۔ اونٹ بولتا ہے اونٹنی اس کے لیے تیار ہوتی ہے۔ بکرا چیختا ہے اس پر بکری تیار ہوتی ہے۔ مرد جب گاتا ہے تو عورت اس کا شوق رکھتی ہے۔ پھر فرمایا: ان کو خصی کر دو! حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا: یہ مثلہ ہے اور جائز نہیں ہے۔ تم ان کو جانے دو۔ انہوں نے ان کو جانے دیا۔

کہتے ہیں: ہمیں حسین بن عبدالرحمٰن نے خبر دی ہے وہ کہتے ہیں ابوعبیدۃ معمر بن المثنی نے کہا: حطیہ بنی کالب کی ایک قوم کے پڑوس میں اترا ان میں سے جو دین والے تھے وہ ایک دوسرے کی طرف چلے، کہنے لگے: اے قوم! تمہارے پاس ایک ہوشیار آدمی آیا ہے یہ آدمی شاعر ہے۔

شاعر ایک گمان کرتا ہے۔ پھر اس کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ انتظار نہیں کرتا کہ وہ تحقیق کرے نہ وہ بچی ہوئی چیز لیتا ہے کہ حد سے گزرے۔ وہ اس کے پاس گئے وہ اپنے خیمے کے باہر صحن میں تھا۔ کہنے لگے: اے ابوملیکۃ! تو قبائل کو چھوڑ کر ہمارے پاس آیا

[1] حطیہ عرب کے ایک شاعر کا نام ہے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ (مترجم)

ہے۔ تیرا ہم پر بڑا حق ہے۔ ہم تجھ سے پوچھنے کے لیے آئے ہیں کہ تجھے کیا پسند ہے؟ ہم تمہارے پاس وہ لائیں! تجھے کیا ناپسند ہے؟ ہم تجھ سے اس کو ہٹائیں! وہ کہنے لگا: مجھے اپنی مجلس کی خاص بات سے الگ رکھو اور تم مجھے اپنی لونڈی کے گانے نہ سناؤ۔ بے شک گانا زنا کا منتر ہے۔

جب یہ زبان دراز شاعر جس کی ہجو سے عرب کے لوگ ڈرتے تھے۔ گانے کے انجام سے خوف کھاتا ہے۔ کہ یہ منتر حرام کاری تک نہ پہنچادے۔ تو کسی اور کے متعلق کیا گمان ہوگا؟

بلاشبہ غیرت مند آدمی اپنے گھر والوں کو گانے سے بچاتا ہے۔ جس طرح وہ ان کو برائی کے دیگر اسباب سے بچاتا ہے۔ جو اپنے گھر والوں کو گانا سننے کے لیے رات کو بھیجے۔ تو وہ اس گناہ کو بہتر جانتا ہے جس کا وہ مستحق ہے۔ لوگوں کے ہاں یہ بات معلوم ہے کہ جب مرد کو عورت تک آواز پہنچانا مشکل لگے وہ کوشش کر کے اس کو گانے کی آواز سناتا ہے۔ وہ اس مرحلہ پر نرم کلامی بھی کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت آوازوں پر بہت مائل ہوتی ہے۔ جب گانے کی آواز ہو تو اس کا میلان دو وجہ سے ہوتا ہے۔ آواز کی وجہ سے اور اس کے مفہوم کی وجہ سے۔

اسی لیے نبی ﷺ نے اپنے اونٹ ہانکنے والے انجشہ کو فرمایا تھا۔ اے انجشہ [1]! ٹھہرو! شیشوں پر نرمی کرو۔ [2] یعنی عورتوں پر جب اس منتر کے ساتھ دف، بانسری اور مٹک مٹک کر اور لچک کے ساتھ رقص بھی بڑھ جائے تو عورت اگر گانے سے حاملہ ہوتی ہو اس گانے سے ضرور حاملہ ہو جائے گی۔

اللہ کی قسم! کتنی ہی پاکدامنیں گانے سے زناکار ہوگئیں۔ کتنے ہی پاکباز آزاد مرد لونڈوں اور لونڈیوں کے غلام بن گئے۔ کتنے ہی دولت و ثروت والے اس کے سبب سے زمین پر لوگوں کے ہاں بکنے والا مال اور عورتوں کی تو شک بن گئے۔ [3] کتنے ہی خوش حال جب اس میں مبتلا ہوئے ان پر طرح طرح کی بدحالیاں آئیں۔ کتنے ہی غصہ کے گھونٹ آئے۔ نعمتیں ضائع ہوئیں اور انتقام سامنے آئے، یہ سب اس کی نوازشات میں سے ایک ہے۔ اس نے اپنے لوگوں کے لیے کتنی منتظر پریشانیاں چھپا رکھی ہیں۔ کتنے متوقع غم اور آئندہ کتنے دکھ جمع کر رکھے ہیں؟

ایک شاعر کہتا ہے۔

کسی خبردار سے پوچھ وہ تجھے بتائے گا، تاکہ تجھے معلوم ہو کہ اس میں کتنی خرابیاں چھپی ہوئی ہیں......

---

[1] انجشہ ایک سیاہ رنگ کا غلام تھا۔ جو امہات المؤمنین کے اونٹوں کو گا کر ہانکتا تھا۔ اس حدیث کو بخاری، مسلم، نسائی اور ابوداؤد طیالسی نے بیان کیا ہے۔ (الفقی)

[2] دیکھئے: صحیح بخاری، ج: ۷، ص: ۱۰۸؛ صحیح مسلم، ج: ٤ ص: ۱۸۱۱، حدیث: ۷۳، ۷۰ / ۲۳۲۳؛ سنن دارمی، ج: ۲، ص: ٦۸۹؛ سنن دارمی، ج: ۲، ص: ٦۸۹؛ مسند امام احمد، ج: ۳، ص: ۲٥٤، نیز ج: ٦، ص: ۳۷٦۔ (عفیفی)

[3] اہل لغت اس کے متعلق کہتے ہیں: گدی جس کو عورتیں بدن کے کسی حصہ کو نمایاں ہونے کے لیے باندھتی ہیں۔ دیکھئے: مصباح اللغات، صفحہ ۱٥٦۔ (مترجم)

فصل: گانے کا نام نفاق اگانے والا

علی بن الجعد کہتے ہیں: ہمیں محمد بن طلحہ نے سعید بن کعب المروزی سے بیان کیا ہے، انہوں نے محمد بن عبدالرحمن بن یزید سے، انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: گانا دل میں نفاق اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔

شعبہ کہتے ہیں: ہمیں حکم نے بتایا، انہوں نے حماد سے، انہوں نے ابراہیم سے بیان کیا، کہتے ہیں: حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا ''گانا دل میں نفاق اگاتا ہے۔'' یہ حضرت ابن مسعود کے قول سے صحیح مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود سے مرفوعاً بھی مروی ہے، جسے ''ابن ابی الدنیا'' نے کتاب ''ذم الملاھی'' میں بیان کیا ہے۔ اس کی سند یہ ہے: عصمۃ بن الفضل حرمی بن عمارۃ، سلام بن مسکین، شیخ،[1] ابی وائل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ»[2]

''گانا دل میں نفاق اگاتا ہے جس طرح پانی سبزی کو اگاتا ہے۔''

حرمی بن عمارۃ نے اس سند پر جبکہ مسلم بن ابراہیم نے متن پر متابعت کی ہے، ابوالحسین بن المنادی، کتاب ''احکام الملاھی'' میں سند بیان کرتے ہیں؛ محمد بن علی بن عبداللہ بن حمدان المعروف بحمدان الوراق، مسلم بن ابراہیم سلام بن مسکین پھر اس حدیث کو ذکر کیا۔ اس کا دارومدار اس مجہول شیخ پر ہے۔ اس کا مرفوع ہونا محل نظر ہے۔ جبکہ موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے۔ اگر سوال کیا جائے کہ دیگر گناہوں میں سے اس کے دل میں نفاق اگانے کی وجہ کیا ہے؟

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ صحابہ فقیہ تھے۔ دل کے احوال و اعمال کو جانتے تھے۔ اس کی بیماریوں اور دواؤں کی بھی وہ معرفت رکھتے تھے۔ بلاشبہ وہ دلوں کے بڑے طبیب تھے۔ وہ راہِ راست سے ہٹے ہوئے لوگوں کی طرح نہ تھے۔ جنہوں نے دلوں کی امراض میں علاج سے بڑھ کر بیماری پیدا کی۔ گویا انہوں نے بیماری کا علاج زہر قاتل کے ساتھ کیا۔

قسم باللہ! بہت سی دواؤں پر مشق کر کے انہوں نے یونہی کیا۔ نتیجتاً طبیب کم اور مریض زیادہ ہو گئے۔ دائمی امراض آئیں جو سلف میں نہ تھیں اس نفع مند دوا کو چھوڑا گیا جو شارع نے بتائی تھی۔ مریض اس چیز کی طرف مائل ہوئے جو مرض کے مادہ کو قوی کر دے۔ مصیبت بڑھ گئی۔ معاملہ گھمبیر ہو گیا۔ گھر، گلیاں اور بازار مریضوں سے بھر گئے۔ پھر جاہل لوگ لوگوں کے علاج کرنے۔

تم جان لو کہ دلوں کو نفاق کا رنگ دینے میں گانے کی کچھ خصوصیات ہیں جن میں یہ تاثیر بھی ہے کہ وہ اسے دل میں اس طرح اگاتی ہیں جیسے پانی کھیت کو اگاتا ہے۔

اس کی بعض خصوصیات درج ذیل ہیں: یہ دل کو غافل کرتا ہے اور اسے قرآن کے فہم اور تدبر سے روکتا ہے۔ اس پر عمل سے روکتا ہے۔ بے شک قرآن اور گانا دونوں کبھی ایک دل میں اکٹھے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان دونوں کے مابین، تضاد ہے۔ قرآن

---

[1] یہ شیخ مجہول راوی ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ مترجم۔

[2] ابن الجوزی فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ العلل المتناھیة کے محقق کہتے ہیں: اسے ابن عدی نے الکامل میں ذکر کیا ہے۔ یہ سنن ابی داود ج:٥، ص:٢٢٣، حدیث: ٤٩٢٧ ہے۔ اس میں انقطاع ہے اور حدیث ضعیف ہے۔ درست بات یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔ (عفیفی)

خواہشات کی پیروی سے روکتا ہے۔ پاک دامنی کا حکم دیتا ہے۔ شہواتِ نفس اور سرکشی کے اسباب سے دور رہنے کا حکم دیتا ہے۔ شیطان کے قدموں کی پیروی سے منع کرتا ہے۔ گانا ان سب باتوں کے الٹ حکم دیتا ہے اور اسے اچھا بتاتا ہے۔ وہ دلوں کو سرکشی کی خواہشات پر ابھارتا ہے۔ چھپے جذبات کو بھڑکاتا اور دبے جذبات کو اٹھاتا ہے۔ وہ ان کو ہر قبیح کی طرف حرکت دیتا ہے۔ ہر خوبصورت مذکر اور مؤنث سے وصال کا شوق دلاتا ہے۔ اس نے اور شراب نے ایک ہی جگہ سے دودھ پی رکھا ہے۔ برائیوں پر ابھارنے میں یہ دونوں برابر کی دوڑ والے گھوڑے ہیں۔ یہ شراب کا قائم مقام اور اس کا رضاعی بھائی ہے۔ اس کا نائب، حلیف، قریبی دوست اور ساتھی ہے۔ شیطان نے ان دونوں کے درمیان بھائی چارے کا ایسا معاہدہ کرایا ہے جو ختم نہیں ہوتا۔ ان دونوں کے درمیان وفا کا ایسا مضبوط رشتہ باندھا ہے جو ٹوٹتا نہیں۔ یہ دل کا جاسوس، جوان مردی کا چور اور عقل کا گھن ہے۔ خوابیدہ دلی جذبات میں غلغلہ مچاتا ہے۔ ذہنوں کے رازوں پر جھانکتا ہے۔ تخیل کی جگہ تک رینگ رینگ کر سرایت کر جاتا ہے۔ اس میں جو خواہش، شہوت، کمینگی، کمزوری، فخر اور حماقت ہو اسے بھڑکاتا ہے۔

تم کسی شخص کو دیکھو گے جس پر وقار کی نشانی ہے، عقل کی رونق ہے، ایمان کی چمک ہے، اسلام کا وقار ہے اور قرآن کی مٹھاس ہے۔ جب وہ غور سے گانا سنتا ہے اور اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے اس کی عقل کم ہو جاتی ہے اس کی حیاء کم ہو جاتی ہے، اس کی جوانمردی جاتی رہتی ہے، اس کا رعب اسے چھوڑ جاتا ہے، اس کا وقار اس سے جدا ہو جاتا ہے، اس پر اس کا شیطان خوش ہوتا ہے، اس کا ایمان اللہ کے حضور شکایت کرتا ہے، اس پر اس کا قرآن بوجھل ہو جاتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! تو مجھے اور اپنے دشمن کے قرآن (گانے) کو ایک سینے میں جمع نہ کر۔ وہ پہلے جس بات کو برا جانتا تھا اسے اچھا سمجھنے لگتا ہے۔ وہ اپنے جو راز چھپاتا تھا ظاہر کرنے لگتا ہے، وہ وقار اور سکون سے بدل کر کثرتِ کلام اور جھوٹ میں بدل جاتا ہے۔ انگلیوں کو ہلاتا اور حرکت دیتا ہے وہ اپنے سر کو مائل کرتا ہے، کندھے ہلاتا ہے، اپنے پاؤں زمین پر مارتا ہے۔ وہ اپنے سر کی چوٹی پر اپنے دونوں ہاتھ مارتا ہے۔ وہ ریچھوں کی طرح کودتا ہے۔ وہ اس طرح گھومتا ہے جس طرح گدھا چرخی کے گرد گھومتا ہے، وہ اپنے ہاتھوں سے عورتوں کی طرح تالیاں بجاتا ہے، وہ بیلوں کی سی آواز نکالتا ہے جو بھڑکنے والی آواز نہیں ہوتی۔ کبھی وہ غمزدوں کی طرح آہ آہ کرتا ہے۔ کبھی پاگلوں کی سی بے چینیوں کا اظہار کرتا ہے۔ اسی گروہ میں سے کسی تجربہ کار نے کہا ہے اور خوب کہا ہے۔

''ہم سوائے اپنے خالص دلوں کے کسی چیز کے مالک نہ رہے...... ہم نے ان کو بہادیا خوبصورتوں کے ملاحظہ پر۔''

بعض عارفین نے کہا ہے: سماع کچھ لوگوں میں نفاق پیدا کرتا ہے، کچھ لوگوں میں دشمنی، کچھ لوگوں میں جھوٹ، کچھ لوگوں میں فخر۔ اکثر یہ شکلوں کا عشق دیتا ہے۔ بے حیائیوں کو اچھا بتاتا ہے۔ اس کی کثرت دل پر قرآن کو بوجھل کرتی ہے۔ بالخصوص قرآن سننا ناپسند بنا دیتی ہے۔ اگر یہ سب نفاق نہیں ہے تو نفاق کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ مسئلہ کا راز سربستہ یہ ہے کہ یہ شیطان کا قرآن ہے، جیسا کہ آگے آئے گا، تو یہ اور قرآن ایک دل میں کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔

نیز نفاق کی بنیاد یہ ہے کہ ظاہر باطن کے خلاف ہو۔ گانے والا دو معاملات کے مابین ہوتا ہے یا تو وہ پردہ چاک کر کے بدکار بن جائے یا بظاہر نیک ہو اور منافق بن جائے۔ وہ اللہ اور آخرت کے گھر کے شوق کو ظاہر کرتا ہے، جبکہ اس کا دل شہوات سے بھڑکتا ہے۔ اس میں ان چیزوں کی محبت آجاتی ہے جو اللہ اور اس کے پیغمبر کو ناپسند ہیں۔ یعنی گانے اور موسیقی کی آوازوں کا سننا۔ جن چیزوں کی طرف گانا بلاتا ہے اور برانگیختہ کرتا ہے۔ اس کا دل ان سے بھرپور ہوتا ہے۔ اس کا دل اللہ اور اس کے پیغمبر کی پسندیدہ

چیزوں کی محبت سے خالی ہوتا ہے تو یہ محض نفاق ہے۔

نیز ایمان قول اور عمل کا نام ہے۔ یعنی قولِ حق اور فرمانبرداری کا عمل۔ یہ تب پیدا ہوتا ہے جب ذکر ہو اور تلاوتِ قرآن ہو۔ نفاق قولِ باطل اور سرکشی کا عمل ہے۔ یہ تب پیدا ہوتا ہے جب گانا ہو۔

نیز نفاق کی علامات میں سے اللہ کے ذکر کی قلت بھی ہے۔ نماز کے لیے اٹھنے پر سستی، اس کو مختصر پڑھنا بھی ہے۔ تم کم ہی کسی گانے کے دلدادہ کو دیکھو گے مگر اس میں یہ صفات ضرور ہوں گی۔

نیز گانے کی بنیاد جھوٹ پر رکھی جاتی ہے۔ گانا سب سے جھوٹا شعر ہے۔ یہ قبیح کو اچھا اور مزین بتاتا ہے۔ اس کا حکم دیتا ہے اچھے کو قبیح بتاتا ہے، اس کی بے رغبتی دلاتا ہے۔ یہ بعینہٖ نفاق ہے نیز نفاق ملاوٹ، مکر اور دھوکہ ہوتا ہے۔ گانے کی بنیاد بھی یہی ہے۔ نیز منافق اس طریقہ سے فساد کرتا ہے۔ وہ گمان کرتا ہے کہ وہ اصلاح کر رہا ہے۔ جیسا کہ اللہ پاک نے منافقوں کے متعلق یہ خبر دی ہے۔[1] گانے والا اپنے دل اور حال کو اس انداز میں خراب کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں اس کی اصلاح کر رہا ہوں۔

گانے والا دلوں کو فتنۂ شہوات کی دعوت دیتا ہے۔ جبکہ منافق فتنۂ شبہات کی دعوت دیتا ہے۔ ضحاک کہتے ہیں: ''گانا دل کو خراب کرنے والا، ربّ کو ناراض کرنے والا ہے۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی اولاد کو اَدب سکھانے والے اُستاد کی طرف ایک خط لکھا کہ:

''سب سے پہلے وہ تجھ سے جو ادب سیکھیں وہ موسیقی کی نفرت ہو۔ جس کی ابتداء شیطان سے ہے۔ اس کی انتہاء رحمن کی ناراضگی ہے۔ مجھے ثقہ اہل علم سے یہ بات پہنچی ہے کہ موسیقی کی آواز گانوں کو غور سے سننا اور ان کا دلدادہ ہونا ہے، یہ دل میں نفاق اگاتا ہے جس طرح گھاس پانی پر اگتا ہے۔''

گانا دل کو خراب کرتا ہے، جب دل خراب ہو جائے اس میں نفاق بھڑکتا ہے۔ بہرحال! کوئی صاحب بصیرت جب گانے والوں کا حال اور اہل ذکر و قرآن والوں کا حال دیکھے گا، تو اس شخص پر صحابہ کی مہارت اور ان کی دلوں کی بیماریوں اور دواؤں کی معرفت واضح ہو جائے گی۔

نیکی کی توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

فصل: گانے کا نام شیطان کا قرآن

اس کا نام جو شیطان کا قرآن ہے۔ یہ تابعین سے مروی ہے۔ اور یہ ایک مرفوع حدیث میں بھی مروی ہے۔

قتادہ کہتے ہیں:

''جب ابلیس کو زمین پر اتارا گیا۔ اس نے کہا: اے میرے رب! تو نے مجھ پر لعنت کر دی ہے۔ میرا عمل کیا ہے؟ فرمایا: جادو۔ کہا میرا قرآن کیا ہے؟ فرمایا: شعر۔ کہا میری کتاب کیا ہے؟ فرمایا: گودنا۔ کہا میرا کھانا کیا ہے؟ فرمایا: ہر مردار اور جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا جائے۔ کہا میرا پینا کیا ہے؟ فرمایا: ہر نشہ آور چیز۔ کہا میرا: رہنا کہاں ہے؟ فرمایا: بازاروں میں۔ کہا: میری آواز کیا ہے؟ فرمایا: موسیقی۔ کہا: میری رسیاں/جال کیا ہے؟ فرمایا: عورتیں۔''

[1] دیکھئے: سورۃ البقرۃ، آیات ۱۱ اور ۱۲۔ مترجم۔

یہاں تک جبکہ اس روایت کا موقوف ہونا ہی معروف ہے۔

طبرانی نے اپنی معجم میں اسے حضرت ابوامامہ کی حدیث سے نبی ﷺ تک مرفوع بیان کیا ہے۔

ابن ابی الدنیا کتاب "مکاید الشیطان وحیله" میں اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ابوبکر تیمی، ابن ابی مریم، یحییٰ بن ایوب، ابن زحر، علی بن یزید، قاسم عن ابی امامہ، وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب ابلیس کو زمین پر اتارا گیا۔ کہا: اے میرے رب! تو نے مجھے زمین پر اتار دیا اور مجھے مردود کر دیا۔ تو میرے لیے ایک گھر بنا دے؟ فرمایا: حمام! کہا: میرے لیے مجلس بنا دے؟ فرمایا: بازار اور گلیوں کے مجمعے۔ کہا: میرے لیے کھانا بنا دے؟ فرمایا: ہر وہ چیز جس پر اللہ کا نام نہ پڑھا جائے۔ کہا: میرے لیے پینا بنا دے؟ فرمایا: ہر نشہ آور۔ کہا: میرے لیے آذان دینے والا بنا دے؟ فرمایا: موسیقی۔ کہا: میرے لیے قرآن بنا دے؟ فرمایا: شعر۔ کہا: میرے لیے کتاب بنا دے؟ فرمایا: گودنا۔ کہا: میرے لیے حدیث بنا دے؟ فرمایا: جھوٹ۔ کہا: میرے لیے پیغامبر بنا دے؟ فرمایا: نجومی۔ کہا: میرے لیے جال/رسیاں بنا دے؟ فرمایا: عورتیں۔

اس اثر کے بہت شواہد ہیں۔ ان میں سے ہر جملے کا حدیث سے یا قرآن سے بھی ایک شاہد ضرور ہے۔

جادو شیطان کے عمل سے ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ﴾ (البقرة:١٠٢)

"اور وہ ان کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان کے عہد سلطنت میں شیاطین پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے ہی کفر کیا کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔"

شیطان کا قرآن شعر ہے۔ اس کی دلیل حضرت جبیر بن مطعم کی وہ حدیث ہے، جسے ابوداؤد نے اپنی سنن میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا۔ اور سُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا بھی تین مرتبہ۔ پھر پڑھا:

«أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ : مِنْ نَفْخِهِ، وَنَفْثِهِ، وَهَمْزِهِ، قَالَ: نَفْثُهُ الشِّعْرُ، وَنَفْخُهُ: الْكِبْرُ، وَهَمْزُهُ: الْمُوْتَةُ»[1]

"میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں شیطان مردود سے۔ اس کے نفخ سے اور نفث سے اور ہمز سے۔ فرمایا اس کا نفث شعر ہے۔ اس کا نفخ تکبر ہے اور اس کا ہمز جنون ہے۔"

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو قرآن سکھایا جو اس کا کلام ہے۔ اس کو شیطان کے قرآن کی تعلیم سے محفوظ رکھا اور خبر دی کہ یہ اس کے لائق نہیں ہے۔ لہٰذا فرمایا:

---

[1] سنن ابی داود، ج: ١، ص: ٤٨٤، حدیث: ٧٦٤؛ جامع الترمذی، ج: ٢، ص: ٩، حدیث: ٢٤٢؛ سنن ابن ماجه، ج: ١، ص: ٢٦٥، حدیث: ٨٠٧۔

﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾ (یس:٦٩)

''اور ہم نے اس کو شعر نہیں سکھایا اور نہ یہ اس کے لائق ہے۔''

گودنا اس کی کتاب ہے۔ یہ اس کا عمل اور اس کی تزیین ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے گودنے والی اور گدوانے والی پر لعنت کی ہے۔[1] یعنی کاتبہ اور مکتوب دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

مردار اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ پڑھا جائے وہ اس کا کھانا ہے جب کسی کھانے پر اللہ کا نام پڑھا جائے، شیطان اس کو حلال کرنا چاہتا ہے، اس کے کھانے والے کا شریک بنتا ہے۔ مردار پر اللہ کا نام نہیں پڑھا جاتا تو یہ اور ہر وہ کھانا جس پر اللہ عزوجل کا نام نہ پڑھا جائے اس کا کھانا ہے۔ اسی لیے جب جنوں نے جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تھے کھانے کا سوال کیا۔ فرمایا:

«لَكُمْ كُلُّ عَظْمٍ ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ»[2]

''تمہارے لیے ہر وہ ہڈی جائز ہے جس پر اللہ کا نام ذکر کیا جائے۔''

آپ ﷺ نے ان کے لیے شیاطین کا کھانا جائز نہیں کیا یعنی جس پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔

نشہ آور چیز اس کا پینا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ (المائدہ:٩٠)

''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں۔''

وہ اس شراب کو پیتا ہے جو اس کے ساتھیوں نے اس کے حکم سے بنائی ہے، وہ ان کے عمل میں شریک ہوا ہے۔ وہ ان کو اپنے عمل شراب، گناہ اور سزا میں شریک کرتا ہے۔

بازار اس کی مجلس ہیں۔ دیگر حدیث میں ہے وہ اپنا جھنڈا بازار میں گاڑتا ہے۔'' اسی لیے وہاں پر لغو، لغط شور، خیانت دھوکہ اور اس کے بکثرت عمل ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ کی صفت گزشتہ کتابوں میں یوں آئی ہے:

«لَيْسَ صَخَّابًا بِالْأَسْوَاقِ»[3]

''کہ وہ بازاروں میں بہت شور کرنے والا نہیں ہے۔

حمام اس کا گھر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ نماز کی جگہ نہیں ہے۔ حضرت ابو سعید کی حدیث میں ہے:

«اَلْأَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ إِلَّا الْمَقْبَرَةُ وَالْحَمَّامُ»[4]

---

[1] صحیح بخاری، ج: ٣، ص: ١٢؛ صحیح مسلم، ج: ٣، ص: ١٦٧٧، حدیث: ٢١٢٤/١١٩؛جامع الترمذی، حدیث: ١٧٥٩؛سنن ابی داؤد، ج: ٤، ص: ٣٩٧، حدیث: ٤١٦٨؛سنن النسائی، حدیث: ٥٢٥١؛سنن ابن ماجہ، حدیث: ١٩٨٧؛مسند امام احمد، ج: ١، ص: ٨٣۔

[2] صحیح مسلم، ج: ١، ص: ٣٣٠، حدیث: ٤٤٨/١٤٧؛ جامع الترمذی، ج: ٥، ص: ٣٨٢، حدیث: ٣٢٥٨۔

[3] صحیح بخاری، ج: ٦، ص: ٤٤؛ سنن الدارمی، ج: ١، ص: ٤ مقدمہ؛ جامع الترمذی، ج:٤، ص: ٣٦٩، حدیث ٢٠١٦۔ [4] سنن دارمی، ج: ١، ص: ٣٢٣؛ سنن ابی داود، ج: ١، ص: ٣٣٠ حدیث ٤٩٢؛ جامع الترمذی، ج: ٢، ص: ١٣١، حدیث: ٣١٧۔

''سب زمین سجدہ کی جگہ ہے سوائے مقبرہ اور حمام کے۔

یہ شرم گاہوں کو کھولنے کی جگہ ہے۔اس جگہ کی بنیاد آگ پر ہے اور یہ شیطان کی اصل ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا ہے۔موسیقی اس کا مؤذن ہے۔ یہ بہت مناسب لفظ ہے۔گانا اس کا قرآن ہے۔رقص اور تالیاں بجانا یعنی مکاء اور تصدیہ دونوں اس کی نماز ہیں۔

اس نماز کا کوئی موذن اور امام اور مقتدی بھی ضروری ہے۔موسیقی مؤذن ہے۔گانے والا امام ہے اور حاضرین مقتدی ہیں۔

جھوٹ شیطان کی حدیث ہے۔وہ جھوٹا ہے۔جھوٹ کا حکم دینے والا ہے۔اس کو مزین کرنے والا ہے۔دنیا جہان میں جو بھی جھوٹ ہو وہ اس کی تعلیم ہے اور اس کی حدیث ہے۔

نجومی اس کے پیغامبر ہیں۔کیونکہ مشرکین ان کے پاس بھاگے آتے تھے۔اپنے بڑے کاموں میں ان کے پاس حاضر ہوتے۔ان کی تصدیق کرتے۔ان کے پاس فیصلہ لے جاتے اور ان کے فیصلے پر راضی ہوتے تھے۔جس طرح پیغمبروں کے پیرو کار پیغمبروں کے ساتھ کرتے ہیں۔وہ اعتقاد رکھتے ہیں۔کہ ان کو غیب کا علم ہے۔وہ ایسی غیب چیزوں کی خبریں دیتے ہیں جن کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا۔وہ مشرکین کے ہاں پیغمبروں کے مرتبہ میں ہیں۔نجومی درحقیقت شیطان کے پیغامبر ہیں۔اس نے ان کو اپنے مشرکین کے گروہ کی طرف بھیجا ہے۔ان کو سچے پیغمبروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔حتی کہ اس کے گروہ نے ان کی بات مان لی۔اس نے اللہ کے پیغمبروں کو ان کی مثل بتایا تا کہ لوگوں کو ان سے متنفر کرے۔اور اپنے پیغامبروں کو سچا اور غیب جاننے والا بنادے۔

جب ان دونوں اقسام میں بہت بڑا تضاد ثابت ہے۔تبھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ»[1]

''جو نجومی کے پاس آیا جو کچھ وہ کہتا ہے اس کی تصدیق کی تو جو کچھ محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے اس نے اس کا انکار کیا۔''

لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔نجومیوں کے تابعدار اور اللہ کے پیغمبروں کے تابعدار۔ایک آدمی میں دونوں چیزیں جمع نہیں ہو سکتیں کہ وہ ادھر بھی ہو اور ادھر بھی۔بلکہ جس قدر وہ شیطانی کام کے قریب ہوگا۔رسول اللہ ﷺ سے دور ہوگا۔جتنی کاہن کی تصدیق کرے گا پیغمبر ﷺ کی تکذیب کرے گا۔

شیطان نے جو کہا: میرے لیے جال اور رسیاں بنادے؟ فرمایا عورتیں تیری رسیاں ہیں۔عورتیں اس کے لئے بڑا جال ہیں۔جن سے وہ مردوں کو شکار کرتا ہے۔یہ بات اس کے بعد والی فصل میں آئے گی۔ان شاء اللہ تعالیٰ۔بہر حال! مقصود یہ ہے کہ گانا حرام ہے، شیطان کا قرآن ہے۔جب اللہ کے دشمن نے ارادہ کیا کہ وہ اس پر باطل لوگوں کے دلوں کو جمع کرے۔اس نے اس کے ساتھ مزین کرنے کے لیے خوش کن آوازوں کو ملا دیا۔نیز موسیقی کے آلات اور باجوں کو بھی۔مزید یہ کہ گانا خوبصورت عورت کی طرف سے ہو یا خوبصورت بچے کی طرف سے۔تا کہ یہ بات ان دلوں کے لیے اس شیطانی قرآن کو قبول کرنے کی زیادہ موجب ہو جائے اور یہ حقیقی قرآن مجید کی جگہ پر آجائے۔

---

[1] سنن ابی داود، ج: ٤، ص: ٢٢٥، حدیث: ٣٩٠٤؛ جامع الترمذیؒ، ج: ١، ص: ٢٤٢، حدیث: ١٣٥؛ مستدرك حاکم، ج: ١، ص: ٨؛ السنن الکبریٰ للبیهقی، ج: ٨، ص: ١٣٥۔

فصل: گانے کا نام احمق آواز

اس کا نام جو احمق آواز اور فاجر آواز رکھا گیا ہے۔ یہ نام اس صادق اور مصدوق ذات نے رکھا ہے جو اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ ترمذی نے ابن لیلیٰ کی روایت سے حضرت عطاء سے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے: فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ہمراہ ایک نخلستان کی طرف نکلے (واپس آئے تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ابراہیم عالم جان کنی میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنی گود میں رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بہہ پڑیں۔ حضرت عبدالرحمن نے کہا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے ہیں جبکہ آپ لوگوں کو منع کرتے ہیں؟ فرمایا میں نے رونے سے منع نہیں کیا۔ میں نے تو دو احمق فاجر آوازوں سے منع کیا ہے۔ ایک آواز نغمہ کے وقت۔ کھیل، تماشے اور شیطانی باجوں کے ساتھ۔ اور دوسری مصیبت کے وقت آواز، چہروں کو نوچنے، گریبان چاک کرنے اور رونے کے ساتھ۔ یہ رونا تو رحمت ہے۔ اور جو رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ ایسا کیوں نہ ہو، بے شک یہ امر حق ہے۔ یہ وعدہ سچا ہے۔ ہم سے پچھلا پہلے کو جلد ملے گا۔ ضرور ہم اس پر غم کرتے اس سے سخت غم اور بے شک ہم تیری وجہ سے ضرور غمزدہ ہیں، آنکھ روتی ہے۔ دل غم کرتا ہے اور ہم وہ بات نہیں کہتے جو رب کو ناراض کرے۔ ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ [1]

آپ لوگ اس تاکید والی نہی پر غور کریں جس کا نام گانے کی آواز، احمق آواز رکھا گیا ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اس کو فاجر آواز بھی کہا۔ پھر اس پر بس نہیں اس کو شیطان کا باجا بھی کہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو اس کا نام شیطان کا باجا رکھنے پر برقرار رکھا، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے جو آئندہ آئے گی۔ اگر اس سے تحریم نہ نکلے تو ہم نہی سے بھی کبھی اس کی تحریم نہیں نکال سکتے۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ لَا تَفْعَلْ (تو نہ کر) اور نُهِيْتُ عَنْ كَذَا (مجھے اس سے منع کیا گیا ہے) میں سے کون سا لفظ تحریم میں زیادہ واضح ہے۔ بلاشبہ یہ بات درست ہے کہ نُهِيْتُ تحریم میں زیادہ واضح ہے۔ کیونکہ لَا تَفْعَلْ میں نہی کا احتمال بھی ہے کسی اور کا بھی۔ فعل صریح میں یہ نہیں۔ گانے والا اس چیز کو کس طرح جائز اور مباح کر سکتا ہے جس سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے؟ اس کو اور نوحہ کو دو بھائی قرار دیا ہے۔ جس کے فاعل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ ان دونوں کی نہی ایک ہی مخرج سے ہے۔ ان دونوں کی حماقت اور فجور والی صفت بھی اکٹھی آئی ہے۔

حضرت حسن فرماتے ہیں: ''دو آوازیں لعنت کی گئی ہیں۔ نغمہ کے وقت موسیقی کی آواز اور مصیبت کے وقت رونے کی آواز۔''

ابوبکر الھذی کہتے ہیں: میں نے حسن سے کہا: کیا مہاجر عورتیں بھی ایسا کرتی تھیں جو آج کی عورتیں کرتی ہیں؟ فرمایا: نہیں۔ لیکن یہاں چہروں کو نوچنا، گریبان چاک کرنا، بال اکھیڑنا، رخسار پیٹنا اور شیطانی باجے بجانا مراد ہے۔ دو آوازیں قبیح اور بے حیائی والی ہیں۔ جب نغمہ گایا جائے اور جب مصیبت اترے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کا ذکر کیا۔ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿٢٤﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿٢٥﴾﴾ (المعارج:٢٤، ٢٥)

''اور وہ لوگ جن کے اموال میں حق معلوم ہے۔ سائل اور محروم کے لیے۔''

اور تم نے اپنے اموال میں معلوم حق رکھا ہے نغمہ کے وقت گانے والی کے لیے اور مصیبت کے وقت نوحہ کرنے والی کے لیے۔

---

[1] جامع ترمذی، ج: ٣، ص: ٣٢٨، حدیث: ١٠٠٥۔

فصل: گانے کا نام شیطان کی آواز

اس کا نام شیطان کی آواز بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان اور اس کے گروہ کے متعلق فرمایا:

﴿اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ جَزَاءً مَّوْفُورًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝﴾ (الاسراء: ٦٣، ٦٤)

''چلا جا جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی سزا جہنم ہے پوری سزا۔ اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکا تا رہ۔ اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ۔ اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ۔ اور ان سے وعدے کرتا رہ۔ اور شیطان جو وعدے ان سے کرتا ہے سب دھوکہ ہے۔''

ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں اپنی اس سند سے بیان کرتے ہیں: حدثناء ابی، أخبرنا ابو صالح، کاتب اللیث، معاویہ بن صالح، بن ابو طلحہ حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں انہوں نے (وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ) کے متعلق فرمایا: ''ہر گناہ کی طرف بلانے والی آواز۔'' یہ معلوم ہے کہ گانا گناہوں کی دعوت دینے والی بڑی چیز ہے۔ اسی لیے اس کی تفسیر شیطان کی آواز کے ساتھ کی گئی ہے۔

ابن ابی حاتم اپنی اس سند سے بیان کرتے ہیں: حدثنا ابی یحییٰ بن المغیرۃ، جریر، لیث، مجاہد سے (وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ) کے متعلق وہ فرماتے ہیں: ان میں سے جس کو چاہے بہکا لے۔ فرمایا: اس کی آواز گانا اور باطل ہے۔

یہی سند جریر تک۔ پھر منصور سے، وہ مجاہد سے بیان کرتے ہیں، فرمایا اس کی آواز باجے ہیں۔

پھر اپنی سند حسن بصری تک بیان کی۔ انہوں نے فرمایا: اس کی آواز دف ہے۔ یہ اضافت تخصیص کی اضافت ہے۔ جس طرح پیادوں اور سواروں کی نسبت بھی اس کی طرف اسی طرح ہے، ہر بولنے والا جو اللہ کی فرمانبرداری کے خلاف بات کرے۔ ہر آواز جو بانسری، باجے، دف یا طبلہ کے ساتھ ہو تو وہ حرام ہے وہ شیطان کی آواز ہے۔

جو بھی اللہ کی نافرمانی کے لیے بھاگ دوڑ کر رہا ہے وہ اس کے پیادوں میں سے ہے۔

جو بھی سوار اللہ کی نافرمانی کے لیے نکلتا ہے وہ اس کے سواروں میں سے ہے۔ سلف نے یونہی فرمایا ہے۔ جیسا کہ ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے: فرمایا: اس کے پیادے سے مراد ہر وہ قدم ہے جو اللہ کی نافرمانی میں چلے۔

مجاہد نے فرمایا جو شخص بھی اللہ کی نافرمانی میں لڑائی کرے وہ اس کے پیادوں میں سے ہے۔

قتادہ نے فرمایا: جنوں اور انسانوں دونوں میں سے اس کے پیادے اور سوار لشکر ہیں۔

---

① صحیح بخاری، ج: ۲، ص: ۳؛ صحیح مسلم، ص: ۲ ۶۰۷، حدیث: ۱۶۔

فصل: گانے کا نام شیطان کا باجا

اس کا نام شیطان کا باجا بھی ہے۔ صحیحین [1] میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں: ''نبی ﷺ میرے پاس آئے جبکہ میرے پاس دولڑکیاں/لونڈیاں جنگ بعاث کا گانا گا رہی تھیں۔ آپ ﷺ بستر پر لیٹ گئے اپنا منہ پھیر لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے۔

انہوں نے مجھے ڈانٹا۔ کہا: شیطان کا باجا نبی ﷺ کے پاس؟ رسول اللہ ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ فرمایا: ان دونوں کو چھوڑ دو۔ جب آپ ﷺ کی توجہ ہٹی میں نے ان دونوں کو اشارہ کیا تو وہ دونوں چلی گئیں۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر کا رد نہیں کیا انہوں نے گانے کو شیطان کا باجا کہا۔ ان دونوں کو برقرار رکھا کیونکہ وہ دونوں بچیاں غیر مکلف تھیں۔ وہ دیہاتیوں کے گانے گا رہی تھیں۔ جو جنگ بعاث کے دن کے متعلق بہادری اور لڑائی وغیرہ کے حوالہ سے کہے گئے تھے۔ اور یہ دن روز عید تھا۔

شیطان کے گروہ نے اس میں وسعت کر دی اس کے ساتھ خوبصورت اجنبی عورت کی یا بے ریش لڑکے کی آواز کو ملا دیا۔ جس کی آواز فتنہ اور جس کی صورت بھی فتنہ ہے۔ وہ ایسا گانا گاتا ہے۔ جو زنا، بدکاری اور شراب نوشی کی دعوت دیتا ہے۔ ساتھ آلات موسیقی ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے متعدد احادیث میں حرام قرار دیا ہے (جیسا کہ آ رہا ہے)۔ ساتھ تالیاں بجائی جاتی ہیں، رقص ہوتا ہے۔ یہ ایسی بری حالت ہوتی ہے جس کو کسی دین والا بھی حلال نہیں جان سکتا چہ جائیکہ وہ اہل علم و ایمان ہو۔

---

[1] بعاث میں باء پر پیش ہے۔ یہ اوس کا قلعہ ہے۔ یہ مدینہ سے دو رات کی مسافت پر بنوقریظہ کے محلہ میں تھا۔ بعاث کا دن اوس اور خزرج کے درمیان دشمنی اور لڑائی کا آخری دن تھا۔ صحیح روایت کے مطابق یہ واقعہ ہجرت سے تین برس پہلے کا ہے۔ بخاری نے اوائل ہجرت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا ہے وہ کہتی ہیں بعاث کا دن اللہ نے اپنے رسول ﷺ سے پہلے رکھ دیا۔ آپ ﷺ مدینہ آئے جب کہ ان کی جماعت میں پھوٹ پڑ گئی تھی اور ان کے سردار مارے جا چکے تھے۔ اس دن اوس کا سردار حضیر تھا جو کہ حضرت اسید کا والد ہے۔ یہ اس دن زخمی ہوا پھر کچھ عرصہ بعد اسی زخم سے وفات پا گیا۔ اس دن خزرج کا سردار عمرو بن نعمان تھا۔ لڑائی میں ایک تیر اس کی طرف آیا اس نے اس کو مار دیا۔ وہ غالب آنے کے بعد شکست کھا گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے آئے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو اس بیماری سے پاک کر دیا۔ ان پر اسلامی اُخوت کا انعام کر دیا۔ ان کے دلوں میں الفت ڈال دی اور وہ اُس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی بن گئے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری ج ۷ ص ۷۷ میں اس روایت کے تحت یہ اضافہ کرتے ہیں: فرمایا: اے ابوبکر ہر قوم کے لیے ایک عید ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ اس میں ان دونوں بچیوں کو چھوڑنے کی وجہ بتائی گئی۔ یہ وضاحت بھی ہے کہ حضرت صدیق نے سمجھا تھا کہ یہ آپ ﷺ کے علم کے بغیر ہے جبکہ بات یوں نہ تھی۔ وہ جب اندر آئے انہوں نے آپ کو کپڑے لپیٹے ہوئے پایا تو وہ سمجھے کہ آپ ﷺ سو رہے ہیں۔ اس وجہ سے وہ اپنی بیٹی کو ڈانٹنے لگے۔ ان کے ذہن میں ساتھ یہ بات بھی تھی کہ گانے اور لہو کی ممانعت طے شدہ ہے۔ پھر کہتے ہیں: یہ جو کہا کہ ہر قوم کے لیے ایک عید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کی کوئی عید ہے۔ جیسے نوروز اور مہرجان وغیرہ۔ نسائی اور ابن حبان میں بسند صحیح حضرت انس سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ مدینے آئے۔ اہل مدینہ کے دو دن تھے جن میں وہ کھیلتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے تم کو ان دونوں کے بدلے ان سے بہتر دو دن عطا کیے ہیں یوم الفطر اور الاضحیٰ اس سے مشرکین کی عیدوں میں شمولیت اور ان کی مشابہت کی کراہت ثابت ہوتی ہے۔ حنیفہ میں سے الشیخ ابوحفص الکبیر النسفی نے تو مبالغہ کیا ہے۔ کہتے ہیں جس نے اس دن کی تعظیم کے لیے اس دن کسی مشرک کو ایک انڈے کا تحفہ دیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا۔ بعض صوفیاء نے اس باب کی حدیث سے گانے کے مباح ہونے پر استدلال کیا ہے۔ وہ آلہ کے ساتھ ہو یا بغیر آلہ کے۔ اس کے رد میں اسی باب کی حدیث میں حضرت عائشہ کی تصریح کافی ہے۔ جو اگلے باب میں ان الفاظ میں ہے کہ وہ دونوں گانے والیاں نہ تھیں۔ جو ان کے لیے لفظ سے ثابت ہوا اس کی معنیٰ میں حضرت عائشہ نے نفی کر دی۔ کیونکہ گانے کا اطلاق آواز بلند کرنے اور اس ترنم پر ہوتا ہے جس کا نام اہل عرب نے نصب رکھا ہے۔ نیز حدی خوانی کو بھی گانا کہتے ہیں۔ اس کے فاعل کو مغنی نہیں کہتے یہ نام تو اس کو دیا جاتا جو لمبا کر کے یا چھوٹا کر کے ایسے انداز سے پڑھے جس میں بے حیائیوں کی اشارتاً یا صراحتاً ترغیب ہو۔ قرطبی کہتے ہیں جو کچھ اس متعلق صوفیاء نے گھڑ لیا ہے یہ ایسی چیز ہے جس کی تحریم میں کوئی <===

وہ دو غیر مکلف بچیوں کے گانے کو دلیل بناتے ہیں جو کہ غیر مکلف تھیں۔ وہ دیہاتیوں کے بہادری وغیرہ کے متعلق اشعار بروز عید پڑھ رہی تھیں۔ جس میں نہ کوئی بانسری تھی نہ دف۔ نہ رقص اور نہ تالی۔ وہ صریح محکم کو اس متشابہ کی وجہ سے چھوڑتے ہیں۔ ہر باطل پرست کی یہی عادت ہوتی ہے۔

جی ہاں! ہم مکروہ اور حرام نہیں کہتے، اس طرح کی چیز کو جو رسول اللہ ﷺ کے گھر میں اس صورت میں ہوئی۔ ہم اور سب اہل علم و ایمان تو اس سماع کو حرام کہتے ہیں جو اس کے خلاف ہے۔ وباللہ التوفیق

فصل: گانے کا نام سمود

اس کا نام سمود بھی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ۝ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ۝ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ۝﴾ (النجم:٥٩۔ ٦١)

''کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہوں اور ہنستے اور روتے نہیں اور تم غفلت میں پڑ رہے ہو۔''

عکرمہ حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں: سمود لغت حمیر میں گانا ہے۔ کہا جاتا اُسْمُدِیْ لَنَا یعنی ہمارے لیے گانا گا۔

ابو زبید نے کہا اس متعلق ایک شعر بھی کہا ہے۔

عکرمہ کہتے ہیں: جب مخالفین قرآن سنتے تو مخالفت میں گانے گاتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت کے معنی میں جو غفلت اور بھولنے کا معنی ہے یہ اس کے خلاف نہیں ہے۔ مبرد کہتے ہیں: اس کا مطلب کسی چیز سے عدم مشغولیت ہے کسی پریشانی کی وجہ سے یا کسی شغل کی وجہ سے پھر شعر سے استدلال کیا۔

ابن الأنباری کہتے ہیں: سامد غفلت کرنے والا، سامد بھولنے والا، سامد تکبر کرنے والا اور سامد کھڑا ہونے والا ہے۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کے متعلق فرمایا: اور تم تکبر کرتے ہو۔

ضحاک کہتے ہیں: اتراتے ہو اور تم فخر کرتے ہو۔

مجاہد کہتے ہیں: تم غصہ میں ہوتے ہو، ہونٹ لٹکاتے ہو۔

بعض نے کہا: غفلت کرتے ہو، بے رخی کرتے ہو اور اعراض کرتے ہو۔ گانا ان سب کا جامع اور موجب ہے، تو گانے کے نام غناء کے علاوہ چودہ نام ہو گئے۔

فصل: رسول اللہ ﷺ کا صراحت کے ساتھ آلاتِ موسیقی اور باجوں کو حرام کرنا اور اس متعلق احادیث کا بیان

حضرت عبدالرحمن بن غنم اَبو عامر یا حضرت اَبو مالک اشعری رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں انہوں نے نبی ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا:

===> اختلاف نہیں ہے۔ لیکن نفسانی شہوات ان بہت سے لوگوں پر غالب آئیں جو خیر کی طرف نسبت رکھتے ہیں حتی کہ ان میں بکثرت پاگلوں اور بچوں والی حرکات سرزد ہوئیں۔ انہوں نے رقص کو قرب کا ذریعہ اور صالح اعمال میں سے سمجھ لیا۔ اور اس سے بلند مرتبہ احوال پیدا ہوتے ہیں۔ یہ بات تحقیق سے ثابت ہے کہ یہ زنادقہ کے آثار اور اہل کذب کے اقوال میں سے ہے۔ واللہ المستعان۔ انتھی۔ (الفقی)

«لَيَكُوْنَنَّ مِنْ أُمَّتِيْ قَوْمٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ»[1]

''ضرور میری امت میں وہ لوگ ہوں گے جوشرم گاہوں کو ریشم، شراب اور آلات موسیقی کو حلال بنالیں گے۔''

یہ حدیث صحیح ہے اسے بخاری نے اپنی صحیح میں حجت لیتے ہوئے بیان کیا ہے۔ اور اس کو پختگی کے ساتھ معلق بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں ''باب جس میں اس شخص کا ذکر آیا ہے جو شراب کو حلال جانے گا اور اس کا نام دوسرا لے گا''[2] پھر اپنی سند عبدالرحمن بن غنم تک بیان کی وہ کہتے ہیں مجھے حضرت ابو عامر یا ابو مالک اشعری نے بیان کیا ہے۔ اللہ کی قسم انہوں نے مجھ سے جھوٹ نہیں کہا۔ انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔

«لَيَكُوْنَنَّ مِنْ أُمَّتِيْ أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحِرَ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ، وَلَيَنْزِلَنَّ أَقْوَامٌ إِلٰى جَنْبِ عَلَمٍ، يَرُوْحُ عَلَيْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَهُمْ يَأْتِيْهِمْ لِحَاجَةٍ، فَيَقُوْلُوْا: ارْجِعْ إِلَيْنَا غَدًا، فَيُبَيِّتُهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيَضَعُ الْعَلَمَ، وَيَمْسَخُ آخَرِيْنَ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»[3]

''ضرور میری امت میں ایسے لوگ ہونگے جو شرم گاہ، ریشم، شراب اور آلاتِ موسیقی کو حلال سمجھیں گے۔ ضرور کچھ لوگ ایک پہاڑ کے پہلو میں اتریں گے، ان پر ان کا چرواہا شام کو بکریاں لائے گا، کوئی حاجت مند ان کے پاس آئے گا۔ وہ اس کو کہیں گے: تو ہماری طرف کل آنا۔ اللہ رات کو ان کو ختم کر دے گا۔ ان پر پہاڑ گرائے گا۔ اور دوسروں کو روزِ قیامت تک بندر اور خنزیر بنادے گا۔''[4]

ابن حزم کی طرح جس نے اس حدیث کی محبت پر اپنے باطل مذہب کی مدد کے لیے اعتراض کیا ہے اس نے کچھ نہیں کیا۔ وہ آلاتِ موسیقی کا جواز بتاتے ہیں۔ اس حدیث کو منقطع سمجھتے ہیں۔ کیونکہ بخاری نے اس کے ساتھ اس کی سند نہیں ملائی۔ اس وہم کا جواب کئی طرح سے ہے۔

---

① سنن ابی داود، ج: ٤، ص: ٣١٩، حدیث: ٤٠٣٩۔

② حافظ ابن حجر فتح الباری ج:١٠ ص ٤١ میں فرماتے ہیں اس حدیث کو تین شیوخ سے بیان کیا گیا ہے۔ پھر حافظ ابن حجر ابن حزم کے رد میں کہتے ہیں ابن صلاح نے ''علوم الحدیث'' میں لکھا ہے: بخاری میں جو معلق ہے اس کی سند کاٹی گئی ہوتی ہے۔ اس کی صورت تو منقطع والی ہے۔ لیکن اس کا حکم یہ نہیں ہے۔ اس میں جو روایات موجود ہیں۔ وہ صحیح کے حصہ سے نکل کر ضعیف کے حصہ کی طرف نہیں جاتیں۔ وہ بات بھی قابل التفات نہیں جو حافظ ابو محمد بن حزم ظاہری نے بخاری کی اس حدیث کے متعلق کہی ہے کہ بخاری نے اس کو معلق بیان کیا ہے۔ ابن حزم نے سمجھا کہ یہ بخاری اور ہشام کے درمیان منقطع ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس آلات موسیقی کی حرمت پر دلیل لی ہے۔ اور ابن حزم نے اس کا جواب دیا ہے اس میں انہوں نے کئی وجوہ سے خطا کی ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ صحیح کی شرط پر اس کا اتصال معروف ہے۔ کبھی بخاری یہ اس لیے کرتے ہیں کہ انہوں نے اس حدیث کو دیگر جگہ پر باسند متصل بیان کیا ہوتا ہے۔ کبھی کوئی اور وجہ ہوتی ہے لیکن اس میں انقطاع والاخلل نہیں ہوتا۔ انتھی حافظ نے اس حدیث کی تصحیح اور تجزیہ میں لمبی بات کی ہے۔ (الفقی) ③ حدیث میں آمد لفظ ''حر'' کا مطلب شرم گاہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ زنا کو حلال جانیں گے۔ ابن المبارک کی ''کتاب الزہد'' میں حضرت علی کی روایت سے اس کی تائید ہے۔ وہاں لفظ ہیں قریب ہے کہ میری امت عورتوں کی شرم گاہوں کو حلال جانے گی۔ علم کی جمع اعلام ہے اونچے پہاڑ یا چوٹی کو کہتے ہیں۔ سارحہ ان کے مویشی جو صبح جاتے ہیں شام کو آتے ہیں۔ بیت کا مطلب رات کو ہلاک کرنا ہے۔ یوضع العلم کا مطلب ہے کہ پہاڑ ان پر دبایا جائے گا۔ ابن العربی کہتے ہیں مراد ان لوگوں کو لے جانا ہے، جیسے حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں کے سینوں سے کھینچ کر نہیں نکالیں گے بلکہ علم کو اہل علم کی موت کے ساتھ ختم کریں گے یا وضع کا مطلب ان کو مغلوب کرنا ہے کہ فاجر لوگ ان پر مسلط ہو جائیں گے۔ دیکھیے: فتح الباری، ج: ٤٤۔ (الفقی) ④ دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب الأشربه، باب ماجاء ضمن یستحل الخمر وسیمیه بغیر استمه۔ فتح الباری والے نسخہ میں جلد نمبر ١٠ کے اوائل میں ہے۔

پہلا جواب: بخاری نے ہشام سے ملاقات کی ہے، اس سے سنا بھی ہے جب وہ کہیں قَالَ هِشَامٌ تو یہ عَنْ هِشَامٍ کے مرتبہ میں ہے۔

دوسرا جواب: اگر انہوں نے اُن سے نہ سنا ہوتا تو وہ پختگی کے ساتھ ان سے بیان کرنا جائز نہ سمجھتے۔ ورنہ انہوں نے ان سے صحیح حدیث بھی بیان کی ہے اور یہ اکثر وہاں ہے کہ جس شیخ سے وہ روایت کرتے ہوں اس کی شہرت کی وجہ سے۔ امام بخاری اللہ کی مخلوق میں تدلیس سے سب سے زیادہ دور رہنے والے شخص تھے۔

تیسرا جواب: انہوں نے اس کو اپنی کتاب میں بطور حجت درج کیا ہے، جس کا نام صحیح ہے اگر یہ ان کے ہاں صحیح نہ ہوتی تو وہ اس کو درج نہ کرتے۔

چوتھا جواب: انہوں نے اس کو پختہ صیغہ/لفظ کے ساتھ معلق کیا ہے کمزور لفظ نہیں بولا۔ اگر وہ کسی حدیث میں توقف کریں یا وہ ان کی شرط پر نہ ہو تو کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا جاتا ہے یا آپ ﷺ نے فرمایا، تو انہوں نے پختہ کر دیا اور آپ ﷺ کی طرف اس کی اضافت کو قطعی کر دیا۔

پانچواں جواب: اگر ہم ان سب معاملات سے قطع نظر بھی کریں تو بھی یہ حدیث دیگر ائمہ کے ہاں صحیح اور متصل ہے۔ اَبوداؤد نے کتاب اللباس میں اپنی اس سند سے بیان کیا ہے، عبدالوہاب بن نجدة، بشر بن بکر، عبدالرحمن بن یزید بن جابر، عطیہ بن قیس، عبدالرحمن بن غنم الاَشعری فرماتے ہیں ہمیں اَبوعامر یا اَبومالک نے بیان کیا۔ پھر اس حدیث کو مختصر ذکر کیا ہے۔[1]

اَبوبکر الاسماعیلی نے اسے اپنی کتاب "الصحیح" میں اِسے مسند روایت کیا ہے۔ اس میں اَبوعامر کہا ہے۔ اور شک نہیں کیا۔

اس سے وجہ دلالت یہ ہے کہ معازف تمام آلاتِ لہو ہیں۔ اہل لغت کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر یہ حلال ہوتے تو آپ ﷺ ان کو حلال بنانے پر لوگوں کی مذمت نہ کرتے اور نہ اس کے حلال بنانے کو شراب اور زنا کو حلال بنانے کے ساتھ ملاتے۔ یہاں لفظ حِرْ ہے اگر حاء اور راء ہو تو مطلب حرام شرم گاہوں کو حلال بنانا ہے اور اگر خاء اور زاء کے ساتھ ہو تو یہ ریشم کی ایک قسم ہے۔ یہ وہ قسم نہیں ہے جس کا پہننا صحابہ رضی اللہ عنہم سے صحیح ثابت ہے۔ کیونکہ خز کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ریشم سے اور دوسری اون سے، یہ حدیث دونوں طرح مروی ہوئی ہے۔

ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اس سند سے بیان کیا ہے، عبداللہ بن سعید، معاویہ بن صالح، حاتم بن حریث، ابن اَبی مریم، عبدالرحمن بن غنم الاَشعری حضرت اَبومالک الاَشعری رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِيْ اَلْخَمْرَ، يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اِسْمِهَا، يُعْزَفُ عَلٰى رُءُوْسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْمُغَنِّيَاتِ، يَخْسِفُ اللّٰهُ بِهِمُ الْأَرْضَ، وَيَجْعَلُ مِنْهُمْ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ»[2]

''ضرور میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے، اس کا نام اور رکھیں گے ان کے سروں پر آلات موسیقی بجائے جائیں گے اور گانے والیاں ہوں گی۔ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے گا۔ ان میں سے بندر اور خنازیر بنا دے گا۔''

---

1. سنن أبی داود، ج: ۲، ص: ۲۹۵۔

2. سنن ابن ماجه، ج: ۲، ص: ۱۳۳۳، حدیث: ۴۰۲۰۔

اس کی سند صحیح ہے۔

آلاتِ موسیقی کو حلال بنانے والوں کے لئے اس حدیث میں وعید آئی ہے کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے گا اور ان کی شکلیں بگاڑ کر بندر اور خنزیر بنا دے گا۔ اگر چہ وعید ان تمام افعال پر ہے۔ لیکن مذمت اور وعید میں ہر ایک کا خاص حصہ ہے۔

اس باب میں حضرت سہل بن سعد الساعدی حضرت عمران بن حصین، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت عبداللہ بن عباس حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو امامہ الباہلی، حضرت عائشہ اُم المؤمنین، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت انس بن مالک، حضرت عبدالرحمٰن بن سابط اور حضرت الغازی[1] بن ربیعہ سے روایت مروی ہے۔ ہم ان سب روایات کو بیان کرتے ہیں تاکہ ان سے اہلِ قرآن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان سے اہل سماعِ شیطانی کے حلق رنجیدہ ہوں۔

حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث

ابن اَبی الدنیا اپنی اس سند سے بیان کرتے ہیں ھیثم بن خارجہ، عبدالرحمٰن بن زید اَسلم، اَبوحازم حضرت سہل بن سعد الساعدی سے بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ خَسْفٌ وَقَذْفٌ وَمَسْخٌ، قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰى؟ قَالَ: إِذَا ظَهَرَتِ الْمَعَازِفُ وَالْقَيْنَاتُ وَاسْتُحِلَّتِ الْخَمْرُ»[2]

''میری امت میں خسف (دھنسا) قذف (گرایا جانا) اور مسخ (شکلیں بگاڑنا) ہوگا کہا گیا: اے اللہ کے پیغمبر! کب؟ فرمایا جب آلاتِ موسیقی اور گانے والیاں ظاہر ہوں گی اور شراب کو حلال سمجھا جائے گا۔''

حضرت عمران رضی اللہ عنہ بن حصین کی حدیث

ترمذی نے اسے حدیث اعمش سے عن ھلال بن یساف حضرت عمران بن حصین سے بیان کیا ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ قَذْفٌ وَخَسْفٌ وَمَسْخٌ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ: مَتٰى ذَاكَ، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: إِذَا ظَهَرَتِ الْقِيَانُ، وَالْمَعَازِفُ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ»

''میری امت میں قذف، خسف اور مسخ ہوگا، مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے کہا۔ اے اللہ کے پیغمبر! یہ کب ہوگا؟ فرمایا: جب گانے والیاں اور آلاتِ موسیقی ظاہر ہوں گے، اور شرابیں پی جائیں گی۔''

ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمرو کی حدیث

مسند احمد اور ابوداؤد میں ان سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] یہ الغازی بن ربیعہ بن الغاز ہیں۔ کبھی یا ئے نسبت حذف بھی کر دی جاتی ہے۔ ان کے والد ربیعہ کے حالات الاصابۃ اور اُسد الغابۃ میں ہیں۔ (الفقی)

[2] جامع ترمذی، ج: ٤، ص: ٤٧٩، حدیث: ٢١٨٥۔

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى حَرَّمَ عَلَى أُمَّتِيَ الْخَمْرَ [1] وَالْمَيْسِرَ وَالْكُوْبَةَ وَالْغُبَيْرَاءَ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ» وَفِيْ لَفْظٍ آخَرَ لِأَحْمَدَ «إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى أُمَّتِيَ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْمِزْرَ وَالْكُوْبَةَ وَالْقِنِّيْنَ» [2]

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت پر شراب، جوا، طبلہ اور گندم کی شراب حرام کردی ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے احمد کے دوسرے الفاظ ہیں بے شک اللہ نے میری امت پر شراب، جوا، جو کی شراب، طبلہ اور طنبور بجانا حرام کردیا ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث

مسند میں ہی ان سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ الْخَمْرَ وَالْمَيْسِرَ وَالْكُوْبَةَ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ» [3]

''بے شک اللہ نے شراب، میسر اور کوبہ کو حرام کردیا ہے۔ اور ہر نشہ آور حرام ہے۔''

''سفیان کہتے ہیں کوبہ طبلہ ہے [4]، ایک قول کے مطابق مربط ہے۔ قنیس حبشہ کی زبان میں طنبور ہے۔ ابن الأعرابی کہتے ہیں۔ تقنین اس کو بجانا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث

اسے ترمذی نے ان سے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا اتُّخِذَ الْفَيْئُ دُوَلًا، وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَتُعُلِّمَ الْعِلْمُ لِغَيْرِ الدِّيْنِ وَأَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ وَعَقَّ أُمَّهُ، وَأَدْنَى صَدِيْقَهُ وَأَقْصَى أَبَاهُ، وَظَهَرَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِيْلَةَ فَاسِقُهُمْ، وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ أَرْذَلُهُمْ، وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ، وَظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ، وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا، فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ، وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا، وَمَسْخًا، وَقَذْفًا وَآيَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ بَالٍ قُطِعَ سِلْكُهُ فَتَتَابَعَ» [5]

''جب مالِ فئی (غنیمت) کو دولت بنالیا جائے گا، امانت کو غنیمت جانا جائے گا، زکوٰۃ کو چٹی سمجھا جائے گا، علم دین کے لیے حاصل نہیں کیا جائے گا، مرد اپنی بیوی کی فرمانبرداری کرے گا، اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا، اپنے دوست کو قریب کرے گا، اپنے باپ کو دور کرے گا، مساجد میں آوازیں ظاہر ہوں گی، قبیلہ کا سردار ان کا فاسق ہوگا، قوم کا

---

① نجیراء وہ شراب ہے جس کو حبشی گندم سے بناتے ہیں۔ یہی مزر ہے۔ اس کا نام سکرکۃ بھی ہے۔ ہمارے اس زمانہ میں اس کا نام ''بوظۃ'' ہے۔ ایک قول ہے کہ مزر گندم اور جو سے بھی بنائی جاتی ہے۔ (الفقی)

② پہلی روایت کے لیے دیکھیے: سنن ابی داود، ج: ۳، ص: ۷۵٦، حدیث: ۳٤۸٦ اور دوسری کے لئے دیکھیے: مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۱۷۱۔ ③ مسند امام احمد، ج: ۱، ض: ۲۷٤۔

④ القاموس میں ہے کوبہ میں کاف پر پیش ہے۔ یہ زد، شطرنج، چھوٹے طبلے، فہر اور بربط کو کہتے ہیں۔ (الفقی)

⑤ جامع ترمذی، ج: ٤، ص: ٤۹٤، حدیث: ۲۲۱۰۔

سربراہ ان کا سب سے ذلیل آدمی ہوگا، آدمی کی عزت اس کے شر سے ڈرتے ہوئے کی جائے گی، گانے والیاں اور آلاتِ موسیقی ظاہر ہوں گے، شراب پی جائے گی اور اس امت کے پچھلے لوگ پہلوں پر لعنت کریں گے، تو لوگوں کو چاہیے کہ وہ اس وقت سرخ آندھی کا انتظار کریں اور زلزلہ کا خسف، مسخ، قذف اور ان نشانیوں کا جو تسبیح کے دانوں کی طرح پے در پے آئیں گی جس کا دھاگا ٹوٹ جائے گا تو وہ چل پڑے۔''

ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

ابن اَبی الدنیا اپنی اس سند سے بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر الجشمی، سلیمان بن سالم، ابوداؤد، حسان بن ابی سنان عَنْ رجلٍ، وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يُمْسَخُ قَوْمٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ قَالُوا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، أَلَيْسَ يَشْهَدُوْنَ أَنْ لَاإِلٰهَ إِلاَّ اللّٰه، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ؟ قَالَ: بَلَى، وَيَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ، وَيَحُجُّوْنَ قِيْلَ: فَمَابَالُهُمْ؟ قَالَ: اتَّخَذُوا الْمَعَازِفَ وَالدُّفُوْفَ وَالْقَيْنَاتِ، فَبَاتُوْا عَلَى شُرْبِهِمْ وَلَهْوِهِمْ، فَأَصْبَحُوْا وَقَدْ مُسِخُوا قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ»[1]

''اس امت کے آخر زمانہ میں کچھ لوگوں کی شکلیں بگاڑ کر بندر اور خنزیر بنائے جائیں گے، لوگوں نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر، کیا وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت نہیں دیتے ہوں گے؟ فرمایا: کیوں نہیں! وہ روزہ بھی رکھیں گے، نماز پڑھیں گے اور حج کریں گے، کہا گیا: ان کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا: وہ آلاتِ موسیقی، دفیں اور گانے والیاں رکھیں گے۔ وہ رات اپنی شراب اور کھیل پر گزاریں گے، صبح ہوگی تو شکلیں بگڑ کر بندر اور خنزیر بنا دیئے جائیں گے۔''

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ الباھلی کی حدیث

مسند اور ترمذی میں ان سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَبِيْتُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ عَلَى أَكْلٍ وَشُرْبٍ، وَلَهْوٍ وَلَعِبٍ، ثُمَّ يُصْبِحُوْنَ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ، وَيُبْعَثُ عَلَى أَحْيَاءٍ مِنْ أَحْيَائِهِمْ رِيْحٌ، فَيَنْسِفُهُمْ كَمَا نَسَفَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، بِاسْتِحْلَالِهِمُ الْخَمْرَ، وَضَرْبِهِمْ بِالدُّفُوْفِ، وَاتِّخَاذِهِمُ الْقَيْنَاتِ»[2]

''میری امت کا ایک گروہ کھانے، پینے، لہو و لعب پر رات گزارے گا پھر وہ صبح بندر اور خنزیر ہونے کی حالت میں کریں گے، ان کے قبیلوں میں سے بعض قبیلوں پر آندھی آئے گی وہ پہلے لوگوں کی طرح ان کو ہلاک کر دے گی۔ کیونکہ انہوں نے شراب کو حلال بنالیا، دفیں بجائیں اور گانے والیاں رکھیں۔''

اس کی سند میں فرقد سبخی ہیں جو کبار صالحین میں سے ہیں، لیکن وہ حدیث میں قوی نہیں ہیں۔ ترمذی کہتے ہیں۔ یحییٰ بن

---

[1] یہ حدیث بہت ضعیف ہے۔ مزید دیکھیے: میزان الاعتدال ج: ۲، ص: ۲۰۶ (عفیفی)

[2] مسند امام احمد، ج: ۵، ص: ۳۲۹۔

سعید نے ان پر کلام کیا ہے، جبکہ دیگر لوگوں نے ان سے روایت لی ہے۔[1]

ابن ابی الدنیا اپنی اس سند سے بیان کرتے ہیں، عبداللہ بن عمر الجشمی، جعفر بن سلیمان، فرقد سبخی، قتادہ، سعید بن المسیب، عاصم بن عمرو البجلی، وہ حضرت ابوامامہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَبِيتُ قَوْمٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى طَعْمٍ، وَشُرْبٍ وَلَهْوٍ، فَيُصْبِحُوْنَ وَقَدْ مُسِخُوْا قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ، وَلَيُصِيْبَنَّهُمْ خَسْفٌ وَقَذْفٌ حَتّٰى يُصْبِحَ النَّاسُ فَيَقُوْلُوْنَ: خُسِفَ اللَّيْلَةَ بِدَارِ فُلَانٍ، خُسِفَ اللَّيْلَةَ بِبَنِيْ فُلَانٍ، وَلَيُرْسَلَنَّ عَلَيْهِمْ حِجَارَةٌ مِنَ السَّمَاءِ، كَمَا أُرْسِلَتْ عَلٰى قَوْمِ لُوْطٍ عَلٰى قَبَائِلَ فِيْهَا، وَعَلٰى دُوْرٍ فِيْهَا، وَلَيُرْسَلَنَّ عَلَيْهِمُ الرِّيْحُ الْعَقِيْمُ الَّتِيْ أَهْلَكَتْ عَادًا، بِشُرْبِهِمُ الْخَمْرَ، وَأَكْلِهِمُ الرِّبَا، وَاتِّخَاذِهِمِ الْقَيْنَاتِ، وَقَطِيْعَتِهِمُ الرَّحِمَ»[2]

''اس امت کے کچھ لوگ کھانے، پینے اور لہو پر رات گزاریں گے، وہ صبح کریں گے کہ وہ بندر اور خنازیر بن چکے ہوں گے۔ ان کو خسف اور قذف پہنچے گا۔ حتیٰ کہ لوگ صبح کریں گے۔ کہیں گے فلاں محلہ کے لوگوں میں آج رات خسف ہوا۔ فلاں قوم کے لوگوں میں آج رات خسف ہوا۔ ان پر ضرور آسمان سے پتھر بھیجے جائیں گے جس طرح قوم لوط پر بھیجے گئے۔ ان کے قبائل پر بھیجے گئے۔ ان کے محلوں میں بھیجے گئے۔ ان پر بانجھ/سخت آندھی ضرور چھوڑی جائے گی جس نے قوم عاد کو ہلاک کیا تھا۔ ان کے شراب پینے کی وجہ سے، ان کے سود کھانے، گانے والیاں رکھنے اور ان کی قطع رحمی کی وجہ سے یہ ہوگا۔''

مسند احمد میں ہے۔ عبیداللہ بن زحر، علی بن یزید، عن القاسم، حضرت ابوامامہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِيْ رَحْمَةً وَهُدًى لِلْعَالَمِيْنَ، وَأَمَرَنِيْ أَنْ أَمْحَقَ الْمَزَامِيْرَ وَالْكِبَارَاتِ۔[3] يَعْنِي الْبَرَابِطَ۔ وَالْمَعَازِفَ وَالْأَوْثَانَ، الَّتِيْ كَانَتْ تُعْبَدُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ»[4]

''بے شک اللہ نے مجھے جہانوں کے لیے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں مزامیر، کبارات یعنی بربطوں، آلاتِ موسیقی اور ان وثنوں کو مٹادوں جن کی جاہلیت میں عبادت کی جاتی تھی۔''

بخاری کہتے ہیں کہ عبیداللہ بن زحر ثقہ ہیں۔ علی بن یزید ضعیف ہیں۔ اور قاسم بن عبدالرحمن ابوعبیدالرحمن ثقہ ہیں۔

---

[1] یہ فرقد بن یعقوب سبخی ہیں۔ ابویعقوب الزاہد البصری حضرت انس بن مالک اور سعید بن جبیر سے بیان کرتے ہیں۔ ان سے حماد بن زید اور حماد بن سلمہ نے روایت لی ہے ان کے متعلق یحییٰ القطان وغیرہ نے کلام کیا ہے۔ احمد کہتے ہیں: صالح آدمی ہیں۔ عثمان بن سعید الدارمی ابن معین سے بیان کرتے ہیں کہ ثقہ ہیں۔ اور ذہبی کہتے ہیں۔ فرقد سبخی کے متعلق ابوحاتم نے کہا: قوی نہیں۔ ابن معین نے کہا: ثقہ ہیں۔ بخاری نے کہا: ان کی احادیث میں مناکیر ہیں۔ نسائی نے کہا ثقہ نہیں۔ دارقطنی نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے۔ دیکھیے: میزان الاعتدال، ج: ۳، ص: ۳۴۵، حدیث: ۶۶۱۹۔ (عفیفی)

[2] دیکھیے: مسند امام احمد، ج: ۵ ص ۲۵۹۔

[3] القاموس میں ہے الکبر حرکات کے ساتھ۔ جس طرح جمل ہے۔ یہ ایک قسم کا درخت ہے عام لوگ تفاح کی طرح کبار کہتے ہیں یعنی طبلہ۔ اس کی جمع جمال کی طرح کبار اور اکبار ہے۔ الفقی

[4] مسند امام احمد، ج: ۵، ص: ۲۵۷؛ مسند حمیدی، ج: ۲، ص: ۲۰۵۔

ترمذی اور احمد میں بعینہ اسی سند سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَبِيْعُوا الْقَيْنَاتِ، وَلَا تَشْتَرُوْهُنَّ، وَلَا تُعَلِّمُوْهُنَّ، وَلَا خَيْرَ فِيْ تِجَارَةٍ فِيْهِنَّ، وَثَمَنُهُنَّ حَرَامٌ وَفِيْ مِثْلِ هٰذَا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ»[1]

''تم گانے والیاں نہ بیچو اور نہ تم ان کو خریدو۔ نہ ان کو سکھاؤ۔ نہ ان کی تجارت میں خیر ہے۔ ان کی قیمت حرام ہے۔ اور اسی متعلق یہ آیت اتری ہے۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ﴾ (القمان:٦)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث

ابن ابی الدنیا اپنی اس سند سے بیان کرتے ہیں، الحسن بن محبوب، ابوالنضر ، ہاشم بن القاسم، ابومعشر عن محمد بن المنکدر، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَقَذْفٌ، قَالَتْ عَائِشَةُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟ فَقَالَ: إِذَا ظَهَرَتِ الْقَيْنَاتُ، وَظَهَرَ الزِّنٰى، وَشُرِبَتِ الْخَمْرُ، وَلُبِسَ الْحَرِيْرُ، كَانَ ذَا عِنْدَ ذَا»[2]

''میری امت میں خسف، مسخ اور قذف ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ اے اللہ کے پیغمبر! جبکہ وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہونگے؟ فرمایا ہاں، جب گانے والیاں ظاہر ہوں گی، زنا ظاہر ہوگا، شراب پی جائے گی اور ریشم پہنا جائے گا۔ یہ اس وقت ہوگا۔''

ابن ابی الدنیا ہی اس سند سے بیان کرتے ہیں محمد بن ناصح، بقیۃ بن[3] الولید، یزید بن عبداللہ الجہنی، ابوالعلاء، حضرت انس بن مالک سے بیان کرتے ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، ان کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ اس آدمی نے کہا: اے ام المومنین! ہمیں زلزلہ کے متعلق بتائیے؟ فرمایا: جب لوگ زنا کو جائز سمجھ لیں گے، شراب پئیں گے اور آلاتِ موسیقی بجائیں گے اللہ آسمان میں جوش میں آئیں گے۔ فرمائیں گے ان پر زلزلہ لا۔ اگر توبہ کریں اور ڈر جائیں تو درست ورنہ میں اسے ان پر گرادوں گا۔ کہتے ہیں: میں نے کہا: اے ام المؤمنین! کیا ان کے لیے عذاب ہے؟ فرمایا نہیں۔ بلکہ مومنوں کے لیے نصیحت رحمت اور برکت، جبکہ کافروں کے لیے عبرت، عذاب اور ناراضگی۔[4] حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے بعد میں اس سے بڑھ کر کسی حدیث پر زیادہ خوش نہیں ہوا۔

---

① جامع الترمذی، ج:٣، ص: ٥٧٩ حدیث: ١٢٨٢۔

② جامع اللّٰہ الترمذی، ج: ٣، ص: ٥٧٩، حدیث: ١٢٨٢۔

③ بقیہ بن الولید مدلس راوی ہے۔ مترجم

④ دیکھیے: لسان المیزان، ج٦، ص: ٢٩٠۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث

ابن ابی الدنیا ہی اس سند سے کہتے ہیں کہ ربیع بن تغلب، فرج بن فضالۃ، یحییٰ بن سعید، محمد بن علی، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا عَمِلَتْ أُمَّتِيْ خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلًا، وَالْأَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ، وَبَرَّ صَدِيْقَهُ وَجَفَا أَبَاهُ، وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَكَانَ زَعِيْمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ، وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ، وَلُبِسَ الْحَرِيْرُ، وَاتُّخِذَتِ الْقِيَانُ، وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَوَّلَهَا، فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ، وَخَسْفًا وَمَسْخًا»[1]

"جب میری امت پندرہ کام کرے گی۔ ان پر مصیبت اترے گی، کہا گیا: اے اللہ کے پیغمبر! وہ کیا ہیں؟ فرمایا۔ جب غنیمت کو دولت سمجھا جائے گا، جب امانت کو غنیمت جانا جائے گا، زکوٰۃ کو چٹی سمجھا جائے گا، مرد اپنی بیوی کی فرمانبرداری کرے گا، اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا، اپنے دوست سے اچھا سلوک کرے گا، اپنے باپ سے برا سلوک کرے گا، مساجد میں آوازیں بلند ہوں گی، قوم کا سرداران میں سے ذلیل ترین آدمی ہوگا، آدمی کی عزت اس کے شر کے ڈر سے کی جائے گی، شرابیں پی جائیں گی، ریشم پہنا جائے گا، گانے والیاں رکھی جائیں گی اور اس امت کے پچھلے لوگ پہلوں پر لعنت کریں گے، تو ان کو اس وقت سرخ آندھی، خسف اور مسخ کا انتظار کرنا چاہیے۔"

دوسری سند یوں ہے۔ عبدالجبار بن عاصم، ابوطالب، اسماعیل بن عیاش عبدالرحمن التیمی، عباد بن ابی علی، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تُمْسَخُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ قِرَدَةً، وَطَائِفَةٌ خَنَازِيْرَ، وَيُخْسَفُ بِطَائِفَةٍ، وَيُرْسَلُ عَلٰى طَائِفَةٍ الرِّيْحُ الْعَقِيْمُ، بِأَنَّهُمْ شَرِبُوا الْخَمْرَ، وَلَبِسُوا الْحَرِيْرَ، وَاتَّخَذُوا الْقِيَانَ، وَضَرَبُوْا بِالدُّفُوْفِ»

"میری امت کے ایک گروہ کو مسخ کر کے بندر بنایا جائے گا، ایک گروہ کو خنزیر، ایک گروہ کو دھنسایا جائے گا، ایک گروہ پر سخت / بانجھ آندھی چھوڑی جائے گی، کیونکہ انہوں نے شراب پی۔ ریشم پہنا، گانے، والیوں کو رکھا اور دفیں بجائیں۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث

ابن ابی الدنیا اپنی اس سند سے کہتے ہیں ابو عمرو ہارون بن عمر القرشی خصیب بن کثیر، ابوبکر الھذلی، عن قتادہ حضرت انس رضی اللہ عنہ

[1] جامع ترمذی، ج: ٤، ص: ٤٩٤، حدیث: ٢٢١٠۔

سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيَكُوْنَنَّ فِيْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ خَسْفٌ وَقَذْفٌ وَمَسْخٌ وَذَاكَ إِذَا شَرِبُوْا الْخُمُوْرَ، وَاتَّخَذُوا الْقَيْنَاتِ، وَضَرَبُوْا بِالْمَعَازِفِ»

''ضرور میری اس امت میں خسف، قذف اور مسخ ہوگا۔ اور یہ اس وقت جب وہ شرابیں پئیں گے۔ گانے والیاں رکھیں گے اور آلاتِ موسیقی بجائیں گے۔''

دوسری سند یوں ہے۔ ابواسحاق الازدی، اسماعیل بن ابی اویس، عبدالرحمن بن زید بن اسلم حضرت انس کے ایک بیٹے سے اور دیگر سے بھی۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيَبِيْتَنَّ رِجَالٌ عَلٰى أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَعَزْفٍ، فَيُصْبِحُوْنَ عَلٰى أَرَائِكِهِمْ مَمْسُوْخِيْنَ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ»

''ضرور کچھ لوگ کھانے، پینے اور گانے پر رات گزاریں گے، وہ صبح کریں گے اپنے تکیوں پر مسخ ہو کر بندر اور خنزیر بنے ہوں گے۔''

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن سابط کی حدیث

ابن ابی الدنیا اس سند سے کہتے ہیں، اسحاق بن اسماعیل، جریر، ابان بن تغلب، عمرو بن مرہ حضرت عبدالرحمن بن سابط سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَكُوْنُ فِيْ أُمَّتِيْ خَسْفٌ وَقَذْفٌ وَمَسْخٌ، قَالُوْا: فَمَتٰى ذَاكَ، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: إِذَا أَظْهَرُوا الْمَعَازِفَ، وَاسْتَحَلُّوا الْخُمُوْرَ»

''میری امت میں خسف، قذف اور مسخ ہوگا، انہوں نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! یہ کب ہوگا؟ فرمایا جب وہ باجوں کو ظاہر کریں گے۔ اور شرابوں کو حلال بنائیں گے۔''

حضرت الغازی رضی اللہ عنہ بن ربیعہ کی حدیث

ابن ابی الدنیا اپنی اس سند سے کہتے ہیں: عبدالجبار بن عاصم، اسماعیل بن عیاش، عبیداللہ بن عبید، ابوالعباس الہمدانی، عمارۃ بن راشد حضرت الغازی رضی اللہ عنہ بن ربیعۃ سے، وہ بیان کرتے ہیں انہوں نے اس حدیث کو مرفوع بیان [1] کیا ہے۔

«لَيُمْسَخَنَّ قَوْمٌ وَهُمْ عَلٰى أَرِيْكَتِهِمْ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ، بِشُرْبِهِمُ الْخَمْرَ، وَضَرْبِهِمْ بِالْبَرَابِطِ وَالْقِيَانِ»

''ضرور کچھ لوگ بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ ہونگے جو اپنے تکیوں پر ہوں گے۔ شراب پینے کی وجہ سے اور بربطوں اور گانوں کی وجہ سے۔''

---

[1] اصولِ حدیث میں مرفوع اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند نبی اکرم ﷺ تک پہنچائی جائے۔ (مترجم)

دوسری سند سے ابن ابی الدنیا کہتے ہیں عبدالجبار بن عاصم، المغیرة بن المغیرة حضرت صالح بن خالد نے اس کو نبی ﷺ سے مرفوع بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَيَسْتَحِلَّنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِيْ اَلْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ، وَلَيَاتِيَنَّ اللّٰهُ عَلٰى أَهْلِ حَاضِرٍ مِنْهُمْ عَظِيْمٍ بِجَبَلٍ حَتّٰى يَنْبُذَهُ عَلَيْهِمْ وَيُمْسَخُ آخَرُوْنَ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ»

''ضرور میری امت کے کچھ لوگ ریشم، شراب اور باجوں کو حلال بنالیں گے، ضرور اللہ ان میں سے ایک بڑے قبیلے والوں پر ایک پہاڑ لائیں گے، حتی کہ اسے ان پر گرائیں گے جبکہ دوسرے لوگ بندروں اور خنازیر میں مسخ کردیئے جائیں گے۔''

تیسری سند سے ابن ابی الدنیا کہتے ہیں یزید بن ہارون نے کہا، اَشرس ابوشیبان الھذی کہتے ہیں۔ میں نے فرقد سبخی سے کہا: اے ابویعقوب! مجھے ان عجائبات میں سے کچھ بتایئے جو آپ نے تورات میں پڑھے ہیں؟ فرمایا اے ابوشیبان قسم باللہ! میں اپنے رب پر جھوٹ نہیں کہتا۔ دو یا تین مرتبہ فرمایا۔ میں نے تورات میں پڑھا ہے، امت محمد ﷺ کے اہل قبلہ میں ضرور مسخ، خسف اور قذف ہوگا۔ کہتے ہیں میں نے کہا: اے ابویعقوب ان کے اعمال کیا ہوں گے؟ فرمایا: ان کے گانے والیاں رکھنے کی وجہ سے، دفیں بجانے کی وجہ سے اور ریشم اور سونا پہننے کی وجہ سے، اور اگر تو باقی رہے حتی کہ تو تین اعمال دیکھے گا۔ تو تو یقین کر اور تیاری کر اور بچاؤ اختیار کر۔ کہتے ہیں میں نے کہا وہ کیا ہیں؟ فرمایا: جب مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے کفایت کریں گے۔[1] اور عرب کے لوگ عجم کر برتنوں میں رغبت کریں گے، تو یہ اس وقت ہوگا، میں نے ان سے کہا: عرب کے لوگ خاص ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ اہل قبلہ پھر فرمایا: اللہ کی قسم! ان میں سے کچھ لوگوں پر ضرور آسمان سے پتھر پھینکے جائیں گے جن سے وہ اپنے راستوں اور قبائل میں مارے جائیں گے، جس طرح قوم لوط کے ساتھ کیا گیا۔ دوسرے ضرور بندر اور خنازیر کی شکلوں میں مسخ کیے جائیں گے جس طرح بنی اسرائیل کے ساتھ کیا گیا اور کچھ دھنسائے جائیں گے جس طرح قارون کو دھنسایا گیا۔

اس امت میں مسخ کے وقوع کی بہت سی روایات آئی ہیں۔ اکثر احادیث گانے والوں اور شرابوں کے پینے والوں کے ساتھ مقید ہیں جبکہ بعض مطلق ہیں۔

حضرت سالم بن اَبی الجعد کہتے ہیں: لوگوں پر ضرور ایک زمانہ آئے گا وہ ایک آدمی کے دروازے پر اکٹھے ہوں گے وہ اس کے نکلنے کا انتظار کریں گے کہ وہ اس سے اپنی حاجت طلب کریں۔ وہ باہر آئے گا وہ بندر یا خنزیر کی شکل میں مسخ ہو چکا ہوگا۔ ایک آدمی دوسرے آدمی پر اس کی دوکان پر سودا بیچتے ہوئے گزرے گا، دوبارہ آئے گا، تو وہ بندر یا خنزیر میں مسخ ہو چکا ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ دو آدمی کسی کام کے کرنے کے لیے چلتے جائیں گے۔ ان میں

---

[1] مطلب یہ ہے کہ مرد لواطت کی وجہ سے پاک عورتوں کے ساتھ شادی سے بے پرواہ ہو جائیں گے، اسی طرح عورتیں ایک دوسری کے ساتھ ہم جنس پرستی کر کے مردوں سے بے پرواہ ہوں گی۔ یہ دونوں کام فساد ہیں بدترین فساد۔ فطرتِ سلیمہ کے الٹ ہے بدترین الٹ۔ انسانی طبیعت اور فطرت کے بالکل خلاف ہے۔ مزید یہ کہ یہ تمام آسمانی ادیان اور شریعتوں کے بھی خلاف ہے۔ (الفقی)

سے ایک کو مسخ کر کے بندر یا خنزیر بنا دیا جائے گا۔ اس کے ساتھی نے اس سے جو دیکھا یہ بات اسے اپنا کام کرنے سے نہ روکے گی حتی کہ وہ اپنی خواہش پوری کرے گا۔ دو آدمی کسی کام کے لیے اکٹھے چلتے جائیں گے ان میں سے ایک کو دھنسا دیا جائے گا، ان میں سے جو بچا وہ اس کو دیکھ کر بھی نہ رکے گا کہ وہ اپنے کام پر جائے حتی کہ وہ اپنی خواہش پوری کرے گا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن الغنم کہتے ہیں: عنقریب دو قبیلے پڑوسی ہوں گے۔ تو ان دونوں کے مابین ایک نہر علیحدگی پیدا کرے گی۔ وہ دونوں اس سے پانی نوش کریں گے ان دونوں کی اصل ایک ہوگی۔ وہ ایک دوسرے سے چیز حاصل کرتے ہوں گے۔ وہ کسی دن صبح کریں گے کہ ان میں سے ایک کو دھنسا دیا جائے گا جبکہ دوسرا زندہ ہوگا۔ عبدالرحمن بن غنم ہی کہتے ہیں: قریب ہے کہ دو آدمی ایک چکی پر بیٹھے دانے پیس رہے ہوں گے۔ ان میں سے ایک مسخ ہو جائے گا جبکہ دوسرا دیکھتا ہوگا۔

مالک بن دینار کہتے ہیں۔ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ ایک آندھی اور اندھیرا ہوگا، لوگ گھبرا کر اپنے علماء کے پاس جائیں گے تو وہ ان کو مسخ شدہ پائیں گے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں: جب دل برائی سے مل کر فریب اور فسق سے متصف ہو جائے اس رنگ میں پورا رنگا جائے، تو ایسا آدمی اس جانور کی طرح ہو جاتا ہے جس میں یہ صفت ہو مثلاً بندر خنزیر وغیرہ۔ پھر یہ صفت اس میں بڑھتی جاتی ہے حتی کہ اس کے چہرے کی سطح پر ہلکی سی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ پھر بڑھتی اور مضبوط ہوتی ہے حتی کہ چہرے پر واضح ہو جاتی ہے۔ پھر اور قوی ہوتی ہے حتی کہ ظاہر صورت بدل جاتی ہے جس طرح اُس کے باطن کی ہیئت بدلی ہوتی ہے۔

جس شخص کی ذہانت کامل ہو، وہ لوگوں کی شکلوں پر مسخ ہو کر ان جانوروں کی صورتیں دیکھتا ہے۔ جن کی عادات کو انہوں نے باطن میں اپنایا ہوتا ہے۔ تم کم ہی کسی شخص کو دیکھو گے جو حیلہ والا مکار، دھوکہ باز اور چالاک ہو مگر اس کے چہرے پر بندر کی سی شباہت ہوگی، کم ہی تم کسی رافضی کو دیکھو گے مگر اس کے چہرے پر خنزیر کی سی شباہت ہوگی۔ تم کم ہی کسی پیٹو اور لالچی کو دیکھو گے مگر اس میں کتے کی سی خود غرضی ہوگی اور اس کے چہرے پر کتے کی سی شباہت ہوگی۔

ظاہر کا باطن سے رابطہ ہوتا ہے مضبوط رابطہ۔ جب مذموم صفات کسی دل پر قوی ہوں تو ظاہر شکل اور چہرے پر بھی رنگ جماتی ہیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے نماز میں امام سے آگے بڑھنے والے کو خوف دلایا ہے کہ اللہ اس کی صورت کو گدھے کی صورت میں بدل دے۔ [1] کیونکہ اس کی باطن میں گدھے سے مشابہت ہے۔ امام سے آگے بڑھ کر اس کو اپنی نماز میں کوئی فائدہ نہیں ملا۔ بلکہ اس کی نماز فاسد ہوئی اور اس کا اجر باطل ہوا۔ اس نے اپنے دل کو سلامتی نہیں دی۔ وہ تو کند ذہن اور ناسمجھ ہونے میں گدھے کے مشابہ ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا۔ تو مسخ کے لائق لوگوں میں سے یہی لوگ ہیں جن کا ان احادیث میں ذکر آیا ہے۔ یہ لوگوں میں سب سے پہلے مسخ ہو کر بندر اور خنزیر بنیں گے۔ کیونکہ ان کی باطن میں ان سے مشابہت ہے۔ پناہ باللہ، رب تعالیٰ کی سزائیں اس کی حکمت اور عدل کے موافق جاری ہونے والی ہیں۔

ہم نے گانے والوں اور شیطانی سماع کے فتنہ میں مبتلا لوگوں کے شبہات کو ذکر کیا ہے، ان کا توڑ اور ابطال ہم نے اپنی سماع

---

[1] صحیح بخاری، ج: ۱، ص: ۱۷۰؛ صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ۳۲۱، حدیث: ۱۱۴۔

کے متعلق بڑی کتاب میں کیا ہے۔ ہم نے فرق ذکر کیا ہے کہ شعروں کا سننا کیا تحریک دیتا ہے اور آیات کا سننا کیا تحریک دیتا ہے۔ ہم نے وہ شبہات بھی ذکر کئے ہیں جو اکثر لوگ اس حوالہ سے پیش کرتے ہیں حتی کہ انہوں نے اس کو ایک نیکی سمجھ لیا ہے۔ جو شخص اس پر تفصیلاً مطلع ہونا چاہے تو اس کتاب میں بہت تفصیل ہے۔ ہم نے یہاں پر تو تھوڑا سا اشارہ اس حوالے سے کیا ہے۔ کہ یہ شیطانوں کی چالوں میں سے ایک چال ہے۔ وباللہ التوفیق

فصل: حلالہ کا رد احادیث سے

جن فریبوں کے ذریعے سے شیطان نے اپنے مقصد کو پایا ہے۔ ایک میں سے ایک فریب حلالہ کا بھی ہے۔ جس کے فاعل پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے۔ اس کو کرائے کے سانڈ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ وہ بدکاری اور عار ہے۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں پر کفار نے عیب لگایا ہے۔ اس کی وجہ سے اتنی برائی آئی ہے جس کو رب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کے لیے کرائے پر سانڈ رکھے گئے، اس کی وجہ سے غیرت مندوں پر زمین تنگ ہوگئی۔ وہ حلالہ سے زنا سے بڑھ کر نفرت کرنے لگے۔ کہنے لگے اگر یہ نکاح صحیح ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کے کرنے والے پر لعنت نہ کرتے کہ یہ شرعی نکاح ہوگا۔ نکاح تو ایک سنت ہے سنت کا فاعل نیکی کرتا ہے ملعون نہیں ہوتا۔ حلالہ کرنے والے پر لعنت کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ اس کو کرائے کے سانڈ کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام کرائے کا سانڈ رکھا ہے۔ جبکہ سلف نے اس کا نام جہنم کی میخ رکیل رکھا ہے۔ اگر تم دیکھ سکو پاک دامن عورتوں کو جب وہ حلالہ کرنے والوں کے اڈوں پر چھچھوری ہو کر جاتی ہیں۔ عورت سانڈ کو اس طرح دیکھتی ہے، جس طرح بکری قصاب کی چھری کو دیکھتی ہے، وہ کہہ رہی ہوتی ہے ہائے کاش میں اس سے پہلے قبرستان میں دفن ہو چکی ہوتی۔ جب وہ دونوں اس عمل پر جمع ہوتے ہیں جو (اللہ کی) ناراضگی اور لعنت لے کر آتا ہے۔ وہ اس کے پیچھے لگتا ہے اور وقتی طور پر اس کو چاہتا ہے۔ نہ یہ شب زفاف ہے اور نہ اس میں اعلان نکاح ہے، بلکہ چھپ چھپا کر، نہ کوئی جہیز دیا جاتا ہے۔ نہ کوئی بستر خاوند کے گھر بھیجا جاتا ہے۔ نہ کوئی سہیلیاں اس کو رخصت کرتی ہیں۔ نہ تیار کرنے والیاں اس کو آراستہ کرتی ہیں۔ حق مہر نہ معجل ہوتا ہے اور نہ مؤجل، نہ کسی خرچے اور لباس کا معاملہ طے ہوتا ہے۔ نہ ولیمہ اور نہ کھانا ہوتا ہے، نہ دف نہ اعلان نکاح اور نہ کوئی اور شادی کی علامت ہوتی ہے۔ خاوند تو حق مہر خرچ کرتا ہے، جبکہ یہ سانڈ اجرت لے کر بدکاری کرتا ہے۔

جب وہ خلوت میں جاتا ہے۔ پردہ گراتا ہے طلاق دینے والا اور عورت کا ولی دونوں دروازے پر کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ اس کو اپنے حرام ناپاک کام کے ذریعہ سے پاک کرتا ہے۔ اللہ اور اس کے پیغمبر علیہ السلام کی لعنت کے ساتھ اس کو صاف کرتا ہے۔ حتی کہ جب وہ دونوں حلالہ کی رات گزارتے ہیں۔ ان کے درمیان وہ مودت اور رحمت پیدا نہیں ہوتی جس کا اللہ نے قرآن میں ذکر کیا ہے۔ یہ صریح لعنت سے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ صرف جائز اور صحیح نکاح سے حاصل ہوتی ہے۔

اگر اس نے اپنی بدکاری کی اجرت پیشگی اور ایڈوانس لے لی ہے تو درست ورنہ وہ اس عورت کو روک لیتا ہے حتی کہ وہ اس کی اجرت طویل دیتی ہے۔ کیا تم نے کوئی خاوند سنا ہے جو پہلے نہ لے حتی کہ شرط اور اتفاق کے بعد لے۔ جب وہ اس کو پاک وصاف کر دیتا ہے اور بزعم خود اس کو حرام سے چھڑا اور بچا دیتا ہے۔ اس کو کہتا ہے: جو ہمارے درمیان ہوا اس کا اعتراف کر لے کہ تجھ پر طلاق

واقع ہو جائے اس کے بعد تم دونوں میں اکٹھ اور اتفاق ہو جائے گا۔ یہ میک اپ میں لتھڑی ہوئی گواہوں کے پاس آتی ہے۔ وہ اس سے سوال کرتے ہیں کیا یہ ہوا؟ اس کے لیے اس سے انکار ممکن نہیں ہوتا۔ وہ اس عورت سے یا طلاق دینے والے سے اجرت پکڑ لیتے ہیں، ان دونوں کو اس گندے کام میں بوجھل بناتے ہیں۔

یہ اور اس طرح کے کئی کرائے کے سانڈ ماں اور بیٹی کو دو عقدوں میں حلال کرتے ہیں، اپنی بدکاری چار سے زائد عورتوں سے بھی کرتے ہیں اور اکٹھی دو بہنوں سے بھی۔ اگر اس کی یہی عادت اور بدعات ہیں تو وہ سانڈ اس بات کا حق دار ہے، جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے فرماتے ہیں:

«لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ» [1]

''رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے پر لعنت فرمائی ہے۔''

حاکم نے اسے کو صحیح (مستدرک) میں اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ نیز وہ کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ یہ اہل علم کا قول بھی ہے جن میں حضرت عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ اور یہ تابعین میں سے فقہا کا قول ہے۔

مسند امام احمد اور سنن نسائی میں بھی اس کو بسند صحیح روایت کیا گیا ہے۔ ان دونوں کے الفاظ ہیں:

«لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ اَلْوَاشِمَةَ وَالْمُؤْتَشِمَةَ، وَالْوَاصِلَةَ وَالْمَوْصُوْلَةَ، وَالْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ، وَآكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهُ» [2]

''رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے گودنے والی اور گودوانے والی پر۔ بال جوڑنے والی اور جڑوانے والی پر اور حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے پر، اور سود کھانے والے اور اُس کے کھلانے والے پر۔''

مسند امام احمد اور نسائی میں ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ''اور اس کو لکھنے والا جب ان کو یہ معلوم ہو۔''

«آكِلُ الرِّبَا وَمُوْكِلُهُ وَشَاهِدُهُ وَكَاتِبُهُ، إِذَا عَلِمُوْا بِهِ، وَالْوَاصِلَةُ وَالْمُسْتَوْصِلَةُ، وَلَاوِيُ الصَّدَقَةِ، وَالْمُتَعَدِيْ فِيْهَا، وَالْمُرْتَدُّ عَلٰى عَقِبَيْهِ أَعْرَابِيًّا بَعْدَ هِجْرَتِهِ، وَالْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ: مَلْعُوْنُوْنَ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ۔ ﷺ۔ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''سود کھانے والا اور کھلانے والا، گواہی دینے والا اور اس کو لکھنے والا، جب ان کو یہ معلوم ہو گودنے والی، اور گدوانے والی صدقہ موڑنے والا۔ اس میں زیادتی کرنے والا۔ ہجرت کے بعد اپنی ایڑیوں پر پھر جانے والا۔ حلالہ کرنے والا اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔ حضرت محمد ﷺ کی زبان سے روزِ قیامت معلون ہیں۔''

حضرت علی بن اَبوطالب سے مروی ہے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ:

«أَنَّهُ لَعَنَ الْمُحَلِّلِ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ» [3]

---

[1] جامع الترمذی، ج: ۳، ص: ۴۲۸، حدیث: ۱۱۱۹۔

[2] سنن النسائی، ج: ٦، ص: ۱۴۹۔ [3] مسند امام احمد، ج: ۱، ص: ۸۳۔

''آپ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے پر لعنت کی ہے۔''

اسے امام احمد اور سب اصحاب سنن نے سوائے نسائی کے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»①

''اللہ تعالیٰ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے پر لعنت کی ہے''

اس کو امام احمد نے ایسی سند سے روایت کیا ہے جس کے سب رجال ثقات ہیں۔ ان کو ابن معین وغیرہ نے ثقہ کہا ہے۔

ترمذی کتاب العلل میں فرماتے ہیں: میں نے ابوعبیداللہ محمد بن اسماعیل بخاری سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا؟ فرمایا یہ حدیث حسن ہے۔ عبداللہ بن جعفر المخز ومی صدوق اور ثقہ ہے۔ عثمان بن محمد الاخنسی بھی ثقہ ہے۔ ابوعبداللہ ابن ماجہ اپنی سنن میں اس سند سے بیان کرتے ہیں محمد بن بشار، ابو عامر، زمعۃ بن صالح، سلمۃ بن دھران، عکرمۃ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

«لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے پر لعنت کی ہے۔''

حضرت ابن عباس سے ہی مروی ہے، فرماتے ہیں:

«سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ عَنِ الْمُحَلِّلِ؟ فَقَالَ: لَا، إِلَّا نِكَاحَ رَغْبَةٍ، لَا نِكَاحَ دِلْسَةٍ وَلَا اسْتِهْزَاءِ بِكِتَابِ اللّٰهِ، ثُمَّ تَذُوْقُ الْعُسَيْلَةَ»

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلالہ کرنے والے کے متعلق سوال کیا گیا؟ فرمایا نہیں! ماسوائے اس کے کہ نکاح رغبت ہو، دھوکے کا نکاح نہ ہو۔ نہ کتاب اللہ کے ساتھ کھیلنا ہو۔ پھر تم شرم گاہ کو (جائز) حاصل کرو گے۔''

اس کو ابواسحاق الجوزجانی نے کتاب المترجم میں روایت کیا ہے، ان کی سند یہ ہے ابراہیم بن اسماعیل بن ابی حبیبہ، داؤد بن حصین عن عکرمہ یہ سب ثقات ہیں۔ سوائے ابراہیم کے۔ اکثر حفاظ اس کو ضعیف کہتے ہیں۔ شافعی کی ان کے متعلق اچھی رائے ہے وہ ان کی حدیث سے حجت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالتَّيْسِ الْمُسْتَعَارِ؟ قَالُوْا: بَلٰى، يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: هُوَ الْمُحَلِّلُ لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»②

''کیا میں تم کو کرائے کے سانڈ کی خبر نہ دوں؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے پیغمبر! فرمایا وہ حلالہ کرنے والا ہے

---

① مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۳۲۲۔

② سنن ابن ماجه، ج: ۱، ص: ۶۲۳، حدیث: ۱۹۵۳۔

اللہ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے پر لعنت کی ہے۔''

اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اس کی سند میں سب رواۃ ثقہ ہیں۔ان میں سے کسی پر بھی جرح نہیں کی گئی۔

حضرت عمرو بن دینار سے مروی ہے جو کہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔اہل قریہ میں سے ایک شخص آیا جس کا علم نہ اس مرد کو تھا نہ عورت کو۔اس نے اپنا کچھ مال (بطور مہر) نکالا اس عورت سے شادی کر لی تا کہ اسے اس مرد کے لیے حلال کرے؟ فرمایا: درست نہیں۔پھر ذکر کیا کہ نبی ﷺ سے اسی طرح کا سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَقَالَ لَا، حَتّٰى يَنْكِحَ مُرْتَغِبًا لِنَفْسِهٖ، فَإِذَا فَعَلَ ذٰلِكَ لَمْ يَحِلَّ لَهٗ حَتّٰى يَذُوْقَ الْعُسَيْلَةَ»

''درست نہیں حتی کہ وہ عورت سے شادی کرے اپنے دل کی اس میں رغبت کے ساتھ۔اگر اس نے یہ کیا اس کے لیے حلال نہیں حتی کہ وہ جماع کرلے۔''

اسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں باسناد جید روایت کیا ہے۔

یہ مرسل ہے۔جس نے اس کو مرسل کیا ہے اس نے اس سے حجت پکڑی ہے۔اس کے ہاں یہ ثبوت کی دلیل ہے۔اس پر اصحاب رسول ﷺ نے بھی عمل کیا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔یہ دیگر موصول احادیث کے موافق بھی ہے۔اس طرح کی بات ائمہ کے اتفاق کی رو سے حجت ہے۔اور یہ اس سے قبل والی نیت والے حلالہ کے متعلق نص ہے۔

اسی طرح نافع کی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے ان سے کہا: ایک عورت سے میں نے شادی کی ہے۔میں اس کو اس کے خاوند کے لیے حلال کر رہا ہوں۔اس شخص نے مجھے حکم دیا ہے اور نہ اسے معلوم ہے؟ فرمایا درست نہیں۔الا یہ کہ نکاح رغبت ہو۔اگر تجھ کو وہ اچھی لگے اس کو روک لے۔اور اگر نہ اچھی لگے اس کو الگ کر دو، اس فعل کو تو ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں زنا شمار کرتے تھے۔اس واقعہ کو شیخ الاسلام نے ابطال التحلیل میں ذکر کیا ہے۔[1]

فصل: حلالہ کا رد آثار صحابہ سے

رہے صحابہ کرام کے آثار تو ابن ابی شیبہ کی کتاب المصنف، سنن الاثرم اور ابن المنذر کی الاوسط میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا میرے پاس جو بھی شخص حلال کرنے والا اور جس کے لیے حلالہ کیا جاتا ہے لایا گیا تو میں اُن دونوں کو ضرور رجم کر دوں گا۔

ابن المنذر اور عبدالرزاق کے لفظ ہیں میرے پاس جو بھی حلالہ کرنے والا اور حلالہ کروانے والی لائے گئے میں ان دونوں کو رجم کر دوں گا۔

---

[1] اقامة الدليل على ابطال التحليل، شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ کی کتاب ہے اس سے پہلے اور بعد اس جیسی کتاب تصنیف نہیں کی گئی۔دین میں حیلہ بازی کے ابطال پر عموماً اور حلالہ کے ابطال پر خصوصاً عقلی و نقلی دلائل وافر آ گئے ہیں متعدد صورتوں سے اصولوں پر تطبیق بھی ہے۔یہ فتاویٰ کی تیسری جلد میں طبع کی گئی ہے۔اور صفحہ ۲۶۴ پر واقع ہے۔(الفقی)

عبدالرزاق کہتے ہیں: عن معمر والزھری، عن عبدالمالک بن المغیرۃ کہتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خاوند کے لیے عورت کو حلال کرنے کے متعلق سوال کیا گیا فرمایا: یہ زنا ہے۔ اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

عبدالرزاق کہتے ہیں اخبرنا الثوری، عن عبداللہ بن شریک العامری کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا۔ ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی چچازاد کو طلاق دی۔ پھر شرمندہ ہوا۔ اور اس میں راغب ہوا اس نے چاہا کہ کوئی آدمی اس سے شادی کر کے اس کے لیے حلال کر دے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ دونوں زنا کار ہیں۔ گو وہ بیس برس تک یا اس طرح کی مدت تک برقرار رہیں جب اللہ جانتا ہے کہ وہ اس کو اس کے لئے حلال کرنا چاہتا ہے۔ پھر اپنی سند سے کہتے ہیں معمر، ثوری، اُعمش، مالک بن الحارث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، ان سے ایک شخص نے سوال کیا، میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں؟ فرمایا: تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی تو اس نے اس کو شرمسار کیا ہے۔ اس نے شیطان کی بات مانی اس نے اس کے لیے نکلنے کی کوئی راہ نہیں رکھی۔ کہا آپ کی اس شخص کے متعلق کیا رائے ہے جو اس کے لیے اس کو حلال کر دے؟ فرمایا جو اللہ کو دھوکہ دیتا ہے۔ اللہ اس کو دھوکہ دیتا ہے۔

سلیمان بن یسار سے مروی ہے فرماتے ہیں، حضرت عثمان کے پاس ایک آدمی لے جایا گیا جس نے ایک عورت سے شادی کی تھی تاکہ وہ اسے اس کے خاوند کے لیے حلال کرے آپ نے ان دونوں کے درمیان علیحدگی کرا دی۔ فرمایا یہ اس کی طرف نہیں لوٹ سکتی الا یہ کہ نکاح رغبت کا ہو جس میں دھوکہ نہ ہو۔ ابن اسحاق الجواز جانی نے اسے کتاب المترجم'' میں روایت کیا ہے۔ ابن المنذر نے انہی سے اسے کتاب الأوسط میں ذکر کیا ہے۔

اُبواسحاق الشیرازی کی المھذب میں اُبومرزوق التجیبی سے مروی ہے کہ ایک آدمی حضرت عثمان کے پاس آیا کہا کہ میرے پڑوسی نے اپنی بیوی کو غصے میں طلاق دے دی ہے۔ وہ بہت پریشان ہوا ہے۔ میں نے چاہا ہے کہ میں اپنی جان و مال سے اس کے لیے نیکی کروں۔ میں اس عورت سے شادی کر لوں۔ اس سے جماع کروں۔ پھر اس کو طلاق دے دوں وہ اپنے پہلے خاوند کی طرف لوٹ جائے گی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو فرمایا: تم اس عورت کے ساتھ صرف رغبت کا نکاح کرو۔''

اُبوبکر الطرطوشی نے اپنی کتاب خلاف میں یزید بن اُبی حبیب سے ذکر کیا ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حلالہ والے کے متعلق فرمایا ''عورت اس کی طرف نہیں لوٹے گا، الا یہ کہ نکاح رغبت ہو جس میں کوئی دھوکہ نہ ہو۔ اور نہ کتاب اللہ کے ساتھ استہزاء ہو۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے ان روایات میں مروی ہے جو نبی ﷺ سے بیان کی گئی ہیں، کہ آپ نے حلالہ کرنے والے پر لعنت کی ہے۔ اس کو انہوں نے حلالہ کرنے میں شامل کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب مصنف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں اللہ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے پر لعنت کی ہے۔'' یہ ان روایات میں سے ہے جو نبی ﷺ سے بیان کی گئی ہیں۔ آپ نے حلالہ والے پر لعنت کی ہے۔ حلالہ کے مقصد کی تفسیر کی ہے۔ کہ عورت کو اس کا علم نہیں؟ پھر اس کی کیا حالت ہوگی جس پر وہ دونوں متفق ہوں وہ خوش ہوں، وہ اس بات پر عقد کر لیں کہ یہ نکاحِ لعنت ہے نکاحِ رغبت نہیں ہے؟

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے پر لعنت کی ہے۔''

جوز جانی نے بسند جید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو کسی عورت سے شادی کرے تا کہ اس کو اس کے خاوند کے لیے حلال کرے؟ فرمایا اللہ نے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے پر لعنت کی ہے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں: یہ آثار حضرت عمر، عثمان، علی ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ یہ اس بات پر بھی نص ہیں جس شخص نے حلالہ کا ارادہ کیا اس کو ظاہر نہیں کیا اور نہ اس پر موافقت کی۔ یہ آثار بتاتے ہیں کہ اس صورت کو بھی حلالہ کہا جائے گا، یہ حلالہ کرنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ملعون ہے۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے مقصود و مراد کو بہتر جانتے تھے، خاص طور پر جب وہ کسی حدیث کو بیان کرتے ہیں اور اس تفسیر اس طرح کرتے جو ظاہر کے موافق ہو۔

یہ قطعی دلائل ہیں۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی نے بھی حلالہ میں کوئی فرق نہیں کیا۔ نہ اس کی کسی قسم میں کوئی رخصت دی ہے۔ حالانکہ جس کو تین طلاقیں دی جائیں اس کی مثال رفاعہ القرظی کی بیوی [1] والی ہے۔ جو لمبی مدت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی رہی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے پاس بھی آتی رہی تا کہ وہ اپنے خاوند کی طرف لوٹ جائے، وہ اس کو اس سے روکتے رہے۔ اگر حلالہ جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس کو یہی بتاتے۔ اس کے لیے حلالہ کرنے والے کی عدم موجودگی مسئلہ نہیں تھا بشرطیکہ حلالہ جائز ہوتا ہے۔

کہتے ہیں کہ اس بات کے دلائل بہت ہی زیادہ ہیں کہ ان احادیث نبویہ کا مقصود حلالہ ہے، گو کہ بوقت عقد شرط لگائی گئی ہو۔ یہ موقع ان سب کو دلائل کے ذکر کا نہیں ہے۔ انتہٰی۔

تابعین سے مروی آثار کا ذکر

عبدالرزاق کہتے ہیں: ہمیں معمر نے قتادہ سے خبر دی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب نکاح کرنے والا یا نکاح کرانے والا۔ یا عورت یا کوئی بھی حلالہ کی نیت کرے تو درست نہیں ہے۔ کہتے ہیں ابن جریج نے ہمیں بتایا کہ میں نے عطاء سے کہا جو جان بوجھ کر حلالہ کرے۔ کیا اس پر کوئی سزا ہے؟ فرمایا: میں نہیں جانتا لیکن میری رائے یہ ہے کہ اسے سزا دی جائے، کہتے ہیں: اگر اس عقد میں زیادہ لوگ شامل ہوں تو وہ سب برے ہیں، گو وہ بڑا حق مہر بھی دیں۔

ہمیں معمر نے قتادہ سے خبر دی ہے وہ کہتے ہیں: اگر حلالہ کرنے والا اس عورت کو طلاق دے تو پہلے خاوند کے لیے اس کے قریب جانا حلال نہ ہوگا کیونکہ اس کا نکاح حلالہ کے طور پر تھا۔

ہمیں ابن جریج نے خبر دی ہے وہ کہتے ہیں میں نے عطاء کو کہا حلالہ کرنے والے نے طلاق دے دی تو خاوند نے رجوع کیا؟ فرمایا ان دونوں میں علیحدگی کرائی جائے گی ہمیں معمر نے اس شخص سے خبر دی ہے جس نے حضرت حسن کو اس مرد کے متعلق فرماتے ہوئے سنا جو کسی عورت کو حلال کرنے کے لیے اس سے شادی کرتا ہے اور اس کو جانتا نہیں؟ فرمایا: اللہ سے ڈرو! اور اللہ کی

حدود میں تم جہنم کی میخ نہ ہو۔

ابن المنذر کہتے ہیں: ابراہیم نخعی نے فرمایا: جب تین افراد پہلا خاوند دوسرا خاوند اور عورت میں کسی سے کی نیت حلالہ کی ہو تو دوسرا نکاح باطل ہے اور وہ پہلے کے لیے حلال نہ ہوگی۔

کہتے ہیں حضرت حسن بصری نے فرمایا: جب تین میں سے ایک کا ارادہ بھی ہو تو یہ نکاح فاسد ہو گیا۔

کہتے ہیں: بکر بن عبداللہ المزنی نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے کے متعلق فرمایا: ''یہی وہ لوگ ہیں جن کا نام جاہلیت کے زمانہ سے کرائے کا سانڈ رکھا جاتا ہے۔''

کہتے ہیں عبداللہ بن ابی نجیح نے حضرت مجاہد سے اللہ کے اس فرمان: ﴿اِنْ ظَنَّآ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ ؕ﴾ (البقرۃ: ۲۳۰) کی تفسیر سے نقل کی ہے۔ فرمایا: اگر وہ دنوں گمان کریں کہ ان کے نکاح میں کوئی دھوکہ نہیں ہے۔ ابن ابی حاتم نے انہی سے اسے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے۔

ہشیم کہتے ہیں، ہمیں سیار نے شعبی سے خبر دی ہے ان سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے ایک عورت سے شادی کی۔ اس کے خاوند نے پہلے اس کو تین طلاقیں دی تھیں۔ کیا وہ اس کو طلاق دے یا کہ وہ اپنے پہلے خاوند کی طرف لوٹ جائے؟ فرمایا: نہیں۔ حتیٰ کہ وہ اپنے دل میں ارادہ کرے کہ وہ عمر بھر اس کے ساتھ رہے گا اور وہ عمر بھر اس کے ساتھ رہے گی، یعنی اس کے پاس ٹھہرے گی۔ اسے جوزجانی نے روایت کیا ہے۔

نفیلی سے اس سند سے مروی ہے۔ یحییٰ بن عبدالملک بن ابی غنیۃ، عبدالملک وہ عطاء سے، اس شخص کے متعلق بیان کرتے ہیں جو عورت کو طلاق دیتا ہے کوئی آدمی اس پر غمگین ہوتا ہے۔ وہ اس شخص کے مشورہ کے بغیر اس عورت سے شادی کر لیتا ہے؟ فرمایا: ''اگر اس نے اس سے اس لیئے شادی کی تھی کہ اسے اس کے لیے حلال کرے تو وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوئی۔ اور اگر اس نے اس کو اپنے پاس رکھنے کے لیے شادی کی تھی تو اس کے لیے حلال ہوگئی۔''

سعید بن المسیب نے اس شخص کے متعلق فرمایا۔ جو کسی عورت سے شادی کرتا ہے تاکہ اسے اس کے پہلے خاوند کے لیے حلال کرے۔ لیکن پہلے خاوند کو اور اس عورت کو اس ارادہ کا علم نہ ہو۔ فرمایا چونکہ اس نے اس سے نکاح حلال کرنے کے لیے کیا تھا۔ اس لئے یہ ان دونوں کے لیے درست نہیں ہے اور نہ یہ اس کے لیے حلال ہوگی اس کو حرب نے اپنے مسائل میں روایت کیا ہے۔

انہی سے مروی ہے کہتے ہیں جو لوگ کہتے ہیں اس سے جماع جب تک نہ کرے، میں کہتا ہوں جب اس سے شادی کی۔ اس کو وہ حلال نہیں کرنا چاہتا تو حرج نہیں کہ اس کے ساتھ پہلا شادی کرے۔ اسے سعید بن منصور نے ان سے روایت کیا ہے یہ چاروں ائمہ تابعین میں سے ہیں یعنی حسن، سعید بن المسیب عطاء بن ابی اور ابراہیم نخعی۔

اُبوالشعثاء جابر بن زید اس شخص کے متعلق کہتے ہیں جو کسی عورت سے شادی کرتا ہے تاکہ اسے اس کے پہلے خاوند کے لیے حلال کرے جبکہ اس کو معلوم نہیں فرمایا: درست نہیں جب وہ اس لئے شادی کر رہا ہے، کہ اسے حلال کرتے۔

تبع تابعین اور بعد والوں سے مروی اقوال

ابن المنذر کہتے ہیں جن لوگوں نے کہا یہ درست نہیں سوائے نکاحِ رغبت کے ان میں حضرت مالک بن انس اور لیث بن سعید ہیں۔ مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ہر حال میں علیحدگی کرائی جائے گی۔ اور یہ علیحدگی طلاق کے بجائے فسخ شمار ہوگی۔

سفیان ثوری کہتے ہیں جب وہ اس سے شادی کرتا ہے۔ ارادہ یہ ہے کہ وہ اسے پہلے خاوند کے لیے حلال کرے پھر اس کا ارادہ اسے اپنے پاس رکھنے کا بن جاتا ہے۔ فرمایا مجھے تو اچھا یوں لگتا ہے وہ اس سے علیحدہ ہو اور آئندہ جدید نکاح کرے۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا ''جید'' نکاح کرے۔

اسحاق کہتے ہیں: اس کے لیے اس کو روک رکھنا حلال نہیں۔ کیونکہ حلالہ کرنے والے کا عقد نکاح تمام نہیں ہوتا۔

ابوعبید حضرت حسن اور نخعی والی بات ہی کہا کرتے تھے۔

جوزجانی کہتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن سعید نے بتایا میں نے احمد بن حنبل سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو کسی عورت سے شادی کرتا ہے۔ اس کے ذہن میں ہے کہ وہ اسے اس کے پہلے خاوند کے لیے حلال کر رہا ہے۔ عورت کو اس کا علم نہیں ہے؟ فرمایا وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اگر اس کا ارادہ حلالہ کا ہے تو وہ ملعون ہے۔ جوزجانی کہتے ہیں ایوب نے بھی یہی کہا ہے۔

ابن ابی شیبہ کہتے ہیں: ''میرا نہیں یال کہ وہ ایسے نکاح کے ساتھ پہلے خاوند کی طرف لوٹ سکتی ہو۔''

جوزجانی کہتے ہیں: میں کہتا ہوں: اسلام اللہ کا وہ دین ہے جو اس نے اختیار کیا، پسند کیا اور اس کو پاک بنایا ہے۔ یہ دین احترام کا حق دار ہے اور اس چیز سے بچاؤ کا بھی جو اس پر عیب لگائے۔ اس کو ان اعتراضات سے پاک کیا جائے جو دیگر دنیوی امور والے ذمی مسلمانوں پر بطور عیب لگاتے ہیں۔ اس پر مستزاد نبی ﷺ کی طرف سے ممانعت اور اس پر لعنت ہے۔ پھر انہوں نے اس متعلق مرفوع احادیث اور آثار کو نقل کیا۔

فصل: حلالہ متعہ اور جاہلیت کے نکاح ہیں

ایک بڑی عجیب بات یہ ہے کہ ان احادیث اور آثارِ صحابہ کو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مخالف بتایا جاتا ہے:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾ (البقرۃ: ۲۳۰)

''پس اگر وہ اسے طلاق دے تو وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی حتی کہ اس کے سوا کسی خاوند سے نکاح کر لے۔''

جس ذات پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اسی نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے پر لعنت کی ہے۔ آپ ﷺ کے اصحاب اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بہتر جانتے تھے، انہوں نے حلالہ والے کو خاوند نہیں بنایا۔ انہوں نے اس کے نکاح کو باطل کیا ہے اور اس پر لعنت کی ہے۔

اس سے بھی عجب تر بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ ہماری دلیل اس بات سے ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا نام ''حلال کرنے والا''

رکھا ہے۔ اگر حلت ثابت نہ ہوتی تو وہ حلال کرنے والا نہ ہوتا۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا، یہ تو بہت بڑی بات ہے، اس سے تو بظاہر یہ بات سمجھ آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص پر لعنت کر دی ہے جس نے آپ ﷺ کی لائی ہوئی سنت پر عمل کیا ہے، اس نے وہ کام کیا ہے جو جائز اور آپ کی شریعت میں صحیح ہے۔

ان کا نام حلال کرنے والا آپ ﷺ نے اس لیے رکھا کہ وہ اللہ کے حرام کردہ کو حلال کرتا ہے، لہٰذا مستحق لعنت ٹھہرا، اللہ پاک نے اس عورت کو طلاق دینے والے پر حرام کر دیا، حتی کہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے، نکاح کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں اس عمل کا نام ہے جو لوگوں کے مابین نکاح کے نام سے معروف ہے۔ جس میں شرعا اعلان شامل ہے، دف بجانا بھی ہے، ولیمہ ہے، اس میں عورت کو جگہ دینا اور رہائش بنانا ہے، اللہ نے اس کو مودت اور رحمت بنایا ہے۔ اس میں عموما یہ باتیں ہوتی ہیں جبکہ نکاح حلالہ کرنے والا نہ خرچہ دیتا ہے نہ لباس اور رہائش، نہ حق مہر دیتا ہے۔ نہ اس سے نسب ثابت ہوتا ہے اور نہ سسرالی رشتہ۔ نہ بیوی کے ساتھ زندگی گزارنے کا ارادہ ہوتا ہے۔ وہ تو عاریتا آیا جیسے جفتی کے لیے سانڈ مستعار لیے جاتے ہیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اس کو اس کے ساتھ تشبیہ دی ہے، پھر اس پر لعنت کی ہے۔ بلاشک قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ یہ وہ خاوند نہیں جو قرآن میں مذکورہ ہے نہ یہ وہ نکاح ہے جو قرآن میں مذکور ہے۔ [1]

اللہ پاک نے لوگوں کے دلوں کی فطرت میں یہ بات ڈالی ہے کہ یہ نکاح نہیں ہے۔ اور نہ حلالہ کرنے والا خاوند ہے۔ یہ تو ایک قبیح برائی ہے۔ جس کی وجہ سے خاوند، بیوی، حلالہ کنندہ اور ولی پر عار آتی ہے۔ یہ اس نکاح میں کیسے شامل ہو سکتا ہے۔ جسے اللہ اور اس کے رسول نے مشروع کیا ہے، اسے پسند کیا ہے۔ بتایا ہے کہ یہ سنت ہے۔ اور جو اس سے منہ پھیرے وہ ان سے نہیں ہے؟

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور کرو:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَنْ يَتَرَاجَعَآ﴾ (البقرۃ: ۲۳۰)

''اور وہ اس کو طلاق دے تو ان دونوں پر حرج نہیں کہ وہ دونوں باہم لوٹ آئیں۔''

مطلب یہ ہے کہ اگر اس کو یہ دوسرا خاوند طلاق دے دے۔ تو اس عورت اور پہلے خاوند پر حرج نہیں کہ وہ دونوں باہم لوٹ آئیں۔ یعنی عورت اس کی طرف نکاح کے ساتھ لوٹ آئے۔ یہاں پر حرف ''ان'' آیا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے، کہ اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ طلاق دے دے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ٹھہرا رہے، یہ جو حلالہ ہوتا ہے جس طرح یہ لوگ کرتے ہیں اس میں آدمی کو دونوں باتوں کا اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اس پر شرط لگاتے ہیں کہ جب وہ اس سے وطی کر لے گا، تو عورت طلاق والی ہو جائے گی۔

پھر جب ان کو معلوم ہوا کہ کبھی آدمی عورت کی وطی کی خبر نہیں دیتا اور عورت کا قول وقوع طلاق میں قبول نہیں کیا جاتا، انہوں نے بات بدل کر یہ شرط رکھ دی کہ عورت اپنے ساتھ وطی کی خبر دے۔ بس اس کے خبر دینے سے ہی عورت کو طلاق ہو جائے گی۔

اللہ پاک نے نکاح کو دائمی تعلق اور فائدہ حاصل کرنے کے لیے مشروع کیا ہے۔ یہ نکاح تو ان چیزوں کے انقطاع اور وقوع طلاق کا سبب ہے۔ یعنی جب اس نے وطی کر لی۔ تو اس کی وطی انقطاع نکاح کا سبب ہو گی۔ یہ اللہ کی شریعت کے الٹ ہے اللہ

---

[1] اس سے مراد ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ میں جو نکاح اور زوج / خاوند کا لفظ آیا ہے۔ (مترجم)

پاک نے دوسرا بھی نکاح بنایا اور اس کی طلاق بھی۔ اس کا نام پہلے نکاح کی طرح ہے۔ طلاق کا بھی وہی نام ہے۔ پہلے بھی خاوند ہے اور دوسرا بھی خاوند ہے، پہلا بھی نکاح ہے اور دوسرا بھی نکاح ہے۔ اسی طرح طلاق بھی ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ حلالہ کا نکاح اور اس کی طلاق اور آدمی کا نام پہلے والے نکاح اور طلاق کی طرح نہیں ہے۔ نہ آدمی کا نام اس آدمی کی طرح ہے۔ کیونکہ وہ خاوند رغبت رکھنے والا ہے۔ نکاح کا قصد کرنے والا ہے۔ حق مہر خرچ کرنے والا ہے۔ خرچہ، رہائش اور لباس کی ذمہ داری لینے والا ہے، نکاح کی دیگر ضروریات بھی پوری کرنے والا ہے۔ جبکہ حلالہ کرنے والا ان سب باتوں سے بری ہے۔ اس پر ان میں سے کسی چیز کی ذمہ داری بھی نہیں ہے۔

جب اللہ اور اس کے رسول نے نکاح متعہ کو حرام قرار دیا ہے باوجودیکہ اس میں آدمی کا عورت سے فائدہ اٹھانے کا مقصد بھی ہوتا ہے، اس کے ساتھ ایک وقت تک ٹھہرنا بھی ہے۔ اس پر نکاح کے حقوق بھی لازم آتے ہیں تو حلالہ کرنے والا جس کی عورت کے ساتھ ٹھہرنے کی کوئی غرض نہیں ہوتی۔ بس اس قدر جتنا اس سے وطی کرنا ہے، جس طرح اس کام کے لیے مستعار سانڈ ہوتا ہے پھر اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ یہ طریقہ حرام کرنے کا زیادہ حق دار ہے۔

میں نے شیخ الاسلام کو فرماتے ہوئے سنا: نکاحِ متعہ نکاحِ حلالہ سے دس وجوہ سے بہتر ہے۔

پہلی: نکاح متعہ شروع اسلام میں بے جائز تھا جبکہ نکاح حلالہ کسی بھی زمانہ میں جائز نہیں ہوا۔

دوسری: صحابہ نے عہد نبوی ﷺ میں نکاح متعہ کیا لیکن ان میں کبھی کوئی حلالہ کرنے والا نہیں ہوا۔

تیسری: نکاح متعہ صحابہ کے ہاں مختلف فیہ ہے۔ حضرت ابن عباس نے اس کو مباح کہا ہے۔ گو کہ ان کے ہاں اس سے رجوع کا قول بھی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے بھی اس کو مباح کہا ہے، صحیحین میں ان سے مروی ہے فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر کرتے تھے ہمارے ساتھ عورتیں نہ تھیں ہم نے کہا:

کیا ہم خصی نہ ہو جائیں؟ آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے ہمیں رخصت دی کہ ہم عورت سے کپڑوں کے عوض ایک مدت تک نکاح کر لیں۔ پھر حضرت عبداللہ نے یہ آیت پڑھی: [1]

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ (المائدۃ:۸۷)

”اے اہل ایمان! تم ان پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ کرو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں۔“

حضرت ابن عباس کا اس متعلق فتویٰ مشہور ہے۔ عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر مکہ میں کھڑے فرمانے لگے: بعض لوگوں کے دلوں کو اللہ نے اندھا کر دیا ہے۔ جس طرح ان کی آنکھوں کو اندھا کیا ہے۔ وہ متعہ کا فتویٰ دیتے ہیں؟ اشارہ حضرت عبداللہ بن عباس کی طرف تھا۔ انہوں نے آواز دی کہا: بے شک تم اجڈ اور سخت مزاج ہو۔ مجھے میری عمر کی قسم! متعہ تو امام المتقین کے عہد میں کیا جاتا تھا۔ مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ حضرت ابن زبیر نے ان کو فرمایا: تم خود کو آزماؤ! اللہ کی قسم! اگر تم یہ کرو تو میں ضرور تم کو تمہارے پتھروں سے رجم کروں گا۔ یہ حضرت ابن مسعود اور ابن عباس کا قول متعہ کے متعلق ہے۔ جبکہ حلالہ کے متعلق ان

[1] صحیح بخاری، ج: ۵، ص: ۱۸۹۔

کے قول اور روایات بھی آپ پیچھے پڑھ آتے ہیں۔

چوتھی: نکاح متعہ کرنے والے مرد اور عورت کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے ایک حرف بھی لعنت کا مروی نہیں ہے۔ جبکہ حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے کے لیے لعنت آئی ہے۔ صحابہ سے بھی آئی ہے۔ جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

پانچویں: متعہ کرنے والے کا عورت کے متعلق ایک صحیح مقصد ہوتا ہے۔ عورت بھی مدت نکاح تک اس کے ساتھ ایک صحیح غرض سے ٹھہرتی ہے۔ اس کا مقصد ایک مدت تک نکاح ہوتا ہے۔ جبکہ حلالہ کرنے والے کا اس کے سوا کوئی مقصد نہیں کہ وہ سانڈ کی طرح جفتی کے لیے کرائے پر لیا گیا ہے۔ اس نکاح کا اس کے لیے کوئی مقصد نہیں ہے۔ نہ عورت کا اور نہ ولی کا۔ یہ تو ایسے ہی جیسے حضرت حسن نے فرمایا: وہ اللہ کی جہنم کی میخ ہے۔ یہ نام معنیٰ اس کے مطابق رکھا گیا ہے۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں: حسن کا مطلب یہ ہے کہ میخ وہ ہے وہ ٹھونکی گئی چیز کو پکا کر دے۔ اسی طرح یہ عورت کو اس خاوند کے لیے پکا کرتا ہے۔ جبکہ اللہ نے اسے اس پر حرام کیا ہے۔

چھٹی: متعہ کرنے والے نے اللہ کے حرام کردہ کو حلال کرنے کے لیے کوئی حیلہ نہیں بنایا۔ وہ دھوکہ دینے والوں میں سے نہیں ہے، جو اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں، جیسے وہ بچوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ بلکہ وہ ظاہر اور باطن سے نکاح کرنے والا ہے۔ جبکہ حلالہ کرنے والا دھوکہ اور مکر کرنے والا ہے۔ اللہ کی آیات کو مذاق بنانے والا ہے۔ اسی لیے اس کی وعید اور لعنت پر وہ کچھ آیا ہے جو متعہ والے پر نہیں آیا اور نہ ہی اس کے قریب ہی۔

ساتویں: نکاح متعہ والا عورت کو اپنے لیے چاہتا ہے یہی نکاح کا راز اور مقصود ہے، وہ اس سے نکاح کر کے اپنے لیے حلال کرتا ہے، اس سے وہ حرام وطئی نہیں کرتا جبکہ حلالہ کرنے والا اسے اپنے لئے حلال نہیں کرنا چاہتا، وہ تو کسی اور کے لیے اسے حلال کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے اس کا نام حلال کرنے والا رکھا گیا ہے۔ کہاں وہ جو کسی عورت سے وطئی اس اندیشہ سے کرنا چاہتا ہے کہ وہ اس سے حرام وطی نہ کر لے۔ اور کہاں وہ جو یہ نہیں چاہتا۔ بلکہ اس کا اس نکاح سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کی وطی دوسرے کے لیے حلال کر دے؟ یہ اللہ کے دین اور اس کی شریعت کے خلاف ہے۔ جس مقصد کے لیے نکاح جائز کیا گیا ہے۔ یہ اس کے الٹ ہے۔

آٹھویں: پاک صاف ذہن اور طبیعتیں جن میں جہالت اور تقلید کے مرض نے جگہ نہیں بنائی وہ حلالہ سے شدید متنفر ہیں۔ اس کو بہت بڑا عیب گردانتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض عورتیں عورت کو اس پر زنا سے بڑھ کر عیب لگاتی ہیں۔ جبکہ نکاح متعہ سے طبیعتیں اور عقلیں نفرت نہیں کرتیں۔ اگر وہ اس سے نفرت کرتیں تو شروع اسلام میں یہ جائز نہ کیا جاتا۔

نویں: نکاح متعہ کی مشابہت ایک مدت تک جانور کو سواری کے لیے کرائے پر دینے سے ہے۔ گھر کو ایک مدت تک نفع اور رہائش کے لیے دینے سے، خادم کو ایک مدت تک نفع کے لیے اجرت پر دینے سے، وغیرہ۔ جس میں خرچ کنندہ کا مقصد صحیح ہوتا ہے۔ لیکن جب اس میں وقت کی حد آ گئی اس نے اسے مقصودِ نکاح سے خارج کر دیا جو شرعاً دوام اور استمرار سے عبارت ہے۔ نکاحِ حلالہ اس کے لیے خلاف ہے۔ اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اسی لیے صحابہ ﷢ نے اسے زنا سے تشبیہ دی ہے۔ اور آدمی کو جفتی کے لیے لائے گئے کرائے کے سانڈ کے ساتھ۔

دسویں: اللہ پاک نے بیع اجارہ، ہبہ نکاح وغیرہ اسباب کو ان احکام تک پہنچنے کا ذریعہ بنایا ہے جو ان کے لیے وجہ اور تقاضا ہیں۔ بیع کو غلام کی ملکیت کا سبب بنایا۔ اجارہ کو نفع لینے یا دینے کا سبب بنایا۔ نکاح کو شرم گاہ کی ملکیت اور جماع کی حلت کا سبب بنایا۔ حلالہ کرنے والا اللہ کی شریعت اور اس کے دین کے الٹ اور مخالف کام کرتا ہے۔ وہ اپنے نکاح کو طلاق دینے والے کے لیے شرم گاہ کی ملکیت اور اس کے لیے حلت کا سبب بناتا ہے، اس کا نکاح سے وہ مقصد نہیں جو اللہ نے اس کے لیے مشروع کیا ہے کہ وہ شرم گاہ کا مالک بنے اور اس کے لیے وہ حلال ہو۔ اس کی اس میں کوئی غرض اور دخل نہیں۔ اس سے مقصود اور بات رکھی جس کے لیے یہ سبب مشروع نہ ہوا تھا، اور نہ یہ اس کا طریقہ تھا۔

گیارھویں: حلالہ کرنے[1] والا منافق کی جنس سے ہے۔ منافق یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مسلمان ہے، ظاہر و باطن سے عہد اسلام کا پابند ہے۔ حالانکہ باطن سے وہ اس کا پابند نہیں ہوتا۔ اسی طرح حلالہ کرنے والا ہے۔ وہ خود کو خاوند ظاہر کرتا ہے وہ نکاح کا ارادہ ظاہر کرتا ہے۔ مہر بھی بتاتا ہے۔ عورت کی رضامندی پر گواہ بھی بناتا ہے، جبکہ باطن اس کے خلاف ہوتا ہے، اس کا ارادہ خاوند بننے کا نہیں ہوتا، نہ عورت اس کی بیوی بنتی ہے۔ نہ حق مہر خرچ کرنا چاہتا ہے۔ نہ حقوقِ نکاح ادا کرنا چاہتا ہے، اس نے اپنے ظاہر کو باطن کے خلاف رکھا کہ وہ یہ چاہتا ہے جبکہ اللہ جانتا ہے حاضرین، عورت وہ خود اور طلاق دینے والا بھی کہ معاملہ اس طرح نہیں ہے، وہ درحقیقت خاوند نہیں ہے، اور نہ ہی وہ درحقیقت اس کی بیوی ہے۔

بارھویں: حلالہ کا نکاح اہل جاہلیت کے نکاح سے مشابہ نہیں ہے، اور نہ اہل اسلام کے نکاح سے۔ اہل جاہلیت اپنے نکاحوں میں کئی برے کام کرتے تھے۔ لیکن وہ نکاحِ حلالہ کو پسند نہ کرتے تھے۔ اور نہ ایسا کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیر سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ جاہلیت میں نکاح چار طرح سے تھا:

ان میں سے ایک نکاح: جیسے آج لوگوں کا نکاح ہے کہ آدمی کسی آدمی کو اس کی زیر کفالت یا اس کی بیٹی کے لیے پیغام نکاح دیتا ہے، وہ اس کو حق مہر دیتا پھر اس سے نکاح کر لیتا تھا۔

دوسرا نکاح: آدمی اپنی بیوی کو کہتا ہے: جب وہ حیض سے پاک ہوتی تو فلاں مرد کو پیغام بھیج۔ اس سے جماع کروا۔ اس کا خاوند اس سے الگ رہتا، اس کو بالکل نہ چھوتا، حتی کہ اس کا اس مرد سے حمل واضح ہو جاتا جس سے وہ جماع کرواتی۔ جب اس سے اس کا حمل واضح ہوتا اس کا خاوند اگر چاہتا اس سے جماع کرتا۔ وہ اس لیے یہ کرتا کہ بچہ اچھا پیدا ہو۔ اس کا نام نکاح استبضاع تھا۔

تیسرا نکاح: دس سے کم افراد کا گروہ ایک عورت پر داخل ہوتا، سب اس سے جماع کرتے۔ جب اس کو حمل ہوتا اور وضع حمل بھی۔ وہ وضع حمل سے کچھ دن بعد ان سب کو پیغام بھیجتی ان میں سے کوئی بھی انکار نہ کر سکتا تھا۔ حتی کہ وہ اس کے پاس جمع ہوتے۔ وہ ان کو کہتی: تم کو معلوم ہے جو تمہارا معاملہ تھا، اَب میں نے جنم دیا ہے۔ تو اے فلاں! وہ تیرا بچہ ہے۔ وہ جس کا چاہتی نام لیتی۔ اس کا بچہ اس سے ملایا جاتا وہ اس کا انکار نہ کر سکتا تھا۔

چوتھا نکاح: بہت سے لوگ جمع ہوتے وہ ایک عورت پر داخل ہوتے وہ کسی آنے والے کو نہ روکتی تھی۔ وہ زناکار تھیں۔ وہ اپنے

---

[1] اوپر دس باتوں کا ذکر گزر رہا تھا۔ وہ دس نکاح متعہ اور حلالہ کے مابین بطور تقابل تھیں۔ یہ گیارھویں اور بارھویں بات بھی اس نکاح کے عیوب کے متعلق ہے اس لیے یہاں پر شامل کی گئی ہے۔ مترجم)

دروازوں پر جھنڈے لگاتی تھیں جوان کے لیے علم رنشان تھے، جو بھی ان کو چاہتا ان کے پاس جاتا، جب ان میں سے کسی کو حمل ہوتا، اور وضع حمل ہوتا وہ اس کے لیے جمع ہوتے، اور اپنے لیے قیافہ شناس کو بلاتے۔ پھر بچے کو اس کے ساتھ ملاتے جوان کی رائے ہوتی۔ وہ اس سے منسوب ہوتا اس کا بیٹا پکارا جاتا وہ اس سے انکار نہ کرتا۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ نے جاہلیت کے سب نکاحوں کو رائیگاں رباطل کر دیا۔ سوائے لوگوں کے آج والے نکاح کے، معلوم ہے کہ حلالہ والے کا نکاح لوگوں کے اس نکاح سے نہیں ہے جس کی طرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو برقرار رکھا ہے اور اس کو باطل نہیں کیا۔ نہ اہلِ جاہلیت اس کو پسند کرتے تھے۔ یہ ان کے نکاحوں میں سے نہ تھا۔ بلاشبہ فطرتیں اور امتیں اس کو برا جانتی ہیں۔ اور اس پر عیب لگاتی ہیں۔

فصل: حلالہ کے لیے شیطان کے حیلے

اس کی وجہ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور شیطانی کی فرمانبرداری ہے، اور طلاق اس طریقہ سے دی جاتی ہے جو اللہ نے مشروع نہیں کیا۔ اللہ پاک تو اصل میں طلاق کو ناپسند کرتے ہیں۔ جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بیان کی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ»[1]

''حلال میں سے اللہ کو سب سے ناپسند طلاق ہے۔''

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا بَالُ قَوْمٍ يَلْعَبُوْنَ بِحُدُوْدِ اللّٰهِ، يَقُوْلُ: قَدْ طَلَّقْتُكِ، قَدْ رَاجَعْتُكِ، قَدْ طَلَّقْتُكِ»[2]

''ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اللہ کی حدود کے ساتھ کھیلتے ہیں بندہ کہتا ہے میں نے تجھ کو طلاق دی میں نے تجھ سے رجوع کیا۔ میں نے تجھے طلاق دی۔''

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ إِبْلِيْسَ يَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ، ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ، فَأَدْنَاهُمْ مَنْزِلَةً أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً، يَجِيْءُ أَحَدُهُمْ، فَيَقُوْلُ: قَدْ فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا، فَيَقُوْلُ: مَا صَنَعْتَ شَيْئًا، قَالَ: وَيَجِيْءُ أَحَدُهُمْ، فَيَقُوْلُ: مَا تَرَكْتُهُ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَهْلِهِ، قَالَ: فَيُدْنِيْهِ مِنْهُ، أَوْ قَالَ: فَيَلْتَزِمُهُ، وَيَقُوْلُ: نَعَمْ أَنْتَ أَنْتَ»[3]

''بے شک ابلیس اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے پھر وہ اپنے گروہوں کو بھیجتا ہے۔ ان میں سے بلحاظِ مرتبہ اس کے زیادہ قرب

---

[1] سنن ابی داود، ج:۲، ص: ۶۳۱، حدیث: ۱۲۷۷۔

[2] سنن ابی داود، ج: ۱، ص: ۶۵۰، حدیث: ۲۰۱۷۔

[3] صحیح مسلم، ج: ٤، ص: ۲۲٤۱، حدیث ۲۹۲۵/۸۷۔ تو ہی ہے کا مطلب ہے کہ تو نے میرے گمان کے مطابق درست کام کیا ہے۔ اور تو ہی میرے قرب کا زیادہ حق دار ہے۔ (مترجم)

وہ ہوتا ہے جوان میں سے بڑا فتنہ والا ہے۔ان میں سے ایک آتا ہے کہتا ہے۔میں نے یہ یہ کیا۔ وہ کہتا ہے تم نے کچھ نہیں کیا، کہتے ہیں: ان میں سے ایک اور آتا ہے، کہتا ہے میں نے ایک آدمی کو نہ چھوڑا حتی کہ میں نے اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان علیحد گی کرادی۔ کہتے ہیں وہ اسے اپنے قریب کرتا ہے، یا فرمایا کہ وہ اس کو گلے لگاتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو ہی ہے۔''

شیطان اور اس کے گروہ نے طلاق دینے میں لوگوں کو بہکایا۔ مرد اور عورت کے درمیان جدائی ڈالی۔ اکثر طلاق دینے والا شرمسار ہوتا ہے۔ وہ اپنی بیوی سے صبر نہیں کرسکتا۔ نہ اس کا ذہن یہ بات پسند کرتا ہے کہ وہ صبر کرتا رہے اور وہ دیگر خاوند سے نکاح رغبت کرلے پھر اس خاوند کے ساتھ موت تک زندگی گزارے یا اپنی حاجت پوری کر کے اس کو چھوڑ دے۔ تو اس کو یہ عورت ضرور چاہیے۔ لہٰذا وہ حلالہ کے لیے جلدی کرتا ہے۔ یہ اُن دس حیلوں میں سے ایک حیلہ ہے جو اس نے لوگوں کے سامنے کھڑے کر رکھے ہیں۔

پہلا حیلہ: عدمِ وقوع طلاق کا حیلہ، یہ دو طرح سے ہے۔ اس کے عدمِ وقوع کا حیلہ جس میں اچھے طریقے سے چھوڑنے کے ساتھ نکاح کی صحت ہے۔ وہ اس کو حکم دیتے ہیں کہ وہ عورت کو کہے: جب میں تجھے طلاق دوں یا تجھ پر جب میری طلاق واقع ہو تو تجھے اس سے پہلے تین طلاق ہے۔ پھر ممکن نہیں ہوتا کہ اس کے بعد اس پر طلاق واقع ہو۔ اچھے طریقے سے چھوڑنے والوں کے ہاں مطلق اجازت ہے اور نہ مقید۔ انہوں نے طلاق کا دروازہ بند کر دیا اور عورت کو خاوند کے گلے میں طوق کی طرح کر دیا اس کے لیے اس کی طلاق میں کبھی کوئی راستہ نہیں رہتا۔

دوسرا حیلہ: عدمِ وقوع طلاق پر حیلہ کہ نکاح فاسد ہے، اس میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اس فساد کی وضاحت میں وہ کئی وجوہ سے حیلہ کرتے ہیں:

مثلاً اس کی صحت میں ولی کی عدالت شرط ہے، اگر ولی میں کوئی ایسی بات ہے جو اس کے عادل ہونے پر اعتراض لگائے تو نکاح باطل ہے، اس میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ اعتراضات بہت ہیں۔ اگر تم کسی شخص میں ڈھونڈنے لگو تو ضرور تمہیں اس میں کوئی اعتراض مل جائے گا۔

اور مثلاً، گواہوں کی عدالت بھی شرط ہے۔ شاہد کو فاسق کہا جائے گا اگر وہ ریشمی مقعد پر بیٹھے۔ یا ریشمی مسند کے ساتھ ٹیک لگائے۔ یا ریشم کے تکیے پر سہارا لگائے۔ یا اس کو چاندی کی دھونی سے دھونی دی جائے وغیرہ۔

یہ ایسی چیزیں جن سے کوئی گھر بوقت عقد وغیرہ عموماً خالی نہیں ہوتا، بڑے تعجب کی بات ہے کہ وطی حلال ہوگئی، نسب مل گیا نکاح صحیح ہوا حتی کہ پھر طلاق واقع ہوتی ہے تو اس وقت خرابی کی وجوہ ڈھونڈ ہی جاتی ہیں۔

تیسرا حیلہ: خلع کا حیلہ۔ حتی کہ جب قسم دیا گیا شخص یہ کرلیتا ہے تو یہ کرنے کے بعد وہ اسی عورت سے نیا نکاح کرلیتا ہے۔

چوتھا حیلہ: جب سر پر کلہاڑا پڑا۔ اور قسم ٹوٹ گئی جو کہ ضروری تھا۔ وہ ایک بچہ قبل بلوغت عمر کا خریدتا ہے۔ اس کے ساتھ اس عورت کی شادی کردیتا ہے۔ عورت کو حکم دیتا ہے کہ ذکر کی سپاری کو وہاں داخل کرے۔ جب وہ کرتا ہے تو اسے وہ ہبہ کردیتا ہے۔ عورت کا نکاح اس کی ملکیت سے فسخ ہوجاتا ہے۔ وہ عدت گزارتی ہے اور طلاق دینے والے کی طرف لوٹتی ہے۔ اگر وہ اس سے عاجز آجائیں اور مشکل ہوجائے تو وہ اگلے حیلے پر آجاتے ہیں۔

پانچواں حیلہ: یہ کرائے پر ملعون سانڈ لانا ہے، تاکہ وہ اس کے ساتھ جفتی کرے اور اپنے زعم میں اس کو حلال کردے۔
خاص لوگوں کے ہاں یہ پانچ حیلے ہیں۔

جاہل اور عام لوگوں نے جب دیکھا کہ حیلے کا مقصد عورت کو طلاق دینے والے کی طرف لوٹانا ہے جس طریقہ سے بھی ممکن ہو، وہ کہنے لگے اصل مقصد تو رجوع ہے۔ حیلہ تو مقصود اور بندے کے لیے ہے۔ اصل حیلے مقصود نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنے لیے پانچ حیلے اور گھڑ لیے ہیں۔

پہلا حیلہ: وہ حلالہ کرنے والے کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اسے اپنے پاؤں کے ساتھ روندے۔ وہ بیٹھی یا لیٹی ہوتی ہے وہ سے پاؤں سے روندتا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ پاؤں سے روندنا ان کے لیے زیادہ آسان اور آلہ سے وطی کرنے کی نسبت کم برائی ہے۔ گو کہ یہ دنوں ہی غیر مقصود ہیں۔ تو جس میں برائی کم ہو وہ مقصود کے زیادہ قریب ہے۔

دوسرا حیلہ: عورت حاملہ ہو وہ لڑکا جنم دے۔ انہوں نے ذکر کو جو باہر سے شق کرتا ہے اس ذکر پر قیاس کرلیا جو اندر سے شق کرے، یہ ایسے ہی ہے جیسے ملعون سانڈ کو مقصود خاوند پر قیاس کیا جاتا ہے۔

تیسرا حیلہ: حلال کرنے والا عورت پر گھی پھینکتا ہے جو اس کا جسم پی لیتا ہے وہ اس سے وطی نہیں کرتا۔ گویا انہوں نے جسم کے تیل پی جانے اور اس میں چل جانے کو اس کے نطفہ پینے اور چل جانے پر قیاس کیا۔

چوتھا حیلہ: عورت سے یا اس مرد سے سفر کر جانا۔ جب وہ واپس آتا ہے تو گمان کیا جاتا ہے کہ یہ خاوند کی طرف سے کافی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ شیطان نے ان کو یہ حیلہ کس طرح دیا ہے گویا انہوں نے گمان کیا کہ ان کا ملاپ اب ہوا ہے اور جو کچھ پہلے ہو چکا ہے، سفر نے اس کا حکم بالکل ختم کر دیا ہے۔

پانچواں حیلہ: وہ دنوں عرفات پر اکٹھے ہوتے ہیں، جب وہ اس عورت کے ساتھ پہاڑ [1] پر کھڑا ہوتا ہے، اس کے بعد ان کے ہاں دیگر خاوند کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہم سے اور دیگر علما سے اس متعلق سوال کیا گیا اور ہم نے لوگوں سے یہ واقعہ سنا بھی ہے۔

فصل: ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی

یہ بات یاد رکھو کہ جو شخص اپنی طلاق کے متعلق اللہ سے ڈرتا ہے۔ وہ اس طرح طلاق دیتا ہے جس طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اس کو حکم دیا ہے اور مشروع کیا ہے وہ ان سب حیلوں سے بے نیاز ہو جائے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مشروع طلاق کے ذکر کے بعد فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ (الطلاق:۲)

''اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کی راہ بنائے گا''

اگر طلاق دینے والے لوگ اللہ سے ڈریں وہ تقویٰ کی وجہ سے ان کو بوجھوں، طوقوں، مکر وحیلوں سے ضرور بے پروا کرے گا، جس طلاق کو اللہ پاک نے مشروع کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ آدمی عورت کو طہر میں بغیر جماع طلاق دے۔ اس کو ایک طلاق دے۔

---

[1] شاید اس سے مراد جبل رحمت ہو، تفاسیر کے مطابق یہ وہ مقام ہے جہاں زمین پر اتارے جانے کے بعد حضرت آدم وحواء علیہما السلام اکٹھے ہوئے تھے اور ان کی توبہ قبول ہوئی تھی۔ واللہ اعلم۔ مترجم۔

پھر اس کو عدت پورا ہونے تک چھوڑ دے۔ اگر دورانِ عدت وہ روکنا مناسب سمجھے تو اسے روک لے۔ اگر وہ اس سے رجوع نہ کرے حتی کہ اس کی عدت گزر گئی، اس کے لئے ممکن ہے کہ بغیر دوسرے خاوند کے وہ اس کے ساتھ نکاح کر لے۔ اگر اس کو اس کی غرض نہیں تو حرج نہیں کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کر لے۔ جس نے اس طرح کیا وہ شرمسار نہ ہوا۔ نہ اس کو حیلہ کی ضرورت ہوگی اور نہ حلالہ کی۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو سو ۱۰۰ طلاق کہیں؟ فرمایا: تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ تو نے اپنی بیوی کو علیحدہ کیا تو اللہ سے کیوں نہ ڈرا کہ وہ تیرے لیے کوئی راہ نکالتا۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں: ایک آدمی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہا: میں نے اپنی بیوی کو ہزار ۱۰۰۰ طلاق کہا ہے۔ فرمایا: تین سے تو تمہاری بیوی تم پر حرام ہوگئی، باقی سب بوجھ ہیں۔ تم نے اللہ کی آیات کو مذاق بنالیا ہے۔

مجاہد کہتے ہیں: میں حضرت ابن عباس کے پاس تھا، ان کے پاس ایک آدمی آیا، کہنے لگا میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں وہ خاموش رہے حتی کہ میں نے گمان کیا کہ وہ اسے اس پر لوٹانے والے ہیں، پھر فرمایا: تم میں سے کوئی چلتا ہے اور بڑی حماقت[1] پر سواری کرتا ہے۔ پھر کہتا ہے: اے ابن عباس! اے ابن عباس! جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے نکلنے کی راہ بنائے گا۔'' تو اللہ سے نہیں ڈرا۔ لہٰذا میں تیرے لیے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتا۔ اور تیری بیوی تجھ سے بائن (جدا) ہوگئی ہے۔ ابوداؤد نے اس روایت کو ذکر کیا۔

نسائی نے حضرت محمود بن لبید سے بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

«أُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعًا، فَقَامَ غَضْبَانَ، ثُمَّ قَالَ: أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَلَا اَقْتُلُهُ؟»[2]

''رسول اللہ ﷺ کو ایک شخص کے متعلق خبر دی گئی جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی دی تھیں، آپ ﷺ غصہ کی حالت میں کھڑے ہوئے، پھر فرمایا: کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جاتا ہے جبکہ میں تمہارے درمیان ہوں؟ حتی کہ ایک آدمی کھڑا ہوا۔ کہا: اے اللہ کے پیغمبر! کیا میں اس کو قتل کر دوں؟''

یہ آثار اس موقف کے موافق ہیں جس پر قرآن کی دلالت ہے۔ اللہ پاک نے طلاق کو ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ کے ساتھ مشروع کیا ہے۔ اس کو ایک ہی دفعہ بالکل شروع نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ (البقرة:٢٢٥)

''طلاق (یعنی رجعی) دو مرتبہ ہے۔''

دو مرتبہ عربی زبان میں بلکہ تمام لوگوں کی زبان میں اس طرح ہے کہ ایک کے بعد دوسری مرتبہ آتی ہے، یہ قرآن اول تا آخر، سنت رسول اللہ ﷺ اور کلام عرب پورے کا پورا اس پر گواہ ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ (التوبة:١٠١)

''عنقریب ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے۔''

---

① یہاں لفظ الاحموقة ہے جس سے مراد بیوقوفی اور حماقت میں مبالغہ ہے۔ (الفقی) ② سنن نسائی، ج:٦، ص: ١٤٢۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَوَ لَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ﴾ (التوبة:١٢٦)

''کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ فتنہ میں ڈالے جاتے ہیں۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ﴾ (النور:٥٨)

''اے ایمان والو! چاہیے کہ تم سے اجازت طلب کریں تمہارے لونڈی اور غلام اور جو تم میں سے بلوغت کو نہیں پہنچے تین مرتبہ''[1]

پھر اللہ پاک نے فرمایا:

﴿ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ﴾ (البقرة:٢٣٠)

''پس اگر وہ اسے طلاق دے تو وہ اس کے لیے اس کے بعد حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کر لے۔''

تو یہی وہ تیسری مرتبہ ہے۔ لہٰذا: طلاق شرعی جو اللہ نے مشروع کی ہے وہ ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ ہے۔ عدد کے لحاظ سے حکم شرع یہ ہے۔

رہا وقت کے لحاظ سے حکم شرع، یہاں طلاق میں عدت کو مشروع کیا ہے، نبی ﷺ نے اس کی وضاحت کی ہے کہ وہ اسے طہر میں بغیر جماع طلاق دے۔ آپ ﷺ نے تین اکٹھی دینا مشروع نہیں کیا۔ نہ دو طلاقیں، نہ حیض میں طلاق مشروع کی ہے اور نہ اس طہر میں جس میں اس سے جماع کیا ہو۔

طلاق دینے والا رسول اللہ ﷺ کے پورے عہد میں، حضرت ابوبکر کے پورے عہد میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے شروع میں جب تین طلاقیں دیتا تو وہ ایک شمار کی جاتی تھی۔ اس کے متعلق دو صحیح حدیثیں ہیں۔ ایک صحیح مسلم میں ہے جب کہ دوسری مسند امام احمد میں ہے۔

پہلی حدیث صحیح مسلم کی روایت میں بطریق ابن طاؤس عن ابیہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

«كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَأَبِيْ بَكْرٍ وَ سَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ: طَلَاقَ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً، فَقَالَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِيْ أَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ بِهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ»[2]

---

[1] اس سے مراد اللہ کے فرمان کا اگلا حصہ ہے صلاۃ فجر کے بعد ۲ دوپہر کے وقت ۳ صلاۃ عشاء کے بعد (الفقی) میں کہتا ہوں حدیث شریف میں ہے مؤمن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا، اس سے مراد ایک کے بعد دوسری مرتبہ ہے نہ اکٹھی۔ مترجم)

[2] صحیح مسلم، ج: ٢، ص: ١٠٩٩، حدیث: ١٥ / ١٧٤٢، جاری کر دیا کا مطلب ہے کہ بطور تنبیہ تین کو ایک ہی مرتبہ تین کر دیا۔ (مترجم)

''رسول اللہ ﷺ کے عہد، حضرت ابوبکر کے عہد اور حضرت عمر کے عہد خلافت کے ابتدائی دور تک طلاق، تین طلاقیں ایک ہوتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگ اس معاملہ میں جلدی کرنے لگے ہیں، جس میں ان کو ٹھہراؤ چاہیے تھا۔ اگر ہم اس کو ان پر جاری کر دیں، تو آپ نے اس کو ان پر جاری کر دیا۔''

صحیح مسلم میں ہی حضرت طاؤس ابوالصہباء سے بیان کرتے ہیں انہوں نے حضرت ابن عباس سے کہا: تم ہمیں اپنی پیاری باتوں میں سے کچھ سناؤ! کیا تین طلاق رسول اللہ ﷺ کے عہد اور حضرت ابوبکر کے عہد میں ایک نہ تھی؟ فرمایا: ایسا ہی تھا۔ جب حضرت عمر کا زمانہ آیا لوگ طلاق میں [1] جلدی کرنے لگے تو آپ نے اس کو ان پر جاری کر دیا۔ [2]

ابوداؤد کے الفاظ ہیں۔ ایک آدمی جسے ابوالصہبا کہا جاتا ہے تھا، حضرت ابن عباس سے بکثرت سوال کرتا تھا، کہنے لگا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب آدمی عورت کے پاس داخل ہونے سے پہلے اسے تین طلاق دیتا۔ وہ اس کو ایک قرار دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں، حضرت ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا کیوں نہیں جب وہ اس کے پاس داخل ہونے سے پہلے اسے تین طلاقیں دیتا۔ وہ اسے ایک بتاتے تھے، رسول اللہ ﷺ کے عہد میں، حضرت ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں، جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ اس میں جلدی کرنے لگے ہیں تو فرمایا: ان پر ان کو جاری کر دو [3] اس روایت میں اسی طرح ہے کہ اس کے پاس داخل ہونے سے پہلے، اسی کا اسحاق بن راہویہ اور کئی بزرگوں نے مذہب اپنایا ہے کہ جس عورت پر داخل نہ ہوا جائے اس کی تین کو وہ ایک کہتے ہیں۔ جب کہ دیگر تمام صحیح روایات میں داخل ہونے سے پہلے [4] کے لفظ نہیں ہیں، اسی لیے مسلم نے ان میں سے کچھ بھی ذکر نہیں کیا۔

اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے تین افراد نے روایت کیا ہے۔ ایک طاؤس جو کہ روایت کرنے والوں میں سب سے بزرگ ہیں۔ دوسرے ابوالصہباء العدوی اور تیسرے ابوالجوزاء۔

مستدرک کی حاکم میں ان کی جو حدیث ہے اس کے لفظ ہیں، ابوالجوزاء حضرت ابن عباس کے پاس آئے، کہا: کیا تم جانتے ہو کہ تین رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک طرف لوٹائی جاتی تھیں؟ کہا ہاں: حاکم کہتے ہیں یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ لیکن ان دونوں (بخاری و مسلم) نے اس کو بیان نہیں کیا۔ [5]

جو طاؤس کی روایت حضرت ابنِ عباس سے ہے اس میں بھی داخل ہونے سے پہلے کے الفاظ نہیں ہیں۔ طاؤس نے تو صرف ابن عباس سے ابوصہباء کا جواب بتایا ہے۔ شاید ان کو یہ بات پہنچی ہو کہ تین کو ایک بنانا، اس طلاق دینے والے کے بارے میں

---

[1] حدیث میں لفظ تتابع، یاء کے ساتھ مروی ہے، اس کا مطلب جلدی کرنا تیزی سے گرنا اور شر کی طرف مائل ہونا ہے، نیز ہدایت کے خلاف کسی کام پر سوار ہونا ہے۔ (الفقی)

[2] صحیح مسلم، ج: ۲، ص: ۱۰۹۹، حدیث: ۱۷۴۲/۱۶۔

[3] سنن ابی داود، ج: ۲، ص: ۶۴۹، حدیث: ۲۲۰۰۔

[4] داخل ہونے سے پہلے کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس طہر میں آدمی نے اس بیوی سے جماع نہ کیا ہو، جیسا کہ دیگر روایات میں آتا ہے واللہ اعلم۔ (مترجم) [5] مستدرك حاكم، ج: ۲، ص: ۱۹۹۔

ہے۔ جو داخل ہونے سے پہلے دے۔ اس متعلق انہوں نے حضرت ابن عباس سے سوال کیا اور کہا وہ اس کو ایک بناتے تھے؟ حضرت ابن عباس نے اس کو فرمایا: ہاں، معاملہ اسی طرح ہے جیسے تم نے کہا ہے۔

اس کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔ کیونکہ مقید جواب دراصل مقید سوال کے مقابلہ میں ہے اور اس طرح کی بات کا مفہوم معتبر نہیں ہوتا۔

ہاں! اگر سوال مقید نہ ہو۔ سوال کیا جانے والا شخص جواب کو مقید کر دے تو اس کا مفہوم معتبر ہوگا۔ جیسے آپ ﷺ سے اُس چوہیا کے بارے میں سوال کیا گیا جو گھی میں گر جائے؟ فرمایا جب چوہیا گھی میں گر جائے تو اس کو گرا دو۔ اور اس کے ارد گرد کو بھی اور باقی سارا گھی کھاؤ۔

یہ جواب حکم کو خاص گھی کے ساتھ مقید کرنے پر دلالت نہیں کرتا۔

بہر حال! جس پر داخل نہ ہوا جائے وہ بھی عورتوں میں سے ایک عورت ہے، دو میں سے ایک حدیث میں عورتوں کا مطلق ذکر آیا ہے جبکہ دوسری میں ان میں سے بعض افراد کا، لہٰذا ان دونوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے۔

دوسری روایت: ابوداؤد اپنی سنن میں اس سند سے کہتے ہیں! احمد بن صالح، عبدالرزاق، ابن جریج، بعض بنی اَبی رافع مولیٰ النبی ﷺ عکرمہ، عن ابن عباس فرماتے ہیں: عبد یزید ابورکانہ نے ام رکانہ کو طلاق دے دی۔ اور مدینہ کی ایک عورت سے نکاح کر لیا۔ وہ عورت نبی ﷺ کے پاس آئی کہنے لگی، وہ مجھے کوئی فائدہ نہیں دیتا، ماسوائے اس بال کی طرح [1] اس نے اپنے سر سے ایک بال پکڑا۔ آپ ﷺ میرے اور اس کے درمیان علیحدگی کرا دیں نبی ﷺ کو جوش آیا، آپ ﷺ نے رکانہ اور اس کے بھائیوں کو بلایا، پھر اپنے ہم نشینوں کو فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے کہ فلاں اس اس چیز کے مشابہ ہے؟ عبد یزید سے اور اس اس چیز سے مشابہ؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! تو نبی ﷺ نے فرمایا: تم اس کو طلاق دو، اس نے یہ فرمایا تم اپنی بیوی ام رکانہ اور اس کے بھائیوں کی رجوع کرو۔ اس نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! میں نے اس کو تین طلاق دی ہے، فرمایا مجھے معلوم ہے تم اس سے رجوع کرو۔ اور آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ ﴾ (الطلاق: ۱)

"اے نبی! ﷺ مسلمانوں سے کہہ دو کہ، جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کو ان کی عدت کے لیے طلاق دو۔ اور عدت کا شمار رکھو۔ اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرو۔ ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ اور نہ وہ نکلیں ہاں اگر وہ صریح بے حیائی کریں۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں، جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا، تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی سبیل پیدا کر دے۔" [2]

---

[1] مطلب یہ ہے کہ وہ نامرد ہے یا وہ میری حاجت کو پورا نہیں کرتا۔ (الفقی)

[2] سنن ابی داود، ج: ۲، ص: ٦٤٥، حدیث: ۲۱۹٦۔

آپ ﷺ نے اس کو اس سے رجوع کا حکم دیا۔ حالانکہ وہ اس کو تین طلاقیں دے چکے تھے۔ آپ ﷺ نے یہ اور اس کے بعد والی آیت تلاوت کی جن میں اس بات کی صراحت ہے کہ جو طلاق اللہ نے اپنے بندوں کے لیے مشروع کی ہے وہ ایسی طلاق ہے جو عدت کے حساب سے ہو۔ جب اس کے پورا ہونے کا وقت آ جائے گا یا تو وہ عورت کو اچھے طریقے سے روک لے یا اسے اچھے طریقے سے چھوڑ دے۔ اس ذاتِ پاک نے اس کو وسعت اور آسانی کے انداز سے مشروع فرمایا ہے۔ شاید کہ طلاق دینے والا شرمندہ ہو۔ اس کے لیے رجوع کا راستہ رہ جائے، اللہ کے فرمان: ''تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی سبیل پیدا کر دے گا'' یہی مفہوم ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو رجوع کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کا اس آیت کی تلاوت کرنا موجودہ حالت پر استدلال کے لیے کافی ہے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث میں ایک مجہول راوی ہے، جو کہ ابو رافع کے بیٹوں میں سے کوئی ہے۔ مجہول کے ساتھ حجت قائم نہیں ہوتی، تو اس کا جواب تین وجوہ سے ہے۔

وجہ اول: امام احمد نے اپنی مسند میں اسی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے، فرماتے ہیں رکانہ بن عبد یزید اخو المطلب نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں۔ اس کو اس پر بہت دکھ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا تم نے اس کو کس طرح طلاق دی ہے؟ کہا: میں نے اس کو تین طلاق دی ہیں، فرمایا ایک مجلس میں؟ کہا جی ہاں! فرمایا وہ تو ایک ہے۔ تو اگر چاہے تو اس سے رجوع کر لے۔ کہتے ہیں اس نے اس سے رجوع کر لیا۔

کہتے ہیں: حضرت ابن عباس کی رائے تھی کہ طلاق ہر طہر پر ہو۔ اسے الحافظ ابو عبداللہ محمد بن الواحد المقدسی نے اپنے مختارات میں روایت کیا ہے، جو صحیح حاکم سے بھی زیادہ صحیح ہے۔

یہ پہلی کے موافق ہے۔ اور یہ دونوں طاؤس ابو الصھباء اور ابو الجوزاء کی حضرت ابن عباس سے روایت کے موافق ہیں۔ طاؤس اور عکرمہ حضرت ابن عباس کے اصحاب میں سے زیادہ علم والے تھے۔ عکرمہ ان کے آزاد کردہ غلام تھے وہ ان کو علم کی وجہ سے پابند رکھتے تھے اور وہ ہر وقت ان کے ہمراہ رہتے تھے۔

طاؤس بھی ان کے ساتھی تھے۔ اکثر ان کے پاس بیٹھے رہتے اور خاص لوگوں کے ہمراہ بیٹھتے تھے۔

طاؤس اور عکرمہ دونوں فتویٰ دیتے تھے کہ تین ایک ہے۔ اسی طرح ابن اسحاق بھی۔ جب ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہوئی اس کے متضاد کے موافق فتویٰ دیتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے تھے اس نے سنت کو نہیں سمجھا لہٰذا: اس کی طرف عورت لوٹائی جائے گی۔ اس حدیث کے جو راوی ہیں انہوں نے اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ اور اس پر عمل بھی کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس متعلق دو روایات ہیں۔

ایک: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت میں طلاق دینے والوں کو ڈانٹ اور تنبیہ کے طور۔

دوسری: اس کے مطابق فتویٰ

حماد بن زید نے عن ایوب، عن عکرمہ حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے یہ سند صحت اور جلالت میں بلند ہے، جب تم نے منہ

سے ایک ہی مرتبہ تین طلاق کہا۔ تو یہ ایک ہوگی۔ اسے ابوداؤد نے سنن میں بھی ذکر کیا ہے۔

وجہ ثانی: یہ مجہول ہے۔ یہ تابعین میں سے ہے۔ نبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام کے بیٹوں میں سے ہے۔ ان میں کوئی کذاب مشہور نہ تھا۔ جب کہ یہ واقعہ محفوظ ہے۔ اس پر داؤد بن الحصین نے متابعت کی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے، کہ اس نے اس کو حفظ کیا ہے۔

وجہ ثالث: ان کی ہی اکیلی روایت پر اعتماد نہیں کیا گیا۔ ہم نے داؤد بن الحصین کی حدیث اور ابوالصھباء کی حدیث بھی ذکر کی ہے۔ آپ اس روایت کا ہونا یا نہ ہونا برابر سمجھ لیں۔ داؤد کی روایت کافی ہے۔ ابن اسحاق نے جب ''حَدَّثَنِیْ'' کہا تو اس سے تدلیس کی تہمت ختم ہوگئی۔ ائمہ نے بعینہ اس سند سے عرایا کے پانچ یا اس سے کم وسق کے اندر پر حجت پکڑی ہے، انہوں نے اس کو اپنایا ہے اس کے مقتضا پر عمل بھی کیا ہے۔ باوجودیکہ ان صحیح احادیث کے عموم کے خلاف ہے۔ جن میں تر کھجور کو خشک کے بدلے بیع کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

اس حدیث کے مطابق یہ قول ظاہر قرآن، اقوال صحابہ قیاس اور بنی آدم کے مفادات کے موافق ہے۔

رہا ظاہر قرآن: تو اللہ پاک نے ہر طلاق میں رجوع مشروع کیا ہے۔ سوائے اس عورت کی طلاق کے جس پر خاوند داخل نہیں ہوا۔ اور وہ طلاق والی جس کو پہلی دو کے بعد تیسری طلاق دی گئی ہو۔ قرآن میں ان دو کے علاوہ کوئی طلاق بائن کہیں بھی نہیں ہے۔ ان میں سے ایک بائن حرام کرنے والی نہیں، جبکہ دوسری بائن حرام کرنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ ''طلاق دو مرتبہ ہے'' وہ ایک کے بعد دوسری مرتبہ ہے۔ جیسا کہ گزر چکا۔

رہا قیاس: تو اللہ پاک نے فرمایا:

﴿وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ﴾ (النور:٦)

''اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر الزام لگاتے ہیں اور ان کے پاس اپنی ذات کے علاوہ کوئی گواہ نہیں ہوتے، ان میں سے ایک کو اللہ کے نام کی چار شہادتیں دینا ہے۔''

پھر ارشاد فرمایا:

﴿وَ یَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ﴾ (النور:٨)

''اور اس عورت سے عذاب ہٹ جائے گا یہ کہ وہ اللہ کے نام کی چار شہادتیں دے۔''

اگر مرد کہے: میں اللہ کے نام کی چار شہادتیں دیتا ہوں کہ میں سچا ہوں یا عورت کہے: میں اللہ کے نام کی چار شہادتیں دیتی ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔ تو یہ ایک شہادت ہوئی۔ چار شہادات نہیں ہوئیں۔ جب کوئی کہے کہ تجھ کو تین طلاق تو وہ تین طلاقیں کیسے ہوں گی؟ اس سے زیادہ صحیح قیاس کیا ہو سکتا ہے؟

اسی طرح جس چیز میں عدد معتبر ہے۔ اقرار وغیرہ میں بھی یہ مثال ہوگی۔

اسی لیے اگر زنا کا اقرار کرنے والا کہے: میں زنا کا چار مرتبہ اقرار کرتا ہوں۔ یہ ایک مرتبہ ہوگا۔ بعض صحابہ نے حضرت ماعز کو کہا تھا: اگر تم نے چار مرتبہ اقرار کیا رسول اللہ ﷺ کل تجھ کو رجم کریں گے۔ اگر کہیں کہ اس کا اقرار چار مرتبہ کرو تو یہ ایک مرتبہ ہوگا۔ طلاق بھی برابر اسی طرح ہے۔ [1]

یہ قیاس ہے۔ ادھر آثار ہیں۔ اور ادھر ظاہر قرآن ہے۔

رہے اقوالِ صحابہ: تو اس کا عہد صدیق میں ہونا ہی کافی ہے۔ ان کے ساتھ تمام صحابہ تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ نہ ان کے زمانہ میں دو قول بیان کیے گئے ہیں۔ حتی کہ بعض اہل علم نے کہا ہے۔ یہ قدیم اجماع ہے۔ اختلاف تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوا۔ اور مسئلہ کا یہ اختلاف ہمارے آج کے زمانہ تک چلتا آ رہا ہے۔ جیسا کہ ہم آگے ذکر کریں گے۔

کہتے ہیں: بلاشبہ یہ بات صحیح ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پورے عہد میں، حضرت ابوبکر کی پوری خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے شروع میں تین طلاقیں دینے والے پر ایک واقع کرتے تھے۔

کہتے ہیں: ہم تم سے زیادہ دعوائے اجماع کے حق دار ہیں۔ کیونکہ عہد صدیق میں اس کو رد کرنے والا اور اس کی مخالفت کرنے والا کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ اگر اجماع ہے تو وہ ہماری طرف سے زیادہ واضح ہے۔ بنسبت اس شخص کے جو اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نصف خلافت سے بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد تو اس میں مسلسل اختلاف رہا ہے۔

قدیم و جدید اہلِ علم نے اس کو اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔ اس متعلق جن کا اختلاف ذکر ہوا ہے۔ وہ داود (ظاہری) اور ان کے اصحاب ہیں۔ ان کا مختار مذہب بھی یہ ہے کہ تین طلاق ایک ہے۔ اس اختلاف کو طحاوی نے اپنی کتاب اختلاف العلماء اور تہذیب الآثار میں۔ ابوبکر الرازی نے کتاب احکام القرآن [2] میں اسے ذکر کیا ہے۔ اسے ابن المنذر نے بیان کیا ہے، ابن جریر نے بیان کیا ہے اور مورخ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے دونوں قولوں کی حجت بتائی ہے۔ پھر کہا: کہ اس مسئلہ میں علماء کے مابین اختلاف ہے۔ محمد بن نصر المروزی نے بھی اس کو بیان کیا ہے۔ انہوں نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ جو عورت کنواری ہو اس کی تین طلاق ایک ہوگی۔ اور جس پر خاوند داخل ہو وہ تین ہوں گی۔ متاخرین میں سے مازری نے اسے کتاب المعلم میں بیان کیا ہے۔ اصحاب ابوحنیفہ میں سے اسے محمد بن مقاتل نے بیان کیا ہے۔ وہ ان کے نمایاں اصحاب میں سے ہیں اور اصحاب ابوحنیفہ کے

---

[1] یہ ماعز بن مالک الاسلمی ہیں۔ انہوں نے نبی ﷺ کے پاس اعتراف زنا کیا تھا تو آپ ﷺ نے ان کو رجم کر دیا۔ ان کی حدیث بخاری، مسلم وغیرہ میں حضرت ابن عباس اس ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ (الفقی) دیکھیے: صحیح بخاری، ج:۸، ص: ۲٤؛ صحیح مسلم، ج: ۲۳، ص ۱۳۱۹، حدیث: ۱۸۔

[2] یہ احمد بن علی الجصاص المتوفی ۳۷۰ ہیں۔ خطیب کہتے ہیں یہ اپنے وقت میں اصحاب ابوحنیفہ کے امام تھے۔ وہ زہد میں مشہور تھے انتہیٰ۔ یہ اللہ کے فرمان: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ کا معنی ذکر کر کے تفسیر میں کہتے ہیں: یہ خبر امر کے لیے ہے اور یہ امر وجوب کے لیے ہے، کتاب و سنت سے دلائل ملتے ہیں کہ تین کو یا دو کو ایک ہی کلمہ کے ساتھ کہنا ممنوع ہے۔ اس متعلق انہوں نے آثارِ صحابہ کو خود ذکر کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف کا اپنی مرض میں اپنی بیوی کو تین طلاق کہنے کی روایات کو بھی جمع کیا۔ بعض روایات مجمل اور بعض مفصل ہیں، پھر وضاحت کی کہ انہوں نے اسے تین میں سے آخری طلاق دی تھی۔ کہتے ہیں زیادہ درست اس میں تین کی وضاحت ہے اور حقیقت حال کھلتی ہے۔ اس میں یہ نہیں ہے کہ تین اکٹھی تھیں جو کہ الگ الگ پر محمول ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے والی حدیث میں ذکر ہوا ہے۔ کہتے ہیں جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے کتاب سنت اور اتفاق سلف کے دلائل سے ثابت ہو گیا ہے کہ اکٹھی تین منع میں انتہیٰ، ج: ۱، ص: ۳۷۸ تا ۳۸٤۔ (الفقی)

تیسرے طبقہ سے ہیں۔ مذہبِ ابوحنفیہ کا دو میں سے ایک قول یہی ہے۔ تلمسانی نے اسے شرح التفریع فی مذہب مالک میں ذکر کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اس مذہب کا قول یہی ہے۔ بلکہ امام مالک سے روایت بھی ہے۔ بعض نے اسے ان سے اس مذہب کے قول کے طور پر بھی بیان کیا ہے۔ مذہب مالک کا دو میں سے ایک قول یہی ہے۔ شیخ الاسلام نے اسے بعض اصحابِ احمد سے ذکر کیا ہے۔ ان کا مختار مذہب بھی ہے ان کا کم از کم مذہب وہ ہے جو ان کے مذہب میں معتبر لوگوں کا ہے۔

مثلاً قاضی اور ابوالخطاب [1] جو کہ بہت نمایاں ہیں، تو بلاشک مذہب احمد میں یہی قول معتبر ہے۔

رہے تابعین۔ تو ابن المنذر کہتے ہیں حضرت سعید بن جبیر، طاؤس ابوالشعثاء عطا اور عمرو بن دینار کہتے تھے۔ جس نے کنواری عورت کو تین طلاقیں دیں تو وہ ایک ہے۔

کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اختلاف حضرت حسن سے مروی ہے ان سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ تین ہے۔ قتادہ، حمید اور یونس نے ان سے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اس کے بعد اس قول سے رجوع کر لیا اور کہا کہ یہ ایک بائنہ ہے۔

محمد بن نصر کتاب ''اختلاف العلماء'' میں کہتے ہیں: اہلِ علم کا اجماع ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو ایک طلاق دے وہ اس پر داخل نہ ہوا تھا وہ اس سے بائنہ ہوگی اور اس پر کوئی عدت نہیں ہے۔ اختلاف اس کے متعلق ہے جس پر خاوند داخل نہیں ہوا اور اس کو ایک ہی لفظ میں تین طلاق کہہ دیا۔ اوزاعی مالک اور اہل مدینہ کہتے ہیں وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی حتیٰ کسی اور خاوند سے نکاح کر لے۔ حضرت ابن عباس اور ایک سے زائد تابعین سے مروی ہے انہوں نے کہا: اگر داخل ہونے سے پہلے تین طلاق دے تو وہ ایک ہے، اکثر اہل حدیث کا پہلا قول ہے۔ کہتے ہیں: اسحاق کہا کرتے تھے کنواری کے لیے تین طلاق ایک ہوگی۔ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے طاؤس والی روایت کی بھی یہی تاویل کی ہے کہ طلاق ثلاثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے عہد میں ایک بنائی جاتی تھی۔

میں کہتا ہوں: یہ اسحاق کی تاویل ہے۔

رہے ابوداؤد: انہوں نے اسے موضوع کہا ہے۔ وہ سنن میں کہتے ہیں: ''تین طلاقوں کے بعد رجوع کے نسخ کا بیان'' پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث بیان کی کہ آدمی جب اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے وہ اس کے رجوع کا زیادہ حق دار ہوتا ہے۔ گو تین طلاق دیتا ہے پھر اس کو اللہ کے فرمان: ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ سے منسوخ کر دیا گیا، پھر باب کے دوران ابوالصھباء کی حدیث ذکر کی۔ گویا ان کا اعتقاد یہ ہے کہ اس کا حکم ثابت تھا کہ آدمی اپنی بیوی سے رجوع کر لیتا تھا جب بھی وہ اسے طلاق دیتا ہے، لیکن یہ دو وجہ سے وہم ہے۔

وجہ اول: طلاق کے بعد رجوع کا ثبوت اصل میں منسوخ ہے۔ وہ جتنی بھی ہو جائیں جیسا کہ شروع اسلام میں تھا۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ الامام شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا کم از کم احوال یہ ہے کہ ان کا علم، فقہ اور ان کی بات پر اعتماد میں کم از کم مرتبہ مذہب امام احمد بن حنبل میں دیگر نامور لوگوں کی طرح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا اختلاف معتبر اور قابل اعتماد ہے اور دعویٰ اجماع کے خاتمہ میں بھی معتبر ہے۔ اپنے مذہب کے نمایاں اصحاب میں علم، فقہ اور حدیث میں فائق ہیں۔ ان کے لیے ہر موافق اور مخالف نے امامت اور اجتہاد مطلق کی شہادت دی ہے۔ (الفقی)

وجہ ثانی: رسول اللہ ﷺ کی موت کے بعد نسخ ثابت نہیں ہوتا۔ تین کے ایک ہونے پر پوری خلافت صدیق اور شروع خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں عمل کیا گیا ہے۔ اب یہ ناممکن ہے کہ اس کے بعد منسوخ ہو گئی ہو۔

ابن المنذر کہتے ہیں یہ (نسخ) نبی ﷺ کے علم اور آپ ﷺ کے حکم سے نہیں ہوا۔ کہتے ہیں یہ بھی جائز نہیں کہ حضرت ابن عباس نبی ﷺ سے کوئی چیز یاد کریں پھر اس کے خلاف فتویٰ دیں۔ جب یہ جائز نہیں تو حضرت ابن عباس کا فتویٰ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے حکم سے نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ نبی ﷺ کے علم اور آپ ﷺ کے حکم سے ہوتا تو حضرت ابن عباس کے لیے اس کے خلاف فتویٰ دینا ناممکن تھا۔ یا یہ کہ حضرت ابن عباس کے فتویٰ کو دلیل بنا کر منسوخ ہو اور یہ مسلک چند وجوہ سے بہت ہی ضعیف ہے۔

پہلی وجہ۔ عکرمہ نے جو حضرت ابن عباس سے حدیث بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے رکانہ کی بیوی کو اس پر تین طلاق کے بعد لوٹا دیا تھا یہ اس تاویل کو سرے سے باطل کرتی ہے۔

دوسری وجہ: اگر یہ صحیح ہوتا تو ضرور حضرت ابن عباس ابوالصہباء کو فرماتے میں نہیں جانتا کہ یہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے یا نہیں پہنچتا؟

جب انہوں نے اس پر اقرار کیا تو ان کا اقرار دلیل ہو گیا کہ یہ ان امور میں سے ہے جن کی نسبت آپ تک ہے۔

تیسری وجہ: اگر یہ صحیح ہوتا تو حضرت عمر نہ کہتے کہ یہ لوگ اس بات میں جلدی کرنے لگے ہیں جس میں ان کو ٹھہراؤ چاہیے۔ بلکہ ضروری ہے کہ وہ ان کو بتاتے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اس کے خلاف ہے۔ لوگوں کا یہ عمل دین اسلام کے خلاف ہے۔ شریعت محمد ﷺ کے خلاف ہے۔ یہ نہ کہتے کہ ہم اگر اس کو لوگوں پر جاری کر دیں۔ کیونکہ یہ جاری کرنا اللہ اور اس کے پیغمبر کی طرف سے ہے نہ کہ حضرت عمر کی طرف سے۔

چوتھی وجہ: یہ بھی ناممکن اور محال ہے، کہ خلق اللہ میں سے بہترین لوگ (صحابہ کرام) رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اور آپ ﷺ کے خلیفہ کے عہد میں طلاق دیتے اور رجوع کرتے، دین کے خلاف وہ حرام طلاق دیتے اور حرام رجوع کرتے تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر نہ دیتے تھے جبکہ آپ ﷺ ان کے درمیان موجود تھے۔

پھر حضرت ابن عباس کی حدیث جسے امام احمد نے ان سے روایت کیا ہے اس کا رد کرتی ہے۔ پھر دو میں سے ایک روایت کے مطابق حضرت ابن عباس کا فتویٰ بھی اس کو رد کرتا ہے۔ یہ روایت ان سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے جیسا کہ دوسری روایت بھی ان سے ثابت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی مدت حیات، حضرت ابوبکر صدیق کی تمام مدت حیات اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آدھا حصہ دیکھیں، کس طرح امت کے بہترین لوگ جہالت پر برقرار رہ سکتے ہیں۔ پھر ان پر جائز طلاق اور رجوع ظاہر ہوتے ہیں؟ حضرت عمر کی یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ لوگوں نے اس بات میں جلدی شروع کر دی ہے جس میں ان کا ٹھہراؤ تھا؟ اور یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ اگر ہم اسے ان پر جاری کر دیں؟ یہ مسلک تو تم دیکھ ہی رہے ہو۔

رہے امام احمد تو ان کا رد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے فتویٰ سے ہے جو اس کے خلاف ہے۔ اور وہ دونوں حدیثوں کے روای ہیں۔

اثرم کہتے ہیں: میں نے ابو عبداللہ سے حضرت ابن عباس کی اس حدیث کے متعلق سوال کیا کہ طلاق ثلاثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں تین ایک شمار ہوتی تھی آپ اس کا کیا جواب دیتے ہیں؟ فرمایا کچھ لوگوں کی حضرت ابن عباس سے روایت کے ساتھ جو کئی وجوہ سے اس کے خلاف ہے۔

اسی طرح ان سے ابن منصور نے بھی نقل کیا ہے۔

یہ مسلک دو میں سے ایک روایت پر آتا ہے۔ کہ صحابی جب حدیث کے خلاف عمل کرے وہ حجت نہ ہوگی۔ عمل صحابہ کی پیروی کی جائے گی۔

ان کا مشہور مسلک یہ ہے کہ اعتبار صحابی کی روایت کا ہے نہ کہ اس کے عمل کا، جب وہ حدیث کی مخالفت کرے۔ اسی لیے انہوں نے حضرت ابن عباس کی روایت حدیث بریرہ میں لی ہے کہ لونڈی کی بیع اس کے لیے طلاق نہیں ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دیا تھا۔[1] اگر اس کی بیع سے نکاح فسخ ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اختیار نہ دیتے۔ باوجودیکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ لونڈی کی بیع اس کی طلاق ہے۔ انہوں نے ظاہر قرآن سے دلیل ہے۔ یعنی اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ ﴾ (النساء:)

''اور شادی شدہ لونڈی عورتوں میں سے سوائے تمہاری لونڈیوں کے۔''

اس میں شادی شدہ لونڈی ملکیت میں آنے پر وطی کی اجازت ہے۔ اگر نکاح باقی ہوتا ختم نہ ہوتا۔ اس کے لیے وطی کی اجازت نہ ہوتی۔

جمہور جن میں امام احمد بھی ہیں اس مسئلہ میں ان کے خلاف ہیں۔ وہ کہتے ہیں: اس کی بیع طلاق نہ ہوگی۔

انہوں نے حضرت بریرہ کی حدیث کو حجت بنایا ہے۔ انہوں نے ان کی رائے کو ان کی روایت کی وجہ سے چھوڑا ہے۔ ان کی روایت معصوم ہے۔ ان کی رائے غیر معصوم ہے۔ امام شافعی کا مشہور مذہب روایت لینا ہے نہ کہ رائے۔

امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب اس کے خلاف ہے۔ امام احمد سے دو روایات ہیں۔ یہ مسلک حدیث کے رد کو قوی نہیں کرتا۔

بعض نے رد حدیث میں اور مسلک اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مضطرب ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ اسی لیے بخاری نے اس سے اعراض کیا ہے۔ اور اپنی صحیح میں اس کے خلاف باب قائم کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''اس شخص کے متعلق باب جس نے ایک کلمہ میں تین کو جائز کہا ہے'' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ پھر حدیث لعان ذکر کی۔ اس میں ہے کہ انہوں نے اس عورت کو تین طلاق دے دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم فرمانے سے پہلے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہیں بدلا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو باطل پر برقرار نہیں رکھتے تھے۔

---

[1] یعنی حضرت بریرہ کو اختیار دیا۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خرید کر آزاد کیا اور ان کی ولاء اپنے لیے طلب کی۔ امام بخاری نے اس کو ابواب الطلاق کے اس باب میں بیان کیا ہے ''لونڈی کا اختیار جو غلام کی بیوی ہو۔'' (الفقی)

کہتے ہیں: اس کے اضطراب کی وجہ یہ ہے کہ کبھی یہ طاؤس عن ابن عباس بیان کی جاتی ہے۔کبھی طاؤس عن ابی الصھباء عن ابن عباس۔اور کبھی عن ابی الجوازاء عن ابن عباس۔تو یہ سند کی جانب سے اس کا اضطراب ہے۔

رہا متن! تو ابوالصھباء کبھی کہتے ہیں کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جب آدمی اپنی بیوی کو اس پر داخل ہونے سے پہلے تین طلاق دیتا وہ اس کو ایک بتاتے تھے؟ اور کبھی کہتے ہیں۔''کیا طلاق رسول اللہ ﷺ کے عہد میں حضرت ابوبکر حضرت عمر کے عہد کے شروع میں تین ایک نہ ہوتی تھی؟ تو یہ لفظ دوسرے کے خلاف ہے۔ یہ مسلک کمزور ترین مسلک ہے۔اس طرح حدیث کا رد ایک گونہ تعصب ہے۔حفاظ میں سے کسی سے منقول نہیں کہ اس نے اس حدیث پر اعتراض لگایا ہو نہ ہی کسی نے اسے ضعیف کہا ہے۔امام احمد سے جب کہا گیا: آپ کو کس طرح رد کرتے ہیں؟ کہا لوگوں کو حضرت ابن عباس سے اس کے خلاف روایت کی وجہ سے، جبکہ انہوں نے اس پر ضعف کی وجہ سے رد نہیں کیا۔اور نہ ہی اس کی صحت پر اعتراض کیا ہے۔اس کی صحت پر اعتراض کس طرح بن سکتا ہے جبکہ اس کے رواۃ تمام ائمہ اور حفاظ ہیں؟ اسے عبدالرزاق وغیرہ نے ابن جریج سے خبر کے لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے اسی طرح ابن جریج نے اسے ابن طاوس سے بیان کیا ہے۔اس کو طاؤس نے اپنے باپ سے بیان کیا ہے۔اس سند میں کسی طعن کرنے والے کے لیے کوئی طعن نہیں ہے۔طاؤس حضرت ابن عباس کے بڑے خاص اصحاب میں سے ہیں۔ان کا مذہب ہے کہ تین ایک ہے۔اس کو حماد بن زید نے ایوب سے، ایک سے زائد راویوں سے، طاؤس سے بیان کیا ہے۔نہ اس کے ساتھ عبدالرزاق منفرد ہیں، نہ ابن جریج اور نہ ہی عبداللہ بن طاؤس۔

یہ حدیث صحیح ترین احادیث میں سے ہے۔ بخاری کا اس روایت کو چھوڑنا اس کو کمزور نہیں بناتا۔اس کا حکم اس طرح کی صحیح احادیث والا ہے۔جن کو بخاری نے اس لیے چھوڑا ہے کہ ان کی کتاب لمبی نہ ہو جائے۔کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب کا نام الجامع المختصر الصحیح رکھا ہے جس کو بھی علم سے تعلق ہو وہ اس طرح کا عذر پسند نہیں کرتا۔

رہی وہ روایت جو کہ کسی نے ابوالجوازاء سے بیان کی ہے، اگر وہ محفوظ ہے تو یہ حدیث کو مزید قوت دیتی ہے۔اگر محفوظ نہیں (جو کہ ظاہر ہے) تو یہ کنیت میں وہم ہے۔اس میں عبداللہ بن مؤمل، ابن ابی ملیکۃ عن ابی الصھباء سے، ابوالجوزاء کی طرف منتقل ہوا ہے۔اس کا حافظہ اچھا نہ تھا۔حفاظ نے ابوالصھباء کہا ہے۔لہٰذا یہ بات حدیث کو کمزور نہیں کرتی۔

یہ طریق مستدرک حاکم میں ہے۔

رہی وہ روایت جو کسی نے قبل الدخول کے ساتھ مقید بیان کی ہے۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ دوسروں کی روایت کے مناقض نہیں ہے۔ یہ ابوداؤد کے ہاں عن ایوب عن غیر واحد ہے۔مطلق روایت عن معمر، عن ابن جریج، عن ابن طاؤس عن ابیہ ہے۔اگر دونوں کا تعارض ہو تو یہ روایت بہتر ہے۔اور اگر تعارض نہ ہو تو معاملہ واضح ہے۔

داؤد بن حصین، عن عکرمۃ، عن ابن عباس عن النبی ﷺ والی حدیث اس بات میں صریح ہے کہ جس پر خاوند داخل ہوا تو اس کے لیے تین ایک طلاق ہے، عام طور پر جو فرض کیا جاتا ہے کہ ابوالصھباء کی حدیث میں ''قبل الدخول'' کا لفظ ایک ثقہ کی زیادتی ہے۔تو اس کو اپنانا بہتر ہو گا، حضرت ابن عباس کی دو حدیثوں میں سے ایک پھر دلالت کرے گی کہ یہ حکم کنواری کے متعلق ثابت

ہے۔ ان کی دوسری حدیث بتاتی ہے کہ یہ حکم ثیب رشادی شدہ کے لیے بھی ثابت ہے۔ تو ایک حدیث دوسری کو قوی کرتی ہے۔ اور اس کی صحت پر شاہد ہے۔ وباللہ التوفیق۔

بعض لوگوں نے ان سب سے ضعیف تر مسلک کے ساتھ اس حدیث کا رد کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کو رسول اللہ ﷺ سے صرف حضرت ابن عباس نے بیان کیا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اکیلے طاؤس نے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں: اکابر صحابہ اور حفاظ نے اس طرح کے عظیم معاملہ کی روایت سے کہاں رہے؟ جس کی سخت ضرورت ہے۔ یہ تمام صحابہ پر کیسے مخفی رہی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اکیلے کو معلوم ہوگئی؟ پھر حضرت ابن عباس کے تمام اصحاب پر مخفی رہی اور اکیلے طاؤس کو معلوم ہوگئی؟

یہ گزشتہ تمام نظریات سے فاسد تر نظریہ ہے۔ اس طرح کے اعتراضات سے صحابہ اور ائمہ ثقافت کی احادیث کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ کتنی ہی احادیث ہیں جن کو صرف ایک صحابی نے بیان کیا ہے، جن کو کسی اور نے بیان نہیں کیا اور انہیں ساری امت نے قبول کیا ہے کسی ایک نے بھی رد نہیں کیا؟ کتنی ہی احادیث ہیں جن کو طاؤس سے کم درجہ والے اکیلے راوی نے روایت کیا ہے اور اس کو کسی بھی امام نے رد نہیں کیا؟

قدیم وجدید کسی اہلِ عمل کو ہم نہیں جانتے جس نے کہا ہو کہ حدیث کو جب ایک ہی صحابی نے روایت کیا ہو تو قبول نہ ہوگی۔ ہاں! اس متعلق اہل بدعت اور ان کے تابعداروں کے چند اقوال بیان کیے گئے ہیں۔ فقہاء میں سے ان کا کوئی قائل معلوم نہیں ہوتا۔ زہری تقریبا ساٹھ سنتوں کے بیان میں اکیلے ہیں جنہیں کسی اور نے بیان نہیں کیا۔ امت کا ان پر عمل ہے۔ انہوں نے زہری کے اکیلے ہونے کی وجہ سے ان کو رد نہیں کیا۔ اس کے باوجود یہ ہے عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث رکانہ بیان کی ہے۔ جو ان سے طاؤس کی حدیث کے موافق ہے۔

اگر کوئی عکرمہ پر اعتراض کرے تو باطل اور غیر درست اعتراض ہے، سب لوگوں نے عکرمہ سے حجت پکڑی ہے۔ ائمہ حفاظ نے ان کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اس متعلق جس نے بھی اعتراض کیا انہوں نے قبول نہیں کیا۔

اگر کہا جائے کہ یہ حدیث شاذ ہے اور اس کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے، اس کو رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت میں قطعی نہ کہا جائے؟

جواباً کہا جائے گا۔ یہ اس طرح کی شاذ نہیں ہے۔ شذوذ یہ ہوتا ہے کہ ثقہ راوی ثقات کی روایت کی مخالفت کرے۔ اس کی روایت ان سے شاذ ہو جائے گی۔ اگر کوئی ثقہ منفرد روایت بیان کرے۔ ثقات نے اس کے خلاف روایت بیان نہ کی ہو تو اسے شاذ کا نام نہیں دیا جاتا، اگر اصطلاحِ شاذ اس پر استعمال کی جائے تو بھی یہ اس کے رد کرنے کا موجب نہیں ہے اور نہ ہی یہاں پر اس کی کوئی گنجائش ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں شاذ یہ نہیں کہ ثقہ کسی روایت میں منفرد ہو بلکہ شاذ یہ ہے کہ وہ ثقات کی روایت کے خلاف بیان کرے۔ یہ آپ نے اس مناظرہ میں بات کہی تھی جس میں منفرد رائے کو مسترد کرنے کا ایک شخص نظریہ رکھتا تھا۔

اس بات کو کوئی علم والا، امام اور ان کا تابع رد نہیں کر سکتا۔ اگر اس کو رد کریں گے تو ان کے بہت سے اقوال وفتاویٰ باطل ہو جائیں گے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ اس طرح کی باتوں سے اس حدیث کو رد کرنے والوں نے خود اپنے مذہب کی کئی بنادیں ایسی ضعیف روایات پر رکھی ہیں جن کا راوی بھی اس روایت میں منفرد ہوتا ہے کوئی اور بیان نہیں کرتا اور یہ شمار سے بھی زیادہ اور مشہور ہیں۔

جب ان میں سے بعض نے ان تمام مسالک کی کمزوری کو دیکھا کہ یہ تو کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ انہوں نے اس کی تاویل میں راحت سمجھی۔ کہنے لگے جی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر کے عہد میں ایک طلاق دیتے تھے۔ وہ تین واقع نہ کرتے تھے۔ حضرت عمر کے دور خلافت کے دوران وہ تین دینے لگے اور بکثرت دینے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے ان پر اسی طرح جاری کر دیا جس طرح انہوں نے کہنا شروع کیا، تو ان کا یہ کہنا کہ ''طلاق رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک ہوتی تھی'' یعنی طلاق دینے کے بارے میں اور طلاق دینے والوں کے بارے میں نہ کہ حکم شرع میں۔ اس کے قائل نے کہا ہے: یہ سب سے قوی جواب ہے اور اس سے سب اشکال ختم ہو جاتے ہیں؟

قسم باللہ! اگر یہ کہنے والا چپ رہتا تو بہتر تھا اور اس کا پردہ بھی تھا۔ حدیث کے متعلق مسالک میں یہ سب سے کمزور مسلک ہے۔ اس کا سیاق اس کے بطلان کو ایسا ظاہر بیان کر رہا ہے جس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اس کے قائل نے گویا کمزور علم لوگوں پر بات کو مزین کرنا پسند کیا ہے جو مسلسل تقلید کی پستی میں ہیں تو اس نے ان پر یہ بات گھڑ کر بنادی ہے۔

اس کے قائل نے گویا الفاظ حدیث پر غور نہیں کیا۔ نہ اس کے طرق کو دیکھا ہے۔ ہم نے اس کے بعض الفاظ سے ابوالصہباء کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے قول ذکر کیا تھا کہ ''کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاق قبل دخول دیتا۔ وہ اس کو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک بناتے تھے، حضرت ابوبکر کے عہد میں بھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے شروع میں؟'' تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس کا اقرار کیا اور فرمایا: ''ہاں۔''

اسی طرح اس تاویل کرنے والے کا کہنا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک ہی طلاق دیتے تھے۔ اس نے خود ہی اس کو توڑا اور اس کو باطل کیا ہے۔ جب اس نے تین کے وقوع پر لعان [1] والے کی حدیث کو حجت بنایا۔ اور حضرت محمود بن لبید کی اس

---

[1] یہ عویمر بن اشقر العجلانی کی حدیث ہے۔ ان کے اور ان کی بیوی کے متعلق اللہ نے آیاتِ لعان نازل کی ہیں۔ ان دونوں نے لعان کیا۔ پھر عویمر نے نبی ﷺ سے کہا: اگر میں اس کو روک رکھوں تو میں نے اس پر جھوٹ کہا تھا۔ اے اللہ کے پیغمبر! عویمر نے نبی ﷺ کے حکم سے پہلے اس کو تین طلاق دے دی۔ اسے بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے حضرت سہل بن سعد الساعدی کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ بخاری کا اس پر باب ہے ''لعان کا باب اور جس نے لعان کے بعد طلاق دی۔'' فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۰ میں حافظ کہتے ہیں: اس میں اختلاف ہے کہ آیا لعان میں علیحدگی لعان سے ہوگی یا خاوند کے کہنے سے؟ مالک شافعی اور ان کے اتباع کا مذہب ہے کہ علیحدگی لعان سے ہی ہو جائے گی۔ مالک اور ان کے زیادہ اصحاب کہتے ہیں: عورت کی فراغت کے بعد۔ شافعی، ان کے اتباع اور مالکیہ میں سے سحنون کہتے ہیں: جب تک حاکم ان میں جدائی نہ کرائے ان کی حجت ظاہر احادیث لعان کا واقعہ ہے۔ امام احمد سے دو روایات ہیں۔ انتہیٰ معمولی تصرف کے ساتھ۔

زاد المعاد ج ۴ ص ۱۰۶ میں علامہ ابن القیم فرماتے ہیں: ''اگر میں نے اس کو روکا تو میں نے اس پر جھوٹ باندھا'' یہ الفاظ اس بات کی دلیل نہیں کہ لعان کے بعد روکنے کی شرعاً اجازت ہے۔ بلکہ انہوں نے اس سے علیحدگی کے لیے جلدی کی گو کہ معاملہ وہاں جا رہا تھا جس طرف انہوں نے جلدی کی۔ رہا ان کا اس کو تین طلاق کہنا یا زیادہ، تو جدائی ہوگئی تھی یہ تو ایک تاکید تھی۔ وہ ان پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی تھی۔ تین طلاق کہنا یا زیادہ طلاق تو جدائی ہوگئی تھی گویا انہوں نے کہا تو میرے لیے اس کے بعد حلال نہ ہوگی۔ رہا اس پر طلاق کا نفاذ تو یہ اس کے لیے تحریم کے موجب کے لیے ہے۔ کیونکہ جب وہ ان کے لیے لعان کے بعد ہمیشہ کے لیے حرام ہو گی، تو تین طلاق لعان سے واقع ہونے والی تحریم کی تاکید کے لیے ہے۔ انتہیٰ۔ ابن القیم نے طلاق کے مطلق زاد المعاد میں بہت تفصیلی بات کی ہے۔ اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ (الفقی)

حدیث کو بھی کہ:

«أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ- ثَلَاثًا، فَغَضِبَ النَّبِيُّ ﷺ-وَقَالَ: أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ، وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟» ①

''ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اپنی بیوی کو تین طلاق دی۔ نبی ﷺ غصہ میں آئے۔ فرمایا کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔ جبکہ میں تمہارے درمیان ہوں۔''

پھر اس قائل نے حدیث میں اپنے پاس سے اضافہ کر لیا ''کہا آپ ﷺ نے اسے اس پر جاری کر دیا۔'' اور اسے رد نہ کیا۔ یہ لفظ من گھڑت ہے۔ اس حدیث کے طرق میں کہیں بھی بالکل مروی نہیں ہے۔ نہ حدیث کی کسی کتاب میں ہے۔ یہ اس قائل کے اپنے تھیلے سے ہے۔ جو اس نے فرطِ تقلید سے گھڑ لیا ہے۔

حضرت محمود بن لبید نے ذکر نہیں کیا کہ اس کے بعد کیا ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کو جاری کیا یا ایک کی طرف لوٹایا۔ مقصد یہ ہے کہ اس قائل نے غلط کہا۔ اس نے حدیث کی ایسی تاویل کی جس کا بطلان اس کے سیاق سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعض الفاظ ہیں: تین طلاق رسول اللہ ﷺ کے عہد میں حضرت ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر کی خلافت کے شروع میں ایک کی طرف لوٹائی جاتی تھی۔ یہ ان الفاظ کے موافق ہے جن میں ہے کہ ''جب کوئی اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا وہ اس کو ایک بناتے تھے۔'' اس کے تمام الفاظ اسی معنی پر متفق ہیں۔ بعض بعض کی تفسیر کرتے ہیں۔ انہوں نے یہ اور اس طرح کے محکم کو متشابہ بنایا۔ واضح کو مشکل بنایا۔ وہ ان الفاظ کا کیا کرے گا ''کہ اگر ہم اسے ان پر جاری کریں؟'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی۔ انہوں نے سوچا کہ ان کی کثرت کی وجہ سے اسے ان پر جاری کر دیں۔ کہ وہ اللہ کی وسعت کو اپنے اوپر تنگ کر رہے ہیں۔ جو اللہ نے الگ الگ بتایا ہے، یہ لوگ اسے جمع کر رہے ہیں۔ یہ ایسا طریقہ ہے جو اللہ نے مشروع نہیں کیا۔ اور یہ اس کی حدود سے آگے بڑھ رہے ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کا کمالِ علم ہے کہ آپ نے معلوم کر لیا: اللہ پاک نے نکلنے کی راہ صرف اس شخص کے لیے بنائی ہے، جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرے اور اس کی حدود کی پابندی کرے۔ ان لوگوں نے طلاق میں اس کا تقویٰ اختیار نہیں کیا اور نہ اس کی حدود کی پابندی کی ہے، لہٰذا یہ اس نکلنے کی راہ کے مستحق نہ ہوئے جو تقویٰ والوں کو ملتی ہے۔

اگر تین رسول اللہ ﷺ کے عہد میں واقع ہو جاتیں۔ یعنی آپ ﷺ کے اس دین میں جو اللہ نے آپ ﷺ کو دے کر بھیجا تھا۔ حضرت عمر اس کے جاری کرنے کو اپنی طرف نسبت نہ کرتے۔ اور نہ یہ قول ان کی طرف سے درست ہوتا۔ یہ اس مرتبہ میں ہے کہ وہ زنا، قتل نفس اور پاکدامنوں پر تہمت لگانے کے متعلق کہیں کہ اگر ہم اسے ان پر حرام کر دیں، میں نے انہیں ان پر حرام کر دیا۔ اور اس مرتبہ میں کہ وہ ظہر، عصر کے وجوب، رمضان کے روزے کے وجوب اور غسل جنابت کے وجوب میں کہیں: اگر ہم انہیں ان پر فرض کر دیں میں نے انہیں ان پر فرض کر دیا۔

ان ناپسندیدہ تاویلات کا دعویٰ: جب جب طالب علم ان پر نظر دوڑاتا ہے۔ اس کی اس مسئلہ میں بصیرت بڑھ جاتی ہے۔

① حوالہ پیچھے گزر چکا ہے۔

اس کے ہاں اس کا پہلو مضبوط ہو جاتا ہے۔ وہ رائے قائم کرتا ہے کہ حدیث کو اس طرح کی چیزوں سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

ابوعبدالرحمٰن النسائی نے اپنی سنن میں اس حدیث کے متعلق ایک اور مسلک اختیار کیا ہے۔ وہ اس پہلو کو اپنے ہاں قوی بتاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں باب طلاق الثلاث المتفرقة قبل الدخول بالزوجة۔ پھر یہ سند بیان کرتے ہیں ابوداؤد، ابوعاصم ابن جریم ابن طاؤس عن ابیہ ابوالصہباء سے مروی ہے کہ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آئے، کہا: اے ابن عباس رضی اللہ عنہ! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں، حضرت ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر کی خلافت کے شروع میں ایک کی طرف لوٹائی جاتی تھی؟ فرمایا ہاں۔ جب تم اس باب اور الفاظِ حدیث میں مطابقت کرو گے۔ تم دیکھو گے کہ یہ اس پر دلالت نہیں کرتا۔ نہ کسی طرح یہ مفہوم نکلتا ہے۔ بلکہ باب اور طرح ہے حدیث اور طرح۔ گویا جب ان پر الفاظِ حدیث کی مشکل ہوئی۔ انہوں نے اسے اس عورت پر محمول کر لیا جس پر خاوند داخل نہیں ہوا کہ وہ اس کو کہے تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق۔ اس کو ایک طلاق ہو گئی اور معلوم ہے کہ یہ حکم اسی طرح ہے اور اسی طرح رہے گا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ اور حضرت ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے شروع میں۔ پھر حضرت عمر کے زمانہ میں بدلتا ہے اور اس کے بعد طلاق دینے والے پر تین جاری ہوتی ہیں۔ حدیث اس طرح کی دلائل سے بالکل مندفع نہیں ہوتی۔ دوسروں نے اس حدیث کے متعلق اور مسلک اختیار کیا ہے۔ انہوں نے کہا: یہ حدیث اصول شرع کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس کی طرف نہ دیکھا جائے گا۔ کیونکہ اللہ پاک نے خاوند کو تین طلاقوں کا مالک بنایا ہے اور ان کا واقعہ کرنا اس کے اختیار پر رکھا ہے۔

اگر ہم شافعی اور ان کے موافقین کی طرح بات کہیں کہ تین کو جمع کرنا جائز ہے۔ اس نے وہ کام کیا جو اس کے لیے مباح ہے۔ تو درست ہے۔

اگر ہم کہیں کہ تین کو جمع کرنا حرام ہے۔ یہ بدعتی طلاق ہے۔ شارع نے اس کو الگ الگ تین کا مالک بنایا ہے۔ تا کہ اس پر وسعت ہو۔ اگر اس نے ان کو جمع کر لیا تو اس نے وہ معاملہ جمع کیا جس کے جدا جدا کی اس کو وسعت دی گئی تھی۔ اس کو اس کا ہو جانا لازم ہو گا جیسا کہ وہ اگر جدا جدا کرتا تو لازم ہو جاتا۔

کہتے ہیں: جیسے اُسے طلاق والی عورتوں کو الگ الگ کرنے اور اکٹھا کرنے کا اختیار ہے۔ اس طرح اسے طلاق کو الگ الگ کرنے اور جمع کرنے کا اختیار ہے۔ یہ اصولی قیاس ہے لہٰذا ہم اس کو خبر واحد کے ساتھ باطل نہ کریں گے۔

دوسرے جواباً کہتے ہیں: اس قیاس سے اس حکم کا ثابت ہونا درست نہیں ہے۔ اگر یہ نص کے خلاف نہ آیا ہو۔ چہ جائیکہ اس کو نص پر مقدم کیا جائے۔ جو قیاس اصولِ شرع، لغت عرب، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صدیق میں عمل صحابہ کے خلاف ہے۔

رہا اصولِ شرع کی مخالفت: تو اللہ پاک نے عورت پر داخل ہونے کے بعد طلاق دینے والے کو ایسی طلاق کا اختیار دیا ہے جس میں وہ رجوع کا اختیار رکھتا ہے، اس کو اس میں اچھے طریقے سے چھوڑنے یا اچھے طریقے سے روکنے کا اختیار رہتا ہے۔ بشرطیکہ عوض نہ ہو۔ یا عدت کو پورا نہ کرتا ہو۔

قرآن نے اس سب کو بیان کیا ہے۔ اس نے بیان کیا ہے کہ طلاق قبل الدخول میں عورت بائنہ ہو گی۔ اور اس پر کوئی عدت

نہ ہوگی، اس نے بیان کیا ہے کہ فدیہ دینے والی اپنے آپ کی مالک ہوگی اس کے خاوند کو اس پر رجوع کا اختیار نہ ہوگا۔

اس نے بیان کیا ہے کہ جس عورت کو اب طلاق دی گئی۔ پہلے بھی دو طلاقتیں دی گئی تھیں۔ وہ خاوند سے بائنہ ہوگی۔ اس پر حرام ہوگی، وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی حتی کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح کر لے۔

اس نے بیان کیا ہے کہ اس کے علاوہ جو طلاقیں ہیں ان میں خاوند کو رجوع کا حق ہے۔ وہ اچھے طریقے سے رکھنے یا اچھے طریقے سے چھوڑنے کے درمیان اختیار رکھتا ہے۔

یہ اللہ عزوجل کی کتاب کا فیصلہ ہے جس کے اندر یہ چار اقسام اور ان کی انواع ہیں۔ اللہ پاک نے ان کے احکام کو ان کے لوازم بنایا ہے جو ان سے الگ نہیں ہیں۔ ان احکام کی تبدیلی بالکل جائز نہیں ہے۔

جس طرح طلاق قبل الدخول میں رجوع کا ثبوت اور عدت کا وجوب جائز نہیں ہے، نہ جس عورت کو پہلے دو طلاقیں ہوئی ہوں اس میں رجوع ثابت ہوتا ہے، کہ وہ بغیر دوسرے خاوند کے پہلے تک پہنچ سکے۔ نہ طلاق فدیہ میں رجوع ثابت ہو سکتا ہے۔ اسی طرح طلاق کی دوسری قسم میں اس کا حکم بدلنا جائز نہیں ہے۔ وہ ایسی صورت میں واقع ہوتی ہے جس میں رجوع ثابت نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے خلاف ہے جس کا اس نے فیصلہ کیا ہے۔ یہ اس کی لازم صفت ہے۔ اس کی مخالف بالکل نہیں ہے۔ جس نے قرآن پر غور کیا وہ دیکھتا ہے کہ اس میں اور کوئی احتمال نہیں ہے، اللہ پاک نے جو طلاق مشروع کی ہے اس میں رجوع بھی مشروع کیا ہے۔ سوائے اس طلاق کے جو قبل الدخول ہو۔ اور طلاق خلع اور تیسری طلاق، ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب فیصلہ کرنے والی ہے۔ اگر اس میں کوئی چیز اس کے علاوہ بھی ہے تو وہ ہمیں بھی دکھاؤ۔

اس کی جو باتیں شبہ واضح کرتی ہیں: ان میں سے یہ بھی ہے کہ تین گروہوں کے جمہور فقہاء نے امام شافعی کے خلاف قرآن سے رد کیا ہے کہ انہوں نے اکٹھی تین یعنی جمع کرنے کو جائز کہا ہے۔ کہتے ہیں اللہ پاک نے تین کو جمع کرنا مشروع نہیں کیا۔ بغیر عوض بعد دخول جو بھی طلاق مشروع کی اس میں رجوع ضرور مشروع کیا ہے۔ بشرطیکہ وہ عدد کو پورا کرنے والی نہ ہو۔ انہوں نے ان کے خلاف اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ سے دلیل لی ہے۔ دنیا کی زبانوں میں سے ہر زبان میں۔ ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ ہوتی ہے ان کے بعض اصحاب نے اس کی مخالفت میں اللہ کے اس فرمان کو پیش کیا ہے۔

﴿وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ﴾ (الاحزاب: ۳۱)

"اور جو تم عورتوں میں سے اللہ اور اس کے پیغمبر کے لیے فرمانبرداری کرے گی اور نیک عمل کرے گی ہم اس کو دوہرا اجر دیں گے۔"

اور آپ ﷺ کے اس فرمان سے بھی کہ:

«ثَلَاثَةٌ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ»[1]

---

[1] اسے احمد، بخاری اور مسلم نے حضرت ابوموسیٰ سے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تین آدمیوں کو ان کا اجر دوہرا دیا جائے گا۔ اہل کتاب کا ایک شخص جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور مجھ پر بھی ایمان لایا۔ وہ غلام آدمی جس نے اللہ کا حق ادا کیا اور اپنے مالکوں کا حق بھی ادا کیا۔ اور ایک وہ شخص جس نے اپنی لونڈی کو ادب سکھایا۔ اور اُسے اچھا ادب سکھایا۔ پھر اس کو آزاد کیا اور اس سے شادی کر لی۔ (الفقی)

''تین قسم کے لوگوں کو ان کے اجر دوہرے دیئے جائیں گے۔''

دوسروں نے ان کو جواب میں کہا کہ دو مرتبہ اور تین مرتبہ سے مراد کبھی افعال ہوتے ہیں۔ اور کبھی ذات۔ ان کا اکثر استعمال افعال میں ہوتا ہے۔

ذات کی مثال اس طرح ہے جیسے حدیث میں ہے کہ:

«اِنْشَقَ الْقَمَرُ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ مَرَّتَیْنِ»[1]

''رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چاند دو مرتبہ شق ہوا۔''

یعنی اس کے دو ٹکڑے اور دو حصے ہوئے، جس شخص کے پاس بھی کچھ علم ہے اس پر یہ مخفی نہیں ہے کہ اس سے مراد دو زمانوں میں شق ہونے کا زعم کرنا درست نہیں ہے کیونکہ جس کو بھی رسول اللہ ﷺ کے احوال اور آپ ﷺ کی سیرت کا علم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ گمان غلط ہے۔ کیونکہ انشقاق ایک ہی مرتبہ ہوا ہے۔ یہ بات غلط تب ہوئی جب کسی نے ''مرتین'' سے زمانی مرتبہ مراد لیا۔ جب یہ بات سمجھ آ گئی تو «نُؤْتِھَا أَجْرَھَا مَرَّتَیْنِ اور یُؤْتَوْنَ أَجْرَھُمْ مَرَّتَیْنِ» کا مطلب یہ ہے کہ دو گنا اجر۔ ان کو ان کا اجر بڑھا کر دیا جائے گا۔ اس میں ممکن ہے کہ ایک ہی زمانہ میں دونوں مرتبہ جمع ہوں۔

رہے فعل کے دو مرتبے۔ تو ان کا ایک ہی زمانہ میں جمع ہونا محال ہے۔ وہ تو دو مثل ہیں اور دو مثلوں کا اجتماع محال ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ایک ہی آن میں ایک متکلم دو حرف اکٹھے بولے۔ یہ قطعاً محال ہے۔ اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ طلاق کے دو مرتبہ ایک ہی دفعہ واقع ہوں۔ اسی لیے امام مالک اور جمہور علماء کہتے ہیں جس نے سات کنکریاں اکٹھی مار دیں۔ اس نے اپنا فریضہ ادا نہیں کیا۔ اس کے لیے مستحب ہے کہ ایک کنکری مارے، یہ ایک مرتبہ مارنا ہے سات مرتبہ مارنا نہیں ہے۔ ان سب کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ اگر کسی آدمی نے کہا کہ میں اللہ کے نام کی چار شہادات دیتا ہوں کہ میں سچا ہوں تو یہ ایک شہادت ہوگی۔

صحیح حدیث میں ہے جس نے ایک دن میں سو مرتبہ «سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ» کہا اس کے گناہ بخشے جائیں گے۔ گو وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں[2] اگر کوئی شخص ''سبحان اللّٰہ وبحمدہ مئة مرة'' کا لفظ کہہ دے تو وہ مذکور ثواب کا مستحق نہ ہوگا، بلکہ یہ ایک تسبیح ہوگی، اسی طرح حدیث میں ہے تم ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ کہو۔ تینتیس مرتبہ الحمد للہ کہو۔ اور چونتیس مرتبہ اللہ اکبر کہو۔[3]

اگر کوئی شخص یہ الفاظ بول دے۔ سبحان اللہ تینتیس مرتبہ، تو وہ اس عدد کی تسبیح کرنے والا نہ ہوگا۔ جب تک ایک کے بعد ایک الگ تسبیح نہ پڑھے۔ اس طرح کی مثالیں کتاب وسنت میں بہت زیادہ ہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے۔

کہتے ہیں: اللہ کا فرمان ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ تو خبر بمعنی امر ہے۔ یعنی جب تم طلاق دو۔ تو طلاق دو۔ دو مرتبہ دو۔ یا یہ خبر ہے اس کے شرعی دینی حکم کی۔ یعنی وہ طلاق جو میں نے تمہارے لیے مشروع کی ہے۔ اس میں مَیں نے دو مرتبہ رجوع مشروع کیا ہے۔

---

1. صحیح بخاری، ج: ۵، ص: ۲۱۵۹۔
2. اسے مسلم ترمذی اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہ سے بیان کیا ہے۔ دیکھیے: صحیح مسلم، ج: ٤، ص: ۲۰۷۱، حدیث: ۲۰۹۱۔
3. اسے بخاری مسلم وغیرہ نے حضرت کعب بن عجرة سے بیان کیا ہے۔ دیکھیے: صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ٤۱٦، حدیث: ۱٤٤۔

دونوں میں سے جو بھی فرض کریں مطلب یہ ہوگا کہ ایک کے بعد دوسری مرتبہ۔ کوئی آدمی طلاق واقع کرنے والا نہ ہوگا مگر جب مشروع طریقہ کے مطابق ایک ہی طلاق دے گا۔ اگر کہے کہ: تجھ کو تین طلاق یا دو طلاق تو وہ طلاق واقع کرنے والا نہ ہوگا۔

اس کی وضاحت اس طرح بھی ہے کہ مشروع طلاق کو دو مرتبہ میں حصر کیا گیا ہے۔ اگر ایک ہی دفعہ طلاقوں کو جمع کرنا مشروع ہوتا ہے تو حصر صحیح نہیں۔ پھر طلاق بھی دو مرتبہ نہ ہوتی۔ بلکہ دو مرتبہ اس سے ہوتی اور اس سے ایک مرتبہ جمع ہوتی۔ یہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔ اور یہ کہ جس عورت پر خاوند داخل ہوا ہے اس کے لیے دو طلاقیں ہی ہوں گی۔ اور اس کے بعد تیسری حرام کرنے والی باقی رہے گی۔

کہتے ہیں: اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ ﴿اَلطَّلَاقُ﴾ اسم پر "اَلْ" لگا ہوا ہے۔ یہ عہد کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ عموم کے لیے ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر طلاق دو مرتبہ ہے۔ تیسری مرتبہ عورت کو اس پر حرام کر دے گی۔ اور اس کے رجوع کو ساقط کرے گی۔ یہاں اس بات کی صراحت بھی ہے کہ مشروع طلاق الگ الگ ہی ہے۔ کیونکہ مرتبے الگ الگ ہی ہوتے ہیں، جیسا کہ گزر چکا ہے۔ کہتے ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ﴾ (البقرۃ: ۲۲۹) بھی ہے۔ یہ ہر طلاق کا حکم ہے جس کو اللہ پاک نے مشروع کیا ہو، سوائے اس کے جس شخص سے دو ہو چکی ہوں۔ کیونکہ اس کے بعد روکنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔

کہتے ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی ہے:

﴿اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ (البقرۃ: ۲۳۱)

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دو پس وہ اپنی عدت کو پہنچیں تو تم ان کو اچھے طریقے سے روکو، یا احسان کے ساتھ چھوڑ دو۔''

''اِذَا'' عام حروف میں سے ہے۔ گویا فرمایا ہے کہ تمہاری طرف سے جو بھی طلاق جس وقت بھی واقع ہو تو اس کا یہ حکم ہے۔ لیکن اس عموم سے اس تیسری طلاق کو نکالا جس سے پہلے دو ہو چکی ہوں۔ حکم میں اس کے علاوہ کی جو نفی ہے وہ آیت کے الفاظ میں نص یا ظاہر سے داخل ہے۔

کہتے ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ (البقرۃ: ۲۳۲)

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دو پس وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تم ان کو نہ روکو کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح کریں۔''

یہ ہر طلاق میں عام ہے سوائے تیسری کے جس سے پہلے دو ہو چکی ہوں، قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ ہر طلاق میں خاوند جب ارادہ کرے اس کو رجوع کا حق ہے، سوئے تیسری کے۔

کہتے ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ

حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ (الطلاق:۱، ۲)

''اے پیغمبر! جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت میں شروع میں طلاق دو۔ اور عدت کا شمار رکھو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرو۔ ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ اور نہ وہ نکلیں ہاں اگر وہ صریح بے حیائی کریں۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا۔ وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی سبیل پیدا کر دے۔ پھر جب وہ اپنی معیاد کے قریب پہنچ جائیں تو یا تو ان کو اچھی طرح سے رہنے دو یا اچھی طرح سے علیحدہ کر دو۔''

اس آیت سے استدلال پکڑنا چند وجوہ سے ہے۔

وجہ اول: اس ذاتِ پاک نے مشروع کیا ہے کہ طلاق کو اس کی عدت کے لیے یعنی اس کی عدت کو سامنے رکھ کر دو۔ طلاق اس طرح دی جائے کہ اس کے بعد عدت شروع ہو۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا، جب انہوں نے اپنی بیوی کو حیض میں طلاق دی، کہ وہ اس سے رجوع کریں۔[1] پھر اس آیت کی تلاوت کی تا کہ اس سے مراد کی تفسیر حاصل ہو۔ اس سے مراد طلاق کو عدت کے سامنے رکھنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اس کو اسی طرح پڑھا کرتے تھے۔ اسی لیے وہ کہا کرتے تھے کہ وہ اسی طہر میں بعد میں ایک اور طلاق دے دے۔ کیونکہ وہ عدت کے لیے طلاق دینے والا نہیں ہے۔ عدت کو پہلی طلاق پر سامنے رکھا گیا تھا، تو دوسری عدت کے لیے نہیں ہے۔ پھر امام احمد اور ان کے موافقین کے ظاہر مذہب میں ہے کہ: جب وہ اسے دوسری طلاق دینے کا ارادہ کرے وہ اسے طلاق نکاح یا رجوع کے بعد دے گا۔ کیونکہ عدت اسی سے ختم ہوتی ہے۔ اگر اس کے بعد اس نے اسے دوسری طلاق دی اس نے اس کو عدت کے لیے طلاق دی۔

ان سے دوسری روایت میں آیا ہے کہ اس کو دوسرے طہر میں دوسری طلاق اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق کا اختیار ہے، یہ امام ابوحنیفہ کا قول بھی ہے۔

یہ شخص بھی عدت کے لیے طلاق دینے والا ہوگا۔ کیونکہ وہ گزشتہ پر بنیاد رکھتی ہے۔ صحیح مذہب پہلا ہے۔ آدمی کو اختیار نہیں ہے کہ رجوع اور نکاح سے پہلے اور طلاق دے۔ کیونکہ دوسری طلاق عدت کے سامنے نہیں ہے۔ بلکہ وہ طلاق بغیر عدت کے ہے اس کی اجازت نہ ہوگی۔ عدت کا حساب تو پہلی طلاق سے کیا جائے گا کیونکہ وہ طلاق عدت ہے، برخلاف دوسری اور تیسری کے جس نے اس کو مشروع بتایا اُس نے کہا کہ یہ طلاق تمام عدت کے لیے ہے۔ جو طلاق تمام کے لیے ہے، وہ اس کے استقبال کی طرح ہے۔ تو یہ دونوں طلاقیں عدت کے لیے ہیں۔

پہلے قول والے کہتے ہیں: عدت کے لیے طلاق سے مراد اس کے استقبال کے لیے طلاق ہے۔ جیسا کہ دوسری قرأت میں ہے۔ جو مشہور قرأت کی تفسیر کرتی ہے کہ فَطَلِّقُوْهُنَّ فِیْ قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ یعنی تم ان کو طلاق دو ان کی عدت کے سامنے۔

[1] صحیح مسلم، ج: ۲، ص: ۱۰۹۸، حدیث: ۱۴۹۔

کہتے ہیں کہ جب قبلِ رجوع یا نکاح طلاق کے پیچھے طلاق لانا مشروع نہ ہے۔ تو اس کا اس کے ساتھ جمع کرنا بہتر اور حقدار ہے۔ پیچھے طلاق لانا اس کے لیے جمع سے آسان تر ہے۔ لہٰذا جو ایک طہر میں جمع جائز نہیں بتاتے وہ اطہار میں طلاق پیچھے لانے کی گنجائش دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے تین طلاق جمع کرنے کی حرمت پر اس آیت سے حجت لی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں: میں حضرت ابن عباس کے پاس تھا۔ ان کے پاس ایک آدمی آیا کہا: میں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہیں۔ وہ خاموش رہے حتی کہ میں نے گمان کیا وہ اسے اس پر لوٹانے والے ہیں۔ پھر فرمایا تم میں سے کوئی نکلتا ہے پھر وہ بڑی حماقت پر سواری کرتا ہے۔ پھر کہتا ہے: اے ابن عباس! جبکہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ''اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کی راہ بنائے گا'' میں تمہارے لیے نکلنے کی راہ نہیں پاتا۔ تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے۔ تیری عورت تجھ سے بائنہ ہوگئی ہے۔ جبکہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: اے نبی: جب تم عورتوں کو طلاق دو پس تم ان کی عدت کے سامنے طلاق دو۔ یہ حدیث صحیح ہے۔[1]

حضرت ابن عباس نے آیت سے یہ سمجھا کہ تین طلاق کو جمع کرنا حرام ہے۔ یہ اس شخص کا فہم ہے جس کے لیے نبی ﷺ نے دعا کی کہ اللہ اس کو دین کی سمجھ دے اور اس کو تفسیر (قرآن) سکھا دے۔ یہ سب سے بہتر مفہوم ہے جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے۔

وجہ ثانی۔ آیت سے استدلال کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ''تم ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ نکلیں۔'' یہ تو صرف رجعی طلاق میں ہے۔ رہی بائن تو اس میں عورت کے لیے نہ رہائش ہے اور نہ خرچہ۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت سے یہ ثابت ہے جس کی صحت پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ یہ ایسی صریح ہے جس کی دلالت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ یہ دلیل ہوگئی کہ یہ ہر اس طلاق کا حکم ہے جس کو اللہ نے مشروع کیا ہے بشرطیکہ اس سے قبل دو طلاقیں نہ گزر چکی ہوں۔ لہٰذا جمہور نے کہا ہے: یہ اس کے لیے مشروع نہ ہے۔ آدمی عورت کو ایک طلاق کے ساتھ بائن نہ کر سکتا ہے بغیر عوض کے۔

ابوحنفیہ کہتے ہیں: اس کو اس کا اختیار نہیں۔ کیونکہ رجوع مرد کا حق تھا۔ جس کو وہ ساقط کر چکا ہے۔

جمہور کہتے ہیں: رجوع کا ثبوت گو کہ مرد کا حق ہے۔ عورت کے لیے مرد پر حقوق زوجیت میں جن کو وہ ساقط کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ الا یہ کہ خلع ہو یا عدد پورا ہو رہا ہو جیسا کہ قرآن نے اس پر دلالت کی ہے۔

وجہ ثالث: اللہ پاک نے فرمایا ہے: ''اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے گا اس میں اس نے خود پر ظلم کیا۔'' جب آدمی عورت کو تین اکٹھی طلاقیں دے تو اس نے اللہ کے حدوں سے تجاوز کیا اس میں وہ ظالم ہوگا۔

وجہ رابع۔ اس ذاتِ پاک نے فرمایا: ''تم نہیں جانتے شاید اللہ اس کے بعد کوئی راہ پیدا کر دے'' اس امت میں قرآن کو سب سے زیادہ جاننے والے صحابہ کرام نے کہا آیت میں لفظ امر اسے مراد یہاں رجوع ہے۔ کہتے ہیں تیسری کے بعد کیا امر پیدا ہوگا؟

وجہ خامس: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''جب وہ اپنی میعاد کو پہنچیں تو تم ان کو اچھے طریق سے روک لو یا اچھے طریق سے چھوڑ دو۔'' یہ ہر اس طلاق کا حکم ہے جسے اللہ نے مشروع کیا ہے۔ ماسوائے اس طلاق کے جس سے پہلے دو طلاقیں ہو چکی ہوں۔ حضرت ابن عباس نے تین کو جمع کرنے کی حرمت پر ان الفاظ سے دلیل لی ہے۔ ''اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو۔ تو ان کو طلاق دو ان

---

[1] صحيح بخاری، ج: ٦، ص: ١٦٤۔

کی عدت کے سامنے'' جیسا کہ گزرا یہی حق ہے۔ آیت جب دلالت کرتی ہے کہ طہر میں طلاق سے پیچھے طلاق لانا یا اطہار میں رجوع یا نکاح سے قبل طلاق لانا جیسا کہ گزار رہے جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ شخص عدت کے سامنے طلاق دینے والا نہیں ہے۔ تو اس آیت کا جمع کی تحریم پر دلالت کرنا زیادہ واضح اور حق دار ہے۔

کہتے ہیں: اللہ پاک نے خاوند اور بیوی کے لیے آسان ترین اور بہترین طریقوں سے طلاق کو مشروع کیا ہے۔ تاکہ بندہ اس کے وقوع اور اپنی محبوبہ کو چھوڑنے میں جلدی نہ کرے۔ عدت کے لیے ایک مدت مقرر کر دی۔ تاکہ کوتاہی والا شخص رجوع سے اپنی کوتاہی پورے کر لے۔ اس کے لیے یہ مباح نہیں کیا کہ وہ بحالت حیض اپنی بیوی کو طلاق دے۔ کیونکہ اس وقت وہ عورت سے الگ ہے اس کے لیے اس سے خواہش حاصل کرنے کی قدرت بھی نہیں ہے۔ نہ اس کے جماع کے بعد ہی کیونکہ وہ اس سے اپنی خواہش پوری کر چکا ہے۔ ہوسکتا ہے اس کی عورت میں رغبت کمزور ہوگئی ہو۔ اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے اسے اپنے ہاں روکنے کا شوق نہ رکھتا ہو۔ جب وہ اسے ان دو حالتوں میں طلاق دے گا، ہوسکتا ہے کہ وہ اس کے بعد شرمندہ ہو۔ نیز حیض کی طلاق میں عدت کی طوالت بھی ہے اور جماع کے فوراً بعد کی طلاق میں یہ امکان ہے کہ اس سے حمل ہو گیا ہو اور وہ اسے چھوڑنا چاہتا ہو۔ جب اس کو حیض آتا ہے پھر پاک ہوتی ہے آدمی اس کا شوق رکھتا ہے، کیونکہ اس کے جماع سے رُکنے کی مدت طویل ہو چکی ہوتی ہے۔ وہ اس حال میں اس کی طلاق کا اقدام نہ کرے گا الا یہ کہ بہت ضرورت ہو۔ شارع نے اس کے لیے بھی اسی حالت میں طلاق کو مباح کیا ہے، یا جب اس کا حمل واضح ہو جائے کیونکہ اس حالت میں بھی طلاق کا اقدام اس کی ضرورت کی دلیل ہے۔

نبی ﷺ نے اس کی تاکید کی ہے جب آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر کو منع کر دیا کہ وہ اس طہر میں طلاق دیں جو اس حیض کے ساتھ ملا ہے جس میں انہوں نے طلاق دی تھی، بلکہ حکم دیا کہ اس سے رجوع کریں حتی کہ پاک ہو جائے پھر حیض آئے پھر پاک ہو جائے۔ پھر اگر ارادہ ہو کہ اسے طلاق دیں تو طلاق دے دیں۔ اس فیصلہ میں چند حکمتیں ہیں۔

پہلی: جو طہر حیض سے متصل ہے وہ دونوں ایک قرء کے حکم میں ہیں۔ جب بندے نے عورت کو اس طہر میں طلاق دی گویا اس نے اس کو حیض میں طلاق دی کیونکہ وہ اس کے ساتھ ملا ہے اور گویا وہ ایک ساتھ ایک چیز ہے۔

دوسری: اگر اس کو اس طہر میں طلاق کی اجازت دی جائے وہ ایسے ہوگا کہ اس نے طلاق کے لیے رجوع کیا ہے۔ یہ رجوع کے مقصد کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رجوع عورت کے روکنے کے لیے مشروع کیا ہے، نیز نکاح کے بگڑے معاملات درست ہوں اور ان دونوں کا اکٹھا رہنا ممکن ہو۔ یہ طلاق کے لیے نہیں ہوتا۔ گویا اس نے طلاق دینے کے لیے رجوع کیا ہے۔ رجوع تو روکنے کے لیے مشروع کیا گیا ہے۔ بعینہٖ اس وجہ سے ہم نے نکاح حلالہ کو باطل کہا ہے۔ کیونکہ اللہ پاک نے نکاح برقرار رکھنے کے لیے اور باہم زندگی گذارنے کے لیے اسے مشروع کیا ہے۔ جبکہ حلالہ کرنے والا طلاق دینے کے لیے نکاح کرتا ہے۔ یہ اللہ کے دین اور شریعت کی مخالفت کرتا ہے۔

تیسری: جب مرد صبر کرے گا حتی کہ عورت کو حیض آئے پھر طہارت ہو۔ پھر حیض آئے۔ پھر طہارت ہو۔ اس کے دل میں طلاق پر ابھارنے والا جو غصہ تھا وہ ختم ہو جائے گا کبھی ان کے درمیان صلاح احوال ہوگا۔ طلاق کا المیہ سرے سے اکھڑ جائے گا۔

اس مدت کی تطویل عورت اور مرد پر مہربانی ہے۔ جب شارع کی نظر خاوند کے لئے اس طرح کی رحمت اور شفقت پر ہے۔ طلاق کو اس طرح سے مشروع کیا ہے۔ جو کہ شرمندگی سے بہت دور ہے۔ اس کی شرع میں کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ اسے بائن کیا جائے، اسے ایک ہی کلمہ سے اس پر حرام کیا جائے، جس چیز کو متفرق کرنا چاہیے اسے اس طرح اکٹھا کر دے کہ کوئی اور راہ باقی نہ رہے؟ شارع کے حکم اور اس کی حکمت میں یہ اور یہ دونوں باتیں کیسے اکٹھی ہوسکتی ہیں؟ یہ وجوہ اور اس طرح کی باتیں جن کو جمہور نے واضح کیا ہے بتاتی ہیں کہ تین طلاق کی جمع کرنا غیر مشروع ہے۔ یہ ان کے عدمِ وقوع کی دلیل ہیں۔ صرف ایک کا واقع ہونا ہی مشروع ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں بات واضح ہوگئی کہ ہم شرع کے اصول وقواعد میں تم سے زیادہ خوش نصیب ہیں۔ اصول کے قیاس اور قواعد ہماری جانب ہیں۔ ان کی تائید سنت صحیح سے ہے جسے ہم نے بیان کیا ہے۔

تمہارا یہ کہنا کہ تین کو جمع کرنے والے نے اپنے الگ الگ اختیار کو جمع کر لیا ہے، ہم کہیں گے کہ یہی بات تمہارے خلاف دلیل ہے۔ اس کو اجازت اور اختیار تو الگ الگ کا ملا تھا نہ کہ اکٹھا۔ اور خلافِ شرع کا کام کیا۔ اسی لیے سلف میں سے کسی کا قول ہے: اس آدمی نے سنت کی مخالفت کی ہے، عورت کو اس کی طرف لوٹایا جائے گا۔ یہ تمہارے کلام سے اچھا اور واضح امر ہے اور شرع اور مصلحت کے قریب تر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بندے کو جن چیزوں کا اختیار اور الگ اجازت دی ہے یہ اس کو ختم کر رہا ہے یہ اس کو جمع کرنا چاہتا ہے۔ جس طرح شیطان کو کنکریاں مارنا الگ الگ مشروع کیا ہے۔ لعان بھی اسی طرح ہے۔ اسی طرح قسامت کی قسمیں جو کہ مشروع کی گئی ہیں یعنی اتنے لوگ قسم کھائیں گے۔

تمہارے اس قیاس کی مثال یوں بھی ہے کہ آدمی دن کی سب نمازوں کو مؤخر کرے اور ان کو ایک ہی وقت میں جمع کر لے، کیونکہ اس نے اُس چیز کو جمع کیا جسے الگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ بات بہت عوام نے سمجھی بھی ہے دن کی نمازیں رات تک مؤخر کر دیتے ہیں۔ سب ایک وقت میں پڑھ لیتے ہیں وہ بعینہ اس طرح کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ اگر تم اس مسئلہ کی مدد سے خاموش رہو تو یہ زیادہ قوی بات ہے۔

فصل: اکٹھی تین طلاقوں والی روایات کی حقیقت

بعض نے جب ان مسالک میں کمزوری دیکھی تو ان کے علاوہ ایک اور مسلک میں راحت سمجھی، وہ کہنے لگے: یہ تو ایک حدیث ہے جب کہ بہت سی احادیث رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں جو اس کے خلاف دلالت کرنے والی ہیں۔ انہوں نے بعض احادیث ذکر کی ہیں۔ مثلاً

صحیحین کی حضرت فاطمہ بنت قیس والی حدیث کہ ابو حفص بن المغیرۃ نے عورت کو طلاق البتہ دے دی جبکہ وہ غائب تھا۔ اس کے وکیل نے اس کے پاس کچھ جَو بھیجے۔ وہ اس پر ناراض ہوئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی۔ آپ سے اس کا ذکر کیا۔ فرمایا: تیرے لیے اس پر کوئی خرچہ نہیں ہے۔ [1]

یہ جو البتہ ہے اس کی تفسیر دوسری صحیح حدیث میں آئی ہے کہ اس نے اس کو طلاق دی تھی۔ نبی ﷺ نے اس کے لیے خرچہ اور

---

[1] صحیح بخاری، ج: ٦، ص: ١٨٣؛ صحیح مسلم، ج: ٣، ص: ١١١٤، حدیث: ٣٦۔

رہائش نہیں رکھی، تو آپ نے اس پر تین کو جائز کر دیا اور اس وجہ سے اس کا خرچہ اور رہائش ختم کر دیئے، مسند میں ہے کہ تین اکٹھی تھیں۔ انہوں نے شعبی کی حدیث سے بیان کیا ہے کہ فاطمہ نے اپنے خاوند کے بھائی کے متعلق نبی کریم ﷺ کے ہاں جھگڑا کیا۔ جب اس نے اس کو گھر سے نکال دیا اور خرچہ روک دیا۔ فرمایا تیرا اور قیس کی بیٹی کا کیا مسئلہ ہے؟ کہا اے اللہ کے پیغمبر! میرے بھائی نے اس کو تین طلاق اکٹھی دی ہیں۔[1] اور اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

دوسری حدیث: صحیحین کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی۔ اس نے شادی کی۔ اس کو طلاق ہوئی۔ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ پہلے کے لیے حلال ہوگی؟ فرمایا: نہیں حتی کہ وہ اسے جماع کرے جیسے پہلے نے کیا تھا۔[2]

اس سے صورت دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے سوال نہیں کیا کہ آیا اس نے اس کو تین طلاق اکٹھی دی ہیں یا الگ الگ؟ اگر حال مختلف ہو تو تفصیلی حالات معلوم کرنا ضروری ہے۔

تیسری حدیث: جس پر شافعی نے اعتماد کیا ہے۔ وہ لعان والی عورت کا واقعہ ہے۔ کہ عویمر عجلانی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ کہا: اے اللہ کے پیغمبر: آپ کا کیا فرمان ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو پاتا ہے۔ کیا وہ اسے قتل کرتا ہے تو تم اسے قتل کر دو گے۔ یا وہ کیا کرے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تیرے اور تیری بیوی کے متعلق حکم نازل کیا گیا ہے۔ تم اس کو لے کر آؤ۔ سہل کہتے ہیں[3]: ان دونوں نے لعان کیا۔ میں بھی لوگوں کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا۔ جب وہ دونوں اپنے لعان سے فارغ ہوئے، عویمر نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! اگر میں اس کو روک لوں تو میں نے اس پر جھوٹ کہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم دینے سے پہلے ہی اس نے اس کو تین طلاق دے دی۔ زہری کہتے ہیں۔ لعان کرنے والوں کا یہی طریقہ ہے۔ (متفق علیہ)[4]

شافعی کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس کی تین طلاق کو برقرار رکھا۔ اگر یہ حرام ہوتا ہے تو آپ ﷺ اسے برقرار نہ رکھتے۔

چوتھی حدیث: جسے نسائی نے حضرت محمود بن لبید سے بیان کیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک شخص کے متعلق خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاق دی ہیں۔ آپ ﷺ غصہ میں اٹھے پھر فرمایا: کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے جبکہ میں تمہارے درمیان ہوں؟ حتی کہ ایک شخص اٹھا کہا اے اللہ کے پیغمبر! کیا میں اسے قتل کر دوں؟[5]

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر تو صرف ایک واقع ہوئی ہے۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے ان کو اس پر جائز کر دیا۔ اگر وہ اس کی بیوی تھی۔ اور اس پر صرف ایک واقع ہوئی تھی، تو آپ ﷺ اسے ضرور بیان کر دیتے۔ کیونکہ اس نے اس کو تین طلاق ان کے لزوم کے اعتقاد سے دی تھی۔ اگر یہ لازم نہ ہوتیں تو آپ ضرور اسے فرما دیتے کہ وہ ابھی تک تمہاری بیوی ہے۔ کیونکہ اُصولی قاعدہ

---

[1] مسند امام احمد، ج: ٦، ص: ٤١٢۔

[2] دیکھیے: ارواء الغلیل، ج: ٦، ص: ٢٩٧، الفقی۔

[3] اس سے مراد حضرت سہل بن سعد ساعدی راوی حدیث ہیں۔ (الفقی)

[4] صحیح بخاری، ج: ١، ص: ١٠٩؛ صحیح مسلم، ج: ٢، ص: ١١٩٢، حدیث: ١/ ١٤٩٢۔

[5] سنن نسائی، ج: ٦، ص: ١٤٢۔

ہے کہ وقتِ حاجت سے تاخیر بیان جائز نہیں ہے۔

پانچویں حدیث: جسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت رکانہ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا: تم نے کیا ارادہ کیا تھا؟ کہا: ایک فرمایا: اللہ کی قسم! کیا تمہارا اس سے ارادہ ایک کا تھا؟ کہا: اللہ کی قسم! میرا اراداہ اس سے ایک کا تھا[1] ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ اور اس میں ہے۔ کہا اے اللہ کے پیغمبر! میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی ہے، فرمایا تم نے اس سے کیا ارکادہ کیا؟ میں نے کہا: ایک، فرمایا: اللہ کی قسم؟ میں نے کہا اللہ کی قسم! فرمایا وہ ایسے ہے جیسے تم نے ارادہ کیا۔

ابوداؤد کہتے ہیں: یہ ابن جریج کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی۔

ابن ماجہ کہتے ہیں: میں نے ابوالحسن علی بن محمد الطنافسی کو کہتے ہوئے سنا یہ حدیث کس قدر شرف والی ہے۔ ابوعبداللہ ابن ماجہ نے کہا: ابوعبید کو ناجیہ نے ترک کر دیا۔ اور احمد نے اس سے جبن کیا ہے۔[2]

وجہ دلالت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے قسم لی کہ اگر تین کا ارادہ کرتا تو آپ اسے ضرور لازم کر دیتے اور اگر مطلق ایک ہوتی تو حالت کا فرق نہ ہوتا کہ وہ ایک مراد ہے یا زیادہ۔ جب کنایہ میں اس طرح ہے تو طلاقِ صریح کا کیا حکم ہوگا۔ جب اس میں بندہ تین طلاق کی صراحت کرے؟

چھٹی حدیث: جسے دارقطنی نے ابراہیم بن عبیداللہ بن عبادۃ بن صامت نے عن ابیہ عن جدہ سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں میرے بعض اباء نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی۔ اس کے بیٹے رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے گئے۔ کہنے لگے اے اللہ کے پیغمبر! ہمارے باپ نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دی ہے۔ کیا اس کے لیے نکلنے کی کوئی راہ ہے؟ فرمایا تمہارا باپ اللہ سے نہیں ڈرا کہ وہ اس کے لیے کوئی راہ پیدا کرے۔ وہ اس سے بائن ہوگئی۔ تین بغیر سنت کی وجہ سے اور نوسو ستانوے اس کی گردن پر گناہ ہے۔[3]

ساتویں حدیث: جیسے دارقطنی نے بروایت زاذن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے فرماتے ہیں: نبی ﷺ نے سنا کہ ایک آدمی نے طلاق البتہ دی ہے آپ ﷺ غصہ میں آئے۔ اور فرمایا کیا تم اللہ کی آیات کو مذاق پکڑتے ہو یا اللہ کے دین کو مذاق اور کھیل بناتے ہو؟ جس نے طلاق البتہ دی ہم اس کے لیے تین لازم کریں گے۔ عورت اس کے لیے حلال نہ ہوگی حتیٰ کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کر لے۔[4]

---

① سنن ابی داود، ج:۲، ص:٦٥٧، حدیث:۲۲۰۸؛جامع ترمذی، حدیث:۱۱۷۷؛سنن ابن ماجہ، حدیث: ۲۰۵۱۔

② مطلب یہ ہے کہ اس کی اسناد کس قدر اشرف اور کثیر فائدہ والی ہے اس کی سند ابن ماجہ میں یوں ہے ابوبکر بن ابی شیبہ، علی بن محمد یعنی طنافسی، وکیع، جریر بن حازم زبیر بن سعید، عبداللہ بن علی بن زید بن رکانہ عن ابیہ عن جدہ مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ آخر تک حدیث۔

ناجیہ نے اسے ترک کیا ہے کا مطلب ہے کہ احمد بن حنبل نے اس سے روایت پر جرأت نہیں کی۔ یہ اس ابوعبید کے ضعف پر دلیل ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ابن ماجہ کے اس جملہ کو اس حدیث سے الحاق کا سبب کیا ہے۔ کیونکہ سند میں ایسا کوئی نہیں جس کی نیت ابوعبید ہو۔ (الفقی) یا اس کا مطلب ناجیہ ہے یعنی اس کو ایک گونہ ترک کر دیا تھا۔ (مترجم)۔

③ سنن دار قطنی، ج: ٤، ص: ۲۰، حدیث: ٥٤۔ ④ سنن دار قطنی، ج: ٤، ص: ۲۰، حدیث: ٥۳۔

آٹھویں حدیث: جسے دارقطنی نے حضرت نے حسن بصری کی سند سے بیان کیا ہے کہ ہمیں حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دی جبکہ وہ حائض تھی۔ پھر اس کے پیچھے دو طلاقیں دو قرء کے پاس دینے کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ تک یہ بات پہنچی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے ابن عمر! اللہ تعالیٰ نے تجھے اس طرح حکم نہیں دیا۔ تو نے سنت سے خطا کی ہے۔ سنت یہ ہے کہ تو طہر کو سامنے رکھے۔ اس وقت تو طلاق دے یا روک لے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! آپ ﷺ کا کیا فرمان ہے کہ اگر وہ میں اس کو تین طلاق دوں۔ کیا میرے لیے حلال ہے کہ میں اس سے رجوع کروں؟ فرمایا نہیں۔ وہ تجھ سے بائن ہوگی، اور یہ نافرمانی ہے۔[1]

نویں حدیث: جسے ابوداؤد اور نسائی نے حماد بن زید سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں میں نے ایوب سے کہا: کیا تم کو حسن کے علاوہ کوئی معلوم ہے جس نے "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے" کو تین طلاق کہا ہو؟ کہا نہیں، پھر کہا اے اللہ معاف فرمانا! ہاں مجھے قتادہ نے اس سند سے بیان کیا ہے کثیر مولی ابن سمرۃ، عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: تین۔ پھر میں کثیر کو ملا۔ میں نے اس سے سوال کیا اس نے اس روایت کو نہ پہچانا۔ میں قتادہ کی طرف لوٹا میں نے اس کو خبر دی۔ انہوں نے کہا کہ وہ بھول گیا۔[2]

اسے ترمذی نے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم اِسے صرف سلیمان بن حرب عن حماد بن زید کی حدیث سے جانتے ہیں۔ تمہیں سلیمان بن حرب اور حماد بن زید ثقہ اور ثبت ہونے میں کافی ہیں۔

دسویں حدیث: جسے بیہقی نے سوید بن غفلۃ عن الحسن سے بیان کیا ہے انہوں نے عائشہ خثعمیہ کو تین طلاق دی۔ پھر کہا: اگر میں نے اپنے دادا سے نہ سنا ہوتا: یا میرے باپ نے مجھے بیان کیا ہے کہ اس نے میرے دادا سے کہتے ہوئے سنا: جو آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں اقراء کے پاس دے۔ یا تین مبہم۔ وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی حتیٰ کہ اور خاوند سے نکاح کرلے تو میں ضرور اس سے رجوع کرلیتا۔[3]

اس کی سند یہ بھی ہے کہ محمد حمید، سلمۃ بن الفضل، عمر بن أبی قیس ابراہیم بن عبدالأعلیٰ، عن سوید اور یہ مرفوع ہے۔

کہتے ہیں: یہ احادیث زیادہ ہیں اور مشہور ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر ابو الصہباء ابن جریج عن عکرمہ عن ابن عباس کی حدیث سے صحیح ہیں۔ ان کو اس پر مقدم کرنا ضروری ہے۔ خاص طور پر امام احمد کے قاعدہ کے مطابق کہ وہ تعارض کے وقت ایک حدیث پر متعدد احادیث کو مقدم کرتے ہیں گو کہ ایک حدیث متاخر ہی ہو۔ جیسا کہ دو میں سے ایک روایت میں حضرت بریدہ کی حدیث پر برتنوں کی حرمت آئی ہے۔ کیونکہ وہ روایات زیادہ ہیں اور متعدد ہیں۔ حضرت بریدہ کی حدیث ان کی اباحت میں منفرد ہے اور متاخر ہے۔ اس میں فرمایا ہے۔ میں نے تم کو برتنوں میں سرکہ بنانے سے منع کیا تھا تو جس برتن میں چاہو پیو

[1] سنن دارقطنی، ج: ٤، ص: ٣١، حدیث: ٨٤۔

[2] سنن ابی داود، ج: ٢، ص: ٦٥٤، حدیث: ١٠٤؛ جامع الترمذی، حدیث: ١١٧٨؛ سنن النسائی، ج: ٦، ص: ١٤٧۔ [3] سنن الکبری، ج: ٧، ص: ٣٣٦۔

لیکن تم نشہ آور چیز نہ پیو، باوجودیکہ وہ حدیث صحیح ہے۔اسے مسلم نے روایت کیا ہے [1] اور اس کے لیے کوئی علت معروف نہیں ہے۔ دوسرے اصحاب ان سب احادیث کے جواب میں کہتے ہیں: یہ احادیث جن کو تم نے ذکر کیا ہے اور تم نے ان کے بعد کچھ نہیں چھوڑا۔ یہ احادیث صحیحہ ہیں جن میں کوئی طعن نہیں۔ کوئی حجت نہیں اور ان احادیث کے درمیان ہیں جن کی دلالت صریح ہے، لیکن وہ باطل یا ضعیف ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ جو کچھ ان میں ہے ہم اس کو ذکر کرتے ہیں تاکہ حق واضح ہو اور اشکال ختم ہو جائے۔

رہی حضرت فاطمہ بن قیس کی حدیث: تو یہ صحیح احادیث میں سے ہے۔ لیکن ہمارے ساتھ جھگڑا کرنے والوں میں سے اکثر نے اس مسئلہ میں اس کی مخالفت کی ہے۔ اور اس کو نہیں اپنایا۔ انہوں نے طلاقِ البتہ والی عورت کے لیے خرچ اور رہائش کو واجب کیا ہے۔ انہوں نے اس حدیث کی طرف نہیں دیکھا اور نہ اس پر عمل کیا ہے۔ یہ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ رہے شافعی اور مالک تو انہوں نے اس کے لیے رہائش کو واجب کیا ہے۔

حدیث میں صراحت کر دی گئی ہے کہ اس کے لیے خرچہ اور رہائش نہیں ہے انہوں نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اس پر عمل نہیں کیا۔ اگر حدیث صحیح ہو تو یہ تمہارے خلاف حجت ہے۔ اگر محفوظ نہ ہو بلکہ یہ غلط ہے جیسا کہ بعض متقدمین نے کہا ہے تو پھر بھی یہ تین کو جمع کرنے میں ہمارے خلاف حجت نہیں ہے۔ یہ تمہارے لیے تمہارے مخالفین کے خلاف حجت ہو اور ان کے لیے تمہارے خلاف حجت نہ ہو تو یہ بات عدل و انصاف سے بعید ہے۔ ایک بات تو یہ ہے۔ دوسری یہ کہ اگر ہم اس مرتبہ سے نیچے اتریں اور ہم کہیں کہ اس حدیث سے حجت لینے میں حجت پکڑنے والے کی طرف سے ایک گونہ بھول ہے۔ اگر وہ حدیث کے تمام طرق پر غور کرتا اور یہ کہ واقعہ کس طرح پیش آیا تو وہ اس حدیث سے حجت ہی نہ پکڑتا۔

اس میں جو تین کا ذکر ہے یہ اکٹھی نہ تھیں۔ انہوں نے تو اس عورت کو اس سے قبل دو طلاقیں دے رکھی تھیں پھر یہ تین میں سے آخری طلاق دی تھی، صحیح میں اسی طرح صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ صحیح مسلم میں عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے مروی ہے کہ ابو حفص بن المغیرۃ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن کی طرف نکلے۔ اس نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو ایک طلاق بھیجی جو اس کی طلاق میں سے باقی تھی اُس کے لیے حارث بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو خرچے کا حکم دیا، اُن دونوں نے اُسے کہا اللہ کی قسم تیرے لیے خرچہ نہیں ہے الا یہ کہ تو حاملہ ہو، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُن دونوں کی بات کو ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لیے خرچہ نہیں ہے [2] اس حدیث کو طویل بیان کیا۔ یہ اس مجمل کے لیے مفسر ہے اور یہ اُن کا قول ہے کہ اُس نے اس کو تین طلاق دی۔

دوسری سند: لیث عقیل ابن شہاب اُبو سلمۃ فاطمہ بنت قیس نے اُن کو خبر دی کہ وہ ابو حفص بن المغیرۃ کے نکاح میں تھی، انہوں نے اس کو تین میں سے آخری طلاق دی [3] پھر حدیث بیان کی اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے، پھر فرمایا صالح بن کیسان ابن جریج شعیب بن ابی حمزہ سب نے اسے اسی طرح زہری سے بیان کیا ہے، پھر بطریق عبد الرزاق معمر زہری عبید اللہ سے بیان کیا کہ

---

[1] صحيح مسلم، ج: ٢، ص: ١٥٨٥، حديث: ٦٥۔

[2] صحيح مسلم، ج:٢، ص: ١١١٧، حديث: ٤١۔

[3] سنن ابی داود، ج: ٢، ص: ٧١٢، حديث: ٢٨٤ ۔

مروان نے فاطمہ کو پیغام بھیجا۔ اُس سے سوال کیا تو اس نے بتایا کہ میں اُبوحفص بن المغیرۃ کے پاس تھی نبی ﷺ نے حضرت علی بن اُبی طالب رضی اللہ عنہ کو یمن کے کچھ حصہ پر گورنر بنایا تھا، اُن کا خاوند بھی اُس کے ساتھ گیا تو وہاں سے اس نے ایک طلاق بھیج دی جو اس کی باقی رہ گئی تھی [1] پھر اس حدیث کو تمام ذکر کیا۔

مروان اور اس کے درمیان واسطہ قبیصہ بن ذویب تھا۔ اسی طرح اسے ابوداوٗد نے دوسرے طریق میں بیان کیا ہے۔ [2]

یہ حدیث فاطمہ بنت قیس کا بیان ہے۔ کہتے ہیں: ہم نے اس سب کو لیا ہے ہم نے اس میں سے کسی چیز کی مخالفت نہیں کی جب یہ صحیح اور صریح ہو اس پر کوئی اعتراض نہ ہو نہ اس کا کوئی مخالف ہو جو اس کی مخالفت کرے، اس کو عذر ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔ یہ حدیث پانچ الفاظ کے ساتھ آئی ہے اُس کو تین طلاق دی'' اس کو طلاق البتہ دی'' اُس کو تین میں سے آخری طلاق دی اُس کو وہ طلاق بھیجی جو اس کی باقی رہ گئی تھی اور اس کو تین طلاق اکٹھی دیں۔ حدیث کے جملہ الفاظ یہی ہیں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ

رہا پانچواں لفظ کہ ''اُس کو تین طلاق اکٹھی دی'' پہلے نمبر پر تو یہ حدیث مجالد نے شعبی سے نقل کی ہے، اس کے علاوہ کسی نے یہ نہیں کہا باوجودیکہ شعبی سے اس واقعہ کو روایت کرنے والوں کی کثرت ہے، مجالد شعبی سے ان الفاظ کے ساتھ منفرد ہے اس کے ضعف کے ساتھ، بالفرض یہ صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے تین اکٹھی ہو گی تھیں نہ کہ ایک کلمہ میں واقع ہوئیں۔ جب اس نے اس کو تین میں سے آخری دی تو یہ کہنا درست ہوا کہ تین اکٹھی دیں۔ اس لفظ سے مراد عدد کی تاکید ہے۔ یہی اس پر غالب ہے نہ کہ ایک ہی وقت میں جمع ہوئیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا﴾ (یونس:۹۹)

''اگر تیرا رب چاہتا ہے تو زمین والے سب کے سب ضرور ایمان لے آتے۔''

اس سے مراد سب کی طرف سے ایمان کا حصول ہے۔ نہ یہ کہ اگلے پچھلے سب ایک ہی وقت میں ایمان لاتے۔

فصل: حدیث عائشہ کی وضاحت

اسی طرح انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہوگی؟ فرمایا نہیں آخر تک، یہ حدیث حق ہے اس کی طرف جانا لازم ہے۔ لیکن اس میں یہ نہیں ہے کہ اس نے اس کو ایک کلمہ میں تین طلاق دی تھی، جو بات اس میں نہیں ہے، وہ اس میں شامل نہ کرو، تمہارا یہ کہنا آپ ﷺ نے اس سے تفصیل نہیں پوچھی: اس کا جواب یہ ہے کہ حالت ان کے ہاں معلوم تھی، تین تین ہی ہوتی ہیں لیکن ایک کے بعد ایک۔ یہی لغت، قرآن، شرع اور عرف کا تقاضا ہے۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ تو یہ کلام اس متعارف مفہوم کے مطابق آیا ہے جو قوم کی لغت تھی۔

---

[1] سنن ابی داود، ج: ۲، ص: ۷۱۳، حدیث: ۲۲۸۵۔

[2] سنن ابی داود، ج: ۲، ص: ۷۱٤، حدیث: ۲۲۸٦۔

فصل: طلاقِ ملاعن کی وضاحت

رہی وہ بات جس پر امام شافعی نے اعتماد کیا ہے کہ لعان کرنے والے نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں عورت کو تین طلاق دی اور آپ ﷺ نے اس کو رد نہ کیا۔ اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ لعان کرنے والی کو روک رکھنا مرد پر حرام ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو چکی ہے تین طلاق نے اس تحریم کو جو کہ مقصودِ لعان ہے تاکید اور قوت سے زیادہ کچھ نہیں دیا۔ یہ ہمارے شیخ رحمہ اللہ کا جواب ہے۔

ابن المنذر کہتے ہیں: (پہلے انہوں نے تین طلاق کو جمع کرنے کی حرمت پر دلائل جمع کیے کہ یہ بدعت ہے پھر کہا) رہی ان لوگوں کی بات جنہوں نے تین طلاق ایک ہی مرتبہ دینے کو سنت کے مطابق کہا اور عجلانی[1] کی حدیث سے حجت پکڑی ہے۔ اس نے تو طلاق[2] اجنبیہ کو دی تھی۔ خاوند کو معلوم ہو جس نے یہ طلاق دی یا نہ معلوم ہو۔ کیونکہ اس کا قائل عورت کے لعان سے قبل مرد کے لعان پر ہی علیحدگی واقع کرتا ہے۔ پھر یہ جائز نہیں کہ وہ شخص اس طرح کی حجت وہ پکڑے جس کے خیال میں اکیلے خاوند کے لعان پر علیحدگی واقع ہوتی ہے۔ (انتھی)

پھر ہم کہیں گے کہ یا تو علیحدگی اکیلے خاوند کے لعان سے واقع ہوگی، جیسے امام شافعی کہتے ہیں یا دونوں کے لعان سے جیسے امام احمد کہتے ہیں یا معاملہ حاکم کی تفریق پر موقوف ہوگا۔

اگر مرد کے لعان یا دونوں کے لعان سے علیحدگی واقع ہو تو وہ طلاق جو اس کی طرف سے آئی ہے۔ غیر ضروری ہے۔ اس کا بالکل کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ اس نے اجنبیہ کو طلاق دی ہے۔

اگر جدائی حاکم کی تفریق سے ہو تو وہ ان دونوں کے درمیان ایسی علیحدگی کرائے گا، جو اس کو اس پر ہمیشہ کے لئے حرام کر دے گی۔

تو تین طلاق نے اس تحریم کو پختہ کر دیا جو لعان کا موجب تھی اور شارع کا مقصود تھی۔ اس کے ساتھ لعان والی عورت کی طلاق کو کس طرح ملایا جا سکتا ہے؟ ان دونوں کے درمیان تو بہت بڑا فرق ہے۔

فصل: حدیث محمود بن لبید کی وضاحت

رہی حضرت محمود بن لبید کی حدیث جو تین طلاق دینے والے کے واقعہ کے متعلق ہے، تو اس سے جواز پر حجت پکڑنا حقائق کو توڑنے مروڑنے کے باب سے ہے۔ یہ ایسی حدیث سے حجت پکڑنا ہے جو اباحت کے بجائے حرمت پر زیادہ دلالت کر رہی ہے۔ اس سے تین طلاق کے وقوع پر دلیل لینا کہانت، اندازے اور حدیث میں اس اضافے کے باب سے ہے جو اس میں نہیں ہے۔ دلالت کی وجوہ میں سے کوئی بھی اس پر بالکل دلالت نہیں کر رہی، لیکن مقلد کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ اسے اپنے مذہب کی نصرت کے لیے جو بھی ہاتھ لگے۔

---

[1] جس میں عجلانی صحابی نے اپنی بیوی سے لعان کیا ہے۔ (مترجم)

[2] مطلب یہ ہے کہ لعان سے علیحدگی ہو جانے کے بعد وہ اس کے لیے اجنبیہ ہے۔ (مترجم)

رسول اللہ ﷺ پر کس طرح گمان کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ کی کتاب کے ساتھ مذاق کرنے والے کے عمل کو جائز کہا ہو اور اسے صحیح کہا ہو؟ آپ ﷺ نے اسے اپنی شرع اور حکم میں معتبر گردانا ہو اور اسے نافذ کیا ہو؟ جبکہ آپ ﷺ خود اسے کتاب اللہ کے ساتھ مذاق کرنے والا بنا چکے۔ اس میں تو اس بات کی صراحت ہے کہ اللہ پاک نے تین کو جمع کرنا مشروع نہیں کیا اور نہ اس کو اپنے احکام میں شامل کیا ہے۔

فصل: حدیث رکانہ کی وضاحت

رہی حدیث رکانہ کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے قسم لی کہ اس کا ارادہ صرف ایک کا تھا، تو یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

ابولفرج ابن الجوزی نے اپنی کتاب العلل میں کہا ہے: امام احمد نے کہا، حدیث رکانہ کچھ بھی نہیں ہے۔

خلال کتاب العلل میں اثرم سے بیان کرتے ہیں۔ میں نے ابوعبداللہ کو کہا: حدیث رکانہ البتہ والی؟ تو انہوں نے اس کو ضعیف کہا۔ اور کہا کہ اسے اس نے اپنی نیت سے بنایا ہے۔

ہمارے شیخ نے کہا: احمد بخاری، ابوعبید وغیرہ ائمہ کبار جو علل حدیث کو جانتے ہیں۔ انہوں نے البتہ والی حدیث رکانہ کو ضعیف کہا ہے۔

اسی طرح ابومحمد بن حزم نے بھی۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس کے راوی مجہول لوگ ہیں جن کی عدالت اور ضبط معروف نہیں ہے۔

کہتے ہیں: امام احمد نے کہا کہ حدیث رکانہ، کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی۔ ثابت نہیں ہے۔

یہ بھی کہا کہ البتہ کے بارے میں حدیث رکانہ کچھ بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ابن اسحاق اسے داؤد بن حصین، عکرمہ عن ابن عباس بیان کرتے ہیں۔ کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی۔ جو آدمی تین طلاق دے اہلِ مدینہ اس کا نام طلاقِ البتہ رکھتے ہیں۔

اگر اعتراض کیا جائے۔ ابوداؤد نے کہا ہے کہ حدیث البتہ حدیث ابن جریج سے زیادہ صحیح ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی۔ کیونکہ وہ اس کے گھر والے ہیں۔ اور وہ اس کو بہتر جانتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ہی حدیث البتہ کو روایت کیا ہے؟

اس کے جواب میں ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ ابوداؤد نے حدیث البتہ کو حدیث ابن جریج پر صرف ترجیح دی ہے کیونکہ انہوں نے حدیث ابن جریج کو ایسے طریق سے روایت کیا ہے جس میں ایک روای مجہول ہے مثلاً احمد بن صالح عبدالرزاق، ابن جریج بعض ولد ابی رافع، عکرمہ عن ابن عباس: کہتے ہیں کہ عبد یزید ابورکانہ نے ام رکانہ کو تین طلاق دی۔ آخر تک حدیث۔ انہوں نے امام احمد والی اس سند سے بیان نہیں کیا: ابراہیم بن سعد، ابی محمد بن اسحاق داؤد بن الحصین، عکرمہ، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاق دی۔ اس لیے ابوداؤد نے حدیث البتہ کو حدیث ابن جریج پر ترجیح دی۔ وہ اس حدیث پر متوجہ نہ ہوئے نہ اس کو اپنی سنن میں بیان کیا۔ بلاشبہ یہ دو حدیثوں میں سے صحیح ہے۔ جبکہ حدیثِ ابن جریج اس کے لیے شاہد اور اس کی تائید کرنے والی ہے۔

جب حدیث ابوالصہباء، ابن اسحاق کی حدیث، ابن جریج کی حدیث کے ساتھ ملے گی یعنی اپنے مخارج کے اختلاف اور

تعددطرق کے ساتھ اس سے علمی طور پر یہ فائدہ ہوا کہ یہ بلاشک حدیثِ البتہ سے زیادہ قوی ہے۔ جس نے حدیث کی خوشبوؤں کو سونگھا ہے گو دور سے ہی اس کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ اس میں شبہ کرے۔ پھر وہ ضعیف حدیث کو جسے ائمہ نے ضعیف کہا ہے اور اس کے رواۃ بھی مجاہیل ہیں اس کو ان احادیث پر کس طرح مقدم کر سکتا ہے؟

فصل: حدیث معاذ کی وضاحت

رہی حضرت معاذ بن جبل کی حدیث تو وہ مسئلہ رگیدہ جائے گا جس کی حجت اس طرح کی باطل حدیث سے لی گئی ہو۔ دارقطنی نے اس کو صرف معرفت کے لیے روایت کیا ہے۔ یہ قابلِ حجت نہیں ہے۔[1] اس کی سند میں اسماعیل بن امیہ ذراع راوی ہے، جو اسے حماد سے بیان کرتا ہے، دارقطنی اس کی روایت کے بعد فرماتے ہیں: اسماعیل بن اُمیہ ضعیف (اور) متروک الحدیث ہے۔[2]

فصل: حدیث عبادہ کی وضاحت

رہی حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث جسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اسے بیان کرنے کے فوراً بعد کہا: اس کے رواۃ مجہول اور ضعفاء ہیں، سوائے ہمارے شیخ اور ابن عبدالباقی کے۔[3]

فصل: حدیث علی کی وضاحت

رہی زاذان کی حدیث جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اسے اسماعیل بن امیہ القرشی نے روایت کیا ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں: یہ اسماعیل بن امیہ کوفی ہے اور ضعیف الحدیث ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کی سند میں بعض مجاہیل اور ضعفاء رواۃ اور بھی ہیں۔[4]

فصل: حدیث ابن عمر کی وضاحت

رہی حسن کی حضرت ابن عمر سے حدیث، وہ ان ضعیف احادیث میں سب سے نمایاں ہے۔ دارقطنی اس کی سندیوں بیان کرتے ہیں علی بن محمد بن عبید الحافظ، محمد بن شاذان الجوہری، یعلیٰ بن منصور، شعیب بن رزیق، عطاء الخراسانی، الحسن کہتے ہیں: ہمیں حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا۔ پھر اس روایت کو ذکر کیا۔ شعیب کو دارقطنی نے ثقہ کہا۔ ابوالفتح الاَذی کہتے ہیں۔ اس میں کمزوری ہے۔ بیہقی کہتے ہیں (جنہوں نے اس حدیث کو بیان بھی کیا ہے) یہ جو زیادات ہیں ان کے ساتھ شعیب منفرد ہے۔ علماء

---

[1] شیخ الاسلام ابن تیمیہ عقیدہ سبعینیہ ص ۲۵۱ میں امام الحرمین کے رد میں کہتے ہیں (امام الحرمین کا سنن دارقطنی پر بہت اعتماد ہے) دارقطنی باوجودیکہ حدیث میں امام ہیں انہوں نے یہ سنن تصنیف کی ہے تاکہ فقہ میں عجیب ترین روایات اور ان کے طرق کو جمع کریں۔ اس طرح کی روایات امام الحرمین جیسوں کی ضرورت ہوتی ہیں۔ جو بخاری، مسلم مؤطا وغیرہ کی صحیح اور مشہور احادیث سے لاپروائی برتتے ہیں۔ لہٰذا اس باب میں صرف دارقطنی کی کتاب پر اعتماد اصولِ اسلام سے بہت بڑی ناآشنائی ہے۔ (الفقی)

[2] اس کو اسماعیل بن ابی امیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اسے ذہبی نے اور عبدالحق الاشبیلی نے اپنے احکام میں ضعیف کہا ہے۔ جیسا کہ التعلیق المغنی میں ہے۔ القاموس میں ہے کہ الذارع اسماعیل بن صدیق المحدث کا لقب ہے۔ وہ ضعیف ہے۔ (الفقی)

[3] سنن دارقطنی کے صفحہ ۴۳۳ پر اس کی سندیوں ہے عثمان بن احمد الدقاق، یحییٰ بن عبدالباقی الاَذنی، محمد بن عبداللہ بن قاسم الصنعانی، عمر بن عبداللہ بن فلاح الصنعانی، محمد بن عیینۃ، عبداللہ بن ولید الوصافی اور صدقۃ بن ابی عمران، ابراہیم، بن عبداللہ بن عبادۃ بن صامت عن اَبیہ، عن جدہ۔ (الفقی)

[4] اس کی سند میں اسماعیل بن القرشی ہے۔ جو عثمان بن مطر عن عبدالغفور بن عبدالعزیز الواسطی سے بیان کرتا ہے۔ یہ سب ضعفاء اور مجاہیل ہیں۔ (الفقی)

نے اس کے متعلق کلام کیا ہے۔ (انتھیٰ) [1]

بلاشبہ ثقات اور ثبات ائمہ نے ابن عمر کی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ لیکن شعیب کا بیان کردہ ''البتۃ'' کا لفظ کسی نے بھی بیان نہیں کیا۔ اسی لیے اس کی اس حدیث کو اصحابِ صحیح اور سنن میں سے کسی نے بھی روایت نہیں کیا۔

فصل: حدیث کثیر کی وضاحت

رہی کثیر مولیٰ ابن سمرہ کی حدیث جو ابوسلمہ عن ابی ہریرۃ سے ہے کثیر سے جب پوچھا گیا تو اُس نے اس کا انکار کیا۔ اس طرح کی بات بھول جانا بعید ہے، بیہقی نے اس حدیث میں علت بیان کی ہے، کہتے ہیں کثیر کی معرفت اس طرح کی ثابت نہیں ہے جو موجب حجت ہو۔ کہتے ہیں عام کا قول اس روایت کے خلاف ہے۔ اسے عبدالحق نے اپنے احکام میں اور ابن حزم نے اپنی کتاب میں ضعیف کہا ہے۔

فصل: سوید بن غفلۃ کی حدیث

رہی سوید بن غفلۃ کی حسن سے حدیث تو یہ محمد حمید الرازی کی روایت سے ہے۔ ابوزرعہ کہتے ہیں: رازی کذاب ہے۔ صالح جزرۃ کہتے ہیں میں نے اس سے اور شاذ کونی سے بڑھ کر کسی کو جھوٹ میں ماہر نہیں دیکھا۔ رہا سلمۃ بن الفضل تو ابوحاتم کہتے ہیں: یہ منکر الحدیث ہے، گو کہ اس کے رواۃ مختلف ہیں لیکن اسحاق بن راہویہ وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔

فصل: طلاق ثلاثہ اور اجماع

جب دوسروں نے ان مسالک کا ضعف دیکھا انہوں نے ایک اور مسلک میں راحت سمجھی۔ انہوں نے سمجھا کہ وہ اس وجہ سے تاویل کی مشقت اور تکلیف سے راحت پائیں گے۔ کہنے لگے کہ تین کے لزوم پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اور یہ خبر واحد سے بڑھ کر ہے۔ جس طرح شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اجماع خبر منفرد سے بڑا ہے۔ اس لیے کہ خبر واحد میں اس کے راوی پر خطاء کا امکان ہے برخلاف اجماع کے وہ معصوم ہے۔

کہتے ہیں: ہم صحابہ اور تابعین سے دلائل بیان کرتے ہیں جو اس کی وضاحت کرتے ہیں، صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں پر تین کو جاری کیا۔ اور صحابہ نے ان کو موافقت کی۔

---

[1] شیخ شمس الحق عظیم آبادی التعلیق المغنی صفحہ ۴۳۸ کی تعلیق میں کہتے ہیں: اس حدیث کی سند میں عطاء الخراسانی ہے۔ جو مختلف فیہ ہے۔ اسے ترمذی نے ثقہ کہا ہے۔ نسائی اور ابوحاتم نے کہا: اس پر حرج نہیں۔ ایک سے زائد علماء نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ بخاری کہتے ہیں: جن سے مالک نے روایت لی ہے ان میں اس کے علاوہ کوئی بھی ترک کا مستحق نہیں ہے۔ شعبہ کہتے ہیں: یہ بھولنے والا تھا۔ ابن حبان کہتے ہیں: اللہ کے بہتر بندوں میں سے تھا لیکن کثیر الوھم، حافظہ کا برا تھا، خطاء کرتا اور اسے معلوم نہ ہوتی تھی۔ جب اس کی روایت میں یہ بات زیادہ ہوگئی تو اس سے حجت پکڑنا باطل ہوگیا۔ نیز مقام حجت جو الفاظ ہیں یعنی ''اگر اس نے اسے تین طلاق دی الخ'' اس کے ساتھ عطاء منفرد ہے۔ حفاظ نے اس میں مخالفت کی ہے۔ وہ اصل حدیث میں اس کے شریک ہیں۔ لیکن انہوں نے اضافہ ذکر نہیں کیا۔ نیز اس کی سند میں شعیب بن رزیق شامی جو ہے وہ ضعیف ہے۔ اسی طرح نیل الاوطار میں ہے۔ عبدالحق نے اسے اپنے احکام میں اس سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس کو معلی بن منصور کی وجہ سے معلل بتایا ہے۔ وہ کہتے ہیں: احمد نے اسے جھوٹا کہا ہے۔ بیہقی نے اس حدیث پر علت صرف عطاء الخراسانی کی وجہ سے لگائی ہے۔ کہتے ہیں: وہ اس حدیث میں اضافے لایا ہے جن پر متابعت نہیں کی گئی۔ یہ حدیث میں ضعیف ہے جس روایت میں یہ منفرد ہو وہ قبول نہیں کی جاتی۔ (انتہی) اس طرح زیلعی نے ذکر کیا ہے۔ (الفقی)

سعید بن منصور کہتے ہیں: ہمیں سفیان نے شقیق سے بیان کیا۔ انہوں نے حضرت انس کو فرماتے ہوئے سنا: حضرت عمر نے اس آدمی کے متعلق کہا جو اپنی بیوی کو اس پر داخل ہونے سے پہلے تین طلاق دیتا ہے۔ فرمایا یہ تین ہیں وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی حتی کہ اور خاوند سے نکاح کر لے۔ جب آپ کے پاس وہ لایا جاتا اس کو ضرب لگاتے تھے۔ ①

بیہقی نے ابن ابی لیلیٰ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے جس آدمی نے قبل الدخول تین طلاقیں دیں۔ فرمایا: وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی حتی کہ اور خاوند سے نکاح کر لے۔ ②

حاتم بن اسماعیل نے جعفر بن محمد عن ابیہ، حضرت علی سے بیان کیا ہے وہ عورت اس کے لیے حلال نہ ہوگی حتی کہ اور خاوند سے نکاح کر لے۔

ابو نعیم نے اعمش، حبیب بن ابی ثابت عن بعض الصحابہ سے بیان کیا کہتے ہیں: ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ کہا: میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دی ہے۔ فرمایا: تین اس کو تجھ پر حرام کرتی ہیں اور ان سب کو اپنی عورتوں کے مابین تقسیم کر۔

علقمہ بن قیس نے کہا: ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہا کہ ایک شخص نے گزشتہ رات اپنی بیوی کو سو طلاق دی ہے؟ فرمایا: تم نے یہ ایک مرتبہ ہی کہہ دیں؟ کہا: جی ہاں! کہا: تو چاہتا ہے کہ تیری بیوی تجھ سے بائن ہو جائے؟ کہا جی ہاں۔ فرمایا: وہ ایسے ہے جیسے تم نے کہا۔

ایک اور آدمی آیا اس نے کہا اس نے اپنی بیوی کو گزشتہ رات ستاروں کی تعداد کے برابر طلاق دی ہے؟ آپ نے اس کو بھی اسی طرح کہا۔ پھر فرمایا: اللہ پاک نے طلاق کا معاملہ واضح کر دیا ہے۔ جس نے طلاق دی جس طرح اللہ نے اس کو حکم دیا ہے تو اس کے لیے بیان کیا گیا ہے۔ جس نے خلط ملط کیا ہم نے اس کو اس پر رکھ دیا ہے۔ اللہ کی قسم! تم اپنی جانوں کے خلاف ہی خلط ملط کرتے ہو۔ اور ہم تم سے یہ برداشت کریں؟ وہ ایسے ہے جیسے تم کہتے ہو۔ ③

امام مالک نے مؤطا میں اس سند سے بیان کیا ہے: ابن شہاب، محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان، محمد بن ایاس البکیر کہتے ہیں: ایک شخص نے اپنی بیوی کو قبل الدخول تین طلاق دے دی۔ پھر اس کا ارادہ ہوا کہ اس سے نکاح کر لے۔ وہ فتویٰ پوچھنے کے لیے آیا۔ میں بھی اس کے ہمراہ اس کے سوال کے لیے آ گیا۔ اس نے حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس سے اس متعلق سوال کیا۔ ان دونوں نے کہا: ہماری رائے میں وہ اس سے نکاح نہیں کر سکتی حتی کہ کسی خاوند اور سے نکاح کر لے۔ اس نے کہا: میری اس کو طلاق تو ایک تھی حضرت ابن عباس نے فرمایا: جو تیرے ہاتھ میں فضل تھا وہ تو نے چھوڑ دیا ہے۔ ④

مؤطا میں ہی اس واقعہ میں مذکور ہے۔ ابن البکیر نے اس متعلق حضرت ابن زبیر سے سوال کیا: فرمایا اس متعلق ہمارا کوئی قول نہیں ہے۔ تم حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ کے پاس جاؤ (میں ان دونوں کو حضرت عائشہ کے پاس چھوڑ کر آیا ہوں) ان سے سوال کرو۔ پھر آ کر ہم کو خبر کر دو۔ وہ گیا، اس نے ان سے سوال کیا، حضرت ابن عباس نے حضرت ابو ہریرہ سے کہا: اے ابو ہریرہ! تم ان کو فتویٰ دے دو۔ آپ کے پاس ایک مشکل مسئلہ آیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا:

---

① سنن الكبرى، ج: ٧، ص: ٣٣٤۔ ② سنن الكبرىٰ، ج: ٧، ص: ٣٣٥۔

③ مؤطا امام مالك، ج: ١، ص: ٥٧٠، حديث: ٣٧۔ ④ مؤطا امام مالك، ج: ١، ص: ٥٧١۔

ایک طلاق اس کو بائن کرتی ہے۔ تین اس کو حرام کرتی ہیں حتی کہ عورت کسی اور خاوند سے نکاح کر لے۔ حضرت ابن عباس نے بھی اسی طرح فرمایا۔ (1)

• حضرت عائشہ نے ان دونوں کا رد نہ کیا اور نہ ہی حضرت ابن زبیر نے۔

مؤطا میں ہی نعمان بن ابی عیاش، عطاء بن یسار سے بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے اس شخص کے متعلق سوال کرنے کے لیے آیا جس نے اپنی بیوی کو چھونے سے پہلے تین طلاق دی تھی۔ عطاء کہتے ہیں کہ: میں نے کہا: کنواری کی طلاق تو ایک ہوتی ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے مجھے فرمایا: تو تو صرف قصہ بیان کرنے والا ہے۔ ایک اس کو بائن کرے گی، تین اس کو حرام کریں گی حتی کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کر لے۔ (2)

عبیداللہ نے بواسطہ نافع حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے ''جب کوئی اپنی بیوی کو داخل ہونے سے پہلے طلاق دے۔ وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی حتیٰ کہ اور خاوند سے نکاح کر لے۔'' (3)

بیہقی نے بسند معاذ بن معاذ، شعبہ، طارق بن عبدالرحمن، قیس بن ابی عاصم سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ایک آدمی نے حضرت مغیرہ سے سوال کیا جبکہ میں موجود تھا کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو سو طلاق دی ہو۔ فرمایا: تین حرام کرنی والی ہیں جبکہ ستانوے زائد ہیں۔ (4)

بیہقی نے سوید بن غفلہ سے بیان کیا ہے: کہتے ہیں عائشہ الخثعمیہ حضرت حسن کی بیوی تھی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، کہنے لگی اے امیر المؤمنین آپ کو خلافت مبارک ہو۔ فرمایا تو میری مصیبت پر خوشی کا اظہار کرتی ہے؟ جا تجھ کو تین طلاق ہے۔ اس نے اپنے کپڑے لپیٹے حتی کہ اپنی عدت پوری کر لی۔ آپ نے اس کے حق مہر سے بچا ہوا حصہ دیا اور دس ہزار صدقہ بھی دیا، جب اس کے پاس پیغامبر آیا کہنے لگی: چھوڑنے والے محبوب کے بدلے یہ تھوڑا سا مال ہے۔ جب ان کو اس کی بات پہنچی تو رونے لگے۔ فرمایا: اگر میں نے اپنے نانا کو فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا یا میرے باپ نے میرے نانا سے سن کر بیان نہ کیا ہوتا، جو آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں طہروں پر دے یا تین مبہم تو وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی حتی کہ اور خاوند سے نکاح کر لے تو میں ضرور اس سے رجوع کر لیتا۔ (5)

امام احمد اپنی اس سند سے بیان کرتے ہیں کہ محمد بن جعفر، شعبہ، عطاء بن السائب، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے حرام، البتہ، بائن، خلیہ اور بریہ کے متعلق فرمایا: تین تین ہیں۔ شعبہ کہتے ہیں: میں عطاء کو ملا میں نے کہا: آپ کو اس متعلق کس نے بیان کیا ہے؟ کہا ابو البختری نے امام احمد کہتے ہیں: میں اس سے ڈرتا ہوں اور میں اس میں جواب نہیں دیتا کیونکہ عام لوگوں

---

(1) مؤطا امام مالك، ج: ۱، ص: ۵۵۰، حديث: ۲۔ (2) مؤطا امام مالك، ج: ۱، ص: ۵۷۰، حديث: ۳۸۔

(3) بمطابق حوالہ گزشتہ۔ (4) سنن الكبرىٰ، ج: ۷، ص: ۳۳۶۔

(5) دارقطنی میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔ اس کی سند یہ ہے یونس بن بكير، عمرو بن شمر، عمران بن مسلم، ابراهيم بن عبدالأعلىٰ، سويد بن غفلة۔ التعليق المغني، ص: ۴۳۷ میں ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی عمرو بن شمر الجعفی الشیعی ابو عبداللہ ہے۔ اس کے متعلق یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ وہ کچھ نہیں ہے۔ (الفقی)

سے بیان کیا جاتا ہے کہ تین ہے۔ مثلاً حضرت علی، زید، ابن عمر اور کئی تابعین۔

رہے ابن عباس تو ان سے مجاہد، سعید بن جبیر عطاء بن ابی رباح، عمرو بن دینار، مالک بن الحارث، محمد بن ایاس بن البکیر، معاویہ بن ابی عیاش وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جس نے اکٹھی تین کہیں وہ اس پر اس کو لازم کرتے تھے۔ امام احمد نے اثرم کے جواب میں کہا: جب ان سے سوال کیا گیا کہ آپ حضرت ابن عباس کی حدیث کا کیا جواب دیتے ہیں، کہ طلاق رسول اللہ ﷺ کے عہد میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں تین طلاق ایک ہوتی تھی۔ فرمایا: لوگوں کی ابن عباس سے روایت کے ساتھ جو اس کے خلاف ہے۔ پھر انہوں نے متعدد لوگوں کی وساطت سے حضرت ابن عباس سے بیان کیا کہ وہ تین ہیں اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

بیہقی نے ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی حضرت عمران بن حصین کے پاس آیا جبکہ آپ مسجد میں تھے۔ اس نے کہا کسی آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں دی ہیں۔ فرمایا اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی ہے۔ اس پر اس کی عورت حرام ہوگئی۔ وہ آدمی گیا اس نے حضرت ابوموسیٰ سے ذکر کیا، اس کا مطلب ان پر عیب لگانا تھا۔ کہنے لگا: آپ نہیں دیکھتے کہ عمران نے ایسے ایسے کہا ہے؟ حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہم میں ابونجید [1] جیسے اور لوگ پیدا کرے۔ کہتے ہیں دیکھو: یہ حکم تو حضرت عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر، عمران بن حصین، مغیرہ بن شعبہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہم سب سے منقول ہے۔

رہے تابعین تو وہ شمار سے زائد ہیں۔ اجماع اس کے علاوہ بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اجماع کو کئی لوگوں نے بیان کیا ہے مثلاً ابوبکر بن العربی، ابوبکر الرازی اور یہی امام احمد کے کلام کا ظاہر یہ ہے۔ انہوں نے اثرم کی روایت میں فرمایا ہے۔ انہوں نے کہنے والے کا یہ قول ذکر کیا کہ جب کوئی سنت کے خلاف کرے سنت کی طرف لوٹایا جائے گا، فرمایا: یہ کچھ نہیں ہے اور کہا کہ یہ رافضیوں کا مذہب ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تین کے وقوع کا قول اہلِ سنت کے اجماع سے ہے۔

دوسروں نے اس کے جواب میں کہا: تم جانتے ہو کہ دعویٰ اجماع وہ ہے جس میں کوئی مخالف معلوم نہ ہو۔ وہ علم کی طرف لوٹتا ہے نہ کہ نفی مخالف کے علم کی طرف۔ عدمِ علم تو علم نہیں ہے کہ اس سے حجت پکڑی جائے یا اسے نصوصِ ثابتہ پر مقدم کیا جائے۔ یہ تب ہے جب مخالف معلوم نہ ہوا گر مخالف معلوم تو کیسے ہوگا؟ پھر یہ مسئلہ نزاع والا مسئلہ بن جائے گا۔ جسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا ضروری ہے۔

جو اس کا انکار کرے یا تو وہ جاہل مقلد ہے۔ یا وہ متعصب خواہش پرست ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہے۔ وہ عمداً وعید کا حق دار بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (النساء: ۵۹)

''پس اگر تم کسی چیز میں تنازع کرو تو اس کو اللہ اور پیغمبر کی طرف لوٹاؤ۔ اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔''

جب ثابت ہوگیا کہ یہ مسئلہ ہے تو قطعاً واجب ہوگیا کہ اسے اللہ کی کتاب اور اس کے پیغمبر کی سنت کی طرف لوٹایا جائے۔ یہ

---

[1] ابونجید حضرت عمران کی کنیت ہے۔ (مترجم)

مسئلہ نزاعی مسئلہ ہے۔ جو صحیح علم والے اہل علم ہیں ان کے مابین اس میں اختلاف نہیں ہے۔ اس میں اختلاف عہد صحابہ سے ہمارے اس دور تک ہے۔ اس کا بیان چند وجوہ سے ہے۔

پہلی وجہ: وہ روایت جسے ابوداؤد وغیرہ نے بسند حماد بن زید، ایوب، عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے "جب تم نے ایک منہ/کلمہ سے کہا تم کو تین طلاق ہے تو وہ ایک ہے۔" یہ سند بخاری کی شرط پر ہے۔

عبدالرزاق کہتے ہیں: ہمیں معمر نے ایوب سے بیان کیا ہے کہتے ہیں حکم بن عینیہ زہری کے پاس مکہ میں گئے۔ میں بھی ان لوگوں کے ساتھ تھا۔ انہوں نے ان سے کنواری کے متعلق سوال کیا جسے تین طلاق دی جاتی ہیں؟ فرمایا: اس بارے میں حضرت ابن عباس، ابوہریرۃ اور عبداللہ بن عمرو سے سوال کیا گیا ان سب نے کہا وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی حتی کہ اور خاوند سے نکاح کر لے کہتے ہیں حکم نکلا میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ طاؤس کے پاس گیا وہ مسجد میں تھا اس پر جھکا، اور حضرت ابن عباس کے اس متعلق قول کے بارے میں سوال کیا اور اسے زہری کا قول بھی بتایا۔ کہتے ہیں میں نے طاؤس کو دیکھا اس نے اس پر تعجب سے ہاتھ اٹھائے اور کہا اللہ کی قسم! ابن عباس اس کو ایک قرار دیتے تھے۔

ابن جریج نے بواسطہ حسن بن مسلم، ابن شہاب، حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے، فرمایا: جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاق دے اور جمع نہ کرے وہ تین ہوں گی کہتے ہیں میں نے طاؤس کو خبر دی۔ انہوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت ابن عباس کی رائے اس متعلق صرف ایک کی تھی۔

یہ جو کہا کہ جب طلاق دے اور جمع نہ کرے وہ تین ہوں گی۔ مطلب یہ ہے کہ جب علیحدہ علیحدہ طلاقیں ہوں۔ یہ دلیل ہوگئی اگر وہ ان کو جمع کرتا وہ ایک ہوتی، اسی بات پر طاؤس نے قسم کھائی تھی کہ حضرت ابن عباس اس کو ایک بتاتے تھے۔ ہمیں اس بات میں بھی شبہ نہیں ہے کہ حضرت ابن عباس سے اس کے خلاف بھی صحیح مروی ہے، یعنی کہ وہ تین ہیں تو بلاشبہ حضرت ابن عباس سے دونوں روایات ثابت ہیں۔

دوسری وجہ: طاؤس کا یہ مذہب ہے۔ عبدالرزاق کہتے ہیں: ہمیں ابن جریج نے بواسطہ ابن طاؤس ان کے باپ سے بیان کیا ہے، کہتے ہیں ان کی رائے میں وہ طلاق درست نہیں جو طلاق اور عدت کے طریقہ کے خلاف ہو۔ وہ کہا کرتے تھے آدمی عورت کو ایک طلاق دے پھر اسے چھوڑ دے حتی کہ اس کی عدت گزر جائے۔ ابوبکر بن ابی شیبہ کہتے ہیں ہمیں اسماعیل بن علیہ نے بواسطہ لیث بیان کیا ہے کہ طاؤس اور عطاء دونوں نے کہا جب آدمی اپنی بیوی کو اس پر داخل ہونے سے پہلے طلاق دے تو وہ ایک ہوگی۔

تیسری وجہ: عطاء بن ابی رباح کا یہ قول ہے۔ ابن ابی شیبہ نے بسند محمد بن لبید، اسماعیل، قتادہ طاؤس، عطاء، اور جابر بن زید سے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا "جب عورت پر داخل ہونے سے قبل آدمی اسے طلاق دے تو وہ ایک ہوگی۔"

چوتھی وجہ: یہ حضرت جابر بن زید کا قول ہے، جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

پانچویں وجہ: یہ محمد بن اسحاق کا عن داؤد بن الحصین مذہب ہے۔ اسے ان سے امام احمد نے اثرم کی روایت میں بیان کیا ہے۔ سند کے ساتھ لفظ یوں ہیں سعید بن ابراہیم، عن ابیہ، ابن اسحاق، داؤد بن الحصین، عکرمہ، حضرت ابن عباس سے بیان کرتے

ہیں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی تو نبی ﷺ نے اس کو ایک قرار دیا۔ ابوعبداللہ کہتے ہیں: یہ ابن اسحاق کا مذہب ہے۔ وہ کہتے ہیں: اس نے سنت کے خلاف کیا تو سنت کی طرف لوٹا جائے گا۔

چھٹی وجہ: یہ کنواری کے متعلق اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے۔ محمد بن نصر المروزی اپنی کتاب اختلاف العلماء میں کہتے ہیں، اسحاق کہتے تھے۔ کنواری کے لیے تین طلاق ایک ہے۔ انہوں نے طاؤس سے حضرت ابن عباس کی حدیث ''کہ تین طلاق رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر وعمر کے عہد میں ایک قرار دی جاتی تھی'' کو اسی پر محمول کیا ہے۔ کہتے ہیں: اگر مرد عورت پر داخل نہیں ہوا اور اس کو کہا تجھ کو طلاق تجھ کو طلاق تجھ کو طلاق، تو سفیان اصحاب الرائے، شافعی، احمد اور ابوعبید کہتے ہیں: وہ پہلی کے ساتھ اس سے بائن ہوگی جبکہ دو کچھ نہیں ہیں۔ کیونکہ جس پر داخل نہیں ہوا گیا۔ وہ ایک سے بائن ہوتی ہے جبکہ اس پر کوئی عدت نہیں ہے۔

مالک، ربیعہ، اہل مدینہ، اوزاعی اور ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں: جب آدمی نے عورت کو تین مرتبہ کہا تجھ کو طلاق مسلسل ایک ہی مرتبہ۔ وہ اس پر حرام ہوگی حتی کہ اور خاوند سے نکاح کرلے، اگر وہ دو طلاقوں کے درمیان خاموش ہوگیا۔ وہ پہلی کے ساتھ بائن ہوگی، جبکہ دوسری اس کو نہیں پہنچے گی تو جس عورت پر خاوند داخل نہیں ہوا۔ اس پر تین کے وقوع میں صحابہ تابعین اور بعد والوں کے تین مذاہب ہوئے۔

پہلا: یہ ایک ہے۔ وہ ایک لفظ سے کہے یا تین الفاظ سے کہے۔

دوسرا: یہ تین ہیں۔ وہ ان کو ایک لفظ سے واقع کرے یا تین الفاظ سے۔

تیسرا۔ اگر ایک لفظ سے واقع کرے تو وہ تین ہیں اور اگر تین الفاظ سے واقع کرے تو بھی وہ تین ہیں۔ اگر تین الفاظ سے واقع کرے تو وہ ایک ہے۔

ساتویں وجہ: یہ طلاق قبل الدخول میں عمرو بن دینار کا مذہب ہے۔ ابن المنذر اپنی کتاب الأوسط میں کہتے ہیں: سعید بن جبیر، طاؤس، ابوالشعثاء عطاء اور عمرو بن دینار کہتے تھے۔ جس نے کنواری کو تین طلاق دی تو وہ ایک ہے۔

آٹھویں وجہ: یہ سعید بن جبیر کا مذہب ہے۔ جیسا کہ ان سے یہ ابن المنذر وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ اسے ثعلبی نے سعید بن المسیب سے بیان کیا ہے۔ ان کو اس میں غلطی لگی ہے۔ یہ مذہب تو سعید بن جبیر کا ہے۔

نویں وجہ: یہ حضرت حسن بصری کا مذہب ہے جس پر وہ برقرار رہے تھے۔ ابن المنذر کہتے ہیں اس متعلق حسن پر اختلاف کیا گیا ہے۔ ان سے مروی ہے جس طرح ہم تک اصحاب نبی ﷺ سے مروی ہوا ہے۔ قتادہ حمید اور یونس نے ان سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع کرلیا تھا اور کہا کہ یہ ایک بائن ہے۔

یہ جو ابن المنذر نے ذکر کیا ہے، اسے عبدالرزاق نے مصنف میں روایت کیا ہے، کہتے ہیں ہمیں معمر نے قتادہ سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں میں نے حسن سے اس آدمی کے متعلق سوال کیا جو کنواری کو تین طلاق دیتا ہے۔ حسن نے کہا اور تین کے بعد؟ میں نے کہا: آپ نے سچ کہا اور تین کے بعد؟ تو حسن نے اس پر ایک زمانہ تک فتویٰ دیا۔ پھر رجوع کرلیا اور کہا کہ ایک جو اس کو بائن کرتی

ہے۔یہی اپنے حینِ حیات فتویٰ دیا۔[1]

دسویں وجہ: یہ عطاء بن یسار کا مذہب ہے عبدالرزاق اپنی اس سند سے بیان کرتے ہیں مالک یحییٰ بن سعید، ابن البکیر یعمر بن ابی عیاش[2] کہتے ہیں ایک آدمی نے عطاء بن یسار سے اس شخص کے متعلق سوال کیا جو کنواری کو تین طلاق دیتا ہے۔فرمایا کنواری کی طلاق تو ایک ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے ان سے فرمایا:: تو قصہ بیان کرنے والا ہے۔ایک اس کو بائن کرتی ہے۔تین اس کو حرام کرتی ہیں، حتی کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کرلے، تو عطاء نے اپنا مذہب بیان کیا اور حضرت عبداللہ بن عمرو نے اپنا مذہب بیان کیا۔

گیارہویں وجہ: یہ خلاس بن عمرو کا مذہب ہے۔اسے بشر بن الولید نے بواسطہ ابو یوسف اس سے بیان کیا۔

باہوریں وجہ: یہ مقاتل الرازی کا مذہب ہے۔اسے اس سے المازری نے اپنی کتاب "المعلم بفوائد المسلم" میں بیان کیا ہے۔خطیب کہتے ہیں: اس نے عبداللہ بن المبارک، عباد بن العوام، وکیع بن الجراح اور ابو عاصم النبیل سے روایت کی ہے۔اس سے امام احمد اور بخاری نے صحیح میں روایت لی ہے اور یہ ثقہ راوی ہے۔

تیرہویں وجہ: مالک سے دو روایات میں سے ایک یہ ہے۔اسے ان سے مالکیہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔جس میں سے تلسمانی صاحب "شرح الخلاف" ہیں۔اسے ابن ابی زید کی طرف منسوب کیا ہے۔کہ اس نے اسے امام مالک سے بطور روایت بیان کیا ہے۔دوسروں نے اسے مذہب مالک میں ایک قول کے طور پر بیان کیا ہے اور اسے شاذ قرار دیا ہے۔

چودہویں وجہ: ابن مغیث المالکی نے اسے کتاب "الوثائق" میں بیان کیا ہے۔یہ مالکیہ کے ہاں طلیطلۃ کے دس سے زائد فقہاء کا مشہور مذہب ہے۔جو مذہب مالک کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ان کے لیے حجت لی گئی ہے کہ اس کا کہنا تجھ کو تین طلاق ہو، جھوٹ ہے۔کیونکہ اس نے تین طلاق نہیں دی۔وہ صرف ایک طلاق دیتا ہے۔جیسے اگر اس نے کہا: تو نے تین قسم کھائی ہے تو یہ ایک قسم ہوئی، پھر حدیث سے ان کے دلائل ذکر کیے۔

پندرہویں وجہ: ابوالحسن علی بن عبداللہ بن ابراہیم اللخمی المشطی جو کہ کتاب "الوثائق الکبیر" کے مؤلف ہیں۔جس جیسی کتاب "الوثائق" میں تصنیف نہیں کی گئی۔انہوں نے اپنی کتاب میں سلف اور خلف سے اختلاف نقل کیا ہے، حتی کہ خود مالکیہ سے بھی۔ کہتے ہیں جس نے کہا تجھ کو تین طلاق تو وہ اس سے بائن ہو گئی اس نے "البتۃ" کہا یا نہیں کہا۔کہتے ہیں بعض موثقین۔مطلب وثائق کے مصنفین نے کہا ہے، کہ اہل علم نے اس اجماع کے بعد کہ وہ طلاق دینے والا ہے۔اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ اس کو کتنی طلاق لازم ہے؟ جمہور علماء کہتے ہیں: اس پر تین لازم ہوں گی۔یہی فیصلہ ہے اسی پر فتویٰ ہے۔یہ وہ حق ہے جس میں شک نہیں ہے۔کہتے ہیں: بعض سلف نے کہا ہے: اس پر اس سے ایک طلاق لازم آتی ہے۔اس کی متابعت اندلس کے مفتیوں کی ایک جماعت کے جانشینوں نے کی ہے۔کہتے ہیں: انہوں نے اس پر کئی دلائل پیش کیے ہیں۔احادیث لکھی گئی ہیں۔ہم نے ان سے صرف نظر کیا ہے۔اور ہم نے ان میں سے صحیح پر اکتفا کیا ہے۔

---

[1] مصنف عبدالرزاق، ج: ٦، ص: ٣٣٢، حدیث: ١١٠٦٧۔

[2] مصنف عبدالرزاق، ج: ٦، ص: ١١٠٧٤ اس میں نعمان بن ابی عیاش ہے۔(عفیفی)

مثلاً داؤد بن الحصین نے، عکرمہ عن ابن عباس بیان کیا ہے کہ رکانہ نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو رسول اللہ ﷺ کے ہاں تین طلاق دی۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: یہ تو ایک ہی ہے، اگر تم چاہو تو اس کو چھوڑ دو اور اگر تم چاہو تو اس سے رجوع کر لو۔ پھر حدیث ابو الصہباء کو ذکر کیا اور ان تاویلات کو بھی ذکر کیا جو ہم نے بیان کی ہیں۔

سولہویں وجہ: ابو جعفر طحاوی نے اپنی کتاب ''تہذیب الآثار'' میں دو قول بیان کیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ''اس شخص کے بارے میں باب جو اپنی بیوی کو تین اکٹھی طلاق دیتا ہے۔'' پھر حدیث ابو الصہباء کو ذکر کیا۔ پھر کہا: ایک قوم کا مذہب ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاق دے تو اس پر ایک واقع ہوگئی۔ اگر وہ وقت سنت میں واقع ہوئی ہو۔ یعنی جب عورت طاہر ہو بغیر جماع، ہو۔ انہوں نے اس میں اس حدیث سے حجت لی ہے۔ وہ کہتے ہیں: جب اللہ پاک نے اپنے بندوں کو حکم فرمایا ہے کہ وہ طلاق کو اس کے مقرر کردہ وقت کے طریقہ پر دیں۔ انہوں نے طلاق اس طریقہ پر نہ دی جس کا اس نے ان کو حکم دیا ہے۔ ان کی طلاق واقع ہوئی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر ایک شخص کسی آدمی کو حکم دیتا ہے وہ اس کی بیوی کو ایک وقت میں طلاق دے۔ اس نے اس کو دوسرے وقت میں طلاق دی، یا حکم دیا کہ ایک شرط پر طلاق دے۔ اس نے اس شرط کے بغیر طلاق دی۔ بے شک اس کی طلاق واقع نہ ہوگی؟ کیونکہ اس نے اس بات کی مخالفت کی جس کا اس کو حکم دیا گیا تھا۔ پھر دوسروں کے دلائل ذکر کیے۔ ان دلائل کے جواب بھی اہل علم و دین کے طریقہ کے مطابق دیئے، جو وہ اپنے مخالفین کے خلاف رکھتے ہیں، جب ان کے ساتھ بحث کرتے ہیں۔ اس نے جاہل ظالم، سرکش والا طریقہ نہیں اپنایا جو اپنے گھٹنوں پر بیٹھتا ہے۔ اپنی آنکھیں پھاڑتا ہے۔ اپنی حیثیت کے ساتھ مخالف پر حملہ آور ہوتا ہے تاکہ اپنے علم کے ساتھ، بُرے مقصد کے ساتھ نا کہ حسن فہم سے۔ کہتا ہے: اس مسئلہ کے مطابق کہنا ایسا کفر ہے جو موجب گردن زدنی ہے۔ تاکہ اپنے مخالف کو لاجواب کر دے، اس کو اپنے خلاف زبان کھولنے اور میدانِ مقابلہ میں آنے سے روک دے۔ اللہ تعالیٰ ہر قائل کی زبان کو جانتا ہے جس دن وہ اس کے سامنے کھڑا ہوگا وہ اس کے ہر کہے پر سوال کرے گا۔

سترہویں وجہ۔ ہمارے شیخ نے اپنے دادا ابو البرکات سے بیان کیا ہے کہ وہ اس کا کبھی پوشیدہ فتویٰ دیتے تھے۔ انہوں نے اپنی کسی کتاب میں کہا ہے کہ یہ قول بعض اصحاب مالک، ابو حنفیہ اور احمد کا ہے۔

میں کہتا ہوں: رہے مالکیہ تو میں نے ان سے اختلاف بیان کیا ہے۔ رہے بعض اصحاب ابی حنفیہ تو یہ محمد بن مقاتل ہیں جو اصحاب ابی حنفیہ سے طبقہ ثالثہ میں سے ہیں۔ رہے بعض اصحابِ احمد تو اس سے مراد بھی ان کے دادا کا فتویٰ ہے، ورنہ میں کسی کا نام نہیں جانتا۔

اٹھارہویں وجہ: ابو الحسن النسفی یا الواسطی نے اپنے ''وثائق'' میں کہا ہے، اس مسئلہ میں اختلاف مذکور ہے۔ پھر کہا: ان کی بعض حجتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فرمان: ﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ میں طلاق کو الگ الگ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اگر کسی انسان نے ایک کلمہ میں جمع کیا تو یہ ایک طلاق ہوگی۔ اور جو اس پر زائد ہے وہ لغو ہوگی۔ جس طرح امام مالک نے قرار دیا ہے کسی شخص نے سات کنکریاں ایک ہی مرتبہ ماریں وہ ایک مرتبہ ہے، اسی پر انہوں نے بنیاد رکھی ہے کہ ان کے ہاں طلاق بھی اسی طرح ہے۔

کہتے ہیں: اندلس کے اہل فتویٰ میں سے جنہوں نے اس قول کی تائید کی ہے ان میں اصبغ بن الحباب، محمد بن بقی، محمد بن عبدالسلام الخشنی، ابن زنباع اور ان کے ہمراہ ان جیسے دیگر بھی ہیں۔ یہ اس کے لفظ ہیں۔

انیسویں وجہ: کتاب "مفید الحکام فیما یعرض لهم من النوازل والأحكام" کے مؤلف ابوالولید ہشام بن عبداللہ بن ہشام الأزدی القرطبی نے سلف اور خلف کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف ذکر کیا ہے۔ حتیٰ کہ اس میں انہوں نے خود مذہب مالک میں بھی اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ پھر یہ بھی بتایا ہے کہ اس کے مطابق مالکیہ میں سے کون فتویٰ دیتا ہے۔ یہ کتاب اصحاب مالک کے ہاں مشہور و معروف ہے۔ جو بہت ہی فوائد والی ہے۔ ہم اس کے الفاظ کو نیچے ذکر کرتے ہیں، ہم بتائیں گے جو اس نے ابن مغیث سے ذکر کیا ہے۔ پھر ہم اس کے بعد اس کا کلام لائیں گے تاکہ معلوم ہو کہ اہل علم میں اس کو نقل کرنا معلوم اور متداول ہے۔ علم میں جس کی قوت کمزور ہے۔ جہالت و ظلم میں جس کا ہاتھ لمبا ہے۔ وہ جہالت سزا اور کافر قرار دینے میں اپنی جہالت اور ظلم کی وجہ سے جلدی کرتا ہے، یہ اس کا حق بھی ہے۔ وہ صرف علم کا دعویدار ہے۔ لیکن اس کا علم سے قریب قریب کوئی تعلق نہیں ہے۔

ابن ہشام کہتے ہیں: ابن مغیث نے کہا: طلاق کی دو قسمیں ہیں۔ طلاق سنت اور طلاقِ بدعت۔ طلاقِ سنت وہ ہے جو اس طریقہ کے مطابق ہو جسے شریعت نے مستحب کہا ہے۔ جبکہ طلاقِ بدعت اس کے الٹ ہے، وہ یہ کہ آدمی حیض میں یا نفاس میں طلاق دے یا ایک کلمہ میں تین طلاق دے اگر اس نے یہ کیا تو اس کو طلاق لازم ہو گی۔

اہلِ علم کے اجماع کے بعد وہ طلاق دینے والا ہے، پھر ان میں اختلاف ہے کہ اس کو کتنی طلاق لازم ہے؟

حضرت علی بن ابی طالب اور ابن مسعود نے کہا اس کو ایک طلاق لازم ہوتی ہے اور یہی قول حضرت ابن عباس کا ہے۔

کہتے ہیں: یہ جو تین کا لفظ ہے اس کا کوئی معنی نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے تین مرتبہ طلاق نہیں دی۔ تین تو کہنا تب جائز تھا جب وہ ماضی میں ہوئے کام کی خبر دے۔ وہ کہے کہ میں نے تین طلاقیں دیں۔ وہ تین افعال کی خبر دے رہا ہو جو اس سے تین اوقات میں صادر ہوئے۔ مثلاً ایک آدمی کہتا ہے: میں نے گزشتہ رات فلاں سورت تین مرتبہ پڑھی تو یہ درست ہے۔ اگر اس نے اسے ایک مرتبہ پڑھا ہو پھر کہے کہ میں نے اسے تین مرتبہ پڑھا ہے تو وہ ضرور جھوٹا ہو گا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کے نام کی تین قسمیں کھاتا ہے۔ وہ قسم کو دہرائے گا پھر تین قسمیں ہوں گی۔ اگر کہے کہ "میں اللہ کی تین قسمیں کھاتا ہوں" تو اس نے صرف ایک ہی قسم کھائی ہے۔ طلاق بھی اسی طرح ہے۔ اسی طرح حضرت زبیر بن العوام اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔ یہ سب روایات ہمیں ابن وضاح سے ملی ہیں۔ یہی قول قرطبہ کے شیوخ میں سے ابن زنباع، شیخ ہدیٰ، محمد بن بقی بن مخلد، فقیہ عصر محمد بن عبدالسلام الخشنی، اصبغ بن الحباب اور ان کے علاوہ فقہاء قرطبہ کی ایک جماعت کا ہے۔

حضرت ابن عباس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لفظ طلاق کو علیحدہ علیحدہ ذکر کیا ہے۔ فرمایا:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۖ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ﴾ (البقرة: ٢٢٩)

مراد یہ ہے کہ اکثر طلاق جس کے بعد اچھے طریقے سے روک رکھنا ممکن ہوتا ہے جو کہ عدت میں رجوع ہے: ﴿اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ﴾ کا مطلب ہے اس کو بغیر رجوع کے چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کی عدت گزر جائے۔ اسی میں مرد کی طرف اور عورت کی طرف احسان ہے اگر ان دونوں کو احساس شرمندگی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا﴾ سے مراد

ہے علیحدگی پر ندامت اور رجوع میں رغبت۔

تین کو واقع کرنے والا احسان کرنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے آسانی کو چھوڑ دیا ہے جس کی اللہ نے اسے گنجائش دی تھی اور اس پر تنبیہ کی تھی، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے لفظ طلاق کو علیحدہ علیحدہ ذکر کیا ہے۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہوگئی کہ اگر وہ جمع کی جائے تو وہ ایک لفظ ہوگا۔ خوب غور کرو!۔

اگر دیانت داری سے غور کریں تم اس کے علاوہ اس پر دلالت کرنے والا ایک اور مسئلہ سمجھ آتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی کہتا ہے کہ میرا مال مساکین میں صدقہ ہے تو اس میں ایک ثلث رتہائی کافی ہوگا۔

یہ سب صاحبِ کتاب کے اپنے الفاظ ہیں۔ کیا تو جاہل، ظالم اور حد سے بڑھنے والے کو دیکھتے ہو، کہ وہ ان سب کو کفار قرار دے رہا ہے، جن کے خون مباح ہیں؟ اللہ تیری ذات پاک ہے! یہ تو بہتانِ عظیم ہے۔ یہ تو اکابر اہل علم ودین سے ہیں۔ اہلِ تقلید یعنی اندھوں کے نزدیک ان کا گناہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے لیے وہ پسند نہیں کیا جو مقلدین نے کیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے تنازع والے مسئلہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹایا ہے۔

یہی وہ شکوہ ہے جس کی عار تم پر ظاہر ہے۔

بیسویں وجہ: یہ اہلِ ظاہر داؤد اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔ ان کا گناہ اکثر لوگوں کے نزدیک یہ ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کو اپنایا ہے۔ اس پر انہوں نے کسی چیز کی پروا نہیں کی۔ ابومحمد بن حزم نے اس میں ان کی مخالفت کی ہے۔ اس نے تین کو جمع جاری کیا اور انہیں واقع کیا ہے۔

اس نزاع کے اثبات میں ہمارے نزدیک اس مسئلہ میں بیس وجوہ اہل علم کی کتب سے کم علمی کے مطابق پیش کی جاتی ہیں ورنہ جن کا ہمیں پتہ نہیں وہ ان سے بھی زیادہ ہیں۔

ابن وضاح اور ابن مغیث نے اسے حضرت علی، ابن مسعود، زبیر، عبدالرحمن بن عوف اور ابن عباس سے بیان کیا ہے۔ شاید یہ ان سے ایک روایت ہو۔ ورنہ بلاشبہ حضرت ابن مسعود، علی اور ابن عباس سے تین کو لازم کرنا بھی ثابت ہے جو ان کو اکٹھا بولے، اور ابن عباس سے اس کو ایک قرار دینا بھی صحیح مروی ہے۔ ان کے علاوہ صحابہ سے اس متعلق صحیح منقول نہیں ہے اور نہ ہم اس پر مطلع ہوئے ہیں۔ نزاع کو واضح کرنے والی وجوہ میں ان سے بیان کردہ کو ہم شمار نہیں کرتے۔ ہم تو وہ شمار کرتے ہیں جن پر ہم ان مواضع پر مطلع ہوئے اور ہم ان کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْق

اگر کہا جائے تم نے تین کو ایک قرار دینے والے ائمہ کے قول پر عذر پیش کئے ہیں کہ یہ ان احادیث کے مخالف ہیں، تو تمہارا امیر المومنین، ثانی خلفاء راشدین کے متعلق کیا خیال ہے جن کو الہام ہوتا تھا۔ جن کی سنت اور طریقہ کی پیروی کا ہم کو حکم دیا گیا ہے؟

تمہارا ان کے متعلق کیا گمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کے خلیفہ اور ان کے عہد میں صحابہ تین کو ایک بناتے ہوں، (ان کی رائے میں) حالانکہ وہ امت کے لیے آسان تر اور بہتر ہے، تنگی سے بہت دور ہے۔ پھر وہ اپنی رائے سے اس کی مخالفت کا ارادہ کرتے ہوں اور امت پر اپنی طرف سے تین کو لازم کرتے ہوں۔ ان پر تنگی کرتے ہوں جو اللہ نے وسعت دی ہے۔ آسان کو مشکل کرتے ہوں۔ کھلے کو تنگ کرتے ہوں۔ گنجائش والے کو تنگی والا بناتے ہوں۔ پھر اکثر صحابہ اس پر ان کی متابعت اور موافقت

کریں مخالفت نہ کریں؟ پھر یہ بھی نہیں کہ وہ ان کی حیات میں ان سے ڈر گئے ہوں۔ ہرگز نہیں وہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے اس متعلق بہت ڈرنے والے تھے۔ ان کو تو حق مخفی رہنے پر اگر ایک عورت متنبہ کرتی وہ ضرور اس کی طرف رجوع کرتے تھے۔ صحابہ کرام اللہ سے بہت ڈرنے والے اور اس کا بہت علم رکھنے والے تھے کہ ان کو حق معاملہ میں کسی ملامت گر کی ملامت لاحق ہو کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ڈر سے اس سے رکے رہیں۔ یہ معاملہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض ہے جبکہ صحابہ بھی ان کے ساتھ ہیں۔ یہ اس کے اور ان احادیث کے رد کے درمیان ہے، یا تو ضعف کی وجہ سے یا نسخ کی وجہ سے ہم پر ناسخ مخفی رہ گیا یا اس کی تاویل کی وجہ سے یا اس کو اس پر محمول کرنے سے کی وجہ جو درست ہے۔ بلاشبہ یہی درست ہے۔ اس میں صحابہ کا پورا حق مانا گیا ہے جو اللہ اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد کے سب لوگوں سے زیادہ جاننے والے تھے؟ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ یہ جو سوال ہے اس طرح کے اہل علم سوال کرتے ہیں، یہ شافی اور کافی جواب کا محتاج ہے۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں:

یہاں پر لوگوں کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ نے حضرت عمر اور ان کے موافقین کی وجہ سے ان احادیث سے عذر کیا ہے۔ جبکہ دوسرے گروہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عذر کیا ہے اور احادیث کو رد نہیں کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ احکام کی دو قسمیں ہیں۔

ایک وہ قسم ہے جو اپنی اصلی حالت سے نہیں بدلتی۔ نہ زمانوں کی وجہ سے نہ مکانوں کی وجہ سے اور نہ اجتہاد ائمہ کی وجہ سے۔ مثلاً واجبات کا وجوب، محرمات کی تحریم، جرائم پر شرع کی مقرر کردہ حدود وغیرہ۔ اس کی طرف نہ کوئی تبدیلی راہ پاتی ہے اور نہ کوئی اجتہاد جو اس کی وضع کے خلاف ہو۔

دوسری قسم: وہ ہے جو زمان، مکان اور حال کے بتقضائے مصلحت بدلتی رہے، مثلاً تعزیرات کی مقدار ان کی اجناس اور صفات۔ شارع اس میں حسب مصلحت قسم بناتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی دائمی عادت بنانے والے کے لیے چوتھی مرتبہ قتل کی تعزیر کو مشروع فرمایا۔[1] آپ نے جماعت میں حاضر ہونے سے پیچھے رہ جانے والوں پر گھروں کو جلانے کی تعزیر کا ارادہ فرمایا۔ اگر عورتوں اور بچوں وغیرہ غیر مستحق لوگوں تک سزا پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔[2] سلب سے حصہ کے مستحق کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرومی کی تعزیر دی۔[3] زکوٰۃ کے مانع کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نصف مال لینے کی تعزیر بتائی ہے۔[4] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی جگہوں پر مالی تعزیریں بھی بتائیں ہیں۔ جس نے اپنے غلام کا مثلہ کیا۔[5] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس سے نکلنے اور غلام کو آزاد کرانے کی تعزیر دی۔[6] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کو دوگنا چٹی بھرنے کا حکم دیا اس مال میں سے جس میں ہاتھ کاٹنا مقرر نہیں تھا۔ اسی طرح گم شدہ چیز چھپانے والے کو بھی۔[7] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطع تعلقی اور عورتوں سے

---

① اس واقعہ کو حضرت معاویہ کی روایت سے ابوداؤد، ترمذی، اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے۔ (الفقی)

② اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بخاری ومسلم نے بیان کیا ہے۔ (الفقی)

③ اس واقعہ کو حضرت عوف بن مالک کی روایت سے مسلم اور ابوداؤد نے بیان کیا ہے۔ (الفقی)

④ اس واقعہ کو حضرت بہز بن حکیم کی روایت سے احمد، ابوداؤد اور نسائی نے بیان کیا ہے۔ (الفقی)

⑤ مثلہ کا مطلب ناک، کان وغیرہ کاٹنا ہے۔ (مترجم)

⑥ اس وقعہ کو ابن جریج کی سند سے احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے۔ (الفقی)

⑦ یہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے ابوداؤد اور نسائی میں مروی ہے۔ (الفقی)

الگ رہنے کی تعزیر بھی دی۔ [1] معلوم نہیں کہ آپ ﷺ نے درے لگائے ہوں۔نہ قید کرنا، نہ کوڑے لگانا، آپ نے تو صرف تہمت میں قید کیا تا کہ تہمت لگائے گئے کی حالت واضح ہو جائے۔ [2]

اسی طرح آپ ﷺ کے اصحاب نے تعزیرات میں آپ کے بعد مختلف انداز اختیار کیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سر مونڈتے، جلاوطن کرتے، ضرب لگاتے، شرابیوں کی دکانیں جلاتے اور جس بستی میں شراب بیچی جائے اسے جلاتے تھے۔ [3] جب حضرت سعد نے رعایا سے علیحدگی اختیار کی تو آپ نے کوفہ میں ان کا محل جلا دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا تعزیر میں اجتہاد تھا جس پر کمالِ نصیحت کی وجہ سے صحابہ نے موافقت کی۔ نیز ان کا علم بہت تھا۔ امت کے لیے اچھا فیصلہ کرتے تھے۔ تعزیرات کا تقاضا کرنے والے اسباب بہت سے پیدا ہو گئے تھے، جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نہ تھے۔ یا تھے لیکن اب لوگ ان پر بڑھ گئے تھے اور ان کا تسلسل ہو گیا تھا۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کے عہد میں شراب نوش کم تھے، جب وہ حضرت عمر کے دور میں بڑھ گئے اور زیادہ کرنے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی تعزیر اسی دُرّے رکھی اور اس میں علاقہ بدر بھی لازم کیا۔

اسی طرح انہوں نے وہ دُرّہ بھی بنایا تھا جس سے وہ مستحق ضرب کو مارتے تھے۔

آپ نے جیل کے لیے بھی ایک گھر بنا رکھا تھا۔

آپ نوحہ کرنے والیوں کو بھی مارتے تھے۔

یہ بات وسیع ہے اس میں بہت سے لوگوں پر وہ احکام مشتبہ ہو گئے ہیں جو لازم ہیں، اسی طرح جب آپ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ تین طلاق میں کثرت کرنے لگے ہیں اور سمجھا کہ سزا کے بغیر یہ نہیں رکتے تو آپ نے بطورِ سزا ان کو لازم کر دیا تا کہ وہ اس سے باز آ جائیں۔

اس کی ایک وجہ تو عارضی تعزیر ہو سکتی ہے جو بوقتِ ضرورت دی جاتی ہے، جیسے آپ شرابی کو اسی دُرّے مارتے تھے۔ اس میں سر مونڈتے اور جلاوطن کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے بھی پیچھے چھوڑے گئے تین آدمیوں کو اپنی بیویوں کے ساتھ رہنے سے منع کر دیا تھا، تو اس کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ تین کو ایک بنانا کسی شرط سے مشروع کیا تھا، جو ختم ہو گئی تھی جیسا کہ انہوں نے حجِ تمتع [4] کے متعلق سمجھا یا مطلقاً یا تمتع کو فسخ کر کے تو یہ ایک دیگر وجہ ہے۔

یا کسی مانع کے قیام کی وجہ سے جو ان کے زمانہ میں سامنے آیا جس نے تین کو ایک بنانے سے روک دیا۔ جیسے ان کے ہاں

---

[1] یہ ان تین افراد کے واقعہ میں ہے جن کا معاملہ غزوہ تبوک کے بعد پیچھے کیا گیا۔ یہ حدیث بخاری و مسلم نے حضرت کعب بن مالک سے بیان کی ہے۔ (الفقی)

[2] یہ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ سے مروی ہے۔ (الفقی)

[3] دیکھیے ابوعبید کی "کتاب الأموال" صفحہ ۱۰۲ بروایت حضرت ابن عمر۔ (الفقی)

[4] حج تمتع دو طرح ہے۔ ایک یہ کہ آدمی حج کے مہینوں میں میقات سے عمرہ کا احرام باندھے پھر اپنا کام پورا کر کے حلال ہو جائے اور اپنی رہائش سے یوم ترویہ کو مکہ میں حج کے لیے احرام باندھے۔ دوسرا یہ کہ میقات سے حج کے لیے احرام باندھے۔ پھر مکہ میں داخل ہو طواف اور سعی کرے۔ پھر حج کی نیت فسخ کرے اور اسے عمرہ بناتے ہوئے حلال ہو جائے۔ پھر حج کے لیے احرام باندھے۔ (الفقی)

امہات الولد[1] لونڈیوں کو بیچنے سے ایک مانع قائم ہوگیا۔ اسی طرح بنی تغلب کے عیسائیوں[2] سے ٹیکس لینے پر ایک مانع قائم ہو گیا، وغیرہ تو یہ تیسری وجہ ہے۔

شروط کے ختم ہونے پر یا کسی مانع کے وجود پر حکم ختم ہو جاتا ہے۔ علیحدگی میں فسخ یا طلاق کو لازم کرنا اس شخص کے لیے ہے جو فریضہ ادا نہ کرے۔ جہاں پر اجتہاد کی گنجائش ہو۔

لیکن کبھی یہ عورت کا حق ہوتا ہے جیسے عنہ[3] اور ایلاء کا موقع، خرچ سے عاجزی یا مرد کا طویل مدت تک غائب رہنا، جن کے ہاں یہ رائے ہے۔

کبھی خاوند کا حق ہوتا جیسے وہ عیوب جو معاملہ کو پورا کرنے یا اسے کامل کرنے میں مانع ہوتے ہیں۔

کبھی یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہوتا ہے جیسے زوجین کے مابین دو فیصلہ کرنے والوں کا فیصلہ ان لوگوں کے ہاں جو ان کو وکیل بناتے ہیں۔ اور یہی درست ہے۔

اور جس طرح ایلاء کرنے والے کی طلاق کا واقع ہونا، جب وہ مدت[4] انتظار میں رجوع نہ کرے، یہ اکثر سلف اور خلف کے ہاں ہے۔

اور جس طرح بعض سلف نے کہا ہے (جن کی بعض اصحاب امام احمد نے موافقت بھی کی ہے) کہ اگر وہ دونوں دبر میں جماع پر آمادہ ہوں ان میں علیحدگی کروا دی جائے۔

اس کے قریب موقف یہ بھی ہے کہ اگر اچھا باپ اپنے بیٹے کو طلاق کا حکم دے۔ جس میں بیٹے کا فائدہ ہو۔ اس پر فرمانبرداری لازم ہے۔ جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے فرمایا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر کو حکم دیا کہ وہ اپنے باپ کی اطاعت کریں، جب انہوں نے ان کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کو کہا۔[5] تو لازم کرنا یا شارع کی طرف سے ہے یا امام کی طرف سے علیحدگی کے ساتھ۔ جب خاوند فریضہ ادا نہ کرے۔ یہ اجتہاد کے مقامات میں سے ایک ایک مقام ہے۔

اس کی اصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ طلاق کو ناپسند کرتے ہیں کیونکہ اس میں بیوی کا نقصان ہے۔ اس کے دشمن ابلیس کی خوشی ہے کہ وہ اس پر فرحاں ہوتا ہے وہ اپنے چیلوں/ چمچوں میں سے جو ایسا کرے اسے گلے لگاتا ہے، اسے اپنے قریب کرتا ہے۔ اس میں نکاح کے ساتھ شیطان کی فرمانبرداری سے نکلنا ہے جو کہ واجب یا مستحب ہے۔ اس میں زوجین میں سے ہر ایک کو گناہ اور بدکاری پر لگانا ہے، یہاں دیگر بھی مفاسد طلاق ہیں۔ اس کے باوجود خاوند اور بیوی کو اس کی حاجت بھی ہوتی ہے۔ اس میں فائدہ ہوتا ہے۔ اللہ پاک نے اس کو اس صورت میں مشروع کیا ہے۔ جس سے فائدہ حاصل ہو، نقصان ختم ہو۔ اس کے علاوہ صورت کو حرام کیا ہے۔ اللہ پاک نے اس کو سب سے اچھی صورت پر مشروع کیا ہے۔ جس میں خاوند اور بیوی دونوں کا بہت فائدہ ہے۔

---

① اسے ابوداؤد نے حضرت جابر سے بیان کیا ہے۔ (الفقی)

② اس واقعہ کو ابوعبید کے کتاب الأموال نمبر: ۷۱ میں بیان کیا ہے۔ (الفقی)

③ اس سے مراد نامردی کی بیماری ہے۔ (مترجم) ④ یہ مدتِ انتظار بموجب بیانِ قرآنی چار ماہ ہے۔ (مترجم)

⑤ سنن ابن ماجه، ج: ١، ص: ٦٧٥، حديث: ٢٠٨٨۔

آدمی کے لیے مشروع کیا کہ وہ عورت کو طاہر حالت میں بغیر جماع ایک طلاق دے۔ پھر اس کو عدت پوری ہونے تک چھوڑ دے۔ اگر ان کے مابین سے اختلاف جاتا رہے موافقت حاصل ہو جائے تو پراگندہ معاملات کو جوڑنے اور زوجیت کو لوٹانے کے لیے ایک راستہ ہے جس طرح پہلے تھا۔ اگر ایسے نہیں تو عورت کو چھوڑ دے حتی کہ اس کی عدت گزر جائے۔ اگر دل اس کو چاہے، تو مرد کو اجازت ہے کہ وہ اس عورت کو پیغام نکاح دے اور اس کی رضامندی سے اس کے ساتھ نکاح جدید کر لے۔ اگر دل اسے نہ چاہے تو اس کو چھوڑ دے۔ عورت جس سے چاہے نکاح کر لے۔ عدت تین حیض رکھی گئی ہے تاکہ مہلت اور اختیار کا زمانہ لمبا ہو جائے۔ یہی مشروع ہے۔ اسی کی اجازت دی گئی ہے۔ عورت پر داخل ہونے کے بعد اس کے جدا ہونے کی اجازت نہیں مگر فسخ یا فدیہ کے ساتھ۔ اگر آدمی نے اسے ایک کے بعد دوسری مرتبہ طلاق دی، اس کے لیے ایک طلاق باقی رہے گی۔

جب وہ اس کو تیسری طلاق دے گا وہ اس پر سزا کے طور پر حرام ہو جائے گی۔ آدمی کے لیے اس عورت سے نکاح حلال نہ ہو گا، حتی کہ عورت کسی اور خاوند سے نکاح کرے وہ اس پر داخل ہو۔ پھر اس سے جدا ہو موت یا طلاق کے ساتھ۔

جب مرد کو معلوم ہو گا کہ اس کی پیاری کسی اور کے پاس جائے گی، اس کے بجائے کسی اور کا نصیب بنے گی۔ وہ طلاق سے رک جائے گا۔

جب امیر المؤمنین نے دیکھا کہ اللہ پاک نے تین طلاق والے کو سزا دی ہے کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان علیحدگی کروائی ہے۔ اسے اس پر حرام کر دیا ہے حتی کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح کر لے۔ انہوں نے جان لیا کہ یہ طلاق محرم پر اللہ کی کراہت اور ناپسندیدگی کی وجہ سے ہے۔ امیر المومنین نے اس کی موافقت کر دی کہ جو تین اکٹھی طلاق دے، سزا کے طور پر ان کو لازم کر دیا اور اس پر جاری کر دیں۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ اس سے آسان تر طریقہ لوگوں کو تین واقعہ سے روکنا اور ان پر اسے حرام کر دینا تھا۔ ایسا کرنے والے کو ضرب اور تادیب کی سزا دی جاتی تاکہ آدمی ایسی سزا ملنے والا ممنوع کام نہ کرے؟

جواباً کہا جائے گا، جی ہاں! اللہ کی قسم! ان کے لئے یہ ممکن تھا۔ اسی لیے اپنی زندگی کے آخری ایام میں وہ اس پر نادم ہوئے اور چاہا کہ کاش میں نے ایسے کیا ہوتا۔ حافظ ابوبکر اسماعیلی نے مسند عمر میں اس سند سے بیان کیا ہے ابو یعلیٰ، صالح بن مالک، خالد بن یزید عن ابی مالک، عن ابیہ، فرماتے ہیں، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مجھے کسی بات پر اتنی ندامت نہیں ہوئی جتنی مجھے تین باتوں پر ندامت ہوئی ہے کہ میں نے طلاق کو حرام نہ کیا ہوتا، میں نے غلاموں کا نکاح نہ کروایا ہوتا اور میں نے نوحہ کرنے والیوں کو قتل نہ کیا ہوتا۔

یہ بات معلوم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصد طلاقِ رجعی کو حرام کرنا نہ تھا جسے اللہ نے مباح کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے علمِ ضروری کے ساتھ اس کا جواز ملتا ہے۔ نہ ان کا مقصد طلاق محرم تھا جس کی تحریم پر مسلمانوں کا اجماع ہو، مثلاً حیض میں طلاق اور جماع کئے گئے طہر میں طلاق اور نہ ہی طلاق قبل الدخول، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ (البقرۃ:۲۳۶)

''تم پر حرج نہیں کہ تم اگر عورتوں کو طلاق دو جب تک تم نے ان کو نہ چھوایا ان کے لیے حق مہر مقرر نہ کیا ہو۔''

اس سب کے متعلق واضح طور پر محال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ مقصد ہو، تو قطعاً متعین ہو گیا کہ اس سے مراد تین کو واقع کرنے کی حرمت ہے۔

تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ان کو واقع کیا کیونکہ ان کا اعتقاد اس کے جواز کا تھا، اسی لیے فرمایا: بے شک لوگ اس معاملہ میں جلدی طلب کرتے ہیں جس میں ان کے لیے ٹھہراؤ تھا۔ اگر ہم اسے ان پر جاری کر دیں۔ یہ گویا تصریح ہے کہ یہ ان کے ہاں غیر حرام تھی۔ آپ نے اس کو ان کے لیے جاری کیا کیونکہ طلاق دینے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الگ الگ میں گنجائش تھی۔ جس بات میں اللہ نے گنجائش دی وہ اس سے شدت اور تغلیظ کی طرف نکل گیا۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اس پر جاری کر دیا۔

آخر کار جب ان پر واضح ہوا کہ اس میں شر اور فساد ہے ہے اس پر نادم ہوئے کہ انہوں نے ان پر تین واقع کرنا حرام نہ کیا ہوتا اس سے روکا نہ ہوتا۔ یہی اکثر کا مذہب ہے جیسے مالک، احمد، ابوحنیفہ رحمہم اللہ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ ان پر اسے لازم کرنے سے خرابی ختم ہو جائے گی جب ان پر واضح ہو گیا کہ اس سے خرابی ختم نہیں ہو رہی، معاملہ کی سختی بڑھتی جا رہی ہے۔ پھر بتایا کہ تین کو حرام کرنے سے پھر جانا بہتر تھا۔ جس سے خرابی اپنی جڑ سے جاتی تھی۔ اس خرابی کو اس طریقہ سے دور کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ، حضرت ابوبکر کے زمانہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اول زمانہ خلافت میں تھا یہ ان سب سے بہتر ہے۔ اس کے بغیر شر اور فساد بالکل ختم نہیں ہوتا، اور لوگوں کی اصلاح اس کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔

اسی لیے جب اس سے اکثر لوگوں نے منہ پھیرا۔ وہ دو میں سے ایک بات کے محتاج ہو گئے۔ ان دونوں سے کوئی چھٹکارا نہ رہا۔

یا وہ کام کر لیں یعنی حلالہ، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاعل پر لعنت کی ہے اور اس پر اکثر لعنت ہے۔

یا بوجھوں اور طوقوں کو اٹھانا اور اپنی پیاری کو بنظر حسرت دیکھنا۔

جو طریقہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع کیا ہے، جس پر سنت صریحہ اور صحیحہ کی دلالت ہے وہ اس سے بھی اور اس سے بھی بچاتا ہے۔ لیکن حکمت خداوندی اس بات سے انکاری ہے کہ وہ ظالموں، اس کی حدود سے تجاوز کرنے والوں، اس کے تقویٰ اور اطاعت سے منہ پھیرنے والوں کے لیے آسانی، کشادگی اور سہولت کے دروازے کھولے۔ اللہ پاک نے تو یہ اس کے لیے بنائے ہیں جس نے اس سے تقویٰ اختیار کیا، اس کی اور اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری کو لازم کیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں فرمایا، جس میں اس نے طلاق کے احکام، حدود اور بندوں کے لیے مشروع طریقے بیان کئے ہیں۔

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝﴾ (الطلاق:۲)

''اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لیے نکلنے کی راہ بناتا ہے۔''

اسی سورت میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝﴾ (الطلاق:٤)

''اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لیے اس کے معاملہ میں آسانی کرتا ہے۔''

اوراسی میں مزید فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا﴾ (الطلاق:۵)

''اور جواللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ مٹاتا ہے اوراس کے لیے اجر بڑا کرتا ہے۔''

جس نے اللہ کے تقویٰ کے بغیر طلاق دی۔ وہ اسی کا حق دار ہے کہ اللہ اس کے لئے نکلنے کی کوئی راہ نہ بنائے اور نہ اس کے لیے اس کے معاملے میں آسانی کرے۔

صحابہ نے بعینہٖ اس کی طرف اشارہ کیا ہے، جب حضرت ابن عباس اور ابن مسعود نے اس آدمی کو فرمایا جس نے تین اکٹھی طلاقیں دیں تو اللہ سے نہیں ڈرا کہ وہ تیرے لیے نکلنے کی راہ بنائے۔

شعبہ نے بواسطہ ابن ابی نجیح مجاہد سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی سوسو طلاق دی۔ فرمایا: تونے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ تیری عورت تجھ سے بائن ہوگئی تو اللہ سے نہیں ڈرا، کہ وہ تیرے لیے نکلنے کی راہ بناتا اور جواللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لیے نکلنے کی راہ بناتا ہے۔

اعمش بواسطہ مالک بن الحارث حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں، ایک آدمی ان کے پاس آیا، کہا میرے چچانے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہے؟ فرمایا تیرے چچانے اللہ کی نافرمانی کی ہے۔ اس نے اس کے لیے نکلنے کی کوئی راہ نہیں بنائی۔ اللہ نے اس کو شرمندہ کیا ہے۔ اس نے شیطان کی بات مانی ہے۔ کہا: کیا کوئی آدمی اس عورت کو اس کے لیے حلال نہ کردے؟ فرمایا: جواللہ کو دھوکہ دینا چاہتا ہے اللہ اس کے دھوکے کا جواب دیتا ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ کا طریقہ اپنی مخلوق میں یہ جاری ہوا ہے کہ وہ شرعاً اور قدراً طیبات کو ان لوگوں پر حرام کرتا ہے جو ظلم کریں، اس کی حدود سے بڑھیں اور اس کی نافرمانی کریں۔ جواس کے حکم کردہ میں بخل کرے، فرمانبرداری نہ کرے، اس کی فرمانبرداری سے بے پروائی کرے، اپنی خواہش وشہوات کی پیروی کرے۔ وہ اس کے لیے تنگی کو آسان نہیں کرتا۔ جیسے یہ بتایا ہے کہ وہ خرچ کرنے والے، تقویٰ والے اور نیکی کی تصدیق کرنے والے کے لیے تنگی کو آسان کردیتا ہے۔

طلاق کے باب میں لوگوں کے قدموں کی انتہاء یہ ہے۔

یہاں یہ کہنا باقی رہ گیا ہے کہ جب اکثر لوگوں پر طلاق کا حکم مخفی ہوگیا۔ وہ جہالت کی وجہ سے حلال وحرام میں فرق نہ کرسکے۔ انہوں نے حرام طلاق جائز سمجھ کردے دی۔ کیا ان کو اس کے لازم کرنے کی سزادی جاسکتی ہے؟ اس کے لیے کہ انہوں نے اپنے اس دین کو نہ سیکھا جس کا اس نے ان کو حکم دیا تھا۔ اس سے انہوں نے اعراض کیا۔ اہلِ علم سے سوال نہ کیا کہ کس طرح طلاق دینی ہے؟ ان کے لیے کس طرح کی طلاق مباح ہے؟ اور ان پر کونسی طلاق حرام ہے؟

یا کہا جائے کہ وہ سزا کے مستحق نہ ہوں گے۔ کیونکہ اللہ پاک شرعاً اور قدراً سزا نہیں دیتے مگر قیام حجت کے بعد اور اپنے حکم کی مخالفت کے بعد۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

---

[1] سنن ابن ماجه، ج: ٢، ص: ١٤١٩، حديث: ٤٢٥٠۔

﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ (الاسراء: ١٥)

''اور جب تک ہم رسول نہ بھیج دیں ہم عذاب نہیں دیتے۔''

لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ حدود صرف اس پر واجب ہوتی ہیں جو تحریم کا علم رکھنے والا ہو۔ اس کے اسباب کا عمداً مرتکب ہو۔ تعزیرات بھی حدود سے ملحق ہیں۔

تو یہ مقامِ نظر و اجتہاد ہے۔ جبکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ»[1]

''گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس کا کوئی گناہ نہیں ہے''

جس نے اللہ تعالیٰ کے مشروع کردہ طریقہ سے لاعلم ہو کر طلاق دی۔ پھر اس کا علم ہوا تو نادم ہوا اور توبہ کی وہ اس بات کا حق دار ہے کہ اس کو سزا نہ دی جائے۔ اس کو نکلنے کی اس راہ کا فتویٰ دیا جائے جو اللہ نے اس سے تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لیے بنائی ہے اور اس کے لیے اس کے معاملہ میں آسانی کر دی جائے۔

المقصود: لوگوں کے لیے طلاق کے باب میں تین میں سے ایک دروازہ ضروری ہے جس سے وہ داخل ہوں گے۔

پہلا: علم و اعتدال کا وہ دروازہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو دے کر بھیجا۔ امت پر مہربانی کرتے ہوئے، ان پر احسان کرتے ہوئے اسے ان کے لیے مشروع کیا۔

دوسرا: بوجھوں اور طوقوں کا دروازہ جس میں بہت تنگی شدت اور مشقت ہے۔

تیسرا: مکر اور حیلہ کے دروازہ جس میں دھوکہ حیلہ بازی، اللہ تعالیٰ کی حدود کے ساتھ کھیلنا اور اس کی آیات کو مذاق بنانا ہے۔

طلاق دینے والوں وغیرہ کے لیے ہر دروازے پر ایک تقسیم کیا گیا حصہ ہے۔

فصل: دھوکہ اور فریب کی مذمت

جو مکر شیطان نے اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ کیے ہیں۔ ان میں سے ایک حیلہ مکر اور دھوکہ کا ہے جس کے ضمن میں اللہ کے حرام کردہ کو وہ حلال کرتا ہے۔ اس کے فرض کو ساقط کرتا ہے۔ اس کے امر و نہی میں اس کی مخالفت کرتا ہے۔ یہ اس باطل والے کی وجہ سے ہوتا ہے جس کی مذمت پر سلف کا اتفاق ہے۔

رائے کی دو قسمیں ہیں: ایک رائے وہ ہے جو نصوص کی موافقت کرے۔ وہ اس کے لیے صحت اور اعتبار کی شہادت دیں۔ یہی وہ رائے جس ہے جس کو سلف نے معتبر سمجھا ہے اور اس پر عمل کیا ہے۔ دوسری رائے وہ ہے جو نصوص کی مخالفت کرے، وہ اس کے لیے باطل اور رائیگاں ہونے کی شہادت دیں یہی وہ رائے جسے سلف نے مذموم کہا اور اس کا رد کیا ہے۔

اسی طرح حیلہ کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے جس کو اللہ کے حکم کردہ کام کرنے کا ذریعہ بنایا جائے، اس کی نہی کے ترک

---

[1] بروایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اسے ابن ماجہ، بیہقی نے شعب الایمان میں اور طبرانی نے الکبیر میں بیان کیا ہے۔ المقاصد الحسنہ میں سخاوی فرماتے ہیں: اس کے رجال ثقات ہیں۔ (الفقی) دیکھیے: حلیه الأولیاء از ابونعیم، ج: ٤، ص: ٢١٠۔ (عفیفی)

کا، حرام سے چھٹکارے کا، ظالم اور روکنے والے سے حق کو بچانے کا، مظلوم کو ظالم سرکش کے ہاتھ سے نجات دینے کا۔ یہ قسم قابل تعریف ہے۔ اس کے کرنے والے اور تعلیم دینے والے کو ثواب ملے گا۔

دوسری قسم وہ ہے۔ جو فرائض کے اسقاط، حرام کے حلال، ظالم کے مظلوم بنانے، حق کے باطل اور باطل کے حق کرنے والے معاملات اپنے ضمن میں لے۔ اس قسم کی مذمت پر سلف کا اتفاق ہے۔ زمین کے کناروں سے اہلِ علم نے ایسے لوگوں کو غلط کہا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: کسی مسلمانوں کے حق کو باطل کرنے میں کسی بھی قسم کا حیلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

میمونی کہتے ہیں: میں نے ابو عبداللہ کو کہا: جس نے کوئی قسم کھائی پھر اس کے ابطال پر حیلہ کیا، تو کیا وہ حیلہ جائز ہے؟ کہا ہماری رائے میں صرف جائز حیلہ ہی درست ہے۔ میں نے کہا: کیا یہ ہمارا حیلہ نہیں کہ ہم ان کی بات کی پیروی کریں۔ جب ہم ان کے لیے اس بات میں کوئی قول پائیں ہم اس کی اتباع کریں؟ کہا کیوں نہیں: یہ ایسے ہی ہے۔ میں نے کہا: کیا یہ ہماری طرف سے حیلہ نہیں ہے؟ کہا: کیوں نہیں۔

امام احمد نے بیان کر دیا کہ جس شخص نے اللہ کے مشروع کردہ کی اتباع کی۔ اس کے پاس سلف سے معانی اسماء میں ایسی چیزیں آئیں جن سے احکام معلق کیے گئے ہیں وہ مذموم حیلوں والا حیلہ باز نہیں ہے گو کہ اس کا نام حیلہ ہے۔ اس کے متعلق کلام نہیں ہے۔ امام احمد کی اس سے غرض فرق بیان کرنا ہے۔ یعنی ایک وہ حیلہ ہے جو مشروع ہے، مقصودِ شارع کے حصول کا راستہ بنانے کے لیے ہے، اور دوسرا وہ جو ایسا راستہ دیتا ہے جو مقصودِ شارع کے ابطال کی طرف جاتا ہے۔

دونوں قسموں کے درمیان فرق کا راز یہی ہے۔ ہماری آئندہ گفتگو دوسری قسم کے بارے میں ہے۔ ہمارے شیخ[1] کہتے ہیں: اس قسم کی حرمت اور اس کے ابطال کی دلیل کئی وجوہ سے ہے۔

وجہ اول

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۞ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۞﴾ (البقرة: ۸، ۹)

''اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔ یہ اللہ اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں مگر (حقیقت میں) اپنے سوا کسی کو چکما نہیں دیتے اور اس سے بے خبر ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ﴾ (النساء: ۱۴۲)

''منافق (ان چالوں سے اپنے نزدیک) اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں (یہ اس کو کیا دھوکہ دیں گے) وہ انہی کو دھوکہ میں

[1] یہ بات شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کتاب ''اقامه الدليل على ابطال التحليل'' میں ذکر فرمائی ہے۔ یہاں پر امام ابن قیم نے اسی کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ (الفقی)

ڈالنے والا ہے۔''

اہلِ ذمہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ﴾ (الانفال:٦٢)

''اگر وہ تجھ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو بے شک اللہ تجھ کو کافی ہے۔''

اس سبحانہ وتعالیٰ نے خبر دی ہے کہ یہ دھوکہ دینے والے دھوکہ میں ڈالے گئے ہیں۔ ان کو شعور نہیں کہ اللہ دھوکہ دینے والوں کو دھوکہ میں ڈالتا ہے اور دھوکہ دیئے گئے کے شر پر وہ کفایت کرتا ہے۔

دھوکہ کے لیے عربی میں لفظ مخادعہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حیلہ اور دھوکہ سے خیر ظاہر کرنا، لیکن اندر اس کے خلاف ہوتا ہے کہ دھوکہ باز اپنے مقصد کو پا سکے۔ لغت میں اس لفظ کے اشتقاق کے یہ موافق ہے۔ لغت والے کہتے ہیں: طرق خیدع جب راستہ مقصد کے خلاف ہو اور اس کا پتہ نہ چل سکے اور نہ معلوم ہو سکے۔

سراب کو بھی خیدع کہتے ہیں: کیونکہ اس کو دیکھنے والا (پانی کا) دھوکہ کھا جاتا ہے۔

گوہ جانور کو خدع کہتے ہیں یعنی وہ چالباز ہے۔ مثل مشہور ہے کہ فلاں شخص گوہ سے زیادہ چالباز ہے۔ اور اسی طرح جنگ دھوکہ ہے[1] کا لفظ بھی ہے۔

بازار دھوکہ والا ہے یعنی رنگ بھرنگا ہے۔ اس لفظ کی اصل چھپانا اور پردہ ڈالنا ہے، اسی لیے خزانہ کا نام مخدع ہے۔

جب کوئی کہتا ہے: ''میں ایمان لایا، وہ اس کلمہ کو ظاہر کرتا ہے، وہ اس کی شرعاً مطلوب حقیقت کی رعایت نہیں رکھتا۔ بلکہ صرف اس کا حکم اور ثمرہ چاہتا ہے۔ وہ دھوکہ دینے والا ہے۔

کسی آدمی نے کہا: میں نے بیچا، میں نے خریدا، میں نے طلاق دی، میں نے نکاح، میں نے خلع کیا، میں نے جاری کیا یا اجرت دی، میں نے پلایا اور میں نے وصیت کی جب اس کا ارادہ ان سے مطلوب شرعی حقائق والا نہ ہوگا۔ بلکہ غیر شرعی مقاصد مراد ہوں گے یا شرع کے خلاف مقاصد مراد ہوں تو وہ شخص دھوکہ دینے والا ہے۔

ایک اصل ایمان میں دھوکہ دینے والا ہے۔ جبکہ دوسرا اس کے اعمال اور شرائع میں دھوکہ دینے والا ہے۔ ہمارے شیخ کہتے ہیں: نفاق کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی حدود میں ہے۔ جیسا کہ پہلی قسم اصلِ دین میں نفاق کی ہے۔

اس کی تائید سعید بن منصور کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کردہ روایت سے بھی ہوتی ہے۔ ان کے پاس ایک آدمی آیا اُس نے کہا: میرے چچا نے اپنی عورت کو تین طلاق دی ہے۔ کیا کوئی مرد اسے اس کے لیے حلال کر سکتا ہے؟ فرمایا جو اللہ کو دھوکہ دیتا ہے۔ اللہ اسے دھوکہ میں ڈالتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ان سے بیع عینہ[2] حریرہ کے متعلق سوال کیا گیا: فرمایا اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر نے حرام کیا ہے۔ اسے ابوجعفر محمد بن سلیمان الحافظ المعروف مطین نے اپنی ''کتاب البیوع''

---

[1] دیکھیے: صحیح مسلم، ج: ۳، ص: ۱۳۶۱۔

[2] مصباح اللغات صفحہ ۵۸۹ میں ہے کہ بیع العینہ کسی چیز کو اس کی اصلی قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار بیچنا۔ (مترجم)

میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ان سے بیع عینہ/ حریرہ کے متعلق سوال کیا گیا فرمایا: بے شک اللہ کو دھوکہ نہیں دیا جاتا۔ یہ ان باتوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر نے حرام کیا ہے۔ اسے حافظ ابو محمد النخشبی نے روایت کیا ہے۔

صحابہ نے اس بیع پر اللہ کو دھوکہ دینے کا نام دیا ہے جس میں بظاہر مقصد بیع ہے لیکن اصل مقصد سود ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی طرف ان باتوں میں رجوع کیا جاتا ہے۔ فہم قرآن میں ان کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ حضرت عثمان، عبداللہ بن عمرو غیرہ سے ذکر گزر چکا ہے کہ ان دونوں نے تین طلاق والی کے متعلق فرمایا ''اس کو حلال نہیں کر سکتا مگر رغبت کا نکاح، نہ کہ دھوکہ کا نکاح۔''

اہل لغت نے اس روایت میں آمدہ لفظ مدالسۃ کا مطلب مخادعہ بتایا ہے۔ ایوب سختیانی نے حیلہ بازوں کے متعلق فرمایا: وہ اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں جس طرح بچوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اگر وہ معاملہ واضح کرتے تو آسان تر ہوتا۔ شریک بن عبداللہ القاضی ''کتاب الحیل'' کے متعلق کہتے ہیں یہ ''کتاب المخادعہ'' ہے۔

اسی طرح ذمی لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی چاہتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح دھوکہ کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ ہو سکے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے امان ظاہر کرتے ہیں، لیکن دل کے اندر اس کی مخالفت رکھتے ہیں۔

جس طرح حلالہ والا شخص نکاح ظاہر کرتا ہے اور سود والا بیع ظاہر کرتا ہے جو کہ اصل مقصود ہیں۔

اس کا مقصد ہے کہ وہ عورت سے ہم بستری کے بعد اس کو طلاق دے گا اور دوسرے کا مقصد وہ ہے جس پر اظہار عقد سے پہلے بات ہوئی یعنی ایک ہزار جو ایک ہزار پر دوسو کا نفع ایک مدت تک لائے گا۔ جس بات پر شرعاً یا عرفاً عقد دلالت کرے اس کی مخالفت دھوکہ ہے۔ کہتے ہیں: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا حرام ہے جبکہ حیلے اللہ کو دھوکہ دینے والی بات ہیں۔ پہلے کا بیان یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے دھوکہ پر منافقین کی مذمت کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ ان کو دھوکہ میں ڈالنے والا ہے۔ اس کا بندے کو دھوکے میں ڈالنا اس کے حرام کام کرنے پر بطور سزا لازم آتا ہے۔ جبکہ دوسرے کا بیان چند وجوہ سے ہے:

پہلی: حضرت ابن عباس، انس وغیرہ صحابہ اور تابعین نے فتویٰ دیا ہے کہ حلالہ اور اس طرح کے کام اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا ہے۔ جبکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو بہتر جاننے والے تھے۔

دوسری: دھوکہ یہ ہے کہ کسی چیز پر خیر کا ارادہ ظاہر کرنا جبکہ اندرون خانہ اس کے خلاف ہونا، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

تیسری: منافق نے جب اسلام کو ظاہر کیا جبکہ اس کا مقصد اور تھا۔ اس کا نام اللہ کو دھوکہ دینے والا رکھا گیا۔ اسی طرح سود لینے والا بھی ہے۔ نفاق اور سود کا ایک ہی راستہ ہے۔ اس نے اس قول کو ظاہر کیا جس کا وہ اعتقاد نہ رکھتا تھا اور نہ اس کے مفہوم کا ارادہ تھا۔ جبکہ دوسرے نے اس فعل کو ظاہر کیا جس کا اعتقاد رکھنے والا نہ تھا اور نہ حکم شرع کا ارادہ کرنے والا تھا تو اس کا نام دھوکہ دینے والا رکھا گیا۔

پس حیلہ باز دو قسموں سے خارج نہیں یا تو وہ اس فعل کا اظہار کرتا ہے جو اس کے لیے مشروع طریقہ کے خلاف ہے یا اس قول کا اظہار کرتا ہے جو اس کے لیے مشروع طریقہ کے برعکس ہے۔ اگر وہ دھوکہ بازوں کا نام دیے گئے لوگوں کے اس مفہوم میں

دونوں قسموں میں شامل ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ اس پر خداع کا مشترکہ نام آئے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دھوکہ عام حیلوں کا نام ہے نہ کہ بالخصوص اس نفاق کا۔

وجہ ثانی

اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کا مذاق بنانے والوں کی مذمت کی ہے۔ ان لوگوں کی بھی جو ایسے لفظ بولتے ہیں جن کے شریعت نے خاص حقائق اور مقاصد رکھے ہیں۔ مثلاً کلمہ ایمان، اللہ کا وہ کلمہ جس کے ساتھ [1] شرم گاہوں کو حلال کیا جاتا ہے اور مثلاً وہ عہد و پیمان جو دو عہد کرنے والوں کے مابین ہوں جبکہ بولنے والے کا مقصود اس کے لیے بنائے گئے حقائق نہ ہوں۔ نہ وہ مقاصد جن کے حصول کے لیے یہ الفاظ بنائے گئے تھے۔ بلکہ ارادہ یہ ہو کہ عورت سے اس لیے رجوع کرے کہ اسے ضرر دے، اس سے بری زندگی گزارے، اس کو اس کے ساتھ نکاح کی ضرورت بھی نہیں یا اس لیے نکاح کرے کہ اسے طلاق دینے والے خاوند کے لیے حلال کرے۔ اس کو بیوی بنانے کے لیے نہ کرے یا اس لیے چھوڑے کہ وہ اپنا لے یا کوئی جائز بیع کرے جبکہ اس سے اس کا مقصود اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر ﷺ کا حرام کردہ سودا ہو تو یہ شخص بھی ان لوگوں میں سے ہے جو اللہ کی آیات کو مذاق بناتے ہیں۔ اس کی وضاحت آئندہ ملاحظہ فرمائیں۔

وجہ ثالث

ابن ماجہ نے بسند حسن بیان کیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَلْعَبُوْنَ بِحُدُوْدِ اللّٰهِ، وَيَسْتَهْزِئُوْنَ بِآيَاتِهِ؟ طَلَّقْتُكِ، رَاجَعْتُكِ، طَلَّقْتُكِ، رَاجَعْتُكِ؟»

''ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اللہ کی حدود کے ساتھ کھیلتے ہیں اور ان کا مذاق بناتے ہیں؟ میں نے تجھے طلاق دی تجھ سے رجوع کیا۔ تجھے طلاق دی اور تجھ سے رجوع کیا۔''

ان معاملات کے جو حقائق اور مشروع مقاصد ہیں، ان کے خلاف بات کرنے والے کو آپ نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ مذاق کرنے والا اور اس کی حدود کے ساتھ کھیلنے والا قرار دیا ہے۔

اسے ابن بطہ نے بھی بسند جید روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں ''میں نے تجھے الگ کیا۔ تجھ سے رجوع کیا۔ تجھے الگ کیا۔ تجھ سے رجوع کیا۔''

وجہ رابع

نسائی نے حضرت محمود بن لبید سے بیان کیا ہے کہ:

«أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ ثَلَاثًا، عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟»

''ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اپنی بیوی کو تین طلاق دی۔ فرمایا: کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا

---

[1] خطبہ نکاح اور ایجاب و قبول سے وہ کلمہ مراد لیا جاتا ہے جس کے ساتھ شرم گاہوں کو حلال کیا جاتا ہے۔ (مترجم)

ہے جبکہ میں تمہارے درمیان ہوں؟''

آخر تک حدیث اور یہ پیچھے بھی گزری ہے۔

آپ ﷺ نے اس شخص کو کتاب اللہ کے ساتھ کھیلنے والا قرار دیا۔ باوجودیکہ اس کا مقصد طلاق ہے۔لیکن اس نے طلاق کے اُس طریقہ کی مخالفت کی اور جو اللہ کی مراد تھی، اس کے خلاف ارادہ کیا۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تو ارادہ یہ فرمایا تھا کہ وہ ایسی طلاق دے جس میں جب چاہے عورت کو لوٹانے کا اختیار رکھے جبکہ اس نے ایسی طلاق دی ہے جس میں وہ اسے لوٹانے کا اختیار نہیں رکھتا۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ''دو مرتبہ اور زیادہ مرتبہ'' قرآن وسنت کی زبان میں، لغت عرب میں۔ بلکہ سب دنیا کی زبانوں میں یہ ہے کہ ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ ہو۔ جب آدمی نے دو مرتبہ اور زیادہ مرتبہ کو ایک ہی مرتبہ میں جمع کر دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی حدود اور اس کی کتاب کے مدلول سے آگے بڑھ گیا۔ اس آدمی کا کیا حکم ہوگا جس نے شارع کے مقصود لفظ سے وہ ارادہ کیا جو حکماً شارع کے مقصد کے خلاف ہے؟

وجہ خامس:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے باغ والوں [1] کی جس طرح آزمائش کی، وہ واقعہ سورت ''ن'' میں بتایا ہے۔ وہ ایسے لوگ تھے جن کے اموال میں مساکین کا حق تھا۔ وہ دن کو پھل اتارتے۔ گرے پڑے پھل مساکین اٹھالیتے۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ رات کو پھل اتاریں تا کہ یہ حق ساقط ہو جائے اور ان کے پاس کوئی مسکین نہ آئے۔ اللہ نے ان کو سزا دی کہ ان کے باغ پر ان کے سوتے میں ایک آفت بھیجی پس وہ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گیا۔ یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے مساکین کا حصہ ساقط کرنے کے لیے حیلہ کیا کہ وہ وہاں سے صبح صبح مساکین کے آنے سے پہلے پھل اتارلیں۔ اس میں ہر حیلہ باز کے لیے عبرت ہے جو اللہ کے یا اس کے بندوں کے حقوق ساقط کرتا ہو۔

وجہ سادس

اللہ تعالیٰ نے (سورت الاعراف میں) ہفتے والے یہودیوں [2] کے متعلق خبر دی ہے کہ ان کو مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ شکار کے متعلق حیلہ کیا۔ اس کو حلال بنایا کہ جمعہ کے روز جال لگا دیے۔ جب اس میں (ہفتہ کو) شکار آ جاتا اسے اتوار کو پکڑ لیتے۔ بعض ائمہ نے کہا: جو لوگ شریعت کی مناہی کو حیلہ کے ساتھ چھیڑتے ہیں ان کے لیے اس میں بہت بڑی ڈانٹ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو علم فقہ میں لتھڑے ہوئے ہیں جبکہ فقیہ نہیں ہوتے۔ کیونکہ فقیہ تو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی حدود کی پابندی میں اس سے ڈرتا ہو۔ اس کی حرمات کی تعظیم کرتا ہو۔ وہاں پر ٹھہر جانے والا ہو۔ وہ اس کی حرام کردہ چیزوں کی اباحت اور اس کے فرائض کو ساقط کرنے پر حیلہ گر نہ ہو۔ یہ معلوم ہے کہ انہوں نے یہ کام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب اور تورات پر کفر کرتے ہوئے نہ کیا تھا۔ یہ تو حلال بنانے کی ایک تاویل تھی اور حیلہ تھا۔ اس کا ظاہر تقویٰ والا ظاہر تھا۔ جبکہ اس کا باطن سرکشی والا باطن تھا۔

---

[1] یہاں پر لفظ جنت ہے۔ اس سے مراد وہ باغ ہے جس میں طرح طرح کے پھل اور میوے ہوں۔ ان کا واقعہ سورت ﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ﴾ کی آیات ۱۷ تا ۳۳ میں ہے۔ (الفقی)

[2] ان کے واقعہ کے لیے دیکھیے سورت البقرۃ آیت: ۶۵، سورت النساء: ۴۷۔ اور ۱۵۴، سورت الاعراف: ۱۶۳ تا ۱۶۷۔ اور سورت النحل: ۱۲۴۔ (الفقی)

اصل تو اللہ بہتر جانتا ہے۔شاید اسی لیے ان کی شکل بندروں میں بدل گئی۔ کیونکہ بندر کی شکل میں انسان کی کچھ مشابہت ہے۔اس کی بعض عادات بھی اس سے ملتی ہیں، جبکہ فطرت اور حقیقت میں وہ اس کے خلاف ہے۔ جب ان حد سے بڑھنے والوں کو مسخ کیا گیا۔ وجہ صرف یہ تھی کہ انہوں نے دین میں بظاہر وہ کام کیا جس کی حقیقت وہ نہ تھی تو اللہ نے ان کو بندروں میں مسخ کر دیا جو بظاہر نہ کہ حقیقت میں ان کے مشابہ ہیں یہ پورا بدلہ تھا۔اس کی وضاحت آئندہ بھی ملاحظہ ہو۔

وجہ سابع: بنی اسرائیل نے سود کھایا اور لوگوں کے اموال باطل طریقے سے کھائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کتاب [1] میں بیان کیا ہے۔ یہ کسی دن میں متعین حرام شکار سے بڑا گناہ ہے۔ اسی لیے سود اور ظلم ہماری شریعت میں بھی حرام ہو گئے لیکن ہفتہ کے دن کا شکار حرام نہ کیا گیا۔

پھر لوگوں کے اموال باطل طریقے سے کھانے والوں اور سود خوروں کو مسخ کی سزا نہ دی گئی، جس طرح حرام کو حیلہ کے ساتھ حلال بنانے والوں کو یہ سزا دی گئی۔ ان کی سزا جنس دیگر سے ہوئی جیسے ان جیسے دیگر نافرمانوں کی تھی۔ اصل تو اللہ بہتر جانتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا جرم بڑا ہے یہ مشابہت میں منافقین کے درجہ میں ہیں جو گناہ کا اعتراف نہیں کرتے بلکہ ان کا عقیدہ اور اعمال فاسد ہو گئے ہیں۔ ان کی سزا دیگر کی سزا سے سخت تر ہوگی۔ جس شخص نے سود اور حرام شکار کو علم ہوتے ہوئے بھی کھایا اس میں اُس کی نافرمانی کے ساتھ اس کا تحریم کا اعتراف بھی شامل ہو گیا۔

وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات پر ایمان ہے۔ جس سے اس کی خشیت لازم آتی ہے۔ اس کی مغفرت کی امید اور توبہ کا امکان بھی جو انسان کو خیر اور رحمت تک لے جاتا ہے۔ جس نے اس کو حلال بنالیا اس میں ایک گونہ حیلہ سے تاویل کر لی وہ حرام پر اصرار کرنے والا ہے۔ اس کے ساتھ اس کا فاسد اعتقاد یعنی حرام کو حلال کرنا بھی مل گیا ہے۔ یہ بات دور کے شر تک لے جاتی ہے۔ مسخ کا ذکر متعدد احادیث میں آیا ہے جن میں سے بعض اس کتاب میں گزر چکی ہیں۔ [2]

مثلاً حضرت ابو مالک اشعری کی صحیح بخاری والی حدیث میں ہے، فرمایا: ''دیگر کو روز قیامت تک بندروں اور خنازیر میں مسخ کر دیا جائے گا۔''

حضرت انس کی حدیث میں فرمایا: ''کچھ لوگ ضرور کھانے، پینے اور موسیقی پر رات گزاریں گے۔ وہ صبح اپنے تکیوں پر بندر اور خنازیر میں مسخ ہو کر کریں گے۔'' حضرت ابو امامہ کی حدیث میں ہے ''ایک قوم شرابیں پینے اور لونڈیوں کے گانے پر رات گزارے گی وہ صبح کو بندر ہو جائیں گے۔''

حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے ''میری امت میں خسف، مسخ اور قذف ہوگا۔'' حضرت ابو امامہ کی حدیث میں ہی ہے ''اس امت کی ایک قوم کھانے، پینے اور تماشے پر رات گزارے گی وہ اس حال میں صبح کریں گے کہ وہ بندروں اور خنازیر میں مسخ ہو چکے ہوں گے۔''

حضرت عمران بن حصین کی حدیث میں ہے ''میری امت میں قذف، مسخ اور خسف ہوگا۔'' اسی طرح حضرت سہل بن سعد کی

---

① اس کی وضاحت کے لیے سورت النساء آیات ۱۶۰ اور ۱۶۱ دیکھیں۔ (الفقی)

② ان تمام احادیث کے تفصیلی حوالے ''گانے کی تفصیل'' میں گزر چکے ہیں۔ (مترجم)

حدیث میں ہے۔

اسی طرح حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فرمایا گیا ہے ''وہ اس وقت سرخ آندھی، خسف اور مسخ کا انتظار کریں۔'' ان کی دوسری حدیث میں ہے ''میری امت کا ایک گروہ بندروں اور خنازیر میں مسخ کیا جائے گا۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ''اس امت میں ضرور خسف، قذف اور مسخ ہوگا۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے ''آخر زمانہ میں اس امت سے ایک قوم کو بندروں اور خنازیر میں مسخ کر دیا جائے گا۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! کیا وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت نہ دیں گے؟ فرمایا: کیوں نہیں وہ تو روزے بھی رکھیں گے، نماز پڑھیں گے اور حج کریں گے۔ لوگوں نے کہا: ان کا کیا حال ہے؟ فرمایا: وہ آلات موسیقی، دفیں اور گانے والیاں رکھیں گے۔ وہ رات اپنی شراب اور تماشے پر گزاریں گے۔ صبح اس حال میں کریں گے کہ وہ بندروں اور خنازیر میں مسخ ہو چکے ہوں گے۔''

حضرت جبیر بن نفیر کی حدیث میں ہے ''اس امت کے آخر کو ضرور زلزلہ کی آزمائش آئے گی اگر توبہ کریں تو اللہ ان کی توبہ قبول کرلے گا۔ اگر لوٹیں گے اللہ ان پر زلزلہ لوٹائے گا نیز قذف، مسخ اور آسمان سے بجلی بھی۔''

سالم بن ابوالجعد کہتے ہیں: ''لوگوں پر ضرور ایک زمانہ آئے گا جس میں وہ ایک آدمی کے دروازے پر جمع ہوں گے۔ وہ انتظار کریں گے کہ ان کی طرف نکلے تاکہ وہ اس سے اپنا کام کروائیں۔ وہ ان کی طرف اس حالت میں نکلے گا کہ بندر یا خنزیر میں مسخ ہو چکا ہوگا۔ ضرور آدمی دوسرے آدمی کی دوکان پر سودا بیچتے ہوئے گزرے گا۔ وہ اس کی طرف لوٹ کر اس حال میں آئے گا کہ یہ بندر یا خنزیر میں مسخ ہو چکا ہوگا۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ دو آدمی کسی کام کو کرنے کے لیے چلیں گے۔ ان میں سے ایک بندر یا خنزیر میں مسخ ہو جائے گا۔ جو ان میں سے بچے گا۔ وہ اپنے ساتھی کا حال دیکھ کر نہیں رکے گا وہ اپنے کام پر جائے گا اور اسے پورا کرے گا۔ اسی طرح دو آدمی کسی کام پر نکلیں گے ان میں سے ایک کو دھنسا دیا جائے گا۔ ان میں سے جو بچے گا وہ اپنے ساتھی کا حال دیکھ کر نہیں رکے گا وہ اپنے کام پر جائے گا اور اپنی حاجت کو پورا کرے گا۔''

عبدالرحمٰن بن غنم کہتے ہیں: عنقریب دو آدمی چکی کے نیچے بچھائے گئے چمڑے پر بیٹھے ہوں گے وہ چکی پیس رہے ہوں گے ان میں سے ایک بندہ دوسرے کے دیکھتے ہوئے مسخ ہو جائے گا۔''

مالک بن دینار کہتے ہیں: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آخر زمانہ میں آندھی ہوگی اور اندھیرے بھی جن میں لوگ گھبرا کر اپنے علماء کی طرف جائیں گے۔ وہ ان کو اس حال میں دیکھیں گے کہ اللہ نے ان کو مسخ کر دیا ہے۔''

ان احادیث، آثار وغیرہ کو ابن ابی الدنیا نے کتاب ''ذم الملاہی'' میں ان کی سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔

بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ اس امت میں ضرور واقع ہونے والا ہے اور یہ دو گروہوں میں ہوگا۔

ایک علماءِ سوء جو اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ باندھنے والے ہیں۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی شرع کو بدل دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی شکلیں بدلیں گے جیسے انہوں نے اس کے دین کو بدلا۔

دوسرے کھلے عام فسق اور حرام کے مرتکب لوگ۔ ان میں سے جو دنیا میں مسخ نہ کیا گیا وہ اپنی قبر میں یا روز قیامت مسخ کیا جائے گا۔

ایک حدیث میں آتا ہے (جس کی صحت کی حالت اللہ بہتر جانتا ہے) کہ سود خور روز قیامت خنزیروں اور کتوں کی شکل میں اٹھائے جائیں گے۔ کیونکہ انہوں نے سود پر اپنا حیلہ کیا۔ جس طرح اصحاب داؤد کو مسخ کیا گیا کیونکہ انہوں نے ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑنے پر حیلہ کیا''

بہرحال! حیلہ کے ساتھ حرام کو حلال بنانے پر مسخ کی وعید بہت احادیث میں آئی ہے۔ ہمارے شیخ نے کہا: یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے ان محرمات کو فاسد تاویلات کے ساتھ حلال بنانا چاہا۔

اگر وہ ان کو اس اعتقاد کے ساتھ حلال بناتے کہ پیغمبر ﷺ نے ان کو حرام کیا ہے وہ کافر ہوں گے۔ وہ آپ کی امت سے نہ ہوں گے، اور گر اعتراف کریں کہ یہ حرام ہے تو قریب ہے کہ ان کو مسخ کی سزا نہ دی جائے جیسے دیگر وہ لوگ ہیں جو یہ گناہ کرتے ہیں اپنے اعتراف کے باوجود کہ یہ معصیت ہے۔ نہ ان کے بارے میں یہ کہا جاتا کہ یہ حلال بنانے والے ہیں۔ کسی چیز کو حلال بنانے والا وہ ہے جو اس کی حلت کا معتقد ہو تو یہ ان کے شراب کو حلال بنانے کے مشابہ ہے یعنی وہ اس کا نام اور رکھ دیں گے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے وہ حرام قسم کے نبیذ پئیں گے، ان کا نام شراب نہ رکھیں گے۔ ان کا آلات موسیقی کو حلال جاننا اس اعتقاد کے ساتھ ہے کہ آلات لہو سے محض ایک آواز کا سننا ہے جس میں لذت ہے۔ جیسے پرندوں کی آواز ہے اور یہ حرام نہیں ہے۔

ریشم اور اس کی دیگر انواع کو حلال بنانا اس اعتقاد کے ساتھ ہے کہ یہ بعض صورتوں میں حلال ہے، مثلاً خارش کی حالت میں اور زخموں کی حالت میں۔ وہ اس پر تمام حالات کو قیاس کرتے ہیں۔ کہتے ہیں: ایک حالت اور دوسری حالت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ تاویلات وغیرہ ان تین گروہوں کے ہاں ہوتی ہیں جن کے متعلق حضرت عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ نے فرمایا ؎

وهل افسد الدين الا الملوك واحبار سوء ورهبانها.[1]

''اور نہیں دین کو خراب کیا مگر بادشاہوں نے اور برے پادریوں نے اور راہبوں نے۔''

---

[1] شیخ علی بن علی الغزی عقیدہ طحاویہ پر اپنی شرح میں کہتے ہیں: ظالم بادشاہ شریعت پر ظالمانہ سیاسی قوانین پیش کرتے ہیں۔ ان کا اس سے مقابلہ کرتے ہیں ان کو اللہ اور اس کے پیغمبر کے حکم پر مقدم کرتے ہیں۔ احبار سوء وہ علماء ہیں جو اپنی آراء اور فاسد قیاسوں کی وجہ سے شریعت سے نکلنے والے ہیں۔ جو اللہ اور اس کے پیغمبر کے حلال کو حرام اور حرام کو مباح بتاتے ہیں۔ شریعت کے معتبر کو فضول اور فضول کو معتبر، مقید کو مطلق اور مطلق کو مقیدہ بناتے ہیں وغیرہ۔ رہبان وہ جاہل صوفیاء ہیں جو ایمان اور شرع کے حقائق پر اپنے ذوق، وجد، خیالات اور باطل شیطانی کشف کو پیش کرتے ہیں۔ جس میں اپنا دین آجاتا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی، اور اس دین کو باطل کرنا ہے جو اس نے اپنے نبی ﷺ کی زبان سے مشروع کیا ہے۔ اس میں حقائق ایمان کے بدلے شیطان کے فریبوں اور دل کی مرضیوں کو لانا ہے۔ پہلوں نے کہا: جب سیاست اور شریعت متعارض ہو۔ ہم سیاست کو مقدم کریں گے۔ دوسروں نے کہا: جب عقل اور نقل کا تعارض ہو ہم عقل کو مقدم کریں گے۔ اصحاب ذوق نے کہا: جب ذوق وکشف اور ظاہر شرع کا تعارض ہو تو ہم ذوق وکشف کو مقدم کریں گے (انتھی) اس شعر سے پہلے انہوں نے یہ دو شعر بھی ذکر کیے:

رَأَيْتُ الذُّنُوْبَ تُمِيْتُ الْقُلُوْبَ وَقَدْ يُوْرِثُ الذُّلَّ اِذْ مَانُهَا

''میں نے گناہوں کو دیکھا ہے کہ وہ دلوں کو مردہ کرتے ہیں اور ان پر ہمیشگی کی ذلت کا موجب ہوتے ہیں۔

وَتَرْكُ الذُّنُوْبِ حَيَاةُ الْقُلُوْبِ وَخَيْرٌ لِنَفْسِكَ عِصْيَانُهَا

''اور گناہوں کو چھوڑنا دلوں کی حیات ہے اور ان کی نافرمانی تیرے نفس کے لیے بہتر ہے۔ (الفقی)

معلوم رہے کہ یہ باتیں ان لوگوں کو اللہ کے ہاں کچھ بھی فائدہ نہ دیں گی۔ جبکہ پیغمبر ﷺ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا، ان اشیاء کی حرمت کو بیان کر دیا۔ ایسا بیان جو بہانوں کو توڑ دے اور حجت قائم کر دے۔

نیز وہ حدیث بھی جسے ابوداؤد نے بواسطہ عبدالرحمن بن غنم حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِيَ الْخَمْرَ، يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا، يُعْزَفُ عَلَى رُؤُوسِهِمْ بِالْمَعَازِفِ وَالْقَيْنَاتِ، يَخْسِفُ اللّٰهُ تَعَالَى بِهِمُ الْأَرْضَ، وَيَجْعَلُ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ»[1]

''ضرور میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اس کا نام اور رکھ دیں گے ان کے سروں پر آلات موسیقی بجائے جائیں گے اور گانے والیاں بھی ہوں گی، اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسائے گا اور ان میں سے بندر اور خنزیر بنائے گا۔''

وجہ ثامن

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِىءٍ مَا نَوَى»[2]

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی'' الحدیث۔

حیلوں کے باطل کرنے میں یہ اصل ہے۔ امام بخاری نے اس پر اسی سے استدلال کیا ہے۔ اگر کسی نے کسی آدمی سے معاملہ کیا کہ وہ اسے ایک ہزار پندرہ سو کے بدلہ میں ایک وقت تک دے گا۔ اس کو قرض نوسو دیا اور اس سے ایک کپڑا چھ سو میں بیچا (جو سو کے مساوی تھا)۔ اس نے نوسو کے قرض کے ساتھ صرف زائد نفع کی نیت کی اور وہ چھ سو جو اس نے کپڑے کی قیمت ظاہر کی اس سے جو نیت کی وہ بھی سود ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ یہ اس کے دل کی اصل سے ہے۔ اس کو وہ بھی جانتا ہے۔ جس سے معاملہ کیا وہ بھی۔ جو بھی اس کی حقیقت حال پر مطلع ہو وہ بھی۔ اس کے عمل سے اس کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی اور قصد یہ کیا تھا کہ اس کو فی الحال ہزار دے دیں اور اس سے بعد میں پندرہ سو لے لیں۔ اس نے قرض اور بیع مؤجل (ادھار) کی صورت بنائی جو اس حرام کو حلال کر دے۔

وجہ تاسع

جسے حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ نے بیان کیا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ حَتَّى يَتَفَرَّقَا، إِلَّا أَنْ يَكُونَ صَفْقَةَ خِيَارٍ، وَلَا يَحِلُّ أَنْ يُفَارِقَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ»[3]

''خرید و فروخت والے دونوں اختیار پر ہیں حتیٰ کہ دونوں متفرق ہو جائیں۔ الا یہ کہ اختیار والی بیع ہو، ایک کے لیے

---

[1] سنن ابی داود، ج: ٤، ص: ٩١، حدیث: ٣٦٨٨؛ سنن ابن ماجه، ج: ٢، ص: ١١٢٣، حدیث: ٣٣٨٤۔

[2] صحیح بخاری، ج: ١، ص: ١، بروایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

[3] سنن ابی داود، ج: ٣، ص: ٧٣٢، حدیث: ٣٤٥٤؛ جامع ترمذی، ج: ٣، ص: ٥٤٧، حدیث: ١٢٤٥؛ سنن نسائی، ج: ٧، ص: ٢٤٤؛ سنن ابن ماجة، ج: ٢، ص: ٧٣٦، حدیث: ٢١٨١۔

جائز نہیں کہ دوسرے سے اس خدشہ سے الگ ہو کر وہ اسے توڑے گا۔''

اسے اہل سنن نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔

امام احمد نے اس سے استدلال کیا ہے کہتے ہیں: اس میں حیلوں کو باطل کرنا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شارع نے دونوں عقد والوں کو اختیار دیا ہے اس علیحدگی تک جو اپنی خوشی اور طبع سے ہو۔ آپ ﷺ نے اس بات کو حرام کیا ہے کہ جدا ہونے والا دوسرے کو بیع توڑنے سے روکنے کے لیے الگ ہو۔ یعنی طلب فسخ سے۔ وہ عقد لازم ہو یا جائز ہو۔ کیونکہ علیحدگی والے نے مقصد وہ بنایا جو علیحدگی کا عرفاً نہیں ہوتا۔ اس کا مقصد تو اپنے بھائی کو اختیار سے محروم رکھنا ہے۔ علیحدگی اس لیے نہیں بنائی گئی۔ علیحدگی تو اس لیے بنائی گئی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنی مصلحت اور حاجت کے لیے چلا جائے۔

وجہ عاشر

وہ روایت جسے محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ سے بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اس حیلے کا ارتکاب نہ کرو جس کے مرتکب یہود ہوئے، کہ تم معمولی حیلوں کے ساتھ اللہ کے محارم کو حلال بنانے کی کوشش کرو۔'' ابوعبداللہ بن بطہ نے اسے اس سند سے بیان کیا ہے، احمد بن محمد بن سلام، حسن بن صباح الزعفرانی، یزید بن ہارون، محمد بن عمرو۔ یہ سند جید ہے اس جیسی سند کو ترمذی صحیح کہتے ہیں۔ [1]

اللہ تعالیٰ کے محارم کو حیلوں کے ساتھ حلال بنانے کی حرمت پر یہ نص ہے، آپ ﷺ نے ''معمولی حیلوں'' کو ذکر کیا ہے تا کہ اس بڑے حرام کام پر تنبیہ ہو جائے جس سے نہ رکنے والے کو اللہ نے جنگ کی ڈانٹ سنائی ہے۔

جو حیلہ گر ہیں، ان کے لیے آسان تر حیلوں میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی آدمی کسی کو مثلاً قرض کے نام پر ہزار سے ایک درہم کم دے دے۔ ایک کپڑا اس کو پانچ سو میں بیچ دے جو کہ ایک درہم کے مساوی تھا۔

اسی طرح تین طلاق دینے والا شخص بھی ہے۔ وہ مثلاً کسی بیوقوف کو دس درہم دیتا ہے۔ اس کو کرائے پر لیتا ہے تا کہ وہ اس کی مطلقہ پر چڑھ دوڑے۔ وہ اس کے لیے طریقہ شرعی کے برخلاف آمادہ ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ عورت کا حلال لوٹنا مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ ممکن تھا کہ وہ طلاق نہ دیتا یا اس سے قبل مر جاتا۔ پھر آپ ﷺ نے ہم کو یہود کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔ انہوں نے ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑنے کا حیلہ کیا۔ وہ بروز جمعہ گڑھے کھودتے۔ ان میں بروز ہفتہ مچھلیاں پھنس جاتیں۔ پھر وہ ان کو بروز اتوار پکڑ لیتے۔ یہ حیلہ بازں کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ مچھلیاں پکڑنا بروز ہفتہ نہیں ہوا، جبکہ یہ فقہاء کے نزدیک حرام ہے کیونکہ مقصود تو شکار پکڑنے سے روکنا تھا وہ بواسطہ کسی سبب کے ہو یا بلا واسطہ ہو۔

ان کے حیلوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان پر چربی کھانا حرام کیا۔ انہوں نے تاویل کی اس سے مراد صرف منہ میں داخل کرنا ہے۔ چربی تو جمی ہوتی ہے نہ کہ پگھلی ہوئی۔

انہوں نے اس کو پگھلایا، اس کو بیچا اور اس کی قیمت کھالی۔ کہنے لگے: ہم نے چربی نہیں کھائی۔ انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ جب

---

[1] شیخ الاسلام ابن تیمیہ ابطال التحلیل صفحہ ۲۴ میں کہتے ہیں: اس سند کے تمام رجال مشہور تر ہیں کہ ان کی صفات بتانے کی ضرورت ہو۔ اس حدیث کے لیے شاہد اصحاب سبت کا واقعہ پیچھے گزر چکا ہے۔ (الفقی)

اللہ نے کسی چیز سے نفع اٹھانا حرام کیا تو پھر اس کے عین اور بدل میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ بدل اس کے قائم مقام ہے۔ اس کی پگھلی اور جمی حالت میں فرق نہ ہے۔ اگر اس کی قیمت حلال ہوتی تو اس کی تحریم میں بڑی بات نہ ہوتی۔ غور فرمائیں۔

وجہ یازدہم

حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ کہتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ فلاں نے شراب بیچی ہے تو فرمایا:

«قَاتَلَ اللّٰهُ فُلَانًا، أَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ، حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُوْمُ، فَجَمَلُوْهَا فَبَاعُوْهَا؟» (1)

''اللہ فلاں کو ہلاک کرے کیا اس کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اللہ یہودیوں کو ہلاک کرے، ان پر چربی حرام کی گئی انہوں نے اس کو پگھلایا اور اسے بیچا۔'' متفق علیہ

خطابی کہتے ہیں: حدیث کے لفظ جَمَلُوْهَا کا مطلب ہے انہوں نے اس کو پگھلایا حتیٰ کہ وہ تیل کی طرح ہوگئی۔ پھر اس سے چربی کا نام چلا جاتا ہے۔ چربی کے متعلق جملت، اجملت اور اجتملت کہتے ہیں۔ جمیل پگھلی ہوئی چربی کا نام ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ، وَالْخِنْزِيْرِ، وَالْأَصْنَامِ۔ فَقِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، أَرَأَيْتَ شُحُوْمَ، الْمَيْتَةِ، فَإِنَّهُ يُطْلَى بِهَا السُّفُنُ، وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُوْدُ، وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ؟ فَقَالَ: لَا، هُوَ حَرَامٌ۔ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ، عِنْدَ ذٰلِكَ: قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ، إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهَا جَمَلُوْهُ، ثُمَّ بَاعُوْهُ، فَأَكَلُوْا ثَمَنَهُ» (2)

''بے شک اللہ نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام کر دیا ہے۔ عرض کیا گیا: اے اللہ کے پیغمبر! آپ ﷺ کا مردار کی چربی کے متعلق کیا فرمان ہے اس سے کشتیوں کو لیپ کیا جاتا ہے، اس سے چمڑوں کو تیل دیا جاتا ہے اور اس کو لوگ جلا کر روشنی حاصل کرتے ہیں۔ فرمایا: نہیں! وہ بھی حرام ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے۔ جب اللہ نے ان پر ان کی چربی کو حرام کیا۔ انہوں نے اس کو پگھلایا پھر اس کو بیچا اور اس کی قیمت کو کھایا۔''

بروایت بخاری۔ جبکہ اس کی اصل متفق علیہ ہے۔

امام احمد اصحاب حیل کے متعلق صالح اور ابوالحارث کی روایت میں کہتے ہیں: انہوں نے سنتوں کا قصد کیا۔ ان کی مخالفت میں حیلہ کیا۔ جس چیز کے متعلق حرام کہا گیا۔ انہوں نے حیلہ کیا حتیٰ کہ اس کو حلال کر دیا۔ پھر اس حدیث سے حجت پکڑی اور اس حدیث سے بھی جس میں ارشاد ہے:

«لعن الله المحلل والمحلل له» (3)

''اللہ حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے کیا جائے ان پر لعنت کرتے ہیں۔''

---

(1) صحیح بخاری، ج: ۳، ص: ٤٠؛ صحیح مسلم، ج: ۳، ص: ۱۲۰۷، حدیث: ۷۱/ ۱۵۸۱۔

(2) صحیح بخاری، ج: ٥، ص: ۱۹٤ کتاب التفسیر۔ (3) اس کے حوالے حلالہ کے باب میں تفصیلاً گزر چکے ہیں۔ (مترجم)

خطابی کہتے ہیں: (پہلے چربی کی حدیث ذکر کی) اس حدیث میں ہر حیلہ کا بطلان ہے جس کے ساتھ کوئی حیلہ کر کے حرام تک پہنچے۔ ہیئت بدلنے اور نام کی تبدیلی سے حکم نہیں بدلتا۔ ان چربی والوں کے حیلہ کو اس شخص کے لیے مثال بنایا جا سکتا ہے جسے کہا گیا: تم مال یتیم کے قریب نہ جاؤ۔ اس نے اس کو بیچا۔ اس کی قیمت لی اور اسے کھا گیا پھر کہا کہ میں نے اصل مال یتیم نہیں کھایا، یا کوئی چیز اپنے ذمہ میں خریدی اور نقد لی پھر کہا اس کا میں مالک بن گیا ہوں اور اس کا عوض میرے ذمہ قرض ہو گیا ہے۔ میں نے تو وہ کھایا ہے جو ظاہر اور باطن میں میری ملکیت ہے۔ ①

اگر اللہ پاک نے اس امت پر مہربانی نہ فرمائی ہوتی کہ ان کے نبی ﷺ نے ان کو وہ بات تنبیہ کے ساتھ بتا دی جس کی وجہ سے یہود پر لعنت کی گئی۔

اس امت کے سابقہ لوگ فقہاء اور اتقیاء تھے۔ انہوں نے شارع کے مقصود کو معلوم کر لیا۔ شریعت ان تحریم محرمات پر برقرار ہو گئی یعنی مردار، خون، خنزیر کا گوشت وغیرہ گو کہ ان کی صورتیں بدل جائیں اور ان کی قیمتوں کی حرمت بھی طے نہ ہوتی تو ضرور شیطان اہل حیلہ کو وہ راستے دیتا جو اس نے ایمان وغیرہ میں دیے۔ کیونکہ دونوں دروازے ایک ہی ہیں۔ جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

وجہ دوازدہم:

حرام حیلوں کا جو باب ہے اس کا دارومدار کسی چیز کا اور نام رکھنے اور اس کی صورت بدلنے پر ہے باوجودیکہ اس کی حقیقت وہی رہے گی۔ مطلب بنیاد یہ ہوئی کہ اسم بدل جائے مسمی باقی رہے۔ صورت بدل جائے حقیقت باقی رہے۔ حلالہ کرنے والے نے حلالہ کا نام نکاح میں بدل دیا۔ حلالہ کرنے والے کو خاوند کا نام دے دیا۔ حلالہ کا مسمی بھی بدل دیا کہ اس کی صورت نکاح کی صورت کر دی جبکہ اس کی حقیقت حلالہ والی حقیقت ہے۔

یہ قطعاً معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اس پر لعنت جو ہے وہ اس لیے ہے کہ اس میں بڑی خرابی ہے جس کی کچھ سزا لعنت ہے۔ یہ خرابی نام اور صورت کے بدلنے پر برقرار رہے گی ساتھ حقیقت بھی باقی رہے گی۔ نا کہ شرط کو مقدم کرنے پر کہ عقد کو اس کے ماقبل سے صلب کیا جائے۔ خرابی دراصل حقیقت کے تابع ہے نا کہ نام یا محض صورت کے۔

اسی طرح وہ بڑی خرابی جو سود کی وجہ سے ہے، یہ اس کا نام سود سے معاملہ میں بدل کر ختم نہیں ہو سکتی، نہ اس کی صورت کو بدل کر کسی اور صورت میں لے جانے سے۔ حقیقت تو ان دونوں کے ہاں قبل عقد سے ہی معلوم اور متفق ہے۔ رازوں کو جاننے والی ذات ان دونوں کے دلوں سے ان کو جانتی ہے۔ وہ قبل عقد صریح پر متفق ہوئے۔ پھر انہوں نے اس کا نام معاملہ میں بدل دیا۔ اس کی صورت بیع والی کر دی جو ان دونوں کا بالکل مقصود نہیں ہے۔ یہ تو ایک حیلہ ہے، مکر ہے۔ اللہ اور اس کے پیغمبر کو دھوکہ دینا ہے۔

اس کے اور یہودیوں کے فعل میں کیا فرق ہوا۔ انہوں نے خود پر اللہ کی حرام کردہ چربی کو اس کے نام اور صورت کو بدل کر حلال کرنا چاہا۔ انہوں نے اس کو پگھلایا حتیٰ کہ وہ تیل بن گیا۔ انہوں نے اس کی قیمت کو کھایا اور کہا ہم نے قیمت کھائی ہے۔ قیمت والی چیز نہیں کھائی یعنی ہم نے چربی نہیں کھائی۔

---

① دیکھیے: حاشیہ سنن ابی داود، ج:۲، ص: ۷۵۷۔

اسی طرح جس نے شراب کو نبیذ کے نام پر حلال بنایا۔ جیسا کہ حضرت ابو مالک اشعری کی نبی ﷺ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ضرور میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے۔ وہ اس کا نام بدل دیں گے۔ ان کے سروں پر آلات موسیقی بجائے جائیں گے اور گانے والیاں ہوں گی۔ اللہ ان کو زمین میں دھنسائے گا اور ان میں بندر اور خنزیر بنائے گا''

ان لوگوں کو اس لیے پکڑا گیا کہ انہوں نے اپنے زعم میں ''نام نہ رہنے پر'' محرمات کو حلال بنالیا۔ معنی محرم کی وجوہ اور اس کے ثبوت پر توجہ نہ کی۔ یہ بعینہٖ یہود کی مشابہت ہے۔ انہوں نے چربی کو پگھلانے کے بعد حلال بنالیا۔ انہوں نے بروز اتوار مچھلیاں پکڑنا حلال بنالیا جن کو وہ بروز ہفتہ ان گڑھوں اور جالوں میں پھنساتے تھے جو انہوں نے بروز جمعہ لگائے ہوتے تھے۔ وہ کہنے لگے: یہ ہفتہ کے دن کا شکار نہیں ہے۔ نہ یہ چربی کو ذاتی طور پر مباح سمجھنا ہے۔ جو شخص نشہ آور شراب کو حلال بناتا ہے۔ اس کا زعم ہے کہ یہ شراب نہیں جبکہ اس کو علم ہے کہ اس کا مفہوم شراب والا مفہوم ہے۔ اس کا مقصد وہی مقصد ہے۔ اس کا عمل وہی عمل ہے، اس کی تاویل بہت فاسد ہے۔ شراب ہر پی جانے والی نشہ آور چیز کا نام ہے۔ جیسا کہ صحیح اور صریح نصوص کی اس پر دلالت ہے اور یہ حدیث نبی ﷺ سے دیگر صورتوں سے بھی آئی ہے۔

ایک: وہ ہے جسے نسائی نے آپ ﷺ سے بیان کیا ہے کہ ''میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے۔ اس کا نام اور رکھ دیں گے'' اس کی سند صحیح ہے۔

دوسری: وہ جسے ابن ماجہ نے حضرت عبادۃ بن صامت سے مرفوعاً بیان کیا ہے ''میری امت کے کچھ لوگ شراب پئیں گے اس کا نام دیگر رکھ لیں گے۔''

اسے امام احمد نے ان الفاظ سے روایت کیا ہے ''ضرور میری امت کا ایک گروہ شراب کو حلال بنالے گا۔''

تیسری: وہ جسے ابن ماجہ نے ہی حضرت ابو امامہ کی حدیث سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَذْهَبُ اللَّيَالِيْ وَالْأَيَّامُ حَتّٰى تَشْرَبَ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِيْ الْخَمْرَ يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا»

''دن اور رات نہ جائیں گے حتیٰ کہ میری امت کا ایک گروہ شراب پیے گا وہ اس کا نام دوسرا رکھ دیں گے''

ان لوگوں نے شراب کو حلال بنا کر پی لیا۔ انہوں نے گمان کرلیا کہ حرام صرف وہ ہے جس پر یہ لفظ آئے۔ یہ لفظ اس کو شامل نہیں جسے انہوں نے حلال بنالیا ہے۔ اسی طرح ریشم اور آلات موسیقی کو حلال بنا لینے میں ان کا شبہ ہے۔ ریشم عورتوں کے لیے حلال کیا گیا۔ بوقت ضرورت اور خارش میں بھی مباح کیا گیا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ﴾ (الاعراف: ٣٢)

''کہہ دیجیے کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی ہے''

آلات موسیقی کا بعض حصہ شادی وغیرہ میں مباح کیا گیا ہے۔ حدی [1] مباح ہے۔ گانے کی بعض قسمیں مباح ہیں۔ اصحاب حیل کے شبہات میں سے یہ قوی تر ہے۔ جب ان لوگوں کی سزا یہ ہوئی کہ بعض بندروں اور خنزیروں میں مسخ کیے گئے، تو بڑی سزا والے کا کیا حال ہوگا جن کا فعل بھی زیادہ قبیح ہے؟ جن لوگوں کو دھنسایا گیا اور مسخ کیا گیا۔ یہ ان کے ساتھ صرف اس لیے ہوا کہ

[1] یہ گانے کی وہ قسم ہے جو عموماً عرب کے اونٹ چلانے والے لوگ گاتے ہیں۔ (مترجم)

انہوں نے فاسد تاویل کی جس کے ساتھ حیلہ کے طریق سے محارم کو حلال بنالیا۔ ان اشیاء کی تحریم میں انہوں نے شارع کے مقصود اور اس کی حکمت سے اعراض کیا۔ اسی لیے ان کو بندروں اور خنازیر میں مسخ کر دیا گیا۔ جس طرح ہفتہ والوں کو اپنی تاویل فاسد کی وجہ سے مسخ کیا گیا جس کے ذریعہ سے انہوں نے محارم کو حلال بنالیا تھا۔ بعض کو دھنسایا گیا جس طرح قارون کو دھنسایا گیا، کیونکہ شراب، ریشم اور آلات موسیقی میں وہ فخر و تکبر ہے جو اس زینت میں تھا جس میں قارون اپنی قوم پر نکلا۔ جب انہوں نے اللہ کے دین کو مسخ کیا۔ اللہ نے ان کو مسخ کر دیا۔ جب انہوں نے حق سے تکبر کیا۔ اللہ نے ان کو ذلیل کر دیا۔ جب انہوں نے دو باتوں کو اکٹھا کیا۔ اللہ نے ان پر ان دونوں عذابوں کو جمع کر دیا۔ یہ ظالموں سے کچھ دور نہیں۔ مسخ اور خسف کا ذکر متعدد احادیث میں آیا ہے۔ جن میں سے بعض کا ذکر گزر چکا ہے۔

فصل: سود اور اس کی حرمت

آپ ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ﷺ کی امت کا ایک گروہ سود کو بیع کے نام پر حلال بنائے گا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے شراب کو دیگر نام سے حلال بنائے جانے کی بھی خبر دی ہے۔

ابن بطہ نے اپنی سند سے بواسطہ اوزاعی نبی ﷺ سے بیان کیا ہے کہ ''لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا۔ اس میں وہ سود کو بیع کے نام سے حلال بنالیں گے یعنی بیع عینہ''۔ [1] یہ حدیث گو کہ مرسل ہے لیکن بالاتفاق قابل حجت ہے۔ ان کی مسندات میں احادیث ہیں جن سے شہادت لی گئی ہے۔ وہ احادیث جو عینہ کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ معلوم ہے کہ حلال جاننے والے کے ہاں عینہ کا نام بیع ہے، اس حدیث میں بیان ہے کہ یہ سود ہے۔ امت میں سے کوئی بھی صریح سود کو حلال نہیں بناتا۔ اس کو تو بیع کے نام اور اس کی صورت سے حلال بنایا جاتا ہے۔ یعنی اس کو بیع کی صورت دے دی اور اس کو یہ لفظ عاریتاً دے دیا۔

یہ معلوم ہے کہ سود کو اس کی مجرد صورت اور لفظ کی وجہ سے حرام نہیں کیا گیا اس کو اس کی حقیقت، معنی اور مقصود کی وجہ سے حرام کیا گیا ہے۔ یہ معنی اور مقصود سودی حیلوں میں قائم ہے جیسے یہ صریح سود میں قائم ہے۔ دونوں عقد والے اس کو خود جانتے ہیں۔ جو ان کے حال کا مشاہدہ کرے وہ بھی اس کو جانتا ہے۔ اللہ بھی جانتا ہے کہ ان کا مقصد صرف سود ہے۔ انہوں نے غیر مقصود عقد کو اس کے لیے وسیلہ بنایا ہے۔ انہوں نے اس کا نام غیر اسم سے اس کے لیے مستعار لیا ہے۔ معلوم ہے کہ یہ تحریم کو ختم نہیں کرتا اور نہ یہ اس برائی کو ختم کرتا ہے جس کی وجہ سے سود حرام کیا گیا ہے۔ بلکہ متعدد وجوہ سے ان کی قوت و تاکید کو بڑھاتا ہے۔ یہاں پر اس طرح کی بعض انواع ذکر کی جاتی ہیں: ایک: بہت ضرورت والے قرض خواہ کے مطالبہ پر یہ دیتا ہے۔ جیسا کہ صریح سود دینے والا نہیں دیتا۔ کیونکہ اس نے عقد کی صورت اور اس کے نام پر بھروسہ کیا۔ دوسری: اس سے مطالبہ اس طرح کیا جاتا ہے جس طرح اس اضافہ کو حلال جاننے والا خوشی سے دیتا ہے برخلاف سود لینے والے کے جو صریح مطالبہ کرتا ہے۔ تیسری: آدمی کا اعتقاد کہ یہ حاضر اور متداول تجارت ہے۔ لوگوں کو تجارت میں بہت رغبت ہوتی ہے۔ یہ اس درجہ کی مثال ہے کہ آدمی کسی عورت سے بہت محبت رکھتا ہو لیکن اس کے وصال میں یہ بات مانع ہے کہ یہ عورت اس پر حرام ہے۔ اس نے حیلہ کر کے اپنے درمیان عقد کی کوئی

---

[1] مصباح اللغات صفحہ ۵۸۹ میں ہے: بیع العینہ: کسی چیز کو اس کی اصل قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار بیچنا۔ (مترجم)

صورت بنالی جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ وہ اس طرح حرام کے طعنے اور دھبے سے بچتا ہے۔ وہ اس عورت پر بے خوف داخل ہوتا ہے جبکہ وہ دونوں باطنی طور پر جانتے ہیں کہ یہ اس کی بیوی نہیں۔ ان دونوں نے تو عقد کی ایک صورت ظاہر کی ہے جس کے ذریعہ سے وہ اپنی غرض تک پہنچیں۔

یہ معلوم ہے کہ اس طرح وہ خرابی بڑھے گی جس کی وجہ سے اللہ حکیم وخبیر نے سود کو سختی سے حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا ہے۔ کیونکہ اس میں حاجت مند کے لیے تکلیف ہے۔ وہ مستقل فقیری میں چلا جاتا ہے۔ اس کا قرض پکا ہو جاتا ہے جو اس سے جدا نہیں ہوتا۔ یہ مزید افزائش پا کر اور بڑھ کر اس درجہ میں پہنچ جاتا ہے کہ اس سے ہر چیز چھین لیتا ہے۔ اس کا سامان، گھر اور اثاثہ ہر چیز کو بھی، جیسا کہ ہو رہا ہے۔

سود اس جوئے کا بھائی ہے جو جوئے والے کو غم زدہ، لوٹا ہوا اور خالی ہاتھ کر دیتا ہے۔

جو شریعت کاملہ بندوں کی اصلاح کا انتظام کر رہی ہے اس نے تمام حکمت سے اس کو حرام کیا اور اس کی طرف پہنچانے والے ذریعہ کو بھی حرام کیا۔ جس طرح بیع[1] صرف میں قبضہ سے پہلے اور ایک درہم کو درہم کے بدلے ایک مدت تک بیچنے کی حرمت میں فرق نہیں کیا گیا۔ گو کہ یہاں اضافہ نہیں ہوتا، تو کمال حکمت والے شارع پر یہ کس طرح گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس خرابی کے حصول کے لیے حیلہ بازی اور مکر کو مباح کر دے کہ اس کو بڑھا چڑھا کر واقع کیا جائے۔ اس میں حیلہ باز محتاج کا مال بڑھا چڑھا کر کھائے؟ اگر مریضوں کے ساتھ اس راہ پر کوئی طبیب چلے تو وہ ضرور ان کو ہلاک کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر نے جو کچھ حرام کیا ہے وہ صرف دل کی حفاظت اور قوت ایمان کا بچاؤ ہے۔ جس طرح طبیب اس چیز سے پرہیز کے لیے منع کرتا ہے جو مریض کو نقصان دے۔ اگر مریض یا طبیب حیلہ کرے۔ اس نقصان دہ کو اس کی صورت بدل کر استعمال کر لے کہ اس کی صورت، حقیقت اور فطرت باقی رہے یا اس کا اسم بدل لے اس کا مسمی باقی رہے تو اس کے استعمال سے مرض بڑھتا ہی جائے گا اس کو ہلاکت میں گرائے گا۔ اس کی صورت کا بدلنا یا نام کی تبدیلی کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

اگر تم حیلوں پر غور کرو جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حرام کو حلال بنانے کا کام کر رہے ہیں۔ اس کے واجب کو ساقط کرتے اور اس کے عقد کو توڑتے ہیں تو تم ان کو اسی طرح پاؤ گے۔ اس سے پیدا ہونے والی خرابی کو تم ان محرمات سے پیدا ہونے والی خرابی سے بڑا پاؤ گے جو اپنی صورتوں اور ناموں پر باقی ہیں۔ اس چیز کی موجودگی اس پر شاہد ہے۔

اللہ پاک نے ان محرمات وغیرہ کو اس لیے حرام کیا ہے کہ یہ دین ودنیا کو نقصان دینے والی برائیوں پر مشتمل ہیں ان کو ان کے ناموں اور صورتوں کی وجہ سے حرام نہیں کیا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ یہ برائیاں اپنے حقائق کے تابع ہیں جو ناموں کی تبدیلی اور صورتوں کی تبدیلی سے ختم نہیں ہوتیں۔ اگر یہ برائیاں ناموں اور صورتوں کی تبدیلی سے ختم ہو جاتیں تو اللہ پاک یہودیوں پر چربی کی صورتوں اور نام کو پگھلا کر بدلنے پر لعنت نہ کرتے۔ حتیٰ کہ نیا نام تیل بن گیا اور صورت بھی بدل گئی، پھر انہوں نے اس کی قیمت کھائی۔ وہ کہنے لگے کہ: ہم نے یہ نہیں کھائی۔ اسی طرح ہفتہ کے دن کے شکار کو اتوار کے دن میں بدلنا ہے۔ محرمات کی صورتیں اور نام بدل دینا جبکہ مقاصد اور حقائق باقی رہیں۔ اس سے وہ خرابی بڑھ جاتی ہے جس کی وجہ سے ان کو حرام کیا گیا۔ مزید اس میں اللہ اور اس کے

---

[1] بیع صرف کا مطلب دراہم کا ایک دوسرے کے بدلے لین دین ہے۔ (مترجم)

پیغمبر کو دھوکہ دینے کی کوشش بھی ہے۔ اس کے دین کی طرف مکر، دھوکہ، ملاوٹ اور نفاق کی نسبت ہے کہ یہ ایک چیز کو کسی خرابی کی وجہ سے حرام کرتی ہے اور اس سے بڑی کے لیے مباح کر دیتی ہے۔

اسی لیے ایوب سختیانی نے کہا: وہ اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں جس طرح وہ بچوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اگر انہوں نے معاملہ اس کی صورت پر کیا ہوتا تو آسان تر ہوتا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس حیلے کے مرتکب نہ بنو جس کے یہود مرتکب ہوئے پس تم اللہ کے محارم کو معمولی حیلوں کے ساتھ حلال بنا لو گے۔''

بشر بن سری کہتے ہیں (جو کہ امام احمد کے اساتذہ میں سے ہیں) میں نے علم پر نظر دوڑائی۔ اس میں دو باتیں ہیں: حدیث اور رائے۔ حدیث میں میں نے دیکھا ہے نبیوں، رسولوں کا ذکر، موت کا ذکر، پروردگار پاک جل جلالہ اور اس کی عظمت کا ذکر، جنت و جہنم کا ذکر، حلال و حرام کا ذکر، صلہ رحمی اور خیر کے کاموں پر ترغیب۔ جبکہ میں نے رائے میں دیکھا ہے مکر، فریب، بناوٹ، کسی کا حق مارنا، دین میں اختلاف، حیلوں کا استعمال، قطع رحمی پر برانگیختہ کرنا اور حرام کاری پر جرأت کرنا۔

ابوداود کہتے ہیں: میں نے احمد بن حنبل سے سنا، ان کے پاس اصحاب حیل کا ذکر کیا گیا۔ فرمایا: وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں میں نقص کے لیے حیلہ کرتے ہیں۔

جس رائے سے حیلے نکالے جائیں جو اللہ کے واجب کو ساقط کرتی ہو۔ اس کے حرام کو مباح کرتی ہو۔ اسی کی مذمت اور برائی پر سلف کا اتفاق ہے۔ حرب نے شعبی سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں حضرت ابن مسعود نے فرمایا: تم اس لفظ سے بچو کہ ''تمہاری کیا رائے ہے؟ تمہاری کیا رائے ہے؟'' تم سے پہلے لوگ ان الفاظ کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ تم کسی چیز کو کسی چیز پر قیاس (فاسد)[1] نہ کرو ورنہ پاؤں جمنے کے بعد پھسل جائے گا۔

شعبی نے مسروق سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں: حضرت عبداللہ نے فرمایا: ہر سال کے بعد والا پہلے سے برا ہے۔ میں نہیں کہتا کہ یہ سال دوسرے سال سے بہتر ہے۔ بلکہ تمہارے بہتر لوگ اور علماء اٹھ رہے ہیں۔ پھر ایسے نئے لوگ آ رہے ہیں جو معاملات کو اپنی رائے پر قیاس کرتے ہیں پس اسلام گرے گا اور کمزور ہو گا۔

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: تم اصحاب رائے سے بچو۔ بے شک وہ سنتوں کے دشمن ہیں۔ انہیں حدیث کے حفظ نے تھکا دیا ہے۔ وہ ان کے قابو میں آنے سے نکل گئی ہے۔ جب ان سے سوال کیا جاتا ہے، تو انہیں ''ہم نہیں جانتے'' کہنے میں شرم محسوس ہوتی ہے۔ وہ ان سوالوں کو اپنی رائے پر پرکھتے ہیں۔ تم ان سے بچو اور تم ان سے بچو۔[2]

احمد بن سعید کی روایت میں امام احمد نے کہا: حیلہ کسی طرح بھی جائز نہیں[3] ہے۔ ان کے بیٹے صالح کی روایت میں ہے کہ

---

① بریکٹ کا اضافہ۔ (از۔ مترجم)

② یہ اور اس سے پہلے والے آثار کو حضرت ابن مسعود سے ابو عمرو بن عبدالبر نے کتاب ''جامع العلوم والحکم'' میں بیان کیا ہے۔، ج:۲، ص:۱۳۳ اور اس کے بعد کے صفحات میں رائے کی مذمت میں ان کے علاوہ بھی آثار ذکر کیے گئے ہیں۔ (الفقی)

③ طبقات حنابلہ از ابن ابی یعلی کے اسماعیل الشالنجی کے ترجمہ میں ہے۔ کہتے ہیں: امام احمد سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو شفعہ باطل کرنے کے لیے حیلہ کرے؟ فرمایا: کسی مسلمان کے حق کو باطل کرنے کے لیے کوئی بھی حیلہ جائز نہیں ہے صفحہ ۶۴۔ نیز دیکھیے صفحات نمبر ۷۹، ۱۷۵، ۱۶۰، ۲۴۲ اور ۳۴۸۔ (الفقی)

ہماری رائے میں حیلہ جائز نہیں ہے۔

اثرم کی روایت میں ہے، فرمایا: حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث ذکر کی گئی ''بیع وشراء کرنے والے دونوں اختیار پر ہیں۔ ان میں سے کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے ساتھی سے اس اندیشہ سے جدا ہو جائے کہ یہ بیع کو توڑے گا'' فرمایا: اس حدیث میں حیلوں کا ابطال ہے۔

ابوالحرث کی روایت میں ہے فرمایا: یہ حیلے جوان لوگوں نے گھڑ لیے ہیں۔ ان کے ذریعے سے اس چیز کے متعلق حیلہ کرتے ہیں جس کے متعلق کہا گیا: یہ حرام ہے۔ انہوں نے اس میں حیلہ کیا حتیٰ کہ اس کو حلال بنالیا۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اللہ یہود پر لعنت کرے۔ ان پر چربی حرام کی گئی انہوں نے اس کو پگھلایا اور اس کی قیمت کو کھایا۔ انہوں نے اس کو اس لیے پگھلایا کہ اس سے چربی کا نام ختم کر دیں۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے، اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے پر لعنت کی ہے۔''

ان کے بیٹے صالح کی روایت میں ہے۔ فرمایا: وہ حیلوں کے ساتھ قسموں [1] کو توڑتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا﴾ (النحل:۹۱)

''اور تم قسموں کو ان کے پکا کرنے کے بعد نہ توڑو۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿يُوفُونَ بِالنَّذْرِ﴾ (الدھر:۷)

''وہ نذر کو پورا کرتے ہیں۔''

عدت ساقط کرنے کے لیے حیلہ کرنے کے متعلق ابو طالب کی روایت میں ہے فرمایا: یہ کس قدر عجب ہے! انہوں نے اللہ کی کتاب اور سنت کو باطل کر دیا۔ اللہ نے آزاد عورتوں پر عدت حمل سے رکھی ہے۔ جس کسی عورت کو طلاق دی جائے یا اس کا خاوند فوت ہو جائے۔ وہ حمل کی وجہ سے ضرور عدت گزارے گی۔ ایک شرم گاہ سے جماع کیا جاتا ہے۔ پھر آدمی اس کو اسی جگہ پر آزاد کرتا ہے۔ وہ اس سے شادی کرتا ہے۔ اس سے جماع کرتا ہے۔ اگر وہ حاملہ ہو تو کیا کرے؟ ایک آدمی آج اس سے جماع کرتا ہے جبکہ دوسرا کل کرتا ہے؟ یہ کتاب اللہ اور سنت کی مخالفت ہے۔ جبکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا تُوطَأُ حَامِلٌ حَتَّى تَضَعَ وَلَا غَيْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتَّى تَحِيضَ» [2]

''حمل والی سے جماع نہ کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ جنم دے اور نہ غیر حمل والی سے حتیٰ کہ اسے حیض آئے۔''

معلوم ہی نہیں کہ یہ حمل والی ہے یا نہیں؟

---

[1] ابن ابی یعلی ابن بطہ کے ترجمہ ص ۳۴۸ میں کہتے ہیں: ابوعبداللہ نے کہا: جب کسی چیز پر قسم کھائی۔ پھر کوئی حیلہ کیا پس وہ اس کی طرف ہوئی۔ تو وہ اس کی طرف ہوئی جس پر اس نے قسم کھائی تھی۔ ابوعبداللہ کہتے ہیں: اصحاب حیل کس قدر خبیث ہیں! فرمایا: جس نے کوئی حیلہ کیا پس وہ قسم توڑنے والا ہے۔ (الفقی)

[2] صحیح مسلم، ج:۲، ص: ۱۰٦٥، حدیث: ۱٤٤١؛ سنن ابی داود، ج:۲، ص: ٦۱۲، حدیث: ۲۱٥٥؛ سنن النسائی، ج: ٦، ص: ۱۱۰؛ مسند امام احمد، ج: ٤، ص: ۱۰۸؛ جامع الترمذی، حدیث: ۳۰۲۰۔

خدا پاک ہے اور ان لوگوں کی یہ کس قدر بری بات ہے!

حبیش بن سندی کی روایت میں ہے: اس آدمی کے متعلق فرمایا: جو لونڈی کو خریدتا ہے۔ پھر اسی دن اسے آزاد کرتا ہے اور شادی کرتا ہے۔ کیا وہ اسی دن اس سے جماع کرے گا؟ فرمایا وہ اس دن اس سے کیسے جماع کرے گا جبکہ وہ اس سے گزشتہ رات جماع کر چکا ہے؟ پھر غصہ میں آئے اور فرمایا: یہ سب سے خبیث قول ہے۔

میمونی کی روایت میں ہے: جب کسی نے کسی چیز پر قسم کھائی پھر کوئی حیلہ کیا جس سے وہ اس کی طرف ہوئی، تو وہ اس کی طرف بعینہ ہوئی۔

میمونی کی روایت میں اس شخص کے متعلق ہے جس نے ایک قسم کھائی۔ پھر اس کے ابطال کے لیے حیلہ کیا۔ کیا جائز ہے؟ ہماری رائے میں صرف وہ حیلہ درست ہے جو جائز ہے۔ میمونی نے ان سے کہا: کیا اس میں ہمارا حیلہ نہیں کہ جو انہوں نے کہا ہم اس کی پیروی کریں؟" جب ہم اس سے متعلق ان کے لیے کوئی قول پائیں ہم ان کی پیروی کریں گے؟ فرمایا: کیوں نہیں یہ اسی طرح ہے۔ میں نے کہا: کیا یہ ہماری طرف سے حیلہ نہیں ہے؟ فرمایا ہاں۔ میں نے کہا: لوگ اس آدمی کے متعلق کہتے ہیں جس نے اپنی بیوی پر قسم کھائی جو سیڑھی پر تھی کہ اگر تو چڑھی یا اتری تو تجھے طلاق ہے۔ کہتے ہیں: اسے اٹھالیا جائے وہ نہ اترے گی۔ فرمایا: یہاں تو بعینہ قسم ٹوٹ گئی ہے۔ یہاں حیلہ نہیں ہے۔ یہاں تو قسم ٹوٹ گئی ہے۔

امام احمد کو بتایا گیا کہ ایک عورت اپنے خاوند سے علیحدگی چاہتی تھی۔ وہ اس کا انکار کرتا تھا کسی حیلہ گر نے اسے کہا: اگر تو اسلام سے مرتد ہو جائے تو اس سے بائن ہو جائے گی۔ اس نے یونہی کیا۔ امام احمد غصہ میں آئے۔ فرمایا: جس نے یہ فتویٰ دیا یا عمل کیا یا اس پر راضی ہوا پس وہ کافر ہے۔ اسی طرح عبداللہ بن مبارک نے بھی فرمایا۔ پھر فرمایا: میرے خیال میں شیطان ان کو اس طرح کی باتیں مزین کر کے بتاتا ہے حتیٰ کہ ان کے پاس آتا ہے اور یہ اس سے سیکھتے ہیں۔

یزید بن ہارون کہتے ہیں: حیلہ والوں نے ایک فتویٰ دیا ہے۔ اگر وہ فتویٰ یہود و نصاریٰ دیں تو بھی قبیح ہوگا۔ فتویٰ یہ ہے کہ ایک آدمی نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو کسی بھی طرح طلاق نہیں دے گا۔ اس عورت کو طلاق دینے کے لیے اس آدمی پر بہت مال بھی خرچ کیا گیا۔ انہوں نے فتویٰ دیا کہ مرد اپنی بیوی کی ماں کو بوسہ دے یا اس سے مباشرت کر لے۔

حضرت شریک کے پاس حیلہ کا ذکر کیا گیا۔ فرمایا: جو اللہ کو دھوکہ دینا چاہے وہ اسے دھوکے میں ڈالتا ہے۔

نضر بن شمیل نے کہا: حیلوں کی کتاب میں تین سو بیس مسائل ہیں جو کہ سب کفر ہیں۔ [1]

حفص بن غیاث کہتے ہیں: مناسب ہے کہ اس کا نام "گناہوں کی کتاب" رکھ دیا جائے۔ عبداللہ بن مبارک نے بنت ابی روح کے واقعہ کے متعلق کہا: جب اس کو ابو غسان کے زمانہ میں مرتد ہونے کا حکم دیا گیا۔ وہ مرتد ہو گئی۔ ان دونوں کے مابین [illegible] گی کروادی گئی اور وہ جیل میں ڈالی گئی۔ حضرت ابن المبارک نے غصہ میں فرمایا: جو اس کا حکم دیتا ہے تو وہ کافر ہے، جس کے گھر

---

[1] ابن ابی یعلیٰ کے طبقات ص ۱۶۰ عبدالخالق بن منصور کے ترجمہ میں ہے۔ فرمایا: میں نے احمد بن حنبل کو کہتے ہوئے سنا: جس کے گھر میں کتاب الحیل ہو وہ اس کے ساتھ فتویٰ دیتا ہو تو وہ اس دین کے لیے کافر ہے جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا۔ (الفقی)

میں یہ کتاب ہو یا اس کے پاس ہو تا کہ اس سے حکم دے تو وہ کافر ہے۔ اگر وہ اس کو پسند کرے اور اس کا، نہ دے تو بھی وہ کافر ہے۔

ایوب سختیانی کہتے ہیں: ان لوگوں کے لیے بربادی ہے جو دھوکہ دیتے ہیں یعنی حیلہ والے، بعض اہل حیل نے کہا: تم ہم پر صرف یہ ناراضگی رکھتے ہو کہ ہم نے بعض اشیاء کا قصد کیا جو لوگوں پر حرام تھیں ہم نے ان میں حیلہ کیا حتیٰ کہ وہ حلال [1] ہو گئیں۔

زاذان کہتے ہیں: جناب علی نے کہا: جب انہوں نے الحیل کی ابتدائی چیزیں دیکھیں۔ میں سمجھتا ہوں تم نے چند اشیاء کو حلال کیا ہے جن کو اللہ نے حرام کیا تھا اور تم کچھ چیزوں کو حرام کر رہے ہو جن کو اللہ نے حلال کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: جس نے شریعت پر غور کیا اور اسے اس میں دل کی سمجھ عطا کی گئی۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس نے اصحاب حیل پر ان کے مقاصد کو باطل کر دیا ہے۔ ان کے مقابل دلیل ان کے خلاف آئی ہے۔ اس نے ان پر وہ راستے بند کر دیے ہیں جو انہوں نے باطل حیلہ سازی کے لیے کھولے تھے۔ مثلاً شارع نے مورث [2] کو قتل کر کے حیلہ کے ساتھ وراثت حاصل کرنے والے وارث کو وراثت سے محروم کر دیا۔ اس کو دوسرے کی طرف منتقل کر دیا ہے کیونکہ اس نے اس پر باطل حیلہ کیا تھا۔

جس کے لیے مال کی وصیت کی گئی ہو اس کے لیے وصیت کو باطل کر دیا، اگر اس نے اپنے وصیت کنندہ کو قتل کیا ہو۔

مدبر کی تدبیر [3] کو بھی باطل کر دیا اگر اس نے اپنے مالک کو جلد آزادی کے لیے قتل کیا ہو، منکوحہ کی عدت میں خاوند پر ہمیشہ کی حرمت کر دی گئی۔ اگر اس نے اس سے جماع کے لیے صورت عقد حرام کا حیلہ کیا ہو۔ یہ حضرت عمر بن الخطاب مالک اور دو میں سے ایک روایت کے مطابق امام احمد کا موقف ہے۔ اگر کوئی مریض اپنی بیوی کو وراثت سے محروم کرنے کا حیلہ کرتے ہوئے اسے طلاق دے دے۔ [4] وہ اگر عدت میں ہو تو ایک گروہ کے نزدیک وارث ہو گی۔ دوسروں کے نزدیک عدت گزرنے کے بعد بھی وارث ہو گی بشرطیکہ عورت نے شادی نہ کر لی ہو۔ جبکہ ایک گروہ کے نزدیک وہ وارث ہو گی گو شادی بھی کر لے۔ اگر کوئی مریض [5] اپنے وارث کے لیے مال کا اقرار کرے وہ باطل کر دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اسے اس کے لیے وصیت [6] کا حیلہ بنا رہا ہے۔

اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ جو باطل طریقہ سے حیلہ کرے اس کے ساتھ عقلاً و شرعاً اس کے ارادے کے برخلاف

---

[1] اعلام الموقعین میں اس جملہ کے بعد ہے: اہل حیل میں سے کسی اور نے کہا ہے: ہم لوگوں کے لیے اتنے اتنے سالوں سے ان چیزوں کو حلال کرنے کے لیے حیلہ کر رہے ہیں جن کو اللہ نے حرام کیا ہے۔ پھر کچھ آثار ذکر کیے۔ کچھ یہی ہیں کچھ اور بھی ہیں۔ پھر فرمایا: یہ حیلے کفر اور فسق کے درمیان گھومنے والے ہیں۔ ان حیلوں کو کسی امام کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں ہے۔ جو ان کو ان میں سے کسی کی طرف منسوب کرے وہ ان کے قواعد، اسلام میں ان کے مقام و مرتبہ سے ناآشنا ہے۔ گو ان میں سے کوئی حیلہ کسی امام کے اصول پر نافذ ہو جاتا ہے وہ اس انداز میں کہ اگر کوئی حیلہ باز کرے تو اس کا حکم بن جائے گا لیکن یہ معاملہ ان کی اجازت اباحت اور تعلیم کے علاوہ ہے۔ اھ۔ اعلام الموقعین جلد ثالث طبع: فرج الکردی میں انہوں نے حیلوں کے متعلق یہاں سے کہیں بڑھ کر گفتگو کی ہے۔ اس میں نفع مند فصول اور قواعد ہیں۔ ان کو دیکھنا چاہیے۔ (الفقی)

[2] مورث کا مطلب وارث بنانے والا یعنی میت ہے۔ اصحاب علم الفرائض نے حدیث شریف کی روشنی میں قاعدہ بنا دیا ہے کہ جو وارث اپنے مورث کو قتل کرے وہ وراثت سے محروم کر دیا جائے گا۔ تاکہ ایسے قتلوں کا سد باب ہو۔ (مترجم) [3] مدبر وہ غلام ہوتا ہے جس کو مالک کہہ دے تم میرے مرنے پر آزاد ہو جاؤ گے۔ اگر ایسا غلام اپنے مالک کو قتل کر دے تو وہ آزادی سے محروم کر دیا جائے گا۔ (مترجم)

[4] اور وہ مر جائے اس پر یقین یا گمان غالب ہو کہ اس نے اسی لیے طلاق دی تھی۔ (مترجم) [5] یعنی قریب المرگ مریض مراد ہے۔ (مترجم)

[6] کیونکہ بمطابق حدیث شریف وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے۔ (مترجم)

معاملہ کیا جائے گا۔لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ جس نے زندگی گزاری مکر پر اس کی موت ہوگی فقر پر۔اسی لیے اللہ پاک نے وقت کٹائی مساکین کا حصہ مارنے کا حیلہ کرنے والوں کو ان کے سب پھل سے محرومی کی سزادی ہے۔

جس نے حرام شکار[1] کھانے کا حیلہ سے قصد کیا اس کو بندر و خنازیر میں مسخ کیا۔جس نے لوگوں کا مال باطل طریقہ سے سود کے ساتھ کھانے کا حیلہ کیا اس کے مال کو مٹانے کی سزادی۔جس طرح فرمایا:

﴿ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ﴾ (البقرۃ:۲۷۶)

''اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔''

ضروری ہے کہ سود والے کے مال کو مٹادیا جائے گو وہ کسی بھی حد تک پہنچ جائے۔اس کی اصل یہ ہے کہ اللہ پاک نے جرائم والوں کی سزاؤں کو ان کے ان جرائم کے مقاصد کے خلاف بنادیا ہے۔مثلاً جھوٹے کی سزا یہ رکھی کہ اس کی بات[2] رائیگاں ہوگی اور اس پر رد کردی جائے گی۔

جس نے مال غنیمت سے خیانت کی تاکہ اپنے مال کو اس طرح بڑھا سکے اس کو اس کے حصہ سے محرومی اور اس کا مال جلانے کی سزادی۔

جس نے احرام میں یا حرم[3] میں شکار کیا اس کو اس شکار کے کھانے کی حرمت اور اس جیسے جانور کا تاوان ادا کرنے کی سزادی۔

جس نے حق قبول کرنے اور اس کے لیے جھک جانے سے تکبر کیا اسے جس قدر اس نے تکبر کیا اسی قدر اس پر ذلت لازم کرکے سزادی۔

جس نے اللہ کی بندگی اور فرمانبرداری سے تکبر کیا۔اسے اپنی بندگی اور فرمانبرداری کرنے والوں کا غلام بنا کر سزادی۔

جس نے راستوں میں لوگوں کو خوفزدہ کیا اور ڈاکہ ڈالا اسے سزادی کہ اس کے اطراف کو کاٹا جائے۔اسے اس علاقہ سے جلاوطن کرکے اس کے سب راتوں کو بند کیا جائے۔تاکہ وہ ان راہوں میں خوفزدہ ہونے کے بغیر نہ چل سکے۔

جس نے حرام زنا کرکے اپنے سارے بدن اور روح کو لذت دی اسے رجم کی سزادی کہ اس کے پورے بدن اور روح کو پتھروں سے سزادی جائے تاکہ درد وہاں تک پہنچے جہاں تک لذت پہنچی تھی۔

نبی ﷺ نے اس شخص کی سزا مقرر کی ہے جو کسی دوسرے کے گھر میں جھانکے اس کی آنکھ کو لکڑی وغیرہ سے پھوڑا جائے تاکہ اس کا وہ عضو خراب کیا جائے جس سے اس نے یہ خیانت کی اور اس کو اس کے گھر میں بلا اجازت داخل کیا اور اس کی عزت کی جگہ پر جھانکا۔

ہر خائن کو سزادی کہ وہ اس کے مکر کو ضائع اور باطل کرتا ہے۔اسے اس کے مقصود کی ہدایت نہیں دیتا گو کہ کچھ مقصود وہ حاصل

---

[1] مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے بمطابق قرآن پاک ہفتہ کو حرام کیے گئے شکار کو حلال بنانے کے لیے حیلہ کیا۔(مترجم)

[2] یعنی بمطابق قرآن اس کی گواہی رد کردی جائے گی۔(مترجم)

[3] احرام سے مراد وہ لباس ہے جو حج یا عمرہ کے لیے لازم ہے۔جبکہ حرم سے مراد مکہ اور مدینہ کا وہ علاقہ ہے جہاں شکار کرنا حرام ہے۔(مترجم)

کر لیتا ہے۔ جو اس نے حاصل کیا وہ بھی اس لیے کہ اس کی سزا اور خبیث بڑھ جائے۔ فرمایا

﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ﴾ (یوسف:۵۲)

''اور بے شک اللہ خیانت کرنے والے کے مکر کو کامیاب نہیں کرتا۔''

جس نے ولایت، امارت اور قضاء کی حرص کی اس کی سزا اس کے حرص کردہ سے شرعاً اس کو محروم کر کے اور منع کر کے دی گئی۔ جیسے آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِنَّا لَا نُوَلِّيْ عَمَلَنَا هٰذَا مَنْ سَاَلَهُ»[1]

''بے شک ہم اپنے اس عمل پر اس کو مقرر نہیں کرتے جو اس کا سوال کرے۔''

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو تنبیہ فرمائی کہ ان کو جنت سے نکال دیا جب انہوں نے درخت کا پھل کھالیا نافرمانی کی۔ تا کہ وہ ان کو ہمیشہ جنت میں رکھے، تو ان کی سزا وہاں سے نکال کر دی گئی۔ یہ ان کی آرزو کی گئی بات کے الٹ تھی۔ جس نے اللہ کے ساتھ ساتھ مدد کے لیے اور الہٰ بنایا؟ اسے سزا دی کہ وہ الٹا اس وجہ سے ذلیل ہوگا اور خوار ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝﴾ (مریم:۸۱، ۸۲)

''اور ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں تا کہ وہ ان کے لیے (موجب عزت و) مدد ہوں، ہرگز نہیں وہ (معبودان باطل) ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن (ومخالف) ہوں گے۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَ هُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ۝﴾ (یٰسٓ:۷۴، ۷۵)

''اور انہوں نے خدا کے سوا (اور) معبود بنا لیے ہیں کہ شاید (ان سے) ان کو مدد پہنچے (مگر) وہ ان کی مدد کی (ہرگز) طاقت نہیں رکھتے اور وہ ان کی فوج ہو کر حاضر کیے جائیں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا:

﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا﴾ (الاسراء:۲۲)

''خدا کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنانا کہ ملامتیں سن کر اور بے کس ہو کر بیٹھے رہ جاؤ گے۔''

مشرک الٰہ بنا کر جو نصرت اور مدح کی آرزو کرتا ہے یہ اس کے خلاف سزا ہے۔ جب لوگ ماپ اور تول میں ڈنڈی ماریں اس نے ان کو سزا دی کہ بادشاہ ان پر سختی کرتا ہے۔ ان کے اموال سے وہ اس سے کئی گنا بڑھ کر لے لیتا ہے جو وہ ایک دوسرے سے ناجائز لیتے ہیں۔

---

[1] سنن نسائی، ج: ۸، ص: ۲۲۴۔

جب لوگوں نے اپنے اموال بڑھانے کے لیے زکوٰۃ وصدقہ روکا اللہ نے ان کو بارش روک کر سزا دی۔ اس سے ان کے اموال ختم ہو جاتے ہیں اور حاجت میں ان کے غنی اور فقیر برابر ہو جاتے ہیں۔

جب انہوں نے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت سے اعراض کیا۔ ان کو چھوڑ کر ہدایت اور چیز سے چاہی۔ اس نے ان کو گمراہ کر کے اور ان پر ہدایت کے راستے بند کر کے سزا دی۔ جیسے نبی ﷺ کا فرمان اس حدیث میں آیا ہے جس کے راوی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسے ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اس میں قرآن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِي غَيْرِهِ أَضَلَّهُ اللّٰهُ»[1]

''جس کسی ظالم نے اسے چھوڑا اللہ اسے توڑے گا اور جس نے اس کے علاوہ ہدایت طلب کی اللہ اسے گمراہ کرے گا۔''

قرآن سے اعراض کرنے والا یا تو از راہ تکبر اس سے اعراض کرتا ہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اللہ اس کو توڑ دے، اور ذلیل کر دے یا اس کے علاوہ کسی اور سے ہدایت ڈھونڈھتا ہے اس کی سزا یہ ہے کہ اللہ اسے گمراہ کر دے۔

یہ باب بہت ہی وسیع ہے۔ عظیم نفع والا ہے۔ جو اس پر غور کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ یہ اپنے اندر پروردگار پاک کی سزا لیے ہوئے ہے اس شخص کے لیے جو اس کی فرمانبرداری سے نکلتا ہے۔ وہ اس طرح کہ دنیا و آخرت میں اس کے مقصود کے برعکس عقلاً و شرعاً وہ اسے سزا دیتا ہے۔ اللہ پاک کا اپنے بندوں کے متعلق کوئی طریقہ یہ رہا ہے کہ جس نے باطل طریقہ سے مکر کیا۔ وہ اسی مکر میں پکڑا گیا۔ جس نے حیلہ کیا اس کے خلاف حیلہ ہو گیا جس نے دوسرے کو دھوکہ دینا چاہا اسے دھوکا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمایا:

﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ (النساء:١٤٢)

''بے شک منافقین اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور وہ ان کو دھوکہ میں ڈالنے والا ہے۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهٖ﴾ (فاطر:٤٣)

''اور برا مکر نہیں گھیرتا مگر اس کے کرنے والے کو ہی۔''

تم جس مکر والے کو بھی دیکھو گے اس کے ساتھ مکر ضرور کیا جائے گا۔ جو دھوکہ دینے والا ہے اسے دھوکہ ضرور دیا جائے گا اور جو حیلہ گر ہے اس کے خلاف حیلہ ضرور کیا جائے گا۔

---

[1] سنن دارمی، ج:٢، ص: ٨٣١، جامع الترمذی، ج: ٥، ص: ١٧٢، حدیث: ٢٩٠٦۔ محمد عفیفی نے اغاثۃ اللھفان کی تعلیق، ج:١ ص٥٢٩ تا ٥٣١ میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس۔ روایت کے راویوں کا ضعف اور اس کا حکم اہل علم سے بیان کیا ہے۔ (مترجم)

فصل: سد الذرائع اور مثالیں ①

جب تم شریعت پر غور کرو گے تو تم دیکھو گے کہ وہ محرمات کے لیے سد ذرائع لے کر آئی ہے۔ حیلے محرمات کے لیے وسائل اور دراوزے ہیں جبکہ یہ بات ان کی طرف دروازے کھولنے کے لیے حیلے کرنے کے برعکس ② ہے۔ ان دو باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ شارع نے ذرائع کو حرام کیا ہے گو کہ اس سے حرام کی گئی چیز مقصود نہ ہو کیونکہ یہ اس تک پہنچاتے ہیں تو حیلہ کے بجائے اگر خود حرام ہی مقصود ہو تو کیا حکم ہوگا؟

اللہ پاک نے مشرکوں کے معبودوں کو گالی دینے سے منع کیا ہے کیونکہ یہ اس بات کا ذریعہ ہے کہ وہ لوگ دشمنی اور کفر سے اللہ کو بطور مقابلہ گالی دیتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے خبردار کیا ہے کہ:

«مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ- قَالُوْا: وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ، فَيَسُبُّ أَبَاهُ- وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ» ③

''کبائر میں سے ایک کبیرہ گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالی دے۔ لوگوں نے کہا: کیا آدمی اپنے والدین کو گالی دیتا ہے؟ فرمایا: ہاں! وہ کسی آدمی کے باپ کو گالی دیتا ہے۔ وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے۔ وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔''

جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو اعتکاف میں ملنے کے لیے آئیں۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ ہو گئے کہ ان کو ان کے گھر کے دروازے تک پہنچا آئیں۔ ان دونوں کو انصار کے دو آدمیوں نے دیکھ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«عَلٰى رِسْلِكُمَا، إِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ فَقَالَا: سُبْحَانَ اللّٰهِ! يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ- فَقَالَ: إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنِ ابْنِ آدَمَ مَجْرَى الدَّمِ- وَإِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ يَقْذِفَ فِيْ قُلُوْبِكُمَا شَرًّا» ④

''تم دونوں ٹھہرو! یہ صفیہ بنت حیی ہے۔ ان دونوں نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! سبحان اللہ ⑤! فرمایا: بے شک شیطان ابن آدم سے خون کے چلنے کی جگہ پر چلتا ہے۔ میں ڈر گیا کہ وہ تم دونوں کے دلوں میں شر ڈال دے گا۔''

آپ ﷺ منافقین کے قتل سے رک گئے حالانکہ اس میں فائدہ تھا کیونکہ یہ نفرت دلانے اور لوگوں کی اس بات کا ذریعہ تھا کہ

«إِنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ» ⑥

''بے شک محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔''

---

① سد الذرائع کا مطلب ہے کہ کاموں سے روکنے کے لیے ان کے ذرائع بند کیے جائیں۔ (مترجم)

② اعلام الموقعین، ج:۳، ص: ۱۱۹ میں یہ باب بہت عمدہ طریقہ سے لکھا گیا ہے۔ (الفقی)

③ صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ۹۲، حدیث: ۹۰/ ۱۴۶؛ جامع ترمذی، ج: ٤، ص: ۳۱۲، حدیث: ۱۹۰۲۔

④ صحیح بخاری، ج: ۸، ص: ۱۱٤؛ صحیح مسلم، ج: ۳، ص: ۱۷۱۲، حدیث: ۲۳/ ۲۱۷٤۔

⑤ یعنی کیا ہم آپ ﷺ پر اس عورت کے بارے میں شک کریں گے۔ (مترجم)

⑥ صحیح بخاری، ج: ٤، ص: ۱٦۰؛ مسند امام احمد، ٤، ص: ۳۹۳۔

آپ ﷺ نے شراب کا ایک قطرہ پینا بھی حرام کیا ہے گو کہ اس سے کوئی بڑا نقصان نہیں ہوتا کیونکہ اس کا تھوڑا حصہ زیادہ پینے کا ذریعہ بنتا ہے۔

آپ ﷺ نے اس کو سرکہ بنانے کے لیے روک رکھنا حرام کیا اس کو نجس قرار دیا تا کہ اس کی قرابت کسی بھی طرح اس کے پینے کا ذریعہ بن جائے۔

آپ ﷺ نے خلیطین سے منع فرمایا۔ آپ ﷺ نے تین دن کے بعد نبیذ اور پھلوں کا رس پینے سے منع فرمایا۔ ان برتنوں میں نبیذ بنانے سے منع کیا جن میں نبیذ کی شراب بنانے کا علم نہ ہو، تا کہ یہ مادہ ختم ہو اور ذریعہ بند کیا جائے۔ آپ ﷺ نے اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کو حرام کیا، اس کے ساتھ سفر اور بلاضرورت اس کی طرف دیکھنا بھی منع کیا تا کہ یہ مادہ ختم ہو اور ذریعہ بند کیا جائے۔ آپ ﷺ نے مسجد کی طرف نکلنے والی عورتوں کو عطر اور خوشبو لگانے سے منع کیا۔ نماز میں کوئی معاملہ پیش آنے پر آپ ﷺ نے عورتوں کو سبحان اللہ کہنے سے منع کیا۔ بلکہ ان کے لیے ہاتھ پر ہاتھ مارنا مقرر کیا۔

وفات کی عدت گزارنے والی کو آپ ﷺ نے زینت، خوشبو اور زیورات سے منع کیا۔ دوران عدت مرد کو کسی عورت سے پیغام نکاح کی صراحت سے آپ ﷺ نے منع کیا گو کہ عدت گزر جانے کے بعد وہ اس سے نکاح ہی کر لے۔

آپ ﷺ نے عورت کو منع کیا کہ وہ اپنے خاوند کے سامنے کسی عورت کی اس طرح صفت بیان نہ کرے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔

آپ ﷺ نے قبروں پر مساجد بنانے سے منع کیا۔ اس کے فاعل پر لعنت کی۔ قبروں کو بلند اور اونچا کرنے سے منع کیا۔ ان کو برابر کرنے کا حکم دیا۔ ان پر عمارت بنانے، ان کو چونہ گچ کرنے/ پختہ بنانے، ان پر کتبہ لگانے، ان کی طرف منہ کر کے یا ان کے پاس نماز پڑھنے اور ان پر چراغ جلانے سے منع کیا۔ یہ سب ان کو بت خانہ بنانے کا ذریعہ بند کرنے کے لیے کیا۔ یہ سب حرام ہے اس شخص پر بھی جو اس کا قصد کرے اور جو نہ کرے۔ بلکہ سد ذریعہ کے لیے جو اس کی مخالفت کا قصد کرے۔

آپ ﷺ نے سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز سے منع کیا۔ کیونکہ یہ دونوں وقت کفار کے سورج کو سجدہ کے لیے ہیں، تو نماز میں بظاہر ایک گونہ ان کی تشبیہ ہے جو باطن میں موافقت و مشابہت کا ذریعہ بنے گی۔ اسی طرح نماز عصر اور فجر کے بعد بھی ممانعت ہے۔ گو کہ کافروں کے سورج کو سجدہ کا وقت نہیں ہوتا تا کہ اس مقصود پر مبالغہ ہو، توحید کا پہلو محفوظ ہو اور شرک کا ہر ممکن ذریعہ بند کیا جائے۔

آپ ﷺ نے دراہم کی بیع صرف اور قبل قبضہ بیع سے منع کیا۔ اسی طرح اضافہ والی چیز کو جب دوسری اضافہ والی چیز غیر جنس سے ہو کی بیع سے منع کیا۔ تا کہ ادھار کا ذریعہ بند ہو جو سود کی اصل اور بڑی بنیاد ہے۔ بلکہ درہم کو دو درہم کے بدل نقد بیچنے سے بھی منع کیا تا کہ ادھار کا ذریعہ بند ہو۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے یہ علت اس حدیث میں بیان کی ہے جسے مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ اضافہ والے سود کی تحریم میں یہ سب سے اچھی علت بیان کی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے ادھار اور بیع کو اکٹھا کرنے سے منع کیا۔ کیونکہ اس ادھار میں نفع حاصل کرنے کا ذریعہ ہے کہ دیے ہوئے سے کوئی زیادہ لے لے۔ یہ بیع اور کرایہ پر دینے کا وسیلہ بھی ہے جیسا کہ ہو رہا ہے۔

---

① یہاں مراد وہ شریک ہیں جو زکوۃ کے خوف سے اپنے اموال اکٹھے کر لیں۔ (مترجم)

آپ ﷺ نے بائع کو مشتری سے کوئی سودا اس سے کم قیمت میں خریدنے سے منع کیا جس میں اس نے خریدا تھا۔ یہ مسئلہ عینہ ہے۔ گو کہ سود مقصود نہ ہو۔ کیونکہ یہ ظاہر وسیلہ ہے جو پندرہ ادھار کو دس نقد کے ساتھ کا معاملہ دے سکتا ہے۔

آپ ﷺ نے بیع میں دو شرطوں سے بھی منع کیا کیونکہ یہ بھی اس کا ذریعہ ہے اور یہ مسئلہ عینہ پر منطبق ہے۔

جو قرض نفع کھینچے آپ ﷺ نے اس سے منع کیا اور اسے سود قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ نے قرض خواہ کو قرض دار سے تحفہ قبول کرنے سے منع کیا۔ اگر قرض سے پہلے ان میں یہ عادت جاری نہ تھی۔ سنن ابن ماجہ میں یحییٰ بن ابی اسحاق الہنائی سے مروی ہے کہتے ہیں: میں نے حضرت انس بن مالک سے سوال کیا۔ ہم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی کو مال قرض دے تو وہ اسے تحفہ دے سکتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا أَقْرَضَ أَحَدُكُمْ قَرْضًا فَأُهْدِيَ إِلَيْهِ، أَوْ حَمَلَهُ عَلَى الدَّابَّةِ فَلَا يَرْكَبْهَا، وَلَا يَقْبَلْهُ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ جَرَى بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ قَبْلَ ذٰلِكَ»①

''جب تم میں سے کوئی قرض دے وہ اسے تحفہ دے یا اسے سواری پر سوار کرے تو وہ ہرگز اس پر سوار نہ ہو اور نہ اس سے قبول کرے۔ الا یہ کہ اس کے اور اس کے درمیان اس سے پہلے بھی یہ معاملہ جاری ہو۔''

بخاری نے اپنی تاریخ میں بواسطہ یزید بن ابو یحییٰ الہنائی حضرت انس بن مالک سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَقْرَضَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَأْخُذْ هَدِيَّةً»②

''جب تم میں سے [illegible] قرض دے تو وہ تحفہ نہ لے۔''

صحیح بخاری میں ہے حضرت ابو بردہ حضرت ابو موسیٰ سے بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں: میں مدینہ میں گیا۔ میں حضرت عبداللہ بن سلام کو ملا۔ انہوں نے مجھے کہا: بے شک تم ایسی سرزمین میں ہو جہاں سود پھیلا ہوا ہے۔ اگر تمہارا کسی آدمی پر حق ہو وہ تمہیں تحفہ میں بھوسے کا بوجھ دے یا جو کا بوجھ یا قت③ کا بوجھ تو تم وہ نہ لو۔ بے شک وہ سود ہے۔④

سعید نے اپنی سنن میں اس معنی کو حضرت ابی بن کعب سے بیان کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرو سے بھی یہ مروی ہے۔ یہ سب قرض میں زیادہ لینے کا ذریعہ بند کرنے کے لیے ہے جس کا موجب رد المثل ہے۔

آپ ﷺ نے کالی بالکالی کی بیع سے منع کیا۔ یعنی مؤخر قرض کو مؤخر قرض کے ساتھ بیچنا۔ کیونکہ یہ ادھار قرض کا ذریعہ ہے۔ اگر دونوں قرض موجود ہوں تو ممانعت نہیں کیونکہ دونوں اپنا ذمہ ختم کر رہے ہیں۔ منع کی گئی صورت میں قرض کا ہر دو پر مؤخر ہونے کی وجہ سے بہت بڑھ جانا ہے۔ یہ بعینہٖ ادھار والے سود کی خرابی ہے۔

---

① سنن ابن ماجه، ج:٢، ص: ٨١٣ حديث ٢٤٣٢

② تاريخ كبير، ج: ٧، ص: ٣٢٩؛ سنن ابن ماجه بمطابق حوالہ گزشتہ۔

③ مصباح اللغات ص ٦٥٧ میں ہے: قت، ایک قسم کا جنگلی دانہ ہے جس کو دیہاتی کوٹنے اور پکانے کے بعد کھاتے ہیں۔ (مترجم)

④ صحيح بخاری، ج: ٤، ص: ٢٣٠۔

اللہ پاک نے عورتوں کو منع کیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ﴾ (النور:۳۱)

''اور وہ اپنے پاؤں (ایسے طور سے زمین پر) نہ ماریں کہ جھنکار کانوں میں پہنچے اور ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے۔''

جب پاؤں مارنا پازیب کی آواز کے ظاہر ہونے کا ذریعہ ہوا جو مردوں کے ان کی طرف میلان کا سبب ہے تو اس سے عورتوں کو منع کر دیا۔

اللہ پاک نے مردوں اور عورتوں کو اپنی نظر جھکا کر رکھنے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ نظر میلان اور محبت کا ذریعہ ہے جو ممنوع اُمور میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہے۔

آپ ﷺ نے شراب کی تجارت کو حرام کیا ہے گو کہ وہ کافر کو فروخت کرتا ہو جو اس کا پینا حلال جانتا ہے۔ اس کی تجارت اس کے ذخیرہ کرنے اور پینے کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے جب سود حرام کرنے والی آیات اتریں۔ وہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں پر پڑھیں۔ ان کے ساتھ شراب کی حرمت کو ملا دیا۔ سود اموال کے بگاڑ کا ذریعہ ہے اور شراب عقلوں کے بگاڑ کا ذریعہ ہے، تو آپ ﷺ نے اس کی اور اس کی تجارت کی تحریم کو جمع کر دیا۔

آپ ﷺ نے رمضان سے ایک یا دو دن پہلے[1] روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ تا کہ اسے فرض روزے پر اضافہ کا ذریعہ نہ بنایا جائے جس طرح اہل کتاب نے کیا۔

آپ ﷺ نے کئی مواقع پر اہل کتاب وغیرہ کفار کی مشابہت سے[2] سے روکا۔ کیونکہ ظاہری مشابہت باطنی موافقت کا ذریعہ ہے۔ جب کردار کردار کی مشابہت کرے۔ دل دل کی مشابہت کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارا طریقہ کفار کے طریقہ کے مخالف ہے۔'' مسند میں مرفوعاً آیا ہے۔

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»[3]

''جس نے کسی قوم سے مشابہت کی پس وہ ان میں سے ہے''

آپ ﷺ نے عورت اور اس کی پھوپھی کو نیز عورت اور اس کی خالہ کو ایک نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا۔[4] کیونکہ یہ قطع رحمی کا ذریعہ ہے۔

بعینہ یہ علت نبی ﷺ نے بھی بیان فرمائی ہے۔ فرمایا:

«اِنَّكُمْ اِذَا فَعَلْتُمْ ذٰلِكَ قَطَعْتُمْ أَرْحَامَكُمْ»[5]

---

① صحیح بخاری، ج:۲، ص: ۲۳۰۔ ② جامع ترمذی، ج: ۵، ص: ۵٦، حدیث: ۲٦٦۵۔
③ مسند امام احمد، ج:۲،ص: ۵۰؛ سنن ابی داؤد، ج:٤،ص: ۳۱٤ حدیث ٤۳۰۱۔
④ سنن نسائی، ج:٦،ص: ۹٦۔
⑤ اسے ابوداؤد نے المراسیل میں عیسیٰ بن طلحہ سے روایت کیا ہے۔ اسے ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ خلال نے اپنی سند سے حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان سے بیان کیا ہے کہ وہ نفرتوں کے اندیشہ سے قرابت دار عورتوں کو رشتہ میں جمع کرنا ناپسند کرتے تھے۔ ابن حبان نے حضرت ابن عباس سے ان الفاظ میں حدیث بیان کی ہے کہ ''اگر تم عورتیں یہ کرو گی تو تم اپنی قطع رحمی کرو گی'' جبکہ ابن عدی نے اس کو مردوں کے لیے خطاب کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (الفقی)

''جب تم یہ کرو گے، تم قطع رحمی کرو گے۔''

آپ ﷺ نے اولاد کے درمیان عطیہ میں برابری[1] کا حکم دیا اور خبر دی کہ بعض کو یہ خاص کر کے دینا ظلم ہے، درست نہیں ہے، نہ اس پر گواہی درست ہے۔ آپ ﷺ نے اس کے فاعل کو یہ واپس کرنے کا حکم دیا۔ اسے نصیحت کی۔ اسے اللہ کے تقویٰ کا حکم دیا۔ اسے عدل کا حکم دیا۔ کیونکہ یہ اولاد کے درمیان عداوت اور قطع رحمی کا ظاہر اور بہت قریب ذریعہ ہے۔ جیسے کہ آنکھوں کا مشاہدہ ہے۔ اگر صحیح اور صریح سنت نہ بھی ہوتی کہ اس کی ممانعت میں اس کا کوئی مخالف نہیں ہے، تو ضرور قیاس اور اصول شریعت اس سے منع کرتے کہ اس میں مصالح ہیں اور مفاسد کے دور کرنے کا یہ تقاضا بھی ہے۔

آپ ﷺ نے لونڈی سے نکاح منع کیا۔ کیونکہ یہ آدمی کی اولاد کو غلام بنانے کا ظاہر ذریعہ ہے۔ پھر اس کو ملکیت میں رکھ کر جماع کی اجازت دی کیونکہ اس سے وہ خرابی ختم ہو جاتی ہے۔

آپ ﷺ نے چار بیویوں سے تجاوز منع کر دیا۔ کیونکہ یہ ظلم کا اور ان کے مابین عدم عدل کا واضح ذریعہ ہے۔ آپ نے مردوں کے لیے چار شادیوں کی حد رکھی۔ یہ ان کو زنا سے بچانے کے لیے گنجائش ہے۔ اگرچہ ان سے کچھ ظلم بھی ہو جائے۔ کیونکہ زنا کی برائی سے اس برائی کا احتمال کم تر ہے۔

آپ ﷺ نے عدت اور احرام کی حالت میں نکاح سے منع فرمایا۔ گو کہ عورت پر داخل ہونا اس کی تکمیل کے اور حلال ہونے کے بعد ہو۔ کیونکہ شادی جماع کا ذریعہ ہے۔ جب داعیہ موجود ہو تو عموماً نفس اس سے صبر نہیں کر سکتے۔

محض عقد پر آپ ﷺ نے نکاح میں کچھ زائد شروط بھی مقرر کر دی ہیں۔ اس طرح اس سے زنا کی انواع کی مشابہت کو توڑ دیا ہے۔ مثلاً اعلان کی شرط یا گواہی کے ساتھ یا نہ چھپانے کے ساتھ یا ان دونوں کے ساتھ یا ولی کی شرط لگا کر۔ آپ ﷺ نے عورت کو اس میں ولی بننے سے منع کر دیا۔ اس کے اظہار کو اچھا بتایا۔ حتیٰ کہ اس میں دف، آواز اور ولیمہ کو مستحب بتایا اور اس میں حق مہر واجب کر دیا۔

غیر نبی ﷺ کے لیے عورت کو اپنا نفس ہبہ کرنے سے منع کر دیا گیا۔ اس کا راز یہ ہے کہ اگر اس طرح نہ ہو تو یہ بصورت نکاح وقوع زنا کا ذریعہ بن جائے۔ جیسے ایک روایت میں ہے ''زانیہ وہ ہے جو خود اپنی شادی کروائے۔'' کیونکہ اگر زانیہ کو یہ کہنا پڑے تو ضرور کہہ دے گی کہ: میں نے تیرے ساتھ فلاں بنیاد پر نکاح کر لیا۔ اپنے ولی سے چھپ کر نہ گواہ، نہ اعلان، نہ ولیمہ اور نہ دف۔ یہ قطعاً معلوم ہے کہ عورت کے یہ کہنے سے کہ میں نے فلاں بنیاد پر تجھ سے نکاح کر لیا یا تجھ سے شادی کر لی ہے زنا کی خرابی ختم نہیں ہو سکتی۔ اگر اس طرح زنا کی خرابی ختم ہو جاتی تو یہ ضرور عورت اور مرد کے لیے آسان تر راستہ ہوتا۔

شارع نے اس عقد کے معاملہ کو عظیم بنا دیا۔ ہر طرح سے زنا کی مشابہت کا ذریعہ بند کر دیا۔ پھر اس کی تاکید اس طرح کر دی کہ عدت میں کچھ عرصہ محرومی کر دی جو استبراء[2] کی مقدار سے زائد ہے۔ اس کے لیے سسرال کے احکام اور اس کی حرمت بنا دی۔

[1] صحيح مسلم، ج:٣،ص: ١٢٤٣۔ حديث: ١٩/ ١٦٢٣۔

[2] اس کا مطلب ہے کہ عورت کو ایک حیض تک دیکھا جائے کہ اس کا حمل ہے یا رحم حمل سے بری ہے۔ (مترجم)

ایک دوسرے کو وارث بنا دیا۔ اسی لیے دلیل کی بنیاد پر راجح بات یہ ہے کہ زنا سسرالی حرمت ثابت نہیں کرتا۔ جیسا کہ وہ وراثت، خرچہ اور حقوق زوجیت ثابت نہیں کرتا۔ صحیح قول کے مطابق اس سے عدت اور نسب ثابت نہیں ہوتے۔ اس میں استبراء ایک حیض ہے تا کہ عورت کے رحم کی برائت معلوم ہو۔ اس میں نہ طلاق واقع ہوتی ہے۔ نہ ظہار اور نہ ایلاء۔ مرد اور اس عورت کی ماں اور بیٹی کے درمیان یہ محرمیت ثابت نہیں کرتا۔ نہ یہ سسرالی حرمت اور تحریم ثابت کرتا ہے۔ شارع نے سسرالی تعلق کو نسبی تعلق کے ساتھ ملا دیا ہے۔ ان کو اس فرمان میں اکٹھا بیان کر دیا ہے:

﴿فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّ صِهْرًا﴾ (الفرقان:٥٤)

''پس اس کو بنایا نسب اور سسرال۔''

اگر زنا میں نسبی تعلق کی نفی ہے تو سسرالی تعلق کی بھی نفی ہے۔

ہم حرام کرنے والے قول کی مدد کیا کرتے تھے۔ پھر ہم نے بتقاضائے دلیل عدم تحریم کو بہتر سمجھ کر رجوع کر لیا۔

مسئلہ میں جانبین کے دلائل کو پورے طور پر بیان کرنا یہاں مقصود نہیں ہے۔ غرض تو صرف اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ شرع کے عظیم قواعد میں سے ایک قاعدہ سد الذرائع [1] کا بھی ہے۔

اسی سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے دار الحرب میں حدود قائم کرنے اور سفر میں ہاتھ کاٹنے سے منع فرمایا ہے۔ [2] تا کہ یہ چیز حد والے بندے کو کفار تک حد ملانے کا ذریعہ نہ بن جائے۔

جب مسلمان دار الحرب میں شادی کی ضرورت محسوس کرے۔ اپنے نفس پر زنا سے ڈرے تو اپنی عورت سے عزل کرے۔ اس پر امام احمد کی نص ہے۔ تا کہ یہ اس بات کا ذریعہ نہ بن جائے کہ اس کا بیٹا کافر ہو۔

ایک کے بدلہ میں زیادہ لوگوں کو قتل کرنے پر صحابہ کا اتفاق ہے گو کہ قصاص کا تقاضا برابری ہے۔ تا کہ یہ چیز خونوں کے بہانے اور کسی معصوم کے قتل پر ایک جماعت کے تعاون کا ذریعہ نہ بن جائے۔

اگر کوئی بندہ حالتِ نشہ میں قتل کر دے اس سے قصاص لیا جائے گا گو کہ اس حالت میں ارادہ نہیں ہوتا تا کہ نشہ کو کسی معصوم کے قتل اور سقوط قصاص کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ اللہ پاک نے اپنے پیغمبر کو دشمنوں کی موجودگی میں بآوازِ بلند قرآن پڑھنے سے منع کر دیا۔ کیونکہ یہ ان کی طرف سے قرآن اور اس کے نازل کرنے والے کو گالی دینے کا ذریعہ ہے۔ اللہ پاک نے صحابہ کو منع کر دیا کہ ''وہ نبی ﷺ کو رَاعِنَا یعنی ہماری [3] رعایت رکھیں'' کا لفظ کہیں۔ حالانکہ ان کا مقصود تو درست معنی تھا یعنی رعایت رکھنا۔ تا کہ یہودی اس لفظ کو گالی کا ذریعہ نہ بنا لیں۔ تا کہ وہ ان کی مشابہت نہ کریں اور تا کہ آپ ﷺ کو اس لفظ سے مخاطب نہ کیا جائے جو فاسد معنی کا احتمال رکھتا ہے۔

جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف منہ کر کے نماز کو مکروہ قرار دیا۔ جو شخص ستون یا لکڑی یا

---

[1] یعنی کسی کام سے روکنے کا اچھا طریقہ یہ ہے کہ اس کے ذرائع بند کر دیے جائیں۔ (مترجم)

[2] سنن ابی داود، ج: ٤، ص: ٥٦٣، حدیث: ٤٤٠٨؛ جامع ترمذی، ج: ٤، ص: ٥٣، حدیث: ١٤٠۔

[3] اس کی تفصیل کے لیے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ١٠٤ اور اس کی تفسیر دیکھیے (مترجم)

درخت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے اس کے لیے مستحب قرار دیا کہ وہ اسے اپنی ایک جانب میں کر لے۔ اس کا پورا قصد نہ کرلے۔ تاکہ غیر اللہ کے لیے سجدہ کی مشابہت کا ذریعہ نہ بنے۔ آپ ﷺ نے مقتدیوں کو حکم دیا ہے کہ جب ان کا امام بیٹھ کر نماز پڑھائے وہ بیٹھ کر نماز پڑھیں۔[1] تاکہ روم وفارس کی مشابہت کا ذریعہ بند ہو وہ لوگ اپنے بادشاہوں کے پاس کھڑے رہتے تھے اور اُن کے بادشاہ بیٹھے رہتے تھے۔

نبی ﷺ نے آدمی کو منع کیا ہے کہ وہ اپنے حق کے برابر بصورت خیانت اس شخص کا مال لے جس نے اس کی خیانت کی اور اس کے حق کا انکار کیا۔ گو کہ وہ اپنا حق یا اس سے کم لے رہا ہو۔ آپ ﷺ سے اس متعلق کسی نے سوال کیا تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

«أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ»[2]

''جو تجھے امانت دے تو اس کی امانت ادا کر اور جو تیری خیانت کرے تو اس کی خیانت نہ کر۔''

کیونکہ یہ اس پر بدگمانی اور اس کی خیانت کی طرف نسبت کا ذریعہ ہے۔ اس کے لیے اپنے نفس کی طرف سے حجت بیان کرنا اور عذر قائم کرنا ممکن نہیں ہے۔ مزید یہ کہ یہ اس بات کا ذریعہ بن سکتا ہے کہ وہ اپنے پورے حق پر کفایت نہ کرے گا، عام طور پر نفوس حق کے بقدر پورا لینے پر اکتفاء نہیں کرتے۔

آپ ﷺ نے شریک کو اس بات کا اختیار دیا ہے کہ شفع والا حصہ خریدار کے ہاتھ سے واپس لے لے۔ تاکہ اس خرابی کا ذریعہ بند کیا جائے جو شراکت اور مخالطت سے حسب امکان ہے۔ بیع سے قبل ان میں سے کوئی بھی اپنا حصہ دوسرے سے لینے کا زیادہ حق نہیں رکھتا۔ اگر وہ اس سے اعراض کرے اور بیع کے لیے پیش کر دے تو اس کا شریک اس کا زیادہ حق دار ہے۔ کیونکہ اس میں اس سے ضرر کا ازالہ ہے۔ خود اس کو بھی ضرر نہیں ہے۔ وہ اس سے اس قیمت میں لے رہا جس قیمت میں اجنبی لے رہا تھا۔ اسی لیے حق کے شفعہ ساقط کرنے کے لیے حیلہ حلال نہیں ہے اور نہ یہ حیلہ سے ساقط ہوتا ہے۔ اس کے ساقط کرنے کا حیلہ تو اس حکمت کے خلاف ہے جس کے لیے اس کا نقض اور ابطال مشروع کیا گیا ہے۔

اسی طرح دشمن کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ جس پر تہمت یا قرابت کا گمان ہو اس کی بھی نہیں۔ نہ شریک کی جس میں وہ شریک ہو۔ نہ وصی کی جس میں اس کے لیے وصیت کی گئی ہو۔ نہ بیٹے کی اپنی ماں کے سوتن کے خلاف۔ نہ قاضی اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ کرے گا۔ یہ سب تہمت اور غرض فاسد کا ذریعہ بند کرنے کے لیے ہے۔

الگ رجب[3] کا روزہ یا الگ جمعہ کے دن کا روزہ رکھنے کی کراہت پر حدیث آئی[4] ہے۔ تاکہ اسے دین میں[5] بدعت

---

[1] صحیح بخاری، ج: ۷، ص: ٦؛ صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ۳۰۸، حدیث: ۷۷/ ٤١١۔

[2] صحیح بخاری، ج: ۳، ص: ١٦٢؛ سنن دارمی، ج: ۱، ص: ١٦٢؛ مسند امام احمد، ج: ۱، ص: ۵۷۔

[3] صحیح مسلم، ج: ۳، ص: ١٦٤١، حدیث: ۱۰/ ۲۰٦۹۔

[4] صحیح مسلم، ج: ۱ ص ۸۰۱، حدیث: ١٤٦/ ١١٤٣۔

[5] ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے نَھٰی عَنْ صِیَامِ رَجَبَ یعنی رجب کے روزے سے منع کیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رجب میں روزہ رکھنے والوں کو ضرب لگاتے تھے تاکہ وہ روزہ چھوڑ دیں۔ (الفقی)

جاری کرنے کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ یعنی ایسے وقت کو عبادت کے لیے خاص نہ کیا جائے جسے دین نے خاص نہیں کیا۔

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس درخت کے کاٹنے کا حکم دیا جس کے نیچے بیعت (رضوان) ہوئی تھی۔

حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر کو مخفی رکھنے کا حکم دیا۔ تاکہ شرک اور فتنہ کا ذریعہ بند ہو۔ انہوں نے ان جگہوں پر نماز کا قصد کرنے سے منع کیا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفر میں رکے تھے اور فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے انبیاء کے آثار کو سجدہ گاہ بناؤ؟ جس کو وہاں نماز کا وقت ہو وہ نماز پڑھ لے۔ ورنہ نہیں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے امت کو سات قرأتوں میں سے ایک قرأت پر جمع کر دیا۔ تاکہ ان میں ان کا اختلاف قرآن میں اختلاف کا ذریعہ نہ بن جائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر ان کی موافقت کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو حکم دیا جس کے ساتھ اپنی قربانی مکہ بھیجی تھی کہ اگر کوئی قربانی حلال ہونے کی جگہ سے پہلے عاجز آ جائے۔ اسے ذبح کر دے۔ جو جوتا اس کے گلے میں لٹکایا تھا اسے اس کے خون میں رنگ دے۔ اس کے اور مساکین کے درمیان سے ہٹ جائے۔ اس کو یا اس کے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی اس کے کھانے سے روک دیا۔ کہتے ہیں: اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو یا اس کے کسی ساتھی کو حلال ہونے کی جگہ پر پہنچنے سے قبل اس کے کھانے کی اجازت دے دیتے تو ہو سکتا تھا کہ اس کے ذہن میں یہ داعیہ آتا کہ وہ اس کے چارے اور حفاظت میں کوتاہی کرے حتیٰ کہ وہ عاجز آنے کے قریب ہو جائے اور اسے ذبح کر لے۔ شارع نے ذریعہ بند کر دیا۔ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو اس سے کچھ بھی کھانے سے منع کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ذرائع سے بھی منع کر دیا جو اختلاف، فرقہ بازی، عداوت اور بغض کے موجب ہوں۔ مثلاً کسی آدمی کا دوسرے کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح بھیجنا۔[1] اس کے سودے پر سودا۔[2] اس کی بیع پر بیع۔[3] عورت کا اپنی سوتن کی طلاق کا مطالبہ۔[4] اور فرمایا: جب[5] دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو۔ تاکہ فتنہ اور فرقہ بازی کا ذریعہ بند ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء سے قتال اور آئمہ کے خلاف خروج[6] سے منع کیا گو وہ جور و ظلم کریں بشرطیکہ وہ نماز ادا کرتے ہوں۔ تاکہ ان کے قتال والا بڑا شر اور عظیم فساد کا ذریعہ بند ہو۔ جیسا کہ ہوتا ہے کہ ان سے قتال اور ان کے خلاف خروج سے ان کے حالات سے کہیں بڑھ چڑھ کر شر پیدا ہوئے اور امت اب تک ان شرور کی باقیات میں مبتلاء ہے۔

اہل ذمہ پر جو شرطیں عائد کی جاتی ہیں وہ اس لیے کہ لباس، شعار اور سواریوں میں ان کی مسلمانوں سے الگ شناخت ہو۔

---

[1] صحیح بخاری، ج: ٦، ص: ١٣٦؛ صحیح مسلم، ج: ٣، ص: ١٠٣٢، حدیث: ٤٩/ ٥٦۔

[2] صحیح بخاری، ج: ٣، ص: ٢٤؛ سنن نسائی، ج: ٧، ص: ٢٥٨۔

[3] صحیح بخاری، ج: ٣، ص: ٢٤؛ صحیح مسلم، ج: ٣، ص: ١١٥٤، حدیث: ٨۔

[4] صحیح مسلم، ج: ٣، ص: ١١٥٧، حدیث: ١٢۔

[5] صحیح مسلم، ج: ٣، ص: ١٤٨٠، حدیث: ٦١/ ١٨٥٣۔

[6] صحیح مسلم، ج: ٣، ص: ١٤٨١، حدیث: ٦٥/ ١٨٥٥۔

ان پر یہ چیزیں لازم کرنے میں اوران کی شناخت میں اس ذریعہ کو بند کرنا ہے۔

آپ ﷺ نے اس ہار کو سونے کے بدلے بیچنے سے منع کیا ہے جس میں سونا اور موتی ہوں۔[1] تا کہ اس کو سونے کی بیع میں اضافہ کا ذریعہ نہ بنالیا جائے۔ جب ایک طرف کے سونے میں موتی وغیرہ ملائے گئے ہوں۔

اگر اس باب میں یہ دلائل نہ بھی ہوں تو یہ بات کافی ہے کہ اللہ پاک نے حدود کو قائم کرنا اس لیے مقرر کیا ہے تا کہ جرائم کا ذریعہ بند ہو جب ان پر کوئی فطری مانع نہیں ہے۔ ان کی سزاؤں کے مقداریں، اجناس اور صفات فی نفسہ مفاسد کے حساب سے بنادیں۔ نیز ان کے لیے قوت داعیہ اور طبائع کے تقاضوں کو بھی بنیاد بنایا۔

بہرحال! محرمات کی دو قسمیں ہیں، برائیاں اور ان تک پہنچانے والے ذرائع، ان کو بھی اسی طرح نہ کرنے کا مطالبہ ہے جس طرح برائیاں نہ کرنے کا مطالبہ ہے۔ نیکیوں کی بھی دو قسمیں ہیں: جن میں بندوں کا فائدہ ہو اور ان تک پہنچانے والے ذرائع۔

پہلی قسم میں ذرائع کا دروازہ کھولنا دوسری قسم میں ذرائع کا دروازہ بند کرنے کی طرح ہے۔ یہ دونوں ہی شریعت کے مقاصد کے خلاف ہیں، حیلوں کے باب اور سدّ الذرائع کے باب میں بہت بڑا تضاد ہے۔

اس عظیم اور کامل شریعت پر کس طرح گمان کیا جاسکتا ہے جو مفاسد کو دور کرنے اس کے دروازوں اور راہوں کو بند کرنے کے لیے آئی ہے کہ وہ اپنے فرائض کو ساقط کرنے اور محرمات کو مباح بنانے کے لیے حیلوں کا دروازہ اور مکر کے راسے کھولے۔ جن مفاسد کو دور کرنا مقصود ہے ان کے حصول کے ذریعہ کو اختیار کرنے کی اجازت دے؟

جب وہ چیز جس کو فعل حرام کا ذریعہ بنایا جائے یا تو اس سے مقصود یہ حرام ہوگا یا یہ مقصود نہ ہوگا بلکہ اس سے مقصود نفس مباح ہوگا لیکن وہ کبھی حرام کا ذریعہ ہوسکتا ہے۔ شارع اس کو حسب امکان حرام کرتا ہے بشرطیکہ اس کے معارض کوئی راجح مصلحت نہ ہو جو اس کی حلت کا تقاضا کرتی ہو۔ محرمات کی طرف حیلوں سے ذریعہ بنانا حرام کا زیادہ حق دار ہے۔ اس کو بالاولیٰ باطل اور رائیگاں کرنا چاہیے۔ جب اس کے فاعل کا مقصد بھی معلوم ہو۔ ضروری ہے کہ اس کے فاعل کی اس پر مدد نہ کی جائے اس کے مقصد کے خلاف اس سے معاملہ کیا جائے اور اس پر اس کے مکر و تدبیر کو باطل کر دیا جائے۔

الحمدللہ یہ اس شخص کے لیے بیان کر دیا گیا ہے جس کو شرع اور اس کے مقاصد میں فہم اور فقہ حاصل ہو۔

شیخ الاسلام کہتے ہیں: حیلوں کو جائز کہنا سدّ الذرائع کے خلاف ہے اور یہ مخالفت ظاہر ہے۔ شارع حرام کا راستہ ہر ممکن طریقہ سے بند کرتا ہے۔ حیلہ اگر ہر ممکن طریقہ سے اس کی طرف راہ بناتا ہے۔ اس لیے شارع نے بیع صرف، نکاح وغیرہ میں ان شروط کا اعتبار کیا ہے، جن میں سے بعض زنا اور سود کی طرف راستہ بنانا بند کرتی ہیں۔ ان کے ساتھ عقود کے مقصود کو کامل کیا۔ حیلہ گر کے لیے ان سے نکلنا بظاہر ممکن نہیں کیا۔ وہ اس بات پر حیلہ کرتا ہے جس سے شارع نے منع کیا۔ پھر اس کے ساتھ ایک اور حیلہ لاتا ہے جو اس کے زعم میں خاص اس چیز تک جاتا ہے جس کی طرف شارع نے ذریعہ بند کیا ہوتا ہے۔ جو شروط وہ لاتا ہے اس کے لیے کوئی فائدہ اور حقیقت نہیں ہوتی بلکہ بمرتبہ کھیل اور تماشہ کے باقی رہتا ہے اور مقصود کی طرف بلا فائدہ راستہ لمبا ہوتا جاتا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، ج: ۳، ص: ۲۳؛ سنن ابن ماجہ، ج: ۲، ص: ۷۵۷، حدیث: ۲۲۵۳۔

کہتے ہیں: اس میں مثال کے طور پر آپ شفعہ کو لے لیجیے! شارع نے خریدار سے حصہ واپس لینا مباح کر دیا ہے۔ شارع مالک کی ملکیت سے کسی چیز کو قیمت وغیرہ کے ساتھ صرف راجح مصلحت پر ہی نکالتا ہے، یہاں مصلحت یہ ہے کہ شریک کی جگہ پوری ہو جائے۔ اس سے مشارکت اور مقاسمت کا ضرر ختم ہو جائے گا۔ اس تکمیل میں بائع کو کوئی نقصان بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد خریدار سے رقم لینا ہے۔ وہ شریک یا اجنبی ہو حیلہ اگر اس کو ساقط کر کے مقصود شارع کی مخالفت کرتا ہے۔ آپ ﷺ کے حکم کے الٹ کرتا ہے۔ شارع فرماتا ہے: اس کے لیے بیچنا جائز نہیں حتیٰ کہ وہ اپنے شریک کو بتا دے۔ وہ اگر چاہے تو لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔ حیلہ گر کہتا ہے: مختلف قسم کے حیلوں کے ساتھ تیرے لیے شریک کو روکنے کی اجازت ہے۔ جن کا ظاہر مکر وفریب ہے جبکہ باطن میں شریک کو اس چیز سے روکنا مقصود ہے، جو اس کے لیے شارع نے مباح کی ہے اور جس کا اسے اختیار دیا ہے یہاں پر مقصود شارع کو سرے سے ختم کرنا ہے۔

بڑی مصیبت یہ ہے کہ حیلہ گر یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نے وہ کام کیا ہے جس کی شارع نے اجازت دی ہے۔ اسے دھوکہ، فریب اور حیلہ کے ساتھ شریک کا حق ساقط کرنا مباح کیا ہے۔ غور کرنے والے کے لیے یہ واضح ہے۔ کہتے ہیں: مقصود حیلوں کی تحریم کا بیان ہے۔ ایسا کرنے والا اللہ کی ناراضگی اور اس کے دردناک عذاب کے سامنے آ رہا ہے۔ اس پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ حسب امکان لوگوں پر اس کے مقصود کی مخالفت کر رہا ہے۔ یہ ہر حیلہ میں اس کے حساب سے ہے۔ کوئی حیلہ درج ذیل باتوں سے خالی نہیں ہوتا یا ایک کی طرف سے ہوگا یا دو اور زائد کی طرف سے ہوگا۔ اگر دو یا زائد کی طرف سے ہو۔ وہ عقد بیع کا ہو جس پر وہ متفق ہوئے ہیں۔ وہ سود کا حیلہ کرتے ہیں جس طرح عینہ [1] میں ہوتا ہے تو دونوں عقدوں کے فساد کا حکم لگایا جائے گا۔ پہلے کی طرف اس کا راس المال لوٹایا جائے گا۔ جس طرح ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے۔ یہ سود والے عقد پر قبضہ کرنے کے مرتبہ میں ہوگا۔ اس سے نفع لینا حلال نہیں ہے۔ بلکہ اگر وہ باقی ہو اسے واپس کرنا ضروری ہے۔ اگر ختم ہونے والی چیز ہو تو اس کا بدل دینا ضروری ہے۔

اسی طرح اگر انہوں نے بیع اور قرض، اجارۃ اور قرض، مضاربت، شرکت، مساقاۃ یا مزارعت اور قرض کو جمع کیا۔ ان دونوں کے فساد کا حکم لگایا جائے گا۔ ضروری ہے کہ اس پر اس مال کا بدل لوٹایا جائے جسے ان دونوں نے قرض بنایا ہے۔ جبکہ دوسرا عقد فاسد ہے۔ اس کا حکم فاسد عقود والا ہوگا۔ اسی طرح اگر نکاح پر وہ دونوں متفق ہوئے ہوں اس کا حکم فاسد نکاحوں والا ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ دونوں زکوٰۃ کو ساقط کرنے کے لیے کسی بیع یا ہبہ پر متفق ہوئے ہوں یا نکاح فاسد یا وقف فاسد کی تصحیح کے لیے کسی ہبہ پر۔ مثلاً: ایک عورت اپنے غلام سے جماع کرانا چاہتی ہے۔ وہ اسے کسی آدمی کو ہبہ کر دیتی ہے۔ وہ اس عورت سے اس غلام کی شادی کر دیتا ہے۔ جب وہ اس غلام سے اپنی خواہش پوری کر لیتی ہے اس آدمی سے اس غلام کا ہبہ مانگتی ہے۔ وہ یہ غلام عورت کو ہبہ کر دیتا ہے لہٰذا: نکاح بھی فسخ ہو گیا تو تمام احکام میں یہ بیع اور ہبہ دونوں فاسد ہیں۔ پھر اگر حیلہ کرنا ایک آدمی کی طرف سے ہو۔ اگر حیلہ آئندہ زمانہ کا ہو جس سے اس کی غرض حاصل نہیں ہوئی۔ اگر وہ عقد ہو تو فاسد ہوگا۔ مثلاً آدمی اپنے بیٹے کو کوئی چیز ہبہ کرے جس میں رجوع کا ارادہ ہو تاکہ اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو تو اس ہبہ کا وجود عدم کی طرح ہے۔ ہبہ کے احکام میں سے اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔ لیکن

[1] مصباح اللغات ص ۵۸۹ میں اس بیع کی تعریف یوں ہے کہ کسی چیز اس کی اصلی قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار بیچنا۔ (مترجم)

اگر مقصود کو ظاہر کر دیا تو اس پر ظاہر اور باطن طور پر حکم لاگو ہوگا۔ گو کہ وہ صرف باطن میں ہی فاسد ہو۔

اگر حیلہ مستقبل کا نہیں۔ مثلاً (شادی سے) حلالہ کی نیت کرے۔ اس کو بیوی پر ظاہر نہ کرے یا عورت کو تکلیف دینے کے لیے رجوع کرے یا اپنے وارثوں کو تکلیف دینے کے لیے اپنا مال ہبہ کرے وغیرہ۔

تو ایسے آدمی کے لیے اور جس کو بھی اس کی غرض کا علم ہو اس کے لیے یہ عقد باطل ہوں گے۔ اس کے لیے عورت سے جماع حلال نہ ہوگا۔ اگر عورت مر جائے وہ اس کا وارث نہ ہوگا۔

جس کے لیے ہبہ کیا گیا اور جس کے لیے وصیت کی گئی ہے اگر اس کو اس کی باطل غرض کا علم ہو تو فی الواقع اس کو ملکیت حاصل نہیں ہوگی۔ نہ اس کے لیے اس سے نفع حاصل کرنا حلال ہوگا۔ بلکہ اسے اس کے مستحق تک لوٹانا لازم ہے۔

اگر عقد والا دوسرا شخص وہ ہے جس کو علم نہیں ہے تو پھر صحیح ہے۔ اس کو صحیح عقود کے مقصود کا فائدہ ہوگا۔ اس کی شریعت میں بہت سی مثالیں ہیں۔ اگر حیلہ اس کے حق میں اور اس کے خلاف ہو۔ مثلاً مریض کی طلاق ہے۔ یہ اس جہت سے طلاق درست ہے کہ اس نے اپنا اختیار ختم کیا ہے۔ جبکہ دوسری جہت سے درست نہیں کہ وہ وراثت سے روکنا چاہتا ہے۔ اس کو صرف قطع وراثت سے روکا جائے گا۔ شرم گاہ پر اپنا اختیار ختم کرنے سے نہ روکا جائے گا۔ اگر حیلہ ایسا فعل ہو جو اس کی غرض تک پہنچا دے۔ مثلاً: گرمیوں میں سفر کرلے تاکہ اس سے روزہ سردیوں تک متاخر ہو جائے۔ اس کی غرض حاصل نہ ہوگی بلکہ اس پر اس سفر میں روزہ لازم ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس کی ایک مثال مالکیہ کا یہ قول بھی ہے کہ جو آدمی صرف مسح کے لیے موزے پہن لے اس کے لیے مسح کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر مسح کرے گا تو جائز نہیں ہوگا۔ اس پر نماز کو دوبارہ پڑھنا لازم ہوگا۔ یہ رخصت تو اس کے حق میں ثابت ہے جو سردی، سفر وغیرہ حاجت کے لیے ان کو پہنے۔ وہ اتارنے کی مشقت کی وجہ سے ان پر مسح کرے گا۔ باقی فقہاء نے اس پر ان کی مخالفت کی ہے۔ جو لوگ مقاصد کو ملحوظ رکھتے ہیں ان کے مطابق منع برقرار ہے۔

ہمارے شیخ کہتے ہیں: اگر وہ کسی اور کا حق ساقط کرنے تک پہنچاتا ہو مثلاً آدمی اپنے باپ یا بیٹے کی بیوی سے جماع کرے تاکہ اس کا نکاح فسخ ہو جائے یا مثلاً عورت اپنے خاوند کے بیٹے یا باپ سے مباشرت کرے (یعنی ان لوگوں کے ہاں جو اسے تحریم کا موجب سمجھتے ہیں) تو یہ حیلے قتل یا غصب کے ساتھ کسی کی ملکیت ضائع کرنے کے مرتبہ میں ہیں ان کو باطل کرنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ اس سبب سے عورت کی حرمت اللہ کا حق ہے جس پر ضمناً فسخ نکاح لاگو ہوتا ہے۔ تحریم کے موجب افعال میں عقل کا اعتبار نہیں ہوتا چہ جائیکہ قصد کا ہو۔ یہ اس مرتبہ میں ہے کہ کوئی مائع کی نجاست پر حیلہ کرے۔ مائع چیزوں کے ملنے سے نجاست اور مباشرت سے سسرال کی حرمت یہ احکام امور حسیہ سے ثابت ہوتے ہیں۔ ان اسباب کی موجودگی میں بھی احکام ختم نہ ہوں گے۔

میں کہتا ہوں: یہ ہمارے شیخ کا قول پہلے تھا۔ پھر انہوں نے رجوع کرلیا کہ حرام مباشرت سے سسرال کی تحریم ثابت نہیں ہوتی۔ پھر اس کی صورت یہ ہوگی کہ آدمی کی بڑی بیٹی / بیوی یا اس کی لونڈی اس کی چھوٹی بیوی کو دودھ پلا دے تاکہ اس کا نکاح فسخ ہو جائے۔ یہاں پر فسخ نکاح عقل پر موقوف نہیں ہے نا قصد پر۔ بلکہ اگر دودھ پلانے والی مجنونہ بھی ہو تو تحریم ثابت ہوگی یہ اس مرتبہ میں ہے کہ وہ اپنے مائع میں وہ چیز ڈال رہا ہے جو اس کو نجس کر دے۔ کہتے ہیں: اگر حیلہ ایسے فعل کا ہو جو اس کے لیے یا کسی اور کے

لیے حلال کرنے کا موجب ہو۔ مثلاً آدمی کسی آدمی کو قتل کردے تا کہ اس کی بیوی سے شادی کرلے یا اس کی شادی کسی سے کروادے تو یہاں پر عورت اس کے لیے حلال ہوگی جس کے لیے شادی کا اس نے اپنے علاوہ قصد کیا۔ وہ عورت اس کے لیے اس مرتبہ میں ہے گویا اس کا خاوند فوت ہوگیا ہے یا حق میں قتل کیا گیا ہے یا فی سبیل اللہ شہید ہوگیا ہے۔ رہا اس شخص کی نسبت سے جس نے قتل عورت سے شادی کے لیے کیا ہے اس میں عورت کی موافقت ہے یا نہیں ہے تو بعض صورتوں میں اس کی مشابہت یوں ہے کہ کوئی شراب کا سرکہ بنائے اس کی جگہ سے منتقل کر کے اس میں کوئی چیز نہ پھینکے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ طاہر نہ ہوگی۔ گو کہ اللہ کے حکم کی مخالفت میں طاہر ہوگی۔ اگر اس نے اس کو اس مقصد سے قتل کیا ممکن ہے کہ کہا جائے یہ اس پر حرام ہوگی جبکہ دوسرے پر حلال ہوگی۔

اس کی مثال یہ بھی ہے کہ اگر حلال آدمی محرم کے لیے شکار کرے اور ذبح کرے تو یہ حلال پر حلال ہے جبکہ محرم پر حرام ہے۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ قاتل کو وراثت سے محروم کیا جائے گا۔ لیکن دیگر وارثوں کو محروم نہ کیا جائے گا۔ جبکہ آدمی کا مال ہی وہ چیز ہے جس پر وارثوں کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں تو قتل کا مقصد مال ہوسکتا ہے برخلاف بیوی کے۔ اس میں یہ مقصد نہیں بھی ہوسکتا۔ آدمی کا کسی کی بیوی پر نگاہ رکھنا وارث کے اپنے مورث کے مال پر نگاہ کی نسبت کم تر ہے۔ وہ اس کے خاوند کو اس سے شادی کرنے کے لیے قتل کرے یہ بہت کم ہوتا ہے۔ اسی لیے مشروع نہ کیا کہ جس نے کسی آدمی کو قتل کیا اس پر اس کی بیوی حرام ہوگی جس طرح وارث کو مورث کے قتل پر وراثت سے محروم کردیا۔ لیکن اگر قتل کا مقصد اس سے شادی ہو تو پھر یہ حکمت پائی گئی۔ اس کے مقصد کے خلاف اس کو سزا دی جائے گی (یعنی وہ اس سے شادی نہیں کرسکتا۔ مترجم)

اس کے رد میں اکثر کہا جاتا ہے کہ جو افعال اللہ پاک کے حق کے لیے حرام کیے گئے ہیں وہ حلت کا فائدہ نہیں دیتے جیسے شکار کا ذبح، شراب کا سرکہ، حلال ہونے کی جگہ کے علاوہ ذبح کرنا۔ لیکن جو آدمی کے حق کے لیے حرام کیا گیا ہو جیسے غصب کیے گئے جانور کا ذبح تو یہ حلت کا فائدہ دیتا ہے، یا کہا جائے گا کہ فعل مشروع میں ثبوت حکم کے لیے شرط ہوگی کہ وہ مشروع طور پر واقع ہوا ہو جیسے ذبح۔ قتل عورت کو حلال کرنے کے لیے مشروع نہیں کیا گیا۔ نکاح تو ختم ہوتا ہے موت/عمر ختم ہوجانے کی وجہ سے تو ضمناً اور تبعاً اس میں حلت حاصل ہوگئی۔

اس کے جواب میں یہ بھی کہنا ممکن ہے کہ آدمی کا قتل اللہ تعالیٰ کے حق اور آدمی کے حق کے لیے حرام کیا گیا ہے۔ اسی لیے اسے اجازت کے بغیر مباح نہ کیا جاسکے گا۔ برخلاف غصب کیے گئے جانور کے ذبح کے۔ وہ محض آدمی کے حق کے لیے حرام کیا گیا ہے۔ اگر وہ اسے مباح کردے حلال ہوجائے گا۔ یہاں پر حرام کرنے والی چیز مالک کا مال چھیننا ہے۔ جانور کی روح ختم کرنا حرام نہیں ہے۔ غصب کیے گئے آلہ کے ساتھ ذبح میں اختلاف ہے۔ امام احمد سے اس متعلق دو روایات ہیں۔ غصب کیے گئے جانور کے ذبح میں بھی علماء کا اختلاف ہے امام احمد کی اس بات پر نص ہے کہ وہ پاک ہے۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث ''لوٹی گئی بکری کے ذبح''[1] کے متعلق آتی ہے۔ دوسری اس عورت کی حدیث ہے جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کی۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] دیکھیے: صحیح بخاری، ج: ۳، ص: ۲۲۷؛ سنن نسائی، ج: ٤، ص: ١٤٠۔ اس میں اس بھاگے ہوئے جانور کا ذکر ہے جو پکڑا نہ جائے اور کوئی آدمی اس کو کوشش کر کے مار دے۔ (مترجم)

کے لیے بکری ذبح کی جو اس نے اس کے مالکوں کی اجازت کے بغیر پکڑی تھی۔ فرمایا: ''تم یہ قیدیوں کو کھلا دو۔''[1]

اس میں دلیل ہے کہ بلا اجازت پکڑا گیا جانور جس کے لیے ذبح کیا گیا ہو اس کے بجائے وہ دوسروں کے لیے کھانا حلال ہے۔ مثلاً شکار ہے جب حلال نے محرم کے لیے پکڑا وہ حلال کے بجائے محرم پر حرام ہوگا۔

صالح نے اپنے والد سے اس آدمی کے متعلق نقل کیا ہے جس نے بکری چوری کی اس کو ذبح کیا؟ فرمایا: اس کے لیے اسے کھانا حلال نہیں ہے۔ میں نے اپنے والد سے کہا: اگر وہ اس کے مالک پر لوٹا دے؟ فرمایا: کھائی جاسکتی ہے۔

اس روایت سے یہ بات لی جاسکتی ہے کہ وہ ذبح کنندہ پر مطلقاً حرام ہے کیونکہ امام احمد کا اگر مقصود تحریم سے یہ ہوتا کہ مالک نے اس کو کھانے کی اجازت نہیں دی تو ذبح کنندہ کو تحریم کے ساتھ خاص نہ کرتے۔

یہ قول جس پر حدیث دلالت کر رہی ہے درحقیقت اس طرح کی عورت کی قاتل پر تحریم کے لیے حجت ہے۔ تاکہ بطریق اولیٰ اس سے دوسرا شادی کر سکے۔

یہ سب ہمارے شیخ کا کلام ہے۔

بہرحال! امام احمد اور مالک کے قواعد پر متعدد وجوہ سے تحریم کو دیکھا جائے گا، ایک قاعدہ ہے: فاعل کا مقابلہ اس کے قصد کے خلاف کرنا، جیسے بھاگنے والے کی طلاق، مورث کا قاتل، وصیت کنندہ کا قاتل اور مدبر[2] اگر اپنے مالک کو قتل کر دے۔

اسی سے سدّ الذرائع بھی ہے۔

اسی سے حیلوں کو حرام کرنا ہے۔

اسی سے شراب کا سرکہ بنانا ہے۔ جیسا کہ ہمارے شیخ نے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اقوال میں ثبوت احکام کے لیے عقل شرط ہے اور ان میں مقصد معتبر ہے۔ یہ کبھی صحیح ہوتے ہیں اور کبھی فاسد۔

پھر جو حکم ثابت ہوتے ہیں ان میں سے کسی کا وقوع کے بغیر فسخ اور رفع ممکن ہوتا ہے جیسے بیع اور نکاح۔ جبکہ بعض میں ممکن نہیں ہوتا جیسے آزادی اور طلاق۔ یہ جو قسم ہے اگر اس میں حرام کام کے کرنے پر حیلہ کیا جائے یا کسی فریضہ کو ساقط کرنے پر۔ اس کا ابطال ممکن ہے یا تمام وجوہ سے یا اس ایک وجہ سے جو حیلہ گر کے مقصود کو باطل کر دے وہ اس انداز سے کہ اس کے حصول پر حیلہ گر کا حکم لاگو نہ ہو سکے جیسا کہ صحابہ نے یہ فیصلہ بھاگنے والی کی طلاق کے متعلق کیا۔

رہے افعال: اگر حیلہ گر اپنے لیے رخصت ڈھونڈھے وہ اس کو نہ ملے گی جیسے نماز قصر یا روزہ چھوڑنے کے لیے سفر۔ اگر اس کا تقاضا دوسرے پر حرام کا ہو کبھی واقع ہو جاتی ہے اور یہ بمرتبہ اتلاف جان اور مال کے ہوگی۔ اگر اس کا تقاضا عام حلت کا ہو یا ذاتی طور پر یا بواسطہ زوال ملک، تو یہ قتل کا مسئلہ، حلال کے لیے ذبح شکار کا مسئلہ اور غاصب کے لیے غصب کیے گئے جانور کے ذبح کا مسئلہ ہے۔ بہرحال! اگر فعل سے مقصود کسی حرام کی گئی چیز کو حلال بنانا ہو وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔ اگر مقصد دوسرے کی ملکیت کا

---

[1] واقعہ کے لیے دیکھیے: سنن ابی داود، ج: ۳، ص: ۶۲۷، حدیث: ۳۳۲؛ مسند امام احمد، ج: ۳، ص: ۳۵۱۔

[2] مدبر وہ غلام ہے جسے مالک کہہ دے کہ تو میرے مرنے پر آزاد ہو جائے گا۔ (مترجم)

ازالہ ہوتا کہ اس کے لیے حلال ہو جائے تو قریب ترین قیاس یہ ہے کہ وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی۔ گو وہ کسی اور کے لیے حلال ہو جائے گی۔

پہلی قسم میں مرتد ہو کر عورت کا فسخ نکاح کے لیے حیلہ داخل ہے۔ وہ غالباً اس سے آگے نہ جائے گی۔ ہاں اس شخص کے ہاں جو کہتا ہے کہ علیحدگی صرف ارتداد سے ہو جائے گی یا کہتا ہے کہ عورت قتل نہ کی جائے تو اس طرح کے حیلہ میں ضروری ہے کہ اس طرح نکاح فسخ نہ ہوگا۔ جب حاکم کو معلوم ہو جائے کہ یہ اس لیے مرتد ہوئی تھی وہ ان کے درمیان علیحدگی نہ کروائے گا۔ لیکن وہ سزا اور قتل کی رو سے مرتد ہوگی۔ خرابی نکاح کی رو سے وہ مرتد نہ ہوگی۔ اگر وہ رجوع سے پہلے مر جائے گی مرد اس کی وراثت کا حق دار ہوگا۔ لیکن بحالت ارتداد اس کے لیے اس عورت سے جماع جائز نہ ہوگا۔ بیوی سے جماع چند اسباب کی وجہ سے بھی حرام ہو جاتا ہے۔ ان میں سے، مثلاً اگر وہ احرام والی ہوگئی۔ لیکن اگر ثابت ہو گیا کہ یہ مرتد ہوئی پھر کہنے لگی کہ وہ مرتد صرف فسخ نکاح کے لیے ہوئی تھی، یہ قبول نہیں کہ اس کو ہر مرتدہ کے نکاح کی طرف لوٹنے کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے کہ وہ اقرار کر لے کہ وہ صرف نسخ کے لیے مرتد ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں اس پر شبہ رہے گا اور وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اصل میں تمام احکام میں مرتدہ ہے۔

فصل: حیلوں کا بطلان

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حیلوں کے بطلان پر آپ ﷺ کے اس فرمان سے دلیل لی ہے

«لَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ»[1]

''زکوٰۃ کے ڈر سے اکٹھے (جانوروں) کو الگ نہ کیا جائے اور الگ کو اکٹھا نہ کیا جائے''

یہ ممانعت سال سے پہلے بھی ہے اور بعد میں بھی ہے۔

انہوں نے نبی ﷺ کے طاعون کے متعلق اس فرمان سے بھی دلیل لی ہے:

«اِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِنْهُ»[2]

''جب یہ کسی زمین پر واقع ہو اور تم وہاں پر ہو تو تم وہاں سے فرار ہوتے ہوئے نہ نکلو۔''

یہ ان کی دقت فہم ہے کہ جب آپ ﷺ نے بندے پر اللہ کا فیصلہ اترنے پر بھاگنے کی ممانعت کی ہے کہ وہ اللہ کے فیصلے پر راضی ہو۔ اس کے حکم کو تسلیم کرے تو بندے پر اس کے دین اور امر کی بات میں فرار کیسے درست ہو سکتا ہے؟

آپ ﷺ نے

«نَهٰى عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ لِيُمْنَعَ بِهِ الْكَلَاءُ»[3]

''یعنی بچے ہوئے پانی کی بیع سے منع کیا تاکہ اس سے گھاس (نہ) روکی جائے۔''

---

[1] صحیح بخاری، ج: ۲، ص: ۱۲۲؛ سنن نسائی، ج: ۵، ص: ۲۹۔

[2] صحیح بخاری، ج: ۷، ص: ۲۰؛ صحیح مسلم، ج: ٤، ص: ۱۷۳۷، حدیث: ۹۲/ ۱۰۰۔

[3] دیکھیے: صحیح بخاری ج ۸ ص ٦٤۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ گو چیز فی نفسہ حرام نہ ہوا گر اس سے مقصود حرام ہو تو وہ بھی حرام ہو جاتی ہے۔

امام احمد نے حیلوں کے بطلان اور ان کی تحریم پر رسول اللہ ﷺ کی حلالہ کرنے والے پر لعنت سے دلیل لی ہے اور آپ کے اس فرمان سے بھی کہ ''تم اس چیز کے مرتکب نہ بنو جس کے یہود و نصاریٰ مرتکب ہوئے پس تم اللہ تعالیٰ کے محارم کو ادنیٰ حیلوں سے حلال بنالو گے۔''[1]

شفعہ ساقط کرنے کے لیے حیلہ کے بطلان پر انہوں نے آپ ﷺ کے اس فرمان سے دلیل لی ہے۔

«فَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَبِيعَ حَتَّى يُؤْذِنَ شَرِيكَهُ»[2]

''اس کے لیے بیچنا حلال نہیں حتیٰ کہ وہ اپنے شرک کو بتادے''

حضرت ابن عباس اور ان کے بعد ایوب سختیانی وغیرہ سلف نے حیلہ بازی کی تحریم پر دلیل بیان کی ہے کہ حیلے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ ﴾ (البقرۃ:۹)

''وہ اللہ کو اور مومنوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں جبکہ دھوکہ صرف اپنے نفسوں کو دیتے ہیں۔''

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: جو اللہ کو دھوکہ دیتا ہے وہ اسے دھوکے میں ڈالتا ہے۔

بلاشبہ جو قرآن و سنت اور ان کے مقاصد پر غور کرے وہ حیلوں کی تحریم اور ان کے بطلان پر قطعی حکم لگائے گا۔ قرآن اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مقاصد اور نیات تصرفات اور عادات میں معتبر ہیں جیسا کہ یہ نیکیوں اور عبادات میں معتبر ہیں۔ یہی چیزوں کو حرام یا حلال۔ صحیح یا فاسد۔ ایک وجہ سے صحیح اور ایک وجہ سے فاسد بناتی ہیں۔ جیسا کہ عبادات میں قصد اور نیت کا بھی یہی کام ہے۔

کتاب و سنت میں اس قاعدہ کے لیے بہت زیادہ شواہد ہیں۔

مثلاً رجوع والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ ﴾ (البقرۃ:۲۳۱)

''اور تم ان کو تکلیف دینے کے لیے نہ روکو تاکہ تم زیادتی کرو۔''

یہ اس بات پر نص ہے کہ رجوع صرف اس کے لیے ثابت ہے جس کا مقصد اصلاح ہے نہ کہ ضرر۔ اگر وہ ضرر کو مقصد بنائے تو اللہ تعالیٰ اس کو رجوع کا اختیار نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے آیت خلع میں فرمایا:

﴿ بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ ﴾ (البقرۃ:۲۲۹)

''اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں اگر زن و شوہر کو خوف ہو کہ وہ خدا کی

[1] مسند امام احمد، ج:۲،ص: ۴۶۳۔ [2] صحیح مسلم، ج:۳،ص: ۲۲۹ حدیث: ۱۶۰۸/۱۳۳۔

حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو اگر عورت (خاوند کے ہاتھ سے) رہائی پانے کے بدلے میں کچھ دے ڈالے تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے۔''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس خلع کی اجازت دی گئی ہے وہ صرف یہ ہے کہ جب زوجین کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ نکاح ثانی کی اجازت بھی صرف اس وقت ہے جب وہ دونوں گمان کریں کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔ خلع میں شرط ہے کہ اگر عدم اقامت حدود اللہ کا ڈر ہو۔ جبکہ لوٹنے میں بھی شرط اس کی حدود کو قائم رکھنے کا گمان ہے۔

آیت فرائض میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ﴾ (النساء:١٢)

''وصیت کے بعد جو وصیت کی جاتی ہے یا قرض ہے نہ تکلیف دینے والا۔''

اللہ پاک نے میراث پر بندے کی وصیت کو مقدم رکھا ہے جو کہ سے وارثوں کو تکلیف نہ دے۔ اگر وصیت تکلیف والی ہو وہ حرام ہے۔ وارث کو اسے باطل کرنے کا اختیار ہے۔ اس کی تاکید اللہ پاک نے اپنے اس فرمان سے کی ہے:

﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا﴾ (البقرۃ:٢٢٩)

''یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ پس تم ان حدوں سے آگے نہ بڑھو۔''

تم غور کرو کہ اللہ پاک نے کس طرح اس آیت میں تکلیف کا ذکر کیا ہے اس سے پچھلی میں نہیں کیا۔ کیونکہ پہلی اپنے اندر باپ اور بیٹے کی وراثت کو لیے ہوئے ہے۔ جبکہ دوسری اطراف یعنی زوجین اور بھائیوں کی وراثت کو۔ رواج یہ ہے کہ مرنے والا اپنی بیوی اور بھائیوں کو تو وراثت میں تکلیف دیتا ہے لیکن وہ اپنے والدین اور اولاد کو تکلیف نہیں دینا چاہتا۔

تکلیف دینا دو طرح ہے: مائل جو ما اور گناہ ہونا۔ اگر تکلیف کا قصد کرے تو گناہ ہے۔ کبھی تکلیف بغیر قصد بھی ہوتی ہے یہی جنف / مائل ہونا ہے۔ جس نے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی وہ تکلیف دینے والا ہے۔ قصد کرے یا نہ کرے۔ وارث کو اس وصیت کے رد کا اختیار ہے۔ اگر وصیت تہائی یا کم کی کرے معلوم نہ ہو کہ اس کا مقصد تکلیف دینا ہے۔ اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اگر وصیت کردہ کو معلوم ہو کہ وصیت کنندہ نے ضرر کے لیے وصیت کی ہے اس کے لیے کچھ لینا جائز نہیں ہے۔ اگر وصیت کنندہ اعتراف کرے کہ اس نے ضرر کے لیے وصیت کی ہے اس کی اس وصیت کو پورا کرنے پر اس کی اعانت جائز نہیں ہے اور اللہ پاک نے جنف اور گناہ کی وصیت کو باطل کرنا جائز کیا ہے کہ وصی وارثوں اور وصیت کردہ کے مابین اصلاح کرادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ﴾ (البقرۃ:١٨٢)

''تو جو ڈرا وصیت کرنے والے سے مائل ہونے سے یا گناہ سے پس اس نے ان کے درمیان اصلاح کی تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔''

اسی طرح اگر فیصلہ کرنے والے وصی کے لیے بندے کی طرف سے جنف یا گناہ، وقف اس کے مصرف یا اس کی بعض شروط میں ظاہر ہو۔ وہ اس کو باطل کردے وہ مصلح ہے۔ مفسد نہیں ہے اس کو اجازت نہیں کہ وقف کنندہ کے لیے جنف اور اثم پر مددگار ہو، نہ وہ اس شرط کو صحیح کرے گا۔ نہ اس کا فیصلہ کرے گا۔ شارع نے اس کو رد کیا ہے اور اس کو باطل کیا ہے۔ آدمی کو اجازت نہیں کہ جس چیز کو

شارع نے رد کیا ہے اور جسے حرام کیا ہے وہ اسے درست کرے۔ یہ شریعت کی مخالفت اور اس سے تضاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ (النساء:۱۹)

''اور نہ تم ان کو نہ روکو تا کہ تم بعض وہ چیز لے جاؤ جو تم نے ان کو دی ہے الا یہ کہ وہ واضح بے حیائی کو آئیں۔''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگر وہ عورت کو روکے تا کہ وہ اپنے چھٹکارے کے لیے اس کو کچھ فدیہ دے۔ وہ اس پر اس طریقے سے ظلم کرنے والا ہے۔ جو عورت نے اس کے لیے خرچ کیا ہے اس کے لیے لینا جائز نہیں اور نہ وہ اس کا مالک ہوگا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا﴾ (النساء:۱۹)

''اے مومنو! تمہارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی سے وارث بن جاؤ اور نہ تم ان کو روکو تا کہ تم بعض وہ چیز لے جاؤ جو تم نے ان کو دی ہے۔''

اللہ پاک نے مرد کے لیے عورت کو دی ہوئی کوئی چیز لینا حرام کر دیا۔ اگر وہ روکنے کو اس کا ذریعہ بنا رکھے۔ کھجوروں سے پھل کسی بھی وقت اتار لینا مالک کے لیے ایک مباح کام ہے۔ لیکن اگر مالکوں کا ارادہ رات کو اس لیے ہو کہ فقراء کو محروم کریں، تو اللہ نے ان کو اس (باغ) کی تباہی کی سزا دی۔ پھر فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ (القلم:۳۳)

''اسی طرح عذاب ہے اور ضرور آخرت کا عذاب بڑا ہے اگر یہ جانتے ہوں۔''

پھر حدیث میں بھی رات کو پھل اتارنے کی ممانعت آئی ہے۔ کیونکہ یہ اس خرابی کا ذریعہ ہے۔ اس پر امام احمد وغیرہ ایک سے زائد ائمہ نے نص بیان کی ہے۔

فصل: اصحاب حیل کے دلائل [1]

اصحاب حیل کہتے ہیں: تم نے حیلوں کے بطلان اور ان کی تحریم پر ہمیں وہ دلائل سنائے ہیں جن میں کفایت ہے۔ اب تم ان کے جواز اور استحباب پر دلائل سنو جن سے ہم اپنا عذر قائم کر سکتے ہیں۔

مثلاً: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۙ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ۙ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا﴾ (النساء:۹۷۔۹۹)

''بے شک جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم

[1] یہاں پر اصل کتاب میں فصل نہیں ہے۔ الگ موضوع ہونے اور زیادہ استفادہ کی غرض سے ہم نے یہاں فصل کا عنوان قائم کیا ہے۔ (مترجم)

کس حال میں تھے۔ وہ کہتے ہیں: ہم ملک میں عاجز و ناتوان تھے۔ فرشتے کہتے ہیں: کیا خدا کا ملک فراخ نہیں تھا کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ ہاں جو مرد اور عورتیں اور بچے بے بس ہیں کہ نہ تو کوئی چارہ کر سکتے ہیں اور نہ رستہ جانتے ہیں۔ قریب ہے کہ خدا ایسوں کو معاف کر دے اور خدا معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔''

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس ذات پاک و بلند نے ان پر ان کے پیچھے رہنے اور ان کی عاجزی پر اعتراض لگایا ہے۔ انہوں نے وہ حیلہ کیوں نہ پایا جس کے ذریعہ سے وہ کفار کے مابین ٹھہرنے سے چھٹکارا پاتے۔ وہاں رہنا حرام تھا۔ معلوم ہوا کہ جو حیلہ حرام سے چھٹکارا دیتا ہو اس کی اجازت ہے اور وہ مستحب ہے۔ اکثر حیلے جن کا تم ہم پر اعتراض کرتے ہو وہ اسی باب سے ہیں۔ یہ وہ حیلے ہیں جو حرام سے نجات دلاتے ہیں۔ اسی لیے کسی صاحب نے اس موضوع پر اپنی کتاب لکھی تو نام رکھا "المخارج من الحرام والتخلص من الآثام" یعنی حرام سے نکلنے کے راستے اور گناہوں سے چھٹکارا۔ اس میں حیلہ [1] عینہ کا اعتبار کیا ہے۔ یہ حرام سود سے نجات دیتا ہے۔ اسی طرح اجارۃ اور مساقاۃ کو جمع کرنا۔ پھل کو اس کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے کی بیع سے چھٹکارا دیتا ہے جو کہ حرام ہے۔

قسم کا خلع طلاق کے وقوع سے چھٹکارا دیتا ہے جو کہ حرام ہے یا مکروہ ہے یا عورت پر قسم توڑنے کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے جو حرام ہے۔

آدمی اگر اپنا مال سال سے پہلے اپنے بیٹے یا عورت کو ہبہ کر دے یہ اسے منع زکوٰۃ کے گناہ سے بچائے گا۔ جیسا کہ اس کے اخراج کے منع کے گناہ سے بھی بچاتا ہے۔ یہ دونوں راستے چھٹکارے کے ہیں۔

حیلے حرج سے اور گناہ سے چھٹکارا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے اور ہمارے دین سے حرج کی نفی کی ہے۔ اس سے اور گناہوں سے چھٹکارا مندوب بتایا ہے۔ ان چیزوں کی معرفت افضل کام ہے جو ہم کو ان دونوں سے بچائیں اس کی تعلیم دیں اور اس طرف راستہ کھولیں۔

تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر ایک آدمی طلاق کی اس طرح قسم کھالے کہ وہ ضرور اپنے باپ کو قتل کرے گا یا ضرور شراب پیے گا یا ضرور کسی عورت سے زنا کرے گا وغیرہ یہاں پر حیلہ کی ضرورت ہے جو اس کو ایسا کرنے کی خرابی سے بچائے، اس کے گھر کی بربادی اور بیوی سے علیحدگی کی خرابی سے بچائے۔ جن کے خیال میں حیلہ درست نہیں ان کے ہاں اس سے نکلنے کا راستہ صرف طلاق ہے۔ جب اسے معلوم ہوگا کہ طلاق واقع ہو کر ہی یہ بات ختم ہوگی تو وہ اس قسم کو پورا کرے گا۔ اب یہاں پر چھٹکارے کے لیے یہ بہتر ہے یا یہ؟

جس عورت پر تین طلاقیں واقع ہو چکیں۔ خاوند اس عورت سے الگ نہیں رہ سکتا۔ کسی اور کی بیوی بننا اس کے لیے موت سے بھی شدید ہے۔ ہم نے ایسے آدمی کے لیے حیلہ کیا کہ عورت کی شادی ایک غلام سے کرا دی۔ اس نے اس سے جماع کیا پھر ہم نے

---

[1] کسی چیز کو اس کی اصل قیمت سے زیادہ پر ادھار بیچنا بیع عینہ ہے۔ (مترجم)

عورت سے اس کو ہبہ کیا تو اس کا نکاح فسخ ہو گیا۔ وہ عورت عدت پوری ہونے کے بعد اپنے خاوند کے لیے حلال ہو گئی۔

کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ حضرت ایوب کو فرمایا: وہ قسم کھا چکے تھے کہ وہ ضرور اپنی عورت کو سو چھڑیاں ماریں گے۔

﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ﴾ (ص:٤٤)

''اور اپنے ہاتھ میں جھاڑ و لو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔''[1]

سعید نے قتادہ سے بیان کیا ہے کہ ان کی عورت نے ان پر کوئی بات پیش کی۔ ابلیس نے اس سے کسی چیز کا ارادہ کیا تھا۔ اس نے اس کو کہا: اگر تو یہ یہ کلمہ بولے؟ عورت کو اس بات پر بھوک نے ابھارا تھا۔ اللہ کے نبی ﷺ نے قسم کھائی کہ اگر اللہ انہیں شفا دے تو وہ ضرور اس کو سو چھڑیاں ماریں گے کہتے ہیں: ان کو ایک جڑ پکڑنے کا حکم دیا گیا جس میں ننانوے ٹہنیاں تھیں۔ اس جڑ کے تنے سے سو مکمل ہوتی تھیں۔ وہ اس سے ایک ضرب مارنے لگے اللہ نے اپنے نبی کو بری کر دیا اور اپنی بندی سے تخفیف کر دی۔

عبدالرحمن بن جبیر کہتے ہیں: ابلیس اس کو ملا۔ اس کو کہا: اگر تیرا خاوند ایک کلمہ کہے تو اس سے ہر تکلیف ضرور دور ہو گی اور اس کی طرف اس کی اولاد اور مال ضرور لوٹ آئے گا۔ عورت نے حضرت ایوب کو خبر دی۔ فرمایا: تجھ پر افسوس یہ اللہ کا دشمن ہے۔ تمہاری مثال تو زانیہ عورت کی طرح ہے جب اس کے پاس اس کا دوست کوئی چیز لائے وہ اسے قبول کرتی ہے اور اندر بٹھاتی ہے اور اگر کوئی چیز نہ لائے وہ اسے رد کرتی ہے اور اس پر دروازہ بند کر دیتی ہے۔ جب اللہ نے ہم کو مال و اولاد عطا کیے ہم ایمان لائے اور اگر وہ اپنا دیا ہوا ہم سے لے لے کیا ہم اس کے ساتھ کفر کریں گے؟ اگر اللہ مجھے میری بیماری سے اٹھا دے تو میں تجھے ضرور سو چھڑیاں ماروں گا اللہ پاک نے اس کو فتویٰ دیا جس کی خبر بھی دی ہے کہ وہ ایک جھاڑو لے۔ یہ ہر چیز کے گٹھے کو کہتے ہیں جیسے باریک نرم، تر شاخیں اور ٹہنیاں وغیرہ۔ جو ایک تنے پر قائم ہو۔ وہ اس سے ایک ضرب مارنے لگے۔

یہ اس ذات پاک کی طرف سے اپنے بندوں کو تعلیم ہے۔ تاکہ وہ گناہوں سے بچ جائیں اور آسان تر چیز کے ساتھ حرج سے نکل آئیں۔ حیلوں کے باب میں یہ ہماری اصل ہے۔ ہم نے اس پر قیاس کیا ہے اور اس کو اصل یعنی بنیاد بنایا ہے۔

کہتے ہیں: نبی ﷺ نے صریح سود سے چھٹکارا پانے کے لیے راہنمائی فرمائی ہے کہ آدمی کھجوریں دراہم کے بدلے بیچے پھر ان دراہم سے کھجوریں خرید لے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اپنی روایت میں فرماتے ہیں:

«جَاءَ بِلَالٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ - بِتَمْرٍ بَرْنِيٍّ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: مِنْ أَيْنَ هٰذَا؟ قَالَ: كَانَ عِنْدَنَا تَمْرٌ رَدِيْءٌ، فَبِعْتُ مِنْهُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ لِنُطْعِمَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ - عِنْدَ ذٰلِكَ: أَوَّهْ عَيْنُ الرِّبَا، لَا تَفْعَلْ، وَلٰكِنْ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَشْتَرِيَ فَبِعِ التَّمْرَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ اشْتَرِ بِهِ»

---

[1] حافظ ابن کثیر نے اس واقعہ کو تفسیر (، ج:٦، ص:٦٨، ٦٩) میں بیان کیا ہے اس میں ہے کہ.......... اس کی خدمت کی جزاء ضرب تو نہ تھی۔ اس لیے اس پر شفقت اور احسان کیا گیا کہ وہ ایک جھاڑو لے لیں اس سے عورت کو ماریں۔ بعض فقہاء نے قسموں میں اس آیت کے مقتضاء سے مسئلہ اخذ کیا ہے۔ قاسمی نے اپنی تفسیر میں کہتے ہیں: اس قسم کے متعلق لوگوں نے کئی روایات بیان کی ہیں جن میں سے بیشتر صحیح نہیں۔ یہ تو ایک آسان طریقہ اور رخصت تھی جس کے ذریعہ سے وہ حرج سے نکل سکیں اور خدمت والی عورت پر شفقت ہو۔ سیوطی اکلیل میں کہتے ہیں:.......... اکثر فقہاء کا خیال ہے کہ یہ واقعہ حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ عام لوگوں کو اس سے مسئلہ اخذ کرنے کی اجازت نہیں ہے جبکہ بعض نے اجازت دی ہے۔ (عفیفی)

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس برنی ① کھجور لائے۔ نبی ﷺ نے ان کوفرمایا: یہ کہاں سے ہے؟ کہا: ہمارے پاس ردی کھجور تھی۔ ہم نے اس کے دو صاع ایک صاع کے بدلے بیچے۔ تاکہ ہم نبی ﷺ کو کھلائیں۔ اس وقت نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: آ گاہ رہو یہ عین سود ہے۔ ایسا نہ کرو، لیکن اگر تم خریدنا چاہو تو کھجوروں کو دراہم کے بدلے فروخت کرو پھر اس کے بدلے میں خریدو'' ② (متفق عليه)

دیگر لفظ ہیں......

«بِعْ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ اشْتَرِ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا» ③

''جمع کو دراہم کے بدلے بیچو پھر دراہم کے ساتھ جنیب خردو۔''

جمع اور جنیب دونوں کھجور کی قسمیں ہیں۔

مسلم کے الفاظ ہیں:

«بِعْهُ بِسِلْعَةٍ، ثُمَّ ابْتَعْ بِسِلْعَتِكَ أَيَّ التَّمْرِ شِئْتَ» ④

''ان کو سامان کے بدلے بیچو پھر تم اپنے سامان کے ساتھ جیسی کھجور چاہو خریدو۔''

آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وہ کھجوروں کو دراہم یا سامان کے عوض بیچے پھر ان کے ساتھ دیگر کھجور خریدے۔ یہ ایک گونہ حیلہ ہے۔ آپ ﷺ نے یہ معاملہ جس سے وہ بندہ کھجور خریدتا ہے اسی کو یا کسی اور کو بیچنے میں فرق نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ ﴾ (البقرة:٢٨٢)

''الا یہ کہ تجارت حاضر ہو جس کا تم آپس میں لین دین کرتے ہو۔''

یہ عینہ وغیرہ اس کے مشابہ حیلہ کی راہنمائی ہے۔ دو عقد کرنے والوں کے مابین سامان گھوم رہا ہے تاکہ سود سے چھٹکارا ملے۔

کہتے ہیں: سنت میں اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی کے لیے اشارات کے ساتھ اس بات سے چھٹکارا پانے کی اجازت ہے جس میں گناہ ہو یا اس کا خوف ہو۔ یہ اقوال میں حیلہ ہے۔ جیسے گزشتہ حیلہ اعمال میں تھا۔

بروایت قیس بن ربیع، سلیمان التیمی، ابو عثمان النھدی حضرت عمر بن الخطاب سے مروی ہے۔ فرمایا: بے شک کلام کے اشاروں میں وہ ہے جو آدمی کو جھوٹ سے غنی کرتا ہے۔

حکم نے بواسطہ مجاہد حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے: کلام کے اشارات کے بدلے میں مجھے سرخ اونٹوں کی بھی خوشی نہیں ہے۔

زہری حمید بن عبد الرحمٰن بن عوف سے وہ اپنی والدہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابو معیط سے بیان کرتے ہیں۔ وہ اول مہاجرات

---

① یہ کھجور کی ایک عمدہ قسم ہے۔ (مترجم)

② صحيح بخاری، ج: ٣، ص: ٦٥ اور دیکھیے: سنن نسائی، ج: ٧، ص: ٢٧٢۔

③ صحيح بخاری، ج: ٣، ص: ٣٤؛ صحيح مسلم، ج: ٣، ص: ١٢١٤، حديث: ٩٣۔

④ صحيح مسلم، ج: ٣، ص: ١٢١٥، حديث: ٩٥۔

میں سے تھیں:

«لَمْ أَسْمَعْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يُرَخِّصُ فِيْ شَيْئٍ مِمَّا يَقُوْلُ النَّاسُ إِنَّهُ كَذِبٌ إِلَّا فِيْ ثَلَاثٍ: اَلرَّجُلُ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ، وَالرَّجُلُ يَكْذِبُ لِامْرَأَتِهِ، وَالْكَذِبُ فِي الْحَرْبِ»[1]

جس کو لوگ جھوٹ کہتے ہیں۔ میں نے نہیں سنا کہ رسول اللہ ﷺ اس کی کچھ رخصت دیتے ہوں سوائے تین باتوں کے آدمی لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے، آدمی جو اپنی عورت کے لیے جھوٹ بولتا ہے اور جنگ میں جھوٹ۔

یہاں پر جھوٹ کا مطلب کنایات ہیں نہ کہ صریح جھوٹ۔ منصور کہتے ہیں: پہلے لوگوں کے ہاں کچھ کلام تھے جن کے ساتھ وہ اپنے اوپر سے مصیبتوں اور آزمائشوں کو دور کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ہمراہ تھے۔ آپ ﷺ کی ملاقات مشرکین کے ہراول دستے کے ساتھ ہوئی۔ مشرکوں نے کہا: تم کس سے ہو؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ہم ''ماء'' سے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہنے لگے: یمن کے بہت سے قبیلے ہیں شاید یہ ان میں سے ہیں۔ وہ چلے گئے۔ نبی ﷺ نے ''ہم ماء سے ہیں'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لیا تھا۔

﴿خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝﴾ (الطارق:٦)

''وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔''[2]

جب حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اپنی لونڈی سے جماع کیا۔ ان کو ان کی عورت نے دیکھ لیا۔ اس کی چھری پکڑی اور آ گئی دیکھا کہ وہ اپنی حاجت پوری کر چکے۔ کہا: اگر میں آپ کو دیکھتی جہاں آپ تھے تو میں ضرور اسے آپ کی گردن پر مارتی۔ فرمایا: میں نے کیا کیا؟ کہا: اگر آپ سچے ہیں تو قرآن پڑھیے۔ فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور بے شک جہنم کافروں کا ٹھکانہ ہے اور عرشِ الٰہی پانی پر تیرنے والا ہے، اور عرش کے اُوپر جہانوں کا پروردگار ہے اور اُسے مضبوط فرشتے اٹھاتے ہیں، اللہ کے فرشتے نشان زدہ ہیں۔

وہ کہنے لگی: میں اللہ کی کتاب پر ایمان لائی اور میں نے اپنی نظر کو جھٹلا دیا رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر پہنچی آپ ﷺ ہنسنے لگے حتیٰ کہ آپ ﷺ کی داڑھیں نظر آنے لگیں۔[3]

ابن عبدالبر کہتے ہیں: یہ حضرت عبداللہ بن رواحہ سے ثابت ہے۔[4]

حضرت عمر بن الخطاب سے مذکور ہے وہ کہتے ہیں: مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو کنایات کو جانتا ہو، وہ کیسے جھوٹ بولتا ہے؟

---

[1] صحیح مسلم، ج: ٤، ص: ٢٠١١، حدیث: ١٠١/ ٢٦٠٥۔

[2] ابن ہشام نے سیرت (ج: ٢، ص: ٢٦٧ تصویر دار احیاء التراث) میں اس واقعہ کی تفصیل بیان کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے اکثر معلومات حاصل کر لیں اور اپنے تعارف میں فرمایا: ہم ماء سے ہیں...... (عفیفی)

[3] اسے ابن عبدالبر نے الاستیعاب، ج: ١ص ٣٦٢ میں روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہم نے اسے صحاح سندوں سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ وہ قرآن کی حافظ نہیں تھیں۔ (الفقی) لیکن اس سند میں ضعف ہے۔ (عفیفی) ان اشعار کو انہوں نے قرآن سمجھ لیا۔ (از مترجم)

[4] اس واقعہ میں اس کے علاوہ بھی باتیں اور اشعار کا ذکر آیا ہے۔ لیکن تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہر طرح ضعیف ہے۔ (عفیفی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کھانے کی دعوت دی گئی۔ فرمایا: میں روزہ دار ہوں پھر لوگوں نے ان کو کھاتے ہوئے دیکھا۔ کہنے لگے: کیا آپ نے نہیں کہا تھا کہ ''میں روزہ دار ہوں''؟ فرمایا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا: ''ہر ماہ میں تین دن کے روزے زمانہ بھر کے روزے ہیں۔''[1]

محمد بن سیرین سے جب کوئی قرض خواہ تقاضا کرتا۔ ان کے پاس کچھ نہ ہوتا تو کہتے ہیں: میں دو میں سے ایک دن میں تمہیں دے دوں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ یہ سمجھتا کہ مراد آج کا اور آئندہ دن ہے۔ جبکہ ان کا مقصد دنیا اور آخرت کے دو دن ہوتے تھے۔

اعمش نے ابراہیم[2] سے ذکر کیا ہے۔ ان کو کسی آدمی نے کہا: فلاں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فلاں فلاں جگہ پر پہنچوں جبکہ میں اس جگہ کی قدرت نہیں رکھتا۔ پس کیا حیلہ ہے؟ انہوں نے اس سے فرمایا: تم کہو: اللہ کی قسم! میں نہیں دیکھتا مگر جو مجھے کوئی اور بتادے۔ یعنی مگر جو تیرا رب تجھے دکھائے۔ حماد نے ابراہیم[3] سے بیان کیا ہے۔ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو پکڑا۔ کہا بلاشبہ میرا تیرے ساتھ ایک حق ہے۔ اس نے کہا: نہیں۔ کہا تم بیت اللہ تک پیدل جانے کی قسم کھاؤ؟ فرمایا: تم بیت اللہ تک پیدل جانے کی قسم کھالو اور ذہن میں اپنے محلے کی مسجد رکھو۔

ہشام بن حسان نے ابن سیرین سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نظر لگایا کرتا تھا۔ اس نے شریح کی خچر کو دیکھ لیا۔ اس نے اس کو نظر لگانے کا ارادہ کیا شریح اس کا ارادہ سمجھ گئے۔ کہنے لگے: جب یہ گھٹنوں کے بل بیٹھتی ہے تو اٹھتی نہیں حتیٰ کہ اسے اٹھایا جاتا ہے۔ اس آدمی نے اف اف کہا اور ان کی خچر سلامت رہ گئی۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ اللہ پاک ہی اس کو اٹھاتے ہیں۔

اعمش نے ابراہیم سے بیان کیا ہے کہ ان سے ایک آدمی کے متعلق سوال کیا گیا اس کو کسی آدمی کے بارے میں کوئی چیز پہنچتی ہے وہ اس کے متعلق رائے دیتا ہے اس بارے میں سوال کرتا ہے۔ فرمایا: تم کہو کہ اللہ کی قسم! بے شک اللہ خوب جانتا ہے کہ کچھ نہیں ہے۔ اس میں ''مَا'' سے مراد ''اَلّذی'' ہے۔

عقبہ بن المغیرہ کہتے ہیں: ہم ابراہیم کے پاس جاتے وہ حجاج سے خوفزدہ رہتے تھے۔ ہم جب ان کے پاس سے نکلتے۔ وہ کہتے: اگر تمہیں میرے متعلق پوچھا جائے اور تم کو قسم دی جائے تو تم اللہ کی قسم کھاؤ کہ تم نہیں جانتے کہ میں کہاں ہوں۔ نہ ہم کو اس کا کوئی علم ہے نہ یہ کہ وہ کس جگہ پر ہے۔ تم ذہن میں یہ رکھو کہ تم کو معلوم نہیں کہ میں اس وقت کس جگہ پر کھڑا ہوں یا بیٹھا ہوں جبکہ تم نے سچ بولا ہوگا۔

ان کے پاس ایک آدمی آیا کہا: میں نے ایک جانور پر اعتراض لگایا وہ مر گیا میں نے دوسرا پکڑ لیا۔ وہ مجھ سے قسم لینا چاہتے ہیں کہ یہ وہی جانور ہے جس پر میں نے اعتراض لگایا تھا۔ فرمایا: تم اس پر سوار ہو جاؤ۔ اس کے ساتھ اپنے پیٹ کا عرض لگاؤ۔ پھر قسم کھالو کہ یہ وہی جانور ہے جس پر تم نے عرض/ اعتراض لگایا تھا۔

ابوعوانہ نے ابومسکین سے بیان کیا کہ میں ابراہیم کے پاس تھا۔ ان کی عورت ان کو ان کی لونڈی کے متعلق ڈانٹ رہی تھی۔ ان کے ہاتھ میں ایک پنکھا تھا۔ فرمایا: میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ اس عورت کے لیے ہے۔ جب ہم نکلے تو فرمایا: تم نے کس بات پر

---

① یہ حدیث صحیح بخاری، ج: ۷، ص: ۱۰۳ میں ہے۔ نیز دیکھیے: جامع الترمذی، ج: ۳، ص: ۱۳۳، حدیث: ۷۶۰؛ مسند امام احمد، ج: ٤، ص: ۱۵۰۔ ②و③ غالباً اس سے مراد حضرت ابراہیم نخعی ہیں واللہ اعلم۔ (مترجم)

گواہی دی؟ ہم نے کہا: ہم نے گواہی دی ہے کہ آپ نے یہ لونڈی عورت کو دے دی ہے۔فرمایا: کیا تم نے مجھے نہیں دیکھا کہ میں پنکھے کی طرف اشارہ کر رہا تھا؟ میں نے تو تم کو کہا تھا کہ گواہ بن جاؤ یہ اس کے لیے ہے۔میرا مطلب پنکھا تھا۔

محمد بن الحسن نے بواسطہ عمر بن ذر شعبی سے بیان کیا ہے جس نے بغیر ان شاء اللہ قسم کھائی اس میں نیکی اور گناہ اس کے علم پر ہے۔میں نے کہا حیلوں کے متعلق آپ کا کیا قول ہے؟ فرمایا: حلال و جائز باتوں میں حیلوں پر کوئی حرج نہیں ہے۔ حیلے تو وہ چیز ہیں جن کے ذریعہ سے آدمی حرام سے چھٹکارا پاتا ہے۔اس کے ساتھ حلال کی طرف نکلتا ہے۔ جو اس طرح کا ہو یا دیگر تو اس میں کوئی حرج نہ ہے۔ہم یہ مکروہ سمجھتے ہیں کہ آدمی کسی آدمی کے حق پر حیلہ کرے حتیٰ کہ وہ اسے باطل کر دے یا باطل میں حیلہ کرے حتیٰ کہ اسے درست بنالے یا کسی چیز میں حیلہ کرے حتیٰ کہ اس میں کوئی شبہ داخل کر دے۔ جو اس طریقہ پر ہو جو ہم نے کہا ہے تو اس پر حرج نہیں ہے۔

حماد رحمہ اللہ کی عادت تھی جب کوئی ایسا شخص آتا جس کے ساتھ بیٹھنا نہ چاہتے تو اپنا داہنا ہاتھ اپنی داڑھ پر رکھتے اور کہتے میری داڑھ! میری داڑھ[1]۔رشید[2] نے شریک کی طرف ایک آدمی بھیجا تاکہ اس کو حاضر کرے۔شریک نے اس آدمی سے درخواست کی کہ وہ پھر جائے اور اس کی حاضری پر دفاع کرے۔اس نے یونہی کیا۔رشید نے اس کو بند کر دیا۔پھر ان کی طرف ایک اور قاصد بھیجا۔اس نے اس کو حاضر کیا۔اس سے پیچھے رہنے کے متعلق سوال کیا جبکہ قاصد بھی اس کے پاس گیا تھا؟ اس نے وہاں پر پختہ قسمیں کھائیں کہ اس نے اس بارے میں بھیجے گئے قاصد کو نہیں دیکھا۔اس سے مراد دوسرا قاصد رکھا۔اس نے اس کو سچا مانا اور پہلے آدمی کو چھوڑنے کا حکم دے دیا۔

ثوری کو مہدی[3] کی مجلس میں بلایا گیا۔انہوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔ان کو روکا گیا انہوں نے دوبارہ آنے پر اللہ کی قسم کھائی۔انہوں نے اپنا جوتا چھوڑا اور نکل گئے۔ پھر آئے اور اسے پہنا اور نہ لوٹے۔مہدی نے کہا: کیا انہوں نے لوٹنے پر قسم نہ کھائی تھی۔کہا کہ وہ لوٹے اور انہوں نے اپنا جوتا پکڑ لیا۔

کہتے ہیں متبوع ائمہ کے مذاہب میں سے کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جو اپنے اندر حیلے کے بہت سے مسائل نہ لیے ہوئے ہو۔

اس کے متعلق لوگوں میں سب سے بعید قول مالک اور احمد کا ہے۔امام احمد سے مروزی کے متعلق پوچھا گیا جو وہاں تھے۔وہ سائل کی طرف باہر نہ نکلنا چاہتے تھے۔احمد نے اپنی انگلی اپنی ہتھیلی میں رکھی اور فرمایا: مروزی یہاں نہیں ہے اور مروزی کا یہاں کیا کام ہوسکتا ہے؟

امام احمد سے ایک آدمی کے متعلق سوال گیا جس نے طلاق کی قسم کھائی تھی کہ وہ ضرور اپنی بیوی سے رمضان کے دن میں جماع کرے گا۔فرمایا: وہ اس کے ساتھ سفر کر جائے اور سفر میں اس کے ساتھ جماع کر لے۔

---

[1] اس میں گویا اس بات کا اظہار ہے کہ میری داڑھ میں درد ہے۔(مترجم)

[2] غالباً اس سے مراد خلیفہ ہارون الرشید ہے۔واللہ اعلم۔(مترجم)

[3] غالباً ان سے مراد خلیفہ مہدی اور سفیان ثوری ہیں۔واللہ اعلم۔(مترجم)

المستوعب والے نے لکھا ہے کہ میں نے اپنے شیخ ابن حکیم کے خط سے یہ بات پائی ہے: بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی نے امام احمد سے ایک آدمی کے متعلق سوال کیا جس نے قسم کھائی تھی کہ وہ رمضان میں افطار نہ کرے گا؟ آپ نے اس کو کہا: تم بشر بن ولید کے پاس جاؤ۔ اس سے سوال کرو۔ پھر آکر مجھے بھی بتانا۔ وہ گیا اس سے سوال کیا۔ بشر نے اس کو کہا: جب تیرے گھر والے افطار کریں تو ان کے ساتھ بیٹھ جا اور افطار نہ کر۔ جب وقت سحر ہو تو کھا لے اور نبی ﷺ کے اس فرمان کو حجت بنا لے

«هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ»

''تم صبح کے بابرکت کھانے کی طرف آؤ۔''

امام احمد نے اس جواب کو مستحسن جانا۔

کہتے ہیں: اللہ پاک نے اپنے نبی حضرت یوسف علیہ السلام کو اس حیلہ کی تعلیم دی جو ان کے بھائی کو پکڑنے کا ذریعہ بن جائے۔ اس کو چور ظاہر کیا۔ اس کے سامان میں پیالہ رکھ دیا۔ یہ حقیقت نہ تھی بلکہ اپنے بھائی کے ملاپ کا انہوں نے ذریعہ بنایا تھا پھر اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ اللہ پاک نے بتایا ہے کہ یہ اس کی تدبیر تھی جو اس ذات پاک نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے اختیار فرمائی تاکہ وہ اپنے بھائی کو رکھ سکیں۔ پھر اس پاک و بلند ذات نے فرمایا: یہ اس علم سے ہے جس کے ساتھ وہ جس کے چاہتا ہے درجات بلند کرتا ہے، اس میں لوگوں کے درمیان فرق مراتب ہے اور ہر علم والے سے بڑھ کر کوئی علم والا ہے۔

فصل[1]: منکرین حیلہ کے جوابات

حیلوں کی تین قسمیں ہیں، ایک قسم نیکی اور فرمانبرداری کی ہے۔ یہ اللہ کے ہاں افضل اعمال میں سے ہے۔ ایک قسم وہ ہے جو جائز اور مباح ہے۔ اس کے کرنے والے اور نہ کرنے والے پر کوئی حرج نہ ہے۔ اس کے فعل کو اس کے ترک پر ترجیح یا اس کے برعکس معاملہ اس کی مصلحت کے تابع ہوگا۔

ایک قسم حرام ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کو دھوکہ دینا ہے۔ یہ ان کے واجب کو ساقط، ان کے مشروع کو باطل اور ان کے حرام کو حلال کرنا ہے۔ سلف، ائمہ اور اہل حدیث نے جو رد کیا ہے وہ اس قسم کا کیا ہے۔ حلیہ مطلقاً نہ مذموم ہے نہ محمود ہے۔ اس کے لفظ سے مدح یا ذم کا احساس نہیں ہوتا۔ گو کہ عرف میں غالباً اس کا اطلاق اس راستہ پر ہے جو حصولِ غرض کی طرف ایسے خفیہ انداز سے ہو جس کا پتہ نہ چل سکے۔ ماسوائے بڑی ذہانت اور فطانت کے۔

اس میں سے خاص جو اس کی تخصیص قابل مذمت ہے یہ ان فقہاء کے عرف میں غالب ہے جو حیلوں کے منکر ہیں۔ اہل عرف جو ہیں وہ الفاظ عامہ کو ان کے بعض موضوعات کے ساتھ خاص کرنے اور ان کے مطلق کو بعض انواع کے ساتھ مقید کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔

حِیْلَہ حول سے فِعْلَۃٌ کے وزن پر ہے۔ یہ ایک حال سے دوسرے حال میں پھر جانے کا نام ہے۔ یہ واؤ والے ابواب سے ہے۔ یہ اصل میں حَوْلَۃٌ تھا۔ واؤ ساکن تھی اور اس کا ماقبل مکسور تھا وہ یاء سے بدل گئی جیسے میزان میقات اور میعاد ہے۔

المحکم والے نے کہا ہے: حول، حیل، حول، حیلة، حویل، محالة، احتیال، تحیل اور تحول سب

[1] اصل کتاب میں یہاں فصل نہیں ہے۔ زیادہ افادہ کے لیے ہم نے یہاں فصل لکھ دیا ہے۔ (مترجم)

کا مطلب ہوشیاری، نظر کی عمدگی اور پھیرنے کی صورت پر قدرت کا پانا ہے۔ کہتے ہیں: حِوَلْ اور حِیَلْ حیلہ کی جمع ہے۔ حُولَ، حُوْلَۃَ، حُوَّلْ، حُوَلَہ، حَوَالی، حُوَّالِیْ، حَوَلْوَلْ اور حُوِّلِیْ وہ آدمی ہے جو بہت حیلہ باز ہو۔ اس سے تعجب[1] ما أحوله اور أحلیه ہے۔ جبکہ تفصیل هو أحول منك اور أحیل ہے۔ انتہی۔ تو حیلہ حول سے فعلہ کے وزن پر ہے۔ یہ ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنا ہے ہر وہ شخص جو کسی فعل کے کرنے کا ارادہ کرے یا اس سے چھٹکارے کی کوشش کرے تو جس کے ساتھ وہ حیلہ کرتا ہے وہی حیلہ ہے جس کے ذریعہ سے وہ اس تک پہنچتا ہے۔ جس بات کے لیے حیلہ کیا گیا ہے اس متعلق حیلہ معتبر ہوگا مطلق طور پر منع، مصلحت، مفسدت، طاعت اور معصیت میں بھی۔ اگر مقصود اچھا کام ہے حیلہ اچھا ہوگا۔ اگر برا ہے حیلہ برا ہوگا۔ اگر نیکی اور فرمانبرداری کا کام ہے اس کا حیلہ بھی اسی طرح ہوگا۔ اگر کام معصیت اور فسق کا ہوگا اس پر حیلہ بھی اسی طرح ہوگا۔

جب نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ''تم اس چیز کے مرتکب نہ ہونا جس کے یہود مرتکب ہوئے پس تم اللہ کے محارم کو معمولی حیلوں کے ساتھ حلال بنانا چاہو گے۔''

فقہاء کی اصطلاح میں (اگر مطلق بولے جائیں) تو مقصود وہ حیلے ہونگے جن کے ذریعہ سے اللہ کے محارم کو حلال بنایا جاتا ہے۔ جس طرح یہود کے حیلے تھے نیز ہر وہ حیلہ جو اپنے اندر اللہ کے حق یا آدمی کے حق کا اسقاط لیے ہوئے ہو، تو یہ ان میں سے ہے جن کے ذریعہ سے محارم کو حلال بنایا جاتا ہے۔ اس کی مثل لفظ خداع / دھوکہ بھی ہے۔ یہ بھی مذموم اور محمود میں تقسیم ہوتا ہے۔ اگر یہ حق کے ساتھ ہو تو محمود ہے اور اگر باطل کے ساتھ ہو تو مذموم ہے، نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی از قسم محمود ہے اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ ''جنگ ایک دھوکہ ہے۔''[2] جو الفاظ ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کے بیان کیے ہیں:

«كُلُّ الْكَذِبِ يُكْتَبُ عَلَى ابْنِ آدَمَ، إِلَّا ثَلَاثُ خِصَالٍ: رَجُلٌ كَذَبَ عَلَى امْرَأَتِهِ لِيُرْضِيَهَا، وَرَجُلٌ كَذَبَ بَيْنَ اثْنَيْنِ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمَا، وَرَجُلٌ كَذَبَ فِيْ خِدْعَةِ حَرْبٍ»[3]

''ہر جھوٹ ابن آدم پر لکھا جاتا ہے سوائے تین باتوں کے، وہ آدمی جس نے اپنی عورت پر جھوٹ بولا تا کہ اس کو راضی کرے۔ وہ آدمی جس نے دو آدمیوں کے مابین جھوٹ بولا تا کہ ان کی صلح کرائے اور وہ آدمی جس نے جنگ کے دھوکہ میں جھوٹ بولا۔''

از قسم مذموم آپ ﷺ کا فرمان، حضرت عیاض بن حمار کی حدیث میں ہے، جسے مسلم نے صحیح میں بیان کیا ہے:

«أَهْلُ النَّارِ خَمْسَةٌ، ذَكَرَ مِنْهُمْ رَجُلًا لَا يُصْبِحُ وَلَا يُمْسِيْ إِلَّا وَهُوَ يُخَادِعُكَ عَنْ أَهْلِكَ وَمَالِكَ»[4]

''جہنم والے پانچ ہیں۔ ان میں سے اس آدمی کا ذکر کیا جو ہر صبح وشام تجھے تیرے اہل اور تیرے مال سے دھوکہ میں

---

[1] اسم تفصیل اور فعل تعجب کا لفظ اصل عبارت میں نہیں ہے۔ یہ لفظ ہم نے عبارت کی مزید توضیح کے لیے لکھے ہیں۔ (مترجم)

[2] صحیح بخاری، ج: ۸، ص: ۵۱؛ صحیح مسلم، ج: ۳، ص: ۱۳۶۱، حدیث: ۱۷ / ۱۷۳۹۔

[3] جامع ترمذی، ج: ٤، ص: ۱۹۳، حدیث: ۱٦۷۵؛ مسند امام احمد، ج: ۱، ص: ۸۱۔

[4] صحیح مسلم، ج: ٤، ص: ۲۱۹۷، حدیث: ٦۳ / ۲۸٦۵۔

ڈالتا ہے۔'' نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ:۹)

یہ (اپنے پندار میں) خدا کو اور مومنوں کو چکمہ دیتے ہیں مگر (حقیقت میں) وہ اپنے سوا کسی کو چکمہ نہیں دیتے اور وہ اس سے بے خبر ہیں۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ ﴾ (الانفال:٦٢)

''اور اگر وہ تجھے دھوکہ دینے کا ارادہ کریں تو بے شک اللہ تجھ کو کافی ہے۔''

از نوع محمود کعب بن اشرف [1] اور ابورافع [2] کو دھوکہ دینا بھی ہے۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے دشمن تھے حتیٰ کہ قتل کر دیے گئے۔ خالد بن سفیان الہذلی [3] کا قتل بھی ہے۔ ایک بہترین دھوکہ معبد بن ابی معبد الخزاعی نے ابوسفیان اور مشرکوں کے

---

① کعب بن الاشرف یہود کا سردار تھا۔ جنگ بدر کے بعد مکہ گیا۔ وہ قریش کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر ابھارتا اور اشعار پڑھتا تھا۔ جنگ بدر میں ان کے مقتولوں کا مرثیہ بڑھتا تھا........ پھر مدینہ آ گیا۔ اپنے اشعار میں مسلمان عورتوں کے حسن کا ذکر کرتا اور نبی ﷺ کی ہجو کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے تکلیف پائی۔ اور فرمایا: کون ہے جو کعب بن اشرف کو قتل کر دے؟ اس نے اللہ اور اس کے پیغمبر کو تکلیف دی ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعض ساتھیوں نے اس پر لبیک کہا۔ انہوں نے اس کے پاس جا کر وہ بات کہی جس کی آپ ﷺ نے ان کو اجازت دی تھی۔ انہوں نے اس کو یہ وہم ڈالا کہ وہ رسول خدا ﷺ کو ناپسند کرتے ہیں۔ انہوں نے اس سے کچھ مال اور راشن طلب کیا کہ وہ اس کے پاس اپنا اسلحہ گروی رکھیں گے۔ پھر وہ رات کو اس کے پاس آئے۔ اسے باہر بلوایا۔ ساتھ لے کر چل پڑے اور اسے دھوکے سے قتل کر دیا۔ اس واقعہ کو بخاری نے رہن، جہاد اور مغازی میں۔ مسلم نے جہاد میں۔ ابن ہشام نے سیرت میں اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ، ج: ۳، ص: ۴ تا ۹ میں بیان کیا ہے۔ (الفقی)

② ابورافع سلام بن ابوالحقیق حجاز کا تاجر تھا۔ وہ مکہ گیا۔ قریش کو نبی ﷺ کے خلاف بھڑکایا حتیٰ کہ وہ لشکروں/ احزاب کو لے کر آپ ﷺ سے لڑنے کے لیے مدینہ آ گئے۔ آپ ﷺ نے اس کے قتل کے لیے چار آدمی بھیجے۔ ان پر حضرت عبداللہ بن عتیک کو امیر بنایا۔ وہ اس کے پاس خیبر کے قلعہ میں پہنچے۔ ان میں سے ایک نے باہر کپڑا لپیٹا گویا وہ قضائے حاجت میں ہے۔ دربان نے آواز دی کہ بندہ خدا اگر تو آنا چاہتا ہے تو میں دروازہ بند کرنے لگا ہوں۔ وہ اندر گیا سو گیا۔ انہوں نے چابی پکڑی دروازہ کھولا دوسرے ساتھیوں کو بھی اندر داخل کر لیا دروازہ بند کر دیا، ابورافع اہل خانہ کے درمیان سو رہا تھا۔ اندھیرا تھا۔ چراغ نہ تھا۔ آواز دی تو وہ بولا۔ آواز کی طرف تلوار ماری لیکن فائدہ نہ ہوا۔ مددگار کے انداز میں آواز دی کیا ہوا؟ اس نے کہا: مجھے کسی نے تلوار ماری ہے۔ پھر آواز کا رخ کیا اور تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ قلعہ والے جاگ اٹھے۔ آگ جلائی لیکن یہ بچ کر مدینہ کی طرف نکل گئے تھے۔ اس واقعہ کو بخاری نے جہاد، سیر اور مغازی میں ابن ہشام نے سیرت میں اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ، ج: ۴، ص: ۷ ۱۳ تا ۱۴۰ میں بیان کیا ہے۔ (الفقی)

③ امام احمد اور ابوداوٗد (، ج: ۱ ص ۴۸۵ مع عون المعبود) نے بیان کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن انیس کہتے ہیں: مجھے رسول اللہ ﷺ نے خالد بن سفیان الھذلی کی طرف بھیجا۔ وہ عرفات کی طرف رہتا تھا فرمایا: جا کر اسے قتل کر دو! میں نے اسے دیکھ لیا۔ نماز عصر کا وقت بھی ہو چکا تھا۔ میں نے سوچا اگر میں نے نماز کو موخر کیا تو میرے اور اس کے مابین کچھ رکاوٹ نہ آ جائے۔ میں اس کی طرف چلتے ہوئے اشارے سے نماز پڑھنے لگا۔ جب میں اس کے قریب ہوا۔ اس نے کہا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: عرب کا ایک آدمی۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ تم اس شخص (حضرت محمد ﷺ) کے خلاف لوگوں کو جمع کرتے ہو۔ میں اسی لیے آیا ہوں۔ کہا: میں یہ کر رہا ہوں۔ میں اس کے ساتھ چند لمحات رہا حتیٰ کہ جب مجھے موقع ملا میں تلوار کے ساتھ اس پر چڑھا حتیٰ کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ امام احمد کی روایت اس سے تفصیلی ہے۔ نیز دیکھیے: البدایہ والنہایہ، ج: ۴، ص: ۱۴۰۔ (الفقی)

جنگی لشکر کو دیا۔ جب انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ مسلمانوں کو جڑ سے ختم کر دیں۔ ان کو ان کے جوش میں ہی واپس کر دیا۔ [1]

ایک دھوکہ نعیم بن مسعود الاشجعی کا ہے جو انہوں نے بنو قریظہ کے یہود، کفار قریش اور احزاب کے ساتھ [2] کیا۔ حتیٰ کہ اس نے ان کے مابین اختلاف ڈال دیا۔ یہی ان کی گروہ بازی اور واپسی کا سبب بنا۔ اس کی مثالیں بہت ہیں، اسی طرح مکر کی بھی دو قسمیں ہیں محمود اور مذموم۔ اس کی حقیقت ایک چیز کا اظہار اور اس کے خلاف کو چھپانا ہے تاکہ اس طرح بندہ اپنی مراد کو پالے۔ محمود میں سے اہل مکر کے خلاف اللہ کی تدبیر بھی ہے۔ تاکہ ان کے فعل کا مقابلہ ہو اور ان کا بدلہ ان کے عمل کی جنس سے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾ (الانفال:۳۰)

''اور وہ چال چل رہے تھے اور اللہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہتر تدبیر والا ہے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ (النمل:۵۰)

''اور وہ ایک چال چلے اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی اور وہ خبر نہیں رکھتے۔''

اسی طرح الکید/تدبیر کی دو قسمیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾ (الاعراف:۱۸۳)

''اور میں ان کو مہلت دیے جاتا ہوں۔ بے شک میری تدبیر مضبوط ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ﴾ (یوسف:۷۶)

---

[1] ابن اسحاق معبد بن ابو معبد الخزاعی کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ خزاعہ کے مسلم اور کافر رسول اللہ ﷺ کے ساتھی تھے۔ وہ آپ ﷺ سے کچھ نہ چھپاتے تھے۔ معبد ان دنوں مشرک تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا جب آپ ﷺ حمراء الاسد میں قیام فرما تھے۔ کہا: اے محمد! اللہ کی قسم! جو کچھ آپ کے ساتھیوں کو (جنگ احد میں۔ از مترجم) تکلیف پہنچی ہے ہمیں اس سے بہت دکھ پہنچا ہے۔ اگر اللہ آپ کو ان کے مقابل بچا تا تو اچھا تھا۔ پھر وہ حمراء الاسد جگہ سے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر نکلا۔ حتیٰ کہ ابوسفیان بن حرب اور اس کے ساتھیوں کو روحاء مقام پر جا کر ملا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کی طرف لوٹنے کا ارادہ کر لیا تھا انہوں نے کہا: ہم نے ان کے سردار اور نمایاں لوگوں کو مار دیا ہے آپ باقیوں کو بھی جا کر ختم کر دیں تاکہ یہ قصہ تمام ہو جائے۔ جب ابوسفیان نے معبد کو دیکھا۔ کہا معبد تمہارے پیچھے کیا خبر ہے؟ کہا: محمد ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ نکل آئے ہیں۔ تمہاری تلاش میں وہ ایسا لشکر لائے ہیں جس جیسا میں نے کبھی نہیں دیکھا وہ تو سب کو جلا دیں گے۔ کہا: افسوس تم کیا کہہ رہے ہو؟ کہا: اللہ کی قسم! تم نہ جاؤ گے حتیٰ کہ تم گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھ لو۔ کہا: ہم تو ان پر حملے کا ارادہ کر چکے تھے تاکہ ان کے بقیہ کو قتل کریں۔ کہا: میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔ کہتے ہیں یہ بات سن کر ابوسفیان لوٹ گیا۔ (الفقی)

[2] ابن اسحاق غزوۂ خندق کے بیان میں کہتے ہیں: جیسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب شدت خوف میں تھے، کیونکہ دشمن زور سے آئے تھے۔ اوپر اور نیچے سے چڑھ آئے تھے۔ نعیم بن مسعود الغفانی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ میری قوم کو میرے اسلام کا علم نہیں ہے۔ آپ ﷺ جو چاہیں مجھ کو حکم فرمائیں! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ہمارے ایک ساتھی ہو۔ اگر ہو سکے تو ہماری طرف سے جا کر ان میں اختلاف پیدا کرو۔ بے شک جنگ ایک دھوکہ ہے۔ پھر بنی قریظہ اور قریش کے درمیان انہوں نے جو اختلاف ڈالا۔ اس واقعہ کو ذکر کیا۔ مزید دیکھیے: البدایہ والنہایہ، ج:۴، ص:۱۱۳ و ۱۱۲۔ (الفقی)

''اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی (ورنہ) بادشاہ کے قانون کے مطابق وہ مشیت خدا کے سوا اپنے بھائی کو لے نہیں سکتے تھے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ۝ وَأَكِيدُ كَيْدًا ۝ ﴾ (الطارق:١٥، ١٦)

''یہ لوگ تو اپنی تدبیروں میں لگ رہے ہیں اور ہم اپنی تدبیر کر رہے ہیں۔''

فصل: مناسب حیلوں کا جواز

جب یہ معلوم ہو گیا تو اس بات میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ آدمی کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی قول یا فعل کو ظاہر کرے۔ اس سے اس کا مقصود صالح مقصود ہو گو اس کا ظاہر اس کے قصد کے خلاف ہو بشرطیکہ اس میں مصلحت دینی ہو۔ مثلاً اپنے نفس یا کسی اور سے ظلم دور کرنا یا حرام کردہ حیلہ کو باطل کرنا۔ حرام یہ ہے کہ وہ شرعی عقود سے وہ مقصد رکھے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس کے لیے مشروع نہیں کیا۔ وہ اللہ کو دھوکہ دینے والا بن جائے گا۔ اس کے دین کے خلاف تدبیر کرنے والا اور اس کی شریعت کے ساتھ مکر کرنے والا ہو گا۔ اس کا مقصد اس حیلہ کے ساتھ چیز کا حصول ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے۔ جس کو واجب کیا ہے اسے اس حیلہ کے ساتھ ساقط کرنا ہے یہ حیلے کے الٹ ہے۔ اس کا مقصود اللہ کے دین کے اظہار کا ذریعہ بنانا ہے۔ نیز اس کی معصیت کو دور کرنا، ظلم کو باطل کرنا اور برائی کو ختم کرنا، اس کا رنگ اور ہے اس کا رنگ اور ہے۔

اس کی مثال قسم میں تاویل ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم جو اس کو نفع نہیں دیتی اور نہ اس کو گناہ سے چھٹکارا دیتی ہے۔ یعنی اگر حق اس کے خلاف ہو۔ وہ اس کا انکار کرے۔ پھر اپنے انکار پر تاویل کرتے ہوئے قسم کھا لے۔ اس کی تاویل اس سے جھوٹی قسم کا گناہ ساقط نہ کرے گی اس میں جو قسم لے رہا ہے باتفاق مسلمین اس کی نیت معتبر ہو گی بلکہ اگر وہ بغیر حاجت تاویل بھی کرے۔ اکثر کے نزدیک اس کو نفع نہ دے گی۔ رہا مظلوم اور محتاج تو اس کو اس کی تاویل نفع دے گی، اسے گناہ سے چھٹکارا دے گی اور قسم اس کی نیت پر ہو گی۔

اگر کوئی ظالم اس سے بیعت کی قسموں پر حلف طلب کرے یا مسلمانوں کی قسموں پر وہ قسموں کو جمع یمین یعنی ہاتھ کی تاویل میں لے لے۔

اگر کوئی قسم لے کہ اس کی ہر عورت کو طلاق ہے تو تاویل کر لے کہ وہ اس پابندی سے طلاق/آزاد ہے یا عندالولادۃ طلاق والی ہے یا میرے غیر کی طرف سے طلاق والی ہے۔ وغیرہ۔

اگر کوئی ایک شخص سے حلف طلب کرے کہ اس کی عورت اس پر اس کی ماں کی کمر کی طرح ہے تو وہ اپنی ماں کی کمر کی تاویل سواری کے ساتھ کرے۔

اگر وہ اس پر تنگی ڈالے اور یہ کہنا لازم کرے کہ وہ اپنی بیوی سے ظہار کرنے والا ہے۔ وہ تاویل کرے کہ وہ اپنی عورت سے دو کپڑوں یا دو جبوں میں ظاہر ہونے والا ہے۔

اگراس سے حرام پر حلف طلب کرے کہ وہ تاویل کرے کہ حرام وہ ہے جواس پر اللہ نے حرام کیا ہے اس پر اس کی تحریم لازم ہے۔

اگراس پر تنگی ڈال کر یہ کہنا لازم کرے کہ حرام مجھ پر میری بیوی کی طرف سے لازم ہوگا یا وہ مجھ پر حرام ہوگی۔ اس کو اپنی نیت سے مقید کرلے جب وہ احرام میں ہوگی یا روزہ رکھے گی یا نماز کے لیے کھڑی ہوگی وغیرہ۔

اگراس سے حلف طلب کرے کہ اس کا سب مال یا جس کا وہ مالک ہے صدقہ ہے، وہ تاویل کرے کہ وہ اللہ کی طرف سے اس پر صدقہ ہے۔

اگراس کو کہے: تم کہو کہ ہر وہ چیز گھر، زمین، بچے جن کا میں مالک ہوتا ہوں مساکین پر وقف ہے۔ وہ فعل مضارع کی تاویل کرے کہ مستقبل میں اتنے اتنے سالوں بعد جس کا وہ مالک ہوتا ہے۔

اگراس پر تنگی ڈالے اور کہے تم کہو کہ جو کچھ میری ملکیت میں ''اب'' جاری ہے، وہ ملکیت کی نسبت اپنی طرف کے بجائے ''اب'' کی طرف ذہن میں رکھے، اور ''اب'' تو حقیقت میں کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔

اگر کہے: اس سے جو میری ملکیت میں اس وقت ہے وقف ہوتا ہے۔ وہ اس سے وقف کا معروف معنی نکال کر دوسرا معنی مراد لے لے۔ عرب لوگ ہاتھی دانت کے کنگن کو بھی وقف کا نام دیتے ہیں۔

اگراس سے کوئی بیت اللہ کی طرف پیدل چلنے کا حلف طلب کرے۔ وہ مسلمانوں کی مساجد میں سے کسی مسجد کی نیت کرلے۔

اگر کہے: تم کہو: میرے اوپر بیت اللہ کا حج لازم ہے۔ وہ حج سے مسجد کی طرف قصد کی نیت کرلے۔

اگر بیت العتیق کی طرف کہے تو کسی پرانی مسجد کی نیت کرلے۔

اگر بیت الحرام کا کہے تو نیت کرے کہ اس کو گرانا، اس کا گھر بنانا اس کا حمام بنانا وغیرہ حرام ہے۔

اگراسے امانت پر حلف طلب کرے اس کے ساتھ ودیعت، لقطہ[1] وغیرہ کی نیت کرلے۔

اگراس سے ایک سال کے روزے پر حلف طلب کرے۔ وہ روزے سے نیت میں کلام سے رک جانا رکھے، جس سے سال بھر یا ہمیشہ رکنا ممکن ہو۔

یہ سب جس چیز کے ساتھ قسم کھائی جائے اس کے متعلق ہے۔

رہا وہ جس پر قسم کھائی جائے تو وہ بھی اس کے قائم مقام ہے۔

اگراس سے حلف طلب کرے کہ تم نے فلاں کو نہیں دیکھا وہ نیت کرے کہ میں نے اس کے پھیپھڑے کو نہیں مارا، یا تم نے اس سے کلام نہیں کیا وہ نیت کرے کہ میں نے اس کو زخم نہیں لگایا، یا تم نے اس سے معاشرت اور مخالطت نہیں کی وہ نیت کرے کہ بیوی والی اور خفیہ معاشرت اور مخالطت، یا تم نے اس سے بیع و شراء نہیں کی وہ نیت کرے کہ میں نے قسم والی بیعت نہیں کی اور میں نے اس سے مشارات/ جھگڑا نہیں کیا۔ اس کا مطلب لجاج اور غضب ہے۔ شری علم کی طرح ہے جب کوئی حملہ کرے یا غصہ سے چڑھ دوڑے۔ اگراس سے کوئی چور حلف طلب کرے کہ وہ اس پر دلالت نہ کرے گا نہ اس کا بتائے گا نہ اس کی کسی کو خبر دے گا۔ وہ نیت

---

[1] لقطہ کا مطلب گری پڑی چیز ہے۔ (مترجم)

کرے کہ وہ ایسا نہ کرے گا جب تک وہ اس کے ہمراہ ہے۔ اگر اس پر تنگی ڈالے اور کہے کہ جب تک زندہ ہے یا جب تک باقی ہے یا جب تک اس شہر میں ہے وہ نیت کرے کہ اس سے قبل زمانہ کو الگ کرنا ہے، یا ما کے ساتھ الذی کی نیت کرے یعنی میں تیرے بارے میں اس شخص پر دلالت نہ کروں گا جو تیرے پکڑے جانے کے بعد زندہ یا باقی رہے۔ اگر حلف طلب کرے کہ وہ اپنی بیوی کو نہ روندے گا اور جماع نہ کرے گا وہ اسے اپنے پاؤں کے ساتھ روندنے کی نیت کرلے۔ اگر حلف طلب کرے کہ وہ فلاں عورت سے نکاح نہ کرے گا۔ وہ نیت کرے کہ وہ اس سے نکاح فاسد وغیرہ نہ کرے گا۔ اگر اس سے حلف طلب کرے کہ وہ فلاں چیز نہ بیچے گا یا نہ خریدے گا یا اجرت پر نہ دے گا وغیرہ۔

اگر اس سے حلف طلب کرے کہ وہ اس گھر، شہر یا محلہ میں داخل نہ ہوگا وہ نیت کو کسی خاص قسم کے دخول کے ساتھ مقید کرلے۔

اگر اس سے حلف طلب کرے کہ تم نہیں جانتے کہ فلاں کہاں ہے؟ وہ اس کے گھر، شہر یا بازار میں ایک خاص جگہ کی نیت کرلے۔ اگر اس سے حلف طلب کرے کہ وہ اپنے گھر میں اس کے پاس نہیں ہے وہ نیت کرے کہ جب وہ گھر سے نکلتا ہے وہ اس کے پاس گھر میں نہیں۔ اگر اس پر تنگی ڈالے اور کہے کہ ''اب'' وہ نیت کرلے کہ اب وہ اس کے ساتھ حاضر نہیں ہے۔ لہٰذا وہ نیک اور سچا ہوگا۔ اگر اس سے حلف طلب کرے کہ مجھے اس کا کچھ علم نہیں ہے۔ وہ نیت کرے کہ مجھے اس کے اندرون کا علم نہیں ہے۔ جو کچھ اس کا باطن اور ضمیر ہے مجھے اس کا علم نہیں ہے یا مجھے اس کے بارے میں تفصیلی انداز میں علم نہیں ہے۔ کیونکہ اس بات کو اکیلے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

فصل: حلف طلب کیے گئے مظلوم کے لیے راستہ

جس مظلوم سے قسم طلب کی جائے اس کے لیے اس سے بچ نکلنے کے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ بوقت حلف تاویل ہے۔ اگر اس سے یہ نہ ہو سکے تو اس کے لیے بعد میں بھی نکلنے کا راستہ ہے اگر ممکن ہو۔ مثلاً اگر اس سے ڈاکو یا چور حلف طلب کریں کہ وہ ان کے متعلق کسی کو نہ بتائے گا۔ اس میں حیلہ یہ ہے کہ حکمران ملزمان اکٹھے کرے گا۔ پھر اس سے ایک ایک کے متعلق سوال کرے گا۔ جو بری ہیں وہ ان کو بری کرتا جائے اور جس پر الزام ثابت ہے اس کے متعلق خاموش ہو جائے نکلنے کا یہ راستہ پہلے سے زیادہ تنگ ہے۔

اگر کوئی ظالم اس سے حلف طلب کرے کہ وہ اس کے قرض خواہ کو شکایت نہ کرے گا اور نہ اس سے اس کے حق کا مطالبہ کرے گا۔ اس نے قسم کھالی اور تاویل نہیں کی۔ وہ اس میں اس کے حق کا حیلہ کرے گا جس کے ساتھ وہ مطالبہ کرتا ہے۔ لہٰذا: اس کی قسم نہ ٹوٹے گی۔ اگر کوئی ظالم اس سے حلف طلب کرے کہ وہ اسے ایک چیز بیچے گا اس کو اجازت ہے کہ وہ اس کا مالک اپنی بیوی یا بیٹے کو بنادے۔ پھر جب اس کے بعد وہ اس کو بیچے گا وہ اپنی قسم میں سچا ہوگا اور اس چیز کے سپرد کرنے سے وہ روکے گا جس کا اس نے اُسے مالک بنایا تھا۔

فصل: حیلوں کے ذریعہ سے چھٹکارے کی مثالیں

جن حیلوں کے ذریعہ سے آدمی کسی کے مکروفریب سے بغیر دھوکے کے چھٹکارا پاسکتا ہے اس کی چند [1] مثالیں ہیں:

پہلی مثال: اگر کسی نے کسی سے کرایہ پر زمین یا باغ یا گھر چند سالوں تک لیا پھر اس سے مکروفریب کا اندیشہ ہو، جب زمین اور باغ درست ہوجائے گا اس پر کسی طرح کا بھی مکروفریب ہوسکتا ہے۔ اگر کچھ بھی نہ ہو مگر یہ کہ دعویٰ کردے کہ اس حال میں اس طرح کی چیز کا کرایہ اس سے زیادہ ہے جو اس نے متعین کر رکھا ہے تو اس سے بچنے کے لیے حیلہ یہ ہے کہ وہ ہر سال کے لیے ایک متعین اجرت نامزد کرلے۔ آخری سالوں کی اجرت بڑی اجرت کرلے اور کم تر کو پہلے سالوں کے لیے۔ اس پر اس کے بعد مکر آسان نہ ہوگا۔ اس کے برعکس یوں ہے کہ اگر کرایہ پر دینے والا کرایہ پر لینے والے کے آئندہ مکروفریب سے امن میں نہ ہو تو وہ اجرت/کرایہ کا بڑا حصہ پہلے سالوں کے لیے جبکہ کم تر حصہ آخری سالوں کے لیے کردے۔

دوسری مثال: کرایہ پر دینے والا کرایہ پر لینے [2] والے کے غائب ہوجانے سے امن میں نہیں ہے، نہ اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ اس کی عورت سے کرایہ کا مطالبہ کرے نہ وہ اس کی عورت کو نکال سکتا ہے۔

اس سے بچنے کا حیلہ یہ ہے کہ گھر کا مالک وہ گھر عورت کو کرائے پر دے۔ اگر اس پر اس سے کرائے کا مطالبہ مشکل ہوجائے۔ وہ خاوند کو کرائے کا ضامن بنادے یا اس کے بدل گروی پکڑ لے۔ اگر اس نے وہ خاوند کو کرائے پر دیا تھا اور اس کے غائب ہونے سے ڈرتا ہے۔ وہ عورت کے اقرار پر کسی کو گواہ بنالے کہ مکان اس کا ہے۔ جبکہ عورت کے ہاتھ میں یہ خاوند کی کرایہ داری کی وجہ سے فلاں فلاں مدت تک ہے۔ اگر عورت کو بوقت معاہدہ اس بات کا ذمہ دار بنایا گیا کہ وہ مدت پوری ہونے پر اسے لوٹائے گی، تو آدمی کو اس بات کا فائدہ ہے۔

تیسری مثال: اجرت پر لینے والا اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس پر اجرت بڑھائی جائے گی۔ اس کا عقد فسخ کردیا جائے گا، یا تو اجرت والی چیز کو وقف کرکے جس کے ہاں یہ درست ہے یا اس پر حیلہ کیا جائے گا حتیٰ کہ اس کا عقد باطل کیا جائے اس سے امن اور چھٹکارے کا حیلہ یہ ہے کہ اجرت اس سے زائد نامزد کردے جس پر وہ دونوں متفق ہوئے تھے۔ پھر اس پر بقدر نامزد صرف اور خرچ کردے۔ اس پر گواہ بھی بنالے کہ اس نے وہ نامزد رقم لے لی ہے جس پر عقد ہوا تھا۔ اگر اس کے ساتھ مکر کرے، فسخ عقد طلب کرے وہ اس سے مطالبہ کرے اس نامزد رقم کا جو وہ لے چکا ہے۔ یہ تب ہے جب اس پر اس اجارہ [3] کا معاملہ حاکم کی طرف اٹھانا مشکل ہو جو اس کے لزوم اور زیادہ کے لیے عدم فسخ کا فیصلہ کرے۔

چوتھی مثال: آدمی ڈرتا ہے کہ مؤجر اس کو وہ چیز اجرت پر دے دے گا جس کا وہ مالک نہیں ہے۔ اصل مالک انکار کرے گا اور عقد فسخ ہوجائے گا اور اس پر اجرت کے ساتھ لوٹے گا۔

---

① امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین کتاب میں ایک سو گیارہ مثالیں ذکر کی ہیں۔ وہاں پر بہت زیادہ وسیع گفتگو کی ہے خاص طور پر مسئلہ تعلیق طلاق، ج: ۳، ص: ۲۵۴ تا ۲۷۷ تک ہے۔ حنفی امام شمس الائمہ سرخسی نے اسے اپنی کتاب المبسوط کے آخر میں بھی تقریباً مکمل ذکر کیا ہے۔ (الفقی)

② مؤجر کرایہ پر دینے والا۔ مستاجر کرایہ پر لینے والا۔ جبکہ اجرت کرایہ ہے۔ ان الفاظ کو تطویل سے بچنے کے لیے آئندہ یونہی لکھا جائے گا۔ (مترجم)

③ اجارہ کا مطلب کرایہ پر دینا اور کرایہ کا معاملہ ہے۔ یہ لفظ بھی آئندہ اسی طرح استعمال کیا جائے گا۔ (مترجم)

اس سے چھٹکارے میں حیلہ یہ ہے کہ مؤجر اجرت پر طلب کی گئی چیز کی ضمانت دے اگر اس شخص کی طرف سے ضمانت دے جس کی طرف سے استحقاق اور مطالبہ کا اندیشہ ہے تو یہ قوی تر ہوگا۔

پانچویں مثال: آدمی مستاجر کی مفلسی سے ڈرے اور کوئی ایسا شخص بھی نہ پائے جو اس کے لیے کرایہ کی ضمانت دے۔

اس کے فسخ میں حیلہ یہ ہے کہ وہ عقد میں اس پر گواہ کرلے کہ جب اس پر ایک ماہ یا سال کے کرایہ کی ادائیگی مشکل ہوجائے تو اسے فسخ کا اختیار ہوگا۔ یہ شرط درست ہے گو اس نے یہ شرط نہ لگائی۔ وہ اس ماہ یا سال کا کرایہ حاصل نہ کرسکنے پر فسخ کا اختیار پائے گا۔ مفلسی کا آجانا ذمہ داری پر عیب ہوگا جس سے فسخ ممکن ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ اجرت پر دی گئی چیز میں عیب کا آجانا فسخ کی گنجائش پیدا کرتا ہے۔ یہ اس وقت ظاہر ہے جب وہ ہر ماہ یا ہر سال کے لیے معلوم قسط نامزد کردے۔ وہ مقدار مدت متعین نہ کرے۔ بلکہ کہے کہ میں نے تجھے ہر سال اتنے یا ہر ماہ اتنے کرایہ پر دیا۔ تم میرے لیے اتنی اجرت ماہ یا سال کے شروع میں ادا کروگے۔ اگر مدت پوری ہونے سے کچھ پہلے وہ مفلس ہوا تو مؤجر فسخ کا مالک ہوجائے گا۔ اگر اس سے کچھ مدت بعد مفلس ہوا تو کیا وہ فسخ مالک ہوگا؟ اس میں دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: وہ مالک نہ ہوگا کیونکہ کچھ حصہ کا گزرنا بیچی گئی چیز کے کچھ حصہ کے تلف کی طرح ہے اور وہ رجوع کو منع کرتا ہے۔

دوسری صورت: وہ مالک ہوگا۔ یہ قاضی کا قول ہے۔ یہی صحیح ہے کیونکہ منافع اشیاء کے برخلاف آہستہ آہستہ حاصل کیے جاتے ہیں۔

اشیاء کی ملکیت تو آنِ واحد میں حاصل ہوجاتی ہے تو نئے نئے منافع کے وقت نیا عقد ناممکن ہوتا ہے۔

چھٹی مثال: اگر متاجر کو اندیشہ ہو کہ گھر گر جائے گا۔ وہ اس کو تعمیر کرے گا تو جتنا اس نے اس پر خرچ کیا مؤجر اس کا حساب نہ کرے گا۔ اس میں حیلہ یہ ہے کہ وہ بوقت عقد کہہ دے کہ مؤجر نے متاجر کو اجازت دی ہے کہ وہ گھر میں جس جگہ ضرورت سمجھے تعمیر کا کام کرائے میں سے کروائے اور ایک اندازہ مقرر کرلے۔ مثلاً کہے کہ سو یا اس سے کم میں یا کہے کہ دس سے سو تک میں، اگر اس نے یہ نہ کیا اور تعمیر کی ضرورت پڑ گئی جس کے بغیر مکان سے فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ وہ اس پر اور جو خرچ کیا اس پر گواہ بنالے۔ یہ اس پر مفت خرچ نہ کرے۔ اس کا حساب کرائے میں سے ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی جانور کرائے پر لے۔ اس کو چارے کی حاجت ہو اسے ڈر ہو کہ موجر اسے شمار نہ کرے گا۔ وہ بھی اسی طرح کرلے۔

اگر کہے: میں نے تجھے اجازت دی کہ تم جتنی حاجت سمجھو گھر پر یا جانور پر خرچ کرو وہ ایک اندازے کا دعویٰ کرے جس کا مؤجر انکار کرے تو قول مؤجر کا معتبر ہوگا۔

مستاجر کی بات قبول ہونے میں حیلہ یہ ہے کہ وہ گھر کے مالک کو ادھار دے دے جس قدر وہ جانتا ہے کہ اس کو تعمیر کی ضرورت ہے۔ وہ اس پر کرائے میں سے لینے پر گواہ بنالے پھر اس کو ادا کردے۔ اس کو اس بات کا ذمہ دار بنائے کہ جتنا تم حاجت سمجھو اسے گھر یا جانور پر خرچ کرو تو اس وقت اس کی بات معتبر ہوگی کیونکہ وہ ایک طرح کا امین ہے۔

اگر مؤجر کو اندیشہ ہو کہ مستأجر اس مال کو ضائع کرے گا جو اس نے لیا ہے اور کہے گا کہ یہ ضائع ہوا۔ یہ امانت ہے۔ مجھ پر اس کا بھرنا لازم نہیں ہے تو اس سے بچنے کا حیلہ یہ ہے کہ وہ اس کے لیے بطور قرض دے دے اور اسے اس کی ذمہ داری میں کر دے۔ پھر اس کو وکیل بنا دے کہ جتنی تم ضرورت سمجھو اصل چیز پر خرچ کر دو۔

ساتویں مثال: اگر کسی کو اجرت پر معلوم مدت تک جانور یا گھر دے۔ اسے اندیشہ ہو کہ مدت پوری ہونے کے بعد وہ اسے واپس نہ کرے گا تو اس سے امن کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کہہ دے جب مدت پوری ہو جائے گی تو اس کی اجرت ہر دن کے بدلے ایک دینار ہو گی وغیرہ تو اس پر مدت گزر جانے کے بعد اسے روک رکھنا آسان نہ ہو گا۔

آٹھویں مثال: جب کسی پر کسی کا قرض ہو وہ اسے کہے کہ میرے لیے فلاں فلاں چیز خرید لو۔ اس نے یہ کیا تو وہ اس وجہ سے قرض سے بری نہ ہو گا۔ کیونکہ وہ اپنے فعل کے ساتھ غیر کے قرض سے خود کو بری نہیں کر سکتا۔

اس سے چھٹکارے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ قرض کے مالک کے اقرار پر گواہ بنائے کہ جس پر اس کا قرض ہے وہ اس کے حق دار کے لیے فلاں فلاں چیز خریدنے کے بعد بری ہو جائے گا۔ قیاس کے مطابق خریدنے پر وہ بری ہو جائے گا گو اس نے یہ نہ کیا۔ کیونکہ جب اس نے اس کو اپنا وکیل بنایا اسے اپنا قائم مقام کر دیا تو جس طرح تصرف میں وہ اس کا قائم مقام ہوا۔ اسی طرح بری کرنے میں بھی وہ اس کا قائم مقام ہوا۔ وہ خود اپنے لیے اپنے فعل کی وجہ سے بری نہیں ہوا۔ وہ تو اپنے موکل کے اس فعل کی وجہ سے بری ہوا ہے۔ جو موکل کے فعل کے قائم مقام ہے۔

نویں مثال: اگر کوئی آدمی کسی سے معلوم اجرت پر فلاں جگہ تک کچھ لیتا ہے اگر وہاں نہ پہنچ سکا اس سے پہلے ٹھہر گیا تو اجرت اتنی اتنی ہے۔ وہ کہیں گے کہ عقد صحیح نہیں ہے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ دو میں سے کس مسافت پر عقد واقع ہوا ہے؟

کہتے ہیں: اس کی تصحیح میں حیلہ یہ ہے کہ وہ قریب جگہ تک ایک اجرت نامزد کرے۔ پھر اس سے دور کی جگہ تک دیگر اجرت نامزد کرے۔ مثلاً وہ کہے: میں نے تجھے رملہ تک ایک سو میں اجرت پر دیا اور رملہ سے مصر تک ایک سو میں۔ لیکن اس میں اندیشہ ہو سکتا ہے کہ مؤجر مستاجر سے دور کی جگہ والی اجرت کا مطالبہ کر دے حالانکہ وہ قریب کی جگہ پر ہی ٹھہر گیا تھا تو اس سے چھٹکارے میں حیلہ یہ ہے کہ عقد ثانی میں وہ اس پر اختیار کی شرط لگا دے۔ اگر چاہے تو اس کو جاری کر دے اور اگر چاہے اسے فسخ کر دے۔

عقد اجارہ میں اختیار کی شرط درست ہے بشرطیکہ عقد کے متعلق اس میں کوئی مدت نہ ہو۔ اس اجارہ کی صحت کا قیاس تقاضا کرتا ہے یعنی اگر وہ فلاں فلاں جگہ تک پہنچ گیا تو اجرت ایک سو ہے۔ اگر وہ فلاں فلاں جگہ تک پہنچ گیا تو اجرت دو سو ہو گی۔ اس میں کوئی دھوکہ نہیں۔ کوئی جہالت نہیں۔

اسی طرح اگر وہ اسے کہے کہ اگر تم اس کپڑے کو رومی طرز پر سی دو تو تمہیں ایک درہم ملے گا اور اگر فارسی طرز پر سی دو تو تمہیں نصف درہم ملے گا۔ بلاشبہ عمل تو ایک ہی صورت میں واقع ہو گا۔

یہی مثال قطع مسافت کی ہے یا وہ قریب کی مسافت طے کرے گا یا بعید کی۔ اس کی مشابہت اس قول سے نہیں ہوتی کہ میں نے تجھے یہ چیز نقد دس میں یا ادھار بیس میں بیچی کیونکہ جب آدمی نے چیز لی معلوم نہیں کہ دو میں سے کس قیمت پر اس لے لی ہے۔

جب تنازع واقع ہوگا، ان دونوں میں سے متعین کے علم کے لیے ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔ برخلاف عقد اجارہ کے اس میں عقد والی جگہ کا پورا ہونا صرف معین پر ہی ہوگا تو اس کے عمل کی اجرت لازم ہو جائے گی۔

دسویں مثال: اگر کسی نے اپنی زمین پر زراعت کی۔ پھر اس کو کرائے پر دینے کا ارادہ کیا۔ کھیتی کھڑی ہے۔ یہ جائز نہیں کیونکہ مستاجر کے لیے زمین سے نفع اٹھانا ممکن نہیں ہے؟ اس کی تصحیح کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس کو کھیتی بیچ دے۔ پھر زمین اسے کرائے پر دے۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ کھیتی اس کی ملکیت میں باقی رہے وہ اس کی تکمیل کے لیے ایک متعین مدت کا اندازہ کر لے۔ پھر اس کو زمین کرائے پر دے اس مدت کے بعد اس اجارہ کی اضافت ہوگی۔

اگر ڈرے کہ اس پر حاکم عقد فسخ کرے گا جو اس اجارہ کے بطلان کی رائے دے گا تو حیلہ یہ ہے کہ اس کو کھیتی بیچ دے پھر اس کو زمین کرائے پر دے۔ جب عقد پورا ہو جائے اس سے کھیتی خرید لے تو کھیتی اس کی ملکیت کی طرف لوٹ آئے گی اور اجارہ صحیح ہو جائے گا۔

گیارہویں مثال: اگر کسی کو زمین اس شرط پر کرائے پر دے کہ اس کا ٹیکس مستاجر کے ذمہ ہے، درست نہ ہوگا۔ کیونکہ ٹیکس زمین کے رقبہ کے تابع ہے وہ تو اس کے مالک کے ذمہ ہے نہ کہ نفع اٹھانے والے، کرایہ پر یا عاریتاً لینے والے پر؟

اس میں جواز کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس کی مثل سے زائد اجرت پر اسے دے دے جو اس کے ٹیکس کے برابر ہو۔ پھر اس پر گواہ بنالے کہ اس نے مستاجر کو اجازت دی ہے کہ وہ زمین کے کرائے سے ہر سال اتنا اتنا ٹیکس دے دیا کرے۔

اگر کسی نے جانور کرائے پر لیا کہ اس کا چارہ مستاجر کے ذمہ ہوگا تو درست نہیں، اس میں حیلہ یوں ہے کہ وہ اس سے کسی نامزد چیز کے ساتھ اجرت پر لے۔ پھر اس کے لیے جانور کی ضرورت کا اندازہ لگائے اور اسے اس پر خرچ کرنے کا وکیل بنادے، قیاس تو اس عقد کی اس کے بغیر بھی صحت کا متقاضی ہے۔ ہم مزدور کو اس کے کھانے اور لباس کی اجرت پر بھی رکھنا درست سمجھتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت اور اپنا پیٹ بھرنے کے لیے خود کو مزدوری پر لگا دیا۔ اسی طرح جانور کو اس کے چارے کے کرائے پر لینا جائز ہے۔ جب یہ جائز ہے کہ اس کا چارہ پوری اجرت ہو تو یہ بھی جائز ہے کہ یہ اجرت کا کچھ حصہ ہو اور باقی حصہ کوئی نامزد چیز ہو۔

بارہویں مثال: درختوں کا اجارہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے مقصود پھل ہیں۔ یہ پھل کی صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے کی بیع ہے۔

کہتے ہیں: اس کے جواز میں حیلہ یہ ہے کہ وہ اسے زمین اجرت پر دے اور درختوں کی دیکھ بھال بھی ایک معلوم حصہ کے ساتھ اُسے دے دے۔

شیخ الاسلام کہتے ہیں: اس کی حاجت بھی نہیں ہے۔ بلکہ درست طریقہ درختوں کے اجارہ کا جواز ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت اسید بن حضیر کے باغ کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے اس کو کچھ سالوں کی اجرت پر دیا اور اس سے ان کا قرض ادا کیا تھا۔ کہتے ہیں: درختوں کو پھل کے لیے اجرت پر دینا زمین کو اس کے غلہ کے لیے اجرت پر دینے کے مرتبہ میں ہے۔ مستاجر

درختوں پر بھی پانی پلانے، اصلاح، انگوروں کی بیل کو گوبر[1] دینے کا کام کرتا ہے تاکہ پھل حاصل ہو اسی طرح زمین میں ہل چلانا، پانی پلانا اور بیج ڈالنا ہے حتیٰ کہ غلہ حاصل ہو درخت کا پھل زمین میں ہل چلانے اور پانی پلانے کا نفع اٹھانے کی طرح ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ دونوں مسائل میں فرق ہے کہ نفع اٹھانا بیج سے ہے جو مستاجر کی ملکیت ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اس کو زمین میں ڈال کر، پانی پلا کر اور نگرانی کر کے نفع اٹھایا جائے۔ جبکہ درختوں کے اجارہ میں یہ بات نہیں۔ کیونکہ پھل درخت سے ہے اور وہ مؤجر کی ملکیت ہے۔ اس کا جواب چند وجوہ سے ہے۔

پہلی: عقد کی صحت اور اس کے بطلان میں اس کی کوئی تاثیر نہیں ہے۔ یہ فرق تاثیر والا نہ ہے۔

دوسری: یہ باطل ہوتا ہے زمین کو اس کے سبزہ اور گھاس کے لیے اجرت پر لینے سے جسے اللہ اگاتا ہے۔ مستاجر اس میں بیج نہیں ڈالتا تو یہ درخت کے پھل کی مثل ہے۔

تیسری: پھل پانی پلانے، خدمت اور درخت کی نگہبانی سے ملتا ہے۔ یہ مستاجر کے عمل سے پیدا ہوتا ہے جبکہ درخت سے بھی مستاجر کو عمل اور سعی سے ہی کچھ حاصل ہوتا ہے۔

چوتھی: کھیت کی افزائش صرف اکیلے بیج سے نہیں ہوتی۔ بلکہ بیج، مٹی، پانی اور ہوا سے ہوتی ہے۔ کھیتی کا حصول اس مٹی سے ہے جو مؤجر کی ملکیت ہے جیسے درخت سے پھل کا حصول ہے۔ زمین میں بیج ڈالنا درخت کو پانی پلانے کے قائم مقام ہے۔ اس نے مؤجر کی زمین میں ایک جامد چیز ڈالی ہے جبکہ اس نے درخت میں ایک مائع چیز ڈالی ہے۔ پھر پھل اس کی اصل، مستاجر کے پانی اور اس کے عمل سے حاصل ہوا جیسا کہ اس کی زمین میں عمل، مستاجر کے بیج اور محنت سے حاصل ہوا تو زمین کی صورت پر قیاس میں یہ سب سے صحیح صورت ہے۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ صحابہ امت میں سب سے فقیہ اور احکام میں موثر معانی کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ صحابہ میں سے کسی نے بھی حضرت عمر پر اعتراض نہ کیا تھا تو یہ ان کی طرف سے اجماع ہے۔

پھر یہ حیلہ جو ان لوگوں نے ذکر کیا ہے اُس وقت ناممکن ہو جاتا ہے جب باغ کسی یتیم کا ہو یا وقف ہو۔ مؤجر اس وقت مساقات/ پانی پلانے کی سہولت نہیں دے سکتا۔ وہ اس سے زمین کے اجارہ میں مستحق کی سہولت سے چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ اگر اس کو ایک عقد میں نفع دیا، جائز نہیں کہ اسے دوسرے عقد میں خسارہ دے، نہ اس سے چھٹکارا عقد میں عقد کی شرط دے سکتی ہے کہ وہ کہہ دے کہ میں نے تجھے یہ مساقات پر ایک ہزار حصہ میں سے ایک حصہ پر دیا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ میں تجھے فلاں فلاں زمین اجارہ پر دوں گا۔ بلاشبہ یہ درست نہیں ہے تو جس طرح صحابہ نے کیا ہے وہ قیاس صحیح کا مقتضا بھی ہے تو پھر اس حیلہ کی ضرورت نہ رہے گی۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ۔

تیرہویں مثال: اگر کسی نے گھر یا زمین کو خریدا۔ پھر خوف پیدا ہوا کہ یہ وقف یا کسی کا حق نکل آئے گا۔ اس سے وہ چیز اور اس کی اجرت لے لی جائے گی۔ اس میں حیلہ یہ ہے کہ وہ بائع وغیرہ کو بیچی گئی چیز کے پکڑنے کا اور قبضہ کا ذمہ دار بنائے۔ نیز خریدار کو

---

[1] یہاں لفظ ذیار ہے۔ مراد وہ گوبر ہے جو مٹی کے ساتھ ملایا گیا ہو۔ اسے زمین میں ڈالا جاتا ہے تاکہ زمین کی اصلاح کے لیے وہ بیج کا کام دے۔ سید مرتضیٰ نے تاج العروس میں اس طرح ذکر کیا ہے۔ (الفقی)

اس پر جو بھی بھرنا پڑے اس کا ضامن بائع ہوگا، تو اس طرح اس کے قبضہ کی ضمانت درست ہوگی حتیٰ کہ اس شخص کے ہاں بھی جو مجہول کی ضمانت اور جو واجب نہیں ہے اس کی ضمانت کا قائل ہے کیونکہ اس کی ضرورت ہے۔ اگر اس کی ضمانت دے جس کے استحقاق کا اندیشہ ہے تو قوی تر ہے۔ اگر اندیشہ ہو کہ اس کی موت کے بعد اس کے وارث کا استحقاق ظاہر ہوگا تو قبضہ کی ضمانت بائع کے وارث دیں گے یا اگر ممکن ہو تو اس کے وارث دیں گے جس کے استحقاق کا اندیشہ ہوگا۔ اگر بھروسہ ہو کہ جب اس پر خریدی گئی چیز کا استحقاق ہوگا وہ اس کی قیمت کے ساتھ لوٹے گا۔ لیکن منفعت کی قیمت کی چٹی ہوگی۔ یہ اس مدت تک کی اجرت مثل ہے جب تک وہ چیز اس کے ہاتھ میں رہی۔ یہ قول بہت زیادہ ضعیف ہے۔ مشتری تو اس شرط پر داخل ہوا ہے کہ وہ منفعت بلا عوض پوری لے گا۔ جو عوض اس نے دیا ہے وہ چیز کا بدل ہے نہ کہ انتفاع کا ہے۔ اس پر اجرت کو لازم کرنا ایسی چیز لازم کرنا ہے جو اس پر لازم نہیں ہوتی۔ اسی طرح ہم عاریتاً طلب کرنے والے کے متعلق کہیں گے کہ جب چیز کا کوئی حقدار ہو گیا اس پر منفعت کا عوض لازم نہ آئے گا۔ کیونکہ وہ اس معاملہ میں اس شرط پر داخل ہوا تھا کہ وہ مفت بلا معاوضہ نفع پائے گا۔ برخلاف مستاجر کے اس نے انتفاع کو عوض کے ساتھ لازم کیا تھا۔ لیکن اس پر لازم صرف وہی حصہ ہوگا جس نامزد حصہ پر وہ داخل ہوا تھا۔

اسی طرح اگر خریدی گئی لونڈی سے اس نے جماع کیا۔ پھر وہ کسی کا حق نکل آئی اس پر مہر لازم نہ ہوگا کیونکہ وہ اس پر اس شرط سے داخل ہوا تھا کہ اس سے مفت جماع کرے گا۔ برخلاف خاوند کے وہ اس شرط پر داخل ہوا ہے کہ وہاں وطی بمقابلہ مہر ہے۔ لیکن اگر وہ کسی کا حق نکل آئی تو اس پر صرف مقرر کردہ ہی لازم آئے گا۔ حق دار کو یہ اختیار نہیں کہ وہ دھوکہ دیے گئے سے مطالبہ کرے کیونکہ وہ معذور ہے، اس پر ضمانت لازم نہ ہے، وہ اچھائی کرنے والا ہے ظالم نہ ہے اس کے خلاف کوئی راستہ نہ ہے اور یہی درست ہے۔ دوسرے قول کے مطابق اگر وہ اس سے مطالبہ کرے جس نے اس کو دھوکہ دیا تھا۔ اس چیز کے ساتھ جس کی خاص ضمانت کا وہ ملتزم نہ تھا اور نہ اس پر وہ لوٹے گا جس کی چٹی کا وہ ملتزم ہے، اگر ودیعت یا ہبہ کنندہ اصل چیز کی قیمت اور نفع پر چٹی ڈالے وہ ان دونوں کو دھوکہ دینے والے پر لوٹے گا۔ اگر مستاجر یہ چٹی ڈالے وہ اصل کی قیمت پر لوٹے گا نہ کہ منفعت کی قیمت پر۔ مگر یہ کہ وہ نامزد حصہ سے زائد کے ساتھ لوٹے گا جہاں اس کی ضمانت لازم نہ ہوگی۔ اگر اس شخص نے جو خریدار ہو یا عاریتاً لینے والا ہو اصل اور منفعت کی قیمت کی ضمانت دی۔ وہ منفعت کی قیمت کے ساتھ لوٹے گا نہ کہ اصل کی قیمت کے ساتھ۔ لیکن وہ لوٹے گا اس کے ساتھ جو نامزد قیمت سے زائد ہے۔

المقصود: اس مشتری کو اندیشہ ہو کہ اگر خریدی گئی چیز کا کوئی حق دار نکل آئے گا اس سے قیمت منفعت طلب کی جائے گی تو اس سے چھٹکارے میں حیلہ یہ ہے کہ وہ اس سے گھر یا زمین معلوم سالوں تک معلوم اجرت پر لے لے پھر اس کے بعد وہ اس سے خرید لے۔ اس پر گواہ بنا لے کہ اس نے اس کو اجرت دے دی ہے۔ جب اس سے حق دار نکل آنے والی چیز کا مطالبہ کیا گیا یا عوض منفعت کا مطالبہ کیا گیا تو وہ خود موجر سے اس اجرت کا مطالبہ کر دے گا جو اس نے لے لی تھی جب اجارۃ باطل ظاہر ہو جائے گا۔

چودھویں مثال: اگر کوئی کسی کو وکیل بنائے کہ وہ اس کی شادی ایک متعین عورت سے کروا دے یا اس کے لیے متعین لونڈی خرید دے۔ پھر موکل کو اندیشہ ہو کہ وہ اس کے وکیل کو اچھی لگے گی۔ وہ اس سے شادی کرلے گا یا وہ اسے اپنے لے خرید لے گا۔ اس

میں لونڈی کے حوالہ سے بچاؤ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اسے کہہ دے: اگر تو نے اسے اپنی ذات کے لیے خرید لیا تو وہ آزاد ہوگی۔ یہ شرط اور آزادی درست ہوگی۔ رہا بیوی کا معاملہ تو جس نے اس بارے میں اس شرط کو درست کہا ہے مثلاً مالک وابوحنیفہ تو ان کے نزدیک یہ درست ہے۔ لیکن شافعی اور احمد کے قول کے مطابق یہ درست نہیں ہے۔

اس میں بچاؤ کا راستہ یہ ہے کہ وہ اس پر گواہ کر دے کہ وہ اس پر حلال نہ ہوگی۔ ان دونوں کے مابین ایسا سبب ہے جو عورت کی اس آدمی پر تحریم کا تقاضا کرتا ہے اور جب اس عورت سے اس نے نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہوگا۔ اگر وکیل اس عورت سے شادی یا لونڈی کو اپنے لیے خریدنے کا ارادہ کرے۔ یہاں پر اللہ کے کسی حکم میں وہ گنہگار نہ ہوتا ہو تو اس میں حیلہ یہ ہے کہ وہ وکالت سے اپنی ذات کو الگ کر لے۔ پھر اس پر اپنے نفس کے لیے عقد کرے۔ اگر اس نے اپنے نفس کے لیے عقد کیا تو یہ اس کے نفس کے لیے وکالت سے علیحدگی ہوگی۔

اگر اس کو اندیشہ ہو کہ اس کا یہ کام پورا نہ ہوگا کہ وہ اسے حنفی حاکم کے پاس لے جائے گا جس کے خیال میں موکل سے غائبانہ وکیل اپنے نفس کو علیحدہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ وہ اس سے چھٹکارا چاہتا ہے؟

تو اس میں راستہ یہ ہے کہ وہ اسے اپنے نفس کے لیے اس جنس کے علاوہ سے خریدے جس کی اس کو اجازت دی گئی تھی۔ اگر اس نے اسے اپنے نفس کے لیے اس جنس کے ساتھ خریدا جس کی اسے اجازت دی گئی تھی اس نے اپنے نفس کو اپنے موکل سے غائبانہ الگ کر لیا جبکہ یہ ناممکن ہے۔ اگر اس نے اسے اس جنس کے علاوہ میں خریدا تو خریداری درست ہوگی اور اس کے نفس کے لیے علیحدگی نہ ہوگی۔

پندرہویں مثال: اگر کسی آدمی کو کسی نے ایک لونڈی بیچنے پر وکیل بنایا۔ دوسرے نے اسے اسی کو خریدنے کا وکیل بنایا۔ اگر ہم کہیں کہ وکیل عقد کی دونوں طرفوں کا ذمہ دار بن سکتا ہے۔ جائز ہے کہ وہ ان دونوں کے لیے بائع اور مشتری ہو۔ اگر ہم اس سے منع کریں تو طریقہ یہ ہے کہ وہ اس کو بیچ دے جس پر بھروسہ ہو کہ وہ اس سے خرید لے گا۔ پھر وہ اسے اپنے موکل کے لیے خرید لے۔ اگر اندیشہ ہو کہ جس مشتری نے اس پر بھروسہ کیا ہے وہ وفا نہ کرے گا تو حیلہ یہ ہے کہ وہ اس کے ہاتھ اسے بشرط اختیار بیچ دے۔ اگر وہ اس کے لیے بیع پر وفا کرے تو درست ورنہ اس کو سودا فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

سولہویں مثال: آدمی اپنی بیٹی کے لیے اس کے حق مہر پر خلع کا اختیار نہیں پاتا، اگر اس کو اس میں فائدہ ظاہر ہو تو طریقہ یہ ہے کہ وہ اس کے لیے اس پر مالک بنے، پھر اسے اس کے خاوند سے اس پر خلع دے دے تو اس نے اس کا خلع اس کے مال سے کیا ہوگا۔ درست یہ ہے کہ اس کو اس کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اگر فائدہ ظاہر ہو کہ اس کے حق مہر سے اس کے خاوند سے فدیہ دینا ہے تو یہ جائز ہے یہ عورت کے مال سے قید سے فدیہ کے مرتبہ پر ہوگا۔ بلکہ بسا اوقات اس کے لیے بہتر ہوگا۔

سترہویں مثال: اگر اس کو وکیل بنایا کہ وہ اس کے لیے کچھ سامان خریدے۔ اس نے وہ خریدا۔ پھر ارادہ کیا کہ اسے اس کی طرف بھیج دے۔ لیکن وہ ڈرا کہ ضائع ہو جائے گا اور وکیل ضامن ہوگا تو اس سے چھٹکارے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ وکیل سے اجازت طلب کر لے کہ وہ اس میں اپنی عقل سے کام لے گا اور یہ اس کے سپرد کرے گا۔ اگر اس نے اجازت دی، اس نے سامان

بھیجا نقصان ہو گیا تو وہ ضامن نہ ہو گا۔

اٹھارہویں مثال: اگر کسی نے مسلمان ہونے کا ارادہ کیا جبکہ اس کے پاس شراب ہے یا خنازیر ہیں وہ نہیں چاہتا کہ یہ ضائع ہو جائیں تو حیلہ یہ ہے کہ وہ کسی کافر کو قبل اسلام بیچ دے۔ پھر مسلمان ہو جائے۔ اس کے لیے قیمت کے مطالبہ کا اختیار ہوگا۔ گو کہ مشتری بھی مسلمان ہو گیا ہو یا اپنے کفر پر باقی ہو۔ اس پر امام احمد کی نص ایک مجوسی کے متعلق ہے جس نے دوسرے مجوسی کو شراب فروخت کی، وہ دونوں مسلمان ہو گئے کہ وہ قیمت لے گا جو اس دن واجب ہو گئی تھی جب اس نے یہ بیچی تھی۔

انیسویں مثال: اگر کسی کے پاس پھلوں کا رس ہو اسے ڈر ہو کہ اس کی شراب بن جائے گی اس کے لیے اس کے بعد اس سے سرکہ بنانا جائز نہ رہے گا تو اس میں حیلہ یہ ہے کہ پہلے تو وہ اس میں ایسی چیز ڈال دے جو اسے شراب بننے سے روک دے۔ اگر وہ نہ کر سکا اور شراب بن گئی اس کا بہا دینا واجب ہے۔ اس کے لیے روک رکھنا جائز نہیں کہ سرکہ بنے اگر اس نے یہ کیا تو وہ پاک اور مباح نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا روکنا گناہ ہے۔ جبکہ سرکہ کی طرف لوٹ آنا ایک نعمت ہے تو نعمت گناہ کے ساتھ مباح نہیں کی جا سکتی۔

بیسویں مثال: جب کسی کا کسی آدمی پر بدیر ادا کیا جانے والا قرض ہو۔ قرض کا مالک سفر کا ارادہ کرے۔ اسے مال کی حاجت ہو یا اسے اندیشہ ہو کہ اس کا مال ضائع [1] ہو جائے گا۔ وقت آنے سے پہلے اس سے مطالبہ بھی ممکن نہ ہوگا۔ وہ ارادہ کرے کہ قرض دار کو کچھ معاف کر دے اور باقی کا وہ اسے جلد ادا کر دے تو اس مسئلہ میں سلف اور خلف نے اختلاف کیا ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس اس کو جائز کہا ہے۔ حضرت ابن عمر نے اس کو حرام کہا ہے۔ امام احمد سے اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ان میں سے مشہور تر منع کی روایت ہے یہی جمہور صحابہ کا پسندیدہ مؤقف ہے۔

دوسرا: موقف جواز کا ہے جسے ابن ابی موسیٰ نے بیان کیا ہے اور یہی ہمارے شیخ کا پسندیدہ موقف ہے۔

ابن عبدالبر نے الاستذکار میں شافعی سے اس متعلق ایک قول بیان کیا ہے۔ ان کے ساتھی تو اس قول کو نہیں پہچانتے اور نہ اس کو بیان کرتے ہیں۔ اگر یہ شافعی سے درست ثابت ہو تو یہ اس بارے میں ہے جب یہ بغیر شرط ہو۔ بلکہ اگر اس نے اس کو قرض جلد ادا کیا تو یہ جائز ہے۔ باقی سے اس نے اس کو بری کر دیا۔ حتیٰ کہ اگر اس نے یہ شرط وضع اور تعجیل سے پہلے لگائی ہوتی۔ پھر اس نے یہ کام گزشتہ شرط کی بناء پر کیے۔ ان کے ہاں صحیح ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب میں شرط مؤثر ہے۔ جو شرط آئندہ ملنے والی ہو نہ کہ گزشتہ، ان کے بعض اصحاب نے اس کی صراحت کی ہے۔ جبکہ باقی کہتے ہیں: اگر اس نے یہ بغیر شرط کیا تو بھی جائز ہوگا ان کی مراد ملنے والی/ آئندہ شرط ہے۔ مالک تو اس کو ذریعہ بند کرنے کے لیے جائز نہیں کہتے نہ شرط کے ساتھ نہ اس کے بغیر۔ احمد اس کو کتابت کے قرض میں جائز کہتے ہیں۔ جبکہ دوسرے کے متعلق ان سے دو روایات ہیں۔

جو منع کرتے ہیں: ان کی دلیل آثار اور مفہوم سے ہے۔

رہے آثار: تو سنن بیہقی میں حضرت مقداد بن اسود سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: میں نے ایک آدمی کو سو دینار ادھار دیا۔ پھر میرا نام ایک لشکر میں آ گیا جو رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا تھا۔ میں نے اس کو کہا: جلدی سے نوے دینار دے دو۔ میں دس

---

[1] یہاں لفظ ''توی'' ہے جس کا مطلب ضائع اور ہلاک ہونا ہے۔ (الفقی)

دینار معاف کر دوں گا۔ اس نے کہا جی ہاں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا فرمایا: اے مقداد! تو نے سود کھایا اور اس کو کھلایا، اس کی سند میں ضعف ہے۔[1]

حضرت ابن عمر سے صحیح مروی ہے کہ ان سے ایک آدمی کے متعلق سوال کیا گیا جس کا ایک مقررہ مدت تک کسی پر قرض ہو۔ وہ آدمی کچھ معاف کر دے اور باقی وہ اسے جلد ادا کر دے۔ حضرت ابن عمر نے اس کو مکروہ کہا اور اس سے منع کیا۔[2] ابوالمنہال سے صحیح مروی ہے۔ انہوں نے حضرت ابن عمر سے سوال کیا۔ کہا: ایک آدمی کا مجھ پر قرض ہے۔ اس نے مجھے کہا ہے: میرے لیے جلدی کر و تا کہ میں تجھ سے کچھ معاف کروں؟ کہتے ہیں آپ نے مجھے اس سے منع کر دیا اور فرمایا امیر المومنین حضرت عمر نے اس بات سے منع کیا ہے کہ چیز کو قرض کے بدلے بیچا جائے۔''[3]

ابوصالح عبید مولی السفاح کہتے ہیں: میں نے بازار والوں کو ایک مدت تک کے لیے گندم بیچ دی۔ پھر میں نے کوفہ کی طرف نکلنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ کچھ میں ان کو معاف کر دوں باقی وہ مجھے نقد دیں گے۔ میں نے اس بارے میں حضرت زید بن ثابت سے سوال کیا۔ فرمایا: میں تم کو حکم نہیں دیتا کہ تم یہ کھاؤ اور یہ کھلاؤ اسے مالک نے مؤطا میں روایت[4] کیا ہے۔

رہا مفہوم تو اگر اس نے بعض حصہ جلد لے لیا اور باقی معاف کر دیا تو اس نے آئندہ موت کو اس اندازے کے بدلے میں بیچ دیا جو اس نے چھوڑا ہے۔ یہ اصل سود ہے۔ جیسے اگر اس نے اس اندازے کے ساتھ مدت کو بیچا ہوتا جو وہ بڑھاتا ہے۔ جب اس پر قرض کا وقت آجاتا ہے۔ وہ کہتا ہے: تم میرے لیے قرض کو بڑھاؤ میں تمہارے لیے مدت کو بڑھاؤں گا تو ان دو باتوں میں کیا فرق ہوا کہ تم مدت کو کم کرو اور میں قرض کم کروں گا یا تم کہو کہ مدت بڑھاؤ اور میں قرض بڑھاؤں گا؟

زید بن اسلم کہتے ہیں: جاہلیت کا سود اس طرح تھا کہ آدمی کا کسی آدمی پر ایک وقت تک حق ہوتا۔ جب حق کا وقت آتا اس کو قرض خواہ کہتا: تم مجھ کو ادا کرتے ہو یا بڑھاتے ہو؟ اگر وہ اس کو ادا کرتا وہ لے لیتا ورنہ وہ اس کا حق بڑھا دیتا اور وہ اس سے قرض کی مدت مؤخر کر دیتا۔ (مالک)

اس سود کی حرمت اور بطلان پر اجماع ہو گیا ہے۔ اس کی تحریم دین اسلام سے معلوم ہے جس طرح زنا، لواطت اور چوری کی حرمت معلوم ہے۔

کہتے ہیں: مدت کی کمی بمقابلہ عوض کی کمی ہے۔ جس طرح اس کا اضافہ اس کے مقابلہ میں ہے۔ جس طرح یہ سود ہے تو وہ بھی سود ہے۔

جائز قرار دینے والے کہتے ہیں: حضرت ابن عباس سے صحیح مروی ہے کہ وہ اس بات میں حرج نہ سمجھتے تھے کہ آدمی کہے کہ میں تمہارے لیے جلدی کرتا ہوں اور تم مجھ پر (کچھ) معاف کر دو۔ یہی وہ بات ہے جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے جب بنو نضیر کے مدینہ سے اخراج کا حکم دیا۔ ان کے کچھ لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے۔ کہنے لگے: اے اللہ کے

---

[1] سنن الکبریٰ بیہقی، ج: ٦، ص: ٢٨۔ [2] مؤطا امام مالك، ج: ١، ص: ٦٧٢، حدیث: ٨٢۔

[3] سنن الکبریٰ بیہقی، ج: ٦، ص: ٢٨۔

[4] سنن الکبریٰ بیہقی بمطابق حوالہ گزشتہ اور مؤطا امام مالك، ج: ١، ص: ٦٧٢، حدیث: ٨١۔

پیغمبر! آپ نے ان کے اخراج کا حکم دیا ہے۔ان کے لوگوں پر قرض ہیں جن کا وقت ادا نہیں آیا۔نبی ﷺ نے فرمایا''معاف کرو اور جلدی لے لو''ابوعبداللہ الحاکم کہتے ہیں: یہ صحیح الاسناد ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ سنن کی شرط پر ہے۔اس کو بیہقی نے ضعیف کہا ہے اس کی اسناد ثقات ہیں۔اس کو ضعیف تو مسلم بن خالد الزنجی کی وجہ سے کہا گیا ہے۔جبکہ یہ ثقہ اور فقیہ ہیں۔شافعی نے اس سے روایت لی ہے اور اس سے حجت پکڑی ہے۔

بیہقی کہتے ہیں:''اس شخص کے بارے میں باب جس کو اس کے حق میں سے کچھ وقت آنے سے قبل دے دیا گیا اور باقی اس نے معاف کر دیا اس پر دونوں کی خوشی تھی'' گویا ان کی مراد یہ ہے کہ جب یہ بغیر شرط واقع ہو۔بلکہ اس نے جلدی کی اور اس نے معاف کر دیا۔اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

کہتے ہیں: سود اس کی ضد ہے۔یہ مدت اور قرض میں اضافے کو شامل ہے۔یہ قرض دار پر خالص زیادتی ہے۔جبکہ ہمارا مسئلہ قرض دار کو قرض سے بری کرنے پر مشتمل ہے۔مالک کو نفع ملتا ہے کہ اسے جلد مل گیا تو دونوں کو بغیر نقصان کے نفع مل گیا۔برخلاف اجماع والے سود کے اس میں قرض دار کو نقصان ہوتا ہے جبکہ فائدہ صرف قرض خواہ کو ہوتا ہے تو یہ صورت اور مفہوم میں سود کی ضد ہے۔

کہتے ہیں: سود میں مدت کے مقابل اضافہ بہت بڑی تکلیف کا ذریعہ ہے وہ یہ کہ ایک درہم کے ہزاروں بن جاتے ہیں تو ذمہ داری بغیر فائدہ بڑھتی جاتی ہے۔جبکہ معافی اور جلدی میں یہ قرض کی ذمہ داری سے چھٹکارا پاتا ہے اور وہ جلدی کا نفع پاتا ہے۔

کہتے ہیں: شارع کی قرض داروں کو قرضے سے چھڑانے پر خاص نگاہ تھی مقروض، غریم کا نام آپ ﷺ نے قیدی بھی رکھا ہے۔جب بری الذمہ ہوگا تو اس قید سے چھوٹ جائے گا۔یہ اضافہ پر صبر کے ساتھ کی مشغولیت کی ضد ہے یہ اس شخص کے لیے لازم ہے جس نے کہا: یہ کتاب کے قرض میں جائز ہے۔یہ قول احمد اور ابوحنیفہ کا ہے، کتابت والا غلام اپنے آقا کے ساتھ معاملات میں اجنبی کی طرح ہے۔اس لیے جائز نہیں کہ وہ اسے ایک درہم دو درہموں کے بدلے بیچے نہ وہ اس سے سود کی بیع کر سکتا ہے۔جب اس کے لیے جائز ہوگا کہ وہ مکاتبت کا بعض حصہ جلد ادا کر دے اور وہ باقی اس کو معاف کر دے گا کیونکہ اس میں جلد آزادی اور قرض سے بری الذمہ ہونے کا فائدہ ہے تو یہ اس کے دیگر قرضوں میں منع نہیں۔

اگر کوئی اس مسئلہ کی تفصیل میں چلا جائے اور کہے کہ قرض میں جائز نہیں جب ہم اس کی مدت کی تاخیر لازم کرنے کا کہیں۔یہ بیچی گئی چیز کی قیمت، اجرت، خلع کے عوض اور حق مہر میں جائز ہے تو ایک صورت بنتی ہے۔قرض میں مثل کو لوٹانا واجب ہے۔جب اس نے جلدی کی اور اس نے باقی ساقط کر دیا۔وہ عقد کے موجب سے نکل گیا۔اس نے قرض سو دیا تھا۔اس نے ادائیگی نوے کی۔قرض دینے والے کو یہ بغیر نفع حاصل ہوا۔بلکہ خاص نفع قرض لینے والے کو ہوا۔وہ سود دینے والے کی طرح ہے گو کہ نفع دوسرے کے بجائے اس کو ہوا ہے۔رہا بیع اور اجارہ کا معاملہ تو اس میں دونوں فسخ عقد کا اختیار رکھتے ہیں۔فی الحال معاوضہ جتنا تھا اس سے کم رکھا یہ جلدی اور معافی کی حقیقت ہے۔لیکن اس پر حیلہ ہے۔معاملات میں اعتبار مقاصد کا ہوتا ہے نہ کہ ان کی صورتوں کا۔اگر معافی اور جلدی میں خرابی ہو تو اس پر حیلہ اس کی خرابی کو ختم نہ کرے گا اور خرابی نہ ہو تو اس پر حیلہ کی حاجت نہ ہوگی۔خلاصۃ

اس مسئلہ میں چار مذاہب ہیں۔

1. مطلق منع۔ شرط ہو یا نہ ہو، کتابت کا قرض ہو یا دیگر۔ جیسے امام مالک کا قول ہے۔
2. کتابت میں اس کا جواز۔ دیگر میں نہیں۔ جیسے احمد اور ابوحنیفہ کا مشہور مذہب ہے۔
3. دونوں جگہوں پر اس کا جواز۔ جیسے حضرت ابن عباس اور احمد کا دوسری روایت میں قول ہے۔
4. اس کا بلاشرط جواز اور آئندہ شرط کے ساتھ ممانعت۔ جیسے اصحاب اشافعی کا قول ہے۔ واللہ اعلم

اکیسویں مثال: جب کسی کے کسی پر ایک ہزار درہم قرض ہوں۔ اس نے اس سے مصالحت کی کہ وہ فلاں برس کے فلاں ماہ میں اس کو ایک سو درہم ادا کرے گا۔ اگر اس نے نہ کیا تو اس پر دو سو درہم ہیں۔ قاضی ابویعلی نے کہا: یہ جائز ہے۔ جبکہ دوسری قوم نے اس کو باطل کہا ہے۔

تمام کے مذہب کے مطابق اس کے جواز میں حیلہ یہ ہے کہ مال کا مالک آٹھ سو کی طے شدہ ادائیگی میں جلدی کرے۔ پھر باقی مطلوب دو سو کی سو پر مصالحت کر لے جو وہ اس کو فلاں ماہ میں ادا کرے گا۔ شرط یہ ہے کہ اگر اس نے اس کو اس وقت سے مؤخر کیا تو ان دونوں کے مابین مصالحت نہیں ہے۔

بائیسویں مثال: اگر کسی نے اپنے غلام سے ایک ہزار پر مکاتبت کر لی جو وہ اسے دو سالوں میں ادا کرے گا۔ اگر اس نے یہ نہ کیا تو اس پر دیگر ہزار بھی لازم ہے تو یہ کتابت فاسد ہے۔ اسے قاضی نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اس نے مال کا ایجاب ممنوع سے معلق کیا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

اس کے جواز میں حیلہ یہ ہے کہ وہ اس سے دو ہزار درہم پر مکاتبت کرے۔ پھر اس میں ایک ہزار درہم پر صلح کرے کہ وہ اس کو دو سالوں میں ادا کرے گا اگر اس نے نہ کیا تو ان دونوں کے مابین صلح نہیں ہے تو اس نے فسخ کو ممنوع سے معلق کر دیا یہ جائز ہے اور یہ گزشتہ مسئلہ کی طرح ہو جائے گا۔

تیئسویں مثال: جب کسی پر حالیہ قرض ہو وہ اس کے یا اس کے بعض حصہ کی تاخیر پر مصالحت کرے اس پر تاخیر لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ حال مؤخر نہیں ہوتا۔ درست یہ ہے کہ وہ مؤخر ہو جائے گا جس طرح قرض کا بدل مؤخر ہوتا ہے گو کہ دو صورتوں میں نزاع ہے۔ اس میں اہل مدینہ کا مذہب راجح ہے۔ تاخیر کی صحت اور اس کے لزوم پر حیلہ یہ ہے کہ وہ قرض والے کے اقرار پر گواہ بنا لے کہ وہ اس وقت سے پہلے مطالبہ کا حق دار نہیں جس پر دونوں کا اتفاق ہوا ہے۔ اگر اس نے اس سے قبل مطالبہ کیا تو اس نے غیر مستحق مطالبہ کیا۔ اگر وہ یہ کر لے گا تو وہ تاخیر میں اس کے رجوع سے پر امن ہو جائے گا۔

چوبیسویں مثال: جب مشتری نے کسی سے ایک گھر ایک ہزار میں خریدا۔ وہاں شفیع آ گیا جو شفعہ طلب کرتا ہے۔ مشتری نے اس سے نصف گھر کی نصف قیمت پر مصالحت کر لی تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ شفیع نے اپنے بعض حصہ پر مصالحت کی ہے۔ جیسے اگر وہ ہزار سے پانچ سو پر مصالحت کرتا۔ اگر وہ گھر کے ایک کمرہ پر بعینہ اس کی قیمت کے حصہ پر مصالحت کرتا ہے۔ گھر کی قیمت لگائی جائے گی۔ پھر قیمت سے اس کا حصہ نکالا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے۔ کیونکہ دوران حال اس کا حصہ معلوم ہے۔ بحالت صلح اس کے

مجہول ہونے کا کوئی نقصان نہیں ہے۔ جیسے اگر کسی نے ایک حصہ اور تلوار خریدی۔ شفیع کو اختیار ہے کہ وہ قیمت کے حصہ سے اپنا حصہ لے لے گو کہ وہ بحالت عقد مجہول ہو کیونکہ اس کی بنیاد علم پر ہے۔

ہمارے اصحاب میں سے قاضی وغیرہ نے کہا: جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے ایک مجہول چیز پر مصالحت کی ہے۔

پھر کہتے ہیں: اس کی تصحیح میں حیلہ یہ ہے کہ شفیع اس گھر کو مشتری سے نامزد قیمت پر خرید لے۔ پھر شفیع مشتری کے لیے جو گھر کا حصہ باقی رہ گیا ہے تسلیم کر لے۔ شفیع کا اس حصہ کو خریدنا ہی شفعہ کو تسلیم کرنا ہے۔ اس کا ایک کمرے کا سودا بھی شفعہ کو تسلیم کرنا ہے۔

اگر شفیع معین کمرہ کی خرید کا ارادہ کرے اور باقی اس کے شفعہ پر ہی باقی رہے تو حیلہ یہ ہے کہ آغاز سودے سے نہ کرے بلکہ صبر کرے حتیٰ کہ مشتری آغاز کرے اور کہے کہ میں نے یہ کمرہ اتنے اتنے میں لے لیا ہے شفیع کہے کہ جس کے ساتھ تم نے لیا ہے میں نے قبول کر لیا ہے۔ وہ باقی گھر میں شفعہ کو تسلیم کرنے والا نہیں۔ اس حیلہ میں غیر کے حق کو باطل کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو اس کے حق کی طرف ایک ذریعہ ہے۔

پچیسویں مثال: وکالت کو شرط سے معلق کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ ولایت اور امارت کو شرط سے معلق کرنا جائز ہے۔ نبی ﷺ سے امارت کو شرط سے معلق کرنا صحیح ثابت ہے۔ اس کا نام وکالت، تفویض اور تولیہ ہے۔ شرط کے ساتھ وکالت کو معلق کرنے پر بالکل کوئی ممانعت نہیں ہے۔

اس کی تصحیح میں حیلہ یہ ہے کہ وہ وکالت کو پورا کرے اور تصرف میں اذن کو شرط سے معلق کر دے۔ یہ حقیقت میں اس کو ہی ذاتی طور پر شرط سے معلق کرنا ہے۔ مقصود وکالت تو تصرف کی صحت اور اس کا نفاذ ہے تو کیل اس کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔ جب مقصود کو شرط سے معلق کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے تو اس کا وسیلہ جواز کا زیادہ حق دار ہے۔

چھبیسویں مثال: کسی کا بری کرنا شرط سے معلق کرنا جائز اور درست ہے۔ اسے امام احمد نے اختیار کیا ہے۔ ہمارے اصحاب نے کہا: یہ درست نہیں ہے۔

وہ کہتے ہیں: اگر کہے کہ: اگر تو مری تو اس چیز سے پاک ہے جو میری تجھ پر ہے اگر اس نے اس کو اپنی ذات کی موت سے معلق کیا درست ہے۔ کیونکہ یہ وصیت ہے۔ اگر اس کو اس کی موت سے معلق کیا جس پر قرض ہے درست نہیں ہے کیونکہ یہ برأت کو شرط کے ساتھ معلق کرنا ہے اور یہ درست نہیں۔ جیسے ہبہ کی تعلیق درست نہیں ہے۔ اس کے جواب میں پہلے کہا جائے گا۔ اصل میں حکم نص کے ساتھ اور نہ ہی اجماع کے ساتھ ثابت ہے۔ ہبہ کی شرط کے ساتھ تعلیق کے بطلان پر کیا دلیل ہے؟ نبی ﷺ سے صحیح مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حدیث جابر میں ہبہ کو شرط سے معلق کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

«لو قد جاء مال البحرين لاعطيتك هكذا»[1]

''اگر بحرین سے مال آ گیا تو میں ضرور تجھے اتنا اتنا پھر اتنا تین لپ بھر کر دوں گا۔''

جب نبی ﷺ کی وفات کے بعد بحرین سے مال آیا حضرت صدیق نے ان کے لیے اس وعدہ کو پورا کیا۔

---

[1] صحيح بخاری، ج: ٤، ص: ٦٤؛ صحيح مسلم، ج: ٤، ص: ١٨٠٦، حديث: ٦٠/ ٢٣١٤۔

اگر کہا جائے یہ تو ایک وعدہ تھا؟

ہم کہیں گے جی ہاں! شرط سے معلق ہبہ بھی ایک وعدہ ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ نے کیا۔ جب آپ ﷺ نے نجاشی کو مسک کا تحفہ بھیجا اور حضرت ام سلمہ کو فرمایا:

«إِنِّي قَدْ أَهْدَيْتُ إِلَى النَّجَاشِيِّ حُلَّةً أَوَاقِيَّ مِنْ مِسْكٍ، وَلَا أَرَى النَّجَاشِيَّ إِلَّا قَدْ مَاتَ، وَلَا أَرَى هَدِيَّتِي إِلَّا مَرْدُودَةً، فَإِنْ رُدَّتْ عَلَيَّ فَهِيَ لَكِ»[1]

''میں نے نجاشی کو ایک حلہ اور چند اوقیہ مسک کا تحفہ بھیجا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ وہ وفات پا چکا ہے اور میرا تحفہ ضرور واپس آنے والا ہے۔ اگر وہ مجھے واپس بھیج دیا گیا تو وہ تیرے لیے ہے۔''

آخر تک حدیث ذکر کی جسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

درست بات ان دو حدیثوں پر عمل کرتے ہوئے ہبہ کی شرط کے ساتھ تعلق کی صحت ہے۔ نیز وصیت ایک تملیک ہے۔ یہ درحقیقت موت کے ملکیت بنانے کی تعلیق ہے۔ اگر کوئی کہے: اگر میں اپنی اس بیماری میں فوت ہو گیا تو میں نے فلاں کے لیے اتنی وصیت کر دی ہے یہ مالک بنانا موت سے معلق ہے۔ اسی طرح درست بات وقف کی شرط کے ساتھ تعلیق ہے۔ اس پر میمونی کی روایت میں نص ہے اس کی موت کے ساتھ تعلیق پر۔ ہر تعلیق اس معنی میں ہے اور بالکل کوئی فرق نہ ہے۔ اسی لیے ابوالخطاب نے اس کو نامنظور کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی موت کے ساتھ تعلیق درست نہیں ہے۔ درست بات ان کے موقف کا رد ہے جبکہ موت وغیرہ سے اس کی تعلیق درست ہے۔ مذہب احمد میں دو میں سے ایک صورت یہ ہے۔ یہی مالک کا مذہب ہے۔ امام احمد سے معروف نہیں ہے کہ انہوں نے اس کی عدم صحت پر قطعیت کی ہو۔ عدم صحت کا قول تو قاضی اور ان کے اصحاب کا ہے۔ مسئلہ میں تیسری صورت بھی ہے وہ یہ کہ اس کی تعلیق موت کی شرط کے ساتھ درست ہے اور کسی شرط سے نہیں ہے۔ شیخ موفق الدین نے اس کو اختیار کیا ہے۔ انہوں نے فرق بتایا ہے کہ اس کی موت کے ساتھ تعلیق ایک وصیت ہے۔ وصیت حیات میں تصرف سے وسیع تر ہے۔ مجہول، معدوم اور حمل کی وصیت کی دلیل کی وجہ سے۔ درست بات مطلقاً صحت ہے۔ اگر اس کی موت کے ساتھ تعلیق ایک وصیت ہوتی تو یہ ضرور وارث پر مانع بن جاتی۔ اس بات میں اختلاف نہیں کہ بطون کی نسبت اس کی شرط کی تعلیق درست ہے کہ بطن کے بعد بطن تک۔ دوسرا بطن جو ہے وہ پہلے بطن کے پورے ہونے سے مشروط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ﴾ (المائدۃ:۱)

''اے ایمان والو! تم اپنے اقراروں کو پورا کرو۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

«المسلمون عند شروطهم»

''مسلمان اپنی شروط پر ہیں۔''

[1] مسند امام احمد، ج: ٦، ص: ٤٠٤۔

صحیح قیاس اس کی تعلیق کی صحت کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ تملیک سے بڑھ کر آزادی سے مشابہت رکھتا ہے۔ اسی لیے اس میں بالاتفاق قبول کی شرط نہ لگائی جائے گی۔ جب اس جہت پر ہو۔ اسی طرح جب یہ کسی معین آدمی پر ہو۔ دو میں سے مضبوط تر وجہ کے مطابق۔ یہ اس کی آزادی سے مشابہت کی وجہ سے ہی ہے۔

المقصود: ابراء کو شرط سے معلق کرنا ان سب سے بڑھ کر حق دار ہے۔ اس سے منع دلیل اور مذہب کے موجب کے خلاف ہے۔

اس کے جواب میں دوسری بات یہ کہی جائے گی کہ تعلیق ہبہ کے بطلان سے تعلیق ابراء کا بطلان لازم نہیں آتا۔ بلکہ قیاس صحیح اس کی صحت تعلیق کا تقاضا کرتا ہے۔ کیونکہ یہ محض ساقط کرنا ہے۔ اس لیے بری کنندہ کے قبول اور اس کی رضا کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ یہ تملیک کی نسبت عتق اور طلاق سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔

اس بنیاد پر۔ ان سب میں حیلہ کی نسبت سے بے پروائی برتی جائے گی۔

اگر تعلیق کی حاجت آجائے اور اس پر توڑے جانے کا اندیشہ ہو تو حیلہ یہ ہے کہ وہ کہہ دے مجھ پر اس ماہ یا سال کے بعد کچھ لازم نہ ہے یا زید کے آنے پر میرے ذمہ اس کی کوئی چیز نہیں ہے یا ہر وہ دعویٰ جو میں فلاں ماہ یا فلاں سال یا زید کے آنے پر کروں گا وہ اس سبب سے ہے یا اس قرض سے ہے تو وہ دعویٰ باطل ہے یا کہے کہ اس کی موت کے بعد جو بھی اس کے ترکہ میں دعویٰ کروں گا۔ اتنے قرض کا یا اتنی قیمت کا تو وہ دعویٰ باطل ہے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ اس بنیاد پر اس کی حاجت نہ ہوگی۔

ستائیسویں مثال: اگر خاوند بیوی کے خرچہ سے تنگ آجائے۔ وہ فسخ کی مالک ہو جائے گی۔ اگر اس کی طرف سے یہ ذمہ داری کوئی اور اٹھالے۔ اس کا فسخ کا اختیار ختم نہ ہوگا۔ کیونکہ اس پر اس طرح ایک احسان ہے۔ جس طرح کوئی کسی کی طرف سے اگر قرض ادا کرنا چاہے۔ قرض کا مالک اس کے قبول سے انکار کرے تو اسے اس پر مجبور نہ کیا جائے گا۔

عورت کے حق فسخ کو باطل کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ عورت کے لیے جتنا خرچ لازم ہے اتنا حوالہ کسی اور کا دیا جائے۔ حوالہ درست ہوگا اور ہماری اصل کے مطابق لازم آئے گا۔ اگر جس پر حوالہ دیا جا رہا ہے وہ کوئی چیز ہو۔ اس کی صحت حوالہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دیگر شخص مرد کی طرف سے عورت کے سالانہ، ماہانہ وغیرہ مقرر خرچ کے اندازے کا اقرار کرے۔ پھر خاوند عورت پر حوالہ دے۔ اگر اس سے زبردستی قبول کروانا ممکن نہ ہو۔ اس چیز کے نہ ہونے کی وجہ سے جن کا یہ خیال ہے تو خاوند اس خرچ ذمہ لینے والے کو اس پر خرچ کا وکیل بنا دے گا۔ پھر خاوند کو اختیار ہے کہ وہ اس پر بذات خود خرچ کرے یا اپنے وکیل کے ذریعہ سے۔ اسی طرح قرض دار کی طرف سے قرض کی ادائیگی کے مسئلہ میں بھی برابر عمل ہے۔

اٹھائیسویں مثال: جب مضارب کو خوف ہو کہ مالک اسباب میں سے کسی سبب سے جس کا وہ اختیار نہیں رکھتا ہے اس کو عقد مضاربہ کا ضامن بنائے گا، مثلاً مال کو دوسرے سے ملانا یا راس المال سے زائد کے ساتھ اسے خریدنا اور مال مضاربہ پر قرض طلب کرنا یا دوسرے کو مضاربہ میں دینا یا سرمایہ لگانے کے لیے یا امانت رکھنے کے لیے یا اس کے ساتھ سفر کرنا۔ اس سب سے ضمانت سے چھٹکارے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مال کے مالک پر گواہ بنا لے کہ اس نے اس کو کہا ہے کہ تم اپنی رائے سے کام کرو یا جو تم مصلحت دیکھو۔

انتیسویں مثال: جب دو آدمیوں کے سامان ہوں وہ چاہیں کہ ان میں واضح شرکت ہو جائے تو اس میں دو روایات ہیں:

پہلی روایت: شرکت صحیح ہوگی، بوقت عقد سامانوں کی قیمت لگائی جائے گی ان کی قیمت ہی رأس المال ہوگا۔ اس کے حساب سے نفع تقسیم ہوگا یا جو شرط ان دونوں نے لگائی ہو اس پر ہوگا۔ جب وہ دونوں فسخ کا ارادہ کریں ان میں سے ہر ایک اپنے سامان کی قیمت کی طرف لوٹے گا اور وہ نفع اس بنیاد پر تقسیم کریں گے جو ان دونوں نے شرط لگائی اور یہی قول صحیح ہے۔

دوسری روایت: یہ نقدوں کے علاوہ درست نہ ہوگی۔ کیونکہ جب وہ دونوں شرکت کو فسخ کریں گے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے رأس المال کی طرف لوٹنا چاہے گا یا وہ نفع تقسیم کریں گے۔ معلوم نہ ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک کے رأس المال اپنی مقدار کیا ہے مگر قیمت لگانے کے ساتھ۔ سامانوں کی قیمت عمل سے پہلے بڑھ سکتی ہے اور کم بھی ہو سکتی ہے تو رأس المال کی ایک قیمت پر نہ ٹھہرے گا۔ نیز عقد شرکت کا مقتضی یہ ہے کہ شریکین میں سے ایک دوسرے کے مال کے نفع کے ساتھ منفرد نہ ہو۔ جبکہ یہ شرکت اس کا باعث ہے۔ کیونکہ ایک کے سامان کی قیمت بڑھ سکتی ہے اور دوسرے کے سامان کی نہ بڑھے گی تو اس کا وہ شریک ہو جائے گا جس کے سامان کی قیمت نہیں بڑھی۔ یہ بات تو قیمت لگائی گئی چیزوں میں درست ہو سکتی ہے مثلاً غلام، حیوان وغیرہ۔

رہی ہم مثل چیزیں تو ان میں یہ درست نہیں۔ اسی لیے جو عروض/ سامانوں میں شرکت کی ممانعت بتلاتے ہیں ان کے ہاں ہم مثل چیزوں میں یہ درست ہے۔ درست بات دونوں جگہوں پر جواز ہے۔ کیونکہ عقد شرکت کی بنیاد دونوں جانب سے عدل پر ہے۔ فریقین میں سے ہر ایک نفع اور نقصان میں متردد ہے تو وہ دونوں جواز میں برابر ہیں۔ ان میں سے ایک کے نفع کو دوسرے کے علاوہ جائز کہنا اس کے برعکس کے مقابل ہے۔ وہ دونوں نفع کی امید اور نقصان کے خوف میں برابر ہو گئے ہیں۔ یہی عدل ہے جیسے مضاربہ ہے۔ وہاں جائز ہے کہ دونوں نفع پائیں یا دونوں نقصان پائیں۔ اسی طرح مساقات اور مزارعت بھی ہے۔ اس مشارکت کی تصحیح میں اس شخص کے ہاں جو اس کو سامان کے ساتھ درست نہیں کہتا حیلہ کا راستہ یہ ہے کہ ان میں ہر ایک اپنے بعض سامان کو اپنے ساتھی کے بعض سامان کے بدلے بیچے، جب ان میں سے ایک کا سامان پانچ ہزار کے مساوی ہو اور دوسرے کا سامان ایک ہزار کے مساوی ہو۔ اس سامان والا خریدے جس کی قیمت پانچ ہزار ہے یعنی اپنے ساتھی سے جس کا سامان ایک ہزار کے مساوی ہے چھ میں سے پانچ حصے۔ اپنے اس سامان کے بدلے میں جو پانچ ہزار کے مساوی ہے۔ جب وہ دونوں اس طرح کرلیں گے وہ شریک ہو جائیں گے تو جس کا سامان ہزار کے مساوی ہے وہ تمام سامان کے چھٹے حصہ میں حق دار ہوگا، جبکہ دوسرا اپنے چھ میں سے پانچ میں ہوگا، یا ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے اس کا کچھ سامان ایک نامزد قیمت میں خرید لے۔ پھر وہ دونوں پکڑ لیں گے۔ لہٰذا: وہ ان دونوں کے مابین مشترک ہو جائے گا۔ پھر ان میں سے ہر ایک دوسرے کو تصرف کی اجازت دے گا تو جو نفع حاصل ہو وہ ان دونوں کے مابین امام احمد کے نزدیک ان کی شرط پر ہوگا، جبکہ امام شافعی کے ہاں ان کے رؤس اموال کے حساب سے ہوگا۔ جبکہ خسارہ بالاتفاق بقدر مال ہوگا۔

تیسویں مثال: اگر کسی نے عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ اس کو اس کے گھر سے نہ نکالے گا یا شہر سے یا اس پر مزید شادی نہ کرے گا یا شب بسری کے لیے لونڈی نہ رکھے گا تو نکاح صحیح ہے۔ شرط لازم ہے۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ یہ حضرت

عمر، سعد اور معاویہ سے صحیح مروی ہے۔ صحابہ میں ان کا کوئی مخالف نہیں ہے۔ یہی اکثر تابعین کا مذہب ہے۔ اور امام احمد نے یہ فرمایا ہے۔ تین [1] نے اس میں ان کی مخالفت کی ہے۔ انہوں نے شرط کو باطل کہا ہے اور اس کو پورا کرنا واجب نہیں کہا۔

اگر عورت کو اس کی ضرورت پڑ جائے اور اس کے پاس وہ حاکم نہ ہو جو اس کو صحیح اور لازم سمجھتا ہو تو عورت کے لیے حصول مقصود میں حیلہ یہ ہے کہ وہ اس شرط کے بغیر اجازت [2] سے انکار کر دے کہ اگر اس سے عقد کے بعد مرد نے سفر کیا یا اس کے گھر سے اس کو منتقل کیا یا اس پر مزید شادی کی تو وہ طلاق والی ہے، یا اس کو اس کے ساتھ رہنے میں یا فسخ میں اختیار ہے۔ اگر عورت کو بھروسہ نہ ہو کہ مرد یہ کرے گا تو وہ نہ کرنے کی صورت میں بہت زیادہ مہر طلب کرے گی اگر کرلے تو اس سے کم طلب کرے گی۔ اگر مرد نے عورت کے لیے یہ شرط لگالی وہ کم مہر پر راضی ہوگی اور اگر شرط نہ پوری کی وہ اعلیٰ مہر طلب کرے گی اور اس کو حال بنادے گی، عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے نفس کو روک لے حتیٰ کہ اس کو قبضہ میں لے یا مرد کی شرط کرے جو اس عورت نے سوال کیا ہے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ دو میں سے کس مہر پر نکاح منعقد ہوگا؟

جواباً کہا جائے گا: زائد مہر پر تاکہ عورت کے لیے مرد سے اپنی شرط منوانا ممکن ہو سکے۔ اگر مرد کو خدشہ ہو کہ عورت کے مطالبہ پر وہ شرط مانے گا اور اس پر زائد مہر برقرار ہو جائے گا تو حیلہ یہ ہے کہ وہ عورت پر کسی کو گواہ بنالے کہ کم مہر پر شرط پوری ہونے کی صورت میں وہ زائد کچھ بھی حق نہ رکھے گی۔ اگر وہ ایسا دعویٰ کرے گی تو اس کا دعویٰ باطل ہوگا۔ وہ اس پر اس سے وثیقہ طلب کرے۔ اس کو اور شرط کو لکھ دیا جائے۔ عورت کو زائد مطالبہ کا حق ہوگا اگر مرد شرط کو پورا نہ کرے۔ کیونکہ وہ اس لیے راضی نہ ہوئی تھی کہ مہر کم ہو۔ وہ تو اور فائدہ کے لیے راضی ہوئی تھی جو اس کو دیا جائے گا یعنی وہ اپنے گھر میں یا شہر میں رہے گی یا وہ اکیلا اس کا خاوند ہوگا۔ یہ اس کے بعض حق مہر کے قائم مقام ہے۔ اگر اس سے یہ فائدہ چھوٹ جائے تو اس کو اعلیٰ مہر کے مطالبہ کا حق ہے۔

اکتیسویں مثال: آدمی نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے غلام سے کر دی تو نکاح صحیح ہے۔ اگر اس کو موت کا وقت آن پہنچا اس کو یا عورت کو خدشہ ہوا کہ وہ اس کے کسی حصہ کی وارث ہوگی پس نکاح فسخ ہوگا۔

تو اس کے بقاء میں حیلہ یہ ہے کہ وہ غلام کو کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کر دے اگر چاہے اس کی قیمت لے لے اور اگر چاہے تو اس کے ذمہ قرض کر دے۔ اس کا حکم دیگر قرضوں والا ہوگا۔ جب وہ اس کی قیمت سے اپنے حصہ کی وارث ہوگی اس کا نکاح فسخ نہ ہوگا۔ اگر غلام کو کسی اجنبی کے ہاتھ قبل عقد بیچ دے۔ پھر اپنی بیٹی کی اس سے شادی کرے تو بھی اس ممنوع امر سے بچ جائے گا۔

اسی طرح اگر اپنی لونڈی کی شادی اپنے بیٹے کے ساتھ کرنا چاہے۔ وہ ڈرے کہ اگر مرتا ہے تو بیٹا اپنی بیوی کا وارث ہوگا۔ نکاح فسخ ہوگا تو لونڈی کو اجنبی کے ہاتھ بیچ دے۔ پھر اس سے اپنی بیٹی کی شادی کرا دے یا بعد عقد لونڈی کو اجنبی کے ہاتھ بیچ دے۔

بتیسویں مثال: اگر آدمی اپنے قرض کا حوالہ کسی پر دے۔ حوالہ پکڑنے والے کو اندیشہ ہو کہ جس پر حوالہ دیا گیا ہے اس کے پاس اس کا مال ضائع ہوگا۔ وہ اپنے مال پر بھروسہ کا ارادہ کرے تو اس میں حیلہ یہ ہے کہ وہ کہہ دے کہ تم مجھ کو مال کے ساتھ حوالہ نہ دو۔

---

[1] تین سے مراد امام احمد کے علاوہ تین معروف ائمہ فقہ ہو سکتے ہیں۔ (مترجم)

[2] یہاں اذن کا لفظ ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ نکاح کی اجازت سے انکار کر دے۔ (مترجم)

لیکن مجھے اس کے مطالبہ پر وکیل بنادو۔ جو میں اپنے ذمہ میں لیتا ہوں اس کو قرض بنادو تو دونوں بدلہ میں بری ہوں گے۔

اگر حوالہ دینے والا ڈرے کہ وکیل کے ہاتھ میں اس کے قرض لینے سے پہلے مال ضائع ہو جائے گا تو اس پر قرض لوٹ آئے گا۔ اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ وہ حوالہ دیے گئے کو کہے: تم میری طرف سے اس طالب کے لیے اس قرض کے ضامن بن جاؤ۔ وہ اس کا ضامن بنے گا۔ جب پکڑے گا اسے اپنے نفس کے لیے پکڑے گا۔ اگر حوالہ دیا گیا شخص ضمانت سے انکار کرے طالب آدمی اس پر حوالہ کرے گا کہ اگر اس نے اس کا حق فلاں فلاں وقت تک پورا نہ دیا تو حوالہ دینے والا اس مال کا ضامن ہے۔ ضمانت کو شرط سے معلق کرنا درست ہے۔ اگر حوالہ دیا گیا وفاء کرے تو درست ہے ورنہ وہ حوالہ دینے والے کی طرف لوٹے گا اور مال کے لیے اس کو پکڑے گا۔

تینتیسویں مثال: جب کسی کا کسی آدمی پر قرض ہو وہ اس کے بدلے میں اس کو ایک غلام گروی دے۔ اسے اندیشہ ہو کہ غلام مرجائے گا۔ اس کا فیصلہ ایسے شخص کے پاس جائے گا جو تلف گروی پر سقوط قرض کا فیصلہ دے گا؟ تو اس ممنوع کام سے چھٹکارے میں حیلہ یہ ہے کہ وہ اپنے قرض کے عوض اس سے غلام خرید لے۔ غلام قبضہ میں نہ لے۔ اگر اس نے اس کا قرض ادا کر دیا وہ اس کی بیع کو توڑ دے اور اگر اس نے قرض ادا نہ کیا اس سے غلام کی وصولی کا مطالبہ کرے۔ اگر غلام تلف ہو گیا تو بائع کی ذمہ داری سے ہے۔ مشتری اپنے قرض کی طرف لوٹے گا جو اس کی قیمت ہے۔

چونتیسویں مثال: جب آدمی کا کسی پر قرض ہو۔ وہ اس کے بدلہ میں اس کو کچھ گروی دے۔ اسے اندیشہ ہو کہ گروی کا کوئی حقدار نکل آئے گا اور یہ وثیقہ باطل ہو جائے گا۔ اس میں حیلہ یہ ہے کہ وہ اپنے قرض کی ضمانت اس شخص کو دے جس کی طرف سے استحقاق گروی کا اندیشہ ہے۔ اگر اس پر استحقاق آیا وہ اس سے مال کا مطالبہ کرے گا یا اس کو گروی کے قبضہ کی ضمانت دے یا اس پر گواہ بنائے کہ اس کا اس میں کوئی حق نہیں ہے اور جب اس نے اس میں کسی حق کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ باطل ہوگا۔

پینتیسویں مثال: جب کسی کا کسی پر سو دینار قرض ہو۔ پچاس وثیقہ پر لکھا ہوا اور پچاس بغیر وثیقہ ہو۔ قرض دار اس مقدار کا انکار کردے جو بغیر وثیقہ ہے۔؟ تو اس سے اپنا مال چھڑانے میں حیلہ یہ ہے کہ وہ پردیسی کو اس سے وثیقہ والا مال لینے پر وکیل بنائے۔ اس کی وکالت پر علانیہ گواہ بنائے۔ پھر دو گواہ مقرر کرلے کہ اس نے اس کو وکالت سے ہٹا دیا ہے۔ پھر وکیل مطلوبہ شخص سے اس مال کا مطالبہ کرے۔ اپنی وکالت پر گواہ ثابت کرے۔ جب اس سے پچاس دینار لے لے وہ مستحق کو دے کر غائب ہو جائے۔ پھر مستحق اس سے ان پچاس کا مطالبہ کرے اگر وہ کہے کہ میں نے وہ تمہارے وکیل کو دے دے تھے۔ وہ گواہ پیش کرے کہ اس نے اس کو وکالت سے ہٹا دیا تھا۔ حاکم اس کے لیے مال کو لازم کرے گا اور کہے گا تم قابض کے ساتھ جاؤ (اور) اس سے اپنا مال لے لو۔ اگر قرض دار ہوشیار ہو، وہ وکیل کو اس طرح کے اندیشہ کی وجہ سے کچھ نہ دے تو کہے کہ: میں تجھے تمہارے مؤکل کی موجودگی میں نیز اس کے اقرار پر دوں گا کہ تو اس کا وکیل ہے تو یہ حیلہ باطل ہو جائے گا۔

چھتیسویں مثال: اگر آدمی کو موت کا وقت اس حال میں آن پہنچا کہ اس کے کسی وارث کا اس پر قرض ہے۔ وہ اس سے اپنا

ذمہ پورا کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ اس کے لیے اس کا اقرار کرے اس کا اقرار درست [1] نہ ہوگا اور اگر اس کے لیے اس کی وصیت کرے تو یہ وارث کے لیے وصیت [2] ہوگی؟ اس میں چھٹکارے کے لیے حیلہ یہ ہے کہ وہ اس سے اس بات پر موافقت کر لے کہ وہ ایسا شخص لائے جس پر اس کو بھروسہ ہو وہ اس کے لیے اس قرض کا اقرار کرے۔ جب وہ اس کو پکڑ لے وہ اسے مستحق تک پہنچا دے گا۔ اگر اجنبی کو اندیشہ ہو کہ حاکم اس پر لازم کرے گا کہ قسم کھائے یہ قرض تمہارا میت پر لازم تھا۔ تم نے اس کو بری نہیں کیا نہ اس کی کسی چیز سے۔ اس کے لیے اس پر قسم کھانا جائز نہیں ہوگا۔ ہم ایک اور حیلہ کی طرف منتقل ہوتے ہیں وہ یہ کہ مریض اس کو کہے: تم اپنا گھر یا اپنا غلام میرے وارث کو بیچ دو۔ اس مال کے بدلہ میں جو اس کا مجھ پر لازم ہے۔ جب اس پر اس کے بعد قسم لازم آئے گی۔ وہ صحیح بات پر قسم کھائے گا۔ اگر اس کے پاس اسے بیچنے کے لیے کوئی چیز نہ ہو۔ وارث اس کو لونڈی یا غلام ہبہ کر دے۔ وہ اس کو لے لے پھر وہ وارث کو اس قرض کے بدلے بیچے جو میت پر ہے۔

سینتیسویں مثال: جب آدمی کسی لونڈی سے نکاح کرے جبکہ اس کے لیے لونڈیوں سے نکاح جائز ہو۔ اسے اندیشہ ہو کہ اس کا مالک اس کے بچے کو غلام بنا لے گا؟ اس میں حیلہ یہ ہے کہ وہ لونڈی کے مالک سے درخواست کرے کہ وہ کہہ دے کہ: ہر وہ بچہ جو وہ تجھ سے جنم دے گی وہ آزاد ہوگا۔ اگر اس نے یہ کہہ دیا تو جو بچے اس سے پیدا ہوں گے۔ وہ آزاد ہوں گے۔

اڑتیسویں مثال: اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا: اگر تو نے مجھ سے خلع مانگا میں نے تجھ کو خلع نہ دیا تو تو تین طلاق والی ہے۔ عورت نے کہا: اگر میں آج تجھ سے خلع نہ مانگوں تو میرا ہر غلام آزاد ہے۔ امام ابوحنیفہ سے اس متعلق پوچھا گیا۔ انہوں نے عورت کو کہا: تم اس سے خلع مانگو۔ اس نے کہا: میں تجھ سے خلع مانگتی ہوں؟ خاوند کو کہا: تم کہو: میں نے تجھ کو ہزار درہم پر خلع دیا۔ اس نے یہ کہہ دیا۔ امام صاحب نے عورت کو کہا: تم کہو: مجھے یہ قبول نہیں۔ اس نے کہا مجھے یہ قبول نہیں۔ ابوحنیفہ نے عورت کو فرمایا: تم اپنے خاوند کے ساتھ چلی جاؤ تم میں سے ہر ایک نے اپنی قسم کو پورا کر دیا ہے۔

انتالیسویں مثال: امام ابوحنیفہ سے دو بھائیوں کے متعلق پوچھا گیا جنہوں نے دو بہنوں سے شادی کی۔ ان میں سے ہر ایک کی بیوی رات کو دوسرے کی طرف بھیج دی گئی۔ اس نے اس سے جماع کیا۔ ان کو یہ معلوم نہ ہوا حتیٰ کہ صبح ہو گئی ان سے پوچھا گیا اس میں حیلہ کیا ہے؟ فرمایا: کیا تم میں سے ہر ایک اس پر راضی ہے جس پر وہ داخل ہوا تھا؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: تم میں سے ہر ایک اپنی بیوی کو ایک طلاق دے۔ انہوں نے یہ کیا۔ فرمایا: تم میں سے ہر ایک اس عورت سے نکاح کر لے جس سے اس نے جماع کیا تو وہ دونوں دل سے خوش ہو گئے۔

چالیسویں مثال: اگر ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر کچھ مال ہو۔ جس کے ذمے مال ہے اس کی کچھ زمین ہے۔ اس نے چاہا کہ وہ اپنی زمین اس قرض خواہ کے ہاتھ میں دے دے وہ اس کا غلہ لے اور اس کا غلہ اس کے قرض سے لے۔ یہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ اس کو اس میں وکیل بنانا ہے۔ اگر قرض خواہ کو اندیشہ ہو کہ زمین والا اس کو وکالت سے معزول کر دے گا تو حیلہ یہ ہے کہ وہ اس سے اس کی گروی طلب کرے جبکہ اس کا قبضہ اس پر ہمیشہ رہے گا۔ پھر اس کے لیے اجازت دے کہ وہ اپنی اجرت اس کے قرض سے

[1] کیونکہ علم وراثت کی رو سے مریض مرض الموت کا اقرار درست نہیں۔ کیونکہ وارثوں کا حصہ کم کرنے کا اُس پر خدشہ ہے (مترجم)

[2] کیونکہ حدیث شریف کے مطابق وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔ (مترجم)

لے لے۔ اگر وہ اس کو اجازت نہ دے تو اسے اختیار ہے کہ قصاص میں وہ اس جگہ پر قبضہ رکھے۔

اس کے لیے ایک اور حیلہ یہ ہے کہ وہ اس سے اس کے قرض کے بقدر اجرت طلب کرے جو اس کے لیے اس پر اجرت واجب ہو وہ اس کے قرض سے بقدر قصاص ساقط ہوگی۔

اکتالیسویں مثال: اگر آدمی کی کوئی لونڈی ہو وہ اس سے جماع کا ارادہ کرے وہ ڈرے کہ اس کو حمل ہوگا۔ وہ ام[1] ولد ہوجائے گی اس کو بیچنا ممکن نہ رہے گا؟ اس میں حیلہ یہ ہے کہ وہ اسے اپنے بیٹے یا بھائی کے لیے بیچ دے۔ جب وہ اس کا مالک ہوجائے۔ اس سے درخواست کرے کہ وہ اس کی اس سے شادی کرادے۔ وہ نکاح کے ساتھ اس سے جماع کرے۔ اس کے اس سے بچے آزاد ہوں گے۔ وہ بائع پر رحم کے رشتے سے آزاد ہوں گے۔ یہ تب ہے نہ جب وہ آدمی ایسے لوگوں سے ہو جن کے لیے لونڈیوں سے نکاح جائز ہے۔ یعنی ابوحنیفہ کے نزدیک کوئی آزاد عورت اس کی بیوی نہ ہو یا جمہور کے نزدیک زنا سے ڈرتا ہو۔ آزاد عورت سے نکاح کی گنجائش نہ پاتا ہو۔

بیالیسویں مثال: اگر کسی کی بیوی اس سے بینونہ صغریٰ[2] سے الگ ہوئی ہو۔ وہ اس سے تجدید نکاح چاہے۔ لیکن اندیشہ ہے کہ اگر اسے بتایا وہ شادی نہ کرے گی تو اس کے لیے اس میں چند حیلے ہیں:

پہلا: وہ کہے کہ میں نے ایک قسم کھائی تھی۔ پھر میں نے فتویٰ پوچھا تو مجھے بتایا گیا کہ تم تجدید نکاح کرو۔ اگر وہ تجھ سے بائن ہوئی نکاح لوٹے گا ورنہ تجھ کو ضرر نہیں ہے۔ اگر اس کا کوئی ولی ہے۔ تجدید نکاح کرادے ورنہ حاکم یا اس کا نائب۔

دوسرا: وہ سفر کا ارادہ ظاہر کرے۔ نیز وہ اس عورت کے لیے اپنے مال میں سے کچھ مقرر کرنا چاہتا ہے۔ احتیاط یہ ہے کہ وہ اس کو اس عقد کا حق مہر بنائے جس کو وہ ظاہر کردے گا۔

تیسرا: وہ مرض ظاہر کرے نیز وہ اس عورت کے لیے کچھ مال مقرر کرنے یا اس کے لیے وصیت کا ارادہ رکھتا ہے اور یہ پورا نہیں ہوتا۔ احتیاط اس میں یہ ہے کہ میں عقد نکاح کا اظہار کروں اور اس کو اس میں حق مہر قرار دے دوں۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ جب وہ اس سے بائن ہوگئی وہ اپنے نفس کی مالک ہوگئی اس سے نکاح اس کی رضا کے بغیر درست نہ ہوگا۔ شاید جب اس کو حالت معلوم ہو وہ نکاح ثانی پر راضی نہ ہوگی۔

جواباً کہا جائے گا۔ تجدید عقد میں عورت کی رضا اس غرض کے لیے ہے جو مرد چاہتا ہے یہ اپنے اندر عورت کی نکاح پر رضا رکھتی ہے۔ گو اس نے مذاق میں اجازت دی۔ اس کی اجازت درست ہوگی اور نکاح درست ہوگا۔ باوجودیکہ اس کا یہ قصد نہ ہو جیسے اگر خاوند نے مذاق میں قبول کرلیا۔ اس کا نکاح درست ہوگا۔ یہاں تو عورت نے بقاءِ نکاح کا قصد کیا ہے۔ اس پر راضی ہوگئی ہے تو یہ نکاح صحت کا زیادہ حق دار ہے۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ مرد نکاح کا قصد کرنے والا ہے جبکہ عورت اس کا قصد کرنے والی نہیں ہے۔

جواباً کہا جائے گا: بلکہ عورت کا مقصد بھی تجدید نکاح ہے جس سے اس کی غرض پوری ہوگی۔ وہ اس طرح قصد و رضا سے باہر نہیں نکلتی۔

---

[1] ام ولد وہ لونڈی ہوتی ہے جس سے مالک کے جماع سے بچہ پیدا ہو۔ اس کا بیچنا ممکن نہیں ہوتا اور وہ مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہوجاتی ہے۔ (مترجم)

[2] اس سے مراد وہ علیحدگی ہے جس کے بعد دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ (مترجم)

اگر کسی آدمی نے کسی آدمی کو ہنسی ومزاح میں کہا: تم اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے سو درہم پر کردو یا کہے اپنی ولایت والی کی (جبکہ وہ سن رہی ہو) وہ اس کو ہنسی ومزاح میں کہہ دے: میں نے اس سے تیری شادی کردی۔ نکاح منعقد ہوجائے گا۔ اس کے لیے اس سے جماع حلال ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے جسے اہل سنن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے

«ثلاثٌ جِدُّهنّ جدٌّ، وَهَزْلهنّ جِدٌّ: النكاحُ، والطلاقُ، والرَّجعةُ»[1]

''تین باتیں ہیں ان کا اصل بھی اصل ہے اوران کا مزاح بھی اصل ہے۔ نکاح، طلاق اور رجوع۔''

تینتالیسویں مثال: جب کوئی آدمی اپنے مال میں اچھے تصرف والا ہو۔ اس کو بے جا اڑانے والا نہ ہو۔ اور حاکم تک اس کی بات پہنچائی جائے، اس کے خلاف گواہ بنایا جائے کہ وہ بے جا اڑانے والا ہے۔ اس کو اندیشہ ہو کہ وہ اس پر پابندی لگادے گا تو وہ کہے: اگر تم نے مجھ پر (تصرف کی) پابندی لگائی تو میرے غلام آزاد ہوں گے اور میرا مال مساکین پر صدقہ ہوگا۔ قاضی کو اس کے بعد اس پر پابندی لگانے کا اختیار نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ تو پابندی اس کا مال بچانے کے لیے لگاتا ہے۔ اس پر پابندی میں اس کے مال کا اتلاف ہے تو وہ پابندی کے ابطال کے مقصود پر لوٹے گا۔

چوالیسویں مثال: ہمارے اور امام ابوحنیفہ اور مالک کے نزدیک انکار پر صلح درست ہے۔ اگر آدمی کسی پر کوئی دعویٰ کرے۔ وہ اس کا انکار کرے پھر اس کے بعض حصے پر مصالحت کرلے یہ جائز ہے۔ شافعی اس صلح کو درست نہیں کہتے۔ کیونکہ اس کے ہاں کوئی چیز ثابت نہیں ہوئی، تو کس طریقہ سے وہ چیز لیتا ہے جس پر اس نے صلح کی ہے؟ برخلاف اقرار پر صلح کے اگر اس نے اس کے لیے قرض یا کسی چیز کا اقرار کیا۔ بعض پر صلح کرلی گویا اس نے دیگر بعض اس کو ہبہ کردیا یا اس کو اس سے بری کردیا۔

جمہور کہتے ہیں: اس صلح کے درست ہونے پر کتاب، سنت اور قیاس نے دلالت کی ہے۔ اللہ پاک نے لوگوں کے درمیان اصلاح کو مستحب بتلایا ہے اور خبر دی ہے کہ صلح خیر ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ﴾ (الحجرات:١٠)

''مومن تو سب بھائی بھائی ہیں پس تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادو۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«الصلح بين المسلمين جائز، إلّا صلحًا أَحَلّ حرامًا أو حرّم حلالًا»[2]

''مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے۔ سوائے اس صلح کے جو حرام کو حلال کرے یا جو حلال کو حرام کرے۔''

---

[1] حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر ص ٣١٧ میں فرمایا کہ اسے احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، احاکم اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ اس میں بعض رواۃ مختلف فیہ ہیں۔ اس کی اور سندیں بھی اسی طرح کی ہیں'' میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں: اس سے مراد وہ مزاح ہے جس کو فریق ثانی اصل سمجھ لے۔ رہا وہ جو لوگوں میں ہنسی، مزاح چلتا ہے۔ لوگ اسے ایسے ہی سمجھتے ہیں تو وہ محل نظر ہے۔ نصوص قرآن میں سے ہے کہ ''اللہ تم کو تمہاری لغو قسموں پر نہ پکڑے گا'' (المائدۃ:٨٩) جبکہ حدیث شریف میں ہے کہ ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے''۔ مناسب یہ ہے کہ عقلمند اپنی زبان کی حفاظت کرے۔ غلط اور حرج کی بات نہ کرے۔ اس حدیث میں ضعف بھی ہے۔ نیز جن دوسرے دلائل میں آتا ہے کہ اس طرح کے معاملات میں مقاصد اور نیتوں کا اعتبار ہے۔ اس سے مسئلہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔ (الفقی)

[2] سنن ابن ماجه، ج: ٢، ص: ٧٨٨، حديث: ٢٣٥٣؛ مسند امام احمد، ج: ٢، ص: ٣٦٦۔

رہا قیاس: تو مدعیٰ علیہ اس کے قسم کے مطالبہ، گواہوں کے قیام و دیگر کا فدیہ اپنے مال کے کچھ حصہ سے دیتا ہے جس کو وہ خرچ کرتا ہے تاکہ وہ دعویٰ اور اس کے لوازم سے چھٹکارا پائے۔ یہ صحیح غرض ہے۔ عقلاء کے ہاں مقصود ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی فرض کیا جا سکتا ہے کہ مدعی جھوٹا ہوگا تو وہ اس کے لیے قسم دینے سے سزاؤں پر پیش ہونے سے چھٹکارا پائے گا۔ اس کے خلاف اس کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا یا قسم رد کی جائے گی۔ بلکہ خرقی کے نزدیک صلح درست نہیں مگر انکار پر۔ یہ اقرار کے ساتھ درست نہیں۔ فرمایا: کیونکہ یہ حق کو ختم کرنا ہے۔

اگر انکار کے ساتھ اس سے صلح کرے، اندیشہ ہو کہ وہ اس کو حاکم کی طرف اٹھائے گا جو صلح کو باطل کر دے گا تو اس سے چھٹکارے میں حیلہ یہ ہے کہ مال پر منکر کی طرف سے ایک اجنبی صلح کر لے۔ اجنبی اس مدعی کے لیے اقرار کرے جو اس نے اپنے قرض خواہ پر دعویٰ کیا ہے۔ پھر اس کے دعویٰ سے کچھ مال پر وہ صلح کر لے اس کو مدعی علیہ کی اجازت اور اس کی وکالت کی ضرورت نہ ہوگی اگر دعویٰ قرض کا ہو۔

کیونکہ وہ کہے گا: اگر وہ جھوٹا ہو تو میں نے اس کو اس دعویٰ سے چھڑا دیا ہے۔ یہ بمنزلہ قیدی کی آزادی کے ہے۔ اگر وہ سچا ہے تو میں نے اس کا بعض قرض ادا کر دیا ہے اور باقی سے اس کو مدعی نے بری کر دیا ہے۔ اس میں اس کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ اگر دعویٰ کسی چیز کا ہو صحیح نہ ہوگا حتیٰ کہ وہ کہے: مجھے انکار کرنے والے نے وکیل بنایا ہے کیونکہ وہ کہے گا: میں نے اس کے لیے یہ دعویٰ کردہ چیز اس مال کے بدلے خرید لی ہے جس پر میں تجھ سے صلح کرتا ہوں۔ اگر وہ اعتراف نہ کرے کہ اس نے اس کو وکیل بنایا ہے ورنہ درست نہیں۔

اگر اس کی وکالت کا اعتراف نہ کرے تو صحت کا طریقہ یہ ہے کہ اجنبی اپنے لیے مصالحت کرے۔ یہ غصب کی گئی چیز خریدنے کے مرتبہ میں ہوگی۔ اگر مدعی اس کے ساتھ باطن میں اعتراف کرے۔ وہ اس میں جھگڑا کرنے والا ہو جائے گا۔ اگر اس کا اعتراف نہ کرے تو اس کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ اس میں مدعی علیہ سے جھگڑا کرے۔ اس کا اس کے ساتھ اعتراف تصحیح صلح پر ظاہر حیلہ ہوگا۔

اس بنیاد پر اگر دعویٰ کیا گیا کوئی گھر ہو جو میت نے اپنے بیٹے اور عورت کے لیے چھوڑا ہے۔ اس کا ایک آدمی دعویٰ کرے وہ دونوں اس سے مصالحت کچھ مال پر کر لیں۔ اگر صلح مال کے ساتھ انکار پر ہو تو گھر کے ان دونوں کے مابین آٹھ حصے ہوں گے۔ عورت پر آٹھواں حصہ جبکہ بیٹے پر آٹھ میں سے سات حصے۔ اگر اقرار پر ہو تو ان دونوں کے مابین مال دو حصے ہوگا اور گھر بھی ان کے مابین دو حصے ہوگا۔ اگر وہ لزوم صلح کا ارادہ کرے۔ ان دونوں کی طرف سے اجنبی اقرار پر صلح کرے۔ مال ان دونوں کے مابین آٹھ میں سے سات حصوں پر ہوگا۔ اسی طرح گھر بھی۔ ان دونوں نے اس کے لیے گھر کا اقرار نہیں کیا۔ جبکہ اجنبی کا اقرار ان دونوں پر اس کا حکم لازم نہیں کرتا۔

پینتالیسویں مثال: اگر کوئی کسی پر زمین کا دعویٰ کرے جو اس کے ہاتھ میں ہے یا گھر کا یا باغ کا۔ وہ اس سے مصالحت دس گز پر یا کم پر یا زیادہ پر کر لے تو جائز ہے، اسی طرح اگر اس سے دیگر زمین یا گھر سے دس گز پر مصالحت کرے تو جائز ہے۔

کیونکہ وہ کہے گا: میں نے اپنا کچھ حق لے لیا اور بعض میں نے ساقط کر دیا۔ اگر اس کو اندیشہ ہو کہ وہ اسے حنفی حاکم کے پاس لے جائے گا جو اس کا جواز نہیں سمجھتا اس بنیاد پر کہ کسی زمین یا گھر میں سے گز، دس گز کی بیع جائز نہیں ہے تو جواز کا طریقہ یہ ہے کہ: اس گھر کے گز بنا لے جس کی اس مقدار پر وہ صلح کر رہا ہے پھر اس کی نسبت مجموع سے کر لے۔ جو نسبت نکلے اس پر عقد صلح کر لے۔ یہ صلح درست اور لازم ہوگی۔

چھیالیسویں مثال: اگر کسی نے کسی آدمی کے لیے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت مدت معین تک کی یا جب تک زندہ ہے تو یہ جائز ہے۔ اگر وارث جس کے لیے وصیت کی گئی ہے اس سے غلام کی خدمت خریدنا چاہے درست نہیں۔ کیونکہ جس حق کی وصیت کی گئی ہے وہ منافع سے ہے اور منافع کی بیع جائز نہیں ہے۔

اس کے جواز میں حیلہ یہ ہے کہ وارث اس کی وصیت سے ایک معین مال پر اس سے مصالحت کر لے تو یہ جائز ہوگی۔

اسی طرح اگر وہ اس کو اپنی بکری یا لونڈی کے حمل کی وصیت کرے، یا سال تک جو کچھ درخت پر آئے، اگر وارث اس سے خریدنے کا ارادہ کرے تو درست نہیں۔ ہاں اس کو اس پر مصالحت کی اجازت ہے۔ صلح میں گو بیع کا شائبہ ہے لیکن یہ اس سے وسیع تر صورت ہے۔

سینتالیسویں مثال: اگر کسی کو ایک آدمی نے زخم لگایا، زخمی نے زخم معاف کر دیا اور جو کچھ اس سے نقصان پہنچا۔ پھر اس سے وفات پا گیا۔ زخم لگانے والے پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ اگر کہے میں نے اِسے جراحت یا زخم کو معاف کیا اور یہ نہ کہے کہ جو اس سے وہ بھی۔ اسی طرح دو میں سے ایک روایت میں ہے۔ جبکہ دوسری میں ہے دیت سے اس کے حصہ کی ضمانت دی جائے گی۔

اگر کہے: میں نے اس جرم کو معاف کیا تو زخم کے موت تک سرایت کر جانے پر اس پر کچھ لازم نہ ہوگا۔ ایک روایت میں۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو ان سب صورتوں میں دیت کے مطالبہ کا حق ہوگا۔ الا یہ کہ اگر اس نے کہا: میں نے اس کو معاف کیا اور جو اس سے نقصان ہو وہ بھی، معاف کیے گئے کے چھٹکارے میں حیلہ یہ ہے کہ وہ جرم کیے گئے پر گواہ بنا لے کہ اس نے اس جرم یا زخم سے اور جو اس سے نقصان ہو وہ معاف کر دیا ہے تو سب کے ہاں وہ چھٹکارا پا جائے گا۔

اڑتالیسویں مثال: اگر آدمی فوت ہوا اس نے بیوی اور ورثاء چھوڑے، بیوی نے ارادہ کیا کہ وارث اس کے حق سے اس سے مصالحت کر لیں۔ ہم ترکہ کو دیکھیں گے اور اس کو جس پر صلح واقع ہوئی ہے۔ اگر ترکہ میں قیمتیں ہوں، سونا چاندی ہو۔ وہ قیمتوں میں سے کچھ پر ان سے مصالحت کرے۔ درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بات سود تک پہنچتی ہے۔ اس کی صلح ان سے اپنا حصہ بیچنا ہے۔ اگر ان سے صلح سامان یا زمین پر کرے یا ترکہ میں دراہم ہوں تو وہ ان سے مصالحت دنانیر کے ساتھ کرے یا اس کے برعکس تو جائز ہے۔ اس کے حصہ کی جہالت کا ضرر نہیں ہے۔ کیونکہ عقد صلح بیع سے وسیع تر ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔

اگر ترکہ میں قرض ہوں۔ صلح درست نہیں۔ کیونکہ قرض کی بیع اس کے غیر سے جس کے وہ ذمہ میں ہے درست نہیں۔ اس کی صحت کے قول کا احتمال بھی ہے۔ جیسے مجہول سے یہ صحیح ہے گو کہ فی نفسہٖ صحیح نہ ہے۔

تو اس کی قرض سے صلح میں حیلہ یہ ہے کہ: اس کے لیے قرض کا اس کا حصہ جلد دیا جائے گا۔ اس کو وارث یہ قرض دیں گے۔

اس کے پورا کرنے میں وہ ان کو وکیل بنائے گی۔ پھر ان چیزوں پر ان سے صلح کرے گی جن پر ان کا اتفاق ہو گیا۔ کیونکہ جب وہ قرض سے اس کو حصہ قرض دیں گے۔ پھر وہ ان کو اپنے حصہ قرض کے قبضہ پر وکیل بنائے گی۔ جب وہ اس کے حصہ قرض پر قبضہ لیں گے تو ان وارثوں کے ہاتھوں میں وہ چیز آ گئی جو اس عورت کے لیے ان وارثوں کے مال میں سے اس عورت پر لازم ہے۔ وہ دونوں بدلہ لیں گے۔ لہٰذا: عقد صلح خاص طور پر سامان اور اشیاء پر ہو گا۔

اگر ان کے دل خوش نہ ہوں کہ وہ اس کو اس کے حصہ قرض کے بقدر قرض دیں۔ عورت جلد صلح پسند کرے۔ وہ سامان و اشیاء پر قرض کے بجائے اپنے حصہ پر صلح کرے گی۔ جب قرض قبضہ کیا جائے گا اس کا حق اس سے لیا جائے گا۔ اگر یہ مشکل اور تنگ ہو عورت خلاصی پسند کرے، وہ چیزوں سے اس کے حق سے زائد پر صلح کر لیں، عورت اقرار کر لے کہ قرض اس کے بجائے وارثوں کا حق ہو گا یعنی اس سامان کی قیمت سے جسے میت نے ان کے لیے بیچا تھا۔

اگر وہ قرض کی تقسیم ذمہ داریوں پر کریں تو مشہور مؤقف یہ ہے کہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ ذمہ داریاں بدلہ نہیں بنتیں۔ دوسری روایت میں اس کی تقسیم جائز ہے جو کہ درست ہے کیونکہ قرض داروں اور ورثاء کی مصلحت کبھی ایسے ہی ہوتی ہے۔ ذمہ داریوں کا مختلف ہونا تقسیم کو مانع نہیں ہوتا۔ مختلف ہونا تو جگہ میں ہے۔ تقسیم کی گئی چیز ایک اور برابر ہوتی ہے۔ گو کہ اس کی جگہیں مختلف ہوں اگر قرض دار سب خوش حال یا تنگ دست ہوں یا بعض خوشحال اور بعض تنگ دست ہوں۔ ہر وارث خوش حال اور تنگ دست کو لے لے۔ یہ عدل ہے منع نہیں ہے۔ جب وہ سب اس پر باہم راضی ہو گئے تو اس کے بطلان کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

انچاسویں مثال: اگر آدمی کا کسی آدمی پر قرض ہو۔ وہ کہے کہ تم اسے میری طرف سے صدقہ کر دو۔ اس نے کر دیا تو وہ بری نہ ہو گا۔ یہ صدقہ نکالنے والے کی طرف سے ہو گا۔ اس کا قرض باقی ہو گا۔ یہ ہمارے اصحاب نے کہا ہے۔ کیونکہ اس نے متعین نہیں کیا اور نہ وہ اس کے فعل سے خود کو بری کرنے والا ہے۔ کہتے ہیں: اس میں صحت کا طریقہ یہ ہے کہ کہے: تم میری طرف سے اتنا یعنی اس کے قرض کے بقدر صدقہ کر دو۔ یہ اس کو قرض دینا ہو گا۔ اگر اس نے یہ کیا اس کے ذمہ میں اس قدر ثابت ہو گا اور اس پر اس کے لیے اس مثل ہو گا۔ پس وہ دونوں برابر بدلہ میں ہوں گے۔

اسی طرح اگر اس کو کہا: تم میرے مال کے ساتھ جو تم پر لازم ہے مضاربہ کرو جبکہ نفع ہمارے درمیان برابر ہو گا۔ یہ درست نہیں ہے۔

اس کی صحت میں حیلہ یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے تجھ کو یہ مال اپنے بیٹے یا اپنی بیوی کی طرف لوٹانے کی اجازت دی ہے۔ پھر میں نے تجھ کو اس کے پکڑنے اور اس کے مضاربہ کے لیے وکیل بنایا ہے۔

بظاہر اس کو ان میں سے کسی چیز کی حاجت نہ ہے۔ اس کا مال کے مالک کی طرف سے خود قبضہ لینا ہی کافی ہے۔ اگر اس کی طرف سے اس نے وہ صدقہ کیا جو اُس نے کہا تھا تو یہ حکم دینے والے کی طرف سے ہو گا۔ یہی درست ہے۔ یہ ہمارے بعض اصحاب کی تخریج ہے۔ اگر اس کو نیت سے متعین کیا، وہ متعین ہو گیا۔ وہ اپنی طرف سے اپنے موکل کے لیے پکڑنے والا ہو گا۔ اس میں کیا ممانعت ہو سکتی ہے؟

پچاسویں مثال: ہمارے نزدیک کسی مزدور کو اس کے کھانے اور لباس پر مزدور رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح جانور کو اس کے چارے پر۔ نیز دودھ پلانے والی کو بھی۔ یہ امام مالک کا مذہب ہے۔ شافعی کہتے ہیں: دونوں جائز نہیں۔ جبکہ ابو حنیفہ نے خاص طور

پر دودھ پلانے والی میں اس کو جائز کہا ہے۔ اگر اسی طرح عقد اجارہ ہو گیا۔ پھر اندیشہ ہوا کہ وہ اسے ایسے حاکم کی طرف لے جائے گا جو اس کے بطلان کی رائے رکھے گا اور اس پر اجرت مثل [1] لازم کرے گا، تو اس کی تصحیح میں حیلہ یہ ہے کہ وہ معلوم نقد پر اس کو مزدور رکھے جو کھانے اور لباس کے بقدر ہو۔ پھر اس پر گواہ بنالے کہ اس نے اس کو اسے اپنی جان اور لباس پر خرچ کرنے کے لیے وکیل بنایا ہے۔ اسی طرح چوپایہ جانور بھی ہے۔

اکاونویں مثال: مستاجر کے لیے جائز ہے کہ وہ اسی اجرت پر کسی کو اجیر پکڑ لے جس میں مؤجر نے اس کو پکڑا ہے، جس طرح یہ کسی اور کے لیے جائز ہے۔ ابوحنیفہ اس اجارہ کو باطل کہتے ہیں۔ اس کے لزوم میں حیلہ یہ ہے کہ وہ یہ اجارہ اس مؤجر کے علاوہ کسی اجنبی سے کرلے پھر وہ اجنبی یہ اجارے آگے جاری کردے۔

باونویں مثال: اگر کسی ایک آدمی کے لیے دو آدمی کفیل/ ضامن بن جائیں۔ ان میں سے ایک ادائیگی کردے دوسرا بری ہوجائے گا۔ جیسے اگر دونوں نے قرض کی ضمانت دی ہوتی اور ایک نے وہ ادا کیا ہوتا۔ اگر اندیشہ ہو کہ وہ یہ معاملہ اس حاکم تک اٹھائے گا جو اس کو جائز نہیں سمجھتا۔ وہ دوسرے پر بھی اس کی ادائیگی لازم کرے گا۔ اس سے چھٹکارے میں حیلہ یہ ہے کہ وہ دونوں ضمانت دیے گئے شخص کو ضمانت دیں کہ اگر ان میں سے ایک نے ادائیگی کردی تو وہ دونوں اکٹھے بری ہوں گے۔ یا وہ اپنے لیے گواہ مقرر کرلیں کہ ان میں سے ہر ایک ادائیگی والی چیز طالب تک پہنچانے کے لیے دوسرے کا وکیل ہے۔ نیز اس سے اس کی وجہ سے بری کرنے کا بھی، تو سب کے قول کے مطابق وہ دونوں بری ہوجائیں گے۔

ترپنویں مثال: ہمارے نزدیک مجہول کی، اور جو واجب نہ ہو اس کی اور تاوان کی ادائیگی کی ضمانت درست ہے۔ اگر کہے: تونے جو فلاں کو دیا تو میں اس کا ضامن ہوں۔ یہ درست ہے اور اس پر لازم ہے۔ شافعی کہتے ہیں: درست نہیں ہے۔

اگر کوئی حاکم جو اس کا بطلان سمجھتا ہو وہ اس کو باطل نہ کردے۔ اس میں صحت کا حیلہ یہ ہے کہ وہ کہہ دے: تو نے فلاں کو ایک سے ہزار درہم تک جو دیے تو میں اس کا ضامن ہوں۔

اگر اس کے دو ضامن بنیں اور مطلق بنیں تو جائز ہے۔ وہ تاوان کی ادائیگی میں دونوں برابر ہوں گے۔ اگر ان دونوں نے ضمانت دی کہ ان میں سے ایک پر ایک تہائی جبکہ دوسرے پر دو تہائی لازم ہے۔ یہ جائز ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک پر مال اس کے لازم کرنے سے لازم ہوا ہے۔ اگر انہوں نے اس صورت میں لازم کیا ہے۔ تو درست ہے۔

اگر دو ضامنوں میں سے ایک ارادہ کرے کہ اس پر جو یہ ضمانت لازم ہے وہ دوسرے کو اس کا ضامن بنادے۔ اور وہ ضامن بن جائے۔ تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ مال ان پر دو افراد پر لازم ہو چکا تھا۔ اگر ان میں سے ایک نے ضمانت دے دی تو جائز ہے۔ جیسے اصل میں یہ جائز ہے۔

چوونویں مثال: اگر دو آدمی کسی چیز میں شریک ہوئے۔ ان میں سے ایک مال کے ساتھ اپنے شریک کی اجازت سے سفر کر گیا۔ اس کو اندیشہ ہوا کہ مقیم مر جائے گا۔ وہ مال کے ساتھ اس کی موت کے بعد سامان خریدتا ہے تو وہ ضامن ہوگا کیونکہ یہ ورثاء کی

[1] یعنی اس اجرت کو باطل کرکے اس علاقہ میں مروج مزدوری دینا لازم کردے گا۔ (مترجم)

طرف منتقل ہو گیا اور شرکت باطل ہوگئی۔اس سے چھٹکارے میں حیلہ یہ ہے کہ وہ اپنے مقیم شریک پر کسی کو گواہ بنالے کہ اس کا مال میں جو حصہ ہے وہ اس کے اور اس کے چھوٹے بچوں کے مابین برابر ہے اس نے اپنے شریک کو اس میں تصرف کی وصیت کر دی ہے۔اس کو حکم دیا ہے کہ وہ اس سے جو چاہے اس کی زندگی میں اور اس کی وفات کے بعد خرید سکتا ہے۔اگر اس کے لیے بڑے بچے ہوں۔وہ اس کے نفس پر گواہ کرلے کہ یہ مال ان کے لیے ہے۔پھر اس کا بڑا بیٹا اس شریک کو حکم دے گا کہ وہ ان کے لیے ان کے اس مال میں جو چاہے کرے اور ان کے لیے جو پسند کرے خرید لے۔

پچپنویں مثال: اگر مثلاً کسی دو مردوں کا کسی عورت پر ایک ہزار درہم لازم ہو۔ان میں سے ایک اس سے مال کے اپنے اس حصہ پر شادی کرلے جو عورت پر لازم ہے۔نکاح درست ہوگا۔عورت اس مقدار میں بری الذمہ ہو جائے گی۔خاوند پر لازم نہیں کہ وہ اپنے ساتھی کے لیے اس میں سے کسی چیز کا ضامن بنے کیونکہ اس نے اس کے کچھ حصہ پر قبضہ نہیں کیا نہ اس کی ذمہ داری میں آیا ہے کہ یہ عورت کو اس کی طرف سے بری کرنے کے قائم مقام ہو۔

بعض فقہاء اس کو اُس کے شریک کے مہر کے حصہ سے ضامن بناتے ہیں۔وہ اس کو گویا مقبوض کہتے ہیں کیونکہ اس نے معاوضہ میں شرم گاہ یعنی نکاح کو لے لیا ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسے وہ عورت سے اس کے بدلہ میں کچھ سامان لے لیتا تو وہ ان دونوں کے مابین برابر ہو جاتا۔ یہاں شرم گاہ/ نکاح میں شرکت ناممکن ہے تو وہ اس کے بدل میں شریک ہوگا جو کہ مہر ہے گویا اس نے اس کا حصہ قرض فوت کر دیا۔اس سے چھٹکارے میں حیلہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس کے لیے ہبہ کر دے اپنا وہ حصہ جو عورت پر ہے۔پھر اس کے بعد اس سے شادی پانچ سو پر کرے جو اس کے ذمہ پر ہے۔پھر عورت اس کو اپنا مہر ہبہ کر دے۔دو شریکوں میں سے ایک اگر مال مشترک کا اپنا حصہ ہبہ کر دے تو وہ اپنے شریک کے لیے کسی بھی چیز کا ضامن نہیں ہوتا۔کیونکہ وہ اس پر خیرات کرنے والا ہے۔اگر اندیشہ ہو کہ وہ عورت کو ہبہ کرے یا قرض سے بری کرے تو وہ اس کے ساتھ دھوکہ کرے گی اور اس سے شادی نہ کرے گی، تو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ وہ عورت کے اقرار پر گواہ بنالے کہ وہ اس عورت پر اس رقم کا مستحق ہے جب تک وہ اس سے اجنبی رہے گی اور وہ اپنی فلاں بیوی پر اس مال میں سے کسی چیز[1] کا مستحق نہ ہوگا۔

زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ قبل عقد اس کا نام بطور بیوی لے لے۔جب عقد پورا ہو جائے گا وہ قرض سے بری ہو جائے گی۔

اگر اس کو اندیشہ ہو کہ عورت اس کو مہر سے بری نہ کرے گی، اس سے اس کا مطالبہ کرے گی۔اس کا جو عورت پر حق/قرض تھا وہ ساقط ہو جائے گا تو حیلہ یہ ہے کہ وہ عورت پر گواہ مقرر کرلے کہ وہ عورت کے مہر سے بری ہو گیا ہے اور وہ اس سے اس کے مطالبہ کی مستحق نہیں ہے۔

چھپنویں مثال: اگر آدمی نے ایک لونڈی خریدنے کا ارادہ کیا۔ایک اور آدمی سامنے آیا جو اس کو خریدنا چاہتا ہے۔ان میں سے ایک نے دوسرے سے قسم لے لی کہ اگر اس نے وہ خریدی تو یہ اس کے اور اس کے مابین نصف[2] ہوگی۔وہ پھر بھی چاہتا ہے کہ اسے خرید لے اور وہ اس کی ہو جائے تو وہ اپنی قسم میں تاویل کرلے کہ اگر اس نے بذات خود وہ خریدی تو وہ اس کے اور اس کے

---

(1) فلاں بیوی سے مراد وہی عورت ہے جیسا کہ آئندہ عبارت میں واضح ہے۔(مترجم)

(2) یعنی وہ لونڈی ان دونوں کی ملکیت ہوگی۔غلاموں کی ملکیت میں ایک سے زائد مالک بھی کبھی حصہ دار ہوا کرتے تھے۔(مترجم)

مابین رہے گی، اور اگر اس نے اس کے خریدنے کے لیے کسی کو اپنا وکیل بنایا تو وہ اس اکیلے کی ہو گی۔ پھر اگر وہ اس سے قسم لے لے کہ اگر وہ اس کا مالک بنا تو وہ لونڈی میں اس کا شریک ہو گا تو یہ حیلہ باطل ہو جائے گا۔ اس کو چاہیے کہ کسی بھروسہ مند آدمی کو اسے اپنے لیے خریدنے کا حکم دے یعنی وہ اس کی طرف سے قیمت ادا کر دے۔ پھر وہ اس لونڈی سے اس کی شادی کروا دے۔ جب اس کو بیچنے کا ارادہ کرے اس کا استبراء رحم کرے۔

پھر اس آدمی کو حکم دے کہ وہ اسے بیچ دے اور اس کی طرف اس لونڈی کی قیمت لوٹا دے۔

ستاونویں مثال: اگر دو آدمیوں کے مابین تجارت کے سامانوں میں سے کوئی سامان ہو۔ ان دونوں سے کوئی اجنبی سو درہم میں اسے خرید لے۔ اس پر قابض ہو جائے پھر مشتری چاہے کہ ان دونوں سے ایک کے ساتھ تمام قیمت میں سے بعض پر مصالحت کرے، اس شرط پر کہ وہ اپنے شریک سے اس کے حصول کی ضمانت دے گا حتیٰ کہ اس سے یہ چھڑوا لے گا یا اسے وہ تمام قیمت لوٹا دے گا جس پر عقد واقع ہوا ہے؟

اگر قاضی کہے کہ: یہ جائز نہیں ہے کیونکہ شریک پر جو ضمانت لازم ہے وہ تو اس کے مال پر قبضہ سے لازم تھی جبکہ اس کا وجود نہیں۔ لہٰذا: یہ ضمانت دیا گیا نہیں ہے؟

مشتری کے لیے حیلہ یہ ہے کہ وہ بری ہو جائے۔ اگر وہ اس کے شریک سے ادائیگی پالے اس پر وہی لوٹائے گا جس پر مصالحت کی تھی، کہ مصالحت والا شریک مشتری سے اس کا قیمت کا سب حصہ ساقط کرے گا۔ پھر مشتری اس کو اس کے شریک کا حصہ دے گا۔ اس سے مصالحت کرے گا کہ وہ اس کا ضامن ہے جو اس نے اپنے شریک سے پایا ہے حتیٰ کہ اس سے وہ چھڑوائے یا اس پر لوٹا دے جو اس نے اس سے لیا ہے اور اس کو وہ اپنے حصہ سے بری کر دے، کیونکہ جب وہ اسے اپنے حصہ سے بری کرے گا اس پر قرض میں صرف اس کے ساتھی کا حصہ باقی رہ جائے گا جب وہ اس پر قبضہ کرے گا وہ اس پر ضمانت دیا گیا ہو گا۔ کیونکہ اس نے غیر کے قرض پر اس کے حکم کے بغیر قبضہ کیا ہے۔

اٹھاونویں مثال: اگر ایک غلام دو خوشحال شریکوں کے مابین ہو۔ ان میں سے ہر ایک اپنا حصہ آزاد کرنا چاہے کہ وہ اپنے شریک پر بھی کچھ تاوان لازم نہ کرے تو اس میں حیلہ یہ ہے کہ وہ دونوں ایک آدمی کو وکیل بنائیں جو اس کو ان دونوں کی طرف سے آزاد کرے اور اس کی ولاء[1] ان کے درمیان ہو جائے۔

انسٹھویں مثال: اگر آدمی سے اس کا غلام درخواست کرے کہ وہ اپنی لونڈی کی شادی اس سے کروا دے۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ ایسا نہ کرے گا۔ پھر اس کے لیے اس شادی کا ارادہ بن گیا تو حیلہ یہ ہے کہ وہ لونڈی اور غلام کو اپنے بھروسہ مند آدمی کے ہاتھ بیچ دے، پھر مشتری اس کی اس سے شادی کروا دے جب عقد (نکاح) پورا ہو جائے وہ اس سے بیع واپس لے لے۔

اس طرح کے حیلہ میں حرج نہیں ہے۔ یہ اپنے اندر کسی حق کو باطل کرنا اور کسی حرام کو حلال کرنا نہیں رکھتا۔ ہمارے قواعد کے مطابق یہ ناممکن نہیں ہے۔ کیونکہ صفت یعنی عقد نکاح اس کی ملکیت کے زوال کی حالت میں پائی گئی۔ اس سے قسم ٹوٹنے کا تعلق نہیں

---

[1] اس سے مراد میراث ہے جو آقا کو غلام آزاد کرنے کے بعد اس کی وفات کی صورت میں ملتی ہے بشرطیکہ اس کے نسبی رشتہ دار، عصبہ یا ذوی الارحام وغیرہ حق دار نہ ہوں۔ اس ولاء کا ذکر حضرت بریرہ کی حدیث میں تفصیل سے آیا ہے جن کو حضرت عائشہ نے خرید کر آزاد کیا تھا اور یہ حدیث معروف ہے۔ (مترجم)

ہے۔ نیز ان دونوں کی دوبارہ ملکیت کے بعد شادی برقرار رہنے پر بھی قسم نہ ٹوٹے گی۔ کیونکہ شادی کروانا عقد/ نکاح سے عبارت ہے جو کہ گزر چکا ہے اب تو اس کا صرف حکم باقی ہے۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ وہ شادی نہ کرے گا۔ شادی برقرار رہے گی اس کی قسم نہ ٹوٹے گی۔

یہ مسئلہ آئندہ کے برعکس ہوگا یعنی اگر اپنے غلام پر قسم کھالے کہ وہ گھر میں داخل نہ ہوگا۔ اسے بیچا۔ وہاں داخل ہوا۔ پھر اس کا مالک ہوا۔ اگر اس میں داخل ہو تو قسم ٹوٹے گی کیونکہ اس نے دخول کی ابتداء کی ہے جبکہ قسم باقی تھی۔ اگر گھر میں اپنی ملکیت کے زوال کی حالت میں داخل ہوا۔ پھر اس کا اس حال میں مالک ہوا کہ وہ گھر کے اندر ہی تھا قسم ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ پہلا دخول ''ہونے'' سے عبارت ہے اور یہ دوسری ملکیت کے بعد بھی موجود ہے تو اس سے قسم ٹوٹے گی جیسے اگر اس کا وجود پہلی ملکیت میں ہوتا۔

مھنا کی روایت کے مطابق امام احمد نے اس آدمی کے متعلق فرمایا جس نے اپنی بیوی کو کہا: تو طلاق والی ہے اگر تو فلاں فلاں چیز کی گروی رکھے گی۔ اس نے وہ گروی اس کی قسم سے پہلے رکھی تھی۔ فرمایا: مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی قسم ٹوٹ گئی ہے۔

قاضی کہتے ہیں: یہ اس بات پر محمول ہے اگر اس نے اس کو کہا تھا: ''اگر تو نے اس کو گروی رکھا ہے''۔ یہ ان کی طرف سے امام احمد کے کلام کی تاویل ہے۔ ان کے کلام کا ظاہر تو یہ ہے کہ انہوں نے گروی کی موجودگی کو اس کی ابتداء کے مرتبہ میں رکھا ہے، (یعنی گزشتہ مثال میں) دخول کی طرح۔

ساٹھویں مثال: اگر آدمی کا کسی پر کچھ مال (قرض) ہو اور مستحق مال شخص مریض ہو جائے وہ چاہے کہ اس کو اس سے بری کرے اور وہ اس کے ثلث [1] سے یہ نکالے، لیکن اندیشہ ہو کہ وارث اس کا مال چھپائیں گے اور کہیں گے: اس نے تو قرض کے علاوہ کچھ نہیں چھوڑا جو اس پر لازم ہے؟

اس سے چھٹکارے میں حیلہ یہ ہے کہ مریض اپنے مال سے قرض کے اس اندازے کے مطابق نکال دے جو اس قرض والے پر ہے۔ اس کو اس کا مالک بنادے۔ پھر اس سے وہ پورا لے لے اور اس پر گواہ بنالے۔

اسی طرح اگر مریض کسی غلام کو آزاد کرنا چاہے۔ اس کے لیے مال ہو جو اس کے ثلث [2] سے نکلتا ہے۔ وہ اس کو مال کا مالک بنائے گا۔ پھر اندیشہ ہو کہ وارث کہیں گے: میت نے اس غلام اور مال کے بغیر کچھ نہیں چھوڑا؟ حیلہ یہ ہے کہ مریض غلام کو اپنے بھروسہ مند آدمی کے ہاتھ بیچ دے۔ قیمت قبضہ میں لے لے۔ اس کو مشتری کے لیے ہبہ کردے پھر مشتری اس کو آزاد کردے۔
اگر میت پر قرض ہو۔ اس کی ادائیگی اور اضافی مال بھی بچا ہو۔ غلام اس کے ثلث [3] سے نکلتا ہو۔ مریض [4] کو ڈر ہو کہ وارث اس کا مال غائب کریں گے پھر کہیں گے: اس نے غلام آزاد کردیا ہے۔ اس کا اور مال بھی نہیں ہے۔ اس نے جو کیا ہے ہم اس کی اجازت

① ثلث سے مراد کل مال کی ایک تہائی ہے۔ (مترجم)
② ثلث کا ذکر اس لیے بکثرت ہے کہ قرض کی ادائیگی کے بعد یہ گویا وصیت ہے جو تہائی سے نافذ ہے۔ (مترجم)
③ شروع مثال میں میت اور یہاں مریض کا ذکر آیا ہے۔ اس سے مراد وہی میت ہے اور اس سے قبل یہ مریض مرض الموت میں ہے۔ واللہ اعلم۔ (مترجم)
④ اس لیے کہ مریض مرض الموت کا اس طرح کا مالی اقرار درست نہیں ہوتا۔ اس پر گمان کیا جاسکتا ہے کہ اس نے یہ فیصلہ وارثوں کو محروم کرنے کے لیے کیا ہے۔ (مترجم)

نہیں دیتے ؟[1]

اس میں حیلہ یہ ہے کہ غلام کو اپنی طرف سے بیچ دے۔ اس سے قیمت گواہوں کی موجودگی میں وصول کر لے۔ پھر مریض غلام کو وہ کچھ ہبہ کردے جو کچھ اس سے چھپ کر لیا تھا۔ تب وہ وارثوں کے اعتراض سے مامون ہو جائے گا۔

اگر غلام کے پاس مال ہی نہ ہو جس سے وہ اپنے آپ کو خرید سکے۔ وہ اس کو چھپ کر مال ہبہ کر دے۔ وہ اسے اس کے قبضہ میں دے تو اس طرح غلام اپنے آپ کو اپنے مالک سے خرید لے گا۔

اگر اس کی آزادی کا ارادہ نہ کرے۔ بعض وارثوں سے اس کی بیع کا ارادہ اس مال سے کرے جو مریض کے ذمہ وارث کا لازم ہے؟

تو اس میں حیلہ یہ ہے کہ جو اس پر وارث کا لازم قرض ہے وہ چھپ کر اس پر قابض ہو۔ پھر اس کو غلام بیچ دے۔ اس پر گواہ بنادے۔ قیمت گواہوں کی موجودگی میں وصول کر لے تو وہ وارثوں کے اعتراض سے بچ جائے گا۔

اکسٹھویں مثال: اگر آدمی نے کسی کو وصیت کی پھر اندیشہ ہوا کہ وہ قبول نہ کرے گا تو کہے: اگر فلاں میری وصیت قبول نہ کرے گا تو یہ فلاں کے لیے ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح، صریح سنت کے مطابق درست ہے جس کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے امارت کو شرط سے معلق کیا تو وصیت کو معلق کرنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ آدمی امارت سے استفادہ اس سے زیادہ کرتا ہے جتنا وہ وصیت سے کرتا ہے۔ بعض فقہاء اس کو باطل قرار دیتے ہیں۔

اس میں حیلہ یہ ہے کہ مریض اس بات پر کسی کو گواہ کر لے کہ یہ دونوں اس کے اکٹھے وصی ہیں۔ اگر ایک قبول نہ کرے دوسرے نے قبول کر لی تو جس نے قبول کر لی وہ اکیلا وصی ہے۔ اگر وہ دونوں قبول کر لیں تو ہر ایک کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ساتھی سے تصرف میں منفرد ہو جائے۔ کیونکہ وہ ہر دو کے لیے تصرف پر راضی ہوا ہے۔ یہ قاضی نے کہا ہے۔

اگر اندیشہ ہو کہ اسے وہ حاکم روک دے گا جو ان میں سے ایک کی تصرف میں انفرادیت کا قائل نہیں ہے یعنی وہ کہہ دے گا کہ: اس نے ان دونوں کو مشترک کیا ہے اور ان کو ایک وصی کے مرتبہ میں کر دیا ہے؟

تو جواز کا حیلہ یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے ان دونوں کی طرف وصیت انفرادی اور اجتماعی کر دی ہے۔

باسٹھویں مثال: اگر وصی نے تصرف کیا، کچھ بیچا، خریدا اور یتیم پر خرچ کیا۔ حاکم کو اجازت ہے کہ اس کا محاسبہ کرے، اس سے اس کی وجوہ پوچھے، اس کا امین ہونا اس کے محاسبہ سے مانع نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے اپنے عمال کا محاسبہ کیا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ثابت ہے:

«أَنَّهُ بَعَثَ ابْنَ اللُّتْبِيَّةِ عَامِلًا عَلَى الصَّدَقَةِ، فَلَمَّا جَاءَ حَاسَبَهُ»[2]

---

[1] مریض مرض الموت کا وارث کے لیے بھی اس طرح کا اقرار درست نہیں ہوتا۔ اس میں اندیشہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وارث کو زیادہ دینے کے لیے ایسا کر رہا ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔ (مترجم)

[2] صحيح بخاری، ج: ٨، ص: ١١٤؛ صحيح مسلم، ج: ٣، ص: ١٤٦٣، حديث: ٢٦/ ١٨٣٢۔

اس حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس آدمی کو صدقہ پر عامل بنایا جب وہ واپس آیا تو اس نے کہا: یہ تمہارے لیے ہے اور یہ مجھے تحفہ دیا گیا ہے آخر تک۔ (الفقی)

''آپ ﷺ نے ابن لتبیہ کو صدقہ پر عامل بنا کر بھیجا۔ جب وہ آیا آپ ﷺ نے اس کا محاسبہ کیا۔''

اگر وصی اس سے چھٹکارے کا ارادہ کرے تو حیلہ یہ ہے کہ وہ کسی دیگر کو ترکہ کی بیع، قرض کا قبضہ اور اس کے خرچ کا ذمہ دار بنا دے۔ ان میں سے کسی چیز کے خود تک پہنچنے پر گواہ نہ بنائے۔ اگر حاکم اس سے سوال کرے۔ کہے: میری طرف ترکہ سے کوئی چیز نہیں پہنچی نہ میں نے اس میں تصرف کیا ہے۔ اگر ترکہ اس کے حکم سے بیچا گیا ہو، اس کے حکم سے قیمت لی گئی ہو، اس کے حکم سے خرچ کیا گیا ہو۔ اس سے حاکم قسم لے کہ اس نے نہیں لیا، نہ کسی کو لینے کا، تصرف اور خرچ کا وکیل بنایا ہے؟ اگر وہ نیکی کرنے والا ہے، ترکہ کو اس نے اس کی جگہ پر رکھا ہے، خیانت نہیں کی اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ اپنی قسم میں تاویل کرے۔[1] اگر ظالم ہو تو اس کی تاویل اس کو نفع نہ دے گی۔

تریسٹھویں مثال: دو میں سے صحیح تر روایت کے مطابق انسان کا خود پر وقف درست ہے۔ جائز ہے کہ اپنی نگرانی کی شرط کرلے۔ جائز ہے کہ وہ جب تک زندہ رہے اس سے اپنے اوپر خرچ یا اپنے اہل خانہ پر خرچ کو مستثنیٰ کرلے، اگر کسی حاکم کا اندیشہ ہو جو وقف کی اس صورت کو باطل کر دے گا؟ تو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ وہ اس کی ملکیت اپنے بچے، اپنی بیوی یا کسی اجنبی کو دے جو اس پر وقف کرے، اس میں نگرانی رکھنے کی شرط لگا لے۔ اسے دیگر پر ان کے وقف کے نفع میں یا اس پر خرچ میں مقدم کیا جائے گا۔ تب یہ درست ہوگا اور اس پر اعتراض کے لیے کوئی راستہ نہ ہوگا۔

چونسٹھویں مثال: اگر آدمی نے کوئی لونڈی خریدی اس پر قبضہ کرلیا اس میں کوئی عیب پایا۔ اس کی قیمت نقد نہ دی تھی۔ اس نے اس کو واپس کرنے کا ارادہ کیا۔ بائع نے اس سے اس شرط پر مصالحت کرلی کہ بائع اس لونڈی کو اس سے کم قیمت میں لے لے گا جس میں اس نے وہ خریدی تھی۔

قاضی کہتے ہیں: یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ صلح بمعنی بیع ہے۔ خریدی گئی چیز کو کم قیمت پر اسی بائع کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سود کا ذریعہ ہے۔ یہ مسئلہ عینہ[2] کی طرح ہے۔

اگر لونڈی میں عیب مشتری کے پاس پیدا ہوا۔ یہ جائز ہے۔ کیونکہ کمی کی مقدار بمقابلہ اس عیب کے ہے جو مشتری کے ہاں پیدا ہوا ہے یہ معاملہ مسئلہ عینہ تک نہیں پہنچتا؟

اس کے جواز میں حیلہ یہ ہے کہ: (پہلی صورت میں) یہ عینہ کے مشابہ نہ ہو سکے:

وہ لونڈی کو اپنی ملکیت سے نکال دے، اسے آدمی اسی قیمت میں بیچ دے جس کے ساتھ اسے بائع لیتا ہے۔ پھر جس کے ہاتھ میں لونڈی ہے وہ بائع سے اس بات پر مصالحت کرے گا کہ وہ اسے اس قیمت کے علاوہ قبول کرے جس پر عقد واقع ہوا ہے۔ یہ قیمت جس میں وہ لونڈی لے رہا ہے اسے لونڈی کے مشتری کی طرف سے ادا بنا دے۔ کیونکہ اگر دوسرا مشتری بائع سے اس بات پر مصالحت کرے گا کہ وہ لونڈی اس کے علاوہ قیمت میں لے جس میں وہ خریدی گئی ہے تو یہ معاملہ ان کے مابین نیا شروع ہوا ہے۔ ایک معاملہ کی بنیاد دوسرے پر نہیں ہے۔ جب بائع اسے اس دوسرے شخص سے خریدے گا۔ اس کی قیمت اس کے ذمہ میں حاصل

[1] مطلب یہ ہے کہ وہ اگر نیک ہے معاملہ میں دیگر کی مصلحت کی وجہ سے قسم کھالے۔ بظاہر الفاظ قسم جو بھی ہوں۔ وہ ذہن میں ان کی تاویل رکھ لے۔ (مترجم)

[2] مصباح اللغات ص ۵۸۹ میں بیع عینہ کی تعریف یوں ہے: کسی چیز کو اس کی اصلی قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار بیچنا۔ (مترجم)

ہوجائے گی۔ خود اس کے لیے پہلے مشتری پر اس کی قیمت لازم ہوگی۔ جب بائع اس سے قیمت کا مطالبہ کرے گا وہ اسے پہلے مشتری پر حوالہ دے گا تو وہ دونوں ایک دوسرے سے بدلہ لیں گے۔

پینسٹھویں مثال: محض ضمانت جس کی طرف سے دی جائے وہ اس کے ذمہ کو بری نہیں کرتی وہ زندہ ہو یا فوت ہوگیا ہو۔

دوسری روایت کے مطابق یہ زندہ کے بجائے فوت شدہ کو بری الذمہ کرتی ہے یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔

اس میں تیسرا قول بھی ہے کہ: یہ حوالہ کی طرح زندہ اور فوت شدہ کو بری الذمی کرتی ہے۔ یہ داؤد کا مذہب ہے۔

اگر ضامن چاہے کہ اس کی ضمانت جس کی طرف سے دعوت دی گئی ہے اسے بری الذمہ کرنے والی بن جائے تو اس میں حیلہ یہ ہے کہ وہ کہے: میں اس کے قرض کی ضمانت صرف اس شرط پر دیتا ہوں اگر وہ اسے بری الذمہ کرے۔ اگر وہ اسے بری الذمہ کرے تو میں اس کا ضامن ہوں۔ دو میں سے قوی تر مذہب کے مطابق ضمانت کو شرط سے معلق کرنا درست ہے۔ جب وہ اس کو بری کرے گا برأت درست ہوجائے گی۔ قرض اکیلے ضامن پر لازم ہوجائے گا۔

اگر قرض کا مالک اس بات سے ڈرے کہ یہ معاملہ اس حاکم کے پاس جائے گا جو معلق ضمانت کو درست نہیں سمجھتا۔ وہ اصل کے ذمہ سے اس کا قرض برأت کی وجہ سے باطل کردے گا اور ضامن کے ذمہ [1] میں بھی ثابت نہ ہوگا؟ تو حیلہ یہ ہے کہ اس کی ضمانت کو مطلق [2] لکھا جائے۔ اس پر اصل کی برأت کے اقرار کے بعد بغیر شرط گواہ بھی بنا لیے جائیں تو ان دونوں کا مقصود حاصل ہوجائے گا۔

چھیاسٹھویں مثال: حوالہ دینے والے سے حوالہ دیے گئے کی طرف حق کو منتقل کردیتا ہے۔ اس کے بعد صرف ایک صورت میں حوالہ دینے والے سے مطالبہ کا اختیار رہے۔ وہ یہ کہ جس کا حوالہ دیا گیا اس کے خوش حال ہونے کی شرط لگائی تھی لیکن وہ مفلس نکل آیا۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک: اگر حوالہ دیے گئے پر اس طرح مال ضائع ہوا کہ اس نے اس کے حق کا انکار کردیا۔ کیونکہ حوالہ والے کا ثبوت تو حوالہ دیے گئے پر ہے۔ اگر اس نے ہی اس کے حق کا انکار کردیا اور اس پر قسم کھالی یا وہ مفلس ہوکر مرگیا۔ یہ حوالہ دینے والے پر لوٹے گا۔

امام مالک کے نزدیک: اگر اس کی خوشحالی کا گمان کیا گیا تھا لیکن وہ مفلس نکلا تو حوالہ دینے والے پر لوٹے گا۔ اگر مفلسی اس پر بعد میں طاری ہوئی ہے تو اس کو اس کی طرف لوٹنے کا حق نہ ہوگا۔

اگر حق والا اپنے لیے اعتماد چاہتا ہے نیز یہ کہ اگر حوالہ دیے گئے شخص کے پاس مال ضائع ہوا۔ وہ حوالہ دینے والے پر لوٹے گا؟ تو اس میں حیلہ یہ ہے کہ: وہ قبضہ کے حوالہ کا حوالہ پکڑے۔ نہ کہ پوری ادائیگی کا حوالہ۔ وہ حوالہ دینے والے کو کہے: مجھے اپنا قرض ادا کرنے والے پر اس بات کا حوالہ دے کہ جو اس پر قرض لازم آتا ہے میں تمہارے لیے قبضہ میں لوں گا۔ وہ اس کو قبول کرے۔ جو اس نے اس سے قبضہ کرلیا وہ حوالہ دینے والے کی ملکیت پر ہوگا وہ اس کی پوری ادائیگی کا پھر اختیار پالے گا۔ اگر حوالہ

---

[1] اس لیے کہ اصل نے خود کو بری کردیا جبکہ ضامن پر معلق کی وجہ سے ثابت نہیں ہورہا تو قرض والے کا قرض دونوں کی طرف سے ضائع ہورہا ہے۔ (مترجم)

[2] یعنی کسی بھی شرط کے ساتھ معلق نہ کیا جائے۔ (مترجم)

دینے والے کو ڈر ہو کہ یہ مال قابض کے ہاتھ میں ہی ضائع ہو جائے گا۔ اس کی طرف سے ادا نہ ہو گا۔ کیونکہ وہ قبضہ میں اس کا وکیل ہے؟

تو حیلہ یہ ہے کہ وہ اسے کہہ دے: جو میں نے قبضہ میں لیا وہ تیرے ذمہ میں قرض ہے، تو اس کے ذمہ میں وہ لازم ہو گا اسی طرح جو اس پر ہے تو وہ دونوں باہم بدلہ لیں گے۔

حوالہ تین طرح کا ہے: ❶ محض قبضہ کا حوالہ یہ وکالت ہے۔ ❷ پوری ادائیگی کا حوالہ۔ یہی حق کو منتقل کرتا ہے اور ❸ اس کو قرض دینے کا حوالہ۔

پہلا: حوالہ والے کے ذمہ میں قبضہ دینا ثابت نہیں کرتا۔

دوسرا: اس کا حق حوالہ دیے گئے کے ذمہ میں قرار دیتا ہے۔

تیسرا: اس کے ذمہ میں پکڑی گئی چیز کو قرض پکڑنے کے حکم میں ثابت کرتا ہے۔

ستاسٹھویں مثال: جب قرض کا کوئی شخص ضامن بن جائے تو حق دار دونوں میں سے جس سے چاہے مطالبہ کر سکتا ہے۔[1]

امام مالک سے دو روایات ہیں: ایک اسی طرح ہے۔ اس کو ضامن سے مطالبہ کا حق نہیں۔ مگر جب اس کا اصل سے مطالبہ دشوار ہو جائے۔

اگر ضامن اس صورت میں ضمانت دینا چاہیے تو حیلہ یہ ہے کہ وہ کہے: اگر اس کی طرف سے مالک کو دشواری ہوئی تو میں اس کا ضامن ہوں۔ صحیح ترین قول کے مطابق ضمانت کو شرط سے معلق کرنا درست ہے۔

اگر چاہے کہ اس کو ہر قول کے مطابق درست کرلے اور اس (حاکم) کی طرف اٹھائے جانے سے مامون ہو جائے جو اس کے بطلان کی رائے رکھتا ہو۔

تو اس میں حیلہ یہ ہے کہ: وہ کہے: میں اس مال کا ضامن ہوں جو تمہارا افلاس پر ضائع ہو گا یا وہ ادائیگی سے عاجز آ جائے گا۔ تو یہ درست ہو گا۔ پھر اس سے یہ مطالبہ ممکن نہ رہے گا۔ مگر جب مال اصل پر ضائع ہو جائے یا وہ اس سے عاجز آ جائے۔

اڑسٹھویں مثال: اگر کسی پر اس کی عورت زبان درازی کرے۔ وہ کہے کہ: مجھ پر تیری طرف سے طلاق لازم ہو گی، تو مجھے جو بھی کہے گی میں تجھے ضرور وہی کہہ دوں گا۔ عورت نے کہا: أَنْتَ طَالِقٌ ثَلَاثًا یعنی تو تین طلاق والا ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ وہ اسے تاء پر زبر کے ساتھ أَنْتَ طَالِقٌ ثَلَاثًا کہہ دے۔ عورت کو طلاق نہ ہو گی۔ کیونکہ یہ خطاب[2] اس عورت کے لیے درست نہیں۔ یہ قول بہت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس نے جب أَنْتَ طَالِقٌ کہا۔ اس سے مراد وہی عورت ہے یا کوئی اور، اگر وہ عورت مراد نہیں تو اس نے اس کو وہ نہیں کہا جو اس نے کہا تھا۔ بلکہ کہنا کسی اور کے لیے ہو گیا۔ اس سے قسم پوری نہ ہوئی۔ اگر مراد وہی عورت ہے تو مقابلتاً کہنے سے اس کو طلاق ہو گئی۔ رہا تاء پر فتح / زبر تو وہ خطاب کی درستی میں مانع نہیں، مطلب ہو گا تو اے شخص! یا اے انسان!۔[3]

پھر اس قائل نے جو کہا کہ: اگر عورت اس کو کہتی ہے: فَعَلَ اللّٰهُ بِكَ كَذَا یعنی اللہ تیرے ساتھ یوں کرے۔ مرد نے بھی

---

[1] یعنی اصل ﷺ یا ضامن سے۔ (مترجم) [2] کیونکہ مؤنث کے لیے تاء کے نیچے زیر آنی چاہیے۔ (مترجم)
[3] یعنی شخص اور انسان کو خطاب مذکر کی ضمیر سے ہو سکتا ہے۔ (مترجم)

فَعَلَ اللّٰہُ بِكَ کہہ دیا۔کاف پر زبر پڑھی۔کیا وہ اپنی اس قسم میں پورا ہوگا؟

اگر کہے کہ پورا نہیں ہوگا۔اس پر اس طرح کا طلاق میں لازم ہیں ہوگا۔اگر کہے کہ: پورا ہوگا تو اسی طرح کہنے والا اس کو طلاق دینے والا بھی ہو جائے گا۔

اس سے اچھا یہ ہے کہ اس کی بات کو تراخی[1] پر محمول کیا جائے۔جب تک اس نے فوراً اپنے لفظ یا نیت سے اس کو مقید نہیں کیا۔ایک گروہ کا قول ہے۔مرد اس کو کہتا ہے: تجھ کو تین طلاق اگر میں نے یہ یہ نہ کیا یا اگر تو نے یہ کیا۔ایسا کام جس کی وہ قدرت نہ رکھتی ہو تو گویا مرد نے وہی کہہ دیا جو عورت نے اس کو کہا تھا۔کیونکہ یہ اضافہ ہے جو کلام میں نقص پیدا کرتا ہے۔یہ لفظ میں اضافہ ہے۔معنی میں کمی ہے اگر اس نے طلاق کو شرط سے معلق کیا۔وہ پورا کرنے سے معلق کی طرف نکل جائے گا۔یہ سب ایک کلام بن جائے گا۔عورت نے اپنے کلام کو معلق نہ کیا تھا۔اس نے پورا کیا تھا مماثلت اس طرح کے پورے کلام کا تقاضا کرتی ہے۔

اس سب سے اچھا یہ ہے کہ کہا جائے: یہ کلام جو عورت کی طرف سے صادر ہوا ہے۔مرد کی قسم میں داخل نہ ہوگا۔کیونکہ اس نے قطعاً اس کا ارادہ نہیں کیا۔نہ اس کی سوچ میں آیا ہے۔اس کی قسم اس کو شامل نہ ہے۔بلاشبہ اس پر قسم نہیں نہ کھائی گئی تھی۔عام لفظ کو نیت اور عرف کے ساتھ خاص کیا جاتا ہے۔اس طرح کی بات میں عورت کا کہنا عرفاً اس میں داخل نہیں ہے۔قسموں میں عرف، نیت اور سبب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔یہ امام احمد اور مالک کے ظاہر اصول پر عام ہوگا یعنی وہ قسم کھانے والے پر عرف، سبب اور قسم میں نیت کا اعتبار کرتے ہیں۔واللہ اعلم۔

انہترویں مثال: جائز ہے کہ آدمی بکری، گائے وغیرہ کو اس کے دودھ کے لیے مدت معلوم تک کرائے پر لے لے۔یہ بھی جائز ہے کہ اسی طرح ان کو چارے اور نامزد دراہم میں کرائے پر لے لے کہ چارہ اس پر لازم ہوگا امام یہ مالک کا مذہب ہے۔جبکہ باقیوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔

ان کا قول ہی صحیح ہے۔اسے ہمارے شیخ نے اختیار کیا ہے۔کیونکہ ضرورت اس کی داعی ہے۔یہ دودھ پلانے والی کو ایک مدت تک دودھ کے لیے اجرت پر رکھنے کی مانند ہے۔دودھ گو ایک عین ذات ہے۔یہ منافع میں اپنی جانشینی اور نیا آنے میں ایک چیز کے بعد دوسری چیز ہے۔جب زمین سے اگنے والی گھاس اور بوٹیوں کے لیے اسے کرائے پر دینا جائز ہے جو کہ عین ہے تو یہ بھی جائز ہے۔دودھ چارے اور خدمت سے جو حاصل ہوتا ہے۔یہ ایسے ہے جیسے نفع بیج اور خدمت سے حاصل کیا جائے۔ان دونوں کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔دودھ کی چارے سے افزائش غلہ کی بیج سے افزائش کی مانند ہے۔یہ درست ترین قیاس ہے۔آدمی کے لیے جائز ہے کہ اس کو وقف کرے۔موقوف علیہ پر اس کے دودھ سے نفع لینا جائز ہے۔وقف کنندہ کا حق تو موقوف کے نفع میں ہے۔ساتھ اس کے اصل باقی رہے۔

یہ بھی جائز ہے کہ وہ اسے اس کے دودھ کی وجہ سے کسی کو مدت معلوم تک عطیہ کر دے کہ وہ عطیہ کنندہ کی ملکیت میں باقی رہے۔اس کا عطیہ عاریہ کے قائم مقام بن جائے گا۔عاریہ سے نفع اٹھانا جائز ہے۔جب دودھ وقف اور عاریہ میں منفعت کے قائم

---

[1] یعنی اسے ڈھیل دی جائے گی۔اس کا انتظار کیا جائے گا۔(مترجم)

مقام ہوسکتا ہے۔ وہ اجارہ میں بھی اس کے قائم مقام ہوسکتا ہے۔

نیز اللہ پاک نے فرمایا ہے:

﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ﴾ (الطلاق:٦)

''اگر وہ تمہارے لیے دودھ پلائیں تو تم ان کو ان کی اجرتیں دے دو۔''

جو کچھ دودھ پلانے والی دودھ کے عوض لیتی ہے اس کا نام اجرت رکھا گیا ہے اسے قیمت کا نام نہیں دیا۔

نیز پانی کے لیے مدت معلوم تک کنواں کرائے پر لینا جائز ہے۔ پانی اس کے عمل سے حاصل نہیں ہوتا۔ دودھ کے لیے جو چارے اور نگہبانی سے حاصل ہوگا اس کو کرائے پر لینا زیادہ حق رکھتا ہے۔

نیز مچھلیوں کا گھر تالاب بنانے کے لیے گڑھا کرائے پر لینا جائز ہے تو یہ جواز کا زیادہ حق دار ہے۔ کیونکہ یہ عرف سے معلوم ہے۔ یہ اس کے چارے اور جانور کی نگہبانی سے حاصل ہوتا ہے۔

جانوروں کے تھنوں میں دودھ کی بیع کی حرمت پر منع کا قیاس کرنا قیاس فاسد ہے وہ ایک مجہول کی بیع ہے۔ جس کی مقدار معلوم نہیں ہوتی۔ نیز اس سے کیا حاصل ہوتا ہے وہ معدوم نفع ہے۔ لہٰذا: جائز نہیں ہے۔

اجارہ بیع سے وسیع تر ہے۔ اس لیے معدوم منافع کے بجائے یہ جائز ہے جو چیز کے بعد چیز کو جانشین کرتا ہے۔ اس میں دودھ منفعت کی طرح برابر ہے۔ گو وہ ایک عین/ ذات ہے۔ پس یہی قول درست ہے۔

اگر خوف ہو کہ یہ معاملہ اس حاکم کی طرف اٹھایا جائے گا جس کی رائے اس کے بطلان کی ہوگی: تو اس کے لزوم میں حیلہ یہ ہے کہ وہ اسے ایک مدت تک نامزد دراہم پر حیوان کرائے پر دے دے۔ پھر اسے اس کے چارے کے عوض اجازت دے دے اور اس کے لیے دودھ مباح کر دے۔

یہی حیلہ گائے، اونٹنی اور بھینس کے اجارہ میں لاگو ہوگا۔ کیونکہ ان پر کھیتی اور سواری ممکن ہے۔ رہی بکری تو اس سے مقصود صرف دودھ اور نسل ہے۔ اس کی منفعت پر اجارہ تیار نہ ہوگا۔ اس میں طریقہ یہ ہے کہ وہ اس کو اجرت پر اپنے ایک بکری کے بچے کی رضاعت کے لیے مدت معلوم تک لے لے۔ اس کو اس پر اس کی اجرت یا کچھ حصہ میں خرچ کرنے پر وکیل بنا دے اور اس کے لیے دودھ کو مباح کر دے۔

سترویں مثال: جب کسی نے کسی کو اپنا کپڑا دیا اور کہا اس کو دس (درہم) میں بیچ دو۔ جو زائد ہو وہ تمہارے لیے ہے۔ امام احمد کی نص حضرت عبداللہ بن عباس کی اتباع میں اس کی صحت پر ہے۔ اسحاق نے اس پر موافقت لی ہے۔ اکثر نے اس سے منع کیا ہے۔

وجہ اختلاف: یہ ہے کہ اس عقد میں وکالت، اجارہ اور مضاربہ کا شائبہ ہے جس نے وکالت کے پہلو کو ترجیح دی اس نے عقد کو درست کہا۔ جس نے اجارہ یا مضاربہ کے پہلو کو ترجیح دی اس نے اس کو باطل کہا۔ کیونکہ اجرت اور نفع کے لیے ایک مجہول چیز رکھی گئی ہے۔

صحیح: اس کا جواز ہے۔ کیونکہ دس مضاربہ میں قائم مقام رأس المال کے ہے۔ جو زائد ہو وہ نفع کی طرح ہے۔ اگر اس نے سب اس کو دیا تو یہ سرمایہ کاری کے مرتبہ میں ہے یعنی جب وہ اسے مال دے کہ وہ اس میں مضاربہ کرے اور کہے کہ: جو تو نے نفع پایا وہ تیرے لیے ہے۔ یہ عقد اجارہ کے باب سے نہیں بلکہ اس کی مشابہت مشارکت کے ساتھ زیادہ ہے۔

اگر وہ ڈرے کہ ایسے حاکم کے پاس معاملہ جائے گا جس کی رائے میں یہ باطل ہے؟ تو اس میں حیلہ یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے تجھے اس کو دس میں بیچنے پر وکیل بنایا ہے۔ اگر تو نے زائد میں بیچا تو زائد میں میرا کوئی حق نہ ہوگا تو یہ درست ہوگا اور زائد مال وکیل کے لیے ہوگا۔

اکہترویں مثال: مھنا کی روایت میں امام احمد نے کہا: کوئی حرج نہیں کہ آدمی کھیتی کاٹے یا کھجوریں اتارے کہ اس سے جو نکلے اس کا چھٹا حصہ مزدوری ہوگا۔ یہ مجھے مقاطعہ سے زیادہ پسند ہے۔ یعنی آدمی معلوم ماپ پر، یا دراہم یا اسباب پر اس کو کاٹے۔

اسی طرح اثرم وغیرہ کی روایت میں اس آدمی کے بارے میں نص ہے جس نے دوسرے کو اپنا چوپایا دیا تاکہ وہ اس پر اس معاوضہ میں کام کرے جو اللہ رزق دے تو ان دونوں کے مابین نصف ہوگا۔ یہ جائز ہے۔

امام احمد نے ہی فرمایا: حرج نہیں کہ کپڑے کو تہائی یا چوتھائی پر دیا جائے۔ کیونکہ حضرت جابر کی حدیث ہے کہ

«أَعْطَى خَيْبَرَ عَلَى الشَّطْرِ»[1]، [2]

''نبی ﷺ نے خیبر کو شطر پر دیا۔''

ابوداؤد نے ان سے اس شخص کے متعلق ذکر کیا ہے جو اپنا گھوڑا نصف نفع پر دیتا ہے۔ فرمایا: مجھے امید ہے کہ اس میں حرج نہیں ہے۔

اسحاق بن ابراہیم کی روایت میں ہے فرمایا: اگر نصف اور چوتھائی پر ہو تو جائز ہے۔ ان سے احمد بن سعید نے اس شخص کے متعلق ذکر کیا ہے جس نے اپنا غلام کسی آدمی کو دیا تاکہ وہ اس سے کمائی کرے۔ اس کے لیے کمائی سے ثلث یا ربع ہو تو یہ جائز ہے۔ ان سے حرب نے اس شخص کے متعلق ذکر کیا ہے جس نے درزی کو کپڑا دیا تاکہ وہ اس کے الگ الگ حصے بنا کر قمیصیں بنا دے اور ان کو بیچے۔ اس کے لیے اس کے کام کے حق میں نصف نفع ہے تو یہ جائز ہے۔

اس آدمی کے متعلق نص بیان کی ہے جس نے اپنا کاتا ہوا سوت کسی آدمی کو دیا کہ وہ اس کی قیمت کے ثلث یا ربع کے عوض اسے بن کر کپڑا بنائے یہ جائز ہے۔ المغنی والے کہتے ہیں: احمد کے قول پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہے کہ چکی پیسنے والے کو معلوم ٹوپے دیے جائیں جن کو وہ ایک ٹوپا پسے آٹے کے عوض میں پیس دے۔ ابن عقیل سے اس کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی اس ممانعت سے حجت پکڑی ہے کہ:

«نَهَى عَنْ قَفِيزِ الطَّحَّانِ»[3]

---

[1] شطر ایک حصہ ہے۔ نصف کو بھی کہتے ہیں۔ یعنی خیبر کی زمین کو حصہ پر دیا۔ (مترجم)

[2] صحیح بخاری، ج: ۳، ص: ٥٤؛ مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۱۷۔

[3] اسے حافظ ابن حجر نے التلخیص الحبیر، ص: ٢٥٥، دار قطنی اور بیہقی کی روایت سے ذکر کیا ہے۔ (الفقی)

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے پیسنے والے کے ٹوپے سے منع فرمایا۔''

شیخ کہتے ہیں: اس حدیث کو ہم نہیں پہچانتے۔ نہ اس کی صحت ہمارے ہاں ثابت ہے۔ امام احمد کے قول میں اس کے جواز پر قیاس ہے۔ جیسا کہ ہم نے ان سے مسائل میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی اپنا جال کسی شکاری کو دے تا کہ وہ اس سے شکار کرے اور ان کے مابین مچھلیاں نصف نصف ہوں۔ المغنی میں فرمایا: امام احمد کا قیاس اس کی صحت پر ہے جبکہ مچھلیاں ان کے مابین مشترک ہوں گی۔ ابن عقیل نے کہا: مچھلیاں شکاری کی ہوں گی جبکہ جال والے کو طرح اجرت ملے گی۔ اگر کسی کا کسی آدمی پر مال لازم ہو وہ کسی آدمی کو کہے: اس سے تم قبضہ لو تمہیں اس کی چوتھائی یا تہائی ملے گی یا جتنا تم نے قبضہ کیا تمہیں اس کی چوتھائی یا تہائی ملے گی تو یہ جائز ہے۔

اسی طرح اگر کسی آدمی سے کوئی چیز چھین لی جائے وہ کسی آدمی کو کہے: اس کو میرے لیے چھڑواؤ تمہارے لیے اس کا نصف ہے یہ بھی جائز ہے۔

اگر کسی کا سامان سمندر/ دریا میں ڈوب جائے۔ وہ کسی آدمی کو کہے: جو تم نے اس سے بچایا تمہارے لیے اس کا نصف یا چوتھائی ہے۔ تو یہ جائز ہے۔

اگر کسی کا غلام بھاگ جائے وہ کسی خاص آدمی کو کہے یا ویسے ہی کہے: جو بھی اسے مجھ پر لوٹائے اس کے لیے اس میں نصف یا چوتھائی حصہ ہوگا۔

یا کسی کا جانور بھاگ جائے وہ ایسے کہے تو یہ سب درست ہوگا۔

میں کہتا ہوں: یہ کہنا بھی جائز ہے کہ: میرے لیے اس زیتون کو چھٹے یا چوتھائی حصے پر توڑو، یا اس کو تہائی یا چوتھائی پر نچوڑو، یا اس لکڑی کو چوتھائی پر توڑو، یا اس گوندھے ہوئے آٹے کو چوتھائی پر پکاؤ۔ وغیرہ

یہ سب ان کے نصوص اور اصول کے مطابق جائز ہے۔ یہ بعض صورتوں میں مقاطعہ سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

رہے امام مالک: تو ان کے اصحاب نے ان کے بارے میں کہا: جب کوئی شخص کہے: میری کھیتی کو کاٹو تمہارے لیے اس کا نصف ہے تو یہ جائز ہے۔ اگر کہے: آج کا دن کاٹو جو تم نے کاٹا تمہارے لیے اس کا نصف ہے۔ ابن القاسم کے نزدیک یہ جائز ہے۔ عتبیہ [1] میں ہے یہ جائز نہیں ہے۔

اگر کہے: تم میرا زیتون توڑو جو تم نے توڑا تمہارے لیے اس کا نصف ہے۔ یہ ابن القاسم کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اسے عبدالملک بن حبیب نے جائز کہا ہے۔ اگر کہے: میرے لیے سو دینار پکڑو جو فلاں شخص پر لازم ہیں۔ تمہارے لیے اس کا دسواں حصہ ہے۔ یہ ابن القاسم اور ابن وہب کے نزدیک جائز ہے اور اشہب کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

اگر کہے: میرا فلاں پر جو قرض ہے تم پکڑو۔ تمہارے لیے ہر دس پر ایک ہے۔ قرض کی مقدار بیان نہ کی۔ یہ ابن وہب کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ جبکہ ابن القاسم اور اصبغ کے نزدیک یہ جائز ہے۔

---

[1] ایک نسخہ میں عتبیۃ ہے۔ (مترجم)

جنہوں نے اس میں جواز کو روکا ہے۔ انہوں نے اس کو ایسا اجارہ قرار دیا ہے۔ جس کی اجرت مجہول ہے۔ درست بات یہ ہے کہ یہ اجارات کے باب سے نہیں ہے بلکہ یہ مشارکات کے باب سے ہے۔ امام احمد نے اس پر نص بیان کی ہے۔

انہوں نے کپڑے کو تہائی اور چوتھائی پر دینے پر حدیث خیبر [1] سے دلیل لی ہے، نیز سنت میں اس کے جواز پر دلیل بھی ہے۔ جیسے مسند اور سنن میں حضرت رویفع بن ثابت سے مروی ہے۔ کہتے ہیں:

«إِنْ كَانَ أَحَدُنَا فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَيَأْخُذُ نِضوَ أَخِيْهِ عَلَى أَنَّ لَهُ النِّصْفُ مِمَّا يَغْنَمُ وَلَنَا النِّصْفُ، وَإِنْ كَانَ أَحَدُنَا لَيَطِيْرُ لَهُ النَّصْلُ وَالرِّيْشُ وَلِلآخَرِ الْقِدْحُ» [2]

''ہم میں سے کوئی ایک رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اپنے بھائی کا کمزور اونٹ اس شرط پر لے لیتا کہ جو اس کو غنیمت سے ملے گا اس کے لیے نصف اور ہمارے لیے بھی نصف ہوگا۔ ہم میں سے ایک کے حصہ میں لوہا اور پر آتا جبکہ دوسرے کے لیے تیر کی لکڑی آتی۔''

اس سب کی اصل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر کی زمین یہود کو دی کہ وہ اس میں کام کریں گے کہ جو اس سے پھل یا کھیتی نکلے ان کے لیے اس کا شطر ہوگا۔ مضاربہ کے جواز پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ وہ یہ ہے کہ اپنا مال کسی کو دیا جائے جو اس میں کام کرے، اس کو اس کے نفع سے معلوم حصہ ملے گا۔ ہر وہ چیز جس کا فائدہ اس کے عمل سے اس کا مالک کو ملے اسے ایسے آدمی کو دینا جائز ہے جو اس میں عمل کرے اور نفع کا معلوم حصہ لے۔

یہ محض قیاس اور دلائل کا تقاضا ہے۔ مانعین کے پاس ان کے اس گمان کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ عوض مجہول کے ساتھ اجارات کے باب سے ہے۔ اسی بنیاد پر انہوں نے مساقات اور مزارعۃ [3] کو بھی باطل قرار دیا۔

ایک قوم نے اس کی بعض صورتوں کو مستثنیٰ کیا ہے۔ انہوں نے کہا: مضاربہ خلاف قیاس ہے۔ کیونکہ ان کے گمان میں یہ اجارہ ہے۔ ایسے عوض کے ساتھ جس کی مقدار معلوم نہیں ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ باب سب کا سب مواجرۃ / اجارۃ سے بڑھ کر حلال اور پاکیزہ ہے۔ کیونکہ اجارہ میں عوض کی سلامتی قطعاً حاصل ہوتی ہے۔ اجرت پر لینے والا عوض کی سلامتی اور اس کی ہلاکت کے مابین متردد ہوتا ہے۔ وہ خطرے پر رہتا ہے۔

معاوضات میں عدل کا قاعدہ یہ ہے کہ دونوں عقد کرنے والے امید اور خوف میں برابر ہوں۔ یہ مزارعہ، مساقاۃ، مضاربہ اور اس سے ملتی جلتی تمام صورتوں میں موجود ہے۔ اگر نفع بچ جائے دونوں کے لیے بچے گا۔ اگر ضائع ہو جائے دونوں کے لیے ضائع ہوگا یہ بہترین عدل ہے۔

اس سے منع کرنے والے متأخرین نے حضرت ابو سعید کی حدیث سے دلیل لی ہے جسے دارقطنی نے روایت کیا ہے کہ:

---

[1] یعنی جس میں خیبر کے یہود سے معاملہ کا ذکر ہے۔ (مترجم)

[2] اسے ابوداؤد نے کتاب الطہارۃ میں روایت کیا ہے۔ یہ ایک لمبی حدیث ہے۔ (الفقی)

[3] مساقاۃ پانی پلانا اور مزارعۃ کھیتی کا معاملہ کرنا۔ (مترجم)

«نُهِيَ عَنْ قَفِيْزِ الطَّحَّانِ»

''پینے والے کے ٹوپے سے منع کیا گیا ہے۔''

جبکہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

میں نے شیخ الاسلام کو کہتے ہوئے سنا کہ یہ موضوع ہے۔

اس کو ہمارے بعض اصحاب نے اس پر محمول کیا ہے کہ ممانعت اُس ڈھیر کو[1] پینے پر آئی ہے جس کی مقدار معلوم نہ ہو اس میں سے ایک ٹوپہ پر۔ کیونکہ اس ٹوپے کے علاوہ سب ڈھیر مجہول ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اس کو بیچا جائے ایک ٹوپہ چھوڑ کر۔

اگر اس کے ٹوپے معلوم ہوں۔ کہے کہ ان دس کو ان میں سے ایک ٹوپے کے عوض میں پیس دو، یہ دانے یا پیسے ہوئے پر بھی صحیح ہے۔

اگر دانے ہیں تو اس نے اس کو نہ ٹوپے پینے پر اجرت پر لگایا ہے کہ وہ اسے ایک ٹوپہ گندم دے گا۔

اگر وہ پیسا ہوا ہے تو وہ اس میں اس کا اس طرح شریک ہو گیا ہے کہ کام کرنے والے کے لیے دسواں حصہ ہے جبکہ دوسرے کے لیے دس میں سے نو حصے ہیں۔ وہ ایک نامزد حصہ پر اس کا شریک ہو جائے گا۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ تمہارے ہاں چیزوں میں شرکت درست نہیں ہے؟ جواباً کہا جائے گا کہ دو میں سے صحیح روایت کے مطابق یہ درست ہے۔ اگر ہم دوسری روایت کے قائل ہوں تو اس کو چیزوں پر مضاربت کے بجائے مساقات اور مزارعت کے ساتھ ملانا بہتر ہے۔ کیونکہ چیزوں میں مضاربت اپنے اندر مال کے رقبہ میں، اس کو دیگر کے ساتھ بدلنے میں تجارت اور تصرف لیے ہوئے ہے۔ جبکہ اس میں ایسا نہیں ہے۔

اگر کہا جائے: پینے والے کو دانے ایک معلوم حصہ معاوضہ پر دینا یا بننے والے کو کاتا ہوا سوت ایک معلوم حصہ پر معاوضہ میں دینا دو ممنوع باتوں کو شامل ہے:

پہلی: پینے میں اجرت کا اندازہ اور بننے میں عامل پر اجارہ کے حکم میں مستحق ہوگا۔ اس کے لیے اس کے اجرت ہونے کے حکم پر مستحق ہوگا جبکہ یہ متناقض ہے۔ اگر اس پر استحقاق ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ اجرت پکڑنے والے پر مطالبہ ہو۔ اگر دوسرے کے لیے استحقاق ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اجرت دینے والے پر مطالبہ ہو۔

دوسری: جس پر عقد کیا گیا ہے اس چیز کا کچھ حصہ ہی عوض بن جائے، یہ ممنوع ہے۔

جواباً کہا جائے گا: یہ اس کے ذہن کی بات ہے جس نے اس کو اجارہ گمان کیا ہے۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ یہ مشارکت ہے اجارہ نہیں ہے۔ اگر اس کو اجارہ کے باب سے فرض کر لیا جائے تو بھی اس میں تناقض نہیں ہے۔ استحقاق کی جہت مختلف ہو جاتی ہے۔ جب وہ اس کا استحقاق رکھتا ہے یہ اور جہت ہے۔ جب اس کے خلاف استحقاق ہے تو اور جہت ہے۔

رہا عقد والی چیز کے کچھ حصہ کو عوض بنایا جانا: تو اس میں عقد کام پر ہے۔ عقد کام پر کیا گیا ہے۔ نفع جو ہے وہ اصل چیز کے جزء سے ہے۔ اس معاملہ کا تصور عقلاً و شرعاً کیا جا سکتا ہے۔

یہ بات واضح ہوگئی کہ اس مسئلہ کی صحت ہی نص اور قیاس کا تقاضا ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ۔

---

[1] یہاں صبرۃ کا لفظ ہے یعنی وہ ڈھیر جو بغیر کسی ماپ اور تول کے ہو۔ (الفقی)

لہٰذا: یہاں پر تصحیح کے لیے حیلہ کی ضرورت نہ پڑے گی۔ الا یہ کہ ان میں سے ایک شخص کے دھوکے، عقد کو باطل کرنے اور اجرت مثل کی طرف لوٹنے کا اندیشہ ہو۔

اس سے چھٹکارے میں حیلہ یہ ہے کہ وہ اس کو دانوں اور کاتے سوت کا چوتھائی یا نصف حصہ دے اور کہے کہ باقی کو میرے لیے اس قدر معاوضے پر بن دو۔ وہ دونوں بننے میں اور دانوں میں شریک ہو جائیں گے۔ اگر وہ دونوں اس کے بعد شرکت کریں درست ہے اور ان دونوں کے مابین معاملہ اسی اندازے پر ہوگا جس کی ان دونوں نے شرط لگائی ہے۔

عجب بات یہ ہے کہ مانعین نے اس کو اس صورت میں جائز کہا ہے اسے مشارکت قرار دیا ہے نہ کہ موأجرت۔ انہوں نے اس کو اصل میں اس طرح جائز کیوں نہ کہا؟ کیا عقود میں صورتوں اور الفاظ کے بجائے ان کے مقاصد، حقائق اور معانی کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ۔

بہتر ویں مثال: کسی آدمی کا کسی آدمی پر قرض ہو۔ وہ اپنے قرض خواہ سے چھپ جائے۔ جبکہ اس کا بھی کسی آدمی پر قرض ہو۔ قرض خواہ چاہے کہ اس پر اپنا قرض اس شخص سے لے لے جس پر اس کا قرض ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا جب تک حوالہ یا وکالت نہ ہو۔ اس کا قرض دینے والا چھپا ہوا ہے لہٰذا: اس پر حوالہ یا وکالت مشکل ہے۔

اس سے اپنا قرض لینے کا حیلہ یہ ہے کہ: وہ اس کو وکیل بنائے اور کہے: میں نے تجھے اپنا وہ قرض لینے پر وکیل بنایا ہے جو فلاں پر ہے۔ نیز اس سے مقابلہ کا بھی اور میں نے تجھے وکیل بنایا ہے کہ جو اس کا تجھ پر ہے وہ اُس مال کے قصاص میں کر دو جو میرا اس پر ہے۔ میں نے تیرے معاملے کو اس میں جائز کیا ہے۔ وکیل قبول کرے اس پر گواہ بنالے۔ پھر وکیل ان گواہوں کو یا دیگر کو گواہ بنائے کہ فلاں نے مجھے اپنا مال فلاں سے لینے پر وکیل بنایا ہے۔ نیز جو اس کا مجھ پر ہے اسے قصاص بنانے کا وکیل بنایا ہے۔ اس میں میرے معاملے کو جائز کیا ہے۔ میں نے فلاں سے یہ بات قبول کر لی ہے جو اس نے میرے ذمہ لگائی ہے۔

تم گواہ ہو جاؤ کہ میں نے ہزار درہم جو مجھ پر فلاں کے تھے ان کو اپنے فلاں مؤکل کے لیے ہزار کا قصاص دیا ہے۔ یہ ہزار قصاص/ بدلہ ہو جائے گا۔ جو چھپے ہوئے آدمی کا اس وکیل پر قرض تھا۔ وہ بدل کر اس آدمی کو مل جائے گا جس نے اس کو وکیل بنایا تھا۔

تہتر ویں مثال: اگر کسی آدمی کا کسی پر مال ہو۔ وہ غائب ہو جائے جس پر مال ہے۔ آدمی چاہتا ہے کہ اپنا مال اس پر ثابت کر دے۔ تاکہ حاکم اس کے خلاف فیصلہ کر دے جبکہ وہ غائب ہو۔ حاکم کے لیے جائز ہے کہ وہ اس پر غائب حالت میں فیصلہ کر دے لیکن اس کی حجت باقی رہے گی۔ یہ دو مذہبوں میں سے صحیح مذہب ہے۔ احمد مالک اور شافعی سے بھی صحیح یہی قول مروی ہے۔

ابو حنیفہ کے نزدیک غائب کے خلاف فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر اس طرف وہی حاکم ہو جس کی رائے میں یہ قول معتبر ہے۔ حق والے کو ڈر ہو کہ میرا حق ضائع ہو جائے گا۔

اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ وہ ایک آدمی کو لائے۔ وہ اس آدمی کو ضمانت دے جس کا مال ہے اور جس غائب شخص پر ہے اس کے لیے تمام مال کی ضمانت دے۔ وہ اس کا نام، نسب بیان کرے۔ اس پر گواہ بنائے۔ پھر اس کو قاضی کی طرف پیش کرے۔ ضامن ضمانت کا اقرار کرے۔ کہے: کہ میں اس کے لیے ضامن بن گیا ہوں جو اس کا فلاں بن فلاں پر مال لازم ہے۔ میں نہیں

جانتا کہ اس کا اس پر کتنا مال ہے۔ نہ یہ جانتا ہوں کہ اس کا اس پر مال ہے یا نہیں ہے؟ قاضی جس شخص کے حق میں ضمانت دی گئی ہے اس کو کہے گا کہ وہ اس پر گواہ پیش کرے کہ اس کا فلاں کے ذمہ پر یہ ہے۔ اگر وہ گواہ پیش کر دے تو اس کو قاضی اس ضامن کی موجودگی میں قبول کر لے گا۔ غائب کے خلاف فیصلہ کر دے گا اور اس ضامن پر مال کا فیصلہ اس کی ضمانت کے بموجب کرے گا۔ اس ضمانت والے کو قاضی غائب کی طرف سے مقابلہ کرنے والا قرار دے گا کیونکہ جو اس کے ذمے ہے اس نے اس کی ضمانت دی ہے۔ اس ضمانت والے کے خلاف فیصلہ نہ کیا جائے گا جب تک اس کے خلاف نہ ہو جس کے لیے ضمانت دی گئی ہے۔ پھر اس کے بعد حاکم اس ضامن کے خلاف حکم لگائے گا کیونکہ وہ اس کی فرع/شاخ ہے۔ جب تک اصل پر مال ثابت نہ ہو گا فرع پر بھی ثابت نہ ہو گا۔

چوہترویں مثال: اگر کسی آدمی نے کسی کا مال غصب کر لیا۔ وہ اس کے لیے چھپ کر بعینہٖ اقرار بھی کرتا ہے۔ لیکن علانیہ انکار کرتا ہے۔ وہ اس سے اپنا مال چھڑانا چاہتا ہے؟

اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ وہ کسی بھروسہ مند آدمی کے ہاتھ اس کو بیچ دے۔ اس بات پر اس کے لیے عادل گواہ بھی مقرر کر لے۔ پھر اس کے بعد اُسے غاصب کو بیچ دے۔ دونوں بیع کے درمیان ایک مدت ہو گی جس کو گواہ جانتے ہوں گے تاکہ بوقت اداء وہ یہ وقت بیان کریں۔ جب غاصب وقت معین پر بیع کے گواہ لائے گا وہ شخص بھی اپنے گواہ لے آئے گا جس نے اس شخص سے غصب شدہ چیز پہلے خرید لی تھی۔ اس کے لیے گواہوں کی وجہ سے سبقت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ غاصب اس آدمی پر اس قیمت پر لوٹے گا جو اس نے اس کو دی تھی جبکہ اس آدمی کو غصب کی گئی چیز لوٹا دے گا۔

اسی طرح اگر اس آدمی نے غصب کی گئی چیز کا اقرار کسی بھروسہ مند شخص کے لے کر دیا۔ پھر بعد میں اسے غاصب کو بیچ دیا۔ پھر اقرار والا آیا اس نے پہلے کے لیے اقرار پر گواہ قائم کر دیے۔[1]

اگر کہا جائے: غاصب کو اگر اس حیلہ سے خدشہ ہو وہ غصب والے آدمی کو اسی اندیشہ سے کہے: میں تجھ سے یہ چیزیں نہیں خریدتا۔ بلکہ میں ایک آدمی کو حکم دوں گا جو تجھ سے یہ میرے لیے خرید لے گا۔ وہ غصب والا آدمی کوئی حیلہ چاہے جس سے اس کی طرف اس کا سامان لوٹ آئے؟

تو حیلہ یہ ہے کہ پہلے وہ اسے بھروسہ مند آدمی کو بیچ دے۔ بائع کی کتاب میں اس کا قبضہ نہ لکھے۔ پھر اسے بعد میں اس آدمی کو بیچ دے جو اسے غاصب کے لیے خریدنا چاہتا ہے۔ اس دوسری خرید پر مشتری کا قبضہ لکھ دے۔ جب غاصب کا وکیل چیز کے قبضہ کا اس شخص سے اقرار کر لے گا۔ پھر وہ آدمی آ جائے جس کے لیے اس آدمی نے خرید لکھی تھی۔ وہ اس کا غاصب کے وکیل سے بڑھ کر حق دار ہو گا کیونکہ اس کا وقت خرید مقدم ہے۔ اس کا قبضہ کا اقرار، اس کے لیے مشتری آدمی کو پہلے سپرد کرنا اولیٰ ہے۔ غاصب کا وکیل اس آدمی پر اسی قیمت پر لوٹے گا جو اس نے اس کو دی تھی۔

پچہترویں مثال: اگر کوئی کسی کو مال کا قرضہ دے اور اس کی مدت مقرر کر دے۔ دو میں سے صحیح مذہب کے مطابق اسے اس مدت کی پابندی کرنی چاہیے۔ یہ مالک کا مذہب ہے اور مذہب احمد میں ایک قول ہے۔ ان سے نص یہ ہے کہ وہ مدت نہ دے گا جیسا کہ شافعی اور ابوحنیفہ کا قول ہے۔ مدت دینے پر دلیل اللہ کا فرمان ہے:

---

[1] تو بھی یہ معاملہ درست ہو جائے گا۔ (مترجم)

﴿ اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ﴾ (المائدۃ:۱)

''تم عہدوں کو پورا کرو۔''

اور فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝ كَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰهِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝ ﴾ (الصف:۲، ۳)

''مومنو! تم ایسی بات کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے اللہ کے ہاں یہ بڑی ناراضگی کی بات ہے کہ تم وہ کہو جو تم نہیں کرتے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ ۚ ﴾ (الاسراء:۳٤)

''اور تم عہد کو پورا کرو۔''

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْمُسْلِمُوْنَ عِنْدَ شُرُوْطِهِمْ»

''مسلمان اپنی شروط پر ہیں۔''

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«آيَةُ المنافِقِ ثلاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ»[1]

''منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے جھوٹ بولتا ہے جب وعدہ کرے دھوکہ کرتا ہے اور جب اسے امانت دی جائے خیانت کرتا ہے۔''

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ عِنْد اسْتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقَدْرِ غُدْرَتِهِ»[2]

''ہر دھوکہ باز کے لیے اس کی دبر کے پاس روز قیامت اس کے دھوکے کے بقدر ایک جھنڈا گاڑا جائے گا۔''

آپ ﷺ کا فرمان ہے

«لَا تَغْدِرُوْا»[3]

''تم دھوکہ نہ کیا کرو۔''

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

---

① صحیح بخاری، ج: ۳، ص: ۱٦۲ و سنن النسائی، ج: ۸، ص: ۱۱٦۔

② جامع ترمذی، ج: ٤، ص: ٤۸۳ حدیث: ۲۱۹۱۔

③ صحیح مسلم، ج: ۳، ص: ۱۳۵۷ حدیث: ۳/ ۱۷۳۱۔

«اِنَّ الْغَدْرَ لَا يَصْلُحُ»[1]

''بے شک دھوکہ اچھا نہیں ہے۔''

آپ ﷺ نے منافق کی عادت بتائی ہے کہ جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرتا ہے۔ اللہ نے انسانوں کی جو فطرت بنائی ہے وعدہ خلافی کو وہ قبیح جانتی ہے اس کی مذمت کرتی ہے۔ جس کو مومن قبیح سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی قبیح ہے۔ اس بنیاد پر مدت کے لزوم پر حیلہ کی حاجت ہی نہ ہے۔

دوسرے قول کی بنیاد پر: کبھی حیلہ کی ضرورت پڑتی ہے جس سے مدت کو لازم کیا جائے تو اس میں حیلہ یہ ہے کہ قرض لینے والا مال والے کو اس کے مال پر ایک سال وغیرہ جو بھی تاخیر کی مدت طے ہوئی ہے تک کسی کا حوالہ دے دے۔ اس مدت تک مال حوالہ دیے گئے پر لازم ہوگا۔ دینے والے کو اور اس کے وارثوں کو قرض لینے والے پر کوئی حق نہ ہوگا اور نہ ہی مدت سے پہلے حوالہ دیے گئے پر۔ بلاشبہ حوالہ حق کو منتقل کر دیتا ہے۔

اگر حوالہ دیے گئے نے مال والے کو اسی مدت تک ایک دیگر شخص کا حوالہ دے دیا تو حوالہ جائز ہوگا۔ اگر پہلا حوالہ دیا گیا مر گیا۔ مال والے کے لیے اس کے ترکہ پر کوئی حق نہ ہوگا اور نہ ہی دوسرے حوالہ دیے گئے پر۔

چھہترویں مثال: جب کسی نے کسی کو ایک گھر یا سامان قرض پر گروی دیا تو۔ اس کے پاس کوئی گواہ نہیں جو اس پر گواہی دے اور اسے لکھے۔ اس میں قول گروی پکڑنے والے کا معتبر ہے۔ جب تک وہ اس کی قیمت سے زائد کا دعویٰ نہ کرے۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔

جبکہ شافعی، ابو حنیفہ اور احمد نے کہا: گروی دینے والے کا قول معتبر ہے۔ مالک کا قول راجح ہے۔ وہ ہمارے شیخ کا اختیار کردہ بھی ہے۔ کیونکہ اللہ پاک نے گروی کو لکھنے کا بدل بنایا ہے۔ یہ حق کے ساتھ مقدار کی شہادت دیتی ہے۔ جو گواہ اس کی شہادت دیتے ہیں یہ ان کے قائم مقام ہے۔ اگر اس میں گروی پکڑنے والے کا قول قبول نہ کیا جائے اور۔ گروی سے اعتماد باطل ہو جائے گا۔ گروی پکڑنے والا دعویٰ کرے گا کہ اس نے کم چیز پر گروی دی ہے تو گروی میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

اللہ پاک نے قرض کے لین دین والی آیت[2] میں فرمایا ہے۔ جس میں بندوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت پر راہنمائی فرمائی ہے کہ انکار یا نسیان سے ان کے ضائع ہونے کا ڈر نہ رہے۔ راہنمائی کی ہے کہ اسے لکھ کر محفوظ کیا جائے۔ اس کی تاکید کی، ان کو قرض لکھنے کا حکم دیا۔ کاتب کو لکھنے کا حکم دیا پھر اس کی تاکید کی اس کو لکھنے سے انکار سے روک دیا۔

پھر دوسری مرتبہ لکھنے کا حکم دہرایا۔ جس پر حق لازم ہے اس کو لکھوانے کا حکم دیا۔ وہ اپنے پروردگار سے ڈرے اور حق میں سے کچھ کم نہ کرے۔

اگر اس کا لکھوانا مشکل ہو، یا وہ چھوٹا ہے، یا مجنون ہے یا اس کی استطاعت نہیں ہے تو اس کے ولی کو اس کی طرف سے لکھوانے کا حکم دیا۔

---

[1] مسند امام احمد، ج: ۱، ص: ۳۰۰ و، ج: ۴، ص: ۲۴۰

[2] اس سے مراد سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۸۳ ہے۔ (مترجم)

پھر اس کی حفاظت کی راہنمائی کی کہ دو مردوں کو اس پر گواہ بنایا جائے یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ ان کو حکم دیا کہ وہ پورے نصاب کو یاد رکھیں۔ جس میں حق والے کو اس کے ساتھ قسم کی ضرورت نہ پڑے۔ گواہوں کو جب بھی گواہی قائم کرنے کے لیے بلایا جائے انکار سے منع کیا۔

پھر اس کی ان پر تاکید کی کہ چیز چھوٹی ہو یا بڑی اکتاہٹ اور ملال سے اس کو لکھنے سے رک نہ جائیں۔

پھر خبر دی کہ یہ اس کے ہاں زیادہ انصاف والی بات ہے۔ گواہی کو بہت مضبوط کرنے والی ہے۔ گواہ کو یاد آ جائے گا جب وہ اس نوشتے کو دیکھے گا وہ گواہی قائم کرے گا۔ اس میں تنبیہ ہے کہ جب وہ اپنے نوشتے کو دیکھے اس کا یقین کرے۔ گواہی قائم کرے۔ ورنہ ''گواہی کو بہت مضبوط کرنے والی ہے'' کے فرمان کی علت کا کوئی فائدہ نہ ہے۔

یہ بھی خبر دی ہے کہ یہ یقین اور عدم شبہ کے زیادہ قریب ہے۔ پھر ان سے ترک کتابت پر حرج ختم کر دیا جب بیع حاضر ہو۔ فریقین کی طرف سے باہم قبضہ ہو جائے جس میں ہر بیع والا دوسرے سے بھول اور انکار سے امن میں ہو۔

پھر اس کے ساتھ ان کو گواہ پکڑنے کا حکم دیا ہے جب وہ باہم بیع کریں۔ ان میں سے ہر ایک کے دھوکے اور انکار کے ڈر سے جب وہ دونوں بیع پر گواہ بنالیں گے، اس سے امن میں ہوں گے۔

پھر کاتب اور گواہ کو تکلیف دینے سے روکا۔ یعنی وہ تحمل اور اداء میں کتابت سے انکار نہ کریں یا اس پر ایسی مزدوری طلب نہ کریں جو حق والے کو ضرر دے، یا گواہ کچھ حصے کی گواہی کو چھپائے یا کتابت اور گواہی کو ایسا مؤخر کریں جس سے حق والے کو ضرر پہنچے یا دونوں ٹال مٹول کریں وغیرہ۔

یا یہ ممانعت حق والے کو ہے کہ کاتب اور گواہ کو تکلیف نہ دے کہ ان دونوں کو ان کی ضروریات اور حاجات سے مشغول کر دے یا اس سلسلہ میں ان کو ایسی تکلیف دے جو ان پر مشقت ڈال دے۔

پھر خبر دی کہ جو اس کا فاعل ہے، یہ اس کا فسق ہے۔

یہ سب کاتبوں اور گواہوں کی موجودگی کے امکانات پر ہے۔

پھر ان حالات کا ذکر کیا جب کاتب اور گواہ نہ مل سکیں۔ یہ عموماً سفر میں ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ﴾ (البقرة:٢٨٣)

''اور اگر تم سفر میں ہو اور تم کاتب نہ پاؤ پس گروی ہے قبضہ میں دی گئی۔''

اس نے واضح دلالت کر دی ہے کہ گروی لکھنے اور گواہوں کے قائم مقام ہے۔ یہ بھی گواہ ہے جو حق کی خبر دینے والی ہے جس طرح لکھائی اور گواہ اس کی خبر دیتے ہیں۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ سفر سے گروی کو مقید کرنے میں یہ راز ہے، کیونکہ یہ ایسی حالت ہے جس میں لکھنا مشکل ہے جو عموماً حق بولتا ہے۔ گروی اس کے قائم مقام اور اس کی نائب ہو گئی۔ اس کی تاکید کی کہ یہ گروی لینے والے کی گرفت میں ہوتا کہ گروی دینے والے کے لیے اس سے انکار ممکن نہ رہے۔

اس سے اچھی کوئی نصیحت، راہنمائی اور تعلیم نہیں ہے جس پر اگر لوگ عمل کر لیں تو اکثر کسی کا حق ضائع نہ ہوگا۔ نہ باطل

پرست کو انکار اور نسیان کی گنجائش رہے گی۔

اللہ پاک کا یہ حکم اپنے اندر بندوں کی دُنیا اور آخرت کے فوائد لیے ہوئے ہے۔

المقصود: اگر قرض کی مقدار میں گروی دینے والے پر گروی لینے والے کی بات کو قبول نہ کیا جائے نہ یہ وثیقہ ہوگا نہ اس کے قرض کی حفاظت کرنے والا ہوگا۔ نہ یہ لکھائی اور گواہوں کا بدل ہوگا۔

گروی دینے والے کے لیے ممکن ہے کہ اس سے لے لے اور کہے کہ: اس نے اس کو ایک درہم کی قیمت وغیرہ پر گروی دی ہے۔ جو گروی دینے والے کا قول معتبر کہتا ہے وہ اس کی اس پر تصدیق کرے گا اور اس کے قول کو اس قدر گھر اور جائیداد پر بھی قبول کرے گا۔

جس پر ہم اعتقاد رکھتے ہیں ہم اس کو اللہ کے لیے دین سمجھتے ہیں، وہ اہل مدینہ کا قول ہے۔

جب آدمی اپنے حق کی حفاظت کرنا چاہے اور ڈرے کہ فیصلہ اس حاکم کے پاس جائے گا جس کا یہ مذہب نہیں ہے۔

تو اس کی بات کے قبول میں حیلہ یہ ہے کہ گروی پکڑنے والا اس سے اس کی قیمت پر گروی طلب کرے اور اس کو دے دے جس پر دونوں کا اتفاق ہوا ہو، گروی دینے والا گواہ بنالے کہ اس کی قیمت سے باقی اس کے پاس امانت ہے یا اس کے ذمہ میں قرض ہے وہ اس سے اس کا مطالبہ کرسکتا ہے جب وہ چاہے تو ہر دو کو دوسرے سے اپنا حق لینا ممکن ہو جائے گا اور وہ اپنے لیے دوسرے کے ظلم سے بچ جائے گا۔ واللہ اعلم۔

ستترویں مثال: جب ایک آدمی کا کسی آدمی پر ایک ہزار درہم قرض ہو اس کے ہاتھ میں ہزار کی ایک گروی ہو۔ قرض والا قرض دار سے ہزار کا مطالبہ کرتا ہے۔ اسے حاکم پر پیش کرتا ہے۔ کہتا ہے: میرا اس پر ہزار درہم ہے وہ ڈرتا ہے کہ وہ کہے: اس کے لیے میرے پاس ہزار پر گروی ہے اور وہ ایسے ایسے ہے۔ قرض دار کہے: یہ جس ہزار کا دعویٰ کر رہا ہے اس کا مجھ پر لازم نہیں ہے نہ اس میں سے کچھ حصہ ہی اور یہ جو اس نے دعویٰ کیا ہے کہ اس کے ہاتھ میں میری گروی ہے۔ وہ میری ہے جیسے اس نے کہا ہے۔ لیکن وہ گروی نہیں ہے بلکہ وہ ودیعت یا عاریۃ ہے۔ وہ اس سے اسے لے لے گا اور اس کا حق باطل کرے گا؟ اس سے امن میں رہنے کے لیے حیلہ یہ ہے کہ وہ ہزار کا دعویٰ کرے جس سے مال کا مطالبہ کرتا ہے۔ حاکم اس سے سوال کرے گا یا وہ اس کا اقرار کرے گا یا وہ اس کا انکار کرے گا اگر اقرار کرے اور دعویٰ کرے کہ اس کے لیے گروی ہے اس پر مال اور مالک کو گروی واپس کرنا لازم آئے گا یا اس کی ادائیگی میں بیچا جائے گا۔ اگر انکار کرے کہے کہ مجھ پر کچھ لازم نہیں ہے اور میرے لیے اس کے ہاں یہ چیز ہے۔ گھر یا چوپایہ ہے، تو حق والا قاضی کو کہے: اس سے اس کے بارے میں سوال کرو جس کا میرے خلاف دعویٰ ہے کہ وہ مجھ پر کس صورت میں ہے؟ عاریۃ ہے یا غصب ہے یا ودیعہ ہے یا گروی ہے؟ اگر دعویٰ کرے کہ وہ اس کے ہاتھ میں گروی کے علاوہ صورت میں ہے۔ اس سے ابطال دعویٰ پر قسم لی جائے گی اور وہ سچا ہوگا اگر دعویٰ کرے کہ وہ اس کے ہاتھ میں گروی کی صورت میں ہے، وہ قاضی کو کہے گا: اس سے سوال کرو وہ کتنے پر گروی ہے؟ اگر وہ بقدر حق کا اقرار کرے وہ اس کے لیے چیز کا اقرار کرے اور اپنے حق کا مطالبہ کرے اگر وہ کچھ حصے سے انکار کرے۔ اس کے دعویٰ کی نفی پر اس سے قسم لی جائے گی اور وہ سچا ہوگا۔

اٹھہتر ویں مثال: اگر کسی نے کسی کو سامان بیچا اور اس کو اس کا قبضہ نہ دیا۔ یا اس کو کرائے پر گھر دیا اور اس نے اس کا قبضہ نہ لیا، یا اپنی بیٹی کی اس سے شادی کی اور اس کو اس کے سپرد نہ کیا۔ پھر اس پر قیمت یا اجرت یا حق مہر کا دعویٰ کیا۔ اس کو اندیشہ ہوا کہ وہ اگر انکار کرے اس سے قسم لی جائے گی یا اس عقد کے جاری ہونے پر گواہ قائم کیے جائیں گے۔ اگر اقرار کرے تو جو اس نے اس کے خلاف دعویٰ کیا ہے۔ وہ اس پر لازم آئے گا۔

تو اس سے چھٹکارے میں حیلہ یہ ہے کہ وہ جواب میں کہے: اگر تم نے اس بیچی گئی چیز کی قیمت کا مجھ سے مطالبہ کیا جس پر میں نے قبضہ نہیں کیا یا گھر کے کرائے کا جو تو نے میرے سپرد نہیں کیا یا عورت کے نکاح کا جو تم نے مجھ تک نہیں پہنچائی، یا عورت نے ہی دعویٰ کیا ہو تو وہ کہے: اگر تم اتنی رقم مہر کا یا لباس کا یا خرچ کا اس نکاح پر دعویٰ کرو گی جس میں تم نے اپنا نفس میرے سپرد نہیں کیا نہ تم میرے لیے عقد کیے گئے معاملہ کو پورا کرنا ممکن بنایا تو میں اس کا اقرار کروں گا۔ اگر اس طرح نہیں تو میں اس کا اقرار نہیں کروں گا۔ یہ ایک صحیح جواب ہے جس کے ساتھ وہ چھٹکارا پائے گا۔

اگر کہا جائے گا کہ یہ تو اقرار کو شرط سے معلق کرنا ہے۔ جبکہ اقرار کو معلق کرنا درست نہیں ہے۔ جیسے اگر کوئی کہے: اگر اللہ نے چاہا یا اگر زید نے چاہا تو اس کے لیے مجھ پر ہزار درہم لازم ہے۔

جواباً کہا جائے گا: مجموعی طور پر اقرار کو شرط سے معلق کرنا درست ہے جیسے کوئی کہے: جب مہینے کا آخر آئے گا تو فلاں کا مجھ پر ایک ہزار ہے یہ اقرار صحیح ہے، یا ماہ کی تکمیل سے پہلے اس پر لازم نہ آئے گا۔ اسی طرح اگر کہے: اگر فلاں نے مجھ پر شہادت دی اس پر جو اس نے مجھ پر دعویٰ کیا ہے۔ میں اس کی تصدیق کروں گا۔ یہ تعلیق بھی صحیح ہے۔ اگر فلاں نے اس پر گواہی دے دی وہ اس کا اقرار کرنے والا ہوگا۔ اس میں شرط کی تقدیم یا تاخیر کا کوئی فرق نہ ہوگا جیسا کہ طلاق، آزادی اور خلع کو معلق کرنے میں ہے۔

اس میں ایک اور صورت ہے کہ اگر اس نے شرط کو مؤخر کیا اس کو نفع نہ ہوگا یہ اقرار ہوگا اور پورا ہوگا۔ یہ صورت بہت ضعیف ہے۔ بے شک کلام اپنے آخر کے ساتھ ہے۔ اگر اس سے ملحق شرط باطل ہو تو استثناء، بدل اور صفت بھی ضرور باطل ہوگی۔ بے شک یہ کلام کو بدلتا ہے۔ اس کو عموم سے خصوص کی طرف نکالتا ہے۔ شرط اس کو مطلق سے مقید کی طرف نکالتی ہے، یہ صحت کے زیادہ لائق ہے۔

قرآن میں شرط کی تاخیر جہاں آئی ہے وہ اقرار سے بلیغ تر میں ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا:

﴿قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا﴾ (الاعراف:۸۹)

''اگر ہم اس کے بعد کہ خدا ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے خدا پر جھوٹ باندھا۔''

اس وجہ والے نے اس بات پر موافقت کی ہے کہ اگر کہے: اس کے لیے مجھ پر ہزار درہم ہے جب مہینہ کا شروع آئے گا۔ یہ درست ہے۔ اور یہ ایک صورت ہے۔

یہ اس کی تعلیل کو باطل کرتا ہے کہ شرط کا خبر کے بعد الحاق اقرار سے رجوع کی طرح ہے۔ لہٰذا: اگر کہے: اس کا مجھ پر ایک ہزار موجل لازم ہے۔ اقرار درست ہوگا اور اس پر ہزار موجل لازم ہوگا۔

ایک قول ہے کہ وقت کی آمد پر اس کے مخالف کا قول معتبر ہے۔ اس کا شبہ یہ ہے کہ وہ قرض کا اقرار کرنے والا ہے۔ اس کے موجل ہونے کا دعویٰ دار ہے اور یہ ظاہر بطلان ہے۔ اس نے اس کا اقرار اس صفت پر کیا ہے۔ اس پر مطلقاً اس کو لازم کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسے وہ اگر اس کا وصف ایسے نقد سے بتاتا جو غالب نقد کے علاوہ ہے یا اس سے کچھ مستثنیٰ کر لیتا۔

اسی طرح اگر اس نے کہا: اس کا مجھ پر ایک ہزار اس بیچی گئی چیز سے ہے جس پر میں نے قبضہ نہیں کیا، یا کسی گھر کا کرایہ ہے جو میں نے وصول نہیں کیا، یا کہا کہ: وہ چیز قبضہ ممکن ہونے سے پہلے ہلاک ہوگئی۔ دو میں سے صحیح صورت کے مطابق۔

کیونکہ اس نے اس کا اقرار اس صفت پر کیا ہے۔ اس پر اس کو مطلقاً لازم کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کہا: اس کا مجھ پر ایک ہزار تھا میں نے وہ پورا کیا۔ اس پر لازم نہ ہوگا کیونکہ اس نے اس میں اقرار ماضی میں کیا ہے نہ کہ ابھی۔

یہ امام احمد سے نص بیان کی گئی ہے۔

درحقیقت یہ کلام باہم متناقض نہیں ہے۔ یہ اس کے یہ کہنے کے مرتبہ میں ہے کہ: اس کا مجھ پر ہزار ہے جو مجھ کو لازم نہیں ہے۔

ان دونوں باتوں میں فرق اس سے کہیں واضح ہے کہ بیان کی ضرورت پڑے۔ امام احمد سے دیگر روایت ہے کہ وہ حق کا اقرار کرنے والا ہے۔ اس کی ادائیگی کا دعویدار ہے۔ اور یہ اس کی طرف سے بغیر گواہ قبول نہیں۔ یہی تین ائمہ کا قول ہے۔

ان سے تیسری روایت میں ہے کہ: یہ جواب صحیح نہیں ہے۔ اس سے جواب دہرانے کا مطالبہ کیا جائے گا۔

لہٰذا: اگر کہا: اس کا مجھ پر ہزار ہے۔ جو میں نے اس کو پورا کر دیا ہے۔ اس میں تین روایات کی نص آئی ہے:

پہلی: وہ اقرار کرنے والا نہیں۔ جیسے اگر کہتا: اس کے لیے مجھ پر ہے۔

دوسری: وہ اقرار کرنے والا اور ادائیگی کا دعویدار ہے۔ یہ اس سے بغیر دلیل قبول نہیں۔

تیسری: اس سے دعویٰ ادائیگی نہ سنا جائے گا۔ گو وہ گواہ پیش کرے بلکہ اس کو اس پر جھٹلایا جائے گا۔

اس بنیاد پر اگر کہا: اس کا مجھ پر تھا۔ مزید کچھ نہ کہا تو وہ اقرار کرنے والا ہے۔ اس کی نص سے اس کو غیر مقر بنا کر نکالا جائے گا، اگر وہ کہے: مجھ پر ایک ہزار تھا پس میں نے اس کو ادا کیا۔ یہ اقرار کرنے والا نہیں۔ یہ نکالنا نہایت صحیح ہے۔ امام احمد اس کو ''اور ادا کیا'' کہنے پر غیر مقر نہیں بناتے۔

یہ تو اس کی طرف سے ادائیگی کا دعویٰ ہے۔ نیز اس کو یہ بھی قرار دیا کہ اس نے ماضی کے متعلق خبر دی ہے نہ کہ حال کے متعلق۔ اس کے ذمہ میں حال میں ہونا اس کو لازم نہیں کیا جا سکتا جبکہ اس نے اس کا اقرار نہیں کیا ہے۔

المقصود: اگر مدعیٰ علیہ مظلوم ہو تو اس کے چھٹکارے میں حیلہ یہ ہے کہ وہ کہے: اگر تو نے فلاں فلاں دعویٰ فلاں فلاں جہت سے کیا تو میں اس کا اقرار کرنے والا نہیں ہوں اور اگر تو نے فلاں فلاں جہت سے اقرار کیا تو میں اس کا اقرار کرنے والا ہوں یہ

جواب صحیح ہوگا اور وہ مطلقاً اقرار کرنے والا ہوگا۔

انا سیویں مثال: ہمارے اصحاب نے کہا ہے: بائع کو چیز کی قیمت وصول کرنے کے بعد اس چیز کو روک رکھنے کا اختیار نہیں ہے۔ بلکہ اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اسے مشتری کے سپرد کر دے۔ اگر قیمت متعین ہو اور سپردگی کی ابتداء میں دونوں باہم اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان ایک عادل آدمی مقرر کیا جائے گا۔ جو ان دونوں سے پکڑ کر دونوں کے سپرد کر دے گا۔[1]

اگر قیمت قرض ہو بائع کو چیز سپرد کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ پھر مشتری کو قیمت کی ادائیگی کا پابند کیا جائے گا۔

اگر اس کا مال مجلس (فیصلہ) سے غائب ہو اس کے سب مال پر پابندی لگا دی جائے گی حتیٰ کہ قیمت ادا کرے۔ اگر اس شہر سے غائب ہو اور مسافت قصر سے زیادہ ہو بائع کے لیے بیع کو فسخ کرنے کا اختیار ثابت ہو جائے گا۔

اگر اس سے کم مسافت پر ہو تو کیا اس پر پابندی لگائی جائے گی یا بائع کے لیے فسخ ثابت ہوگا؟ اس میں دو صورتیں ہیں۔

اگر مشتری تنگ دست ہو تو بائع کو فسخ اور اپنے اصل پر لوٹنے کا اختیار ہے۔ یہ احمد اور شافعی کی نص ہے۔

شافعیہ یہ صورت بتاتے ہیں کہ سامان بیچا جائے۔ اس کی قیمت سے اس کا قرض ادا کیا جائے۔ اگر کچھ بچ جائے تو وہ لے لے اور اس کے اوپر اگر کچھ چڑھ جائے وہ اس کے ذمہ میں برقرار رہے گا۔

درست: بات یہ ہے کہ جب تک بائع سامان کی پوری قیمت وصول نہ کرلے وہ اسے روک سکتا ہے۔ یہی انصاف کا تقاضا ہے۔ ورنہ قبضہ دینے سے قبل اگر مشتری کے لیے قبضہ ممکن کیا جائے تو اس میں بائع کو تکلیف دینا ہے۔ کبھی بیچی گئی چیز ضائع ہو جاتی ہے جب کھانا پینا ہو۔ وہ اس کو خراب کرنا چاہے گا۔ اس کے لیے قیمت کا مطالبہ مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔ اس کو اس طرح ضرر پہنچے گا یہ ضرر ختم نہیں ہو سکتا جب تک بیچی گئی چیز کو قیمت کی وجہ سے روک کر نہ رکھا جائے۔

لہٰذا: اگر آدمی نے ایک درہم چھوڑ کر سب قیمت دے دی۔ باقی کی وجہ سے بائع کو پوری چیز روک رکھنے کا اختیار ہے۔ جیسے ہم گروی میں کہتے ہیں۔ اس میں ایک اور قول یہ ہے کہ مشتری اس قدر چیز لے لینے کا اختیار رکھتا ہے جتنی اس نے قیمت دے دی ہے۔ کیونکہ بیچی گئی چیز کا ہر حصہ قیمت کے ہر حصہ کے مقابل ہے۔ اگر کچھ قیمت دے دی تو اس کے مقابل کچھ چیز پر گرفت کا مالک ہو گیا۔ اس کے اور گروی کے درمیان فرق یہ ہے کہ گروی قرض کا عوض نہیں ہوتی۔ وہ تو ایک ضمانت ہے۔ آدمی کو پورا قرض وصول کرنے تک اسے روک رکھنے کا اختیار ہے۔ جبکہ پہلا قول صحیح ہے۔

کیونکہ بائع نے بیچی گئی چیز کو اپنی ملکیت سے نکالنا اس وقت پسند کیا جب اس نے پوری قیمت وصول کر لی اس نے اس کا نکالنا اور اس کے کچھ حصہ کا کچھ قیمت کے عوض نکالنا پسند نہ کیا تھا۔

اگر بائع کو خوف ہو کہ اسے ادائیگی پر مجبور کیا جائے گا پھر مشتری سے تقاضا پر حوالہ دیا جائے گا۔

تو اس سے بچنے میں اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ وہ اس کو چیز اس شرط پر بیچے کہ وہ اس سے اس کی قیمت پر گروی پکڑے گا۔ عقد بیع میں گروی اور ضمانت کی شرط جائز ہے۔ اس کی قیمت پر قبضہ سے قبل بھی (دو میں سے درست صورت کے مطابق) گروی

---

[1] یعنی ایک سے چیز اور دوسرے سے قیمت وصول کر کے دونوں کو دے دے گا۔ (مترجم)

جائز ہے۔ جیسا کہ اس کی گروی اس کے قبضہ سے قبل اس کی قیمت کے علاوہ اور قرض پر بھی اور دیگر بائع پر جائز ہے۔ اس کی قیمت پر گروی تو اولیٰ ہے۔ وہ بغیر گروی بھی قیمت کی وجہ سے اس کو روک رکھنے کا اختیار رکھتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ پھر اس کو قیمت پر گروی میں روک رکھنا بہتر اور زیادہ حق رکھنے والا ہے۔

نیز اگر اجنبی کی طرف قبل قبضہ گروی میں تصرف جائز ہے تو بائع کے لیے اس کا جواز اولیٰ ہے۔ کیونکہ مشتری بائع کے ساتھ قبل قبضہ تصرف کا اختیار رکھتا ہے کہ بیع کو ختم کردے وغیرہ۔ یہ اختیار اجنبی کو نہیں۔

جس شخص نے قبل قبضہ اس کو قیمت پر گروی بنانا منع کیا ہے۔ اس کے لیے لازم ہے کہ وہ قیمت کے علاوہ گروی یا اس کی اجنبی سے گروی کو بھی منع کرے۔

اگر کہا جائے کہ ان دونوں میں فرق ہے کہ یہ قبضہ سے پہلے اسے ضائع ہونے پر پیش کرنا ہے یہ بائع کی ذمہ داری میں ہوگا۔ جبکہ اس کا گروی ہونا تقاضا کرتا ہے کہ وہ گروی دینے والے کی ذمہ داری میں ہوگا۔ دونوں باتوں میں مخالفت ہے کہ ضمانت دیا گیا اور جس پر ضمانت دی گئی ہے وہ ایک ہی جہت سے ہوں گے۔ [1]

یہ اجنبی کی طرف سے قبل قبضہ اس کی گروی کے خلاف ہے۔ اس میں مضمون علیہ اجنبی کے لیے ہے۔ مضمون لہ بائع کے لیے ہے۔ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ مضمون لہ ایک شخص سے ہو جبکہ مضمون علیہ دیگر سے۔ جیسے کوئی کرائے کی چیز ہو۔ اگر کرایہ پر لینے والا اسے کرائے پر دے دے۔ اس کے کرائے پر منافع کا مضمون علیہ دوسرا کرایہ دار ہے۔ جبکہ مضمون پہلا کرایہ دار ہے۔ اسی طرح پھل ہیں جب ان کی صلاحیت/ پکنا ظاہر ہو جائے۔ مشتری کے لیے ان کو بیچنا جائز ہے۔ یہ اول بائع پر مضمون لہ ہے۔ جبکہ ثانی مشتری پر مضمون علیہ ہے۔

اگر کہا جائے: یہی وہ فرق ہے جس پر اس قول کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ لیکن کہا جائے گا اس پر کیا ممانعت ہے اور یہ کہ وہ مضمون لہ اور مضمون علیہ ہو؟

اور تمہارا کہنا کہ یہ ایک جہت سے ہے۔ اس طرح نہ ہے۔ یہ مضمون لہ اس کے مشتری ہونے کی جہت سے ہے۔ یہ بائع کی ذمہ داری سے ہے حتیٰ کہ اس کے لیے اس کے قبضہ کو ممکن کردے۔ جبکہ مضمون علیہ اس کے گروی ہونے کی جہت سے ہے۔ اگر اس کی ضمانت میں نقصان ہو حتیٰ کہ اگر جہت ایک ہو جائے۔ اس میں ایک جہت سے مضمون لہ اور علیہ ہونے کی حیثیت سے کوئی ممانعت نہیں ہے۔

جیسے تم نے کہا: مستاجر کے لیے جائز ہے کہ جو اس نے کرایہ پر لیا اس کو اپنے مؤجر کو کرائے پر دے دے۔ پھر منافع مضمون لہ بھی ہوں گے اور علیہ بھی تو اس میں کیا ممانعت ہے؟

اگر کہا جائے: جب یہ گروی ضائع ہو جائے تو کس کی ذمہ داری سے ہوگی؟ بائع مشتری کو کہے گا: یہ تیری ضمانت سے نقصان ہے کیونکہ یہ گروی ہے۔ مشتری کہے گا: تیری ضمانت سے نقصان ہے۔ کیونکہ یہ وہ بیچی گئی چیز ہے جس پر قبضہ نہیں کیا گیا۔ ہر دو میں

---

[1] مضمون لہ جس کے لیے ضمانت دی جائے۔ مضمون علیہ جس پر ضمانت دی جائے۔ (مترجم)

سے کوئی بھی اپنی جانب میں دوسرے سے بڑھ کر ترجیح والا نہیں ہے۔ جواباً کہا جائے گا: اس کا نقصان بائع کی ضمانت سے ہے۔ کیونکہ اس کی ضمانت گروی دینے والے کی ضمانت سے سابق ہے۔ اس لیے بھی کہ جب اس نے اس کو بیچا وہ اس کی ضمانت سے ہے حتیٰ کہ اس کو سپرد کر دے، اس کا قیمت کی وجہ سے اس کو روک رکھنا اس کی ضمانت ساقط نہ کرے گا۔ جیسے اگر اس نے اسے بغیر گروی پکڑنے کے روکا ہوتا۔ اس کا اس کو گروی میں پکڑنا اس سے وہ ساقط نہ کرے گا جو اس پر عقد بیع سے سپرد کرنا لازم آتا ہے۔ اس نے تو گروی کے عقد سے اپنے لیے بس احتیاط پکڑی ہے۔ گروی دینے والا قرض کے ساتھ گروی سے معاوضہ نہ لے گا یعنی جس کے مقابل میں یہ ہے۔ اگر وہ ضائع ہوا۔ اس نے قرض سے نفع اٹھالیا تھا جو اس نے گروی کے مقابل پکڑا تھا۔

اگر آدمی گروی اور وثیقہ کی تصحیح میں حیلہ چاہے کہ وہ باطل نہ کر دیا جائے۔ تو اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ وہ اس کو بائع سے لے لے پھر اسے اس کی قیمت پر قبضہ کے بعد گروی دے دے، گروی درست ہوگی۔ یہاں دو ضمانتوں کا الگ الگ مسئلہ نہ ہوگا۔ اگر اس کے بعد نقصان ہوا یہ مشتری کی ضمانت سے ہوگا۔ اس سے قیمت ساقط نہ ہوگی۔ اگر بائع کو ڈر ہو کہ مشتری کوئی عیب لگائے گا یا گروی کا چھڑانا مؤخر کرے گا۔ وہ ایک وثیقہ لکھ لے۔ اس پر گواہی بنا لے: کہ جب فلاں فلاں وقت گزر گیا گروی کو اس نے نہ چھڑوایا تو اس نے اس کو اس کی بیع اور اس کی قیمت سے اس کا قرضہ پکڑنے کی اجازت دی ہے اور جو باقی ہے تو وہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔

اگر اندیشہ ہو کہ اس وکالت کو وہ باطل کرے گا جس کے خیال میں اس کو شرط سے معلق کرنا درست نہیں ہے۔ وہ وثیقہ میں لکھ دے گا: اس نے اس کو اب وکیل بنایا ہے۔ وہ اس میں اس کے بیع کے تصرف کو آئندہ وقت سے معلق کرے گا۔ تصرف معلق ہوگا اور وکالت کرنا پورا ہو جائے گا۔ اگر اندیشہ ہو کہ موکل اس کو ہٹا دے گا۔ اس میں اس کا تصرف نافذ نہ ہوگا۔ اس کے لیے حیلہ یہ ہے کہ اس کو دور یہ والی وکالت دے یعنی جن کے خیال میں یہ جائز ہے۔ وہ کہے: جب میں نے اس کو ہٹایا میں نے اس کو وکیل بنایا۔ اگر چاہے کہے: میں نے اس کو ایسی وکالت دی ہے جو علیحدگی کو قبول نہیں کرتی۔ اگر چاہے کہے: اس طریقہ پر کہ جب میں نے اس کو ہٹایا تو میرے لیے اس کے ہاں کوئی حق نہ ہے اور نہ دعویٰ ہے اور جو میں اس پر فلاں فلاں جہت سے دعویٰ کروں گا تو میرا دعویٰ باطل ہوگا۔ واللہ اعلم۔

اسی ویں مثال: اگر آدمی کے خلاف اس کی بیوی دعویٰ کرے کہ جب سے وہ اس کے ساتھ رہ رہی ہے یا کئی سالوں سے اس نے اس پر خرچ نہیں کیا نہ اس کو لباس دیا ہے۔ عقل اور عرف عورت کو جھٹلا رہے ہوں۔ تو حاکم کے لیے حلال نہیں کہ وہ عورت کا دعویٰ سنے۔ نہ وہ مرد سے جواب دعویٰ کا مطالبہ کرے گا۔ دعویٰ کو جب عقل اور معروف عادت رد کرے وہ جھوٹا ہوتا ہے۔ صحیح (مسلم) میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے:

«مَنِ ادَّعَى دَعْوَى كَاذِبَةً لِيَتَكَثَّرَ بِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ إِلَّا قِلَّةً» [1]

''جس نے کوئی جھوٹا دعویٰ کیا تاکہ وہ اس سے کچھ بڑھائے۔ اللہ تعالیٰ اس کی قلت کو ہی بڑھاتا ہے''

صحیح میں ہی آپ ﷺ سے یہ بھی مروی ہے:

---

[1] صحيح مسلم، ج: ١، ص: ١٠٤ حديث: ١٧٦

«مَنِ ادَّعَى مَا لَيْسَ لَهُ فَلَيْسَ مِنَّا، وَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»[1]

''جس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو اس کی نہیں ہے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے اور چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں پکڑ لے۔''

حاکم وغیرہ کسی کے لیے بھی ایسے آدمی کی مدد جائز نہیں جس نے ایسا دعویٰ کیا جس کو عقل، عرف اور عادت جھٹلائے کہ یہ اس کا حق دار نہیں ہے، نیز اس کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اس کا دعویٰ سننے میں، مدعی علیہ کو حاضر کرنے میں اور اس سے قسم لینے میں اس بات پر بڑی مدد اور تعاون ہے جس کو حس اور عادت جھٹلاتے ہیں۔

پھر حاکم کے لیے عورت کی یہ بات قبول کرنا کیسے مناسب ہے کہ: وہ خود ہی اپنے اوپر خرچ کرتی رہی۔ اس پوری مدت میں اپنا لباس بناتی رہی۔ جبکہ عرف اور عادت کی شہادت اس کے جھوٹ کو نمایاں کر رہی ہے؟

اور وہ خاوند کی بات کو قبول ہی نہ کرے کہ وہ اس پر خرچ کرتا رہا، اسے لباس دیتا رہا جبکہ عرف اور عادت کی شہادت اس کے حق میں ہے۔ نیز پڑوسی وغیرہ اس کو دیکھتے رہے کہ وہ ہر وقت اپنے گھر میں کھانا، پینا، پھل وغیرہ لے جاتا رہا۔ اس کی بات کو کیسے جھٹلایا جائے جس کے پاس ایسی شہادتیں ہیں۔ اس کی بات کو کیسے قبول کیا جائے جو یہ جھوٹا دعویٰ کرتا ہے؟ خاوند کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ اس لمبی مصیبت سے اور بری حالت سے اس طرح چھٹکارا پائے کہ ہر روز صبح، شام خرچ پر یا لباس پر دو عادل گواہ مقرر کرے؟ یا عورت کے لیے ہر ماہ دس درہم معلوم قرر کرے۔ اس کو وہ پکڑاتے ہوئے گواہ مقرر کرے؟ پھر اگر عورت کو موقع دیتا ہے کہ وہ اپنے فائدہ کی چیزوں کے لیے ہر وقت اس کے گھر سے نکلے۔ آدمی اس کی خدمت اور خرید ضروریات میں بھی لگا رہے وہ اس کے ہاں قیدی اور غلام کی طرح ہو جائے گا۔ جبکہ عورت مالکہ اور اس پر حاکمہ ہو جائے گی۔ یہ سب شارع کے اُس مقصد کے خلاف ہے جو شارع نے نکاح میں رکھا ہے یعنی الفت، محبت اور اچھا میل جول یہ طرز زندگی تو بہت برا ہے اور معروف طریقے سے بہت دور ہے۔

پھر عجب یہ ہے کہ جب عورت نے اس کے ہمراہ اپنی زندگی میں لباس اور خرچ کا دعویٰ کیا۔ خاوند نے حاکم کو کہا: اس سے سوال کرو یہ کیسے کھاتی، پیتی اور پہنتی تھی؟ حاکم کہتا ہے: یہ سوال اس پر لازم ہے!!

ہائے اللہ! یہ تو بڑا تعجب ہے جب اس کو کسی نے آتے جاتے نہ دیکھا۔ نہ خاوند اس کے پاس کسی کو جانے دیتا ہے۔ وہ اس کے گھر میں سالوں سے کھاتی، پیتی اور پہنتی ہے۔ اس سے حاکم کیوں نہ سوال کرے کہ تیرے یہ کام کون کرتا تھا؟ جب خاوند نے یہ سوال کیا اس پر یہ واجب ہے اور جب اس نے چھوڑا وہ حق کو چھوڑنے والا ہے؟

اگر عورت خاوند کے لیے کسی اجنبی کا نام بتاتی ہے تو حاکم اس سے اس پر گواہ طلب کرے گا۔

اگر عورت کہے کہ اس مدت میں میں خود ہی اپنا خرچہ اور لباس بناتی رہی اس کا جھوٹ معلوم ہو گا اس کی بات قبول نہ ہو گی۔

خرچہ اور لباس دونوں خاوند پر فرض ہیں۔ وہ دعویٰ کرتی ہے کہ یہ فریضہ وہ خود ہی ادا کرتی رہی اور اس کو اپنے مال سے پورا کیا۔

جبکہ خاوند دعویٰ کرتا ہے کہ یہ کام اس نے کیا، فریضہ ادا کیا، اسے خود سے ساقط کیا اور اس کے پاس ظاہر بھی ہے اور اصل بھی۔

ظاہر یہ ہے کہ: کسی عقلمند کے لیے اس میں انکار ممکن نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایسا ظاہر ہے جو قطعی کے قریب ہے۔ بلکہ اکثر لوگوں کے حق میں قطعی ہی ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، ج: ١، ص: ٧٩ حديث: ٦١/ ١١٢

رہا اصل: تو یہ بھی خاوند کی جانب میں ہے۔ وہ دونوں عورت کا حق ادا ہونے پر متفق ہو گئے۔ وہ اس کی نسبت اپنی طرف کر رہی ہے یا کسی اجنبی کی طرف جبکہ خاوند کا دعویٰ ہے کہ وہ اس فریضہ کو ادا کرتا رہا۔

وہ دونوں اس تک خرچہ اور لباس پہنچنے پر متفق ہو گئے۔ عورت کہتی ہے یہ تیری طرف سے بدل اور نیابت کے ذریعہ سے ہوا۔ جبکہ خاوند کہتا ہے یہ طریق نیابت سے نہیں ہوا بلکہ یہ طریق اصل سے ہوا ہے۔

یہ مسئلہ اس کی طرح نہیں جہاں مستحق تک حق پہنچنا معلوم نہ ہو۔ جیسے قرضے اور ضمانت دی گئی اشیاء ہیں، اس میں انکار کرنے والے کی بات قبول ہوگی جبکہ اس کے ساتھ اصل ہے۔

اس کی مثال یوں ہے کہ آدمی قرض کی ادائیگی اور اپنے تک پہنچنے کا اعتراف کرلے پھر اس کا انکار کرے کہ یہ اس کی طرف سے آیا ہے، جس پر قرض تھا وہ کہے: مجھ تک میرا قرض پہنچ گیا لیکن تیری طرف سے نہیں بلکہ کسی اور نے تیری طرف سے وہ ادا کیا ہے تو کیا یہاں اس کی بات کوئی قبول کرے گا؟

کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصلاً قرض اس کے ذمہ میں باقی ہے؟

خرچ کرنے والے مسئلہ کی مثال بالکل اس سے برابر ہے۔ وہ اپنے تک خرچہ پہنچنے کا اقرار کرتی ہے۔ اور اگر انکار کرتی ہے تو اس کو عقل جھٹلاتی ہے۔

وہ دعویٰ کرتی ہے کہ مجھ تک یہ تیری طرف سے نہیں پہنچا۔ اس کا دعویٰ اہل اصل اور ظاہر دونوں کے خلاف ہے۔ اسی لیے امام مالک اور فقہاء اہل مدینہ اس کو قبول نہیں کرتے۔ ان کا قول ہی درست اور حق ہے جس پر ہم اللہ کے نام سے اعتماد کرتے ہیں اور اس کے سوا ہم کچھ اعتقاد نہیں رکھتے۔

اس سے بڑھ کر کیا قبیح بات ہو سکتی ہے کہ عورت خاوند کے خلاف دعویٰ کرے کہ اس نے ساٹھ سال یا زائد عرصہ اس کو خرچ اور لباس نہ دیا جبکہ وہ کہیں نہیں آتی جاتی۔ نہ اس کے لیے فرشتوں کی سی زندگی گزارنا ممکن ہے پھر خاوند سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اس تمام مدت کا خرچ ادا کرے جس میں خرچ نہ کرنے کا عورت نے دعویٰ کیا ہے؟

ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا سب مال، گھر، کپڑے اور جانور لے جائے۔ یہ سب کچھ اس سے پکڑا جائے [1] اور باقی پر اسے قید کیا جائے۔ اسے اس کے ذمہ میں قرض مقرر کر دیا جائے۔ عورت جب چاہے اس سے اس کا مطالبہ کرے گی۔ جبکہ اسے معلوم ہے کہ میرا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اس کا ولی بھی یہ جانتا ہے۔ اس کے پڑوسی بھی۔ اللہ بھی، اس کے فرشتے بھی اور وہ شخص بھی جو عورت کی مدد کر رہا ہے اور اس کی طرف سے جھگڑ رہا ہے جب امام ابوحنیفہ وغیرہ ان کے اصحاب، فقہاء عراق کو اس قول کا شر، فساد اور ضرر معلوم ہوا جو شریعت نہیں بتاتی تو انہوں نے زمانہ کے گزرنے کے ساتھ خاوند سے خرچ اور لباس ساقط کر دیا۔ انہوں نے عورت کا یہ دعویٰ نہ سنا۔ اس بات کے ساتھ انہوں نے خاوندوں سے سانس بند کرنے والی تکلیف دور کر دی، ان کو زندگی کی خوشبو سونگھا دی اور ان سے کچھ دکھ دور کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی طرف بھیجا۔ آپ مکہ میں تیرہ برس اور مدینہ میں دس برس رہے۔

---

[1] یعنی اتنی لمبی مدت کا خرچ ادا کرنے میں اس کا سب کچھ ختم ہو گیا۔ لیکن وہ پورا نہ ہوا اور کچھ اس کے ذمہ میں بچ گیا۔ (مترجم)

آپ ﷺ نے کسی خاوند پر ماضی کا خرچہ اور لباس لازم نہ کیا نہ آپ ﷺ کے پاس کسی عورت نے یہ دعویٰ کیا۔ اسی طرح آپ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین تمام صحابہ کا زمانہ اور تابعین کا زمانہ ہے۔ آپ ﷺ کے عہد میں، آپ ﷺ کے اصحاب اور ان کے تابعین کے عہد میں کسی ایک آدمی کو بھی اس وجہ سے بند نہ کیا گیا۔ نہ کسی عورت کے حق مہر پر۔ ساتھ ساتھ یہ کہ وہ اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے تھے۔ وہ گھروں میں ٹھہری رہتی تھیں اظہار بے حیائی اور زینت نہ تھا۔ نہ وہ گلیوں اور بازاروں میں نکلتی تھیں کہ خاوندوں کو بند کیا گیا ہو اور وہ کھلی ہوں جہاں چاہیں آئیں اور جائیں۔ اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ ﷺ اس کو دیکھتے۔ آپ ﷺ پر یہ بہت ہی گراں گزرتا۔ آپ پر بھاری اور بوجھل گزرتا۔ آپ دیگر کی نسبت اس کو ہٹانے اور دور کرنے کی بہت جلد اور ضرور کوشش کرتے۔

بہر حال! اگر دعویٰ کا رد عادت، عرف اور ظاہر کریں اس کا سماع جائز نہیں ہے۔ یہاں پر اصحاب مالک نے کہا ہے: اگر ایک آدمی کا کسی گھر پر قبضہ ہو وہ اس میں لمبے سالوں کی مدت تک تصرف کرنے والا ہو۔ کبھی بناتا ہے۔ کبھی گراتا ہے، کرائے پر دیتا ہے کبھی خود آباد کرتا ہے۔ اس کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے۔ اس کی ملکیت کی اضافت اپنے لیے بتاتا ہے۔

ایک دیگر آدمی جو وہاں موجود ہے۔ اس تمام مدت تک اسے دیکھتا ہے، اس کے افعال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے باوجود وہ اس میں اس کی مخالفت نہیں کرتا۔ نہ ذکر کرتا ہے کہ اس کا اس میں کوئی حق ہے۔ نہ ایسے مطالبہ سے اس کو کوئی چیز مانع ہے یعنی بادشاہ کا خوف یا ایسی کوئی بات جو تکلیف دہ ہو، اور حقوق کے مطالبہ سے مانع ہو۔ نہ اس کے اور گھر میں تصرف کرنے والے کے مابین کوئی قرابت ہے۔ نہ وراثت میں شرکت ہے۔ نہ اس کے مشابہ کچھ اور تعلق جس سے قرابتوں کی گنجائش ہوتی ہے۔ نہ کوئی سسرالی رشتہ ہے جو ان میں سے کسی کے اموال میں شرکت کی اپنی جانب اضافت کرلے۔ بلکہ اس سب سے الگ تھلگ ہو۔

پھر اس طویل مدت کے بعد وہ آئے۔ اس گھر کا اپنے لیے دعویٰ کرے۔ گمان کرے کہ وہ اس کا ہے۔ وہ اس پر گواہ قائم کرنے کا ارادہ کرے۔ اس کا دعویٰ اصل میں سنا ہی نہ جائے گا چہ جائیکہ گواہوں کی بات آئے۔

قبضہ والے آدمی کے ہاتھ میں گھر کو برقرار رکھا جائے گا۔

کہتے ہیں: کیونکہ ہر وہ دعویٰ جس کی عرف نفی کرے، جس کو عادت جھٹلائے وہ مردود ہے۔ سنا نہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ (الاعراف:۱۹۹)

''اور تم عرف کا حکم دو۔''

شریعت نے بھی دعووں وغیرہ میں بوقت اختلاف عرف کی طرف رجوع کو واجب کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس ظاہر سے جو گمان اخذ کیا جاتا ہے وہ دو گواہوں، یا ایک گواہ اور قسم، یا محض رد اور انکار سے اخذ کیے جانے والے گمان سے قوی تر ہے۔

نیز: مدعی کے ذمہ بینہ/گواہ ہے۔ بینہ ہر وہ چیز ہے جو حق کو بیان کرے۔ عرف، عادت اور قوی ظاہر اگر اس کو اس کے ساتھ قطعی نہ کیا جائے تو وہ قطعی کے قریب تر ہے۔ یہ خاوند کی سچائی اور عورت کے جھوٹ پر دلالت کر رہے ہیں کہ اس نے اس پر کئی سالوں سے خرچ اور لباس روک رکھا ہے، جبکہ اس کے پاس کوئی جاتا بھی نہ تھا نہ وہ خود ہی گھر سے باہر نکلتی تھی کہ اپنے کھانے اور

لباس کے لیے خریداری کرے۔

شریعت تو معروف کا حکم دیتی ہے نہ کہ منکر کا۔ اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ بیوی کو حق حاصل ہے۔ نیز معروف طریقہ سے اس کے اوپر بھی حق ہے۔ یہ کوئی معروف طریقہ تو نہیں کہ خاوند پر ساٹھ سالوں کا خرچہ اور لباس لازم کر دیا جائے۔ اس کا سب مال ضائع ہو جائے۔ اس سے اللہ کی نعمتیں چھین لی جائیں۔ اسے مٹی میں ملنے والا مسکین بنایا جائے۔ وہ عورت کا قیدی بن جائے۔ وہ اس کے دعویٰ کی نفی کرتا پھرے۔ بلکہ یہ سب سے بڑا منکر ہے۔ اس کو سب مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی قبیح سمجھتے ہیں۔

نیز مرد کو اپنی بیوی پر خرچ کی ولایت حاصل ہے۔ جیسا کہ اس کو اسے روکنے اور گھر سے نکلنا بند کرنے پر بھی ولایت حاصل ہے۔ شارع نے یہ اختیار اُس کو دیا ہے۔ اُسے حکم دیا ہے کہ وہ عورت پر نگہبان ہو، اُسے اپنا مال نہ دے بلکہ اس کو رزق اور لباس دے۔ اللہ پاک نے عورت کو اس معاملہ میں ولی کے ساتھ بچے اور مجنون کے مرتبہ میں رکھا ہے: جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ﴾ (النساء:۵)

''اور بے عقلوں کو ان کا مال جسے خدا نے تم لوگوں کے لیے سبب معیشت بنایا ہے مت دو (ہاں) اُس میں سے اُن کو کھلاتے اور پہناتے رہو۔''

حضرت ابن عباس نے فرمایا: یعنی تم اپنا وہ مال جو اللہ نے تم کو بخشا ہے، اُسے تمہارے لیے ذریعہ معیشت بنایا ہے اُس میں ایسا قصد نہ کرو کہ تم وہ اپنی بیوی اور بچوں کو دے دو کہ وہ اپنے لباس، رزق و دیگر گھریلو ضروریات میں تم پر خرچ کے نگہبان ہوں۔

بے عقلوں سے مراد عورتیں اور بچے ہیں اللہ پاک نے خاوندوں کو عورتوں پر نگہبان بنایا ہے۔ جیسے اُس نے بچے کے ولی کو اس پر نگہبان بنایا ہے۔ دوسرے پر جو نگہبان ہے وہ اس پر امیر ہے۔ جس نے بیوی کا یا بچے کا بعد بلوغت قول قبول کیا کہ ان دونوں تک خرچہ نہیں پہنچا تو اس نے ان دونوں کو خاوندوں اور ولیوں پر نگہبان بنا دیا۔ اگر خاوند کی بات قبول نہ کی گئی وہ عورت پر نگہبان نہ ہوا۔ اگر عورت قرض خواہ ہو گئی، خاوند کی بجائے اس کی مانی گئی تو وہی نگہبان بن گئی۔

بہرحال! مرد کو اپنی بیوی پر ولایت حاصل ہے۔ حتیٰ کہ اُس کے مال میں بھی آدمی کو حق ہے کہ وہ اسے بانٹنے سے روک دے۔ کیونکہ اس نے اس کے مال اور نفس کے لیے حق مہر خرچ کیا ہے۔ عورت کو اس میں ایسے تصور کا حق نہیں ہے جو مرد کو اچھی طرح عورت سے فائدہ اٹھانے سے روکتا ہو۔ نبی ﷺ نے بیویوں کے خرچے اور غلاموں کے خرچے کو برابر بتایا ہے۔ آپ ﷺ نے عورت کو خاوند کے پاس عانیہ [1] یعنی اسیر قیدی قرار دیا ہے جو کہ ایک گونہ غلامی ہے۔ آپ ﷺ نے عورت کے متعلق فرمایا:

«تطعمها مما تاكل وتكسوها مما تلبس» [2]

''تم اس کو کھلاؤ اس سے جو تم کھاتے ہو اور اس کو پہناؤ اس سے جو تم پہنتے ہو۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے غلام کے متعلق بھی برابر [3] یہی فرمایا۔

---

① دیکھیے: جامع الترمزی، ج: ۳، ص: ٤٦٧، حدیث: ١١٦٣۔

② سنن ابی داود ج: ٢، ص: ٦٠٦، حدیث: ٢١٤٢۔

③ دیکھیے: سنن ابی داود، ج: ٥، ص: ٣٥٩، حدیث: ٥١٥٧۔

مرد اپنی بیوی، غلام اور اولاد کے خرچ پر امیر ہے۔ وہ اس پر نگہبان ہے۔ اللہ پاک نے مردوں پر بالکل واجب نہیں کیا کہ وہ عورتوں کو کھانے، سالن اور دراہم کا مالک بنا دیں۔ اُس نے ان پر ان کو کھلانا اور پہنانا معروف طریقہ سے لازم کیا ہے اُن کو مالک بنانے کا وجوب جو ہے اس پر کتاب وسنت اور اجماع کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسی طرح خرچ کا اندازہ اور مقدار دراہم سے بنانا، اس کی کتاب، سنت، صحابی، تابعی کے قول سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ نہ چار میں سے کسی ایک امام سے۔

اس بارے میں لوگوں کے دو قول ہیں بعض اس کی مقدار دانوں کے ساتھ بتاتے ہیں جیسے شافعی ہیں۔ بعض اس کو عرف کی طرف لوٹاتے ہیں جو کہ جمہور ہیں، سلف اور ائمہ میں کسی سے بھی ان کا دراہم سے اندازہ بالکل منقول نہیں ہے۔ پھر اس میں عورت کے لیے واجب پر معاوضہ بغیر خاوند کی رضا کے لازم کرنا ہے پھر اس اعتبار کے بغیر بھی کہ دراہم اُس کے لیے واجب دانوں کی قیمت سے ہیں یا واجب بالعرف کے ساتھ۔

تو دراہم کا اندازہ فرض کرنا اس کے بھی خلاف ہے اور اس کے بھی۔ اور تمام سلف اور ائمہ کے اقوال کے بھی۔ اس میں اتنی برائی ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ اگر عورت کو موقع دیا جائے وہ ہر وقت کھانا اور سالن خریدنے کے لیے نکلے خاوند اور بیوی پر شر اور فساد داخل ہوگا جسے آنکھیں دیکھیں گی۔ اگر وہ اس کو نکلنے سے روکے اس کو بھی نقصان ہے اور خاوند کو بھی۔ یہ بات آدمی کو عورت کے ساتھ مزدور یا قیدی کی طرح بنا دے گی۔

بہر حال! جو بھی دعویٰ ہو اس میں حکم کی بنیاد ظن غالب ہے جو کبھی اصل برأت سے ماخوذ ہوتا ہے، کبھی اقرار سے، کبھی بینہ سے، طالب کی مردود قسم کے ساتھ پھرنے سے، یا اس کے بغیر۔ یہ سب حق کو ظاہر واضح کرتے ہیں یہ بینہ ہے۔ بینہ کو گواہوں کے ساتھ خاص کرنا ایک خاص عرف ہے ورنہ بینہ ہر اس چیز کا نام ہے جو حق کو بیان کرے۔ جس کی طرف سے سچائی کا گمان قوی تر ہو وہ حکم میں اولیٰ ہے۔ اس لیے ہم نے مدعی علیہ کی جانب کو مقدم کیا ہے۔ جہاں نہ بینہ ہے، نہ اقرار ہے، نہ پھرنا ہے، نہ حال کا گواہ ہے۔ اس میں اس گمان پر اعتماد ہے جو برأت اصلیہ سے اخذ کیا جاتا ہے۔

اگر مدعی کی جانب کوئی شرعی دلیل ہو اُسے مقدم کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کی جانب بینہ کے ساتھ قوت ظن ہے۔

اسی طرح اگر اس کی جانب ظاہر قرینہ ہو جیسے "لوث"[1] ہے اس کی جانب کو مقدم کیا جائے گا۔

اسی طرح لعان[2] میں اس کی جانب کو مقدم کیا جائے گا، جب عورت پھرے اُسے مرد کی قسموں پر رجم کیا جائے گا، کیونکہ اس کی جانب لعان پر اقدام میں قوت ظن ہے، ساتھ عورت کا خود سے عار اور حد دور کرنے سے قسم کے ساتھ پھرنا ہے۔ اُس عورت سے جماع کے جواز پر لوگوں کا اجماع ہے جو شادی کی رات دلہن بنا کر خاوند کے پاس بھیجی جائے۔ گو اس نے اس کو نہ دیکھا ہو۔ نہ اسے اس کی صفت بتائی گئی ہو اس میں دو عادل گواہوں کی شرط بھی لازم نہیں جو گواہی دیں کہ یہی اس کی وہ بیوی ہے جس پر عقد واقع ہوا ہے۔ یہاں ظن غالب پر اکتفاء ہے۔ بلکہ یہ ایک قطعی بات ہے جو حال کی شہادت سے اخذ کی جا رہی ہے۔ قربانی کا نحر شدہ اونٹ بیابان میں پڑا ہو وہاں کوئی بھی نہ ہو حال کی شہادت پر اکتفاء کر کے اُس کو کھانا جائز ہے۔

---

① لوث کمزور دلیل ہے۔ الفقی

② لعان کی تفصیلات کے لیے سورۃ النور کا پہلا رکوع دیکھیں۔ مترجم

سلف[1] وخلف نے یہ بات لکھی ہے کہ بچہ فقیر کی طرف جو پھینکے، جو کھانا گھر سے نکالے ٹکڑا وغیرہ اُسے حال کی شہادت پر کھانا جائز ہے۔

حال کی شہادت پر اکتفاء کر کے چھوٹی چھوٹی چیزوں کی بیع/لین دین جائز ہے۔ یہ امت کا قدیم اور[2] حدیث عمل بھی ہے۔

شارع[3] نے کنواری لڑکی سے طلب اجازت میں خاموشی کو کافی سمجھا۔ اسے اس کی رضا کی دلیل قرار دیا۔ اس میں حال کی شہادت پر اکتفاء کیا۔ اُمت نے معاملات، تحائف اور عطیات میں اسی بات پر اعتماد کافی سمجھا کہ وہ خرچ کرنے والے کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ اس کی ملکیت پر دلالت ظن ظاہر کا موجب بن رہی ہے۔

جس کی آزادی اور عقل مجہول ہو اس کا معاملہ، اقرار، اُس کے ہاں سے کھانا، تحفہ قبول کرنا اور اس کے گھر میں داخل ہونا مباح کر دیا۔ یہ سب حال کی شہادت اور ظن غالب کی بنا پر ہے۔

اندازہ اور تخمین کی جگہ شارع نے ایک اندازہ لگانے والے کے قول کو کافی سمجھا۔ یہ اُس کے اندازے سے اخذ کیے گئے گمان کے نظریہ پر ہے۔

اُمت نے چھوٹی اور بڑی چیزوں سے قیمت لگانے والوں کی بات پر اکتفاء کیا ہے، اُن کی لگائی گئی قیمت سے ماخوذ گمان پر اعتماد رکھتے ہوئے۔

شکار کی جزاء میں شارع نے دو آدمیوں کا قیمت لگانا کافی سمجھا[4] ہے۔ اندازے میں ایک پر اکتفاء کیا۔[5]

رمضان کا چاند دیکھنے میں ایک پر اکتفاء کیا۔[6]

تجزیہ کرنے والے ایک یا دو کی بات کو قبول کرنے پر اُمت نے اکتفاء کیا اسی طرح ایک قیافہ شناس ہو یا دو قیافہ شناس۔

اکیلے مؤذن کے قول[7] پر اکتفاء کیا۔

کثیر فقہاء نے چھوٹے بچے کی نسبت میں اکتفاء کیا ہے کہ دو یا زائد مدعی مردوں میں سے جس کی طرف اس کی طبع مائل ہو اس میں طبع کے مائل ہونے سے جو گمان اخذ ہو رہا ہے اُس پر اعتماد کیا ہے۔ یہ گمانوں میں سب سے کمزور ہے۔ بچے کو کسی کے ساتھ ملانے کے لیے اُن کے ہاں یہ آخری درجہ ہے۔ جب قیافہ شناس موجود نہ ہو۔

گری پڑی چیز واپس کرنا واجب یا جائز ہے۔ گمان غالب کر کے جب کوئی بتانے والا اس کی صفت بتا دے۔

---

① پہلے اور پچھلے علماء مراد ہیں۔ (مترجم)

② نیا اور پرانا عمل مراد ہے۔ (مترجم)

③ یعنی شریعت بنانے والے نے کنواری کے نکاح کے بارے میں اس کو معتبر بنایا ہے۔ (مترجم)

④ تفصیل کے لیے دیکھیے سورۃ المائدۃ آیت ۹۵۔ (الفقی)

⑤ اس سے مراد فصلوں اور پھلوں کا اندازہ ہے، دیکھیے سنن ابی داؤد ج ۳ ص ۸۹۶ حدیث ۳۴۱۰۔ (الفقی)

⑥ دیکھیے: سنن ابی داود، ج: ۲، ص: ۷٥٤، حدیث: ۲۳٤۰۔

⑦ یعنی ایک مؤذن اذان سے لوگوں کو بتاتا ہے کہ نماز کا وقت ہے اس کی طرف آ ؤ تو اس کے یہ کہنے پر کسی گواہ کو طلب کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ (مترجم)

اسی طرح طہارت، نجاست اور قبلہ کی نشانیوں پر اعتماد ہے۔

ماپ اور وزن کرنے والے شخص کے قول پر اعتماد ہے۔

اکثر فقہاء نے کہا: مدعی علیہ کو دو پوشیدہ/ پاکدامن آدمیوں کی گواہی سے قید کیا جائے۔ الا یہ کے وہ بدل جائیں۔ کیونکہ پاکدامن/ پوشیدہ والوں پر غالب بات عدل ہے۔ انہوں نے مسلمان آدمی کو اس طرح کے گمان پر سزا دینا بھی جائز سمجھا ہے۔ انہوں نے کہا ہے: اقرار کرنے والے کے اقرار پر شہادت سنی جائے گی اس میں دو گواہوں کی شرط ضروری نہیں جو اقرار کرنے والے کی بحالت اقرار اہلیت کی شہادت ذکر کریں۔ یہ ہدایت اور درست کے گمان پر اعتماد کرتے ہوئے ہے۔ انہوں نے کہا: اگر دیوار راستے اور مدعی کی ملکیت کے مابین حائل ہو یا اس کی ملکیت اور غیر آباد زمین کے درمیان ہو۔ اُس کو مدعی کے ساتھ خاص کیا جائے گا کیونکہ بظاہر راستہ اور غیر آباد زمین پر دیوار نہیں بنائی جاتی۔ کہتے ہیں: اگر دو ملکیتوں کے درمیان ایک دیوار ہو جو دو مالکوں میں سے ایک کی سطح اور جوڑے گئے پتھروں/ فٹ پاتھ کے تعمیرات سے متصل ہو اُس کو فٹ پاتھ کے مالک کے ساتھ خاص کیا جائے گا کیونکہ اس جانب گمان قوی ہے۔ کیونکہ اس کے پاس دو دلیلیں ہیں۔ ایک متصل ہونا دوسری فٹ پاتھ اور سطح۔ اگر وہ دیوار ایک جانب سے ایک ملکیت کو متصل ہو دوسری جانب سے دوسری کو، وہ دونوں اُس میں مشترک ہوں گے۔ کیونکہ ان کی دلیلیں برابر ہیں۔ کہتے ہیں: عام راستے پر کھلے دروازے جو بالکل عام ہوں ان میں سے ہر ایک کی راستہ میں شرکت پر دلالت کرتے ہیں۔ پہلا: راستہ کے شروع سے اپنے دروازے تک شریک ہوگا۔ دوسرا اپنے دروازے تک۔ جو راستے کے آخر میں ہے وہ راستہ کے اول سے اپنے دروازے تک، ایک قول کے مطابق شریک ہوگا۔ جبکہ صحیح قول کے مطابق آخر راستہ تک۔ یہ سب راستہ بنانے میں اخذ کیے گئے ظن غالب کی بنیاد پر ہے اور بے شک یہ حق ہے۔

کہتے ہیں: پڑوسی کی ملکیت پر جھکے ہوئے کنارے، اور غیر عام راستے پر جھکے ہوئے، اُن کے اصحاب کی ملکیت ہیں۔ اس میں غالب گمان پر اعتماد کیا گیا ہے۔ نیز وہ استحقاق کے ساتھ بنائے گئے ہیں۔

اسی طرح نالیاں اور کھالے جو غیر کی ملکیت میں چلتے ہوں۔ یہ پانی کے مالکوں کے لیے اُن کے خاص ہونے پر دلالت کنندہ ہیں۔ اس میں بھی غالب گمان سے اخذ کی گئی بنیاد ہے۔ نیز ان کی صورتیں بتاتی ہیں کہ ان کو استحقاق کے ساتھ بنایا گیا ہے۔

اس سے استحقاق پر ملکیت/ قبضہ کی دلالت ہے۔ اس میں بھی ظن غالب پر اعتماد ہے حالانکہ قطعی بات ہے کہ اکثر قبضے ظلم و زیادتی سے ہوتے ہیں۔ خاص طور پر جنکا کرائے پر دینے اور مالک کے ہاتھ سے نکل کر کرایہ دار کے ہاتھ میں آ جانا عام قاعدہ ہے، جیسے زمینیں، چوپائے، دوکانیں، پلاٹ اور حمامات ہیں۔ ان میں غالب مالک کے ہاتھ/ ملکیت سے نکلنا ہے۔ تم نے قبضہ معتبر سمجھا۔ تمہارے اصحاب میں سے اکثر فضلاء نے اس کو مشکل جانا اور اعتراف کیا کہ اس کا جواب نہایت مشکل ہے۔ جب گواہوں سے اخذ کیا گیا گمان ان وجوہ سے اخذ کیے گئے گمان سے قوی تر ہوگا تو ان پر مقدم کیا جائے گا۔

جب اقرار سے اخذ کیا گیا گمان گواہوں سے اخذ کیے گئے گمان سے قوی تر ہوگا اقرار کو اس پر مقدم کیا جائے گا۔

اسی لیے اکثر فقہاء نے اسی قوت کی بنا پر زنا اور چوری کے اقرار میں ایک مرتبہ پر اکتفاء کیا ہے۔

کہتے ہیں: اقرار کرنے والے کا حکم فطری ہے۔ گواہوں کا حکم شرعی ہے۔ فطری حکم شرعی حکم سے قوی تر ہے۔ اسی طرح مسلم،

کافر، نیک اور بد سے اقرار قبول کیا جاتا ہے کیونکہ فطری حکم موجود ہے۔

جب اپنے اوپر جھوٹ کے بارے میں حکم اقرار کرنے والے کے ساتھ خاص ہے۔ اُس کا اقرار اسی پر محصور ایک حجت ہوگا اور اس پر بھی جو اس کو اُس سے حاصل کرے کیونکہ وہ اس کی فرع/شاخ ہے۔

جب شرعی حکم تمام لوگوں کی نسبت عام ہے۔ وہ ہر ایک کے لیے عام حجت ہے۔ اللہ کا خوف گواہ کو ہر ایک کے حق میں جھوٹ سے منع کرتا ہے۔ اُس کا قول ہر ایک کے لیے عام حجت ہے۔

جب جھوٹ کا حکم اقرار کنندہ کے ساتھ خاص ہے، اُسی پر محصور کیا جائے گا تو یہ ایک خاص قوی ہے۔ شہادت عامہ اقرار کی نسبت ضعیف ہے۔ قبضوں کی نسبت قوی ہے اور ان کی نسبت بھی جو ہم نے دلالات ذکر کی ہیں۔ یہ بات بھی معلوم ہے کہ گمان اسباب کے بغیر نہیں آتے جو ان کو بھڑکاتے اور حرکت دیتے ہیں۔

اُس کے اسباب میں سے: ساتھ ملے رہنا، عادت کا قاعدہ، اس کا کثرت وقوع، شاہد کی بات یا حال کی شہادت ہے۔ گمانوں میں تعارض واقع نہیں ہوتا۔ یہ تو ان کے اسباب اور علامات میں واقع ہوتا ہے۔ جب گمانوں کے اسباب میں تعارض آ جائے اگر شک پیدا ہو کسی چیز کا حکم نہ لگایا جائے گا۔ اگر گمان دو میں سے ایک طرف پایا جائے اُس کے ساتھ حکم لگایا جائے گا۔ حکم راجح کے لیے ہے کیونکہ اس کے مقابل کی مرجوحیت اس کے ضعف پر دلالت کرتی ہے۔

اگر کسی گمان میں دو اسباب کا تعارض ہو جائے۔ اُن میں سے ہر ایک دوسرے کو جھٹلانے والا ہو۔ دونوں ساقط ہو جائیں گے۔ جیسے دو گواہوں اور علامتوں کا تعارض۔ اگر ہر ایک دوسرے کو جھٹلانے والا نہ ہو۔ حسب امکان دونوں پر عمل کیا جائے گا۔ جیسے ایک چوپایہ جس پر دو شخص سوار ہوں۔ ایک غلام جس کے ہاتھوں کو دو آدمیوں نے پکڑ رکھا ہو۔ گھر جس میں دو رہنے والے ہوں۔ لکڑی جس کو دو اٹھانے والے ہوں، دیوار جو دو ملکیتوں سے متصل ہو و دیگر امثلہ۔

اگر دونوں میں سے ایک دوسرے کی نسبت زیادہ راجح ہو، راجح پر عمل کیا جائے گا جیسے گواہ برأت اصلیہ کے ساتھ ہو اور قبضہ کے ساتھ ہو۔ اُسے ان پر راجح ہونے کی وجہ سے مقدم کیا جائے گا۔

جب قوت اور ضعف میں قبضہ کے مراتب ہیں۔ کپڑے، عمامے، موزے، پٹکے اور جوتے کو پہننے والے کا قبضہ زیادہ قوی ہو گا۔ بہ نسبت اس کے قبضے کے جو بچھونے پر بیٹھا ہے، جو چوپائے پر سوار ہے۔ سوار کا قبضہ چلانے والے اور کھینچنے والے کے قبضہ سے قوی تر ہے۔ گھر کے رہنے والے کے لیے قبضہ ان قبضوں سے کمزور تر ہے۔

اس کا قبضہ جو حمام اور دوکان میں داخل ہے۔ ان سب سے کمزور تر ہے۔ قوی تر قبضوں کو کمزور تر قبضوں پر مقدم کیا جائے گا۔

اگر گھر میں دو آدمی ہوں اس میں تنازع کریں اور اپنے اس لباس میں جو ان دونوں پر ہے۔ گھر ان کے مابین برابر قرار دیا جائے گا کیونکہ ان دونوں کا قبضہ برابر ہے۔ معتبر بات اُن میں سے ہر ایک کے ساتھ مختص لباس میں ہوگی۔ کیونکہ قرب و اتصال میں اس کے قبضہ کی قوت ہے۔

اگر سوار، ہانکنے والے اور کھینچنے والے میں اختلاف ہو جائے، سوار کا قبضہ مقدم کیا جائے گا۔ اسی طرح جمہور نے کہا ہے۔

جب گھریلو سامان میں زوجین کا جھگڑا ہو جائے یا ایک دکان میں دو کاریگروں کا، ان میں سے اس کی بات معتبر ہوگی جس نے ان دونوں میں سے وہ دعویٰ کیا جو اس اکیلے کے لیے درست ہو۔ کیونکہ ظن غالب اس کے ساتھ تخصیص کی قطعیت کے قریب ہے۔ اگر ہم کسی شریف آدمی کو کھلے سر دیکھیں۔ اُس کے سامنے ایک برا آدمی ہو جس کے سر پر پگڑی ہے۔ اس کے ہاتھ میں بھی ایک پگڑی ہے جو اس کے لائق نہیں وہ بھاگنے والا ہے، تو اس کا قبضہ [1] مقدم کیا جائے گا۔ اس گمان کی بنیاد پر جو اخذ کیا گیا ہے کہ اس کا اس پر قبضہ قطعی بطلان ہے۔

ایک فقیہ ہے جس کے گھر میں اس کی کتابیں ہیں۔ اُس کی بیوی کا ان سے کوئی بھی تعلق معروف نہیں ہے۔ فقیہ کے حال کی شہادت پر اُس عورت کا قبضہ مقدم کرنا نہایت بعید ہے۔

یہ اور اس جیسے مسائل سے ماخوذ گمان اُن کے اُلٹ سے کہاں ہے؟ اور اس گمان سے جو قبضہ سے ہے؟ بلکہ وہ گمان اُس سے کہاں ہے جو گواہ اور قسم سے مستفاد گمان سے ہے؟

یہ ناممکن ہے کہ شارع احکام کو اِن گمانوں پر مرتب کرے لیکن ان گمانوں پر مرتب نہ کرے جو ان سے کئی مرتبہ قوی تر ہیں۔ بلکہ قطعیت کے قریب ہیں جیسے یہ محال ہے کہ والدین کے لیے [2] اُف کہنا حرام ہو جبکہ اُن کو گالی دینا اور اُن کو مارنا مباح ہو۔

قسامت میں مدعی کے قول کو مقدم کرنا کمزور دلیل پر ظن غالب کی وجہ سے ہی ہے اس گمان کو برأت اصلیہ کے گمان پر اس کی قوت کی وجہ سے مقدم کیا جائے گا۔ اللہ پاک نے اپنی کتاب میں اُس گواہ کا واقعہ بیان کیا ہے جس نے بادشاہ کی بیوی کے اہل خانہ میں سے شہادت دی تھی۔ ظاہر قرائن سے حضرت یوسف کی برأت اور عورت کے جھوٹ پر اُس نے حکم لگایا تھا۔ فرمایا:

﴿اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ○﴾

(یوسف:۲۶۔۲۸)

''اگر اس کا کرتہ آگے سے پھٹا ہو تو یہ سچی اور یوسف جھوٹا ہے اور اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی اور وہ سچا ہے جب اُس کا کرتہ دیکھا (تو) پیچھے سے پھٹا تھا۔ کہا کہ: یہ تمہارا ہی فریب ہے اور کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے فریب بڑے ہوتے ہیں۔''

اللہ پاک نے اس کا نام آیت رکھا اور یہ بینہ سے زیادہ بلیغ ہے۔ لہٰذا فرمایا:

﴿ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۝﴾ (یوسف:۳۵)

''پھر باوجود اس کے کہ وہ لوگ نشان دیکھ چکے تھے اُن کی رائے یہی ٹھہری کہ کچھ عرصے کے لیے اُن کو قید ہی کر دیں۔''

اُس ذات پاک نے اس کو ثابت کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ رد کرتے ہوئے نہیں۔ یہ اس کی اس پر رضامندی کی دلیل ہے۔

---

[1] یعنی شریف آدمی کا قبضہ مقدم کیا جائے گا گو وہ ننگے سر ہے۔ (مترجم)

[2] یہ ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۲۳ میں ہے۔ اُصول فقہ کی رو سے اس کو تنبیہ من الأدنٰی إلی الأعلٰی کہا جاتا ہے۔ (مترجم)

اسی سے اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ اس بچے کے متعلق ہے جس کے بارے میں دو عورتوں نے جھگڑا کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کا فیصلہ بڑی کے حق میں کر دیا وہ دونوں حضرت سلیمان کے پاس آئیں۔ اُن کو دونوں نے واقعہ بیان کیا۔ حضرت سلیمان نے کہا: تم میرے پاس چھری لاؤ میں اسے تم دونوں کے لیے چیر دوں۔ چھوٹی نے کہا: اے اللہ کے نبی! ایسا مت کیجیے! یہ اس کا بیٹا ہے۔ ①

آپ نے اس کا فیصلہ چھوٹی کے حق میں کر دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ایسا کرنا نہ چاہتے تھے لیکن انہوں نے ان دونوں کو اس کا وہم ڈالا۔ بڑی کا دل اس پر خوش ہو گیا۔ اسے اس بات پر خوشی، تسلی اور تشفی تھی کہ دوسری کا بیٹا بھی جاتا رہے گا جیسے اس کا بیٹا چلا گیا۔ چھوٹی کا دل اس پر خوش نہ ہوا بلکہ ممتا کی شفقت اور رحمت اس کے دل میں آئی۔ اس نے ان سے درخواست کی کہ ایسا نہ کیجیے۔ اس بات پر خوش ہوتے ہوئے کہ بچہ بچ جائے گا اور اُسے زندہ دکھائی دے گا گو کہ دوسری کو مل جائے گا۔

تم غور کرو! حضرت سلیمان نے اُس کا فیصلہ چھوٹی کے حق میں کیا۔ جبکہ وہ اس کا بڑی کے لیے اقرار کر چکی تھی۔ اس کے تحت آپ یہ بات سمجھیں گے کہ جب اقرار کے جھوٹ اور اُس کے بطلان کی نشانیاں واضح ہوں اس کی طرف نہ دیکھا جائے گا۔ نہ اقرار کنندہ کے خلاف اس کا فیصلہ کیا جائے گا اس کا وجود عدم کی طرح ہوگا۔ یہ وہ حق ہے جس کے بغیر فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح اگر اقرار کنندہ غلطی کرے، یا خطاء کرے یا نسیان ہو جائے۔ یا ایسا اقرار کرے جس کے مضمون کو وہ جانتا نہیں۔ اس کا اس اقرار پر مواخذہ نہ کیا جائے گا۔ نہ اس کے ساتھ اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا جیسے اگر اُس نے مجبور ہو کے اقرار کیا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فضول قسم پر مؤاخذہ ختم کر دیا ہے۔ کیونکہ قسم سے اس کے موجب کا قصد نہیں کیا گیا۔ اُس نے خبر دی ہے کہ وہ مؤاخذہ دل کے کسب پر کرتا ہے۔ غلطی کرنے والا، خطا کرنے والا، بھولنے والا، جاہل اور مجبور کیے گئے۔ دل کا کوئی قصد نہیں ہے جس پر اس نے اقرار کیا یا جس پر اس نے قسم کھائی۔ پس اس پر اس کا مؤاخذہ نہ کیا جائے گا۔

المقصود: خاوند مظلوم ہے اُس پر دعویٰ جو کیا گیا ہے وہ جھوٹا اور ظلم والا ہے کہ اس نے ان سالوں میں خرچہ اور لباس ترک کیا ہے۔ یا جب سے وہ اس کے پاس رہ رہی ہے، جب عورت کے لیے اس کے دعویٰ میں جھوٹ واضح ہو گیا حاکم کے لیے اس دعویٰ کا سننا جائز نہیں ہے، چہ جائیکہ مرد سے جوابِ دعویٰ کا مطالبہ کیا جائے۔ اُس کے لیے اس دعویٰ سے چھٹکارے کے لیے چند راستے ہیں۔

پہلا: وہ کہے: اس دعویٰ کا سننا کیسے جائز ہے جس کو عادت، عرف اور پڑوسیوں کا مشاہدہ جھٹلاتا ہے؟

دوسرا: وہ حاکم کے لیے کہے: اس سے سوال کر اس پر اس مدت میں کون خرچ کرتا رہا اور اس کو لباس دیتا رہا؟

اگر عورت دعویٰ کرے کہ کوئی غیر اس کی طرف سے یہ ادا کرتا تھا اُس عورت کا دعویٰ نہ سنا جائے گا۔ دعویٰ اس غیر کے لیے ہو گا۔ اُس کا اپنے خاوند کے خلاف قول قبول نہ ہوگا کہ اس کا غیر اس کی طرف سے یہ فریضہ ادا کرتا رہا۔ اس بات میں کوئی خفاء نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی اشکال ہے۔

اگر عورت کہے: میں خود اپنے نفس پر خرچ کرتی رہی۔ خاوند کہے گا: اس سے پوچھو، کیا یہ خود ہی آتی جاتی تھی کہ کھانا اور سالن

---

① دیکھیے: صحیح بخاری، ج: ۸، ص: ۲؛ مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۳۲۲۔

خریدتی ہو؟

اگر کہے: ہاں۔ اُس کا جھوٹ ظاہر ہوگا۔ خاص طور پر اگر وہ عزت دار اور قدر والے لوگوں میں سے ہو۔

اگر کہے: میں کسی اور کو اس میں وکیل بناتی تھی اس پر گواہ لازم کیا جائے گا ورنہ اس عورت کا جھوٹ، ظلم اور زیادتی ظاہر ہوگی۔ عورت کی اس پر معاونت گناہ اور سرکشی پر معاونت ہے۔

اگر حاکم، عالم، حق کا قصد کرنے والا ہے، جسے اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کا ڈر نہیں ہوتا، وہ خاوند پر کوشش کرے۔ وہ چھٹکارے کے لیے اپنا حیلہ تلاش کرنے کی کوشش کرے جو عورت کا جھوٹ دعویٰ باطل کر دے۔ یا تو جو عورت نے دعویٰ کیا ہے اُس میں استحقاق کا انکار کر دے۔ وہ مفصل جواب کی طرف نہ پھرے۔ وہ سبب استحقاق پر گواہ قائم کرنے کی محتاج ہو جائے گی۔ اس کے لیے یہ مشکل بلکہ ناممکن ضرور ہو جائے گا۔

اگر عورت حق مہر حاضر کرے اور گواہ قائم کرے، اگر وہ اس کے ساتھ اس کے گھر منتقل نہ ہوئی ہو، وہ اس کی سپردگی کا انکار کرے گا۔ قول آدمی کا معتبر ہوگا بشرطیکہ عورت اس کے ساتھ اس کے گھر میں نہ ہو۔

اگر وہ اس کے ساتھ اس کے گھر منتقل ہو گئی تھی۔ وہ اس مدت میں عورت کی نافرمانی کا دعویٰ کرتا ہو۔ اُس کے لیے اس پر گواہ مقرر کرنا ممکن ہو۔ اُس کا نافرمانی کی مدت کا خرچہ ساقط ہو جائے گا۔ اگر اس کے لیے گواہ قائم کرنا ممکن نہ ہو آدمی دعویٰ کرے کہ عورت اس کے لیے جماع کو ممکن نہیں کرتی۔ عورت دعویٰ کرے کہ وہ ممکن کرتی ہے تو بات مرد کی معتبر ہوگی۔ کیونکہ اصل عدم امکان ہے۔

یہ نافرمانی کے اس کے دعویٰ کے علاوہ ہے۔ نشوز نافرمانی ہے اس میں بھی اصل عدم ہے۔ یہ اس کا حق پورا کرنے میں انکار ہے اس میں بھی اصل عدم ہے۔ پس تم اس پر غور کرو۔

اگر مرد کا اس عورت سے بچہ ہو۔ آدمی کے لیے اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اگر اس کو شر اور مکر کا احتمال ہو۔ وہ اس طرح حیلہ کرے کہ وہ دو عادل گواہوں کو چھپا لے۔ اس سے انداز سے کہ وہ ان دونوں کی باتیں سنتے ہوں۔ عورت ان کو دیکھتی نہ ہو۔ پھر اس کو مال دے یا وہ چیز جس کو وہ پسند کرے اس پر مہربانی کا اظہار کرے۔ پھر کہے: میں چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک دوسرے کا حلت میں ساتھی بن جائے حتیٰ کہ ہمارے دل خوش ہو جائیں۔ شاید کہ موت اچانک آ جائے وغیرہ باتیں۔

اگر مدد کے لیے ممکن ہو کہ اُس کو بلا سکے کہ وہ اس پر اس وقت تک خرچہ اور لباس کا استحقاق نہیں رکھتی۔ وہ اس کو خود پر راضی کر لے۔ اُس کو وہ دے جس پر وہ راضی ہو، یہ بہت قوی ہوگا۔ پھر اس پر دو گواہوں کی تحریر پکڑ لے اس کو عورت سے چھپا لے۔ اگر اس سے معاملہ اس کو جلدی میں ڈال دے۔ اُس کے لیے ممکن ہو کہ وہ کسی مالکی یا حنفی حاکم کی طرف اسے اٹھائے اس کو اس میں جلدی کرنی چاہیے۔

بہر حال! عقلمند وہ ہے جو عورتوں کے حیلوں پر مستعد ہو۔ اُن کے لیے حیلے تیار کرے جن کے ذریعہ سے وہ ان سے چھٹکارا پائے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے نہ اس پر کوئی گناہ ہے نہ اس کی تعلیم میں۔ اس میں مظلوم کو چھٹکارا دلانا مقصود ہے، پریشان کی مدد کرنا ہے، ظالم اور حد سے بڑھنے والے کو رسوا کرنا ہے۔ اللہ ہی درست کی توفیق دینے والا ہے۔

ہم نے اس مثال میں لمبی گفتگو اس لیے کی ہے کہ لوگوں کو اس کی سخت ضرورت ہے اس کی مصیبت بہت پھیلی ہوئی ہے۔ پھر اس دعویٰ سے برائیاں پھیلیں گی نقصان پھیلے گا۔ جب عورت کے لیے یہ دعویٰ ممکن کیا جائے، اسے سنا جائے، اُسی کی بات کو معتبر گردانا جائے، اسی میں کفایت ہے۔ ورنہ اس میں اس سے زیادہ بھی احتمال ہیں۔

فصل: شریعت کی کفایت اور غناء

یہ اور اس طرح کی کئی مثالیں ہیں جنہیں ہم نے ذکر نہیں کیا۔ ان سے مقصود یہ ہے کہ اللہ پاک نے جو ہم کو آسان یک طرفہ دین دیا ہے۔ جو ہمارے لیے اپنے پیغمبر ﷺ کی زبان سے دین مشروع کیا ہے اُسے امت کے لیے آسان کیا ہے۔ اس سے ہم کو بوجھوں اور طوقوں میں داخل ہونے سے غنی کر دیا ہے۔ ہم کو مکر، دھوکے اور حیلوں کے راستوں کے ارتکاب سے بے پروا کیا ہے۔ جیسے اُس نے ہمیں ہمارے لیے نفع مند حق اور نافع مباح کے ساتھ باطل، حرام اور نقصان دہ باتوں سے غنی کر دیا ہے۔

اس نے ہم کو اسلام کی عیدوں کے ساتھ، کافروں، مشرکوں، اہل کتاب، مجوس، صائبین اور بت پرستوں کی عیدوں سے غنی کر دیا ہے۔

اُس نے ہم کو جو عورتیں دو دو، تین تین اور چار چار اچھی لگیں ان سے نکاح کر کے یا ہم جو لونڈیاں رکھنا چاہیں ان کے ذریعے سے زنا اور بے حیائیوں سے غنی کر دیا ہے۔

اُس نے ہم کو جسم کے لیے نافع پینے والی چیزوں کے ساتھ خبیث، نشہ آور، عقل اور دین کو ختم کرنے والی چیزوں کے پینے سے غنی کر دیا ہے۔

اُس نے ہم کو کتان، قطن اور صوف کے اونی، کاٹن فخریہ لباسوں کے ساتھ حرام سونا اور ریشم پہننے سے غنی کر دیا ہے۔

اُس نے ہم کو آیات اور کلامِ رحمن سننے کے ساتھ اشعار اور شیطان کا قرآن (گانے، موسیقی) سننے سے غنی کر دیا ہے۔

اُس نے ہم کو تیروں سے قسمت آزمائی کے بجائے اُس سے خیر اور نفع مند چیز طلب کرنے سے غنی کر دیا ہے جو کہ استخارہ [1] ہے جس میں توحید، استعانت، توکل اور معاملہ کو اللہ کے سپرد کرنا پایا جاتا ہے۔

دُنیا اور اس کے جلد نفع کا شوق رکھنے کے بجائے اُس نے ہم کو اس بات سے غنی کر دیا ہے جو اس نے ہمارے لیے پسند کیا، جس آخرت کی رغبت کو ہمارے لیے پسند کیا، جو اس میں ہمارے لیے تیار کیا۔ اُس نے اس میں ہمارے لیے رشک مباح کر دیا ہے اور اس کے ساتھ ہم کو دنیا اور اس کی شہوتوں کے حسد سے غنی کر دیا ہے۔ اُس نے ہم کو اپنے فضل و رحمت یعنی قرآن اور ایمان پر خوش ہونے کے ساتھ اُس چیز کی خوشی سے غنی کر دیا ہے جو دنیا والے سامان، جائیداد اور اموال جمع کرتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝﴾ (یونس:۵۸)

''کہہ دو کہ خدا کے فضل اور اس کی مہربانی سے تو چاہیے کہ لوگ اس سے خوش ہوں یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

① استخارہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے: صحیح بخاری، ج ۸ ص ۱۶۸ اور دیگر کتب حدیث۔

اُس نے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف تکبر، اُن کے لیے فخر وغرور کے اظہار کے ساتھ ہم کو اللہ تعالیٰ کے ولیوں کے خلاف تکبر اور اُن پر فخر وغرور سے ہمیں غنی کر دیا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اس شخص کو فرمایا جس کو آپ ﷺ نے دو صفوں کے مابین اتراتے ہوئے چلتے دیکھا: ''یہ ایسی چال ہے جس کو اللہ ناپسند کرتا ہے مگر اس طرح کی جگہ میں۔''[1]

ہم کو اس نے اسلامی غیرت اور ایمانی جذبہ اور بہادری جو اس کے دشمنوں پر غضب کو بھڑکاتی ہے اور دین کی مدد کرتی ہے کے ساتھ شیطانی غیرت سے غنی کر دیا۔ جس پر خواہش اور جاہلیت کا جوش برانگیختہ کرتا ہے۔

اُس نے ہم کو شرعی خلوت بحالتِ اعتکاف کے ساتھ اُس بدعتی خلوت سے غنی کر دیا ہے جس کے لیے حج، جہاد، جمعہ اور جماعت کو چھوڑا جاتا ہے۔ اس طرح اس نے ہم کو شرعی طریقوں کے ساتھ اہل مکر اور حیلہ بازوں کے طریقوں سے غنی کر دیا ہے۔

اُمت کی حاجت جس بات میں بھی شدید ہو جائے۔ جو کچھ شریعت رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ اس میں اس کی اباحت اور گنجائش موجود ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ ان کو اس میں کسی مکر وحیلہ بازی کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ ان پر طوق اور بوجھ لازم آتے ہیں۔ نہ یہ آپ ﷺ کے دین میں سے ہے اور نہ وہ۔

جیسے اُس نے ہم کو اُن دلائل اور آیات کے ساتھ غنی کر دیا ہے جن کی طرف قرآن راہنمائی کرتا ہے۔ تکلف، تعصب اور پیچیدہ راہوں سے بچایا ہے۔ جن میں باطل حق سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اِن سے طرقِ کلامیہ سے بھی بچاؤ ہے جس کا صحیح بھی دبلے/ کمزور اونٹ کے گوشت کی طرح ہے۔ جو دشوار پہاڑ کی چوٹی پر ہے نہ آسان ہے کہ اس پر چڑھا جائے اور نہ موٹا ہے کہ اُسے اتارا جائے۔

ہم بلاشبہ جانتے ہیں کہ وہ حیلے جو اپنے اندر اللہ کے حرام کو حلال کرنا رکھتے ہیں، اُس کے فرائض کو ساقط کرنا رکھتے ہیں۔ اگر یہ جائز ہوتے اللہ پاک ضرور یہ طریقے بتاتے، ان کی ترغیب دیتے۔ کیونکہ ان میں گنجائش ہے۔ دکھوں سے کشادگی ہے، پریشانوں کی مدد ہے۔ جس طرح اس نے دو جھگڑا کرنے والوں کے مابین اصلاح کی ترغیب دی ہے۔

یکطرفہ، آسان دین کے ساتھ مبعوث کی گئی ہستی رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَا تَرَكْتُ مِنْ شَيْئٍ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ إِلَّا وَقَدْ حَدَّثْتُكُمْ بِهِ، وَلَا تَرَكْتُ مِنْ شَيْئٍ يُبْعِدُكُمْ عَنِ النَّارِ إِلَّا وَقَدْ حَدَّثْتُكُمْ بِهِ، تَرَكْتُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيْغُ عَنْهَا بَعْدِيْ إِلَّا هَالِكٌ»

''میں نے کوئی بات نہیں چھوڑی جو تم کو جنت کے قریب کرے مگر میں نے وہ تم کو بیان کر دی ہے۔ میں نے کوئی بات نہیں چھوڑی جو تم کو جہنم سے دور کرے مگر میں نے وہ تم کو بیان کر دی ہے۔ میں نے تم کو سفید/ روشن (دین) پر چھوڑا ہے جس کی رات اُس کے دن کی طرح ہے۔ اُس سے میرے بعد کوئی ٹیڑھا نہ ہوگا مگر جو ہلاک ہونے والا ہے۔''

کیونکہ نہ نبی ﷺ نے حیلوں کو اچھا بتایا، اُن کی ترغیب دی جس طرح آپ ﷺ نے دو آدمیوں کے مابین صلح کی ترغیب دی؟

اگر شارع کا مقصود: ان محرمات کی اباحت ہوتی جن پر کئی قسم کی مذمت اور سزائیں لازم کی ہیں۔ اِن تک پہنچانے والے راستوں کو بند کیا ہے تو آپ ﷺ ان کو شروع میں حرام نہ کرتے۔ نہ اُن پر سزا لازم کرتے، نہ ان کی طرف راستہ بند کرتے، اُن

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیے سیرۃ ابن اسحاق۔ (الفقی)

کے دروازوں کو کھلا چھوڑنا، ان کو مبالغہ سے بند کرنے اور روکنے سے زیادہ آسان ہوتا ہے۔ پھر اُن کے لیے حیلوں کی قسمیں کھولتے۔ حتیٰ کہ حیلہ باز ان پر ہر جانب سے نقب لگاتے۔ اس بات سے تو شریعتوں کو بچایا جاتا ہے چہ جائیکہ یہ باتیں اُکمل شریعت اور افضل دین میں شامل ہوں۔

ہم نے پہلے بتا دیا ہے کہ اِن محرمات سے حاصل ہونے والے مفاسد اور نقصانات حیلوں اور نقب زنی سے ختم نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کے مفاسد قوی اور شدید ہوتے جاتے ہیں۔

فصل: حیلوں کی اقسام

جب یہ بات معلوم ہو چکی تو مزید سمجھنا چاہیے کہ، جو راستے اپنے اندر مسلمانوں کا نفع، دین کا دفاع، مظلوموں کی مدد، پریشانوں کی نصرت اور باطل حیلوں کے ذریعے حق سے دور کرنے والوں کی مخالفت لیے ہوئے ہیں یہ سب سے نفع مند راستے ہیں۔ علم، عمل اور تعلیم کے لحاظ سے جلیل القدر ہیں۔

آدمی کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی قول یا فعل کا اظہار کرے جس سے اس کا مقصود صالح ہو۔ گو کہ لوگ اُس سے وہ مقصد سمجھیں جو اس کا مقصد نہیں ہے بشرطیکہ اُس میں دینی فائدہ ہو جیسے اپنے آپ سے ظلم دور کرنا، یا کسی مسلمان سے، یا کسی ذمی سے، یا حق کی مدد سے، یا باطل کو حرام حیلے وغیرہ سے دور کرنا۔ یا کافروں کو مسلمانوں سے دور ہٹانا، یا اللہ اور اس کے پیغمبر کے حکم کو نافذ کرنے کی طرف راستہ بنانا۔ یہ سب طریقے جائز ہیں یا مستحب ہیں یا واجب ہیں۔

حرام تو یہ ہے کہ آدمی شرعی معاملات کے ساتھ وہ قصد کرے جو اس کے لیے مشروع نہیں ہے۔ وہ اللہ کو دھوکہ دینے والا ہو گا۔ ایک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دھوکہ دینے والا ہے۔ دوسرا کافروں، فاجروں ظالموں، مکر و فریب والوں کو دھوکہ دینے والا ہے۔ اس دھوکے اور اُس دھوکے کے درمیان ایسے ہی فرق ہے جیسے نیکی اور گناہ، عدل اور ظلم، فرمانبرداری اور نافرمانی میں فرق ہے۔ کہاں وہ شخص جس کا مقصد اللہ کے دین کا اظہار، مظلوم کی مدد اور ظالم کو روکنا ہے اور کہاں وہ شخص جس کا مقصد اس کے الٹ ہے؟

جب یہ معلوم ہو گیا تو ہم کہتے ہیں کہ حیلوں کی چند اقسام ہیں:

پہلی قسم

وہ خفیہ راستے جن سے آدمی اس چیز تک پہنچے جو فی نفسہ حرام ہے۔ اگر فی نفسہ حرام ہی مقصود ہو تو وہ مسلمانوں کے اتفاق سے حرام ہے اور اس کا کرنے والا فاجر، ظالم اور گناہ گار ہے۔

یہ مثلاً: جانوں کی ہلاکت کا حیلہ ہے۔ معصوم اموال لینا، دو آدمیوں کے درمیان فساد ڈالنا، شیاطین کے بنی آدم کو بہکانے پر حیلے، حق کو دبانے کے لیے باطل والے دھوکہ بازوں کے حیلے اور دینی و دنیاوی جھگڑوں میں باطل کو غالب کرنے کے حیلے۔ جو بھی چیز فی نفسہ حرام ہو اس تک ظاہر اور خفیہ راہوں سے پہنچنا بھی حرام ہے۔ بلکہ خفیہ راہوں سے پہنچنا بڑا گناہ اور بڑی سزا والا اَمر ہے۔ دھوکہ دینے والے کی تکلیف اور اس کا شر مظلوم تک وہاں سے پہنچتا ہے جہاں سے اُس کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ نہ اس کے لیے اس سے

بچنا ممکن ہوتا ہے۔ اسی لیے لوٹنے اور چھیننے والے ڈاکو کے بجائے چور کا ہاتھ کاٹا گیا ہے۔

اسی سے امام مالک اور ان کے موافقین کی رائے ہے کہ جو دھوکہ سے قتل کرنے والا [1] ہے اسے قتل کیا جائے گا۔ گو اس نے جس کو قتل کیا وہ اس کے برابر کا نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے فعل میں بہت خرابی ہے اور اُس سے بچاؤ ممکن نہیں ہے۔

اسی سے حضرت عبداللہ بن زبیر کی رائے دھوکے باز کا ہاتھ کاٹ دینے کی ہے کیونکہ اس کا اموال پر ضرر بہت ہے اور اس سے بچاؤ ممکن نہیں ہے تو وہ چور سے بڑھ کر ہاتھ کاٹنے کا حقدار ہے۔ ان کا قول بہت قوی ہے۔ اسی سے امام احمد کی رائے عاریتاً لینے والے کے انکار پر ہاتھ کاٹنے کی ہے کیونکہ اس سے بچاؤ ممکن نہیں ہے۔ برخلاف ودیعت کا انکار کرنے والے کے کہ اُس نے خود ہی اس کو امین بنایا تھا۔

صحیح سنت کے مطابق عمدہ بات [2] جس کا کوئی مخالف نہ ہو اور وہ مقصود بھی ہے کہ حرام تک راستہ بنانا حرام ہے۔ اُس کی طرف راستہ بنانا خفیہ حیلے سے ہو یا ظاہر امر سے ہو۔

حیلوں کی یہ قسم دو پر تقسیم ہوتی ہے۔

اول: جس سے ظاہر ہو کہ آدمی کا مقصود شر اور ظلم ہے جیسے چوروں، ظالموں اور خائنوں کے حیلے۔

ثانی: جس میں یہ ظاہر نہ ہو بلکہ حیلہ والا ظاہر کرے کہ اس کا مقصود خیر ہے جبکہ حقیقت میں اس کا مقصود ظلم اور سرکشی ہو۔

مثلاً مریض [3] کا اُس وارث کے لیے اقرار جس کی کوئی چیز اس کے پاس نہیں ہے۔ مقصد ہو کہ اس کو اقرار والی چیز کے ساتھ خاص کیا جائے۔

یا کسی کے لیے وارث ہونے کا اقرار جبکہ وہ درحقیقت وارث نہیں ہے۔ تاکہ وارثوں کو تکلیف دی جائے۔ یہ سب باتفاق اُمت حرام ہے۔ کسی کو اس طرح کرنے کی تعلیم دینا حرام ہے۔ اس پر گواہی حرام ہے جب گواہ کو صورت حال کا علم ہو، اس کا مقتضاء کے مطابق فیصلہ کرنا حرام اور باطل فیصلہ ہے۔ باتفاق مسلمین ایسا حاکم گناہ گار ہوگا۔ جب اس کو صورت حال کا علم ہو۔ یہ حیلہ فی نفسہٖ حرام ہے کیونکہ یہ کذب اور جھوٹ ہے۔ اس کا مقصود حرام ہے۔ کیونکہ یہ ظلم اور زیادتی ہے، لیکن جب اُس کے سچا ہونے کا امکان ہو تو علماء نے وارث کے لیے اقرارِ مریض کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ کیا یہ باطل ہے، تاکہ ذریعہ بند ہو اور اُس اقرار کا رد ہو جو وارثوں کے حق میں اس طرح رکاوٹ ہے کہ اس پر الزام ہے، کیونکہ یہ اس کی اپنے اوپر شہادت ہے جس کا تعلق اُن کے حق کے ساتھ ہے۔ الزام کی وجہ سے اُسے رد کیا جائے گا۔ جیسے کسی اور پر شہادت ہو۔

یا وہ مقبول ہوگا اقرار کنندہ پر حسن ظن رکھتے ہوئے بالخصوص بوقت خاتمہ؟

اسی باب سے عورت کا خاوند کے نکاح کو فسخ کرنے پر حیلہ ہے باوجودیکہ اُس نے اس کو اچھے طریقے سے رکھا ہوا ہے۔ وہ ولی کی اجازت کا انکار کرتی ہے یا اچھے طریقے سے زندگی نہ گزارنا بتاتی ہے۔ وغیرہ

---

[1] اس سے مراد کوئی بھی ہو سکتا ہے لیکن بالخصوص بچے کو رحم مادر میں قتل کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ مترجم

[2] شاید یہ دوسری قسم ہو، کیونکہ آگے تیسری اور چوتھی قسم آ رہی ہے، لیکن درمیان میں دوسری قسم نہیں ہے۔ [3] اس سے مراد مریض مرض الموت ہے۔ (مترجم)

بائع کا بیع کے فسخ کے لیے اس دعویٰ پر حیلہ کرنا کہ اُس پر پابندی لگائی گئی ہے۔ [1]

مشتری کا فسخ پر اس طرح حیلہ کرنا کہ اس نے فروخت شدہ چیز کو نہیں دیکھا۔ کرایہ پر دینے والے کا لینے والے کے خلاف معاملہ کو فسخ کرنے کے لیے حیلہ۔ یا لینے والے کا اس کے خلاف حیلہ کہ اُس نے وہ چیز لی جس کو اُس نے دیکھا نہیں تھا۔

گروی دینے والے کا گروی لینے والے کے خلاف فسخ گروی کے لیے اس طرح حیلہ کہ وہ ظاہر کرے اُس نے گروی سے قبل اس کو یہ چیز کرائے پر دی تھی یا اسے اس کی بیوی یا اس کے بیٹے کے پاس گروی رکھا تھا۔ وغیرہ

یہ جو قسم ہے اس بارے میں کسی کو بھی شبہ نہیں ہے کہ یہ کبیرہ گناہوں سے ہے۔ یہ قبیح محرمات سے ہے۔ یہ مردار، حرام اور خنزیر کے گوشت کے مرتبہ میں ہے۔ یہ فی نفسہٖ برائی ہے۔ کیونکہ اس کے اندر کذب اور جھوٹ ہے۔ نیز اس میں حق کو باطل کرنا اور باطل کو حق ثابت کرنا بھی پایا جاتا ہے۔

تیسری قسم

جو فی نفسہٖ مباح ہے لیکن حرام مقصد کی وجہ سے وہ حرام ہو گیا ہے۔ مثلاً ڈاکے کے لیے سفر کرنا وغیرہ۔ یہاں مقصود حرام ہے۔ گو کہ وسیلہ فی نفسہٖ حرام نہ ہے۔ لیکن جب اس نے اس کو حرام کے لیے وسیلہ بنایا وہ بھی حرام ہو گیا۔

چوتھی قسم

حیلہ سے مقصود حق لینا یا باطل کو دور کرنا ہو۔ لیکن اس کے حصول کا طریقہ حرام ہو مثلاً کسی کا کسی پر حق ہے وہ انکار کرتا ہے۔ یہ دو گواہ قائم کر دیتا ہے جنہوں نے اس کے قرضدار کو نہیں دیکھا۔ نہ اس کو جانتے ہیں، وہ دونوں اس کے دعویٰ کے مطابق گواہی دے دیتے ہیں۔ یہ بھی حرام ہے۔ یہ اللہ کے ہاں بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ دونوں گواہ جھوٹ کی گواہی دے رہے ہیں جبکہ جھوٹی گواہی کبائر میں سے ہے اور اس پر ان دونوں کو اس نے برانگیختہ کیا تھا۔ اس طرح اگر کسی کا کسی آدمی پر قرض ہو وہ اس کا انکار کر دے۔ اس کے پاس اس کی امانت ہو وہ انکار کر دے اور قسم کھائے کہ اس نے اس کو امانت نہیں دی۔

یا آدمی کا کسی پر قرض ہو جس پر گواہ نہیں۔ ایک اور قرض بھی ہو جس پر گواہ ہو جبکہ وہ اس سے لے چکا ہو۔ وہ اس قرض کا دعویٰ کر دے، اس پر گواہ قائم کر دے اور وصولی کا انکار کر دے۔

یا اس سے کوئی چیز خریدی۔ اس میں عیب ظاہر ہوا جس سے بیچی گئی چیز ضائع ہو گئی۔ اُس نے اس پر قیمت کا دعویٰ کر دیا۔ اس نے اصل سودے کا ہی انکار کر دیا۔ نیز اُس نے اس سے کچھ نہیں خریدا تھا۔

یا کسی عورت سے شادی کی، اس پر لمبی مدت تک خرچ کرتا رہا۔ عورت نے اُس کے خلاف دعویٰ کر دیا کہ اُس نے اس پر کچھ خرچ نہیں کیا۔ مرد نے اُس سے نکاح کا ہی سرے سے انکار کر دیا۔

یہ بھی حرام ہے۔ کیونکہ یہ جھوٹ ہے خاص طور پر اگر اُس کے خلاف قسم کھائے۔ لیکن اگر اُس نے اپنی قسم میں تاویل کی تو حرج نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ مظلوم ہے۔

---

[1] تو پابندی کے دعویٰ کی وجہ سے بیع فسخ ہو جائے گی۔ (مترجم)

اگر پوچھا جائے: تمہارا کیا قول ہے کہ اگر اس نے سود کا معاملہ کیا، اُس نے رأس المال لے لیا پھر جو حرام اضافہ ہے اس پر دعویٰ کر دیا۔ کیا اس کے لیے مشروع ہے کہ معاملہ کا انکار کر دے یا اُس کے خلاف قسم کھا لے؟

جواباً کہا جائے گا: اُس کے لیے اس کے عدم استحقاق پر قسم کھانا مشروع ہے اور یہ کہ اس کا یہ دعویٰ باطل دعویٰ ہے۔

اگر حاکم اس سے یہ جواب قبول نہ کرے اُس کے لیے قسم میں تاویل کی گنجائش ہے۔ کیونکہ وہ مظلوم ہے اُس کے لیے بغیر تاویل انکار اور قسم کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ یہ صریح جھوٹ ہے۔ اُس کو یہ اجازت نہیں کہ برائی کا بدلہ اُسی طرح دے، جیسے یہ جائز نہیں کہ جس نے اُس پر جھوٹ بولا اُس پر وہ جھوٹ بولے۔ جس نے اس پر تہمت لگائی اُس پر تہمت لگائے۔ جس نے اس کی بیوی سے بدکاری کی اس کی بیوی سے بدکاری کرے۔ جس نے اُس کے بیٹے سے بدکاری کی اُس کے بیٹے سے بدکاری کرے۔ اگر سوال کیا جائے: تمہارا کامیابی پانے کے متعلق کیا کہنا ہے؟ کیا یہ اس باب سے ہے یا مباح قصاص ہے؟ وہ اس سے غصب نہ کرے گا جس سے اُس سے غصب کیا۔ یہ مذہب امام احمد اور مالک کا ظاہر ہے۔

دوسرا: اُس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے حق کے بقدر اُس سے لے لے جب وہ اُس کے مال پر کامیابی پائے، وہ اسی طرح کی چیز پر کامیابی پائے یا کسی اور پر۔ جب اور چیز ہوگی وہ حاکم کو دے گا۔ وہ اسے بیچے گا اس سے اس کی قیمت کو پورا کرے گا۔ یہ اصحابِ شافعی کا قول ہے۔

تیسرا: جب اپنے مال کی جنس پر کامیابی پائے اُس کے لیے اپنے حق کے بقدر لے لینا جائز ہے۔ لیکن غیر جنس سے لینا جائز نہیں ہے۔ یہ اصحاب اَبی حنیفہ کا قول ہے۔

چوتھا: اگر اس پر اُس کے غیر کے لیے عرض ہو، اُس کے لیے لینا جائز نہیں ہے، اگر اُس پر قرض نہ ہو تو اس کو لینے کی اجازت ہے۔ یہ امام مالک کی دو میں سے ایک روایت ہے۔

پانچواں: اگر حق کا سبب ظاہر ہو جیسے نکاح قرابت اور مہمان کا حق ہے، تو مستحق کے لیے اپنے حق کے بقدر لینا جائز ہے جیسا کہ اس بارے میں نبی کریم ﷺ نے ہند کو اجازت دی تھی:

«أَنْ تَأْخُذَ مِنْ مَالِ أَبِي سُفْيَانَ مَا يَكْفِيهَا وَيَكْفِي بَنِيهَا»[1]

''کہ وہ ابوسفیان کے مال سے لے لیا کرے جو اس کو اور اس کے بیٹوں کو کافی ہو۔''

اور جیسے آپ ﷺ نے اس شخص کو اجازت دی ہے جو کسی قوم کے پاس ٹھہرے وہ اس کی مہمان نوازی نہ کریں کہ وہ ان کے مال سے بطورِ سزا اپنی مہمانی کے بقدر لے سکتا ہے، جیسا کہ صحیحین میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: میں نے نبی ﷺ سے گزارش کی:

«إِنَّكَ تَبْعَثُنَا فَنَنْزِلُ بِقَوْمٍ لَا يَقْرُونَا، فَمَا تَرَى؟ فَقَالَ لَنَا: إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرُوا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوا، وَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوا فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ»[2]

---

[1] صحيح بخاري، ج: ٣، ص: ١٠١؛ سنن النسائي، ج: ٨، ص: ٢٤٦۔

[2] صحيح بخاري، ج: ٣، ص: ١٠٢ و صحيح مسلم، ج: ٣، ص: ١٣٥٣ حديث: ١٧/ ١٧٢٧۔

''بے شک آپ ﷺ ہم کو بھیجتے ہیں ہم ایسی قوم کے پاس اترتے/ٹھہرتے ہیں جو ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے تو آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا: اگر تم کسی قوم کے پاس اترو، وہ تمہارے لیے حکم دیں جو کچھ مہمان کے لیے مناسب ہے، تو تم قبول کرلو اور اگر وہ نہ کریں تو تم ان سے مہمان کا وہ حق لے لو جو اس کے لیے مناسب ہے۔''

مسند میں حضرت مقدام ابوکریمہ سے مروی ہے۔ انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَعَلَيْهِمْ أَنْ يُقْرُوْهُ، فَإِنْ لَمْ يُقْرُوْهُ فَلَهُ أَنْ يُعْقِبَهُمْ بِمِثْلِ قِرَاهُ»[1]

''جو کسی قوم پر اترے ان کو چاہیے کہ اس کی مہمانی کریں۔ اگر وہ اُس کی مہمانی نہ کریں تو اُسے حق ہے کہ وہ بطور سزا ان سے بقدر مہمانی لے لے۔''

مسند احمد میں ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

«أَيُّمَا ضَيْفٍ نَزَلَ بِقَوْمٍ فَأَصْبَحَ الضَّيْفُ مَحْرُوْمًا، فَلَهُ أَنْ يَأْخُذَ بِقَدْرِ قِرَاهُ، وَلَا حَرَجَ عَلَيْهِ»[2]

''جو کوئی مہمان کسی قوم پر اترے اور مہمان محروم ہو۔ اسے حق ہے کہ وہ اپنی مہمانی کے بقدر لے لے اور اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔''

اگر حق کا سبب اس طرح مخفی ہو کہ لینے پر الزام آجائے۔ اس پر ظاہر خیانت کی نسبت کردی جائے۔ اس کو لینے کا اور خود کو تہمت اور خیانت پر پیش کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ گو کہ وہ باطن میں حق کو لینے والا ہے۔ جیسے اس کو اس کی بھی اجازت نہیں کہ وہ ایسی تہمت پر پیش ہوجائے جو لوگوں کو اس کی عزت کے درپے ہونے کا موقع فراہم کرے۔ گو کہ اس کا دعویٰ ہو کہ وہ حق پر ہے۔ تہمت درست نہیں ہے۔

یہ قول اقوال میں سب سے صحیح، سب سے درست، شریعت کے اصول وقواعد کے سب سے بڑھ کر موافق ہے۔ اسی سے احادیث کا مفہوم جمع ہوجائے گا۔ سنن ابی داؤد میں یوسف بن ماہک کی حدیث ہے۔ کہتے ہیں: میں فلاں کے لیے یتیموں کا خرچہ لکھا کرتا تھا جو ان کا ولی تھا۔ انہوں نے اس کے ساتھ ایک ہزار درہم کا مغالطہ کیا۔ اس نے ان کو وہ ادا کردیا۔ پھر میں نے ان کے مال سے اس طرح پایا۔ میں نے کہا: اپنا وہ ہزار پکڑ لو جو وہ تجھ سے لے گئے ہیں۔ کہا: نہیں مجھے میرے والد نے بتایا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ»

''تو اس کی امانت ادا کر جو تجھے امانت دے اور تو اس کی خیانت نہ کر جس نے تیری خیانت کی۔''

یہ گو منقطع کے حکم میں ہے۔ اس کے لیے ایک اور سند سے شاہد ہے۔ وہ طلق بن غنام کی اس سند سے حدیث ہے شریک و قیس، ابوحصین، ابوصالح۔ حضرت ابوہریرہ سے بیان کرتے ہیں کہ بے شک نبی ﷺ نے فرمایا:

---

(1) مسند امام احمد، ج: ٤، ص: ١٣١

(2) مسند امام احمد، ج: ٢، ص: ٣٨٠۔

«أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَىٰ مَنِ ائْتَمَنَكَ۔ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ»[1]

''تو اس کی امانت ادا کر جو تجھے امانت دے اور تو اس کی خیانت نہ کر جس نے تیری خیانت کی''

اس سند میں قیس ابن الربیع ہے۔ شریک ثقہ ہے۔ اس کی حدیث قیس کی متابعت سے قوی ہوگئی ہے گو کہ اس میں ضعف ہے۔

اس کا ایک اور شاہد اس سند سے ہے: ایوب بن سوید، ابن شوذب، ابوالتیاح، حضرت انس سے مروی ہے، وہ نبی ﷺ سے اسی طرح بیان کرتے ہیں۔

ایوب بن سوید راوی گو کہ اس میں ضعف ہے لیکن اس کی حدیث قابل استشہاد ہے۔ اس کا ایک اور شاہد ہے گو اس میں ضعف ہے۔ لیکن وہ ان احادیث کے ساتھ ملنے کی وجہ سے قوی ہو جاتی ہے۔ اس کی سند یہ ہے یحییٰ بن ایوب، اسحاق بن اسید، ابو حفص دمشقی، مکحول سے۔ ایک آدمی نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے کہا: ایک آدمی کو میں کوئی امانت دیتا ہوں یا میرا اس پر قرض ہو وہ میرے لیے انکار کرے۔ پھر وہ مجھے کوئی امانت دے یا اس کی کوئی چیز میرے پاس ہو تو کیا میں اس کا انکار کردوں؟ فرمایا: نہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

«أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَىٰ مَنِ ائْتَمَنَكَ۔ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ»[2]

''تو اس کو امانت ادا کر جس نے تجھے امانت دی ہے اور تو اس کی خیانت نہ کر جس نے تیری خیانت کی۔''

اس کا ایک اور مرسل[3] شاہد ہے۔ یحییٰ بن ایوب، ابن جریج حضرت حسن سے، وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں فرمایا:

«أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَىٰ مَنِ ائْتَمَنَكَ۔ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ»

''تو اس کی امانت ادا کر جس نے تجھے امانت دی اور تو اس کی خیانت نہ کر جس نے تیری خیانت کی''

اس کا ایک اور شاہد ہے، جسے ترمذی نے حضرت مالک بن نضلہ کی حدیث سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں: میں نے کہا:

«قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلرَّجُلُ أَمُرُّ بِهِ فَلَا يَقْرِيْنِيْ، وَلَا يُضَيِّفُنِيْ فَيَمُرُّ بِيْ، أَفَأَجْزِيْهِ؟ قَالَ لَا أَقْرِهِ»[4]

''اے اللہ کے رسول ﷺ! ایک آدمی کے پاس سے میں گزرتا ہوں وہ میری مہمان نوازی اور خدمت نہیں کرتا۔ وہ میرے پاس سے گزرتا ہے کیا میں اس کو بدلہ دوں؟ فرمایا: اس کی مہمان نوازی کر۔''

ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اس کا ایک اور شاہد ہے جسے ابوداؤد نے حضرت بشر بن خصاصیہ کی حدیث سے بیان کیا ہے، کہتے ہیں: میں نے کہا:

«قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّ أَهْلَ الصَّدَقَةِ يَعْتَدُوْنَ عَلَيْنَا، أَفَنَكْتُمُ مِنْ أَمْوَالِنَا بِقَدْرِ مَا يَعْتَدُوْنَ عَلَيْنَا؟ فَقَالَ: لَا»[5]

---

[1] سنن ابی داود، ج: ۳، ص: ۸۰٤، حدیث: ۳۵۳٤۔

[2] سنن ابی داود، ج: ۳، ص: ۸۰۵، حدیث: ۳۵۳۵۔

[3] مرسل وہ حدیث ہے جسے تابعی نبی ﷺ سے بغیر واسطہ صحابی بیان کرے۔ یہ حضرت حسن بصری ہیں جو کہ تابعی ہیں۔ (مترجم)

[4] جامع ترمذی، ج: ۳، ص: ۵٦٤، حدیث: ۱۲٦٤۔

[5] سنن ابی داود، ج: ۲، ص: ۲٤٤، حدیث: ۱۵۸٦۔

''اے اللہ کے رسول ﷺ! زکوٰۃ وصول کرنے والے ہم پر زیادتی کرتے ہیں کیا ہم اپنے اموال میں سے چھپالیں جس قدر وہ ہم پر زیادتی کرتے ہیں؟ فرمایا: نہیں۔''

اس کا ایک اور شاہد حضرت بشر کی حدیث سے ہی ہے۔ میں نے کہا:

«قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنّ لَنَا جِيرًا نَا لَا يَدَعُوْنَ لَنَا شَاذَّةً، وَلَا فَاذَّةً إِلَّا أَخَذُوْهَا فَإِذَا قَدِرْنَا لَهُمْ عَلٰى شَيْئٍ أَنَأْخُذُهُ؟ فَقَالَ: اِدِّ الْأَمَانَةَ إِلٰى مَنِ ائْتَمَنَكَ وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ»

''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے کچھ پڑوسی ہیں۔ جو ہماری کوئی بھی پراگندہ اور بکھری ہوئی چیز نہیں چھوڑتے مگر وہ اسے ضرور پکڑ لیتے ہیں۔ اگر ہم ان کی کسی چیز پر قدرت پائیں کیا ہم اس کو پکڑ لیں؟ فرمایا: جس نے تجھے امانت دی تو اس کی امانت ادا کر اور جو تیری خیانت کرے تو اس کی خیانت نہ کر۔''

اسے ہمارے شیخ نے کتاب ابطال التحلیل میں ذکر کیا ہے۔

یہ آثار اپنے تعدد طرق اور اختلاف مخارج کی بناء پر ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔ ان میں پکڑنا ان دو مقامات میں پکڑنے کے مشابہ نہیں ہے جن میں رسول اللہ ﷺ نے سبب حق کے ظہور کی وجہ سے پکڑنا مباح کیا ہے۔

ان میں لینے والا خیانت کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ نہ اس کی طرف تہمت جائے گی۔ اس لیے بھی کہ اس میں حاکم کی طرف شکوہ مشکل ہے۔ حق کو ثابت کرنا اور اس کا مطالبہ بھی۔

جو اس کو جائز کہتے ہیں ان کا قول ہے: اگر اپنے حق کے بقدر لے لیا زیادہ نہیں تو یہ خیانت نہیں ہوگی۔ خیانت وہ چیز لینا ہے جو لینا حلال نہ ہو۔ یہ بہت ضعیف بات ہے۔ یہ فائدہ حدیث کو باطل کرتا ہے۔ اس میں فرمایا ہے: ''جس نے تیری خیانت کی تو اس کی خیانت نہ کر''۔ اس میں اس کے مقابلہ کو خیانت قرار دیا گیا ہے۔ اس سے منع فرمایا، تو حدیث اپنی صحت کے بعد نص ہے۔ اگر پوچھا جائے: تم نے اس کو اپنا پورا حق خود کیوں نہیں لینے دیا۔ جب وہ حاکم کے ذریعہ سے پورا لینے سے عاجز آ جائے؟ جیسے وہ شخص ہے جس کا مال غصب کیا گیا ہے۔ جب وہ اپنا مال غاصب کے ہاتھ میں دیکھ لے۔ وہ اس سے زبردستی لینے پر قادر ہو؟ تو کیا تم کہتے ہو کہ اس کا بعینہ مال لینا حلال نہیں ہے جبکہ وہ ظالم وسرکش کے ہاتھ میں اس کو دیکھ رہا ہو؟

اور اس کے لیے اس کو اپنے گھر سے اور زمین سے نکالنا حلال نہیں ہے؟

اسی طرح اگر کسی آدمی نے اس کی بیوی غصب کر لی۔ اس کے اور اس کی بیوی کے مابین حائل ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس طرح ظاہر عقد کیا کہ الزام نہ آئے تو کیا پہلے خاوند کے لیے اس سے اپنی بیوی تہمت کے ڈر سے چھڑوانا حرام ہے؟ یہ تو تم نہیں کہتے ہو نہ ہی کوئی بھی اہل علم یہ کہتا ہے۔

اسی لیے امام شافعی نے کہا: پہلے انہوں نے حدیث [1] ہند ذکر کی، پھر فرمایا جب سنت اور اکثر اہل علم کا اجماع اس پر دلالت کرتا ہے کہ آدمی اپنا حق چپکے سے لے سکتا ہے یہ دلیل ہوگئی کہ یہ خیانت نہیں ہے۔ کیونکہ خیانت اس چیز کو لینا ہے جس کا لینا اس کے لیے حلال نہیں ہے؟

---

[1] یہ حدیث پیچھے گزر چکی ہے جس میں آپ ﷺ نے اس کو اس کے خاوند ابوسفیان کے مال سے بقدر کفایت چپکے سے لینے کی اجازت دی ہے۔ (مترجم)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم اس کے لیے جواز بتاتے ہیں کہ اس کے لیے اس سے اپنے حق کے بقدر لینا جائز ہے لیکن مباح طریقہ سے۔ رہا خیانت اور حرام طریقہ سے تو یہ جائز نہیں ہے۔

تمہارا یہ کہنا کہ "یہ خیانت نہیں ہے"۔ ہم کہتے ہیں بلکہ یہ حقیقت، لغت اور شرع کی رو سے خیانت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو خیانت کا نام دیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ ایک مقابلہ اور بدلہ کی خیانت ہے۔ ابتدائی طور پر خیانت نہیں ہے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے پر ظلم کرنے والا اور برائی کرنے والا ہے۔ اگر دونوں خیانتیں مقدار اور صفات میں برابر ہو جائیں تو دونوں کا گناہ ساقط ہو جائے گا۔ نیز آخرت میں مطالبہ بھی ساقط ہوگا، یا ان میں سے ایک کو اسی طرح گناہ ہوگا جیسے دوسرے کو ہوگا۔ اگر ان میں سے ایک کے لیے زائد حصہ بچے وہ اس کے ساتھ لوٹے گا۔ یہ تو ثواب اور سزا کے احکام میں ہے۔ رہے دنیا کے احکام تو ان میں ایسے نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں احکام کا دارومدار ظاہر معاملات پر ہوگا۔ رہے باطن کے معاملات تو وہ اللہ کے سپرد ہوں گے۔

اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، وَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَقْضِي بِنَحْوِ مِمَّا أَسْمَعُ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ فَلَا يَأْخُذْهُ، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ»[1]

"بے شک تم میرے پاس جھگڑا لاتے ہو میں تو ایک بشر ہوں۔ میں جو سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے تم میں سے بعض اپنی دلیل میں دوسرے سے زیادہ زبان دراز ہو۔ پس جس کے لیے میں اس کے بھائی کے حق سے کچھ نہ فیصلہ دے دوں۔ وہ اس کو نہ پکڑے میں تو اس کے لیے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹتا ہوں۔"

آپ ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ ﷺ ان کے مابین ظاہر سے فیصلہ فرماتے ہیں، آپ ﷺ نے درحقیقت باطل کرنے والے کو خبردار کیا کہ آپ کا حکم اس کے لیے وہ چیز حلال نہیں کرے گا جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔ آپ اپنے فیصلے کے باوجود اس کے لیے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹتے ہیں۔ جب ایک مخالف کے پاس حق بظاہر ہو حاکم پر واجب ہے کہ اس کے مطابق فیصلہ کرے۔ اسے اس کے ہاتھ میں دے گو کہ وہ اللہ کے ہاں ظالم اور سرکش کا ہاتھ ہو، تو پھر مخالف کے لیے کیسے گنجائش ہوگی کہ وہ اپنے لیے یہ کرے۔ اپنا حق حرام، باطل طریقے سے خود ہی حاصل کرلے جس طرح کا فیصلہ حاکم بھی نہیں کرسکتا گو وہ نفس الامر میں سچا ہی ہو؟

یہ اس شخص کے مرتبہ میں نہیں ہے جس نے اپنا اصل مال یا لونڈی یا بیوی کو کسی غاصب اور ظالم کے قبضہ میں دیکھا تو اس سے زبردستی اس کو چھڑوایا۔ یہ تو بعینہٖ اس کی چیز ہے۔ اس میں اس کا حق متعین ہوگیا ہے۔ برخلاف قرض والے کے اس کا حق بعینہٖ اس چیز میں متعین نہیں ہوا جس کو وہ اس سے لینا چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کو نہ چھپائے گا۔ نہ مخفی رکھے گا۔ جیسے خائن کرتا ہے۔ بلکہ وہ ظالم قبضہ والے سے جھگڑے گا، اس پر غلبہ پائے گا، اس کے خلاف لوگوں سے مدد طلب کرے گا۔ لہٰذا: اس کو خیانت کی طرف منسوب نہ کیا جائے گا۔ جبکہ پہلا مخفی ہو رہا ہے۔ وہ چور اور خائن کی صورت دھار رہا ہے۔ لہٰذا: ان میں سے ایک صورت کو دوسری صورت کی طرح قرار دینا باطل ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] صحیح بخاری، ج: ۳، ص: ۱۶۲؛ مسند امام احمد، ج: ٦، ص: ۲۰۳۔

فصل: حیلوں کی پانچویں قسم

آدمی اس چیز کی حلت کا قصد کرے جس کو شارع نے حرام کیا ہے یا اس کے سقوط کا جس کو اس نے واجب کیا ہے۔ یعنی آدمی ایسا سبب اختیار کرے جسے شارع نے ایک مباح مقصود کام کے لیے مقرر کیا ہے۔ دھوکہ والا، حیلے والا اسے اس حرام کام کے لیے سبب بنائے جس سے اجتناب مقصود ہے۔

یہ وہ حیلے ہیں جن کی سلف نے مذمت کی ہے۔ ان کا کرنا اور ان کی تعلیم کو حرام کہا ہے، یہ دو وجہ سے حرام ہے۔ اس کے مقصد کی وجہ سے اور اس کے سبب کی وجہ سے۔ رہا اس کا مقصد تو اس سے مقصود اس چیز کو مباح کرنا ہے جسے اللہ اور اس کے پیغمبر نے حرام کیا ہے اور اس حکم کو ساقط کرنا جسے انہوں نے واجب کیا ہے۔ رہا سبب تو اس نے اللہ کی آیات کو مذاق بنالیا۔ اس نے سبب سے وہ مقصود رکھا جس کے لیے یہ مشروع نہ کیا گیا تھا۔ نہ شارع کا یہ مقصود تھا بلکہ ان کا مقصود اس سے الٹ تھا۔

لہٰذا: اس نے حکمت، مقصد اور سبب ہر ایک بات میں شارع کی مخالفت کی ہے۔ پہلی قسم والے حیلے والے کبھی اس قسم کے حیلوں والوں سے کئی گنا اچھی حالت والے ہوں گے۔ وہ کہتے ہیں: ہم جو کچھ کرتے ہیں حرام ہے، گناہ ہے، نافرمانی ہے۔ ہم باطل حیلہ کرنے والے ہیں۔ اللہ اور اس کے پیغمبر کے نافرمان ہیں۔ اس کے دین کے مخالف ہیں۔

جبکہ اس قسم کے اکثر لوگ اسے دین بتاتے ہیں جو شریعت لے کر آئی ہے، نیز شارع نے ان کے لیے مختلف طریقوں سے اپنے حرام کردہ کو مباح بنانا اور اپنے واجب کو ساقط بنانا حیلوں سے جائز کہا ہے۔

تو ان لوگوں کا حال کیا ہے؟ جبکہ دوسروں کا کیسا حال ہے؟

پھر حیلوں کی یہ قسم اپنے اندر اس بات کو لیے ہوئے ہے کہ شارع کی نسبت بے فائدہ اور غیر ضروری شرع بنانے کی طرف کر دی جائے۔ جس میں سوائے تکلیف اور مشقت کے کچھ نہیں ہے۔

باطل حیلہ والوں کے ہاں حقیقت امر بس اتنی ہے کہ شرعی معاملات فضول اور بے فائدہ ہو جائیں۔ حیلہ والے کا مقصود ان کے مقاصد شرعیہ نہیں ہوتے اس کو ان مقاصد اور حقائق سے کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا۔

اس کی غرض تو بس یہ ہے کہ ممنوع تک پہنچا جائے۔ وہ اس کو ایک سترہ اور ڈھال کے طور پر استعمال کرتا ہے کہ صرف مناہی کے ارتکاب پر وہ اس کو آگے کر سکے اس نے اس کو قالب شرع میں پیش کیا ہے۔

جس طرح جہمیہ [1] نے تعطیل کو قالب تنزیہ میں پیش کیا۔

منافقین نے نفاق کو احسان، توفیق اور عقل معیشی کے قالب میں پیش کیا ہے۔ ظالموں بدکاروں نے ظلم اور سرکشی کو قالب سیاست اور مجرموں کی سزا کے طور پر پیش کیا ہے۔

ٹیکس جمع کرنے والوں نے ٹیکس کا کھانا مجاہدین کی اعانت، سرحدوں کی حفاظت، قلعوں کی تعمیر و مرمت کے قالب میں پیش کیا گیا۔

---

[1] جہمیہ وہ باطل فرقہ ہے جو اللہ پاک کو تشبیہ سے منزہ کرنے کے رنگ میں اس کی صفات کو معطل قرار دیتے ہیں۔ یہ ایک طرح کی نفی ہے۔ (مترجم)

رافضیوں نے الحاد کو، کبار صحابہ، رسول اللہ ﷺ کی جماعت، آپ ﷺ کے دوستوں اور مددگاروں کی توہین کو اہل بیت کی محبت، ان کی حمایت اور دوستی کے قالب میں پیش کیا ہے۔

مرتکبین معاصی اور فاسقوں نے جو کہ فقر و تصوف کی نسبت ظاہر کرتے ہیں، اپنی بدعتوں اور بے دینیوں کو فقر، زہد، احوال، معارف، اللہ کی محبت وغیرہ کے قالب میں پیش کیا ہے۔

وحدت الوجود والوں نے سب سے بڑے کفر اور الحاد کو قالب توحید میں پیش کیا۔ یعنی وجود ایک ہے دو نہیں۔ وہ اکیلا اللہ ہے۔ دو وجود نہیں ہیں۔ یعنی خالق اور مخلوق۔ رب اور بندہ نہیں ہیں۔ بلکہ سب ایک وجود ہے اور یہ رب کی حقیقت ہے (یعنی ان کے زعم میں۔ مترجم)

قدریہ نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تمام موجودات، افعال اور اعیان پر مشتمل ہونے سے انکار کو قالب عدل میں پیش کیا۔ انہوں نے کہا: اگر بندوں کے افعال پر قادر ہے تو لازم ہے کہ وہ ان کے لیے ظالم ہو۔ انہوں نے اپنے تقدیر کو جھٹلانے کو قالب عدل میں پیش کیا۔

جہمیوں نے اللہ پاک کی کمال صفات کے اپنے انکار کو قالب توحید میں پیش کیا۔ انہوں نے کہا: اگر اس ذات پاک کا سمع، بصر، قدرت، حیات ارادہ اور کلام ہو جس کے ساتھ وہ قائم ہے تو وہ ایک نہ ہوا۔ وہ متعدد الٰہ ہو گئے۔

فاسقوں اور شہوات کے پیچھے لگنے والوں نے، گناہوں اور نافرمانیوں کو امید، اللہ پر حسن ظن اور اس کی معافی پر سوءِ ظن نہ رکھنے کے قالب میں پیش کیا۔ انہوں نے کہا: گناہوں اور شہوات سے بچنا اللہ تعالیٰ کی معاصی کو کم تر سمجھنا، اس پر برا گمان کرنا اور اس کے فضل، کرم اور معافی کے خلاف نسبت کرنا ہے۔

خارجیوں نے ائمہ سے لڑنا اور ان کے خلاف تلوار لے کر نکلنے کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے قالب میں پیش کیا۔

تمام بدعتیوں نے اپنی بدعتوں کو ان بدعتوں کے حساب سے مختلف قالبوں میں پیش کیا ہے۔

مشرکوں نے اپنے شرک کو اللہ کی تعظیم کے قالب میں پیش کیا کہ وہ ذات اس سے عظیم ہے کہ اس کا قرب بغیر واسطوں، سفارشیوں اور ان معبودوں کے حاصل کیا جائے جو لوگوں کو اللہ کے قریب کر دیں۔

ہر باطل والے کے لیے اپنے باطل کی ترویج ممکن نہیں جب تک وہ اسے حق کے قالب میں پیش نہ کرے۔

المقصود: مکر اور حرام حیلوں والے باطل کو شرعی قالبوں میں پیش کرتے ہیں۔ وہ معاملات کی صورتیں ان کے حقائق اور مقاصد کے برخلاف پیش کرتے ہیں۔

فصل: اقسام حیل کی توضیح

حیلوں کی اس قسم کی بھی کچھ انواع ہیں:

پہلی: جو چیز فی الحال ہو اس کی حلت کے لیے حیلہ کرنا، جیسے سودی حیلے ہیں اور حلالہ کے لیے حیلہ ہے۔

دوسری: اس کی حلت پر حیلہ کرنا جس کا سبب تحریم منعقد ہو چکا ہے۔ یہ بھی لازماً تحریم کی طرف جائے گا۔ جیسے اگر کسی شخص نے طلاق کو ثابت ہونے والی شرط سے معلق کیا۔ ایسا معلق کرنا جس پر وہ واقع ہو جائے۔ پھر شرط پر وقوع طلاق کے منع کا ارادہ کیا۔

اس نے عورت کو حیلہ کے ساتھ خلع دے دیا حتیٰ کہ وہ بائن ہو گئی۔ پھر اس کے بعد اس سے شادی کرتا ہے۔

تیسری: جو چیز فی الحال واجب ہے اس کو ساقط کرنے پر حیلہ کرنا۔ جیسے کوئی اپنے اوپر لازم خرچ اور واجب قرض کی ادائیگی کو ساقط کرنے پر اس طرح حیلہ کرے کہ اپنا مال اپنی بیوی یا بچے کی ملکیت میں دے دے۔ وہ تنگ دست ہو جائے گا تو اس پر خرچ اور ادائیگی لازم نہ ہو گی۔

جیسے کسی پر ماہ رمضان داخل ہو وہ مسافر بن جائے۔ اس کی غرض سوائے روزہ چھوڑنے کے کچھ نہ ہو۔ وغیرہ مثالیں۔

چوتھی: اس حکم کے ساقط کرنے پر حیلہ کرنا جس کے وجوب کا سبب منعقد ہو چکا ہے لیکن واجب نہیں ہوا۔ البتہ وہ وجوب کی طرف جا رہا ہے۔ وہ شخص حیلہ کرے حتیٰ کہ اُسے وجوب سے روک دے۔ مثلاً زکوٰۃ ساقط کرنے پر حیلہ کرنا کہ اپنا مال سال پورا ہونے سے پہلے کسی گھر والے کی ملکیت میں دے دے۔ پھر اس کے بعد اس سے واپس طلب کرے۔ اس قسم کی دو صورتیں ہیں:

اول: اللہ کا حق اس کے وجوب یا سبب کے منعقد ہونے کے بعد ساقط کرنا۔

ثانی: مسلمان کا حق اس کے وجوب یا سبب کے منعقد ہونے کے بعد ساقط کرنا۔ جیسے حق شفعہ ساقط کرنے پر حیلہ۔ شفعہ تو شریک سے تکلیف دور کرنے کے لیے مشروع کیا گیا ہے۔ یعنی اس کے وجوب سے قبل یا اس کے بعد۔

پانچویں: کسی شخص کا حق، یا کچھ حصہ یا بدل کو خیانت کے ساتھ لینے پر حیلہ کرنا۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے اور اس کی بہت صورتیں ہیں:

مثلاً وہ اس کے قرض کا انکار کرے جیسے اس نے انکار کیا۔

وہ اس کی امانت میں خیانت کرے جیسے اس نے خیانت کی۔

وہ اس سے عیب دار چیز کی بیع میں دھوکہ کرے جیسے اس نے اس سے عیب دار چیز کی بیع میں دھوکہ کیا۔

وہ اس کا مال چوری کرے جیسے اس نے اس کا مال چوری کیا۔

وہ اس سے ایسی اجرت پر ظلم و زیادتی سے مزدوری کروائے جو اجرت مثل سے کم تر ہو یا دھوکہ فریب اور غبن کرے۔ مزدوری کرنے والا اس کے مال پر قدرت پائے تو وہ اپنی تمام اجرت لے لے۔

اس قسم کو اکثر قرض لینے والے، وقفوں کے نگہبان، کارندے، مال فئی، ٹیکس، جزیہ اور صدقہ اکٹھا کرنے والے وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ اگر مال مسلمانوں کے مابین مشترک ہو وہ اس میں منہ مارتے ہیں، کھل کر کھاتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی چیز ہم سے چھوٹ گئی تو غبن ہو گا، جبکہ عدل ان کے خیال میں یہ ہے کہ اس مال کا نصف خود لے لیں اور چھٹے حصے کی کوشش کریں تا کہ دو تہائی مکمل ہو جائے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں شعر کہا گیا ہے ؎

اُس کے لیے بیت المال کا نصف حصہ فرض مقرر ہے
اور سُدس کی تکمیل میں وہ کوشش کرتا ہے تا کہ حاصل کر لے

وہ قوم کے ایسے لوگ ہیں جنہیں اُن کے مقصد سے
روک نہیں سکتی، کسی بادشاہ کی کوڑے والی سزا اور نہ ڈنڈا

فصل: حیلوں میں فرق

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس سے ان حیلوں کے مابین جو ظلم، زیادتی اور بغاوت سے بچاتے ہیں اور ان حیلوں کے مابین جو حرام کو مباح کرنے اور فرائض کو ساقط کرنے پر بنائے جاتے ہیں کے مابین فرق واضح ہو گیا ہے۔

گو کہ حیلہ اور وسیلہ کے نام میں یہ دونوں اکٹھے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عینہ [1] حرام سے نہیں بچاتا۔ اس کے ساتھ تو حرام کی طرف وسیلہ بنایا جاتا ہے۔ یہی وہ مقصود ہے جس پر وہ دونوں متفق ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ان کے دلوں سے یہ جانتا ہے وہ خود بھی جانتے ہیں۔ جو ان دونوں کو دیکھتا ہے وہ بھی یہ جانتا ہے۔ اسی طرح سال قریب آنے پر اپنا مال زکوٰۃ سے فرار ہوتے ہوئے اپنے بچے کی ملکیت میں دے دے تو یہ گناہ سے نہیں بچاتا۔ بلکہ اس کو گناہ میں ڈبوتا ہے۔ کیونکہ اس نے اس فرض کو ساقط کرنے کا حیلہ کیا جس کا سبب منعقد ہو چکا تھا۔ لیکن جس نے اس کو جائز کہا ہے اس کا عذر یہ ہے کہ اس نے واجب کو ساقط نہیں کیا۔ اس نے تو وجوب ساقط کیا ہے۔ دونوں باتوں میں فرق ہے۔ آدمی کو وجوب روکنے کا اختیار ہے۔ لیکن اس کو واجب روکنے کا اختیار نہیں ہے۔ اسی طرح بیع سے قبل حق شفعہ ساقط کرنے کا حیلہ کرنے میں ان کا قول ہے کہ آدمی وجوب استحقاق کو تو منع کر سکتا ہے۔ لیکن بیع کے ساتھ جو حق واجب ہو گیا اس کو نہیں روک سکتا، یہ جائز نہیں ہے۔ یہ وجوب کے بعد منع زکوٰۃ کی مثل ہے جو کہ حیلہ اور بغیر حیلہ جائز نہیں ہے۔

اسی طرح خود پر وجوب جمعہ منع کرنے پر اس طرح حیلہ ہے کہ آدمی ایسی جگہ پر رہائش رکھتا ہے کہ جہاں اس کو اذان نہ پہنچتی ہو یا جہاں تک اس دن میں جمعہ کے لیے جانا اور واپس آنا ممکن نہ ہو یا اس کا وقت شروع ہونے سے قبل سفر کر جائے۔ لیکن اس کا وجوب ہو جانے کے بعد اس کے اسقاط ترک پر حیلہ جائز نہیں۔ اسی طرح قریب پر خرچ کے وجوب کو منع کرنے پر اس طرح حیلہ کرنا کہ وہ مال نہ کمائے جس میں اس پر خرچ واجب ہو۔ لیکن جب اس پر یہ واجب ہو چکا تو اس کے اسقاط پر حیلہ جائز نہیں ہے۔

یہ فرق کا وہ راز ہے جس پر حیلوں والوں نے اعتماد کیا ہے۔

رہے مانعین، تو وہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ:

اگر حیلہ والوں کے لیے ایسی باتوں کی اجازت ہوتی تو اللہ پاک اس باغ والوں کو سزا نہ دیتے جنہوں نے رات کو اس کا پھل اتارنا چاہا۔ تاکہ ان پر مساکین حاضر نہ ہوں۔ انہوں نے وجوب کو سبب منعقد ہو جانے کے بعد دور کرنے کا قصد کیا۔ یہ بھی زکوٰۃ کو اس کے سبب کے ثبوت کے بعد ساقط کرنے کی مثل ہے۔ نیز یہ واجب کرنے کی حکمت کو باطل کرتا ہے۔ اللہ پاک نے اموال اغنیاء پر اس کو ان کی پاکیزگی، زکوٰۃ، مساکین پر مہربانی اور ان کا فاقہ دور کرنے کے لیے واجب کیا ہے۔ اس کے منع وجوب پر حیلہ کرنا ان سب فوائد کو باطل کرنے پر لوٹتا ہے۔ اگر شارع سبب منعقد ہونے کے بعد اس کے منع وجوب پر حیلہ کو جائز کہہ دے تو واجب کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ ہر کس کے لیے اس کو دور کرنے پر معمولی حیلہ ممکن ہے تو واجب کرنا بے فائدہ ہوگا۔ اگر شارع کسی حکم کو واجب کرے۔ سبب ایجاب کے انعقاد کے بعد اس کو ساقط کرنا جائز کہہ دے تو یہ بات اس کے اپنے ہی مقصد کے خلاف آ جائے گی۔ جب سبب وجوب منعقد ہو جائے تو مکلف کے ساتھ وجوب متعلق ہو گیا شارع اس کے لیے اس تعلیق کو ختم کرنا ممکن نہ کرے

[1] کسی چیز کو اس کی اصل قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار بیچنا۔ (مترجم)

گا۔ بالخصوص جب وقت وجوب قریب آ جائے حاضر ہو جائے۔ حتیٰ کہ گویا وہ اس میں داخل ہے جیسے اگر سال سے ایک دن یا گھنٹہ باقی ہو تو یہاں پر ساقط کرنا سال بعد ساقط کرنے کے برابر ہے۔ اس کی خرابی اس کی خرابی کی مانند ہے۔ اس وقت کے بعد منع سے چھوٹنے والا فائدہ ہر طرح اس خرابی کی طرح ہے جو اس سے قبل منع کا سبب بنانے سے ملتی ہے۔

سبب منعقد ہونے کے بعد حکم اس ثابت کی طرح ہے جو درست ہو اور پایا جائے۔ وجوب تو انعقاد سبب سے ثابت ہو چکا۔ اس کے لیے سال پورا ہونے تک تاخیر کا جواز گنجائش کے لیے ہے۔ اسی لیے واجب کو سال پورا ہونے سے پہلے بھی ادا کرنا جائز ہے۔ وہ اپنے موقع پر ہی آ جائے گا۔ واجب ہونے سے فرار کا مقصد واجب کی ادائیگی سے فرار ہے کہ جو اللہ نے اس پر سال گزرنے پر فرض کیا ہے وہ اسے ساقط کر دے۔ یہ اس شخص کی طرح نہیں ہے جس نے وہ مال کمانا چھوڑ دیا جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تاکہ اس پر وجوب سے فرار ہو۔

یا حصہ بیچنا اس خدشہ سے ترک کیا کہ شفیع / شفعہ والا اس کو لے لے گا۔

یا خرچ واجب ہونے کے ڈر سے شادی کو ترک کیا وغیرہ مثالیں۔

اس کے حق میں سبب منعقد نہیں ہوا۔ بلکہ اس نے وہ چھوڑا۔ جو واجب کرنے تک پہنچائے اس کی طرف سبب نہیں بنایا۔ جبکہ اس نے سبب کے بعد فریضہ کی ادائیگی کا تعلق ساقط کرنے کا حیلہ کیا۔ اس نے ثبوت کے بعد قطع سببیت کا حیلہ کیا۔ سبب کی سببیت کو قطع کرنا اللہ کے حکم کو بدلنا ہے۔ سببیت کو حیلہ کے ساتھ ساقط کرنا ہے۔ یہ اختیار مکلف انسان کو درحقیقت حاصل نہیں ہے۔

اللہ پاک نے ہی اپنے حکم اور حکمت سے اس کو سبب بنایا ہے۔ آدمی کو اختیار نہیں کہ اس ''بنانے'' کو حیلہ اور دھوکہ سے باطل کر دے۔

یہ اس کے خلاف ہے کہ جب کسی نے کسی کو ظاہر اور باطن سے ہبہ کیا یا اس کو خرچ کیا۔ اس نے ایک امر کو ظاہر کرنے پر حیلہ نہیں کیا کہ جس کے خلاف منع ایجاب اور اداء واجب کو باطن میں رکھے۔

نیز اگر منع ایجاب کا حیلہ کرے گا یہ اپنے ضمن میں منع اداء واجب کو بھی رکھتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ صرف اداء واجب کا منع اس کے لیے دونوں باتوں پر اکھٹے حیلے سے آسان تر ہے۔

نیز آدمی کے لیے وجوب سے فرار درست نہیں جب وہ اس کے سبب کو لاتا ہو۔ کسی چیز سے فرار ہونے والا اس کے اسباب سے فرار ہونے والا بھی ہے۔ یہ سب سے زیادہ حرص والی چیز اس ملکیت پر ہے جو اس پر وجوب حق کا سبب ہے۔

اس پر اس کی حرص کی وجہ سے ہی اس نے حرص اور کنجوسی کے لیے ترک اخراج پر حیلہ کیا۔ یہ اداء واجب سے اس گمان کے ساتھ فرار ہونے والا ہے کہ وہ اپنے اوپر وجوب سے فرار ہو رہا ہے۔ جبکہ دوسری کے بجائے اس کو پہلی بات حاصل ہے۔

نکتہ فرق وسیلہ اور مقصود کی جہت سے ہے۔ جو محرمات اور اسقاط واجبات پر حیلہ کرتا ہے اس کا مقصود فاسد ہے اور اس کا وسیلہ باطل ہے، اس نے ایک چیز کے ساتھ اس کے غیر مقصود کی طرف وسیلہ بنایا ہے۔ اس کو حرام مقصود کی طرف وسیلہ بنایا ہے۔

اللہ پاک نے نکاح کو مودت، رحمت، سسرال، نسل، غض بصر، حفظ فرج، فائدہ اٹھانے، جگہ دینے، وغیرہ مقاصد نکاح کا

وسیلہ بنایا ہے۔ جبکہ حلالہ کرنے والے نے ان میں سے کسی چیز کی طرف وسیلہ نہیں بنایا۔ بلکہ جو اللہ نے حرام کیا ہے اس نے اس کو حلال کرنے کا وسیلہ بنایا ہے۔ اللہ پاک نے تین طلاقیں دینے والے پر عورت کو بطور سزا حرام کر دیا ہے۔ اس نے عورت سے نکاح کو اس کے لیے حلال کرنے کا وسیلہ بنایا ہے۔ اس نے حکم شرع کی طرف وسیلہ نہیں بنایا تو اس کا مقصد حرام ہے اور وسیلہ باطل ہے۔

اللہ پاک نے بیع کو مشتری کے لیے چیز کے ساتھ جبکہ بائع کے لیے قیمت کے ساتھ نفع حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ سود والے نے اس کو صرف سود کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس نے بیع غیر مقصود کے لیے کی ہے۔ اس کو اس چیز کی ملکیت کی کوئی غرض نہیں۔ نہ ہی اس سے نفع اٹھانے میں۔ اس کی غرض تو سود ہے۔ اس کی طرف اس نے بیع کو ذریعہ بنایا ہے۔

اللہ پاک نے شفعہ لینا اس لیے مشروع کیا ہے تاکہ شریک سے ضرور دور ہو جائے اس کو باطل کرنے والے نے بے حقیقت اختیار کے اظہار کو اس کے ابطال کے لیے وسیلہ بنایا ہے۔ اس کا وسیلہ باطل ہوگا اور اس کا مقصود حرام ہوگا۔ اسی طرح زکوٰۃ کو اللہ نے مساکین پر رحمت اور اغنیاء کے لیے پاکیزگی بنا کر مشروع کیا ہے۔ اس کو ساقط کرنے والے نے اس مقصود کو باطل کرنے کے لیے ایسے عقد کے اظہار کو وسیلہ بنا دیا جس کی کوئی حقیقت نہیں یعنی بیع یا ہبہ۔

اسی طرح اللہ پاک نے قرض میں عدل کو مشروع کیا ہے۔ نیز جتنا کسی نے قرض دیا اس کو اس سے زیادہ نہ دیا جائے۔ اگر قرض دینے والا زیادہ پر حیلہ کرے تو اس نے حرام مقصود پر باطل طریق سے حیلہ کیا ہے۔

اسی طرح پھل کو اس کا پکنا ظاہر ہونے سے پہلے بیچنا باطل ہے۔ کیونکہ یہ مال کو باطل طریقہ سے کھانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اگر اس پر حیلہ کرے کہ کاٹنے کی شرط لگا دے۔ پھر اس کو چھوڑ دے حتیٰ کہ مکمل ہو جائے تو اس نے حرام مقصود کا غیر مقصود شرط کے ذریعہ سے حیلہ کیا۔ بلکہ دونوں معاملہ کرنے والوں کو علم ہو چکا کہ وہ اس کو نہ کاٹے گا۔ بالخصوص جب ایسی چیز ہو جس سے پکنے سے پہلے نفع کسی صورت نہیں اٹھایا جا سکتا جیسے توت اور فرسک وغیرہ تو اس کے کاٹنے کی شرط لگانا محض ایک دھوکہ ہے۔

اسی طرح تمام وہ حیلے جو شارع کے مقصود اور اس کی شرع پر نقض اور ابطال کے ساتھ لوٹتے ہیں۔ جن کے مقاصد حرام ہیں جن کے وسائل باطل ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اسی طرح فدیہ اور خلع ہے جس کو اللہ پاک نے مشروع کیا ہے تاکہ زوجین میں سے ہر ایک بصورت جھگڑا دوسرے سے خلاصی پا سکے۔ انہوں نے اس کو قسم ٹوٹنے اور نکاح کے بقاء میں حیلہ بنا لیا۔ اللہ پاک نے تو اس کو نکاح ختم کرنے کے لیے مشروع کیا تھا جہاں اس کے خاتمے میں ہی ان دونوں کا فائدہ ہو۔ اس مثال سے آپ پر ان حیلوں کا فرق واضح ہو جائے گا جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر ﷺ کے حکم کو پورا کرنے، اس کے دین کو قائم کرنے، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، حق دار کی مدد اور باطل کرنے والے کے توڑ کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور ان حیلوں کے درمیان جن کو ان کے خلاف ذریعہ بنایا جاتا ہے۔

مقاصد مشروعہ کو ان تک پہنچانے کے لیے بنانے گئے راستوں والے حیلوں کے ساتھ حاصل کرنا ایک چیز ہے، جبکہ مقاصد فاسدہ کو ان راستوں کے ساتھ کہ جو ان کے لیے نہیں بنائے گئے حاصل کرنا چیزے دیگر ہے۔

دونوں قسموں کے مابین فرق وسیلہ اور مقصود کی جہت سے ثابت ہوتا ہے جو کہ دونوں وہ چیز ہیں جس کے ساتھ حیلہ کیا جائے، جس کے خلاف حیلہ کیا جائے۔ حلال اور مشروع کی طرف پہنچانے والے راستے ہی وہ راستے ہیں، جن کے وسائل میں نہ کوئی دھوکہ

ہے اور نہ ان کے مقاصد میں کوئی تحریم ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ۔

فصل: بعض حیلوں پر جوابات

رہا تمہارا یہ کہنا کہ: جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق ہو جانے کی اس بات پر قسم کھائی کہ وہ ضرور اس شراب کو پیئے گا یا وہ ضرور اس مرد کو قتل کرے گا وغیرہ مثالیں۔ حیلہ میں اس خرابی میں مبتلا ہونے اور وقوع طلاق کی خرابی سے بھی چھٹکارا ہے۔

جواباً کہا جائے گا: جی ہاں! قسم بخدا! اللہ پاک نے اس سے چھٹکارا مشروع کیا ہے۔ اس چھٹکارے کے لیے متعدد راستے ہیں۔ یہاں چھٹکارے کے لیے دھوکہ وفریب والے حیلے کے پیچھے ہرگز نہ لگنا چاہیے۔

بلکہ یہاں متعدد راستے ہیں جن میں سے ہر راہ پر اس امت کے سلف اور خلف فقہاء کی ایک جماعت چلی ہے۔

پہلا راستہ: یہ ان لوگوں کا راستہ ہے جنہوں نے کہا: یہ قسم کسی حال میں منعقد نہ ہوگی۔ نہ اس میں کسی طرح قسم کا ٹوٹنا پایا جاتا ہے۔ یہ حلف کے صیغہ سے ہو جیسے کہے: ''طلاق مجھ پر لازم ہوگی ضرور میں کروں گا'' یا صیغہ تعلیق مقصود کے ساتھ جیسے کہے: ''اگر سورج طلوع ہوا یا اگر تجھے حیض آ گیا یا اگر سال کا اخیر آیا تو تو طلاق والی ہے۔''

یا ایسی تعلیق جس سے مقصود قسم ہو۔ ترغیب سے، منع، تصدیق اور تکذیب سے۔ جیسے کہے: ''اگر میں نے ایسا نہیں کیا اور اگر میں نے یہ کیا تو میری عورت طلاق والی ہے''۔

یہ ان اجل اصحاب شافعی کا مذہب ہے جو ان کے ہاں مجلس کرتے تھے یا اس کا جو ان میں زیادہ اجل ہے۔ وہ ابو[1] عبدالرحمٰن ہے۔ یہ شافعی کی طرف نسبت رکھنے والے اصحاب میں سب سے اجل ہے اور یہ اکثر اہل ظاہر کا مذہب ہے تو ان کے نزدیک طلاق نکاح کی طرح معلق کرنے کو قبول نہیں کرتی۔ ان کے مخالفین نے ان کے خلاف کوئی ایسی حجت پیش نہیں کی جو کارآمد ہو۔

دوسرا راستہ: ان لوگوں کا راستہ ہے جو کہتے ہیں: قسم کھائی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی اور نہ ہی قسم کھائی گئی آزادی۔ اگر اس کو توڑے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔ یہ مذہب حضرت ابن عمر، ابن عباس، ابوہریرہ، عائشہ زینب بنت ام سلمہ اور حضرت حفصہ کا آزادی پر قسم کے بارے میں ہے جو کہ اللہ کے قرب کے لیے ایک نیکی ہے۔ بلکہ اللہ پاک کو بہت پسندیدہ نیکی ہے جو غیر کی ملکیت میں چلتی ہے۔ یہ لوگ اس طلاق کی قسم کے بارے میں کیا کہیں گے جو اللہ کو حلال میں سب سے ناپسند ہے۔[2] جبکہ شیطان کو سب سے پسندیدہ چیز ہے؟ ان صحابہ سے سوال کرنے والی ایک عورت[3] ہی تھی جس نے قسم کھائی تھی کہ اس کا ہر غلام آزاد ہوگا اگر اس نے اپنے غلام اور اس کی عورت کے مابین علیحدگی نہ کروائی۔ انہوں نے اس کو کہا تھا: تم اپنی قسم کا کفارہ دے دو اور اس مرد اور

---

① یہ بڑے جلیل القدر، شافعی مسلک کے امام ہیں۔ ان کے حالات کی تفصیل کے لیے ''طبقات شافعیه'' اور تاریخ بغداد، ج: ٥، ص: ٢٠٠ نمبر: ٢٦٧٣ دیکھیے۔ (الفقی) ② سنن ابی داود، ج: ٢، ص: ٦٣١، حدیث: ٢١٧٧۔ یہ حدیث ابن ماجہ، حاکم بیہقی اور دارقطنی میں بھی ہے لیکن اکثر کی سند ضعیف ہے۔ (الفقی)

③ میں نے دیکھا ہے کہ میں نے اپنے نسخہ پر اس کا نام لیلیٰ بنت العجماء لکھا ہے۔ میں نے کوشش کی کہ مجھے یاد پڑ جائے کہ میں نے یہ کہاں سے لکھا ہے۔ لیکن مجھے اس کا مصدر یاد نہیں آیا۔ سنن دارقطنی میں اس مفہوم کی ایک روایت ہے۔ (الفقی)

اس کی بیوی کے معاملہ سے الگ ہو جاؤ۔ یہ صحابہ اللہ کے دین میں بڑا علم رکھنے والے اور سمجھ رکھنے والے تھے کہ وہ آزادی کی قسم پر کفارہ کا فتویٰ دیتے ہیں اور اس کو قسم سمجھتے ہیں۔ جبکہ وہ طلاق پر قسم کو نہیں سمجھتے کہ وہ اس کے وقوع پر قسم توڑنے والے پر اس کو لازم کرتے ہوں۔ جس فقیہ نے بھی علم کی بو سونگھی ہو وہ دونوں مسئلوں اور دونوں تعلیقوں کے مابین کسی بھی طرح کا کوئی فرق نہ پائے گا۔

امام احمد نے اس کو اس لیے نہیں اپنایا کہ ان کے نزدیک یہ صرف سلیمان التیمی کے طریق سے صحیح ہے۔ ان کے خیال میں وہ اس کے ساتھ متفرد ہے۔ جبکہ اس پر محمد بن عبداللہ الانصاری اور اشعث[1] الحمرانی نے متابعت کی ہے۔ اسی لیے جب یہ روایت ابو ثور کے ہاں ثابت ہوگئی اس نے اس کے موافق کہہ دیا۔ اس نے طلاق کی قسم میں اس کے لزوم پر اجماع کا گمان کیا ہے اس لیے اس کے موافق نہیں کہا۔

تیسرا راستہ: ان لوگوں کا راستہ ہے جو کہتے ہیں: طلاق پر قسم کوئی چیز نہ ہے یہ طاؤس اور عکرمہ سے صحیح مروی ہے۔

رہے طاؤس تو عبدالرزاق نے بواسطہ معمر، ابن جریج، طاؤس کے بیٹے سے، وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ طلاق کے ساتھ قسم کو کچھ نہ سمجھتے تھے۔ بعض متعصبین نے اپنی تقلید اور مذاہب کی وجہ سے اس نقل کو اس طرح رد کیا ہے کہ عبدالرزاق نے اسے ''مجبور کیے گئے کی قسم کے باب'' میں ذکر کیا ہے۔ اس کو طلاق کے ساتھ مجبور کیے گئے کی قسم پر محمول کیا ہے۔ اس عنوان میں حجت نہیں ہے۔ اعتبار اس کا ہے جو وہ اس میں دوران عنوان بیان کرتے ہیں۔ بالخصوص متقدمین ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، وکیع وغیرہ۔ یہ لوگ عنوانات میں ایسے آثار بھی ذکر کر دیتے ہیں جو عنوان کے مطابق نہیں ہوتے۔ گو کہ ان کا اس سے ایک گونہ تعلق ہوتا ہے جو آدمی غور کرے اسے یہ بات ان کی کتب میں بکثرت ملے گی اور یہ کہاں مخفی ہے؟ یہ مشہور تر ہے۔ یہ صحیح بخاری[2] وغیرہ میں بھی ہے۔ فقہاء کی کتب اور تمام مصنفین کی کتب میں ہے۔

پھر اگر عبدالرزاق نے یہ سمجھا ہے کہ یہ مجبور کیے گئے کی قسم کے بارے میں ہے تو بھی حجت ان کے فہم میں نہیں ہے بلکہ ان کی روایت کو لینے میں ہے۔ طلاق کے ساتھ اس قسم کو خاص کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ بلکہ ہر مجبور کیا گیا شخص اس کی کوئی بھی قسم ہو تو اس کی قسم کچھ نہیں ہے۔

رہے عکرمہ تو سنید بن داؤد نے اپنی تفسیر میں بواسطہ عباد بن عباد المہلبی، عاصم الاحول، عکرمہ سے اس شخص کے متعلق بیان کیا ہے جس نے اپنے غلام کو کہا: اگر میں نے تجھ کو سو درے نہ مارے تو میری بیوی طلاق والی ہے۔ فرمایا: وہ اپنے غلام کو درے نہ مارے، نہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے۔ یہ شیطانی وساوس ہیں۔

جب آپ اس اثر کو طاؤس کے اثر سے ملائیں گے جو ان کے بیٹے نے روایت کیا ہے، نیز حضرت ابن عباس کے اس عورت کے متعلق اثر کو بھی جس نے اپنے غلام کو کہا: ''اگر میں نے تیرے اور تیرے بیوی کے درمیان علیحدگی نہ کروائی تو میرا ہر غلام آزاد ہے''۔ ان کو حضرت ابن عباس سے مروی عورت کو حرام کرنے کی قسم کے متعلق مشہور آثار کو بھی ملائیں گے کہ یہ ایسی قسم ہے

---

[1] یہ اشعث بن عبدالملک ابو ہانی الفقیہ البصری ہیں۔ یہ حمران کے آزاد کردہ ہیں جو کہ حضرت عثمان بن عفان کے آزاد کردہ تھے۔ (المحقق)

[2] صحیح بخاری میں کسی جگہ پر ایسے آثار عنوان کے بظاہر خلاف ہوتے ہیں۔ لیکن فتح الباری وغیرہ شروح کے مطالعہ سے مناسبت واضح ہو جاتی ہے۔ (مترجم)

جس کا وہ کفارہ دے گا۔ آپ پر واضح ہوگا کہ اس باب میں حضرت ابن عباس اور ان کے اصحاب کا مذہب کیا تھا۔

جب آپ اس کے ساتھ صحابہ کے قسم سے معلق کرنے والے آثار کو ملائیں گے جیسے حج، روزہ، صدقہ، قربانی، مکہ تک[1] ننگے پاؤں پیدل چل کر جانا وغیرہ کہ ان قسموں کا کفارہ دیا جائے گا۔ آپ پر واضح ہو جائے گا کہ اس متعلق صحابہ کا موقف کیا تھا۔

جب آپ اس کے ساتھ ایسے قیاس صحیح کو ملائیں گے جو حکم اور فرع میں برابر ہے، آپ پر قیاس اور ان آثار کا باہم موافق ہونا واضح ہو جائے گا۔

جب آپ ایک درجہ اوپر آئیں گے اور اس کا قرآن وسنت کی نصوص سے موازنہ کریں گے۔ آپ پر راجح اور مرجوح واضح ہو جائے گا۔

اس کے ساتھ تمہارے لیے دلیل سے مقابلہ آسان نہ رہے گا اور اس کا بھی جو کہتا ہے کہ میں نے فیصلہ کیا ہے اور میرے ہاں ثابت ہے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ

چوتھا راستہ: ان لوگوں کا راستہ ہے جو اس بات میں فرق کرتے ہیں کہ آدمی اپنی عورت کے فعل پر قسم کھاتا ہے یا خود اپنے فعل پر یا بیوی کے علاوہ کسی پر۔ وہ کہتے ہیں: اگر وہ اپنی عورت کو کہے: اگر تو گھر سے نکلی یا تو نے کسی مرد سے بات کی یا تو نے یہ کیا تو تو طلاق والی ہے تو عورت کے ایسا کرنے سے اس پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر مرد نے اپنے فعل پر یا اپنی عورت کے علاوہ کسی کے فعل پر قسم کھائی، وہ قسم ٹوٹی تو اس پر طلاق لازم ہوگی۔

یہ قول اصحاب مالک میں سے اس کا ہے جو سب سے بڑھ کر فقیہ ہے۔ وہ اشہب بن عبدالعزیز ہے جس کا فقہ اور علم میں درجہ مخفی نہیں ہے۔

اس کا ماخذ یہ ہے کہ اگر عورت یہ کرے گی تا کہ وہ خود کو طلاق دے دے تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ تا کہ عورت کو اس کے مقصود کے خلاف سزا دی جائے۔ یہ امام مالک، احمد اور ان کے موافقین کے اصول کے مطابق اس آدمی کی سزا کی طرح حکم جاری ہوگا جو وراثت اور زکاۃ سے فرار ہونے والا ہو۔ جس نے اپنے مورث اور موصی کو قتل کیا ہو۔ نیز جس نے اس کو[2] مدبر کیا ہوتا کہ اس کے مقصد کے خلاف معاملہ ہو اور یہی فقہ ہے۔

بالخصوص جب اس نے عورت کو طلاق دینے کا ارادہ نہیں کیا۔ اس کا ارادہ تو صرف اس کو ترغیب یا منع کا تھا۔ نیز عورت اس کو ایذا کے درپے نہ ہو تو عورت کا فعل اس کو اس سے بڑی ایذاء دینے کا سبب کیونکر ہوگا؟ مرد نے عورت کو اس کا وکیل بنایا ہے نہ اختیار دیا ہے۔ نہ اللہ نے ہی اس کو فسخ کا مالک بنایا ہے۔ علیحدگی کا اختیار عورت کو کیسے ملے گا۔ اگر چاہے تو اس کے ہاں ٹھہری رہے۔ اگر چاہے تو محض ترغیب یا روکنے پر اس سے علیحدہ ہو جائے۔ اس فقہ سے اچھی چیز کیا ہے۔ قواعد شرع کے بہت موافق کیا حکم ہے؟

پانچواں راستہ: ان لوگوں کا راستہ ہے جو شرط وجزاء کے صیغہ سے قسم اور التزام کے صیغہ سے قسم کے مابین فرق کرتے ہیں۔

پہلا: مثلاً کہنا کہ: اگر میں نے یہ کیا یا اگر میں نے یہ نہ کیا تو تو طلاق والی ہے۔

---

[1] اس مفہوم کی ایک روایت سنن دارقطنی میں ہے جس کا اشارہ پیچھے گزرا ہے۔ (مترجم)

[2] مورث کا مطلب وارث بنانے والا۔ موصی وصیت کرنے والا۔ جبکہ مدبر وہ ہے جس نے اپنے غلام کو کہا ہو تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو جاؤ گے۔ (مترجم)

دوسرا: جیسے کہنا کہ: طلاق مجھ پر لازم ہوگی یا میرے لیے لازم ہے یا مجھ پر طلاق لازم ہے اگر میں نے یہ نہ کیا۔ اس قسم میں اس کو طلاق لازم نہ ہوگی اگر وہ قسم توڑ دے۔ برخلاف اول صورت کے۔

اصحاب شافعی کے ہاں یہ تین میں سے ایک صورت ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور ان کے قدیم اصحاب سے منقول ہے۔ اسے صاحب ذخیرۃ نے اور ابواللیث نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے۔

ابواللیث کہتے ہیں: اگر کہے: تیری طلاق مجھ پر واجب یا لازم یا فرض یا ثابت ہے تو متاخرین اصحاب میں سے بعض نے کہا ہے کہ وہ ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے اس نے اس کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

بعض نے کہا: واقع نہ ہوگی۔ نیت کی یا نہ کی۔

بعض کا قول ہے کہ: واجب کہنا بغیر نیت کے واقع ہوجاتا ہے۔ جبکہ لازم کہنا واقع نہیں ہوتا گو نیت بھی کی ہو۔ ان دونوں میں فرق کرنے والا اعرف ہے۔ صاحب ذخیرۃ کہتے ہیں: اس اختلاف کی بنیاد پر اگر بندہ کہے: تو اگر ایسا کرے گی تو تیری طلاق مجھ پر واجب ہے یا لازم ہے۔ اس عورت نے ایسا کر دیا۔ قدوری نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ ابوحنیفہ کے قول پر ہر ایک میں طلاق واقع نہ ہوگی۔ ابو یوسف کے ہاں اگر طلاق کی نیت کی تو ہر ایک میں واقع ہوجائے گی۔ جبکہ امام محمد سے مروی ہے کہ لازم کہنے سے واقع ہوگی۔ واجب کہنے سے نہ ہوگی۔ الصدر الشہید نے ہر ایک میں وقوع کو اختیار کیا ہے۔ ظہیر الدین المرغینانی ہر ایک میں عدم وقوع کا فتویٰ دیتے تھے۔ یہ سب صاحب ذخیرۃ کے الفاظ ہیں۔

رہے شافعیہ: تو ابن یونس نے شرح التنبیہ میں کہا ہے: اگر کہے: میرے لیے طلاق اور آزادی لازم ہے ان کی نیت کی تو وہ لازم ہوں گے۔ کیونکہ یہ نیت کے ساتھ کنایہ سے واقع ہوتے ہیں۔ اس لفظ میں احتمال ہے تو اس کو کنایہ بنا دیا۔ رویانی کہتے ہیں: طلاق میرے لیے لازم ہے۔ صریح ہے۔ اسے طلاق کے صریح الفاظ میں شمار کیا گیا ہے۔ شاید اس کی وجہ ارادہ طلاق کے لیے اس کا غالب استعمال ہے۔ قفال نے اپنے فتاویٰ میں کہا: یہ نہ صریح ہے اور نہ کنایہ حتیٰ کہ اس کے ساتھ طلاق واقع نہ ہوگی گو کہ اس کی نیت بھی کرلے۔ کیونکہ عورت کی طرف اضافت لازم ہے جو یہاں ثابت نہیں ہوئی یہ اس کے الفاظ ہیں۔

ہمارے شیخ نے یہ قول بعض اصحاب احمد سے بیان کیا ہے۔

اس باب میں مذاہب اربعہ میں اختلاف ان کے اصحاب کی کتب میں نقل کے ساتھ ہے۔ اس تفریق کی وجہ سے ایک اور ماخذ اس سے اچھا ہے جسے شرح والے نے بیان کیا ہے وہ یہ کہ طلاق کا لازم کرنا درست نہیں ہے۔ صرف طلاق دینا لازم آتا ہے۔ طلاق تو عورت پر واقع ہوتی ہے جو کہ اس کے لیے لازم ہے۔ مرد جو لازم کر رہا ہے وہ طلاق دینا ہے۔ طلاق عورت کے لیے لازم ہے جب واقع ہوگی۔

جب یہ واضح ہوگیا تو یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ طلاق دینا لازم کرنا وقوع طلاق کا موجب نہیں ہے۔ اگر مرد نے کہا: اگر تم یہ کرو گی تو مجھ پر لازم ہے کہ میں تجھ کو طلاق دوں، یا اللہ کے لیے مجھ پر لازم ہے کہ میں تجھ کو طلاق دے دوں، یا تجھ کو طلاق دینا مجھ پر لازم ہے یا مجھ پر واجب ہے اور اس نے قسم توڑ دی۔ اس پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کہہ دیا: اگر تو یہ کرے گی تو طلاق

مجھ کولازم ہوجائے گی۔ کیونکہ اس نے بس طلاق دینالازم کیا ہے۔ وہ اس کے[1] لازم کرنے سے واقع نہ ہوگی۔

دوسرے کہتے ہیں: اس پر حکم لازم ہوجائے گا جب وہ اس کے سبب کو لائے گا۔ وہ ہے طلاق دینا۔ اس وقت اس کو اس کا حکم لازم ہوگا۔ بلاشبہ اس نے طلاق دینا پورا بیان نہیں کیا۔ اس نے اس کو معلق بیان کیا ہے۔ پورا بیان کرنے سے بھی اس پر طلاق دینا لازم نہیں آتا۔ یہ معلق کرنے کے ساتھ کیسے لازم آئے گا؟

بصیرت والے اور انصاف والے بندے پر صحیح بات مخفی نہیں ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ

فصل: طلاق اور طلاق کی قسم

جن لوگوں نے طلاق اور طلاق کی قسم میں فرق ذکر کیا ہے۔ ان میں قاضی ابوالولید ہشام بن عبداللہ بن ہشام الازدی القرطبی ہیں۔ جنہوں نے اپنی کتاب "مفيد الحكام فيما يعرض لهم من نوازل الأحكام" میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔

وہ اپنے مجموعہ کی کتاب الطلاق میں کہتے ہیں: لازم ہونے والی قسموں کے متعلق انہوں نے اصحاب مالک کا اختلاف ذکر کیا۔ پھر کہا: مناسب نہیں کہ اس مسئلہ کو اسی طرح تقلیدی طریقہ سے قبول کیا جائے۔ اس کے ساتھ فہم کے نور کی خوشبو ملے گی اور اسے دلیل کی زبان واضح کرے گی۔ میں تمہارے لیے ایک نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہوں جس سے تم اپنے مقصد کو پالو گے ان شاء اللہ۔ وہ یہ ہے کہ طلاق واقع کرنے میں اور طلاق کی قسم کے مابین فرق ہے۔

المدونہ[2] میں دو کتابیں آ گئی ہیں۔ ایک کتاب خاص طلاق کے لیے ہے۔ جبکہ دوسری طلاق کی قسموں کے لیے۔ اس فن کے پیچھے مجموعی طور پر فقہ ہے۔

وہ یہ کہ شرع میں طلاق کی صورت: وہ حکم ہے جو عقد پر وارد ہو۔ جبکہ طلاق کی قسم ایک عقد[3] ہے اس کو سمجھنا چاہیے۔

جہاں عقد نہ ہو۔ وہاں کھلنا نہیں ہے۔ الا یہ کہ تم اس کو عقد کی جگہ سے کھلنے کی جگہ کی طرف نیت میں منتقل کر دو۔ اس سے لفظ اپنی حقیقت سے کنایہ کی طرف نکلتا ہے۔ یہ مسئلہ بیعت کی قسموں کے حوالہ سے حجاج[4] کے زمانہ میں ظاہر ہوا تھا۔ جبکہ شریعت اپنے اصول، فروع، حقائق اور مجازات کے ساتھ مستقل پہلے سے ہو چکی تھی۔ طلاق کی قسموں میں اس کے علاوہ کوئی اور بات نہیں جو میں تم سے ذکر کررہا ہوں۔ وہ یہ کہ طلاق دو طرح ہے۔

صریح اور کنایہ۔

صریح: ہر وہ لفظ ہے جو اپنے حکم کی حد ثابت کرنے میں بذات خود مستقل ہو۔

کنایہ: دو طرح کا ہے: کنایہ غالبہ اور غیر غالبہ۔

کنایہ غالبہ: ہر وہ کنایہ ہے جو لغت یا شرع کی وضع میں ثبوت طلاق کا احساس دلائے جیسے کوئی شخص عورت سے کہتا ہے: تو اپنے گھر والوں سے مل جا اور عدت گزار۔

---

① ایک تو طلاق ہے۔ دوسرا طلاق دینا ہے۔ محض یہ کہنے سے طلاق واقع نہ ہوگی کہ دے دوں گا جب تک عملاً طلاق نہ دی جائے۔ (مترجم)

② المدونہ فقہ مالکی کی ایک معتبر اور مفصل کتاب ہے۔ (مترجم)

③ عقد کا لغوی معنی "گرہ" ہے۔ جبکہ اس سے مراد نکاح بھی ہوتا ہے۔ (مترجم) ④ شاید حجاج بن یوسف مراد ہوں۔

غیر غالبہ: ہر وہ کنایہ جو لغت یا شرع کی وضع میں ثبوت طلاق کا احساس نہ دلائے۔ جیسے تم (عورت کو) کہو: تم مجھے کپڑا پکڑاؤ اور کہو کہ میں نے اس کے ساتھ طلاق کا ارادہ کیا تھا۔

جب ہم قسموں کے لفظ کو صریح طلاق پر پیش کرتے ہیں۔ یہ اس کی نوع سے نہیں ہے۔ جب ہم اس کو کنایہ پر پیش کرتے ہیں تو یہ اس کی نوع سے بھی نہیں سوائے قرینہ کے جو حال کی شہادت ہے یا عرف جو جاری ہے یا نیت جو لفظ سے ملتی ہو۔ اگر حال کی شہادت یا جاری عرف میں کسی احتمال کی وجہ سے اضطراب آ جائے تو نیت پر اطلاع ناممکن ہو جائے گی۔ حاکم یا کسی اور کے لیے فتویٰ میں قلم کو سیاہی میں ڈبونا جائز نہیں ہے جب تک وہ اس طرح کے معانی پر غور نہ کر لے۔ اگر حکم/فیصلہ فکری روشنی سے صادر نہ ہوا ہو جو مربوط معنی کا احساس دلائے تو وہ فیصلہ بجھنے والا ہے اور ناکام ہے۔

پھر کہتے ہیں: میں تمہیں بتاتا ہوں جو اس قسم کے بارے میں مجھ تک علماء کا کلام پہنچا ہے اور جو میں نے فقہاء کے اقوال دیکھے ہیں کہ یہ قسم بدعت ہے نئی گھڑ لی گئی ہے پہلے زمانوں میں نہیں تھی۔

پھر لازم ہونے والی قسموں کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ذکر کیا۔

المقصود: انہوں نے طلاق واقع کرنے اور طلاق کی قسم کھانے کے مابین عقلی، فطری اور شرعی فرق بیان کیا ہے کہ یہ دونوں اپنے حقائق، مقاصد اور الفاظ کے ساتھ مختلف باب ہیں تو حکم میں بھی ان دونوں کا الگ ہونا واجب ہے۔ رہا حقیقت میں ان دونوں کا الگ ہونا تو جیسے ذکر کیا گیا ہے کہ طلاق تو ایک گرہ کھولنا اور فسخ کرنا ہے۔ جبکہ قسم گرہ باندھنا اور لازم کرنا ہے۔ تب یہ دونوں مختلف حقیقتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ﴾ (المائدۃ:۸۹)

''اور لیکن وہ تمہارا مواخذہ کرے گا ان قسموں پر جن کو تم نے پختہ کیا ہے۔''

پھر حکم میں الگ ہونے کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا: جب قسم عقد ہوتی ہے تو اس سے کھولنا حاصل نہ ہوا۔ الا یہ کہ اس کو عقد کی جگہ سے کھولنے کی جگہ پر منتقل کر دیا جائے۔ یہ بات واضح ہے کہ شارع نے اس کو عقد سے کھلنے کی طرف منتقل نہیں کیا۔ اس کا اسی پر باقی رہنا واجب ہے جس کے لیے اس کو بنایا گیا ہے۔ جی ہاں! اگر اس کے ساتھ قسم کھانے والے نے اس کے ٹوٹنے پر وقوع طلاق کا ارادہ کیا تو اس نے اس کو عقد اور کھلنے کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ یہ وقوع میں کنایہ ہو جائے گا۔ جبکہ وہ اس کی نیت کر چکا تھا تو اس کے ساتھ طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ عقد کنایہ کے لیے درست ہے جبکہ اس کے ساتھ نیت بھی مل گئی ہے تو طلاق واقع ہوگی۔

اگر اس شخص نے محض عقد کا ارادہ کیا طلاق کی بالکل نیت نہیں کی۔ بلکہ اس کو یہ بہت ناپسند ہے۔ اس نے کوئی ایسا انداز اختیار نہ کیا جو اس کو اس کی شرعی وضع سے منتقل کر دے۔ نہ شارع نے اس کو اس سے منتقل کیا تھا تو قسم کا جو موجب ہے اس کے علاوہ اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا۔

انصاف کرنے والے عالم کو اس فرق پر غور کرنا چاہیے۔ اور وہ عالم اپنے دل کو کچھ دیر کے لیے تعصب، تقلید اور غیر دلیل کی

اتباع سے نکال دے۔

المقصود: قسم کا باب اور طلاق واقع کرنے کا باب دونوں حقیقت، لفظ اور مقصد میں مختلف ہیں تو حکم میں بھی ان دونوں کا مختلف ہونا واجب ہے۔ حقیقت کی بات تو گزر گئی ہے۔

رہا مقصد: تو قسم کھانے والے کا مقصود ترغیب ومنع یا تصدیق وتکذیب ہے۔ جبکہ طلاق دینے والے کا مقصد بیوی سے چھٹکارا ہوتا ہے اس کے ذہن میں ترغیب ومنع اور تصدیق وتکذیب میں سے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی۔ تو ان دونوں میں برابری کا حال مخفی نہیں ہے؟

رہا الفاظ میں ان دونوں کا اختلاف: تو قسم کے لفظ میں التزام قسمی ضروری ہوتا ہے جس میں جواب قسم بھی آتا ہے، یا تعلیق شرطی ضروری ہے جس کا مقصد شرط و جزاء کی نفی ہے یا وقوع شرط کو فرض کرنے پر وقوع جزاء ہے گو وہ اس کو ناپسند کرتا ہو اور اس کی نفی مقصود رکھتا ہو۔

پہلی صورت میں جو مقدم ہے وہ دوسری میں مؤخر ہے۔ جو پہلی میں منفی ہے وہ دوسری میں مثبت ہے۔ جبکہ واقع کرنے والے لفظ میں ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جس نے اس کا حقیقی تصور سمجھ لیا وہ اس مسئلہ میں حق کے ساتھ پختہ فیصلہ کرے گا۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ

چھٹا راستہ[1]: یہ کہ وہ معنی ختم ہو جائے جس کے لیے یہ قسم ہے۔ جب اس نے اس کے بعد قسم کھایا گیا کام کیا اس کی قسم نہیں ٹوٹی۔ کیونکہ اس کا قسم کے ساتھ روکنا ایک علت سے تھا۔ اس کے ختم ہونے سے یہ بھی ختم۔ یہ شرع کے اصول کے مطابق ہے۔ مذہب امام احمد وغیرہ کے موافق ہے جو قسم میں نیت اور مقصد کو معتبر سمجھتے ہیں۔ عام، خاص، مطلق اور مقید ہونے کے لحاظ سے۔ اگر قسم کھائے کہ میں فلاں عورت سے کلام نہ کروں گا۔ قسم کا سبب جس نے اس کو اس بات پر ابھارا ہے وہ اس عورت کا اجنبی ہونا ہے وہ ڈرتا ہے کہ اس سے کلام کر کے اس کی عزت کے پیچھے نہ لگ جائے۔ پھر اسی عورت سے شادی کر لیتا ہے تو اس سے کلام کر کے اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اس میں قسم کے سبب پر عمل کیا جائے گا۔ نیز جس نے خاص طور پر اسے اس پر ابھارا تھا کہ وہ اجنبیہ ہے یہ اس وقت ہے جب اس کی نیت نہ ہو جب تک وہ ایسے رہے۔ اگر اس کی نیت ہو تو قسم کو اس کے ساتھ مقید کرنے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

اس کی مثال یہ بھی ہے کہ آدمی قسم کھائے وہ فلاں سے کلام نہ کرے گا نہ اس سے دوستی کرے گا کیونکہ وہ بچہ ہے۔ جب وہ پورا مرد[2] بن گیا تو اس کی نیت اور قسم کا سبب اس کا بچپن تھا۔

اس کی مثال یہ بھی ہے کہ بندہ قسم کھائے: میں اس گھر میں داخل نہ ہوں گا اس شخص کی وجہ سے جو اس کے یہاں داخلے پر تہمت لگاتا ہے، وہ شخص مر گیا یا سفر کر گیا وہ اس گھر میں داخل ہو گیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔

اسی کے مطابق امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف نے فتویٰ دیا ہے کہ جس آدمی نے قسم کھائی کہ میں فلاں عورت کے گھر میں داخل

---

[1] پہلے پانچ راستے گزشتہ فصل میں مذکور ہیں۔ (مترجم)

[2] یعنی اس نے اس سے کلام کر لیا تو قسم نہ ٹوٹے گی۔ (مترجم)

نہ ہوں گا یا اس کے اس غلام سے کلام نہ کروں گا تو اس نے گھر یا غلام فروخت کر دیا۔[1]

اس کی مثال یہ بھی ہے کہ بندہ قسم کھائے وہ فلاں سے کلام نہیں کرے گا۔ اس کو قسم پر اس بات نے ابھارا کہ وہ تارک صلاۃ ہے یا سودی ہے یا شرابی ہے یا وہاں کا والی ہے۔ وہ اس بات سے بدل گیا۔ اس سے وہ صفت ختم ہوگئی جس کی وجہ سے اس نے قسم کھائی تھی تو اس سے کلام کرنے سے قسم نہیں ٹوٹی۔

اسی طرح اگر قسم کھائی کہ میں فلاں عورت سے شادی نہیں کروں گا۔ اس کو قسم پر کسی صفت نے ابھارا جو اس عورت میں اس وقت تھی مثلاً وہ زانیہ تھی یا کچھ اور۔ یہ صفت ختم ہوگئی تو اس سے شادی کر کے اس کی قسم نہیں ٹوٹی۔

یہ سب مثالیں اُن مقاصد کو ملحوظ رکھ کر ہیں جن پر الفاظ دلالت کرتے ہیں جب مقصد ظاہر ہو گیا تو وہی معتبر ہے۔

اس لیے اگر قسم کھائی کہ وہ فلاں کا حق کل ضرور ادا کر دے گا۔ اس کا مقصد یا سبب یہ ہو کہ وہ اس سے آگے نہ جائے گا، اگر اس نے اس سے پہلے ہی حق ادا کر دیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔

اگر قسم کھائی کہ وہ اپنا غلام ایک ہزار کے بغیر نہ بیچے گا۔ اس نے زیادہ میں بیچ لیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔

اگر قسم کھائی کہ وہ شہر سے والی کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گا۔ نیت اور سبب کا تقاضا جب تک یہ ہو اس کے ساتھ کچھ مقید کرنا ہو وہ والی ہٹ گیا تو اس کی اجازت کے بغیر نکلنے سے قسم نہیں ٹوٹی۔

اسی طرح اگر بندہ اپنی بیوی یا غلام یا لونڈی پر قسم کھائے کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر نہ نکلے ورنہ وہ طلاق دے گا یا آزاد کرے گا یا بیچ دے گا۔ ان کے بلا اجازت نکلنے پر اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ کیونکہ سبب اور مقصد کا تقاضا کسی چیز کے ساتھ مقید کرنا انتہائی واضح ہے۔

اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔

اکثر فقہاء اس کو معتبر جانتے ہیں۔ گو کہ کئی مواقع پر انہوں نے اس کی مخالفت بھی کی ہے۔ یہی درست ہے کیونکہ الفاظ میں اعتبار تو ان کی مقاصد پر دلالت کا ہوتا ہے۔ جب مقصد ظاہر ہو گیا اس کا اعتبار ہوگا۔ لفظ اس کے ساتھ مقید ہو جائے گا۔

اگر کسی کو دو پہر کے کھانے پر دعوت دی جائے۔ وہ قسم کھائے کہ وہ دو پہر کا کھانا نہیں کھائے گا۔ اس کی قسم اس ایک دو پہر کے کھانے کے ساتھ مقید ہو جائے گی کیونکہ نیت، سبب اور قسم کا مقصود اس کے علاوہ کا تقاضا نہیں کرتا نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

«أَنَّ الْأَعْمَالَ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى»[2]

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی ہے''

جس بات کی اس نے اپنی قسم سے نیت نہیں کی یا سبب اس کا تقاضا نہیں کرتا اس کو اس پر لازم کرنا جائز نہیں ہے۔

ایک سے زائد فقہاء جن میں ابن عقیل، ہمارے شیخ وغیرہ شامل ہیں نے اس شخص کے متعلق فتویٰ دیا ہے جس کو کہا گیا تیری عورت گھر سے نکلی یا اس نے فلاں مرد سے زنا کیا۔ اس نے کہہ دیا وہ طلاق والی ہے۔ پھر اس پر واضح ہوا کہ وہ گھر سے نہیں نکلی اور

---

[1] پھر وہ اس گھر میں داخل ہوا یا اس غلام سے بات کی تو قسم نہیں ٹوٹی۔ (مترجم)

[2] دیکھیے: مشکوٰۃ شریف۔ پہلی حدیث بحوالہ بخاری و مسلم۔

جس مرد کے ساتھ اس پر الزام لگایا گیا ہے وہ دور شہر میں ہے۔ اس کا اس عورت تک پہنچنا ممکن نہیں ہے یا جب عورت پر اس کے ساتھ الزام لگایا گیا وہ مر چکا تھا۔ وغیرہ صورتیں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ عورت نے زنا نہیں کیا۔ تو اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس نے تو عورت کو اس سبب کی بناء پر طلاق دی تھی۔ یہ گویا اس کی طلاق میں شرط تھی۔ یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ مذہب اور قواعد فقہ کا تقاضا اس کے علاوہ نہیں ہے۔ انہوں نے کہا ہے: اگر اس نے عورت کو کہا: تجھ کو طلاق ہے۔ اور کہا: میرا ارادہ تھا اگر تو کھڑی ہوگی۔ اس کو اختیار دیا جائے گا۔ اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔ یہ بھی برابر اس طرح کی مثال ہے۔

اس کی مثال یوں بھی ہے کہ مکاتب [1] نے اگر اپنے مالک کو مال دیا۔ اس نے کہا: تم آزاد ہو۔ پھر واضح ہوا کہ جو مال اس نے دیا وہ کسی اور کا حق تھا یا وہ کھوٹے سکے نکلے، آزادی واقع نہیں ہوگی۔ گو کہ وہ اس کی صراحت کر چکا۔ اسے اصحاب احمد اور شافعی نے ذکر کیا ہے۔ اس نے تو اس کو عوض کی سلامتی کی بناء پر آزاد کیا تھا۔ وہ سلامت نہیں تھا۔ تمام قواعد شرع کی بنیاد یہ ہے کہ اگر کوئی حکم کسی علت کے ساتھ ثابت ہو اس کے ختم ہونے سے وہ بھی ختم ہو جاتا ہے، اس کی امثلہ تو زائد از شمار ہیں۔

بہت زیادہ قسم ٹوٹنے سے چھٹکارے کا یہ طریقہ ہے۔

اگر تم ان طریقوں پر غور کرو گے تو تم دیکھو گے کہ جس راستے پر بھی تم چلو گے وہ ان حیلوں سے بہتر راستہ ہوگا جو یہ حیلے، قسم نہ ٹوٹنے کے لیے بناتے ہیں یہ چند اقسام ہیں:

پہلی: چھوڑنا۔ دوسری: قسم کا خلع۔ تیری: فساد نکاح کے لیے حیلہ کرنا یا ولی ہی اس فسق کو کرنے والا ہو، یا گواہ جو ریشم کی نشست پر بیٹھے ہوں وغیرہ۔ نکاح باطل ہو جائے گا۔ پس اس میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔ چوتھی: قسم کھائے گئے فعل پر حیلہ کرنا۔ اس کا نام یا صفت بدل کر یا اس کو ایک مالک سے دوسرے مالک کی طرف منتقل کر کے وغیرہ۔

جب وہ لوگ ان چار حیلوں سے مغلوب ہو گئے۔ وہ کرائے کے سانڈ کی طرف مجبور ہوئے انہوں نے اس کو کرائے پر لیا تا کہ [2] وہ زنا کرے اور اپنے زنا پر اجرت لے لے۔ جس شخص کو معلوم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگا۔ وہاں سوال ہوگا۔ اسے ان راستوں اور ان سے پہلے راستوں کے مابین موازنہ کرنا چاہیے وہ اللہ کے لیے اس کو سامنے رکھ کر اپنا فریضہ ادا کرے۔ تعصب اور جوش سے خالی ہو جائے۔ تو اس پر درست موقف مخفی نہیں رہے گا۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ.

فصل: حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق جو فرمایا:

﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ﴾ (ص:٤٤)

''اور اپنے ہاتھ میں جھاڑ و لو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔''

یہ تو عجب بات ہے جو شخص اس آیت سے حجت پکڑتا ہے۔ کہتا ہے کہ: اگر قسم کھائی وہ اس کو ضرور دس درّے مارے گا۔ وہ

---

[1] یہ وہ غلام ہے جو اپنے مالکوں سے آزادی کے لیے رقم کا معاملہ لکھ لے۔ (مترجم)

[2] یہاں حلالہ کو زنا اور حلالہ کرنے والے کو کرائے کا سانڈ کہا گیا ہے۔ (مترجم)

ان کو جمع کرے اور ان کے ساتھ وہ ایک ہی ضرب لگا دے وہ اپنی قسم میں پورا نہیں ہوگا۔

یہ قول اصحاب ابی حنیفہ، مالک اور اصحاب احمد کا ہے۔

شافعی کہتے ہیں: اگر معلوم ہوگیا کہ وہ سب اس کو لگ گئے ہیں۔ اس کی قسم پوری ہوگئی۔ اگر معلوم ہوا کہ سب نہیں لگے۔ اس کی قسم پوری نہیں ہوئی اور اگر شک ہوا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹی۔

اگر یہ قسم کھانے والے کی قسم پوری کر دے تو زانی، قاذف اور شرابی سے اس طرح تعدد ضرب ساقط ہو جائے گی کہ اس کے لیے سو درّے یا اسی درّے جمع کیے جائیں۔ پھر ان کے ساتھ اس کو ایک ہی ضرب لگا دی جائے۔ یہ بات تو مریض کے حق میں ہی کفایت کرتی ہے جیسے امام احمد نے اس مریض کے متعلق کہا: جس پر حد واجب ہو اس کو کھجور کے گچھے سے مارا جائے اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔

انہوں نے اس پر دلیل اس روایت سے لی ہے جو ابو امامہ بن سہل نے سعید بن سعد بن عبادۃ سے بیان کی ہے۔ کہتے ہیں: ہمارے گھروں میں ایک چھوٹا سا کمزور، لاغر سا آدمی رہتا تھا۔ اہل محلہ نے اچانک یہ پریشان کن خبر سنی کہ وہ وہاں کی لونڈیوں میں سے ایک پر واقع ہوگیا، اس سے خباثت کرنے لگا۔ کہتے ہیں: حضرت سعد بن عبادۃ نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کر دیا۔ وہ آدمی مسلمان تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو حد لگاؤ۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے پیغمبر! جو آپ سمجھتے وہ اس سے ضعیف تر ہے۔ اگر ہم نے اس کو سو ضربیں لگائیں ہم اس کو قتل کر دیں گے۔ فرمایا: اس کے لیے ایک کھجور کا گچھا لو جس میں سو نرم ٹہنیاں ہوں پھر اس کو اس سے ایک ضرب مارو۔ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ [1]

رہا حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ تو اس میں گہری فقہ ہے۔ ان کی بیوی ان کی بیماری سے چھٹکارے اور صحت کے لیے جو بھی ممکن ہو دوا تلاش کرتی تھی۔ جب شیطان اس کو ملا اور اس [2] نے کہا، جو بھی کہا۔ اس نے حضرت ایوب کو بتایا۔ فرمایا: یہ تو شیطان تھا پھر قسم کھائی کہ جب اللہ ان کو شفاء دے گا۔ وہ اس کو ضرور سو درّے ماریں گے۔ وہ ان کے بارے میں اچھا سوچنے والی اور صاحب عذر تھی۔ ان کی شریعت میں کفارہ نہیں تھا۔ اگر ان کی شرع میں کفارہ ہوتا وہ ضرور کفارہ کی طرف لوٹتے۔ ان کو اسے مارنے کی حاجت نہ پڑتی۔ ان کے ہاں حدود کی طرح قسم واجب ہوتی تھی۔ یہ بات ثابت ہے کہ جب لائق حد شخص کو کوئی عذر ہو اس سے تخفیف کی جاتی ہے کہ اس کے لیے سو ٹہنیاں یا سو درّے جمع کیے جاتے ہیں۔ اس کو ان سے ایک ضرب لگائی جاتی ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کا بھی عذر تھا۔ اسے [3] معلوم نہ تھا کہ شیطان اس سے مخاطب ہے۔ اس کا مقصد تو اچھا تھا۔ وہ سزا کی مستحق نہیں ہوتی تھی اللہ پاک نے اپنے نبی ایوب علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اس کے ساتھ عذر والا معاملہ کیا جائے۔ اس میں اس پر نرمی اور اس کے احسان کا بھی لحاظ تھا۔ اللہ نے قسم پوری کرنا اور اچھی اور معذور عورت جو سزا کی مستحق نہ تھی اس پر نرمی کو جمع کر دیا۔ حضرت

---

[1] مسند امام احمد، ج: ٥، ص: ٢٢٢۔

[2] اس نے کہا تھا: اگر تمہارا خاوند فلاں فلاں کلمہ کہہ دے تو شفاء پائے گا۔ یہ کلمہ اللہ کی توحید کے خلاف تھا۔ تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ (مترجم)

[3] اللہ کے نبی کی یہ بیوی بہت نیک اور فرمانبردار تھی۔ یہ اولیاء اور اصحاب کے سرداروں میں سے ہے لیکن اس کو شیطان کا فریب معلوم نہیں ہو سکا کیونکہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ (مترجم)

ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں قرآن کی نص کے موافق ہے، جبکہ حدیث کی نص اس ضعیف شخص کے بارے میں آئی ہے جس نے زنا کیا تھا تو اس نص کو اس کے مقام سے آگے نہ لے جایا جائے گا۔

اگر کہا جائے: تم اسی طرح کی مثال میں کہہ دو کہ جس نے قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی کو یا لونڈی کو ضرور سو ضرب لگائے گا۔ وہ دونوں تو معذور ہیں۔ ان کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ وہ سو ٹہنیاں جمع کر کے ضرب لگا کے اپنی قسم کو پورا کر لے گا؟ اس کے جواب میں کہا جائے گا: اللہ پاک نے اس سے نکلنے کا راستہ کفارہ سے بنایا ہے۔ یہاں وہ قسم پوری کرنے میں اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔ اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے۔ دوسرا طریقہ درست نہیں ہے۔ قسم ٹوٹے گی اور وہ کفارہ دے گا۔ اس کے لیے درست نہیں ہے کہ وہ اس کو اکھٹے یا الگ الگ مارے۔

اگر کہا جائے: جب ضرب حد کی طرح واجب ہو تو تمہارا کیا قول ہے اس کو اس طرح فائدہ ہو گا؟

جواباً کہا جائے گا۔ بعض عذر کے خاتمہ کی امید کی جاتی ہے جیسے سخت گرمی اور سردی اور معمولی مرض ہے۔ اس کے خاتمہ کا انتظار کیا جائے گا۔ پھر اس پر واجب حد لگائی جائے گی۔ جیسے صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«ان امة لرسول اللهﷺ- زنت، فامرني ان اجلدها، فاتيتها، فاذا هي حديثه عهد بنفاس، فخشيت ان جلدتها ان اقتلها، فذكرت ذلك لرسول اللهﷺ، فقال: احسنت، اتركها حتى تماثل»[1]

''رسول اللہ ﷺ کی ایک لونڈی نے زنا کیا۔ آپ ﷺ نے مجھ کو حکم دیا کہ میں اس کو حد لگاؤں۔ میں اس کی طرف گیا تو ابھی اس کا نفاس[2] نیا نیا تھا میں ڈرا کہ اگر میں نے اس کو حد لگائی میں اس کو قتل کر دوں گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ فرمایا: تم نے اچھا کیا۔ تم اس کو چھوڑ دو حتیٰ کہ وہ صحت مند ہو جائے۔''

فصل: کھجوروں میں حیلہ کا جواب

رہی حضرت بلال کی کھجوروں کے متعلق حدیث کہ نبی ﷺ نے ان کو فرمایا:

«بِعِ التَّمْرَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ اشْتَرِ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيْبًا»[3]

''تم کھجوروں کو دراہم کے بدلے بیچو۔ پھر دراہم کے ساتھ عمدہ کھجوریں خریدو۔''

ہمارے شیخ نے کہا: اس میں متعدد وجوہ سے غیر مقصود بیوع پر حیلوں کے لیے دلالت موجود نہیں ہے۔

پہلی وجہ: نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا پہلے اپنا مال بیچو۔ پھر اس کی قیمت کے ساتھ دوسرا مال خریدو۔ معلوم ہوا کہ اس کا تقاضا صحیح بیع ہے۔ جب دو بیوع صحیح صورت میں ہوں تو بلاشبہ جائز ہیں۔

[1] صحيح مسلم، ج: ٣، ص: ١٣٣٠، حديث: ٣٤/ ١٧٠٥۔

[2] یعنی ابھی قریب وقت میں ہی اس نے بچے کو جنم دیا تھا۔ (مترجم)

[3] صحيح بخاری، ج: ٣، ص: ٣٤؛ سنن النسائی، ج: ٧، ص: ٢٧١۔

ہم کہتے ہیں: ہر صحیح بیع ملکیت کا فائدہ دیتی ہے۔لیکن بیوع کی وہ حالتیں جن پر سنت اور اقوال صحابہ کی دلالت ہے کہ وہ سود ہیں۔گو بظاہر بیوع ہیں لیکن وہ فاسد بیوع ہیں۔معلوم ہوا کہ ایسی بات اس حدیث میں داخل نہیں ہوگی۔اگر دو آدمیوں کا اس طرح کی بیع کے متعلق اختلاف ہو جائے کہ آیا وہ صحیح ہے یا فاسد؟ ان میں سے ایک اس کو ان الفاظ میں داخل کرنا چاہے اس کے لیے یہ ممکن نہیں حتیٰ کہ ثابت ہو جائے یہ بیع صحیح ہے۔جب اس نے ثابت کر دیا کہ یہ بیع صحیح ہے اس کو اس حدیث سے استدلال کی ضرورت نہیں پڑے گی تو واضح ہو گیا کہ اختلاف کی صورتوں میں کسی صورت بھی اس میں حجت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی مثال یہ ہے کہ غائب کی بیع یا تین سے زائد کے خیار کی شرط پر بیع یا شرط برأت وغیرہ کی بیع پر اس سے حجت پکڑی جائے جن بیوع میں اختلاف ہے۔جھگڑنے والا کہے: شارع نے بیع کا اذن مطلق رکھا ہے اس کو مقید نہیں کیا۔

حقیقت امر یہ ہے کہ کہا جائے گا: بیع کا جو امر مطلق ہے اس کا تقاضا بیع صحیح ہے۔ہم تسلیم نہیں کرتے کہ بیع کی یہ صورت جس پر وہ دونوں متفق ہوئے ہیں یہ بیع صحیح ہو۔

دوسری وجہ: اس حدیث میں عموم نہیں ہے۔کیونکہ فرمایا: دراہم کے ساتھ عمدہ کھجوریں خریدو۔حقیقت مطلقہ کا امر اس کی قیود میں سے کسی چیز کا امر نہیں ہے۔کیونکہ حقیقت افراد میں مشترک ہوتی ہے۔جو قدر مشترک ہے وہ افراد میں سے ہر ایک کو دوسرے سے ممتاز نہیں کرتی۔نہ ہی اس کے لیے لازم ہے۔جو امر مشترک ہو وہ کسی حال میں بھی ممیز نہیں ہے۔جی ہاں! وہ ان بعض قیود کو لازم ہوتا ہے لیکن بعینہٖ نہیں۔وہ اس کے لیے بر سبیل بدل عام ہوتا ہے۔لیکن بر سبیل جمع یہ افراد کے عموم کا تقاضا نہیں کرتا اور یہی مطلوب ہے۔کسی کا کہنا: ''تم اس کپڑے کو بیچو''۔اس کو زید یا عمرو کو بیچنے کا تقاضا نہیں کرتا۔نہ ہی اتنے اتنے میں، نہ ہی اس یا اس بازار میں۔کیونکہ لفظ کی ان میں سے کسی پر کچھ دلالت نہیں ہے۔لیکن اگر نامزد کر کے لائیں گے تو اس وجود کی حقیقت کی جہت سے عمل لازم ہوگا، نہ کہ ان قیود کے وجود کی جہت سے۔جب یہ واضح ہو گیا تو حدیث میں یہ نہیں کہ آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا ہو کہ اس مشتری سے خریدے نہ حکم دیا کہ دیگر سے خریدے، نہ اس ملک کی کرنسی سے نہ دیگر سے نہ موجود قیمت سے نہ آئندہ قیمت سے۔یہ قیود مفہوم لفظ سے خارج ہیں۔اگر کوئی کہنے والا کہے کہ لفظ ان سب کو شامل ہے تو وہ آدمی باطل بات کرتا ہے۔لیکن جب لفظ اجزاء پر آئے تو وہ ان کو مانع نہیں ہے۔بعض لوگ کہتے ہیں: قیود کا حکم نہ ہونا عدم اجزاء کو لازم ہوتا ہے جب وہ ان کو لائے مگر قرینہ کے ساتھ۔یہ واضح غلطی ہے۔لفظ جو ہے وہ قیود کی نفی یا ان کے اثبات کے درپے نہیں ہوتا۔نہ فرمانبرداری کو اداء کرنا نہ ان کو چھوڑنے پر ہی۔گو کہ جس کا حکم دیا گیا وہ ان میں سے ایک سے خالی نہیں ہوتا۔اس کے وقوع کی ضرورت ایک متعین بات ہے۔یہ واقعہ کے لوازم سے ہے۔یہ مقصود امر نہیں ہے۔امر تو ان لوازم سے مستفاد ہے یا ان کی نہی الگ دلیل سے ہے۔

اس جواب سے معاملہ اس شخص کے قول سے الگ ہو گیا جس نے کہا: اگر مشتری سے خریدنا حرام ہوتا ہے تو ضرور اس سے منع کیا جاتا۔آپ ﷺ کے فرمان کا مقصود تو صرف وہ راستہ بتانا ہے جس کے ساتھ اس شخص کے لیے اچھی کھجور خریدنا ممکن ہو جائے، جس کے پاس ردی کھجور ہے۔وہ اس طرح کہ وہ ردی کھجور کو قیمت کے ساتھ بیچے پھر اچھی خریدے۔آپ ﷺ بیع کی شروط اور اس کے موانع سے متعلق نہ ہوئے۔اس حدیث سے مخصوص شرط کی نفی پر حجت پکڑنے کا کوئی معنی نہ ہے۔جیسا کہ اس سے دیگر شروط کی

نفی پر حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔

یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے حجت پکڑنے کے درجہ میں ہے:

﴿وَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ (البقرة:١٨٧)

''اور تم کھاؤ اور پیو حتیٰ کہ تمہارے لیے سفید دھاری فجر کے وقت کالی دھاری سے واضح ہو جائے۔''

اس سے ہر کچلی والے درندے، پنجے والے پرندے اور ان چیزوں کے پینے کی حلت پر حجت پکڑی جائے جن میں اختلاف ہے۔ وغیرہ۔ اس سے استدلال غیر صحیح استدلال ہے۔ بلکہ یہ بہت باطل استدلال ہے کیونکہ لفظ کا اس سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ نہ اس سے کسی ماکول ومشروب کی حلت مراد ہے۔ اس سے مقصود تو صرف کھانے، پینے کے وقت اور اس کی انتہاء[1] کا بیان ہے۔

اسی طرح جس نے اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ (النور:٣٢)

''تم اپنے میں سے بغیر شادی والوں کی شادی کروادو۔''

سے زانیہ قبل التوبہ سے نکاح کے جواز پر استدلال کیا۔ نیز حلالہ کرنے والے کے نکاح، چوتھی کی عدت میں پانچویں سے نکاح، نکاح متعہ، نکاح شغار[2] وغیرہ باطل نکاحوں کے درست ہونے پر استدلال کیا تو اس کا استدلال باطل ہے۔

اسی طرح جس نے اللہ کے فرمان:

﴿وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ﴾ (البقرة:٢٧٥)

''اور اللہ نے بیع کو حلال کر دیا ہے'' سے کتے کی بیع یا دیگر مختلف فیہ بیع کی حلت پر استدلال کیا تو اس کا استدلال باطل ہے۔ آیت میں اس کا بیان مراد نہیں ہے۔ یہاں تو مراد سود کے معاملہ اور بیع کے معاملہ کے مابین فرق ہے، کہ اس ذات پاک نے اس کو حرام اور اس کو مباح کیا ہے۔ اگر اس سے یہ سمجھا جائے کہ اس نے ہر چیز کی بیع کو حلال کر دیا ہے تو یہ درست نہیں اور یہ اس فرمان:

﴿وَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ (الاعراف:٣١)

''اور تم کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو'' سے ہر ماکول ومشروب کی حلت پر استدلال کے مرتبہ میں ہے۔ اور یہ آپ ﷺ کے فرمان:

«مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَائَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ»[3]

''جو تم میں سے نکاح کی طاقت رکھے اس کو چاہیے کہ وہ شادی کرے۔''

سے استدلال کے مرتبہ میں ہے، کہ اختلافی نکاحوں کی حلت پر اس سے استدلال کیا جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان:

---

[1] یعنی روزہ دار کے لیے بوقت سحری کھانے کے وقت کا ذکر ہے۔ (مترجم)

[2] اس کو ہماری اصطلاح میں وٹہ سٹہ کا نکاح کہتے ہیں۔ (مترجم)

[3] صحيح بخاری، ج: ٢، ص: ٢٢٩؛ مسند امام احمد، ج: ١، ص: ٣٧٨۔

﴿ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡهُنَّ لِعِدَّتِہِنَّ ﴾ (الطلاق:۱)

''جب تم عورتوں کوطلاق دوتوان کوان کی عدت کے لیے طلاق دو۔''

سے استدلال کے مرتبہ میں ہے کہ اس سے اکٹھی تین کے جواز اور نفوذ پر نیز مجبور کیے گئے اور مدہوش شخص کی طلاق کی صحت پر استدلال کیا جائے۔

اسی طرح اللہ کے فرمان: ﴿ وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۲۱) ''اورتم مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ مومن ہو جائیں''۔ سے استدلال کے مرتبہ میں ہے کہ اس سے بلا ولی وبغیر گواہ وغیرہ مختلف فیہ صورتوں والے نکاحوں کی صحت پر استدلال کیا جائے۔اسی طرح اللہ کے فرمان:

﴿ فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَـكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ (النساء:۳)

''پس تم نکاح کرو اس سے جو عورت تم کو اچھی لگے۔''

سے استدلال کے مرتبہ میں ہے کہ اس سے اختلافی نکاحوں کی صحت پر استدلال کیا جائے جیسے نکاح متعہ، حلالہ شغار/ وٹہ سٹہ، بغیر ولی و گواہ نکاح، بہن کی عدت میں اس کی بہن سے نکاح، زانیہ سے نکاح، بلا مہر نکاح وغیرہ۔ یہ سب نظر ومناظرہ میں فاسد استدلال ہے۔

تعجب ہے کہ اس مسلک پر چلنے والے لوگ امام ابن حزم پر ان کی طرف سے اللہ کے اس فرمان سے استدلال پر رد کرتے ہیں ﴿ وَعَلَى الۡوَارِثِ مِثۡلُ ذٰلِكَ ﴾ (البقرۃ:۲۳۳) ''اور وارث پر اسی طرح ہے'' کہ خاوند کا خرچہ اس کی بیوی پر لازم ہے جب وہ خرچ سے تنگ دست ہو جائے۔عورت کے پاس مال ہو جو وہ اس پر خرچ کر سکے تو وہی اس کی وارث ہے۔یہ ان استدلالات سے صحیح تر ہے۔یہ استدلال لفظ ومعنی سے عام کے ساتھ ہے۔اس میں حکم کو اس معنی مقصود سے معلق کیا گیا ہے جو عموم کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ جو طلاق والی ہے اس میں لفظ ومعنی میں کوئی عموم نہیں ہے، نہ اس سے وہ صورتیں مقصود ہیں جن پر انہوں نے استدلال کیا ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا تو آپ ﷺ کے فرمان ''سب کو دراہم کے ساتھ بیچو پھر دراہم کے ساتھ عمدہ کھجوریں خریدو'' سے استدلال کسی بھی صورت بیع عینہ کے جواز پر دلالت نہیں کرتا۔جس شخص نے اس سے اس کی صحت یا جواز پر استدلال کیا تو اس کا استدلال باطل ہے۔

یہ اکثر نہیں ہوتا کہ دراہم سے کھجوریں بیچنے والا اسی مشتری سے خریدے کہ کہا جا سکے یہ صورت غالب ہے۔ بلکہ غالب یہ ہے کہ وہ اسے بازار والوں پر عام پیش کرتا ہے یا جہاں چاہے وہ بیچتا ہے یا اس پر آواز لگاتا ہے جب وہ کسی کے ہاتھ اس کو بیچ دیتا ہے تو اس کے پاس وہ مال ہو سکتا ہے جو اسے مطلوب ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔

اسی کی مثال ہے کہ اگر کسی آدمی نے اس میں اپنے وکیل سے کہا: یہ روئی بیچو اور اس کی قیمت سے روئی/ کاٹن کے کپڑے خریدو یا یہ پرانی گندم بیچو اور اس کی قیمت سے نئی خریدو۔اس کے ذہن میں اس کے مشتری سے ہی اس کو خریدنا نہیں آئے گا۔ بلکہ وہ جہاں اپنا مال پائے گا وہاں سے خریدے گا۔اس کی غرض کا کسی اور کے پاس ہونا اسی کے پاس ہونے سے زیادہ غالب ہے۔

اگر کہا جائے: ٹھیک ہے، جی بات اسی طرح ہے۔آپ ﷺ نے اس کو اس صورت سے منع کیوں نہ کیا گو وہ اس کے لفظ میں

داخل نہ تھی؟ آپ ﷺ کا اس کو مطلق چھوڑنا اس سے عدم نہی کی دلیل ہے۔

جواباً کہا جائے گا: لفظ کا اطلاق اس سے منع کا تقاضا نہیں کرتا نہ ہی اس کی اجازت کا۔ جیسے کہ اس کا بیان گزر چکا۔ پھر اس کی اجازت اور منع کا حکم دوسری جگہ سے مستفاد ہوگا۔ اس لفظ میں انتہاء یہ ہے کہ اس سے خاموشی برتی گئی۔ پس اس کی تحریم ان ادلہ سے لی گئی ہے جو تحریم عینہ [1] پر دلالت کرتی ہے۔

تیسری وجہ: آپ ﷺ کا فرمانا ''سب کو دراہم کے ساتھ بیچو'' اس سے مفہوم بیع مقصود ہے۔ جو اس شرط سے خالی ہو جو اس کے مقصود ہونے سے مانع ہو۔ برخلاف اس بیع کے جو مقصود نہ ہو۔ اگر کہے: یہ کپڑا بیچو یا میں نے یہ کپڑا بیچا۔ اس سے مجبور کیے گئے کی بیع نہ سمجھی جائے گی۔ نہ مذاق کرنے والے کی بیع۔ نہ کسی لالچ کی بیع۔ اس سے وہی بیع سمجھی جائے گی جس سے مقصود اس عوض کا نقل کرنا ہے۔ اس کا بیان گزر چکا ہے۔

اس کی وضاحت یوں ہے کہ اس طرح کے دو آدمی کبھی اولاً کھجور کی کھجور کے ساتھ کمی/بیشی کے ساتھ بیع پر راضی ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ دونوں دراہم کو غیر مقصود کے لیے حلال کرنے والے بناتے ہیں۔ مقصود تو ایک صاع کی دو صاع کے بدلے بیع ہے۔ معلوم ہوا کہ شارع اس طرح کی اجازت نہیں دیتا چہ جائیکہ وہ اس کا حکم دے یا اس کی طرف راہنمائی کرے۔

چوتھی وجہ: نبی ﷺ نے ''ایک بیع میں دو بیع سے منع کیا ہے'' [2] جب وہ دونوں متفق ہوگئے کہ وہ اس کو قیمت کے ساتھ بیچے گا پھر وہ اس کو اس سے خریدے گا تو یہ ایک بیع میں دو بیع بن گئیں۔ یہ حدیث میں داخل نہیں ہے کیونکہ جس سے روکا جا رہا ہے وہ اجازت دیے گئے کو شامل نہیں ہے اس کی وضاحت کے لیے دیکھیے:

پانچویں وجہ: وہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''سب کو دراہم کے ساتھ بیچو پھر دراہم کے ساتھ عمدہ کھجور خریدو'' اس کا تقاضا ایک بیع ہے جو نئی ہے۔ جس کا آغاز ہے پہلی بیع ختم ہو جائے گی۔ اگر وہ دونوں شروع معاملہ میں ہی اس بات پر متفق ہوئے کہ میں تجھ کو بیچوں گا اور تجھ سے خریدوں گا۔ وہ دونوں اکٹھے دو معاملوں پر متفق ہو گئے۔ یہ اجازت والی حدیث میں داخل نہیں۔ بلکہ ممانعت کی حدیث میں ہے۔

چھٹی وجہ: اگر فرض کیا جائے کہ حدیث میں عموم لفظی ہے۔ یہ بے شمار صورتوں کے ساتھ خاص ہے۔ ہر فاسد بیع اس میں داخل نہیں ہے۔ اس کی دلالت کمزور ہو جائے گی۔ اس سے وہ صورت خاص ہو جائے گی جس کا ہم نے ان دلائل کے ساتھ ذکر کیا ہے جو نصوص ہیں یا نصوص کی طرح ہیں ان کو عموم سے نکالنا بہت آسان ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ۔

فصل: تجارت حاضرہ

اس سے باطل حیلوں کے جواز پر استدلال کا بطلان واضح ہو گیا یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ ﴾ (البقرۃ:۲۸۲)

''الا یہ کہ تجارت حاضر ہو جس کو تم آپس میں پھیرتے ہو۔''

---

[1] کسی چیز کو اس کی اصل قیمت سے زائد پر ادھار بیچنا عینہ ہے۔ (مترجم)

اللہ پاک نے جو مقصود بیوع اپنے تمام بندوں کے لیے مشروع کی ہیں۔ ان کو ان کی معیشت کی مضبوطی اور انجام خیر کے لیے مقرر کیا ہے ان کی موجود اور مؤخر قسمیں بنائی ہیں۔ پھر ان کو حکم دیا ہے کہ وہ مؤخر بیوع میں لکھنے اور گواہوں سے اعتماد حاصل کر لیں۔ اگر سفر میں ان کو یہ نہ مل سکیں وہ اپنے اموال کو بچانے کے لیے گروی سے اعتماد حاصل کر لیں۔ تا کہ وہ انکار یا بھول سے حقوق کے بطلان سے چھٹکارا پالیں۔ پھر ان کو خبر دی کہ ان پر حرج نہیں اگر وہ موجود بیوع میں اس کو ترک کر دیں کیونکہ اس میں باہم حسد اور نسیان کی خرابی ہے تو حاضر تجارت سے مراد وہ ہے جو عموماً لوگوں کے مابین چلتی ہے۔

اصحاب رسول اللہ ﷺ، ان کے تابعین، تبع تابعین، اہل تفسیر اور ائمہ فقہاء میں سے کسی نے بھی اس سے دو سود والوں کے مابین چلتا ہوا سود کا معاملہ مراد نہیں لیا۔ بلکہ انہوں نے سود کی تحریم والی نصوص سے اس کی حرمت ہی سمجھی ہے۔ بلاشبہ ان کو ان نصوص میں داخل کرنا ان کو اس آیت میں داخل کرنے سے زیادہ مناسب ہے۔

اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ ان دونوں کے مابین چلنے والا سود کا یہ معاملہ اکثر اوقات مؤخر کے بغیر نہیں ہوتا کہ آدمی کسی سے حال میں ایک مال موجودہ قیمت پر خریدتا ہے۔ پھر اس کو وہ اس کے ہاں مؤخر وقت تک زیادہ میں بیچتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس پر اکثر گواہوں اور لکھائی کی ضرورت انکار کے ڈر سے مطلوب ہوتی ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے:

﴿اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ﴾ (البقرة:۲۸۲)

''الا یہ کہ تجارت حاضر ہو جس کو تم باہم چلاتے ہو تو تم پر حرج نہ ہے کہ اگر تم اس کو نہ لکھو۔''

اس کو اپنے اس فرمان سے مستثنیٰ کر دیا:

﴿اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ﴾ (البقرة:۲۸۲)

''اے اہل ایمان جب تم قرض کا باہم معاملہ ایک نامزد مدت تک کرو تو تم اس کو لکھا کرو۔''

یہ جو سود کا معاملہ ہے اس پر دونوں کا اتفاق ایک نامزد مدت تک قرض میں ہے، وہ دونوں متفق ہوئے کہ سو کے بدل ایک سو تیس وغیرہ ہوں گے۔ اس کا اُس تجارت حاضرہ سے کیا تعلق ہے جس کو لوگ پہچانتے ہیں؟ اس میں اور اس میں تجارت اور سود کا فرق ہے۔

اللہ کے اور اس کے پیغمبر ﷺ کے کلام میں، لغت عرب میں اور لوگوں کے عرف میں تجارت ان تحریکات کا نام ہے جن میں مقصود بیوع ہوں۔ جن میں قیمت اور چیز مقصود ہو۔ جس پر یہ دونوں متفق ہوئے ہیں محض سود ہے۔ پھر انہوں نے ایسی بیع ظاہر کی ہے جو ان دونوں کے لیے بالکل مقصود نہیں ہے۔ وہ اس کو اس بات کا ذریعہ بنا رہے ہیں کہ ایک اس کو اب سودے گا دوسرا اس کو آئندہ ایک سو بیس مؤخر دے گا۔ یہ وہ تجارت نہیں ہے جس کی اجازت دی گئی ہے بلکہ یہ سود میں سے ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

فصل: اشاروں سے حیلوں پر جواز کا استدلال

رہا تمہارا اشارات/کنایات سے حیلوں کے جواز پر استدلال! تو یہ استدلال کس قدر باطل ہے۔ کہاں وہ اشارات جن کے ساتھ انسان ظلم اور کذب سے چھٹکارا پاتا ہے۔ کہاں وہ حیلے جن کے ساتھ اللہ کے فرض کو ساقط کیا جاتا ہے۔ اللہ کے حرام کو حلال

بنایا جاتا ہے۔ اشارے والے نے اللہ کو سامنے رکھ کر کلمہ حق بولا اور سچی بات کہی۔ بالخصوص اگر اس نے لفظ سے اپنے دل میں بھی خلاف ظاہر معنی کی نیت نہیں کی تھی، یہاں تو سامع کے فہم کی کمزوری اور لفظ کی دلالت میں معرفت کی کوتاہی ہے۔ نبی ﷺ کے اشارات اور آپ ﷺ کا مزاح اکثر اس باب سے ہے۔ جیسے آپ ﷺ نے فرمایا: ہم پانی سے ہیں۔[1] ہم تجھ کو اونٹنی کے بچے پر سوار کرنے والے ہیں۔[2] تیرا خاوند وہ ہے جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے۔[3] جنت میں کوئی بوڑھی داخل نہ ہوگی۔[4] سلف کے اکثر اشارات بھی اسی طرح کے ہوتے تھے۔

لفظ سے اشارہ کرنے والے کا مقصد وہ ہے جس کے لیے لفظ بنایا گیا ہے وہ اس پر بہر حال دلالت کرتا ہے اور اس کو ثابت کرتا ہے۔ وہ اپنے اشارے سے حدود کلام سے نہیں نکلتا۔ کلام میں حقیقت اور مجاز۔ عام اور خاص۔ مطلق اور مقید۔ مفرد اور مشترک۔ متضاد اور مترادف ہوتے ہیں۔ کبھی لفظ کی دلالت مفرد کے حساب سے ہوتی ہے کبھی مجموعہ کے حساب سے۔ اس کا ان حیلوں سے کیا تعلق ہے جن کا عقد اصلاً مشروع نہیں ہے نہ یہ اس کا تقاضا ہے نہ شرعاً اور حقیقتاً یہ اس کا موجب ہے؟

دوسرا فرق یہ ہے کہ اگر اشارے والا اپنے مقصد کی صراحت کرے وہ نہ باطل ہوگا اور نہ حرام۔ برخلاف حیلہ والے کے اگر اس نے اپنے مقصد کی صراحت صورت عقد کے اظہار کے ساتھ کی یہ حرام اور باطل ہے۔ حیلہ سے سود لینے والا اگر کہے: میں نے تجھ کو موجودہ سو ایک سال تک ایک سو بیس میں بیچا تو یہ حرام اور باطل ہے۔ یہی اس کا اصل مقصود ہے اور دوسرے کا مقصود بھی ہے۔ اسی طرح اگر قرض دینے والا کہے: میں نے تجھ کو ایک ہزار قرض اس شرط پر دیا کہ تو اسے مجھے لوٹائے گا تو اس کے ساتھ یوں اضافہ بھی ہوگا۔ یہ حرام اور باطل ہے اور یہی اُن کا اصل مقصود ہے۔

اسی طرح اگر حلالہ کرنے والا شخص کہتا ہے۔ میں نے اس عورت سے شادی کی ہے تا کہ میں اس کو تین طلاق دینے والے بندے کے لیے حلال کر دوں۔

اشارہ کرنے والا اگر اپنے مقصود کی صراحت کرے گا وہ حرام نہیں ہوگا تو ان میں سے ایک کہاں اور دوسرا کہاں ہے؟

تیسرا فرق یہ ہے کہ اس نے اور اشارے والے نے بات سے وہ مقصود رکھا ہے جس کا لفظ میں احتمال ہے یا وہ اس کا تقاضا کرتا ہے۔ حیلہ والا معاملے سے وہ مقصود رکھتا ہے جس کا احتمال نہیں ہوتا نہ وہ اس کا تقاضا کرنے والا ہوتا ہے نہ شرعی طور پر نہ عرف

---

① اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب آپ ﷺ نے ایک آدمی سے جنگی معلومات لیں اس نے آپ ﷺ سے پوچھا۔ آپ کس سے ہیں؟ فرمایا: ہم پانی سے ہیں۔ اس نے سمجھا کہ آپ "بنو الماء" سے ہیں۔ اس لیے وہ آپ کو معلومات دیتا رہا۔ (مترجم)

② آپ ﷺ سے کسی نے اونٹ سواری کے لیے طلب کیا۔ فرمایا: ہم تم کو اونٹ کے ایک بچے پر سوار کرنے والے ہیں۔ اس نے کہا: میں اونٹ کے بچے کا کیا کروں گا؟ فرمایا: اونٹ بھی تو کسی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ (عفیفی)

② الطبقات السنیه، ج: ۱، ص: ٦١ میں ہے ایک عورت آپ ﷺ کے پاس آئی کہا: میرا خاوند مریض ہے وہ آپ ﷺ کو بلاتا ہے۔ فرمایا: شاید تیرا خاوند وہ ہے جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے؟ وہ لوٹ گئی جا کر اپنے خاوند کی آنکھیں کھولیں۔ اس نے پوچھا تو اس نے نبی ﷺ کی بات بتائی۔ خاوند نے کہا: ہر آدمی کی آنکھ میں سفیدی ہوتی ہے۔ (عفیفی)

③ بمطابق حوالہ گزشتہ۔ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی۔ کہا: میرے لیے دعا کریں اللہ مجھے جنت میں داخل کرے۔ فرمایا: اے ام فلاں! کوئی بوڑھی عورت جنت میں داخل نہیں ہوگی۔ وہ روتی ہوئی چلی گئی۔ فرمایا: اس کو بتا دو کہ وہ بوڑھی حالت میں جنت میں داخل نہیں ہوگی (بلکہ جوان ہوگی) (عفیفی)

میں اور نہ حقیقت میں۔

چوتھا فرق: اشارہ کرنے والے کا مقصد صحیح ہے۔ اس کا ذریعہ جائز ہے۔ اس پر اس کے مقصود کے لیے کوئی پابندی نہیں ہے نہ اس کے مقصود تک اس کے ذریعہ میں ہی۔ برخلاف حیلہ کرنے والے کے۔ اس کا مقصود حرام ہے۔ اس کا ذریعہ باطل ہے جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے۔

پانچواں فرق: مباح اشارہ کسی بھی طرح اللہ پاک کو دھوکہ دینا نہیں ہے۔ اس کی حد یہ ہے کہ یہ مخلوق کے لیے دھوکہ ہے۔ شارع نے ظالم کو اس کے بدلہ کے لیے دھوکہ دینا جائز بتایا ہے۔ ظالم کو دھوکہ دینے کے جواز سے حق والے کو دھوکہ دینے کا جواز لازم نہیں آتا۔ جو کوئی اشارہ فی نفسہ ظاہر لفظ میں خلاف ہے وہ قبیح ہے۔ سوائے وقت حاجت کے۔ جو اس طرح نہ ہو وہ جائز ہے ماسوائے جب اس میں کوئی خرابی ہو۔ مذموم حیلوں میں جو داخل ہے وہ تو پہلی بات ہے۔ اشارہ کرنے والا شر کو دفع کرنا مقصود رکھتا ہے۔ جبکہ باطل حیلہ والے کا مقصد حق کو دور کرنا ہے۔

جس طرح اشارہ/کنایہ قول سے ہے۔ اسی طرح فعل سے بھی ہے۔ جیسے لڑنے والا ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی طرف جا رہا ہے۔ وہ اس طرف سفر کرتا ہے تا کہ دشمن سمجھے کہ یہ میری طرف نہیں آ رہا۔ پھر اس پر لوٹ کر حملہ کر دے۔

جس طرح لڑنے والا اپنے مخالف کے سامنے اپنی شکست ظاہر کرے تا کہ وہ اس کی ہزیمت کا گمان کرلے پھر وہ اس پر الٹ کر حملہ کر دے۔

جس طرح کوئی اپنے ضعف اور عجز کا اظہار کرے جس سے وہ اس کے غلبہ اور تکلیف سے نجات پائے۔ وغیرہ

کبھی یہ اشارہ قول اور فعل دونوں سے ہوتا ہے۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: ''میرے پاس چھری لاؤ۔ میں اسے تم دونوں کے مابین چیر دیتا ہوں'' [1] کبھی بہرے پن کے اظہار سے کہ آدمی نہیں سن رہا۔ کبھی نیند کے اظہار سے۔ کبھی پیٹ بھرنے اور غنا کے اظہار سے کہ جاہل اس کو غنی سمجھتا ہے۔ جیسے اقوال میں اجمال واقع ہوتا ہے۔ ایسے ہی افعال میں بھی ہوتا ہے، جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ریشم کا ایک جوڑا دیا۔ جب انہوں نے اس کو پہنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند کیا۔ فرمایا: ''میں نے یہ تجھ کو نہیں دیا کہ تو اس کو پہن لے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں اپنے ایک مشرک بھائی کو وہ پہننے کے لیے دے دیا۔ [2]

احتمال، اشتراک اور اشتباہ ہر ایک کبھی الفاظ میں ہوتا ہے۔ کبھی افعال میں اور کبھی اکٹھا دونوں میں۔

اشارہ کی اقسام میں سے یہ بھی ہے کہ کلام کرنے والا کوئی حق بات بولے اس کا مقصد اس سے اس کی حقیقت اور ظاہر ہو۔ وہ سامع کو اس کی نسبت غیر قائل کی طرف ہونے کا وہم ڈالے۔ تا کہ وہ اس کو قبول کر لے، اس کا انکار نہ کرے، یا اس کے شر سے اور اس کے ظلم سے چھٹکارا پالے۔ جیسے حضرت عمر عبداللہ بن رواحہ نے اپنی بیوی کے سامنے وہ شعر پڑھے۔ اس کو وہم میں ڈالا کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں۔ اس طرح وہ اس کے شر سے چھٹکارا پا گئے۔ [3]

---

① دیکھیے: صحیح بخاری، ج: ۸، ص: ۲؛ مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۳۲۲۔

② صحیح بخاری، ج: ۱، ص: ۲۱۳؛ مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۴۹۔

③ بحوالہ سنن دارقطنی پیچھے یہ واقعہ گزر چکا ہے۔ (مترجم)

اسی طرح اگر ایک آدمی حق صحیح کو نافذ کرنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ اس سے قبول نہیں کیا جا رہا۔ کیونکہ وہ قول یا جس شخص کا وہ قول ہے اس کے بارے میں اچھا گمان نہیں کیا جاتا۔ اگر وہ اپنے کلام میں تعریض/ اشارہ کرے کہ مخاطب کے سامنے کلام کی نسبت کسی بڑے آدمی کی طرف کر دے جس کو وہ قبول کرتا ہو یہ اشارہ اچھا ہے۔ جیسے ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ بات اپنے اصحاب کو سکھائی تھی۔ جب انہوں نے شکوہ کیا کہ ہم لوگوں کو بتاتے ہیں کہ ابوحنیفہ نے یہ فرمایا ہے۔ لوگ جلد رد کر دیتے ہیں۔ فرمایا: تم ان کو ایک مسئلہ بتاؤ اگر وہ اس کو اچھا جان لیں اور بات ان کے دل میں پڑ جائے تو تم کہو یہ ابوحنیفہ کا قول ہے۔

جیسے ہمارے اصحاب کا معاملہ جہمیہ اور ان کے پیروکار لوگوں کے ساتھ اکثر ہوتا ہے۔

فصل: واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام سے استدلال

رہا ان کا استدلال کہ اللہ پاک نے اپنے نبی حضرت یوسف علیہ السلام کو حیلہ سکھایا تھا جس کے ساتھ وہ اپنے بھائی کو روکنے تک پہنچے (مکمل واقعہ)۔

بعض اصحاب حیلہ کا گمان ہے کہ اس باب میں یہ ان کی دلیل ہے۔ بات ایسے نہیں جیسے انہوں نے گمان کیا ہے۔ اس سے استدلال بہت بڑا باطل ہے۔ اس سے حجت پکڑنے والے کوئی بھی بات بالکل جائز نہیں بتاتے جو اس واقعہ میں ہے۔ نہ اس کو ہماری شریعت کسی بھی طرح جائز کہتی ہے۔ حجت پکڑنے والا اس سے حجت کیسے پکڑ سکتا ہے جس پر عمل حرام ہے اور نہ ہی کسی طرح اس کی گنجائش ہے؟

اللہ پاک نے اس کی اپنے نبی حضرت یوسف علیہ السلام کو گنجائش دی تھی تا کہ ان کے بھائیوں کا بدلہ ہو، اور جو انہوں نے ان کے ساتھ کیا تھا اس پر ان کو سزا ہو، ان کی بھائیوں کے خلاف مدد ہو۔ ان کی خواب کی تصدیق ہو۔ ان کا درجہ اور ان کے باپ کا درجہ بلند ہو۔

نیز اس کے بعد! ان کے بھائیوں کے ساتھ واقعہ میں مستحسن حیلوں کی چند اقسام ہیں:

ایک قسم: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٢﴾﴾ (یوسف:٦٢)

''اور (یوسف) نے اپنے خدام سے کہا: ان کا سرمایہ ان کے شلیتوں میں رکھ دو عجب نہیں کہ جب یہ اپنے اہل وعیال میں جائیں تو اسے پہچان لیں۔ عجب نہیں کہ یہ پھر یہاں آئیں۔''

انہوں نے اس کو ان کے رجوع کا سبب بنایا۔ اہل علم نے اس میں چند معانی بتائے ہیں، حضرت یوسف کو خدشہ لاحق ہوا کہ ان کے پاس چاندی/ روپے نہ رہیں گے جن کو لے کر وہ پھر آ سکیں۔

ان کو ڈر ہوا کہ ان سے قیمت لے کر وہ نقصان پائیں گے۔

ان کو سرمایہ لوٹا کر ان کو اپنی سخاوت دکھائی۔ تا کہ یہ ان کے لوٹنے کے لیے بڑا داعیہ بن جائے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ انہوں نے ان کی امانت کو جان لیا تھا جو ان کو لوٹنے پر مجبور کر دے گی تا کہ وہ حضرت یوسف کو واپس کر دیں۔تو یہ جو حیلہ ہے یہ ایک اچھا عمل ہے۔

مقصود: ان کا لوٹنا اور اپنے بھائی [1] کا لانا تھا۔ یہ ایسی بات تھی جس میں ان کا باپ کا اور حضرت یوسف کا سب کا فائدہ تھا۔ یہ ایک اچھا مقصود تھا۔ آپ علیہ السلام نے ان کو اپنا تعارف اور وجوہ سے نہ کروایا تھا جس میں ان کا، باپ کا، ان کا فائدہ تھا اور اس فیصلہ کو پورا کرنا تھا جو اللہ پاک نے ان کے لیے اس آزمائش میں خیر کا کر دیا تھا۔ اسی طرح اگر آپ علیہ السلام ان کو پہلی مرتبہ اپنا تعارف کرا دیتے۔ ان کا اور ان کے باپ کا عظیم موقع پر اجتماع نہ ہوتا۔ نہ وہ اس درجہ کو پاتے۔ پسندیدہ اور عظیم مقاصد تک پہنچنے کے لیے اللہ پاک کا یہ طریقہ ہے۔ جب اللہ اپنے بندے کو ان تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے آزمائشوں، مصیبتوں اور مشقتوں کے اسباب تیار کرتے ہیں۔ اس کا ان کے بعد وہاں پہنچنا ایسے ہو جاتا ہے جیسے اہل جنت کا اس میں مرنے، برزخ کے ہولناکیوں، بعث، نشور، پیشی، حساب، پل صراط اور ان ہولناکیوں اور شدائد کو برداشت کرنے کے بعد داخلہ ہے اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں بہت بڑا داخلہ عطا کیا گیا۔ اس سے پہلے کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں سے نکالا تھا۔ اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ غالب مدد فرمائی۔ اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے دشمنوں سے بہت تکالیف برداشت کر چکے تھے۔

اسی طرح جو اللہ پاک نے اپنے پیغمبروں حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ، ہود، صالح اور شعیب کے ساتھ کیا۔ وہ ذات پاک اچھے انجاموں تک ان اسباب کے ساتھ پہنچاتا ہے جن کو نفوس ناپسند کرتے ہیں۔ وہ ان پر گراں گزرتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ ﴾ (البقرۃ:۲۱۶)

''تم پر لڑنا فرض کر دیا گیا ہے وہ تم کو ناگوار ہے قریب ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور قریب ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' ایک شعر ہے

'اور کبھی نفس کو ناپسند چیز جو ہے وہ اس کی محبوب کی طرف سبب ہوتی ہے جبکہ ایسا سبب نہیں ہوا کرتا۔''

بہرحال! پسندیدہ انجام، مکروہ اور پر مشقت اسباب کے پردوں میں چھپے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ناپسندیدہ اور تکلیف دہ انجام شہوت اور لذت کے پردوں میں ہوتے ہیں۔ یہ اس وقت سے ہے جب اللہ پاک نے جنت کو پیدا کیا اور اس کا تکالیف سے احاطہ کیا جبکہ جہنم کو پیدا کیا اور اس کا شہوات سے احاطہ کیا۔

فصل: واقعہ یوسف میں حکمتیں

جب آپ علیہ السلام نے ان کا سامان دوسری مرتبہ تیار کروایا۔ پینے والا برتن اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا۔ اس قدر بات اپنے اندر حکم رکھتی تھی کہ یہ چور ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ بھائی کی موافقت اور اس کی رضامندی سے کیا تھا حق اس کے ساتھ تھا۔ اس کی اجازت دی گئی تھی وہ دل سے اس پر خوش تھا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

[1] حضرت بنیامین علیہ السلام مراد ہیں۔ (مترجم)

﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ؀﴾

(یوسف:٦٩)

''اور جب وہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ میں تمہارا بھائی ہوں تو جو سلوک یہ کرتے رہے ہیں اس پر افسوس نہ کرنا۔''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی کو اپنا تعارف کرا دیا تھا۔

ایک قول ہے کہ انہوں نے صراحت سے نہ بتایا تھا کہ میں یوسف ہوں۔ انہوں نے ''میں تیرا بھائی ہوں'' کہہ کر مراد لیا تھا کہ جو تیرا بھائی گمشدہ ہے میں اس کی جگہ پر ہوں۔

جس کا یہ قول ہے۔ اس نے کہا: انہوں نے اپنے بھائی کے سامان میں پینے کا برتن رکھا جبکہ بھائی کو اس کا علم نہ تھا۔ قرآن اس کے خلاف بتا رہا ہے عدل بھی اس کا انکار کرتا ہے اور اکثر اہل تفسیر بھی اس کے خلاف ہیں۔ اس تدبیر میں ایک خوبی یہ تھی کہ جب انہوں نے اپنے بھائی کو پکڑنے کا ارادہ کیا۔ اس کے پکڑنے کی طرف وہ راستہ اختیار کیا جس کا اقرار ان کے بھائی بھی کریں کہ یہ حق اور عدل ہے۔ اگر وہ اپنی قدرت اور بادشاہت کے حکم سے اس کو پکڑتے تو ضرور ان کی نسبت ظلم و زیادتی کی طرف کی جاتی۔ ان کے لیے بادشاہ کے دین میں کوئی راستہ نہ تھا جس سے وہ اس کو پکڑتے تو انہوں نے اس کو پکڑنے کے لیے وہ راستہ اختیار کیا جس کا بھائی بھی اعتراف کریں کہ یہ ظلم نہیں ہے۔ بھائی کے سامان میں پیالہ رکھ دیا۔ اس پر اس کی موافقت تھی۔ اسی لیے فرمایا: ''تو جو سلوک یہ کرتے رہے ہیں اس پر افسوس نہ کرنا۔''

اس تدبیر میں ایک خوبی یہ تھی کہ: ان کے سامان اس وقت چیک نہ کیے جب وہ ان (حضرت یوسف) کے پاس تھے۔ بلکہ ان کو مہلت دی۔ حتیٰ کہ ان کا سامان بندھوا دیا۔ وہ شہر سے نکل گئے۔ پھر اس کے لیے ان کے پیچھے آدمی بھیجا۔ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں بواسطہ علی بن حسین، محمد بن عیسیٰ، سلمۃ، ابن اسحاق سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں: ان کو مہلت دی حتیٰ کہ وہ چل پڑے، پھر کہ شہر سے دو چلے گئے۔ پھر حکم دیا تو وہ پکڑے گئے۔ پھر وہ ٹھہرے۔ پھر ایک پکارنے والے نے پکارا۔ اے قافلے والو! تم ضرور چور ہو۔ وہ ٹھہر گئے۔ حتیٰ کہ پیغامبر ان کے پاس پہنچا۔ بیان کیا جاتا ہے اس نے ان کو کہا: کیا ہم نے ضیافت میں تمہاری عزت نہیں کی تھی۔ ہم نے تم کو پورا وزن نہیں دیا۔ ہم نے تمہارا مرتبہ اچھا نہیں کیا۔ ہم نے تمہارے ساتھ وہ کچھ نہ کیا جو ہم تمہارے علاوہ لوگوں کے ساتھ نہ کرتے تھے۔ ہم نے تم کو اپنے گھروں اور مکانوں میں نہیں ٹھہرایا تھا؟ وہ بولے کیوں نہیں! لیکن بات کیا ہے؟ کہا: تم ضرور چور ہو۔ سدی سے مذکور ہے۔ جب وہ چل دیے تو پکارنے والے نے پکارا: اے قافلے والو! سیاق بھی اس کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر یہ مسئلہ حضرت یوسف کی موجودگی میں ہوتا ان کو پکارنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ پکارنا تو دور والے کو آواز دینے کے لیے ہوتا ہے جب اس کو روکنا اور ٹھہرانا مقصود ہو۔

یہاں بھی تدبیر کی ایک خوبی ہے کہ: انہوں نے ڈھونڈنے والے کو موافقت اور متابعت سے تہمت سے دور رکھا۔ اس کو معلوم نہیں تھا کہ کیا گم ہوا ہے۔ جب یہ لوگ نکلے اور کوچ کر گئے۔ شہر سے دور چلے گئے۔ بادشاہ کو کسی ضرورت سے اپنے پیالے کی

حاجت ہوئی۔ اس نے تلاش کیا۔ اس کو نہ ملا۔ اس نے حاضرین سے پوچھا ان کو نہ ملا۔ اس نے ان لوگوں کے پیچھے آدمی بھیج دیا۔ یہ موجود وقت میں ان کے جانے سے قبل ان کے سامان کی تلاشی کے حیلہ سے بہتر اور سمجھ آ جانے سے کہیں دور اور عمدہ طریقہ تھا۔ بلکہ وہ جتنا دور جاتے۔ یہ اس مفہوم میں بلیغ تر ہو جاتا۔

اس تدبیر کی خوبی یہ ہے کہ اس نے اونچی، بلند آواز سے اعلان کیا۔ جس کو وہ سب سن لیں۔ ان میں سے کسی ایک کو نہ کہا۔ یہ اس بات کی اطلاع تھی کہ اس پیالے کی گمشدگی کا معاملہ مشہور ہو گیا ہے۔ اس میں خفاء باقی نہیں رہا۔ تم اس کو پکڑنے میں مشہور ہو گئے ہو۔ اس کا الزام تمہارے سوا کسی پر نہیں آیا ہے۔

اس تدبیر کی خوبی یہ ہے کہ آواز دینے والے نے کہا: بے شک تم ضرور چور ہو، اس نے چوری شدہ چیز کو متعین نہ کیا حتیٰ کہ ان لوگوں نے اس بارے میں پوچھا۔ کہنے لگے: تم کیا گم پاتے ہو؟ کہا: ہم بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں۔ پھر ان لوگوں کو بات معلوم ہوئی کہ گم پیالہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چیز گم نہیں پائی گئی۔ جب ظاہر ہوا وہ اس کے علاوہ کسی تہمت کے ساتھ ظالم نہ ہوئے۔ ان کی سچائی اور عدل اس اکیلے کی ان پر تہمت سے ظاہر ہو گیا۔ یہ بھی تدبیر کی خوبی ہے۔

اس تدبیر کی خوبی یہ ہے کہ آواز دینے والے اور اس کے ساتھیوں نے حضرت یوسف کے بھائیوں کو کہا: اس کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ہو؟ یعنی تم میں سے جس پر یہ چوری ظاہر ہو گئی اور اس کے پاس پیالہ پایا گیا اس کا بدلہ کیا ہے؟ یعنی تمہارے ہاں اور تمہارے دین میں اس کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اس کا بدلہ جس کے سامان میں وہ پایا گیا وہی اس کا بدلہ ہے۔ انہوں نے اس کو اسی فیصلہ کے مطابق پکڑا جو انہوں نے خود اپنے خلاف کیا تھا نہ کہ بادشاہ کے اور اس کی قوم کے فیصلہ کے مطابق۔

اس تدبیر کی خوبی یہ ہے کہ ڈھونڈھنے والے نے جب کام شروع کیا تو جس کے سامان میں یہ پیالہ تھا اس کے بجائے دوسروں کے سامانوں کی تلاشی پہلے لی تا کہ ان کو اطمینان ہو اور موافقت کی تہمت سے دوری ہو۔

اگر وہ پہلے اس کا سامان کھولتا جس میں وہ پیالہ تھا تو وہ ضرور کہتے اس کو کیسے پتہ چلا کہ یہ اس میں ہے اس کے علاوہ ہمارے سامانوں میں نہیں ہے؟ یہ تو ملی بھگت سے ہوا ہے۔ اس تہمت کو اس طرح دور کیا کہ پہلے ان کے سامانوں سے آغاز کیا۔ جب اس نے ان میں اس کو نہ پایا تو جس کے سامان میں یہ تھا اس کی تفتیش سے پہلے ہی اس نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا اور کہا: میرے خیال میں تم چور نہیں ہو۔ میرے خیال میں اس نے بھی کچھ نہ چرایا ہوگا۔ وہ بولے: قسم بخدا! یوں نہیں تم اس کے سامان کو بھی ضرور دیکھ لو۔ اس سے تمہارے دل بہت پاکیزہ ہوں گے اور ہماری برأت بہت واضح ہوگی۔ جب انہوں نے اس پر اس کا بہت اصرار کیا تو اس کے سامان کی تلاشی لے لی۔ اس سے انہوں نے پیالہ نکال لیا۔ یہ اچھی تدبیر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝ ﴾ (یوسف:٧٦)

''اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی (ورنہ) بادشاہ کے قانون کے مطابق وہ مشیت خدا کے سوا اپنے بھائی کو لے نہیں سکتے تھے ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے۔''

واجب یا مستحب تدبیر کا علم جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت، حق والے کی مدد اور باطل والے کو توڑنا مقصود ہو۔ اس سے اللہ بندے کے درجے بلند کرتا ہے۔

ان کا نام چور رکھنے کے متعلق اہل علم نے دو وجہیں بیان کی ہیں:

پہلی وجہ: یہ اشارہ/کنایہ کے باب سے ہے۔ حضرت یوسف نے اس سے یہ نیت کی تھی کہ انہوں نے اپنے باپ کی چوری کی تھی۔ جب انہوں نے حیلہ کے ساتھ ان کو باپ سے غائب کر دیا تھا۔ اس میں انہوں نے خیانت کی تھی۔ خائن کا نام چور بھی رکھا جاتا ہے یہ مشہور استعمال ہے۔

دوسری وجہ: آواز دینے والے نے حضرت یوسف کے حکم کے بغیر ہی یہ کہہ دیا، قاضی ابویعلی وغیرہ کہتے ہیں: حضرت یوسف نے اپنے کسی ساتھی کو حکم دیا کہ وہ پیالہ ان کے بھائی کے سامان میں رکھ دے۔ اس کے ذمہ داران کو جب یہ نہ ملا اور معلوم نہ ہوا کہ یہ کس نے اٹھایا ہے۔ انہوں نے کہہ دیا اے قافلے والو! تم ضرور چور ہو۔ یہ ان کا گمان تھا کہ وہ ایسے ہیں۔ حضرت یوسف نے ان کو یہ حکم نہیں دیا تھا۔ شاید حضرت یوسف نے آواز دینے والے کو کہا ہو: انہوں نے چوری کی اور مراد یہ ہو کہ اپنے باپ کی چوری کی تھی۔ آواز دینے والے نے پیالے کی چوری سمجھی۔ وہ اپنی بات میں سچا ہو گیا کہ تم ضرور چور ہو۔ جب اس نے اس کی حضرت یوسف کو خبر دی وہ اپنی اس بات میں سچا ہوا کہ ہم بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں۔ آپ غور کریں اس نے کہا: تم ضرور چور ہو اور بادشاہ کے پیالے کا ذکر نہ کیا۔ پھر جب گم شدہ چیز کا ذکر آیا کہا ہم بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں۔ وہ اس میں سچا تھا۔ جب اس نے سَارِقُوْنَ چور کہا تو مفعول یعنی پیالہ حذف کر دیا۔ اسے ہم بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں والے قول میں ذکر کر دیا۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام نے فرمایا: جب انہوں نے گزارش کی کہ ان کے بھائی کی جگہ وہ ان میں سے کسی کو پکڑ لیں۔ اللہ کی پناہ! کہ ہم پکڑیں۔ مگر جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے۔ یہ نہ کہا کہ ہم پکڑیں جس نے چوری کی ہے۔ کیونکہ اس کے پاس پایا گیا تھا جبکہ وہ چور نہ تھا۔ یہ بہترین اشارہ ہے۔

نصر بن حاجب کہتے ہیں: حضرت سفیان بن عیینہ سے اس آدمی کے متعلق سوال کیا گیا جو اپنے بھائی سے کسی کام پر معذرت چاہتا ہے جو اس نے کیا تھا وہ اس میں بات بدلتا ہے۔ تا کہ اس کو راضی کرے۔ کیا وہ اس میں گنہگار ہو گا؟ فرمایا: کیا تم نے آپ ﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا:

«لَيْسَ بِكَاذِبٍ مَنْ أَصْلَحَ بَيْنَ النَّاسِ فَكَذَبَ فِيْهِ»[1]

''وہ شخص جھوٹا نہیں جس نے لوگوں میں صلح کرائی تو اس میں جھوٹ بولا۔''

اگر وہ اپنی اور اپنے مسلمان بھائی کی صلح کرائے۔ یہ اس صلح سے بہتر ہے جو وہ لوگوں کی ایک دوسرے سے کراتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اس سے اللہ کی رضا چاہتا ہے۔ مؤمن بھائی کو تکلیف دینا ناپسند کرتا ہے۔ جو ہوا اس پر اظہار ندامت کرتا ہے۔ اپنے نفس سے شر کو دور کرتا ہے۔ وہ جھوٹ سے لوگوں کے ہاں مرتبہ نہیں چاہتا۔ نہ اس سے کسی چیز کو حاصل کرنے کا لالچ ہے۔ اس میں اجازت نہیں بلکہ اس کی رخصت ہے جب وہ ان کی ناراضگی کو ناپسند کرے اور ان کی دشمنی سے ڈرے۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اپنے قرض کو بعض بعض کے ساتھ خرید تا ہوں۔ اس ڈر سے کہ وہ متقدم کر دوں جو اس سے بڑھ کر ہے۔

---

[1] مسند امام احمد، ج: ٦، ص: ٤٠٣۔

سفیان کہتے ہیں: دو فرشتوں نے کہا:

﴿خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ﴾ (ص:۲۲)

''دو جھگڑا کرنے والے ہیں ہم میں سے بعض نے بعض پر زیادتی کی ہے۔''[1]

انہوں نے ایک مطلب کا ارادہ کیا تھا۔ وہ دونوں جھگڑا کرنے والے نہیں تھے تو وہ دونوں اس طرح جھوٹے نہ ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

﴿اِنِّیْ سَقِیْمٌ﴾ (الصافات:۸۹)

''بے شک میں بیمار ہوں۔''

اور فرمایا:

﴿بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ﴾ (الانبیآء:۶۳)

''بلکہ ان میں سے بڑے نے یہ کیا ہے۔''

حضرت یوسف نے کہا:

﴿اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ﴾ (یوسف:۷۰)

''بے شک تم ضرور چور ہو۔''

مطلب یہ ہے کہ اپنے بھائی کی چوری کی تھی۔

حضرت سفیان نے واضح کر دیا کہ یہ سب مباح تعریض/ اشارے ہیں۔ ان کا نام بھی جھوٹ ہے۔ لیکن یہ درحقیقت جھوٹ نہیں ہیں۔

بعض فقہاء نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے حجت پکڑی ہے کہ آدمی کے لیے اپنا حق لینا جائز ہے اس تک پہنچنے کا جو بھی راستہ ہو۔ جس پر حق ہے اس کی رضا کے بغیر بھی۔

ہمارے شیخ کہتے ہیں: یہ حجت ضعیف ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو اس کی مرضی کے بغیر روک رکھنے کا اختیار نہیں رکھتے تھے۔ اس بھائی نے حضرت یوسف پر ظلم بھی نہیں کیا تھا کہ کہا جا سکے انہوں نے اس سے بدلہ لیا ہے۔ یہ کام تو دیگر سب بھائیوں نے کیا تھا۔ ہاں اس کا پیچھے رہ جانا ان کو ایذاء دیتا تھا۔ کیونکہ ان کے باپ کو ایذاء پہنچتی تھی۔ یہاں وعدہ بھی تھا جو باپ نے ان سے لیا تھا۔ انہوں نے وعدہ میں ''مگر یہ کہ تم کو گھیر لیا جائے'' کہہ کر استثناء بھی کر دیا تھا۔ یہاں ان کو گھیر لیا گیا تھا۔ حضرت یوسف کا اپنے بھائی کو روک کر مقصد بھائیوں سے انتقام لینا نہیں تھا۔ وہ اس سے کہیں بڑھ کر عزت والے تھے۔ گو کہ جو کچھ ہوا اس کے

---

[1] بعض نے کہا: یہ دو فرشتے تھے۔ جبکہ بعض نے دو انسان کہا۔ یہ بنی اسرائیل سے تھے۔ حضرت داؤد کے مقام عبادت پر دیوار پھلانگ کر چلے گئے تھے۔ غیر دروازہ سے محراب میں آ گئے یہاں پہرے دار ہوتا تھا جو لوگوں کو اندر نہیں جانے دیتا۔ اس ڈر سے کہ بات لمبی ہو جائے اور عبادت میں خلل آئے۔ اللہ نے ان دو آدمیوں کو آزمائش بنایا۔ حضرت داؤد کو اس طرح علم ہوا کہ لوگوں میں عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا خلوت میں ذکر سے بہتر ہے۔ انہوں نے رب سے بخشش طلب کی۔ اپنا دروازہ ہر آنے والے کے لیے کھول دیا اور اس پر پہرے دار نہ رکھا۔ (الفقی)

ضمن میں بھائیوں کی تکلیف سے بڑھ کر باپ نے تکلیف محسوس کی تھی۔ یہ تو ایک فیصلہ تھا جس کا اللہ نے حکم دیا تھا۔ تا کہ تقدیر اپنے لکھے کو پہنچے۔ وہ آزمائش پوری ہوجائے جس کی وجہ سے حضرت یعقوب اور یوسف کمال جزاء اور بلند مرتبہ کے مستحق بن جائیں۔ جس حکمت کو اللہ نے قضاء وقدر میں لکھ دیا تھا وہ اپنی انتہاء کو پہنچ جائے۔

اگر فرض کریں کہ حضرت یوسف نے جو یہ کیا اس سے مقصود ان سے انتقام لینا تھا تو اس مقام پر علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آدمی کو اس طرح کی سزا دینے کا حق ہے جس طرح کی اس کو سزا دی گئی ہو۔

اختلاف کا مقام تو یہ ہے کہ اگر اس نے خیانت کی کیا اس کو خیانت کا حق ہے۔ اگر اس نے چوری کی کیا اس کو چوری کا حق ہے؟ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں اس طرح کی کوئی اجازت نہیں ہے۔

جی ہاں! اگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اس کی مرضی کے بغیر پکڑا ہوتا تو اس حجت بنانے والے کا شبہ ہو جاتا۔ لیکن اس کو فرض کرنے پر بھی اس کے پاس یہ شبہ نہیں ہے۔ اس طرح کی بات ہماری شرع میں بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ اگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اس کی مرضی کے بغیر پکڑا اور روکا تھا تو اس روکے گئے کے لیے اللہ کی طرف سے آزمائش تھی۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ذبح کا حکم دیا۔ اس بات کو فرض کرنے پر کہ یہ ان کے لیے مباح کرنے والی خاص وحی ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے ذبح کی خاص وحی آئی تھی۔ پھر بھائی کے حق میں اس کی حکمت اس کی آزمائش اور امتحان ہے۔ تا کہ اللہ کے حکم پر صبر اور اس کے فیصلہ پر رضا کا وہ درجہ پالے۔ اس کی حالت ایسے ہوگی جیسے ان کے باپ حضرت یعقوب کی حالت ان سے حضرت یوسف کو دور رکھ کر ہوئی۔

اس پر دلیل اللہ کی نسبت ہے جو اس ذات پاک نے اس تدبیر کی اپنی طرف کی ہے۔ فرمایا:

﴿ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ ﴾ (یوسف:٧٦)

''اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی ورنہ بادشاہ کے قانون کے مطابق وہ مشیت خدا کے سوا اپنے بھائی کو لے نہیں سکتے تھے۔''

اللہ پاک اپنی طرف اس کے بہترین معانی کی نسبت کرتے ہیں۔ جو بھی اس کی طرف سے ہے حکمت ہے، حق ہے، درست ہے، برے کا بدلہ ہے اور یہ انتہائی انصاف اور حق ہے۔

جیسے فرمایا:

﴿ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۝ ﴾ (الطارق:١٥، ١٦)

''یہ لوگ تو اپنی تدبیروں میں لگ رہے ہیں اور ہم اپنی تدبیر کر رہے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ ﴾ (آل عمران:٥٤)

''اور انہوں نے تدبیر کی اور خدا نے بھی تدبیر کی۔''

اور فرمایا:

﴿ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ ﴾ (البقرة:١٥)

''اللہ ان کو مذاق کا بدلہ دے گا۔''

اور فرمایا:

﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ (النساء:١٤٢)

''بے شک منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ ان کو دھوکہ میں ڈالنے والا ہے۔''

اور فرمایا:

﴿ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴾ (الاعراف:١٨٣)

''اور میں ان کو ڈھیل دیتا ہوں بے شک میری تدبیر مضبوط ہے۔''

اللہ پاک کی طرف سے یہ حسن کے اعلیٰ مراتب سے ہے۔ گو بندے کی طرف سے قبیح اور برا ہے کیونکہ وہ اس میں ظالم ہے۔ اور اس پر واقع کرتا ہے جو مستحق نہ ہو۔ جبکہ رب تعالیٰ اس میں عدل کرتے ہیں۔ اس کو حق دار اور لائق پر واقع کرتے ہیں۔

اس میں برابر ہے کہ اسے صورت میں مشاکلہ [1] کی وجہ سے مجاز بنایا جائے یا مقابلہ کی وجہ سے یا اس کا نام اسی طرح رکھ دیا۔ انہوں نے جو کام کیا تھا اس سے مشاکلہ کر کے۔

یا کہا جائے گا کہ یہ حقیقت ہے اور ان افعال کے نام مذموم اور محمود میں تقسیم ہوتے ہیں، لفظ اس میں اور اس میں حقیقت ہے۔ جیسا کہ ہم نے اس معنیٰ کو کتاب الصواعق [2] میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

فصل: تدبیروں کی حقیقت

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو یہ بھی سمجھیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف کئی وجوہ/طرح سے تدبیر کی گئی۔

پہلی وجہ: ان کے بھائیوں نے ان کے خلاف تدبیر کی جب ان کے اور ان کے باپ کے مابین علیحدگی کے لیے حیلہ کیا۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو فرمایا:

﴿ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ﴾ (یوسف:٥)

''اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا نہیں تو وہ تمہارے خلاف کوئی فریب کی چال چلیں گے۔''

دوسری وجہ: انہوں نے ان کے خلاف تدبیر کی جب انہوں نے ان کو غلاموں کی طرح بیچ دیا اور کہنے لگے: یہ ہمارا غلام تھا جو

---

[1] ظاہر شکل میں اگر کام ملتا جلتا ہو تو اسے مشاکلہ کہتے ہیں۔ (مترجم)

[2] كتاب الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطلة امام ابن قیم کی کتب میں بہت عظیم ہے اس میں انہوں نے تاویل کا طاغوت گرایا ہے۔ نقل کے مقابل عقل کا طاغوت بھی، عقل کو صحیح نقل پر مقدم کرنے کا طاغوت بھی اور اس مجاز کا طاغوت بھی گرا دیا ہے جس کے ساتھ وہ بات کو اس کے اصل مقام سے بدل دیتے ہیں۔ (الفقی)

بھاگ گیا تھا۔

تیسری وجہ: عزیز مصر کی بیوی کی ان کے خلاف تدبیر، جب اس نے دروازے بند کر دیے اور ان کو اپنے نفس کی طرف دعوت دی۔

چوتھی وجہ: عورت کے اس کہنے میں تدبیر:

﴿مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾ (یوسف:۲۵)

''کہ جو شخص تمہاری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اس کی اس کے سوا کیا سزا ہے کہ یا تو قید کیا جائے یا دکھ کا عذاب دیا جائے۔''

عورت نے پہلے آپ کے خلاف[1] فریب کر کے تدبیر کی۔ دوسرے ان کے خلاف جھوٹ بول کر تدبیر کی۔ لہٰذا جب حضرت یوسف کی اس پر برأت ظاہر ہوئی تو شاہد نے کہا:

﴿اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ﴾ (یوسف:۲۸)

''بے شک یہ تم عورتوں کے مکر سے ہے۔ کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کا مکر عظیم ہے۔''

پانچویں وجہ: عورت کی تدبیر، جب اس نے عورتوں کو جمع کیا ان کو عورتوں کے سامنے نکالا وہ ان سے حضرت یوسف کے متعلق مدد چاہتی تھی۔ وہ اپنی ان سے گہری محبت پر ان عورتوں کے سامنے معذرت پیش کرتی تھی:

چھٹی وجہ: عورتوں کے تدبیر۔ تبھی آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کے مکر سے پناہ چاہی۔ دعا کی:

﴿وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝﴾ (یوسف:۳۳، ۳۴)

''اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ ہٹائے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں داخل ہو جاؤں گا تو خدا نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان سے عورتوں کا مکر دفع کر دیا ہے بے شک وہ سننے والا اور، جاننے والا ہے۔''

اسی لیے جب ان کے پاس پیغامبر جیل سے نکلنے کا حکم لے کر آیا تو آپ علیہ السلام نے اس کو فرمایا:

﴿ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝﴾ (یوسف:۵۰)

''کہ اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ بے شک میرا پروردگار ان کے مکروں سے خوب واقف ہے۔''

اگر پوچھا جائے: ان عورتوں کا مکر کیا تھا جس سے انہوں نے حضرت یوسف کے ساتھ مکر کیا اور عزیز کی بیوی نے وہ سنا، اللہ پاک نے اس کو اپنی کتاب میں بیان نہیں کیا؟

جواباً کہا جائے گا: کیوں نہیں۔ اللہ پاک نے اپنے اس فرمان میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے:

---

[1] آیات کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات خاوند نے کہی تھی نہ کہ شاہد نے، پہلے فیصلے کا اندازہ قمیص کے حوالہ سے بتایا۔ اس کے مطابق حضرت یوسف کی سچائی واضح ہوگئی تو خاوند نے یہ بات کہی۔ (الفقی)

﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ (یوسف:۳۰)

''اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں گھر کرگئی ہے،ہم دیکھتی ہیں کہ وہ صریح گمراہی میں ہے۔''

اس کلام کے ضمن میں مکر کی کئی وجوہ آئی ہیں:

پہلی: ان کا کہنا کہ''عزیز کی بیوی اپنے غلام کو مائل کرتی ہے'' انہوں نے اس کا نام نہ لیا۔ بلکہ اس کو اس وصف سے پکارا جس پر قبیح فعل کے ساتھ پکارا جاتا ہے یعنی کہ وہ خاوند والی ہے۔اس سے بے حیائی کا ظہور اس عورت کی نسبت بہت بڑا ہے جس کا خاوند نہ ہو۔

دوسری: اس کا خاوند مصر کا عزیز، کبیر اور رئیس ہے۔ایسی عورت سے بے حیائی کا اظہار قبیح تر ہے۔

تیسری: جس کو وہ فریفتہ کررہی ہے۔وہ غلام ہے۔آزاد نہیں ہے۔یہ بھی قبیح کو بڑھانے والی بات ہے۔

چوتھی: اس کا غلام جو اس کے گھر میں رہتا ہے۔اس کی ماتحتی میں ہے۔اس کا حکم گھر والوں کا حکم ہے۔برخلاف اس کے جو یہ مطالبہ کسی بعید اور اجنبی سے کرے۔

پانچویں: وہی فریفتہ کرنے والی اور طلب گار تھی۔

چھٹی: اس کا عشق حد درجہ کو پہنچ گیا تھا۔حتیٰ کہ اس کے ہاں ان کی محبت اس کے دل میں گھر کرگئی تھی۔

ساتویں: اس کے ضمن میں یہ بھی ہے کہ وہ بہت پاکدامن، بہت نیک اور بہت وفادار تھے۔وہی فریفتہ کرنے والی اور طلب۔جبکہ وہ انکاری تھے پاکدامنی کرم اور حیاء کی وجہ سے۔اس میں بھی عورت کی بہت مذمت ہے۔

آٹھویں: عورتوں نے فریفتگی کے لیے صیغہ مستقبل استعمال کیا جو حال اور مستقبل میں استمرار اور وقوع پر دلالت کرتا ہے۔یہی اس کی حالت تھی۔انہوں نے یہ نہ کہا کہ اس نے اپنے غلام کو ورغلایا تھا۔تمہاری اس بات میں فرق ہوگا کہ فلاں نے مہمان نوازی کی تھی اور فلاں مہمان نوازی کرتا ہے، کھانا کھلاتا ہے اور بوجھ اٹھاتا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اس کی عادت ہے اور طبیعت ہے۔

نویں: ان کا کہنا کہ''ہم کو اس صریح گمراہی میں دیکھتی ہیں'' یعنی ہم اس سے یہ انتہائی قبیح جانتی ہیں۔انہوں نے قبیح جاننے کی نسبت اپنی طرف کردی۔ان کی عادت ہوتی ہے کہ وہ خواہش پر ایک دوسرے کی مدد کرتی ہیں وہ اس کو قبیح نہیں جانتیں۔جیسے مرد اس پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔جب عورتوں نے اس کو اس کی طرف سے قبیح جانا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب سے قبیح کام ہے۔اس پر مدد کرنا مناسب نہیں اور نہ ہی اس پر تعاون اچھا ہے۔

دسویں: انہوں نے اپنی اس بات اور ملامت میں اس کے لیے حد سے بڑھے ہوئے عشق اور حد سے بڑھی ہوئی طلب کو جمع کردیا۔وہ اپنی محبت میں میانہ رو نہ رہی اور نہ اپنی طلب میں۔رہا عشق تو ان کا کہنا کہ''اس کی محبت اس کے دل میں گھر کرگئی ہے''

یعنی اس کی محبت اس کے دل کے پردوں تک جا پہنچی ہے۔ رہی حد سے بڑھی ہوئی طلب تو ان کا یہ کہنا ہے کہ: ''وہ اپنے غلام کو ورغلاتی ہے''۔ مراودۃ کا مطلب: ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ طلب ہے۔ انہوں نے اس کی نسبت برائی پر شدت حرص اور شدت عشق کی طرف کر دی۔ جب اس نے ان کا یہ مکر سنا۔ اس نے ان کے لیے اس سے بڑھ کر مکر تیار کیا۔ پس ان کے لیے ایک دعوت تیار کی پھر ان کو پیغام بھیجا۔ ان کو جمع کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان سے چھپا دیا۔ ایک قول ہے کہ اس نے حضرت یوسف کو خوبصورت بنایا۔ ان کو حسب امکان بہت خوبصورت لباس پہنایا اس نے ان کو ان پر اچانک نکالا۔ وہ حیران رہ گئیں کہ مخلوق میں سے سب سے خوبصورت اور جمیل آدمی ان پر اچانک آن وارد ہوا تھا۔ اس خوبصورت منظر نے ان کو حیران کر دیا تھا ان کے ہاتھوں میں چھریاں تھیں جن سے وہ پھل کاٹ رہی تھیں جو انہوں نے کھانا تھا۔ وہ مدہوش ہو گئیں حتیٰ کہ اپنے ہاتھوں کو کاٹ لیا جبکہ ان کو احساس نہ ہوا تھا۔ ایک قول ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو الگ کر لیا تھا۔ ظاہر واقعہ اس کے خلاف ہے۔ ان کے ہاتھوں کو کاٹنا صرف چھریوں سے ان کو چیر دینا اور زخمی کرنا تھا کہ جو انہوں نے دیکھا اس پر وہ مدہوش ہو گئی تھیں۔ اس نے ان کے قولی مکر کا مقابلہ اپنے اس فعلی مکر سے کیا تھا۔ عورتوں میں مکر اس حد تک بھی ہوتا ہے۔

المقصود: اللہ پاک نے حضرت یوسف کے لیے تدبیر کی کہ ان کو اور ان کے بھائی کو جمع کر دیا۔ اسے بھائیوں کے ہاتھ سے ان کے اختیار کے بغیر نکال دیا۔ جیسے انہوں نے حضرت یوسف کو اُن کے باپ کے ہاتھ سے بغیر اختیار نکالا تھا۔

ان کے لیے تدبیر کی کہ ان کو اس کے سامنے عاجز، ضرورتمند اور خیرات مانگنے والے بنا کر لا کھڑا کیا۔ انہوں نے کہا:

﴿ يَاَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴾ (یوسف:۸۸)

''کہ عزیز! ہمیں اور ہمارے اہل وعیال کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لائے ہیں۔ آپ ہمیں پورا غلہ دیجیے اور خیرات کیجیے کہ خدا خیرات کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے۔''

یہ عاجزی اور محتاجی اس دن کی عاجزی اور محتاجی کے مقابلہ میں ہے جب انہوں نے اس کو کنویں میں ڈالا تھا اور غلاموں کی طرح اس کو بیچ دیا تھا۔ ان کے لیے تدبیر کی کہ وہ اسباب تیار کر دیے کہ انہوں نے ان کو سجدہ کیا، انہوں نے بھی، باپ نے بھی اور خالہ[1] نے بھی۔ یہ ان کی تدبیر کے مقابلہ میں ہے جو انہوں نے اس واقعہ سے ڈرتے ہوئے کی تھی۔ انہیں ان کو کنویں میں ڈالنے پر اسی بات نے آمادہ کیا تھا ان کو ڈر تھا کہ یہ ان پر بلندی پائے گا حتیٰ کہ وہ سب اس کو سجدہ کریں گے۔ انہوں نے اس ڈر سے ان کے خلاف تدبیر کی تھی۔ اللہ پاک نے بھی تدبیر کی حتیٰ کہ یہ واقعہ ہو گیا۔ جیسے انہوں نے خواب میں دیکھا تھا۔ یہ ایسے ہے جیسے فرعون نے بنی اسرائیل کے خلاف تدبیر کی۔ وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔[2] اس ڈر سے کہ ان میں وہ بچہ پیدا ہو جائے جس کے ہاتھوں اس کی بادشاہت کا زوال ہو۔ اللہ پاک نے تدبیر کی کہ یہ بچہ پیدا ہو گیا۔ اس کے گھر میں اور اس کی گود میں اس کی پرورش ہوئی حتیٰ کہ وہ ہو گیا جس سے وہ ڈرتا تھا۔ جیسے کہا گیا۔

اور اگر تو مقدر کیے گئے معاملات سے ڈرے، اور اُس سے بھاگے، تو اُسی کی طرف تُو جائے گا۔

---

[1] حضرت یوسف اور بنیامین کی حقیقی والدہ موجود نہ تھیں اس لیے خالہ کا ذکر آیا ہے۔ (مترجم) [2] دیکھیے سورۃ القصص آیت: ۴

فصل: تدبیر خدا کی حکمتیں

اللہ پاک کی تدبیر دو اقسام سے خارج نہیں ہوتی:

پہلی قسم: اللہ پاک ایسا کام کرتے ہیں جو اس بندے کی قدرت سے خارج ہوتا ہے جس کے لیے یہ تدبیر کی، تو تدبیر محض تقدیر ہو جاتی ہے۔ یہ باب شرع سے نہیں ہے جیسے کافر لوگوں کے خلاف تدبیر کی کہ ان سے مختلف قسم کی سزاؤں کے ساتھ انتقام لیا۔ اسی طرح واقعہ یوسف میں ہوا۔ حضرت یوسف نے تو زیادہ سے زیادہ اپنے بھائی کے سامان میں پیالہ ڈال دیا تھا۔ ایک آواز دینے والے کو بھیجا وہ آواز دیتا تھا۔ اے قافلے والو! بے شک تم ضرور چور ہو۔ جب انہوں نے انکار کیا۔ کہا: اس کا کیا بدلہ ہے اگر تم جھوٹے ہو؟ کہنے لگے: جس کے سامان میں وہ پایا گیا وہی اس کا بدلہ ہے۔ یعنی بدلہ یہ ہے کہ جس کا مال چوری کیا گیا ہے وہ چور کو غلامی میں رکھے گا مطلق یا ایک مدت تک۔ یہ آل یعقوب کی شریعت تھی۔ حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ اس طرح کی سزا شروع اسلام میں مشروع تھی اگر قرض دار پر قرض میں تنگی ہوتی۔ حق لینے والا اس کو غلام بناتا۔ اسی پر نبی ﷺ کی سرق کو بیچنے والی حدیث کو محمول کیا جاتا ہے۔[1]

ایک قول یہ ہے کہ اس کا اس کے ہاتھ بیچنا اس کو استعمال کے لیے اجرت پر دینا ہے کہ وہ اپنی اجرت سے اس کا قرض ادا کر دے۔ اس بنیاد پر یہ منسوخ نہیں ہے۔ امام احمد سے دو میں سے ایک یہ روایت ہے کہ مفلس پر اگر قرضے باقی ہوں، اس کے پاس کاریگری ہو اسے خود کو کام لگانے پر مجبور کیا جائے گا یا حاکم اس کو کام پر لگائے گا اور وہ اپنا قرض اپنی اجرت سے ادا کرے گا۔

اللہ کا الہام ہو گیا کہ حضرت یوسف کے بھائیوں نے کہا: جس کے سامان میں وہ پایا گیا وہی اس کی جزاء ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے حضرت یوسف کے لیے ایک تدبیر تھی جسے اس نے بھائیوں کی زبان پر جاری کر دیا تھا۔ یہ ان کی قدرت سے خارج تھی۔ ان کے لیے ممکن تھا کہ وہ اس سے یہ کہہ کر چھٹکارا پالیتے کہ اس کو سزا نہیں ہوگی حتیٰ کہ ثابت ہو جائے کہ اسی نے چوری کی ہے۔ صرف اس کے سامان میں اس کی موجودگی اس بات کی موجب نہیں کہ اسی نے چوری کی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام عادل تھے۔ وہ ان کو بغیر حجت نہیں پکڑتے تھے۔ ان کے لیے یہ کہہ کر بھی چھٹکارا ممکن تھا کہ اس کا بدلہ وہ ہے جو تم اپنے دین میں چوروں کے ساتھ کرتے ہو۔ ذکر کیا جاتا ہے کہ بادشاہ مصر کے دین میں یہ تھا کہ چور کو مارا جاتا اور چوری شدہ چیز کی دوگنا قیمت چٹی ڈالی جاتی۔ اگر وہ ان کو یہ کہہ دیتے ان کے لیے ممکن نہ ہوتا کہ وہ ان پر لازم کرتے جو وہ ان کے غیر پر لازم نہیں کرتے۔ اسی لیے اللہ پاک نے فرمایا ہے:

﴿ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ ﴾ (یوسف:۷۶)

''اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی وہ نہیں تھے کہ اپنے بھائی کو بادشاہ کے دین میں پکڑ لیتے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔''

یعنی ان کے لیے بادشاہ مصر کے دین کے مطابق اس کو پکڑنا ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے دین میں اس کو روکنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا اور یہ جو فرمایا: ''مگر جو اللہ چاہے'' یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ یعنی لیکن اگر اللہ اس کو دوسرے طریقہ سے پکڑنا چاہے۔ یہ بھی جائز

[1] اس واقعہ کے لیے دیکھیے اسد الغابۃ، ج:۲، ص:۲۶۶ و دیگر کتب رجال۔ (الفقی)

ہے کہ مستثنیٰ متصل ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ: مگر جب اللہ اس کے لیے اور سبب تیار کر دے جس کے ساتھ وہ بادشاہ کے دین میں چوری کے علاوہ پکڑا جائے۔

اس واقعہ میں اس بات کی تنبیہ ہے کہ حدود میں بظاہر معمولی ثبوت پر بھی پکڑا جا سکتا ہے۔ گو دلیل قائم نہ ہو۔ اقرار بھی نہ ہو۔ چوری شدہ چیز کا چور کے پاس ہونا گواہ سے زیادہ سچا ثبوت ہے۔ یہ وہ دلیل ہے جس پر تہمت نہیں آسکتی۔ ہماری شریعت نے کئی جگہوں پر اس کا اعتبار کیا ہے۔

مثلاً: قسامت میں معمولی ثبوت۔ درست بات یہ ہے کہ اس بنیاد پر بدلہ لیا جائے گا جیسا کہ اس پر صریح اور صحیح نص کی دلیل ہے۔

اسی طرح صحابہ نے شراب میں منہ سے آنے والی بو اور الٹی کی بناء پر حد لگائی۔

حضرت عمر نے زنا میں حمل کی بناء پر حد لگائی۔ اس کو اعتراف اور شہادت کی قسم قرار دیا۔ چوری شدہ چیز کا چور کے پاس ہونا اگر ان سب سے نمایاں دلیل نہیں ہے تو ان سے کم بھی نہیں ہے۔

جب انہوں نے اس کے سامان کی تلاشی لی۔ اس میں پیالہ پایا۔ یہ دلیل اور اعتراف کے قائم مقام ہو گیا۔ اس لیے ان کے لیے ممکن نہ ہوا کہ وہ اس کے پکڑنے کو ظلم کہیں۔ اگر یہ ظلم ہوتا تو وہ ضرور کہتے کہ وہ اس کو بغیر گواہ و اعتراف کیسے پکڑتے ہیں؟ اس متعلق ہم نے تفصیلی بات کتاب ''الاعلام باتساع طرق الأحکام'' میں کی ہے۔

المقصود: حضرت یوسف کے واقعہ میں کوئی شبہ نہیں۔ مزید یہ کہ حیلہ والوں کے لیے اس میں کوئی حجت بھی نہیں۔

ہم نے تو گفتگو ان حیلوں کے بارے میں کی ہے جو بندے کرتے ہیں۔ ان میں اباحت اور تحریم کا حکم بتایا ہے۔ اس بارے میں بات نہیں جو تدبیر اللہ پاک اپنے بندے کے لیے کرتے ہیں۔ بلکہ حضرت یوسف کے واقعہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس نے دوسرے کے خلاف حرام مکر کیا۔ ضروری ہے کہ اللہ پاک اس کے خلاف تدبیر کریں۔ اگر مظلوم اپنے مالک کے مکر پر صبر کرے ضرور وہ اس کے لیے تدبیر کرتا ہے۔ اس پر مہربانی کرتا ہے۔ مؤمن سے جب کوئی مکر کرے وہ اللہ پر بھروسہ کرنے والا ہے۔ وہ کسی کی طاقت اور قوت کے بغیر اس کی مدد کرتا ہے اور اس کے لیے تدبیر کرتا ہے۔

اللہ پاک کی بندے کے لیے جو دو طرح کی تدبیریں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

دوسری قسم: اللہ پاک بندے کو کوئی مباح، مستحب یا واجب بات الہام کر دیتے ہیں جو اسے اچھے مقصود تک پہنچاتی ہے۔ اس بنیاد پر حضرت یوسف علیہ السلام نے جو بھی کیا وہ تدبیر اللہ پاک نے ان کو الہام کی تھی۔ گویا اللہ نے ان کو ہر دو طرح کی تدبیر دے دی۔ اسی لیے فرمایا:

﴿ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ ﴾ (یوسف:۷٦)

''ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں۔''

اس میں دلیل ہے کہ جو لطیف حیلے باریک علم کے ساتھ اس شرعی مقصود تک پہنچاتے ہوں جسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول پسند کرتے ہوں۔ اس کے دین کی مدد ہو۔ دشمن کو توڑنا ہو۔ حق والے کی نصرت ہو۔ باطل والے کو مٹانا ہو تو یہ ایک قابل تعریف صفت

ہے جس کے ساتھ اللہ بندے کا درجہ بلند کرتا ہے۔ جیسا کہ وہ علم جس سے باطل والے کے خلاف جھگڑا کیا جائے اس کی دلیل کو مٹایا جائے ایسی قابل تعریف صفت ہے جس سے اللہ بندے کا درجہ بلند کرتے ہیں۔ جیسے اللہ پاک نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں ان کی قوم سے مناظرہ اور حجت توڑنے کے بیان میں فرمایا:

﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ﴾ (الانعام:۸۴)

''اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں۔''

اس بنیاد پر بعض تدبیریں مشروع ہوتی ہیں۔ لیکن یہ وہ تدبیر نہیں جس سے محرمات کو حلال بنایا جائے۔ اس سے فرائض کو ساقط کیا جائے۔ یہ تو اللہ اور اس کے دین کے لیے مکر ہے۔ اس قسم میں اللہ اور اس کے دین کے خلاف مکر کیا جاتا ہے تو یہ ناممکن ہے کہ اللہ پاک مکر کی اس قسم کو مشروع کر دیں۔

نیز یہ تدبیر تو تبھی پوری ہوتی ہے جب ایسا کام کیا جائے جس سے مقصود اس کا شرعی مقصود نہ ہو۔ یہ بھی ناممکن ہے کہ اللہ پاک بندے کے لیے وہ کام مشروع کر دیں جس کے فعل سے وہ مقصود نہ ہو جس کے لیے یہ فعل مشروع کیا گیا ہے۔

نیز حکم شرع عام ہوتا ہے جس کے ساتھ کسی ایک کے بجائے دوسرا شخص خاص نہیں ہوتا۔ چیز جب کسی ایک شخص کے لیے مباح ہو تو وہ ہر ایسے شخص کے لیے مباح ہوتی ہے جس کا یہ حال ہو۔ جس نے کسی فقہی حرام یا مباح حیلہ کو اپنا لیا تو اس حیلہ کے ساتھ اس کی خصوصیت ان کے علاوہ نہ ہو جائے گی جو اس کو نہیں سمجھتے یا نہیں جانتے۔ فقیہ کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ جب کوئی واقعہ پیش آ جائے۔ وہ اس کو عام حکم کے تحت مندرج کرنے کے لیے گہرائی سے سمجھے جس کو وہ اور دوسرا بھی سمجھتا ہو۔

اللہ پاک نے حضرت یوسف کے لیے خاص تدبیر کی۔ یہ ان کے صبر اور احسان کی جزاء میں تھی۔ اس کو ان پر احسان کے طور پر ذکر کیا۔ یہ جو کام حضرت یوسف نے کیے اور وہ کام جو اللہ پاک نے ان کے لیے کیے۔ جب عقلمند ان پر غور کرے گا وہ دیکھے گا یہ دونوں اقسام سے خارج نہیں ہیں۔

ایک: اللہ پاک کا ان کو اس کام کا الہام جو ان کے لیے کرنا مباح تھا۔

دوسرا: اللہ پاک کا ان کے لیے فعل جو بندے کی قدرت سے خارج تھا۔

یہ دونوں قسمیں ان حرام حیلوں کے مخالف ہیں جن کے ساتھ فرائض کو ساقط کرنے اور محرمات کو مباح کرنے پر حیلہ کیا جاتا ہے۔

فصل

شاید کہ تم کہہ دو کہ تم نے اس بارے میں بہت لمبی بات کر دی ہے۔ اس کی طرف اشارہ بھی کافی ہو سکتا تھا۔

اس کے جواب میں کہا جائے گا۔ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے معاملہ اس سے کہیں بڑا تھا۔ یہ لمبے بیان کا حق دار تھا۔ اسلام پر آزمائش اور بہت زیادہ مصیبت ان دو گروہوں کی طرف سے آئی ہے:

عملیات میں اہل مکر، دھوکہ اور حیلہ کی طرف سے۔

عملیات میں اہل تحریف، مغالطہ والے قیاسیوں اور غلو پسندوں کی طرف سے۔
دین بلکہ دنیا کا ہر فساد جو ہے اس کی پیدائش ان دو گروہوں سے ہوتی ہے۔
باطل تاویل کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا گیا۔ امت اپنے ہی خون بہانے لگی۔ ایک دوسرے کو لوگ کافر کہنے لگے۔
یہ ستر اور کچھ فرقوں میں بٹ گئی۔ ان لوگوں کی تاویل، ان کے دھوکے اور ان کے مکر سے اسلام کے خلاف وہ ہوا جو ہوا۔
دونوں گروہ چھا گئے۔ ان کی قوت مضبوط ہو گئی۔ جو ان کے موافق نہ ہوا، جس نے ان کا رد کیا اس کو سزائیں دینے لگے۔
اللہ بھی انکار کرتے ہیں۔ وہ ضرور اپنے دین کے لیے ایسے لوگوں کو کھڑا کرے گا جو اس کا دفاع کریں گے۔ اس کے نشانات اور حقائق کو واضح کریں گے۔ تاکہ اللہ کی حجتیں اور بینات اس کے بندوں پر باطل نہ ہو جائیں۔
شیطان کے فریب اور مکروں کے بیان کے پیچھے جو ہم لگے تھے۔ ہمیں اب ان کی طرف لوٹنا چاہیے۔

فصل: صورتوں کے عاشقوں کا فتنہ

شیطان کے فریبوں اور مکروں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے شکلوں کے عاشقوں کو فتنوں میں ڈال رکھا ہے۔ قسم بخدا! یہ بڑا فتنہ ہے۔ عظیم آزمائش ہے۔ جس نے بندوں کو اپنے خالق کے غیروں کا غلام بنا دیا ہے۔ دلوں کا مالک ان عاشقوں کو بنا دیا ہے جو ان کو رسوائی چکھاتے ہیں۔ اس نے توحید اور عشق کے مابین لڑائی ڈال دی ہے۔ اس نے ہر مردود شیطان کی دوستی کی طرف دعوت دی ہے۔ دلوں کو خواہش کا قیدی بنا دیا۔ اسے ان پر حاکم اور امیر بنا دیا۔ دلوں میں بہت آزمائشیں ڈال دیں۔ ان کو فتنہ سے بھر دیا۔ ان کے اور ان کی ہدایت کے مابین حائل ہو گیا۔ ان کو راہ مقصود سے ہٹا دیا۔ غلاموں کے بازار میں ان کے لیے آواز لگائی۔ ان کو کم تر قیمتوں میں بیچ دیا۔ ان کو جنت کے بلند درجات سے ہٹا کر کم تر مقاصد اور گھٹیا حصوں کے عوض دے دیا۔ چہ جائیکہ اس سے بڑھ کر رحمن کا قرب حاصل ہوتا۔ دل اس گھٹیا محبوب پر مطمئن ہو گئے جس کی تکلیف اس کی لذت سے کئی گنا ہے۔ اسے پانا اور اس تک پہنچنا اس کی تکلیف کا سب سے بڑا سبب ہے۔ کیا قریب ہے کہ کوئی قریبی کے بجائے کسی دشمن کو محبوب بنائے۔ یہ ناممکن ہے۔ پھر اس کا محب اس سے اگر ممکن ہو تو اعلان برأت کرتا ہے حتیٰ کہ گویا وہ اس کا محبوب ہی نہیں تھا۔ اگر اس نے اس کے ساتھ اس دنیا میں کچھ نفع اٹھایا تو جلد ہی کچھ وقت کے بعد وہ بڑا دکھ اٹھائے گا۔ بالخصوص جب سب دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔

افسوس اس محب پر جس نے اپنا آپ پہلے محبوب کے علاوہ کسی کو کم قیمت میں بیچ دیا۔ نیز جلد شہوت میں جس کی لذت چلی گئی اس کی تھکاوٹ رہ گئی۔ اس کا نفع ختم ہو گیا اور اس کا نقصان باقی رہ گیا۔ شہوت چلی گئی۔ بدبختی رہ گئی۔ خوشی چلی گئی۔ حسرت رہ گئی۔ افسوس اس لگاؤ پر جو دو حسرتیں دے گیا۔ ایک حسرت اعلیٰ، مقیم نعمتوں کے چھوٹ جانے کی اور محبوب کے نہ ملنے کی۔ دوسری حسرت جو وہ دکھ والے عذاب کی تھکاوٹ سے ہے۔ دھوکہ میں ڈالے گئے کو یہاں پتہ چلے گا کہ کون سا مال اس نے ضائع کر دیا۔ جو اس کے دل اور غلامی کا مالک تھا۔ درست نہ تھا کہ وہ اس کے منجملہ خادموں اور تابعداروں کے ہو۔ اس سے بڑی کیا مصیبت ہو سکتی ہے کہ ایک بادشاہ کو اس کے تخت سے نیچے اتار دیا جائے۔ جس کا غلام بننا درست نہیں وہ اس کا قیدی بنایا جائے۔ اس کے اوامر اور

نواہی کے تحت اس کو مغلوب کر دیا جائے۔ اگر تو اس کے دل کو دیکھے جبکہ وہ اس کے محبوب کے ہاتھ میں ہے تو تم یوں دیکھو گے
''اگر وہ دور ہو جائیں تو ان کے شوق میں وہ روتا ہے اور اگر وہ قریب آ جائیں تو وہ علیحدگی کے ڈر سے روتا ہے۔''

اگر تو اس کی نیند اور آرام کو دیکھے تجھے معلوم ہو جائے گا کہ محبت اور نیند دونوں نے باہم معاہدہ کیا اور حلف اٹھایا ہے کہ وہ دونوں اکٹھے نہیں ہوں گے۔ اگر تو اس کے آنسوؤں کا بہنا اور آنتڑیوں سے کا جلنا دیکھ سکے تو تو ضرور کہے گا۔

اگر تو دل میں محبت کا چلنا اور غلغلہ دیکھے تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ اس میں محبت روحوں کے جسموں میں جگہ بنانے سے باریک تر جگہ بناتی ہے۔

کیا عاقل کے لائق ہے کہ وہ اس فرمانبردار بادشاہی کو اس کے ہاتھ بیچ دے جو اس کو برا عذاب چکھائے گا۔ اس کے اور اس کے ولی اور مولائے حق کے مابین وہ چیز حائل کر دے گا جس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یقیناً اس کے لیے بڑا اجاب ہے؟ محب جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ہاتھوں مقتول ہوتا ہے۔ وہ اس کا تابع اور عاجز غلام ہوتا ہے۔ اگر وہ اسے بلائے وہ لبیک کہتا ہے۔ اگر اس سے پوچھا جائے تمہاری کیا خواہش ہے؟ تو اس کی آخری تمنا محبوب ہی ہے۔ اس کے بغیر اسے کوئی نہیں جچتا نہ وہ کسی کے ہاں سکون پاتا ہے۔ پھر اس کا حق ہے کہ وہ اپنی غلامی کا اختیار جلیل القدر محبوب کو دے دے اور اپنا حصہ گھٹیا نصیب پر نہ بیچ دے۔

فصل: ہر فعل کی اصل محبت اور ارادہ ہے

آپ کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ جہان میں ہر فعل اور ہر حرکت کی بنیاد محبت اور ارادہ ہے یہ دونوں تمام افعال وحرکات کا مبداء[1] ہیں۔ جس طرح بغض وکراہت پر ترک اور رکنے کا مبداء ہیں۔ اگر پوچھا جائے کہ ترک اور رکنا ایک وجودی امر ہے۔ یہ بات اکثر لوگوں کے ہاں ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ عدمی ہے تو اس کے عدم میں اس کے مقتضی کا عدم کافی ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ: ترک کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ ترک جو امر وجودی ہے یعنی نفس کو فعل سے ہٹانا، روکنا اور بند کرنا۔ اس کا سبب امر وجودی ہے۔ ایک ترک محض عدم ہے اس میں عدم مقتضی ہی کافی ہے۔

تو ترک کی دو قسمیں ہو گئیں: ایک وہ قسم جس میں وجود کے لیے سبب مقتضی کا عدم کافی ہے۔ دوسری وہ قسم جس میں اس اکیلے موجب سبب کا وجود لازم سمجھا جاتا ہے یعنی بغض وکراہت۔ یہ سبب اکیلا ہی نفس کو روکنے اور بند کرنے کا مقتضی نہیں ہے۔ ملاپ محبت کا مسبب ہوتا ہے۔ ارادہ امر کا مقتضی ہوتا ہے جو اس کو اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جس سے اس نے خود کو روک رکھا ہے۔ اس کے ہاں دو باتیں باہم متعارض ہو جاتی ہیں۔ وہ دونوں میں سے خیر، اعلیٰ انفع اور اپنے ہاں محبوب تر کو ادنیٰ پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ کسی محبوب کو نہیں چھوڑتا مگر اس سے بڑھ کر کسی محبوب کے لیے، اور وہ کسی مبغوض کا ارتکاب نہیں کرتا مگر اس سے بھی بڑھ کر کسی مکروہ مبغوض سے چھٹکارا پانے کے لیے۔

پھر عقل وخرد کی خاصیت: محبوبات اور مکروہات کے مراتب میں فرق کرنا ہے۔ دو میں سے اعلیٰ محبوب کو ادنیٰ پر ترجیح دینا۔ دو میں سے ادنیٰ مکروہ کو اپنانا ہے تاکہ قوت صبر، ثبات اور یقین کے ساتھ ان کے اعلیٰ سے چھٹکارا پا لے۔

---

[1] مبداء جس سے ابتداء وآغاز ہو۔ (مترجم)

نفس کسی محبوب کو کسی محبوب کے لیے ہی چھوڑتا ہے۔ کسی مکروہ کو محبوب کے حصول کے لیے اور دوسرے مکروہ سے چھٹکارا پانے کے لیے برداشت کرتا ہے۔ اس چھٹکارے کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ اس کے محبوب کے منافی ہے۔ اس کی کوشش محبوب کی بالذات تحصیل ہے، وسیلہ کے ساتھ اس کے اسباب بھی۔ اپنے مبغوض کو بالذات دور کرنا اور وسیلہ کے ساتھ اس کے اسباب بھی۔ اس کی محبوب کی تحصیل میں کوشش اس لیے ہے کہ اس میں اس کی لذت ہے۔ اس کی مکروہ کے دور کرنے میں کوشش بھی اس لیے ہے کہ اس کے دور کرنے میں لذت ہے۔ جیسے آدمی تکلیف دہ پیشاب، پاخانے، خون، قے کو دور کرتا ہے۔ وہ تکلیف دہ گرمی، سردی، بھوک، پیاس وغیرہ کو بھی دور کرتا ہے۔

جب آدمی کو معلوم ہوا کہ یہ مکروہ اس کے محبوب تک پہنچاتا ہے وہ بھی اس کے لیے محبوب ہو جاتا ہے گو وہ اس کو ناپسند کرتا ہو۔ وہ ایک وجہ سے اس سے محبت کرتا ہے۔ دوسری وجہ سے اس کو ناپسند کرتا ہے۔

اسی طرح اگر معلوم ہو کہ یہ محبوب اس کو کسی مکروہ تک پہنچاتا ہے وہ بھی اس کے لیے مکروہ بن جاتا ہے گو وہ اس سے محبت بھی کرتا ہے تو وہ ایک وجہ سے اس کو مکروہ سمجھتا ہے جبکہ دوسری وجہ سے اس کو پسند کرتا ہے۔

آدمی اپنی خواہش اور قدرت کے ہوتے ہوئے محبت کو نہیں چھوڑتا مگر کسی اور محبت یا خواہش کے لیے، وہ کسی ناپسند اور ڈر والے کام کا ارتکاب نہیں کرتا مگر اس سے بچتے ہوئے کہ وہ ڈر والے اور ناپسند کسی دیگر کام میں واقع نہ ہو جائے۔

عقل کی خاصیت یہ ہے کہ آدمی دو میں سے کم تر اور قلیل نفع والے محبوب کو اعلیٰ اور عظیم نفع والے محبوب کے لیے چھوڑنا ہے۔

دو میں سے کم ضرر والے مکروہ کا ارتکاب کرتا ہے تا کہ سخت ضرر والے سے چھٹکارا پا سکے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ محبت اور ارادہ بغض و کراہت کی اصل اور ان کی علت ہے نہ کہ برعکس۔ ہر بغض محبوب کے لیے مبغوض کی نفی ہے۔ اگر محبوب نہ ہو بغض بھی نہ ہوگا۔ برخلاف کسی چیز کی محبت کے۔ وہ کبھی اپنے لیے ہوتی ہے مبغوض کی نفی کے لیے نہیں۔ اپنے محبوب کے مخالف سے بغض انسان کی اپنی محبت کی ضد کی وجہ سے لازم ہے، جب جب محبت قوی ہوگی تو منافی کے لیے بغض کی قوت بھی شدید تر ہوگی۔

اسی لیے حدیث شریف میں ہے:

«أَوْثَقُ عُرَى الْإِيمَانِ الْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ»[1]

''ایمان کی کڑیوں میں سب سے مضبوط اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے بغض ہے۔''

دوسری حدیث میں ہے:

«مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ، وَأَبْغَضَ لِلّٰهِ، وَأَعْطَى لِلّٰهِ، وَمَنَعَ لِلّٰهِ، فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ»[2]

''جس نے اللہ کے لیے محبت کی، اللہ کے لیے بغض رکھا، اللہ کے لیے دیا، اللہ کے لیے روکا بس اس نے ایمان کو مکمل کرنا چاہا۔''

ایمان علم اور عمل ہے۔ علم کا ثمرہ ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ دل کا محبت اور بغض کے لیے عمل۔ اور ان دونوں پر اعضاء کا عمل

---

① صحیح بخاری، ج: ۱، ص: ۸؛ مسند امام احمد، ج: ٤، ص: ۲۸٦۔

② سنن ابی داود، ج: ٥، ص: ٦۰، حدیث: ٤٦۸۱؛ مسند امام احمد، ج: ۳، ص: ٤۳۰۔

فعل یا ترک سے لاگو ہوتا ہے جو کہ عطاء اور منع ہے، جب یہ چاروں اللہ کے لیے ہوں تو ایسا آدمی ایمان مکمل کرنے والا ہے۔ اس میں جو نقص ہو تو وہ غیر اللہ کے لیے ہے۔ اس کے ایمان میں اسی حساب سے کمی آ جائے گی۔

فصل: حرکات تین طرح کی ہیں

اب یہ سمجھنا چاہیے کہ اوپر اور نیچے والے جہانوں کی ہر حرکت جو ہے اس کا سبب محبت اور ارادہ ہے۔ اس کی انتہاء/ غایت بھی محبت اور ارادہ ہے۔

حرکات تین طرح کی ہیں: ① ارادی ② فطری ③ غیر اختیار/ مجبوری والی۔

اگر حرکت کرنے والے کو اپنی حرکت کا شعور اور اس کے لیے ارادہ ہو تو اس کی حرکت ارادی ہے۔ اگر اس کو اپنی حرکت کا شعور نہ ہو یا شعور تو ہو لیکن وہ اس کا ارادہ کرنے والا نہ ہو۔ پھر اس کی حرکت یا اس کی طبع کے موافق ہوگی یا اس کے خلاف ہوگی۔ پہلی فطری ہے جبکہ دوسری مجبوری والی ہے۔

اس سے بھی نمایاں بات یوں ہے کہ کہا جائے: حرکت کی بنیاد یا تو حرکت والے آدمی کے خلاف عمل ہے یا اس میں قوت ہے، پہلی حرکت بے اختیار/ مجبوری والی ہے۔ جبکہ دوسری کا یا شعور ہوگا یا نہیں ہوگا۔ پہلی صورت میں حرکت ارادیہ جبکہ دوسری میں حرکت فطری ہے۔ جب حرکت شعور اور ارادے کو لازم ہو تو وہ ارادی ہوتی ہے۔ اگر دونوں باتوں کی نفی ہو پھر اگر حرکت کرنے والے کی قوت میں ہو تو وہ فطری ہے۔ اگر حرکت کرنے والے کی قوت میں نہ ہو تو وہ بے اختیار/ مجبوری والی ہے۔

آسمانوں اور زمین میں ہر حرکت افلاک، ستاروں، سورج، چاند، ہواؤں، بادلوں، بوٹیوں اور جانداروں کی حرکت۔ ان فرشتوں سے شروع ہوتی ہے جو آسمانوں اور زمین میں مقرر کیے گئے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝ ﴾ (النازعات:٥)

''پس وہ معاملات کی تدبیر کرنے والے ہیں۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴾ (النازعات:٤)

''پس وہ معاملے کو تقسیم کرنے والے ہیں۔''

اہل ایمان اور پیغمبروں علیہم السلام کے تابعداروں کے ہاں اس سے مراد فرشتے ہیں۔ جبکہ پیغمبروں کو جھٹلانے والے اور اللہ کے منکر کہتے ہیں اس سے مراد ستارے ہیں۔

ہم نے ان لوگوں پر رد میں سیر حاصل گفتگو اپنی بڑی کتاب ''المفتاح'' میں کی ہے۔

کتاب وسنت بتاتے ہیں کہ فرشتوں کی کچھ اقسام ہیں۔ وہ مختلف مخلوقات پر موکل ہیں۔ اللہ پاک نے بعض فرشتے پہاڑوں پر مقرر کیے ہیں۔ بادلوں اور بارش پر بعض فرشتے۔ رحم مادہ پر بعض فرشتے جو نطفے کے معاملے کی تدبیر کرتے ہیں حتیٰ کہ اس کی تخلیق پوری ہوتی ہے، پھر اللہ بندے کے لیے اس کی حفاظت پر فرشتے مقرر کرتے ہیں۔ کچھ فرشتے جو اس کے عمل کی حفاظت کرتے ہیں

اس کو شمار کرتے اور لکھتے ہیں۔ اس نے کچھ فرشتے موت پر مقرر کیے ہیں۔ اس نے قبر میں سوال پر کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں۔ افلاک پر کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں جو ان کو حرکت دیتے ہیں۔ سورج اور چاند پر کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں۔ جہنم، اس کے بھڑکانے، وہاں کے لوگوں کو عذاب دینے اور جہنم کی حفاظت پر کچھ فرشتے مقرر کیے ہیں۔ کچھ فرشتے جنت، اس کی آبادی، درخت لگانے اور نہروں پر مقرر کیے ہیں۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کا بڑا لشکر ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں: فرمایا:

﴿وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝﴾ (المرسلات:۱۔۵)

''ہواؤں کی قسم! جو نرم نرم چلتی ہیں، پھر زور پکڑ کر جھکڑ ہو جاتی ہیں، اور (بادلوں کو) پھاڑ کر پھیلا دیتی ہیں، پس ان فرشتوں کی قسم جو جدا کرتے ہیں، پھر فرشتوں کی قسم جو ذکر (وحی) لاتے ہیں۔''

بعض فرشتے یہ ہیں: فرمایا:

﴿وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝﴾ (النازعات:۱۔۵)

''ان فرشتوں کی قسم جو ڈوب کر کھینچ لیتے ہیں، اور ان کی جو آسانی سے کھول دیتے ہیں، اور ان کی جو تیرتے پھرتے ہیں، پھر لپک کر آگے بڑھتے ہیں، پھر کاموں کا انتظام کرتے ہیں۔''

بعض فرشتے یہ ہیں: فرمایا:

﴿وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝﴾ (الصافات:۱۔۳)

''قسم ہے ان فرشتوں کی جو صف باندھتے ہیں، پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر، پھر ذکر پڑھنے والوں کی۔''

بعض ملائکہ رحمت، بعض ملائکہ عذاب کے لیے مقرر ہیں۔ کچھ فرشتے عرش اٹھانے پر مقرر کیے گئے ہیں۔ بعض فرشتے آسمانوں کو نماز، تسبیح اور تقدیس کے ساتھ آباد رکھنے پر مقرر کیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ذمہ داریوں کے لحاظ سے فرشتوں کی اقسام ہیں جن کا شمار صرف اللہ ہی جانتا ہے۔

فرشتہ کے لیے مَلِكٌ کا لفظ ہے جو بتاتا ہے کہ وہ پیغامبر ہے کسی کا حکم نافذ کرنے والا ہے۔ ان کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ بلکہ اختیار سب اللہ واحد قہار کا ہے۔ وہ تو اس کے حکم کو نافذ کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝﴾ (الانبیاء:۲۷، ۲۸)

''وہ اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں، جو کچھ ان کے آگے ہو چکا اور جو پیچھے ہوگا وہ سب سے واقف ہے اور وہ سفارش نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جس سے خدا خوش ہو اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۞﴾ (النحل: ۵۰)

''اور وہ اپنے پروردگار سے اپنے اوپر سے ڈرتے ہیں اور جو ان کو ارشاد ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔''

وہ اس کے حکم کے بغیر نہیں اترتے۔ نہ ہی کوئی کام اس کی اجازت کے بغیر کرتے ہیں۔ وہ اللہ کے عزت والے بندے ہیں۔ ان میں سے بعض صف بنانے والے ہیں۔ بعض تسبیح پڑھنے والے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا ایک معلوم مقام ہے۔ وہ اس سے ہٹتا نہیں ہے۔ جس بات کا اس کو حکم دیا جاتا ہے وہ اس سے کوتاہی نہیں کرتا اور نہ ہی اس سے آگے بڑھتا ہے۔ ان میں اعلیٰ وہ ہیں جو اس ذات پاک کے قریب ہیں۔ فرمایا:

﴿لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ۞ يُسَبِّحُونَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۞﴾

(الانبیاء: ۱۹، ۲۰)

''وہ اس کی عبادت سے نہ کتراتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں، رات دن تسبیح کرتے رہتے ہیں نہ تھمتے ہیں۔''

ان کے سردار تین فرشتے ہیں: حضرت جبریل، میکائیل اور اسرافیل۔ نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«أَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيلَ، وَمِيكَائِيلَ، وَإِسْرَافِيلَ، فَاطِرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ. اهْدِنِي لِمَا اخْتُلِفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِكَ إِنَّكَ تَهْدِي مَنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ»[1]

''اے اللہ! جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے پروردگار! آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! غیب اور شہادت کو جاننے والے! تو اپنے بندوں کے مابین اس چیز میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ مجھے اپنے حکم سے ہدایت دے اس چیز کے لیے جس میں حق سے اختلاف کیا گیا ہے بے شک تو جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔''

آپ نے اللہ پاک کے سامنے عام ربوبیت اور ان تینوں کے لیے خاص ربوبیت کا وسیلہ پیش کیا جو کہ زندگی پر مقرر کیے گئے ہیں۔

جبریل کو وحی پر مقرر کیا گیا ہے جو دلوں اور روحوں کی حیات ہے۔

میکائیل کو بارش پر مقرر کیا گیا ہے جو زمین، بوٹیوں اور جانداروں کی حیات ہے۔

اسرافیل صور پھونکنے پر مقرر ہیں جس میں مرنے کے بعد تمام مخلوقات کی حیات ہے۔ اللہ کے پیغمبر ﷺ نے اللہ سے ان کی ربوبیت کے واسطے سے سوال کیا کہ جس حق میں اختلاف کیا گیا ہے اس میں اپنے حکم سے ہدایت دے دے۔ کیونکہ اس میں نافع حیات ہے۔ اللہ پاک نے اپنے بندے حضرت جبریل کی قرآن میں اچھی تعریف کی ہے اور اعلیٰ ترین صفات سے اس کو متصف کیا ہے۔ لہٰذا فرمایا:

﴿فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۞ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۞ وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۞ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ۞ إِنَّهُ لَقَوْلُ

[1] صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ۵۳۴ حدیث: ۲۰۰/ ۷۰۰ و سنن ابن ماجه، ج: ۱، ص: ۴۳۱ حدیث: ۱۳۵۔

رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ۙ﴿۱۹﴾ ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ﴿ۙ۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ﴿ؕ۲۱﴾ ﴾ (التکویر:۱۵۔۲۱)

''ہم کو ان ستاروں کی قسم! جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور جو سیر کرتے اور غائب ہو جاتے ہیں اور رات کی قسم جب ختم ہونے لگتی ہے اور صبح کی قسم جب نمودار ہوتی ہے، کہ بے شک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کا پیغام ہے، جو صاحب قوت، مالک عرش کے ہاں اونچے درجے والا سردار، وہاں امانت دار ہے۔''

یہ جبریل ہے۔ اللہ نے اس کی صفت بیان کی ہے کہ وہ اس کے ہاں عزت والا ہے، وہ قوت والا، اپنے رب کے پاس مرتبے والا ہے، وہ آسمانوں میں سردار ہے، وہ وحی پر امانت دار ہے اس کے رب کے ہاں عزت یہ ہے کہ وہ ملائکہ میں اس کے سب سے زیادہ قریب ہے۔

بعض سلف نے کہا: اس کا رب کے ہاں وہ مرتبہ ہے جو بادشاہ کے ہاں دربان کا ہوتا ہے۔ اس کی قوت یہ ہے کہ اس نے قوم لوط کے گھروں کو اپنے پر کے اوپر اٹھالیا۔ پھر اسے ان پر الٹا دیا۔ جو کچھ اسے حکم دیا جاتا ہے وہ اس کے نافذ کرنے پر قوت رکھتا ہے۔ وہ اس سے عاجز نہیں ہے۔ کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اسے حکم دیتے ہیں اس میں آسمانوں کے فرشتے اس کی تابعداری کرتے ہیں۔

ابن جریر اپنی تفسیر میں بواسطہ اسماعیل بن ابی خالد ابو صالح سے بیان کرتے ہیں: وہ امانت دار ہے کہ نور کے ستر خیموں میں بغیر اجازت داخل ہو۔

اس کی امانت کی صفت کا تقاضا اس کی سچائی اور خیر خواہی ہے۔ جو کچھ پیغمبروں کی طرف بھیجا گیا اس نے بغیر اضافہ، کمی اور چھپانے کے اتار دیا۔ اس کے لیے مرتبہ، امانت، قوت اور اللہ کے قرب کو جمع کیا گیا ہے۔

مرتبہ اور امانت میں جمع کی ایک مثال عزیز مصر کا حضرت یوسف کو یہ کہنا ہے:

﴿ اِنَّكَ الۡيَوۡمَ لَدَيۡنَا مَكِيۡنٌ اَمِيۡنٌ ﴾ (یوسف:۵۴)

''بے شک تو آج ہمارے ہاں مرتبے والا (اور) امانت والا ہے۔''

قوت اور امانت میں جمع کی دوسری مثال حضرت شعیب کی بیٹی کا حضرت موسیٰ کے بارے میں یہ کہنا ہے:

﴿ اِنَّ خَيۡرَ مَنِ اسۡتَاْجَرۡتَ الۡقَوِىُّ الۡاَمِيۡنُ ﴾ (القصص:۲۶)

''بے شک بہتر وہ شخص جس کو تو اجرت پر رکھ لے قوت والا (اور) امانت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کی صفت بتائی:

﴿ عَلَّمَهٗ شَدِيۡدُ الۡقُوٰى ۙ﴿۵﴾ ذُوۡ مِرَّةٍ ؕ فَاسۡتَوٰى ۙ﴿۶﴾ ﴾ (النجم:۵، ۶)

''ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا (یعنی جبریل) طاقتور نے پھر وہ نمودار ہوا۔''

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: وہ دیکھنے میں اچھا ہے۔

قتادہ کہتے ہیں: وہ اچھی تخلیق/ اخلاق والا ہے۔

ابن جریر کہتے ہیں: مرۃ سے مراد آفات ومصائب سے جسم کی صحت اور سلامتی ہے۔ انسان کا جسم جب اس طرح ہوتو وہ قوی ہوتا ہے۔

مِرّۃ مِرَرٌ کا واحد ہے۔ اس سے مراد وہ ہوتا ہے جو صحت مند جسم والا ہو۔ اسی سے نبی ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«لا تَحِلُّ الصدقة لغنيّ، ولا لذي مِرّة سَوِيّ»[1]

''صدقہ (لینا) کسی غنی کے لیے حلال نہیں اور نہ ہی کسی صحت مند جسم والے کے لیے۔''

میں کہتا ہوں اس آیت میں اس شخص کی حجت ہے جس نے کہا آیت میں مرہ سے مراد قوت ہے۔ یہ مجاہد اور ابن زید کا قول ہے اور یہ ضعیف قول ہے۔ کیونکہ اللہ پاک نے گزشتہ آیت میں اس کا وصف بتایا کہ ''وہ شدید قوت والا ہے۔''[2]

بلاشبہ حدیث میں مرہ سے مراد قوت ہے۔ نہ کہ اچھا نظر آنا۔ اگرچہ مرہ اس پر اور اس پر بولا جاتا ہے۔ اگر کہا جائے (جو کہ ظاہر بھی ہے) کہ مرہ ظاہری، باطنی عیوب وآفات سے صحت وسلامتی ہے۔ یہ تخلیق کے کمال اور اس کے حسن وجمال کو لازم ہے۔ عیب اور آفت تو تخلیق وترکیب کا ضعف ہے۔ یہ ایسی قوت اور صحت ہے جو اپنے اندر حسن وجمال رکھتی ہے۔ واللہ اعلم

یہودیوں نے نبی ﷺ سے کہا:

«مَنْ صَاحِبُكَ الَّذِيْ يَأْتِيكَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ؟ فَإِنَّهُ لَيْسَ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا يَأْتِيهِ مَلَكٌ بِالْخَبَرِ؟ قَالَ: هُوَ جِبْرِيْلُ قَالُوْا: ذَاكَ الَّذِيْ يَنْزِلُ بِالْحَرْبِ وَالْقِتَالِ، ذَاكَ عَدُوُّنَا لَوْ قُلْتَ: مِيكَائِيْلُ الَّذِيْ يَنْزِلُ بِالنَّبَاتِ وَالْقَطْرِ وَالرَّحْمَةِ؟ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالىٰ: ﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۞ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۞﴾ (البقرة:٩٨،٩٧)

''فرشتوں میں سے کونسا تمہارا ساتھی ہے جو تمہارے پاس آتا ہے کہ ہر نبی کے پاس ضرور ایک فرشتہ وحی لے کر آتا ہے؟ فرمایا: وہ جبریل ہے۔ کہنے لگے: وہ لڑائی اور جنگ لے کر اترتا ہے۔ وہ ہمارا دشمن ہے۔ اگر آپ میکائیل کہتے جو بوٹیوں، بارش اور رحمت کے ساتھ اترتا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''کہہ دو کہ جو شخص جبرئیل کا دشمن ہو۔ اس نے تو یہ (کتاب) خدا کے حکم سے تمہارے دل پر نازل کی ہے۔ جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے جو شخص خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبر کا اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا خدا دشمن ہے۔''

المقصود: اللہ پاک نے اوپر اور نیچے کے جہان میں فرشتے مقرر کیے ہیں۔ وہ اس کے حکم اجازت اور مشیت سے امر عالم کی تدبیر کرتے ہیں۔ اسی لیے کبھی تدبیر کی اضافت فرشتوں کی طرف ہو جاتی ہے کیونکہ وہی تدبیر پر عمل کرنے والے ہیں۔ جیسے فرمایا:

---

[1] سنن ابی داود، ج: ۲، ص: ۲۸۵، حدیث:۱۶۳٤۔

[2] دیکھیے آیت گزشتہ نمبر ۴ از سورۃ النجم (مترجم)

﴿ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴾ (النازعات:۵)

''پس معاملات کی تدبیر کرنے والے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ (یونس:۳)

''تمہارا پروردگار تو خدا ہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے۔ پھر عرش پر قائم ہوا وہ معاملہ کی تدبیر کرتا ہے۔''

نیز فرمایا:

﴿ قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ مَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ﴾ (یونس: ۳۱)

''کہو کہ تم کو آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے یا کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جاندار کون پیدا کرتا ہے اور جاندار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ خدا!''

وہ حکم، اجازت اور مشیت کے اعتبار سے مدبر ہے، جبکہ فرشتے کام کرنے اور فرمانبرداری کے اعتبار سے مدبر ہیں۔

یہ ایسے ہے جیسے اللہ نے کبھی ان کی طرف فوت کرنے کی اضافت کی ہے فرمایا:

﴿ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ﴾ (الانعام:٦١)

''اس کو ہمارے فرشتے فوت کرتے ہیں۔''

اور کبھی اپنی طرف فرمایا:

﴿ اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا ﴾ (الزمر:٤٢)

''اللہ نفسوں کو فوت کرتا ہے ان کی موت کے وقت۔''

اور اس کی دیگر مثالیں ہیں:

جو ملائکہ انسان پر اس کے نطفہ ہونے سے آخر امر تک مقرر ہیں۔ ان کا اور اس کا معاملہ ہی اور ہے۔

ان کو موکل بنایا گیا ہے اس کی تخلیق کے لیے، اسے ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنے پر، اس کی شکل بنانے پر، تین اندھیروں کے طبقات میں اس کی حفاظت پر اس کا رزق، عمل، اجل، بدبختی، خوش بختی لکھنے پر، تمام احوال میں اس کے ہمراہ رہنے پر، اس کے اقوال وافعال کے شمار پر، اس کی زندگی میں اس کی حفاظت پر، بوقت وفات اس کی روح قبض کرنے پر، اس کو اس کے پروردگار اور خالق کے سامنے پیش کرنے پر، وہ برزخ میں اس کے عذاب اور نعمت پر بھی موکل ہیں۔ اٹھائے جانے کے بعد بھی۔ وہ نعمت اور عذاب کے آلات کے عمل پر بھی موکل ہیں۔ وہ اللہ کے حکم سے بندہ مومن کے لیے ثابت قدمی [1] دینے والے ہیں۔ وہ اس کے لیے ایسا عمل بھی کرتے ہیں جو اس کو نفع دے۔ وہ اس کی طرف سے لڑائی کرنے والے، اس کا دفاع کرنے والے ہیں۔ وہ

---

[1] قرآن کریم میں ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ثابت قدم رکھے گا۔ اس تثبیت میں شاید فرشتے موکل ہوں گے یا دنیا میں پریشانیوں پر ثابت قدم رکھنا مراد ہے یا دونوں ہی، واللہ اعلم۔ (مترجم)

دنیا و آخرت میں اس کے دوست ہیں۔ وہی ہیں جو خواب میں انسان کو وہ چیز دکھاتے ہیں جس کا خدشہ ہوتا ہے تاکہ وہ اس سے بچ جائے اور وہ چیز بھی جو اس کو پسند ہے تاکہ اس کے دل کو مضبوط کر دیں وہ شکر میں بڑھ جائے۔ وہی ہیں جو اس کو خیر کا وعدہ دیتے ہیں۔ اس کو اس کی طرف بلاتے ہیں۔ وہ اس کو شر سے روکتے ہیں اور اس سے بچتے ہیں۔ وہ اس کے دوست اور مددگار ہیں، اس کے حفاظت کنندہ ہیں، اس کو تعلیم دینے والے، اس کے خیر خواہ، اس کے لیے دعا کرنے والے، اس کے لیے استغفار کرنے والے ہیں۔ وہی ہیں جو اس کے لیے دعاءِ رحمت کرتے ہیں جب تک وہ اپنے رب کی فرمانبرداری میں رہے۔ وہ اس کے لیے دعا کرتے ہیں جب تک وہ لوگوں [1] کو خیر کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ اس کی نیند میں، موت کے وقت اور جس روز اٹھایا جائے گا اس وقت اس کو اللہ کی طرف سے عزت کی بشارت دیتے ہیں۔ وہی ہیں جو اس کو دنیا کی بے رغبتی اور آخرت کی ترغیب دلاتے ہیں۔ وہی ہیں جو اسے یاد کراتے ہیں جب وہ بھولتا ہے۔ وہ اسے چست کرتے ہیں جب وہ سست ہوتا ہے۔ جب وہ عاجزی کرے وہی اس کو پکار کھتے ہیں۔ وہی ہیں جو اس کی دنیا و آخرت کے مفادات کے لیے کوشش کرتے ہیں۔

وہ اللہ کے خلق اور اس کے امر میں اس کے پیغامبر ہیں۔ وہ اس کے اور اس کے بندوں کے مابین سفیر ہیں۔ وہ اس کے حکم سے جہان کے کناروں تک امر لے کر اترتے ہیں۔ اس کی طرف امر لے کر چڑھتے ہیں۔ ان کی وجہ سے آسمان سے آواز نکلتی ہے اور حق ہے کہ اس کی آواز نکلے۔ آسمان میں کہیں بھی چار انگلیوں کی جگہ خالی نہیں مگر وہاں پر ایک فرشتہ قیام میں ہے یا رکوع میں یا سجدے میں ہے۔ بیت المعمور [2] میں ہر روز ان میں سے ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر وہ آخر تک اس میں نہیں لوٹتے۔'' [3]

قرآن فرشتوں کے ذکر سے ان کی اقسام، ان کے اعمال اور ان کے مراتب سے بھرا پڑا ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ٭ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ إلى آخر القصة

(البقرة: ۳۰، ۳۸)

''اور جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں انہوں نے کہا: کیا تو اس میں ایسے شخص کو نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت وخون کرتا پھرے اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں، فرمایا: میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور اس نے آدم کو سب نام سکھائے پھر ان کو

[1] مشکوٰۃ شریف کی کتاب العلم میں اس مفہوم کی حدیث شریف ہے کہ اللہ کے فرشتے لوگوں کو خیر کی تعلیم دینے والے کے لیے دعا کرتے ہیں اور اس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ (مترجم) [2] یہ آسمانوں پر اللہ کا گھر ہے جس کا فرشتے طواف کرتے ہیں۔ بعض اہل علم نے فرمایا کہ زمین میں جہاں پر بیت اللہ ہے عین اسی جگہ کے اوپر بیت المعمور ہے۔ واللہ اعلم (مترجم)

[3] مستدرك حاكم، ج: ۲، ص: ٤٦٨؛ مسند امام احمد، ج: ۳، ص: ۱٤۹۔

فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ انہوں نے کہا: تو پاک ہے جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں بے شک تو دانا، حکمت والا ہے، خدا نے حکم دیا کہ آدم! تم ان کو ان کے نام بتاؤ جب انہوں نے ان کو ان کے نام بتائے تو فرمایا: کیوں میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو مجھ کو معلوم ہے اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب سجدے میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا اور غرور میں آ کر کافر بن گیا۔'' یہ واقعہ آخر تک

اور فرمایا:

﴿ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ ﴾ (القدر:٤)

''فرشتے اور حضرت جبرئیل اس رات میں اپنے رب کے ہر حکم سے اترتے ہیں۔''

قرآن کی سورتوں میں سے جو کچھ ان دو سورتوں میں ذکر ہے۔ بلکہ قرآن کی سورتوں میں سے کوئی سورت بھی تصریح، تلویح یا اشارہ کے ساتھ ملائکہ کے ذکر سے خالی نہ ہے۔

رہا ان کا احادیث نبویہ میں ذکر تو یہ بتانے سے کہیں زیادہ اور مشہور تر ہے۔ اسی لیے ملائکہ علیہم السلام پر ایمان رکھنا۔ ان پانچ بنیادوں میں سے ایک ہے جو ایمان کے ارکان ہیں۔ وہ یہ ہیں: اللہ پر ایمان، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے پیغمبر اور روز آخرت پر ایمان''[1]

ہم اپنے مقصود کی طرف لوٹتے ہیں: اوپری اور نیچے کے جہان کی حرکات ملائکہ کے ساتھ ہیں۔ ارادی حرکات سب کی سب اس ارادہ کے تابع ہیں جو ارادہ کرنے والا اپنے فعل کے لیے حرکت کرتا ہے۔ فطری حرکت کا سبب وہ چیز ہے جو متحرک میں کمال و انتہاء والی طلب اور میلان ہے۔ جیسے آگ کی حرکت، بوٹیوں کی حرکت، ہواؤں کی حرکت۔ اسی طرح ثقیل جسم کی نیچے کی طرف حرکت۔ یہ اپنی فطرت کے ساتھ مرکز کی طرف اپنی جائے قرار کو طلب کرتی ہے۔ جس سے اس کو کوئی روکنے والا نہیں روکتا۔ رہی بے اختیار حرکت۔ جیسے بے اختیار اوپر کو حرکت، یہ بے اختیار کرنے والے کے ارادہ کے تابع ہے تو کوئی حرکت اصلیہ ارادہ اور محبت کے بغیر باقی نہیں ہیں۔

فصل: ہمیشہ رہنے والی محبت

اب یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ محبت وہی ہے جو محبت کو اپنے محبوب کی طلب میں متحرک کرے جو اسی کے حصول سے کامل ہوتی ہے۔ وہ حرکت دیتی ہے رحمن کے محب کو، محب قرآن، محب علم و ایمان، محب متاع و اثمان، محب صلیب و بتان، بے ریش لڑکوں اور عورتوں کے محب، محب اوطان اور محب اخوان کو۔ وہ ہر دل سے ان اشیاء کے محبوب کی طرف حرکت کو بھڑکاتی ہے۔ اس میں دوسروں کی بجائے اپنے محبوب کے ذکر پر حرکت آتی ہے۔ اسی لیے تم دیکھو گے کہ عورتوں اور بے ریش لڑکوں سے محبت کرنے والا، شیطان کے قرآن یعنی آوازوں اور گانوں کا محب، ایمان کے شواہد اور علم پر متحرک نہیں ہوتا۔ نہ تلاوت قرآن پر۔ حتیٰ کہ جب اس کے لیے

[1] اس مفہوم کی حدیث دیکھیے: صحيح البخاری، ج: ١، ص: ١٨۔

اس کے محبوب کا ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ اس کے لیے ہلتا ہے، اٹھتا ہے، اس کا ظاہر اور باطن اس کے شوق میں اور اس کے ذکر کی خوشی میں حرکت کرتا ہے۔

یہ سب محبتیں باطل اور رائیگاں ہیں۔ سوائے اللہ کی محبت اور جو اس کی دوستی میں ہے۔ اس کے رسول کی محبت، اس کی کتاب، اس کے دین اور اس کے اولیاء کی محبت کے۔

یہ محبت ہمیشہ رہتی ہے۔ اس کا پھل اور اس کا انعام اس پر ہمیشہ رہتا ہے جس سے یہ ہمیشہ متعلق ہو جائے۔ دیگر محبتوں پر اس کی فضیلت اسی طرح ہے جس طرح اس کے تعلق والے کی دوسروں پر۔ جب محبت کرنے والوں کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے ان کی باہم محبت اور مودت کے اسباب ٹوٹ جائیں گے۔ تو اس کے اسباب نہیں ٹوٹیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴾ (البقرة: ١٦٦)

''اس دن پیشوا اپنے پیروؤں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور عذاب (الٰہی) دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔''

عطاء نے حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے اس سے مراد محبت ہے۔

مجاہد نے کہا: ان کا دنیا کا باہم ملاپ ہے۔

ضحاک نے کہا: یعنی ان کے رشتے ٹوٹ جائیں گے اور جہنم میں ان کی جگہیں الگ الگ ہوں گی۔

ابو صالح نے کہا: اعمال ختم ہو جائیں گے۔

سب ہی درست ہیں۔ اسباب وہی چیز ہیں جو دنیا میں ان کا ذریعہ ملاپ تھی۔ یہ اس وقت ٹوٹے گی جب اس کو اس کی حاجت زیادہ ہوگی۔ رہے اللہ کے لیے مخلص لوگوں کے اسباب تو وہ جڑے رہیں گے۔ ان کا ملنا اپنے معبود اور محبوب کی ہیشگی سے ہمیشہ رہے گا۔

ہر سبب اپنے انقطاع اور بقاء میں اپنی انتہاء کے تابع ہوتا ہے۔

فصل: اللہ کی محبت کا نفع

اب یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ اصل محبت جس کے لیے اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا اور جس کا ان کو حکم دیا ہے۔ وہ اسی وحدہ لاشریک کی محبت ہے۔ جو ہر ماسوا کے بجائے اس کی عبادت کو شامل ہے عبادت نہایت عاجزی کے ساتھ نہایت محبت کو شامل ہے اور یہ صرف اللہ واحد کے لیے درست ہے۔

جب محبت ایک جنس ہے جس کے ماتحت معیار اور مقدار میں مختلف چیزیں آتی ہیں تو اس میں سب سے غالب جو ذکر کیا جائے گا وہ اللہ کا ایسا حق ہے جو اس کے ساتھ خاص اور اُسی کے لائق ہے۔ مثلاً عبادت، عاجزی اور جھکاؤ۔ اسی لیے اس میں لفظ عشق، غرام، صبابة، شغف اور ھویٰ کو ذکر نہیں کیا جاتا۔ اس کے لیے لفظ محبت ہی ذکر کیا جاتا ہے جیسے اللہ نے فرمایا:

﴿ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ﴾ (المائدة: ٥٤)

''وہ (اللہ) ان (مؤمنوں) سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ﴾ (آل عمران:۳۱)

''کہہ دیجیے! اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو تم میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ (البقرة:۱۶۵)

''اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ کے لیے محبت میں زیادہ سخت ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں کا اوّل سے آخر تک دارومدار اس محبت اور اس کے لوازم پر ہے۔ اس کے خلاف کی محبت اور اس سے تعلق کی ممانعت پر ہے۔ ان میں دونوں محبت والوں کے لیے مثالیں اور قیاس بیان کر دیے ہیں۔ ان کے واقعات، انجام، قصے، ثواب اور عذاب ذکر کیے گئے ہیں۔ کوئی ایمان کی مٹھاس نہیں پا سکتا، بلکہ اس کا ذائقہ نہیں چکھ سکتا مگر وہ شخص کہ جس کے نزدیک اللہ اور اس کا رسول دیگر سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جائیں۔ جیسے صحیحین میں حضرت انس کی حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ- وَفِيْ لَفْظٍ: لَا يَجِدُ طَعْمَ الْإِيْمَانِ إِلَّا مَنْ كَانَ فِيْهِ ثَلَاثٌ: مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَرْجِعَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْه، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ»[1]

''تین باتیں جس میں ہوں۔ اس نے ایمان کی مٹھاس کو پالیا'' دیگر لفظ ہیں: ایمان کا ذائقہ نہیں پا سکتا مگر وہ شخص جس میں تین باتیں ہوں ''جس کے لیے اللہ اور اس کا رسول دیگر سے بڑھ کر محبوب ہو جائیں اور وہ کسی آدمی سے محبت کرے اور اس سے محبت صرف اللہ کے لیے کرے، اور جب اللہ نے اس کو کفر سے بچا لیا وہ اس میں لوٹنا ناپسند کرے جیسے وہ جہنم میں ڈالا جانا ناپسند کرتا ہے۔''

صحیحین میں انہی سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ»[2]

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ میں اس کے لیے اس کے والد، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔''

اسی لیے پیغمبروں کی دعوت اول تا آخر اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت پر متفق رہی ہے۔

عبادت کی اصل، اس کا تمام اور کمال محبت ہے۔ اللہ پاک کو اس میں خاص کرنا ہے۔ اس میں بندہ کسی کو اس کا شریک نہ بنائے۔ جو کلمہ ان دو اصلوں کو اپنے ضمن میں رکھتا ہے وہی کلمہ ہے کہ جس کے بغیر اسلام میں داخل نہیں ہوا جاتا۔ آدمی کا خون اور مال اس کی ادائیگی پر ہی (اہل اسلام کے ہاں) محفوظ ہوگا۔ اللہ کے عذاب سے انسان تبھی بچے گا جب اس کو اپنے دل اور زبان سے

---

[1] صحیح بخاری، ج: ۱، ص:۹؛ مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۲۹۸۔

[2] صحیح مسلم، ج: ۱، ص:۶۷ حدیث: ۴۴/ ۷۰۔

ثابت کرے گا اور اس کا ذکر افضل ہے۔ جیسے صحیح ابن حبان میں آپ کا فرمان ہے:

«أَفْضَلُ الذِّكْرِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»[1]

''افضل ذکر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ہے۔''

جو آیت اس پر اور اس کی فضیلت پر مشتمل ہے۔ وہ قرآن کی آیتوں کی[2] سردار ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے جو سورت خاص ہے وہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔[3]

اللہ پاک نے تمام پیغمبروں کو اس کے ساتھ بھیجا ہے۔ اپنی تمام کتابوں کو اتارا، تمام شرائع کو اسی کے حق کی ادائیگی اور اس کی تکمیل کے لیے مقرر کیا۔ اسی کے ساتھ بندہ اپنے رب کے پاس داخل ہوگا۔ وہ اس کے پڑوس میں ہوگا۔ یہی اس کے دوستوں اور دشمنوں کی جائے پناہ ہے۔ اس کے دشمنوں کو جب خشکی اور تری میں کوئی تکلیف پہنچتی وہ اس کی توحید کی طرف پناہ لیتے اپنے شرک سے بری ہوتے۔ اس کو خالص ہو کر پکارتے۔ اس کے اولیاء بھی دنیا و آخرت کی سختیوں پر اس کی طرف پناہ پکڑتے ہیں۔

اسی لیے غمزدہ شخص کی دعا یہ ہے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ، رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ»[4]

''اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ عظیم، حلیم ہے۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ عرش عظیم کا رب ہے۔ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں وہ آسمانوں کا رب، زمین کا رب اور عرش کریم کا رب ہے۔''

مچھلی والے (حضرت یونس علیہ السلام) کی یہ دعا بھی۔ جو بھی غمزدہ شخص یہ دعا پڑھے۔ اللہ اس کا دکھ دور کر دیتے ہیں:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ»[5]

''نہیں ہے کوئی الٰہ مگر تو ہی۔ تو پاک ہے۔ بے شک میں ظالموں میں سے ہوں''

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی معاملہ پریشان کرتا۔ آپ یہ دُعا پڑھتے:

«اَللّٰهُ رَبِّيْ لَا أُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا۔ وَفِيْ لَفْظٍ قَالَ: هُوَ اللّٰهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ»[6]

''اللہ میرا رب ہے۔ میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا۔ دیگر لفظ ہیں فرمایا: وہی اللہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔''

حضرت اسماء بنت عمیس کہتی ہیں:

---

[1] جامع ترمذی، ج: ٥، ص: ٤٦٢، حدیث: ٣٣٦٣؛ مسند امام احمد، ج: ٥، ص: ١٦٩۔

[2] اس سے مراد آیۃ الکرسی ہے۔ اس کے آغاز میں "اللّٰه لا اله إلا هو" ہے۔ (مترجم) [3] دیکھیے: صحیح بخاری، ج: ٨، ص: ١٠٥؛ صحیح مسلم، ج: ٢، ص: ٥٥٦، حدیث: ٢٥٩ / ٨١١۔ اس سے سورۂ اخلاص مراد ہے۔ (مترجم)

[4] صحیح بخاری، ج: ٧، ص: ١٥٥، ١٥٤؛ مسند امام احمد، ج: ١، ص: ٢٢٨۔

[5] جامع ترمذی، کتاب الدعوات حدیث: ٣٥٠٥ و مسند امام احمد، ج: ١، ص: ١٧٠۔

[6] عمل الیوم واللیلۃ امام نسائی، ج: ٢، ص: ١٢٩۔

«عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَلِمَاتٍ أَقُوْلُهَا عِنْدَ الْكَرْبِ: اَللّٰهُ، اَللّٰهُ رَبِّيْ، لَا أُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا»[1]

''مجھے رسول اللہ ﷺ نے چند کلمات سکھائے جن کو میں مصیبت کے وقت کہوں: اللہ۔ اللہ میرا رب ہے۔ میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتی۔''

ترمذی میں ابراہیم بن محمد بن سعد بن ابی وقاص کی حدیث مروی ہے، کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«دَعْوَةُ يُوْنُسَ إِذْ نَادٰى فِيْ بَطْنِ الْحُوْتِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، سُبْحَانَكَ إِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ، فَإِنَّهُ لَمْ يَدْعُ بِهَا مُسْلِمٌ فِيْ شَيْءٍ إِلَّا اسْتُجِيْبَ لَهُ»[2]

''حضرت یونس علیہ السلام کی دعا جب انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں پکارا: نہیں کوئی الٰہ مگر تو۔ تو پاک ہے۔ بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔ یہ دعا جو بھی مسلمان کسی چیز کے بارے میں کرے تو ضرور قبول ہو جائے گی۔''

مسند امام احمد میں مرفوعاً مروی ہے:

«دَعَوَاتُ الْمَكْرُوْبِ: اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُوْ، فَلَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَأَصْلِحْ لِيْ شَأْنِيْ كُلَّهُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ»[3]

''دکھ والے کی دعا (یہ ہے): اے اللہ میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ تو مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کر آنکھ جھپکنے کے بقدر بھی اور میرے لیے میرا سب کام درست کر دے نہیں کوئی الٰہ مگر تو''

توحید طلب گاروں کی پناہ، گھبرانے والوں کی جائے گھبراہٹ اور پریشانیوں کی مدد ہے۔ پروردگار پاک کو اکیلا جاننے کی حقیقت محبت، اجلال، تعظیم، عاجزی اور خضوع ہے۔

فصل: ایک کے ساتھ محبت کی وجہ

جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہر حرکت کی اصل محبت اور ارادہ ہے۔ اپنے نفس کے لیے ایک محبوب مراد ضروری ہے۔ اس کے بغیر نہ کوئی مطلوب ہو اور نہ محبوب۔ اگر ہر محبوب سے غیر کی وجہ سے محبت کی جائے تو علل اور مقاصد میں دور اور تسلسل لازم آئے گا جو کہ اہل عقل کے اتفاق سے باطل ہے۔ ایک چیز سے محبت ایک وجہ سے ہوتی ہے دوسری وجہ سے نہیں۔ اللہ واحد کے سوا کوئی بھی نہیں جس کی ذات سے ہر وجہ سے محبت کی جاتی ہو۔ معبود ہونا بھی اس کے سوا کسی کو سزاوار نہیں ہے۔ اگر آسمانوں اور زمین میں دیگر الٰہ ہوتے تو ضرور ان دونوں میں فساد ہو جاتا۔ جس الوہیت کی طرف پیغمبروں نے اپنی امتوں کو توحید کی دعوت دی۔ وہ اللہ کی عبادت اور معبودیت ہی ہے۔ توحید ربوبیت بھی اس کے لوازم سے ہے جس کا مشرکوں نے بھی اقرار کیا تھا۔ اللہ پاک نے اس کو ان کے خلاف حجت بنایا کہ محض اس کے اقرار سے توحید الوہیت کا اقرار لازم نہیں آتا۔[4]

---

[1] سنن ابن ماجه، ج: ۲، ص: ۱۲۷۷، حديث: ۳۸۸۲۔

[2] جامع ترمذی، ج: ۵، ص: ۵۲۹، حديث: ۱۳۱۵، كتاب الدعوات۔ [3] مسند امام احمد، ج: ۵، ص: ۴۲۔

[4] اس مفہوم کا بیان سورۃ المومنون آیات ۸۴ تا ۹۲ میں ہے۔ مطلب یہ ہے صرف ربوبیت کا اقرار توحید کے لیے کافی نہیں جب تک الوہیت کا اقرار نہ ہو۔ (مترجم)

فصل: محبت کیوں ہوتی ہے؟

ہر زندہ کا اپنے حساب سے ایک عمل اور ارادہ ہے۔ ہر متحرک کا ایک مقصود/ غایت ہے جس کی طرف وہ حرکت کرتا ہے۔ آدمی کو کوئی فائدہ نہیں جب تک اس کی حرکت کی غایت اور مطلب کی نہایت اللہ واحد کی ذات نہ ہو۔ جیسے آدمی کا اس وقت تک وجود نہیں مگر یہ کہ اللہ واحد ہی اکیلا اس کا ربّ اور اس کا خالق ہے۔ اس کا وجود اللہ واحد کے ساتھ ہی ہے اس کا کمال یہ ہے کہ وہ اللہ واحد کا ہو جائے۔ جو اس کے لیے نہ ہے وہ نہیں ہے۔ جو اس کے لیے نہ ہے وہ نفع نہیں پاتا اور نہ وہ ہمیشہ رہتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ﴾ (الانبیآء: ۲۲)

''اگر ان دونوں میں اللہ کے سوا دیگر الٰہ ہوتے تو وہ دونوں ضرور خراب ہوتے۔''

یہاں یہ نہیں فرمایا کہ وہ دونوں نہ رہتے کیونکہ اللہ پاک وجہ فساد پر بھی ان دونوں کو باقی رکھنے پر قادر ہے۔ لیکن ان کا درست ہونا ممکن نہیں بجز اس کے کہ ان دونوں کو وجود بخشنے والا، ان دونوں کو پیدا کرنے والا ایک معبود وحدہ لاشریک ہو۔ اعمال وحرکات کی اصلاح ان دونوں میں نیات اور مقاصد کی اصلاح کے ساتھ ہے۔ ہر عمل اپنے عامل کی نیت، قصد اور ارادہ کے تابع ہے۔

اعمال کی جو صالح اور فاسد میں تقسیم ہے۔ یہ کبھی ان کی ذات کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی مقاصد اور نیات کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

رہی محبت اور ارادہ کی نفع مند اور نقصان دہ میں تقسیم تو یہ اس کے متعلق، محبوب اور مراد کے اعتبار سے ہے۔ اگر محبوب، مراد وہ ہو کہ جس کی ذات کے علاوہ کسی سے محبت اور جس کے علاوہ کسی کا ارادہ مناسب نہیں ہے۔ وہ محبوب اعلیٰ (اللہ) ہے کہ بندے کی صلاح، فلاح، نعمت اور سرور اس کے بغیر نہیں کہ وہی اکیلا اس کا محبوب، مراد اور غایت ومطلوب ہے۔ اس کی محبت اس کے لیے نفع مند ہوگی۔

اگر اس کا محبوب، مراد اور نہایت ومطلوب اس کے علاوہ کوئی ہو۔ اس کی محبت اس کے لیے نقصان دہ ہوگی۔ عذاب اور بدنصیبی ہوگی۔

نافع محبت وہ ہے جو آدمی کے لیے وہ کچھ کھینچ لائے جو سعادت اور نعمت کا باعث ہو۔ نقصان دہ محبت وہ ہے جو آدمی کے لیے وہ کچھ کھینچ لائے جو اس کو بدنصیبی، دکھ اور مشقت وتکلیف پہنچائے۔

فصل: محبت کا سبب

آپ پر یہ بھی واضح ہو کہ زندہ، عالم اور خود کا خیر خواہ اس چیز کی محبت کو ترجیح نہیں دیتا جو اس کو نقصان دے۔ وہ اس سے دکھ اور درد پائے۔ یہ اگر واقع ہو تو اس کے تصور اور معرفت کی خرابی سے یا اس کے قصد اور ارادہ کی خرابی سے ہے۔

پہلا جہل جبکہ دوسرا ظلم ہے۔ انسان دراصل بہت ظلم والا بہت جہل والا پیدا کیا گیا ہے، وہ جہل اور ظلم سے اس کے بغیر جدا نہیں ہو سکتا کہ اللہ اس کو وہ تعلیم دے جو اس کو نفع دے۔ وہ اسے اس کی ہدایت الہام کر دے۔ جس کے ساتھ وہ خیر کا ارادہ

کرے[1] وہ اسے سکھا دیتا ہے جو اسے نفع دے۔ وہ اس کے ساتھ جہل سے نکل جاتا ہے، جو اس نے علم حاصل کیا وہ اس سے نفع پاتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ ظلم سے نکل جاتا ہے۔ جب وہ اس کے ساتھ خیر کا ارادہ نہ کرے اس کو اصل تخلیق[2] پر باقی چھوڑتا ہے۔

جیسے حضرت عبداللہ بن عمرو کی مسند احمد میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خَلْقَهُ فِي ظُلْمَةٍ، ثُمَّ أَلْقَى عَلَيْهِمْ مِنْ نُورِهِ، فَمَنْ أَصَابَهُ ذٰلِكَ النُّورُ اِهْتَدَى، وَمَنْ أَخْطَأَهُ ضَلَّ»

''بے شک اللہ نے اپنی مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور میں سے ڈالا۔ جس کو اس نور سے پہنچا اس نے ہدایت پائی اور جس نے اس سے خطاء کی وہ گمراہ ہوا۔''

نفس اس بات کی خواہش کرتا ہے جو اس کو نقصان دے اور نفع نہ دے۔ کبھی تو اسے اپنے نقصان سے جہل ہے۔ کبھی مقصد فساد ہے۔ کبھی وہ دونوں اکٹھے ہیں۔ جس نے جہل اور ظلم کے داعی کی بات کو قبول کیا۔ اللہ نے اپنی کتاب میں اس کی مذمت کی ہے۔ لہٰذا: فرمایا:

﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَآءَهُمْ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ۝﴾ (القصص: ۵۰)

''اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔ بے شک خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿إِنْ هِيَ إِلَّآ أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوهَآ أَنْتُمْ وَآبَآؤُكُمْ مَّآ أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ إِنْ يَّتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۝﴾ (النجم: ۲۳)

''یہ تو چند نام ہیں جو نام تم نے اور تمہارے آباء نے رکھے ہیں نہیں وہ پیروی کرتے مگر گمان کی اور جو نفس خواہش کرتا ہے اور البتہ تحقیق ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آئی ہے۔''

تو ہر خیر کی اصل علم اور عدل ہے اور ہر شر کی اصل جہل اور ظلم ہے۔

جس عدل کا حکم دیا گیا ہے اللہ پاک نے اس کی ایک حد بنائی ہے۔ جس نے اس سے تجاوز کیا وہ ظلم کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا ہے۔ اس کے ظلم اور سرکشی کے حساب سے اس کی مذمت اور سزا ہے۔ جس کے ساتھ وہ وعدل سے نکلتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَّكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ (الاعراف: ۳۱)

---

[1] حدیث شریف میں ہے ''جس کے ساتھ اللہ خیر کا ارادہ کرے اسے دین کی سمجھ دیتا ہے''۔ (مترجم)

[2] یعنی اصل تخلیق ظلم اور جہل پر ہے۔ (مترجم)

''اورتم کھاؤ اور پیئو اور حد سے نہ بڑھو بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

جو شخص اپنی بیوی اور لونڈی کے علاوہ کچھ چاہے اس کے متعلق فرمایا:

﴿ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ ﴾ (المومنون:۷)

''تو جو اس کے علاوہ تلاش کرے پس وہ حد سے بڑھنے والے ہیں۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ:۱۹۰)

''اورتم حد سے نہ بڑھو بے شک وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

المقصود: ظلم اور عدوان کی محبت کا سبب علم کی خرابی یا قصد کی خرابی یا اکٹھے دونوں کی خرابی ہے۔

ایک قول ہے کہ قصد کا فساد علم کے فساد سے ہے۔ ورنہ اگر اس طرح حقیقی علم ہو کہ نقصان دہ میں کیا نقصان اور اس کے لوازم ہیں تو بندہ اس کو ترجیح نہ دے۔ اس لیے جس کو معلوم ہو کہ کھانا مزیدار، لذیذ ہے لیکن اس میں زہر ڈالا گیا ہے تو وہ اس پر اقدام نہ کرے گا۔ نقصان دہ میں کیا ہے اس علم کی کمزوری بھی نقصان کی وجہ سے ہے۔ اس سے اجتناب کا ضعف عزم اسے اس کے ارتکاب میں واقع کرتا ہے۔ اسی لیے حقیقی ایمان جو ہے وہ آدمی کو نفع والے فعل پر اور نقصان دہ کے ترک پر ابھارتا ہے۔ اگر بندہ اس طرح نہ کرے اور اس کو نہ چھوڑے اس کا ایمان حقیقت پر نہیں ہے، اس کے ساتھ ایمان تو اسی حساب سے ہے۔

جو مؤمن جہنم پر حقیقی ایمان رکھتا ہے حتیٰ کو گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ اس تک پہنچانے والے راستے پر نہیں چلتا۔ چہ جائیکہ وہ اس کے لیے محنت اور کوشش کرے۔

جو مؤمن جنت پر حقیقی ایمان رکھتا ہے تو اس کا دل آمادہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ اس کی طلب سے پیچھے بیٹھا رہے۔ یہ ایسا معاملہ ہے جس کو انسان اپنے دل میں پاتا ہے کہ وہ دنیا کے منافع کے لیے کوشش کرتا ہے یا اس کے نقصانات سے چھٹکارے کی۔

فصل: عقل اور شرع

جب یہ بات واضح ہوگئی تو اب یہ سمجھنا چاہیے کہ بندے کو سب سے زیادہ حاجت اس چیز کے علم کی ہے جو اسے نقصان دے تا کہ اس سے اجتناب کرلے اور جو اسے نفع دے تا کہ وہ اس کا شوق رکھے اور اسے حاصل کرلے۔ وہ نافع سے محبت کرتا ہے اور نقصان دہ سے بغض رکھتا ہے۔ اس کی محبت اور کراہت دونوں اللہ کی محبت اور اس کی کراہت کے موافق ہوجاتی ہیں۔ یہ بندگی اور محبت کے لوازم سے ہے۔ جب بندہ اس چیز سے نکلے گا اسے پسند کرے گا جس سے اس کا رب ناراض ہو اور ناپسند کرے گا جو وہ پسند کرتا ہے تو اس حساب سے اس کی بندگی ناقص ہوجائے گی۔ یہاں دو طریقے ہیں: عقل اور شرع کے، تو اللہ پاک نے عقلوں اور طبیعتوں میں سچائی اور عدل کو اچھا جاننا، احسان، نیکی، پاکدامنی، شجاعت، بلند اخلاق، ادائیگی امانات، صلہ رحمی، مخلوق کی نصیحت، وعدہ وفائی، پڑوس کی حفاظت، مظلوم کی نصرت، راہ حق کے مصائب پر مدد، مہمان نوازی، بوجھ اٹھانا وغیرہ خوبیوں کو رکھ دیا ہے۔

اس نے عقلوں اور طبیعتوں میں ان کی مخالف باتوں کو برا جاننا ڈال دیا ہے۔ اس اچھا اور برا جاننے کی عقلوں اور طبیعتوں کی

طرف نسبت ایسے ہے جیسے پیاس کے وقت ٹھنڈا پانی پینے کو اچھا جاننا۔لذیذ، نافع کھانے کو بھوک کے وقت کھانا۔سردی دور کرنے والا لباس پہننا۔جس طرح اپنے نفس اور طبیعت سے آدمی اس کا اچھا جاننا اور اس کا نفع دور نہیں کرسکتا اسی طرح وہ اپنے نفس اور فطرت سے صفات کمال، ان کے نفع اور ان کی ضد کو برا جاننا دور نہیں کرسکتا۔

جو شخص کہتا ہے کہ اس کو عقل سے معلوم کیا جاسکتا ہے اور نہ فطرت سے۔ یہ تو صرف ''سمع'' سے معلوم کیا گیا ہے تو اس کا قول باطل ہے۔ہم نے کتاب المفتاح میں اس کا بطلان ساٹھ وجوہ سے بیان کیا ہے۔ہم نے وہاں پر قرآن، سنت، عقلوں اور طبیعتوں کی طرف سے اس قول کی خرابی پر دلالت ذکر کی ہے۔

نقصان دہ اور نافع کی معرفت کا دوسرا ذریعہ ''سننا'' ہے۔ یہ پہلے ذریعہ کی نسبت سے زیادہ وسیع، واضح تر اور سچا ہے۔ کیونکہ افعال کی صفات، احوال اور ان کے نتائج مخفی ہوتے ہیں۔اس کا تفصیل سے علم رکھنے والے اللہ کے پیغمبر ﷺ ہی ہیں۔

لوگوں میں عقل رائے اور استحسان کے معاملے میں بڑا عاقل اور درست علم والا شخص وہ ہے جس کی عقل، رائے، استحسان اور قیاس سنت کے موافق ہو۔

جیسے حضرت مجاہد نے کہا تھا: افضل عبادت اچھی رائے ہے جو کہ اتباع سنت کا نام ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ﴾ (سبا:٦)

''اور ان لوگوں کی رائے ہے جو وہ علم دیے گئے جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا کہ وہ حق ہے۔''

سلف ایسے اہل آراء کو جو مخالف سنت ہیں۔ مسائل علم خبر یہ اور مسائل احکام عملیہ میں پیغمبر کے لائے ہوئے دین کے مخالف ہیں ان کو اہل شبہات واہواء کا نام دیتے ہیں۔ کیونکہ جو رائے سنت کے مخالف ہے وہ جہل ہے علم نہیں ہے۔خواہش یا دین نہیں ہے۔ایسا شخص وہ ہے جس نے اللہ کی ہدایت کے علاوہ چیز اتباع کی، اپنی خواہش کی بغیر علم پیروی کی۔اس کی انتہاء دنیا میں گمراہی اور آخرت میں بدبختی ہے۔گمراہی اور بدبختی تو اس سے دور ہوسکتی ہے جس نے اس ہدایت کی پیروی کی جسے اللہ نے اپنے پیغمبروں کو دے کر بھیجا اور جس کے ساتھ اس نے اپنی کتب کو نازل کیا ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ:١٢٣، ١٢٤)

''اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ وہ بدبخت ہوگا، اور جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہوجائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔''

خواہش کی پیروی محبت اور بغض میں ہوتی ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ ﴾ (النساء:١٣٥)

''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے سچی گواہی دو۔خواہ تمہارے، تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی ہو۔اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو خدا ان کا خیر خواہ ہے تو تم خواہش نفس کے پیچھے لگ کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (المائدۃ:۸)

''اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو انصاف کیا کرو کہ یہ تقویٰ کے قریب تر ہے۔''

خواہش کی پیروی سے منع کیا گیا ہے یہ مثلاً وہ خواہش ہے جو آدمی کی اپنے دل میں ہے۔ کبھی یہ خواہش اس کے علاوہ شخص کی بھی ہوتی ہے۔ اس کی اور اس کی اتباع کو منع کیا گیا ہے کیونکہ ہر دو اس ہدایت کے خلاف ہے جسے دے کر اللہ نے اپنے پیغمبروں کو بھیجا اور جس کے ساتھ اپنی کتب کو اس نے نازل کیا ہے۔

فصل: نافع محبت کونسی ہے؟

جو نافع محبت ہے۔ وہ مثلاً بیوی اور لونڈی سے محبت بھی ہے۔ یہ اللہ پاک کے مشروع کردہ نکاح اور غلامی پر مددگار ہے کہ آدمی اپنے نفس اور اہل کو پاک بناتا ہے۔ اس کا نفس اس کے سوا حرام پر نگاہ نہیں رکھتا۔ اس کو بچاتا ہے۔ اس کی عورت کا نفس بھی اس کے علاوہ کسی پر نگاہ نہیں رکھتا۔ جس قدر یہ زوجین کی محبت تمام تر اور قوی تر ہوگی یہ مقصود بھی تمام تر اور قوی تر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ﴾ (الاعراف:۱۸۹)

''وہی ذات ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی بنائی تاکہ وہ اس کی طرف سکون پکڑے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا﴾ (الروم:۲۱)

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہارے نفسوں سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان کی طرف سکون پکڑو اور اس نے تمہارے درمیان مودت اور رحمت پیدا کر دی۔''

صحیح مسلم میں آپ ﷺ سے مروی ہے۔ آپ سے پوچھا گیا: «مَنْ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيْكَ» یعنی آپ کو لوگوں میں سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا: عائشہ!۔[1]

اسی لیے حضرت مسروق کہا کرتے تھے۔ مجھے صدیقہ بنت صدیق نے حدیث بیان کی ہے جو رسول خدا ﷺ کی حبیبہ، سات آسمانوں کے اوپر[2] سے بری کی گئی ہے۔ آپ سے یہ بھی صحیح مروی ہے کہ:

«حُبِّبَ إِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ: النِّسَاءُ، وَالطِّيبُ، وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ»[3]

''مجھے تمہاری دنیا میں سے عورتیں اور خوشبو محبوب کر دی گئی ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔''

آدمی کے لیے اپنی بیوی سے محبت اور عشق میں کوئی عیب نہیں۔ الا یہ کہ اگر یہ محبت اس کو اس محبت سے دور کر دے جو محبت

---

[1] صحیح مسلم، ج: ٤، ص: ١٨٥٦، حدیث: ٢٣٨٤؛ سنن ابن ماجه، ج: ١، ص: ٣٨، حدیث: ١٠١۔

[2] اس سے مراد واقعہ افک کے متعلق سورۂ نور کی آیات ہیں۔ (مترجم)

[3] سنن النسائی، ج: ٧، ص: ٦٢؛ مسند امام احمد، ج: ٣، ص: ١٢٨۔

اس کے لیے زیادہ نافع ہے یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ اگر وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے ٹکرائے۔ تو ہر محبت جو اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے اس طرح ٹکرائے کہ اسے کم یا کمزور کرے تو وہ مذموم ہے۔ ہر وہ محبت جو اس سے نہ ٹکرائے، وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت پر تعاون کرے، اور اس کی قوت کے اسباب میں سے ہو تو وہ قابل تعریف ہے۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ ٹھنڈا اور میٹھا پینا محبوب رکھتے تھے۔ [1]

آپ میٹھا اور شہد پسند کرتے تھے۔ [2] آپ گھوڑوں سے محبت کرتے تھے۔ [3]

آپ کو لباس میں سے قمیص محبوب تھی۔ [4] آپ کدو کو محبوب سمجھتے تھے۔ [5]

یہ محبت اللہ کی محبت سے ٹکراتی نہیں۔ بلکہ کبھی ارادے اور دل کو اللہ کی محبت کے لیے فارغ ہونے پر پکا کرتی ہے۔ یہ فطری محبت ہے۔ ایسے آدمی کی نیت اور قصد اس فعل کے پیچھے لگتا ہے جو اس کو پسند ہے۔

اگر اس سے نیت اللہ تعالیٰ کے حکم پر اور اس کی اطاعت پر قوت کی ہو تو یہ نیکی ہے۔ اگر وہ یہ حکم فطرت اور محض میلان سے کرے تو نہ ثواب ہے نہ سزا ہے۔ گو کہ اس سے وہ درجہ چھوٹ جائے گا جو اس کو اللہ کے لیے نیکی کرنے والا تھا۔

نفع مند محبت تین طرح کی ہے: اللہ کی محبت، اللہ کے لیے محبت اور اس چیز کی محبت جو اللہ کی اطاعت پر مدد دے اور اس کی نافرمانی سے بچائے۔

نقصان دہ محبت بھی تین طرح کی ہے: اللہ کے ساتھ کسی اور سے محبت، اس چیز کی محبت جو اللہ کو ناراض کرے اور اس چیز کی محبت جو اس کی محبت کو اللہ کی محبت سے ختم کردے یا اس کو ناقص کردے۔

تو یہ چھ اقسام ہیں۔ جن پر مخلوقات کی محبتوں کا دارومدار ہے۔

اللہ عزوجل سے محبت قابل تعریف محبتوں کی اصل ہے۔ ایمان اور توحید کی اصل ہے۔ دوسری دونوں قسمیں اس کے تابع ہیں۔

اللہ کے ساتھ کسی اور سے محبت شرک کی جڑ اور مذموم محبتوں کی بنیاد ہے۔ دوسری دونوں قسمیں اس کے تابع ہیں۔

حرام شکلوں سے محبت اور ان سے عشق کرنا شرک کے موجبات میں سے ہے۔ جب بندہ شرک کے قریب ہو، اخلاص سے دور ہو اس کی شکلوں سے محبت شدید تر ہوگی۔

جب بندے میں اخلاص زیادہ اور توحید مضبوط ہوگی تو وہ صورتوں کے عشق سے بہت دور ہوگا، اسی لیے عزیز مصر کی بیوی کو عشق کا روگ لگا جیسے جو بھی لگا، یہ اس کے شرک کی وجہ سے تھا۔ حضرت یوسف الصدیق اپنے اخلاص اور توحید کی وجہ سے اس سے نجات پا گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

① جامع ترمذی، ج: ٤، ص: ٣٠٧، حدیث: ١٨٩٥؛ مسند امام احمد، ج: ١، ص: ٣٣٨۔

② صحیح بخاری، ج: ٩، ص: ٣٤٥؛ مسند امام احمد، ج: ٦، ص: ٥٩۔

③ سنن نسائی، ج: ٦، ص: ٢٠٧؛ مسند امام احمد، ج: ٥، ص: ٢٧۔

④ سنن ابی داود، حدیث: ٤٠٢٥؛ مسند امام احمد، ج: ٦، ص: ٣١٧۔

⑤ صحیح مسلم، حدیث: ٢٠٤١؛ جامع ترمذی، حدیث: ١٨٥٠۔

﴿ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ﴾ (یوسف:۲٤)

''اسی طرح تا کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں بے شک وہ ہمارے خالص کیے گئے بندوں میں سے تھا۔''

سوء: عشق ہے۔ فحشاء ہر زنا ہے۔ مخلص وہ ہے جس نے اپنی محبت کو اللہ کے لیے خالص کیا اللہ نے اس کو صورتوں کے عشق سے چھٹکارا دے دیا۔ مشرک کا دل غیر اللہ سے متعلق ہے وہ اپنی توحید اور محبت میں اللہ کے لیے خالص نہیں ہوتا۔

فصل: جھوٹی محبتوں میں شیطانی چال

صورتوں کے عاشقوں کے ساتھ شیطان کی بڑی چال اور مذاق یہ ہے کہ وہ ان میں سے کسی کو یہ آرزو دلاتا ہے کہ وہ اس بے ریش لڑکے یا اس اجنبی عورت سے اللہ کے لیے محبت کرتا ہے کہ وہ اسے بھائی چارے کا حکم دیتا ہے نہ کہ بے حیائی کے لیے۔ عورتوں کی صفت ﴿ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ﴾ (النساء:۲۵) ''پاکدامن ہوں زنا کرنے والی نہ ہوں نہ چھپے دوست پکڑنے والی'' جبکہ مردوں کی صفت یہ آئی ہے: ﴿ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ ﴾ (المائدۃ:۵) ''وہ پاک دامن ہوں، زنا کرنے والے نہ ہوں اور نہ چھپ کر دوست بنانے والے ہوں''۔ یہ لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہیں کہ ان کی ان صورتوں سے محبت اللہ کے لیے ہے۔ جبکہ وہ چھپے انداز میں ان کو دوست بناتے ہیں۔ ان سے وہ فعل، بوسے، محض نظر، دوست بنانے، ساتھی بنانے سے لذت حاصل کرتے ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ یہ اللہ کے لیے ہے۔ یہ نیکی اور فرمانبرداری ہے۔ جبکہ یہ سب سے بڑی گمراہی اور سرکشی ہے۔ دین کی تبدیلی ہے کہ اللہ کی ناپسندیدہ بات کو انہوں نے محبوب بنالیا۔ یہ شرک کی قسم ہے۔ اللہ کے سوا جس کو محبوب پکڑا جائے وہ طاغوت ہے۔ ان سے محبت، نظر کی دوستی اور کچھ مباشرت کو اللہ کے لیے ہونے پر فائدہ اٹھانا اور یہ اعتقاد کہ یہ اللہ کے لیے ہے۔ یہ کفر اور شرک ہے۔ جیسے بتوں کے محبوں کا اپنے بتوں کے بارے میں اعتقاد ہے۔

ان میں سے اکثر کی جہالت یہاں تک پہنچی کہ وہ اعتقاد رکھنے لگے کہ بے حیائی پر تعاون خیر اور نیکی پر تعاون کی طرح ہے۔ اس کی طرف کھینچنے والا، عاشق نیکی کرنے والا ہے۔ وہ ثواب کا حق دار ہے۔ وہ اس کی دوا اور شفاء کے لیے کوشش کرنے والا ہے۔ اس کے غم عشق کو دور کرنے والا ہے۔ وہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں:

«مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ» [1]

''جس نے کسی مؤمن سے دنیا کا کوئی غم دور کیا اللہ تعالیٰ اس سے روز قیامت کے غموں میں سے ایک غم دور کریں گے''

فصل: شیطانی محبت پر حیلے

پھر یہ لوگ اس گمراہی اور سرکشی کے بعد چار اقسام کے ہیں:

ایک وہ لوگ ہیں جو اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ کام اللہ کے لیے ہے۔ یہ اکثر عام گروہوں میں ہے اور وہ جو فقر و تصوف کی نسبت رکھتے ہیں اور وہ بھی جو ترک دنیا کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو باطن میں جانتے ہیں کہ یہ اللہ کے لیے نہیں ہے۔ وہ دھوکے، مکر اور فریب سے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے لیے ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، ج: ۵، ص: ۲۰۷٤، حدیث: ۳۸/ ۲۶۹۹؛ مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۲۵۲۔

یہ لوگ ایک وجہ سے ان کی نسبت مغفرت کے زیادہ قریب ہیں کیونکہ ان کے لیے توبہ کی امید کی جاتی ہے۔ایک وجہ سے بہت خبیث ہیں۔ کیونکہ وہ تحریم کو جانتے ہیں اور پھر بھی حرام کام کرتے ہیں۔ان میں سے بعض پر معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے۔جیسے بہت سے لوگوں پر یہ بات مشتبہ ہوگئی ہے کہ گانے/قوالیاں سننا ایک نیکی اور فرمانبرداری کا کام ہے۔ یہ بعض زاہد اور عبادت گزاروں پر اشتباہ ہوا ہے۔اس سے کمزور علم اور ایمان والوں پر بھی بات مشتبہ ہوئی ہے کہ صورتوں کے عشق سے مزا لینا،ان کا دیدار کرنا اور ان سے دوستی کرنا ایک نیکی اور عبادت ہے۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جن کا مقصود بڑی بے حیائی ہے۔کبھی وہ ان گمراہوں میں سے ہو جاتے ہیں جن کا اعتقاد ہے کہ اس محبت میں جماع اللہ کے لیے ہے اور بے شک بے حیائی ایک گناہ ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہم ایک کام کبھی اللہ کے لیے کرتے ہیں اور کبھی ہم غیر اللہ کے لیے کام کرتے ہیں۔کبھی وہ دوسری قسم والوں سے ہو جاتے ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ یہ محبت اللہ کے لیے ہے جبکہ وہ جانتے ہیں کہ معاملہ اس کے خلاف ہے۔ وہ جھوٹ اور زنا کو جمع کر دیتے ہیں۔ وہ اس یاری اور دوستی میں نکاح کی مشابہت کرتے ہیں کہ اس میں دونوں کے مابین ملاپ،ازدواج اور مخالطت کبھی ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے زوجین کے مابین ہوتے ہیں۔کبھی کم اور کیف اس سے بڑھ جاتا ہے کبھی کم ہوتا ہے۔کبھی ان دونوں کا ملاپ ایسے ہوتا ہے جیسے اللہ کے لیے محبت کرنے والے دو بھائیوں کے مابین ہوتا ہے۔لیکن جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کے لیے محبت میں زیادہ شدید ہیں۔ جو دو بندے اللہ کے لیے محبت کرتے ہوں ان کی محبت عظیم ہو جاتی ہے، پکی اور مضبوط ہوتی ہے۔ برخلاف اس شیطانی محبت اور مواخات کے۔

پھر کبھی ان کا ملاپ مضبوط ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کا نام شادی رکھ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں: فلاں مرد نے فلاں مرد سے شادی کر لی ہے۔جیسے اللہ کی آیات سے مزاح کرنے والے مجرم اور فاسق کرتے ہیں۔ حاضرین ان سے اس کا اقرار لیتے ہیں۔اس پر وہ ہنستے ہیں وہ اس طرح کے مزاح اور نکاح سے خوش ہوتے ہیں۔کبھی ان میں سے بعض زنادقہ کہتے ہیں: بے ریش اللہ کا دوست ہے جبکہ داڑھی والا اللہ کا دشمن ہے۔ بسا اوقات کئی بے ریش لڑکے سمجھ لیتے ہیں کہ یہ درست بات ہے اور نبی ﷺ کے اس فرمان سے یہی مراد ہے:

«إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ الْعَبْدَ نَادَى: يَا جِبْرِيْلُ إِنِّيْ أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ» [1]

''جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں نداء کرتے ہیں: اے جبرئیل! بے شک میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔'' (الحدیث)

اس کے لیے زمین میں محبت رکھی جاتی ہے۔اسے اچھا لگتا ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔ وہ اس پر لوگوں کے مابین فخر کرتا ہے۔اسے پسند ہے کہ اس کو یہ کہا جائے وہ معشوق ہے یا وہ شہر میں پسندیدہ ہے یا لوگ اس کی محبت پر حسد کرتے ہیں وغیرہ باتیں۔

ان میں سے اکثر لوگوں کا معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ عورتوں کے نکاح پر بے ریشوں سے لواطت کو ترجیح دیتے ہیں۔ کہتے ہیں: یہ بات حمل، ولادت، نکاح کی مشقت، قاضی کی طرف شکایت، خرچہ کی فرضیت اور حقوق کی پابندیوں سے بہت سالم راستہ

[1] صحيح بخاري، ج: ٤، ص: ٧٩؛ مسند امام احمد، ج: ٢، ص: ٢٦٧۔

ے۔ان میں سے بعض کہتے ہیں: عورتوں کا جماع آدمی کی قوت اس سے زیادہ لے لیتا ہے جو لڑکوں سے جماع میں ہے۔ کیونکہ شرم گاہ فطری طور پر اس سے زیادہ قوت اور پانی کھینچتی ہے جو کوئی دوسری جگہ کھینچتی ہے۔

اس گروہ نے مفعول بہ/ جس کے ساتھ کام کیا جائے کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے: اجرت پر کرایہ پر لیا گیا، ملکیت میں لیا گیا، اور معشوق خاص۔

پہلا: بمقابل ان زنا کار عورتوں کے ہے جو خود کو اجرت/ کرائے پر دیتی ہیں۔

دوسرا: بمقابل لونڈی اور باندی کے ہے۔

تیسرا: بمقابل بیوی یا اجنبیہ معشوقہ کے ہے۔

ان میں سے بعض نے ہر قسم کی عورت کے عوض بے ریش لڑکے کو لے لیا۔ بعض نے متعدد وجوہ سے بے ریشوں کو رکھنا اور ان سے جماع کو عورتوں سے بڑھ کر اہمیت دی ہے۔

یہ اللہ، اس کے دین، کتب اور پیغامبروں کی مخالفت اور نافرمانی ہے۔

کسی نے اس متعلق ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اس دوران میں اس نے کہا ہے: ''باب مالکی مذہب کے بارے میں''۔ اس میں اس نے عورتوں اور مردوں کی دبر میں جماع کا ذکر کیا ہے۔

جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب اس بارے میں سب سے شدید اور سب سے سدید/ درست ہے۔ حتیٰ کہ وہ لواطت والے کے لیے حد میں مذکر ہو یا مؤنث قتل واجب کرتے ہیں۔ اس متعلق ان کا قول مذاہب میں سب سے درست ہے۔ جیسا کہ اس پر نصوص کی دلالت بھی ہے۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر اتفاق ہے۔ گو کہ اس کی کیفیت قتل کے بارے میں ان کے اقوال مختلف ہیں، جیسا کہ ہم عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

اس بندے اور اس جیسوں کی غلطی کا سبب یہ ہے کہ امام مالک کی طرف مرد کے اپنی بیوی کی دبر میں وطی کے جواز کے قول کو منسوب کیا گیا ہے۔ یہ امام مالک اور ان کے اصحاب پر جھوٹ ہے۔ ان کی تمام کتب اس کی حرمت کی تصریح کرنے والی ہیں۔

پھر جب ان کے ہاں یہ قرار پا گیا کہ امام مالک اس کو مباح کہتے ہیں۔ انہوں نے اباحت کو عورتوں سے مردوں کی طرف منتقل کیا۔ انہوں نے دونوں باتوں کو ایک ہی بات قرار دے دیا۔ جبکہ یہ اجماع امت کی رُو سے کفر ہے اور زندیقی ہے۔

اس کی مثال وہ ہے جو اکثر فاسق، جاہل، تارک دنیا وغیرہ مشرک کرتے ہیں کہ یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ ان کے ہاں یہ کبائر سے نہیں ہے۔ ان کے ہاں یہ زیادہ سے زیادہ صغائر میں سے ہے۔

یہ ائمہ پر بہت بڑا جھوٹ اور بہتان ہے۔ اللہ امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھیوں کو اس سے محفوظ رکھے۔

ان فاسقوں اور جاہلوں کو یہ شبہ اس لیے ہوا کہ امام ابوحنیفہ نے اس میں حد کو واجب نہیں کیا۔ اس سے انہوں نے مسئلہ گھڑ لیا کہ یہ کبائر سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ صغائر سے ہے، یہ جھوٹا گمان ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اس میں حد اس معاملہ کو معمولی سمجھ کر ساقط نہیں کی، ان کے اور جملہ اہل اسلام کے ہاں اس کا جرم زنا سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے اللہ پاک نے اس فعل والوں کو وہ سزا دی جو کسی

امت کو نہ دی تھی۔ ان پر کئی طرح کے عذاب جمع کر دیے جو کسی اور پر جمع نہیں ہوئے۔

اس میں حد ساقط کرنے والے کو شبہ اس لیے ہوا کہ اس کی برائی امتوں کی طبیعتوں میں مرکوز ہے، تو اس فطری طور پر برا جاننے کو کافی سمجھا گیا۔ جیسا کہ گوبر کھانے، پیشاب پینے اور خون میں اس کو کافی سمجھا گیا۔ شراب پینے پر حد مرتب/ لاگو کی گئی کیونکہ نفوس اس کی طرف آمادہ ہوتے ہیں۔

جمہور اس کا جواب دیتے ہیں کہ اللہ کی حدود سے بڑھنے والے خبیث نفوس اس کی طرف بہت قوی داعی ہیں۔ اس میں حد زنا میں حد سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے اس شخص پر حد لگائی گئی ہے جس نے اپنی ماں، بیٹی، خالہ، نانی وغیرہ سے وطی کی۔ گو کہ نفسوں میں اس سے روکنے والا، ڈانٹنے والا طبعی جذبہ موجود ہے۔ بلکہ اقوال میں سے درست کے مطابق اس کی حد ہر حال میں قتل ہے وہ کنوارہ ہو یا شادی شدہ۔ یہ امام احمد وغیرہ کا مذہب ہے۔ نفسوں کی اس سے نفرت بے ریشوں سے نفرت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس جھوٹے گمان، غلط زنا کی مثال اکثر جاہلوں کا یہ گمان ہے کہ غلام کے ساتھ زنا گویا مباح یا مباح ہی ہے یا یہ کہ یہ آزاد مرد کے ساتھ کرنے سے آسان تر ہے، اس گروہ نے اس کا مطلب قرآن سے نکالا۔ اسے اللہ کے اس فرمان والے غلام میں داخل کر دیا:

﴿ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَۚ۝ ﴾ (المؤمنون:٦)

''مگر اپنی بیویوں پر یا جوان کی ملکیت میں لونڈیاں ہیں پس وہ ملامت کیے گئے نہیں ہوں گے۔''

حتیٰ کہ بعض عورتیں اپنے غلام سے زنا کرواتیں اور قرآن سے اپنا یہ مطلب نکالتیں۔ حضرت عمر بن الخطاب کے پاس ایک عورت کا معاملہ لایا گیا جس نے اپنے غلام سے شادی کر لی تھی۔ اس نے اس آیت سے مطلب نکالا تھا۔ حضرت عمر نے ان دونوں کے مابین علیحدگی کروادی۔ عورت کو ڈانٹا اور فرمایا: تجھ پر افسوس! یہ تو مردوں کے لیے ہے۔ عورتوں کے لیے نہیں ہے۔

جس نے اس آیت سے مرد غلاموں سے وطی کا مطلب نکالا۔ وہ امت کے اتفاق کے ساتھ کافر ہے۔

ہمارے شیخ نے کہا: ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے مطلب نکالتے ہیں:

﴿ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ ﴾ (البقرۃ:٢٢١)

''اور ضرور مومن غلام مشرک سے بہتر ہے گو وہ تم کو اچھا لگے۔''

کہ یہ عمل لواطت جائز ہے۔ کسی آدمی نے مجھ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا۔ جو قرآن پڑھا کرتا تھا اس نے سمجھا اس کا مفہوم مذکر غلاموں سے لواطت کی اباحت ہے۔

کہتے ہیں: بعض اس کو اختلافی مسئلہ بتاتے ہیں کہ بعض علماء اس کو مباح کہتے ہیں جبکہ بعض حرام کہتے ہیں۔ کہتے ہیں: ان کا اختلاف شبہ سے ہے۔ یہ جھوٹ اور جہل ہے۔ امت میں کوئی ایسا گروہ نہیں ہے جو اس کو مباح کہتا ہو۔ بلکہ پیغمبروں کے ادیان میں کوئی دین بھی نہیں۔ اس کو مباح تو دنیا کے زندیق ہی کہتے ہیں: جو اللہ پر، اس کے رسل، کتب اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

کہتے ہیں: بعض نے کہا: یہ ضرورت کے لیے مباح کیا گیا ہے۔ مثلاً مرد چالیس دن جماع کے بغیر رہتا ہے۔ وغیرہ امور جن میں بعض لوگ مجھ سے مخاطب ہوئے۔ اس متعلق مجھ سے فوج، فقراء اور اکثر عام لوگوں کے گروہوں نے سوالات بھی پوچھے ہیں۔

کہتے ہیں: بعض کو اس متعلق وجوب حد میں علماء کا اختلاف پہنچا۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ تحریم میں اختلاف ہے۔ اس کو معلوم نہیں کہ بسا اوقات ایک چیز بہت بڑی حرام ہوتی جیسے مردار، خون اور خنزیر کا گوشت لیکن اس میں کوئی مقرر حد نہیں ہوتی۔ پھر یہ اختلاف کبھی ضعیف قول پر ہوتا ہے۔ اس ضعیف قول کی وجہ سے جو کسی مجتہد کی خطاء سے ہے اور اس غلط/ برے گمان کی وجہ سے جو کسی جاہل کی خطاء سے ہے یہ دین میں تبدیلی ہے نیز شیطان کی فرمانبرداری اور رب العالمین کی نافرمانی بھی۔

جب باطل اقوال، جھوٹے گمانوں کے ساتھ مل جائیں۔ ان کی مدد غالب خواہشات بھی کریں تو تم اس کے بعد دین سے نکلنے اور تمام احکام شرع کی بالکل تبدیلی کے متعلق نہ پوچھو۔ جب بہت سے لوگوں میں یہ معاملہ آسان سمجھا گیا۔ بہت سے غلام تعریف والے بن گئے کہ وہ اپنے آقا کے سوا کسی کو نہیں جانتے۔ اس سے اس کے مالک کے سوا کسی نے وطی نہیں کی۔ جیسے عورت اور لونڈی تعریف والی ہوتی ہے کہ وہ اپنے آقا اور خاوند کے علاوہ کسی کو نہیں پہچانتی۔ اسی طرح بہت سے بے ریش لڑکے تعریف سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے یار، دوست، بنائے گئے بھائی یا معلم وغیرہ کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے۔ اسی طرح اکثر فاعل بھی یہ اپنی تعریف سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے دوست کے علاوہ کسی کو نہیں جانتے جو یار اور ساتھی بیوی کی طرح ہے یا اپنے غلام کے علاوہ کسی کو جو اس کی لونڈی کی طرح ہے۔

بعض کا خیال یہ ہے کہ تحریم صرف بچے کو لواطت پر مجبور کرنے میں ہے۔ اگر وہ پسند کرے راضی ہو اس پر کوئی حرج نہیں ہے۔ گویا اس کے نزدیک حرام یہ ہے کہ مفعول بہ کو ظلم اور زیادتی کے ساتھ مجبور کیا جائے۔

ہمارے شیخ نے کہا: مجھے ایک بھروسہ مند شخص نے بتایا کہ اسی طرح کا ایک آدمی اس بدکاری پر پکڑا گیا۔ اس پر حد کا حکم دیا گیا۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! وہ اس پر راضی ہو گیا تھا۔ میں نے نہ اس کو مجبور کیا ہے اور نہ اس پر زیادتی کی ہے۔ مجھ کو سزا کیسے دی جا سکتی ہے؟ مشرکین کے مددگار/ وکیل نے کہا: (جو وہاں موجود تھا) یہ محمد بن عبداللہ کا فیصلہ ہے اور ان لوگوں کا کوئی گناہ نہیں ہے۔

ان میں سے بعض کا قول ہے جب عشق عاشق کو اس حد تک پہنچا دے جس میں نقصان کا خطرہ ہو، اس میں ضرورت اور جان بچانے کے لیے وطی جائز ہے۔ جیسے شدید بھوک میں کسی کے لیے خون، مردار اور خنزیر کا گوشت جائز ہے۔

یہ لوگ دوا اور حفاظت صحت کے طور پر شراب پینا بھی مباح بتلاتے ہیں بشرطیکہ بے ہوشی کی آفت سے انسان بچ جائے۔

بلاشبہ کفر، فسق اور گناہوں کے درجات ہیں۔ جیسے ایمان اور عمل صالح کے درجات ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (آل عمران:۱۶۳)

''ان کے اللہ کے ہاں درجات ہیں اور جو وہ عمل کرتے ہیں اللہ دیکھنے والا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ فرمایا:

﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (الانعام:۱۳۲)

''اور ہر ایک کے ان کے کیے ہوئے عملوں پر درجات ہیں اور جو وہ عمل کرتے ہیں تیرا رب اس سے غافل نہ ہے۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِيَادَةٌ فِى الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (التوبۃ:۳۷)

''امن کے کسی مہینے کو آگے پیچھے کرنا/نسی کفر میں ایک درجہ اضافہ کرتا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ ﴾ (التوبة:١٢٤، ١٢٥)

''سو جو ایمان والے ہیں ان کا تو ایمان زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض ہے ان کے حق میں خبث پر خبث زیادہ کیا۔''

قرآن میں بکثرت اس کی مثالیں ہیں:

ان سے کم تر جرم والے لوگ وہ ہیں۔ جو اس کا ارتکاب اس کی تحریم کے اعتقاد سے کرتے ہیں۔ جب وہ آدمی اپنی حاجت کو پورا کرے۔ اَسْتَغْفِرُ اللہَ کہے تو گویا جو ہوا نہیں ہوا تھا۔ شیطان نے اکثر مخلوق کے ساتھ یہ کھیل کھیلا۔ جیسے بچے گیند کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ اس نے ان کے لیے کفر، فسق اور نافرمانی کو ہر قالب میں پیش کیا۔

بہر حال! حسب مفاسد برائی کے مختلف مراتب ہیں۔ چھپے دوست پکڑنے والے اور چھپے دوست پکڑنے والیاں، برائی میں ہر کس کے ساتھ زنا کرنے والے اور زنا کرنے والی سے کم تر ہیں۔ اپنے کرتوت کو چھپانے والا، اعلان اور اظہار کے ساتھ کرنے والے سے کم گناہ والا ہے۔ اس کو چھپانے والا، بتانے والے اور اسے لوگوں تک پہنچانے والے سے کم گناہ والا ہے۔ یہ اللہ کی معافی اور درگزر سے دور ہے۔ جیسے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ أُمَّتِيْ مُعَافًى إِلَّا الْمُجَاهِرِيْنَ، وَإِنَّ مِنَ الْمُجَاهِرَةِ أَنْ يَسْتُرَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ يُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللّٰهِ عَنْهُ، يَقُوْلُ: يَا فُلَانُ، فَعَلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا، فَيَبِيْتُ رَبُّهُ يَسْتُرُهُ، وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللّٰهِ عَنْ نَفْسِهِ»[1]

''میری سب امت کو معافی دی گئی ہے سوائے مجاہرین کے یہ بھی مجاہرہ/ اعلان ہے کہ اللہ آدمی پر پردہ ڈالیں پھر وہ اس حال میں صبح کرے کہ اپنے اُوپر سے اللہ کا پردہ کھولے، کہے: اے فلاں! میں نے رات کو یہ یہ کام کیا تھا۔ رات کو اس کا رب اس کا پردہ ڈالتا رہا۔ وہ صبح کرتا ہے کہ خود پر سے اللہ کا پردہ کھولتا ہے۔''

یا جیسے فرمایا: دوسری حدیث میں آپ سے مروی ہے:

«مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْقَاذُوْرَاتِ بِشَيْئٍ فَلْيَسْتَتِرْ بِسِتْرِ اللّٰهِ، فَإِنَّهُ مَنْ يُبْدِ لَنَا صَفْحَتَهُ نُقِمْ عَلَيْهِ كِتَابَ اللّٰهِ»[2]

''جو شخص ان گندگیوں میں سے کسی میں مبتلاء ہو جائے اس کو چاہیے کہ اللہ کے پردہ سے پردہ کر لے۔ جس نے

---

[1] صحيح بخاری، ج: ٧، ص: ٨٩ كتاب الأدب۔

[2] مؤطا امام مالك، ج: ١، ص: ٨٢٥ حديث :١٢

ہمارے لیے اپنے اندر کو کھولا۔ہم اس پر اللہ کا فیصلہ/ حد نافذ کریں گے۔''

ایک اور حدیث میں اِرشاد ہے:

«إِنَّ الْخَطِيئَةَ إِذَا خَفِيَتْ لَمْ تَضُرَّ إِلَّا صَاحِبَهَا، وَلٰكِنْ إِذَا أُعْلِنَتْ فَلَمْ تُنْكَرْ ضَرَّتِ الْعَامَّةَ» ①

''اگر غلطی مخفی کی جائے وہ صرف اس آدمی کو نقصان دیتی ہے۔لیکن جب ظاہر کردی جائے اس کا رد نہ کیا جائے تو سب کو نقصان دیتی ہے۔''

اسی طرح اس عورت کے ساتھ زنا جس کا خاوند نہیں۔گناہ میں خاوند والی کی نسبت سے زنا میں کم ہے۔کیونکہ اس میں خاوند پر ظلم اور زیادتی ہے،اس کا بستر اس پر گندہ کرنا ہے۔اس کا گناہ مجرد زنا سے زیادہ ہوسکتا ہے یا اس سے کم بھی۔

گھر کے پڑوسی کی بیوی سے زنا،دور کے گھر والی سے زنا سے بڑا گناہ ہے۔کیونکہ اس کے ساتھ پڑوسی کو تکلیف دینا اور اس کے متعلق اللہ اور اس کے پیغمبر کی حفاظت والی وصیت پر عمل کرنا بھی مل گیا ہے۔②

اسی طرح فی سبیل اللہ غازی کی بیوی سے زنا دیگر عورت سے زنا سے بڑا گناہ ہے۔اس لیے اس کو روز قیامت اس کے سامنے کھڑا کیا جائے اور اسے کہا جائے گا:

«خُذْ مِنْ حَسَنَاتِهِ مَا شِئْتَ» ③

''تم اس کی نیکیوں میں سے لے لو جو تم چاہو۔''

جس کے ساتھ زنا کیا جاتا ہے جس طرح اس کے درجات مختلف ہیں۔اس طرح اس کے درجات زمان،مکان اور احوال کے حساب سے مختلف ہیں۔فاعل کے حساب سے بھی۔ماہِ رمضان میں دن یا رات کو زنا دیگر دنوں کے گناہ سے بڑھ کر ہے۔

اسی طرح شرف وفضیلت والی جگہوں پر زنا دیگر جگہوں پر زنا کے گناہ سے بڑھ کر ہے۔رہا فاعل کے حساب سے اس کا فرق! تو آزاد سے زنا غلام سے زنا سے زیادہ برا ہے۔اس لیے اس کی حد اس کی حد سے نصف ہے۔شادی شدہ کی طرف سے کنوارے سے بڑھ کر گناہ قبیح ہے۔بوڑھے کی طرف سے جوان سے بڑھ کر قبیح گناہ ہے۔اس لیے یہ ان تین آدمیوں میں سے ایک ہے ④ جن سے اللہ روز قیامت نہ کلام کریں گے،نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ان میں ایک بوڑھا زانی بھی ہے۔''عالم کی طرف سے زنا جاہل سے زیادہ قبیح ہے۔کیونکہ وہ اس قباحت کا علم رکھتا ہے نیز یہ بھی جانتا ہے کہ اس پر کیا سزا لازم آئے گی۔اس کا اس پر اقدام بصیرت کے بعد ہے۔جو قادر بے پرواہ ہو اس کی طرف سے زنا فقیر عاجز سے گناہ میں بڑھ کر ہے۔

---

① اسے علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۶۸ میں ذکر کیا ہے۔

② اس مفہوم کے لیے دیکھیے: صحیح بخاری، ج: ۵، ص: ۱۴۸؛ مسند امام احمد، ج: ۱، ص: ۳۸۰۔

③ صحیح مسلم، ج: ۳، ص: ۱۵۰۸، حدیث: ۱۳۹ / ۱۸۹۷؛ سنن النسائی، ج: ۵، ص: ۵۰۔

④ اس مفہوم کے لیے دیکھیے: صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ۱۰۳، حدیث: ۱۰۷ / ۱۷۲۔

فصل: چھوٹا گناہ کیسے بڑا ہوتا ہے؟

یہ بات بھی جانی چاہیے کہ کبھی آسان تر/ چھوٹے گناہ کے ساتھ کوئی ایسی بات بھی مل جاتی ہے جو اس کو اس سے بڑھ کر بڑا گناہ بنا دیتی ہے۔

اس کی مثال: کبھی زنا کے ساتھ عشق مل جاتا ہے جو دل کو معشوق کے ساتھ مشغول رکھنے کا موجب ہے۔ نیز اس کو معبود سمجھنا، اس کی تعظیم کرنا، اس کے لیے عاجزی، جھکاؤ اس کی اطاعت کرنا اور اس کے حکم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت اور ان کے حکم پر مقدم کرنا۔ اس کے چھپے دوست کی محبت، اس کی تعظیم، اس کے دوست کو دوست رکھنے، اس کے دشمن سے دشمنی رکھنے، اس کے مکروہ کی کراہت اور اس کے محبوب کی محبت کے ساتھ وہ بات مل جاتی ہے جو آدمی کے لیے محض بدکاری سے بڑھ کر نقصان دہ ہے۔ غیر اللہ کے لیے جو محبوبات ہیں۔ شارع نے ان کو عبادت کرنے کا نام دیا ہے۔ جیسے آپ کا صحیح حدیث میں فرمان ہے:

«تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ، تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ، تَعِسَ عَبْدُ الْقَطِيْفَةِ، تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيْصَةِ، تَعِسَ وَانْتُكِسَ، وَإِذَا شِيْكَ فَلَا انْتُقِشَ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَإِنْ مُنِعَ سَخِطَ»[1]

''دینار کا بندہ تباہ ہو، درہم کا بندہ تباہ ہو، چادر کا بندہ تباہ ہو، لباس کا بندہ تباہ ہو، تباہ ہو اور الٹا کیا جائے، اگر اس کو کانٹا چبھے تو نہ نکالا جائے، جب اسے دیا جائے وہ راضی ہوتا ہے اور جب منع کیا جائے/ نہ دیا جائے تو ناراض ہوتا ہے۔''

یہ لوگ جن کو دیا جائے تو راضی ہو جائیں نہ دیا جائے تو ناراض ہو جائیں۔ ان کا نام ان چیزوں کے غلام رکھا گیا۔ کیونکہ ان کی انتہائے محبت، ان کی رضا اور ان کی رغبت انہی کے لیے ہے۔

جب انسان غیر اللہ کی صورت کی محبت میں ایسا فریفتہ ہو جائے کہ اس کا وصول اور اس میں کامیابی اس کو راضی کر دے۔ اس کا نہ ملنا اس کو ناراض کر دے تو اس میں اسی قدر عبادت کا کرنا پایا گیا۔

اس لیے یہ لوگ محبت کے کچھ مراتب بتاتے ہیں۔ پہلا مرتبہ: علاقہ ہے۔ پھر صبابہ۔ پھر غرام۔ پھر عشق اور ان کے آخر میں تتیم ہے جو کہ معشوق کی بندگی ہے، یعنی عاشق اپنے معشوق کا بندہ اور عبادت گزار بن جاتا ہے۔

اللہ پاک نے قرآن میں صورتوں کا عشق مشرکین کے حوالہ سے ہی بیان کیا ہے۔ اسے عزیز مصر کی بیوی کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ جو اپنے خاوند کے دین پر مشرکہ تھی وہ سب مشرک تھے۔ اسے لوطیوں کے متعلق بیان کیا ہے وہ بھی مشرک تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے واقعہ میں فرمایا:

﴿لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ (الحجر:٧٢)

''تمہاری جان کی قسم! وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔''

اللہ پاک نے بتا دیا ہے کہ وہ اسے اہل اخلاص سے دور کر دیتا ہے۔ لہٰذا فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝﴾ (یوسف:٢٤)

[1] صحیح بخاری، ج: ٣، ص: ٢٢٣، المفهوم؛ سنن ابن ماجه، ج: ٢، ص: ١٣٨٥، حدیث: ٤١٣٥۔

''اسی طرح تا کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں بے شک وہ ہمارے خالص کیے گئے بندوں میں سے تھا۔''

اللہ نے اپنے دشمن ابلیس کے متعلق بتایا کہ اس نے کہا تھا:

﴿قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝﴾ (ص:۸۲، ۸۳)

''پس تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو ضرور بہکاؤں گا سوائے تیرے وہ بندے جو ان میں سے خالص کیے گئے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝﴾ (الحجر: ۴۲)

''بے شک جو میرے (مخلص) بندے ہیں تیرا ان پر کوئی غلبہ نہ ہوگا سوائے ان کے جو تیرے پیچھے بہکے ہوئے لگ گئے۔''

غاوی راشد کے الٹ ہوتا ہے۔ حرام عشق سب سے بڑا بہکاوا/غیی ہے۔ اسی لیے شعراء کے پیچھے لگنے والے اور شعری سماع والے لوگ غاوین ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان میں ان کا نام بتایا ہے:

﴿وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝﴾ (الشعراء: ۲۲۴)

''اور شعراء جو ہیں ان کے پیچھے غاوین لگتے ہیں۔''

تو غاوین وہ ہوئے جو شعراء کے پیچھے اور اصحاب سماع شعری شیطانی کے پیچھے لگتے ہیں۔ یہ لوگ طلب وصال یا سوال انعام کے بغیر کچھ نہیں کہتے۔ جیسے ابو تمام نے ایک آدمی کو کہا: کیا تم مجھ کو نہیں پہچانتے؟

تو لوگوں کے مابین ظاہر ہوتا ہے، دو چیزوں کے ساتھ اور وہ دونوں ہی ذلت والی ہیں۔

شرم گاہ سے زنا گو چھوٹے گناہ کے ارتکاب سے بڑھ کر ہے جیسے دیکھنا، بوسہ دینا اور چھونا۔ لیکن عاشق کا فعل کی محبت، اس کے توابع، اس کے لوازم پر اصرار اس کی آرزو، دل میں اس کی ہی باتیں کہ اس کو چھوڑتا نہیں۔ اس کے دل کا معشوق کے ساتھ مشغول ہونا۔ کبھی بے حیائی کے کام کو ایک مرتبہ کر لینے سے کئی مراتب/ مراحل بڑھ کر ضرر دینے والا ہے۔ صغیر پر اصرار کا گناہ کبھی کبیرہ کے گناہ کے برابر ہو جاتا ہے یا کبھی اس سے بڑھ کر جاتا ہے۔

دل کا معشوق کی بندگی کرنا بھی ایک شرک ہے، برائی کر لینا معصیت ہے۔ جبکہ شرک کی خرابی معصیت کی خرابی سے بڑھ کر ہے۔ کبیرہ گناہ سے توبہ واستغفار کے ساتھ چھٹکارا پایا جا سکتا ہے۔ جبکہ عشق جب دل میں پکا ہو جائے اس سے چھٹکارا مشکل ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی نے کہا

قسم بخدا، جب تیری عنایت کسی بندے کو قیدی بناتی ہیں، اُس کا چھٹکارہ چاہنا مخلوق پر غالب آ جاتا ہے۔

وہ دل کی لازم بندگی بن جاتی ہے جس سے وہ ہٹتا نہیں ہے۔ یہ معلوم ہے کہ یہ ضرر اور فساد کے لحاظ سے اس برائی سے بڑھ کر ہے جس کو وہ بصیرت پر کرتا ہے۔ جبکہ اس کا دل اس کی بندگی کرنے والا نہیں ہوتا جس کے ساتھ وہ مرتکب ہے۔

اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ شیطان کا غلبہ صرف ان لوگوں پر ہے:

﴿عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ۝﴾ (النحل: ۱۰۰)

''جو اس کو دوست بناتے ہیں اور وہ اللہ کے ساتھ شریک اس کی وجہ سے بناتے ہیں۔''

اس کا غلبہ اس کے تابعداروں غاوین پر ہوتا ہے۔ خواہش اور شہوات کی پیروی غیی ہے۔ جیسا کہ ظنون وشبہات کی پیروی گمراہی ہے۔ اصل غیی غیر اللہ کی محبت سے ہے۔ اس کے ساتھ اخلاص کمزور ہوتا ہے اور اس کی قوت سے شرک مضبوط ہوتا ہے۔

اصحاب عشق شیطانی کو شیطان کی دوستی اور اس کی وجہ سے شریک بنانا اسی قدر ملتا ہے۔ کیونکہ ان میں اللہ کے ساتھ شریک بنانا ہے۔ اس وجہ سے بھی کہ ان سے اس کے لیے اخلاص چھوٹ گیا۔ ان میں شریک بنانے کا ایک حصہ ہے تو ان میں سے بہت کو دیکھے گا وہ اس معشوق کا غلام بن گیا ہے۔ اس کی بندگی کرتا ہے۔ وہ اس کی موجودگی اور عدم موجودگی میں چیخ کر کہتا ہے کہ وہ اس کا بندہ ہے۔ وہ اس کا ذکر اپنے ربّ سے زیادہ کرتا ہے۔ اس کے دل میں اس کی محبت اللہ کی محبت سے بڑی ہے۔ اس پر اس کا اپنا وجود ہی گواہ کافی ہے:

﴿ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۙ۝ وَّ لَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَهٗ ۝ ﴾ (القیامة: ۱۴، ۱۵)

''بلکہ انسان آپ اپنا گواہ ہے اگرچہ عذر ومعذرت کرتا رہے۔''

اگر اسے اس کی رضا اور اللہ کی رضا میں اختیار دیا جائے تو وہ ضرور اپنے معشوق کی رضا کو رب کی رضا پر پسند کرے گا۔ اسے معشوق کی ملاقات اپنے رب کی ملاقات سے زیادہ پسند ہے۔ اس کے قرب کی آرزو اس کو رب کے قرب کی آرزو سے زیادہ ہے۔ اس کی ناراضگی سے اس کا بھاگنا ربّ کی ناراضگی سے بھاگنے سے زیادہ ہے۔ وہ اپنے معشوق کی خوشنودی میں اپنے ربّ کو ناراض کرتا ہے۔ وہ اپنے معشوق کے مفادات اور ضروریات کو ربّ کی فرمانبرداری پر مقدم کرتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ وقت بچے، اس کے پاس تھوڑا سا ایمان ہو، وہ اس بچے وقت کو ربّ کی فرمانبرداری میں لگاتا ہے۔ اگر وہ اپنا سب وقت معشوق کی ضروریات اور مفادات میں لگا دیتا ہے، تو ہر وقت اس میں صرف کر دیتا ہے۔ وہ اللہ کے حکم کو رائیگاں کر دیتا ہے۔ اپنے معشوق کے لیے وہ ہر عمدہ اور نفیس چیز کی سخاوت کرتا ہے۔ اگر اللہ نے مال دیا ہے تو وہ اس کے لیے گھٹیا اور معمولی چیز رکھتا ہے۔ معشوق کے لیے اس کی عقل، دل، ارادہ وقت اور خالص مال ہے۔ ربّ کو اس نے فاضل سمجھا ہے۔ اس کو اپنی پشت پیچھے چھوڑا ہے۔ وہ اس کے ذکر کو بھول گیا ہے۔

اگر وہ نماز میں اپنے ربّ کی خدمت میں لگتا ہے اس کی زبان اسے پکارتی ہے جبکہ اس کا دل اپنے معشوق کو پکارتا ہے۔ اس کے جسم کا چہرہ قبلہ رخ ہے۔ اس کے دل کا چہرہ معشوق کی طرف ہے۔ وہ ربّ کی خدمت سے بھاگتا ہے حتیٰ کہ گویا وہ نماز میں کھڑا بوجھ اور نعل کے تکلف کی وجہ سے ایک انگارے پر کھڑا ہے۔

جب معشوق کی کوئی خدمت آتی ہے اس پر دل اور جان سے خوش ہو کر متوجہ ہوتا ہے۔ اس کی خیر خواہی کرتا ہے۔ یہ اس کے دل پر ہلکی ہے اس کو بوجھل نہیں سمجھتا اس کو لمبا نہیں گردانتا۔

بلاشبہ یہ ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اللہ کے سوا معبود بنائے ہیں وہ ان سے محبت کرتے ہیں اللہ کی محبت کی طرح جبکہ ایمان والے اللہ کی محبت میں زیادہ سخت ہیں۔

ان کا عشق چار حرام باتوں کو جمع کرتا ہے ظاہری و باطنی بے حیائی، گناہ، ناحق سرکشی، اللہ کے ساتھ شرک جس کے ساتھ اس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور اللہ پر وہ کہنا جو وہ نہیں جانتے۔ یہ شرک کے لوازم ہیں۔ ہر مشرک اللہ پر وہ کہتا ہے جو وہ نہیں جانتا۔

اس عشق میں اکثر جو شرک اصغر اور اکبر پایا جاتا ہے۔ نیز جانوں کا قتل بھی یہ معشوق پر غیرت کھانے سے ہوتا ہے۔ لوگوں کے اموال باطل کے ساتھ لینے میں تاکہ اس کو معشوق کی خوشنودی پر خرچ کرے۔ اس میں برائی، جھوٹ اور ظلم بھی ہوتا ہے جو کہ مخفی نہ ہے۔

اس سب کی اصل دل کے اللہ کی محبت سے خالی ہونے سے ہے، اس کے لیے اخلاص سے۔ اس کے اور دوسرے کے مابین محبت میں شریک بنانے سے۔ بعض محبت غیر اللہ کے لیے ہوتی ہے وہ یہ دل سے کرتا ہے۔ اعضاء سے اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔ یہ خواہش کی پیروی کی حقیقت ہے ایک روایت میں ہے ''آسمان کی چھت کے نیچے کوئی الٰہ نہیں جو اللہ کو زیادہ برا لگتا ہے اس کی عبادت کی جاتی ہے پیروی کی گئی خواہش سے''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ (الجاثیة: ۲۳)

''بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے بوجھنے کے خدا نے اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اب خدا کے سوا اس کو کون راہ لا سکتا ہے تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟''

جب تم صورتوں کے عاشقوں کی حالت دیکھو جو ان کی بندگی کرتے ہیں۔ تم دیکھو گے کہ یہ آیت ان پر منطبق ہے ان کی حالت کی خبر دینے والی ہے۔

بعض علماء نے کہا: محبوبات میں سے کوئی چیز نہیں جو دل کی سب محبت کو لے لے سوائے اللہ کی محبت کے یا اپنے جیسے بشر کی محبت کے۔

رہی اللہ کی محبت تو اسی کے لیے بندوں کو پیدا کیا گیا ہے۔ اسی سے ان کی خوش بختی کی انتہاء اور نعمت کا مال ہے۔ رہا تمہارے جیسا بشر مذکر ہو یا مؤنث۔ اس میں اور عاشق میں محبت والی ایسی مناسبت اور مشاکلت ہے۔ جو اس کے اور کسی دیگر جنس کی مخلوقات کے مابین نہیں ہے۔

اسی لیے محبوبات مخالفہ محب کے لیے جنس میں ایسی چیز نہیں پہچانی جاتی جو عقل کو زائل کرے۔ ادراک کو فاسد کرے، اس محبوب کے علاوہ کے لیے ارادہ کو توڑ دے یہ بات صرف اپنی جنس کی محبت میں پہنچائی گئی ہے۔ وہ اس کا سارا دل لے جاتی ہے اس کی عقل کو سلب کرتی ہے۔ وہ اپنے معشوق کے لیے ہی سننے والا اور ماننے والا ہوتا ہے۔ جیسے کہا گیا ہے۔

بے شک تیری محبت جو میرے دل میں ہے، اُس نے مجھے سامع اور مطیع بنا دیا ہے۔

یہ سننا اور ماننا اکثر عشاق کے ہاں قوی ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی جان کو خرچ کرتا ہے۔ اسے اپنے معشوق کی فرمانبرداری میں نقصان کے درپے کرتا ہے۔ جیسے مجاہد اپنی جان کو اپنے ربّ کے لیے خرچ کرتا ہے حتیٰ کہ اس کی راہ میں قتل کیا جاتا ہے۔ جبکہ نبی ﷺ نے حدیث میں فرمایا ہے:

«شَارِبُ الْخَمْرِ - أَوْ قَالَ: مُدْمِنُ الْخَمْرِ - كَعَابِدِ وَثَنٍ»[1]

[1] مسند امام احمد، ج: ۱، ص: ۲۷۲؛ سنن ابن ماجه، ج: ۲، ص: ۱۱۲۰، حدیث: ۳۳۷۵۔

''شراب پینے والا یا فرمایا شراب میں مدہوش بت کی عبادت کرنے والے کی طرح ہے'' (احمد)

حضرت علی بن ابوطالب کا گزر چند لوگوں پر ہوا جو شطرنج کھیل رہے تھے۔ فرمایا: یہ کیا مورتیاں/ بت ہیں جن کے لیے تم جھکتے ہو؟''[1]

اس عاشق کا کیا حال ہے جو اپنے معشوق کی بندگی میں فانی ہے؟

اس لیے اللہ پاک نے شراب اور بتوں کو ملا دیا۔ وہ بت جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔ فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ ﴾ (المائدة: ۹۰، ۹۱)

''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوادے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے تو کیا تم (ان سب سے) رکنے والے ہو؟''

معلوم ہے کہ شراب پینے والے کا نشہ ہمیشہ نہیں رہتا۔ کبھی اس کو لازماً افاقہ بھی ہوتا ہے۔ شاید افاقہ کے اوقات نشہ کے اوقات سے زیادہ ہوں۔

رہا عشق کا نشہ تو ایسے آدمی کو کم ہی افاقہ ہوتا ہے۔ مگر جب فرشتے آ جائیں گے اسے اللہ کے سامنے لے جانا چاہیں گے۔ اسی طرح لوطیوں کا نشہ جاری رہا حتیٰ کہ اچانک ان پر عذاب اور سزا اتری جبکہ وہ اپنے نشہ میں مدہوش تھے۔

جب عشق گہرے جنون کی حد تک ہو جائے پھر کیا ہوگا؟ جیسے محمد بن جعفر الخرائطی نے کتاب اعتلال القلوب میں شعر کہا ہے۔

کہتے ہیں: ایک پنساری نے کہا کہنے لگی: میرے سر میں جنون ہوا ہے، تو میں نے اُس سے کہا مجنونوں کا عشق بڑا ہے۔

اس کو افاقہ نہیں ہوتا۔ یہ آدمی اس بات کا بہت حق دار ہے کہ اس کو بت کی عبادت کرنے والے اور مورتیوں کے لیے جھکنے والے کے ساتھ تشبیہ دی جائے۔ عاشق کے دل کا محبوب کی صورت اور مورتی پر جھکنا۔ اس کو بت کے عبادت گزار کے جھکنے کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے۔

جب شیطان ارادہ کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے مابین دشمنی اور بغض شراب اور جوئے میں ڈال دے، ان کو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے۔ جو دشمنی، بغض اور روکنا عشق واقع کرتا ہے۔ وہ اس سے بہت بڑھ کر ہے۔

تمام گناہوں میں یہ دونوں وصف جمع ہوتے ہیں: عداوت، بغض اور اللہ کے ذکر اور نماز سے روکنا۔

باہم محبت اور الفت ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] اسے ابن حزم نے المحلی میں ذکر کیا ہے۔ نیز دیکھیے: السنن الکبریٰ للبیهقی، ج: ۱۰، ص: ۲۱۲ (عفیفی)
انہی الفاظ سے قرآن کریم میں سورۃ الانبیاء کی آیت: ۵۲ ہے۔ (مترجم)

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴾ (مریم:۹۶)

''بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے عنقریب رحمن ان کے لیے محبت پیدا کرے گا۔''

یعنی ان کے مابین محبت ڈال دے گا وہ ایک دوسرے سے محبت کریں گے، باہم رحم کریں گے اللہ نے جو ایک دوسرے کے دل میں محبت ڈالی ہے اس سے وہ باہم مہربانی کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ ان سے محبت کرتا ہے اور ان کو اپنے بندوں کے ہاں محبوب بناتا ہے۔ ہرم بن حبان نے کہا: جو کوئی بندہ اللہ عزوجل کی طرف اپنے دل سے متوجہ ہوا، مگر اللہ ضرور مومنوں کے دلوں کو اس کی طرف متوجہ کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ ان کو محبت اور رحمت عطاء کرتا ہے۔ فسق اور گناہوں والے لوگوں کے مابین جو ایک گونہ مودّت اور محبت ہوتی ہے۔ وہ بغض اور عداوت میں بدل جاتی ہے۔ غالباً یہ دنیا میں ہی آخرت سے پہلے ہو جاتا ہے۔ رہی آخرت تو اس کے متعلق فرمایا:

﴿ اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴾ (الزخرف: ٦٧)

''دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔''

توحید والوں کے امام [1] نے فرمایا:

﴿ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ ﴾ (العنکبوت:٢٥)

''تم جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لیے پھر قیامت کے دن ایک دوسرے سے انکار کر دو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے۔''

تمام گناہ اس کو واجب کرتے ہیں۔ اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکتے ہیں۔ ان کا شراب اور جوئے میں ذکر جو کہ آخری محرمات ہیں پر، اس بات کی تنبیہ ہے کہ یہ دوسروں میں بھی ہے جو ان سے قبل حرام کیے گئے۔ وہ حرمت میں ان دونوں سے شدید تر ہیں۔

جو کچھ قتل نفس، اموال کی چوری، بے حیائیوں کے ارتکاب سے ہوتا ہے۔ ان کا نماز سے اور اللہ کے ذکر سے روکنا اس سے کئی گنا بڑھ کر گناہ ہے جو شراب اور جوئے کا تقاضا ہے۔ واقعات اس پر شاہد ہیں۔

کتنے ہی واقعات ہوئے جو لوگوں کے مابین ہیں۔ صورتوں کے عشق سے عداوت اور بغض آئے۔ الفت اور محبت گئے۔ اور یہ دشمنی میں بدل گئی۔

رہا اس کا اللہ کے ذکر سے روکنا: تو عاشق کے دل میں اپنے معشوق کے غیر کے لیے کوئی جگہ ہی نہیں۔ جیسے کہا گیا ہے۔

دل میں تیری محبت کے سوا کوئی جگہ ہی نہیں، ہرگز نہیں اور تیرے سوا کوئی وہاں جگہ نہیں پکڑ سکتا۔

رہا اس کا نماز سے روکنا: تو اگر وہ اس کو اس کی صورت اور ظاہری اعمال سے نہ روکے وہ اس کو اس کی حقیقت اور باطنی مقاصد سے ضرور روکتی ہے۔

[1] اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ (مترجم)

فصل: صورتوں کا عشق بدکاری کا موجب ہے

ان بے حیائیوں کی اصل غیر اللہ کے لیے محبت ہے، مطلوب مشاہدہ ہو یا مباشرہ ہو یا کچھ اور۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ یہ مشرکین میں مخلصین سے بڑھ کر ہے۔ ان میں یہ جو موجود ہے اور یہ مخلصین سے زیادہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝﴾ (الاعراف: ۲۷، ۲۹)

''اے بنی آدم! شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکلوا دیا اور ان سے ان کے کپڑے اتروا دیے تا کہ ان کے ستر ان کو کھول کر دکھا دے۔ وہ اور اس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے شیطانوں کو انہی لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے، اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے اور خدا نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے کہہ دو کہ خدا بے حیائی کے کام کرنے کا ہرگز حکم نہیں دیتا بھلا تم خدا کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں، کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو انصاف کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ہر نماز کے وقت سیدھا رخ کیا کرو اور خاص اسی کی عبادت کرو۔''

حتیٰ کہ فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الاعراف: ۳۳)

''کہہ دو کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو خدا کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ خدا کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔''

اس ذات پاک نے خبر دی ہے کہ اس نے شیاطین کو ان لوگوں کے دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ یہ اس فرمان میں ہے:

﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝﴾ (الکہف: ۵۰)

''کیا پس تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے علاوہ دوست پکڑتے ہو جبکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ظالموں کے لیے برا بدل ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے شیطان کے متعلق فرمایا:

﴿ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴾ (النحل:۱۰۰)

''اس کا غلبہ تو ان لوگوں پر ہے جو اس کو دوست بناتے ہیں اور جو اس کے سبب سے مشرک ہیں''

اس کے متعلق بتایا ہے کہ اس نے رب کی عزت کی قسم کھائی کہ وہ اس کے سب بندوں کو بہکائے گا۔ اس نے ان میں سے مخلص لوگ مستثنیٰ کر دیے۔ اللہ پاک نے شیطان کے دوستوں کے متعلق فرمایا ہے کہ جب وہ کوئی برائی کرتے ہیں، اپنے اسلاف کی تقلید کو حجت بناتے ہیں۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ پاک نے ان کو اس کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے جھوٹے گمان کی پیروی کی اور باطل خواہش کی بھی۔

ہمارے شیخ نے کہا: اس وصف میں بہت بڑا حصہ ان اکثر لوگوں کا بھی ہے جو قبلہ کی نسبت رکھتے ہیں یعنی صوفیاء، عابد، حکمران، فوجی، فلسفی، متکلمین، عام لوگ وغیرہ۔ وہ ان بے حیائیوں کو حلال بناتے ہیں جنہیں اللہ نے حرام کیا ہے۔ وہ اپنی طرف سے گمان کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو مباح کیا ہے یا اپنے اسلاف کی تقلید ہے۔ اس کی اصل وہ عشق ہے جو اللہ کو ناپسند ہے۔ ان میں سے اکثر اس کو دین بناتے ہیں۔ اس کے ساتھ اللہ کے قرب کا گمان کرتے ہیں یا یہ سوچ کر کہ وہ نفس کو پاک صاف کرتا ہے یا یہ سوچ کر کہ وہ دل کو ایک آدمی پر جمع کرتا ہے۔ پھر اسے اللہ واحد کی عبادت کی طرف منتقل کرتا ہے یا یہ سوچ کر کہ جمیل صورتیں حق کے مظاہر اور مشاہد ہیں۔ وہ ان کو ''وحدانیت کے مظاہر جمال'' کا نام دیتا ہے یا اس اعتقاد کے ساتھ کہ رب اس میں حلول کر گیا ہے، وہ اس سے متعلق ہے اس کے ساتھ متحد ہے۔ اسی لیے تم ان لوگوں کے صوفیوں، فقراء، امراء اور ساتھیوں میں اللہ کے علاوہ الٰہ پکڑنے پر باہم اتفاق اور محبت پاؤ گے وہ ان سے اللہ کی محبت کی طرح محبت کرتے ہیں۔ دین سمجھ کر یا شہوت کے لیے یا دونوں باتیں اکٹھی ہیں۔ اس لیے وہ سماع شیطانی پر باہم الفت اور اکٹھ کرتے ہیں۔ جو مشترک محبت کو بھڑکاتا ہے۔ جو محبت ہر دل میں ہے۔ اس کا سبب دل کا اس اللہ کی عبادت سے خالی ہونا ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ جو اس کی محبت اور تعظیم کو جمع کرتی ہے۔ اس کے لیے خضوع اور عاجزی کو بھی۔ اس کے امر، نہی، پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں پر ٹھہرنا بھی۔ جب دل میں مٹھاس ایمان کا وجدان ہو، اس کے ذائقہ کو چکھنا ہو۔ یہ اس کو شریکوں کی محبت اور معبودیت سے بے نیاز کر دے گی۔ جب دل اس سے خالی ہوگا اس کو ضرورت ہوگی کہ اس کے بدلہ میں کوئی محبوب پکڑے، اس کو وہ الٰہ بنائے۔ یہ دین کی تبدیلی اور اس فطرت کی تبدیلی ہے جس پر اللہ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے۔ فرمایا:

﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ﴾ (الروم:۳۰)

''تو تم اپنے چہرے کو یکطرفہ دین کے لیے قائم کر دو اللہ کی فطرت ہے۔ جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی تخلیق کے لیے کوئی تبدیلی نہیں ہے۔''

یعنی اللہ کی اصل تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ مخلوق صرف فطرت پر ہی پیدا کی جاتی ہے۔ جس طرح اس نے اس کو کٹنے اور پھٹنے سے سالم الاعضاء پیدا کیا۔ اس تخلیق کے لیے خاص کوئی تبدیلی نہیں ہے۔ لیکن تبدیلی مخلوق میں اس کی خلقت کے بعد پیدا ہوتی ہے، جیسے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، وَيُنَصِّرَانِهِ، وَيُمَجِّسَانِهِ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيْمَةُ بَهِيْمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيْهَا مِنْ جَدْعَاءَ، حَتّٰى تَكُوْنُوْا أَنْتُمْ تَجْدَعُوْنَهَا»[1]

''ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے پس اس کے ماں باپ اس کو یہودی بناتے ہیں، اور اس کو عیسائی بناتے ہیں اور اس کو مجوسی بناتے ہیں۔ جیسے چوپایہ سالم الاعضاء پیدا کیا جاتا ہے کیا تم اس میں کوئی ناک/ کان کٹا پاتے ہو؟ حتیٰ کہ تم ہی اس کا ناک/ کان کاٹتے ہو۔''

دل اپنے خالق، بنانے والے اور الٰہ کی محبت پر فطرتاً پیدا کیے گئے ہیں۔ اس بندگی اور محبت کو غیر اللہ کی طرف پھیرنا گویا اَصل فطرت کو بدلنا ہے۔

جب لوگوں کی فطرتیں بدلیں۔ اللہ نے پیغمبروں کو ان کی اصلاح اور ان کو اس حالت کی طرف لوٹانے کے لیے مبعوث کیا جس پر ان کو پیدا کیا گیا ہے، جس نے ان کی بات مانی وہ اصل فطرت کی طرف لوٹا اور جس نے ان کی بات نہ مانی وہ مسلسل فطرت کی تبدیلی اور فساد پر رہا۔

فصل: صورتوں کا فتنہ اور فتنہ کی اقسام

صورتوں کے عشق کا فتنہ اس بات کی نفی کرتا ہے کہ دین سب اللہ کے لیے ہو جائے۔ بلکہ دین سب اللہ کے لیے ہو جائے میں اس حساب سے کمی آ جاتی ہے جتنا اس کو عشق کا فتنہ حاصل ہوتا ہے۔ کبھی تو وہ آدمی کو اس بات سے خالی ہی کر دیتا ہے کہ اس کے پاس اللہ کے لیے دین کی کوئی چیز باقی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ﴾ (الانفال:۳۹)

''اور تم ان سے لڑو حتیٰ کہ فتنہ نہ رہے اور دین سب اللہ کے لیے ہو جائے۔''

فتنہ ہونے اور دین سب اللہ کے لیے ہونے میں تضاد ہے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے خلاف ہے، فتنہ کی تفسیر کبھی شرک سے بھی کی جاتی ہے۔

دلوں میں جو بھی فتنہ آتا ہے وہ یا شرک ہے یا اسباب شرک سے ہے۔

یہ ایک جنس ہے جس کے تحت شبہات اور شہوات کی انواع ہیں۔

جن لوگوں نے اللہ کے سوا معبود پکڑے، وہ ان سے اللہ کی محبت کی طرح محبت کرتے ہیں ان کا فتنہ سب سے بڑا فتنہ ہے۔

ایک فتنہ بچھڑے والوں کا تھا۔ جیسے اللہ نے حضرت موسیٰ کو فرمایا:

﴿فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝﴾ (طٰہٰ:۸۵)

''پس بے شک ہم نے تیرے بعد تیری قوم کو فتنہ میں ڈال دیا۔''

اس طرح عشق کا فتنہ بھی بڑا فتنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] صحیح بخاری، ج: ۲، ص: ۱۰۴؛ صحیح مسلم، ج: ٤، ص: ۲٤۰۸، حدیث: ۲۲/ ۲٦۵۸۔

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ ﴾ (التوبة:٤٩)

''اوران میں سے بعض کہتا ہے: مجھ کو اجازت دیں اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں، خبردار وہ فتنہ میں گر گئے۔''

یہ آیت جدّ بن قیس کے متعلق نازل ہوئی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے تبوک کا سفر کیا۔ اس کو کہا: کیا تیرے لیے اے جدّ! بلاد بنی الاصفر کے سفر کی رغبت ہے تو ان سے لونڈیاں اور خادم پکڑے گا؟ جدّ نے کہا: مجھ کو اپنے سے پیچھے بیٹھ رہنے کی اجازت دیں۔ میری قوم کو معلوم ہے کہ میں عورتوں کا شوقین ہوں۔ میں ڈرتا ہوں کہ جب میں بنوالاصفر کی لڑکیاں دیکھوں گا میں ان سے صبر نہ کروں گا تو اللہ نے یہ آیت نازل کی۔''[1] ابن زید کہتے ہیں: یعنی مجھے ان کے چہروں کی خوبصورتی کے ساتھ فتنہ میں نہ ڈالیں۔ ابو العالیہ نے کہا: مجھے فتنہ پر پیش نہ کریں۔

اللہ نے فرمایا: خبردار! وہ فتنہ میں گر گئے'' قتادۃ نے کہا: اس سے مراد وہ فتنہ ہے جس میں وہ رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ کر گرا۔ آپ سے اپنی جان کو عزیز سمجھنا بڑا فتنہ ہے۔ جس فتنہ سے وہ بھاگا وہ عورتوں کی محبت کا فتنہ تھا کہ وہ ان سے صبر نہ کر سکے گا۔ جس فتنہ میں وہ مبتلاء ہوا وہ دنیا میں شرک[2] اور کفر کا جبکہ آخرت میں عذاب کا فتنہ ہے۔

کتاب اللہ میں لفظ فتنہ سے مراد وہ امتحان بھی آیا ہے جس فتنہ میں آدمی ڈالا نہیں گیا۔ بلکہ فتنہ میں پڑنے سے بچ گیا۔ اس سے مراد وہ امتحان بھی ہے جس کے فتنہ میں وہ ڈالا گیا ہے۔

پہلی قسم سے اللہ کا فرمان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے:

﴿ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ﴾ (طٰہٰ:٤٠)

''اور ہم نے تجھ کو آزمائشوں میں ڈال دیا۔''

دوسری قسم سے اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ (الانفال: ٣٩)

''اور تم ان سے لڑائی کرو حتیٰ کہ فتنہ نہ رہے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ ﴾ (التوبة: ٤٩)

''خبردار! وہ فتنہ میں گر گئے۔''

کبھی اس کو دونوں پر شامل کر کے بولا جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ الٓمّٓ ۚ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ② وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ③ ﴾ (العنکبوت:١-٣)

---

[1] اسے السیوطی نے الدر المنثور، ج: ٤، ص: ٢١٣ میں ذکر کیا ہے۔ (عفیفی)

[2] یعنی جو کفر اس نے نبی ﷺ کی نافرمانی کے ساتھ کیا۔ (مترجم)

''الم کیا لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی، اور جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا سو خدا ان کو ضرور معلوم کرائے گا جو سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں۔''

اسی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کہنا ہے:

﴿اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ط تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ط﴾ (الاعراف: ۱۵۵)

''نہیں ہے یہ مگر تیرا فتنہ تو جس کو چاہتا ہے اس کے ساتھ راستے سے ہٹاتا ہے اور تو جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔''

یعنی یہ تیرا امتحان اور آزمائش ہے۔ جو اس میں پڑ جائے تو اس کو راستے سے ہٹاتا ہے۔ جو اس سے بچ جائے تو اس کو ہدایت دیتا ہے۔

فتنہ کا اطلاق اس سے عام تر معاملے پر بھی ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ط وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝﴾ (التغابن: ۱۵)

''سوائے اس کے نہیں کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے۔''

مقاتل کہتے ہیں: یعنی آزمائش اور آخرت سے بے پروائی۔

حضرت ابن عباس کہتے ہیں: تم ان کی اللہ کی نافرمانی والی بات نہ مانو۔

زجاج کہتے ہیں: اللہ عزوجل نے ان کو بتادیا کہ مال و اولاد بھی ان چیزوں میں سے ہیں جن کی آزمائش ان کو آئے گی۔ یہ ہر اولاد میں عام ہے۔ انسان اپنی اولاد کے ساتھ فتنہ میں ڈالا گیا ہے۔ کیونکہ کبھی وہ اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے حرام لیتا ہے۔ برے کام کرتا ہے۔ سوائے اس کے جسے اللہ نے بچایا ہے اس کی شاہد یہ روایت بھی ہے:

«أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ یَخْطُبُ، فَجَاءَ الْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ رضی اللہ عنہما - وَعَلَیْهِمَا قَمِیْصَانِ أَحْمَرَانِ یَعْثُرَانِ، فَنَزَلَ النَّبِیُّ ﷺ إِلَیْهِمَا فَأَخَذَهُمَا، فَوَضَعَهُمَا فِیْ حِجْرِهِ عَلَى الْمِنْبَرِ، وَقَالَ: صَدَقَ اللّٰهُ: ﴿اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ط﴾ رأیتُ هذین الصبیَّین فلم أصبر عنهما» [1]

''آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت حسن و حسین آئے۔ دونوں نے سرخ قمیصیں پہن رکھی تھیں اور گرتے آرہے تھے۔ نبی ﷺ ان دونوں کی طرف اترے۔ ان کو پکڑا ان کو منبر پر اپنی گود میں بٹھالیا اور فرمایا اللہ نے سچ فرمایا ہے: ''تمہارے اموال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے'' میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا تو میں نے ان سے صبر نہ کیا۔''

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں: تم میں سے کوئی ہرگز نہ کہے: اے اللہ میں فتنہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ کیونکہ تم میں سے ہر شخص ضرور کسی فتنہ میں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''تمہارے اموال اور تمہاری اولادیں فتنہ ہیں'' تم میں سے جو پناہ طلب کرے وہ اللہ کی پناہ طلب کرے گمراہ کن فتنوں سے۔'' [2]

---

① سنن ابی داود، ج: ۱، ص: ۶۶۳ حدیث: ۱۱۰۹ و مسند امام احمد، ج: ۵ ص ۳۵٤

② دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، ج: ۳، ص: ۳۰۱۔

اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ﴾ (الفرقان: ۲۰)

''اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے فتنہ بنایا ہے۔''

یہ تمام مخلوق میں عام ہے۔ ان کا ایک دوسرے کے ساتھ امتحان کیا گیا ہے۔ پیغمبروں کو جن کی طرف بھیجا گیا ان سے امتحان کیا گیا۔ ان کو حق کی دعوت اور ان کی تکالیف پر صبر سے۔ ربّ کے پیغامات کو پہنچانے میں مشقتیں برداشت کرنے سے۔ جن کی طرف بھیجا گیا ان کی پیغمبروں سے آزمائش کی گئی۔ وہ ان کی اطاعت، نصرت اور تصدیق کرتے ہیں یا ان کا کفر، ردّ اور ان سے لڑائی کرتے ہیں؟ علماء کی جاہلوں سے آزمائش کی گئی وہ ان کو علم سکھاتے، خیر خواہی کرتے، ان کی تعلیم، خیر خواہی اور راہنمائی پر صبر کرتے ہیں وغیرہ، اس کے لوازم؟ جاہلوں کی علماء سے آزمائش کی گئی۔ وہ ان کی اطاعت کرتے اور ان سے ہدایت لیتے ہیں؟ بادشاہوں کی رعایا سے آزمائش کی گئی۔ رعایا کی بادشاہوں سے۔ اغنیاء کی فقراء سے آزمائش کی گئی۔ فقراء کی اغنیاء سے۔ ضعفاء کی اقویاء سے آزمائش کی گئی۔ اقویاء کی ضعفاء سے۔ سرداروں کے تابعداروں سے تابعداروں کی سرداروں سے۔ مالک کی غلام سے۔ غلام کی مالک سے۔ مرد کی بیوی سے۔ عورت کی خاوند سے۔ مردوں کی عورتوں سے۔ عورتوں کی مردوں سے۔ مومنین کی کفار سے۔ کفار کی مومنین سے۔ نیکی کا حکم کرنے والوں کی آزمائش ان سے کی گئی جن کو وہ حکم دیتے ہیں۔ حکم دیے گئے لوگوں کی ان سے۔ پیغمبروں کے تابعدار فقراء اور ضعفاء مومنین اپنے اغنیاء اور رؤساء کے لیے آزمائش/ فتنہ بن گئے۔ پیغمبروں کی صداقت کو جاننے کے بعد بھی وہ ایمان سے رک گئے۔ انہوں نے کہا:

﴿لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ﴾ (الاحقاف: ۱۱)

''اگر یہ خیر ہوتا یہ ہم پر اس کی طرف سبقت نہ لے جاتے۔''

یعنی اس طرح کے لوگ، انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو کہا:

﴿قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ؕ﴾ (الشعرآء: ۱۱۱)

''کیا ہم تیرے لیے ایمان لائیں جبکہ تیری پیروی گھٹیا لوگوں نے کی ہے؟''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ﴾ (الانعام: ۵۳)

''اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ فتنہ میں ڈالا تاکہ وہ کہیں: کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے ہمارے مابین سے احسان کیا ہے؟''

جب عزت دار، سردار مسکین اور عاجز کو دیکھتا ہے کہ وہ ایمان اور پیغمبر کی تابعداری میں اس پر سبقت لے گیا ہے، وہ اسلام لانا غیرت اور انا کا مسئلہ بنالیتا ہے کہ وہ اس کی طرح ہو۔ وہ کہتا ہے: کیا میں مسلمان ہو جاؤں۔ پھر میں اور یہ گھٹیا ایک ہی درجہ میں ہو جائیں؟ زجاج کہتے ہیں: جب کوئی سردار آدمی اسلام کا ارادہ کرتا۔ اس سے رک جاتا تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ اس سے قبل اس سے

کم تر ایمان لے آیا ہے۔ وہ اپنے کفر پر قائم رہتا تاکہ مسلمان کے لیے فضیلت میں اس پر سبقت نہ ہو۔

لوگ ایک دوسرے کے لیے آزمائش ہیں۔ فقیر کہتا ہے: میں غنی کی طرح کیوں نہیں ہوں؟ ضعیف کہتا ہے: میں قوی کی طرح کیوں نہ ہوا؟ پریشانی والا کہتا ہے: میں صحیح کی طرح کیوں نہیں؟ کفار نے کہا:

﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰی نُؤْتٰی مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ ﴾ (الانعام:۱۲٤)

''ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے حتیٰ کہ ہم اس کی مثل دیے جائیں جو اللہ کی پیغمبروں کو دی گئی۔''

مقاتل کہتے ہیں: مشرکین فقراء، مہاجرین کے متعلق فتنہ میں پڑ گئے، مثلاً حضرت بلال، خباب، صہیب، ابوذر، ابن مسعود اور عمار۔ کفار قریش کہتے تھے۔ ان کو دیکھو ہمارے تابعداروں اور غلاموں نے حضرت محمد ﷺ کی اتباع کی ہے تو یہ آیت اتری۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ﴾ (المؤمنون: ۱۰۹، ۱۱۱)

''میرے بندوں میں ایک گروہ تھا جو دعا کیا کرتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے تو تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے، تو تم ان سے تمسخر کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے تم کو میری یاد بھلا دی اور تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے، آج میں نے ان کو ان کے صبر کا بدلہ دیا کہ وہ کامیاب ہو گئے۔''

اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ اس نے ان کو ان کے صبر پر یہ بدلہ دیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً اَتَصْبِرُوْنَ ﴾ (الفرقان:۲۰)

''اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے فتنہ بنایا کیا تم صبر کرتے ہو؟''

زجاج کہتے ہیں: کیا تم مصیبت پر صبر کرتے ہو جبکہ تم جان چکے کہ صابرین نے کیا پایا؟

میں کہتا ہوں: اللہ پاک نے یہاں فتنہ کو صبر کے ساتھ ملایا ہے، اور اس فرمان میں بھی:

﴿ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْۤا ﴾ (النحل:۱۱۰)

''پھر بے شک تیرا رب ان لوگوں کے لیے جنہوں نے فتنہ میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور صبر کیا۔''

جس کو کسی فتنہ میں ڈالا جائے اس کے لیے صبر کی طرح کوئی دوا نہیں ہے۔ اگر صبر کرے۔ فتنہ مٹ جائے گا۔ گناہوں سے بچائے گا۔ جس طرح بھٹی سونے اور چاندی کا گند الگ کر دیتی ہے۔

فتنہ دلوں کی بھٹی ہے۔ ایمان کی کسوٹی ہے۔ اسی سے ہی سچا اور جھوٹا واضح ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ (العنکبوت:۳)

''اور البتہ تحقیق ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو فتنہ میں ڈالا پس اللہ ضرور معلوم کرائے گا ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ضرور معلوم کرائے گا جھوٹوں کو بھی۔''

فتنہ/آزمائش نے لوگوں کو صادق اور کاذب۔ مؤمن اور منافق۔ طیب اور خبیث میں تقسیم کیا۔ جس نے صبر کیا رحمت اس کے حق میں ہوگی۔ وہ اپنے صبر کے سبب اس فتنہ سے نجات پائے گا اور جس نے اس پر صبر نہ کیا وہ اس سے شدید تر فتنہ میں پڑ جائے گا، آزمائش/فتنہ تو دنیا اور آخرت میں ضروری ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ؕ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ ﴾ (الذاریات:۱۳، ۱۴)

''اس دن وہ آگ پر فتنہ میں ڈالے جائیں گے، تم اپنے اس فتنہ کو چکھو جس کو تم جلدی طلب کرتے تھے۔''

آگ اس کا فتنہ ہے جس نے دنیا کے فتنہ پر صبر نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے زقوم درخت کے متعلق فرمایا:

﴿ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (الصافات:۶۳)

''بے شک ہم نے اس کو ظالموں کے لیے فتنہ بنا دیا ہے۔''

قتادہ نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے اس درخت کا ذکر کیا جس کے ساتھ ظالموں کو فتنہ میں ڈالا وہ کہنے لگے: جہنم میں درخت ہوگا۔ جبکہ آگ درختوں کو کھاتی ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْۤ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝ ﴾ (الصافات:۶۴)

''بے شک وہ درخت ہے جو جہنم کی جڑ میں نکلتا ہے۔''

ان کو بتا دیا کہ ان کا عذاب آگ میں ہے۔ اس کو آگ کی غذا دی جائے گی۔ ابن قتیبہ نے کہا: زقوم کا درخت آگ کی نبات سے ہوسکتا ہے اور ایسے جوہر سے جسے آگ نہ کھاتی ہو۔ اسی طرح جہنم کی زنجیریں، طوق، بیڑیاں، سانپ اور بچھو بھی اگر اس صورت میں ہوں جو معلوم ہے تو آگ پر باقی نہ رہیں۔ اللہ پاک نے جو چیز غائب ہے اسے بتانے کے لیے جو ہمارے پاس حاضر ہے اسے بتا دیا۔ بعض اسماء کی دلالت متفق ہوتی ہے جبکہ معانی مختلف ہوتے ہیں۔ جنت کے جو بھی پھل، بچھونے، درخت اور تمام آلات ہیں وہ اسی طرح ہیں۔

المقصود: یہ درخت دنیا میں ان کے لیے فتنہ ہے کہ وہ اسے جھٹلاتے ہیں۔ آخرت میں فتنہ ہے کہ وہ اس سے کھائیں گے۔

اسی طرح اللہ پاک کا یہ خبر دینا بھی کفار کے لیے فتنہ ہے کہ جہنم پر موکل فرشتوں کی تعداد انیس ہے۔[1] جب اللہ کے دشمن ابوجہل نے کہا: کیا محمد ﷺ تم کو انیس سے ڈراتا ہے جبکہ تم بڑی تعداد میں ہو۔ کیا تم میں سے ہر سو بندہ اس بات سے عاجز ہے کہ وہ ان میں سے ایک کو پکڑ لے؟ پھر تم جہنم سے نکل جاؤ گے۔ ابوالاسد نے کہا: اے قریش کی جماعت! جب قیامت کا دن ہوگا میں تمہارے آگے پل صراط پر چلوں گا۔ میں دس کو اپنے دائیں کندھے سے دھکا دوں گا اور نو کو اپنے بائیں کندھے سے دھکا دوں گا اور ہم چلیں گے پھر ہم جنت میں داخل ہوں گے۔ اس تعداد کا ذکر ان کے لیے دنیا میں فتنہ ہے اور ان کے لیے روز قیامت فتنہ ہے۔

[1] اس تعداد کا ذکر سورۂ المدثر کی آیات ۳۰، ۳۱ میں کیا گیا ہے۔ (مترجم)

کافر دنیا میں مؤمن کے ذریعے سے آزمائش کیا گیا ہے۔ مؤمن بھی اس سے آزمائش کیا گیا ہے۔ اس لیے مؤمنوں نے اپنے رب سے درخواست کی ہے کہ وہ ان کو کافرلوگوں کے لیے فتنہ نہ بنائے، جیسے حنفاء[1] نے کہا:

﴿ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا ﴾ (الممتحنة: ٤، ٥)

''اے ہمارے ربّ ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا، تیری طرف ہم جھک گئے اور تیری طرف پھرنے کی جگہ ہے، اے ہمارے رب ہم کو کافرلوگوں کے لیے فتنہ نہ بنا۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا:

﴿ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ ﴾ (یونس: ۸۵)

''اے ہمارے رب ہم کو ظالم قوم کے لیے فتنہ نہ بنادے۔''

مجاہد نے کہا: مطلب ہے کہ ہم کو ان کے ہاتھوں عذاب نہ دے۔ نہ اپنے پاس سے عذاب کہ یہ کہیں گے: اگر یہ حق پر ہوتے ان کو یہ عذاب نہ پہنچتا۔

زجاج کہتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ تو ان کو ہم پر غلبہ نہ دے۔ وہ سمجھیں گے کہ وہ حق پر ہیں۔ پس وہ اس سے فتنہ میں پڑ جائیں گے۔

فراء نے کہا: تو ہم پر کفار کو غالب نہ کر۔ وہ سمجھیں گے کہ وہ حق پر ہیں اور ہم باطل پر ہیں۔ مقاتل نے کہا: تو ہم پر رزق کم نہ کر کہ تو ان پر اسے پھیلا دے تو یہ ان کے لیے فتنہ ہوگا۔ اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ اس نے ہر دو فریق کو دوسرے سے آزمائش میں ڈالا ہے۔ لہٰذا فرمایا:

﴿ وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لِّيَقُولُوا أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا ﴾ (الانعام: ۵۳)

''اسی طرح ہم نے ان کے بعض کو بعض کے ساتھ فتنہ میں ڈالا تاکہ وہ کہیں کیا یہ ہیں جن پر اللہ نے ہمارے مابین سے احسان کیا ہے؟''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ۝ ﴾ (الانعام: ۵۳)

''کیا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو بہتر جاننے والا نہیں ہے؟''

المقصود: اللہ پاک نے جمیل صورتوں کے ساتھ اصحاب شہوات کو فتنہ میں ڈالا۔ ان کو ان کی وجہ سے فتنہ میں ڈالا۔ ہر دو قسم دوسرے کے لیے فتنہ ہے۔ ان میں سے جس نے اس فتنہ پر صبر کیا وہ اس سے بڑے فتنے سے نجات پا گیا۔ جس کو یہ فتنہ پہنچ گیا وہ اس سے بدتر فتنے میں جا گرا۔ اگر اس نے خالص توبہ سے اس کا تدارک کر لیا تو درست۔ ورنہ ان لوگوں کی راہ پر چل دیا جو ہلاک ہوئے۔ لہٰذا نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

[1] سورۃ ممتحنہ کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہیں۔ وہ خود حنیف/ یکطرفہ دین والے تھے۔ گزشتہ صفحات میں ان کو امام الحنفا لکھا گیا ہے۔ (مترجم)

«مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً أَضَرَّ مِنَ النِّسَاءِ عَلَى الرِّجَالِ»[1]

''میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر مردوں پر کوئی نقصان دہ فتنہ نہیں چھوڑا۔''

یا جیسے آپ نے فرمایا: انسان کی اس دنیا میں آزمائش شہوات اور نفس امارہ سے کی گئی ہے، بہکانے والے، مزین کرنے والے شیطان سے، دوستوں سے، جو کچھ وہ دیکھتا ہے اور مشاہدہ کرتا ہے جس سے صبر کرنے سے وہ عاجز ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ایمان اور یقین کا ضعف مل جاتا ہے، دل کا ضعف بھی، صبر کی کڑواہٹ، جلد مٹھاس کا چکھنا، نفس کا دنیا کی طرف میلان بھی۔ معاوضہ کا دوسری زندگی میں ملنا بھی جو اس دنیا کے علاوہ ہے۔ جہاں وہ پیدا کیا گیا ہے اس میں وہ پلا بڑھا۔ وہ اس بات کا مکلف ہے کہ حاضر اور مشاہدہ والی شہوت اس غیب کے لیے چھوڑ دے جس پر ایمان کا اس سے مطالبہ کیا گیا ہے۔

اللہ کی قسم اگر اللہ اپنے بندے کو سعادت مند نہ کرے، اپنی توفیق کے ساتھ اور اللہ بندے پر بڑا مہربان ہے۔

فصل: فتنہ کی دو قسمیں ہیں

فتنہ دو طرح کا ہے: فتنہ شبہات جو کہ دونوں میں سے بڑا ہے اور فتنہ شہوات۔ کبھی بندے میں دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ کبھی دو میں سے ایک ہوتا ہے۔

فتنہ شبہات ضعف بصیرت، کم علمی سے ہوتا ہے۔ بالخصوص جب اس کے ساتھ مقصد کی خرابی اور خواہش کا حصول بھی مل جائے۔ تب یہ فتنہ عظیم اور گناہ کبیر ہو جاتا ہے۔ برے مقصد والی گمراہی کے متعلق تم جو چاہو کہو۔ اس پر حاکم خواہش ہے نہ کہ ہدایت ہے۔ ساتھ ساتھ ضعف بصیرت اور اس علم کی قلت ہے جو اللہ نے اپنے پیغمبر کو دے کر بھیجا ہے۔ یہ بندہ ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ﴾ (النجم:٢٣)

''نہیں وہ پیروی کرتے مگر گمان کی اور جو کچھ نفس خواہش کرتے ہیں۔''

اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ خواہش کی پیروی اللہ کی راہ سے گمراہ کرتی ہے۔ لہٰذا فرمایا:

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴾ (ص:٢٦)

''اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں خدا کے رستے سے بھٹکا دے گی جو لوگ خدا کے رستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔''

اس فتنہ کا انجام کفر اور نفاق ہے۔ یہ منافقین کا فتنہ ہے۔ جبکہ اہل بدعت کا فتویٰ ان کی بدعتوں کے حسب مراتب ہوگا۔ وہ

---

[1] صحيح بخاري، ج: ٩، ص: ١٣٧، حديث: ٥٠٩٦؛ صحيح مسلم، ج: ٤، ص: ٢٠٩٧، حديث: ٩٧/ ٢٧٤٠۔

سب فتنہ شبہات میں ہیں جس میں حق و باطل ۔ ہدایت و گمراہی ان پر مشتبہ ہو گئے ہیں ۔

اس فتنہ سے اتباع پیغمبر کے بغیر کوئی چیز نجات نہیں دے سکتی ۔ دین کی بڑی اور چھوٹی بات، ظاہر اور باطن، عقائد اور اعمال، حقائق اور شرائع میں آپ کو حاکم بنایا جائے آپ سے ایمان کے حقائق اور اسلام کے شرائع سیکھے جائیں ۔ جو آپ اللہ کے لیے صفات، افعال اور اسماء ثابت کرتے ہیں ۔ جو آپ نفی کرتے ہیں ۔ جیسا کہ آپ سے نمازوں کی فرضیت، ان کے اوقات، ان کی تعداد، نصاب زکوٰۃ کی مقداریں، اس کے مستحقین، وضوء اور غسل جنابت کا وجوب اور رمضان کا روزہ سیکھا جاتا ہے ۔ آپ کو امور دین میں کسی ایک چیز کے بجائے دوسری کے لیے پیغمبر نہیں بنایا جائے گا ۔ بلکہ آپ ہر اس بات کے لیے پیغمبر ہیں جس کی امت کو علم و عمل میں حاجت ہوتی ہے ۔ یہ صرف آپ سے سیکھی جائے گی ۔ صرف آپ سے حاصل کی جائے گی ۔ تمام ہدایت آپ کے اقوال و افعال کے گرد گھومتی ہے ۔ جو کچھ اس سے خارج ہے وہ گمراہی ہے ۔ جب بندہ اپنے دل میں یہ عقیدہ رکھے ۔ اس کے ماسوا سے اعراض کرے اس کا موازنہ پیغمبر ﷺ کی بات سے کرے ۔ اگر موافق ہو تو قبول کرے ۔ اس کے کہنے والے کے کہنے کی وجہ سے نہیں بلکہ رسالت کی موافقت کی وجہ سے ۔ اگر اس کی مخالفت کرے اس کو رد کر دے ۔ گو اس کا کہنے والا کوئی بھی ہو یہ بات اس کو فتنہ شبہات سے نجات دے گی ۔ اگر اس سے یہ بات چھوٹ جائے تو اس کو فتنہ اسی حساب سے پہنچے گا جس حساب سے یہ اس سے چھوٹا ہے ۔

کبھی یہ فتنہ فہم فاسد سے پیدا ہوتا ہے ۔ کبھی نقل کاذب سے ۔ کبھی حق ثابت سے جو اس آدمی پر مخفی ہوتا ہے، یہ اس پر کامیابی نہیں پاتا ۔ کبھی غرض فاسد اور پیروی کی گئی خواہش سے ۔ یہ بصیرت میں اندھا پن اور ارادہ میں فساد کا نام ہے ۔

فصل: فتنہ شہوات

فتنہ کی دوسری قسم فتنہ شہوات ہے ۔ اللہ پاک نے دونوں فتنوں کو اس فرمان میں جمع کیا ہے:

﴿كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ﴾ (التوبة: ٦٩)

''(تم منافق) ان لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں وہ تم سے بہت طاقتور اور مال و اولاد میں کہیں زیادہ تھے تو وہ اپنے حصے سے بہرہ یاب ہو چکے تم نے بھی اپنے حصے سے فائدہ اٹھالیا ہے ۔''

یعنی انہوں نے اپنے دنیا کے حصے اور شہوات سے مزہ اٹھالیا ہے ۔ خلاق مقدر اور نصیب کو کہتے ہیں ۔ پھر فرمایا:

﴿وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا﴾

''اور تم باطل میں ڈوبے رہے جیسے وہ ڈوبے رہے ۔''

یہ باطل میں ڈوبنا جو ہے اِس سے مُراد شبہات ہیں ۔

اللہ پاک نے اس آیت میں اشارہ کر دیا ہے کہ دلوں اور دینوں کا فساد کس طرح ہوتا ہے، یہ حصہ سے فائدہ اٹھا کر اور باطل میں ڈوب کر ۔ کیونکہ دین کا فساد یا اعتقاد باطل اور اس پر کلام کرنے سے ہے، یا علم صحیح کے خلاف عمل کرنے سے ۔

پہلا: بدعت اور اس کے بعد کی چیزیں ہیں ۔

دوسرا: اعمال کا فسق ہے۔

پہلا: شبہات کی جہت سے فساد ہے۔ دوسرا: شہوات کی جہت سے۔

اس لیے سلف کہا کرتے تھے۔ تم لوگوں کی دو قسموں سے بچو۔ ایک خواہش والا جس کو اس کی خواہش نے فتنہ میں ڈال دیا اور ایک دنیا والا جس کو اس کی دنیا نے اندھا کر دیا۔ وہ کہا کرتے تھے: گنہگار عالم اور جاہل عابد کے فتنہ سے بچو۔ ان دونوں کا فتنہ ہر مفتون کے لیے فتنہ ہے۔ ہر فتنہ کی اصل رائے کو شرع کرنا اور خواہش کو عقل پر مقدم کرنا ہے۔

پہلا: فتنہ شبہ کی اصل۔ دوسرا: فتنہ شہوت کی اصل ہے۔

فتنۂ شبہات یقین سے دور کیا جاتا ہے۔ فتنۂ شہوات صبر سے دور کیا جاتا ہے۔

اس لیے اللہ پاک نے دین کی امامت کو ان دو باتوں سے وابستہ کیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾ (السجدة:٢٤)

''اور ہم نے ان میں سے ائمہ بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے جب انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صبر اور یقین سے دین کی امامت حاصل کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس فرمان میں بھی جمع کیا ہے:

﴿وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ (العصر:٣)

''اور انہوں نے باہم حق کی وصیت کی اور انہوں نے باہم صبر کی وصیت کی۔''

انہوں نے باہم حق کی وصیت کی جو شبہات کو دور کرتا ہے، اور اس صبر کی وصیت کی جو شہوات کو بند کرتا ہے۔ ان دونوں کو اس فرمان میں بھی جمع کیا ہے:

﴿وَاذْكُرْ عِبَادَنَا إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أُولِي الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ﴾ (ص:٤٥)

''اور تم ہمارے بندوں ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کا ذکر کرو جو نیکی پر قوت والے اور بصیرت والے تھے۔''

ایدی: سے مُراد اللہ کی ذات کے بارے میں عزائم اور پختہ ارادے ہیں۔ ابصار: اللہ کے حکم میں بصیرتیں ہیں۔ سلف کی عبارات اسی مفہوم کے گرد گھومتی ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: وہ اللہ کی فرمانبرداری میں قوت والے اور اللہ کی معرفت والے ہیں۔ کلبی نے کہا: وہ عبادت میں قوت والے اور اس میں بصیرت والے ہیں۔

مجاہد نے کہا: ایدی: اللہ کی اطاعت میں قوت اور ابصار حق میں بصیرت مُراد ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: ایدی: عمل میں قوت۔ ابصار: جس دین پر وہ ہیں اس کی بصیرت ہے۔

ایک مرسل [1] حدیث میں آیا ہے۔ بے شک اللہ شبہات کے ورود کے وقت نافذ ہونے والی بصر کو پسند کرتا ہے۔ شہوات کے

---

[1] مرسل وہ روایت ہے جس میں تابعی صحابی کا حوالہ چھوڑ دے۔ (مترجم)

اترنے پر عقل کامل کو پسند کرتا ہے۔

کمالِ عقل اور صبر سے فتنہ شہوت دور کیا جاتا ہے۔

کمال بصیرت اور یقین سے فتنہ شبہ دور کیا جاتا ہے۔ واللہ المستعان۔

فصل: دونوں فتنوں کی مزید توضیح

جب بندہ فتنہ شبہات اور شہوات سے بچ جائے۔ اسے دو بڑے مطلوب مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں، جن کے ساتھ اس کی سعادت، فلاح اور کمال ہے۔ یہ دونوں مطلوب ہدایت اور رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ان کے خادم/لڑکے کے بارے میں فرمایا:

﴿ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴾ (الکھف:٦٥)

''پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت دی اور ہم نے اس کو اپنے پاس سے علم سکھا دیا۔''

اس کے لیے علم اور رحمت کو جمع کر دیا۔ یہ اصحاب کہف کی بات کی طرح ہے:

﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴾ (الکھف:١٠)

''اے ہمارے رب ہم کو اپنی طرف سے رحمت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے معاملے سے ہدایت تیار فرما دے۔''

رشد نفع والا علم اور اس پر عمل ہے۔ رشد اور ہدایت جب ہر ایک الگ آئے دوسری بھی اس کے ضمن میں ہے۔ جب ایک کو دوسری کے ساتھ ملایا جائے تو ہدایت حق کا علم ہے۔ جبکہ رشد اس پر عمل ہے، ان دونوں کی ضد غیی اور خواہش کی پیروی ہے۔

کبھی رشد ضرر اور شر کے مقابل آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴾ (الجن:٢١)

''کہہ دیجیے: بے شک میں تمہارے لیے مالک نہیں ہوں ضرر کا اور نہ رشد کا۔''

جنوں کے مومنوں نے کہا:

﴿ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴾ (الجن:١٠)

''اور بے شک ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے ساتھ ان کے رب نے رشد کا ارادہ کیا ہے۔''

رشد غیی کے مقابل بھی آتا ہے۔ جیسے اس فرمان میں ہے:

﴿ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ﴾ (الاعراف:١٤٦)

''اگر وہ رشد کی راہ دیکھیں اس کو راہ نہیں بناتے اور اگر غیی کی راہ دیکھیں وہ اس کو راہ بناتے ہیں۔''

یہ ضرر اور شر کے مقابل بھی آتا ہے جیسے کے پہلے گزر چکا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ غیی حصول شر اور ضرر کا اور آدمی پر ان دونوں کے وقوع کا سبب ہے۔

ضرر اور شر غیی کا انجام اور اس کا ثمرہ ہے۔ جیسا کہ رحمت اور فلاح ہدایت کا انجام اور اس کا ثمرہ ہے۔ اس لیے ان دونوں کے مقابل، اس کے الٹ آتا ہے۔ اس کے الٹ کے سبب کے مقابل بھی۔ ہدایت گمراہی کے مقابل ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ (النحل:۹۳)

''وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ ﴾ (النحل:۳۷)

''اگر تو ان کی ہدایت پر حرص کرے تو بے شک اللہ ہدایت نہیں دیتا جس کو وہ گمراہ کردے۔''

یہ بہت جگہ پر ہے۔ یہ گمراہی اور عذاب کے مقابل بھی ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴾ (طٰہٰ:۱۲۳)

''توجس نے میری ہدایت کی پیروی کی پس وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدنصیب ہوگا۔''

اس میں ہدایت گمراہی اور بدنصیبی کے مقابل ہے۔

اللہ پاک نے ہدایت اور فلاح، ہدایت اور رحمت کو جمع کیا۔ جیسے گمراہی اور بدنصیبی، گمراہی اور عذاب کو جمع کیا۔ جیسے فرمایا:

﴿ اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴾ (القمر:۴۷)

''بے شک مجرمین گمراہی اور بھڑکتی آگ میں ہوں گے۔''

ضلال ہدایت کے الٹ ہے۔ جبکہ سعر عذاب ہے جو کہ رحمت کے الٹ ہے۔

اور ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴾ (طٰہٰ:۱۲۴)

''اور جس نے میری یاد سے اعراض کیا پس بے شک اس کے لیے زندگی تنگ ہوگی اور ہم اس کو روز قیامت نابینا کر کے اٹھائیں گے۔''

المقصود: جو فتنہ شہوات اور شبہات سے بچ گیا اس کے لیے ہدایت اور رحمت، ہدایت اور فلاح کو جمع کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کی دعا کے متعلق فرمایا:

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا ﴾ (آل عمران:۸)

''اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو تو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کرنا اور ہم کو اپنی جانب سے رحمت عطا کرنا بے شک تو بہت عطا کرنے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَ فِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ﴾ (الاعراف:۱۵٤)

''اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہوا تو تختیاں اٹھالیں اور جو کچھ ان میں لکھا تھا وہ ان لوگوں کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت تھی۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴾ (الاعراف:۲۰۳)

''یہ تمہارے رب کی طرف سے بصیرتیں ہیں اور ہدایت اور رحمت اس قوم کے لیے جو یقین رکھتے ہیں''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ تَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴾ (یوسف:۱۱۱)

''ان کے قصوں میں عقلمندوں کے لیے نصیحت ہے یہ ایسی بات نہیں ہے جو بنائی گئی ہو بلکہ جو اس سے پہلے ہیں ان کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ (یونس:۵۷)

''اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی اور جو کچھ سینوں میں ہے اس کے لیے شفاء اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت۔''

اللہ کا فرمان: هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ عام اور مطلق ہے۔ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ اہل یقین کے ساتھ خاص ہے۔ یہی مثال گزشتہ آخری آیت (یونس:۵۷) کی ہے۔

خصوص میں اس کی مثل هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ہے۔ اور یہ فرمان بھی:

﴿ یَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ ﴾ (المائدۃ:۱٦)

''اللہ اس کے ساتھ ہدایت دیتا ہے جو اس کی خوشنودی کی پیروی کرے سلامتی کے راستوں کی۔''

اس کی مثال یہ بھی ہے:

﴿ هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴾ (آل عمران:۱۳۸)

''یہ لوگوں کے لیے بیان ہے اور متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔''

اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ سب مکلف لوگوں کے لیے عام ہدایت ہے لہٰذا فرمایا:

﴿إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰ ﴿٢٣﴾﴾ (النجم:۲۳)

''نہیں وہ پیروی کرتے مگر گمان کی اور جو نفس خواہش کرتے ہیں اور البتہ تحقیق ان کے پاس ان کے ربّ کی طرف سے ہدایت آ گئی۔''

اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ قرآن میں لوگوں کے لیے بصیرتیں ہیں۔ بصائر بصیرہ کی جمع ہے۔ یہ فعیلہ بمعنی مفعلہ ہے۔ یعنی جو بصیرت چاہے اس کو بصیرت دینے والی۔ اسی سے اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً﴾ (الاسراء:۵۹)

''ہم نے ثمود کو اونٹنی دی دکھانے والی۔''

یعنی وضاحت کرنے والی جو بصیرت کو موجب ہے۔ ابصار کا فعل لازم [1] اور متعدی استعمال کیا جاتا ہے۔ ابصرتہ اریتہ اور ابصرتہ رایتہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ آیت میں مبصرۃ مرئیہ کے معنی میں ہے۔ دکھانے والی نہ کہ دیکھنے والی۔ جنہوں نے اس کو دیکھنے والی کے مفہوم میں سمجھا انہوں نے آیت میں غلطی کی ہے اور اس کے معنی میں پریشان ہوئے ہیں۔ بصر بہ اور ابصرہ بھا کہا جاتا ہے۔ کبھی اس کو باء کے ساتھ متعدی کیا جاتا ہے اور کبھی ہمزہ کے ساتھ۔ پھر کہا جاتا ہے ابصرتہ کذا یعنی اریتہٗ ایاہ۔ جیسے بصرتہ بہ اور بصر ھو بہ کہا جاتا ہے۔

یہاں پر بصیرت، تبصرہ اور مبصرہ ہے۔ بصیرت وہ واضح کرنے والی ہے جو دکھادے۔ تبصرہ تذکرہ کی طرح مصدر ہے۔ اس کا نام اس چیز کو دیا جاتا ہے جو تبصرہ کو موجب ہو، کہا جاتا ہے کہ یہ آیت تبصرہ ہے۔ یعنی بصیرت حاصل کرنے کا آلہ اور اس کی موجب ہے۔ قرآن بصیرت، تبصرہ، ہدایت، شفاء اور رحمت بمعنی عام ہے اور بمعنی خاص بھی ہے۔ اس لیے اللہ پاک نے اس کو بھی ذکر کا ہے اور اس کو بھی۔ یہ جہانوں کے لیے ہدایت ہے اور متقین کے لیے ہدایت ہے۔ جہانوں کے لیے شفاء ہے اور مومنوں کے لیے شفاء ہے۔ جہانوں کے لیے نصیحت اور متقین کے لیے نصیحت ہے۔ یہ بذات خود ہدایت، رحمت، شفاء اور نصیحت ہے۔

جس نے اس کے ساتھ ہدایت پکڑی، نصیحت پکڑی، شفاء طلب کی وہ اس شخص کے مرتبہ میں ہے جو ایسی دوا استعمال کرتا ہے جس سے شفا ملتی ہے۔ یہ بالفعل دوا ہے اور اگر وہ اس کو استعمال نہ کرے تو بالقوت دوا ہے۔ اسی طرح ہدایت بھی ہے۔

قرآن بالفعل اس کے لیے ہدایت ہے جو اس سے ہدایت چاہے اور بالقوت اس کے لیے جو اس سے ہدایت نہ پکڑے۔ اس سے ہدایت لی جاتی ہے، رحم کیا جاتا ہے۔ جبکہ پرہیز گار، یقین رکھنے والے نصیحت حاصل کر لیتے ہیں۔

ھدی دراصل ھدی یھدی ھدی کا مصدر ہے۔ جو اپنے علم پر عمل نہ کرے وہ ہدایت پانے والا نہیں ہے۔ جیسے ایک روایت میں ہے ''جو علم میں بڑھ گیا لیکن وہ ہدایت میں نہ بڑھا وہ اللہ تعالیٰ سے دوری میں ہی بڑھے گا۔'' لیکن اس کا نام ہدایت رکھا جائے گا کیونکہ ہدایت اس کی شان ہے۔

---

[1] لازم وہ فعل ہے جو فقط فاعل پر پورا ہو جائے۔ متعدی وہ ہے جس کو مفعول کی بھی ضرورت ہو۔ دیکھنے والی لازم جبکہ دکھانے والی متعدی ترجمہ ہے۔ (مترجم)

یہ اس شخص سے اچھی بات ہے جس نے کہا: ھدی ھاد کے معنی میں ہے۔ یہ مصدر بمعنی فاعل ہے۔ جیسے عدل عادل، زور زائر اور صوم مرد صائم کے معنی میں ہے۔ اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ وہ اس کے ساتھ ہدایت دیتا ہے۔

اللہ ہادی ہے۔ اس کی کتاب ہدی ہے۔ جس کے ساتھ وہ اپنے پیغمبر ﷺ کی زبان سے ہدایت دیتا ہے۔ یہاں تین چیزیں ہیں۔ ❶ فاعل ❷ قابل/قبول کرنے والا اور ❸ آلہ۔

فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ قابل بندے کا دل ہے۔ جبکہ آلہ وہ چیز ہے جس کے ساتھ ہدایت ملتی ہے۔ وہ کتاب منزل ہے۔ اللہ پاک اپنی مخلوق کو ہدایت دیتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: اس نے دلالت کی، اس نے راہنمائی کی اور اس نے وضاحت کی۔

المقصود: قبول کرنے والا محل متقی بندے کا دل ہے، جو اپنے ربّ کی طرف جھکنے والا ہے، اس سے خائف ہے، اس کی رضا چاہتا ہے، اس کی ناراضگی سے بھاگتا ہے۔ جب اللہ اسے ہدایت دیتے ہیں تو گویا اس کے فعل کا اثر قابل محل پر پہنچ جاتا ہے۔ وہ اس سے اثر لیتا ہے۔ وہ اس کے لیے ہدایت، شفاء، رحمت اور بالوجود نصیحت ہو جاتی ہے۔ قبول فعل ہو جاتا ہے۔ جب محل قابل نہ ہو۔ وہاں ہدایت پہنچے۔ اس میں اثر نہیں کرتی۔ جیسے اگر غذا اس جگہ پہنچ جائے جو غذا پانے کے قابل نہ ہے۔ وہ اس میں کچھ اثر نہ کرے گی۔ بلکہ وہ اس کے فساد میں مزید فساد اور کمزوری کے علاوہ کچھ نہ کرے گی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ آیت میں فرمایا:

﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ﴾ (التوبۃ:۱۲۳، ۱۲۵)

''رہے وہ لوگ جو ایمان لائے ان کو (آیات) ایمان میں بڑھا دیتی ہیں اور وہ خوش ہوتے ہیں، اور رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے ان کو رجس پر رجس مزید دیتی ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝﴾ (الاسراء:۸۲)

''اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن سے جو شفاء ہے اور مؤمنوں کے لیے رحمت ہے اور ظالموں کو نہیں بڑھاتا مگر خسارے میں۔''

ہدایت کا نہ مل پانا کبھی محل قبول کے عدم سے ہوتا ہے۔ کبھی آلہ ہدایت کے عدم سے۔ کبھی فعل فاعل کے عدم سے ہے، جو کہ ہادی (اللہ) ہے۔ درحقیقت ہدایت نہیں مل سکتی جب تک یہ تینوں اکٹھے نہ ہوں۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے:

﴿وَ لَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِیْهِمْ خَیْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَ لَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝﴾ (الانفال:۲۳)

''اور اللہ اگر ان میں خیر جانتا ضرور ان کو سناتا۔ اگر وہ ان کو سناتا تو ضرور وہ اعراض کرتے ہوئے پھر جاتے۔''

اس ذات پاک نے خبر دی ہے کہ اس نے ان سے ہدایت پانے کا مادہ کاٹ دیا ہے۔ ان کے دلوں کو جو نفع دے اس کا سنانا اور سمجھانا ہے۔ کیونکہ محل قبول نہیں ہے۔ اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ آدمی حق کے لیے خیر سے ہی مطیع ہوتا ہے جو اس میں ہے۔ اس کی طرف میلان ہے۔ اس کے لیے طلب ہے۔ اس کی محبت، اس پر حرص ہے۔ اس پر کامیابی کی خوشی ہے۔ جبکہ ان لوگوں کے دلوں میں ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ ہدایت کا ان تک پہنچنا، اس پر واقع ہونا ایسے ہے جیسے آسمان سے نازل ہونے والی بارش پہنچتی

ہے۔ سخت اور اونچی زمین پر پڑتی ہے جو پانی کو نہیں روکتی اور نہ سبزہ اگاتی ہے۔ نہ وہ پانی کو قبول کرتی ہے اور نہ بوٹیوں کو، پانی بذات خود زندگی اور رحمت ہے لیکن اس میں اس کو قبول کرنا نہیں ہے۔ ①

پھر ان کے بارے میں اس مفہوم کی تاکید ''اگر وہ ان کو سنا تا تو وہ ضرور اس سے اعراض کرتے ہوئے پھر جاتے'' کے فرمان سے کر دی۔ اور بتایا کہ عدم قبول وفہم کے ساتھ ان میں ایک دیگر آفت بھی ہے۔ وہ تکبر، اعراض اور مقصد کی خرابی ہے۔ اگر سمجھیں گے تو نہ مطیع ہوں گے، نہ حق کی پیروی کریں گے، نہ اس پر عمل کریں گے۔ ان لوگوں کے حق میں ہدایت، بیان اور حجت قائم کرنے کی ہدایت ہے۔ نہ کہ توفیق وارشاد کی ہدایت۔ ان کے حق میں ہدایت رحمت کے ساتھ نہیں پہنچی۔ رہے مؤمن! تو ان کے حق میں ہدایت رحمت سے مل گئی ہے۔ قرآن ان کے لیے ہدایت اور رحمت ہو گیا ہے۔ جبکہ ان کے لیے ہدایت بلا رحمت ہے۔

جو رحمت مؤمنوں کے لیے ہدایت کے ساتھ ملی ہے وہ دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی۔ رہی دنیا: جو اللہ ان کو دنیا میں خیر اور نیکی کی محبت عطا کرتا ہے۔ ایمان کا ذائقہ چکھنا، اس کی مٹھاس کو پانا، اس بات پر شاداں وفرحاں ہونا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس چیز کی ہدایت دی جس سے اس نے دوسروں کو گمراہ رکھا اور اس چیز کے لیے بھی جو حق سے اختلاف کیا گیا، اس کے حکم سے ہدایت ملی۔ وہ اس کی ہدایت کے نور میں الٹے پھرتے ہیں، اس کے ساتھ لوگوں میں چلتے ہیں، وہ دوسروں کو اندھیروں میں پھنسا ہوا دیکھتے ہیں۔ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوش ہوتے ہیں اس بات پر جو ان کو ان کے رب نے ہدایت دی ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾ (یونس: ۵۸)

''کہہ دیجیے! اللہ کے فضل کے ساتھ اور اس کی رحمت کے ساتھ۔ پس اس پر چاہیے کہ وہ خوش ہوں یہ اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

سلف کی عبارات اسی کے گرد گھومتی ہیں کہ فضل اور رحمت سے مُراد علم، ایمان اور قرآن ہیں۔ ان کے ماننے والے پیغمبر کے تابع دار ہیں۔ یہ سب سے بڑی رحمت ہے جو اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے کرتا ہے۔ امن، عافیت، سرور، دل کی لذت، نعمت، اس کی ٹھنڈک اور رونق ایمان کے ساتھ ہے۔ فلاح اور سعادت کی راہ کی ہدایت میں ہے۔ جبکہ خوف، دکھ، غم، مصیبت، پریشانی اور بے چینی گمراہی اور حیرانی میں ہے۔

اس کی مثال دو مسافروں کے ساتھ بھی دی جاتی ہے۔ ان میں سے ایک اپنے مقصد کے راستے کو پا گیا وہ امن واطمینان سے چل پڑا۔ دوسرا راہ بھول گیا۔ اسے معلوم نہیں کس طرف جانا ہے؟ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۪ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (الانعام: ۷۱)

① یہ مفہوم ایک حدیث شریف میں بھی تفصیل کے ساتھ آیا ہے، جو مشکوۃ شریف کی کتاب العلم میں ہے۔ (مترجم)

''کہو: کیا ہم خدا کے سوا ایسی چیز کو پکاریں جو نہ ہمارا بھلا کر سکے نہ برا اور جب ہم کو خدا نے سیدھا رستہ دکھا دیا تو ہم الٹے پاؤں پھر جائیں؟ جیسے کسی کو شیاطین نے جنگل میں بھلا دیا ہو حیران اور اس کے کچھ رفیق ہوں جو اس کو رستے کی طرف بلائیں کہ ہمارے پاس چلا آ۔ کہہ دو کہ رستہ تو وہی ہے جو خدا نے بتایا ہے۔''

رحمت اس کو حاصل ہوتی ہے جسے ہدایت حاصل ہو۔ یہ اس کی ہدایت کے حساب سے ہے۔ جب اس کا ہدایت سے نصیب پورا ہوگا۔ اس کا رحمت کا حصہ بھی وافر ہوگا۔ یہ وہ خاص رحمت ہے جو اس کے مؤمن بندوں کے لیے ہے۔ یہ اس رحمت کے علاوہ ہے جو ہر نیک و بد کے لیے عام ہے۔ اللہ پاک نے اہل ہدایت کے لیے ہدایت، رحمت اور صلاۃ کو جمع کر دیا ہے۔

لہٰذا ارشاد فرمایا:

﴿ أُولَٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوَٰتٞ مِّن رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٞۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُهۡتَدُونَ ۝ ﴾ (البقرۃ: ۱۵۷)

''یہی لوگ ہیں جن پر ان کے ربّ کی طرف سے صلوات ہیں اور رحمت اور یہی لوگ ہدایت والے ہیں۔''

حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا: دونوں برابر بھی اچھے[1] ہیں اور اضافہ بھی اچھا ہے۔[2] ہدایت کے ساتھ وہ گمراہی سے بچے، رحمت کے ساتھ بدبختی اور عذاب سے بچے، وہ صلاۃ سے عزت اور قرب کا رتبہ پا گئے۔ گمراہ لوگوں کو ان تینوں سے الٹ باتیں ملتی ہیں۔ راہ سعادت سے گمراہی رحمت کی ضد دکھ اور عذاب میں مبتلاء ہونا اور صلاۃ کی ضد مذمت اور لعنت والا ہونا۔ جب ہر بندے کا رحمت سے حصہ اس کی ہدایت کے حصہ کے بقدر ہے۔ مؤمنین میں سے اکمل ایمان والا وہ ہوا جو ان میں زیادہ رحمت والا ہے۔ اللہ پاک نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کے متعلق فرمایا:

﴿ مُّحَمَّدٞ رَّسُولُ ٱللَّهِۚ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلۡكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيۡنَهُمۡۖ ﴾ (الفتح: ۲۹)

''محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں۔ آپس میں نرم ہیں۔''

حضرت ابوبکر صدیق اس امت میں سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ جیسے نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

«أَرْحَمُ أُمَّتِيْ بِأُمَّتِيْ أَبُوْ بَكْرٍ»[3]

''میری امت میں سے سب سے بڑھ کر مہربان میری امت پر ابوبکر ہیں'' (ترمذی)

باتفاق صحابہ وہ صحابہ میں سب سے بڑے عالم بھی تھے۔ جیسے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت ابوبکر ہم میں سب سے زیادہ ان کو یعنی نبی ﷺ کو جاننے والے تھے۔[4] اللہ نے ان کے لیے علم کی اور رحمت کی وسعت کو جمع کر دیا ہے۔ آدمی کا جتنا علم وسیع ہوگا اس کی رحمت وسیع ہوگی۔ ہمارا ربّ ہر چیز پر رحمت اور علم کے ساتھ وسیع ہو گیا۔ اس کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہوگئی۔ اس نے ہر چیز کا علم سے احاطہ کرلیا وہ اپنے بندوں پر ماں کے بچے پر مہربان ہونے سے زیادہ مہربان ہے۔ بلکہ وہ بندے پر

---

① صلوٰت اور رحمت دونوں برابر ہیں جبکہ ہدایت علاوہ ہے۔ (مترجم)

② مستدرك حاكم كتاب التفسير، ج: ۲، ص: ۲۷۰۔ صحیح بخاری شریف میں بھی یہ روایت معلق آئی ہے۔ (مترجم)

③ جامع ترمذی، ج: ۵ ص ٦٤ حدیث: ۳۷۹۰ و مسند امام احمد، ج: ۳، ص: ۱۸٤

④ صحیح بخاری، ج: ٤، ص: ۱۳۵؛ مسند امام احمد، ج: ۳، ص: ۱۸۔

خود اس سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ کیونکہ وہ بندے کا فائدہ اس سے بڑھ کر جانتا ہے۔ بندہ اپنے مفادات سے ناآشنائی اور ظلم کے سبب سے اس چیز کی کوشش کرتا ہے جو اسے نقصان اور دکھ دے۔ اس کا عزت اور ثواب سے حصہ کم ہو جائے۔ وہ اس کے قرب سے دور ہو جائے۔ جبکہ وہ گمان کرتا ہے کہ وہ اسے نفع اور عزت دے رہا ہے۔ یہ انتہائی جہل اور ظلم ہے۔ انسان بڑا ظلم والا اور بڑا جہل والا ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو اپنے زعم میں خود کو عزت دے رہے ہیں لیکن وہ اپنی رسوائی کر رہے ہیں۔ وہ خود کو آسان کر رہے ہیں لیکن وہ اپنے کو مشقت میں ڈال رہے ہیں۔ وہ اس کی کسی لذت اور غرض میں مطیع ہے لیکن وہ اس کی تمام لذات کے مابین رکاوٹ ڈال رہے ہیں۔ آدمی کو اپنی جان کے مفادات کا علم نہیں جو اس کے اصل مفادات ہیں۔ نہ اس کے پاس اس کے لیے رحمت ہے۔ اس کا دشمن اس کے ساتھ وہ کچھ نہیں کر سکتا جو وہ خود اپنے ساتھ کرتا ہے۔ اس نے اس کا نصیب گھٹیا کر دیا۔ اس کا حق ضائع کر دیا۔ اس کے مفادات رائیگاں کیے۔ اس کی باقی نعمت کو بیچا، اس کی دائمی، کامل لذت کو فانی، نقص کے ساتھ ملی ہوئی لذت کے بدلے میں کر دیا۔ یہ گویا پراگندہ خواب ہیں یا خواب میں آنے والا جھونکا ہے۔ یہ اس کی حالت سے کچھ عجب نہیں ہے جبکہ اس نے ہدایت اور رحمت سے اپنا نصیب کھو دیا ہے۔ اگر اس پر رحم کیا جائے، ہدایت دی جائے اس کی حالت یوں نہ ہوگی۔ لیکن ربّ تعالیٰ نے اس محل کو جان لیا جو ہدایت اور رحمت کے لیے درست ہے۔ وہی تو یہ چیز اپنے بندے کو دیتا ہے۔ جیسے اس نے اپنے بندے خضر کے متعلق فرمایا:

﴿ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ ﴾ (الکھف: ۶۵)

''پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ (خضر) پایا۔ ہم نے اس کو اپنے ہاں سے رحمت دی اور اپنے پاس سے ہم نے اس کو علم سکھا دیا تھا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ ﴾ (الکھف: ۱۰)

''اے ہمارے ربّ ہم کو اپنی جانب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے معاملے سے رشد تیار فرما۔''

فصل: تکلیفیں از قسم رحمت ہیں

یہ بات بھی معلوم کرنی چاہیے کہ رحمت ایسی صفت ہے جس کا تقاضا بندے تک مفادات اور منافع پہنچانا ہے۔ گو اس کا نفس اس کو ناپسند کرے، اس پر یہ گراں گزرے۔ یہی حقیقی رحمت ہے۔ لوگوں میں سے تم پر زیادہ مہربان وہ ہے جو مفادات کو تجھ تک پہنچانے اور نقصانات کو تجھ سے دور کرنے میں تجھ پر مشقت ڈالے۔

باپ کی بچے پر رحمت ہے کہ وہ اس کو علم و عمل کا ادب سکھانے پر مجبور کرے۔ اس پر اس کی ضرب وغیرہ کے ساتھ مشقت ڈالے۔ اسے ان شہوات سے روکے جو اس پر ضرر لاتی ہیں، اگر اپنے بچے پر وہ اس معاملہ میں سستی کرے گا یہ اس کی اس پر مہربانی کی کمی ہوگی۔ گو کہ وہ گمان کرتا ہو کہ وہ اس پر رحمت کر رہا ہے، اسے نرمی، آرام دے رہا ہے۔ یہ مہربانی جہالت کے ساتھ ملی/ امیچ ہے۔ جیسے ماں کی مہربانی ہوتی ہے۔

ارحم الراحمین کی رحمت کا تمام یہ ہوا کہ بندے پر کئی تکلیفیں ڈال دیں۔ وہ اس کے فائدے کو بہتر جانتا ہے۔ اس کا اس کو آزمانا، امتحان کرنا، اس کی بہت سی اغراض اور شہوات سے روکنا۔ یہ اس پر رحمت ہی ہے۔ لیکن بندہ اپنی جہالت اور ظلم کی وجہ سے اپنی آزمائش پر اپنے رب کو الزام دیتا ہے۔ وہ اس ابتلاء اور امتحان سے خود پر اس کے احسان کو نہیں جانتا۔ ایک روایت میں ہے:
''جب آزمائش والے بندے کے لیے دعا کی جاتی ہے: اے اللہ اس پر رحم کر! اللہ پاک فرماتے ہیں: میں اس پر اس بات میں کیسے رحم کروں جس کے ساتھ میں اس پر رحم ہی کر رہا ہوں؟'' دوسری روایت میں ہے: ''اللہ جب اپنے بندے سے محبت کرتے ہیں اسے دنیا، اس کی طیبات اور اس کی شہوات سے روک دیتے ہیں جیسے تم میں سے کوئی مریض کو روکتا ہے۔''

یہ اس کی اس پر تمام رحمت سے ہے نہ کہ اس پر بخل سے ہے۔ کیوں؟ جبکہ وہ سخاوت والا تعریف والا ہے۔ ہر سخاوت اسی کی ہے۔ اس کی سخاوت کے پہلو میں مخلوقات کا وجود دنیا کے پہاڑوں کے ذرے اور اس کی ریت سے بھی کم تر ہے۔

اس ذات پاک کی اپنے بندوں پر رحمت ہے کہ وہ ان کو اوامر و نواہی سے رحمت و بچاؤ کے طور پر آزماتا ہے۔ جو اس نے ان کو حکم دیا اس کی اس کو حاجت نہیں ہے۔ وہ تو غنی، تعریف والا ہے۔ جس سے روکا ہے ان پر بخل سے نہیں۔ وہ تو عزت والا سخی ہے۔

اس کی رحمت ہے کہ اس نے ان پر دنیا کو گندہ اور مکدر بنا کر پیش کیا تا کہ وہ اس کی طرف سکون نہ پکڑیں، نہ لوگ اس کی طرف مطمئن ہوں۔ وہ اس کے گھر (جنت) اور اس کے پڑوس کی ہمیشہ کی نعمتوں میں رغبت رکھیں۔ اس نے ان کو اس کی طرف ابتلاء اور آزمائش کے کوڑوں سے کھینچا/ چلایا ہے۔ روکا تا کہ ان کو دے۔ آزمایا تا کہ عافیت دے۔ مارا تا کہ ان کو زندگی دے۔

ان پر اس کی رحمت ہی ہے کہ اس نے ان کو اپنی ذات سے ڈرایا ہے۔ تا کہ وہ اس سے دھوکہ میں نہ رہیں۔ اس کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کریں جو معاملہ اس کے ساتھ اچھا نہیں ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝﴾ (آل عمران: ۳۰)

''اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے۔''

ایک سے زائد بزرگوں کا قول ہے: اس کی بندوں پر مہربانی ہے کہ اس نے ان کو اپنی ذات سے ڈرایا ہے۔ تا کہ وہ اس کے متعلق دھوکے میں نہ رہیں۔

فصل

جب بندے پر نعمت کا پورا ہونا ہدایت اور رحمت ہی ہے۔ تو ان دونوں کی ضدیں ہیں: گمراہی اور غضب۔

اللہ پاک نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم اس سے دن اور رات میں کئی مرتبہ [1] سوال کریں کہ وہ ہمیں ان لوگوں کی راہ دکھادے جن پر اس نے انعام کیا۔ وہ ہدایت اور رحمت والے ہیں۔ وہ ہمیں غضب کیے گئے لوگوں کی راہ سے بچائے۔ یہ رحم کیے گئے لوگوں کی ضد ہیں اور گمراہوں کی راہ سے بھی یہ ہدایت والوں کی ضد ہیں۔ اسی لیے یہ دعا دعاؤں میں سے بہت جامع، افضل اور بہت قبول ہونے والی ہے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ

[1] اس سے مراد سورۃ فاتحہ میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پڑھنا ہے۔ حدیث شریف کے مطابق اس آدمی کی نماز نہیں ہوتی جس نے اپنی نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی۔ (مترجم)

فصل: اللہ کی رحمت، بندے کی سعادت

جب ہر عمل کی اصل محبت اور ارادہ ہے۔ بندے کا مقصد مراد محبوب سے نعمت پانا ہے تو ہر زندہ رہنے والا وہ عمل کرتا ہے جس میں اس کی نعمت اور لذت ہو۔ ہر عمل سے اور ہر حرکت سے اول مقصود نعمت پانا ہے۔ جیسا کہ عذاب اور دکھ پانا ہر مبغوض سے پہلے ناپسند ہے، ہر ممانعت اور رکاوٹ سے پہلے بھی۔ لیکن بنو آدم سے دو معنوں میں جہل اور ظلم واقع ہوا۔ فاسد دین اور فاجر دنیا کے ساتھ۔ ان دونوں کے ساتھ نعمتیں طلب کیں۔ درحقیقت ان دونوں میں ان کی ضد ہے۔ جہاں سے انہوں نے ترجیح دی اور نعمت طلب کی ان سے وہ چھوٹ گئی۔ وہ جہاں سے بھاگے تھے اسی دکھ اور عذاب میں جا پڑے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ جو اعمال سب بنو آدم کرتے ہیں یا وہ ان کو دین بناتے ہیں یا وہ ان کو دین نہیں بناتے۔ جو ان کو دین بناتے ہیں یا وہ دین حق ہے یا وہ دین باطل ہے۔

ہم کہتے ہیں: مکمل نعمت علمی اور عملی طور پر دین حق میں ہے۔ یہی لوگ کامل نعمت والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنی کتاب میں ایک سے زائد مقام پر بتائی ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ ﴾ (الفاتحة:۵، ۷)

''ہم خاص تیری عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں تو دکھا ہم کو سیدھا راستہ، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے نہ ان لوگوں کا جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کا۔''

پرہیزگاروں اور اللہ کی کتاب سے ہدایت پکڑنے والوں کے متعلق فرمایا:

﴿ اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة:۵)

''یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی ۝ ﴾ (طٰهٰ:۱۲۳)

''پس ضرور تمہارے پاس مجھ سے ہدایت پہنچے گی تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی پس نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ بدنصیب ہوگا۔''

دیگر آیت میں ارشاد ہے:

﴿ فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة:۳۸)

''پس جس نے میری ہدایت کی پیروی کی نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم کریں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ۝﴾ (الانفطار:۱۳، ۱۴)

''بے شک نیک لوگ نعمت میں ہوں گے اور بے شک بدکار جہنم میں ہوں گے۔''

قرآن اس طرح کی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔

اہل ہدایت اور عمل صالح والوں سے اخروی گھر میں مکمل نعمت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

گمراہی والوں اور بدکاروں سے اخروی گھر میں بدنصیبی کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس پر اول تا آخر پیغمبروں کا اتفاق ہے۔ کتب سماوی اس مضمون پر مشتمل ہیں۔ لیکن ہم یہاں ایک نافع نکتہ ذکر کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ انسان کبھی سنتا اور دیکھتا ہے کہ اکثر اہل ایمان کو دنیا میں مصائب پہنچتے ہیں۔ کافر، فاجر اور ظالم لوگوں کو دنیا میں ریاست، مال وغیرہ ملتے ہیں۔ وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ دنیا میں نعمت صرف کافروں، فاجروں کے لیے ہے۔ مؤمنوں کا دنیا کی نعمت میں حصہ کیا ہے۔ وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ دنیا میں عزت اور غلبہ مؤمنوں پر کفار اور منافقین کے لیے برقرار رہتا ہے۔ جب وہ قرآن میں یہ سنتا ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (المنافقون:۸)

''اور اللہ کے لیے عزت ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مؤمنوں کے لیے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝﴾ (الصافات:۱۷۳)

''اور بے شک ہمارا لشکر ضرور وہی غالب ہیں۔''

اور ارشاد ہے، فرمایا:

﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ﴾ (المجادلہ:۲۱)

''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ ضرور میں غالب رہوں گا میں اور میرے پیغمبر ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (الاعراف:۱۲۸)

''اور انجام (نیک) پرہیزگاروں کے لیے ہے۔''

اس طرح کی دیگر آیات پر یہ آدمی قرآن کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا حصول صرف آخرت میں ہوگا۔ وہ کہتا ہے کہ رہی دنیا تو ہم کافروں اور منافقوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ یہاں غالب ہیں، بلند ہوتے ہیں، ان کو مدد اور کامیابی ملتی ہے۔

جبکہ قرآن خلاف حس نہیں آتا۔ اس ظن میں اعتماد ہے کہ جب اس پر کفار، منافقین، فاجر اور ظالم لوگوں کی جنس سے دشمن کو غلبہ ملے۔ وہ اس کے خیال میں اہل ایمان اور تقویٰ سے ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ صاحب باطل صاحب حق پر چڑھائی کر گیا۔ وہ کہتا ہے: میں حق پر ہوں اور میں مغلوب ہوں تو اس دنیا میں صاحب حق مغلوب اور مقہور ہے جبکہ یہاں غلبہ باطل کے لیے ہے۔

جب اسے وہ یاد کرایا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے متقین، مؤمنین کے ساتھ حسن انجام کا وعدہ فرمایا ہے۔ تو وہ کہتا ہے: کہ یہ

صرف آخرت میں ہے۔

اگر پوچھا جائے: اللہ تعالیٰ یہ اپنے اولیاء، احباء اور اہل حق کے ساتھ کیوں کرتا ہے؟ اگر وہ آدمی افعال کی علت حکمتوں اور مفادات سے نہیں بتاتا۔ کہتا ہے: اللہ اپنی بادشاہت میں جو چاہتا ہے کرتا، جو ارادہ کرے وہی فیصلہ کرتا ہے:

﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴾ (الانبیآء:۲۳)

''وہ جو کرتا ہے اس متعلق پوچھا نہیں جاتا جبکہ ان سے پوچھا جائے گا۔''

اگر وہ افعال کی علت بتاتا ہے کہے گا: اس نے ان کے ساتھ یہ کیا تاکہ ان کو صبر پر پیش کرے۔ اس ذریعے سے آخرت کا ثواب، درجات کی بلندی اور بغیر حساب وافر اجر مل جائے۔ ان میں سے ہر ایک کی سوچ وفکر کے حساب سے اپنے نفس کے ساتھ اس جگہ پر کچھ مباحثات، اعتراضات، اشکالات اور جوابات ہیں۔ جس قدر اس میں اللہ کی معرفت، اس کے اسماء، صفات اور حکمتوں کو جاننا یا نہ جاننا ہو۔ جو کچھ دلوں میں ہوتا ہے وہ اس کے ساتھ جوش مارتے ہیں۔ جیسے ہنڈیا بھرپور ہونے کے بعد جوش مارتی ہے۔

ہمیں یہ بات پہنچی ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ یہ اکثر لوگ رب تعالیٰ کو ظالم بتاتے۔ اس پر ایسے الزام لگاتے ہیں جو کوئی دشمن بھی نہیں لگاتا۔ جہم [1] اپنے اصحاب کے ساتھ نکلتا۔ وہ ان کو کسی کوڑھے اور مصیبت والے کے پاس کھڑا کرتا اور کہتا: ارحم الراحمین کو دیکھو وہ ایسے کرتا ہے؟ یہ اس کی رحمت کا بھی انکار کرتا ہے۔

جہم اور اس کے تابعداروں کے ہاں اللہ نہ حکیم اور نہ رحیم ہے۔

اس قوم کے کسی بڑے نے کہا: ''مخلوق پر خالق سے بڑھ کر کوئی نقصان دہ نہیں ہے''۔ کوئی یہ [2] شعر پڑھتا تھا ؎

اگر اُس کا اپنے محب کے ساتھ یہ فعل ہے، تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا کرتا ہوگا؟

تم اکثر لوگوں کو دیکھو گے جب کسی طرح کی مصیبت آئی کہے گا: اے میرے ربّ میرا کیا گناہ تھا حتیٰ کہ تم نے میرے ساتھ یہ کر دیا؟

مجھے ایک سے زائد افراد نے کہا: جب میں توبہ کرتا ہوں، جھکتا ہوں، عمل صالح کرتا ہوں وہ مجھ پر میرا رزق تنگ کرتا ہے۔ میری معیشت کو مجھ پر گندہ کرتا ہے۔ جب میں گناہ کی طرف لوٹتا ہوں۔ میں اپنے نفس کو اس کی مراد دیتا ہوں۔ میرے پاس رزق، مدد وغیرہ زیادہ آجاتے ہیں۔

میں نے بعض کو جواب دیا یہ اس کا امتحان ہے تاکہ وہ تیرا صدق اور صبر دیکھے۔ کیا تو اس کی طرف اپنے آنے اور متوجہ ہونے میں سچا ہے تو اس کی آزمائش پر صبر کر سکے۔ تیرے لیے انجام خیر ہو یا تو جھوٹا ہے۔ تو اپنی ایڑیوں پر لوٹے گا؟ یہ جھوٹے گمان اور درست راہ سے ہٹے ہوئے اقوال دو مقدمات پر مبنی ہیں۔

پہلا مقدمہ: بندے کا اپنے اور اپنے دین کے بارے میں حسن ظن، اس کا اعتقاد کہ وہ اپنے فریضہ کو ادا کر رہا ہے، ممانعت کو

---

[1] یہ جہم بن صفوان ہے۔ اسے خالد بن عبداللہ القسری نے سن ۱۲۴ھ میں الحاد اور زندیقی کی وجہ سے قتل کر دیا تھا۔ اس کا استاد بعد میں پہلا شخص تھا جس نے خلق قرآن کا نیا فتنہ برپا کیا۔ اس نے یہ نظریہ بیان بن طاغوت سے لیا تھا۔ جو لبید بن اعصم کی بہن کا بیٹا تھا۔ لبید نے نبی ﷺ پر جادو کیا تھا۔ یہ اس کی بیٹی کا خاوند بھی تھا۔ دیکھیے: البدایہ والنہایۃ۔ (الفقی) [2] یہ شاید ابن عربی ہے جو کہ عقیدہ وحدت الوجود اور حلول والوں کا استاذ ہے۔ (الفقی)

چھوڑ رہا ہے، اس کا اپنے مخالف اور دشمن کے متعلق اس کے خلاف اعتقاد کہ وہ مأمور کو چھوڑنے والا ہے۔ منہی کو کرنے والا ہے اور یہ کہ اس کا نفس اللہ، اس کے پیغمبر اور اس کے دین کے دوسرے کی نسبت زیادہ قریب ہے۔

دوسرا مقدمہ: اس کا اعتقاد کہ اللہ پاک کبھی دین حق والے کی تائید اور مدد نہیں کرتا۔ کبھی دنیا میں کسی طرح اس کا اچھا انجام نہیں کرتا۔ بلکہ وہ عمر بھر مظلوم، مقہور اور تنگ رہتا ہے۔ حالانکہ جو کچھ حکم دیا گیا وہ ظاہر و باطن سے اسے ادا کر رہا ہے۔ جس سے روکا گیا وہ ظاہر و باطن سے رکا ہوا ہے۔ وہ اپنے زعم میں احکام شریعت اسلامیہ اور حقائق ایمان کو قائم کرنے والا ہے۔ جبکہ وہ اہل ظلم، فجور اور عدوان کے قہر کے ماتحت ہے۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں! جاہل عابد، بے بصیرت متدین اور حقائق دین کی معرفت نہ رکھنے والے علم کی طرف منسوب شخص کا یہ دھوکہ کس قدر فاسد ہے۔

یہ معلوم ہے کہ بندہ گو آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ لیکن وہ دنیا میں اپنے لیے ضروری چیزوں کا طالب ہوتا ہے۔ یعنی نفع حاصل کرنا، نقصان دور کرنا۔ جو وہ سمجھتا ہے کہ یہ مستحب یا واجب یا مباح ہے۔ جب وہ اعتقاد رکھتا ہے کہ دین حق، اتباع ہدایت، توحید پر استقامت اور سنت کی پیروی اس کی نفی کرتی ہے۔ وہ تمام زمین والوں سے لڑ سکتا ہے۔ وہ ان مصائب کے درپے بھی ہو جاتا ہے جن پر وہ قادر نہ ہو۔ وہ دنیا کے حص اور منافع چھوڑتا ہے۔ اس سے لازم ہے کہ وہ کمال دین سے بے رغبت ہونے سے اعراض کرے، اور اللہ اور اُس کے پیغمبر کے لیے الگ تھلگ ہونے سے۔ وہ اپنے دل کو سابقین، مقربین کی حالت سے ہٹا دیتا ہے۔ بلکہ کبھی درمیانے اصحاب الیمین کی راہ سے بھی۔ بلکہ کبھی ظالموں بلکہ منافقوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اگر اصل دین میں یہ نہ ہو تو اس کے اکثر اعمال اور فروع میں ہوگا۔ جیسے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ، يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِيْ كَافِرًا، وَيُمْسِيْ كَافِرًا وَيُصْبِحُ مُؤْمِنًا، يَبِيْعُ دِيْنَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا»[1]

''ان فتنوں سے پہلے اعمال میں جلدی کرو جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہیں آدمی صبح کو مؤمن ہوگا اور شام کو کافر ہوگا۔ شام کو کافر ہوگا اور صبح کو مؤمن ہوگا۔ وہ اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے سامان کے بدلے بیچ دے گا''

یہ اس لیے کہ اس نے اعتقاد بنا لیا کہ دین کامل اس کی دنیا کو خراب ہی کرے گا۔ ایسے تکلیف لاتا ہے جو نا قابل برداشت ہو، ایسے نفع چھڑاتا ہے جو ضروری تھا، وہ اس تکلیف کی برداشت اور اس کے نفع کے چھوٹنے پر کوئی اقدام نہیں کرتا۔

سبحان اللہ! اس فتنہ نے کتنے ہی لوگوں کو بلکہ اکثر لوگوں کو حقیقت دین قائم کرنے سے روک دیا۔ اس کی بنیاد دو بڑی جہالتوں سے بنتی ہے۔ حقیقت دین سے جہالت اور حقیقت نعمت سے جہالت۔ جو دلوں کے مطلوب کی انتہاء اور ان کا کمال ہے۔ اسی سے ان کی رونق اور ان کی لذت ہے۔ ان دو جہالتوں کے درمیان سے اس کا حقیقت دین کو قائم کرنے سے اعراض اور حقیقت نعمت طلب کرنے سے اعراض پیدا ہوتا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ۱۱۰، حدیث: ۱۱۸/ ۱۸۶؛ مسند امام احمد، ج: ۱، ص: ۱۸۹۔

یہ بات معلوم ہے کہ بندے کا کمال یہ ہے کہ وہ اس نعمت کو پہچانتا ہو جس کو وہ طلب کرتا ہے اور اس عمل کو جو اس تک پہنچاتا ہے، اس کے ساتھ اس میں اس عمل کے لیے پختہ ارادہ ہو، اس نعمت کے لیے سچی محبت ہو۔ ورنہ مذہب کا علم اور اس کی راہ نہ ملے گی جب تک وہ اس عمل کے ساتھ نہ ملے۔ جازم ارادہ وجود مراد کا موجب نہیں ہوتا مگر جب اس کے ساتھ صبر پکا ہو جائے۔

بندے کی سعادت، اس کی کمال لذت اور نعمت ان پانچ مقامات پر موقوف ہوگئی ہے: ❶ مطلوب نعمت کا علم ❷ اس کی محبت ❸ اس تک پہنچانے والے راستے کا علم ❹ اس پر عمل ❺ اس پر صبر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالْعَصْرِ ۝١ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝٢ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝٣﴾ (العصر: ۱۔۳)

''زمانہ کی قسم بے شک انسان ضرور خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، عمل صالح کرتے رہے، باہم حق کی وصیت کرتے رہے اور باہم صبر کی وصیت کرتے رہے۔''

المقصود: دو مقدمات جن پر یہ فتنہ ثابت ہوتا ہے ان کی اصل اللہ کے حکم، دین، وعدہ اور وعید سے جہالت ہے۔

جب بندے کا اعتقاد ہو کہ وہ دین حق پر قائم ہے۔ اس کا اعتقاد ہو جاتا ہے کہ وہ ظاہر اور باطن سے مامور کام کر رہا ہے، ظاہر و باطن سے ممنوع چھوڑ رہا ہے۔ یہ اس کی دین حق سے جہالت ہے، اللہ کا اس پر کیا حق ہے، اس سے کیا مطلوب ہے، یہ خود پر اللہ کے حق سے جاہل ہے، اپنے ساتھ دین کے حق کی قدر، نوع اور صفت سے جاہل ہے۔

جب وہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب حق کی دنیا و آخرت[1] میں مدد نہ کرے گا بلکہ دنیا میں اچھا انجام مؤمنوں پرہیزگاروں، کافروں، منافقوں، فاجروں اور ظالموں کا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور اس کی وعید سے جہالت ہے۔

رہا پہلا مقام: تو اکثر بندہ واجبات چھوڑتا ہے جن کا اور جن کے وجوب کا اس کو علم نہیں ہوتا۔ وہ علم میں کوتاہی والا ہے۔ اکثر وہ اس کے علم اور اس کے وجوب پر بھی اس کو چھوڑتا ہے یا سستی اور کمزوری سے، یا کسی طرح کی باطل تاویل سے، یا تقلید سے، یا یہ گمان کر کے کہ وہ اس سے بڑے واجب یا دیگر واجب میں مشغول ہے۔ دل کے واجبات جسم کے واجبات سے زیادہ ضروری ہوتے ہیں، ان کی تاکید زیادہ ہے۔ یہ اکثر لوگوں کے ہاں دین کے واجبات سے نہ ہیں بلکہ یہ فضائل اور مستحبات کے باب سے ہیں۔

تو دیکھے گا کہ آدمی ترک فرض یا واجبات جسم میں سے کسی واجب کے ترک میں حرج سمجھتا ہے جبکہ وہ دل کے اہم اور زیادہ فرض واجبات کو چھوڑ چکا ہوتا ہے۔ وہ معمولی حرام فعل کے ارتکاب میں حرج سمجھتا ہے۔ جبکہ وہ محرمات قلوب میں سے اس سے شدید تر حرام اور بڑے گناہ کا مرتکب ہو چکا ہوتا ہے۔

بلکہ اکثر اللہ کے لیے عبادت بنانے والا اس کے فرض کو چھوڑ دیتا ہے۔ وہ امر بالمعروف نہی عن المنکر سے باوجود قدرت کے الگ تھلگ ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ اس طرح اللہ کا قرب حاصل کر رہا ہے۔ اپنے رب تبارک وتعالیٰ پر دل لگائے ہوئے ہے، غیر ضروری چیز چھوڑے ہوئے ہے۔ یہ مخلوق میں اللہ کے ہاں سب سے ناپسندیدہ، اسے سب سے بڑھ کر مبغوض ہے۔ حالانکہ اسے

[1] یہاں شاید صرف دنیا کا لفظ آنا چاہیے تھا جیسا کہ سیاق میں ہے۔ واللہ اعلم۔ (مترجم)

یہ گمان ہے کہ وہ حقائق ایمان اور شرائع اسلام کو قائم کرنے والا ہے۔ وہ اللہ کے خاص اولیاء اور اس کی جماعت سے ہے۔

بلکہ اکثر جو اللہ کے لیے اس کو عبادت بنا دیتے جسے اللہ نے اس پر حرام کیا ہے۔ وہ معتقد ہے کہ یہ نیکی اور فرمانبرداری ہے۔ اس کی یہ حالت اس کی حالت سے بری ہے جو اسے گناہ اور نافرمانی سمجھتا ہے۔ جیسے اصحاب سماع شعری ہیں وہ اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے ہیں۔ وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ رحمن کے اولیاء سے ہیں۔ وہ درحقیقت اولیاء شیطان سے ہیں۔

اکثر جو اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ مظلوم ہیں اور بہر صورت حق پر ہیں۔ جبکہ معاملہ اس طرح نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے ساتھ ایک طرح کا حق اور ایک طرح کا باطل اور ظلم ہے۔ جبکہ اس کے مخالف کے پاس ایک طرح کا حق اور عدل ہے۔ تمہاری کسی چیز سے محبت تمہیں اندھا بہرہ کر دیتی ہے۔ انسان اپنے نفس کی محبت پر پیدا کیا گیا ہے۔ وہ اس کی صرف خوبیاں ہی دیکھتا ہے۔ وہ اپنے مخالف سے بغض رکھتا ہے وہ اس کی صرف برائیاں دیکھتا ہے۔ بلکہ کبھی اس کی اپنے نفس سے محبت شدید ہو جاتی ہے وہ اس کی برائیوں کو خوبیاں سمجھنے لگتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ﴾ (فاطر:۸)

''کیا پس وہ شخص جس کے لیے اس کا برا عمل مزین کیا گیا پس وہ اس کو اچھا خیال کرتا ہے۔''

اس کا اپنے دشمن سے بغض شدید ہو جاتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کی خوبیوں کو برائیاں سمجھنے لگتا ہے۔ جیسے کہا گیا:

اُنہوں نے نظرِ عداوت سے دیکھا اور اگر نظرِ رضا سے دیکھتے تو بری باتوں کو اچھا جان لیتے۔

یہ جہالت اکثر خواہش اور ظلم سے ملی ہوتی ہے۔ بے شک انسان بہت ظلم کرنے والا، بڑا جاہل ہے۔ مخلوق کے اکثر دین وہ رواج ہیں جو انہوں نے اپنے آباء اور اسلاف سے لیے ہیں۔ انہوں نے ان میں ان کی تقلید کی ہے، وہ نفی ہو یا اثبات۔ محبت اور بغض۔ دوستی اور دشمنی بھی۔ اللہ پاک نے اپنے دین، جماعت، اولیاء جو دین پر علم اور عمل سے قائم ہیں ان کی مدد کی ضمانت دی ہے۔ اس نے باطل کی مدد کی ضمانت نہیں دی گو اس آدمی کا اعتقاد ہو کہ وہ حق پر ہے۔ اسی طرح عزت اور غلبہ یہ دونوں اس ایمان والوں کے لیے ہیں جو اللہ نے اپنے پیغمبر کو دے کر بھیجا۔ جس کے ساتھ اپنی کتب کو نازل کیا۔ وہ تو علم، عمل اور حال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران:۱۳۹)

''اور تم ہی بلند ہونے والے ہو اگر تم مؤمن ہو''

بندے کو بلندی اپنے ہمراہ ایمان کے حساب سے ملتی ہے۔ اِرشاد فرمایا:

﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (المنافقون:۸)

''اور عزت اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور مؤمنوں کے لیے۔''

اس کی اسی قدر عزت ہے جس قدر اس کے ہمراہ ایمان اور اس کے حقائق ہیں۔ جب اس سے بلندی اور عزت کا کوئی حصہ چھوٹ جائے تو یہ اس مقابلے میں ہے جو اس سے ایمان کے حقائق علم، عمل، ظاہر اور باطن میں سے چھوٹ گئے۔

اسی طرح بندے کی طرف سے دفاع بھی اس کے ایمان کے حساب سے ہے۔لہٰذا فرمایا:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ (الحج:٣٨)

''بے شک اللہ ان لوگوں کا دفاع کرتا ہے جو ایمان لائے۔''

اگر اس کی طرف سے اس کا دفاع کمزور ہو تو یہ اس کے ایمان کی کمزوری سے ہے۔

اسی طرح مدد اور کفایت بھی ایمان کے بقدر ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (الانفال:٦٤)

''اے نبی! تجھ کو اللہ کافی ہے اور جو تیرے ساتھ مومن ہیں ان کو بھی۔''

یعنی اللہ تیرا اور تیرے تابعداروں کا مددگار ہے۔تجھ کو اور ان کو کافی ہے۔ان کو کافی ہونا۔ان کی پیغمبر ﷺ کی اتباع، فرمانبرداری اور اطاعت کے حساب سے ہے، تو جب ایمان کم ہوگا یہ بھی کم ہوگی۔

اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ ایمان بڑھتا ہے اور گھٹتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے کے لیے ولایت بھی اس کے ایمان کے حساب سے ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (آل عمران:٦٨)

''اور اللہ مومنوں کا ولی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ (البقرة:٢٥٧)

''اللہ ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے۔''

اس طرح اس کی جو اہل ایمان کے ساتھ خاص معیت ہے۔جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (الانفال:١٩)

''اور بے شک اللہ ضرور مومنوں کے ساتھ ہے۔''

جب ایمان ناقص اور کمزور ہوگا۔بندے کا اللہ کی ولایت اور اس کی خاص معیت سے حصہ اس کے ایمان کے حصہ کے بقدر کم ہو جائے گا۔

اسی طرح نصر اور تائید کامل، اہل ایمان کامل کے لیے ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴾ (المؤمن:٥١)

''بے شک ہم ضرور اپنے پیغمبروں کی مدد کریں گے اور جو لوگ ایمان لائے دنیا کی زندگی میں بھی اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔''

اور فرمایا:

﴿ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴾ (الصف:١٤)

''پس ہم نے ان لوگوں کی ان کے دشمنوں پر تائید کی جو ایمان لائے پس وہ غالب ہو گئے۔''

جس کا ایمان ناقص ہوا۔ اس کا نصر اور تائید سے حصہ ناقص ہوا۔ اس لیے اگر بندے کو اس کے نفس، مال میں کوئی مصیبت پہنچے یا اس پر اس کے دشمن کو کامیابی ملے تو یہ صرف اس کے گناہوں کی وجہ سے ہے یا کوئی فریضہ چھوڑا یا حرام کام کیا اور یہ اس کے ایمان کی کمی کی وجہ سے ہے۔

اس طرح وہ اشکال ختم ہو جاتا ہے جو اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر پیش کرتے ہیں:

﴿ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴾ (النساء:١٤١)

''اور اللہ ہرگز کافروں کے لیے مؤمنوں پر کوئی راہ نہ بنائے گا۔''

اکثر اس کا جواب دیتے ہیں اللہ ان کے لیے ان پر آخرت میں کوئی راہ نہ بنائے گا جبکہ دیگر جواب دیتے ہیں کہ وہ ان کے لیے ان پر حجت میں کوئی راہ نہ بنائے گا۔

التحقیق: اس طرح کی آیات اور جہاں اہل ایمان کامل سے راہ کی نفی کا ذکر آیا ہے یہ اس حساب سے ہے۔ جب ایمان کمزور ہوگا۔ ان کے دشمن کو اسی حساب سے ان پر راہ ملے گی جتنا ایمان کمزور ہوا۔ انہوں نے اللہ کی فرمانبرداری چھوڑ کر خود ان کو اپنے اوپر راہ دی۔ مؤمن عزیز، غالب، منصور، مؤید، کفایت کیا گیا اور جہاں بھی ہو بالذات دفاع کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس کے مخالف دنیا کے کناروں سے اس کے خلاف آ جمع ہوں۔ بشرطیکہ وہ ظاہر و باطن سے ایمان کی حقیقت اور اس کے واجبات کو ادا کرنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کے لیے فرمایا:

﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (آل عمران:١٣٩)

''اور تم کمزور نہ ہو جاؤ اور تم غم نہ کرو اور تم ہی بلند ہو اگر تم مؤمن ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴾ (محمد: ٣٥)

''پس تم کمزور نہ ہو جاؤ اور صلح کی طرف نہ بلاؤ اور تو تم غالب ہو اور خدا تمہارے ساتھ ہے وہ ہرگز تمہارے اعمال کو کم نہیں کرے گا۔''

یہ ضمانت ان کے ایمان اور اعمال سے ہے۔ جو اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے۔ وہ اس کے ساتھ ان کی حفاظت کرتا ہے، وہ اس کو ان سے الگ نہیں کرتا، ان سے نہیں کاٹتا، ان پر اسے باطل نہیں کرتا۔ جیسے وہ کافروں، منافقوں پر ان کے اعمال کم کرتا ہے۔ اگر وہ غیر اللہ کے لیے ہیں اور اس کے حکم کے موافق نہیں ہیں۔

فصل: مؤمن کو تکالیف کیوں آتی ہیں؟

رہا دوسرا مقام جس میں غلطی آ گئی ہے وہ یہ کہ اکثر لوگ گمان کرتے ہیں کہ اہل دین حق، دنیا میں ہمیشہ ذلیل، مقہور، مغلوب رہتے ہیں۔ برخلاف ان لوگوں کے جو ان سے الگ اور راہ پر چلے اور فرمانبرداری پر چلے۔ ایسا شخص اللہ کے اپنے بندوں اور دین کی مدد کے وعدہ پر بھروسہ نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اس کو یا تو ایک کے بجائے دوسرے گروہ سے یا ایک زمانہ کے بجائے دوسرے زمانہ سے خاص کرتا ہے یا اس کی مشیت سے اس کو معلق کر دیتا ہے گو اس نے اس کی صراحت بھی نہیں کی۔ یہ اللہ کے وعدہ پر عدم بھروسہ اور اس کی کتاب میں سوءِ فہم کی وجہ سے ہے۔ اللہ پاک نے اپنی کتاب میں واضح کر دیا ہے کہ وہ مؤمنوں کا دنیا اور آخرت میں مددگار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴾ (المومن:٥١)

''بے شک ہم اپنے پیغمبروں کی ضرور مدد کریں گے اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں بھی اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ (المائدة:٥٦)

''اور جو اللہ سے دوستی رکھے گا اور اس کے پیغمبر سے اور ایمان والوں سے تو بے شک اللہ کا لشکر ہی غالب ہونے والوں کا ہے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۝ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ﴾ (المجادلة:٢٠، ٢١)

''بے شک جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے مخالفت کرتے ہیں یہی لوگ بہت ذلیلوں میں ہیں، اللہ نے لکھ دیا ہے کہ ضرور میں غالب رہوں گا میں اور میرے پیغمبر بھی۔''

یہ قرآن میں بکثرت آیا ہے۔ اللہ پاک نے واضح کر دیا ہے کہ جو بندے کو مصیبت پہنچے یا دشمن کو غلبہ یا ناکامی وغیرہ۔ یہ اس کے گناہوں کے سبب سے ہے۔ اشکال بالکل ختم ہو گیا۔ میں ان ٹھنڈے تکلفات اور بعید تاویلات سے بے پرواہ ہو گیا ہوں۔

اللہ پاک نے پہلے مقام کو کئی انداز سے ثابت کیا ہے۔ بعض توضیحات گزر چکی ہیں۔

ایک یہ بھی ہے کہ اس نے اس شخص کی مذمت کی ہے جو غیر مؤمنوں سے نصر اور عزت طلب کرتا ہے۔ جیسے فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى

مَآ اَسَرُّوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِیْنَ ۝ وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِیْنَ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝﴾ (المائدة:٥٣_٥٦)

''اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہوگا بے شک خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے تم ان کو دیکھو گے کہ ان میں دوڑ دوڑ کے ملے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر زمانے کی گردش نہ آ جائے۔ سو قریب ہے کہ خدا فتح بھیجے یا اپنے ہاں سے کوئی اور امر۔ پھر یہ اپنے دل کی باتوں پر جو چھپایا کرتے تھے پشیمان ہو کر رہ جائیں گے اور مسلمان کہیں گے کہ کیا یہ وہی ہیں جو خدا کی سخت قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے عمل اکارت گئے اور وہ خسارے میں پڑ گئے، اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو خدا ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے گا اور وہ اسے دوست رکھیں گے اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں۔ خدا کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور خدا بڑی کشائش والا، جاننے والا ہے، تمہارے دوست تو خدا اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوۃ دیتے اور جھکتے ہیں اور جو شخص خدا اور اس کے پیغمبر اور مومنوں سے دوستی کرے گا تو خدا کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔''

اس نے ایسے لوگوں کا ردّ کیا ہے جو اس کی جماعت کے علاوہ سے مدد لیں اور خبر دی ہے کہ بے شک اس کا لشکر ہے غالب آنے والا ہے۔

اس کی مثال اللہ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمَا ۝ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۝﴾ (النساء:١٣٨، ١٣٩)

''آپ ﷺ منافقوں کو خبر دے دیں کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے، وہ لوگ کہ جو مومنوں کے علاوہ کافروں کو دوست پکڑتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت طلب کرتے ہیں؟ بے شک عزت تو سب اللہ کے لیے ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿یَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ

﴿وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (المنافقون:۸)

''وہ کہتے ہیں اگر ہم مدینہ کولوٹے تو ہم میں سے ضرور بڑا عزت والا اس سے بڑے ذلت والے کو نکالے گا اور اللہ کے لیے عزت ہے اور اس کے پیغمبر کے لیے اور مومنوں کے لیے اور لیکن منافق نہیں جانتے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ﴾ (فاطر:۱۰)

''جو شخص عزت کا طلب گار ہے تو عزت تو سب خدا ہی کی ہے۔ اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو وہ اٹھاتا ہے۔''

یعنی جو عزت کا طلبگار ہے اسے چاہیے کہ پاکیزہ کلمات اور عمل صالح سے اللہ کی فرمانبرداری کر کے اس کو طلب کر لے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ﴾ (الفتح:۲۸)

''وہی ذات ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس کو ہر دین پر غالب کر دے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَ اُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (الصف:۱۰۔۱۳)

''مومنو! میں تم کو ایسی تجارت نہ بتادوں جو تمہیں عذاب الیم سے چھٹکارا دے، خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور خدا کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو باغہائے جنت میں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں اور پاکیزہ مکانات میں جو بہشت ہائے جاودانی میں (تیار) ہیں داخل کرے گا۔ یہ بڑی کامیابی ہے اور ایک اور چیز جس کو تم بہت چاہتے ہو خدا کی طرف سے مدد اور فتح اور مومنوں کو خوشخبری سنادو۔''

یعنی وہ تم کو گناہوں کی بخشش اور دخول جنت پر ایک مزید نعمت عطا کرے گا جو کہ نصرت اور فتح ہے۔ پھر فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ۝﴾ (الصف:۱۴)

''مومنو! خدا کے مددگار ہو جاؤ۔ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا: کون ہیں جو خدا کی طرف میرے مددگار ہوں؟ حواریوں نے کہا: ہم خدا کے مددگار ہیں تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا۔ پس ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی پس وہ غالب ہو گئے۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو فرمایا:

﴿اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ۚ﴾ (النساء:۵۵)

''بے شک میں تجھے پورا پورا لینے والا ہوں تجھ کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں، تجھے ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنہوں نے کفر کیا اور جن لوگوں نے تیری اتباع کی ان کو قیامت تک کافروں کے اوپر کرنے والا ہوں۔''

جب عیسائیوں کا ایک گروہ ان کے پیروکاروں میں سے ہوگا وہ روز قیامت تک یہود کے اوپر غالب ہوں گے، اور جب مسلمان نصاریٰ سے بڑھ کر حضرت عیسیٰ کے پیروکار ہوں گے وہ روز قیامت تک نصاریٰ کے اوپر غالب ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو فرمایا:

﴿وَ لَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ۝۲۲ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۖۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۝۲۳﴾ (الفتح:۲۲، ۲۳)

''اگر کافر لوگ تم سے لڑائی کریں ضرور تم سے پیٹھ پھیریں گے پھر وہ نہ کوئی دوست پائیں گے اور نہ مددگار، (یہ) اللہ کا طریقہ ان لوگوں میں تھا جو پہلے گزر گئے اور تم ہرگز اللہ کے طریقے کے لیے تبدیلی نہ پاؤ گے۔''

یہ ان مومنوں کو خطاب ہے جنہوں نے حقائق ایمان کو ظاہر اور باطن سے قائم کیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝۱۲۸﴾ (الاعراف:۱۲۸)

''اور انجام (نیک) پرہیزگاروں کے لیے ہے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰی ۝۱۳۲﴾ (طٰهٰ: ۱۳۲)

''اور انجام (نیک) پرہیزگاری کے لیے ہے۔''

اس سے مراد آخرت سے قبل دنیا میں انجام ہے۔ کیونکہ اس کو اللہ نے حضرت نوح کے واقعہ کے بعد ذکر کیا[1] ہے۔ ان کی مدد اور قوم پر صبر کا بھی ذکر آیا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝۴۹ؒ﴾ (ھود:۴۹)

''یہ غیب کی خبروں سے ہے۔ہم ان کو تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔تم ان کو نہ جانتے تھے تم اور نہ ہی تمہاری قوم اس سے پہلے، پس تم صبر کرو بے شک انجام (نیک) پرہیز گاروں کے لیے ہے۔''

یعنی انجام کار مدد تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی ہوگی۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کی ہوئی تھی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴾ (طٰہٰ:۱۳۲)

''اور آپ اپنے اہل کو نماز کا حکم دیجیے اور اس پر پابندی کیجیے ہم آپ سے کوئی رزق نہیں مانگتے۔ہم تو آپ ﷺ کو رزق دیتے ہیں اور انجام نیک پرہیز گاروں کے لیے ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ۗ﴾ (آل عمران:۱۲۰)

''اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی تدبیر تم کو کچھ بھی نقصان نہ دے سکے گی۔''

اور اِرشاد فرمایا:

﴿بَلٰٓى ۙ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴾ (آل عمران:۱۲۵)

''کیوں نہیں! اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ تمہارے پاس اپنے اس جوش سے آئیں۔تمہارا رب تمہاری مدد کرے گا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ جو نشان لگانے والے ہیں۔''

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ ان کی مدد ان کے تقویٰ اور صبر کے سبب سے کی گئی، لہٰذا فرمایا:

﴿أَنَا يُوسُفُ وَهٰذَآ أَخِيْ ۫ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۖ إِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (یوسف:۹۰)

''میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔اللہ نے بلاشبہ ہم پر احسان کیا ہے۔جو تقویٰ اختیار کرتا اور صبر کرتا ہے۔پس بے شک اللہ نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوٓا إِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ (انفال:۲۹)

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے تقویٰ اختیار کرو گے وہ تمہارے لیے فرقان بنا دے گا اور تمہاری خطاؤں کو تم سے مٹا دے گا۔''

فرقان عزت، نصرت، نجات اور نور ہے، جو حق اور باطل کے مابین فرق کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

① یہاں پر محشی نے سورۃ الاعراف کا حوالہ دیا ہے۔جبکہ حضرت نوح علیہ السلام کا یہ واقعہ سورت ہود میں ہے۔(مترجم)

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝﴾ (الطلاق:۲، ۳)

''اور جو شخص اللہ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ اس کے لیے نکلنے کی راہ بنا تا ہے اور اسے رزق دیتا ہے جہاں سے وہ گمان بھی نہیں کرتا اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کو کافی ہے۔ بے شک اللہ اپنے امر کو پہنچانے والا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے۔''

ابن ماجہ اور ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْ عَمِلَ النَّاسُ كُلُّهُمْ بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ لَوَسِعَتْهُمْ»[1]

''اگر لوگ سارے اس آیت پر عمل کر لیں تو یہ ضرور ان کو وسیع ہو جائے۔''

یہ بات مقام اول کے بارے میں ہوئی۔

رہا دوسرا مقام: تو اللہ تعالیٰ نے واقعہ احد میں فرمایا:

﴿اَوَ لَمَّاۤ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ﴾ (آل عمران:۹۰)

''کیا اور جب تم کو ایک مصیبت پہنچی۔ تم نے پہنچائی اس سے دوگنا تم نے کہا یہ کہاں سے ہے؟ کہہ دیجیے کہ وہ تمہارے نفسوں کی طرف سے ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ﴾ (آل عمران:۲۹)

''بے شک وہ لوگ جو تم میں سے اس دن پھر گئے جب دو جماعتوں کی ملاقات ہوئی ان کو تو شیطان نے ان کے بعض اعمال کے سبب سے پھسلا دیا تھا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝﴾ (الشوریٰ:۳۰)

''اور جو بھی تم کو کوئی مصیبت آئی پس وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے ہے اور وہ بہت سے معاف بھی کرتا ہے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝﴾ (الروم:۴۱)

''لوگوں کے ہاتھوں کے اعمال کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا تا کہ ان کو چکھائے بعض وہ جو انہوں نے

[1] دیکھیے مسند امام احمد، ج:۵ ص ۱۷۸۔ اسے حافظ ابن کثیر نے بھی ذکر کیا ہے۔ (عفیفی)

عمل کیے تا کہ وہ لوٹ آئیں۔''

اور یہ بھی فرمایا:

﴿وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴾ (الشوری:٤٨)

''اور بے شک ہم جب انسان کو اپنی طرف سے کوئی رحمت چکھاتے ہیں وہ اس پر خوش ہوتا ہے اور جب ان کے ہاتھوں کے آگے بھیجے ہوئے عملوں کے سبب سے ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو بے شک انسان بہت ناشکرا ہے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴾ (الروم:٣٦)

''اور جب ہم لوگوں کو رحمت چکھاتے ہیں وہ اس پر خوش ہوتے ہیں اور جب ان کو جو ان کے ہاتھوں نے آگے عمل بھیجے ہیں کے سبب سے کوئی تکلیف آتی ہے اچانک وہ ناامیدی دکھاتے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ (الشوری:٣٤)

''یا وہ ان کو ہلاک کرتا ہے بوجہ اس کے جو انہوں نے کمایا اور وہ بہت سے معاف بھی کرتا ہے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ﴾ (النساء:٧٩)

''جو تجھ کو کوئی بھلائی پہنچے پس وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھ کو کوئی تکلیف پہنچے پس وہ تیرے نفس (کے سبب) سے ہے۔''

اس لیے اللہ پاک نے اپنے پیغمبر اور مومنوں کو اس چیز کی اتباع کا حکم دیا ہے جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔ یعنی اللہ کی فرمانبرداری۔ یہ پہلا مقدمہ ہے۔

پھر اس کے وعدے کے انتظار کا حکم فرمایا یہ دوسرا مقدمہ ہے۔

استغفار اور صبر کا حکم بھی فرمایا۔ کیونکہ بندے سے کسی طرح کی کمی اور زیادتی ہو ہی جاتی ہے، جسے استغفار ختم کر دے گا۔ وعدہ کے انتظار کے لیے صبر بہت ضروری ہے۔ استغفار کے ساتھ اطاعت پوری ہوگی اور صبر کے ساتھ وعدے پر یقین تمام ہوگا۔ اللہ پاک نے ان دونوں کو اپنے اس فرمان میں اکھٹے بیان کر دیا ہے۔

﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴾ (المومن:٥٥)

''تو صبر کرو بے شک خدا کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور صبح اور شام اپنے پروردگار کی تعریف کے

ساتھ تسبیح کرتے رہو۔''

اللہ پاک نے اپنی کتاب میں انبیاء اوران کے تابعداروں کے واقعات کا ذکر کیا ہے کہ کس طرح ان کو اطاعت اور صبر کے ساتھ نجات دی، پھر فرمایا:

﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ (یوسف:۱۱۱)

''البتہ تحقیق ان کے واقعات میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے۔''

فصل: خدائی تکالیف کی حکمتیں

اس مقام عظیم پر مکمل بات چند نافع اصولوں کے ساتھ واضح ہو جائے گی۔

پہلی اصل: جو کچھ مؤمنوں کو تکالیف، آزمائش، مصائب پہنچتے ہیں۔ وہ کفار کو نہیں پہنچتے واقعات اس کے شاہد ہیں۔ اسی طرح جو کچھ اس دنیا میں نیکوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اکثر فاجروں، فاسقوں اور ظالموں کو اس سے کم حاصل ہوتا ہے۔

دوسری اصل: جو مؤمنوں پر مصیبت آئے وہ اللہ کی رضا اور احتساب کے ساتھ ملی ہوتی ہے۔ اگر ان کو رضا نہ ملی تو مقصود صبر ہے۔ اگر وہ عوض کو دیکھیں گے۔ ان پر تکالیف اور مشقتوں کی برداشت آسان ہو جائے گی۔ جبکہ کفار کے ہاں نہ رضا ہے اور نہ احتساب۔ اگر وہ صبر کریں تو چوپایوں کے صبر کی طرح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہا اپنے فرمان میں کی ہے:

﴿وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ﴾ (النساء:۱۰۴)

''تم قوم کی تلاش میں کمزوری نہ دکھاؤ! اگر تم کو زخم لگے ہیں تو ان کو بھی زخم لگے ہیں جیسے تم کو زخم لگے ہیں اور تم اللہ سے امید رکھتے کہ جس کی وہ امید نہیں رکھتے۔''

یہ زخموں میں مشترک ہو گئے۔ لیکن مؤمن اجر اور اللہ تعالیٰ کے قرب سے ممتاز ہو گئے۔

تیسری اصل: مؤمن کو اگر اللہ کے لیے تکلیف دی جائے تو وہ اس کی اطاعت، اخلاص اور اس کے دل میں موجود حقائق ایمان کے حساب پر محمول ہے۔ حتیٰ کہ اس کی تکلیف کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ وہ کسی اور پر ہوتی تو وہ ضرور اس کی برداشت سے عاجز آجاتا یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندۂ مومن کی طرف سے دفاع ہے۔ وہ اس سے بہت بلائیں دور کرتا ہے۔ اگر اس کے لیے کوئی مصیبت ضروری ہو تو اس سے اس کی تکلیف مشقت، مصیبت اور بوجھ کو دور کر دیتا ہے۔

چوتھی اصل: محبت جب دل میں جم جائے اور راسخ ہو جائے تو۔ محب کے لیے اپنے محبوب کی رضا میں تکلیف پیاری ہوتی ہے بری نہیں لگتی۔ محب لوگ اپنے دوستوں کے ہاں اس بات پر فخر کرتے ہیں۔ کسی ایسے ہی کا قول ہے۔

اگر مجھے برا لگا ہے کہ تو مجھے تکلیف کے ساتھ ملا ہے، تو مجھے یقیناً خوشی ہے کہ تمہارے دل میں میرا خیال تو آیا ہے۔

اُس محبوب اعلیٰ کی محبت کے متعلق کیا گمان ہوگا جس کی اپنے محب کے لیے آزمائش اس کی اس پر رحمت اور اس پر احسان ہے؟

پانچویں اصل: کافر، فاجر، منافق کو جو عزت، نصرت اور مرتبہ ملتا ہے یہ اکثر اس طرح نہیں جو مؤمنوں کو ملتا ہے۔ بلکہ اس کے باطن میں ذلت، ناکامی اور رسوائی ہے گو کہ ظاہر اس کے خلاف ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر ان کو گھوڑے لے کر اچھلیں اور ان کو خچر لے کر کودیں تو بھی نافرمانی کی ذلت ان کے دلوں میں ضرور ہے۔ جو اللہ کا نافرمان ہو اللہ اس کو عزت دینے سے انکار کرتا ہے۔

چھٹی اصل: مؤمن کی آزمائش اس کے لیے دوا کی طرح ہے جس سے بیماریاں نکالی جائیں گی۔ اگر اس کے اندر رہتیں اس کو ہلاک کر دیتیں یا اس کا ثواب کم کرتیں یا اس کا درجہ نیچے کرتیں۔ اس آزمائش اور امتحان کے ذریعے سے ان بیماریوں کو نکالا جاتا ہے۔ وہ پورے اجر کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور بلند مرتبہ کے لیے بھی، تو معلوم ہوا کہ مؤمن کے لیے اس کا ہونا نہ ہونے سے بہتر ہے۔ جیسے نبی ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا یَقْضِی اللّٰهُ لِلْمُؤْمِنِ قَضَاءً إِلَّا كَانَ خَیْرًا لَّهٗ، وَلَیْسَ ذٰلِكَ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَیْرًا لَّهٗ، وَإِنْ أَصَابَهٗ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَیْرًا لَّهٗ»[1]

''اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اللہ مؤمن کے لیے جو بھی فیصلہ کریں ضرور اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ یہ صرف مؤمن کے لیے ہے کسی اور کے لیے نہیں۔ اگر اسے خوشی پہنچے وہ شکر کرتا ہے جو اس کے لیے بہتر ہے۔ اگر اس پر تنگی آئے وہ صبر کرتا ہے جو اس کے لیے بہتر ہے۔''

یہ آزمائش و امتحان اس کی نصرت، عزت اور عافیت کو پورا کرنے کے لیے ہے۔ اس لیے لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائشیں انبیاء کو آئیں۔ پھر ان کے زیادہ قریب قریب والوں کو۔ آدمی کی آزمائش اس کے دین کے حساب سے کی جاتی ہے۔ اگر اس کے دین میں مضبوطی ہو اس پر آزمائش سخت آتی ہے۔ اگر اس کے دین میں نرمی ہو آزمائش ہلکی آتی ہے، مؤمن پر مصائب آتے رہتے ہیں حتیٰ کہ وہ زمین پر اس حالت میں چلتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

ساتویں اصل: مؤمن کو اس دنیا میں جو دشمن کی کامیابی، اس کا غلبہ اور بعض اوقات اس سے تکلیف آتی ہے۔ یہ بہت ضروری بات ہے۔ جس کے بغیر گزارہ نہیں۔ یہ سخت گرمی، سخت سردی، دکھوں اور غموں کی مانند ہے۔ یہ بات انسانی فطرت اور زندگی میں یہاں بہت ضروری ہے حتیٰ کہ بچوں اور چوپایوں کے لیے بھی۔ کیونکہ احکم الحاکمین کی حکمت نے اس کا تقاضا کیا ہے۔ اگر اس جہان میں خیر شر سے، نفع نقصان سے اور لذت دکھ سے خالی ہو تو وہ جہانِ دیگر ہو جائے۔ وہ زندگی اور ہو جائے۔ وہ حکمت فوت جائے جس کے لیے خیر و شر، دکھ اور لذت، نافع اور ضار کو اکٹھے بنایا گیا ہے۔ ان کا ایک دوسرے سے الگ ہونا، ممتاز ہونا جہان دیگر (آخرت) میں ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَ یَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضَهٗ عَلٰی بَعْضٍ فَیَرْكُمَهٗ جَمِیْعًا فَیَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ (الانفال:۳۷)

[1] صحیح مسلم، ج: ٤، ص: ٢٢٩٥، حدیث: ٦٤/ ٢٩٩٩؛ مسند امام احمد، ج: ٦، ص: ١٥۔

”تاکہ خدا پاک کو ناپاک سے الگ کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھ کر ایک ڈھیر بنا دے پھر اس کو دوزخ میں ڈال دے یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں۔“

آٹھویں اصل: مؤمنوں کی آزمائش ان کے دشمن کو غلبہ دے کر، ان کو مقہور اور کبھی ناکام بنا کر کرنے اس میں عظیم حکمتیں ہیں۔ ان کی تفصیل اللہ عزوجل سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا۔

حکمت اولیٰ: ان کی اللہ کے لیے عاجزی، انکساری، حاجت اور بندگی پیدا کرنا کہ وہ اپنے دشمن پر مدد کا سوال اللہ سے کریں۔ اگر ہمیشہ مدد والے، قاہر اور غالب رہتے تو وہ ضرور اتراتے اور فخر کرتے۔ اگر ہمیشہ مقہور، مغلوب اور دشمن کے نیچے رہتے تو دین کے لیے کوئی کھڑا نہ ہوتا۔ نہ حق کو غلبہ ملتا۔ احکم الحاکمین کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ اس نے ان کو پھیر دیا کبھی غالب بنا کر اور کبھی مغلوب بنا کر۔ جب مغلوب ہوئے اپنے رب کی طرف عاجز ہوئے، اس کی طرف جھکے، عاجزی کی، انکساری کی، اس کے حضور توبہ کی اور جب غالب ہوئے تو اس کے دین اور شعائر کو مضبوط کیا، امر بالمعروف کیا، نہی عن المنکر کیا اس کے دشمنوں سے جہاد کیا اور اس کے ولیوں کی مدد کی۔

حکمت ثانیہ: اگر وہ ہمیشہ مدد والے، غالب، قاہر رہتے تو ضرور ان میں وہ لوگ بھی شامل ہو جاتے جن کا مقصد دین اور پیغمبر ﷺ کی تابعداری نہیں۔ وہ صرف اس گروہ میں ملتے ہیں جن کو غلبہ اور عزت ملے۔ اگر وہ ہمیشہ مغلوب اور مقہور رہتے تو بھی ان کے ساتھ کوئی شامل نہ ہوتا۔ حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ کبھی ان کو غلبہ ملا اور کبھی ان کے اوپر غلبہ ہو گیا۔ اس سے وہ لوگ کھل کر سامنے آ جاتے ہیں جن کا مقصود اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ بھی جن کا مقصود صرف دنیا اور عزت ہے۔

حکمت ثالثہ: اللہ پاک اپنے بندوں سے خوشی اور تنگی میں کمال بندگی چاہتے ہیں۔ عافیت اور مصیبت کی حالت میں۔ دشمن پر غالب اور اس سے مغلوب ہونے کی حالت میں۔ اللہ پاک کی بندوں پر ہر دو حالتوں میں بمقتضائے حال بندگی لازم ہے۔ جو اس حالت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ دل اس کے بغیر مستقیم نہیں ہوتا۔ جیسے جسم سردی اور گرمی، بھوک اور پیاس، تھکاوٹ اور پریشانی اور ان کی الٹ حالتوں کے بغیر مضبوط نہیں رہ سکتے۔ یہ آزمائشیں اور مصیبتیں حصول کمال انسانی اور اس سے مطلوب استقامت کے لیے شرط ہیں۔ ملزوم/مشروط کا وجود لازم/شرط کے بغیر تو ناممکن ہے۔

حکمت رابعہ: دشمن کو ان پر غلبہ دینے کی حکمت ان کو پاک، صاف، خالص اور ممتاز کرنا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے احد کے روز کفار کو مؤمنوں پر غلبہ دینے کی حکمت کے متعلق فرمایا:

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٠﴾ وَ لِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٤١﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٤٢﴾ وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۪ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿١٤٣﴾ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَ سَيَجْزِي اللّٰهُ

الشّٰكِرِيْنَ ﴾ (آل عمران:١٣٩۔١٤٤)

''اور بے دل نہ ہونا اور نہ غم کرنا اگر تم مؤمن ہو تو تم ہی غالب رہو گے، اگر تمہیں زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں اور اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ خدا ایمان والوں کو متمیز کر دے اور تم میں سے شہید بنائے اور خدا ظالموں کو پسند نہیں کرتا، اور یہ بھی مقصود تھا کہ خدا ایمان والوں کو خالص بنا دے اور کافروں کو نابود کر دے، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ بہشت میں جا داخل ہو گے ابھی خدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو معلوم نہیں کرایا اور وہ صابروں کو معلوم کرا دے، اور تم موت کے آنے سے پہلے اس کی تمنا کیا کرتے تھے سو تم نے اس کو آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اور محمد ﷺ تو صرف پیغمبر ہیں پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں بھلا اگر یہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا تو خدا کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور خدا شکرگزاروں کو جلد ثواب دے گا۔''

اللہ پاک نے یہاں پر کئی طرح کی حکمتیں ذکر فرما دیں جن کی وجہ سے کفار کو ان پر غلبہ دیا گیا تھا۔ پہلے ان کو ثابت کیا تھا، مضبوط کیا تھا، ان کو بشارت دی تھی کہ جو وہ ایمان دیے گئے ہیں اس کے سبب وہ بلند ہوں گے۔ پھر ان کو تسلی دی کہ اگر ان کو اس کی اور پیغمبر کی اطاعت میں زخم لگے ہیں تو ان کے دشمنوں کو بھی اس کی اور اس کے پیغمبر کی عداوت میں زخم لگے ہیں۔

پھر بتایا کہ اللہ پاک اپنی حکمت سے لوگوں میں دنوں کو پھیرتا ہے۔ ہر ایک شخص ان دنوں سے زندگیوں کا اور رزقوں کا اپنا اپنا حصہ لیتا ہے۔

پھر بتایا کہ اس نے یہ اس لیے کیا کہ ان میں سے مؤمنین معلوم کرا دے، وہ تو ہر چیز کو ہونے سے پہلے اور ہونے کے بعد جاننے والا ہے۔ لیکن ارادہ یہ تھا کہ ان کی موجودگی، ان کا مشاہدہ معلوم کرا دے۔ وہ ان کے ایمان کو واقعتاً معلوم کرا دے۔

پھر بتایا کہ اس نے ان میں سے بعض کو شہید بنانا پسند کر لیا۔ شہادت اس کے ہاں عالی درجہ اور بلند مقام ہے جو اس کی راہ میں قتل کے بغیر نہیں ملتا۔ اگر دشمن کا غلبہ نہ ہوتا تو درجہ شہادت نہ ہوتا۔ جو اس کو بہت محبوب ہے اور مومن بندے کے لیے بہت نفع مند بھی ہے۔

پھر بتایا کہ اس ذات پاک نے مؤمنوں کو خالص کرنا چاہا۔ یعنی توبہ، رجوع اور ان گناہوں سے استغفار کے ساتھ ان کو خالص کرنا، جن گناہوں کے سبب سے ان پر ان کے دشمن کو غلبہ دیا گیا نیز اگر وہ غالب ہو جائیں تو وہ کافروں کو ان کی سرکشی، بغاوت اور دشمنی کی وجہ سے مٹانا چاہتا ہے۔

پھر ان کے اس خیال اور گمان کا رد کیا کہ وہ بغیر جہاد و صبر جنت میں داخل ہوں گے، اس کی حکمت اس کو نہیں مانتی۔ وہ اس میں صرف جہاد اور صبر سے ہی داخل ہوں گے۔ اگر وہ ہمیشہ منصور اور غالب رہتے تو ان میں سے کوئی بھی جہاد نہ کرتا اور نہ دشمن کی تکلیف کی ایسی آزمائش آتی جس پر وہ صبر کرتے تو ان کے دشمن کو ان پر غلبہ دینے اور کبھی جنگ میں ان کو فتح دینے کی یہ بعض حکمتیں ہیں۔

نویں اصل: اللہ پاک نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔ جو کچھ زمین پر ہے اس کو اپنے بندوں کی آزمائش اور امتحان کے لیے مزین کر دیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون دنیا کو اور اس کی زینت کو چاہتا ہے۔ اور کون اس کے

ہاں کی نعمتوں کو چاہتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (ھود:)

''وہی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا تا کہ وہ تم کو آزمائے کون تم میں سے اچھے عمل والا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝﴾ (الکھف:۷)

''بے شک ہم نے بنایا جو کچھ زمین پر ہے اس کے لیے زینت تا کہ ہم آزمائیں کہ ان میں سے عمل میں کون اچھا ہے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝﴾ (الملک:۲)

''اس ذات نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے عمل میں کون اچھا ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝﴾ (الانبیاء:۳۵)

''اور ہم تم کو خیر اور شر کے فتنہ سے آزمائیں گے اور تم ہماری طرف لوٹائے جاؤ گے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ۝﴾ (محمد:۳۱)

''اور ہم ضرور ضرور تم کو آزمائیں گے حتیٰ کہ ہم جان لیں تم میں سے مجاہدین کو اور صابرین کو اور ہم آزمالیں تمہاری خبروں کو۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝﴾ (العنکبوت:۱۔۳)

''الم، کیا لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لائیں چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی اور جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا سو خدا ان کو ضرور معلوم کرے گا جو سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں۔''

لوگوں کے پاس جب پیغمبر آئے وہ دو طرح کے ہو گئے۔ بعض کہنے لگے: ہم ایمان لائے یا وہ ایمان نہ لائے بلکہ برائیوں اور کفر پر ہمیشہ رہے۔ اس کا اور اس کا امتحان ضروری تھا۔ جس نے کہا: ''میں ایمان لایا''۔ ضروری ہے کہ ربّ اس کا امتحان او

آزمائش کرے تاکہ واضح ہو جائے کہ وہ آمنت کہنے میں سچا ہے یا جھوٹا ہے؟

اگر وہ جھوٹا ہے اپنی ایڑیوں پر لوٹے گا۔ امتحان سے بھاگے گا، جیسے اللہ کے عذاب سے بھاگتا ہے اور اگر سچا ہو وہ اپنی بات پر ثابت رہے گا۔ ابتلاء و آزمائش سے اس کے ایمان پر مزید ایمان بڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴾ (الاحزاب:۲۲)

''اور جب مؤمنوں نے لشکروں کو دیکھا کہنے لگے: یہ وہ ہے جس کا ہم سے اللہ نے وعدہ کیا اور اس کے رسول ﷺ نے۔ اللہ نے سچ فرمایا اور اس کے رسول ﷺ نے۔ اور اس بات نے ان کو زیادہ نہیں کیا مگر ایمان میں اور قبول میں۔''

رہا وہ شخص جو ایمان نہیں لایا۔ وہ آخرت میں عذاب کے ساتھ آزمایا جائے گا اس کا امتحان کیا جائے گا۔ یہ دو میں سے بڑی آزمائش ہے۔ یہ تب کہ جب وہ دنیا کے عذاب اور مصائب کے امتحان سے اور اس سزا سے بچ گیا جو اللہ نے ان لوگوں پر واقع کی جنہوں نے پیغمبر کی اتباع نہیں کی اور ان کی نافرمانی نہ کی۔ اس کے لیے اس گھر میں، برزخ میں قیامت میں، ہر ایک میں آزمائش ضروری ہے۔ لیکن مؤمن محنت/ آزمائش میں خفیف اور تکلیف میں آسان تر ہوتا ہے۔ اللہ ایمان کے ساتھ اس کا دفاع کرتا ہے۔ اس کے ساتھ اس سے تکلیف اٹھا دیتا ہے۔ اسے صبر، ثبات، رضا اور تسلیم عطا کرتا ہے جس سے اس کی آزمائش آسان ہو جاتی ہے۔ رہا کافر اور فاجر اس کی آزمائش اور مصیبت سخت ہو جاتی ہے اور ہمیشہ رہتی ہے۔ مؤمن کی آزمائش ختم ہونے والی اور ہلکی ہے۔ کافر اور منافق اور فاجر کی آزمائش شدید اور جاری رہتی ہے۔ ہر نفس کے لیے دکھ اور آزمائش کا حصول ضروری ہے وہ مؤمن ہو یا کافر۔ لیکن مؤمن کو دکھ دنیا میں ابتداء میں ملتا ہے۔ پھر اس کے لیے دنیا و آخرت میں انجام خیر ہوتا ہے۔ کافر، منافق اور فاجر کو لذت اور نعمت ابتداء میں ملتی ہے پھر دکھ بن جاتا ہے۔ کوئی بالکل طمع نہیں رکھتا کہ اس دکھ اور مصیبت سے بالکل چھٹکارا پاسکے۔ اس کی وضاحت آئندہ اصل میں بھی آرہی ہے۔

دسویں اصل: انسان طبعاً تہذیب/ معاشرت پسند ہے۔ اس کے لیے لوگوں سے میل جول ضروری ہے۔ لوگوں کے اپنے اپنے ارادے، تصورات اور اعتقادات ہوتے ہیں۔ وہ اس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ان پر ان کی موافقت کرے۔ اگر وہ ان کی موافقت نہ کرے وہ اس کو تکلیف اور عذاب دیتے ہیں۔ اگر وہ ان کی موافقت کرے اسے دیگر طرح کی تکلیف اور عذاب ملتا ہے۔ اس کے لیے لوگ اور ان سے میل جول ضروری ہے۔ وہ ان کی موافقت اور مخالفت سے الگ نہیں رہ سکتا۔ موافقت میں دکھ اور عذاب ہے گو وہ باطل کے خلاف ہو۔ مخالفت میں بھی دکھ اور عذاب ہے۔ اگر وہ ان کی خواہشات ارادوں اور اعتقادات کی موافقت نہ کرے۔ بلاشبہ ان کی باطل میں مخالفت کی تکلیف بہتر اور آسان تر ہے۔ اس تکلیف کے بجائے جو ان کی موافقت پر لاگو ہوگی۔

آپ اس کی مثال اس شخص سے سمجھ لیں جس سے لوگ ظلم، بے حیائی، جھوٹی گواہی یا حرام پر معاونت طلب کریں۔ اگر وہ ان کی موافقت نہ کرے اسے تکلیف دیتے، ظلم کرتے اور دشمنی رکھتے ہیں۔ لیکن انجام خیر اور ان کے خلاف مدد اسی کی ہوتی ہے۔ اگر صبر کرے، تقویٰ اختیار کرے اور اگر مخالفت کی تکلیف سے فرار پاتے ہوئے ان کی موافقت کردے۔ اس کے انجام میں اس کو اس سے بڑی تکلیف پہنچے گی جس سے وہ بھاگا تھا۔ اکثر اوقات وہ اس پر مسلط کر دیے جاتے ہیں۔ وہ اس سے کئی گنا بڑھ کر دکھ پاتا ہے

جو اس نے شروع میں ان کی موافقت سے لذت پائی تھی۔

اس کی پہچان اور خیال رکھنا بندے کے لیے بہت نفع مند ہے۔ تھوڑی تکلیف کی برداشت جس کا انجام ہمیشہ کی اور عظیم لذت ہے بہتر ہے اس تھوڑی لذت سے جس کا انجام ہمیشہ والا اور عظیم دکھ ہے۔ توفیق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

گیارہویں اصل: جو مصیبت بندے کو اللہ کے لیے پہنچتی ہے وہ چار اقسام سے خارج نہیں ہوتی وہ یا اس کے نفس میں ہوتی ہے یا اس کے مال میں یا اس کی عزت میں یا اس کے اہل میں اور جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔

جو اس کے نفس کے بارے میں ہے۔ کبھی اس کی جان ختم ہو کر ہوتی ہے۔ کبھی بغیر جانے کے وہ دکھ پاتا ہے۔ اللہ کے لیے بندے کی جو آزمائش کی جاتی ہے اس کا مجموعہ یہ ہے۔

ان اقسام میں سب سے سخت، نفس کی مصیبت ہے۔

یہ معلوم ہے کہ سب مخلوق نے مرنا ہے۔ مؤمن کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے۔ یہ موتوں میں سب سے افضل اور آسان تر ہے۔ شہید کو تکلیف نہیں پہنچتی سوائے چیونٹی کے کاٹنے کی مثل۔ شہید کے قتل میں اس سے زائد کوئی تکلیف نہیں ہوتی جو بنو آدم میں مروج ہے۔ جس نے اس قتل کی تکلیف کو بستر پر آنے والی موت کی تکلیف سے بڑا جانا وہ جاہل ہے۔ شہید کی موت موتوں میں سے افضل، اعلیٰ اور آسان تر ہے۔ لیکن بھاگنے والا گمان کرتا ہے کہ بھاگنے سے اس کی عمر لمبی ہو جائے گی وہ زندگی کا مزہ اٹھا رہا ہے۔ اللہ پاک نے اس گمان کو جھوٹا کہا ہے۔ جہاں فرمایا:

﴿ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ (الاحزاب:١٦)

''کہہ دیجیے تم کو ہرگز بھاگنا فائدہ نہ دے گا اگر تم موت سے بھاگو گے یا قتل سے اور تب تم فائدہ نہ دیے جاؤ گے مگر کم ہی۔''

اللہ نے خبر دی ہے کہ شہادت کی موت سے فرار ہونا نفع نہیں دیتا۔ اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ اگر نفع دے تو بہت کم نفع دیتا ہے۔ کیونکہ موت اس کے لیے بھی ضروری ہے۔ اس تھوڑے نفع سے اس سے وہ چیز چھوٹ جائے گی جو اس کے لیے بہتر اور زیادہ نفع نفع والی ہے، یعنی شہید کی زندگی اس کے رب کے ہاں۔

پھر ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۭ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴾ (الاحزاب:١٧)

''کہہ دیجیے: تم کو اللہ سے کون بچائے گا اگر وہ تمہارے ساتھ تکلیف کا ارادہ کرے یا وہ تمہارے ساتھ رحمت کا ارادہ کرے؟ اور وہ اپنے لیے اللہ کے علاوہ کوئی ولی اور کوئی مددگار نہ پائیں گے۔''

اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ بندے کو اللہ سے کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔ اگر جس موت سے وہ بھاگا ہے اس کے علاوہ، وہ اس کے ساتھ کسی تکلیف کا ارادہ کرے۔ وہ موت سے بھاگا کیونکہ وہ اسے تکلیف دیتی تھی۔ اللہ پاک نے خبر دی ہے کہ اگر وہ اس کے ساتھ اس کے علاوہ تکلیف کا ارادہ کرے اسے اللہ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ وہ تکلیف دینے والی اللہ کی راہ میں شہادت سے بھاگتا ہے لیکن وہ اس سے بڑی تکلیف دینے والی بات میں واقع ہو جاتا ہے۔

جب نفس کی مصیبت کا یہ مسئلہ ہے۔ مال، عزت اور جسم کی مصیبت کا مسئلہ بھی یوں ہی ہے جو آدمی اس بات سے بخل کرتا ہے کہ وہ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے میں خرچ کرے۔ اللہ اس سے وہ چھین لیتا ہے یا اس کو ایسی جگہ خرچ کرنے پر پابند کر دیتا ہے جو اسے دنیا میں نفع دے نہ آخرت میں۔ بلکہ اس میں جس میں اس کو دنیا اور آخرت میں نقصان ہوتا ہے۔ اگر اس کو روک رکھے، اس کا ذخیرہ کرے اس سے فائدہ اٹھانا اور دوسرے تک پہنچانا روک دیتا ہے۔ وہ اس کے لیے مشقت اور پیچھے چھوڑنے والے پر بوجھ ہو جاتا ہے۔ اس طرح جس نے اپنے جسم کو اور عزت کو آسان بنایا، اس کے آرام کو اللہ کے لیے اور فی سبیل اللہ تھکاوٹ پر ترجیح دی۔ اللہ پاک اپنی راہ اور خوشنودیوں کے علاوہ مقام پر زیادہ تھکاتے ہیں۔ یہ وہ معاملہ ہے جس کو لوگ تجربات سے جانتے ہیں۔ ابو حازم کہتے ہیں: جو آدمی اللہ سے نہیں ڈرتا وہ مخلوقات کی مشقت سے جو کچھ برداشت کرتا ہے۔ وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے جو صاحب تقویٰ اللہ کے تقویٰ سے برداشت کرتا ہے''۔ [1]

اس میں ابلیس کی حالت سے عبرت پکڑنی چاہیے۔ وہ حضرت آدم کے لیے پست اور عاجز ہونے کے ڈر سے سجدہ سے رک گیا، اس نے اپنے نفس کو عزت دینا طلب کیا۔ اللہ نے اس کو ذلیلوں میں سب سے ذلیل بنا دیا۔ اسے اس کی اولاد، اہل فسق و فجور کا خادم بنا دیا۔ وہ ان کو سجدہ کرنے پر راضی نہ ہوا۔ لیکن وہ اور اس کے چیلے اس کی فاسق اولاد کا خادم بننے پر راضی ہو گئے۔ اسی طرح بتوں کے پجاری ہیں۔ انہوں نے بشر، رسول کی تابعداری سے نفرت کی، اللہ پاک واحد کی عبادت سے تکبر کیا۔ لیکن اس کی بجائے پتھروں کے معبودوں کی عبادت پر وہ راضی ہو گئے۔ اسی طرح ہر وہ شخص ہے جو اللہ کے لیے عاجز ہونے سے رک گیا، اپنے مال کو اس کی خوشنودی میں خرچ کرنے سے، اپنے نفس اور جسم کو اس کی راہ میں تھکانے سے رک گیا۔ ضروری ہے کہ وہ اس کے علاوہ کسی کے لیے ذلیل ہو جائے۔ اس کے لیے اپنا مال خرچ کرے، اپنی جان اور جسم کو اس کی اطاعت اور خوشنودی میں تھکا دے۔ یہ اس کے لیے سزا ہے۔ جیسے بعض سلف نے کہا: جو شخص اپنے بھائی کی حاجت میں چند قدم چلنے سے رک جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کو نیکی کے علاوہ راستے میں اس سے زیادہ کئی قدم چلاتے ہیں۔

فصل: محبت الٰہیہ کا حصول اور اس کے فوائد

اس باب کے خاتمہ کی طرف آتے ہیں جو انتہائی مطلوب بات کے بارے میں ہے۔ جو کچھ پیچھے گزرا وہ گویا اس کا وسیلہ ہے۔

بات یہ ہے کہ اللہ پاک کی محبت، اس سے انس، اس کی ملاقات کا شوق، اس پر اور اس کے بارے میں رضا دین کی اصل، اعمال کی اصل اور ارادہ کی اصل ہے۔ جیسے اس کی معرفت، اس کے اسماء، صفات اور افعال کا علم جلیل ترین مقاصد میں سے ہے۔

اس کی عبادت اعمال میں اشرف ہے۔ اس کی اسماء، صفات کے ساتھ ثناء، مدح اور تمجید اشرف اقوال ہیں۔ یہ حنفیت یعنی ملت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو فرمایا:

﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (النحل: ۱۲۳)

[1] اسے ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء، ج: ۳، ص: ۲۴۵ میں ذکر کیا ہے۔

''پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ ملت ابراہیم کی پیروی کریں جو یکطرفہ ہے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔''

نبی ﷺ اپنے اصحاب کو وصیت کرتے تھے کہ وہ صبح کو یہ پڑھا کریں:

«أصبحنا على فطرة الإسلام، وكلمة الإخلاص، ودين نبيّنا محمد، ومِلّة أبينا إبراهيم، حنيفًا مسلمًا، وما كان من المشركين»①

''ہم نے فطرت اسلام پر صبح کی، کلمہ اخلاص، اپنے نبی محمد ﷺ کے دین، اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر جو یکطرفہ مسلمان تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے''

یہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهِ کی شہادت کی حقیقت ہے۔ اسی پر دین اسلام قائم ہے جو تمام انبیاء و رسل کا دین ہے۔ اللہ کا اس کے علاوہ کوئی دین نہیں ہے۔ وہ کسی سے بھی اس کے سوا کوئی دین قبول نہیں کرتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝﴾ (آل عمران:۸۵)

''اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کو تلاش کرے گا پس وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائے اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ کی محبت بلکہ بندے کے ہاں علی الاطلاق اس کا ہر ایک سے بڑھ کر محبوب ہونا دین کا عظیم ترین فریضہ، سب سے بڑا اصول، جلیل ترین قاعدہ ہے۔ جس نے اس کے ساتھ کسی مخلوق سے اس کی طرح محبت کی تو یہ شرک ہے جو ایسے آدمی کے لیے معاف نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے ہوتے ہوئے کوئی عمل قبول کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ﴾ (البقرة:۱٦٦)

''اور جو لوگوں میں سے اللہ کے سوا شریکوں کو پکڑتا ہے۔ وہ ان سے اللہ کی محبت کی طرح محبت کرتے ہیں جبکہ ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت شدید ہیں۔''

جب بندہ اہل ایمان سے نہ ہو کہ وہ اللہ کا بندہ بنے۔ اس کا رسول ﷺ اسے اس کی جان، اہل، اولاد، والدین اور سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب ہو سکے② اس کی محبت اللہ کی محبت کے تابع ہے تو اللہ پاک کی محبت کے بارے میں کیا گمان ہوگا؟

اس ذات پاک نے تو جن وانس کو اپنی عبادت کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔ جو اس کی کمال محبت کو شامل ہے، اس کی کمال تعظیم، اس کے لیے عاجزی کو بھی۔ اسی لیے اس نے اپنے رسل کو بھیجا، اپنی کتب کو اتارا، اپنی شریعتوں کو بنایا، اسی پر اس نے ثواب اور سزا کو بنایا، جنت و دوزخ کی بنیاد رکھی گئی، لوگ خوش نصیب میں اور بدنصیب میں تقسیم ہوئے۔ جس طرح اس ذات پاک کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح اس کی محبت، جلال، خوف محبت اور اجلال مخافت کی طرح کچھ نہیں ہے۔

---

① مسند امام احمد، ج: ۳، ص: ٤٠٦۔

② اس مفہوم کے لیے دیکھیے: صحیح بخاری، ج: ۱، ص: ۹؛ سنن النسائی، ج: ۸، ص: ۱۱٤۔

مخلوق کا جب بھی تم خوف رکھو گے اس سے وحشت پاؤ گے، اس سے بھاگو گے۔ اللہ پاک سے جب بھی تم ڈرو گے اس کا انس پاؤ گے اس کی طرف بھاگو گے۔

مخلوق کے ظلم اور سرکشی سے ڈرا جاتا ہے۔ پروردگار پاک کے عدل اور انصاف سے ڈرا جاتا ہے۔ اسی طرح محبت ہے۔ اگر محبت اللہ کے لیے نہ ہو تو مخلوق سے محبت محب کے لیے عذاب اور اس پر وبال ہے۔ اس کو اس سے جو دکھ پہنچتا ہے وہ اس سے حاصل ہونے والی لذت سے عظیم تر ہے۔ جب جب بندہ اللہ سے دور ہو گا اس کا دکھ اور عذاب زیادہ ہو گا۔ یہ جو اس کی محبت میں تجھ سے اعراض ہے، تجھ پر زیادتی ہے، تیرے لیے عدم وفاء ہے یا تو تیرے علاوہ محبین اس میں مزاحم ہیں یا وہ تجھ کو ناپسند کرتا ہے، اچھا نہیں سمجھتا، یا تیرے بجائے اس کو مفادات عزیز ہیں، وہ تجھ سے زیادہ اسے محبوب ہیں یا اس کے علاوہ کچھ آفات ہیں۔

رہی پروردگار پاک کی محبت تو اس کی شان ہی جداگانہ ہے۔ دلوں کو اس کے خالق، بنانے والے سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں ہے۔ وہ ان کا الٰہ، معبود، ولی، مولیٰ، رب، مدبر، رازق، مارنے والا اور زندہ کرنے والا ہے۔ اس کی محبت نفسوں کی نعمت، روحوں کی زندگی، دلوں کا سرور، قلوب کی قوت، عقلوں کا نور، آنکھوں کی ٹھنڈک اور باطن کی آبادی ہے۔ قلوب سلیمہ، ارواح طیبہ، پاکیزہ عقلوں کے ہاں نہ کوئی بہت میٹھی بات ہے۔ نہ بڑی لذت والی، نہ بہت پاک، نہ بہت خوش کرنے والی اور نہ زیادہ نعمت والی چیز ہے جو اس کی محبت، اس کے انس، اس کی ملاقات کے شوق اور اس حلاوت سے بڑھ کر ہو جو آدمی کو اس سے تمام تر نعمت ملتی ہے۔ جو لذت وہ پاتا ہے ہر لذت سے اعلیٰ ہے۔

جیسے کسی لذت پانے والے نے اپنی حالت کو یہ کہہ کر بیان کیا ہے۔ دل پر کچھ اوقات ضرور گزرتے ہیں جن میں میں کہتا ہوں: اگر اہل جنت اس طرح کی حالت میں ہیں تو بے شک وہ ضرور پاکیزہ زندگی میں ہیں۔

دوسرے نے کہا: دل پر کچھ اوقات گزرتے ہیں جن میں وہ اللہ کے انس اور اس کی محبت کی خوشی میں لہلہاتا ہے۔

دیگر نے کہا: اہل غفلت مساکین ہیں۔ وہ دنیا سے اس حالت میں گئے کہ وہ اس کی سب سے عمدہ چیز نہ چکھ سکے۔

دیگر نے کہا: اگر بادشاہوں اور ان کی اولاد کو وہ لذت معلوم ہو جائے جس میں ہم ہیں تو وہ ضرور ہم سے اس پر تلواروں سے لڑائی کریں گے۔

ان امور کا پانا، ذائقہ چکھنا یہ محبت کی قوت اور ضعف کے حساب سے ہے۔ محبوب کے جمال کے ادراک اور اس کے قرب کے حساب سے ہے۔ جب جب محبت کامل تر ہو گی، محبوب کا ادراک تمام تر ہو گا، اس کا قرب بہت وافر ہو گا تب حلاوت، لذت، سرور اور نعمت قوی تر ہو گی۔

جو اللہ پاک کو، اس کے اسماء وصفات کو زیادہ جاننے والا ہے، اس میں زیادہ راغب ہے، اس کے لیے زیادہ محب ہے، اس کے زیادہ قریب ہے۔ وہ اس سے ایسی حلاوت پائے گا جس کی تعبیر ممکن نہیں۔ یہ صرف ذوق اور وجدان سے ہی معلوم ہوتا ہے۔ جب دل یہ ذائقہ چکھے گا۔ اس کے لیے غیر کی محبت کو مقدم کرنا ممکن نہ ہو گا نہ اس کے انس کو۔ جب جب اس کی محبت بڑھے گی۔ اس کی بندگی، عاجزی، خضوع اور غلامی بھی بڑھے گی اور دوسروں کی غلامی سے آزادی بھی۔

دل کو فلاح، صلاح، نعمت، رونق، لذت، اطمینان اور سکون اپنے رب کی عبادت، اس کی محبت اور اس کی طرف جھکنے کے بغیر

نہیں ملتا۔ اگر اس کو مخلوقات کی تمام لذتیں بھی مل جائیں وہ ان پر مطمئن نہیں ہوگا، سکون نہ پائے گا بلکہ اس کا فاقہ اور بے چینی بڑھتی جائے گی۔ جب تک وہ اس بات پر کامیابی نہ پالے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا۔ جس کے لیے وہ تیار کیا گیا یعنی اللہ واحد ہی اس کی مراد ہو۔ اس کے مقاصد کی انتہاء ہو۔ اس میں رب اور الٰہ کی طرف فقر ذاتی ہے۔ اس انداز سے کہ وہ اس کا معبود، محبوب، الٰہ اور مطلوب ہو جائے۔ جیسا کہ اس میں فقر ذاتی اس انداز سے بھی ہے کہ وہ اس کا رب، خالق، رازق اور مدبر ہو جائے۔ جب اللہ کی محبت دل میں جگہ پائے گی، اس میں قوی ہوگی۔ وہ اس سے ماسوا کو معبود بنانے اور اس کی بندگی کو نکال دے۔ ایک شعر ہے۔

پس وہ آزاد، غالب اور محفوظ ہو گیا، اس کے چہرے پر اس کے انوار اور اس کی روشنیاں ہیں۔

ہر کسی مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ضرور ہے۔ اس کے ذکر سے اطمینان، اس کی معرفت سے خوشی، اس کے ذکر سے لذت اور سرور، اس کی ملاقات کا شوق اور اس کے قرب کا انس ہے۔ اگر مؤمن یہ محسوس نہ کرے کہ دل اور میں مشغول ہے۔ وہ جس میں مشغول ہے اس سے پھرتا ہے تو چیز کا وجود غیر احساس اور اس کا شعور ہے۔ اس کی قوت، ضعف، زیادتی اور کمی ایمان کی قوت، ضعف، زیادتی اور نقصان کے حساب سے ہے۔ جب اللہ واحد بندے کی آخری مراد، نہایت مقصود نہ ہو جو کہ محبوب، مراد بالذات اور قصد اول ہے۔ اس کے سوا جو بھی ہے وہ محبوب، مراد اور مطلوب اس کی وجہ کے تابع ہے۔ اس نے شہادت لا إله إلا الله کو ثابت نہیں کیا۔ اس میں نقص، عیب اور شرک اس قدر ہی ہے۔ اس کے لیے اس کے موجبات میں سے دکھ، حسرت اور عذاب بھی اتنا ہے جتنا اسے یہ چھوٹ گیا ہے۔

اگر اس مطلوب کے لیے ہر راہ سے کوشش کرے، ہر دروازہ کھٹکھٹائے وہ اللہ سے اگر مدد طلب نہ کرے، اس پر توکل نہ کرے، اس کے حصول میں اس کا محتاج نہ ہو، یہ یقین نہ ہو کہ یہ صرف اس کی توفیق، مشیت اور اعانت سے ملے گا۔ اس کے علاوہ اس تک کوئی بھی صورت نہیں ہے۔ اس کو اپنا مطلوب حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ جو اللہ نے چاہا وہ ہوا۔ جو اس نے نہ چاہا وہ نہ ہوا۔ اس تک اس کے سوا کوئی نہیں پہنچا سکتا۔ نہ اس کے علاوہ کوئی اس تک راہنمائی کرتا ہے۔ اس کی عبادت اس کی اعانت کے بغیر نہیں، اس کی اطاعت اس کی مشیت کے بغیر نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾﴾ (التکویر: ۲۸، ۲۹)

''جو چاہے تو میں سے کہ وہ استقامت پائے اور تم کچھ نہیں چاہتے الا یہ کہ اللہ رب العلمین چاہے۔''

اگر یہ معلوم ہو گیا تو بندہ جب اس کی معصیت کی حالت میں ہوتا ہے۔ اس سے اپنی شہوت اور لذت میں مشغول ہے۔ یہ لذت اور حلاوت ایمانیہ اس سے پردے میں چلی گئی، چھپ گئی، کم ہو گئی یا چلی گئی۔ اگر وہ کامل موجود ہوتی تو وہ اس پر کسی لذت اور شہوت کو مقدم نہ کرتا۔ کیونکہ اس میں اور اس میں کسی طرح کی کوئی نسبت نہیں ہے۔ بلکہ یہ دنیا کی نسبت سے بھی اور جو کچھ دنیا میں ہے کی نسبت سے رائی کے دانے سے بھی ادنیٰ ہے۔ اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَزْنِيْ الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ»[1]

---

[1] صحیح بخاری، ج: ۳، ص: ۱۰۷؛ مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۲۴۳۔

''نہیں زنا کرتا زانی جب وہ زنا کرتا ہے اور وہ مؤمن ہو، نہیں چوری کرتا جب وہ چوری کرتا ہے اور وہ مؤمن ہو، اور نہیں شراب پیتا شرابی جب وہ اسے پیتا ہے اور وہ مؤمن ہو۔''

حقیقت ایمان کو چکھنا، اس کا دل سے مل جانا اسے اس بات سے روکتا ہے کہ وہ اس پر اس قدر گھٹیا چیز کو ترجیح دے۔ وہ اس کو کم اور پراگندہ کرنے سے بھی اس کو منع کرتا ہے۔ اسی لیے تم بندے کو پاؤ گے اگر وہ اللہ کے لیے مخلص ہو، اس کی طرف جھکنے والا، اس کے ذکر پر مطمئن، اس کا دل اس کی ملاقات کا مشتاق ہو تو وہ ان محرمات سے رکنے والا ہو گا وہ نہ ان کی طرف جھانکے گا۔ نہ ان پر بھروسہ کرے گا۔ وہ اس کے بدلے اس کو لینا ایسے سمجھے گا جیسے جوہر نفیس کے بدلے گھٹیا مینگنی، کٹے ہوئے اون کے بدلے میں سونا بیچنا اور گوبر کے بدلے کستوری بیچنا ہے۔

بلاشبہ نفوس بشریہ میں سے بعض ایسے ہیں جو اس بدلہ میں ہیں۔ وہ اپنے مناسب کی طرف مائل ہوتے۔ ہم شکل کی طرف جھکتے ہیں۔ وہ مطالب عالیہ اور لذات کاملہ سے نفرت کرتے ہیں۔ جیسے گبریلا گلاب کی خوشبو سے نفرت کرتا ہے۔ ہم نے وہ لوگ بھی دیکھے ہیں جو کستوری کی خوشبو پر ناک بند کرتے ہیں۔ اس کو برا جانتے ہیں کیونکہ ان کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ جو چمڑے رنگنے کے کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اس سے خوشبو بنانے کا کام تو نہ ہو سکے گا۔ نہ اس کے لائق ہے نہ وہ کر پائے گا۔ نفس کسی محبوب کو محبوب کے لیے ہی چھوڑتا ہے جو اسے اس سے زیادہ پیارا ہو یا کسی مکروہ کا خوف جو اس پر اس محبوب کے چھوٹ جانے سے زیادہ گراں گزرتا ہے۔

کبھی گناہ اس کے عدم مقتضاء کی وجہ سے نہیں ہوتا کہ دل اس سے زیادہ محبوب میں مشغول ہے۔ کبھی وجود مانع کی وجہ سے اور اس محبوب کے چھوٹ جانے کے خوف سے جو کبھی اس کو اس سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔

پہلی: اس شخص کی حالت ہے جس کو ایمان کی مٹھاس کا چکھنا ملا ہے، اس کے حقائق اور اس کے ساتھ خوش بختی بھی جس نے گناہوں کی طرف میلان کے عوض میں اسے یہ دے دیا ہے۔

دوسری حالت اس شخص کی ہے جس کے پاس سبب اور ارادہ ہے۔ لیکن اس کے پاس ایمان، اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعید کی تصدیق بھی ہے۔ وہ ڈرتا ہے کہ اگر اس میں مبتلا ہوا وہ اس سے زیادہ مکروہ اور اس سے زیادہ گراں گزرنے والے کام میں پڑ جائے گا۔ پہلی حالت ان نفوس کی ہے جو اپنے رب کی طرف مطمئن ہیں۔ دوسری اہل جہاد اور صبر کی حالت ہے یہ دونوں نفس سعادت اور فلاح کے ساتھ خاص کیے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے نفس کے متعلق فرمایا:

﴿يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَ ادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝﴾ (الفجر:۲۷۔۳۰)

''اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی، تو میرے

بندوں میں شامل ہوجا، اور میری بہشت میں داخل ہوجا۔''

دوسرے کے متعلق فرمایا:

﴿ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (النحل: ۱۱۰)

''پھر بے شک تیرا رب ان لوگوں کے لیے جنہوں نے آزمائش میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور صبر کیا بے شک تیرا رب اس کے بعد ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔''

نفس تین طرح کے ہیں۔ ایک رب کی طرف مطمئن نفس۔ یہ نفسوں میں اشرف اور پاک ہے۔ دوسرا نفس جہاد کرنے والا، صبر کرنے والا۔ تیسرا نفس شہوات اور خواہشات کے فتنہ میں ڈالا گیا، یہ بد بخت نفس ہے۔ جس کا نصیب دکھ اور عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دوری اور حجاب ہے۔

فصل: شیطان کا اپنے لیے مکر

شیطان نے ہمارے والدین کے خلاف مکر سے پہلے اپنے خلاف مکر کیا۔ پھر اس پر بند نہ ہوا حتیٰ کہ اپنی اولاد اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے خلاف مکر کیا۔ وہ اپنے نفس کے خلاف، اپنی اولاد، دوستوں اہل طاعت جن وانس کے خلاف منحوس بن گیا۔

رہا اس کا اپنے خلاف مکر تو اللہ نے جب اسے آدم علیہ السلام کو سجدہ کا حکم دیا۔ اس کا حکم ماننے اور اطاعت میں اس کی سعادت، فلاح، عزت اور نجات تھی۔ اس کے جاہل، ظالم نفس نے اس کے لیے یہ بات مزین کردی کہ اس کے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے اس کی عزت کم ہوگی۔ مرتبہ گرے گا۔ وہ اس کے سامنے گرے گا اور سجدہ میں پڑے گا جو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ یہ آگ سے پیدا کیا گیا۔ اس کے زعم میں آگ مٹی سے افضل ہے۔ اس سے پیدا کی گئی چیز بھی اس سے پیدا کی گئی چیز سے افضل ہے۔ افضل کا کم تر کے لیے جھکنا اس کی عزت اور مرتبہ کو کم کرتا ہے۔ جب دل میں یہ ہوس آئی۔ اس کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام سے حسد بھی مل گیا۔ کیونکہ اس نے دیکھا تھا کہ پروردگار پاک نے اسے کئی طرح کی عزت دی ہے۔ اسے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اس میں اپنی روح سے پھونکا، اس کے لیے فرشتوں سے سجدہ کروایا، اسے ہر چیز کا نام سکھایا، اس طرح اس کو ملائکہ سے ممتاز کر دیا اور اس کو اپنی جنت میں رہائش دی ہے۔ اس پر دشمن خدا کا حسد اپنی پوری حد کو پہنچ گیا۔

دشمن خدا اس کے گرد گھومتا تھا جب وہ بجنے والے ٹھیکری تھا۔ وہ اس سے تعجب کرتا۔ کہتا: کسی عظیم کام کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ اگر یہ مجھ پر مسلط کیا گیا میں اس کی ضرور نافرمانی کروں گا اور اگر میں اس پر مسلط کیا گیا میں اس کو ضرور ہلاک کروں گا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق احسن تقویم، اجمل اور اکمل صورت میں پوری ہوگئی۔ علم، حلم اور وقار سے اس کے باطنی محاسن کامل ہوگئے۔ پروردگار پاک نے اسے اپنے ہاتھ سے پیدا کرنے کا فریضہ سرانجام فرمایا وہ بہترین شکل اور کامل ترین صورت میں آیا۔ آسمان/ اوپر کی طرف اس کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی۔ اس کو جمال وحسن کی چادر اوڑھائی گئی۔ رعب اور خوبصورتی دی گئی۔ فرشتوں

نے وہ منظر دیکھا جس سے پیارا اور خوبصورت منظر انہوں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ سب اپنے رب تبارک وتعالیٰ کے حکم سے اس کے لیے سجدے میں گر گئے۔ حسد کرنے والے نے اس کی قمیص کو پیچھے سے پھاڑا، اس کے دل میں مضبوط حسد کی آگ بھڑکنے لگی۔ اپنے زعم سے اس نے معقول کے ساتھ نص کا مقابلہ کیا اور کہا:

﴿ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴾ (الاعراف:۱۲)

''میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔''

اس نے صریح نص سے اعراض کیا۔ اس کے مقابل قبیح اور فاسد رائے لایا۔ پھر اس کے بعد اس علیم وحکیم پر اعتراض کر دیا جس کی حکمت پر اعتراض کے لیے عقلوں کو کوئی راہ نہیں ملتی۔ کہنے لگا:

﴿ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾

(الاسراء:٦٢)

''دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو میں تھوڑے سے شخصوں کے سوا اس کی اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔''

اس اعتراض والے کلام کے تحت مفہوم ہے: تجھے بتا تو نے اسے مجھ پر کیوں عزت دی؟

اس اعتراض کی گہرائی یہ ہے کہ: جو تو نے کیا وہ حکمت نہیں اور نہ درست ہے۔ حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ یہ مجھے سجدہ کرتا کیونکہ مفضول فاضل کے لیے جھکتا ہے، تو تو نے حکمت کی مخالفت کیوں کی ہے؟

پھر اس کے بعد اپنی اس پر فضیلت اور اس کی حقارت بتائی کہا: ''میں اس سے بہتر ہوں'' پھر ایک گھٹیا دلیل سے اس کو ثابت کیا کہ اس کا مادہ اور اصل حضرت آدم علیہ السلام کے مادہ اور اصل پر فضیلت رکھتا ہے۔ ان مقدمات نے اس کو نتیجہ یہ دیا کہ اس نے انکار کیا، سجدے سے رک گیا۔ رب معبود کی نافرمانی۔ جہل اور ظلم کو جمع کیا۔ تکبر، حسد، نافرمانی، نص کی رائے اور عقل سے مخالفت کو اکٹھا کیا۔ اس نے اپنے آپ کو ہر طرح ذلیل کر دیا اس طرح کہ وہ خود کی تعظیم چاہتا تھا۔ اس کی رفعت کی جگہ اس کو پستی دے دی۔ اس کی عزت کے بجائے اسے ذلیل کر دیا۔ اس کی لذت کے بجائے اسے ہر طرح کا دکھ دے دیا۔ اس نے اپنے نفس کے ساتھ وہ کیا اگر اس کا بڑا دشمن بھی اسے تکلیف پہنچانے کے لیے کرتا تو اس حد تک نہ پہنچتا۔ جس نے اپنے آپ کو اتنا دھوکہ دیا ہو تو کوئی عقلمند کیسے اس کی بات سنتا، مانتا ہے اور اس سے دوستی کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴾ (الکھف:۵۰)

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: تم آدم کے لیے سجدہ کرو۔ پس انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ جن سے تھا اس نے اپنے رب کے حکم سے فسق کیا۔ کیا پس تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست پکڑتے ہو جبکہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟ اور ظالموں کے لیے برا بدل ہے۔''

فصل: ہمارے والدین کے لیے اس کا مکر

اللہ پاک نے شیطان کا ان کے دونوں کے ساتھ واقعہ ہم پر بیان کیا ہے کہ وہ ان دونوں کو مسلسل دھوکہ میں ڈالتا رہا۔ ان کو وعدہ اور آرزو دلاتا ہے کہ وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے حتیٰ کہ بات کو پکا کرنے کے لیے ان دونوں کے سامنے اس نے اللہ کی قسم بھی کھائی کہ وہ ان دونوں کا خیر خواہ ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس کی بات پر مطمئن ہو گئے۔ اس کا مطالبہ انہوں نے مان لیا پھر ان پر آزمائش آئی۔ جنت سے نکلے، لباس اترا اور جو ہوا سو ہوا۔

یہ اس کے مکر وفریب سے تھا لیکن قلم چل چکا تھا۔ تقدیر میں پہلے آ گیا تھا۔ اللہ پاک نے اس کے مکر کو اس پر لوٹا دیا کہ ہمارے ماں باپ کا تدارک اپنی رحمت اور مغفرت سے کر دیا ان کو جنت کی طرف اچھے حالات اور بہتر صورت میں لوٹا دیا اس کے مکر کا برا انجام اسی پر لوٹ گیا:

﴿وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ﴾ (فاطر:٤٣)

''اور نہیں ہلاک کرتا برا مکر مگر اس کے کرنے والے کو ہی۔''

دشمن خدا نے اپنی نادانی سے گمان کیا کہ اسے اس کے لیے جنگ میں غلبہ اور کامیابی ہے۔ اسے اُس لشکر کی چھپی طاقت کا علم نہ ہوا کہ:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَٰسِرِينَ ۝﴾ (الاعراف:٢٣)

''اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہم کو نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا ضرور ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

نہ اُسے خود پر شکست آنے کا علم ہوا کہ:

﴿ثُمَّ اجْتَبَٰهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ۝﴾ (طٰہٰ:١٢٢)

''پھر اس کے ربّ نے اس کو چن لیا اس کی توبہ قبول کی اور ہدایت دی۔''

ابلیس ملعون نے اپنی جہالت میں گمان کر لیا کہ اللہ پاک اپنے پیارے اور اس محبوب بندے سے الگ ہو جائے گا جس کو اس نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ اس میں اپنی روح سے پھونکا۔ اس کے لیے اپنے فرشتوں سے سجدہ کروایا۔ اسے ہر چیز کا نام سکھایا۔ کوئی ایک چیز کھانے کی وجہ سے جو اس نے کھائی تھی اس کو یہ نہ معلوم ہوا کہ طبیب نے مریض کو قبل مرض دوا بتا دی تھی۔ جب اس نے مرض کو محسوس کیا۔ دوا کے استعمال میں جلدی کی۔ جب دشمن نے اس کو تیر مارا وہ جائے قتل کے علاوہ لگا۔ اس نے زخم کے علاج میں جلدی کی۔ وہ ایسے ہو گیا جیسے اس کو کوئی بیماری نہیں تھی۔ دشمن کو آزمایا گیا وہ مصر رہا، حجت بنانے لگا، حکم کا مخالف ہوا اور حکمت پر اعتراض کیا۔ اس نے لوٹنے کی درخواست نہ کی، نہ وہ پھسلنے پر نادم ہوا۔

محبوب کی آزمائش گناہ سے کی گئی اس نے اعتراف کیا، توبہ کی، نادم ہوا، عاجز ہوا، محتاج ہوا، مخلوقات کی جائے گھبراہٹ پر گھبرا کر جا پہنچا۔ یہی توحید اور استغفار ہے۔ اس کی پریشانی ختم کر دی گئی۔ گناہ معاف کر دیا گیا۔ اس کی توبہ قبول کر لی گئی۔ رحمت اور ہدایت کا ہر در اس پر وا کر دیا گیا۔ ہم اس کے بیٹے ہیں۔ جس نے اپنے باپ سے مشابہت کی اس نے ظلم نہیں کیا۔ جس کی عادت

توبہ اور استغفار کی ہو گئی تو۔اس کو سب سے اچھی عادت کی ہدایت دے دی گئی۔

فصل: حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے پر مکر

پھر اس نے حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے ایک کے خلاف مکر کیا۔ایک کے ساتھ خوب کھیلا حتیٰ کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔اپنے باپ کو ناراض کیا۔اپنے مالک کی نافرمانی کی۔اولاد کے لیے قتل نفوس کا طریقہ جاری کر دیا۔صحیح بخاری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا:

«ما مِنْ نَفْسٍ تُقْتَلُ ظلمًا إِلَّا كان على ابنِ آدمَ الأوّلِ من دمِها، لأنّه أوّلُ مَنْ سَنَّ القتل»[1]

''جو کوئی نفس ظلماً قتل کیا جاتا ہے حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے بیٹے پر اس کے خون سے ایک حصہ ضرور ہوتا ہے کیونکہ اس نے اول قتل جاری کیا۔''

دشمن نے اس قاتل کے خلاف قطع رحمی، والدین کی نافرمانی، رب کو ناراض کرنے، اس کی تعداد کم کرنے اور اپنے نفس پر ظلم کا مکر کیا۔اس کو بڑے عذاب پر پیش کر دیا۔اس کو عظیم ثواب کے حصہ سے محروم کر دیا۔

فصل: شیطان کا پہلا مکر، شرک پھیلانا

پھر معاملہ درستی اور استقامت پر چلتا رہا۔امت ایک، دین ایک اور معبود ایک تھا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴾ (یونس:۱۹)

''اور نہیں تھے لوگ مگر ایک امت۔پس انہوں نے اختلاف کیا۔اگر تیرے رب کا کلمہ سبقت نہ لے گیا ہوتا ضرور ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کر دیا جاتا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۱۳)

''لوگ ایک امت تھے۔پس اللہ نے نبیوں کو بھیجا خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر اور ان کے ساتھ کتاب کو حق کے ساتھ اتارا تا کہ وہ لوگوں کے درمیان اس چیز میں فیصلہ کرے جس میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔''

سعید نے قتادہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام و نوح کے درمیان دس قرن/ زمانے گزرے سب لوگ ہدایت پر تھے۔حق کی ایک شریعت پر تھے۔پھر اس کے بعد انہوں نے اختلاف کیا تو اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔یہ پہلے رسول تھے جن کو اللہ کے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا یہ لوگوں میں اختلاف اور ترک حق کے وقت بھیجے گئے۔

---

[1] صحیح بخاری، ج: ٤، ص: ١٠٤؛ مسند امام احمد، ج: ١، ص: ٣٨٣۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: لوگ ایک امت تھے۔ وہ سب اسلام پر تھے۔ اس آیت کے متعلق یہ قول صحیح ہے۔ عطیہ نے حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے کہ وہ سب ایک امت تھے وہ کفار تھے۔

یہ قول حسن وعطاء کا ہے۔ ان دونوں نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کی وفات سے حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت تک لوگ ایک امت تھے، ایک ملت تھے وہ کفر کی ملت تھی۔ وہ سب درندوں کی طرح کا فر تھے تو اللہ نے حضرت نوح، ابراہیم اور دیگر نبیوں کو مبعوث فرمایا۔

یہ قول بہت ضعیف ہے۔ یہ حضرت ابن عباس سے منقطع ہے جبکہ اس کے خلاف صحیح قول ہے۔ [1]

ابن أبی حاتم نے بواسطہ ابوزرعۃ، شیبان بن فروخ، ہمام، قتادۃ، عکرمہ حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے، انہوں فرمایا: وہ سب اسلام پر تھے۔

یہی قطعاً درست قول ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت ہے: ''پس انہوں نے اختلاف کیا تو اللہ نے نبیوں کو ڈرانے والے اور خوشخبری دینے والے بنا کر بھیجا۔''

اس قرأت پر شاہد اللہ کا فرمانا سورۃ یونس میں بھی ہے ''اور نہیں تھے لوگ مگر ایک امت پس انہوں نے اختلاف کیا۔''

المقصود: ان کے دشمن نے ان سے مکر کیا، ان کے ساتھ کھیلا حتیٰ کہ وہ دو قسموں میں تقسیم ہو گئے۔ کافر اور مؤمن۔ ان کے ساتھ بتوں کی عبادت اور دوبارہ اٹھائے جانے کے انکار کا مکر کیا۔ سب سے پہلے اس نے بتوں کے پجاریوں پر جو مکر چلایا وہ قبروں پر ٹھہرے رہنا تھا، قبروں والوں کی تصاویر بنانا تھا تاکہ ان کے ساتھ وہ انہیں یاد کریں۔ جیسے اللہ پاک نے ان کا واقعہ اپنی کتاب میں بیان فرمایا:

﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝٢٣﴾ (نوح: ۲۳)

''اور انہوں نے کہا تم ہرگز اپنے الہوں کو نہ چھوڑو اور تم ہرگز نہ چھوڑنا ودکو، نہ سواع کو، نہ یغوث کو اور یعوق ونسر کو۔''

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے: یہ حضرت نوح کی کی قوم کے نیک لوگوں کے نام تھے، جب وہ وفات پا گئے شیطان نے ان کی قوم میں یہ بات ڈالی کہ جن مجالس میں وہ بیٹھا کرتے تھے ان میں ان کے بت نصب کرو اور ان کو ان کے نام دے دو۔ انہوں نے یہ کیا۔ ان کی عبادت نہ کی گئی حتیٰ کہ جب یہ وفات پا گئے۔ علم منسوخ ہو گیا تو ان کی عبادت کی گئی۔ [2]

ابن جریر نے محمد بن قیس سے بیان کیا ہے۔ فرمایا: وہ بنو آدم کے صالح لوگ تھے۔ ان کے کچھ پیروکار تھے جن کے وہ مقتدا تھے۔ جب وہ فوت ہو گئے۔ ان کے اصحاب نے کہا: جو پیروکار تھے اگر ہم ان کی تصاویر بنالیں تو جب ہم ان کو یاد کریں گے ہماری عبادت کے لیے زیادہ شوق والی بات ہو گی انہوں نے ان کی تصاویر بنالیں۔ جب وہ مر گئے دوسرے آئے ابلیس ان میں چپکے سے داخل ہوا، کہا: وہ تو ان کی عبادت کرتے تھے۔ ان سے بارش مانگتے تھے تو انہوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔ ہشام بن محمد بن السائب الکلبی کہتے ہیں: مجھے میرے باپ نے خبر دی ہے۔ فرمایا: اول بتوں کی عبادت اس طرح ہوئی کہ جب حضرت

---

[1] یعنی یہ قول صحیح ہے کہ وہ سب مسلمان تھے۔ (مترجم)

[2] صحیح بخاری کتاب التفسیر، ج: ٦، ص: ٧٣۔

آدم علیہ السلام فوت ہو گئے۔ ان کو بنو شیث بن آدم نے پہاڑ کی ایک غار میں رکھ دیا، جس میں حضرت آدم علیہ السلام ارض ہندوستان میں اتارے گئے تھے۔ اس پہاڑ کا نام نوذ ہے اور یہ روئے زمین پر سب سے سرسبز پہاڑ ہے۔ [1]

ہشام نے اپنے باپ، ابو صالح، حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے۔ فرمایا: بنو شیث غار میں حضرت آدم کے جسم کے پاس آتے، اس کی تعظیم کرتے، دعائے رحمت کرتے۔ قابیل بن آدم کی اولاد میں سے ایک شخص نے کہا: اے بنی قابیل! بنی شیث کا ایک دوارہ ہے جس کے گرد وہ گھومتے ہیں۔ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ تمہارے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ اس نے ان کے لیے ایک بت تراشا تو سب سے اول اس نے یہ کام کیا۔ [2]

ہشام کہتے ہیں: مجھے میرے باپ نے خبر دی ہے کہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر نیک لوگ تھے وہ ایک ہی ماہ میں فوت ہو گئے۔ ان پر ان کے اقارب نے جزع کی۔ بنو قابیل میں سے ایک شخص نے کہا: اے قوم! کیا تمہارے لیے سوچ ہے کہ میں تمہارے پانچ بت ان کی صورتوں پر بنا دوں؟ لیکن میں قدرت نہیں رکھتا کہ میں ان میں ارواح ڈال دوں؟ انہوں نے کہا: ہاں، اس نے پانچ بت ان کی صورتوں پر ان کو تراش دیے۔ ان کے سامنے ان کو گاڑ دیا۔ آدمی اپنے بھائی چچازاد اور چچا کے بت کے پاس جاتا اس کی تعظیم کرتا، اس کے گرد گھومتا حتیٰ کہ پہلا قرن/ زمانہ چلا گیا۔ یہ بت برد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم کے عہد میں بنائے گئے۔ پھر دوسرا قرن/ زمانہ آ گیا۔ انہوں نے پہلے زمانہ والوں سے بڑھ کر ان کی تعظیم کی۔ پھر ان کے بعد تیسرا زمانہ آیا وہ کہنے لگے: انہوں نے ان کی تعظیم اسی لیے کی کہ وہ ان کی اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کے امیدوار تھے۔ انہوں نے ان کی عبادت کی۔ ان کے معاملے کی تعظیم کی۔ ان کا کفر شدید ہو گیا اللہ نے ان کی طرف حضرت ادریس کو بھیجا۔ انہوں نے ان کو دعوت دی۔ لوگوں نے ان کو جھٹلایا اللہ نے ان کو اپنے پاس بلند مرتبہ کی طرف اٹھا لیا۔ ان کا معاملہ شدید ہی ہوتا رہا۔

یہ کلبی بواسطہ ابو صالح حضرت ابن عباس سے بیان کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت نوح علیہ السلام نے زمانہ پایا۔ اللہ نے ان کو نبی بنایا۔ اس وقت ان کی عمر چار سو اسی برس تھی۔ انہوں نے لوگوں کو اپنی نبوت میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت ایک سو بیس برس تک دی۔ انہوں نے ان کی نافرمانی کی۔ ان کو جھٹلایا۔ اللہ نے ان کو کشتی بنانے کا حکم دیا۔ وہ اس سے فارغ ہوئے اس پر سوار ہوئے جبکہ وہ چھ سو برس کے تھے۔ غرق ہوا جو غرق ہوا۔ اس کے بعد وہ تین سو پچاس برس رہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے مابین ایک ہزار اور دو سو سال تھے۔ پانی نے ان بتوں کو ایک زمین سے دوسری زمین پر گرایا حتیٰ کہ ان کو جدہ کی سرزمین میں پھینک دیا۔ جب پانی خشک ہوا۔ یہ سطح زمین پر پڑے رہے۔ ان پر ہوا چلی حتیٰ کہ ان کو چھپا دیا، میں کہتا ہوں: ظاہر قرآن اس کے خلاف بتا رہا ہے۔ وہ یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ایک ہزار سال رہے سوائے پچاس برس کے۔ اللہ عزوجل نے ان کو غرق کے ساتھ ہلاک کیا اس سے پہلے وہ ان کے مابین یہ مدت ٹھہرے رہے تھے۔

کلبی نے کہا: عمرو بن لحی ایک کاہن تھا۔ وہ جنوں کو دیکھتا تھا۔ ایک جن نے اس کو کہا: تو جلدی سفر اور کوچ کر تہامہ سے،

---

[1] دیکھیے: فتح الباری، ج: ۸، ص: ۶۶۸۔

[2] بمطابق حوالہ گزشتہ۔ نیز عرب میں بت پرستی کے آغاز کے لیے دیکھیے: شفاء الغرام باخبار البلد الحرام، ج: ۲، ص: ۲۷۸۔

سعادت اور سلامتی سے، تو جدہ جا تو وہاں پر تیار بت پائے گا، ان کو تو تہامہ میں رکھ دے اور مت ڈر، پھر عرب والوں کو ان کی عبادت کی دعوت دے تیری بات قبول کی جائے گی، وہ نہر جدہ پر آیا اس میں بتوں کو ڈھونڈ ھا، پھر ان کو اٹھایا حتیٰ کہ تہامہ میں پہنچ گیا۔ وہ حج میں پہنچا۔ اس نے سب اہل عرب کو ان کی عبادت کی دعوت دی۔ اس کی بات کو عوف بن عذرہ بن زید اللات نے قبول کیا۔ اس نے اس کو ودّ دے دیا اس نے وہ اٹھایا۔ یہ دومۃ الجندل میں وادی قریٰ میں تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کا نام عبدودّ رکھا۔ سب سے پہلے یہ اس کا نام رکھا گیا۔ عوف نے اپنے بیٹے عامر کو اس کا مجاور بنا دیا۔ وہ ہمیشہ اس کی مجاوری کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ عرب میں اسلام کو لے آیا۔

کلبی کہتے ہیں: مجھے مالک بن حارثہ نے بتایا کہ اس نے ودّ کو دیکھا تھا۔ کہتے ہیں: میرا باپ مجھے اس کے پاس دودھ دے کر بھیجتا تھا۔ تم یہ اپنے الٰہ کو پلاؤ پس میں اس کو پی لیتا تھا۔ کہتے ہیں: میں نے حضرت خالد بن ولید کو بعد میں دیکھا۔ انہوں نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد کو اس کے گرانے کے لیے بھیجا تھا۔ اس کے اور اس کے گرانے کے مابین بنو عبد عذرہ اور بنو عامر الاجدار رکاوٹ بنے تھے۔ اس نے ان سے لڑائی کی ان کو قتل کیا اسے توڑا اور گرا دیا۔

کلبی کہتے ہیں: میں نے مالک بن حارثہ کو کہا: مجھے ودّ کی صفت بتا گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ اس نے کہا: وہ ایک مرد کی مورتی تھی جیسے کوئی بہت بڑا آدمی ہو۔ اس پر دو لباسوں کا نقشہ بنایا گیا تھا۔ ایک نیچے والی تہہ بند جبکہ دوسری اوپری چادر کا نقشہ تھا۔ اس پر تلوار تھی جو اس نے لٹکا رکھی تھی۔ کندھے پر کمان بھی رکھی تھی۔ اس کے آگے ایک برچھی تھی جس میں ایک جھنڈا اور چمڑے کا برتن تھا جس میں تیر تھے۔ یعنی ترکش تھا۔

عمرو بن لحیٰ کی بات مضر بن نزار نے قبول کی۔ اس نے ہذیل کے ایک آدمی کو سواع دے دیا جس کا نام حرث بن تمیم بن ہذیل بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر تھا۔ یہ ایسی جگہ رہا جسے بطن نخلہ سے وھاط کہا جاتا تھا۔ اس کی عبادت قریب والے مضر کرتے تھے۔ اسی کے بارے میں عرب کے ایک شخص نے کہا تھا۔

تم اُن کو اپنے قبیلے کے گرد اعتکاف میں دیکھو گے، جیسے ہذیل کے لوگ سواع بت کے پاس ٹھہرتے تھے۔

مذحج نے اس کی بات مانی۔ اس نے انعم بن عمرو المرادی کو یغوث دے دیا۔ یہ یمن میں مذحج اور ان کے قریب والوں کے لیے ایک ٹیلہ تھا۔

ہمدان نے اس کی بات مانی۔ اس نے مالک بن مرثد بن جشم کو یعوق دے دیا۔ یہ اسی بستی میں تھا جسے خیوان کہا جاتا ہے۔ اس کی ہمدان اور اس کے قریب کے لوگ عبادت کرتے تھے۔ حمیر نے اس کی بات مانی۔ اس نے ذی رعین کے ایک آدمی کو جسے معدی کرب کہا جاتا تھا نسر دے دیا۔ یہ سبا کی ایک زمین میں تھا جسے بلخع کہا جاتا تھا۔ اس کی حمیر اور اس کے قریب کے لوگ عبادت کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ اس کی عبادت کرتے رہے حتیٰ کہ ذونواس نے ان کو یہودی بنا دیا، ان بتوں کی عبادت کی جاتی رہی حتیٰ کہ اللہ نے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ نے ان کو توڑا اور ان کو گرا دیا۔

میں کہتا ہوں: یہ اس بات کی شرح ہے جسے امام بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عباس سے ذکر کیا ہے۔ فرمایا: وہ بت جو قوم

نوح علیہ السلام میں تھے عرب کے ہوگئے ان کی عبادت کی جاتی تھی۔ وڈ کلب کے لیے دومۃ الجندل میں تھا۔ سواع ہذیل کے لیے تھا۔ یغوث مراد پھر بنی غطیف کے لیے جرف میں سباء کے پاس تھا۔ یعوق ہمدان کے لیے تھا۔ نسر حمیر کے لیے آل ذی الکلاع کے لیے تھا۔ فرمایا: یہ قوم نوح کے نیک لوگوں کے نام تھے اور وہ ذکر جو پیچھے گزرا ہے۔ [1]

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرٍ الْخُزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ - وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ» [2]

''میں نے عمرو بن عامر بن لحی الخزاعی کو دیکھا وہ جہنم میں اپنی انتڑیاں گھسیٹتا تھا اور یہ پہلا شخص تھا جس نے سائبہ بنایا'' دیگر لفظ ہیں اور ''دین ابراہیم علیہ السلام کو بدل دیا۔''

ابن اسحاق کہتے ہیں: مجھے محمد بن ابراہیم بن الحرث التیمی نے بیان کیا، ابوصالح السمان نے ان کو بتایا، انہوں نے حضرت ابوہریرہ کو کہتے ہوئے سنا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ اکثم بن جون الخزاعی کو فرما رہے تھے:

«يَا أَكْثَمُ رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ لُحَيِّ بْنِ قَمْعَةَ بْنِ خِنْدِفٍ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ، فَمَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَشْبَهَ بِرَجُلٍ مِنْكَ بِهِ، وَلَا بِهِ مِنْكَ، فَقَالَ أَكْثَمُ: عَسٰى أَنْ يَضُرَّنِي شَبَهُهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: لَا، إِنَّكَ مُؤْمِنٌ وَهُوَ كَافِرٌ، إِنَّهُ كَانَ أَوَّلَ مَنْ غَيَّرَ دِينَ إِسْمَاعِيلَ، فَنَصَبَ الْأَوْثَانَ، وَبَحَّرَ الْبَحِيرَةَ، وَسَيَّبَ السَّائِبَةَ، وَوَصَلَ الْوَصِيلَةَ، وَحَمَى الْحَامِ» [3]، [4]

''اے اکثم! میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف کو دیکھا وہ جہنم میں اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا تھا۔ میں نے تیری اس کے ساتھ اور اس کی تیرے ساتھ مشابہت سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ اکثم نے کہا: قریب ہے کہ اے اللہ کے پیغمبر! اس کی مشابہت مجھ کو نقصان دے۔ فرمایا: نہیں۔ تو مؤمن ہے اور وہ کافر۔ اس نے سب سے پہلے حضرت اسماعیل کا دین بدلا، بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام بنائے۔''

ابن ہشام کہتے ہیں: مجھے بعض اہل علم نے بیان کیا: عمرو بن لحی مکہ سے شام کی طرف اپنے کسی کام کے لیے نکلا۔ جب ارض بلقاء میں مآرب میں کے مقام پر۔ وہاں ان دونوں عمالیق بادشاہ تھے جو عملاق بن لاوذ بن سام بن نوح کی اولاد سے تھے۔ ان کو دیکھا وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے کہا یہ کیا بت ہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو؟ وہ بولے؟ ہم ان بتوں سے بارش طلب کرتے ہیں۔ یہ ہم کو بارش دیتے ہیں۔ ہم ان سے مدد طلب کرتے ہیں۔ یہ ہماری مدد کرتے ہیں، کہا: کیا تم مجھ کو ان میں سے ایک بت نہیں دیتے؟ میں اس کو لے کر سرزمین عرب میں چلا جاؤں وہ اس کی عبادت کریں؟ انہوں نے اس کو ایک بت دے دیا جس کو ہبل کہا جاتا تھا۔ وہ اسے لے کر مکہ آ گیا اس کو گاڑ دیا اور لوگوں کو اس کی عبادت اور تعظیم کا حکم دیا۔

ہشام کہتے ہیں: مجھے میرے باپ وغیرہ نے بتایا کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب مکہ میں رہے وہاں ان کی اولاد ہوئی۔ حتیٰ کہ مکہ

---

[1] دیکھیے: فتح الباری، ج: ۸، ص: ٦٦٩۔

[2] صحیح بخاری، ج: ٤، ص: ١٦٠؛ صحیح مسلم، ج: ٢، ص: ٦٢٢، حدیث: ٩/ ٩٠٤۔

[3] ان چاروں کی وضاحت کے لیے سورۃ المائدۃ آیت ۱۰۳ کی تفسیر دیکھیے (مترجم) [4] مسند امام احمد، ج: ٣، ص: ٣١٨۔

بھر گیا۔ وہاں سے انہوں نے عمالیق کو نکال دیا۔ ان پر مکہ تنگ ہو گیا۔ ان کے مابین جنگیں اور عداوتیں واقع ہوئیں۔ ایک دوسرے کو نکال دیا۔ وہ دیگر علاقوں میں طلب معاش کے لیے نکل گئے۔ ان کو بتوں اور پتھروں کی عبادت پر اس بات نے آمادہ کیا تھا کہ مکہ سے جو بھی مسافر سفر کر جاتا۔ وہ اپنے ساتھ حرم کے پتھروں میں سے ایک پتھر حرم کی تعظیم کے لیے لے جاتا۔ نیز مکہ کی محبت میں۔ وہ جہاں ٹھہرتے اسے رکھتے اس کا طواف کرتے جیسے وہ بیت اللہ کا طواف کرتے۔ بیت اللہ کی محبت اور اس کی عقیدت میں یہ کرتے۔ وہ اس کے باوجود بیت اللہ اور مکہ کی تعظیم کرتے۔ حضرت ابراہیم کی وراثت پر وہ حج وعمرہ کرتے۔ وہ پتھروں کی عبادت کرنے لگے۔ وہ اس راہ پر چلے جس پر ان سے قبل اقوام تھیں۔ حضرت ابراہیم واسماعیل کے عہد سے لوگ جن کی عبادت کرتے تھے انہوں نے وہ نکالے وہ ان کے ساتھ بیت اللہ کی تعظیم اور طواف کی عبادت انجام دیتے۔ حج، عمرہ، وقوف عرفہ اور مزدلفہ کا عمل کرتے۔ جانوروں کی قربانیاں دیتے۔ نزار کے لوگ اپنے لبیک میں اس طرح کہتے۔

لبیک اے اللہ لبیک، لبیک تیرا کوئی شریک نہیں۔ ہاں تیرا ایک شریک ہے تو اُس کا مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے۔

سب سے پہلے جس نے دین اسماعیل علیہ السلام کو بدلا۔ بتوں کو مقرر کیا، صائبہ، وسیلہ اور حام بنایا وہ عمر بن ربیعہ تھا جو لحی بن حارثہ بن عمرو بن عامر الازدی ہے۔ جو ابوخزاعہ ہے۔ عمرو کی ماں فہیرہ بنت عامر بن الحارث تھی۔ حارث ہی کعبہ کے امور کا ذمہ دار تھا۔ جب عمرو بن لحی بالغ ہوا اس نے ولایت کعبہ کے متعلق اس سے جھگڑا کیا۔ بنی اسماعیل سے جرہم کے ساتھ لڑائی میں ان پر کامیابی پائی، ان کو کعبہ سے نکال دیا۔ ان کو مکہ کے بلاد سے جلا وطن کر دیا، کعبہ کے پردے/ خدمت کا ذمہ دار بن گیا۔ پھر وہ شدید بیمار ہو گیا۔ اسے بتایا گیا کہ بلقاء نامی مقام ملک شام میں ایک چشمہ ہے۔ اگر تم وہاں جاؤ ٹھیک ہو جاؤ گے۔ وہ وہاں گیا۔ اس میں غسل کیا وہ ٹھیک ہو گیا۔ اس نے وہاں کے لوگوں کو بتوں کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔ کہا: یہ کیا ہیں؟ وہ کہنے لگے: ہم ان سے بارش طلب کرتے ہیں۔ ان سے دشمن پر مدد طلب کرتے ہیں۔ اس نے درخواست کی کہ مجھے بھی ان میں سے ایک دے دو۔ وہ اسے لے کر مکہ آ گیا اور اسے وہاں نصب کر دیا۔

عرب نے بت پکڑ لیے۔ سب سے قدیم مناۃ ہے۔ یہ قدید میں مشلّل کی جانب مکہ اور مدینہ کے مابین ساحل سمندر پر نصب تھا۔ سب عرب اس کی تعظیم کرتے تھے۔ اوس، خزرج، جو بھی مدینہ، مکہ میں اترتا اور ان کی قریب جگہوں میں وہ اس کی تعظیم کرتے، اس کے لیے ذبح کرتے، اس کے لیے قربانی کرتے۔ اوس اور خزرج سے بڑھ کر اس کی تعظیم کرنے والا کوئی نہیں تھا۔

ہشام کہتے ہیں: ہمیں قریش کے ایک آدمی نے ابوعبیدۃ بن عبداللہ بن ابوعبیدۃ بن محمد بن عمار بن یاسر سے بیان کیا۔ کہتے ہیں: اوس، خزرج، ان کے قریب کے اہل یثرب عرب وغیرہ حج کرتے۔ لوگوں کے ساتھ تمام جگہوں پر شامل ہوتے۔ لیکن اپنے سر نہ منڈواتے جب وہ نکلتے، وہاں آتے، وہاں اپنے سر منڈواتے، اس کے پاس ٹھہرے رہتے۔ اس کے بغیر وہ اپنے حج کو پورا نہیں سمجھتے تھے۔

مناۃ ھذیل اور خزاعہ کا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو بھیجا، انہوں نے اس کو گرا دیا۔

پھر انہوں نے طائف میں لات بت پکڑا۔ یہ مناۃ سے نیا تھا۔ یہ چار کونوں والی ایک چٹان تھی اس کے خدام ثقیف سے

تھے۔انہوں نے اس پر عمارت بنائی تھی۔قریش اور سب عرب اس کی تعظیم کرتے تھے۔اسی سے عرب لوگ اپنے بچوں کے زید اللات اور تیم اللات نام رکھتے تھے۔یہ اس جگہ تھا جہاں آج مسجد طائف کا بایاں منارہ ہے۔یہ ہمیشہ یوں ہی رہا۔حتیٰ کہ ثقیف مسلمان ہوگئے۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا۔انہوں نے اسے گرایا اور اسے آگ سے جلا دیا۔پھر انہوں نے عزیٰ پکڑا۔یہ لات اور مناۃ سے نیا تھا۔اسے ظالم بن سعد نے بنایا تھا یہ ذات عرق سے اوپر وادی نخلہ میں تھا۔انہوں نے اس پر ایک گھر بنایا تھا۔وہ اس سے آواز سنتے تھے۔

ہشام کہتے ہیں: مجھے میرے باپ نے بواسطہ ابوصالح حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے۔فرمایا: عزیٰ ایک شیطانہ تھی۔وہ بطن نخلہ میں ببول کے تین درختوں میں آتی تھی۔جب مکہ فتح ہوا آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو بھیجا۔فرمایا: تم بطن نخلہ میں جاؤ۔وہاں تم ببول کے تین درخت پاؤ گے۔تم پہلے کو ہلاؤ۔وہ وہاں گئے اس کو ہلایا۔جب آپ ﷺ کے پاس آئے فرمایا: کیا تم نے کوئی چیز دیکھی ہے؟ کہا نہیں۔فرمایا: دوسرے کو ہلاؤ۔وہ وہاں آگئے اسے ہلایا۔پھر نبی ﷺ کے پاس آئے۔فرمایا: کیا تو نے کوئی چیز دیکھی ہے؟ کہا: نہیں۔فرمایا: تیسرے کو ہلاؤ وہ اس کے پاس گئے۔وہاں ایک حبشی عورت تھی۔اس کے بال بکھرے ہوئے اپنے ہاتھوں کو دا ہنے کندھوں پر رکھے ہوئے تھی۔وہ اپنی داڑھیں کھولتی تھی۔اس کے پیچھے اس کا مجاور تھا۔حضرت خالد نے کہا۔

اے عزّیٰ تیرا انکار ہے اور تیری پاکیزگی نہیں ہے، میں نے دیکھا ہے کہ اللہ نے تجھے رُسوا کیا ہے۔

پھر اس کو مارا حتیٰ کہ اس کا سر پھوڑ دیا۔اچانک وہ ایک کوئلہ بن گئی تھی۔پھر درخت کو ہلایا اور مجاور کو ہلاک کر دیا۔پھر نبی ﷺ کے پاس گئے۔آپ ﷺ کو خبر دی۔فرمایا: وہی عزیٰ تھی۔اس کے بعد عرب کے لیے کوئی عزیٰ نہ ہوگی۔

ہشام کہتے ہیں: قریش کے لیے کعبہ کے اندر اور اس کے گرد کچھ بت تھے۔ان کے ہاں ان میں سے بڑا ہبل تھا۔مجھے جو خبر پہنچی ہے: وہ سرخ عقیق کا تھا۔انسان کی صورت میں تھا، جس کا دایاں ہاتھ ٹوٹا تھا۔قریش نے اسے اسی طرح پایا تھا۔اس کا ہاتھ سونے کا بنا دیا تھا۔اس کو سب سے پہلے خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر نے نصب کیا تھا۔یہ کعبہ کے اندر تھا۔اس کے آگے تیر رکھے تھے۔ایک پر ''صریح'' اور دوسرے پر ''ملصق'' لکھا تھا۔اگر کسی بچے کے بارے میں ان کو شک ہوتا وہ اس کے لیے ہدیہ دیتے۔پھر تیر مارتے اگر صریح نکالتے اس کو (نسب میں) ملاتے اور اگر ملصق نکلتا اس کو دور کر دیتے تھے۔

وہ جب کسی بات میں جھگڑا کرتے یا سفر کا ارادہ کرتے وہ اس کے پاس تیروں سے قسمت آزمائی کرتے تھے۔اسی کے متعلق ابوسفیان نے احد کے دن کہا تھا: ہبل بلند ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا تم کہو: اللہ اعلیٰ اور اجل ہے۔

ان اہل عرب کے اساف اور نائلہ بت بھی تھے:

ہشام کہتے ہیں: مجھے کلبی نے بواسطہ ابوصالح حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے: اساف جرہم کا ایک مرد تھا۔جسے اساف بن یعلیٰ کہا جاتا تھا۔نائلہ بنت زید بھی جرہم سے تھی۔وہ ارض یمن میں اس سے عشق کرتا تھا۔وہ حج کرنے کے لیے آئے۔وہ دونوں کعبہ میں داخل ہوئے۔انہوں نے لوگوں کی کم توجہ اور بیت اللہ میں خلوت پائی۔اس نے بیت اللہ میں اس کے ساتھ بدکاری

کی۔ وہ دونوں مسخ ہو کر پتھر بن گئے۔ لوگوں نے صبح کی تو ان دونوں کو پتھروں میں مسخ دیکھا۔ ان دونوں کو نکالا۔ ان کو ان کی جگہ پر رکھ دیا۔ خزاعہ قریش اور جو لوگ بھی اس کے بعد بیت اللہ کے حج کو آتے وہ ان دونوں کی عبادت کرتے۔

ہشام کہتے ہیں: جب یہ دونوں پتھر میں مسخ کیے گئے۔ ان کو کعبہ کے پاس رکھا گیا تا کہ لوگ ان سے نصیحت پکڑیں۔ جب ان کا یہاں ٹھہرنا لمبا ہو گیا۔ بتوں کی عبادت کی جانے لگی ان دونوں کی بھی ان کے ساتھ عبادت کی جانے لگی۔ ان میں سے ایک کعبہ کے ساتھ جڑا پڑا تھا دوسرا زمزم کی جگہ پر تھا۔ جو کعبہ کے ساتھ جڑا پڑا تھا اسے قریش نے اٹھا کر دوسرے کے ساتھ رکھ دیا۔ وہ ان دونوں کے پاس جانور ذبح کرتے اور قربانیاں کرتے تھے۔

ان بتوں میں سے ایک ذوالخلصہ بھی تھا۔ یہ سفید پتھر تھا۔ اس پر تاج کی طرح ایک نقشہ بنا ہوا تھا۔ اس کے لیے مکہ اور یمن کے مابین مکہ سے سات راتوں کی مسافت پر ایک گھر بنایا گیا۔ خثعم اور بجیلہ اس کی تعظیم کرتے، اس کے لیے قربانی کرتے تھے رسول اللہ ﷺ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا: کیا تم مجھے ذی الخلصہ سے کفایت نہ کرو گے۔ وہ اس کی طرف احمس کے بہادروں کے ساتھ گئے، خثعم اور باہلہ نے ان سے لڑائی کی لیکن یہ ان پر کامیاب ہو گئے۔ ذی الخلصہ کا گھر گرا دیا، اس میں آگ بھڑکا دی، پس وہ جل گیا۔

دوس کا بھی ایک بت تھا جسے ''ذوالکفین'' کہا جاتا تھا۔ جب وہ لوگ مسلمان ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت طفیل بن عمرو کو بھیجا انہوں نے اس کو جلا دیا۔

بنو الحارث بن یشکر کا بھی ایک بت تھا جسے ''ذوالشری'' کہا جاتا تھا۔ قضاعہ، لخم، جذام، عاملہ اور غطفان کا ایک بت مشارف نامی جگہ پر شام میں تھا اسے ''اقیصر'' کہا جاتا تھا۔

مزینہ کا ایک بت تھا اسے نہم کہا جاتا تھا۔ اسی سے عبد نہم نام رکھا جاتا تھا۔

عنزہ کا ایک بت تھا جسے سعیر کہا جاتا تھا۔

طیی کا ایک بت تھا جسے فلس کہا جاتا تھا۔

مکہ کے ہر محلہ والوں کا ایک بت تھا۔ جو لوگ محلہ میں ہوتے وہ اس کی عبادت کرتے تھے۔ جب کوئی سفر کا ارادہ کرتا۔ آخری کام اپنے گھر میں یہ کرتا کہ وہ اس بت کو ہاتھ لگاتا، اور اگر اپنے سفر سے آتا، گھر میں داخل ہو کر اول کام یہ کرتا کہ اسے ہاتھ لگاتا۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: خولان کا ایک بت تھا اس کو ''عم انس'' کہا جاتا تھا یہ ارض خولان میں ہی تھا۔ وہ اس کے لیے اپنے جانوروں اور کھیتوں سے حصہ تقسیم کرتے۔ اپنے خیال میں اللہ اور اس کے درمیان تقسیم کرتے۔ عم انس کے حق سے جو اللہ کے حق میں داخل ہو جاتا اسے وہ لوٹاتے تھے۔ جو انہوں نے اللہ کا حق مقرر کیا ہوتا اس سے بت کے حق میں کچھ داخل ہو جاتا وہ اسے یونہی چھوڑ دیتے تھے۔ انہی کے بارے میں اللہ پاک نے یہ آیت اتاری:

﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ (الانعام:١٣٦)

''اور انہوں نے کر دیا اللہ کے لیے ایک حصہ اس سے جو اس نے کھیت اور چوپائے بنائے۔ وہ اپنے زعم سے کہنے لگے: یہ اللہ کے لیے اور یہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے۔ پس جو ان کے شرکاء کے لیے ہوتا وہ اللہ کی طرف نہ پہنچتا تھا اور جو اللہ کے لیے ہوتا تو وہ ان کے شرکاء کی طرف پہنچتا تھا برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے تھے۔''

ابن اسحاق کہتے ہیں: بنوملکان بن کنانہ بن مدرکہ کا ایک بت تھا۔ جسے سعد کہا جاتا تھا وہ صاف زمین پر لمبا پتھر تھا۔ بنی ملکان کا ایک آدمی بکھرے اونٹ جمع کر کے وہاں لایا۔ تاکہ اپنے زعم میں اس سے برکت پالے۔ جب اونٹوں نے اس کو دیکھا۔ اس پر خون بہایا جاتا تھا۔ وہ اس سے بدکے۔ ہر طرف کو بھاگے۔ ان کا مالک غصہ میں آیا۔ ایک پتھر پکڑا اور اسے دے مارا پھر کہا: اللہ تجھے برکت نہ دے تو نے میرے اونٹ بھگا دیے پھر ان کی طلب میں نکلا حتیٰ کہ ان کو اکٹھا کر لیا۔ اور شعر کہا۔

ہم سعد کے پاس آئے تاکہ وہ ہمارے بکھرے کو جمع کرے، اُس نے ہمیں بکھیر دیا پس ہم سعادت مند نہ ہوئے۔ سعد تنوفہ مقام پر پتھر کی ایک چٹان کے سوا کیا ہے؟ نہ وہ بری راہ دکھاتا ہے اور نہ اچھی راہ۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: عمرو بن الجموح بنوسلمہ کے سرداروں میں سے ایک سردار، ان کے عزت داروں میں سے ایک عزت دار تھا۔ اس نے اپنے گھر میں لکڑی کا ایک بت رکھا تھا۔ اسے مناۃ کہا جاتا تھا۔ جب بنوسلمہ کے کچھ جوان معاذ بن جبل، ان کے بیٹے معاذ بن عمرو وغیرہ مسلمان ہو گئے تھے اور عقبہ کی بیعت میں بھی شامل تھے۔ وہ رات کو عمرو کے اس بت کی طرف نکلتے۔ اسے اٹھاتے۔ اس کو بنوسلمہ کے کسی گھڑے میں پھینک آتے تھے۔ اس میں لوگوں کی گندگیاں بھی ہوتی تھیں۔ اس کا سر الٹا ہوتا تھا۔ جب عمرو صبح کرتا کہتا: تم پر افسوس! ہمارے الٰہ پر آج رات کس نے زیادتی کی ہے؟ کہتے ہیں: پھر اس کو ڈھونڈھنے نکلتا۔ حتیٰ کہ اسے پالیتا، اسے دھوتا، اسے پاک اور صاف کرتا پھر کہتا: اللہ کی قسم! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تیرے ساتھ یہ کس نے کیا۔ میں اس کو ضرور رسوا کروں گا۔

جب شام ہوتی وہ سوتا۔ وہ آتے اس کے بت کے ساتھ اسی طرح کرتے۔ وہ اس کو ڈھونڈھنے نکلتا۔ اس کو اسی طرح گندگی میں پاتا۔ اسے دھوتا، پاک اور صاف کرتا۔ پھر وہ شام کو اس کی طرف نکلتے۔ اس کے ساتھ اسی طرح کرتے تھے۔ یہ مسئلہ جب لمبا ہوا۔ ایک دن اس نے اسے نکالا۔ دھویا، پاک صاف کیا پھر ایک تلوار لایا اور اس پر لٹکا دی۔ پھر اس کو کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا تیرے ساتھ یہ کون کرتا ہے جو تو دیکھتا ہے۔ اگر تجھ میں کوئی خیر ہے تو تو بچ جا۔ یہ تلوار تیرے ساتھ ہے۔ جب شام ہوئی وہ سو گیا۔ وہ اس کی طرف نکلے۔ اس کی گردن سے انہوں نے تلوار پکڑ لی۔ پھر ایک مردہ کتا پکڑا اسے رسی سے اس کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر بنی سلمہ کے کنوؤں میں سے ایک کنویں میں اسے ڈال دیا جس میں لوگوں کی بہت گندگیاں تھیں عمرو نے صبح کی، اس کو اس جگہ نہ پایا جہاں ہوتا تھا۔ وہ اس کو ڈھونڈھنے نکلا۔ حتیٰ کہ اسے کنویں میں الٹا پایا۔ اس کے ساتھ مرا کتا بندھا تھا۔ جب اس کو دیکھا۔ اُسے معاملہ پر بصیرت آ گئی۔ جو اس کی قوم سے مسلمان ہوئے تھے ان سے گفتگو کی تو وہ مسلمان ہو گیا اور اس کا اسلام اچھا ہو گیا۔ جب وہ مسلمان ہو گیا، اللہ کی معرفت حاصل کی، وہ اپنے اس بت کے ذکر میں جو کچھ معاملہ دیکھا اور اللہ تعالیٰ کے شکر میں جو اس نے اسے اندھے پن اور گمراہی سے ہدایت دی، تھی کہنے لگا اللہ کی قسم! اگر تو الٰہ ہوتا، تو تو اور کتا کنویں کے اندر اکٹھے نہ پڑے ہوتے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: ہر گھر والوں نے اپنے گھر میں عبادت کے لیے ایک بت پکڑ لیا۔ جب ان کا کوئی شخص سفر پر جاتا اس کو چھو کر جاتا۔ جب سفر سے واپس آتا اس کو چھوتا۔ اس کا اول تعلق اس سے اور آخر تعلق بھی اس سے ہوتا تھا۔ جب اللہ نے حضرت محمد ﷺ کو توحید کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ قریش کہنے لگے:

﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ ﴾ (ص:۵)

''کیا اس نے الٰہوں کو ایک الٰہ بنا دیا ہے؟ بے شک یہ چیز تو ضرور بڑی عجب ہے۔''

عرب کے لوگوں نے کعبہ کے ساتھ طاغوت پکڑ رکھے تھے۔ وہ کچھ گھر بنائے گئے تھے جن کی وہ تعظیم کعبہ کی سی کرتے تھے۔ ان کے دربان اور خادم بھی ہوتے تھے۔ ان کے لیے کعبہ کی طرح قربانیاں دی جاتی تھیں ان کا کعبہ کی طرح طواف کیا جاتا تھا۔ ان کے ہاں کعبہ کی طرح اونٹ قربان کیے جاتے تھے۔ جب آدمی سفر کرتا ایک جگہ پر رکتا۔ چار پتھر پکڑتا۔ ان میں سے جسے اچھا دیکھتا اس کو رب بنالیتا۔ تین کا اپنی ہنڈیا کے نیچے چولہا بنالیتا۔ جب کوچ کرتا اسے چھوڑ دیتا جب اور منزل پر رکتا اسی طرح کرتا تھا۔

حنبل کہتے ہیں: ہمیں حسن بن ربیع نے بواسطہ مہدی بن میمون ابو رجاء العطاردی سے بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں: جب نبی ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔ ہم نے آپ ﷺ کے بارے میں سنا تو ہم مسلیمہ کذاب کو جا ملے۔ ہم تو آگ/جہنم کو جا ملے۔ ہم جاہلیت میں پتھروں کی عبادت کرتے تھے۔ جب ہم کوئی اچھا پتھر پاتے پہلے کو پھینک دیتے، اسے اٹھا لیتے۔ اگر ہم پتھر نہ پاتے مٹی کا ایک ڈھیر ہاتھوں سے بناتے۔ پھر ہم بکری لاتے اس پر اس کا دودھ دھوتے۔ پھر ہم اس کا طواف کرتے تھے۔

ابو رجاء ہی کہتے ہیں: ہم ریت کا ارادہ کرتے، اسے جمع کرتے، اس پر دودھ دھوتے۔ پس ہم اس کی عبادت کرتے تھے۔ ہم سفید پتھر کا ارادہ کرتے ہم اس کی ایک زمانہ تک عبادت کرتے پھر ہم اسے پھینک دیتے تھے۔

ابوبکر بن ابی شیبہ نے بواسطہ یزید بن ہارون، الحجاج بن ابی زینب حضرت ابوعثمان النہدی سے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ہم جاہلیت میں ایک پتھر کی عبادت کرتے تھے ہم نے ایک منادی کو ندا کرتے ہوئے سنا: اے گھروں والو! تمہارا رب گم ہو گیا ہے۔ پس تم کوئی اور رب تلاش کرلو۔ کہتے ہیں: ہم ہر تنگ اور آسان گھاٹی پر نکلے۔ ہم اسی طرح اس کو ڈھونڈھ رہے تھے کہ اچانک ایک منادی ندا کرنے لگا۔ ہم نے تمہارا رب یا اس کے مشابہ پتھر پالیا ہے۔ اچانک وہ ایک پتھر تھا۔ پس ہم نے اس پر اونٹ قربان کیے۔

محمد بن سعد بواسطہ محمد بن عمر، حجاج بن صفوان، ابن ابی حسین، شہر بن حوشب حضرت عمرو بن عبسۃ سے بیان کرتے ہیں فرماتے ہیں: میں پتھروں کی عبادت کرنے والوں میں سے تھا۔ ایک قبیلہ اگر اترتا ان کے پاس الٰہ نہ ہوتا۔ ان کا کوئی آدمی نکلتا، چار پتھر لاتا۔ تین کو وہ اپنی ہنڈیا کے لیے کھڑا کر دیتا اور ان میں سے اچھے کو عبادت کے لیے الٰہ بنالیتا تھا۔ پھر اگر کوچ کرنے سے پہلے اس سے کوئی اچھا پتھر مل جاتا اسے چھوڑتا اور دیگر کو پکڑ لیتا تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ کو فتح کیا۔ بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بتوں کو پایا۔ آپ اپنی کمان کی لکڑی ان کے چہروں اور آنکھوں پر مارتے اور فرماتے تھے:

﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ ﴾ (الاسراء:۸۱)

''کہہ دیجیے حق آ گیا اور باطل چلا گیا۔ بے شک باطل جانے والا ہے۔''

وہ اپنے سروں کے بل گرنے لگے۔ پھر آپ نے ان کے متعلق حکم دیا ان کو مسجد سے نکالا گیا اور انہیں جلا دیا گیا۔

فصل: بت پرستی کی وجوہات

شیطان کے مشرکین کے ساتھ بتوں کی عبادت کے ذریعے کھیلنے کے کئی اسباب ہیں۔ وہ ہر قوم کے ساتھ ان کی عقلوں کے بقدر کھیلا۔ ایک قوم کو اس نے اس کی دعوت مرنے والوں کی تعظیم کے سبب سے دی۔ جنہوں نے یہ صورتیں ان کی صورتوں پر بنائیں۔ جیسے قوم نوح کے متعلق گزر چکا ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے قبروں پر سجدہ گاہ بنانے والوں اور ان پر چراغ جلانے والوں پر لعنت کی ہے، آپ ﷺ نے قبور کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے روکا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے پروردگار پاک سے درخواست کی کہ آپ ﷺ کی قبر کو بت نہ بنایا جائے جس کی عبادت کی جائے۔ آپ نے اپنی اُمت کو منع فرمایا کہ وہ آپ کی قبر کو میلہ گاہ بنائیں اور فرمایا: اللہ کا غضب اس قوم پر شدید ہوا۔ جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ آپ نے قبروں کو برابر کرنے اور مورتیوں کو مٹانے کا حکم دیا۔

مشرکوں نے نہ مانا۔ اس سب میں مخالفت کی یا جہالت کی وجہ سے یا اہل توحید سے عناد کی وجہ سے۔ اس کا ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ عوام مشرکین پر یہ سبب ہی غالب رہا۔ رہے ان کے خواص تو انہوں نے اپنے زعم میں ان کو جہان میں اثر کرنے والے ستاروں کی صورتوں میں پکڑا۔ ان کے گھر، مجاور اور دربان بنائے۔ ان کے لیے حج اور قربانی مقرر کی۔ یہ عمل دنیا میں پرانے اور نئے ہمیشہ ہی رہے ہیں۔

اس طرح کا ایک گھر اصبھان کی پہاڑی کی چوٹی پر ہے۔ یہاں پر بت تھے کسی مجوسی بادشاہ نے وہ نکال دیے اور اس کو آگ کا ایک گھر/عبادت خانہ بنا دیا۔

دوسرا، تیسرا اور چوتھا گھر صنعاء میں تھا۔ اسے بعض مشرکوں نے زہرہ کے نام پر بنایا تھا، حضرت عثمان بن عفان نے اس کو خراب کر دیا تھا۔

ایک گھر قابوس بادشاہ نے سورج کے نام پر فرغانہ شہر میں بنایا تھا اسے المعتصم نے گرا دیا تھا۔ اس قسم کے شرک میں سب سے سخت قوم ہندو کی ہے۔

یحییٰ بن بشر کہتے ہیں: ہندوستان کی شریعت ان کے ایک آدمی نے بنائی تھی جسے برہمن کہا جاتا تھا۔ اس نے ان کے لیے بت مقرر کیے۔ ان کے لیے گھروں میں سے ایک بڑا گھر سندھ میں بنایا۔ اس میں ان کا بڑا بت رکھا تھا۔ اس کا گمان تھا کہ یہ بڑے ھیولی کی صورت پر ہے۔ یہ شہر حجاج کے زمانہ میں فتح ہو گیا تھا۔ اس کا نام ملتان تھا۔ مسلمانوں نے اس بت کو توڑنا چاہا۔ ان سے درخواست کی گئی اگر تم اس کو چھوڑ دو تو جو اس کے لیے مال جمع ہوتا ہے ہم ایک تہائی تم کو دیا کریں گے۔ عبدالملک بن مروان نے اس کو چھوڑنے کا حکم دے دیا۔ ہندو لوگ تقریباً دو ہزار[1] فرسخ سے آ کر بھی اس کا حج کرتے ہیں۔ جو بھی اس کے حج کے لیے آئے اس

[1] ایک فرسخ تین میل ہے۔ دو ہزار فرسخ چھ ہزار میل ہو گئے۔ (مترجم)

کے لیے ضروری ہے کہ وہ ممکن حد تک اپنے ہمراہ ضرور نقدی لائے۔ جو سو سے دس ہزار تک ہوتی تھی۔ نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ۔ وہاں ایک بڑا صندوق تھا وہ اس میں ڈال دیتے تھے۔ وہ بت کا طواف کرتے تھے۔ جب لوگ اپنے شہروں کو چلے جاتے اس مال کو تقسیم کیا جاتا۔ ایک تہائی مسلمانوں کے لیے۔ ایک تہائی شہر کی تعمیر اور قلعوں کے لیے اور ایک تہائی بت کے مجاوروں اور بت کی ضروریات کے لیے۔

اس مذہب کی اصل صابہ مشرکین سے ہے۔ یہ حضرت ابراہیم کی قوم تھی۔ آپ نے ان سے بطلان شرک پر مناظرہ بھی کیا۔ اپنے علم سے ان کی حجت کو توڑا، اپنے ہاتھ سے ان کے معبودوں کو توڑا، تو انہوں نے آپ کو جلانے کا مطالبہ کیا۔

یہ دنیا میں ایک قدیم مذہب ہے۔ اس کے ماننے والے مختلف گروہ ہیں۔

بعض سورج کے پجاری ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ یہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے۔ اس کے لیے نفس اور عقل ہے۔ یہ چاند اور ستاروں کے نور کی اصل ہے۔ نیچے کی سب موجودات ان کے خیال میں اس سے ہی پیدا ہوئی ہیں۔ یہ ان کے ہاں فلک کا بادشاہ ہے۔ یہ تعظیم، دعا اور سجود کا مستحق ہے۔

ان کی اس عبادت میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس کا ایک بت بنایا۔ جس کے ہاتھ میں آگ کے رنگ کا ایک جوہر ہے۔ اس کا ایک خاص گھر ہے جو اس کے نام پر انہوں نے بنایا ہے۔ اس کے لیے بہت سے اوقاف مقرر کی ہیں۔ کئی بستیاں، زمینیں اور جائیدادیں ہیں۔ اس کے دربان، نگہبان اور مجاور بھی ہیں۔ وہ دن میں تین مرتبہ یہاں آتے ہیں۔ اس کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔ مصائب والے آتے ہیں۔ وہ اس بت کے لیے روزہ رکھتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ دعا کرتے ہیں، اس سے بارش طلب کرتے ہیں۔ جب سورج طلوع ہو، جب غروب ہو اور جب آسمان کے درمیان میں آئے وہ سب اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ اس لیے ان تین وقتوں میں شیطان اس کے ساتھ مل جاتا ہے تاکہ سورج کی عبادت اور سجدہ اس کے لیے ہو جائے۔ اس لیے نبی ﷺ نے ان اوقات کا قصد کر کے نماز سے منع فرمایا ہے۔[1] تاکہ ظاہراً مشابہت کفار کو توڑا جائے اور حقیقت میں ذریعہ شرک اور بتوں کی پرستش کو ختم کیا جائے۔

فصل: بت پرستی کے مزید اسباب

ایک دیگر گروہ نے چاند کا ایک بت بنایا ہے۔ ان کا گمان ہے کہ یہ تعظیم اور عبادت کا مستحق ہے۔ اسی کے ہاتھ میں اس نچلے جہان کی تدبیر ہے۔

اس کے عبادت گزاروں کی شریعت سے ہے کہ انہوں نے اس کا بت ایک بچھڑے کی شکل میں بنایا ہے جسے چار ٹانگیں کھینچتی ہیں۔ بت کے ہاتھ میں ایک جوہر ہے۔ وہ اس کی عبادت کرتے ہیں، اسے سجدہ کرتے ہیں، اس کے لیے ہر ماہ میں معلوم دنوں کے روزے رکھتے ہیں۔ پھر وہ اس کے پاس کھانا، پینا، فرح اور سرور لاتے ہیں۔ جب کھانے، پینے سے فارغ ہوتے ہیں اس کے سامنے رقص، گانے اور آلات موسیقی کے سماع میں لگ جاتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری، ج: ٤، ص: ٩١؛ مسند امام احمد، ج: ٢، ص: ١٣۔

بعض بتوں کی عبادت کرتے ہیں ان کو اپنے زعم میں ستاروں کی صورتوں اور روحانیت میں بنا رکھا ہے۔ ان کے ھیاکل اور جائے عبادت بنا رکھے ہیں۔ ہر ستارے کا خاص ہیکل ہے، خاص بت ہے اور خاص عبادت ہے۔

جب تم اس پر اطلاع چاہو تو "السر المکتوم فی مخاطبة النجوم" کتاب دیکھو جو ابن خطیب الری کی طرف منسوب ہے۔ تم بتوں کی عبادت کا راز، اس عبادت کی کیفیت اور شرائط جان لو گے۔

ان سب کی اصل بتوں کی عبادت کی طرف لوٹتا ہے۔ ان کا جو طریقہ چلتا ہے خاص شکل پر خاص شخص سے ہے وہ اسے دیکھتے ہیں اور اس پر جھکتے ہیں۔

اسی سے روحانیات اور ستاروں والوں نے کچھ بت پکڑے اور گمان کیا کہ یہ ان کی صورتوں پر ہیں۔ بت کا بنانا تو ایک معبود غائب کی شکل پر ہوتا ہے۔ انہوں نے بت کو اس کی شکل اور ہیئت پر بنایا تاکہ وہ اس کا نائب اور اس کا قائم مقام ہو جائے۔ ورنہ یہ بات تو معلوم ہے کہ عقلمند اپنے ہاتھ سے لکڑی یا پتھر کا بت نہیں تراشتا۔ پھر اعتقاد رکھے کہ یہ اس کا الٰہ اور معبود ہے۔ ان کی عبادت کے اسباب سے یہ بھی ہے کہ شیاطین ان میں داخل ہو جاتے ہیں۔ وہاں سے ان کے ساتھ بات کرتے ہیں۔ ان کو بعض غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔ ان کو بعض مخفی باتوں پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ شیاطین کو دیکھتے نہیں۔ جاہل اور عام لوگ سمجھتے ہیں کہ بت خود ہی بول رہا ہے۔ بات کر رہا ہے۔ ان کے عقلاء کہتے ہیں: یہ بتوں کی روحانیات/ روحیں ہیں۔

بعض کہتے ہیں: یہ ملائکہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں: یہ مجرد عقلیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں: یہ اوپری جہان کے اجسام کی ارواح ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگ جو کچھ ہوا ہے اس متعلق سوال ہی نہیں کرتے۔ بلکہ جب بت سے کوئی بات سنتے ہیں اسے الٰہ بنا لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی سوال نہیں کرتے۔ بہر حال! اکثر اہل ارض بتوں اور وثنوں کی عبادت کے فتنہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس سے صرف حنفاء، ملت ابراہیم علیہ السلام کے پیرو ہی بچ پائے ہیں۔ زمین میں ان کی عبادت حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے پہلے سے ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ان کے ہیاکل، اوقاف، مجاور، خادم، ان کی عبادت میں لکھی گئی کتب نے زمین بھر دی ہے۔

حنفا کے امام (حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے کہا:

﴿وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ﴾ (ابراھیم: ۳۵، ۳۶)

"اور مجھ کو بچا اور میری اولاد کو کہ ہم بتوں کی عبادت کریں، اے میرے ربّ انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔"

اللہ نے جن اقوام کو مختلف ہلاکتوں سے ہلاک کیا۔ وہ سب بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ جیسے اللہ نے ان کے متعلق قرآن میں یہ بیان کیا ہے۔ پیغمبروں اور ان کے اتباع موحدین کو نجات دی۔ ان کی کثرت اور یہ کہ یہ سب زمین والوں میں زیادہ ہیں اس کی معرفت میں یہی کافی ہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت ہے کہ:

«أَنَّ بَعْثَ النَّارِ مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعُمِائَةٍ وَتِسْعُوْنَ»

"جہنم میں بھیجے جانے والے ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے ہوں گے۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاَبٰۤی اَکۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوۡرًا﴾ (الاسراء: ۸۹)

''اکثر لوگوں نے انکار کیا مگر کفر ہی۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یُضِلُّوۡکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ﴾ (الانعام:۱۱۶)

''اور اگر تم زمین والوں سے اکثر کی پیروی کرو گے وہ تم کو اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَاۤ اَکۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ﴾ (یوسف:۱۰۳)

''اور نہیں ہیں اکثر لوگ گو تم حرص رکھو ایمان لانے والے۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا وَجَدۡنَا لِاَکۡثَرِہِمۡ مِّنۡ عَہۡدٍ ۚ وَاِنۡ وَّجَدۡنَاۤ اَکۡثَرَہُمۡ لَفٰسِقِیۡنَ﴾ (الاعراف:۱۰۲)

''اور ہم نے ان میں سے اکثر کا عہد نہیں پایا اور ہم نے بلاشبہ ان میں سے اکثر کو ضرور فاسق پایا ہے۔''

اگر عبادت اصنام کا فتنہ بڑا نہ ہوتا۔ ان کے پجاری ان کے لیے اپنی جان، اموال اور بچے قربان کرنے کا اقدام نہ کرتے۔ وہ اپنے بھائیوں کا مر کر گرنا اور ان کے مصائب کو دیکھتے ہیں، اس سے ان کی محبت اور تعظیم بڑھتی جاتی ہے۔ وہ ایک دوسرے کو اس پر صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ مختلف اقسام کی تکالیف کی برداشت ان کی نصرت اور عبادت میں کرتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کی خبریں سنتے ہیں جو ان کی عبادت میں آزمائے گئے۔ ان پر کونسی جلد مصیبتیں اتریں۔ لیکن یہ باتیں ان کو عبادت سے نہ روکتی تھیں۔

عبادت اصنام کا فتنہ: صورتوں کے عشق کے فتنہ اور ان سے بدکاری کے فتنہ سے شدید تر ہے۔ عاشق کو دنیا کی سزا اور آخرت کی سزا کے ڈر سے کوئی بات مراد سے نہیں روکتی۔ وہ ایسے لوگوں کی مصیبتیں، دکھ، سزائیں، مار، قید عبرت اور محتاجی دیکھتا ہے۔ یہ اس کے علاوہ ہے جو اللہ نے اس کے لیے آخرت اور برزخ میں سزا تیار کی ہے۔ یہ بات اس کو مزید اقدام پر، اپنی حاجت کے وصول اور کامیابی پر آگے بڑھاتی ہے۔

عبادت اصنام کا فتنہ بھی ایسا ہے اور شدید ترین ہے۔ دلوں کا ان کی بندگی کرنا صورتوں کی بندگی سے کہیں بڑھ کر ہے جن صورتوں سے وہ برائی چاہتا ہو۔

قرآن، بلکہ تمام کتب الٰہیہ اول تا آخر اس دین کے بطلان اور ان لوگوں کے کفر کی صراحت کرنے والی ہیں۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں۔ وہ شیطان کے ساتھی اور اس کے عبادت گزار ہیں۔ وہی جہنم والے ہیں جو اس سے نہیں نکلیں گے۔ ان پر عذاب اترے۔ ان پر سزائیں آئیں۔ اللہ پاک ان سب سے بری ہے۔ وہ اس کے سب پیغمبر اور ملائکہ بھی۔ اللہ پاک نہ ان کو بخشے گا اور نہ ان کا کوئی عمل قبول کرے گا۔ یہ بات دین حنیف سے ضروری طور پر معلوم ہے۔

اللہ عزوجل نے اپنے پیغمبر اور ان کے حنفاء اتباع کے لیے ان کے خون، اموال، عورتوں اور بچوں کو مباح کر دیا ہے۔ ان کو حکم دیا ہے کہ ان سے زمین کو پاک کر دیں وہ جہاں بھی پائے جائیں۔ ان پر ہر طرح کی مذمت کی ہے۔ ان کو بڑی اقسام کی

سزاؤں کی وعید دی ہے۔

یہ سب ایک جانب ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے سب پیغمبر دوسری جانب ہیں۔

فصل: شرک کا ایک بڑا سبب تشبیہ ہے

عبادت اصنام کے اسباب میں سے مخلوق میں غلو اور اسے اس کے مرتبہ سے زائد مرتبہ دینا بھی ہے۔ حتیٰ کہ اس میں الوہیت کا حصہ رکھ دیا گیا۔ اس کو اللہ پاک کے ساتھ تشبیہ دی۔ یہ تشبیہ امتوں کے درمیان واقع ہے۔ جسے اللہ پاک نے باطل کیا ہے۔ اس کے انکار اور ان لوگوں کے رد میں اپنے رسل کو بھیجا اور اپنی کتب کو نازل فرمایا ہے۔ اللہ پاک نفی اور نہی کرتے ہیں کہ کسی غیر کو اس کی مثل، ند اور شبہ بنایا جائے۔ اس کو دوسرے سے تشبیہ دینے کی ممانعت نہیں ہے۔ کیونکہ معروف امتوں میں سے کوئی امت نہیں مگر اس ذات پاک نے اپنے مخلوقات میں سے اس کے مثل کچھ بنایا ہے، مخلوق کو اصل بنایا خالق کو اس کے ساتھ تشبیہ دی۔ یہ بنوآدم کے گروہوں میں سے کسی گروہ میں معروف نہیں ہے۔ صرف پہلا ہی اہل شرک کے گروہوں میں معروف ہے۔ یہ جس کی تعظیم ومحبت کرتے ہیں اس سے غلو کی وجہ سے ہے۔ حتیٰ کہ اس کو خالق کے مشابہ کہہ دیا۔ اس کو الوہیت کے خصائص دے دیے۔ بلکہ صراحت سے کہا: وہ الہ ہے۔ الہوں کو ایک الہ بنانے کا رد کیا۔ وہ کہنے لگے:

﴿وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ﴾ (ص:٦)

''اور تم اپنے الہوں پر قائم رہو۔''

صراحت کی کہ وہ بھی ایک الہ اور معبود ہے۔ جس سے خوف اور امید رکھی جاتی ہے۔ اس کی تعظیم اور سجدہ کیا جاتا ہے۔ اس کے نام کی قسم کھائی جاتی ہے۔ اس کے لیے قربانی کی جاتی ہے۔ وغیرہ خصائص عبادت ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی مناسب ہیں۔

ہر مشرک اپنے الہ اور معبود کو اللہ پاک کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے۔ گو وہ اس کو ہر وجہ سے تشبیہ نہیں دیتے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اللہ پاک کی صفت نقائص اور عیوب سے بھی بتادی۔ جیسے ان کی بات ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ﴾ (آل عمران:١٨١)

''بے شک اللہ فقیر ہے۔''

اور اس فرمان سے

﴿يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ﴾ (المائدة:٦٤)

''اللہ کا ہاتھ بند ہے۔''

اور یہ کہ وہ تخلیق عالم سے فارغ ہو کر آرام کرنے لگا۔ انہوں نے اس کے لیے اولاد اور بیوی بیان کی۔ اللہ تعالیٰ اس سب سے بہت بلند ہے۔ ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ وہ مخلوق کو اصل بنادیں۔ پھر اس کے ساتھ خالق کو تشبیہ دیں۔ بلکہ ان اشیاء کے ساتھ اس کی صفت مستقل انداز میں بیان کی نہ اس قصد سے کہ غیر اس میں اصل ہو اور اللہ مشبہ ہو۔[1]

[1] تشبیہ کے چار ارکان ہوتے ہیں۔ ① مشبہ ② مشبہ بہ ③ حرف تشبیہ ④ وجہ تشبیہ۔ (مترجم)

اس لیے اللہ پاک کی ان امور سے صفت بیان کرنا سب سے بڑا باطل ہے۔ کیونکہ یہ بذات خود نقائص اور عیوب ہیں۔ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے ساتھ اس کو متصف کرنا باطل ہے جو کہ تشبیہ اور تمثیل ہے۔ جیسے بعض اہل کلام باطل کرتے ہیں۔ انہوں نے صراحت کی ہے کہ کوئی عقلی دلیل اس سے نقائص اور عیوب کی نفی پر قائم نہیں ہوتی۔ اس سے نفی تو اس کے تشبیہ اور تمثیل کو لازم کرنے کی وجہ سے ہے۔ جب ان لوگوں کو کہا انہوں نے جو اللہ پاک کی ان صفات کو بیان کرتے ہیں۔ ہم ان کو اس صورت میں ثابت کرتے ہیں جس میں وہ اپنی مخلوق کی مثل نہ ہو۔ ہم اس کے لیے فقر، بیوی اور اولاد اس صورت میں ثابت کرتے ہیں جس میں وہ اپنی مخلوق کی مثل نہ ہو۔ جیسے تم اس کے لیے علم، قدرت، حیات، سمع اور بصر ثابت کرتے ہو وہ اس میں اپنی مخلوق کی مثل نہیں ہے۔ اس میں ہمارا کہنا اس کے برابر ہے جس میں تم نے ثابت کر کے کہا ہے۔ ان کی بات کو باطل کرنا ممکن نہیں۔ وہ مناظرہ میں ان کے برابر ہوتے ہیں۔ انہوں نے ان کو دلیل دی ہے کہ نقائص اور عیوب کی نفی پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ ہم تو اس سے وہ نفی کریں گے جس کی اس نے نفی کی ہے تشبیہ اور تمثیل کی وجہ سے۔ انہوں نے اللہ کے لیے صفات کو اس انداز میں ثابت کیا جس سے تشبیہ لازم نہیں آتی تو انہوں نے یہ کہا اور اسی طرح ہم کہتے ہیں۔

جب بعض نے پہچانا کہ یہ اس کے لیے لامحالہ لازم ہے۔ اس نے دلیل اجماع کی طرف آرام ڈھونڈھا اور کہا: ہم نے اس سے نقائص اور عیوب کی نفی اجماع کی رُو سے کی ہے۔ ان کے ہاں اجماع ادلہ ظنیہ سے ہے جو یقین کا فائدہ نہیں دیتیں۔ ان لوگوں کے ہاں یقین اور قطعی بات نہیں کہ اللہ پاک نقائص اور عیوب سے منزہ ہے۔

اہل سنت کہتے ہیں: اس ذات پاک کی عیوب اور نقائص سے تنزیہ اس کی ذات کے لیے واجب ہے۔ جیسے اس کے لیے صفات کمال اور حمد ذاتی طور پر واجب ہے۔ یہ عقلوں، طبیعتوں کتب الٰہیہ اور پیغمبروں کے اقوال میں ہر چیز سے زیادہ ظاہر ہے۔

عجب ہے کہ ان لوگوں نے وہ کچھ بتایا جو اضطرار سے معلوم تھا کہ پیغمبر یہ لے کر آئے۔ انہوں نے اللہ پاک کی یہ صفت بیان کی۔ اس پر عقلوں، فطرتوں اور براہین نے دلالت کی ہے۔ انہوں نے اس کی نفی کی۔ کہنے لگے: اس کے اثبات سے تجسیم اور تشبیہ لازم آئے گی۔ ان کے لیے بالکل وہ صفت پہلے ثابت نہ ہوئی جس کو وہ اللہ پاک کے لیے ثابت کریں اور نفی کریں۔ وہ اس بات پر آئے جو اضطرار سے معلوم ہے، فطرتوں، عقلوں اور تمام کتب الٰہیہ سے کہ اللہ پاک ہر نقص اور عیب سے پاک ہے۔ انہوں نے کہا: ادلہ عقل میں کوئی ایسی بات نہیں جو اس کی نفی کرتی ہو۔ ہم تو اس کی نفی اس صورت سے کرتے ہیں جس سے ہم تشبیہ کی نفی کرتے ہیں۔ رسوائی میں اس سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔ بلکہ ان عیوب اور نقائص کا اثبات اس کے کمال مقدس کے خلاف ہے۔ اللہ پاک اس سے موصوف ہے جو ہر طرح اس کے خلاف اور نفی ہو۔ اس کی نفی ہر طرح عقلوں میں تشبیہ کی نفی سے واضح تر ہے۔ جائز نہیں ہے کہ اس کے لیے اس طرح یہ ثابت کی جائیں جس سے وہ اپنی مخلوق کے مشابہ نہ ہو۔

المقصود: کوئی امت ایسی نہیں ہے جس نے اللہ کو اس کی مخلوق کی مثل بتایا ہو۔ مخلوق کو اصل بنایا ہو پھر اس کو مشبہ بہ بنایا ہو۔ تشبیہ اور تمثیل بعض امتوں میں ہے جہاں انہوں نے اپنے بتوں اور معبودوں کو الوہیت میں مشابہ بنایا۔ یہ تشبیہ ہی عبادت اصنام میں اصل ہے۔ اس سے اور اہل کلام کے بطلان سے اعراض کیا۔ ساری توجہ اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ کے انکار میں کردی جس پر

امتوں میں سے کسی امت کو نہ جانا گیا۔انہوں نے اس میں مبالغہ کیا حتیٰ کہ اس سے صفات کمال کی بھی نفی کر دی۔

یہ مقام بہت اہم اور نافع ہے۔اسی سے فرق پہچانا جائے گا۔اس بات میں جس سے رب تعالیٰ نے اپنے نفس کو پاک بتایا ہے اور جس کے ساتھ مشرکین، مشبھین مخلوق میں اس کے ساتھ برابری کرنے والوں کی نفی کی ہے اور اس کے درمیان جو نفی جھمیہ، معطلہ اس کی صفات کمال میں کرتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کی اس پر دلالت ہے اور اس سے مراد اس کی نفی ہے۔

قرآن اس کے ابطال سے بھرا پڑا ہے کہ مخلوقات میں کوئی بھی رب تعالیٰ کے مشابہ یا مثل ہو، قرآن کا مقصود تو یہی بات ہے۔اس کو باطل کرتے ہوئے جس نظریہ پر مشرکین، مشبھین، رب کی برابری کرنے والے وغیرہ لوگ تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ (البقرة:٢٢)

''پس تم اللہ کے لیے شریکوں کو نہ بناؤ جبکہ تم جانتے ہو۔''

اور ارشاد فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ﴾ (البقرة:١٦٥)

''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو اللہ کے علاوہ شریک پکڑتے ہیں وہ ان سے محبت کرتے ہیں اللہ کی محبت کی طرح۔''

ان لوگوں نے مخلوق کو خالق کی مثل بنایا۔ند مشابہ کو کہتے ہیں: کہا جاتا فلاں فلاں کے لیے ند ہے اور اس کا ندید ہے یعنی اس کا مثل اور مشابہ ہے۔اسی سے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا قول ہے ؎

کیا تو اس کی ہجو کرتا ہے جبکہ تو اس کے مثل نہیں ہے، تو تم میں سے بُرا تم میں سے بہتر کے لیے فداء ہے۔

اسی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص کو فرمانا بھی ہے جس نے آپ کو کہا جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں: ''کیا تو نے مجھے اللہ کا ند بنا دیا؟''[1]

جریر کہتے ہیں:

حضرت ابن مسعود اور ابن عباس نے فرمایا تم اللہ کے لیے برابر کے لوگ نہ بناؤ۔جن کی تم اللہ کی نافرمانی میں اطاعت کرتے ہو۔

ابن زید کہتے ہیں: انداد وہ الٰہ جو انہوں نے اس کے ساتھ بنائے تھے۔

زجاج کہتے ہیں: یعنی تم اللہ کے لیے مثال والے نہ بناؤ۔

اللہ پاک نے ان پر جس بات کا رد کیا ہے وہ مخلوق کی اس کے ساتھ تشبیہ ہے۔حتیٰ کہ انہوں نے اسے اللہ کے لیے ند بنا دیا۔ وہ اس کی عبادت کرتے ہیں جیسے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔اسی طرح اللہ کا دوسری آیت میں فرمان ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ﴾ (البقرة:١٦٥)

''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو شریکوں کو اللہ کے علاوہ معبود/ند پکڑتا ہے وہ ان سے محبت کرتے ہیں اللہ کی محبت کی طرح۔''

[1] مسند امام احمد، ج: ١، ص: ٢١٤

اس تشبیہ کا ان پر رد کیا جو کہ عبادت اصنام کی اصل ہے۔

اسی کی مثل اللہ پاک کا یہ فرمان ہے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ۝۱ ﴾ (الانعام:۱)

''اس اللہ کے لیے حمد ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ظلمات اور اندھیرے کو بنایا۔ پھر جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ برابری کرتے ہیں۔''

یعنی اس کے ساتھ غیر کو برابر کرتے ہیں وہ اس کی مخلوق سے اس کا برابر اور مشابہ بناتے ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: مطلب یہ ہے کہ میری نعمت اور ربوبیت کے اقرار کے بعد انہوں نے میری مخلوق سے پتھروں اور بتوں کو میرے برابر بنا دیا۔

زجاج کہتے ہیں: اللہ پاک نے بتایا ہے کہ اس آیت میں جو ذکر کیا گیا ہے وہ اس کا خالق ہے۔ اس کا جو خالق ہے اس کی مثل کوئی نہیں ہے۔ بتایا ہے کہ کافر اس کا عدیل بناتے ہیں۔ عدل برابری ہے۔ چیز کو چیز کے ساتھ عدل کرنا کہا جاتا ہے جب وہ اس کو برابر کردے۔ ﴿ یَعْدِلُوْنَ ﴾ کا مطلب ہے وہ غیر کو اس کا شریک بناتے ہیں۔

مجاہد کہتے ہیں: احمر نے کہا: کافر نے اپنے ربّ کے ساتھ عدل اور عدول کیا۔ یہ اُس وقت کہا جاتا ہے جب وہ غیر کو اس کے ساتھ برابر کرے۔ پس اس کی عبادت کرے۔

کسائی نے کہا: میں نے ایک چیز کا دوسری سے عدل کیا اور عدل کرتا ہوں جب تم اس کو اس کے برابر کردو۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ان مشبھین کے متعلق ہے کہ وہ جہنم میں اپنے الٰہوں کو کہیں گے:

﴿ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۹۷ اِذْ نُسَوِّیْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۹۸ ﴾ (الشعراء:۹۷، ۹۸)

''اللہ کی قسم! بے شک ہم واضح گمراہی میں تھے، جب ہم تم کو رب العالمین کے برابر کرتے تھے۔''

انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ عظیم تر اور واضح تر گمراہی میں تھے۔ جب انہوں نے اللہ کی مخلوق سے اس کا عدل اور مشابہ بنایا۔ ان کو وہ عبادت اور تعظیم میں برابر کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا ۝۶۵ ﴾ (مریم:۶۵)

''آسمانوں کا، زمین کا اور جو ان دونوں کے مابین ہے کا رب ہے کیا تم اس کے لیے کوئی مثل جانتے ہو۔''

حضرت ابن عباس نے فرمایا: سمیا شبیہ اور مثل ہے جو اس کی برابری کر سکے۔

اس نے مخلوق سے نفی کی ہے کہ کوئی خالق کے مشابہ اور مماثل ہو۔ اس انداز سے کہ وہ عبادت اور تعظیم کا مستحق ہو۔ اللہ پاک نے یہ نہیں کہا: کیا تم اس کے لیے مثل جانتے ہو یا غیر کے لیے مشابہ جانتے ہو۔ یہ کسی نے نہیں کہا۔ بلکہ مشرکین، مشبھین نے بعض مخلوقات کو اس کے مشابہ، مماثل، ند اور عدل بنایا تو اس نے ان پر اس تمثیل اور تشبیہ کا رد کیا۔

اسی طرح فرمایا:

﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٧٣﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ﴾ (النحل:٧٣، ٧٤)

''اور وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کے لیے آسمانوں سے اور زمین سے رزق کے کچھ بھی مالک نہ ہیں، اور نہ وہ استطاعت رکھتے ہیں، تو تم اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو۔''

ان کو منع کر دیا کہ وہ مخلوق میں سے کسی کو اس کی مثل بنائیں۔ لیکن اس سے منع نہیں کیا کہ وہ اس کو اس کی مخلوق کی مثل بیان کریں۔ یہ تو کسی نے بھی نہیں کہا۔ نہ وہ ایسا کرتے تھے۔ سب لوگوں کی فطرت میں ہے کہ اللہ پاک ہر چیز سے اجل، اعظم اور اکبر ہیں۔ لیکن مشبھین، مشرکین جس کی تعظیم کرتے ہیں، غلو کرتے ہیں، ان کو خالق کے مشابہ بناتے ہیں۔ اللہ پاک اس سے کہیں جلیل القدر ہے، تمام مخلوق کے صادر کرنے سے کہ وہ غیر کو اصل بنائیں پھر اس غیر کو اس ذات پاک کے ساتھ تشبیہ دے دیں۔

جو اس کو غیر کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے اگر اس کا مقصد تعظیم ہے تو اس میں کوئی تعظیم نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے اعظم العظماء کو اس کمتر سے تشبیہ دے دی ہے جس کے اور اس کے مابین عظمت اور جلالت کی کوئی نسبت نہیں ہے۔ کوئی عقلمند اس طرح نہیں کرتا۔

اگر تنقیص مقصود ہو تو ناقصین، مذمومین کے ساتھ تشبیہ دے، نہ کہ کاملین، ممدوحین کے ساتھ۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لیے صفات کمال کا اثبات اپنے اندر کوئی تشبیہ اور تمثیل نہیں رکھتا۔ نہ کاملین کے ساتھ اور نہ ناقصین کے ساتھ۔

جبکہ ان صفات کی نفی اس کی انقص الناقصین کے ساتھ تشبیہ کو لازم کرتی ہے۔

تم جہمیہ اور ان کے اتباع کو دیکھو وہ تشبیہ مذموم لائے۔ اس سے اعراض، درگزر کیا اور کمال و مدح کی طرف آئے، اسے تشبیہ و تمثیل قرار دے دیا۔ جو کچھ قرآن لایا اور جو اس نے ثابت کیا، یہ ہر طرح اس کے برعکس ہے۔

اسی سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿٤﴾﴾ (الاخلاص:٤)

''اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔''

اس آیت نے مخلوق سے خالق پاک کے ساتھ برابری اور ہمسری کو سلب کر دیا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ وہ کسی کے برابر نہیں ہے۔ اپنے نفس سے مخلوق کی مشابہت اور برابری کی نفی کی ہے۔ کیونکہ یہ نفی کے لیے بہت واضح اور بہت ظاہر تھی کہ محتاج بیان ہو۔ اس میں راز یہ ہے کہ مقصود مخلوق سے اللہ پاک کی مثل کسی کا کسی بھی صفت اور خصوصیت میں نہ ہونا ہے۔ رہا یہ کہ وہ ذات پاک اپنی مخلوق سے کسی کی مثل، مشابہ نہیں۔ نہ وہ کسی کا ند ہے اور نہ کفو تو اس میں اس کی کوئی مدح نہیں ہے۔ اگر کسی بادشاہ وغیرہ کی صفت بتائی جائے کہ وہ حیوانات، پتھروں، لکڑیوں وغیرہ کے مشابہ نہیں ہے۔ یہ مدح نہ ہوگی، نہ اس کی تعریف اور نہ اس کا کمال شمار کیا جائے گا۔ برخلاف اس کے کہ اگر کہا جائے: تم کسی کو بھی بادشاہ کے لیے ند، کفو اور اس کی رعایا میں سے اس کے مشابہ نہ بناؤ۔ جس کی تعظیم اس کی طرح ہو، جس کی اطاعت اس کی طرح ہو اس کی رعایا میں کوئی نہیں جو اس کی برابری، مماثلت اور ہمسری کر سکے تو یہ انتہائی

مدح ہوگی۔

اسی طرح اللہ پاک کا فرمانا ہے کہ

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

''اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔''

اس سے مقصود نفی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی شریک ہو یا معبود جو مستحق عبادت اور تعظیم ہو، جیسے مشبھین اور مشرکین کرتے ہیں اس سے مقصود اس کی صفات کمال کی نفی نہیں ہے۔ نہ اس کی اپنی مخلوق پر بلندی کی، کتابوں میں کلام، پیغمبروں سے کلام، مؤمنوں کے اس کو دیکھنے کی بھی نفی نہیں، جو وہ آنکھوں سے دیکھیں گے جیسے سورج اور چاند کو واضح دیکھا جاتا ہے۔ اللہ پاک نے اس کو مشرکین پر رد کے سیاق میں ذکر کیا ہے جنہوں نے اس کے علاوہ اولیاء پکڑے ہیں۔ وہ اس کے بجائے ان سے دوستی رکھتے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ۝ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ۝ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن يُدْخِلُ مَن يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ ۚ وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُم مِّن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۖ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ۖ يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝﴾ (الشوریٰ:۷۔۱۱)

''اور جن لوگوں نے اس کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں وہ خدا کو یاد ہیں اور تم ان پر داروغہ نہیں ہو اور اسی طرح تمہارے پاس قرآن عربی بھیجا ہے تاکہ تم بڑے گاؤں (مکے) کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے اردگرد رہتے ہیں ان کو رستہ دکھاؤ اور انہیں قیامت کے دن کا بھی جس میں کچھ شک نہیں خوف دلاؤ۔ اس روز ایک فریق بہشت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں، اگر خدا چاہتا تو ان کو ایک ہی جماعت کر دیتا۔ لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کا کوئی یار ہے اور نہ مددگار، کیا انہوں نے اس کے سوا کارساز بنائے ہیں؟ کارساز تو خدا ہی ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اور تم جس بات میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ خدا کی طرف یہی خدا میرا پروردگار ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں، آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا، اسی نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کے جوڑے بنائے اور چارپایوں کے بھی جوڑے۔ اسی طریق پر تم کو پھیلاتا رہتا ہے۔ اس جیسی کوئی چیز نہیں وہ سمیع اور بصیر ہے۔''

تم غور کرو اللہ پاک نے اس نفی کو کیسے ذکر کیا۔ توحید کو ثابت کرتے ہوئے اس نظریہ کو باطل کرتے ہوئے جس پر اہل شرک تھے۔ اپنے الہوں اور اولیاء کو اس کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے حتیٰ کہ اس کے ساتھ ان کی عبادت کرنے لگے۔ محرفین نے ان کو بدلا۔ حتیٰ کہ اس کی صفات، کمال اسماء وافعال کے حقائق کی نفی میں اس کو ڈھال بنالیا۔

یہ جس تشبیہ کو اللہ نے نفی اور نہی سے باطل کیا ہے۔ یہ دنیا کے شرک اور عبادات اصنام کی اصل ہے۔ اس لیے نبی ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی مخلوق اپنے جیسی چیز کو سجدہ کرلے۔[1] یا مخلوق کے نام کی قسم کھائے۔[2] یا کسی قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے[3] یا اس پر مسجد بنائے۔[4] یا اس پر کوئی قندیل لٹکائے۔[5] یا کہنے والا کہے: جو اللہ چاہے اور جو فلاں چاہے[6] وغیرہ، یہ تشبیہ سے بچنے کے لیے ممانعت ہے جو کہ اصل شرک ہے۔ رہا صفات کمال کا اثبات تو وہ اصل توحید ہے۔

تو واضح ہوگیا کہ مشبہ لوگ ہی مخلوق کو خالق کے مشابہ بتاتے ہیں۔ عبادت، تعظیم خضوع، اس کی قسم کھانا، اس کے لیے نذر، اس کے لیے سجدہ، اس کے گھر کے پاس ٹھہرنا، اس کے لیے سرمنڈوانا، اس سے مدد مانگنا۔ ان سب باتوں میں اللہ کے ساتھ دیگر کو شریک بناتے ہیں۔ یہ کہہ کر بھی کہ میرے لیے تیرے اور اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ میں اللہ پر اور تجھ پر بھروسہ کرنے والا ہوں۔ یہ اللہ کی طرف سے اور تیری طرف سے ہے۔ میں اللہ کی کفایت اور تیری کفایت میں ہوں۔ جو اللہ چاہے اور تو چاہے یہ اللہ کے لیے اور تیرے لیے ہے۔ وغیرہ مثالیں

یہ حقیقتاً مشبہ ہیں۔ نہ کہ اہل توحید جو اللہ کے لیے وہ ثابت کرتے ہیں جو اس نے اپنے لیے ثابت کیا۔ اس سے نفی کرتے ہیں جس کی اس نے خود اپنے سے نفی کی۔ جو اللہ کی مخلوق سے اس کے لیے کسی کوند، نہ عدل، نہ کفو اور نہ مثل بناتے ہیں اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی ولی ہے اور نہ کوئی شفیع ہے۔

جس نے اس فصل پر حق طریقے سے غور کیا اس کے لیے واضح ہوجائے گا کہ زمین میں عبادت اصنام میں کیسے فتنہ واقع ہوا۔ اس کے لیے قرآن کے ان مشبہ، ممثلہ پر رد کا راز واضح ہوجائے گا۔ بالخصوص جب وہ اس تشبیہ کے ساتھ تعطیل صفات اور افعال کو بھی ملالیں گے۔ جیسا کہ ان پر یہ بات غالب ہے۔ وہ پروردگار پاک کی صفات کمال کی اس سے نفی کو اور اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ کو جمع کر دیتے ہیں۔

---

① سنن ابی داود، ج: ۲، ص: ٦٠٤، حدیث: ٢١٤٠؛ مسند امام احمد، ج: ۲، ص: ۷۔

② سنن ابی داود، ج: ۳، ص: ٥٦٩، حدیث: ٣٢٤٨؛ مسند امام احمد، ج: ۱، ص: ٤٧۔

③ صحیح مسلم، ج: ۱، ص: ٦٦٨، حدیث: ٩٧/ ٧٢٩؛ مسند امام احمد، ج: ٤، ص: ١٣٥۔

④ دیکھیے: مسند امام احمد، ج: ۱، ص: ١٩٥ اس کے حوالے پہلے بھی بکثرت گزر چکے ہیں۔

⑤ سنن ابی داود، ج: ۳، ص: ٥٥٨، حدیث: ٣٢٣٦؛ سنن النسائی، ج: ٤، ص: ٩٤۔

⑥ سنن ابی داود، ج: ٥ ص ٢٥٩؛ مسند امام احمد، ج: ٥، ص: ٣٨٤۔

فصل: آگ کی پوجا

شیطان کے مکر اور اس کی کھیل کود میں سے یہ بھی ہے کہ وہ آگ کی پرستش اور عبادت کرنے والوں سے اس طرح کھیلتا ہے کہ انہوں نے اس کو اپنا معبود بنالیا۔

بعض لوگوں نے کہا کہ آگ کی پرستش قابیل کے وقت سے چلی رہی ہے جیسے امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ نے فرمایا:
جب قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا پھر حضرت آدم علیہ السلام سے بھاگ گیا تو اس کے پاس ابلیس آ کر کہنے لگا: ہابیل کی قربانی اس لیے قبول ہوگئی اور اسے آگ کھا گئی کہ ہابیل اس کی خدمت کرتا تھا اور اس کی عبادت کرتا تھا لہٰذا تم بھی ایسی آگ مقرر کر دو جو تیرے لیے اور تیرے پچھلوں کے لیے کام آئے تو اس نے آگ کا ایک گھر بنایا، لہٰذا قابیل پہلا شخص تھا جس نے آگ کا چرچہ لگایا اور اس کی عبادت کی۔ [1]

اس کے بعد یہ رسم اور یہ مذہب مجوسیوں میں جاری وساری رہا۔ انہوں نے بہت سے گھر آگ کے لیے بنائے وہاں وہ آگ کے لیے کھڑے ہوتے، اس کی خدمت اور دربانی کرتے۔ وہ اسے ایک لمحہ بھی بجھنے نہ دیتے۔ فریدون نے آگ کے لیے طوس میں ایک گھر بنایا اور ایک گھر بخاری میں اور بھمن نے سجستان میں اور ابوقیاذ نے بخاریٰ کے کونے پر ایک گھر بنایا، اور پھر بہت سے گھر اس کے لیے بنائے گئے۔ [2]

آگ کے پرستار اس کو مٹی پر فوقیت اور فضیلت دیتے ہیں اور اس کی تعظیم کرتے ہیں اور ابلیس کے خیال اور رائے کو درست قرار دیتے ہیں بشار بن برد کو اسی مذہب سے متہم کیا گیا کیونکہ اس نے اپنے قصیدے میں یوں کہا۔

زمین نیچے، کالی اور اندھیری ہے، جبکہ آگ معبود ہے جب سے آگ ہے۔

جو کہتے ہیں کہ آگ تمام عناصر سے خیر و برکت میں نہایت وسیع، جسم کی رو سے نہایت عظیم، مکان و مرتبہ کے لحاظ نہایت کشادہ، نہایت شرف وعزت والا جوہر اور نہایت نرم اور باریک وجود والی ہے۔

یہ لوگ اس کی عبادت اس طرح کرتے ہیں کہ زمین میں اس کی چوکور اور مربع شکل کی کھائیاں کھودتے ہیں اور اس کے گرد گھومتے ہیں۔ ان لوگوں کی مختلف قسمیں ہیں۔

کچھ لوگ اس میں کسی ذی روح چیز کو ڈالنا حرام سمجھتے ہیں اور جسم و بدن کو اس میں جلانا ناجائز خیال کرتے ہیں یہ اکثر مجوسیوں کا مذہب ہے۔

ایک اور جماعت ہے جس کی عبادت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ وہ اپنی اور اپنی اولاد کی جانیں اس آگ پر قربان کر دیتے ہیں، ہندوستان کے بادشاہوں اور ان کے پیروؤں کا یہی طریقہ رہا ہے اپنی جانوں کی قربانی اور اس پر اپنی جانیں نچھاور کرتے یہ ان کا مشہور طریقہ ہے۔

تو جو شخص اس طرح کا کام اپنی جان یا اپنی اولاد یا اپنے کسی دوست کے متعلق کرنا چاہیے تو اسے خوبصورت بنا کر اچھا بہترین لباس پہنا کر بہترین زیورات پہنا کر نہایت اعلیٰ سواری پر سوار کر کے بینڈ باجوں اور ڈھول تریوں کے ساتھ اسے وہاں لے

---

[1] دیکھئے: تاریخ طبری، ج: ۲، ص: ۲۸۲۔ [2] اسے مسعودی نے مروج الذھب، ج: ۲، ص: ۱۴۷ میں ذکر کیا ہے۔

جایا جاتا ہے دلہن کو شوہر کے پاس پہنچنے سے زیادہ خوشی کے ساتھ اسے وہاں پہنچایا جاتا ہے۔ جب وہ اس کے سامنے جا کر اس پر کھڑا ہوتا ہے اور وہ جب زبردست بھڑک رہی ہوتی ہے اس وقت اپنے آپ کو اس میں ڈالتا ہے تو پاس موجود سب اس کے رشتہ دار چیخ چلا کر اس کے لیے دعا مانگتے ہیں اور اس کے اس فعل پر رشک کا اظہار کرتے ہیں۔ پھر ابھی زیادہ دیر نہیں گزرتی کہ ان کے پاس شیطان اپنی شکل وصورت اور ان کی جانی پہچانی ہیئت میں آتا ہے وہ اس کو اچھی طرح پہچانتے ہوتے ہیں تو وہ انہیں اپنے احکام و اوامر سناتا ہے جو انہیں وصیت کرنا چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور انہیں اس مذہب کے ساتھ پنجہ مارنے اور اسی مضبوطی کے ساتھ تھام لینے کی تلقین کرتا ہے اور انہیں یہ خبر دیتا ہے کہ یہ آگ میں چھلانک لگانے والا جنات اور باغات میں اور شہد اور دودھ کی نہروں میں پہنچ گیا ہے اور وہ آگ کی تکلیف بالکل محسوس نہیں کرتا اس لیے وہ لوگ اس عمل سے بالکل خوفزدہ نہیں ہوتے اور نہ ہی انہیں ایسا کرنے سے کوئی چیز روک سکتی ہے۔

ان لوگوں میں کچھ لوگ نہایت عابد و زاہد بھی ہوتے ہیں جو آگ کے گرد روزہ رکھے ہوئے اس پر چلہ کشی کا عمل کرتے ہیں۔
ان لوگوں کا یہ معمول ہے کہ یہ لوگوں کو اچھے اخلاق پر آمادہ کرتے ہیں مثلاً صدق وسچائی، ایفاء عہد، ادائے امانت اور عدل وعفت کی تلقین کرتے ہیں اور ان کے برعکس گھٹیا اخلاق روکتے ہیں۔

ان لوگوں کی اپنی بہت سی شریعتیں اور عبادت کے طریقے ہیں اور کچھ اسرار ورموز اور طور طریقے اور چالیس ڈھالیں ہیں، جنہیں وہ نہ ترک کرتے ہیں اور نہ ان میں بگاڑ آنے دیتے ہیں۔

فصل: پانی کی پوجا

شیطان کے مکر اور کھیل کود میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ایک اور جماعت کے ساتھ کھیلتا ہے جو جماعت اللہ کو چھوڑ کر پانی کی عبادت کرتی ہے ایسے لوگ الحلبانیہ کہلاتے ہیں۔

یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ پانی چونکہ ہر چیز کی اصل ہے اور ہر چیز کی پیدائش اور نشوونما کے ساتھ ساتھ پاکیزگی اور آبادی بھی اسی سے ہے اس لیے یہ اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

ان لوگوں کا پانی کی عبادت کا طریق کار اور شریعت یہ ہے کہ جب آدمی اس کی عبادت کرنا چاہتا ہے کپڑے اور لباس اتار کر صرف شرم گاہ پر پردہ ڈال لیتا ہے پھر پانی میں داخل ہو جاتا ہے جب پانی اس کے وسط تک پہنچ جاتا ہے تو وہ وہاں کھڑا ہو جاتا ہے وہاں وہ دو گھڑیاں یا اس سے بھی زیادہ جتنا ممکن ہو سکے کھڑا رہتا ہے۔ اپنے ساتھ وہ جتنے پھول ممکن ہو سکیں وہ اٹھا کر لے جاتا ہے پھر وہ انہیں کاٹ کاٹ کر اور چھوٹے چھوٹے کر کے تھوڑے تھوڑے کر کے اس میں آہستہ آہستہ ڈالتا رہتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کی تسبیحیں پڑھتا اور اس کی بزرگی بیان کرتا ہے جب وہ واپس لوٹنا چاہے تو پانی کو اپنے ہاتھوں سے حرکت دیتا ہے پھر اس سے کچھ حصہ لے کر اس کو اپنے سر پر اور چہرے اور سارے جسم پر اس کو رکھتا ہے پھر سجدہ کر کے واپس لوٹ آتا ہے۔

فصل: جانوروں کی پوجا

شیطان کے کھیلنے میں سے حیوانات کی عبادت گزاروں کے ساتھ بھی ایک کھیل ہے، ایک جماعت گھوڑے کی عبادت کرتی ہے اور ایک جماعت گائے کی عبادت کرتی ہے ایک جماعت کے لوگ زندے اور فوت شدہ انسانوں کی عبادت کرتے ہیں ایک جماعت درختوں کی عبادت کرتی ہے۔ایک جماعت جنوں کی عبادت کرتی ہے،جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ أَهَٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ ۝ قَالُوا۟ سُبْحَٰنَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم ۖ بَلْ كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ ٱلْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ۝ ﴾ (سبا:٤٠، ٤١)

''اور جس دن اللہ تعالیٰ ان تمام کو اکٹھا کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری بندگی کرتے رہے۔ وہ کہیں گے اے اللہ تو پاک ہے اور تو ہمارا کارساز ہے یہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ جنوں کی عبادت کرتے تھے اور اکثر لوگ ان پر ایمان لاتے تھے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَٰبَنِىٓ ءَادَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا۟ ٱلشَّيْطَٰنَ ۖ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَأَنِ ٱعْبُدُونِى ۚ هَٰذَا صِرَٰطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝ ﴾ (یس:٦٠، ٦١)

''اے آدم (علیہ السلام) کی اولاد کیا میں نے تم سے وعدہ نہیں لیا تھا کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا بے شک وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے، اور میری بندگی کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يَٰمَعْشَرَ ٱلْجِنِّ قَدِ ٱسْتَكْثَرْتُم مِّنَ ٱلْإِنسِ ۖ وَقَالَ أَوْلِيَآؤُهُم مِّنَ ٱلْإِنسِ رَبَّنَا ٱسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَآ أَجَلَنَا ٱلَّذِىٓ أَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ ٱلنَّارُ مَثْوَىٰكُمْ خَٰلِدِينَ فِيهَآ إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ ﴾ (الانعام:١٢٨)

''اور جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھے کرے گا تو فرمائے گا اے جنوں کی جماعت! تم نے بہت سے انسان گمراہ کر لیے، اور انسانوں میں سے ان دوست کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے فائدہ اٹھایا اور ہم اس وقت معین کو پہنچ گئے جو تو نے ہم سے مقرر کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا جہنم تمہارا ٹھکانہ ہوگا اس میں تم ہمیشہ رہنے والے ہو گے مگر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا یقیناً وہ حکمت اور علم والا ہے۔''

قَدِ ٱسْتَكْثَرْتُم کا مفہوم یہ ہے کہ تم نے بہت سے لوگ اغواء اور گمراہ کر دیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اور مجاہد اور حسن بصری وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں کہ قَدِ ٱسْتَكْثَرْتُم کا مفہوم یہ ہے کہ تم نے بہت سے انسان گمراہ کر دیے، تو ان کے دوست انسانوں میں سے بطور جواب کہیں گے اے ہمارے رب ہم میں سے بعض نے دوسروں کے ساتھ فائدہ اٹھایا ہے یعنی ہم میں سے

ہر نوع نے دوسری نوع فائدہ حاصل کیا ہے۔

تو جنوں کا انسانوں سے فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ جو کچھ انسانوں کو جن کہتے تھے وہ مان لیتے تھے چاہے کفر کا کہیں یا فسق اور نافرمانی کا۔ کیونکہ عموماً جنوں کی اغراض انسانوں سے یہی ہوتی تھیں، تو جب انسانوں نے بات مان لی تو گویا ان کی مراد اور غرض پوری کر دی اور انسانوں کا جنوں سے فائدہ اٹھانا یہ ہے کہ جنوں نے اللہ کی نافرمانی اور اس کے ساتھ شرک کرنے میں انسانوں کی اس طرح مدد کی کہ انہوں نے گناہ اور شرک کو خوبصورت بنا کر اور مزین کر کے اس کی طرف انہیں دعوت دی اور ان کی ضروریات پوری کرنے میں بھی ان کی مدد کی اور جادو وغیرہ عزائم میں بھی ان کی مدد کی۔

تو انسانوں نے جنوں کی پسندیدہ چیزوں مثلاً شرک اور فسق وفجور اور بے حیائی کی باتوں میں ان کی اطاعت کی۔ اور جنوں نے انسانوں کی پسندیدہ چیزوں مثلاً غیب کی خبریں دینے اور ان کی اثر اندازی کے ذریعے ان کی مدد کی۔ اسی طرح ہر فریق نے دوسرے سے مدد حاصل کی۔

یہ آیت شیطانی احوال وصفات والے انسانوں کے ساتھ مطابقت پیدا کرتی ہے جن پر شیطانی باتیں منکشف ہو جاتی ہیں اور شیطانی اثرات ان اثر انداز ہوتے ہی سامنے نظر آتے ہیں۔ تو جاہل لوگ انہیں اللہ تعالیٰ کے اولیاء خیال کرتے ہیں، حالانکہ وہ شیطان کے اولیاء ہوتے ہیں کیونکہ وہ شرک ومعصیت اور رسولوں پر اللہ کی نازل کردہ وحی اور کتب کی اطاعت سے نکلنے میں شیطان کی اطاعت کرتے ہیں، تو شیطان بھی ان کی اطاعت کرنے لگا کہ غائبانہ اشیاء اور غائبانہ تاثیرات سے ان کی خدمت کرنے لگا تو جس شخص میں علم وایمان کی کمی ہوتی ہے وہ اس سے دھوکہ کھا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو اس کے دوست خیال کرنے لگتا ہے اور جو شخص اللہ کے راستے اور اس کے طریقے سے خارج ہو جاتا ہے اس کے متعلق وہ خوش فہمی میں مبتلا ہو کر اچھا گمان رکھنے لگتا ہے اور جو شخص پیغمبر کے طریقے اور ان کے لائے ہوئے دین کی پیروی کرنے والے کے متعلق بدگمانی کرنے لگتا ہے اور جو شخص اختلاف کرنے والوں کے اقوال اور متحیر اور پریشاں حال لوگوں کی آراء اور دین سے خارج کی فضولیات و بناوٹی صوفیوں کی اباطیل سے متاثر ہو کر سنت رسول کو ترک نہیں کرتا اس کے متعلق وہ ایسا بدگمان کرتا ہے۔

اس کے بالمقابل صاحب بصیرت آدمی جس کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نورِ ایمان اور معرفت سے منور کر دے جب وہ اس حقیقت کو پہچان لیتا ہے جس پر لوگ چل رہے ہیں اور وہ حق کو باطل سے اچھی طرح پرکھ بھی سکتا ہو کہ دھوکہ اور فریب اس پر کارگر نہ ہو سکتا ہو اس پر یہ بات ظاہر اور واضح ہو جاتی ہے کہ یہ لوگ اس آیت کے حکم میں شامل ہیں اور یہ ان پر پوری پوری صادق آتی ہے۔

فاسق شخص شیطان سے اس طرح فائدہ حاصل کرتا ہے کہ وہ اس کے اسباب فسق میں اس کی مدد کرتا ہے۔ اور شیطان ایسے شخص سے یہ فائدہ حاصل کرتا ہے کہ وہ شخص شیطان کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اس سے خوش ہوتا ہے اور فرحت محسوس کرتا ہے۔

شرک سے شیطان یہ فائدہ حاصل کرتا ہے کہ اس سے اللہ کے ساتھ شرک کرواتا ہے اور اس کی عبادت میں شریک کرواتا ہے، اور مشرک آدمی شیطان سے یہ فائدہ لیتا ہے کہ اس سے ضروریات پوری کروانے میں اعانت لیتا ہے۔

اور جس شخص کو ان باتوں کا علم نہ ہو وہ ایمان اور شرک کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا اور اللہ کا امتحان ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ

خوش کر دیتا ہے۔

پھر انہوں نے کہا:

﴿وَ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا﴾

''اور ہم اس وقت تک پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمایا تھا۔''

یہ وقت موت تک کے وقت کو بھی شامل ہے اور دوبارہ اٹھنے کے وقت کو بھی، اس لیے کہ یہ دونوں وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمائے ہیں اور یہی دونوں وقت ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ﴾ (الانعام:۲)

''پھر اس نے وقت مقرر کیا اور وقت اس کے پاس مقرر ہے۔''

حقیقت حال اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے بظاہر رجوع اور توبہ کی طرف یہ ایک اشارہ ہے۔ گویا کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ معاملہ تو صرف ایک وقت تک تھا جب وہ وقت ختم ہوا تو وہ بھی ختم ہو گیا اور ہمیشہ نہیں رہا اور اپنے مقرر وقت تک معاملہ پہنچ گیا جو اسکی انتہاء ہے اور ہر چیز کے بعد دوسری چیز ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ کہ جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے اس میں تم ہمیشہ رہو گے۔ کیونکہ اگرچہ ایک دوسرے کے ساتھ فائدہ اٹھانے کا وقت گزر گیا اور ختم ہو گیا مگر سزا کا وقت تو باقی ہے لہٰذا یہ خیال نہ کیا جائے کہ جب کفر وشرک کا وقت گزر گیا اور بعض نے بعض سے فائدہ اٹھا لیا تو اس برائی اور خرابی کے ختم ہونے سے اس کے اثرات تو ختم نہیں ہو جاتے۔

مقصود یہ ہے کہ شیطان مشرکین کے ساتھ کھیل کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کی عبادت کرنے لگتے ہیں پھر وہ مشرک اسے اور اس کی اولاد کو اپنے دوست بنا لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیتے ہیں۔

فصل: فرشتوں کی پوجا

شیطان کا لوگوں کے ساتھ ایک کھیل یہ بھی ہے کہ اس نے کچھ لوگوں کے لیے فرشتوں کی عبادت خوبصورت بنا کر دکھا دی تو وہ اپنے خیال میں فرشتوں کی عبادت کر رہے ہوتے ہیں مگر درحقیقت وہ شیطان کی عبادت کرتے ہیں، اس طرح وہ اس بدترین مخلوق (شیطان) کی عبادت کرتے ہیں جو لعنت اور برائی کا مستحق ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (سبا: ۴۰، ۴۱)

''جب اللہ تعالیٰ انہیں اکٹھا کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا: کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے رہے، وہ کہیں گے اے اللہ تو پاک ہے تو ہمارا کارساز ہے یہ نہیں ہیں، بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کرتے رہے ان میں اکثر پر ایمان رکھتے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝﴾ (الفرقان:۱۷۔۱۹)

''اور جس دن اللہ تعالیٰ ان کو اکٹھا کرے گا اور ان کو بھی جن کی یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کرتے تھے تو پوچھے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی گمراہ ہو گئے تھے، تو وہ کہیں گے اے اللہ! تو پاک ہے ہمارے لیے یہ سزاوار نہیں تھا کہ تیرے علاوہ اور دوست بنا لیتے بلکہ تو نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا کا فائدہ دیا حتی کہ انہوں نے تیری نصیحت کو بھلا دیا اور یہ ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔ پس بے شک انہوں تمہاری بات کو جھٹلا دیا تو یہ مصیبت دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی مدد کرنے کی اور جو شخص تم میں سے ظلم کرے ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے۔''

یہ آیات تفسیر وتشریح کی محتاج ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں اکٹھا کرے گا اور ان کو بھی جن کی یہ اللہ کی علاوہ بندگی کرتے تھے۔ عام ہے، ہر عبادت کرنے والے کو شامل ہے اسی طرح اللہ کے علاوہ جس کی یہ بندگی کرتے رہے ان کو بھی شامل ہے۔ ﴿فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ﴾ تو فرمائے گا کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا یا یہ خود ہی گمراہ ہو گئے تھے، ورقاء ابن ابی نجیح سے روایت ہے کہ مجاہد نے کہا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت عزیر علیہ السلام اور فرشتوں کا خطاب ہوگا۔ مجاہد سے ابن جریج نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

عکرمہ، ضحاک اور کلبی کہتے ہیں یہ عام ہے، بتوں اور ان کے پیرووں کے متعلق ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ انہیں کلام کا حکم فرماتا ہے:

﴿ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ﴾

''کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا۔''

مقاتل کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا تم نے ان کو اپنی عبادت کا حکم دیا تھا یا یہ خود ہی راستے سے خطا ہو گئے اور اس سے ہٹ گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا جواب بیان کیا:

﴿سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾

''تو پاک ہے ہمارا حق نہیں تھا کہ ہم تیرے سوا اور دوست بنا لیں۔''

یہ جواب تب صحیح ہو سکتا ہے کہ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت عزیر علیہ السلام فرشتے اور دیگر اولیاء اللہ مراد ہوں، جن کی مشرک بندگی کرتے تھے۔

اسی لیے ابن جریر طبریؒ نے یہ تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فرشتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (جن کی مشرک عبادت کرتے تھے) اللہ تعالیٰ کو مشرکوں کے نسبت کردہ شرک سے منزہ اور اور مبرأ کرتے ہوئے کہیں گے:

﴿مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾

کہ ہمیں یہ بات مناسب نہیں کہ ہم تیرے سوا اور معبود بنالیں بلکہ ہمارا ولی تو صرف تو ہی ہے یہ نہیں۔

حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کریں گے اور اس کو پاک اور منزہ قرار دیں گے کہ اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوں۔

اس آیت میں دو قراءتیں ہیں جن میں مشہور قراءت ''نَتَّخِذَ'' نون کے فتحہ اور خاء کی زیر فاعل اور معروف، یہ قراءت سات قراء کرام ہے اور دوسری قراءت ''نُتَّخَذَ'' نون کے پیش اور خاء کی زبر سے اس طرح یہ فعل مجہول ہوگا۔ یہ قراءت الحسن البصری اور یزید بن القعقاع کی ہے اور دونوں قراءتوں پر اشکال ہے۔

جمہور کی قراءت پر اس طرح اشکال ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ کیا انہوں نے مشرکین کو اپنی عبادت کا حکم دے کر گمراہ کیا تھا یا یہ خود بخود اپنے اختیار اور خواہش سے گمراہ ہوئے تھے؟ تو یہ جواب کس طرح سوال کے مطابق ہوسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ سوال تو نہیں کیا کہ کیا تم نے میرے سوا کوئی اور دوست بنا رکھے تھے اگر یہ سوال ہوتا تب تو یہ جواب درست ہوتا کہ:

﴿مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾ کہ ہمیں یہ سزاوار نہیں کہ ہم تیرے علاوہ اور دوست بنائیں، اللہ تعالیٰ نے تو یہ پوچھا کہ تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا یا یہ خود گمراہ ہو گئے اور تم نے ان کو شرک کا حکم دیا یا یہ خود اپنی طرف سے شرک کرنے لگے تو اس کا جواب جو سوال کے مطابق ہو یہ بنتا ہے کہ وہ یوں کہیں گے کہ ہم نے ان کو شرک کا حکم نہیں دیا بلکہ انہوں نے خود بخود اسے پسند کرلیا، یا اس طرح کہتے کہ ہم نے ان کو اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا، جس طرح ایک دیگر آیت میں ان کی طرف سے فرمایا:

﴿تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۡ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ﴾ (القصص:٦٣)

''ہم ان سے تیری طرف بری ہوکر آ گئے ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔''

جب دوسری قراءت والوں نے یہ بات دیکھی تو وہ قراءت فعل مجہول کی طرف بھاگنے لگے اور اور کہنے لگے کہ اس دوسری قراءت یعنی فعل کو مجہول پڑھنے سے جواب، سوال کے مطابق ہوجاتا ہے، کیونکہ اس طرح یہ معنی ہوجاتا ہے کہ ہمارے لیے بھی یہ درست نہیں کہ ہم تیرے سوا کسی کی بندگی کریں اور اللہ کے علاوہ دیگر معبود اختیار کریں تو ہم کیسے کسی دوسرے کو وہ حکم کر سکتے ہیں جو بات ہمارے اپنے لیے بھی مناسب نہیں اور ہم سے اچھی نہیں لگتی۔

مگر ان پر بھی اس اشکال سے ایک اور بات لازم آجاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں جو ﴿مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾ ہے اس میں ''مِنْ'' کا ہونا درست نہیں ہے کیونکہ ''مِنْ'' کا وجود اس جگہ مناسب ہوتا ہے جہاں عموم کا ارادہ ہو، جیسے کہا جاتا ہے ''مَا قَامَ مِنْ

رَجُلٍ'' یعنی کوئی شخص بھی کھڑا نہیں ہوا، اور مَا ضَرَبْتُ مِنْ رَجُلٍ یعنی میں نے کسی بھی شخص کو نہیں مارا۔ مگر جب جملہ منفی ہو اور نفی ایک مخصوص طور پر آتی ہو تو وہاں ''مِنْ'' کی زیادتی مناسب نہیں ہوتی۔ انہوں نے اپنی ذات سے مشرکین کے اس دعوے کی نفی کی کہ انہوں نے ان کو شرک کا حکم کیا ہے تو انہوں نے اپنی جانوں سے اس کی نفی کی کہ یہ معاملہ ہم سے اچھا نہیں لگتا اور نہ ہی ہم سے یہ مناسب ہے کہ ہماری عبادت کی جائے تو ہم کس طرح تیرے بندوں کو اپنی عبادت کی طرف بلا سکتے ہیں۔ لہٰذا ضروری تھا کہ اس طرح پڑھا جاتا: ''مَا كَانَ يَنْبَغِيْ لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِكَ أَوْ مِنْ دُوْنِكَ أَوْلِيَاءَ'' یعنی ہمارے لیے مناسب نہیں کہ تیرے علاوہ ہمیں اولیاء بنالیا جائے۔

تو پہلی قراءت والوں نے اس طرح کے کئی وجوہ ذکر کیے، ایک یہ ہے کہ معنی یہ ہے کہ ہمارے لیے یہ مناسب نہیں کہ تیرے علاوہ کسی دوسرے کی بندگی کریں اور تیرے علاوہ کسی دوسرے کو ولی اور معبود بنالیں، تو ہم کس طرح کسی کو اپنی عبادت کی طرف دعوت دے سکتے ہیں۔ یعنی جب ہم خود ہی تیرے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کرتے تو کسی اور کو اپنی عبادت کی دعوت کس طرح دے سکتے ہیں۔ یہ جواب فراء کا ہے۔

جرجانی نے کہا یہ جواب درجہ بدرجہ ظاہری سوال کا جواب ہوسکتا ہے یعنی جو شخص کسی چیز کی عبادت کرے تو اس نے گویا کہ اس کو اپنا ولی بنالیا، تو جب عابد نے اسے ولی بنالیا تو معبود عابد کا ولی ہوگیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے:

﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ج﴾ (سبا: ۴۰، ۴۱)

''اور جس دن ان سب کو اکٹھا کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تمہاری بندگی کرتے رہے؟ وہ عرض کریں گے تو پاک ہے تو ہمارا ولی ہے۔ یہ نہیں تھے۔''

تو اس سے معلوم ہوا کہ عبادت گزار معبود کا ولی بن جاتا ہے اور کبھی اس طرح ہوجائے گا۔ گویا کہ انہوں نے کہا ہمارے لیے یہ لائق نہیں کہ ہم کسی دوسرے کو اولیاء بنالیں اور تیرے سوا کسی کو ولی بنالیں جو ہماری مدد کرے۔

حضرت ابن عباس کے قول کی اس آیت میں یہ شرح وبسط ہے، انہوں نے کہا وہ کہیں گے کہ ہم نے ان کو ولی نہیں بنایا اور نہ ہی ان کی عبادت کو پسند کیا ہے۔

اور کہا کہ احتمال ہے کہ ان کا یہ قول: ﴿مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ﴾ ہمارے لیے یہ سزاوار نہیں کہ ہم تیرے سوا کوئی معبود بناتے یہ مفہوم رکھتا ہو کہ وہ اس سے غلاموں کی جماعت مراد لیتے ہوں اور اپنی ذات مراد نہ لیتے ہوں، یعنی ہم اور وہ تیرے بندے اور عبادت گزار ہیں۔ اور تیرے بندوں کے لیے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ تیرے سوا اور معبود بنالیں۔ لیکن انہوں نے اس بات کو تواضع کے طور پر اپنی طرف منسوب کردیا، جس طرح کوئی شخص برائی کا ارتکاب کرنے والے کو کہتا ہے میرے لیے اس طرح کرنا تو مناسب نہیں ہے۔ یعنی تو بھی میرے جیسا ایک حساب دینے والا بندہ ہے تو جب میرے جیسے آدمی سے اس طرح کرنا مناسب نہیں ہے تو تجھ سے اس کا فعل صادر ہونا مناسب نہیں تھا۔

انہوں نے کہا نون کے ضمہ (نُتَّخَذَ) سے جس نے قراءت کی اس نے اسی اشکال کی وجہ سے کی اور یہ قراءت تاویل کے زیادہ قریب ہے۔

لیکن زجاج کہتے ہیں یہ قراءت خطا ہے کیونکہ "ما اتخذت من احد ولیا" کہنا ٹھیک اور "ما اتخذت احد من ولی" کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ ''من''کو تمام کے معنی سے ایک کی نفی کرنے کے لیے لایا جاتا ہے۔یوں کہا جا سکتا ہے:

ما من احد قائما اور ما من رجل محبالا یضرہ

یعنی کوئی بھی کھڑا نہیں اور کوئی شخص نقصان دہ چیز کو پسند نہیں کرتا مگر اس طرح کہنا درست نہیں ما رجل من محب لما یضرہ دور نہیں ہے آدمی بھی محبت کرنے والا نہیں نقصان دہ چیز کو۔

انہوں نے کہا ہمارے نزدیک اس کی کوئی وجہ جواز نہیں ہے کیونکہ اگر یہ جائز ہو تو پھر

﴿فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ﴾ (الحاقة:٤٧)

کی جگہ ''مَامِنْ اَحَدٍ عَنْهُ مِنْ حٰجِزِيْنَ''بھی جائز ہو اور من کے بغیر ہی قراءت درست ہو۔

صاحب النظم نے کہا ہے کہ اس قراءت کے ساقط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ من صرف مفعول پر آتا ہے اور اس کے بغیر مفعول نہیں ہوتا اور جب مفعول سے پہلے کوئی اور مفعول ہو تو من کا آنا اچھا نہیں ہوتا جس طرح فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ﴾ (مریم:٣٥)

یہاں ''مِنْ وَّلَدٍ'' کے بغیر مفعول نہیں ہے اگر یوں کہا جائے ما کان للّٰہ ان یتخذ احد من ولد تو من کا آنا اچھا نہیں ہوتا کیونکہ يَتَّخِذَ کا فعل احد کے ساتھ مشغول ہے۔

کچھ علماء نے اس قراءت کو لفظاً اور معنیٰ صحیح اور درست کہا ہے اور اس کو عربی قواعد کے مطابق جاری کیا ہے،تو انہوں نے یہ قراءت اس شخص کی ہے جس کی فصاحت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، چنانچہ یہ قراءت حضرت زید بن ثابت، ابوالدرداء، ابوجعفر، مجاہد، نصر بن علقمہ، مکحول، زید بن علی، ابورجاء، الحسن، حفص بن حمید اور محمد بن علی کی قراءت بھی اسی طرح ہے، ہاں بعض نے ان میں سے اختلاف بھی کیا ہے۔ یہ بات ابوالفتح ابن جنی نے ذکر کی ہے۔ پھر اس نے من اولیاء کو حال بنایا ہے یعنی "مَا كَانَ يَنْبَغِىْ لَنَآ اَنْ نُتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ"یعنی ہمارے لیے یہ نہیں چاہیے تھا کہ ہم تیرے سوا کسی کو اولیاء بناتے ،اور من کو نفی کے معنی کی زیادتی کے لیے لایا گیا ہے جیسے کہ تم کہو: اتخذت زیدا وکیلا میں نے زید کو وکیل بنا لیا۔ جب تم اس کی نفی کرو گے تو یوں کہو گے ما اتخذت زیدا من وکیل۔اسی طرح اعطیتہ درهما اور وما اعطیتہ من درهم ہے اور یہ چیز مفعول کے متعلق ہے، اس کی مثال اس طرح ہے کہ تم یوں کہو ما ینبغی لی ان اخدمك متثاقلا میرے لیے مناسب نہیں کہ بوجھ محسوس کرتے ہوئے تیری حدمت کروں۔ جب اس کی تاکید مقصود ہو تو یوں کہو من متثاقل۔

اگر کوئی یوں کہے جب یہ بات صحت سے ثابت ہوگئی کہ دونوں قراءتیں لفظاً و معنیٰ درست ہیں تو ان میں سے اچھی کونسی ہے؟

تو میں کہوں گا جمہور کی قراءت زیادہ بہتر اور معنی مقصود میں زیادہ بلیغ ہے، اس وجہ سے کہ جو چیز ان سے لائق اور مناسب نہیں، کیونکہ ضمہ کے ساتھ قراءت کی صورت میں مشرکین کے اپنے لیے اولیاء بنانے کے اچھائی کی نفی کی اور جمہور کی قراءت کے مطابق وہ خبر دیں گے کہ ان کو یہ مناسب اور لائق نہیں ہے کہ وہ اللہ کے سوا اولیاء اختیار کریں بلکہ تو اکیلا ہی ہمارا ولی اور معبود ہے، تو جب تیرے ساتھ ہمارا کسی چیز کو شریک کرنا اچھا نہیں تو ہم سے یہ بات کس طرح زیبا ہوسکتی کہ ہم تیرے بندوں کو اپنی عبادت کی طرف دعوت دیں اور تجھے چھوڑ دیں اور یہ معنی پہلے معنی سے زیادہ بڑا اور جلیل القدر ہے۔ پس خوب غور کرو۔

مقصد یہ ہے کہ اس آیت کی دونوں قراءتیں درست ہیں، اور جواب فرشتوں کا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے ان اولیاء کا جن کی وہ اللہ کے علاوہ عبادت کرتے تھے۔ اور یہ جواب بتوں وغیرہ کا بظاہر ان آیات سے معلوم نہیں ہوتا۔

کبھی کبھی کہا جاتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ انہیں بولنے کی طاقت دے کر یہ جواب کہلوا کر ان مشرکین کو جھٹلائے گا اور ان کی تردید فرمائے گا اور ان سے برأت کا اظہار فرمائے گا، جس طرح قرآن مجید میں مذکور ہے:

﴿اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا﴾ (البقرۃ:١٦٦)

''جب وہ لوگ جو بری کیے گئے ان لوگوں سے بری ہوں گے جنہوں نے پیروی کی۔''

اور دوسری آیت میں ارشاد ہے:

﴿تَبَرَّاْنَآ اِلَیْكَ ۡ مَا كَانُوْٓا اِیَّانَا یَعْبُدُوْنَ﴾ (القصص:٦٣)

''یعنی ہم تیری طرف بری ہو کر آگئے یہ ہماری بندگی نہیں کرتے تھے۔''

اس کے بعد معبود یہ ذکر کریں گے کہ دنیا میں عبادت کرنے والوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو کیوں ترک کر دیا تھا؟ چنانچہ وہ کہیں گے:

﴿وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا﴾ (الفرقان: ١٨)

''مگر تو نے اے اللہ ان کو اور ان کے باپ دادوں کو فائدہ دیا یہاں تک کہ یہ نصیحت کو چھوڑ گئے اور یہ تباہ ہونے والے لوگ تھے۔''

حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ یعنی تو نے ان کی عمر لمبی کر دی اور ان پر اپنا فضل فرمایا اور ان کے رزق میں کشادگی فرمائی۔

فراء کہتے ہیں: کہ لیکن تو نے ان کو مال اور اولاد کے ساتھ فائدہ پہنچایا یہاں تک کہ یہ تیری یاد بھول گئے اور یہ لوگ تباہ اور برباد ہونے والے لوگ تھے اور ان پر بدبختی غالب آگئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ اور ''بوار'' ہلاکت اور خرابی کو کہتے ہیں کہا جاتا ''بارت السلعه'' یعنی سامان خراب ہوگیا اور بارت المراۃ جب عورت ایسی کھوٹی اور نکمی ہو جائے کہ اس سے شادی کرنے والا کوئی نہ ہو۔

قتادہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم جس قوم نے بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر چھوڑ دیا وہ ضرور تباہ و برباد ہو گئے۔

اور معنی یہ ہوگا کہ ہم نے ان کو گمراہ نہیں کیا بلکہ وہ خود گمراہ ہو گئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ﴾ یعنی معبودوں نے تمہاری تکذیب کر دی اور تمہیں اس بات میں جھوٹا قرار دے دیا کہ وہ تمہارے معبود اور شریک ہیں یا جو تم کہتے ہو کہ انہوں نے تم کو ان کی عبادت کا حکم دیا تھا اور اپنی عبادت کی تمہیں دعوت دی تھی۔

بعض نے کہا کہ یہ خطاب دنیا میں مؤمنوں کے لیے ہے، یعنی اے مومنو! تم کو ان مشرکوں نے جھٹلا دیا تھا جو تم ان کو کہتے تھے اور جو بھی حضرت محمد ﷺ اپنے رب کی طرف توحید اور ایمان لے کر آئے تھے اس کو انہوں نے جھٹلا دیا۔

مگر پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے اور عبارت کا انداز بیان اور سیاق و سباق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

جس نے یاء (جو آخری ہے) کے ساتھ پڑھا تو معنی یوں ہوگا کہ انہوں نے تمہاری بات کو جھٹلا دیا، پھر فرمایا:

﴿فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا﴾ (الفرقان: ١٩)

تو وہ عذاب کو ہٹانے اور مدد کی طاقت نہیں رکھتے۔

یہ ان کی روز قیامت کی حالت ہوگی کہ وہ اپنے آپ سے عذاب کو بھی ہٹا نہ سکیں گے اور نہ ہی انہیں مدد دے کر اللہ سے بچایا جا سکتا ہے۔

ابن زید نے کہا: جب تمام مخلوقات قیامت کے روز اکٹھی ہو جائیں گی، تو ایک آواز دینے والا یہ آواز دے گا:

﴿مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ﴾ (الصافات: ٢٥)

”تمہیں کیا ہو گیا کہ تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے۔“

یعنی جو بھی غیر اللہ معبود تھا وہ آج اپنے عابد کی مدد نہیں کرے گا اور اسی طرح عبادت کرنے والا بھی اپنے معبود کو اللہ سے نہیں بچا سکے گا۔ اور فرمایا:

﴿بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ﴾ (الصافات: ٢٦)

”بلکہ وہ آج کے دن فرمانبردار ہیں۔“

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے دن یہ شیطان کے عبادت گزاروں کا حال ہوگا، ان کے مسلمانوں سے الگ ہو جانے کے اس حال پر ہائے افسوس کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ کی یہ آواز سنائی دے گی:

﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ۝٥٩ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝٦٠ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝٦١ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ۝٦٢﴾ (یٰس: ٥٩۔ ٦٢)

”اور الگ ہو جاؤ تم آج کے دن اے مجرمو! اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم سے یہ وعدہ نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے، اور میری عبادت کرو یہی سیدھی راہ ہے، بے شک شیطان نے تم کو بہت سی نسلوں کو گمراہ کر دیا کیا تم عقل نہیں کرتے تھے۔“

فصل: روشنی اور اندھیرا

شیطان کے کھیل اور مکر میں سے اس کا بت پرستی کا کھیل بھی ہے ان میں سے ایک جماعت کہتی ہے کہ کائنات کے خالق دو ہیں: ایک خیر اور ایک بھلائی کا خالق ہے، جو نور اور روشنی ہے، دوسرا خالق برائی کا خالق ہے یہ تاریکی ہے اور یہ دونوں قدیم ہیں ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے یہ دونوں قوی اور طاقت ور ہیں صاحب حس وادراک ہیں سمیع بھی ہیں اور بصیر بھی۔ یہ دونوں اپنی جان اور شکل وصورت میں مختلف ہیں اور اپنے فعل وتدبیر میں ایک دوسرے سے متضاد اور برخلاف ہیں۔ نور صاحب حسن وفضل ہے صاف ستھرا، خوشبودار ہے اور خوش نما بھی، یہ اچھا، شرف وکرامت سے بھرپور، تمام محاسن وفضائل کا منبع، تمام خوشیوں اور خوبیوں کی جڑ ہے، اس میں شر اور برائی بالکل نہیں اور نہ ہی کسی قسم کا نقصان اور ضرر ہے۔

اس کے بالمقابل تاریکی اور ظلمت ہے وہ نہایت میلی گدلی، بدبودار، بدنما اور شریر وبخیل ہے، شر وفساد کی جڑ اور ہر قسم کے نقصان اور ضرر کی اصل ہے۔

ان کے بھی آگے کچھ فرقے ہیں، ایک فرقہ کہتا ہے کہ نور ہمیشہ تاریکی سے اوپر ہوتا ہے۔

اور ایک فرقہ کہتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہا ہے۔

ایک فرقہ کہتا ہے نور ہمیشہ شمال کے کنارے کی طرف اور اوپر کو اٹھ رہا ہے اور تاریکی جنوب کی طرف نیچے کو گر رہی ہے اور ان میں ہر ایک دوسرے سے معارض اور برعکس ہے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ان دونوں میں ہر ایک کے چار جسم ہیں اور پانچویں چیز روح ہے۔

نور کے چار بدن یہ ہیں: ❶ آگ ❷ نور، ❸ ہوا ❹ پانی اور پانچواں جو روح ہے وہ نسیم ہے، جو ہمیشہ ان ابدان میں چلتی رہتی ہے۔

اور تاریکی کے جسم یہ چار ہیں: ❶ آگ ❷ تاریکی ❸ سموم (گرم ہوا) ❹ کہرا، اور پانچویں چیز دھواں ہے اور وہ اس کی روح ہے۔

یہ لوگ نور کے ابدان کو فرشتے کہتے ہیں اور تاریکی کے اجسام کے نام شیطان اور عفریت بتاتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ تاریکی شیطان جنتی ہے اور روشنی فرشتے پیدا کرتی ہے اور نور شر پر قادر نہیں اور نہ ہی اس کی طرف شر آتا ہے۔

اور تاریکی خیر پر قادر نہیں اور نہ ہی اس کی طرف سے وہ آتی ہے، ان کے مذاہب نہایت کمزور بودے اور گندے ہیں اور ان کے روزے عمر کا ساتواں حصہ ہے، ان کا مذہب ہے کہ کسی بھی ذی روح چیز کو تکلیف نہ دی جائے۔

ان کی شریعت یہ ہے کہ کوئی ایک دن سے زیادہ اپنی روزی اور رزق کا ذخیرہ نہ بنائے، جھوٹ سے اجتناب کیا جائے، اس طرح بخل، جادو، بتوں کی پرستش، زنا اور چوری سے بچنا بھی ان کی شریعت کا ایک حصہ ہے۔

انہوں نے تاریکی کے قدیم یا حادث ہونے میں اختلاف کیا ہے، ایک فریق کہتا ہے کہ تاریکی بھی قدیم ہے اور یہ ہمیشہ نور کے ساتھ رہی ہے۔

ایک فریق کہتا ہے کہ نور قدیم ہے، مگر اس نے ایک ردی قسم کی سوچ سوچی جس سے ظلمت پیدا ہوگئی۔

تو ان کا مذہب دو اصول پر مبنی ہے، جو باطل ترین چیز ہے۔

ایک تو یہ ہے تمام کائنات سے بدترین جو نہایت خبیث اور ردی چیز ہے، وہ تمام موجودات کی بہترین چیز کے معارض، ہم پلہ، معارض اور مقابل ہے اور ہمیشہ سے وہ اس کے خلاف اور مقابل ہے اور خیر بالکل شر کو ہٹا نہیں سکتی۔

یہ شرک بت پرستوں کے شرک سے بھی زیادہ عظیم ہے، جو اپنے بتوں کی پرستش محض قرب الٰہی کے حصول کے لیے کرتے تھے کیونکہ وہ کہتے تھے کہ بت اللہ تعالیٰ کی مخلوق اشیاء ہیں وہ اللہ کی ملک ہیں اور اس کی مخلوق ہیں اور وہ ان کا رب ہے، جس طرح وہ اپنے حج میں تلبیہ کے الفاظ یوں ادا کرتے تھے۔

لبیک اے اللہ لبیک، لبیک تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔ سوائے ایک شریک کے جو تیرے لیے ہے، تو اُس کا مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے۔

دوسرا اصل یہ ہے کہ انہوں نے نور سے کسی قسم کی بھی برائی صادر ہونے سے اس کو پاک وصاف قرار دیا، پھر اس کو ہر ایک شر اور برائی کا اصل منبع اور سرچشمہ بنا دیا۔ دو الٰہ، خالقین اور دو رب بنا لیے۔ اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء وصفات میں شرک کے ساتھ اس کے انبیاء ورسل اور شرائع وملائکہ میں عظیم ترین شرک کے مرتکب ہوئے۔

مقالات والوں نے ان سے یوں حکایت نقل کی ہے کہ ان میں ایک قوم ہے جس کو دیصانیہ کہا جاتا ہے، وہ کہتے ہیں دنیا کی مٹی کھردری اور سخت تھی اور نور کے جسم کے مشابہ، کچھ عرصہ ایسے رہی پھر وہ نور اس دنیا کے وجود سے تکلیف محسوس کرنے لگا، حالانکہ یہ خود ہی اس کا خالق بھی ہے۔

جب یہ جمال لمبا عرصہ اسی طرح رہا تو اس نور نے اس کی نشوونما کا قصد کیا تو وہ اس میں لت پت ہو کر اس سے خلط ملط ہو گیا تو ان دونوں کے درمیان سے روشنی اور تاریکی پر مشتمل ایک اور جہان وجود میں آ گیا، تو اب جو بھی خیر وخوبی کائنات میں موجود ہے وہ نور کے جسم سے مرکب ہے اور جو بھی برائی یہاں پائی جاتی ہے وہ ظلمت کی پیداوار ہے۔

یہ لوگ انسانوں کو بے خبری میں اچانک ہلاک کر ڈالتے ہیں اور ان کا گلہ دبا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ان سے نیکی کر رہے ہیں اور اس طرح وہ نورانی روح کو تاریک جسم سے خلاصی اور رہائی دے رہے ہیں۔

ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ لمبا عرصہ اکیلا رہا تو وہ ڈر اور وحشت محسوس کرنے لگا، تو اس کی سوچ وفکر میں برائی آ گئی پھر یہ سوچ وفکر جسم کی شکل اختیار کر گئی، اس طرح اس نے ظلمت اور تاریکی کا وجود اختیار کر لیا پھر اس سے ابلیس پیدا ہوا، تو اللہ نے اس کو اپنی ذات سے دور کرنا چاہا مگر اس طرح نہ کر سکا لہٰذا دیگر لشکر اور نیکیاں پیدا کر کے وہ اس سے بچ گیا۔ ادھر ابلیس نے بھی برائیاں اور شرارتیں پیدا کرنی شروع کر دیں۔

ان کے مذہب کے اصل عقائد جن پر ان کے خواص معتقد ہیں، وہ پانچ قدیم اشیاء کا ثابت کرنا ہے:

1 الباری 2 الزمان اور وقت 3 خلاء 4 ھیولیٰ 5 ابلیس

تو الباری خالق الخیرات ہے اور ہر خوبی اور اچھائی کو باری وجود میں لاتا ہے جبکہ ابلیس ہر ایک شر کو پیدا کرتا ہے۔

محمد بن زکریا رازی بھی اسی مذہب پر تھا مگر وہ ابلیس کو ثابت نہ کر سکا تو اس کی جگہ نفس کو مقرر کر دیا، پانچ چیزوں کے قدیم ہونے کا یہ قائل تھا، اس کے ساتھ اس نے صابئہ، دھریہ، فلاسفہ اور براہمہ سے بھی اپنے مذہب کچھ کچھ ملا دیا، تو ہر ایک مذہب سے

اس کی شرارتیں اور برائیاں لے کر اپنے مذہب میں شامل کر لیں اور نبوتوں کے ابطال میں ایک کتاب بھی لکھی، موت کے بعد جی اٹھنے کے ابطال میں بھی ایک رسالہ لکھا تو اس نے ایک ایسے مذہب کی بنیاد رکھی جو دنیا کے زنادقہ کے خیالات کا مجموعہ تھا۔

اس نے کہا: میں کہتا ہوں باری، نفیس، ہیولی، مکان اور زمان سب قدیم ہیں اور عالم جدید ہے۔ کسی نے کہا اس کے جدید کرنے کی کیا وجہ ہے؟ تو وہ کہنے لگا کہ نفس جب اس دنیا میں حاملہ ہونا چاہیے اور شہوت اس کو اس بات پر برانگیختہ کرے اور اسے معلوم نہ ہو کہ اس کو کیا کچھ مصیبت اٹھانا پڑے گی تو وہ بے قرار ہو جاتا ہے، اور ہیولیٰ تشویش ناک اور مضطربانہ غیر منظم حرکتیں شروع کر دیتا ہے اور اپنے ارادے سے عاجز آ جاتا ہے۔ تو باری اس جہاں کے احداث میں اس کی مدد کرتا ہے اور اس کو نظم اور اعتدال پر ابھارتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ وہ اپنے عمل کی سزا چکھنے کے بعد دوبارہ اپنے جہان کی طرف واپس آ جاتا ہے اور اس کی بے قراری ختم ہو جاتی ہے اور اس کی شہوت بھی ختم ہو جاتی ہے اور وہ آرام میں ہو جاتا ہے تو اس نے یہ جہان باری کی مدد سے پیدا کیا۔

اس نے کہا اگر اس طرح نہ ہوتا تو وہ یہ جہان پیدا کرنے پر ہرگز قادر نہ ہوتا۔

اگر اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور کفار سے نقل کرتے ہوئے ان مذکورہ باتوں سے بھی زیادہ کمزور باتیں اور زیادہ باطل چیزیں بیان نہ کی ہوتیں تو یقیناً ان مشرکین کی یہ باتیں بیان کرنے سے عقل شرماتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے اعداء کے اقوال بیان کرنے کا ایک طریقہ مقرر کر دیا۔ اس میں ایمان کی قوت ہے اور اس کی بڑائی کا اظہار ہے اور اس کی قدر و منزلت کی پہچان ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت جو اس کے مستحقین پر پوری کر دی گئی ہے اور بندے کی مدد نہ کرنے کی قدر کو پہچاننا ہے نیز یہ مدد نہ کرنا انسان کو کہاں تک پہنچا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ ہر عقل مند کی ہنسی بن جاتا ہے، تو اس سے بڑھ کر کونسی گمراہی اور بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے، اس سے اچھا تو یہ ہے کہ آدمی اپنی عمر بحث و نظر میں ختم کر دے اور یہ اس بندے کے اللہ تعالیٰ اور دنیا و آخرت کے متعلق علم کی انتہاء ہے۔

فصل: زرتشت

مجوسی روشنیوں، آگوں، پانی اور زمین کی تعظیم کرتے ہیں۔ یہ لوگ زرادشت کو نبی مانتے ہیں ان کی کچھ شریعتیں ہیں جن پر یہ چلتے ہیں اور ان کے مختلف فرقے ہیں۔

ان میں ایک فرقہ مزدکیہ ہے جو مزدک الموبذ کے ساتھی ہیں۔ موبذ: ان کے نزدیک عالم اور راہنما کو کہتے ہیں اور یہ لوگ عورتوں اور کمائیوں میں اشتراک کو درست سمجھتے ہیں جس طرح وہ ہوا اور راستوں وغیرہ اشیاء میں اشتراک رکھتے ہیں۔

ان میں سے ایک فرقہ خرمیہ ہے۔ یہ لوگ بابک خرمی کے ساتھی ہیں یہ ان کے تمام گروہوں میں بدترین لوگ ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ، قیامت، نبوت اور حلال و حرام کو نہیں مانتے۔ انہی کے مذہب پر قرامطہ، اسماعیلیہ، نصیریہ، بشکیہ، درزیہ، حاکمیہ اور تمام عبیدیہ ہیں جو اپنے آپ کو فاطمیہ کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے بڑے کفار میں سے ہیں ان کا بیان آگئے آئے گا ان سب کا یہی مذہب ہے مگر ان کی تفصیل الگ الگ ہے۔

تو مجوسی ان سب کے استاذ امام اور رہبر ہیں اگرچہ مجوسی اپنے اصل دین اور شرائع کے پابند ہوتے ہیں مگر ان لوگوں کی پابندی کسی مذہب پر بھی نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی شریعت کو وہ اپناتے ہیں۔

شیطان کا صابئہ کے ساتھ کھیلنے کا ذکر

یہ امت بڑی بڑی امتوں میں سے ہے۔لوگوں نے اپنے مذہب میں بہت اختلاف کیا ہے،جتنی جتنی کسی کو اپنے دین کی سمجھ آئی وہ اس پر چلنے لگا،ان میں سے کچھ مومن ہیں کچھ کافر ہیں،چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ (البقرة:٦٢)

''جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے،اور نصاریٰ اور صابی لوگ،جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور اچھے عمل کرے تو ان کے لیے اپنے رب کے پاس اجر ہوگا اور نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا چار گروہوں میں ذکر کیا ہے،جن میں سے ہر ایک اصل میں دو گروہوں پر تقسیم ہے ایک مومن ہے اور دوسرا کافر،ایک ناجی ہے اور دوسرا ہلاک ہونے والا۔

ایک اور مقام پر چھ گروہوں کا ذکر فرمایا گیا،جو سب کے سب دو گروہوں پر تقسیم ہوتے ہیں،ایک مومن ہے اور دوسرا کافر ہے،چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ﴾ (الحج:١٧)

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور بے دین اور نصرانی اور مجوسی اور جو مشرک ہیں اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان میں فیصلہ کرے گا۔''

یہاں دو وہ امتیں بیان کیں جنہیں کوئی کتاب نہیں دی گئیں اور وہ نیک بخت اور بد بخت دو گروہوں میں تقسیم بھی نہیں ہوتے اور وہ دو امتیں مجوس اور مشرک ہیں۔انہیں اللہ تعالیٰ نے آیۃ الفصل میں بیان کیا ہے اور انہیں جنت کے وعدہ والی آیت میں ذکر نہیں کیا۔اور صابیوں کا ذکر دونوں آیتوں میں موجود ہے،تو معلوم ہوا کہ صابی لوگوں میں نیک بخت بھی ہیں اور بد بخت بھی۔

یہ لوگ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی قوم سے تھے جنہیں آپ نے دعوت دی تھی یہ لوگ حران میں رہتے تھے۔صابئہ کا یہی مسکن تھا۔

ان کی دو قسمیں ہیں ایک صابئہ حنفاء اور دوسرے صابئہ مشرکین مشرک لوگ سات کواکب کی عبادت کرتے تھے،اسی طرح بارہ برجوں کی بھی وہ عبادت کرتے،اپنے ہیکلوں میں وہ ان کی تصویریں رکھتے تھے،ان کے مخصوص بت بنا کر ہیاکل میں رکھتے تھے،وہ بڑے عبادت خانے تھے جیسے یہود کے معبد اور عیسائیوں کے گرجے ہیں،اُن کا بڑا ہیکل سورج کے لیے ہے۔چاند،زہرہ،مشتری،مریخ،عطارد،زحل اور پہلے علۃ ان سب کے لیے ایک ایک ہیکل۔ان کواکب کے لیے ان کے ہاں مخصوص عبادات اور دعائیں تھیں،اُن کی تصاویر ان ہیاکل میں رکھتے اور انہیں بتوں کے طور پر اپناتے پھر ان کی قربانیاں بطور تقریب دیا کرتے تھے۔اور مسلمانوں کی طرح دن رات میں ان کی بھی پانچ نمازیں ہوتی تھیں۔

ان میں سے کچھ فرقے ماہ رمضان کے روزے بھی رکھتے تھے اور وہ اپنی نمازوں میں اپنا منہ خانہ کعبہ کی طرف کرتے اور وہ

لوگ مکہ کی تعظیم کرتے ہیں اور اس کی طرف حج کو جانا اپنا مذہب سمجھتے ہیں۔ اور مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام خیال کرتے ہیں اور نکاح میں جن قرابتوں کو مسلمان حرام سمجھتے ان کو یہ بھی حرام سمجھتے ہیں۔

اس مذہب پر حکومت کے سرکردہ لوگوں میں ایک جماعت بغداد میں بھی قائم تھی جیسے ہلال بن المحسن الصابی تھا جو دیوان انشائی اور چند مشہور رسالوں کا مصنف تھا۔ وہ مسلمانوں کے مطابق روزے رکھتا اور عید کرتا تھا۔ وہ زکوٰۃ بھی دیتا تھا اور محرمات کو حرام جانتا تھا، لوگ اس کے مسلمانوں کے ساتھ موافق چلنے پر خوش ہوتے تھے حالانکہ وہ ان کے دین پر نہیں تھا۔

ان کا اصل دین ان کے خیال کے مطابق یہ ہے کہ وہ عالم کے مذاہب و ادیانات کو اچھا خیال کرتے ہیں، اور ان کی برائیوں اور قباحتوں سے چاہے جو بھی قول ہو یا عمل ہو اجتناب کرتے ہیں۔ اسی لیے ان کو صابی یعنی نکلنے والے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ تمام ادیان کی جملہ قیود و تفصیلات سے خارج ہوتے ہیں، صرف اسی چیز کو اپناتے ہیں جس کو وہ حق سمجھتے ہیں۔

قریش مکہ نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو بھی صابی کہتے تھے عربی میں کہا جاتا ہے صَبَا الرَّجُلُ یعنی آدمی ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف نکلا۔

اور کہتے ہیں صباء یصیبو یعنی مائل ہوا۔ اسی سے اس آیت کا مفہوم ہے: ﴿وَ اِلَّا تَصۡرِفۡ عَنِّیۡ کَیۡدَهُنَّ اَصۡبُ اِلَیۡهِنَّ﴾ یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اے اللہ اگر تو نے مجھ سے ان عورتوں مکاری کو نہ ہٹایا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا۔

مہموز اور معتل [1] دونوں مشترک ہیں، مہموز کا معنی ہے کسی چیز سے مائل ہونا اور معتل کا معنی کسی چیز کی طرف مائل ہونا مہموز سے اسم فاعل صابی بروزن قاضی ہے اور اسم فاعل معتل سے صاب بروزن قاض ہوگا پہلے کی جمع صابئون قارون کی طرح ہے اور دوسرے کی جمع صابون بروزن قاضون ہے اور یہ دونوں قراءتوں سے پڑھا گیا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ یہ جماعت صائبین کی تمام امتوں کے ساتھ بعض باتوں میں مشارکت رکھتی اور بعض باتوں میں ان سے الگ رہتی ہے۔ ان میں سے حنفاء کی جماعت حنیفیت میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہے اور ان میں سے جو مشرک ہیں وہ بتوں کے پجاریوں کے ساتھ شامل ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام درست ہے۔

اس امت کے اکثر لوگ فلاسفہ ہیں وہ اپنے خیال میں ہر ایک دین کے وہ محاسن جنہیں عقل صحیح سمجھتی ہے اس کو اپناتے ہیں، ان کی عقلیں انبیاء کی اطاعت کو ضروری قرار دیتی ہیں اور ان کی شریعتیں مانتے ہیں، کچھ فلاسفہ انبیاء کی اطاعت کو واجب قرار دیتے ہیں اور نہ حرام سمجھتے ہیں، ان میں سے بیوقوف اور گھٹیا لوگ تو اس سے منع کرتے ہیں۔ جیسا اس کے بعد ان کے ساتھ شیطان کے کھیلنے کے باب میں ذکر آئے گا۔

اسی لیے یہ فلاسفہ اور صابیہ کوئی مستقل امت نہیں ہے، جس کی طرف کوئی نبی آیا ہو یا کتاب نازل ہوئی ہو، اگرچہ رسولوں

---

[1] مہموز وہ فعل ہے جس کے کسی حرف اصلی کے مقابلے میں ہمزہ ہو، یہ مہموز اللام ہوگا اور ماضی صبأ ہوگا۔ معتل سے مراد یہ ہے کہ فعل کے کسی حرف اصلی کے مقابل حرف علت ہو، اس طرح یہ صَبَاَ ہوگا معتل اللام کے انداز میں آخری حرف پر الف ظاہر ہے جبکہ اس کی حقیقت واؤ اور یاء میں سے کسی حرف کے ساتھ سامنے آئے تو یہ ناقص واوی یا ناقص یائی کہلائے گا۔ (مترجم)۔

نے انہیں دعوت دی تھی۔کوئی امت بھی جو موجود نہیں ہے مگر اس پر اللہ تعالیٰ نے ضرور حجت قائم فرمائی ہے، اور ان کی حجت اور دلیل کے تمام مواقع ختم کر دیے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (النساء:۱٦۵)

''تاکہ رسولوں کے پہنچنے کے بعد لوگوں کی کوئی حجت اللہ تعالیٰ پر باقی نہ رہے۔''

بلکہ رسول بھیج کر اس نے ان پر حجت قائم کر دی۔

مقصود یہ ہے کہ صابئہ کے کئی فرقے ہیں ایک صابئہ حنفاء، ایک صابئہ مشرکین، ایک صابئہ فلاسفہ اور ایک وہ صابئہ جو تمام مذاہب کی اپنے خیال کے مطابق اچھائیاں اور محاسن اپناتے ہیں مگر کسی مذہب کی قید نہیں لگاتے۔ پھر ان میں کچھ نبوتوں کو مانتے ہیں مگر تفصیل میں توقف اختیار کرتے ہیں، کچھ ان تمام کو بالتفصیل مانتے ہیں اور کچھ بالتفصیل سب کچھ نہیں مانتے۔

ان میں سے کچھ اقرار کرتے ہیں کہ جہان کا کوئی صانع خالق موجود ہے، جو نہایت علم وحکمت والا کاریگر اور ہر قسم کے نقائص وعیوب سے پاک ومنزہ ہے، پھر ان میں سے مشرک کہتے ہیں ہماری اس بلند ذات تک بغیر واسطے اور وسیلے کے رسائی ممکن نہیں، اس لیے ہمیں اس کے قرب کے حصول کے لیے اس کے قریبی روحانی وسیلے اور مقدس واسطے اپنانے ضروری ہیں جو جسمانی مواد اور اعضاء سے پاک صاف ہوں اور وہ پاکیزگی وطہارت پر پیدا کیے گئے ہوں، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم ان کے قریب ہوتے ہیں اور ان کے قرب سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتے ہیں تو یہ ہمارے رب اور معبود ہیں اور ربّ الأرباب کے پاس ہمارے سفارشی ہیں جو تمام معبودوں کا معبود ہے۔ اور ہم جو ان کی بندگی کرتے ہیں وہ صرف اس لیے ہے کہ یہ ہم کو درجے میں اللہ کے قریب کر دیں تو ہم پر ضروری ہے کہ ہم اپنے نفسوں کو بھی خواہشات سے پاک صاف رکھیں اور غضبی قوتوں کے متعلقات سے اپنے اخلاق کو مہذب بنائیں تاکہ ہمارے اور روحانی قوتوں کے درمیان ایک مناسبت پیدا ہو جائے اور ہماری ارواح ان کے ساتھ مل جائیں، تب ان سے ہم اپنی ضروریات کا سوال کر سکیں اور ان پر اپنے حالات پیش کر سکیں اور اپنے تمام معاملات ان کی طرف پھیر سکیں، تو وہ ہمارے اور اپنے معبود کے سامنے ہماری سفارش کر سکیں گے۔

ان کے خیال میں یہ اخلاقی اور نفسانی تطہیر وتہذیب روحانیات کی امداد سے ہی وجود میں آتی ہے اور عاجزی آہ وزاری اور دعاؤں میں نہایت خشوع وخضوع اور نمازوں، زکوتوں، قربانیوں، خوشبوؤں کی دھونیوں اور عزائم سے یہ چیز حاصل ہو سکتی ہے۔

اس طرح ہمارے نفسوں میں واسطۂ رسل کے بغیر بھی مدد حاصل کرنے کی استعداد اور صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ ہم اسی دھات سے مدد لے سکتے ہیں جس سے رسول لیتے ہیں پھر ہمارا اور ان کا حکم ایک ہو جاتا ہے اور ہم اور وہ ایک منزلت اور مرتبے کے ہو جاتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں انبیاء بھی ہماری نوع اور مادہ میں ہماری مثل ہیں اور شکل وصورت میں ہماری طرح ہیں، جو کچھ ہم کھاتے پیتے ہیں وہی کچھ وہ بھی کھاتے پیتے ہیں وہ ہماری طرح انسان ہیں اور ہم سے زیادہ فضیلت والے بننا چاہتے ہیں۔

ابن عربی، ابن سبعین اور عفیف تلمسانی اور ان جیسے دیگر لوگوں نے کچھ اضافہ کیا ہے جس طرح اس گروہ کے بڑے بڑے

لیڈروں نے کہا ہے کہ ولی کا درجہ رسول سے بھی اونچا ہے کیونکہ وہ اس معدن اور کان سے علم حاصل کرتا ہے جس سے وہ فرشتہ لیتا ہے جو رسول کی طرف وحی کرتا ہے۔ لہٰذا وہ رسول سے دو درجے اونچا ہوتا ہے۔

تو ان ملحدوں نے اپنے آپ کو اور اپنے شیوخ و اساتذہ کو ہدایت کے حصول میں انبیاء رُسل سے بھی دو درجے اونچے قرار دیا اور ان کے مشرک بھائیوں نے ہدایت کے حصول میں اپنے آپ کو انبیاء کے ہم مرتبہ قرار دیا لیکن انہوں نے اپنے لیے انبیاء سے زائد مرتبہ کا دعویٰ نہیں کیا۔

مقصد یہ ہے کہ ان سب اگلے پچھلے کافروں نے انبیاء ورسل کے لائے ہوئے دو اصول کا انکار کر دیا۔

❶ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرنا اور باقی تمام معبودوں کا انکار کرنا۔

❷ اللہ کے رسولوں اور ان کے لائے ہوئے پیغام پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق و اقرار اور اطاعت و فرمانبرداری بجالانا۔

یہ امر شرک صرف صابیہ مشرکین کے ساتھ مخصوص نہیں جس طرح بعض اہل مقالہ کا قول ہے بلکہ تمام امتوں کے مشرکین کا یہی مذہب ہے مگر صابیہ مشرکین کا شرک کواکب اور علوی اشیاء کے ساتھ متعلق تھا اسی لیے امام الحنفاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کواکب کی الوہیت کے ابطال کے موضوع پر ان سے بہترین اور نہایت واضح مناظرہ فرمایا، چنانچہ اس کا ذکر سورۃ الانعام آیت ۸۳۔ ۷۴ میں فرمایا گیا ہے۔ جس میں اپنے دلائل کا اظہار فرمایا اور ان کے دلائل کو باطل قرار دیا۔ جب ان کواکب کی الوہیت کا ابطال دلیل غروب سے کر دیا اور فرمایا کہ الہ اور معبود کے لیے یہ سزاوار نہیں کہ وہ غروب ہو بلکہ اسے تو ہر وقت حاضر رہنا ضروری ہے اور غائب نہیں ہونا چاہیے جس طرح اسے ہر وقت غالب و قاہر ہونا بھی ضروری ہے اور اسے مغلوب و مقہور نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے بندوں کے لیے نفع دینے والا اور ان کے لیے نفع و نقصان کا مالک ہونا چاہیے وہ اپنے بندے کا کلام بھی سن سکتا ہو اس کی جگہ کو دیکھتا ہو اس کے ہر نقصان اور ضرر کو دور کر دے اس کو ہدایت اور رہنمائی کرے۔ اور یہ کام صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہی کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس کے بغیر ہر معبود باطل ہے۔

جب امام الحنفاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ سورج، چاند اور ستارے الوہیت کے مقام سے کم تر ہیں تو انہوں نے اپنی فکری دلیل کو اِن اشیاء کے خالق و ناظر کی طرف بلند کر دیا اور فرمایا:

﴿ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا ﴾ (الانعام:۷۹)

''میں نے اپنا چہرہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے کی طرف یک سو ہو کر پھیر دیا ہے۔''

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اشیاء کے امکنہ و مقامات کو بھی پیدا کرنے والا ہے جن کے یہ محتاج ہیں، بلکہ ان چیزوں کا وجود ان کے بغیر ممکن نہیں۔ لہٰذا یہ چیزیں ایک محل و مقام کی محتاج ہیں، اسی طرح ایک فاطر کی بھی محتاج ہیں جو انہیں وجود بخشتا ہے اور ان کی تدبیر اور انتظام کرتا اور انہیں پالتا اور ان کی نشوونما کرتا ہے اور جو محتاج، مخلوق، مربوب، ہو وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔

تو ان کی قوم نے ان سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کیا تو جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بارے میں جھگڑا کرے اس کی حجت باطل ہے لہٰذا: حضرت ابراہیم نے فرمایا:

﴿ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ﴾ (الانعام: ۸۰)

"کہ تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کے متعلق جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت فرمائی ہے۔"

یہ بہترین کلام ہے یعنی تم مجھے اپنے رب کا اقرار کرنے اور اس اکیلے کی توحید ربوبیت پر ایمان لانے سے ہٹانا چاہتے ہو اور اس کے متعلق مجھے شک میں ڈالنا چاہتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت دی ہے اور حق کو میرے لیے واضح کر دیا اور وہ میرے لیے اس طرح واضح ہو گیا ہے جس طرح کہ میں اس کو اپنی آنکھوں سے سامنے دیکھ رہا ہوں اور اس نے میرے لیے شرک کا باطل ہونا اور اس کا برا انجام واضح کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ تمہارے معبود عبادت کی صلاحیت نہیں رکھتے اور ان کی عبادت کرنا ان کے عبادت گزاروں کے لیے دنیا و آخرت میں انتہائی نقصان دہ ہے، تو تم کس طرح مجھے اللہ کی عبادت اور اس کی توحید سے ہٹا کر شرک کی طرف پھیرنا چاہتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حق کی طرف راہنمائی فرما کر ہدایت کا راستہ دکھا دیا ہے۔

حجت و دلیل سے مقابلہ اور مجادلہ کا فائدہ باطل سے حق کی طرف اور جہالت سے علم کی طرف اور اندھے پن سے دیکھنے کی طرف واپس آنے کا مطالبہ ہوتا ہے، مگر تمہارا مجھ پر سے جھگڑا سچے معبود کے متعلق ہے جس کے سوا تمام معبود باطل ہیں اور وہ اس کے برعکس ہے۔

پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے معبودوں سے خوف دلایا کہ وہ تمہیں نقصان اور تکلیف پہنچا دیں گے جس طرح ہر مشرک اپنے معبود کی تکلیف سے ڈراتا ہے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ ﴾ یعنی جس کو تم اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہو میں اس سے نہیں ڈرتا، کیونکہ تمہارے معبود اس شخص کو تکلیف دینے اور نقصان پہنچانے سے حقیر اور قاصر ہیں جو ان کے ساتھ کفر کرے اور ان کی عبادت سے انکار کرے۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تمام امور کو اللہ کی مشیت کی طرف موڑ دیا کہ اسی کی ذات خوف و رجاء کے لائق ہے تو فرمایا:

﴿ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّیْ شَيْئًا ؕ ﴾ مگر یہ کہ میرا رب کچھ چاہے تو وہ ضرور ہوتا ہے، یہ استثناء منقطع ہے یعنی میں تمہارے معبودوں سے نہیں ڈرتا کیونکہ ان کی مشیت اور قدرت کچھ بھی نہیں ہے، ہاں اگر میرا رب چاہے تو مجھے نقصان اور مصیبت پہنچ سکتی ہے مگر تمہارے معبود نہ تو کچھ چاہ سکتے ہیں اور نہ کچھ جانتے ہیں، مگر میرے رب کے لیے ایسی مشیت ہے جو ضرور نافذ ہو کر رہتی ہے اور اس نے ہر چیز کو علم کے ساتھ گھیر رکھا ہے، لہٰذا خوف و عبادت کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، یا وہ ہیں؟

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے، تاکہ تمہیں اپنے شرک کے متعلق بیدار ہو سکے کہ تم نے ان باطل معبودوں کو اللہ کے ساتھ شریک کر دیا کہ نہ ان کو کوئی علم ہے اور نہ ان کی مشیت ہے جبکہ اس ذات پاک کو علم تام اور مشیت تامہ ہے حاصل۔

اگلے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ ﴾
(الانعام: ۸۱)

"کیسے میں ان معبودوں سے ڈروں جن کو تم نے اللہ کے ساتھ شریک کر رکھا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ

تم نے اللہ کے ساتھ ان معبودوں کو شریک کیا جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔''

یہ ان کی حجت کو اُلٹی کرنے کا بہترین انداز ہے کہ باطل والے کی حجت کو اس کے قول کی خرابی اور مذہب کے بطلان پر ہی دلیل بنا دیا جائے وہ اس طرح کہ انہوں نے آپ کو ان معبودوں سے خوف زدہ کرنے کی کوشش کی جن کی عبادت کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور ان کی الٰہیت کا بطلان ظاہر ہوگیا، نیز ان کی عبادت کا نقصان بھی واضح ہوگیا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ تم اللہ کے ساتھ شرک کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیگر معبودوں کی عبادت کرنے سے نہیں ڈرتے، تو دونوں فریق میں سے امن کا مستحق کون ہوسکتا ہے جس کو کوئی مضرت نہ پہنچ سکتی ہو کیا توحید والوں کا فریق امن کا مستحق ہے یا مشرکین کا۔

اللہ تعالیٰ فریقین میں انصاف والا فیصلہ فرما دیا جس سے زیادہ صحیح کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ تو فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴾ (الانعام: ۸۲)

''جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہ ملایا۔ (یعنی شرک نہ کیا) تو ایسے لوگوں کے لیے امن ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہوں گے۔''

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام پر اس کا معاملہ گراں گزرا اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے کون شخص ہے جو اپنے آپ پر ظلم نہ کرتا ہو، تو آپ نے فرمایا یہاں ظلم سے مراد شرک ہے، کیا تم نے نیک بندے کا یہ قول نہیں سنا کہ انہوں نے کہا:

﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ (لقمان: ۱۳)

''بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''[1]

تو اللہ تعالیٰ کا توحید والوں کے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ وہ ہدایت یافتہ اور امن والے ہیں اور مشرکین اس کے برعکس ہیں۔ یعنی وہ گمراہی اور خوف کے مستحق ہیں۔

پھر فرمایا:

﴿ وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾

''یہ ہماری دلیل ہے، ہم نے یہ ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قوم پر عطا فرمائی ہم جس کے درجے بلند کرنا چاہیں کر دیتے ہیں یقیناً تیرا رب حکمت والا اور علم والا ہے۔''

ابو محمد بن حزم کہتے ہیں: صابی جس کی طرف منسوب ہوتے ہیں کہ وہ دین تمام ادیان سے قدیم اور تمام دنیا پر غالب ہے یہاں تک کہ انہوں نے نئی نئی چیزیں نکالیں اور اپنی شریعتیں بدل ڈالیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی بنا کر اور وہ دین اسلام دے کر بھیجا جس پر ہم آج تک قائم ہیں اور جو کچھ انہوں نے خراب کر ڈالا تھا اس کو صحیح کرنے کے لیے اور حضرت ابراہیم کو وہ حنفیت دے کر بھیجا جو اللہ کی طرف سے حضرت محمد ﷺ بھی لے کر آئے، یہ لوگ اس وقت بھی اور اس کے بعد حنفاء کے نام سے موسوم تھے۔

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، ص: ۲۰۔

میں کہتا ہوں ان کی دو قسمیں ایک صابئہ مشرکوں اور ایک صابئہ حنفاء کی ہے، ان کے درمیان مناظرے ہوتے رہے اور شہرستانی نے اپنی کتاب میں ان کے بعض مناظرات نقل کیے ہیں۔

فصل: شیطان کا دھریوں سے کھیلنا

ان لوگوں نے تمام مصنوعات دنیا کو صانع اور خالق سے الگ کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی بات یوں نقل فرمائی:

﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ﴾ (الجاثیۃ:۲۴)

''انہوں نے کہا: یہ تو صرف دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور زندہ بھی رہتے ہیں اور ہمیں زمانے اور وقت کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں مارتا۔''

ان کے دو فرقے ہیں ایک فرقہ کہتا ہے کہ خالق سبحانہ وتعالیٰ نے جب آسمان پیدا کیے تو وہ بہت بڑی حرکت کرنے لگے اور اس کے اوپر گھومنے لگے تو انہوں نے اسے جلا دیا تو وہ انہیں کنٹرول نہ کر سکا اور ان حرکات کو نہ روک سکا۔

ایک فرقہ کہتا ہے کہ اشیاء عالم کی کوئی ابتداء بالکل نہیں ہے، یہ قوت سے فعل کی طرف آتے ہیں۔ جب یہ قوت سے فعل کی طرف نکلتے ہیں تو اشیاء وجود میں آ جاتی ہیں اور اپنی ذات سے بھی یہ مرکب بھی ہوتی ہیں اور بسیط بھی یہ کسی دوسری چیز سے نہیں بنتی۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا شروع سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اس میں تغیر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی یہ ختم ہو سکتی ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ پیدا کرنے والا کوئی کام کرے پھر اس کو باطل کر کے مٹا ڈالے بلکہ وہ خود اپنے فعل کے ساتھ باطل ہو کر مٹ جاتا ہے اور یہ دنیا ہی ان اجزاء کو جو اس میں ہیں روک رہی ہے اور یہی لوگ اصلی معطلہ ہیں، بلکہ یہ تمام معطلین کے فحل اور نر یعنی بڑے لوگ ہیں۔

یہ عمل تعطیل ان آراء کے اختلاف اور تعارض کے باوجود ان سب گروہوں میں جاری وساری ہے جیسے مشرکین کے تمام فرقوں میں ان کے اختلاف کے باوجود شرک کی بیماری اصلی اور تفصیلی طور پر موجود ہوتی ہے۔ اور جس طرح منکرین نبوت میں بنیادی طور پر اور صفاتی طور پر نبوت کا انکار موجود ہوتا ہے، بالجملہ کوئی گروہ مانتا ہو مگر اس کے مقصود کا منکر ہو اور اس کے خلاصے اور نچوڑ یا اس کے کچھ حصے کا انکار کرتا ہو۔

تو یہ تین فرقے ہیں کہ جن کی بیماری اور مصیبت لوگوں میں سرایت کر گئی ہے، اس لیے اس سے نجات صرف وہی پا سکے ہیں جو پیغمبروں اور رسولوں کے پیروکار ہیں، جو پیغمبر کی لائی ہوئی بات کو پہچانتے ہیں اور وہ اسی کو ہی مضبوط پکڑتے ہیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں مانتے نہ ظاہری طور پر اور نہ باطنی طور پر۔

تو تعطیل کی بیماری اور شرک کی بیماری اور رسولوں کی مخالفت اور ان کی لائی ہوئی بات کا یا اس کے کچھ حصے کا انکار ہی دنیا کی اصل بیماریاں ہیں اور ہر برائی کی جڑ اور منبع ہے اور ہر باطل کی بنیاد اور اساس ہے، تو ملحدین، اہل باطل اور بدعتیوں کے ہر گروہ کا قول انہی تین اصولوں یا ان کے بعض سے مشتق ہے۔

اگر تو اس سے بچ جائے تو تو بہت بڑی بات سے بچے گا، ورنہ میں تجھے بچنے والا گمان نہیں کرتا۔

فصل: حکمت اور فلسفہ

یہ تینوں مصیبتیں فلاسفہ کے بہت گروہوں میں جاری وساری ہیں، سب میں یہ بیماری نہیں ہے، کیونکہ ذاتی طور پر یہ فلسفے کے نتائج نہیں ہو سکتے کیونکہ اس کا معنی حکمت سے محبت کرنا ہے اور فیلسوف کا اصل فیلا سوفا ہے جس کے معنی حکمت کو دوست رکھنے کے ہیں۔ فیلا کا معنی محبت کرنے والا ہے اور سوفا حکمت کو کہتے ہیں اور حکمت کی دو قسمیں ہیں ایک قولی اور ایک فعلی ہے۔ قولی کا معنی حق بات کہنا ہے، فعلی کا معنی درست کام کرنا ہے۔ تمام گروہوں میں سے ہر گروہ کسی نہ کسی حکمت کی قید اختیار کیے ہوئے ہوتا ہے۔

سب سے صحیح ترین حکمت ان لوگوں کی ہے جن کی حکمت رسولوں کی حکمت کے قریب تر ہو، جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝﴾ (ص:۲۰)

''ہم نے اس کو حکمت اور فیصلہ کرنے والی بات دی۔''

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝﴾ (آل عمران:۴۸)

''اور اللہ تعالیٰ انہیں کتاب وحکمت اور تورات وانجیل سکھائے گا۔''

اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا﴾ (مریم:۱۲)

''ہم نے اس کو بچپن سے حکمت دے دی۔''

یہاں الحکم سے مراد حکمت ہے۔

اور اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو کے متعلق مایا:

﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (النساء:۱۱۳)

''اللہ نے کتاب اور حکمت تم پر نازل کی۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ﴾ (البقرۃ:۲۶۹)

''اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جو شخص حکمت دیا گیا تو گویا کہ وہ خیر کثیر دیا گیا۔''

اور اپنے رسول ﷺ کے اہل بیت کو فرمایا:

﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ﴾ (الاحزاب:۳۴)

''اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں اللہ تعالیٰ آیات اور حکمت پڑھی جاتی ہیں۔''

جوحکمت رسول لے کر آئے ہیں وہ علم نافع اور عمل صالح پر مشتمل ہے، جوقول وعمل اور اعتقاد کی رو سے حق کو پالینے کا سچا راستہ ہے، اور اس حکمۃ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں میں بانٹ دیا تھا اور پہلے انبیاء میں جو محاسن فردا فردا بانٹ دیے تھے وہ حضرت محمد ﷺ میں سب جمع کر دیے، اسی طرح اس حکمت کو جو سب میں تقسیم کر دی تھی، وہ آپ ﷺ کو تمام عطا فرما دی اور جو پہلی آسمانی کتابوں میں حکمت نازل فرمائی تھی وہ ساری قرآن مجید کے علوم واعمال میں جمع کر دی، تو اگر دنیا کی تمام صحیح حکمتیں جمع کی جائیں وہ نبی اکرم ﷺ کو دی گئی حکمتوں کے مقابلے میں بہت قلیل ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ لفظ فلاسفہ اسم جنس ہے، یہ ان لوگوں پر بولا جاتا ہے جو حکمت کو پسند کرتے اور اس کو ترجیح دیتے ہیں اکثر لوگوں کے عرفِ عام میں یہ لفظ اس چیز سے مخصوص ہے جو انبیاء کے دین و مذہب سے نکلا ہو اور اس کے خیال میں وہ مذہب بھی جس کو عقل چاہتی ہے۔

اس سے بھی زیادہ مخصوص یہ ہے کہ یہ ارسطو کے پیروکاروں کا مخصوص نام ہے اور خاص طور پر مشائی لوگ ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کے طریقے کو ابن سینا نے جو مرتب اور مہذب کیا اور پھیلایا اور اس کو ثابت کیا۔ وہی اس طریقے کو اچھی طرح جانتا تھا بلکہ اس کے علاوہ دیگر متاخر متکلمین اس کو نہیں جانتے۔

فلاسفہ کے فرقوں میں سے یہ ایک شاذ فرقہ ہے اور ان کی بات لوگوں کی بات سے ایک الگ ہی بات ہے۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو آسمانوں کے قدیم ہونے کا قائل ہو، صرف ارسطو اور اس کی جماعت کے لوگ یہ بات کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ کہا گیا ہے جہانِ دنیا کو قدیم کہنے کے متعلق سب سے پہلے اس سے یہ بات معلوم ہوئی، اس سے پہلے اساطین فلاسفہ دنیا کے حادث ہونے کے قائل تھے۔ اور وہ سب اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے جو صانع عالم ہے اور اس کو عالم سے جدا قرار دیتے تھے۔ اور یہ بھی کہتے تھے کہ وہ تمام سے بلند ہے اور وہ اپنی ذات کے ساتھ آسمانوں سے اوپر ہے جس طرح ان کے متعلق انہوں نے بتایا جو ان کے متعلق اپنے زمانے میں سب سے زیادہ اچھی طرح جانتے تھے یعنی ابوالولید بن رشد نے اپنی کتاب مناھج الأدلۃ میں یہ فرمایا ہے:

جہمیہ کے متعلق بات

صفات کو اہل شریعت شروع سے اللہ تعالیٰ کے لیے مانتے اور ثابت کرتے چلے آرہے ہیں یہاں تک کہ معتزلہ نے ان کا انکار کیا۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کی نفی کی۔ پھر ان کی اتباع میں متاخرین اشاعرہ نے بھی اس کا اللہ تعالیٰ کے حق میں انکار کر دیا۔ جیسا کہ ابوالمعالی اور ان کے تبعین کا مسلک ہے۔ آگے ابن رشد کہتے ہیں کہ شریعتیں سب کی سب اس بات پر بنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر ہے اور فرشتے بھی آسمان سے اترتے ہیں اور انبیاء پر وحی لاتے ہیں اور کتابیں بھی آسمان سے اترتی ہیں۔ اور نبی ﷺ کو جو سیر کرائی گئی وہ بھی آسمانوں کی طرف ہی تھی یہاں تک کہ آپ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب چلے گئے، اور تمام حکماء اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے آسمان میں ہیں، جس طرح تمام شریعتوں کا بھی اس پر اتفاق ہے۔

اس کے بعد ابن رشد اس بات کو عقل سے ثابت کرتے ہیں، اس کے بعد وہ شبہ رفع کرتے ہیں جس کی وجہ سے جہمیہ اور ان کے موافقین نے اس کا انکار کر دیا تھا۔

آگے کہتے ہیں کہ آپ کے لیے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت کا ثابت کرنا شرع اور عقل کی رُو سے ضروری ہے اور شریعت بھی یہ بات لے کر آئی ہے اور اسی پر اس کی بنیاد ہے اور اس قاعدہ کو باطل کرنا شریعتوں کو باطل کرنے کے مترادف ہے۔

اس باخبر آدمی نے آپ کو ان لوگوں کی بات بیان کر دی ہے یہ ابن سینا اور اس کے ہم مثل لوگوں سے بھی زیادہ فلسفہ کو جانتا ہے، اس نے یہ بھی بتایا کہ تمام فلاسفہ کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا سے اور آسمان سے اوپر ہے۔

ان فلاسفہ کی باتیں بیان کرنے میں جو لوگ بچے بنتے ہیں وہ یا تو جہالت کی وجہ سے یہ بات بیان کرتے ہیں یا جان بوجھ کر وہ نہیں بتاتے، اور اکثر جو ہم نے دیکھے ہیں جو ان کے مذاہب کا بیان کرتے ہیں، ابھی بچے ہی ہیں۔

اسی طرح ان میں سے جو سربراہ ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی صفات وافعال کو ثابت کرنے میں متفق ہیں، اس دنیا کے حادث ہونے اور اختیاری افعال کے ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہونے پر بھی ان کا اتفاق ہے، جس طرح اپنے وقت کے اسلامی فلاسفر ابو البرکات بغدادی نے ذکر کیا ہے اور اس بات کو اچھی طرح واضح کیا ہے۔

اُس کا کہنا ہے کہ رب کا رب العالمین ہونا تب ہی درست ہوسکتا ہے جب یہ صفت اس کے ساتھ قائم ہو اور اس میں موجود ہو اور اس مسائلہ کا اللہ تعالیٰ سے نفی کرنا اس کی ربوبیت کی نفی کرنے کے مترادف ہے۔

اس نے کہا اس بزرگی سے مزید بزرگی، اور اس کی صفات کو ہر عیب سے پاک کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔

فصل: کبار فلاسفہ

اسی طرح فلاسفہ کے سربراہ اور متقدمین میں سمجھدار لوگ رسولوں اور شریعتوں کی تعظیم کرتے تھے اور ان کی پیروی لازمی قرار دیتے، وہ ان کے اقوال کے سامنے جھک جانے والے ہوتے اور جو کچھ وہ لائے ہیں اس کے متعلق یہ اعتراف کرتے یہ عقل کے علاوہ اخذ ہدایت کا ایک دوسرا طریقہ ہے [1] اور پیغمبروں کی عقلیں اور حکمتیں تمام دنیا کی عقلوں اور حکمتوں سے بلند تر ہیں۔

یہ فلاسفہ اِلٰہیات میں کلام نہیں کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں تمام کلام وہ رسولوں کی طرف سپرد کر دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے علوم ریاضیات طبعیات اور ان کے ماتحت علوم تک محدود ہیں اور یہ فلاسفہ عالم دنیا کو حادث کہتے تھے۔

صاحبانِ مقالات بیان کرتے ہیں کہ اس جہاں کو قدیم کہنے کی بات سب سے پہلے ارسطو نے کی تھی اور وہ مشرک تھا اور بتوں کی پرستش کرتا تھا وہ الٰہیات کے متعلق ایسی گفتگو کرتا جو سب کی سب اوّل تا آخر خطا ہے اور غلطیوں سے بھرپور ہے، مسلمانوں کے بہت سے گروہوں نے ان کے نظریات واقوال کا تعاقب کیا اور ان کی تردید کی ہے۔ یہاں تک کہ جہمیہ، معتزلہ، قدریہ، رافضہ اور مسلمان فلاسفہ نے بھی اس کے عقائد ونظریات کی تردید کی ہے کیونکہ اس کے نظریہ میں ایسی ایسی باتیں ہیں جو عقلمند لوگوں کی ہنسی اور تمسخر کا سبب ہیں۔

اس نے موجودات کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم کا انکار کیا کیونکہ اگر وہ دنیا کے متعلق علم رکھتا تو وہ ضرور مکمل معلومات رکھتا

---

[1] یعنی انسانوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے جو فطری ہدایت رکھی ہے، پیغمبروں کے ادیان اس کے علاوہ ہدایت کے ذریعہ ہیں۔

حالانکہ وہ معلومات کامل نہیں نیز دنیا کی معلومات کے تصور سے اس کو تھکاوٹ اور اکتاہت محسوس ہوتی۔

یہ اس استاد کامل اور معلم کی عقل کی پرواز ہے، یہ باتیں جناب ابوالبرکات نے اس کے متعلق ذکر کر کے ان کو خوب تردید کی ہے ان کے ابطال کے بہتر ۷۲ سے زیادہ دلائل ذکر کیے۔

تو وہ حقائق جن کا پرستار یہ شخص تھا وہ اللہ تعالیٰ کا انکار اور رسولوں، فرشتوں، کتابوں اور یوم آخرت کے ساتھ کفر تھا، اور ملاحدہ میں سے اس کے پیروکار اسی کے طریقہ پر رہے، اس ذریعے سے تو رسولوں کی اتباع سے پردہ داری اختیار کرتا تھا اور ان کے تمام نظریات سے آزاد تھا۔ اس کے ماننے والے اس کی تعظیم انبیاء سے بھی زیادہ کرتے تھے۔ اور وہ یہ خیال کرتے تھے کہ انبیاء کا کلام اس کے کلام پر پیش کیا جائے تو جو اس کے موافق ہو وہ مان لیا جائے اور جو اس کے خلاف ہو اس کو وہ نظر انداز کر دیتے، اس کو وہ معلم اول کہتے تھے کیونکہ تعلیمات منطقیہ سب سے پہلے اسی نے وضع کی ہیں جس طرح خلیل نے شعر کے علم عروض کو سب سے پہلے وضع کیا تھا۔

ارسطو اور اس کے تابع داروں کا یہ خیال ہے کہ منطق معانی کا میزان ہے، جس طرح علم عروض اشعار کا میزان ہے، مسلمان عقلاء نے ان کی اس میزان کی خرابیاں اور کجیاں بیان کی ہیں اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ اچھے بھلے عقول کو ٹیڑھا کر دیتا ہے اور لوگوں کے اذہان کو حیران و سرگرداں کر دیتا ہے انہوں نے اس کی رد و ابطال میں بہت کچھ تصنیف کیا ہے۔

سب سے آخر میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کے متعلق کتب تصنیف کیں اور اس کے رد میں دو کتابیں لکھیں، ایک بڑی اور ایک چھوٹی، جس سے اس کا تناقص اور غلط ہونا اور اس کے بہت سے طریقوں کا خراب ہونا ظاہر کیا۔

میں نے اس سلسلہ میں ایک کتاب ابوسعید سیرافی کی بھی دیکھی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ ملاحدہ اس معلم اول ارسطو کے طریقہ پر کاربند رہے یہاں تک کہ ان کے معلم ثانی کی باری آ گئی جن کا نام ابونصر فارابی تھا، اس نے ان کے لیے صوتی تعلیمات وضع کیں۔ جس طرح معلم اول نے ان کے لیے تعلیمات حرفیہ مقرر کی تھیں۔ پھر فارابی نے منطق کی صنعت کی توسیع کی اور اس کو پھیلا کر لکھا اور ارسطو کے فلسفہ کی شرح کی اور ان کی چھانٹ کانٹ کی اور اس میں کافی مبالغہ کیا۔ یہ بھی اپنے سلف کے طریقے پر تھا اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسولوں، کتابوں، فرشتوں اور یوم آخرت کے ساتھ کفر کرتا تھا۔

ان فلاسفہ کے نزدیک جو فلسفی بھی اس طرح منکر خدا اور رسول نہ ہو وہ حقیقی فلسفی ہی نہیں ہوتا، اور یہ لوگ دیکھتے ہیں کہ کوئی فلسفی اللہ تعالیٰ، فرشتوں، رسولوں، کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے شریعت اسلامی کا پابند ہے تو اسے وہ جہالت اور کند ذہنی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر اس کی فضیلت اور معرفت مشہور ہو تو عوام کے دلوں کے مائل ہونے کے لیے وہ اس کو خلط ملط ہو جانے اور دین کی شباہت پڑ جانے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

زندیقیت اور الحاد ان لوگوں کے نزدیک مسمی فضیلت میں سے ہے یا اس کی شرط ہے۔

شاید کہ جاہل شخص یوں کہے اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور رسولوں کے ساتھ کفر کی طرف منسوب کر کے ہم نے ان فلاسفہ پر ظلم کیا ہے مگر اس کی یہ بات کچھ بعید نہیں ان لوگوں کے مقالات اور اسلام کے حقائق سے ناواقفی کی وجہ سے ہو۔

تو جان لیجیے کہ جس طرح ان کے متاخرین ہی سے افضل ترین جوان کی زبان بھی ہے اوران کا راہنما ہے جس کو وہ رسولوں سے بھی افضل واعلیٰ سمجھتے ہیں جس کا نام ابوعلی سینا ہے کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا وجود ایسا مطلق ہے جس کی مطلق کوئی صفت نہیں ہوتی جو اس کے ساتھ قائم اور وابستہ ہو اور نہ ہی وہ کوئی کام بھی اپنے اختیار سے کرتا ہے، اور نہ ہی موجودات میں سے کسی چیز کو جانتا ہے اور آسمانوں کی تعداد بھی نہیں جانتا، اسی طرح غائب اشیاء میں سے کچھ بھی وہ نہیں جانتا اور نہ ہی کوئی کلام یا دیگر کوئی صفت اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہے۔

یہ بات تو بالکل ہر شخص جانتا ہے کہ یہ ایک محض فرض کردہ خیال ہے اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں زیادہ سے زیادہ یہی بات ہے کہ یہ مفروضہ ذہن اور اس کا اندازہ ہے جیسے دیگر کوئی چیز فرض کر لی جائے۔ رب کی صفت جو یہ لوگ بتاتے ہیں وہ رب ہرگز نہیں ہو سکتا جو انبیاء کرام بتاتے ہیں اور اس کی دعوت دیتے ہیں اور تمام امتیں جس رب کو جانتی ہیں۔ بلکہ وہ رب جس کی طرف یہ ملحد و بے دین لوگ عوت دیتے ہیں جس کی ماہیت کے ہی یہ لوگ منکر ہیں اور نہ اس کی کوئی صفت ثبوتی مانتے ہیں اور نہ وہ اس کے کوئی فعل اختیاری تسلیم کرتے ہیں اور نہ وہ اس کو کائنات کے اندر یا باہر، اس کے اوپر یا نیچے یا دائیں یا بائیں مانتے ہیں، اور وہ رب جو تمام جہانوں اور رسولوں کا رب ہے ان دونوں میں اتنا فرق ہے جتنا عدم اور وجود میں اور نفی اور اثبات میں ہوتا ہے۔

جو موجود بھی فرض کر لیا جائے تو وہ ملاحدہ کے اس معبود سے ضرور کامل ہوگا جس کی طرف یہ دعوت دیتے ہیں، جس کو ان کے اذہان وافکار گھڑتے ہیں، بلکہ ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتیاں اپنا باقاعدہ وجود رکھتی ہیں، مگر ان کا جو رب ہے اس کا کوئی وجود ہی نہیں اور اُن کے ذہن میں اس کے وجود کا تصور بھی محال ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی تو یہ بھی جان لو کہ ان ملحدوں کا قول ان کے معلم اول ارسطو کے قول سے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ یہ لوگ ایک واجب الوجود کو مانتے ہیں اور ایک ممکن الوجود کو، وہ اس کا معلول ہے اور یہ اس سے اس طرح نکلتا ہے جس طرح معلول علت سے وجود میں آتا ہے، مگر ارسطو نے اس کو صرف کثرت کے لیے مبدا عقلی ہونے کی رو سے اور حرکت فلک کی محض علت غائیہ ہونے کی وجہ سے اس کو ثابت کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ نہ عقل رکھتا ہے اور نہ ہی اپنے اختیار سے کوئی کام انجام دے سکتا ہے۔

متاخرین کی کتب میں اس کا جو مذہب بیان ہوتا ہے یہ سب ابن سینا نے گھڑا ہے اس نے اپنے گزرے ہوئے ملحدوں کے مذہب کو دین اسلام کے قریب کرنے کی بہت کوشش کی جو چیز بمشکل اس کو ممکن ہوئی وہ یہ ہے کہ جہمیہ مذہبی غالیوں کے اقوال کے قریب کرنے کی جدوجہد ہو سکی۔ اب اللہ تعالیٰ کی صفات کے تعطل اور صفات کی نفی میں ان کا مذہب ان سے زیادہ مضبوط اور صحیح ہے۔

ایمان باللہ کے متعلق یہ ان کی معلومات ہیں۔

اور ایمان بالملائکہ کے متعلق یہ بات ہے کہ وہ نہ تو ملائکہ کو جانتے ہیں اور نہ ہی ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک تو ملائکہ وہ ہیں جن کا تصور نبی کے ذہن میں مختلف نورانی اشکال کی صورت میں آتا ہے جن کو یہ لوگ عقول کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ مخلوق دنیا میں داخل نہیں اور نہ ہی خارج ہے نہ یہ آسمان کے اوپر ہے اور نہ آسمان سے نیچے، نہ یہ کوئی متحرک جسم ہیں نہ یہ اوپر چڑھ سکتے ہیں نہ نیچے اتر سکتے ہیں نہ کچھ سوچ سکتے ہیں اور نہ ہی کلام کر سکتے ہیں، نہ یہ بندے کے اعمال لکھتے ہیں اور نہ ہی ان میں بالکل

احساس اور حرکت ہے۔ نہ ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے رب کے ہاں صفیں بناتے ہیں نہ نماز پڑھتے ہیں۔ نہ ان کا دنیا میں کوئی تصرف ہے اور نہ ہی یہ جاندار بندوں کی روحیں قبض کرتے ہیں، اور نہ بندے کا رزق اجل اور عمل لکھتے ہیں، نہ یہ بندے کے یمین اور یسار بیٹھے ہیں، ان سب باتوں کا ان کے پاس کوئی حقیقی وجود نہیں۔

بسا اوقات ان میں سے کچھ لوگ اسلام کے قریب ہو کر یوں کہتے ہیں کہ فرشتے انسان کے اندر خیر وفضیلت کی قوتیں ہیں۔ اور شیطان ان کے اندر بری اور نکمی قوتیں ہیں۔ یہ لوگ ایسی بات تب کرتے ہیں جب یہ اسلام اور رسولوں کے کچھ قریب ہوتے ہیں۔

آسمانی کتب کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ کتب اللہ کا کلام نہیں ہے جو فرشتے کے ذریعے زمین کی طرف اس نے اتارا، کیونکہ نہ اس نے کچھ کہا ہے نہ کہے گا اور نہ ہی اس کے لیے بولنا اور کلا کرنا درست ہے، ان میں سے جو مسلمانوں کے کچھ قریب ہو وہ کہتا ہے آسمانی کتابیں ایسا فیضان ہے جو عقل فعال کی طرف سے اس انسانی وجود پر نازل ہوتا ہے جو پاک صاف اور بافضیلت ہو اور اس کے لیے استعداد وقابلیت رکھتا ہو، تو یہ معانی اس کے تصور میں شکل پذیر ہو جاتے ہیں، اور اس کے دل میں مخاطب ہونے والی آوازوں کا خیال گزرتا ہے جب یہ خیال طاقت ور ہو جاتا ہے تو اس کو اس سے ہمکلام ہونے والی نورانی شکلیں نظر آنے لگتی ہیں، یہ خیالات جب مزید طاقت ور ہوتے ہیں تو وہاں موجود دیگر لوگوں کو یہ نظر آنے لگتی ہیں، تو وہ انہیں دیکھتے ہیں ان کی باتیں سنتے ہیں مگر درحقیقت وہ خارج میں کچھ نہیں ہوتا۔

رسولوں اور انبیاء کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ نبوت کی تین خصوصیات ہیں:

1. ان کی ذکاوت اور ذہانت اتنی تیز اور طاقت ور ہو کہ حد اوسط کو بھی بہت جلد محسوس کر سکے۔
2. خیال پذیری اور خیال اندازی کی قوت بہت زیادہ ہو کہ نورانی اشکال اس کے دل میں متشکل ہو کر گفتگو کریں اور وہ ان کا کلام سن سکے اور دوسروں تک پہنچا سکے۔
3. دنیا کے ہیولی اور ڈھانچے میں نہایت طاقت ور تصرف کی طاقت رکھتا ہو اور یہ طاقت تب ممکن ہو سکتی ہے کہ دنیاوی تعلقات سے نفس الگ ہو جائے اور عقول اور نفوس مجردہ عن الشہوات کے ساتھ پیوست ہو جائے۔

یہ تمام خصوصیات محنت اور کسب سے حاصل ہوتی ہیں ابن ہود اور ابن سبعین وغیرہ کے نزدیک جو صوفی ہوتا ہے وہ تصوف کو طلب کرتا ہے، ان کے نزدیک دیگر صنائع کی طرح نبوت بھی ایک صنعت ہے اور افضل ہے، جس طرح سیاست بھی ایک صنعت ہے بلکہ یہ تو عوامی سیاست ہے اور بہت سے لوگ اس کو پسند نہیں کرتے اور کہتے ہیں فلسفہ نبوت کا خاصہ ہے اور نبوت عوام کا فلسفہ ہے۔

ایمان بالآخرۃ ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ آسمانوں کے پھٹنے ستاروں کے بکھرنے، جسموں کے اٹھنے کو نہیں مانتے، وہ یہ بھی نہیں مانتے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کر دیا اور یہ جہاں اس نے عدم سے بنایا۔

تو ان لوگوں کے نزدیک نہ ہی کوئی ابتداء اور نہ آخرت ہے، نہ کوئی بنانے والا اور نہ کوئی نبوت ہے اور نہ ہی آسمان سے کتب نازل ہوئیں جو اللہ کا کلام ہوں اور نہ ہی فرشتے اللہ سے وحی لے کر آتے ہیں۔

ان لوگوں کے دین سے تو یہود ونصاریٰ کا دین بہتر ہے جو منسوخ ہونے کے بعد انہوں نے اپنا لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کی اسماء وصفات اور افعال کے متعلق ان لوگوں کے جاہل ہونے کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ مخلوقات کا علم رکھتا ہو تو وہ تھک اور اکتا جاتا اور دوسروں سے مل کر کمال حاصل کرتا۔ ان لوگوں کے پیچھے چلنا اور ان کے متعلق اچھا گمان کرنا اور ان کے متعلق یہ خیال کرنا کہ یہ عقل مند ہیں ایک گمراہی، اندھا پن اور اللہ سے دوری کے لیے کافی ہے۔

ان کی جہالت اور گمراہی پر تعجب کرنے کے لیے یہ بات ہی کافی ہے جو وہ کائنات کے متعلق اور عقول ونفوس سے اس کے نکلنے کے متعلق کہتے ہیں، انہوں اس جہان کے صدور وظہور کی نسبت ہر اس جہت کی طرف انتہاء کی جس کو اس صادر ہونے والی چیز کا علم ہی نہیں اور نہ ہی اس پر اسے کوئی قدرت حاصل ہے اور نہ ہی اس کے متعلق اس میں کوئی ارادہ ہے اور یہ کہ وہ چیز بھی کہ جو اس سے صادر ہوئی اور وہ خود بھی ایک ہی ہے۔

تو یہ صادر ہونے والی چیز ہی اگر کسی وجہ سے بکثرت ہو تو ان کا بنیادی اصول باطل ہو جائے گا، اور اگر اس میں کثرت نہ ہوئی تو ضروری ہوگا کہ اس سے ایک ہی چیز صادر ہو، مگر موجودات کی کثرت اور تعدد ان کی اس رائے کی تکذیب کرتی ہے اور اس کو جھٹلاتی ہے اور یہ رائے عقلمندوں کے ہنسی ٹھٹھے کا باعث ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ ابن سینا کے ذہن کے اختلاط کے سبب سے ہے کیونکہ اس نے اس مذہب کو شرائع کے قریب کرنے کی کوشش کی، حالانکہ یہ بات بہت ہی دور ہے اور معلم اول نے تو دنیا کے صانع اول کا بالکل انکار کیا ہے۔

وہ اللہ تعالیٰ کو جہات سے معطل کرتا ہے اور مشرک بھی ہے، وہ نبوتوں کا منکر ہے۔ دنیا کی ابتدا اور آخرت کو نہیں مانتا۔ وہ کسی رسول اور کتاب کو بھی نہیں مانتا۔

رازی اور اُس کے چوزے اِن فلاسفہ کے علاوہ کوئی مذہب بھی نہیں جانتے۔

ان کے مذاہب اور آراء بہت زیادہ ہیں جنہیں اصحاب مقالات نے ذکر کیا ہے، مثلاً اشعری نے اپنے مقالات کبیرہ میں ذکر کیا، ابوعلیس الوراق اور الحسن بن موسیٰ النوبختی، نے بھی ان کا ذکر کیا۔

ابوالولید ابن رشد ابن سینا کے برعکس ارسطو کا مذہب بیان کرتے ہیں اور وہ اس کو اکثر مقامات پر غلط قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح ابوالبرکات بغدادی بھی ارسطو کا مذہب ابن سینا کے خلاف ہی قرار دیتے ہیں۔

فصل: یونانی اور دیگر فلاسفہ

فلاسفہ امتوں میں سے کسی امت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ وہ تمام امتوں میں موجود ہیں۔ اگرچہ وہ فلاسفہ جو لوگوں میں مشہور ہیں جن کے مقالات ذکر کرنے کا لوگوں نے اہتمام کیا وہ فلاسفۂ یونانی ہیں لیکن یہ تو فلاسفہ کی بہت جماعتوں میں سے ایک گروہ ہے، اور یہ امتوں میں سے ایک امت تھے ان کی مملکت بھی تھی ان کے بادشاہ بھی تھے اور ان کے علماء بھی فلاسفہ تھے، ان کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اسکندر مقدونی بھی تھا وہ فیلبس کا بیٹا تھا۔ اسکندر وہ ذوالقرنین ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان کئی صدیاں اور زمانے ہیں اور ان میں دین کے لحاظ سے بھی بہت بڑی دوری ہے، کیونکہ ذوالقرنین تو نیک توحید والا آدمی تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا، بتوں کے پجاریوں سے وہ جہاد کرتا تھا، وہ

زمین کے مشرق و مغرب تک گیا ہے۔ اس نے لوگوں میں اور یاجوج و ماجوج کے درمیان ایک دیوار بنادی تھی۔

اس کے مقابلے میں اسکندر مقدونی تو مشرک اور بت پرست تھا۔ وہ خود بھی اور اس کے لشکر بھی سب مشرک تھے۔ اس میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک ہزار چھ سو سال کا فاصلہ ہے اور نصاریٰ اس کی تاریخ بیان کرتے ہیں۔ اور ارسطاطالیس اس کا وزیر تھا وہ بھی مشرک اور بتوں کا پجاری تھا۔ اس نے دارا ابن دارا شاہِ فارس سے اس کے گھر کے صحن تک جنگ کی تو اس کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا اور اس کی بادشاہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور اس کا لشکر توڑ پھوڑ دیا، پھر وہ چین، ہند اور ترک کے شہروں میں داخل ہو گیا کسی کو مار ڈالا، کسی قیدی بنالیا، اس کی حکومت میں اپنے وزیر ارسطو کی وجہ سے تمام یونانی عزت اور غلبہ والے تھے، یہ اس کا وزیر، مُشیر اور اس کی سلطنت کا مدبر تھا۔

اس کے بعد یونان میں کچھ دیگر بادشاہ ہوئے جو بطالسہ کے نام سے مشہور تھے، بطالسہ کا واحد بطلیموس ہے، یہ وہاں کے بادشاہ کا لقب تھا، جس طرح ملک فارس کے بادشاہ کو کسریٰ کہتے ہیں اور روم کے بادشاہ کو قیصر کہتے ہیں۔

اس کے بعد رومی ان پر غالب آ گئے اور ان کے ممالک کے حکمران بن گئے، تو یہ رومیوں کی رعیت بن گئے، ان کی بادشاہی ختم ہو گئی اور صرف روم کی ایک بادشاہی باقی رہ گئی اور یہ اپنے شرک اور بتوں کی عبادت پر ہی کاربند تھے اور وہی ان کا اور ان کے آباء کا غالب دین تھا، تو ان میں فیثاغورث کا ایک شاگرد سقراط پیدا ہوا وہ ان کے عبادت گزاروں اور باخدا ہونے والوں میں سے تھا۔ اس نے اِعلانیہ طور پر بتوں کی عبادت کرنے پر ان کی مخالفت کی اور ان کے سرداروں کا دلائل سے مقابلہ کیا کہ ان کی عبادت باطل ہے تو عوام اس کے خلاف بھڑک اٹھے اور بادشاہ کو سقراط کے قتل پر مجبور کیا تو اس نے اسے جیل کے حوالے کر دیا تاکہ وہ لوگوں کو اس سے ہٹا سکے، مگر مشرک اسے قتل کروائے بغیر کسی بات پر مطمئن نہ ہوئے تو بادشاہ نے اس کو زہر پلا دیا تاکہ وہ ان مشرکوں کی تکلیف سے محفوظ رہے۔ مرنے سے پہلے اس نے ان سے بڑے طویل مناظرے کیے تھے۔

اس کا مذہب صفات الٰہی کے متعلق مذہب اثبات کے قریب تھا، اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا معبود، خالق اور مدبر و مقدر ہے اور انتہائی مضبوط ہے، اس پر ظلم نہیں کیا جا سکتا اس کے سب کام نظام کے مطابق نہایت محکم ہیں۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت اور وجود و حکمت لا انتہا ہے اور عقل کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

اس کا مذہب تھا کہ مخلوق کی انتہا اس کے اوائل کی برداشت کے مطابق ہوتی ہے۔ حکمت و قدرت کی بنیاد پر نہیں، تو جب مادہ غیر متناہی اشکال کی برداشت سے قاصر ہوگا تو وہ صورتیں ختم ہو جائیں گی، بخشنے والے کے بخل کی وجہ سے نہیں بلکہ مادہ میں قصور اور کمی کی وجہ سے وہ ختم ہوں گی۔

اس نے کہا حکمت الٰہیہ کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اگرچہ ذات اور صورت کے لحاظ سے ختم بھی ہو جائیں مگر جگہ کا اِحاطہ اور مکان سے ختم نہیں ہیں اور کسی بھی وقت وہ بالکل ختم نہیں ہوں گی، اسی طرح اول سے بھی۔ لہٰذا حکمت کا تقاضا ہے کہ انواع کو باقی رکھ کر ان کے ڈھانچوں کو بھی باقی رکھا جائے اور اس کے امثال کے تجدد کا اس طرح ہونا ممکن ہے تاکہ انواع کو باقی رکھ کر اشخاص کو باقی رکھا جائے اور انواع کو باقی رکھ کر نئے اشخاص تیار کیے جائیں، تو قدرت انتہا تک نہیں پہنچ سکتی اور نہ ہی حکمت انتہا پر جا کر ٹھہرتی ہے۔

اس کے مذہب سے یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سب سے زیادہ مخصوص وصف حی قیوم ہونا ہے، کیونکہ علم قدرت جود اور حکمت یہ سب وصف حی قیوم کے ضمن میں آ جاتے ہیں کیونکہ یہ دونوں صفات تمام کو جامع ہیں۔

وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جوہر یعنی زندگی اور ذات سے وہ بولتا بھی ہے اور زندہ بھی ہے۔ ہمارا بولنا اور ہماری زندگی چونکہ ہمارے اپنے جوہر سے نہیں ہے، اسی لیے ہماری زندگی اور کلام پر عدم اور موت اور فساد غالب آ جاتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی حیات اور کلام کی طرف یہ چیزیں نہیں آ سکتیں۔

اس فلسفی کا کلام آخرت، صفات اور مبدا عالم کے متعلق بہ نسبت دوسرے لوگوں کے انبیاء کرام کے زیادہ قریب ہے۔

خلاصۂ کلام کہ سقراط رسولوں کی تصدیق کے تمام لوگوں سے زیادہ قریب تھا اسی لیے اس کی قوم نے اس کو قتل کروایا۔

وہ کہتا تھا کہ ''جب حکمت آ جائے تو خواہشات عقل کے تابع ہو جاتی ہیں، اور جب وہ چلی جائیں تو عقل خواہش کی خدمت گار بن جاتی ہیں''۔

وہ یہ بھی کہتا تھا ''کہ اپنی اولاد کو اپنے نقش قدم پر چلنے پر مجبور نہ کرو کیونکہ ان کی پیدائش تمہارے زمانے کے علاوہ دوسرے زمانے کے لیے کی گئی ہے''

وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ''زندگی پر مغموم اور موت پر خوش ہونا چاہیے۔ کیونکہ انسان مرنے کے لیے زندہ ہوتا ہے اور موت ہمیشہ والی زندگی کے لیے آتی ہے۔''

اس نے یوں بھی کہا: ''حقائق کی معرفت کے شوق رکھنے والے لوگوں کے دل ملائکہ کے منبر ہوتے ہیں، اور خواہشات کو ترجیح دینے والے لوگوں کے دل شیطانوں کے بیٹھنے کی جگہیں ہیں۔''

اس نے یوں بھی کہا کہ ''زندگی کی دو حدیں ہیں، ایک آرزو اور دوسری موت، تو پہلی کے ساتھ اس کی بقاء ہے اور دوسری کے ساتھ کا خاتمہ اور فنا ہے۔''

اسی طرح افلاطون بھی توحید میں معروف تھا اور بتوں کی عبادت کا انکار کرتا تھا۔ وہ دنیا کے حادث ہونے کا قائل تھا، وہ سقراط کا شاگرد تھا جب سقراط فوت ہوا تو یہ اس کا قائم مقام ہوا اور اس کی کرسی پر بیٹھ گیا۔

وہ کہتا تھا کہ مخلوقات کا ایک خالق و صانع جو اس کو از سر نو بنانے والا ہے، اور وہ ازل سے ہے اس کا وجود ضروری اور واجب ہے وہ تمام اشیاء کو جاننے والا ہے۔

وہ کہتا تھا دنیا میں جو بھی کوئی نشان یا ٹیلہ ہے اس کی مثال اللہ کے پاس موجود ہے، اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تمام معلومات کی صورتیں موجود ہیں۔

لہٰذا افلاطون صفات کے وجود و ثبوت کو مانتا تھا وہ کائنات کے حادث ہونے کا قائل تھا اور بتوں کی عبادت کا منکر تھا مگر اُس نے لوگوں کی تردید کرنے کے لیے ان کا مقابلہ نہیں کیا، اس نے ان کے معبودوں کو عیب دار کہا مگر لوگ اس پر خاموش رہے کیونکہ وہ اس کی فضیلت، عمل اور درجے کو جانتے تھے۔

افلاطون نے دنیا کے حادث ہونے کے متعلق صراحت سے کہا یہ بات اس سے اس کے شاگرد ارسطو نے نقل کی ہے مگر خود اس کی مخالفت کی اور کہا کہ یہ کائنات قدیم ہے، تو بے دین اور ملحد فلاسفہ جو دیگر مذاہب کی طرف منسوب تھے انہوں نے بھی اس کی پیروی کی، یہاں تک کہ ابن سینا کی باری آئی تو اس نے یہ کوشش کی کہ ان ملحد فلاسفہ کو اہل ملل کے قریب کیا جائے لیکن دو مخالفوں کا اجتماع کیسے ممکن ہوسکتا ہے اور دو متضاد چیز کیسے اکٹھی ہوسکتی ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول، آسمانی کتاب اور رسولوں کی اتباع ایک طرف رہی اور یہ فلاسفہ دوسری جانب ہی رہے۔

ابن سینا نے اپنے متعلق کہا کہ میں اور میرا باپ حاکم وقت (عبیدی خلیفہ منصور بن عبدالعزیز) کے مذہب پر ہیں (یہ خلیفہ اپنی الوہیت کا مدعی تھا، اس نے بہت علماء کو قتل کیا تھا اور صحابہ کو گالیاں دلواتا تھا) تو یہ قرامطہ باطنیہ میں سے تھا، جو نہ مبدأ عالم کو مانتے ہیں اور نہ قیامت کو۔ وہ نہ رب کو خالق مانتے ہیں اور نہ رسول کو اللہ کی طرف سے مبعوث مانتے ہیں۔

یہ زندیق اور ملحد لوگ بظاہر رافضیت کا پردہ اوڑھے اہل بیت رسولؐ کی طرف منسوب ہوتے تھے، مگر درحقیقت یہ خالص الحاد کے علم بردار تھے، اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے اہل بیت، ان کے عقائد سے نسبت اور دین کے لحاظ سے بہت دور اور بیزار تھے۔ ایمان دار اہل علم کو یہ قتل کرڈالتے تھے، شرک و کفر اور الحاد کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے، اللہ کے حلال کو حلال اور حرام کو حلال قرار نہیں دیتے تھے۔ ان کے وقت میں ان کے خواص کے لیے رسائل اخوان الصفا وضع کیے گئے تھے۔

جب شرک و کفر کے مددگار و معاون ملاحدہ کے وزیر نصیر طوسی کی باری آئی جو ہلاکو کا وزیر تھا، تو اس نے رسول اللہ ﷺ کے پیروکاروں اور آپ کا دین اپنانے والوں سے اپنے دل کو ٹھنڈا کیا، تو سب کو تلوار کے سامنے رکھا یہاں تک کہ اس کے ملحد بھائی خوش ہوگئے اور ان کے دل کو اس نے ٹھنڈا کیا، اس نے خلیفہ کو مار ڈالا اور تمام فقہاء و محدثین اور علماء و قضاۃ کو مار ڈالا۔ صرف فلاسفہ نجومی نیچری اور جادوگروں کو زندہ چھوڑا اور مساجد و مدارس اور فقراء کے اوقاف ان فلسفیوں نجومیوں وغیرہ کی طرف منتقل کردیے اور ان کو اپنے خواص اور دوست بنالیا اور اس نے اپنی کتابوں میں دنیا کے قدیم ہونے اور صفات الٰہی اور آخرت کے انکار کی تائید کی۔ اللہ کے علم، قدرت، حیات، سمع و بصر اور اس جہاں میں داخل یا خارج ہونے کا انکار کیا اور کہا کہ وہ عرش پر ایسا الٰہ بالکل نہیں جس کی عبادت کی جائے۔

اس نے بے دین ملحدوں کے لیے مدارس بنائے جہاں قرآن کی جگہ ابن سینا امام الملحدین کی ''اشارات'' کو نظر نصاب مقرر کیا، مگر وہ اس کے تقرر پر قادر نہ ہوسکا اس لیے کہنے لگا کہ یہ خواص کا قرآن ہے اور اللہ کا قرآن عوام کا قرآن ہے۔ اس نے نماز میں تبدیلی کی اور ان کو اس نے دو نمازیں بنادیا، تو اس کے لیے اس طرح کرنا ممکن نہ ہوسکا آخر اس نے جادو سیکھ لیا تو جادوگر ہوگیا اور وہ بتوں کی عبادت اور پوجا کرتا تھا۔

محمد شہرستانی نے ابن سینا کا اپنی کتاب میں مقابلہ کیا جس کا نام اس نے ''المصارعۃ'' رکھا جس میں جہان کے قدیم ہونے، آخرت کے انکار اور اللہ کے علم و قدرت اور کائنات کا خالق ہونے کے انکار کی تردید کی اور ثابت کیا کہ جہان حادث ہے، آخرت بھی ضرور آئے گی اور اللہ تعالیٰ کی صفات کی نفی کا رد کرکے انہیں ثابت کیا۔

تو اس کی تردید کے لیے نصیر طوسی جو الحاد کا مددگار تھا، اُس نے اٹھتے بیٹھتے اس کا مقابلہ کیا اور ایک کتاب لکھی جس کا نام ''مصارعۃ المصارعۃ'' رکھا ہم نے ان دونوں کتابوں سے تعارف و واقفیت حاصل کی، اس نے اپنی کتاب میں اس بات کی تائید کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو چھ ایام میں پیدا نہیں کیا اور وہ کچھ بھی علم نہیں رکھتا اور وہ اپنی قدرت و اختیار سے کوئی کام بھی انجام نہیں دے سکتا اور جو کوئی قبروں میں ہے اس کو قیامت کے دن نہیں اُٹھائے گا۔

خلاصہ کلام کہ یہ ملحد اور اس کے معاونین پیروکار ان ملحدین میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ، فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن کے ساتھ کفر کرتے تھے۔

اس کے پیروکار جو فلسفہ پڑھتے وہ سب کا سب اس نصیر طوسی یا اس کے امام ابن سینا سے ماخوذ ہے، اور کچھ ابونصر فارابی سے بھی منقول ہے اور اس میں سے بہت تھوڑا ارسطو کے کلام سے ہے اور یہ باوجود قلت الفاظ اور بے جوڑ اور گھٹیا عبارات کے بہت زیادہ اور بے فائدہ طوالت والی باتوں سے بھرا پڑا ہے۔

مشرکین عرب میں کفار مکہ وغیرہ کی جو باتیں ہیں وہ سب ان ملحدین کی پسندیدہ چیز سے کچھ بہتر ہے۔

یہ ملحد مسلسل جانفشانی سے واجب الوجود کو ثابت کرتے ہیں، مگر اس کے باوجود وہ اس کا وجود مطلق مانتے ہیں، جس کی نہ کوئی صفت ہے نہ کوئی نعت اور نہ کوئی ایسا فعل جو اس ذات کے ساتھ قائم ہو۔ نہ ہی اس نے آسمانوں اور زمین کو عدم سے پیدا کیا اور نہ ہی اس کو کوئی کام انجام دینے کی طاقت ہے۔ وہ کسی چیز کا بھی علم نہیں رکھتا۔

اور مکہ کے مشرک بتوں کے پجاری تو اللہ تعالیٰ کو رب، خالق، مبدع، عالم، قادر اور زندہ ثابت کرتے ہیں مگر اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔

تو زیادہ سے زیادہ یہ ملحد اس مقام پر پہنچتے ہیں جس پر بتوں کے پجاری ہیں۔ ان کے بے شمار فرقے ہیں جن کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

لوگوں کے مقالات کا اہتمام کرنے والوں نے ان کے بارہ فرقے شمار کیے ہیں۔ ہر ایک فرقہ دوسرے فرقے سے بہت زیادہ اختلافات رکھتا ہے۔

ان میں کچھ لوگ اصحاب الرواق، اصحاب الظلہ اور مشائی ہیں یہ لوگ ارسطو کی جماعت ہیں، آج کل انہی کا فلسفہ لوگوں میں چل رہا ہے اسی کو ابن سینا، فارابی اور ابن خطیب الری وغیرہ نقل کرتا ہے۔

ان میں ایک فرقہ فیثاغوریہ اور افلاطونیہ ہے۔ تم ان میں سے دو کو بھی کسی ایک بات پر متفق نہیں پاؤ گے، بلکہ شیطان ان کے ساتھ اس طرح کھیلتا ہے جس طرح بچے گیند سے کھیلتے ہیں۔ ان کی باتیں تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

خلاصۂ کلام فلاسفہ کے ملحدین تعطیل محض کو اپنائے ہوئے ہیں، انہوں نے شریعتوں کو بھی معطل کر دیا اور مصنوعات کو صانع سے معطل کر دیا۔ اور صانع کو اس کی صفات کمال سے معطل کر دیا اور دنیا جس مقصد اور جس حق کے لیے یا جس حق کے ساتھ پیدا کی گئی اس حق سے اس کو معطل کر دیا، تو اس کو ابتداء دوبارہ اٹھنا اور اس کام کے فاعل اور اس کام کی انتہا سے اس کو معطل کر دیا، پھر یہ

بیماری ان سے نکل کر دیگر امتوں اور معطلہ فرقوں میں سرایت کر گئی۔

انہیں میں ان کا امام و پیشوا فرعون بھی تھا، اس نے تعطیل کو عملی شکل کی طرف نکالا اور اس کی اس نے تصریح کی اور قوم میں اس کا اعلان کیا اور اسی مذہب کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور معبود کا انکار کر دیا او کہنے لگا کہ میرے بغیر تمہارا کوئی بھی معبود نہیں ہے، اس نے اللہ تعالیٰ کے متعلق آسمانوں پر اپنے عرش پر ہونے کا انکار کر دیا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے سے بھی انکار کر دیا، اس بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی۔ پھر ہر جہمی اس کی پیروی میں اللہ کے کلام سے انکار کر دیا، نیز اللہ تعالیٰ کے عرش پر، آسمانوں کے اوپر کا بھی انکار کیا، اور اپنے وزیر ہامان سے کہنے لگا کہ میرے لیے ایک اونچا محل بناؤ کہ میں اس پر چڑھ کر حضرت موسیٰ کے معبود کو دیکھوں اس طرح اس نے اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے اور تمام مخلوق سے الگ ہونے کا انکار کر دیا۔ اپنی قوم کو بھی آہستہ آہستہ اسی بات کی طرف لے گیا اور اپنے ساتھیوں کو اسی عقیدے پر لے گیا حتیٰ کہ اللہ نے انہیں پانی میں غرق کر کے ہلاک کر دیا اور اپنے نیک مؤمن بندوں کے لیے عبرت اور ان ملحدین کے لیے سزا کا نمونہ مقرر کیا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اسی توحید اور صفات الٰہیہ کے اثبات پر ہی معاملہ باقی رہا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فوت ہوئے تو بنی اسرائیل علیہ السلام میں یہ بیماری باہر سے داخل ہوگئی اور تعطیل نے اپنا سر اٹھایا اور بنی اسرائیل معطلہ کے مذہب پر متوجہ ہوئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دشمن تھے، تو انہوں نے تورات کی نصوص پر اس مذہب تعطیل کو مقدم کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک ایسا شخص مسلط کر دیا جس نے ان کی بادشاہی ختم کر دی ان کو ان کے وطنوں سے نکال باہر کیا ان کی اولاد کو قیدی بنا لیا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا شروع سے معمول تھا، وہ اپنے بندوں میں جب کہ وہ وحی الٰہی سے اعراض کر کے اس کی جگہ ملحدوں اور فلاسفہ میں سے معطلہ ملحدوں وغیرہ کو اپنے راہنما بنالیں تو اللہ تعالیٰ کا ان کے متعلق یہی طریقہ رہا ہے کہ وہ دشمن کو ان پر مسلط کر دیتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو مغرب کے شہروں میں تسلط اور غلبہ عطا فرمایا، مگر جب ان کے مشرقی شہروں پر منطق اور فلسفہ غالب آ گیا اور وہ اس میں مشہور ہو گئے تو ان پر اللہ تعالیٰ نے کفار کا تشدد مسلط کر دیا جنہوں نے ان کے اکثر مشرقی شہر تباہ کر دیے اور ان پر غالب آ گئے۔

اسی طرح تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی کے ابتداء میں جب اہل عراق فلسفے اور علوم الحاد میں لگ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قرامطہ باطنیہ کو مسلط کر دیا تو انہوں نے بار بار خلیفہ کے لشکر کو شکست دی، مقامات مقدسہ کی زیارت کرنے والوں کو قتل کر دیا اور انہیں قیدی بنا لیا پھر ان کا غلبہ مضبوط ہو گیا اور بڑے وزراء، منشی ادباء اور سرکردہ لوگ ان کی موافقت کی طرف منسوب اور ان کے مذہب سے متہم ہوئے پھر ان کی دعوت بلاد مغرب میں عام ہوگئی اور مصر میں ان کی حکومت جم گئی، ان کے وقت میں وہاں قاہرہ شہر بنا۔ اور شام اور حجاز یمن اور مغرب پر وہ غالب آ گئے اور بغداد کے منبر پر ان کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

مقصد یہ ہے کہ یہ بیماری جب بنی اسرائیل میں داخل ہوئی تو یہ ان کی تباہی کا باعث بنی اور ان کی بادشاہی ختم ہو کر رہ گئی۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا دین اور اس میں تحریف

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے، رسول اور کلمہ حضرت مسیح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، تو انہوں نے اس دین کی تجدید کی اور اس کے

نشانات واضح کیے، اور ان کو اللہ واحد کے دین کی طرف دعوت دی اور ان نئی باتوں اور باطل آراء سے لاتعلق ہونے کا حکم دیا۔ تو وہ ان کے دشمن ہو گئے، اُن کو جھٹلا دیا اور ان کو اور ان کی والدہ کو کبیرہ گناہوں کی تہمت لگائی اور اُن کے قتل کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ان سے پاک صاف کر کے اپنی طرف اٹھالیا اور وہ ان کو کوئی تنگی اور تکلیف نہ پہنچا سکے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ معاون بنا دیئے جنہوں نے ان کی شریعت اور دین کی طرف لوگوں کو دعوت دی، تو اللہ کا دین غالب آ گیا اور بڑے بڑے بادشاہ اس دین میں داخل ہو گئے اور ان کی دعوت پھیل گئی اور ان کے بعد تین سو سال تک ان کا معاملہ درست چلتا رہا۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذہب میں بھی تبدیلی اور تغیر آنے لگا۔ یہاں تک وہ مٹ گیا اور نیست و نابود ہو گیا، اور عیسائیوں کے ہاتھ میں اس میں سے کچھ بھی نہ رہا۔ بلکہ وہ ایک ایسے دین پر سوار ہو گئے جو حضرت مسیح علیہ السلام اور بتوں کی پجاری، فلاسفہ کے دین کے بین بین تھا۔ پھر انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ دیگر امتوں کے لیے رواداری اور نرمی اختیار کریں تا کہ وہ بھی دین نصرانیت میں داخل ہو جائیں، تو وہ اُنہیں مورتیوں اور بتوں کی پرستش سے ان تصویروں کی عبادت کی طرف لے آئے جن کا سایہ نہیں تھا اور ان کو سورج کے آگے سجدہ کرنے سے جانب مشرق سجدے کی طرف لائے، اور عاقل و معقول اور عقل کے اتحاد کے قائل ہونے سے باپ، بیٹا اور روح القدس کے اتحاد کے قائل ہو گئے۔ مگر ان میں دین مسیح کی کچھ باتیں ابھی موجود تھیں جیسے ختنہ، غسلِ جنابت، ہفتے کے دن کی تعظیم۔ خنزیر کو حرام سمجھنا اور نص تورات سے حلال کردہ چیزوں کے جو بھی اس کے بتائے ہوئے احکام تھے۔

پھر شریعت مٹ گئی یہاں تک کہ وہ خنزیر حلال سمجھنے لگے، ہفتے کے دن کو حلال قرار دے لیا اور اس کے عوض میں اتوار کو اپنا لیا، ختنہ بھی چھوڑ دیا اور غسلِ جنابت بھی ترک کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے مگر یہ مشرق کی طرف پڑھنے لگے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے صلیب کی کبھی تعظیم نہیں کی مگر انہوں نے اس کی تعظیم کرنا شروع کر دی اور اس کی عبادت کرنے لگے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان جیسا روزہ کبھی نہیں رکھا نہ اسے مشروع کیا اور نہ ہی اس کا حکم دیا بلکہ انہوں نے خود ہی اس کو وضع کیا اور اسے موسم بہار کی طرف منتقل کر دیا۔ اور چاند کے مہینوں سے بدل کر رومی مہینوں میں لے جانے کے عوض میں دنوں کی تعداد میں بھی اضافہ کر دیا اور موسم بہار میں بھی منتقل کر دیا۔ اور نجاستوں میں رہنے کو عبادت خیال کرنے لگے، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہایت طہارت، نظافت اور پاکیزگی سے رہتے تھے اور نجاست سے بہت دور رہتے تھے۔ پھر انہوں نے یہودی دین کو بدلنا اور انہیں خاک میں ملانا اور ذلیل کرنا چاہا لیکن دین مسیح کو بدل کر فلاسفہ کے اور بتوں کے پجاریوں کا قرب حاصل کرنے لگ گئے اور یہ کام اس طرح کیا کہ بعض امور میں ان کی موافقت کرنے لگے تا کہ انہیں خوش رکھیں اور ان کے ساتھ مل کر یہود کے خلاف ان سے مدد چاہنے لگے۔

جب دین مسیح بدلنا اور بگڑنا شروع ہوا تو نصاریٰ نے کچھ مجالس شوریٰ منعقد کیں جو تقریباً اسی مجالس سے زیادہ تھیں، مگر وہ سب کی سب اختلاف اور ایک دوسرے کو لعن وطعن پر برخاست ہوتی تھیں، یہاں تک کہ ان کے متعلق بعض عقلاء نے کہا:

''اگر نصاری کے دس آدمی بھی اپنے مذہب کی حقیقت میں کلام کرنے کے لیے بیٹھیں تو جب وہ مجلسیں برخاست کریں

گے تو ان کی گیارہ آراء ہوں گی۔''

مسیحیت کی تاریخی مجالس

پہلی مجلس : پھر انہیں قسطنطین بادشاہ نے آخر میں ایک مجلس میں جزائر اور مختلف شہروں اور ممالک سے جمع کیا جس میں ہر ایک عالم اور بطریق کو دعوت دی تو یہ تین سو اٹھارہ آدمی ہو گئے تو اس نے انہیں کہا۔

آج تم ہی نصاریٰ کے علماء اور ان کے اکابر ہو۔ اس لیے تم سب مل کر ایک بات پر اتفاق کرو تا کہ نصرانیت کا حکم اکٹھا ہو جائے اور جو اس کے خلاف ہو اس کو تم لعنت کرو اور ہر نیکی سے محروم کر دو تو نشت و بخاست ہوئی اور غور و فکر کی کچھ مجالس بھی، آخر انہوں نے یہ امانت وضع کرنے پر اتفاق کیا جو آج کل ان کے پاس موجود ہے، یہ واقعہ شہر نیقیہ میں پیش آیا، بادشاہ قسطنطین کی بادشاہت قیام کے پندرہ سال بعد یہ اجتماع ہوا۔

اس کے اسباب میں سے ایک سبب یہ تھا کہ اسکندریہ کے بطریق اریوس کو کنیسہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا گیا اور اس پر لعن طعن کی گئی تو اریوس بادشاہ قسطنطین کے پاس دو علماء کو اپنے ساتھ لے کر مدد طلب کرنے چلا گیا اور اس سے جا شکایت کی اور اس سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ اپنے سامنے ہمارا مناظرہ مقرر کر دے۔ بادشاہ نے اس کو بلا کر کہا کہ تم پہلے اپنی بات کھول کر بیان کرو اریوس نے کہا میں یوں کہتا ہوں:

''جب باپ تھا اس وقت بیٹا نہیں تھا، پھر بیٹا پیدا ہوا تو کلمہ اس کا ہو گیا، مگر وہ محدث اور مخلوق ہے، پھر تمام کام اس بیٹے کو سونپ دیا گیا جس کا نام کلمہ رکھا گیا تو وہ آسمانوں، زمین اور ان کے مابین تمام اشیاء کا خالق ہوا، جس طرح اس نے اپنی انجیل میں فرمایا: وهب لي سلطانا علی السماء والارض کہ تُو مجھے زمین و آسمان کی بادشاہی بخش دے تو وہی ان کا خالق ہے کیونکہ اسے یہ چیزیں دی گئی تھیں، پھر یہ کلمہ ایک جسم کی شکل اختیار کر گیا اور حضرت کنواری مریم اور روح القدس کی شکل میں سامنے آیا، پھر یہ ایک مسیح کی شکل اختیار کر گیا تو اب مسیح کے دو معنی ہیں ایک کلمہ اور ایک جسم، مگر یہ دونوں مخلوق ہیں۔''

جب اریوس نے اپنے نظریات واضح کیے تو اسکندریہ کا بطریق کہنے لگا، بتاؤ ہم پر کس کی عبادت زیادہ واجب ہے۔ اس کی عبادت زیادہ واجب جس نے ہمیں پیدا کیا یا اس کی عبادت جس نے ہم کو پیدا نہیں کیا۔

تو اریوس کہنے لگا جس نے ہمیں پیدا کیا اس کی عبادت زیادہ واجب ہے۔ تو اسکندریہ کے بطریق نے کہا:

''اگر بیٹا ہمارا خالق ہے جس طرح تو کہہ رہا ہے اور وہ خود بھی مخلوق ہے تو بقول تیرے مخلوق بیٹے کی عبادت باپ خالق غیر مخلوق کی عبادت سے زیادہ ضروری ہوئی، بلکہ (بقول تیرے) باپ خالق کی عبادت تو کفر ہو گی اور مخلوق بیٹے کی عبادت ایمان ہو گی اور یہ قول تو قبیح ترین قول ہو گا۔''[1]

اس جوب پر بادشاہ اور تمام حاضرین نے اس بات کو اچھی طرح سمجھا، تو بادشاہ نے تمام درباریوں کو کہا کہ وہ اریوس اور اس

---

[1] کیونکہ اس میں واضح تعارض ہے۔ (از مترجم)۔

جیسی بات کہنے والے لوگوں پر لعنت کریں۔

جب بطریق غالب آ گیا تو اس نے بادشاہ کو کہا تمام علماء اور بطریق جمع کرو تا کہ ایک بہت بڑا مجمع بن جائے تو ہم اس میں دین کی تشریح اور وضاحت تمام لوگوں کے سامنے کریں۔

دوسری مجلس: قسطنطین بادشاہ تمام آفاق سے لوگوں کو جمع کیا تو اس کے پاس ایک سال اور دو ماہ بعد دو ہزار اڑتالیس عالم اکٹھے ہو گئے یہ سب الگ الگ خیالات اور مختلف دین رکھتے تھے جب وہ اکٹھے ہوئے تو ان کا آپس میں شور وغوغا زیادہ ہو گیا آوازیں بلند ہونے لگیں، اختلافات بڑھ گئے تو بادشاہ ان کے شدتِ اختلاف سے تعجب کرنے لگا پھر اس نے ان کے وظائف مقرر کر دیئے اور ان کو حکم دیا کہ وہ مناظرہ کریں تا کہ صحیح کا بھی پتہ چل جائے اور اس بات کا بھی کہ سچے دین کا حامل کون ہے۔ تو مناظرہ ان کے مابین لمبا ہو گیا ان میں سے تین سو اٹھارہ علماء نے ایک رائے پر اتفاق کیا پھر انہوں نے باقی علماء سے مناظرہ کیا تو ان پر غالب آ گئے، تو ان تین سو اٹھارہ علماء کی ایک مخصوص مجلس اپنے دربار کے وسط میں منعقد کی اور اپنی مہر، تلوار اور چھڑی ان کے حوالے کر دی، اور انہیں کہا کہ میں تمہیں تمام ملک پر غلبہ دیتا ہوں تو جس چیز میں دین کی درستگی اور قوم وملت کی اصلاح ہے اس کے متعلق جو چاہو کرو، تو انہوں نے اس کے لیے برکت کی دعا کی اور اس کی تلوار اس کے گلے میں ڈال دی اور اسے کہا کہ اے بادشاہ نصرانیت کے دین کو غالب کرو اور اس کا دفاع کرو۔ پھر وہ امانت جس کے وضع کرنے پر انہوں نے اتفاق کیا تھا وہ بادشاہ کے حوالے کر دی، تو جو شخص اس امانت کے قریب نہ ہو وہ نصرانی نہیں ہو گا اور ان کے لیے اللہ کا قرب اس کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور وہ امانت یہ تھی۔

نؤمنُ باللّٰه الواحد الإِبِ، مالكِ كلّ شيءٍ، صانع ما يُرَى وما لا يُرَى، وبالربِّ الواحدِ يَسُوعَ المسيح ابن اللّٰه الواحد، بكرِ الخلائق كُلِّها، الذى وُلِدَ من أبيه قبلَ العوالِمِ كلّها۔ وليس بصمنوعٍ، إله حقٌّ من إله حقّ، من جوهَرِ أبيه، الذى بيده أُتْقِنَتِ العوالمُ، وخُلِقَ كُلُّ شيءٍ، الذى من أَجْلِنا۔ مَعْشَرَ الناس، ومن أجلِ خلاصِنا۔ نزلَ من السماء، وتجسّدَ من رُوحِ القُدُس، وصارَ إنسانًا وحُمِلَ به۔ ثم وُلِدَ من مَرْيمَ البَتُول، وأُلم، وشُجَّ، وقُتل، وصُلِبَ، ودُفِنَ وقام في اليوم الثالث، وصَعد إلى السماء، وجَلَسَ عن يمين أبيه، وهو مُسْتَعِدٌّ للمجيء تارةً أُخرى للقضاء بين الأموات والأحياء۔ ونُؤْمِنُ بروح القُدُس الواحِدِ، روحِ الحقّ الذى يَخْرُجُ من أبيه، روح محبّته، وبمعموديةٍ واحدةٍ لغُفران الخطايا، وبجماعةٍ واحدةٍ قِدِّيسَةٍ جاثْلِيقِيَّةٍ، وبقيامةِ أبداننا، والحياةِ الدائمةِ إلى أَبَدِ الآبدين.

''ہم ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو باپ ہے، ہر چیز کا مالک ہے، جو کچھ نظر آتا یا نہیں نظر آتا وہ اس کے مالک ہے، اور ایک رب پر جو یسوع مسیح اکیلے اللہ کا بیٹا ہے، تمام مخلوقات کو اس نئے سرے سے بنایا، جو اپنے باپ سے تمام جہانوں سے قبل پیدا ہوا اور وہ مصنوع نہیں ہے۔ معبود حق ہے اور معبود حق سے ہے، اپنے باپ کے جوہر سے ہے،

جس کے ہاتھ تمام جہان پائیدار ہوئے۔اور اس نے تمام جہانوں کو ہمارے لیے بنایا۔لوگوں کی جماعت کے لیے اور ہماری خلاصی ہونے کے لیے۔آسمان سے اترا اور روح القدس سے جسم حاصل کیا اور انسان ہو گیا اور اس کا حمل ہو گیا پھر مریم بتول سے پیدا ہوا۔اسے تکلیف دی گئی اور زخمی کیا گیا اور قتل کیا گیا اور سولی دیا گیا اور دفن کیا گیا، پھر تیسرے دن اٹھ کھڑا ہوا اور آسمان کو چڑھ گیا اور اپنے باپ کے دائیں جانب بیٹھ گیا۔اور وہ زندوں اور مردوں میں فیصلہ کرنے کے لیے دوبارہ آنے کی تیاری کر رہا ہے، اور ہم روح القدس ایک پر بھی ایمان لاتے ہیں جو روح الحق ہے جو اپنے باپ سے نکلا ہے جو اس کی محبت کا روح ہے اور گناہوں کے بخشنے کے لیے ہم ایک بپتسمے پر بھی ایمان لاتے ہیں اور ہم بڑے لاٹ پادری، ایک جاثلیقی جماعت پر بھی ایمان لاتے ہیں اور اپنے اجسام کے اٹھنے اور ہمیشگی اور دائمی کے لیے اٹھنے پر بھی ایمان لاتے ہیں۔''

تو یہ وہ عقیدہ ہے جس پر تمام ملکیہ، نسطوریہ اور یعقوبیہ نے اجماع کیا ہے۔

یہ امانت ان بطریقوں اور علماء نے مرتب کی اور اس کو تمام نصرانیت کا شعار بنا دیا۔

اس مجلس کے رئیس اسکندریہ، انطاکیہ اور بیت المقدس کے بطریق تھے۔

اس امانت پر مجلس کے بعد وہ الگ الگ ہو گئے، یہ فیصلہ کیا گیا کہ جو شخص اس کی مخالفت کرے گا یا اس سے برأت یا کفر کا اظہار کرے گا اس پر لعنت کی جائے گی۔

پھر اریوس لوگوں کو اپنی بات کی طرف دعوت دینے لگا اور ان تین سو اٹھارہ علماء سے لوگوں کو نفرت دلانے لگا، تو اس نے بھی ایک بڑی جماعت اکٹھی کر لی اور وہ بیت المقدس کو نکل گئے اور بہت سے نصاریٰ کے ساتھ اس مجموعے کی مخالفت کرنے لگا۔

پھر جب اکٹھے ہوئے تو اریوس نے کہا ان لوگوں نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے اور مجھ پر ظلم کیا ہے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا اور مقامات مقدسہ کی زیارت میں مجھ پر ظلم کیا اور مجھے ان سے ظلم و زیادتی کے ساتھ محروم کر دیا گیا ہے۔اس کے ساتھ جو لوگ تھے ان میں سے بہت سے اس کے ساتھ تھے اور کہتے تھے کہ اس نے سچ کہا، تو وہ لوگ سب کے سب اسکندریہ کے بطریق پر مارنے کے لیے کود پڑے اور مارنے لگے، قریب تھا کہ وہ اسے جان سے مار دیتے اگر بادشاہ کا بھانجا ان سے چھڑا کر نہ لے جاتا تو وہ اس کو قتل کر دیتے اسی حالت میں سب لوگ منتشر ہو گئے۔

تیسری مجلس: پھر ان کی ایک تیسری مجلس، پہلی مجلس سے اٹھاون سال بعد منعقد ہوئی، جس میں امراء وزراء اور لیڈر لوگ بادشاہ کے پاس جمع ہوئے اور کہنے لگے لوگوں کی بات خراب ہو گئی اور اریوس کی بات ان کی بات پر غالب آ گئی، اس پر تمام علماء اور بطارقہ کو لکھو کہ وہ جمع ہو کر نصرانیت کے دین کی وضاحت کریں، تو بادشاہ نے سب کو خط لکھا لہٰذا: قسطنطنیہ میں ایک سو پچاس علماء اکٹھے ہوئے ان سب کے آگے اسکندریہ، انطاکیہ اور بیت المقدس کے بطریق تھے تو انہوں نے اریوس کی بات پر غور کیا۔

ان باتوں میں یہ بات بھی تھی کہ روح القدس مخلوق اور مصنوع ہے، اور الٰہ نہیں ہے۔

تو اسکندریہ کے بطریق نے کہا کہ روح قدس کا معنی ہمارے نزدیک اللہ کا روح ہے، اور کوئی معنی نہیں اور اللہ کے روح سے

مراد اللہ کی زندگی کے سوا اور کچھ بھی نہیں، اور جب ہم یہ کہیں کہ روح القدس مخلوق ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کا روح مخلوق ہے، اور جب یہ کہیں کہ اللہ کا روح مخلوق ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ زندگی کی مخلوق ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوا یہ اللہ تعالیٰ زندہ نہیں، اور جو شخص اللہ کو زندہ نہ مانے وہ کافر ہے اور جو کافر ہے وہ لعنت کا مستحق ہے اور اسے لعنت ضروری ہے۔

تو سب نے مل کر اریوس اور اس جیسوں اور اس کے پیروؤں کو لعنت کی اور ان بطریقوں کو بھی جو اریوس جیسی باتیں کرتے تھے اور یہ واضح کر دیا کہ روح القدس خالق ہے مخلوق نہیں۔ معبود برحق ہے اور باپ بیٹے کا طبعی اور پیدائشی جوہر ایک ہی ہے۔

انہوں نے سابقہ وضع کردہ امانت کو جو تین سو ساٹھ عالموں نے بنائی تھی اس میں یہ اضافہ کر دیا:

ونؤمن بروح القدس الربِّ المحيي المميت، المنبثق من الأب، الّذى مع الابن والأب، وهو مسجود ومُمَجَّد.

''ہم روح القدس پر ایمان لاتے ہیں جو رب ہے زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہے، جو باپ سے پھوٹ کر نکلنے والا ہے، جو باپ اور بیٹے کے ساتھ ہے اور وہ مسجود اور بزرگی والا ہے۔''

اس سے پہلی امانت میں تو صرف یہ ہے: ''وبروح القدس فقط'' یعنی ہم صرف روح القدس پر ایمان لاتے ہیں۔

اور یہ واضح کر دیا کہ باپ، بیٹا اور روح القدس تین اقانیم ہیں اور تین چہرے اور تین خواص ہیں اور تینوں میں وحدت میں تثلیث اور تثلیث میں وحدت ہے اور انہوں نے شریعت میں کمی اور بیشی کی۔

اور اسکندریہ کے بطریق نے راہبوں، عالموں اور بطریقوں کے لیے گوشت کھانا آزاد کر دیا، پہلے وہ مانی مذہب پر تھے اور ذی روحوں کا کھانا جائز نہیں سمجھتے تھے۔

پھر یہ مجمع اپنے اکثر علماء اور بطریقوں کو لعنت کرنے پر ختم ہوا پھر اسی امانت پر وہ چلتے رہے۔

چوتھی مجلس: پھر اس مجلس سے اکاون سال بعد نسطورس پر چوتھی مجلس قائم ہوئی۔

اس کا مذہب یہ تھا کہ حضرت مریم حقیقی معبود کی ماں نہیں بلکہ معبود دو ہیں ایک وہ ہے۔ اور ایک وہ معبود ہے جو باپ سے موجود ہے اور دوسرا وہ ہے جو حضرت مریم سے موجود ہے اور یہ انسان جس کو ہم محبت سے مسیح کہتے ہیں اللہ کے بیٹے کے ساتھ ایک ہے، اور اللہ کا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں بلکہ بخشش اور کرامت اور دونوں ناموں کے ایک جیسے ہونے کے طور پر بیٹا ہے۔

جب یہ بات تمام دنیا کے بطریقوں کو معلوم ہوئی تو اُن کی آپس میں خط و کتابت شروع ہوگئی انہوں نے اس عقیدے کے غلط ہونے پر اتفاق کر لیا اور افسیس شہر میں دو سو عالم اکٹھے ہوئے، انہوں نے نسطورس کو مناظرے کے لیے بلایا مگر وہ نہ آیا، تین دفعہ انہوں نے اس کو بلایا مگر وہ نہیں آیا تو انہوں نے اس پر کفر لازم قرار دے دیا اور جلاوطن کر دیا اور اس کو محروم کر دیا اور انہوں نے ثابت کیا کہ:

أن مَريمَ ولدتْ إلهًا، وأن المسيح إله حقّ، وإنسان معروفٌ بطبيعتين، مُتَوحِّد فى الأقنوم.

''حضرت مریم نے الہ جنا ہے اور حضرت مسیح سچے الہ ہیں، اور ایسے انسان ہیں جو دو طبیعتوں کے ساتھ معروف ہیں، مگر اقنوم ایک ہے۔''

جب انہوں نے نسطورس پر لعن طعن کیا تو یوحنا اس کے لیے ناراض ہوا اور اُس نے انطاکیہ کو چھوڑ دیا تو اس نے اپنے علماء کو جو اس کے ساتھ آئے تھے جمع کیا ان سے مناظرہ کیا اور ان سے قطع تعلقی کر لی، پھر لڑنے لگے تو ان میں جنگ وجدل شروع ہو گیا اور ان کا معاملہ سنگین صورت اختیار کر گیا۔ تو بادشاہ نے کوشش کر کے ان میں صلح کرادی تو انہوں نے ایک صحیفہ تحریر کیا جس میں یہ تھا:

أن مريم القِدِّيسة وَلَدَتْ إلٰهًا، وهُوَ رَبُّنا يَسُوع المسيح، الذى هو مع أبيه فى الطبيعة، ومع الناس فى الناسوت.

''یعنی حضرت مریم مقدس نے ایک الہ جنا وہ ہمارا رب یسوع مسیح ہے، جو طبیعت میں اپنے باپ کے ساتھ اور ناسوت میں وہ لوگوں کے ساتھ ہے۔''

پھر انہوں نے نسطورس پر لعنت جاری کر دی۔

جب نسطورس کو جلاوطن کر دیا گیا تو وہ مصر کی سرزمین میں چلا گیا۔ اور سات سال ''اخمیم'' میں مقیم رہا وہاں پر ہی دفن ہوا، آخر اس کی بات مٹ گئی، پھر اس کو ابن صرما اور قطران نصیبین نے دوبارہ زندہ کیا اور مشرق کے علاقوں میں پھیلایا، اس لیے عراق اور مشرق کے نصاریٰ اکثر نسطوریہ ہیں۔

یہ مجلس بھی نسطورا اور اس کی ہی بات کہنے والوں کی لعنت پر ختم ہوئی۔

ان کی تمام مجالس گمراہی پر ہی قائم ہوتیں اور لعنت پر اختتام پذیر ہوتیں، لہٰذا ان کی ہر مجلس لعنت کرنے والے پر اور ملعون پر ختم ہوتی۔

پانچویں مجلس: پھر ان کی ایک پانچویں مجلس منعقد ہوئی یہ اس طرح منعقد ہوئی کہ قسطنطنیہ میں ایک راہب تھا جس کو اوطیوس کہا جاتا تھا، وہ کہتا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا جسم طبیعت میں ہماری طرح نہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام جسم اختیار کرنے سے پہلے دو طبیعتیں رکھتے تھے اور جسم اختیار کرنے کے بعد صرف یک ہی طبیعت باقی رہ گئی تھی۔ یہی قول یعقوبیہ کا ہے تو اس کی حکومت کا ایک عالم اس کی طرف سفر کر کے گیا اور اس سے مناظرہ کیا اور اس کی بات کو کمزور کر دیا اور اس کی دلیل باطل کر دی، پھر وہ قسطنطنیہ چلا گیا اور وہاں کے بطریق کو جا کر بتایا کہ اس نے مناظرہ کیا اور اس کی بات کو کمزور کر دیا اور اسکندریہ کے بطریق کو بلا کر ایک بہت بڑا مجمع قائم کیا پھر اس سے اس کی بات پوچھی تو اس نے کہا:

اگر ہم کہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی دو طبیعتیں ہیں تو گویا کہ ہم نے نسطورس کا قول اپنا لیا ہے، مگر ہم کہیں گے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طبیعت ایک ہی تھی اور اقنوم بھی ایک ہی ہے، کیونکہ وہ جسم اختیار کرنے سے پہلے دو طبیعتوں کے مالک تھے، مگر جب جسم اختیار کر لیا تو دو ہونے والی صفت ان سے ختم ہو گئی اور وہ ایک ہی رہ گئی اور ایک ہی اقنوم ہو گیا۔

تو قسطنطنیہ کا بطریق کہنے لگا اگر مسیح کی ایک ہی طبیعت ہے تو طبیعت قدیمہ ہی طبیعت محدثہ بھی ہوئی اور اگر قدیم ہی محدث ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا ہمیشگی والی پہلے نہیں تھی، اور اگر قدیم ہی محدث ہو تو جو کھڑا ہو گا وہی بیٹھنے والا ہو گا اور جو گرم ہو گا وہی ٹھنڈا ہو

گا، مگر پھر بھی وہ اپنی بات سے نہ ہٹا تو سب نے اس پر لعنت کی، لہٰذا اس نے ان کے خلاف بادشاہ سے مدد مانگی اور وہ کہنے لگا کہ مجھ پر انہوں نے زیادتی کی، اور اس سے یہ سوال کیا کہ وہ بطارقہ کو مناظرہ کے لیے دعوت دے۔

تو بادشاہ نے تمام شہروں سے بطارقہ اور علماء افسیس شہر کی طرف بلائے، تو اسکندریہ کے بطریق نے اوطیوس کی بات کو ثابت کیا اور قسطنطنیہ، انطاکیہ اور بیت المقدس اور دیگر تمام بطارقہ اور الأسقفہ کی بات کو کاٹ دیا اور رومیہ کے بطریق کو اور دیگر بطارقہ اور اساقفہ کی طرف خط لکھا کہ اگر وہ اوطیوس کی بات نہ مانیں تو انہیں محروم کر دیا جائے اور قربانی سے انہیں منع کر دیا جائے۔

اس طرح امانت والی دستاویز خراب ہوگئی اور اوطیوس کی بات سب سے اوپر ہوگئی خصوصاً مصر اور اسکندریہ میں یہی مذہب غالب تھا اور یہی مذہب یعقوبیہ کا ہے۔

یہ پانچواں مجمع جب برخاست ہوا تو کچھ لوگ لعنت کر رہے تھے اور کچھ لعنت کیے جا رہے تھے اور کچھ گمراہ تھے اور کچھ گمراہ کر رہے تھے۔ اور کچھ یہ کہہ رہے تھے کہ لعنت کرنے والے حق پر ہیں اور کچھ کہہ رہے تھے کہ حق لعنت کیے گئے لوگوں کے ساتھ ہے۔

چھٹی مجلس: پھر مرقیون کے وقت میں ایک چھٹی مجلس قائم ہوئی تمام شہروں سے علماء اس کے پاس جمع ہوئے تو انہوں نے سابقہ مجلس کی زیادتیاں اور بے انصافیاں واضح کیں اور یہ بھی بتایا کہ اوطیوس کی بات لوگوں پر آ گئی اور نصرانیوں کا سارا دین خراب کر دیا گیا۔ تو بادشاہ نے تمام بطارقہ اور اساقفہ کو اپنے دربار میں بلایا تو اس کے پاس چھ سو تیس علماء جمع ہو گئے۔ انہوں نے اوطیوس کے مقالہ پر بھی غور و فکر کیا اور اسکندریہ کے بطریق کی بات پر بھی، جن کی بات تمام اساقفہ اور بطارقہ نے کاٹ دی تھی، تو سب نے ان دونوں کی بات کو کاٹ دیا اور اس کو خراب قرار دے دیا، اور ان دونوں پر لعنت کی اور یہ ثابت کر دیا کہ:

أنّ المسيح إله وإنسان، وهو مع الله فی اللاهوت، ومعنا فی الناسوت، له طبيعتان تامّتان، فهو تامّ باللاهوت، تامّ بالناسوت، وهو مسيح واحد.

''یعنی عیسیٰ معبود بھی ہیں اور انسان بھی اور وہ لاہوت میں اللہ کے ساتھ ہیں اور ناسوت میں ہمارے ساتھ ہیں، ان کی دو طبیعتیں پوری ہیں ایک لاہوت کے ساتھ مکمل ہے اور ایک ناسوت کے ساتھ اور وہ مسیح ایک ہیں۔''

انہوں نے تین سو اٹھارہ علماء کا قول ثابت کیا اور ان کی یہ بات قبول کر لی کہ روح القدس الٰہ ہیں اور وہ کہنے لگے کہ باپ اور روح القدس ایک ہی طبیعت کے ساتھ ہیں اور اقانیم تین ہیں۔

انہوں نے تیسری مجلس کی بات کو بھی ثابت کیا اور کہنے لگے کہ:

ان مريم العَذْراء وَلَدَت إلهًا ربَّنا يَسُوع المسيح الذی هو مع الله فی الطبيعة، ومعنا فی النَّاسوت.

''حضرت مریم کنواری پاک دامن نے ایک الٰہ جنا جو ہمارا رب یسوع مسیح ہے، جو طبیعت میں اللہ کے ساتھ ہے اور ناسوت میں ہمارے ساتھ ہے۔''

انہوں نے یہ بھی کہا کہ مسیح کی دو طبیعتیں اور ایک اقنوم تھا اور انہوں نے نسطورس پر اور اسکندریہ کے بطریق پر لعنت کی۔

تو اس مجلس کا خاتمہ بھی لاعن اور ملعون پہ ہوا۔

ساتویں مجلس: اس کے بعد بادشاہ انسطاس بادشاہ کے دور میں ایک ساتویں مجلس منعقد ہوئی۔ سورس قسطنطین بادشاہ کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ:

''اس مجلس میں شمولیت کرنے والے چھ سو اور تیس آدمیوں نے غلطی کی ہے اور درست بات وہی ہے جو اوطیوس نے اور اسکندریہ کے بطریق نے کہی۔ اس لیے کسی سے یہ عقیدہ قبول نہ کیا جائے، آپ تمام شہروں میں حکم لکھیں کہ ان چھ سو تیس علماء پر لعنت کریں اور لوگ ایک طبیعت، ایک مشیت اور ایک اقنوم کو اختیار کریں تو بادشاہ نے اس کی یہ بات مان لی۔

جب یہ بات بیت المقدس کے بطریق کو پہنچی تو اس نے تمام راہب جمع کئے، انہوں نے انسطاس بادشاہ کو اور سورس کو اور جو بھی ان کی سی بات کرتا تھا ان سب کو لعنت کی، جب بادشاہ تک یہ بات پہنچی تو وہ بیت المقدس کے بطریق پر غصے ہوا اور اسے ایلہ کی طرف جلاوطن کرنے کا حکم دے دیا اور یوحنا کو بیت المقدس کا بطریق بنا کر بھیج دیا، کیونکہ اس نے چھ سو تیس علماء کو لعن کرنے کی ذمہ داری اٹھالی تھی۔

جب یہ بیت المقدس آیا تو تمام راہب اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے سورس کی بات ماننے سے اجتناب کریں بلکہ چھ سو تیس کی بات کو مان لو تو ہم تمہارے ساتھ ہیں تو اس نے اسی طرح کیا اور بادشاہ کی مخالفت کی۔

جب بادشاہ تک یہ بات پہنچی تو اس نے ایک قائد بھیجا تو یوحنا کو ان لوگوں پر لعنت سے ہٹائے اگر وہ باز نہ آئے تو اس کو پکڑ کر کرسی سے اتار دے اور جلاوطن کر دے، قائد آیا اور اس نے یوحنا کو جیل میں ڈال دیا تو تمام پادری جیل میں اس کے پاس چلے گئے اور اس کو یہ مشورہ دیا کہ قائد کے لیے ایسا کرنے کی ضمانت دے دے، جب حاضر ہوا تو اس کو ہر اُس شخص لعنت کرنے کا اقرار دے جس کو راہبوں نے لعنت کی۔

تو تمام راحب اکٹھے ہوئے اور وہ دس ہزار تھے، انہوں نے اوطیوس اور نسطورس اور سورس پر لعنت کی اور اس کو بھی جو چھ سو تیس کی بات نہ مانے۔

تو بادشاہ کا ایلچی ان راہبوں سے ڈر گیا اور یہ بات بادشاہ کو پہنچا دی، تو اس نے یوحنا کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا پھر تمام راہب اور علماء اکٹھے ہوئے اور بادشاہ کو یہ خط لکھا کہ ہم سورس کی بات نہیں مانتے چاہے ہمارے خون بہا دیئے جائیں اور اس سے یہ سوال کیا کہ وہ اس کی تکلیف کو اُن سے دور کرے۔

اور رومی بطریق نے بادشاہ کو خط لکھا کہ سورس کی بات بری ہے اور اس کا فعل بھی بُرا ہے، اس لیے اس پر لعنت کی جائے۔

تو یہ مجمع بھی لعنت پر ہی ختم ہوا۔

سورس کا ایک شاگرد تھا جس کو یعقوب البراذعی کہا جاتا تھا کیونکہ وہ جانوروں کے پالان کے نیچے والے کمبل پہنتا تھا اور ان کو آپس میں گانٹھتا بھی تھا، اسی کی طرف یعاقبہ منسوب ہوتے ہیں، اس نے قوم کی امانت خراب کر دی تھی۔

پھر بادشاہ انسطاس مرگیا اور اس کے بعد قسطنطین بادشاہ بنا تو انسطاس نے جن جن کو جلاوطن کیا تھا ان سب کو اس نے اپنی جگہ کی طرف واپس کر دیا۔ اور بیت المقدس کی طرف اس کی امانت لکھ بھیجی، پھر سب راہب اکٹھے ہوئے تو انہوں نے اس کی کتاب کو ظاہر کیا اور اس پر بڑے خوش ہوئے اور چھ سو تیس علماء والی بات کو ثابت کیا اور یعقوبیہ اسکندریہ پر غالب آ گئے اور انہوں نے اپنے بطریق کو قتل کر دیا جس کا نام پولس تھا اور وہ ملکانی تھا، جب بادشاہ اسطنانوس والی ہوا تو اس نے ایک راہنما اور قائد بہت بڑے لشکر کے ساتھ اسکندریہ بھیجا، وہ گرجے میں بطریقوں کے لباس میں داخل ہوا تو وہ آگے بڑھا اور تقدیس کی، تو لوگوں نے اس کو پتھر مارے، قریب تھا کہ اس کو مار ڈالتے مگر وہ واپس آ گیا اور چھپ گیا، پھر تین دن کے بعد سامنے آیا اور کہا بادشاہ کا میرے پاس خط آیا تو اس نے چوکیداروں کو حکم دیا کہ لوگوں کو وہ خط سننے کے لیے جمع کرو، تو اسکندریہ میں جو بھی موجود تھا وہ خط سننے کے لیے حاضر ہو گیا، پھر اس نے اپنے لشکر کے لیے ایک علامت مقرر کر دی کہ وہ اس طرح کرے گا تو سب کے سب اپنی تلواریں لوگوں پر چلا دیں پھر وہ منبر پر چڑھا اور کہا اے اسکندریہ کے لوگو! اگر تم حق کی طرف لوٹ آؤ اور یعاقبہ کی بات چھوڑ دو تو بہتر ہے ورنہ بادشاہ خود تمہاری طرف رخ کرے گا تو تمہارے خون بہا دے گا تو انہوں نے اس کو پتھر مارے یہاں تک کہ جب اسے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہوا تو اس نے وہ علامت ظاہر کی تو جتنے لوگ گرجے میں تھے سب پر لشکر نے تلوار چلا دی وہاں بے شمار اللہ کی مخلوق قتل ہو گئی یہاں تک کہ وہ لشکر لوگوں کے خونوں میں داخل ہو گیا اور ملکانیہ کی بات اسکندریہ میں غالب آ گئی پھر ان کی ایک آٹھویں مجلس منعقد ہوئی۔

آٹھویں مجلس: یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ منبج کا ایک عالم تناسخ کا قائل تھا نیز یہ کہنے لگا کہ نہ قیامت ہوگی اور نہ ہی لوگ اٹھیں گے اور رھا، مصیصہ کا عالم اور ایک اور تیسرا عالم یہ کہتے تھے کہ مسیح کا جسم خیالی ہے وہ حقیقی نہیں، تو بادشاہ نے ان سب کو قسطنطنیہ کی طرف اکٹھا کر دیا تو وہاں کے بطریق نے انہیں کہا کہ اگر مسیح کا جسم خیالی ہے تو اس کی باتیں اور کام بھی خیالی ہی ہوں گے، اسی طرح ہم جس جس کا جسم دیکھ رہے ہیں یا اس کا قول و فعل دیکھتے ہیں یہ سب خیالی ہی ہونا چاہیے، اور اس نے یہ بھی کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام مر کر پھر مردوں سے اٹھے ہیں اور ہمیں بتایا کہ اسی طرح مردے اٹھیں گے اور اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

پھر اس نے انجیل کی نصوص سے اس بات پر دلائل دیئے۔ مثلاً:

ان كل من فى القبور اذا سمعوا قول الله سبحانه يحيون.

''یعنی تمام قبروں والے جب اللہ تعالیٰ کا قول سنیں گے تو وہ زندہ ہو جائیں گے۔''

پھر اس نے ان پر لعنت واجب کر دی۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ ان علماء کی ایک مجلس ہو جس میں یہ لعنت کریں اور اس نے تمام شہروں کے بطریق بلائے۔

تو اس کے پاس ایک سو چونسٹھ بطریق اکٹھے ہو گئے، انہوں نے منبج کے عالم پر لعنت کی، اسی طرح مصیصہ کے عالم پر بھی لعنت کی اور ثابت کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام جسم حقیقی تھا خیالی نہیں تھا۔ اور وہ پورے الٰہ ہیں اور وہ انسان بھی پورے ہیں، دو طبیعتوں کے ساتھ معروف ہیں، اسی طرح دو مشیتیں اور دو فعل اور ایک اقنوم ان کے لیے ثابت کیا۔ اور یہ کہ دنیا فنا ہے اور زائل ہونے والی ہے اور قیامت ہو کر رہے گی۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام بڑی عظیم بزرگی کے ساتھ آئیں گے، تو تمام زندے اور مردے دین دار ہو جائیں

گے۔جس طرح پہلے والے تین سواٹھارہ نے دین بتایا ہے اسی طرح ہوجائیں گے۔ پھر وہ اس بات پر الگ الگ ہو گئے۔

نویں مجلس: پھران کا اجلاس نہم حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں منعقد ہوا اس کا اختتام بھی ایک دوسرے کی لعنت پر ہوا۔

یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ رومیہ میں ایک راہب کے دوشاگرد تھے۔تو قسطا حکمران کے پاس گیا اس نے اس کے مذہب کی برائی اور کفر کی قباحت کی وجہ سے اس کو ڈانٹ ڈپٹ کی، پھر قسطا نے اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ دینے کا حکم دیا اور اس کی زبان کھینچ لی گئی اور اس کے دوشاگردوں میں سے ایک کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا اور دوسرے کو کوڑے مارے گئے اور جلاوطن کیا گیا۔جب یہ بات قسطنطنیہ کے بادشاہ کو پہنچی تو اس نے اس کو پیغام بھیجا کہ اپنے فاضل علماء کو میری طرف بھیجئے کہ میں ان سے اس شبہ کی وجہ معلوم کرسکوں اور اس کی ابتداء کہاں سے ہوئی، نیز یہ بھی معلوم کرسکوں کہ لعنت کا اصلی مستحق کون ہے،تو اس نے ایک سو چالیس عالم اور تین سو خادم (شماس) بھیجے۔

جب وہ اس کے پاس پہنچے تو اس نے ایک سو اٹھاون عالم مزید ان کے ساتھ ملا دیئے تو وہ دوسو اٹھانوے عالم ہو گئے،اور شمامسہ ساقط کردیئے،اس مجلس کا رئیس قسطنطنیہ کا اور انطاکیہ کا بطریق تھا۔تو انہوں نے سابقہ بطارقہ اور قدیسیوں پر ایک ایک کر کے سب پر لعنت کی، جب لعنت کر کے فارغ ہوئے تو بیٹھ گئے پھر امانت کا خلاصہ بیان کیا۔اس میں کچھ اضافہ کیا اور کچھ کمی کی۔اور کہا:

نؤمن بأن الواحد من الناسوت الابنُ الوحيد، الذى هو الكلمة الأزلية، الدائم المستوى مع الاب، الإله فى الجَوْهَرِ، الذى هو رَبُّنا يسوع المسيح بطبيعتين تامّتين، وفعلين ومشيئتين، فى أقنوم واحد، ووجهٍ واحد، تامًّا بلاهوته، تامًّا بناسوته، وشهدت أن الإله الابن فى آخر الأيام اتخذ من العذراء السَّيدة مريم القدسية جسدًا، إنسانًا بنفس ناطقة عقلية وذلك برحمة اللّٰه تعالىٰ محبّ البشر ولم يلحقه اختلاط ولا فساد، ولا فرقة، ولا فصل ولكن هو واحد، يعملُ بما يشبه الإنسان أن يعمله فى طبيعته، وما يُشبه الإله أن يعمله فى طبيعته الذى هو الابنُ الوحيدُ، والكلمة الأزلية المتجسدة التى صارت فى الحقيقة لحمًا، كما يقول الإنجيل المقدس، من غير أن يَنْتَقِلُ من مَجْدِهِ الأزلى، وليست بمتغيرة، لكنها بفعلين ومشيتين وطبيعتين إلٰهىّ وإنسِىّ، الذى بهما يكمل قولُ الحقِ وكل واحدةٍ من الطبيعتين تعمل مع شركة صاحبتها مشيئتين، غير متضادتين، ولا متصارعتين ولكن مع المشيئة الإنسية المشيئة الإلٰهية القادرة على كل شىء.

ہم ایمان لاتے ہیں کہ ناسوت میں سے ایک اکلوتا بیٹا ہے جو ازلی کلمہ ہے، دائمی باپ کے ساتھ برابر ہے، جو ہر میں اللہ ہے۔جو ہمارا رب یسوع مسیح ہے، دو پوری پوری طبیعتوں، دو فعلوں، دو مشیئتوں اور ایک اقنوم والے اور ایک چہرے والے تھے، جو اپنی لاھوت میں بھی پورے اور تام تھے اور اپنے ناسوت میں بھی تام اور پورے ہیں۔اور میں گواہی

دیتا ہوں کہ بیٹے معبود نے السیدہ پاک دامن مقدسہ سے جسم انسانی عقلی نفس ناطقہ کے ساتھ حاصل کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے انسانوں کے ساتھ محبت ہے اور اس کو کوئی خرابی یا اختلاط نہیں پہنچ سکا اور نہ ہی جدائی اور فصل پہنچا۔ لیکن وہ ایک ہے وہ ایسے کام بھی کرتا ہے جو انسان اپنی طبیعت میں کرتا ہے اور ایسا کام بھی کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی طبیعت میں کرتا ہے۔ جو اکیلا بیٹا ہے اور ان کا کلمہ ہے وہ جسم اختیار کرنے والا ہے جو حقیقت میں گوشت ہو گیا جس طرح انجیل مقدس کہتا ہے۔ بغیر اس کے اس کی ازلی بزرگی منتقل ہو یا تبدیلی ہو بلکہ وہ دو فعل دو مشیئتیں دو طبیعتیں رکھتا ہے، ایک الٰہی اور ایک انسانی کہ جن سے حق بات مکمل ہوتی ہے، دونوں طبیعتوں میں سے ہر ایک دوسری کی شرکت سے دو مشیئتوں کا کام کرتی ہیں یہ دونوں مشیئتیں ایک دوسری کے متضاد نہیں اور ایک دوسرے کو گرانے والی بھی نہیں، بلکہ مشیئت انسانی مشیئت الٰہیہ جو ہر چیز پر قادر ہے کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔

اس مجلس کی یہ امانت تھی یہ انہوں نے وضع کی تھی پھر جس کو چاہا لعنت کر دی۔

پانچویں اجلاس جس میں چھ سو تیس علماء اکٹھے ہوئے تھے اس میں اور اس نویں اجلاس کے درمیان سو سال کی مدت گزری۔

اس کے بعد ان کا دسواں اجلاس منعقد ہوا۔

دسویں مجلس: اس کا واقعہ اس طرح ہوا کہ جب یہ بادشاہ مر گیا اور اس کا بیٹا والی اور حکمران بنا تو چھٹے اجلاس والے علماء اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے کہ ان کا اجتماع باطل پر تھا، تو بادشاہ نے ایک سو تیس عالم اکٹھے کیے تو انہوں نے پہلے پانچوں مجالس کی بات کو ثابت کیا اور ان پر لعنت کی جن پر انہوں نے لعنت کی تھی اور اس کی مخالفت کی جس کی انہوں نے مخالفت کی تھی، یہ علماء بھی جب اجلاس سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو کوئی ان میں سے لعنت کرنے والا اور کوئی لعنت کیا ہوا تھا۔

یہ ان کی دس بڑی بڑی مشہور مجالس منعقد ہوئیں، ان مجالس میں جو چودہ ہزار بطارقہ، اساقفہ اور پادری اکٹھے ہوئے ان میں سے کوئی لعنت کر رہا ہے اور کوئی کیا جا رہا ہے۔

باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے قرب ہونے کے ان متقدمین کی یہ حالت تھی۔ نیز آپ کی خبریں بھی ان میں موجود تھیں، حکومت بھی ان کی اپنی تھی، کلمہ بھی ان کا تھا، اس وقت ان کے علماء بھی بہت زیادہ تھے اور ان کو اپنے دین کا اہتمام بھی بہت زیادہ تھا اور بار بار اجتماع کا انعقاد۔ اس کے باوجود وہ حیران و سرگرداں خود گمراہ اوروں کو گمراہ کرنے والے تھے۔ کہیں بھی ان کا قدم جمتا نہ تھا۔ اور ان کے معبود کے متعلق کوئی بات بھی کہیں ٹھہرتی نہیں تھی، بلکہ انہوں نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا تھا اور خواہش کے سوا کی اتباع سے براءۃ کا اظہار کیا اور اس کو کفر قرار دیا، ان سے نبی اور اللہ کے بارے میں باتیں الگ الگ ہو گئیں اور وہ اس طرح ہو گئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾ (المائدة: ٧٧)

''یعنی وہ خود اس سے قبل گمراہ ہو گئے اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے ہٹ گئے۔''

اگر تم کسی گھر والوں سے ان کے دین وعقیدہ کے متعلق پوچھو کہ ان کا عقیدہ رب اور رسول کے متعلق کیا ہے تو تمہیں اس کا

جواب اس گھر کا مرد کچھ جواب دے گا اور عورت کوئی اور جواب دے گی، اور بیٹا دوسرا جواب دے گا اور خادم اس کے علاوہ اور جواب دے گا یہ حالت ان کی اس وقت تھی اور آج کل کا کیا کہنا، یہ لوگ تو پہلے لوگوں کے مقابلے میں چھان بورا ہیں۔ یہ گزشتہ لوگوں کا باقی ماندہ ہے اور متحیر و پریشان لوگوں کا ردی حصہ باقی ہیں۔ اب تو ان پر مدت لمبی ہوگئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے دین سے ان کا زمانہ دور ہو گیا۔

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں فلاسفہ اور ملحدین کے لیے یہ واجب کیا کہ وہ جس مذہب پر ہیں اسی کو مضبوط تھامے رکھیں۔ انہوں نے ان کے لیے اپنے اس دین کی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے اسی طرح تشریح کی، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دین کو کوئی عقل مند آدمی تسلیم نہیں کرتا، تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو یہی نصیحت کی کہ وہ اسی طریقہ پر مضبوط رہیں جس پر موجود ہیں اور پیغمبر اور کتابوں کے متعلق ان میں بدگمانیاں پیدا ہو گئیں، تو انہوں نے خیال کیا کہ وہ اچھی آراء کو اپنائے ہوئے ہیں، دین کی نسبت وہ عقل کے زیادہ نزدیک ہیں۔ اور انہیں اان حیران و سرگرداں گمراہوں نے کہا کہ یہی وہ حق ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے ہیں، تو ان دو برے گمانوں سے ان کے دل میں رسولوں کے متعلق بدگمانی اور جس طریقے کو وہ اپنائے ہوئے تھے اس کے متعلق حسن ظن پیدا ہو گیا۔

اسی لیے ہندوستان کے کسی بادشاہ کے لیے جب تینوں مذہب ذکر ہوئے تو اس نے کہا کہ نصاریٰ کے ساتھ جو اہل مذاہب جنگ کرتے ہیں اگرچہ وہ شرعی حکم سے جنگ کرتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ یہ عقلی حکم کی وجہ سے ہے، ہم اگرچہ اپنی عقلوں کے حکم سے جنگ کو درست نہیں سمجھتے لیکن یہ لوگ تمام دنیا سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ انہوں نے فعل کے برعکس بات کا ارادہ کیا ہے اور حق سے دشمنی کھڑی کر دی اور ناممکنات کے گھر میں آ گئے ہیں۔ اور اس مسلک سے دور ہو گئے جو دیگر شرائع نے ان کے لیے مقرر کیا تھا۔ تو تمام دنیا کے اچھے عقلی اور شرعی طریقوں سے یہ لوگ دور ہو گئے اور ہر ناممکن چیز کو ممکن سمجھنے لگے۔ اور اسی پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھ دی جو ان کو دنیا کی کسی اچھی نوع کی طرف نہیں پہنچاتا بلکہ اگر اس پر کوئی عقلمند آدمی چلے تو بیوقوف ہو جاتا ہے اور ہدایت یافتہ شخص گمراہ ہو جاتا ہے اور نیک شخص برا ہو جاتا ہے کیونکہ جس شخص کے اصل عقیدے میں جس پر وہ چل رہا ہے خالق کی طرف پہنچے اور اس سے کچھ حاصل کرنے میں خامی ہو اور اس کے اچھے اوصاف کے بجائے برے اوصاف سے اس کو موصوف کرے تو وہ مخلوق کے ساتھ برائی کرنے کے زیادہ لائق ہو گا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں ان کی خیانت اور جہالت، کم عقلی، جیسے حیاء کی قلت اور بے غیرتی بھی معلوم ہے اور اس کے لیے ان کے باطل اور گمراہی سے زیادہ میں سے کچھ تھوڑا ظاہر ہو گیا حالانکہ اس وقت ان کا زمانہ نبوت کے زمانے کے زیادہ قریب تھا۔

افلاطون جو مصر کے ہیکلوں کا دربان (یہ وہ افلاطون نہیں جو بقراط کا شاگرد ہے کیونکہ وہ اس سے بہت پہلے تھا) کہتا ہے:

''جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تہامہ میں ظاہر ہوئے اور ہم نے دیکھا کہ ان کا مقام اپنے پڑوس کی تمام امتوں سے آگے بڑھ رہا ہے تو ہم نے اصطفر بابلی کے پاس جانے کا ارادہ کیا کہ ہم معلوم کریں کہ اس کے پاس کیا ہے۔ تاکہ ہم اس کی رائے اپنا لیں، جب ہم مصر سے نکلنے پر اکٹھے ہوئے تو ہم نے یہ خیال کیا کہ ہم اپنے استاد اور حکیم قراطیس کے پاس جائیں اور اسے الوداع کہیں، جب ہم اس

کے پاس گئے اس نے ہمارے پختگیٔ ارادہ کو دیکھا تو اس نے یقین کر لیا کہ ہیکل ان سے خالی ہو جائیں گے تو اس پر کچھ وقت کے لیے بے ہوشی طاری ہو گئی یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ وہ فوت ہو گیا ہے، تو ہم رونے لگے اس نے اشارہ کیا کہ رونا بند کرو تو ہم نہایت کوشش سے صبر کر سکے۔ یہاں تک کہ وہ پرسکون ہوا اپنی آنکھیں کھولیں اور کہنے لگا یہ ہے وہ بات جس سے میں تم کو منع کیا کرتا تھا۔ اور ڈراتا تھا۔ تم ایسے لوگ ہو کہ تم نے دین کو بدل ڈالا اس لیے تمہارے حالات بدل دیئے گئے۔ تم نے اپنے جاہل بادشاہوں کی اطاعت کرنا شروع کر دی تو انہوں نے تمہاری دعاؤں میں خلط ملط کر دیا، تم نے انسانوں کی وہ تعظیم شروع کر دی جو خالق کے لائق تھی، تم اس معاملے میں اس طرح ہو گئے جس طرح کوئی شخص قلم کو کاتب کی تعریف دے دے حالانکہ قلم کاتب کی وجہ سے حرکت کرتا ہے۔''

اور یہ بات معلوم ہے کہ یہ امت دو عظیم ممنوع چیزوں کی مرتکب ہوئی جن کو کوئی عقل مند اور سمجھ دار آدمی پسند نہیں کرتا۔

ایک مخلوق میں غلو یہاں تک کہ انہوں نے مخلوق کو خالق کا شریک اور اس کی جزء اور اس کے ساتھ دوسرا معبود قرار دے دیا اور اس کے بندۂ خدا ہونے سے انکار کر دیا۔

دوسرا خالق کے مرتبہ میں تنقیص اور کمی کی اور گالی دینے لگے اور اس کو بڑی بڑی تہمتیں لگانے لگے چنانچہ انہوں نے کہا......

حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی اس بات سے بہت برتر اور بلند ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عظمت کے ساتھ عرش سے اور کرسی سے اترا اور ایک عورت کی شرم گاہ، پیٹ اور رحم میں داخل ہو گیا پھر جہاں سے داخل ہوا تھا، وہاں سے ہی نکلا جبکہ چھوٹا سا دودھ پیتا بچہ تھا، ماں کا پستان چوس رہا تھا پھر اس کو چادر میں لپیٹ کر چارپائی پر رکھ دیا گیا اور وہ رو رہا تھا بھوک پیاس پیشاب اور پاخانہ کی ضروریات پوری کرتا تھا۔ اُسے ہاتھوں پر اور کاندھوں پر اٹھا کر بڑا کیا گیا۔ جب بڑا ہوا تو یہودیوں نے اس کے رخساروں پر طمانچہ مارا، ہاتھ باندھ دیئے اس کے منہ پر تھوکا اور گدی پر تھپڑ مارا، پھر دو چوراہوں کے درمیان علانیہ پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔ اس کو کانٹوں کا تاج پہنایا گیا اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھونکی گئیں، اور اس کو شدید تکالیف پہنچائیں گئیں۔

یہ ان کے نزدیک وہ الٰہ اور معبود ہے جس کے ہاتھ تمام کائنات کا استحکام اور پائیداری ہے، یہی اُن کا وہ معبود ہے جس کے آگے سجدہ کیا جاتا ہے۔

اللہ کی قسم یہ اللہ تعالیٰ کو ایسی گالی دینا ہے جیسی گالی اور کسی نے بھی اللہ کو نہیں دی، نہ ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس گناہ سے منزہ اور مبرا قرار دیا اسی طرح اللہ کے پیغمبر ﷺ نے اپنے بھائی عیسیٰ علیہ السلام کو اس باطل عقیدے سے پاک قرار دیا۔

﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا﴾ (مریم: ۹۰)

''قریب ہے کہ آسمان ان کی اس بات سے پھٹ جائیں، زمین میں شق و شگاف ہو جائے اور پہاڑ گر پڑیں۔''

چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

«شَتَمَنِيْ ابْنُ آدَمَ، وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُ ذٰلِكَ، وَكَذَّبَنِيْ ابْنُ آدَمَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهُ ذٰلِكَ، أَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ،

سفقَوْلُهُ: اِتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا، وَأَنَا الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ أَلِدْ، وَلَمْ أُوْلَدْ، وَلَمْ یَکُنْ لِیْ کُفُوًا أَحَدٌ، وَأَمَّا تَکْذِیْبُهُ إِیَّایَ، فَقَوْلُهُ: لَنْ یُعِیْدَنِیْ کَمَا بَدَأَنِیْ وَلَیْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَیَّ مِنْ إِعَادَتِهِ»

’’مجھے ابن آدم نے گالی دی حالانکہ اس طرح اس کو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اور اس نے مجھے جھٹلا دیا حالانکہ اس کو اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اختیار کر لی ہے حالانکہ میں ایک ہوں بے نیاز ہوں نہ میں نے کسی کو جنا نہ کوئی مجھ سے جنا گیا اور نہ ہی میری برابری کا کوئی ہے اور اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مجھے پہلی دفعہ پیدا کیا ہے اسی طرح دوبارہ پیدا نہیں کرے گا حالانکہ مشکل دوسری دفعہ پیدا کرنا اور اعادہ کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے سے زیادہ آسان تو نہیں۔‘‘

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان عیسائی قوم کے متعلق فرمایا:

’’ان کو ذلیل کرو اور ان پر ظلم نہ کرو کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ایسی گالی دی ہے کہ اس جیسی گالی اس کو کسی انسان نے بھی نہیں دی۔‘‘

اللہ تعالیٰ کی قسم بتوں کے پجاری حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسولوں کے دشمن ہیں۔

اور کفر میں سخت شدید ہیں وہ اپنے پتھروں، درختوں اور لوہے کے بنے ہوئے معبودوں کے متعلق ایسی صفات بیان کرنے سے انکار کرتے ہیں جس طرح کے اوصاف یہ رب العالمین اور آسمانوں اور زمین کے معبود کے متعلق بیان کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کفار کے دلوں میں اس طرح کے وصف بیان کرنے سے بڑا اور عظیم ہے بلکہ ان اوصاف کے قریب قریب جو اوصاف ہیں وہ بھی یہ اس کے لیے بیان نہیں کرتے۔

کفار کا شرک تو صرف اتنا تھا کہ انہوں نے اللہ کے سوا اور معبودوں کی عبادت شروع کر دی تھی جو ان کے اپنے پالے ہوئے اور نئے پیدا کردہ ہیں اور ان کے خیال میں یہ ان کو اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب کر دیں گے انہوں نے اپنے معبودوں میں سے کسی کو بھی اللہ کے برابر یا مثیل یا اولاد نہیں گردانا تھا اور نہ ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اتنی بے عزتی کی ہے جتنی کہ انہوں نے کی۔

اور ان کا عذر اس بارے میں ان کے قول سے بھی زیادہ برا ہے کیونکہ ان کا اصل عقیدہ یہ ہے کہ: انبیاء علیہم السلام کی ارواح حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سجین میں ابلیس کی قید میں تھیں۔ حضرت ابراہیم، موسیٰ، نوح، صالح اور ہود علیہم السلام حضرت آدم علیہ السلام کی غلطی اور درخت سے پھل کھانے کی وجہ سے جہنم میں قید تھے۔ اور جب بھی ان بنی آدم میں سے کوئی فوت ہو جاتا تو اس کے باپ کے گناہ کی وجہ سے اس کو ابلیس قید کر کے جہنم میں قید کر دیتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر مہربانی کرنا اور عذاب سے خلاصی دینا چاہا تو ابلیس سے ایک حیلہ کیا کہ اپنی عظمت کی کرسی سے اتر کر حضرت مریم کے پیٹ کے ساتھ گوشت کا ٹکڑا بن کر جڑ گیا۔ پھر اس سے پیدا ہوا، بڑا ہوا یہاں تک کہ مرد بن گیا۔ تو یہود نے اس پر غالب آ کر اس کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا اور کانٹوں کا تاج سر پر سجایا، تو اُس نے اور اپنے انبیاء اور رسولوں کو چھڑا لیا اور اپنی جان اور خون کا فدیہ دے کر انہیں چھڑا لیا، پھر تمام بنی آدم کو راضی کر کے اپنا خون بہا دیا کیونکہ سب کی گردنوں پر حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ باقی تھا انہوں نے سب کو اس گناہ سے نجات دلا دی وہ اس طرح

کہ اپنے دشمنوں کو اپنے اوپر اختیار دیا پھر اپنے آپ کو سولی دلوائی اور جسم میں میخیں گڑوائیں اور پھر مروایا۔ مگر جس سے ان کے سولی ہونے سے انکار کیا یا شک کیا یا یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں سے بلند و بالا ہے تو ایسا شخص ابلیس کی جیل کے اندر عذاب میں مبتلا ہوگا۔ اور جب یہ اقرار کر لے کہ واقعی ان کے الٰہ کو سولی دی گئی اور پتھر مارا گیا اور اس میں میخیں گاڑی گئیں تب وہ نجات پائے گا۔

اس طرح انہوں نے اپنے معبودوں کی طرف ایسی صفات منسوب کیں کہ جن سے تمام لوگوں میں گھٹیا اور گرا پڑا شخص بھی یہ نہیں مانتا کہ اس کے غلام سے اس طرح کا سلوک کیا جائے یہاں تک کہ بتوں کے پجاری اس طرح کی بات اپنے بتوں کی طرف منسوب نہیں کرتے۔

اسی طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اس بات میں تکذیب کی کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کا گناہ معاف کر دیا اور توبہ قبول کر لی۔

انہوں نے سب قبیح ظلم اللہ کی طرف یہ منسوب کیا کہ انبیاء و رسل اور اولیاء کی ارواح اپنے باپ کے گناہ کے سبب جہنم میں مقید ہیں۔ اور اس کو سخت بیوقوفی کی طرف منسوب کرتے ہوئے یہ کہنے لگے کہ انہوں نے اپنی جان اپنے جانی دشمنوں کے حوالے کر کے ان کو عذاب سے خلاصی اور رہائی بخش دی پھر انہوں نے اس کو قتل کیا سولی دی اس کا خون بہا دیا۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ کو سخت عاجزی کی طرف منسوب کیا اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طاقت کے ساتھ ان کو عذاب سے نہیں چھڑایا اور اسے یہ حیلہ کرنا پڑا۔

انہوں نے اس کی جانب بہت بڑا نقص یہ منسوب کیا کہ اپنے اوپر اور اپنے بیٹے کے اوپر اپنے دشمنوں کو کنٹرول دے دیا پھر انہوں نے اس کے ساتھ جو چاہا کیا۔

خلاصہ یہ کہ ہم دنیا کی کسی امت کو نہیں دیکھتے کہ اس نے اپنے معبود و الٰہ کو اس طرح گالیاں دی ہوں جیسی گالیاں انہوں نے اپنے معبود کو دی ہیں، جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ انہوں نے اپنے معبود کو اتنی گالیاں دی ہیں کہ کسی امت نے بھی ایسی گالیاں اپنے رب کو نہیں دیں۔

اسلام کے ائمہ میں سے کوئی شخص تھا کہ جب وہ کسی صلیبی کو دیکھتا تو اپنی آنکھیں بند کر لیتا اور کہتا کہ میں طاقت نہیں رکھتا کہ اپنی آنکھ میں وہ گالی سما سکوں جو بدترین گالی انہوں نے اپنے الٰہ اور معبود کو دی ہے۔

اسی لیے بادشاہوں میں سے عقل مند لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں سے جہاد کرنا عقل کی رو سے اور شریعت کی رو سے بھی ضروری ہے، کیونکہ یہ بنی آدم پر بہت ذلت کا باعث ہیں اور تمام عقلوں اور شریعتوں کو خراب کرنے والے ہیں۔

فصل: ان کی شریعت اور دین

رہی اُن کی شریعت اور اُن کا دین، تو وہ لوگ حضرت مسیح کی شریعت کی کسی بات کے پابند نہیں ہیں اور نہ ہی قطعاً وہ اُن کے دین کے پابند ہیں۔

سب سے پہلے تو قبلہ کا مسئلہ ہے، انہوں نے سورج کے طلوع ہونے کی جگہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کی بدعت کو ایجاد کیا، حالانکہ انہیں علم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس طرف رُخ کر کے نماز نہیں پڑھی۔ بلکہ ان کے مورخین نے لکھا کہ مشرق کی طرف

رُخ کر کے نماز پڑھنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین سو سال بعد ایجاد ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور ان سے پہلے کے انبیاء کا قبلہ بھی وہی تھا۔ اور مکہ میں موجودگی کے وقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے اور مکہ سے ہجرت کر کے جب مدینے تشریف لائے تو اٹھارہ مہینے اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلے کی طرف موڑ دیا۔

دین و شریعت کے مسائل سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ان میں سے کچھ جماعتیں (اور یہ اہل روم وغیرہ ہیں) پانی سے استنجا کرنا درست خیال نہیں کرتے، وہ پاخانہ پیشاب کر کے نماز کی طرف کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی بدبو کے ساتھ نمازی نماز پڑھتا ہے اور اپنے چہرے پر صلیب لگا لیتا ہے اور اپنے پاس سے قسما قسم جھوٹی اور بری باتیں کرتا ہے، غیبت اور گالی گلوچ اور شراب خنزیر وغیرہ کے بھاؤ بھی اور یہ باتیں وہ نماز کے اندر ہی کرتا رہتا ہے اس سے نہ اُس کی نماز خراب ہوتی ہے اور نہ اس میں کوئی نقص آتا ہے۔ اگر اسے نماز میں پیشاب کی ضرورت محسوس ہو تو وہ پیشاب کر کے پھر نماز شروع کر دیتا ہے۔

ہر عقل مند آدمی یہ سمجھتا ہے اللہ رب العلمین کے سامنے ایسی عبادت پیش کرنا نہایت برا عمل ہے اور ایسا کرنے والا رضا و ثواب سے بڑھ کر غضب و عتاب کا حق دار ہے۔ عجب بات یہ ہے کہ وہ تورات کی نص پڑھتے ہیں کہ: جس نے صلیب لٹکائی وہ ملعون ہے۔ انہوں نے تو اپنے دین کا شعار ایسی چیز کو بنا دیا جس پر انہیں لعنت کی جائے۔ اگر ان میں معمولی سی بھی عقل ہو تو ان کے لیے بہتر تھا کہ صلیب کو جہاں بھی پاتے اسے جلا دیتے، توڑ دیتے اور نجاست میں ملوث کر دیتے کیونکہ ان کے الٰہ کو بزعم آں اس پر سولی چڑھایا گیا اور ذلیل و رسوا کیا گیا۔

بڑے تعجب کی بات ہے یہ لوگ اس کے باوجود صلیب کو تعظیم کی مستحق قرار دیتے ہیں، تو یہ لوگ جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ کیوں نہ قرار دیئے جائیں۔

ان کا صلیب کی تعظیم کرنا یہ ایک ایسی بدعت جو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کافی عرصہ بعد ایجاد کی اور اس کا انجیل میں بالکل کوئی ذکر نہیں۔ البتہ تورات میں اس کے لٹکانے والے پر لعنت کی گئی ہے مگر انہوں نے اس کو معبود بنا لیا اس کے سامنے سجدے کرتے ہیں، اور جب ان میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کی پکی قسم کھائے جس سے حانث اور جھوٹا نہ ہونے کی یقین دہانی ہو تو وہ صلیب کی قسم کھائے گا اور جب وہ اللہ کی قسم کھائے گا تو جھوٹ بولے گا مگر جب صلیب کی قسم کھائے گا تو جھوٹی نہیں ہونے دے گا۔ اگر اس امت کو معمولی سی بھی عقل ہو تو وہ اپنے الٰہ اور معبود کی وجہ سے اس کو لعنت کریں کیونکہ اس پر اس کو سولی دی گئی، جس طرح وہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی غلطی کی وجہ سے جب انہوں نے غلطی کی، زمین کو لعنت کی گئی اور جس طرح قابیل نے قتل کیا تو زمین کو لعنت کی گئی۔ نیز تورات میں ہے کہ جب زمین کے حاکم بچے ہو جائیں تو اس پر لعنت اترتی ہے۔

اگر ان میں عقل اور سمجھ ہوتی تو صلیب کو کبھی نہ اٹھاتے اور کبھی ہاتھ بھی نہ لگاتے اور نہ ہی زبان سے اس کا کبھی نام لیتے بلکہ جب کوئی شخص اس کا نام ان کے سامنے لیتا تو یہ اپنے کان بند کر لیتے۔

کسی نے سچ کہا کہ بیوقوف دوست سے عقل مند دشمن بہتر ہے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم کا قصد کیا مگر اپنی بیوقوفی

سے ان کی مذمت اور تنقیص وتحقیر کرنے لگے اور ان پر طعن کرنے لگے۔ اس سے ان کا مقصد یہود کی برائی بیان کرنا اور لوگوں کو ان سے متنفر کرنا اور ان کے خلاف بھڑکانا تھا۔ مگر وہ نصرانیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں کو متنفر کرنے لگے اور انہیں معلوم ہے کہ اس سے دین کی تکمیل نہیں ہوتی، ان کے راہبوں اور علماء نے ان کے لیے کچھ حیلے، خلاف معمول چیزیں اور شعبدہ بازیاں ان کے لیے گھڑلیں، جن کے ذریعے وہ جہلا کو اپنی طرف مائل کرنے لگے اور دین کے ساتھ جوڑنے لگے اور وہ ان سے قرابت قرار دیتے اور اُسے اچھا سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس سے دین نصرانیت کو تقویت ملتی ہے۔

گویا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ صلیب پر جب ان کے الٰہ کو سولی دی گئی تو وہ نہ پھٹی نہ ٹوٹی اور نہ ہی اڑی، حالانکہ سورج بھی سیاہ ہوگیا اور آسمان کی حالت بھی بدل گئی مگر سولی کو کچھ نہ ہوا نہ بدلی نہ اڑی تو یہ تعظیم اور عبادت کی مستحق قرار پائی۔

ان کے بعض عقلاء کہتے ہیں کہ صلیب کے لیے ہمارا تعظیم کرنا یہ انبیاء کرام کی قبروں کی تعظیم کے قائم مقام ہے کیونکہ جب حضرت مسیح اس پر سولی چڑھائے گئے تو اس وقت وہی ان کی قبر تھی پھر جب انہیں دفن کیا گیا تو ان کی قبر زمین میں بن گئی۔ مگر اس سے بڑی حماقت اور جہالت اور کیا ہوسکتی ہے کیونکہ انبیاء کی قبور کے آگے سجدہ کرنا اور ان کی عبادت بھی تو شرک ہے بلکہ یہ بہت بڑا شرک ہے۔ امام الحنفاء خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود ونصاریٰ پر اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی وجہ سے لعنت کی ہے۔ قبروں پر مجاوری اور انہیں سجدہ گاہ بنانا سب سے بڑا شرک ہے۔

پھر انہیں کہا جاتا ہے کہ تم ایک مخصوص صلیب کی تعظیم کیوں نہیں کرتے ہیں بلکہ ہر ایک صلیب کی پرستش کرتے ہو۔

اگر تم یہ کہو کہ یہ صلیب ہمیں وہ صلیب یاد دلاتی ہے جس پر ہمارا الٰہ سولی چڑھا تھا تو ہم کہیں گے اس طرح تو ہر گڑھا ان کے گڑھے کی یاد دہانی کراتا ہے تو تم ہر گڑھے کی تعظیم کیوں نہیں کرتے اور اس کے آگے سجدہ کیوں نہیں کرتے یہ بھی تو اسی طرح کا ہے بلکہ اس سے بھی بہتر ہے کیونکہ وہ صلیب کی لکڑی پر اتنی دیر نہیں ٹھہرے جتنی دیر وہ گڑھے میں ٹھہرے تھے۔

پھر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہاتھ جو آپ کو چھوئے تھے وہ تو صلیب سے بھی زیادہ تعظیم کے قابل ہیں، لہٰذا یہود کی تعظیم کرو کیونکہ جب انہوں نے ان کو پکڑ کر سولی پر چڑھایا تو ان کے ہاتھ ان کے جسم کے ساتھ لگے تھے پھر یہ تعظیم تمام ہاتھوں تک منتقل ہوگئی۔

اگر تم کہو کہ وہ چونکہ دشمن تھے اس لیے دشمنی ان کی تعظیم سے مانع ہے مگر تم ہی تو کہتے ہو کہ وہ ان کے اس کام پر راضی ہو گئے تھے اور پسند کیا تھا اگر پسند نہ کرتے تو وہ آپ تک رسائی نہ حاصل کرسکتے۔ اس طرح تو تمہیں ان کی تعریف کرنی چاہیے اور ان کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

جبکہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خوشی اور اختیار سے وہ کام کیا جو تمام انبیاء اور مؤمنین اور پاکیزہ لوگوں کی نجات کا ذریعہ ہے اور اس سے جہنم اور ابلیس کی قید سے رہائی حاصل کرلی تو یہودی کا اس سے بڑھ کر اور کیا احسان ہوسکتا ہے جو تم پر اور تمہارے باپ دادوں پر اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں پر انہوں نے کیا۔

مقصود یہ ہے کہ اس امت نے شرک اور اپنے معبود کی تنقیص وتحقیر اور اس کو عیب لگانے کے کام اکٹھے ہی کئے اور اپنے نبی کی تنقیص کی، ان پر عیب لگایا، ان کے دین سے جدا ہوگئے، ان کے کسی بھی طریقے کو انہوں نے اپنا کر نہیں رکھا نہ ہی ان کی نماز کو

اختیار کیا نہ روزے کو اور نہ ہی اپنی عیدوں میں ان کا کوئی طریقہ اپنایا۔

بلکہ وہ ان باتوں میں ہر آواز دینے والے اور خرق عادات والے جھوٹے لوگوں کی بات ماننے والے ہیں، انہوں نے شریعت میں وہ کچھ داخل کر دیا جو اس میں نہیں تھا اور جو تھا اس کو چھوڑ دیا۔

اگر تم ان کے دین میں تبدیلی کو دیکھنا چاہو تو ان کے روزے کو دیکھو جس کو انہوں نے اپنے بادشاہوں اور بڑے لوگوں کے لیے مقرر کیا ہے، ان کے کچھ روزے حواریین کے لیے، کچھ مارِ مریم، مارِ جرجیس اور کچھ میلاد کے لیے ہیں، اور وہ اپنے روزے میں گوشت نہیں کھاتے، یہ بات انہوں نے دین میں داخل کر دی حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گوشت کھایا کرتے تھے انہوں نے کسی اور کو بھی اس سے نہیں روکا نہ روزے میں اور نہ افطار میں۔

اس کا اصل یہ ہے کہ مانو یہ فرقہ ذی روح چیز نہیں کھاتے تھے، تو جب وہ نصرانیت میں داخل ہوئے، تو وہ خوفزدہ ہو گئے کہ اگر انہوں نے گوشت کھایا تو قتل کر دیئے جائیں گے اس لیے انہوں نے اپنے لیے کچھ روزے مقرر کر لیے۔ میلاد کے لیے، حواریوں کے لیے، مارِ مریم کے لیے وہ روزے رکھنے لگے انہوں نے اس روزے میں مانی مذہب کی حفاظت کے لیے گوشت کھانا چھوڑ دیا، جب کچھ عرصہ گزر گیا تو نسطوریہ اور یعقوبیہ نے بھی ان کی پیروی کرنا شروع کر دی تو اُن میں یہ ایک جانا پہچانا طریقہ بن گیا پھر ان کی پیروی ملکانیہ بھی کرنے لگے۔

فصل: اُن کے حالات

پھر جب تم ان کی حالت سے پردہ اٹھاؤ گے تو دیکھو گے کہ ان کے دینی پیشواؤں اور درویشوں نے عوام کی عقل کو شکار کرنے کے لیے بہت سے جال پھیلا دیئے اور اپنی طرف مائل کرنے، مطیع و فرمانبردار کرنے اور ان سے ان کے مال بٹورنے کے لیے ان تک رسائی حاصل کرنے کی خاطر انہوں نے مکر و فریب سے کام کیا اور یہ کام انہوں نے اتنا زیادہ کیا کہ ذکر سے بھی بالاتر ہے اور بہت مشہور ہے۔

ان چیزوں میں سے ان کی ایک عید ہے جس کو عید النور کہتے ہیں اور اس کی جگہ بیت المقدس ہے، تمام اطراف دنیا سے لوگ وہاں ایک دن جمع ہوتے ہیں اور وہ ایک ایسے گھر کی طرف آتے ہیں جس میں ایک لٹکی ہوئی قندیل ہے مگر اس میں آگ نہیں ہوتی تو ان کا عالم انجیل پڑھنا شروع کرتا ہے، وہ سب اپنی آوازیں بلند کرتے ہیں اور لجاجت سے دعا کرتے ہیں۔

وہ اسی حال میں ہوتے ہیں کہ گھر کی چھت سے ایک آگ اتر کر قندیل کی بتی پر واقع ہوتی ہے، تو وہ چراغ جل جاتا ہے گھر میں روشنی ہو جاتی ہے، پھر وہ چیخ مارتے ہیں اور منہ کے بل سیدھے گر جاتے ہیں اور رونا اور چلانا شروع کر دیتے ہیں۔

ابوبکر طرطوشی کہتے ہیں میں بیت المقدس میں تھا اور اس کا حاکم اس وقت ایک شخص تھا جس کا نام سقمان تھا۔ تو جب اس کو ان کی اس عید کی خبر ہوئی تو اس نے ان کے بطریقوں کو پیغام بھیجا کہ میں تمہاری اس عید پر آؤں گا تا کہ تمہاری بات کی حقیقت کھول سکوں اگر یہ سچ ہوا اور میرے لیے تمہارے اس حیلے اور فریب کی کوئی وجہ کھل سکی تو میں تم کو اسی حال پر ہی برقرار رکھوں گا اور میں بھی اس میں تمہارے ساتھ علم کی بنیاد پر تعظیم کروں گا۔ اور اگر تمہارے عوام پر یہ خرقِ عادت کے طور پر ہوا تو تمہاری وہ بے عزتی کروں گا

جسے تم ناپسند سمجھو گے، تو یہ چیز ان پر بہت گراں گزری اور کہنے لگے کہ تم ایسے نہ کرو مگر اس نے انکار کیا اور اصرار کیا تو انہوں نے اس کے عوض بہت سا مال اپنے ذمے لے لیا تو اس نے وہ مال لے کر ان کو نظر انداز کر دیا۔

طرطوشی کہتے ہیں پھر میں ابو محمد بن الاقدم سے اسکندریہ میں ملا تو اس نے مجھے بتایا کہ وہ تانبے کی باریک تار لے کر اس کو گھر کے گنبد کے درمیان سے قندیل کی بتی تک پہنچا دیتے اور اس کو لبان کا تیل لگا دیتے، جبکہ گھر اتنا تاریک ہوتا کہ تانبے کی تار اپنی باریکی کی وجہ نظر نہ آتی، اس پر تمام دیکھنے والے اس کی تعظیم کرنے لگتے تو ہر شخص کو اس میں داخل ہونا ممکن نہ ہوتا، اس قبے کے اوپر ایک آدمی تھا کہ جب لوگ تسبیح و تقدیس بیان کرتے اور دعا کرتے تو وہ شخص تانبے کی تار پر کوئی پٹرول وغیرہ کی آگ ڈال دیتا تو آگ اس چکناہٹ والے تیل سے تانبے کی تار تک بھڑک اٹھتی تو بتی جب پھینکی جاتی تو آگ اسے پکڑ لیتی۔ اگر کوئی اپنی ہی خیر خواہی رکھ کر اپنی نجات چاہتا تو اس بات کا پیچھا کرتا اور حقیقت معلوم کر لیتا اور تانبے کے دھاگے دیکھ لیتا پھر وہ قبہ سے پردہ ہٹا کر دیکھتا تو اسے وہ شخص اور تیل بھی نظر آتا اور اسے معلوم ہوتا کہ اس روشنی کی اصل وجہ اور اس کا منبع اس خلاف عادت عمل کی وجہ سے ہے اور سب حیلہ اور دھوکہ ہے، اگر یہ نور آسمان سے نازل ہوتو چھت کے اوپر سے نور نظر آتا اور اس بتی سے اس کا ظہور نہ ہوتا۔

ان لوگوں کا ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ خلیفہ متوکل کے زمانے میں روم کی سرزمین میں ایک گرجا تھا، جب ان کی عید کا دن آتا تو لوگ اس کی طرف حج کرنے کو آتے اور وہاں ایک بت کے پاس سب اکٹھے ہوتے، تو اس دن ان لوگوں کو اس بت کا ایک پستان نظر آتا جس سے دودھ نکل رہا ہوتا اور اس دن اس کے دربان کے لیے بڑا مال جمع ہو جاتا، جب بادشاہ نے اس معاملے کی کرید کی تو اس کے لیے اس کی حقیقت کھل گئی تو اس نے ایک نگران دیکھا جس نے دیوار کے پیچھے سوراخیں کر رکھی تھیں جن کا تعلق اس آگے والے بت کے پستان والی سوراخ سے جوڑ دیا تھا اور اس میں قلعی کی ایک نالی بنا کر لگا دی تھی اور اس کو پلستر سے ٹھیک ٹھاک کر دیا تاکہ اس کی حقیقت نہ کھل سکے، جب عید کا دن ہوتا تو اس کو کھول دیتے اور پیچھے سے دودھ ڈال دیتے جو پستان تک پہنچ آتا تو وہاں اس کے قطرے بہہ پڑتے، تو جاہل لوگ یہ خیال کرتے کہ یہ بت کا کارنامہ اور کوئی پوشیدہ راز ہے، اور یہ بات ان کی تعظیم قربانی اور عطیات کی قبولیت کی نشانی ہے۔

جب بادشاہ کے لیے تمام معاملے کی حقیقت واضح ہوگئی تو اس نے اس دربان کی گردن اڑا دینے کا حکم دے دیا اور گرجے کی تمام تصویریں مٹا دیں اور کہا کہ یہ صورتیں بھی مورتیوں کے قائم مقام ہیں تو جو شخص ان کو سجدہ کرے گویا کہ وہ بتوں کو سجدہ کر رہا ہے۔

مسلمان بادشاہوں پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کو اس جیسے کاموں سے منع کریں کیونکہ اس میں کفر کی امداد اور اس کے شعائر کی تعظیم پائی جاتی ہے۔ اس لیے اس کی امداد اور تعاون کرنے والا یہ کام کرنے والے کے ساتھ برابر کا شریک ہے۔

مگر جب دین اسلام نے کمزوری دکھائی اور وہ حرام جو ان سے بطور رشوت لیتے وہ ان کی نگاہوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے زیادہ محبوب ہو گیا تو انہوں نے ان بت پرستوں کو ایسے کام کرنے کی آزادی دے دی۔

فصل: صلیبیوں کی بنیاد

مقصود یہ ہے صلیبی امت کے دین کی بنیاد نبی ﷺ کی بعثت کے بعد بلکہ آپ کی بعثت سے تقریباً تین سو سال قبل بھی عقول

اور شرائع کی مخالفت اور عناد اللہ تعالیٰ کی، کائنات کے معبود برحق کی، تنقیص اور بڑی عظیم تہمت زنیوں پر رکھ دی گئی تھی۔ تو جس نصرانی کو اس آزمائش سے کچھ اثر نہ پہنچتا ہو وہ حقیقت میں نصرانی ہی نہیں۔

کیا یہ وہی دین نہیں جس کی بنیاد مذکورہ تاریخی اجتماعات میں ایک دوسرے کو لعنت کرنے والوں نے اس بات پر رکھی کہ ایک خدا تین ہیں اور تین خدا ایک ہے۔

بڑی عجیب بات ہے کہ عقل نے کس طرح مان لیا کہ یہ عقیدہ عقل کی غایت اور علم کی انتہاء ہے۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس پوری امت میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں جو اپنی عقل وفطرت کی طرف رجوع کر سکے اور یہ معلوم کر سکے کہ یہ چیز عین محال ہے، اگرچہ وہ اس کے اَشباہ وامثال ہی کیوں نہ بیان کریں، کیونکہ وہ جب بھی اس کی کوئی مثال یا شبیہ سامنے لائیں گے تو اس میں ان کی غلطی اور گمراہی سامنے نظر آ رہی ہوگی۔

جس طرح وہ لاھوت اور ناسوت کے اتحاد وامتزاج کی تشبیہ دیتے ہیں، کبھی لوہے اور آگ کا امتزاج ووصال ہے۔ بعض نے پانی اور دودھ مل جانے کی تمثیل پیش کی ہے۔ یا جس طرح غذاء بدن کے حصوں سے خلط ملط ہو جاتی ہے اور اس جیسی دیگر مثالیں وہ پیش کرتے ہیں جو دو حقیقتوں کے امتزاج اور اختلاط سے ایک تیسری حقیقت سامنے آ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس جھوٹ اور افتراء سے پاک اور برتر ہے۔

اللہ تعالیٰ رب العالمین کے متعلق انہوں نے اپنی اس بات پر قناعت نہ کی بلکہ اس بات پر ان کا اتفاق ہے کہ یہود نے انہیں پکڑ کر انہیں ذلیل ومغلوب کر کے اپنے درمیان چلاتے رہے جبکہ وہ اپنی سولی کی لکڑی کو اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر یہود ان کے چہرے پر تھوکتے اور مارتے رہے پھر ان کو سولی دی اور ان کے نیزہ مارا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔ پھر ان کو سولی پر رہنے دیا یہاں تک کہ جب سورج کی حرارت سے ان کے بال ان کے جسم کے ساتھ جڑ گئے پھر ان کو دفن کر دیا اور وہ مٹی کے نیچے تین دنوں تک رہے پھر اپنی قبر سے اپنی لاھوتیت کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔

اُن سب کا یہی قول ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ایسی عقلوں پر کیا ہی زیادہ تعجب ہے جو اس عالم اعلیٰ اور عالم اسفل کا حال ان تین دنوں میں بیان کرنے سے قاصر ہیں اسی طرح وہ یہ بھی نہیں بتا سکتیں کہ یہ تین دن آسمانوں اور زمین کا نظام کیسے چلتا رہا اور کون چلاتا رہا اور یہ تین دن رب کا خلیفہ کون تھا اور قبر میں مدفون رہنے تک زمین پر آسمانوں کو گرنے سے کس نے روک رکھا تھا۔

بڑے تعجب کی بات ہے کہ کیا کلمہ قتل ہونے اور سولی دیئے جانے کے بعد دفن رہا یا اس سے جدا ہو گیا اور اس کو مدد کی انتہائی محتاجی کی حالت میں اس کو بے یارومددگار چھوڑ دیا، جس طرح اس کے باپ اور قوم نے چھوڑ دیا تھا اگر وہ کلمہ اس سے جدا ہو گیا اور وہ اس سے خالی رہا تو وہ اس وقت مسیح نہ ہوں گے بلکہ عام آدمیوں کی طرح ہوں گے اور اگر وہ اس ساتھ خلط ملط ہو گیا تو اس سے جدا اور الگ کس طرح ہوا جبکہ وہ اس کے گوشت پوست کے ساتھ متحد ہو گیا اور ممزوج ومتحد ہو گیا پھر علیحدگی کے وقت امتزاج اور اتحاد کدھر گیا۔ اگر وہ اس سے جو جدا نہیں ہوا اور وہ بھی ساتھ قتل سولی اور دفن ہوا تو مخلوق کی اللہ کے قتل تک کیسے رسائی ہو سکی۔

بڑی تعجب انگیز بات ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کا رب قبر میں کس طرح سما سکتا ہے، وہ جو بادشاہ ہے، پاک، سلام، مؤمن، نگہبان، عزیز، جبار اور متکبر ہے، اُس کی شان کیا اور یہ نظریہ کیا، اللہ پاک ہے اُس سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔

الحمدللہ ثم الحمد جس نے ہمیں اسلام کی طرف راہنمائی فرمائی حالانکہ اگر ہمیں اللہ ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت نہ پا سکتے۔

اے ذوالجلال والاکرام جس طرح تو نے ہمیں اسلام کی طرف ہدایت عطاء فرمائی، یہ نعمت ہم سے کبھی نہ چھیننا یہاں تک کہ ہمیں اسلام پر ہی موت دینا۔

أَعُبَّادَ الْمَسِيحِ لَنَا سُؤَالٌ نُرِيْدُ جَوَابَهُ مِمَّنْ وَعَاهُ

''اے عیسیٰ علیہ السلام کے پجاریو! ہمارا ایک سوال ہے۔ ہم اس کا جواب اس شخص سے چاہتے ہیں جس نے اس کو حاصل کر کے ذہن میں محفوظ رکھا ہو۔''

إِذَا مَاتَ الْإِلٰهُ بِصُنْعِ قَوْمٍ أَمَاتُوْهُ، فَمَا هٰذَا الْإِلٰهُ؟

''جب ایک معبود کسی قوم کے عمل سے مرجائے اور انہوں نے اس کو مار دیا ہو تو ایسا معبود کیسا کمزور اور بے بس معبود ہے۔''

وَهَلْ أَرْضَاهُ مَا نَالُوْهُ مِنْهُ؟ فَبُشْرَاهُمْ إِذَا نَالُوْا رِضَاهُ

''تو جو انہوں نے اس کی توہین و تذلیل کی کیا اس چیز نے اس کو خوش کر دیا۔ لہٰذا اگر انہوں نے اُس کی رضامندی پالی ہے تو انہیں خوش ہونا چاہیے۔''

وَإِنْ سَخِطَ الَّذِيْ فَعَلُوْهُ فِيْهِ فَقُوَّتُهُمْ إِذَا أَوْهَتْ قُوَاهُ

''اگر ان کے اس عمل وسلوک سے وہ ناراض ہوا ہے۔ تب تو ان کی طاقتوں نے اسے کمزور کر دیا۔''

وَهَلْ بَقِيَ الْوُجُوْدُ بِلَا إِلٰهٍ سَمِيْعٍ يَسْتَجِيْبُ لِمَنْ دَعَاهُ؟

''کیا اللہ کے بغیر بھی کبھی وجود باقی رہ سکا ہے جو دعا کو سننے والا ہے، اور جو شخص اس کو پکارے وہ اس کی دعا اور پکار کر قبول کرتا ہے۔''

وَهَلْ خَلَتِ الطِّبَاقُ السَّبْعُ لَمَّا ثَوَى تَحْتَ التُّرَابِ، وَقَدْ عَلَاهُ؟

''جب وہ مٹی کے نیچے رہنے لگا اور مٹی اس پر غالب آ گئی، تو اس وقت ساتوں آسمان کیا خالی ہو گئے تھے۔''

وَهَلْ خَلَتِ الْعَوَالِمُ مِنْ إِلٰهٍ يُدَبِّرُهَا، وَقَدْ سُمِرَتْ يَدَاهُ؟

''جب اس کے دونوں ہاتھوں میں میخیں ٹھونک دی گئی تھیں، تو اس وقت کائنات مدبر و منتظم معبود سے خالی ہو گئی تھی۔''

وَكَيْفَ تَخَلَّتْ الْأَمْلَاكُ عَنْهُ بِنَصْرِهِمْ، وَقَدْ سَمِعُوْا بُكَاهُ؟

''اور جب بادشاہوں نے اس کا رونا سن لیا تھا، پھر اس کی مدد سے وہ کنارہ کش کس طرح ہو گئے۔''

وَكَيْفَ أَطَاقَتِ الْخَشَبَاتُ حَمْلَ الْ إِلٰهِ الْحَقِّ شُدَّ عَلَى قَفَاهُ؟

''جب معبود برحق کی گدی باندھ کر سولی کی لکڑیوں پر چڑھایا گیا، تو اُن لکڑیوں نے اس سچے معبود کو کس طرح اٹھالیا۔''

وَكَيْفَ دَنَا الْحَدِيْدُ إِلَيْهِ حَتَّى يُخَالِطَهُ، وَيَلْحَقُهُ أَذَاهُ؟

''لوہا اس کے قریب کس طرح ہوا۔ پھر اس کے ساتھ خلط ملط ہو گیا حالانکہ اس کی تکلیف اس کو پہنچتی رہی۔''

وَكَيْفَ تَمَكَّنَتْ أَيْدِيْ عِدَاهُ وَطَالَتْ، حَيْثُ قَدْ صَفَعُوْا قَفَاهُ؟

''اس کے دشمنوں کے ہاتھوں نے لمبے ہو کر اس پر کنٹرول کس طرح حاصل کر لیا کہ اس کی گدی پر تھپڑ لگائے۔''

وَهَلْ عَادَ الْمَسِيْحُ أَمِ الْمُحْيِيْ لَهُ رَبٌّ سِوَاهُ؟

''پھر کیا عیسیٰ علیہ السلام خود زندہ ہو گئے یا کسی دوسرے زندہ کرنے والے رب نے انہیں زندہ کر دیا۔''

وَيَا عَجَبًا لِقَبْرٍ ضَمَّ رَبًّا وَأَعْجَبُ مِنْهُ بَطْنٌ قَدْ حَوَاهُ

''وہ قبر بھی بڑی عجیب ہے جس نے رب کو گھیر رکھا تھا اور اس سے بھی عجیب وہ پیٹ ہے جس میں وہ سمایا رہا۔''

أَقَامَ هُنَاكَ تِسْعًا مِنْ شُهُوْرٍ لَدَى الظُّلُمَاتِ مِنْ حَيْضٍ غَذَاهُ

''وہاں اندھیروں میں وہ نو مہینے ٹھہرا رہا اور وہ حیض کی غذا کھاتا رہا۔''

وَشَقَّ الْفَرْجَ مَوْلُوْدًا صَغِيْرًا ضَعِيْفًا، فَاتِحًا لِلثَّدْيِ فَاهُ

''پھر وہ شرم گاہ کے شگاف سے چھوٹا سا کمزور بچہ بن کر باہر آیا، جو پستان سے دودھ پینے کے لیے اپنا منہ کھولے ہوئے تھا۔''

وَيَأْكُلُ، ثُمَّ يَشْرَبُ، ثُمَّ يَأْتِيْ بِلَازِمِ ذَاكَ، هَلْ هٰذَا إِلٰهٌ؟

''اور وہ کھاتا پیتا رہا پھر یہ چیز اس کے ساتھ لازم تھی، کیا الٰہ اور معبود اس طرح کا ہوتا ہے۔''

تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ إِفْكِ النَّصَارٰى سَيُسْأَلُ كُلُّهُمْ عَمَّا افْتَرَاهُ

''اللہ تعالیٰ عیسائیوں کے جھوٹ سے بلند ہے عنقریب ان کے جھوٹ سے، جو انہوں نے اس پر باندھا ہے ہر ایک سے وہ ضرور پوچھے گا۔''

أَعُبَّادَ الصَّلِيْبِ، لِأَيِّ مَعْنًى يُعَظَّمُ أَوْ يُقَبَّحُ مَنْ رَمَاهُ؟

''اے صلیب کی عبادت کرنے والو جس پر انہوں نے عیب لگائے، اس کو کیوں برا کہا جا رہا ہے یا تعظیم کی جا رہی ہے۔''

وَهَلْ تَقْضِي الْعُقُوْلُ بِغَيْرِ كَسْرٍ وَإِحْرَاقٍ لَهُ، وَلِمَنْ بَغَاهُ

''کیا اس کے اور اس کو تلاش کرنے والے کے لیے توڑنے اور جلانے کے علاوہ کوئی اور فیصلہ بھی عقلیں کرتی ہیں یعنی عقلیں اس کو اس کے تلاش کرنے والے کو جلا دینے اور توڑ دینے کا فیصلہ ہی کرتی ہیں۔''

إِذَا رُكِبَ الْإِلٰهُ عَلَيْهِ كُرْهًا وَقَدْ شُدَّتْ لِتَسْمِيْرٍ يَدَاهُ

''جب معبود کو اس (سولی) پر جبراً چڑھایا گیا اور اس کے دونوں ہاتھوں کو باندھ کر ان میں میخیں بھی ٹھونکی گئیں۔''

فَذَاكَ الْمَرْكَبُ الْمَلْعُوْنُ حَقًّا فَدُسْهُ، لَا تَبُسْهُ إِذْ تَرَاهُ

''تو یہ سچ مچ ملعون سواری تھی جس پر عیسیٰ علیہ السلام کو سوار کیا گیا، تو تم اس کو جہاں بھی دیکھو پاؤں تلے رگڑ دو اس کو بوسہ نہ دو۔''

يُهَانُ عَلَيْهِ رَبُّ الْخَلْقِ طُرًّا وَتَعْبُدُهُ؟ فَإِنَّكَ مِنْ عِدَاهُ

''تمام مخلوق کا رب اس پر ذلیل کیا جاتا رہا اور تم اس کی عبادت کرتے ہو؟ تب تم تو اس کے دشمنوں میں سے ہو۔''

فَإِنْ عَظَّمْتَهُ مِنْ أَجْلِ أَنْ قَدْ حَوَى رَبَّ الْعِبَادِ، وَقَدْ عَلَاهُ

''اگر تم اس کی تعظیم اس لیے کرتے ہو کہ اس نے، بندوں کے رب کو اپنے اندر سمو لیا اور وہ اس کے اوپر چڑھ گیا۔''

وَقَدْ فُقِدَ الصَّلِيْبُ، فَإِنْ رَأَيْنَا لَهُ شَكْلًا تَذَكَّرْنَا سَنَاهُ

''اور وہ صلیب گم ہوگئی ہے۔ اب جس وقت بھی ہم صلیب کو دیکھتے تو ہمیں اس صلیب کی چمک دمک یاد آ جاتی ہے۔''

فَهَلَّا لِلْقُبُوْرِ سَجَدْتَ طُرًّا لِضَمِّ الْقَبْرِ رَبَّكَ فِيْ حَشَاهُ؟

''اس طرح تو پھر تمام قبروں کو سجدے کیوں نہیں کرتے، اس نے بھی تو اپنے اندر اس کو رکھا ہوا ہے۔''

فَيَا عَبْدَ الْمَسِيْحِ أَفِقْ، فَهٰذَا بِدَايَتُهُ، وَهٰذَا مُنْتَهَاهُ

''اے عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرنے والے تو ہوش میں آ، کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی ابتدا اور انتہا یہ ہے۔''

فصل: ان کی عیدیں

ہر صاحب عقل پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ شیطان ان لوگوں کے ساتھ پورا پورا کھیلا ہے۔ اس نے ان کو جس چیز کی طرف دعوت دی وہ بات انہوں نے اس کی قبول کر لی اس نے ان کو راہ راست سے ہٹایا تو وہ اس سے ہٹ گئے۔

1. شیطان نے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ معبود حقیقی کی شان کے متعلق کھیل کود کی۔
2. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں کھیل تماشا کیا۔
3. سولی کی شان اور اس کی عبادت کے متعلق کھیل کود کی۔
4. پھر گرجوں میں تصویریں بنا کر رکھنے اور ان کی عبادت کرنے میں ان کے ساتھ کھیل کیا، یہاں تک کہ حضرت مریم، عیسیٰ علیہ السلام، جرجیس اور پطرس وغیرہ بزرگوں اور پاکبازوں کی تصویروں سے کوئی کنیسہ بھی تم خالی نہ دیکھو گے۔ ان میں سے اکثر ان صورتوں کو آگے سجدے کرتے ہیں اور اللہ کو چھوڑ کر ان سے دعائیں مانگتے ہیں۔

حتیٰ کہ اسکندریہ کے ایک بطریق نے روم کے بادشاہ کو ایک خط لکھا جس میں تصویروں کے سامنے سجدہ کرنے کے دلائل یہ دیئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمانے کے گنبد میں ساروس کی تصویر بنا۔ اور سلیمان علیہ السلام نے جب ہیکل بنایا تو انہوں نے ساروس کی شکل سونے کی بنائی اور اس کو ہیکل کے اندر نصب کر دیا۔

پھر اس نے اپنے خط میں لکھا کہ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی حکمران اپنے کسی کارندے اور عامل کو کوئی خط لکھتا ہے تو وہ اس کو لے کر بوسہ دیتا ہے اور اپنی آنکھوں سے لگاتا ہے اور اس کے لیے تعظیم سے کھڑا ہو جاتا ہے، وہ اس کاغذ یا سیاہی کی تعظیم نہیں کرتا بلکہ اس بادشاہ کی تعظیم و تکریم کرتا ہے، اسی طرح تصویروں کے آگے سجدہ کرنا دراصل صاحب تصویر کے نام کی تعظیم ہے رنگوں اور روغنوں کی تعظیم نہیں۔

بالکل اسی مثال کے طور پر ہی بتوں کی عبادت کی جاتی ہے۔
اور جو اس مشرک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ذکر کیا ہے اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس میں تصویروں کو سجدہ کرنے کی دلیل نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی بات کے برابر ہے کہ انہوں نے اپنا گناہ اپنی ہتھیلی پر نقش کر دیا تاکہ وہ کبھی بھی انہیں بھولنے نہ پائے، تو یہ بات کس طرح اس عمل کی طرح ہو سکتی ہے جس طرح یہ مشرک ان تصویروں کے ساتھ عاجزی اور انکساری کرتے ہیں اور ان کے آگے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔
ان مشرکوں کے فعل کی مثال، بادشاہ کے خادموں میں سے ایک خادم کی سی ہے جو کسی شخص کے پاس گیا تو وہ آدمی فوراً اپنی نشست گاہ سے اٹھا اور اس کے سامنے سجدہ کرنے لگا اور اس کی عبادت بجالانے لگا اور اس کے ساتھ وہ تعظیم وعبادت کرنے لگا جو اس کے لیے مناسب نہیں تھی اور وہ صرف بادشاہ کے لیے بجالانا چاہیے تھی۔ ہر عقل مند ایسے آدمی کو جاہل اور بے وقوف ہی کہے گا کیونکہ اس نے جو کام اور عبادت وخضوع بادشاہ کے ساتھ مخصوص تھے وہ اس نے ایک غلام کے لیے انجام دیئے۔
اور معلوم ہے کہ یہ چیز اس کو اللہ تعالیٰ کے غصے کی طرف لے جائے گی اور اس کو اس کی نگاہ سے گرادے گی۔ اس کی نگاہ میں اسے عزت اور درجے کی بلندی کی طرف نہیں لے جائے گی۔
یہی حال اس شخص کا ہے جو مخلوق کے آگے سجدہ کرے یا کسی مخلوق صورت کے لیے بجالائے کیونکہ اس نے وہ سجدہ جو رب کی رضا جوئی کا بلند ترین عمل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے اس کو اس نے اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے کے لیے ادا کر دیا ہے۔ اس سے بڑی برائی اور ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝﴾ (۱۳)
''کہ بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ جو تعظیم وتکریم اور اعزاز واجلال بادشاہ کے لیے ہوتا ہے وہ اس کے غلاموں سے کرنے کو برا سمجھتا ہے اسی طرح جو معاملات غلاموں سے کیے جاتے ہیں وہ بادشاہ سے کرنے بھی اسی طرح برے سمجھے جاتے ہیں، چہ جائے کہ اس کے دشمنوں کے ساتھ ایسے معاملات کیے جائیں، مثلاً شیطان اللہ کا دشمن ہے اور مشرک شیطان کو اللہ کا شریک بناتا ہے، نہ اللہ کے ولی کو اور نہ اس کے پیغمبر کو اللہ کا ہر ولی اور رسول اس شرک سے بری ہیں اور وہ اپنے لیے ان کاموں کے ادا کرنے کو بری نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس سے سخت ناراض ہوتے ہیں۔ اس لیے درحقیقت مشرکین اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو اللہ کا شریک بناتے ہیں اور ان کی بھی اللہ کی طرح تعظیم کرتے ہیں اور خشوع وخضوع اور سجدہ وعبادت بجالاتے ہیں۔
لہٰذا: شرک کا بطلان فطرۃ سلیمہ اور عقل صحیح سے واضح ہے اور اس کی برائی تمام برائیوں سے زیادہ روشن ہے۔
اور مقصود یہ ہے کہ شیطان ان لوگوں کے دینی اصول اور فروع کے ساتھ کھیل تماشا کرتا ہے، جیسے ان کے روزے کو کھیل بنایا، کیونکہ ان کے اکثر روزے ان کی شریعت میں ثابت نہیں بلکہ بناوٹی اور بدعت ہیں۔
اسی طرح انہوں نے بڑے روزے کے شروع میں ایک جمعہ ایجاد کیا ہے جو روزہ وہ ہرقل کے لیے رکھتے ہیں جس نے ان

کے لیے بیت المقدس کو آزاد کرایا تھا۔

اور یہ اس طرح ہوا کہ فارس والے بیت المقدس کے مالک بن گئے، نصرانیوں کو مار ڈالا، گرجے گرادیئے اور یہود نے بھی اس میں ان کی مدد کی بلکہ انہوں نے ان کو چیرا پھاڑا اور قتل و غارت کیا۔

جب ہرقل اس کی طرف جانے لگا تو یہودی تحفے لے کر اس کے پاس گئے اور کہا ہمارے لیے عہد امن لکھ دیجئے، تو اس نے انہیں عہد لکھ دیا تو جب وہ بیت المقدس میں داخل ہوئے اس میں جو نصاریٰ تھے انہوں نے یہود کے رویہ کی اس سے شکایت کی تو ہرقل کہنے لگا تم مجھ سے کیا مانگتے ہو، انہوں نے کہا کہ ہم تجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ ان کو قتل کردے، وہ کہنے لگا میں انہیں کس طرح قتل کروں حالانکہ میں ان کو امان لکھ کر دے چکا ہوں اور تم جانتے ہو وعدہ توڑنے والے کے لیے کتنی بڑی سزا ہے، وہ کہنے لگے کہ جب تم نے ان کو پناہ دی تھی اس وقت تمہیں معلوم نہیں تھا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔ نصاریٰ کو قتل کر دیا کنیسے گرادیئے انہیں قتل کرنا تو اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے، تیرے اس گناہ کی ضمانت لے لیتے ہیں اور تیری طرف سے ہم خود اس کا کفارہ دے دیتے ہیں، اور مسیح سے دعا کریں گے کہ وہ تجھ سے اس پر مؤاخذہ نہ کرے اور ہم تیرے لیے ایک کامل جمعہ مقرر کرتے ہیں جس میں ہم تیرے لیے روزہ رکھیں گے اور اس میں گوشت کھانا ترک کر دیں گے، جب تک نصرانیت باقی رہے گی ہم اس طرح کرتے رہیں گے اور ہم دنیا کے تمام اطراف میں لکھ بھیجتے ہیں کہ ہم نے تم سے جو مانگا ہے اس کے عوض میں وہ تیرے لیے بخشش مانگیں۔

اس نے ان کی بات مان لی اور بیت المقدس کے آس پاس کے اور جبل الخلیل میں رہنے والے بے شمار یہودی قتل کر دیئے۔

انہوں نے اس کے لیے روزوں کا پہلا جمعہ مقرر کر دیا جس میں ملکیہ فرقہ نے گوشت کھانا اپنے اوپر حرام کر دیا یہ روزہ وہ ہرقل کے لیے رکھتے ہیں، اس کے وعدہ توڑنے کی بخشش کے لیے اور یہود کو قتل کرنے کے لیے اور انہوں نے یہ بات تمام اطراف میں لکھ کر بھیجی تھی۔

بیت المقدس میں رہنے والے اور اہل مصر اس دن کا روزہ رکھتے ہیں اور شام اور روم والوں میں باقی لوگ اس دن میں گوشت نہیں کھاتے اور وہ بدھ اور جمعہ کا روزہ رکھتے تھے۔

اسی طرح جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو بدلتے ہوئے روزے کو معتدل موسم بہار کی طرف منتقل کرنا چاہتے، تو اس تبدیلی کے عوض اور کفارے کے طور پر اس میں دس روزے بڑھا دیتے۔

اسی سے ان کی عیدوں میں شیطان کا ان کے ساتھ کھیل کود کرنا بھی ہے، وہ سب کی سب من گھڑت اور بناوٹی ہیں جو انہوں نے اپنی آراء اور اپنی پسند کے مطابق ایجاد کر رکھی ہیں۔ ان میں ان کی ایک عید میکائیل ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ اسکندریہ میں ایک بت تھا، مصر اور اسکندریہ کے لوگ اس کے لیے بہت بڑی عید منعقد کرتے تھے اور اس کے لیے جانور ذبح کرتے۔ ان میں سے ایک کو اسکندریہ کا بطریق بنا دیا گیا تو اس نے اس کو توڑنا چاہا اور ذبیحے ختم کرنا چاہے تو وہ لوگ اس کے آڑے آ گئے تو اس نے ایک حیلہ کیا۔ اور کہا کہ یہ بت کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا اگر تم یہ عید میکائیل اللہ کے فرشتے کے لیے کر دو اور یہ ذبیحے بھی اسی کے لیے کر دو تو وہ اللہ کے پاس تمہاری سفارش کر دے گا، اس بت کی پرستش سے یہ چیز

تمہارے لیے بہتر ہو جائے گی، انہوں نے اس کی بات مان لی، اس نے بت توڑ دیا اور اس کی صلیبیں بنا دیں اور کنیسہ کا نام کنیسہ میکائیل رکھ دیا گیا اور اس کا نام بعد میں قیسار یہ رکھ دیا گیا، پھر بعد میں یہ کنیسہ جل گیا اور غیر آباد ہو کر کھنڈر بن گیا اور ان لوگوں نے یہ عید اور ذبیحے میکائیل کے لیے خاص کر دیئے۔

اس بطریق نے ان لوگوں کو ایک کفر سے ہٹا کر دوسرے کفر میں ڈال دیا اور ایک شرک سے دوسرے شرک میں پہنچا دیا۔ اس طرح وہ اس مجوسی کی طرح ہو گئے جو مسلمان ہو کر رافضی ہو جائے، وہ لوگ اس کے پاس آ کر اسے مبارک باد دینے لگے، ایک آدمی اس کے پاس آیا اور کہنے لگا تم تو آگ کے ایک کونے سے منتقل ہو کر دوسرے کونے میں چلے گئے ہو۔

عید الصلب بھی اسی طرح ہے یہ انہوں نے خود گھڑ رکھی ہے اور اپنی طرف سے ایجاد کر لی ہے، کیونکہ صلیب کا تو ظہور ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کافی عرصہ بعد میں ہوا۔ اور جس نے اس کو ظاہر کیا اس نے ان یہود کو (بطور کذب وافتراء) یہ بتایا کہ یہ وہی صلیب ہے جس پر تمہارا معبود اور رب سولی پر چڑھایا گیا تو اس سند اور خبر کو دیکھو۔ تو انہوں نے اس وقت کو جس میں وہ ان کے لیے ظاہر ہوا عید بنا لیا اور اس کو عید الصلیب کہنے لگے۔ اگر یہ اس طرح کرتے جس طرح ان کے ہم مثل رافضیوں نے کیا کہ انہوں نے اس وقت کو جس میں حضرت حسین شہید کئے گئے ماتم اور غم بنا لیا تو یہ چیز عقلوں کے زیادہ قریب تھی۔

صلیب کی بات اس طرح ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے جھوٹے گمان کے مطابق پھانسی لگائے گئے تو قتل ہو کر قبر ہی میں دفن ہوئے، پھر قبر سے آسمان کی طرف اٹھائے گئے۔ اور ان کے شاگرد روزانہ صلیب کی جگہ پر قبر ہی کی طرف جاتے وہاں نماز پڑھتے، تو یہود نے کہا یہ جگہ مخفی نہیں رہ سکتی اور ضرور اس کی کوئی اہم خبر ہو گی، جب لوگوں نے دیکھا کہ قبر خالی ہے تو وہ ان پر ایمان لے آئے پھر اس پر مٹی اور گوبر پھینک دیا یہاں تک کہ وہ بہت بڑا روڑی خانہ بن گیا۔ جب بادشاہ قسطنطین کا دور حکومت آیا، اس کی بیوی بیت المقدس میں صلیب کی تلاش میں گئی تو اس نے یہود کو اور بیت المقدس اور جبل الخلیل میں رہنے والے سو آدمیوں کو جمع کیا اور ان میں سے دس آدمی چن لیے اور دس میں سے بھی تین آدمی چن لئے، جن میں سے ایک کا نام یہوذا تھا، اس نے ان سے پوچھا کہ وہ مطلوب جگہ کون سی ہے تو وہ جگہ بتانے سے باز رہے، اور کہنے لگے ہمیں کوئی علم نہیں، تو اس نے ان کو جیل میں ڈال دیا جو بے آب کنویں کی شکل میں تھا، وہاں پر سات یوم بغیر کچھ کھائے پئے پڑے رہے، یہوذا نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میرے باپ نے مجھے وہ مطلوبہ جگہ بتلائی ہے، وہ دونوں چیخنے لگے تو ان لوگوں نے انہیں باہر نکالا، جو یہوذے نے بات کہی تھی وہ انہیں بتائی گئی، اس ملکہ نے اس کو کوڑے مارنے کا حکم دیا، اس نے اقرار کر لیا اور اس جگہ کی طرف نکل گیا، جو مقبرہ میں تھی اور وہ بہت بڑا روڑی خانہ تھا، اس نے وہاں نماز پڑھی اور دعا کی کہ اے اللہ اگر وہ اس جگہ ہے تو اس جگہ کو حرکت دے دے اور اس سے دھواں نکال، وہ جگہ حرکت کرنے لگی اور اس سے دھواں نکلنے لگا۔ ملکہ نے اس جگہ کو صاف کرنے اور جھاڑ و پھیرنے کا حکم دیا، وہاں سے ایک مقبرہ سامنے آ گیا اور وہاں سے تین صلیبیں سامنے آ گئیں، ملکہ نے کہا ہم کیسے معلوم کر سکتے ہیں کہ ہمارے سید مسیح علیہ السلام کی صلیب کون سی ہے، وہاں قریب ہی ایک سخت بیمار آدمی تھا جو اپنی سخت بیماری کی وجہ سے مایوس ہو چکا تھا پہلی صلیب اس پر رکھی گئی پھر دوسری رکھی گئی مگر جب اس پر تیسری صلیب رکھی گئی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بیماری سے ٹھیک ہو گیا۔ اس ملکہ کو معلوم ہو گیا کہ یہی سولی مسیح علیہ السلام کی

ہے تو اس کو سونے کے ایک غلاف میں ڈال کر قسطنطین کی طرف لے گئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر اس صلیب کے ظہور تک تین سو اٹھائیس سال گزر گئے تھے۔

یہ سب باتیں سعید بن بطریق عیسائی نے اپنی کتاب تاریخ میں نقل کی ہیں۔

مقصود یہ ہے کہ انہوں نے یہ عید اپنے علماء کی نقل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اتنی طویل مدت بعد ایجاد کی تھی۔

اور اس حکایت کی سند میں یہودی بھی ہیں اور عیسائی بھی، اس کے ساتھ ساتھ اس کی سند میں انقطاع بھی موجود ہے اور جس شخص میں عقل موجود ہو اس کے لیے کئی وجوہ سے اس میں جھوٹ ظاہر ہو رہا ہے۔

اس کے جھوٹا ہونے کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ یہ صلیب جس سے بیمار شفایاب ہو جاتے تھے، زیادہ بہتر تھا کہ وہ معبود، رب، زندہ کرنے والے اور مارنے والے کو نہ مارتی۔ اور اس پر موت نہ لاتی۔

اس کے جھوٹے ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ لکڑی مٹی کے نیچے تین سو اٹھائیس ۳۲۸ سال رہنے کا باوجود بوسیدہ نہیں ہوئی، حالانکہ اس سے کم مدت میں لکڑی بوسیدہ ہو جاتی ہے۔

اگر صلیب کے پجاری کہیں کہ یہ صلیب جب حضرت مسیح علیہ السلام کے جسم سے لگ چکی تو اس کے لیے مضبوطی طاقت اور بقاء لازم ہو گیا، اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ دوسری دونوں صلیبوں پر کیوں ٹوٹ پھوٹ واقع نہ ہوئی اور وہ بھی اس کے مشابہ ہو گئیں۔ شاید کہ اس کے جواب میں وہ یہ کہیں کہ جب وہ صلیبیں اس صلیب سے لگیں تو انہیں بھی بقاء اور ثبات حاصل ہو گیا اس لیے وہ بھی اسی کی طرح باقی رہیں۔

اس قوم کی حماقت اور جہالت اس سے بڑی اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ پہاڑ کے سامنے ہوا تو وہ ریزے ریزے ہو گیا اور زمین میں دھنس گیا اور اللہ تعالیٰ کی تجلی برداشت نہ کر سکا، تو یہ لکڑی کس طرح مضبوط اور ثابت رہی حالانکہ وہ اس پر اس حال میں سوار ہوئے تھے۔

کسی کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ یہ امت بنی آدم پر عار ہے کہ وہ اولادِ آدم سے ہیں، اگر یہ حکایت درست ہے تو یہ یہودیوں کے حیلے کے کتنی زیادہ قریب ہے جس کے ذریعے وہ قید اور ہلاکت سے نجات پا گئے۔

اور بنی آدم کے حیلے ان میں سے اکثر باتوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ خصوصاً جب یہود کو یہ پتہ چلا کہ دین نصرانیت کی ملکہ بیت المقدس کی طرف جاری ہے اور انہیں اس کی سزا دے گی جب تک کہ وہ اس کو وہ جگہ نہ بتائیں گے جہاں انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور سولی چڑھایا اور انہیں معلوم تھا کہ جب تک وہ اسے بتائیں گے نہیں وہ انہیں نہیں چھوڑے گی بلکہ سزا دے گی۔

ان کے جھوٹا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صلیب کے پجاری کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب قتل ہوئے تو ان کا خون زمین کے نیچے چلا گیا، اگر زمین پر اس سے ایک قطرہ بھی گر جاتا تو وہ خشک ہو جاتی اور اس پر کچھ نہ اگتا۔ یہ کتنے بڑے تعجب کی بات ہے کہ جس لکڑی کو تیار کر کے اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی اس سے مردہ کس طرح زندہ ہو جاتا ہے یا بیمار شفایاب ہو جاتا ہے۔ کیا یہ سب اس کی برکت ہے اور اس پر اس کے خوش ہونے کی وجہ سے ہے جبکہ وہ اس پر باندھے ہوئے ہیں اور رو رہے ہیں

اور امداد کی درخواست کر رہے ہیں۔

زیادہ مناسب تو یوں تھا کہ وہ صلیب مصلوب علیہ کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے ٹوٹ جاتی اور ان کو سولی دیتے وقت تمام حاضرین کو اور موافقین کو لے کر زمین دھنس جاتی بلکہ آسمان پھٹ جاتے اور زمین شق وشگاف والی ہو جاتی اور پہاڑ بھی گر جاتے۔

پھر صلیب کے پجاریوں کو کہا جائے گا یا تو مصلوب اکیلا ناسوت ہی تھا یا وہ لاہوت سمیت تھا، اگر وہ اکیلا ناسوت ہی تھا تو گویا کہ کلمہ اس سے الگ ہو گیا اور اس کا اتحاد باطل ہو جائے گا اور مصلوب دیگر جسموں کی طرح ایک جسم ہو گا الٰہ نہیں ہو گا اور اس میں الوہیۃ اور ربوبیۃ کے وصف سے بالکل کچھ بھی نہ ہو گا۔

اگر تم یہ کہو کہ صلیب لاہوت اور ناسوت دونوں پر واقع ہوئی ہے تو گویا کہ تم نے معبود کے سولی پر چڑھنے، اس کے قتل ہونے، مرنے اور مخلوق کے اس پر قادر ہونے کا اعتراف واقرار کر لیا اور یہ عقیدہ سب سے بڑا باطل اور محال ترین چیز ہے، لہٰذا تمہارا تعلق ہر وجہ سے عقلاً بھی اور شرعاً بھی باطل ہو گیا۔

شیطان کا ان کے ساتھ ان کی نماز کے متعلق کھیلنا کئی وجوہ سے ہے

ایک تو یہ ہے کہ ان میں سے اکثر نجاست اور جنابت وغیرہ کے ساتھ ہی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو ایسی نماز سے بری تھے اور اللہ تعالیٰ بھی ان کی اس بات سے پاک ہے کہ ایسی نماز کے ذریعے اس تک قرب حاصل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی قدر ومنزلت بہت بڑی اور بلند ہے۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ وہ مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مشرق کی طرف منہ کر کے کبھی بھی نماز ادا نہیں کی، بلکہ وہ تو قبلۂ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ نماز کے وقت چہرے پر صلیب باندھ لیتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اس بات سے بالکل بری ہیں۔ وہ نماز جس کی چابی نجاست ہو، چہرے پر صلیب باندھنا جس کی تحریم ہو، جس کا قبلہ مشرق ہو اور جس کا شعار شرک ہو، ہر عقل مند پر یہ بات واضح کہ ایسی نماز کسی بھی شریعت میں موجود نہیں ہے۔

جب ان کے راہبوں، پادریوں اور علماء نے دیکھا کہ ایسے دین سے تو عقلیں شدید نفرت کرتی ہیں تو انہوں نے اس کو حیلوں اور دیواروں پر تصویروں، لاجورد، شنگرف اور گانے موسیقی والی عباداتِ نو، ایجاد کردہ عیدوں وغیرہ کے ذریعے مضبوط کرنے کی کوشش کی، جو چیزیں بیوقوفوں اور کم سمجھ والوں میں جلد رائج ہو جاتی ہیں۔ اور یہودیوں میں جو سخت دلی اور مکر وجھوٹ اور بہتان وغیرہ ہے اس نے ان کی معاونت کی، نیز مسلمانوں میں بھی جو ظلم، فواحش، گناہ، بدعات اور مخلوق کے متعلق غلو ہے جس کی وجہ سے انہوں نے غیر اللہ کو معبود بنا رکھا ہے اور بہت سے جہال کا عقیدہ ہے کہ یہ خواص مسلمان اور نیک ہیں، ان چیزوں کی وجہ سے وہ لوگ اپنی ان باتوں کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی طرف منسوب مسلمان جن بدعات اور گناہوں پر ہیں ہم ان سے بہتر ہیں۔ اسی لیے جب نصاریٰ نے صحابہ کرام اور ان کے اس دین کو دیکھا جس پر وہ تھے تو ان میں سے اکثر خوشی سے مسلمان ہو گئے اور کہنے لگے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھی ان سے اچھے نہیں تھے۔

ہم نے بہت سے اہل کتاب کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا ہمیں اسلام سے یہ چیز مانع ہے کہ جو ہم اسلام کی طرف منسوب بعض مسلمانوں کو دیکھتے ہیں، جن کی جاہل لوگ تعظیم کرتے ہیں ان میں جو بدعات، ظلم، فجور، مکر اور حیلہ سازیاں ہیں اور وہ ان کو شریعت کی طرف اور پیغمبر ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس طرح شریعت اور شریعت لانے والے کے خلاف ان کے گمان برے ہو گئے۔

تو اللہ تعالیٰ خود ہی ان کے اس راستے کے راہزنوں کو تلاش کر کے ان کا حساب لے گا۔

یہ چھوٹا سا اشارہ شیطان کے کھیل کرنے کے متعلق ہے جو وہ صلیب کے پجاریوں کے ساتھ کرتا ہے مابعد کی چیز اس پر دلالت کرتی ہے اللہ ہی ہدایت دینے والا اور توفیق دینے والا ہے۔

فصل: شیطان کا مغضوب امت یہود کے ساتھ کھیل کود کا ذکر

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ﴾ (البقرۃ: ۹۰)

''بری ہے وہ چیز جس کے عوض انہوں نے اپنی جانیں بیچ ڈالیں کہ وہ کفر کریں اس چیز سے جو اللہ نے نازل کی، سرکشی کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے غصے در غصے کی طرف لوٹ آئے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَ اِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾ لَوْ لَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾ ﴾ (المائدۃ: ۶۰۔ ۶۳)

''کہہ دیجئے کیا میں اس سے زیادہ بری بات نہ بتاؤں؟ اللہ کی طرف سے بدلہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اس پر غضب ناک ہوا اور ان میں سے بندر وخنزیر اور طاغوت کی بندگی کرنے والے بنائے یہ لوگ مرتبے کے لحاظ سے بہت برے ہیں اور سیدھے راستے سے گمراہ ہیں۔ اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ کفر کے ساتھ ہی تمہارے پاس آئے اور کفر کے ساتھ ہی نکل کر گئے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اسے جانتا ہے۔ تو ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھے گا کہ وہ گناہ، زیادتی اور حرام کھانے میں جلدی کرتے ہیں جو کام وہ

کرتے ہیں وہ برا ہے۔ اللہ والے اور عالم ان کو گناہ کی بات کہنے اور ان کے حرام کھانے سے کیوں منع نہیں کرتے۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ بہت بری چیز ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿تَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ یَتَوَلَّوۡنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ لَبِئۡسَ مَا قَدَّمَتۡ لَہُمۡ اَنۡفُسُہُمۡ اَنۡ سَخِطَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَ فِی الۡعَذَابِ ہُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۰﴾﴾ (المائدة: ۸۰)

''تم ان میں سے بہت لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ کافروں کو دوست بناتے ہیں جو ان کی جانوں نے آگے بھیجا ہے وہ بہت بری چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو گیا اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اس سے نماز کے اندر ان لوگوں کے راستے کی طرف ہدایت مانگیں جن پر اس نے انعام کیا ہے کہ جن پر نہ غضب ہوا ہے اور نہ ہی وہ گمراہ ہیں۔

نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا وہ یہودی ہیں اور گمراہ ہونے والے نصاریٰ ہیں۔

اس امت کے نبی کی زندگی میں سب سے پہلے جو شیطان نے ان کے ساتھ کھیل کھیلا ہے وہ ان کو فرعون سے نجات دینے کے قریب کا وقت ہے جب اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا جب وہ سمندر سے آگے نکلے تو ایک قوم کو دیکھا کہ وہ بتوں پر اعتکاف کیے ہوئے ہیں، تو وہ کہنے لگے:

﴿یٰمُوۡسَی اجۡعَلۡ لَّنَاۤ اِلٰـہًا کَمَا لَہُمۡ اٰلِـہَۃٌ ؕ﴾ (الاعراف: ۱۳۸)

''اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایسے ہی معبود بنا دو جیسے ان کے معبود ہیں۔''

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا:

﴿اِنَّکُمۡ قَوۡمٌ تَجۡہَلُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا ہُمۡ فِیۡہِ وَ بٰطِلٌ مَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳۹﴾﴾ (المائدة: ۱۳۸، ۱۳۹)

''یعنی تم جاہل لوگ ہو یہ لوگ ایسے ہیں کہ جس عمل میں یہ ہیں وہ سب ہلاک شدہ ہے اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں سب باطل ہے۔''

تو اس سے بڑی جہالت اور کیا ہو سکتی ہے؟ ان کی نجات کا قریب وقت تھا اور مشرکین کی ہلاکت ان کے سامنے ہوئی تھی اور ان کے دیکھتے ہوئے ہوئی تھی، پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ ہمیں بھی ایسے ہی معبود بنا دو جس طرح ان کے معبود ہیں گویا کہ وہ مخلوق سے ہی معبود بھی مخلوق ہی مانگ رہے ہیں۔ اور بھلا معبود بنایا ہوا تو نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ معبود تو خود ہر چیز کو بنانے والا ہوتا ہے اور بنائی ہوئی چیز تو پروردہ، بنی بنائی اور مصنوعی ہوتی ہے۔ وہ تو الٰہ نہیں ہو سکتی۔

نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ اپنے بعض غزوات میں جا رہے تھے تو ایک درخت کے پاس سے گزرے، جہاں مشرکین اپنے ہتھیار، عمدہ سامان اور کپڑے لٹکایا کرتے تھے وہ اس کو ذات انواط کہتے تھے، تو بعض لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہمارے لیے بھی کوئی ذات انواط بنا دو جس طرح ان کے لیے ذات انواط ہے، تو آپ نے فرمایا اللہ اکبر تم نے تو ایسی بات کہی ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایسے ہی معبود مقرر کر دو جس طرح ان لوگوں

کے معبود ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا تم پہلے لوگوں کے حالات کے مطابق چلنے لگو گے۔ جس طرح تیر کا ایک پر دوسرے پر کے برابر ہوتا ہے۔

فصل: اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بچھڑے کی عبادت کرنا بھی ان کے ساتھ شیطان کے کھیل سے ہے

حالانکہ انہوں نے مشرکین کی سزا اور اُن پر گرفت کو بھی دیکھ لیا کہ ان کے نبی علیہ السلام کی زندگی میں سخت آنے والی پکڑ سے اللہ نے پکڑا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ بنانے والے نے اس کو کس طرح اپنے ہاتھ سے بنایا پھر ڈھالا ہے اور کس طرح اس کو آگ میں رکھ کر ہتھوڑے سے کوٹتا ہے اور دستی سے پکڑ کر اوپر نیچے کرتا ہے۔

اور ان کی عجیب بات یہ ہے کہ وہ اس کو صرف اپنا معبود ہی نہیں کہتے بلکہ کہتے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کا بھی معبود ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھی شرک اور غیر اللہ کی عبادت کی طرف نسبت کرنے لگے، وہ سب سے کمزور اور بیوقوف جانور کی عبادت کرنے کی طرف انہیں منسوب کرتے جس جانور کی حماقت اور ذلت کو بطور مثال بیان کیا جاتا ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کلام کرنے والے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی رب قرار دیا اس پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ کہا کہ موسیٰ علیہ السلام گمراہ ہو کر خطا کار ہو گئے ہیں اور کہنے لگے: ﴿ فَنَسِيَ ﴾ (طٰہٰ: ۸۸) یعنی وہ بھول گئے ہیں، حضرت ابن عباس نے اس کی تشریح یہ کی:

کہ موسیٰ علیہ السلام گمراہ ہو گئے اور راستہ بھول گئے۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباس کہتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کو تلاش کرنے گئے مگر گمراہ ہو گئے اور اس کی جگہ انہیں معلوم نہ ہو سکی۔

نیز حضرت ابن عباس سے ہی مروی ہے یعنی وہ یہ بات بھول گئے ہیں کہ تمہیں بتا سکیں کہ یہ تمہارا بھی اور ان کا بھی رب ہے۔

اس کی تشریح میں سدی کہتے ہیں: یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا معبود یہاں چھوڑ کر خود اس کو تلاش کرنے چلے گئے ہیں۔

قتادہ نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے: کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو اس معبود کو تلاش کرنے لگے مگر بھول گئے اور دوسرے مخالف راستے پر چل نکلے۔

یہی مشہور قول ہے کہ ﴿ فَنَسِيَ ﴾ سامری کا کلام ہے جبکہ بچھڑے کے پجاری بھی اس کے ساتھ تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت ہے کہ یہ خبر اللہ تعالیٰ نے سامری کے متعلق ذکر فرمائی کہ سامری گمراہ ہو گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ترک کر دیا۔ مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور آیت کا سیاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اور بخاری نے اس کی تفسیر میں اسی قول کو ذکر فرمایا، اس کے علاوہ اور کوئی قول ذکر نہیں کیا، چنانچہ فرمایا ﴿ فَنَسِيَ ﴾ مو ساھم ان کے موسیٰ علیہ السلام بھول گئے یعنی "اَخْطَأَ الرَّبَّ" وہ رب سے خطا کر گئے۔

کیونکہ جب اس نے بچھڑے کو موسیٰ علیہ السلام کا بھی الٰہ قرار دیا تو اس کے خلاف بنی اسرائیل کی طرف ایک سوال دل میں پیدا ہوا جو وہ اس پر پیش کر سکتے ہیں کہ وہ اسے کہیں کہ اگر یہ موسیٰ علیہ السلام کا بھی رب ہے تو وہ اپنے الٰہ کے وعدے پر اُس سے ملنے کیوں چلے گئے، اس لیے اس نے ان کے اس سوال کا جواب پیشگی ہی دے دیا کہ ﴿ فَنَسِیَ ﴾ کہ موسیٰ علیہ السلام بھول گئے یہ شیطان کا ان کے ساتھ بدترین کھیل ہے۔

تو دیکھو انہوں نے کس طرح جو ہر ارضی کو جو مٹی کے نیچے ہوتا ہے اس کو الٰہ بنایا۔ جو آگ کے ساتھ ڈھال کر اور گندا ہونے کی وجہ سے لوہے کے ہتھوڑوں سے آگ میں الٹا سیدھا رکھ کر گرم کر کے کوٹ کر صاف اور ستھرا کیا جاتا ہے اور ریتیوں کے ساتھ اور رندوں کے ساتھ اس کو چھیل کر ہموار کیا جاتا ہے۔ اس کی صورت اور شکل نہایت کند ذہن اور احمق جانور کی طرح بنائی گئی جو ذلت اور ظلم وزیادتی کے ساتھ مشہور ہے اس کو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا الٰہ قرار دیا اور گمراہی کی طرف انہیں منسوب کر کے کہنے لگے کہ وہ کوئی اور الٰہ تلاش کر کے گمراہ ہو گئے۔

محمد بن جریر کہتے ہیں ان کے بچھڑے کو معبود بنانے کی ایک وجہ مجھے عبدالکریم بن الہیثم نے بیان کی ہے انہوں نے کہا مجھے ابراہیم بن بشار رمادی نے حدیث بیان کی کہ ہمیں سفیان بن عیینہ نے ان کو ابوسعید نے عکرمہ سے انہوں نے ابن عباس سے بیان کیا انہوں نے کہا کہ جب فرعون اور اس کے ساتھیوں نے دریا میں داخل ہونے کا ارادہ کیا۔ فرعون ایک سیاہ رنگ کے لمبی دُم والے گھوڑے پر سوار تھا جب سمندر میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو اس کا گھوڑا سمندر میں داخل ہونے سے ڈرنے لگا، حضرت جبریل علیہ السلام ایک گھوڑی نر کی تلاش والی پر سوار اس کو نظر آئے کہ وہ اس کے آگے جا رہے ہیں، جب فرعون کے گھوڑے نے اس گھوڑی کو دیکھا تو اس نے بھی اس کے پیچھے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ سامری نے حضرت جبریل علیہ السلام کو پہچان لیا تھا کیونکہ جب اس کی ماں اس کو ذبح ہو جانے کے ڈر سے غار میں چھوڑ آئی تھی تو غار کا منہ بند ہو گیا حضرت جبریل علیہ السلام روزانہ اس کے پاس آتے اور اس کو اپنی انگلیوں سے خوراک کھلاتے، وہ ان کی بعض انگلیوں میں دودھ پاتا اور بعض سے اس کو شہد اور بعض سے گھی ملتا تو وہ اس کو ہمیشہ خوراک دیتے رہے یہاں تک کہ وہ بڑا ہو گیا، جب ان کو دریا کے پاس دیکھا تو اس نے ان کو پہچان لیا۔ اور ان کی گھوڑی کے پاؤں سے مٹی کی مٹھی اٹھالی یعنی اس کی گھوڑی کے کھر کے نیچے سے۔

سفیان کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ قرآن کی اس آیت کو اس طرح پڑھتے:

(فقبضت قبضة من اثر فرس الرسول)

یعنی سامری نے کہا میں نے جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کے نشان سے مٹی کی مٹھی اٹھالی، ابوسعید کہتے ہیں عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ سامری کے دل میں یہ بات ڈال دی گئی کہ یہ مٹی تو جس چیز پر بھی ڈالے گا پھر اس کے لیے کہے گا ہو جا تو وہ ہو جائے گی، تو یہ مٹی اس کے پاس پڑی رہی یہاں تک کہ وہ دریا سے آگے نکل گیا، پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنو اسرائیل دریائے قلزم سے آگے نکلے اور اللہ تعالیٰ نے آل فرعون کو غرق کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون سے کہا: میری قوم میں میرے خلیفہ بنیں اور اصلاح کریں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے وعدے پر چلے گئے۔

بنی اسرائیل کے پاس آل فرعون کے زیورات میں سے کچھ زیورات تھے یہ زیورات انہوں نے استعارۃً آل فرعون سے لیے تھے۔ گویا کہ وہ گناہ سے بچے اور اس زیور کو نکالا تاکہ آگ آ کر اس کو کھائے جب ان زیورات کو جمع کیا گیا تو سامری کے ہاتھ میں جو مٹی تھی اس کو اس طرح کیا۔ ابن اسحاق نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ کہ اس مٹی کو اس زیور پر ڈال دیا اور کہا کُنْ عِجْلًا جسدا له خوار یعنی ایک بچھڑا بن جا جو ایسا جسم ہو جس کی آواز ہو وہ بچھڑا بن گیا جو ایک ایسا جسم تھا جس کی آواز آنے لگی ہوا اس کے دبر سے اندر جاتی اور منہ سے نکلتی تو اس کی آواز سنی جاتی:

﴿فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى﴾ (طٰہٰ: ۹۰)

''وہ کہنے لگا کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی معبود ہے۔''

وہ لوگ اس بچھڑے پر ٹھہر گئے اور اس کی عبادت کرنے لگے اس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو کہا:

﴿يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝﴾ (طٰہٰ: ۹۰، ۹۱)

سدی کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو مصر کی سرزمین سے نکال کر لے جائیں اور انہیں حکم دیا کہ آل فرعون سے کچھ زیورات بطور عاریہ لے لیں، جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو دریا سے بچایا اور آل فرعون کو غرق کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے، تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ تک لے جائیں جب وہ گھوڑے پر آئے تو سامری نے دیکھ کر کہا یقیناً اس کے لیے بڑی شان ہوگی لہٰذا گھوڑے کے کھر کے نیچے سے مٹی اٹھالی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام چلے گئے اُن کے پیچھے حضرت ہارون ان کے خلیفہ بنے۔ اللہ نے ان سے تیس دن کا وعدہ کیا تھا جسے دس دن سے مکمل کیا گیا تو حضرت ہارون علیہ السلام نے ان سے کہا اے بنی اسرائیل غنیمت تمہارے لیے حلال نہیں ہے اور قبطیوں والے زیورات باہر نکالو کیونکہ وہ بھی ایک مالِ غنیمت ہے اس کو ایک گڑھا کھود کر اس میں ڈال دو پھر اس کو دفن کر دو اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آ کر اس کو حلال سمجھا تو نکال لینا ورنہ یہ ایک ایسی چیز ہوگی جس کو تم نہیں کھا سکتے، انہوں نے اس گڑھے میں سب زیورات سب ڈال دیئے، پھر سامری نے وہ مٹی کی مٹھی لے کر اس پر ڈال دی وہاں سے ایک بچھڑا نمودار ہوا جو ایک جسم تھا، جس کی آواز تھی پھر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعدے کو شمار کیا جو اللہ نے کیا تھا، تو دن اور رات کو شمار کیا، جب بیس دن پورے ہوئے تو وہاں ایک جسم نکلا، جب انہوں نے وہ دیکھا تو سامری کہنے لگا:

﴿هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى﴾.

یہ تمہارا بھی معبود ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا بھی، وہ بھول گئے ہیں، یعنی معبود کو یہاں چھوڑ کر گمراہ ہو گئے، وہ اس پر مجاور بن کر ٹھہر گئے اور عبادت کرنے لگے، وہ چلتا بھی تھا اور آواز کرتا تھا حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں کہا اے بنی اسرائیل تم پر یہ ایک آزمائش تھی۔ یعنی تم بچھڑے کے ذریعے آزمائے گئے ﴿وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ﴾ اور تمہارا رب رحمٰن ہے، پھر حضرت ہارون علیہ السلام اور جو بنی اسرائیل ان کے ساتھ تھے وہ ٹھہر گئے، انہوں نے دوسروں سے جنگ نہیں کی اس دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے

چلے گئے تھے، انہوں نے جب اللہ سے کلام کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۞ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۞ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۞﴾ (طٰہٰ: ۸۳۔ ۸۵)

''اے موسیٰ تمہیں تمہاری قوم سے جلدی کون لایا، انہوں نے کہا وہ میرے پیچھے ہیں اور میں نے جلدی صرف تیری رضا کے لیے کی ہے۔ فرمایا ہم نے تیری قوم کو تیرے بعد فتنے میں ڈال دیا ہے اور سامری نے ان کو گمراہ کر دیا۔''

اللہ تعالیٰ نے انہیں بنی اسرائیل کی خبر بتادی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے اللہ سامری نے انہیں بچھڑا اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ پھر اس میں روح کس نے پھونکی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے، انہوں نے کہا یا اللہ پھر تو نے ان کو گمراہ کیا ہے۔

ابن اسحق نے حکیم بن جبیر سے روایت نقل کی، ان کو سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے بیان کیا کہ سامری اُن لوگوں سے تھا جو گائے کی پرستش کرتے تھے۔ اس لیے وہ ذاتی طور پر گائے کی عبادت کو پسند کرتا تھا، اس نے بنی سرائیل میں بظاہر اسلام قبول کیا تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے پاس گئے تو حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں کہا تمہارے پاس جو زیورا کٹھے ہوئے ہیں۔ یہ آل فرعون کی زینت، سامان اور زیورات میں سے ہیں، تم ان سے پاک ہو جاؤ کیونکہ یہ نجس ہیں اور ان کے لیے ایک آگ جلائی اور کہا اس میں جو کچھ ہے سب ڈال دو اور پاک ہو جاؤ کیونکہ یہ مال نجس ہے، وہ اس آگ میں سامان اور زیور ڈالنے لگے۔ جب زیورات اس میں ٹوٹنے لگے اور سامری نے حضرت جبریل کی گھوڑی کے پاؤں سے مٹی اٹھالی تھی، وہ آیا اور حضرت ہارون علیہ السلام سے کہنے لگا اے اللہ کے نبی کیا جو میرے ہاتھ میں ہے وہ اس میں ڈال دوں جبکہ حضرت ہارون علیہ السلام تو ان عام سامان زیورات کی طرح سمجھتے تھے اس نے اس پر وہ مٹی ڈال دی اور کہا بچھڑا بن جا جو ایک جسم ہو جس کی آواز ہو، تو فتنہ اور آزمائش ان میں واقع ہوگئی اس نے کہا یہ تمہارا بھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی رب ہے وہ اس پر مجاور بن گئے، اس سے ایسی محبت کرنے لگے جیسی محبت اس سے پہلے انہوں نے کسی سے نہیں کی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَنَسِيَ﴾ یعنی جس اسلام پر وہ تھا اس کو چھوڑ دیا، اس سے مراد سامری ہے، آگے فرمایا:

﴿اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۞﴾ (طٰہٰ: ۸۹)

سامری کا نام موسیٰ بن ظفر تھا، وہ مصر کی زمین میں آیا اور بنی اسرائیل میں شامل ہو گیا۔

جب حضرت ہارون نے وہ آزمائش دیکھی جس میں وہ مبتلاء تھے تو کہنے لگے:

﴿يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۞ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۞﴾ (طٰہٰ: ۹۰، ۹۱)

''اے میری قوم تم اس میں آزمائے گئے ہو اور تمہارا رب رحمٰن ہے تو میری اتباع اور اطاعت کرو، کہنے لگے موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک ہم اس سے ہرگز نہیں ہٹیں گے۔''

حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے ساتھ والے بنی اسرائیل کے لوگ جو فتنے میں واقع نہیں ہوئے تھے وہ الگ ٹھہر گئے اور جو

لوگ بچھڑے کی عبادت کرتے تھے وہ بھی الگ ٹھہرے رہے۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام ڈرنے لگے کہ اگر میں اپنے آدمیوں کو لے کر چلا گیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں گے:

﴿فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي﴾ (طٰه: ٩٤)

''کہ تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا انتظار نہیں کیا۔''

کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت ڈرتے تھے اور ان کے فرماں بردار تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ قصہ یاد دلا کر جوان کے بڑوں کے ساتھ اور ان کے نبی کے ساتھ پیش آیا نصیحت کی اور فرمایا:

﴿وَإِذْ وٰعَدْنَا مُوسَىٰٓ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهِۦ﴾ (البقرة: ٥١)

''اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس رات کا وعدہ کیا پھر تم نے ان کے بعد بچھڑے کو معبود بنالیا۔''

یعنی ان کے اپنے رب کے پاس جانے کے بعد۔ یہاں سے مراد وفات کے بعد کے نہیں ہے۔

آگے فرمایا: ﴿وَأَنْتُمْ ظٰلِمُونَ﴾ اور تم ظالم ہو، یعنی غیر اللہ کی عبادت کرنے کی وجہ سے ظالم ہو، کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اس لیے کہ مشرک عبادت کو اس کے موقعہ ومحل پر نہیں رکھتا بلکہ بے موقعہ ومحل غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور دیکھا کہ قوم فتنے میں پڑ گئی ہے تو ان کا غصہ شدید ہو گیا۔ آپ نے تختیاں پھینک دیں اور سر سے نیچے اُتار دیں، ان میں اللہ کا کلام تھا جو ان کے لیے لکھا گیا تھا پھر انہوں نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو سر کے بالوں اور داڑھی سے پکڑ لیا۔

اللہ نے ان پر کوئی عتاب اور ناراضی کا اظہار نہیں کیا کیونکہ ان کو اس پر اللہ کے لیے غصے نے برانگیختہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس فتنے کے متعلق پہلے ہی بتلا دیا تھا پھر انہوں نے آ کر اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کیا تو ان میں مزید غصہ پیدا ہو گیا کیونکہ بتائی ہوئی بات آنکھوں دیکھی جیسی تو نہیں ہو سکتی۔

فصل: اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ

اپنے نبی کی زندگی میں ہی اس امت کے ساتھ شیطان کے کھیل سے وہ چیز بھی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یوں بیان فرمایا:

﴿وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسَىٰ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ (البقرة: ٥٥)

''اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم تجھ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو سامنے نہ دیکھ لیں۔''

ابن جریر کہتے ہیں: اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے آباء کا اختلاف اور ان کا اپنے انبیاء کے ساتھ بُرا رویہ ذکر فرمایا، حالانکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اتنی آیات دیکھی ہیں کہ ان سے کم پر اطمینان ہو سکتا تھا اور دل ٹھنڈا ہو سکتا تھا باوجود مسلسل دلائل اور ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کاملہ کے وہ اپنے نبی سے یہ مطالبہ کرتے تھے کہ ہمیں بھی اس کے علاوہ ایسا ہی الٰہ و معبود دے دو جس

طرح ان مشرکوں کے معبود ہیں، کبھی اللہ کے سوا بچھڑے کی عبادت کرتے، کبھی کہتے کہ ہم تجھے سچا اس وقت تک نہیں مانتے جب تک اللہ تعالیٰ کو سامنے نہ دیکھ لیں پس جب کبھی انہیں جنگ کی طرف دعوت دی جاتی تو یوں کہتے ہیں:

﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ (المائدة: ٢٤)

''اے موسیٰ تم بھی جاؤ اور تمہارا رب بھی تو جنگ کرو ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ:

﴿وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ﴾ (البقرة: ٥٨)

''تم حطۃ کہو اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے۔''

تو وہ ''حَبَّةٌ فِيْ شَعِيْرَةٍ'' کہنے لگے یعنی جو کے دانے۔ اور بجائے سجدہ کرنے کے وہ سرینوں کے بل اندر داخل ہونے لگے۔

کبھی انہیں تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا جاتا تو وہ اس سے رک جاتے تو ان پر کوہ طور کو سائبان کی طرح اٹھایا جاتا۔

ان کے علاوہ اور بھی ان کے افعال واقوال تھے مثلاً کبھی اپنے نبی کو اتنی ایذا دیتے کہ جو شمار سے باہر ہے۔

تو ہمارے بلند و برتر پروردگار نے ان آیات سے خطاب فرما کر بنی اسرائیل کے ان یہود کو جو آپ کے وقت میں تھے اس بات کی تعلیم دی کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی تکذیب کر کے اور ان کی نبوت کا انکار کر کے اور ان کی نبوت کا اقرار نہ کر کے ان کی طرح نہ ہو جائیں باوجود اس کے کہ وہ اچھی طرح آپ ﷺ کو جانتے ہیں اور اپنے اسلاف کی طرح حقیقت کو جانتے ہیں جن کے واقعات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے۔

محمد بن اسحق کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف واپس آئے جس گمراہی میں وہ ڈوب گئے تھے اور بچھڑے کی عبادت میں مشغول تھے، وہ سب انہوں نے دیکھا اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام اور سامری سے گفتگو کی اور بچھڑے کو جلا دیا اور اس کی راکھ دریا میں بہادی۔ پھر ان میں سے پسندیدہ ترین ستر آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے منتخب فرمائے اور کہا جاؤ اللہ کے پاس جا کر اپنے کیے سے توبہ کرو اور تمہاری قوم کے جو لوگ پیچھے ہیں ان کے لیے بھی توبہ کرو، روزے بھی رکھو، خود بھی پاک رہو اور اپنے ارادوں کو پاک کرو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ وعدے پر طور سیناء کی طرف آئے۔ آپ وہاں اللہ کے حکم کے بغیر نہ گئے تھے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جب وہ ستر آدمی حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو نکلے تو کہنے لگے: اے موسیٰ اپنے رب سے یہ طلب کرو کہ ہم اس کا کلام سن سکیں، انہوں نے کہا میں اس طرح کروں گا، پھر جب وہ پہاڑ کے قریب ہوئے تو اس پر ایک بادل چھا گیا جس نے اس کو مکمل طور پر ڈھانپ لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام قریب ہوئے تو اس میں داخل کر دیئے گئے اور باقی لوگوں کو بھی کہا کہ قریب آ جاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ سے ہم کلام ہوتے تو ان کی پیشانی پر ایسا نور چڑھ آتا کہ بنی آدم میں سے کوئی شخص بھی ان کی پیشانی کو دیکھ نہ سکتا۔ پھر ان کے سامنے پردہ لگا دیا گیا وہ لوگ قریب آ گئے یہاں تک کے بادل کے اندر چلے گئے اور سجدے میں گر پڑے وہاں انہوں نے سنا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرما رہے تھے۔ انہیں حکم بھی دے رہے تھے اور منع بھی کر رہے تھے۔ یہ کرو اور یہ نہ کرو، جب اللہ تعالیٰ اپنے احکام سے فارغ ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بادل دور ہو گیا وہ ان لوگوں کی طرف متوجہ

ہوئے وہ لوگ آپ سے کہنے لگے: ہم جب تک اللہ تعالیٰ کو سامنے نہ دیکھ لیں ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تو انہیں سخت آواز نے پکڑ لیا اور سب کے سب مر گئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو گئے اپنے رب سے دعا کرنے لگے اور اس کی طرف رغبت کرنے لگے اور کہنے لگے:

﴿رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۖ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ﴾ (الاعراف: ۱۵۵)

''اے میرے رب اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھے اس سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا۔ کیا تو ہمیں اس گناہ میں ہلاک کر رہا ہے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا ہے؟''

اگر کوئی کہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کہا: ﴿رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ﴾ اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا'' اس کا کیا مطلب ہے۔ تو اس کے جواب میں کئی وجوہ ہیں۔

سدی کہتے ہیں جب وہ لوگ مر گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر رونے لگے۔ اور کہنے لگے اے اللہ جب میں بنی اسرائیل کے پاس جاؤں گا تو انہیں کیا کہوں گا، تو نے تو ان کے پسندیدہ ترین آدمیوں کو مار دیا ہے۔

محمد بن اسحق کہتے ہیں انہوں نے کہا اے اللہ میں ان میں سے منتخب کر کے درجہ بدرجہ آدمی لایا ہوں، جب میں واپس جاؤں گا تو میرے ساتھ کوئی بھی نہ ہوگا۔

تو وہ میری کس بات کی تصدیق کریں گے یا اس کے بعد وہ مجھے کس بات پر امانت دار خیال کریں گے۔

اس طرح معنی یہ ہوگا کہ، اگر تو چاہتا تو ان کو ہمارے نکلنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا، تو بنی اسرائیل یہ چیز دیکھ لیتے اور مجھے تہمت نہ لگاتے۔

زجاج نے کہا معنی یہ ہے کہ اگر تو چاہتا تو ان پر جو بطور آزمائش زلزلہ لازم کر دیا ہے اس سے پہلے ہی ان کو ہلاک کر سکتا تھا۔

میں کہتا ہوں یہ سب معانی ایک مقصد کے گرد ہی گھومتے ہیں، اپنی اور اپنے نبی کی مراد اور حقیقت کو اچھی طرح صرف اللہ ہی جانتا ہے، مگر جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اپنے رب سے نرمی کا مطالبہ ہے اور اس کی طرف پہلے ہی عفو کو وسیلہ بنانا ہے، جب ان کی قوم نے بچھڑے کی بندگی کی تھی اور انہوں نے ان پر انکار نہیں کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ کہتے ہیں کہ ان سے پہلے بھی ایسے گناہ سرزد ہوئے جو ان کی ہلاکت کا موجب تھے، مگر اس کے باوجود تیری معافی اور بخشش نے ان کو اپنے احاطے میں لے لیا اور انہیں ہلاک نہیں کیا تو اب بھی اسی طرح تیری مہربانی ان کو احاطے میں لے لے۔

اس کی مثال یوں ہے جس طرح کسی مجرم پر اس کا سردار مواخذہ کرے تو وہ اس کو کہے کہ: اس سے پہلے مجھ سے بڑے جرم سرزد ہوئے تھے اگر تو چاہتا تو اس وقت میرا مؤاخذہ کر سکتا تھا مگر اس وقت تیری مہربانی نے مجھے ڈھانپ لیا تو اب بھی اسی طرح مجھے تیری مہربانی ڈھانپ لے۔

پھر اللہ تعالیٰ کے نبی نے کہا:

﴿ اَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ﴾ (الاعراف: ۱۵۵)

''کیا تو ہمیں اس گناہ میں ہلاک کرتا ہے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا تھا۔''

ابن الانباری وغیرہ نے کہا ہے یہ استفہام انکاری ہے یعنی تو اس طرح نہیں کرتا، اس مقام پر سفہاء سے مراد بچھڑے کے پجاری ہیں۔

فراء کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ خیال کیا تھا کہ وہ بچھڑے کی عبادت کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے اسی لیے تو کہا: ﴿ اَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ﴾ کیا تو ہمیں اس جرم میں پکڑتا ہے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا تھا، حالانکہ ان کی ہلاکت ﴿ اَرِنَا اللّٰهَ جَهۡرَةً ﴾ دکھا ہمیں اللہ تعالیٰ سامنے کے بعد ہوئی تھی۔

پھر حضرت موسیٰ فرماتے ہیں: ﴿ اِنۡ هِىَ اِلَّا فِتۡنَتُكَ ؕ﴾ یہ تو صرف تیری آزمائش ہے، یہ بھی مہربانی کا کمال مطالبہ ہے، یعنی یہ تو اپنے بندوں پر تیری آزمائش اور ابتلاء ہے، تو نے ان کو آزمایا اور امتحان لیا ہے، تو تمام اختیارات تیرے ہاتھ میں ہیں، اب تو ہی اس آزمائش کو ہٹا سکتا ہے، یہ امتحان وابتلاء بھی تو نے ہی بھیجا ہے تو ہم تیری ہی پناہ چاہتے ہیں۔

فصل: بستی میں داخلے کا حکم

شیطان کا ان کے ساتھ یہ بھی کھیلنا ہے اور مکر کرنا ہے کہ جب وہ اپنے نبی کے ساتھ تھے اور وحی بھی نازل ہو رہی تھی تو انہیں کہا گیا:

﴿ ادۡخُلُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ ﴾ (البقرة: ۵۸)

''کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ۔''

قتادہ، ابن زید، سدی اور ابن جریر وغیرہ نے کہا یہ بستی بیت المقدس تھی، آگے فرمایا: ﴿ فَكُلُوۡا مِنۡهَا حَيۡثُ شِئۡتُمۡ رَغَدًا ﴾ یعنی اس سے جہاں سے چاہو تم کھاؤ ﴿ وَّادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا ﴾ اور دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ سدی کہتے ہیں یہاں بیت المقدس کے دروازوں میں سے ایک دروازہ مراد ہے، اس طرح حضرت ابن عباس نے بھی فرمایا ہے، انہوں نے کہا اصل میں سجود سے تعظیم کے لیے جھکنا اور رکوع مراد ہے کیونکہ جو بھی تعظیم کے لیے جھکے وہ سجدہ ریز ہی ہوتا ہے۔ یہ ابن جریر وغیرہ نے بھی کہا ہے۔

میں کہتا ہوں اس طرح دو ملاقات کرنے والوں کا سلام کے وقت ایک دوسرے کے سامنے جھکنا بھی حرام کردہ سجود میں سے ہے اور اس میں نبی ﷺ سے صریح ممانعت ثابت ہے۔

آگے فرمایا: ﴿ وَقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ ﴾ یعنی کہو کہ ہمارا سوال بخشش کا ہے، یعنی ہمارے گناہ گرا دیجیے، یہی قول حسن، قتادہ اور عطاء کا ہے، عکرمہ وغیرہ کہتے ہیں یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو۔ اس قول والوں نے اعتبار کیا ہے کہ کلمہ توحید سے گناہ گر جاتے ہیں۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے کہ انہیں استغفار کا حکم دیا گیا ہے، دونوں اقوال کے مطابق انہیں حکم تھا کہ وہ داخل ہوں اور توحید کو مانیں اور استغفار کو لازم پکڑیں۔ اس طرح کرنے سے میں تمہارا گناہ معاف کرنے کی ضمانت دیتا

ہوں، تو شیطان ان سے کھیلا اور انہوں نے اس بات کو کہی گئی بات کے علاوہ اور بات سے بدل دیا، اسی طرح جو کام کرنے کا حکم دیا گیا اس کام کو بھی دوسرے کام سے بدل دیا۔

بخاری ومسلم نے اپنی اپنی صحیح میں ہمام بن منبہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل سے کہا گیا، دروازے سے داخل ہوتے وقت سجدہ کرو اور ﴿ حِطَّةٌ ﴾ کہو تو ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے، انہوں نے اس کو بدل دیا اور دروازے سے سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہونے لگے اور کہنے لگے حبة فی شعرة یعنی دانے جو کے تو انہوں نے قول اور فعل دونوں کو اکٹھا بدل دیا لہٰذا: اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔ ابو العالیہ کہتے ہیں وہ عذاب اللہ کا غضب تھا۔ زید کہتے ہیں اس عذاب سے طاعون مراد ہے۔

لہٰذا جو شخص دین قول وعمل کو بدل دے تو طاعون اس کی گھات میں ہوتا ہے۔

فصل: شیطان ان سے اس طرح بھی کھیلتا ہے

کہ وہ بیابان میں بادلوں کے سایوں میں تھے اور ان پر من اور سلویٰ نازل کیا گیا تو وہ اس سے اکتا گئے اور تھوم، پیاز، مسر، سبزی اور ککڑیوں کی یاد انہیں ستانے لگی، وہ ان چیزوں کو پسند کرنے لگے، مگر ان کی یہ پسند اچھی نہیں تھی، کیونکہ یہ اچھی مناسب اور مفید غذاؤں کے عوض مضر کم غذا والی غیر متوازن کو پسند کرنے لگے، اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے فرمایا:

﴿ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ ﴾ (البقرة: ٦١)

''کیا تم گھٹیا چیز لے کر اچھی چیز دے رہے ہو اتر جاؤ کسی شہر میں تو تمہیں وہ کچھ ملے گا جو تم مانگتے ہو۔''

وہ کشادہ اور وسیع ترین اور ہوادار کامل جگہ میں تھے جہاں وہ ہر قسم کی گندگی، بدبو اور تکلیف سے محفوظ تھے۔ سورج سے حفاظت کے لیے بادل کا سائبان تھا اور کھانا ان کا سلویٰ اور پینا من تھا۔

ابن زید نے کہا تیہ میں بنی اسرائیل کا کھانا بھی ایک تھا اور پینا بھی۔ ان کا پینا شہد تھا جو آسمان سے اترتا تھا جسے من کہتے تھے، اور کھانا ان کا پرندے تھے جس کو سلویٰ کہا جاتا تھا، وہ پرندے کھاتے اور شہد پیتے، وہاں ان کے لیے روٹی وغیرہ کچھ نہ تھا۔ اس غذا اور پینے کی دیگر تمام کھانے اور پینے کی چیزوں پر فضیلت سب کو معلوم ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ ان کے لیے پتھر سے نکالے ہوئے پانی کے بارہ چشمے بھی موجود تھے، تو انہوں نے اس سے بہت گھٹیا چیز بدل کر لینا چاہی، اس پر ان کی مذمت کی گئی، تو ایسا شخص بہت مذمت کے لائق ہوگا جو گمراہی کو ہدایت کے عوض، برائی کو بھلائی کے بدلے، شرک کو توحید کے عوض، بدعت کو سنت کے بدلے اور مخلوق کی خدمت کو خالق کی خدمت کے عوض حاصل کرے، اسی طرح اللہ کے نزدیک جنت کی اچھی زندگی، اچھے مقامات دے کر بری اور فانی دنیوی زندگی لے لے۔

فصل: شیطان ان کے ساتھ اس طرح بھی کھیلا

کہ جب ان پر تورات پیش کی گئی تو انہوں نے اس کو قبول نہ کیا، حالانکہ وہ بہت سے دلائل بھی دیکھ چکے تھے اللہ تعالیٰ نے

جبریل علیہ السلام کو حکم دیا انہوں نے ان کے اندازے کے مطابق پہاڑ کو جڑ سے اکھیڑ کر ان کے سروں پر بلند کیا کہ اگر تم نے تورات کو نہ مانا تو تم پر یہ پہاڑ پھینک دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ (الاعراف: ۱۷۱)

''اور جب ہم نے ان پر سائبان کی طرح پہاڑ کو اٹھایا اور انہوں نے یقین کر لیا کہ وہ ان پر گر پڑے گا، پکڑ و جو دیا ہم نے تم کو طاقت سے اور جو اس میں ہے اس کو یاد کرو تاکہ بچ جاؤ۔''

عبداللہ بن وہب کہتے ہیں کہ ابن زید نے کہا: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تختیاں لے کر اپنے رب کی طرف سے واپس آئے تو بنی اسرائیل سے کہا کہ ان تختیوں میں اللہ کا کلام ہے اور اس کے وہ حکم جو اس نے تمہارے لیے بھیجے ہیں اور وہ ممانعات جس سے تم کو منع کیا ہے، تو وہ کہنے لگے تیری بات کو کون لے، ہم تو اللہ کی قسم تمہاری بات نہیں مانتے جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو سامنے نہ دیکھ لیں، ہم نہیں مانتے۔ یا اللہ تعالیٰ خود ہمارے سامنے آ کر کہے کہ یہ میری کتاب ہے اس کو مضبوط پکڑ لو۔ موسیٰ یہ کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے تو کلام کرتا ہے مگر ہم سے نہیں کرتا۔ وہ ہم سے کہے کہ یہ میری کتاب ہے تو اس کو پکڑ لو۔ اللہ تعالیٰ کو غصہ آیا اور ایک سخت آواز آئی جس نے انہیں بے ہوش کر دیا وہ سارے مر گئے۔ ابن زید نے کہا پھر مرنے کے بعد ان کو زندہ کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا یہ اللہ کی کتاب ہے، اسے پکڑ لو انہوں نے کہا یہ بات نہیں ہو سکتی، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تمہیں کونسی تکلیف پہنچی انہوں نے کہا ہم مر گئے تھے پھر زندہ ہوئے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ کی کتاب پکڑ لو مگر انہوں نے انکار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے ان پر پہاڑ کو اٹھایا پھر انہیں کہا گیا کیا اس کو جانتے ہو، وہ کہنے لگے ہاں یہ طور پہاڑ ہے تو اس کہنے والے نے کہا اس کتاب کو پکڑ لو ورنہ ہم تم پر اس کو پھینک دیں گے، تب انہوں نے کتاب کو پکڑ لینے کا وعدہ کر لیا۔

سدی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ ﴾ (البقرۃ: ۵۸)

''دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور کہو ﴿ حِطَّةٌ ﴾ یعنی اے اللہ ہمارے گناہ گرا دے، تو انہوں نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان پر پہاڑ کو اٹھایا جائے، انہوں نے اس کو دیکھا کہ اس پہاڑ نے اوپر سے ان کو ڈھانپ لیا ہے، وہ ایک پہلو کے بل سجدے میں گرے اور دوسرے کنارے سے دیکھنے لگے، اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ پہاڑ ہٹا لیا، پھر ان نشانیوں کے بعد وہ دوبارہ پھر گئے اور اعراض کرنے لگے اور جو کچھ اللہ کی کتاب میں ہے اس پر عمل نہ کیا، بلکہ اس کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اسلاف کے ساتھ جو واقعات پیش آئے وہ یاد دلا کر فرماتا ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ: ٦٤)

''اور جب لیا ہم نے تمہارا پکا وعدہ اور تم پر طور کا پہاڑ بلند کیا اور کہا ہم نے تم کو جو دیا ہے اسے طاقت سے پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد کرو تا کہ تم بچ جاؤ۔ پھر تم نے منہ موڑ لیا اس کے بعد میں، اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوتے۔''

فصل: یہود نے نبی کی نافرمانی کی

شیطان کے ان کے ساتھ کھیل میں سے یہ بات بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون اور اس کے غلبے اور ظلم سے نجات دی۔ اور ان کی وجہ سے دریا کو پھاڑ دیا اور ان کو آیات اور عجیب باتیں دکھائیں۔ ان کی مدد کی۔ انہیں جگہ دی۔ انہیں عزت دی اور وہ کچھ دیا جو کسی کو بھی جہان والوں میں سے نہیں دیا تھا۔

پھر انہیں حکم دیا کہ اس بستی میں داخل ہو جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے لکھ دی چنانچہ اس ضمن میں انہیں یہ بشارت دی کہ ان کی مدد کی جائے گی اور یہ زمین ان کے لیے فتح کی جائے گی اور یہ بستی ان کی ہے، مگر انہوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور اس بشارت کا ان الفاظ سے مقابلہ کیا:

﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴿٢٤﴾﴾ (المائدة: ٢٤)

''کہ تو اور تیرا رب جاؤ اور جنگ کرو ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔''

دیکھو اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ کس قدر نرمی کا سلوک کرتے اور اچھی بات چیت کرتے ہیں، انہیں اللہ کی نعمتیں یاد کرواتے اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کی ان کو بشارت سناتے کہ یہ بستی تمہارے لیے اللہ نے لکھ دی ہے، اس لیے اپنی پیٹھوں کے بل پھر کر اس کی نافرمانی نہ کرو۔ اگر انہوں نے اس کی نافرمانی کی اور اطاعت نہ کی تو وہ نقصان اٹھاتے ہو وہ واپس ہوں گے۔

تو ان کے لیے امر و نہی، خوشخبری اور ڈرانا۔ ترغیب و ترہیب اور گزرے ہوئے انعامات کی یاد دہانی سب چیزیں اکٹھی ذکر کیں۔ مگر انہوں نے ان چیزوں کا مقابلے میں اچھا جواب نہیں دیا، چنانچہ اللہ کے حکم مقابلے میں وہ یوں کہنے لگے:

﴿قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ﴾ (المائدة: ٢٢)

''اے موسیٰ بے شک اس بستی میں سرکش لوگ ہیں۔''

تو انہوں نے اللہ کے رسول اور کلیم کی عزت نہ کی، اور اُن کا نام لے کر پکارا۔ اللہ کا نبی اور رسول نہ کہا اور کہا:

﴿إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ﴾ (المائدة: ٢٢)

''بے شک اس بستی میں سرکش لوگ ہیں۔''

یہ لوگ اللہ تعالیٰ، آسمانوں اور زمین کے بادشاہ کی زبردست ذات کی قدرت بھول گئے، وہ اللہ جو بڑے سرکشوں کو اپنے بندوں کے سامنے ذلیل و خوار کر دیتا ہے وہ ان سرکشوں سے ڈرتے تھے جن کی پیشانیاں اس کے ہاتھ میں تھیں، اللہ کی نسبت سے وہ ان سے زیادہ ڈرتے تھے۔ پھر انہوں نے صراحۃً نافرمانی کی اور فرمانبرداری سے رُک گئے چنانچہ کہا:

﴿وَإِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا﴾ (المائدة: ٢٢)

''کہ ہم اس میں ہرگز نہیں جائیں جب تک وہ اس میں سے نہ نکلیں۔''
انہوں نے مؤکد طور پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ذکر کیا، ایک تو نافرمانی کے بہانے کی تمہید ذکر کی، چنانچہ فرمایا:
﴿اِنَّ فِیۡہَا قَوۡمًا جَبَّارِیۡنَ﴾ (المائدة: ٢٢)
''یعنی اس بستی میں سرکش لوگ ہیں۔''
پھر صراحۃً انکار کیا کہ ہم پیروی نہیں کریں گے۔ پھر جملے کو اِنَّ حرف تاکید کے ساتھ موکد کیا، پھر نفی کو حرف لَنْ سے نفی مستقل مؤکد بنایا کہ ہم ہرگز اس میں داخل نہیں ہوں گے، نہ اب اور نہ آئندہ۔ پھر اس بستی میں اپنے داخل ہونے کو ان سرکشوں کے اس سے نکلنے کے ساتھ مشروط کر دیا پھر جب انہیں دو نیک آدمیوں نے جو اللہ سے ڈرتے تھے اللہ کی اطاعت کا حکم دیا، بعض نے کہا وہ ان سے ڈرتے تھے اور کافروں میں سے مسلمان ہوئے تھے۔ انہں نے کہا کہ تم ان پر بستی کے دروازے سے داخل ہو جاؤ یعنی ہجوم کر کے ان پر داخل ہو جاؤ تو ان کے دل میں تمہارا رعب اس لیے جب تم داخل ہو جاؤ گے تو تم غالب آ جاؤ گے۔ لہٰذا فرمایا:
﴿فَاِذَا دَخَلۡتُمُوۡہُ فَاِنَّکُمۡ غٰلِبُوۡنَ﴾ (المائدة: ٢٣)
پھر انہیں مدد اور غلبہ کے یقینی ہونے کے اسباب کی طرف راہنمائی کی۔ جو کہ توکل ہے، پھر فرمایا:
﴿قَالُوۡا یٰمُوۡسٰۤی اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَہَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوۡا فِیۡہَا فَاذۡہَبۡ اَنۡتَ وَ رَبُّکَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا ہٰہُنَا قٰعِدُوۡنَ ﴿۲۴﴾﴾ (المائدة: ٢٤)

''یعنی انہوں نے کہا اے موسیٰ ہم اس بستی میں کبھی بھی نہ جائیں گے جب تک وہ لوگ اس میں ہوں گے تو تو اور تیرا رب جا کر لڑائی کرو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔''
پاک ہے وہ ذات جس کا اتنا عظیم حوصلہ ہے جس کے احکام کا اس طرح کا مقابلہ کیا جائے اور اس کے رسول کا بھی اس طرح سامنا کیا جائے پھر بھی وہ ان کمال حلم و بردباری کا سلوک کرتا ہے، اور انہیں جلد سزا بھی نہیں دیتا بلکہ اس کا حلم و کرم ان کو اپنے احاطے میں لے لے، زیادہ سے زیادہ جوان کو اس نے سزا دی وہ یہ ہے کہ ان کو اس نے تیہ کے بیابان میں چالیس سال تک سرگرداں کر دیا کہ بادل ان پر سایہ فگن رہتا جو گرمی سے ان کو بچاتا اور وہ من وسلویٰ بھی ان پر نازل فرماتا رہا۔
صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا میں ایسی جگہ حضرت مقداد بن الاسود کے پاس حاضر ہوا کہ اگر میں اس کا ساتھی ہوتا تو یہ چیز مجھے زیادہ محبوب ہے اس چیز سے جو اس کے برابر ہو۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے آپ اس وقت مشرکین کے خلاف بددعا کر رہے تھے، تو صحابہ کرام کہنے لگے، ہم اس طرح نہیں ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کی قوم نے کہا تھا کہ تم جاؤ اور تمہارا رب جائے تم دونوں ان سے جنگ کرو ہم یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے سے جنگ کریں گے تو میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ مبارک اس بات پر چمک اٹھا اور آپ اس بات سے خوش ہوئے۔
جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نبی سے ایسا مقابلہ کیا، تو انہوں نے یہ دعا کی:
﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ لَاۤ اَمۡلِکُ اِلَّا نَفۡسِیۡ وَ اَخِیۡ فَافۡرُقۡ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّہَا مُحَرَّمَۃٌ

عَلَيۡهِمۡ اَرۡبَعِيۡنَ سَنَةً ۚ يَتِيۡهُوۡنَ فِي الۡاَرۡضِ ؕ فَلَا تَاۡسَ عَلَى الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۲۶﴾ (المائدۃ: ۲۵، ۲۶)

''اے میرے رب میں صرف اپنی جان اور اپنے بھائی کا اختیار رکھتا ہوں پس ہمارے درمیان اور فاسق لوگوں کے درمیان جدائی ڈال دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس یہ بستی ان پر چالیس سال تک حرام ہے وہ زمین میں حیران پھرتے رہیں گے تو آپ نافرمان لوگوں پر غم نہ کھائیں۔''

فصل: اپنے نبی کی زندگی میں ہی شیطان ان سے اس طرح بھی کھیلا

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں سورۃ بقرہ آیت ۶۷۔ ۷۴ میں بیان فرمایا ہے کہ ایک مقتول کو قتل کر کے وہ لوگوں کے ذمے قتل لگانے لگے، پھر اللہ نے انہیں گائے ذبح کر کے اس مقتول سے اس کا کچھ حصہ مارنے کا حکم دیا اس واقعہ میں بہت سی نصیحتیں ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ یہ واقعہ بیان کرنا آپ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت سچی تھی اور وہ بھی اللہ تعالیٰ رب العالمین کے رسول تھے۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جس چیز پر تمام انبیاء کرام نے شروع سے آخر تک اتفاق کیا کہ دوبارہ جی اٹھیں گے اور قبروں سے مردے اٹھیں گے یہ سب سچ ہے۔ اس واقعہ میں یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ہر چیز پر قادر ہے۔ انصاف والا ہے وہ ظلم نہیں کرتا اور حکیم ہے رائیگاں کام بھی نہیں کرتا۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں اور دلیلیں اپنے بندوں پر مختلف طریقوں سے ان کی ہدایت میں اضافہ کرنے اور گمراں کو ڈرانے کے لیے اور انصاف کرنے کے لیے بیان کرتا ہے۔

ان حکمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے اللہ کے حکم کا مقابلہ ضد بازی اور کثرت سوال سے نہیں کرنا چاہیے بلکہ اُسے فوراً مان لینا چاہیے۔ وہ جب گائے ذبح کرنے کا حکم دیے گئے تو ان پر ضروری تھا کہ فوراً مان لیتے اور ذبح کر دیتے جیسی بھی ہوتی کیونکہ اس حکم میں کوئی اِجمال تو بالکل نہیں تھا اور اس میں کوئی اشکال بھی نہیں تھا۔ یہ حکم اسی طرح تھا جس طرح کوئی کہے کہ ایک گردن آزاد کر یا ایک مسکین کو کھانا کھلا یا ایک روزہ رکھ لے اور اس جیسے احکام وغیرہ۔

اسی لیے اس شخص نے غلطی کی جس نے اس آیت سے یہ دلیل لی ہے کہ وقت خطاب سے اس کی وضاحت بعد میں ذکر نادرست ہے کیونکہ اس آیت میں وضاحت الگ بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ اپنے حکم پر ہی واضح ہے، لیکن جب انہوں نے سختی اور ضد کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سختی کر دی۔

ابوجعفر بن جریر ربیع سے، وہ ابوالعالیہ سے بیان کرتے ہیں کہ وہ لوگ جب گائے ذبح کرنے کا حکم دیے گئے تو وہ اگر کوئی گائے ذبح کر دیتے وہی مراد ہوتی لیکن انہوں نے سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کر دی۔

یہاں پر ایک نصیحت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا جس میں مامور بہ کو وجہ حکمت معلوم نہ ہو انکار کے ساتھ مقابلہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ کفر کی ایک قسم ہے۔

اس قوم کو جب ان کے نبی نے فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ﴾ (البقرة: ٦٧)

''کہ اللہ تمہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔''

تو انہوں نے کہا: ﴿ اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ﴾ کیا تو ہماری ہنسی اڑا رہا ہے۔

اس جگہ جب انہیں حکمت معلوم نہیں تھی اور اللہ کے اس حکم کا ان کے سوال سے جواب انہیں معلوم نہ ہو سکا تو وہ کہنے لگے ﴿ اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ﴾ کیا تم ہمیں ہنسی بنا رہے ہو۔

یہ ان کی انتہائی جہالت تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لاعلم تھے۔ پیغمبر نے ان کو اس بارے میں اللہ کا حکم بتایا وہ خود اپنی طرف سے حکم نہیں دے رہے تھے، اگر وہ خود ہی حکم کرنے والے بھی ہوتے پھر بھی ایمان دار کے لیے نبی کو ایسے الفاظ میں جواب دینا درست نہیں تھا، مگر انہوں نے اپنے سوال میں ہٹ دھرمی کی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا: ﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ اور انہوں نے متعین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے تو اُنہوں نے سوالات میں ہٹ دھرمی شروع کر دی کہ اس کی اصلیت اور رنگ وغیرہ کیسا ہے۔ جب انہیں یہ چیز بتائی گئی تو پھر وہ اس کی اصلیت کے متعلق پوچھنے لگے، جب اس کا تعین کیا گیا تو اس وقت ان کے لیے کوئی سوال اور اشکال باقی نہ رہا پھر وہ ماننے کے لیے ٹھہر گئے مگر پھر بھی وہ قریب نہیں تھے کہ ایسا کرتے۔

ان کی بدترین جہالت تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے نبی سے کہا: ﴿ اَلْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ﴾ کہ اب تو سچ لے کر آیا ہے۔ اگر ان کا مقصد یہ تھا کہ پہلے تو گائے کے مسئلے میں حق لے کر نہیں آیا تھا، تو یہ صریح جہالت ہے کیونکہ وضاحت تو ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ﴾ ''کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔'' میں موجود ہے، اس میں کوئی اجمال اور پوشیدگی نہیں، نہ حکم میں نہ فعل میں اور نہ مذبوح چیز میں، حق تو انہوں پہلی دفعہ میں ہی واضح کر دیا تھا۔

ابن جریر کہتے ہیں بعض سلف یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنے دین سے مرتد ہو گئے تھے اور ﴿ اَلْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ﴾ کہہ کر کافر ہو گئے تھے، ان کا یہ خیال ہے کہ اس میں اس بات کی نفی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام گائے کے مسئلے میں ان کے پاس پہلے سچ لے کر آئے تھے۔ لیکن یہ قول درست نہیں اور وہ مرتد اور کافر نہیں ہوئے، اس لیے وہ پہلے سے ہی گائے ذبح کرنے کے لیے تیار نہیں ہو گئے اسی لیے اس کی صفات پوچھنے لگے مگر یہ ان کی طرف سے سب جہالت تھی اور یہ ان کی فضول باتوں میں سے ایک بات تھی۔

فصل: ان کے دلوں کی سختی کا ذکر

اس واقعہ کی نصیحتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی سختی بیان فرمائی اور ان میں ایمان کی کمزوری اور غیر پائیداری کا ذکر کیا ہے۔

عبدالصمد بن معقل حضرت وہب سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس کہا کرتے تھے، جب ان لوگوں کے مردے کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کر دیا اور اس نے اپنا قاتل بتا دیا تو انہوں نے اس کے قتل سے انکار کر دیا اور کہنے لگے اللہ کی قسم ہم نے اس کو قتل نہیں کیا، حالانکہ انہوں نے حق اور نشانیاں دیکھ لی تھیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً﴾ (البقرة: ٧٤)

''پھر تمہارے دل اس کے بعد سخت ہو گئے تو وہ پتھر کی طرح ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔''

اس واقعہ کی ایک نصیحت یہ بھی ہے کہ ظالم اور باغی کا مقابلہ اس کے ارادے کے برخلاف شرعاً بھی عقلاً بھی ضروری ہے۔ یہاں قاتل نے مقتول کی وراثت لینے کا ارادہ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ذلیل کیا اور اس کا پردہ اتار دیا اور اس کو وراثت مقتول سے بھی محروم کر دیا۔

اس واقعہ کی ایک نصیحت یہ بھی ہے کہ بنی اسرائیل تمام جانوروں کو چھوڑ کر دو دفعہ گائے کے ساتھ آزمائے گئے۔ ایک تو بچھڑے کی عبادت کے ساتھ اور ایک گائے کو ذبح کرنے کے ساتھ۔ گائے سب سے زیادہ کند ذہن جانور ہوتا ہے یہاں تک کہ حماقت و کند ذہنی میں اس کی مثال دی جاتی ہے۔

ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بچھڑے کے واقعہ کے بعد پیش آیا، کیونکہ گائے کے ذبح کرنے میں اس بات پر تنبیہ ہے۔ کہ اس قسم کا جانور جو ذبح ہو وہ کھیتی باڑی رہٹ وغیرہ کاموں سے بچ نہیں سکتا وہ معبود اور الہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، بلکہ یہ جانور ذبح کیے جانے، کھیتی کے لیے پانی نکالنے اور دیگر کاموں کے لیے مناسب اور موزوں ہے۔

فصل: شیطان کا اس امت سے کھیلنا اس طرح بھی ہوا کہ وہ حرام کھانے لگے

کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے ان کا واقعہ (سورۃ بقرہ ۶۵۔ ۶۶) (نساء ۴۷۔ ۱۵۴) (اعراف ۱۶۳۔ ۱۶۷) (اور النحل ۱۲۴) میں بیان فرمایا۔

یہ واقعہ اصحاب سبت یعنی ہفتے کے دن والوں کا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت بندر بنا دیا تھا، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے محارم کو حلال بنا لیا تھا۔

یہ بات معلوم ہے کہ وہ حرام کھا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے تھے، اسی طرح زنا اور دیگر حرام چیزیں اور حرام خون کو استعمال کرتے تھے۔

صرف ہفتے کے دن کے عمل سے بھی بڑے بڑے حراموں کا وہ ارتکاب کرتے تھے، مگر ادنیٰ حیلے کر کے انہوں نے اللہ کے محارم کو حلال سمجھنا شروع کر دیا اور اس کے دین سے کھیلنے لگے اور اس کو اس طرح دھوکہ دینے لگے جس طرح بچوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔ اس طرح حیلوں سے انہوں نے اس کے دین کو ہی بدل دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بندر بنا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ہفتے کے تمام دنوں میں شکار کرنا حلال کیا تھا، صرف ایک ہفتے کے دن شکار سے منع قرار دیا، تو ان کی حرص اور لالچ نے ان کو ہفتے کے دن میں شکار کرنے کی زیادتی اور تجاوز کرنے پر لگایا، تقدیر نے اس طرح مساعدت کی ہفتے کے علاوہ دوسرے دنوں میں مچھلیاں نہ آتی تھیں اور ہفتے کے دن خوب آتی تھیں۔ محارم سے جو شخص تعلق رکھے اللہ تعالیٰ اس سے اسی طرح کرتا ہے کہ تقدیر اس پر بھیج دیتا ہے وہ جس طرح شروع کرتا ہے وہ چیز اس کے قریب ہو جاتی ہے۔

تو دیکھو حرص نے کیا کیا، اور محرومیت کلی کس طرح لازم کردی گئی، اسی موقع کے لیے کہا گیا ہے من طلبه كله فاته كله جو کوئی سب کچھ حاصل کرنا چاہے اس سے سب کچھ فوت ہو جاتا ہے۔

فصل: ان کے ساتھ شیطان کا کھیلنا اس طرح بھی ہوا کہ وہ چربی پگھلا کر بیچنے لگے

کہ جب ان پر چربی حرام کردی گئی تو انہوں نے اس کو پگھلا کر بیچ کر، اس کی قیمت کھانا شروع کر دیا، یہ کم فہمی اور نا سمجھی اللہ سے اس کا دین سمجھنے کی وجہ سے ان کو لاحق ہوئی تھی۔ کیونکہ قیمت بھی تو اس اصل چیز کا بدل ہے، اس لیے اس کی حرمت اور اس کے بدل حرمت کی وجہ دونوں برابر ہیں، جس طرح شراب، مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کی حرمت میں ان کے اصل بھی اور ان کے بدل بھی سب شامل ہیں۔

شیطان کا ان سے کھیلنا اس طرح بھی ہے کہ وہ انبیاء کرام کو مار ڈالتے تھے، حالانکہ ان کے بغیر ہدایت ہی حاصل نہیں ہو سکتی، اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنا لیتے تھے تو جو چیز وہ عالم ان کے لیے حلال کرتے تو یہ لوگ بھی ان کی حلال کردہ چیزیں حلال سمجھتے اور جو چیز بھی علماء ان کے لیے حرام کرتے اس کو اپنے اوپر یہ لوگ حرام کر لیتے اور اس میں یہ نہ دیکھتے کیا یہ چیز واقعی اللہ کی طرف سے حرام یا حلال ہے یا نہیں۔

عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور آپ سے پوچھا کہ اللہ کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (التوبة: ٣١)

''انہوں نے اپنے علما اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنا لیا۔''

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت تو نہیں کی تھی پھر اس فرمان کا کیا مطلب ہے، تو آپ نے فرمایا انہوں نے اللہ کے حلال کو حرام کر دیا اور حرام کو حلال کر دیا، انہوں نے ان کی اطاعت کر لی، تو یہ ہے ان کا اپنے درویشوں اور عالموں کی عبادت کرنا۔ اس حدیث کو ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

یہ شیطان کا انسان کے ساتھ بہت بڑا کھیلنا تھا کہ جس کے ہاتھوں اس کو ہدایت ملی اس کو مار ڈالے یا اس سے لڑائی کرنے، اور جس شخص کے گناہوں سے پاک ہونے کی کوئی ضمانت نہیں اس کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لے اس کے حرام و حلال کو اختیار کر لے۔

فصل: اور شیطان کا ان کے ساتھ یہ بھی کھیلنا ہے

کہ حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حق میں ان سے بدسلوکی ہوئی یہاں تک کہ ان کو قتل کر ڈالا، آخر اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلط کر دیا اسی طرح سنجاریب کو تو ان کے لشکروں نے ان کو تباہ کر دیا۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ ان سے واقعات پیش آئے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم پر بڑی بڑی تہمتیں لگائیں، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، انہوں نے سرکشی اور عناد سے کفر کیا اور اس کو قتل کرنے اور سولی دینے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں بچا لیا اور اپنی طرف اٹھا لیا اور ان سے پاک کر دیا انہوں نے ان کی

شبیہ پر سولی اور قتل واقع کر دیا اور ان کا خیال تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دے دی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سے اس کا انتقام لیا اور انہیں سخت تباہ وبرباد کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے ان سب کو کافر قرار دیا جس طرح کہ ان کو اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی وجہ سے کافر قرار دیا۔

یہود کا معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے اور ان کے کفر کی وجہ سے ہمیشہ نقصان اور گھاٹے میں رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی کئی جماعتیں بنا دیں اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ان کی بادشاہی اور عزت ان سے چھین لی، آخر ان کی کوئی بھی بادشاہت نہ رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنایا تو انہوں نے ان کے ساتھ کفر کیا اور جھٹلا دیا تو ان پر بھی اللہ کا غصہ ہوا اور ان کو سخت تباہ کیا اور ان پر ذلت اور رسوائی لازم کر دی، پھر وہ ذلت میں حضرت عیسیٰ کے دوبارہ آسمانوں سے نازل ہونے تک یہ اس طرح رہیں گے، یہاں وہ اس کی جڑ اکھیڑ دیں گے اور زمین کو ان سے پاک کریں گے، اس طرح صلیب کے پجاریوں سے بھی زمین صاف کر دیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾ (البقرۃ: ۹۰)

وہ چیز بہت بری ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جان بیچ ڈالی کہ وہ کفر کریں اس سے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا بطور سرکشی کے کہ اللہ تعالیٰ نازل کرے اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے پس وہ لوٹ آئے غضب درغضب اور کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔"

تو پہلا غضب عیسیٰ علیہ السلام سے کفر کرنے کی وجہ سے ہے اور دوسرا غضب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے ہے۔

فصل: اس امت کے ساتھ شیطان کے کھیل میں سے یہ بھی ہے کہ وہ رب تعالیٰ پر نسخ کی ممانعت کرتے ہیں

کہ اس نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ شریعتوں کے نسخ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ پر پابندی ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ پر یہ پابندی لگا دی ہے کہ وہ جو چاہے کرے اور جو ارادہ کرے وہ فیصلہ کر دے۔ اس طرح انہوں نے یہ شبہ ڈال کر اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنے کے لیے ایک ڈھال بنا لیا اور کہنے لگے کہ نسخ سے البداء لازم آتا ہے اور اللہ کے معاملے میں یہ چیز حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو تورات کی نص میں جھٹلا دیا جس طرح قرآن میں انہیں جھٹلایا، چنانچہ فرمایا:

﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞ ﴾

(آل عمران: ۹۳_۹۵)

"تمام کھانے بنی اسرائیل پر حلال تھے مگر جو یعقوب علیہ السلام نے تورات کے نازل ہونے سے پہلے اپنی جان پر حرام قرار دے لیے تھے، کہہ دیجیے اگر تم سچے ہو تو تورات لے آؤ اور اسے پڑھو۔ جس نے اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا

تو یہی لوگ ظالم ہیں، کہہ دیجیے اللہ نے سچ فرمایا تو ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کی پیروی کرو جو یکسو تھے اور مشرکوں سے نہیں تھے۔

ان آیات میں اللہ کے حق میں نسخ کے باطل ہونے کے بارے میں ان کا قول کا جھوٹ ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ تمام کھانے بنی اسرائیل پر نزول تورات سے پہلے حلال تھے صرف وہ کھانے حرام تھے جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی جان پر حرام کیے۔

اور یہ بات معلوم ہے کہ بنی اسرائیل اپنے باپ اسرائیل علیہ السلام کے دین وملت اور شریعت پر تھے اور ان پر جو حلال تھا وہ اللہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبانی اور ان کے بعد دیگر انبیاء کی زبانی حلال کیا گیا، پھر تورات کچھ حرام لے کر آئی جو کھانے کی چیزیں تھی یعنی اس سے صریحاً نسخ ثابت ہوتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تُنَزَّلَ التَّوۡرٰىةُ ؕ﴾ یعنی توراۃ کے نازل ہونے سے پہلے وہ چیزیں حلال تھیں اور وہ جانتے تھے۔

پھر فرمایا: ﴿قُلۡ فَاۡتُوۡا بِالتَّوۡرٰىةِ فَاتۡلُوۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۹۳﴾﴾ ''کہہ دیجیے لاؤ تورات پھر پڑھو اسے اگر تم سچے ہو۔''

کیا تم اس میں یہ پاتے ہو کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خود اپنے اوپر چیزیں حرام کی ہیں۔ تورات نے ان کو تم پر حرام نہیں کیا۔ یا تم اس میں اس چیز کی تحریم پاتے ہو جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے خاص طور پر حرام کی تھیں اور یہ اونٹوں کا گوشت اور ان کا دودھ ہے۔ اور جب انہوں نے صرف اپنے لیے حرام کیا اور باقی سب چیزیں ان کے اور ان کی اولاد کے لیے حلال تھیں، پھر بعد میں تورات نے حرام کر دیں۔ لہٰذا تمہارا جھوٹ اور افتراء کھل کر سامنے آ گیا اور شریعتوں کا نسخ درست ہے اور ان کے نسخ میں اللہ تعالیٰ پر کوئی پابندی نہیں۔

تفسیر کے اس مقام شریف پر غور کرو جس کے گرد اکثر مفسرین گھومتے رہے مگر اس تفسیر میں داخل نہیں ہو سکے۔

اور یہ احتجاج بہت سے اہل کلام کے احتجاج سے بہتر ہے کہ تورات نے بہت سے نکاح، ذبیحے، اقوال وافعال حرام کیے اور یہ حکم براءۃ اصلیہ کا نسخ ہے۔ کیونکہ یہ مناظرہ بہت کمزور ہے۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے تحریم وایجاب سے براءہ اصلیہ کے ختم ہونے کا انکار نہیں کیا، شریعتوں کا کام ہی یہی ہے، انہوں نے تو اس چیز کی حرمت کا انکار کیا ہے جس کو اللہ نے مباح کیا تھا۔ پھر اس کو حرام کر دے یا جو چیز حرام ہو پھر اس کو حلال کر دے۔ براءۃ اصلیہ کا ختم ہونا اور اس کا اس کے ساتھ بطورِ استصحاب ہونے کا تو کوئی مذہب بھی انکار نہیں کرتا۔

پھر اس غضبی گروہ سے کہا جائے گا کیا تم یہ مانتے ہو کہ تورات سے پہلے شریعت تھی، یا نہیں مانتے۔ مگر اس بات کو وہ مانیں گے اس سے انکار نہیں کریں گے۔

پھر انہیں کہا جائے گا تورات نے ان سابقہ شریعتوں کے احکام سے کوئی حکم اٹھائے اور ختم کیے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ کہیں کہ سابقہ شریعتوں کے احکام تورات نے نہیں ختم کیے، تو یہ صریحاً بہتان اور جھوٹ ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہاں کچھ سابقہ احکام ختم کیے ہیں،

اس طرح انہوں نے گویا نسخ احکام کو تسلیم کر لیا۔

نیز اس امت غضبیہ سے کہا جائے گا کیا تم آج کل اسی شریعت پر ہو جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے اگر وہ کہیں جی ہاں، تو ہم کہیں گے کیا تورات میں یہ نہیں کہ جو شخص میت کی ہڈی کو ہاتھ لگائے کسی قبر کو روندے یا مرتے وقت کسی میت کے پاس حاضر ہو تو وہ ایسی نجاست میں داخل ہو جاتا ہے جس سے بالکل نکل نہیں سکتا ہاں گائے کی راکھ سے جس کو امام ہارونی جلاتے تھے تو اس امت غضبیہ کو یہ بات ماننے سے بالکل انکار نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ کہیں کہ اب ہم اس پر عمل نہیں کر سکتے تو کہا جائے گا کہ تم نے یہ بات کہاں سے بنالی ہے کہ جو شخص ہڈی کو چھولے یا کسی قبر کو اور میت کو وہ پاک ہے نماز کے لیے درست ہے حالانکہ تمہاری کتاب میں اس کے خلاف لکھا ہوا ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہم نے دیکھا کہ طہارت کے اسباب موجود نہیں ہیں یعنی گائے کی راکھ بھی نہیں اور امام مطہر بھی نہیں جو استغفار کرے۔ تو جواباً کہا جائے گا کیا تمہارے لیے اس طرح کرنا کافی ہے یا نہیں، اگر کہیں کافی ہے اب اس کے کرنے کی ضرورت نہیں تو انہیں کہا جائے گا کہ شرعی حکم مشکل ہونے کی وجہ سے بطور مصلحت وجوب سے منسوخ ہو کر اسی طرح بدل جایا کرتا ہے، اسی طرح حکم شرعی نسخ سے بھی بدلتا ہے، کیونکہ وہاں نسخ کی مصلحت ہوتی ہے، تم نے مصالح ومفاسد کا اعتبار کر کے اس پر بنیاد بنا لی ہے تو بلاشک یہ ایک وقت میں دوسرے وقت کے علاوہ اور ایک شریعت میں دوسری شریعت کے علاوہ مصلحت بن جائے گی۔

جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھائی کا بہن کے ساتھ نکاح کرنا وقتی مصلحت تھی جو بعد میں تمام شریعتوں میں حرام ہو گیا اسی طرح ہفتے کے دن کام کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت اور اس سے قبل کی شرائع میں بطور مصلحت درست رہا مگر بعد میں خرابی بن گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں درست نہ رہا۔

اگر تم احکام میں مصالح کا لحاظ رکھنا منع کرو گے اور اس کی علت بننے سے بھی منع کرو گے تو اس کا معاملہ ظاہر ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حلال کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حرام کرتا ہے یہ سب اس کی مشیت پر منحصر ہے اس سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہو سکتی کہ وہ کیا کرتا ہے اور کیوں کرتا ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ جس طہارت پر ہمارے اسلاف تھے ہم اس سے مستغنی نہیں ہو سکتے تو تم نے یہ اقرار کر لیا کہ تم ہر وقت پلید ہی رہتے ہو اب تمہارے پاک ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں بن سکتا۔

اگر وہ کہیں کہ واقعی بات یہی ہے تو انہیں کہا جائے گا اگر تم اپنے اصول کے مطابق پلید ہی ہو تو تم حائضہ کے حیض کے سات دن بعد اس کے ختم ہونے تک اس سے اتنا جدا کیوں رہتے ہو کہ اگر تم میں سے کسی کو اس عورت کا کپڑا لگ جائے تو تم اس کو کپڑوں سمیت نجس قرار دے دیتے ہو۔ اگر تم کہو کہ یہ تورات کے احکام سے ہے تو انہیں کہا جائے گا کہ تورات میں یہ نہیں ہے کہ اس سے طہارت مراد لی جاتی ہے تو جب طہارت تمہارے ہاں مشکل ہے اور نجاست دھونے سے بھی ختم نہیں ہوتی تو تم حیض سے بھی زیادہ پلید ہی رہتے ہو۔

پھر تم دیکھتے ہو کہ حائضہ عورت جب تمہارے مذہب کے علاوہ کسی اور مذہب سے ہو تو وہ پاک ہوتی ہے اس کے لمس سے تم پلید نہیں ہوتے اور نہ وہ کپڑا پلید ہوتا ہے جو اس سے لگے۔ تو صرف تمہاری جماعت کے ساتھ سے اس کی تخصیص تورات میں موجود

نہیں ہے۔

فصل

اللہ تعالیٰ کی مغضوب امت یہ کہتی ہے کہ تورات نے کچھ امور سے منع کر دیا ہے، وہ اس سے قبل مباح تھے مگر تورات نے کسی ممنوع چیز کو مباح نہیں بنایا اور نسخ جس کا ہم انکار کرتے ہیں اور اس سے منع کرتے ہیں وہ وہی ہوتا ہے جس میں ممنوع چیز کی اباحت ہو، کیونکہ کسی چیز کو حرام قرار دینا ضرور کسی خرابی کی وجہ سے ہوتا ہے، تو جب شریعت کسی چیز کو حرام قرار دے تو یہ اس کے تاکیدی اور مقرر کردہ احکام میں سے ہوگی، جب کوئی شخص کسی چیز کو مباح کرے تو ہم جان لیں گے کہ وہ خرابی کی اباحت کر رہا ہے اس لیے یہ نبی نہیں ہوسکتا، بخلاف اس کے اگر مباح کو حرام کرے کیونکہ اس طرح اس کو حرام کر کے ہم عبادت گزار ہوں گے۔

وہ کہتے ہیں کہ تمہاری شریعت نے تورات کی بہت سی اشیاء کو مباح کر دیا ہے حالانکہ بوجہ خرابی کے وہ پہلے حرام تھیں، تو یہ وہ نکتہ ہے جس پر اس اللہ کے غضب والی امت نے اس کا دارومدار رکھا ہے اور تمام پیچھے آنے والے اُن سے یہی نکتہ لیتے ہیں اور متکلمین اس کا جواب دے کر انہیں مطمئن نہیں کر سکتے اور وہ شرائع کے ذریعے براءۃ اصلیہ کے رفع کرنے اور تحریم کے ساتھ اباحت کے منسوخ ہونے کے متعلق لمبی گفتگو کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ کی قسم ان کا شبہ تو کبھی بھی ختم نہیں ہوتا کیونکہ براءۃ اصلیہ کا ختم کرنا اور حرام قرار دے کر اباحت کو ختم کرنا بھی استصحاب والے اور شرعی حکم کو کسی دوسرے حکم سے کسی تقاضائے مصلحت کی وجہ سے بدلنا ہی ہے اور اس اباحت کو تحریم کے ساتھ یا تحریم کو اباحت سے بدلنے میں کوئی فرق نہیں اور جو شبہ ایک طرف پایا جاتا ہے دوسری جانب بھی وہ شبہ موجود ہے، کیونکہ شریعت میں کسی چیز کو مباح کرنا بھی عدم مفسدہ کی وجہ سے ہے وجہ یہ ہے کہ اگر اس میں کوئی مفسدہ ہوتا تو شریعت اس کو کبھی مباح نہ کرتی تو جب شریعت نے اس کو حرام قرار دے دیا ہے تو یہ بات لازم ہوگئی کہ اس کا حرام ہونا ہی مصلحت ہے جس طرح اس کا پہلی شریعت میں مباح ہونا مصلحت تھی۔ اگر پہلی شریعت میں حرام کردہ چربیوں کی اباحت اپنے ضمن میں مفاسد لیے ہوئے ہے۔ (حالانکہ اللہ تعالیٰ اس تہمت سے پاک ہے) تو پہلی شریعت میں مباح چیز حرام کرنا تحریم مصالح کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہیں، حالانکہ یہ دونوں امور باطل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہیں۔

تو یہ بات جائز ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان سے پہلے کے انبیاء جس چیز کو مباح جانتے تھے اس کو تورات حرام کر سکتی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ تورات کے علاوہ کوئی شریعت تورات کی حرام کردہ چیز کو حلال کر دے۔

اور یہ شبہ جھوٹا اور باطل ہے جس کی بنیاد پر اس اللہ کی مغضوب امت نے نبی ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور بعینہٖ یہی شبہ تھا جس کی بنا پر ان کے اسلاف نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو رد کیا تھا اور ان یہودیوں نے یہ انکار اپنے اسلاف سے وراثت میں لیا ہوا ہے، جس طرح ایک کافر دوسرے کافر سے لیتا ہے، ان یہودیوں نے حضرت محمد ﷺ کو وہی کچھ کہا جو ان کے اسلاف نے حضرت عیسیٰ کو کہا تھا کہ تورات کی شریعت کے بغیر وہ کسی نبوت کو نہیں مانتے۔

اُن سے کہا جائے گا کہ پھر تم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کیوں مان لی تھی وہ بھی تو اپنے سے پہلی شریعت میں کچھ تبدیلی

لے کر آئے تھے اگر یہ تبدیلی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے حق میں درست نہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی نہیں ہونی چاہیے۔ اگر یہ چیز ان کی شریعت میں درست نہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی درست نہیں ہونی چاہیے، جس طرح کے دلائل سے تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو ثابت کرتے ہو اس سے کئی گنا زیادہ دلائل حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے متعلق موجود ہیں، یہ بات بہت ناممکن ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام تو سچے رسول ہوں مگر حضرت محمد ﷺ نہ ہوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو سچے رسول ہوں مگر حضرت محمد ﷺ نہ ہوں۔ نیز اس غضبی امت سے کہا جائے گا کہ حرام کردہ چیز کی تحریم یا تو لذاتہ اور بعینہٖ ہوگی کہ کسی بھی وقت اور زمانے میں اس کی اباحت درست نہ ہو یا اس کی حرمت کسی خارجی خرابی کی وجہ سے ہوگی جو کسی زماں، مکان یا حالت سے متعلق ہو، اگر پہلی بات ہو تو یہ بات بھی لازم ہوگی کہ جو چیز تورات نے حرام کی ہو وہ لازماً دیگر تمام انبیاء نے بھی حرام کی ہو، نوح علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ تک سب انبیاء نے اُسے حرام کیا ہو۔

اگر دوسری صورت ہو تو تحریم و اباحت مصالح کے تابع ہوگی اور مصالح زمان، مکان اور حالت کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہیں، ایک چیز ایک ملۃ میں کسی مصلحت کی وجہ سے حرام ہوتی ہے جبکہ دوسری ملت میں کسی دوسری مصلحت کی وجہ سے حلال ہوتی ہے۔ اسی طرح وقت جگہ یا حالت کی وجہ حرمت وحلت مختلف ہو سکتی ہے۔

یہ چیز اضطراری طور پر شرائع میں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کی حکمت کے یہ لائق نہیں۔

کیا تم دیکھتے نہیں کہ ہفتے کے دن میں شکار کی حرمت اگر بعینہٖ ہوتی تو ضرور حضرت ابراہیم اور نوح وغیرہ تمام انبیاء کی شریعت میں بھی یہ حرام ہوتا۔ اسی طرح جو کھانے اور نکاح وغیرہ وقتی حرام کیے گئے تھے اگر ان کی حرمت ہمیشہ نہ ہوتی تو ہر نبی اور ہر شریعت میں یہ چیزیں حرام ہوتیں۔

جب کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام اوامر و نواہی میں خود مختار ہے اس پر کوئی پابندی نہیں، جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور جو چاہے فیصلہ کرتا ہے۔ اپنے بندوں پر جو چاہے آزمائش بھیج دے، وہ فیصلہ کرتا ہے مگر اس کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو کون روک سکتا ہے وہ ایک امت کو کوئی حکم دیتا ہے تو دوسری امت کو اس سے منع کر سکتا ہے، کسی امت کو منع کرتا ہے، پھر دوسرے کے لیے وہ مباح کر دیتا ہے۔

بلکہ ایک ہی شریعت میں دو مختلف اوقات میں کسی مصلحت کے تحت کچھ منع کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۭ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾ (البقرة: ١٠٦، ١٠٧)

''جو بھی آیت ہم منسوخ کر دیں یا اس کو پیچھے کر دیں ہم اس سے بہتر لے آتے ہیں یا اس جیسی کیا تو نے نہیں جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، کیا تو نے نہیں جانا کہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس کی قدرت و مملکت تمام مخلوق پر حاوی ہے، اس کو کوئی منع نہیں کر سکتا، جو چاہے منسوخ کر دے، بدل دے، جس کو چاہے اس کو ثابت رکھے، وہ اپنے تکوینی اور تقدیری امور مٹا بھی سکتا ہے ثابت بھی رکھ سکتا ہے، اسی

طرح وہ اپنے شرعی احکام میں سے بھی جو چاہے منسوخ کر دے جو چاہے ثابت رکھے۔

بہت بڑا کفر اور ظلم یہ ہے کہ کوئی شخص پیغمبر کی ہدایت و بینات کا مقابلہ کرے، اس کی نبوت کو رد کرے اس کی رسالت کا انکار کرے اور دلیل یہ دے کہ یہ حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہدایت کی توفیق ہے، جسے چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے درست راہ بتادے۔

عجیب بات ہے کہ یہ غضبی امت اللہ تعالیٰ پر پابندی لگاتی ہے کہ وہ اپنی شرائع میں سے جو چاہے منسوخ کرے، بلکہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے بہت سے احکام ترک کیے، اپنے علماء اور درویشوں کی پیروی کرنے لگے ہیں۔

ان احکام میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنی نماز میں یہ پڑھتے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اے اللہ ایک بہت بڑا بگل بجادو ہمارا دوست ہے زمین کے چاروں کناروں سے اپنے دربار میں، تو پاک ہے اے متفرق قوم بنی اسرائیل کو جمع کرنے والے، اور ہر روز اس طرح کہتے ہیں، جس کا ترجمہ یہ ہے۔

ہمارے حاکموں کو پہلے والوں کی طرح کر دے اور ہماری خوشیاں ابتداء کی طرح کر دے اور یروشلم کو ہمارے ہی وقت میں اپنے قدس کی بستی بنادے۔ اس کو بنانے کی ہمیں توفیق دے اور اس کام کے ساتھ عزت دے، پاک ہے تو اے بانی یروشلم۔

یہ ان کی دعا نماز میں ہوتی ہے حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام یہ دعا نہیں کیا کرتے تھے، لیکن یہ کچھ فصلیں اور فقرے ہیں جو انہوں نے اپنی طرف سے اپنی حکومت زائل ہونے کے بعد جوڑ رکھے تھے۔

اسی طرح ان کے روزے ہیں جس طرح بیت المقدس کو جلانے کا روزہ، حصا کا روزہ، کدلیا کا روزہ جس کو انہوں نے فرض بنالیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون نے یہ روزے نہیں رکھے۔ اسی طرح صلب ہامان کا روزہ تورات میں بالکل نہیں ہے، انہوں نے یہ روزے چند ایسے اسباب کی وجہ سے وضع کیے جنہوں نے ان کے وضع کرنے کا تقاضا کیا۔

یہ بات بھی دیکھ لو، حالانکہ تورات میں یہ لکھا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ، میں تمہیں جو نصیحت کر رہا ہوں نہ تو اس میں اضافہ کرو اور نہ اُس میں کچھ کمی کرو۔

تورات میں بہت سے اوامر و نواہی موجود ہیں، حالانکہ وہ ان احکام کو بالا جماع باطل اور لغو کیے ہوئے ہیں یا تو وہ دیگر نصوص سے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول سے یا علماء کے اجتہاد سے منسوخ ہوں گے، ان تینوں طرح سے نسخ کے انکار کے متعلق ان کا شبہ باطل ہو جاتا ہے۔

پھر عجیب بات ہے کہ جن بڑے بڑے اوامر کے متعلق ان کے اجماع ہے کہ ان کو کہنا یا کرنا درست نہیں، ان کی سند صرف ان کے علما اور امراء کے اقوال ہی ہیں۔

مثلاً زانی کے رجم کا حکم معطل کرنے پر ان کا اجماع ہے، حالانکہ یہ تورات کی نص میں موجود ہے، اسی طرح تورات کے بہت سے نصوص والے احکام ان کے ہاں معطل ہیں۔

شیطان کے ان کے ساتھ کھیلنے سے یہ بات بھی ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ فقہاء اگر ان کے لیے کوئی چیز حلال کر دیں تو وہ

حلال ہوجاتی، اگر وہ حرام کردیں تو وہ حرام ہوجاتی ہیں ہے، اگرچہ تورات کی نص اُس کے خلاف ہو، یہ ان کا عمل اپنی مرضی سے تورات کے احکام کو منسوخ کرنے کو جائز قرار دینا ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ پر تو پابندی لگادی کہ وہ اپنی مرضی سے اپنی شریعت کے احکام منسوخ نہیں کرسکتا مگر ان کے عالم اور درویش یہ کام کرسکتے ہیں۔

جس طرح ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے آگے سجدہ کرنے سے تکبر کیا، کیونکہ اس نے سوچا اس سے اس کا مرتبہ کم ہوجاتا ہے، پھر وہ ہر نافرمان اور گنہگار کا قائد بننے پر راضی ہوگیا۔

یا جس طرح بت پرست پیغمبر کے بشر ہونے سے انکار کرنے لگے، مگر پھر وہ ہر پتھر کو معبود بنانے پر راضی ہوگئے۔

یا جس طرح نصاریٰ نے اپنے بطریقوں کو بیوی اور اولاد سے پاک قرار دیا، پھر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے لگے۔

یا جس طرح جہمیہ میں سے فرعونیوں نے اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے سے اس کو منزہ قرار دیا، تاکہ اللہ کے لیے حصر لازم نہ آئے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کو کنوؤں، دکانوں اور حیوانات کے پیٹوں میں بھی ثابت کرنے لگے۔

فصل: مشنا اور تلمود کی کتابیں اور ان میں احبار کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ

شیطان کے کھیلنے میں سے وہ بات بھی ہے کہ جو انہوں نے اپنے آپ پر ذبائح وغیرہ کے متعلق سختی کی، جس کے متعلق ان کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی دلیل نہیں آئی اور نہ ہی تورات میں اس کا کوئی ذکر ہے، یہ ان فقہاء کے اقوال و آراء تھے۔

اس امت کے بھی قدیم زمانہ میں شام عراق اور مدائن میں مدارس اور بہت فقہاء تھے۔ یہ بابلیوں کے دور اور فارسیوں کے دور میں تھا، اسی طرح یونان اور روم کے وقت میں بھی تھا۔ یہاں تک کہ ان کے فقہاء ان کی کسی حکومت میں المشنا اور التلمود کی تالیف پر جمع ہوئے۔ ''المشنا'' ایک چھوٹی کتاب تھی، جس کے تقریباً آٹھ سو ورقے تھے۔

''التلمود'' ان کی عربی کتاب تھی جس کا حجم بڑے ہونے کی وجہ سے تقریباً خچر کے بوجھ کے نصف کے برابر ہے۔

جن فقہاء نے اس کی تالیف کی تھی وہ سب کسی ایک زمانے میں نہیں تھے، بلکہ مختلف نسلوں کے لوگ تھے، جب پچھلوں نے یہ تالیف دیکھی تو ہر زمانے کے لوگوں نے اس میں اضافہ کیا اور اُن کی پچھلی اضافہ کی ہوئی باتیں پہلی باتوں کے برخلاف ہوتی تھیں۔

تب انہوں نے سوچا کہ اگر انہوں نے یہ کام نہ روکا اور زیادتی کو مزید نہ روکا تو اس سے اتنا بڑا خلل آجائے گا جس کو بند کرنا مشکل ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے آئندہ زیادتی کرنا بند کردیا اور اس میں زیادتی کرنے سے علماء پر بندش لگادی اور اس میں اضافہ کو حرام کردیا۔ تب وہ اپنی مقدار پر ٹھہر گئی اور رک گئی۔

ان کے ائمہ نے ان دونوں کتابوں میں اپنے مذہب والوں کے علاوہ تمام مذاہب والوں کے ساتھ مل کر کھانا حرام کردیا، جو شخص ان کے مذہب پر نہ ہو اس کا ذبیحہ بھی انہوں نے ان پر حرام کردیا کیونکہ ان علماء کو معلوم تھا کہ ان کا مذہب اس حالت پر یا اس خلوت کے ساتھ نہیں چل سکتا کیونکہ وہ انتہائی ذلت اور غلامی میں تھے، جب یہ اغیار سے مخالطت رکھیں گے تو ان کا مذہب ختم ہوجائے گا اور یہ ان کے رنگ میں رنگے جائیں گے اس لیے ان کے ساتھ مل کر کھانے سے بھی انہیں روک دیا اور ان کا ذبیحہ کھانے اور ان سے نکاح کرنے سے بھی منع کردیا اور یہ چیز پختہ تبھی ہوسکتی تھی کہ وہ اپنی طرف سے اس کے دلائل گھڑ کر پیش کریں اور اللہ

تعالیٰ پر جھوٹ باندھیں۔ تورات نے تو ان پر دیگر اقوام سے مناکحت اس لیے ناجائز قرار دی تا کہ بت پرستی اور شرک میں یہ ان کی طرح نہ ہو جائیں اور دیگر اقوام کا ذبیحہ اس لیے ان پر حرام کیا گیا کہ وہ اللہ کے علاوہ اصنام وغیرہ کے نام پر بطور تقرب الی الاصنام ذبح کرتے تھے، ان پر چونکہ غیر اللہ کا نام لیا گیا اس لیے وہ ان پر حرام کر دیے گئے اور وہ ذبیحے جو غیر اللہ کے نام پر نہ دیے جائیں وہ ان پر حرام نہیں کیے گئے تھے، ورنہ باقی امتوں کے ساتھ کھانے پینے سے ان کو منع نہیں کیا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو صرف بت پرستوں سے مناکحت اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور سے منع کیا تھا۔

ان لوگوں کو کیا ہو گیا یہ مسلمانوں کے ذبیحے نہیں کھاتے، حالانکہ وہ بتوں کے نام پر ذبح نہیں کرتے اور نہ ہی ان پر ان کا نام لیتے ہیں۔

جب ان کے ائمہ نے دیکھا کہ تورات بت پرستوں کے کھانے کے علاوہ باقی تمام امتوں کے کھانوں کے متعلق خاموش ہے اور تورات نے تو اس بات کی بھی صراحت کر دی ہے کہ ان سے مخالطت اور مواکلت اس لیے حرام ہے کہ آہستہ آہستہ مخالطت کہیں مناکحت تک نہ پہنچا دے، اور مناکحت اس لیے ممنوع ہے کہ آہستہ آہستہ کہیں ان ادیان اور بتوں کی پرستش تک ان کو نہ پہنچا دے اور یہ سب کچھ تورات میں بالوضاحت موجود ہے۔ بنابریں ان کے علماء نے علم ذباحت میں ایک کتاب گھڑ لی، اور اس میں سختیاں اور پابندیاں وضع کر کے رکھ دیں، جس نے ان کو اس ذلت و مشقت میں ڈال دیا۔

انہوں نے لوگوں کو کہا کہ وہ پھیپھڑوں میں پھونک لگائیں یہاں تک کہ ان میں ہوا بھر دیں، پھر غور سے دیکھیں کیا ہوا کسی سوراخ میں سے نکلتی ہے یا نہیں، اگر اس سے ہوا نکلتی ہو تو اس کو حرام کر دیتے، اگر پھیپھڑوں کے بعض حصے بعض کے ساتھ جڑے ہوئے ہوں تو اس کو نہ کھاتے اور وہ ذبیحہ کی تحقیق کرنے والے کو کہتے کہ وہ اپنا ہاتھ ذبیحہ کے پیٹ میں ڈال کر اس کے دل پر غور کرے اگر وہ پیٹھ کے ساتھ ملا ہوا ہو یا اس کی دو طرفوں میں ایک طرف ملا ہے اگرچہ بال برابر معمولی رگ کے ذریعے ہی کیوں نہ ملا ہوا ہو تو وہ اس کو حرام قرار دے دیتے اور اس کو نہ کھاتے اور اس کا نام وہ طریف رکھ دیتے یعنی کہ وہ نجس ہو گیا ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اور یہ نام ان کی اصل مصیبت ہے۔

یہ اس طرح کہ تورات نے ان پر طریفا کا کھانا حرام کر دیا تھا اور طریفا وہ شکار کردہ، چیرا پھاڑا ہوا جانور جس کو شیر یا بھیڑیا وغیرہ کوئی درندہ پھاڑ اور چیر دے، جس کو قرآن میں کہا گیا ہے:

﴿وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ﴾ (المائدۃ: ٣)

''اور جس کو درندہ کھا جائے۔''

دلیل اس کی یہ ہے کہ تورات میں مذکور ہے کہ:

صحراء کا وہ گوشت جو شکار کردہ چیرا پھاڑا ہوا ہو اس کو نہ کھاؤ بلکہ کتے کے لیے پھینک دو۔

طریفا کا اصل لفظ طوارف ہے، یہ لفظ تورات میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں آیا ہے، جب ان کے بھائی ان کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لائے اور کہنے لگے کہ بھیڑیے نے ان کو چیر پھاڑ دیا ہے۔

تورات میں ہے کہ ''صحرا کا گوشت جو چیرا پھاڑا ہو شکار کردہ جانور ہو اس کو اور فریسہ کو نہ کھاؤ، اور فریسہ عموماً صحرا میں ہی پایا جاتا ہے۔

اس کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ وہ لوگ خیموں والے تھے، صحرا میں رہتے تھے، کیونکہ وہ تیہ کے صحرا میں چالیس سال تک ادھر ادھر چلتے پھرتے رہے ان کا کھانا من اور سلویٰ تھا۔

سلویٰ ایک چھوٹا پرندہ تھا جو بٹیر کی طرح تھا۔ اس میں یہ خاصیت ہے کہ اس کے کھانے سے دل نرم ہوجاتا ہے اور دل سے سختی اور تکبر نکل جاتا ہے، یہ پرندہ جب کڑک کی آواز سنتا ہے تو مرجاتا ہے، جس طرح چمگادڑ سردی سے مرجاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو الہام کیا کہ وہ سمندر کے جزیروں میں رہے جہاں نہ بارش ہوتی ہے نہ کڑک ہوتی ہے، پھر جب بارش اور کڑک کا وقت ختم ہوجاتا ہے تو یہ جزیروں سے نکل کر زمین میں پھیل جاتے ہیں، اللہ نے یہ پرندہ ان کی طرف پہنچادیا تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھاسکیں اور یہ ان کی غذا بن جائے ان کے دلوں کی سختی اور موٹاپے کے علاج کے طور پر کام آئے۔

مقصود یہ ہے کہ ان کے مشائخ طریفا کی تفسیر میں اپنے موضوع و مراد سے تجاوز کرجاتے ہیں۔ اسی طرح اُن کے فقہاء نے اپنی طرف سے کچھ بیہودہ حماقتیں گھڑلی ہیں جو پھیپھڑوں اور دل سے متعلق ہیں۔ کہتے ہیں ذبائح میں سے جو ان شروط سے صحیح سالم ہو تو وہ ''دحیا'' ہوگا۔ اس لفظ کا معنی یہ ہے کہ وہ پاک ہے اور جو چیز ان شروط سے خارج ہو تو وہ ''طریفا'' ہوگا یعنی وہ حرام ہوگا۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ تورات میں جو یہ ہے کہ ''صحراء کا شکار کردہ جانور کا گوشت نہ کھاؤ بلکہ کتوں کے لیے پھینک دو'' اس کا مطلب یہ ہے جب تم کوئی ذبیحہ ذبح کرو اور اس پر شروط موجود نہ ہوں تو اس کو نہ کھاؤ بلکہ اپنے علاوہ کسی دیگر مذہب والوں کے ہاتھ بیچ ڈالو۔

انہوں نے اور ''کتوں کے لیے پھینک دو'' کا مفہوم یہی نکالا، یعنی غیر مذہب والوں کو دے دو انہیں کھلا دو یا بیچ دو اور یہ غیر مذہب والے اس لقب کے زیادہ حق دار ہیں وہ تمام لوگوں سے زیادہ کتوں کے مشابہ ہیں۔

فصل: یہود کے دو گروہ۔ پھر اس غضبی امت کے دو فرقے ہیں۔

ایک گروہ والے کہتے ہیں کہ یہ سلف کے لوگ جنہوں نے "المشنا" اور "التلمود" تالیف کی یہی فقہاء یہود ہیں۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والے ہیں بہت سی حماقتوں غلویات اور جھوٹے دعوؤں والے لوگ ہیں، ان کا یہ خیال تھا کہ جب وہ کسی چیز میں اختلاف کرنے لگیں تو ان کی طرف اللہ تعالیٰ اونچی آواز میں وحی کرتا ہے، جس کو جمہور لوگ سن لیتے ہیں وہ کہتا ہے:

حق فلاں فقیہ کے ہاں ہے اور وہ اس آواز کو ''بث قول'' کا نام دیتے ہیں۔

جب بہت پڑھنے والے یہودی قاریوں نے جو ''عانان و بنیامین'' والے تھے انہوں نے ان برے مقامات کو دیکھا کہ یہ صریح افتراء اور ٹھنڈا جھوٹ ہے تو انہوں نے ان فقہاء سے اپنے آپ کو الگ کرلیا اور جو بھی ایسی باتیں کرتا ان سے بھی کنارہ کش ہوگئے اور ان کے اللہ تعالیٰ پر باندھے ہوئے جھوٹوں کی تکذیب کی اور کہا کہ ان لوگوں نے چونکہ نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے کہ انبیاء کی طرح اللہ ان پر وحی کرتا ہے، ان کی کوئی بات بھی قبول نہیں کرنی چاہیے۔

یہ سب جھوٹ جنہیں ان کے حاخامیم یعنی ان کے فقہاء نے جوڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کی طرف منسوب کر دیے ہیں ان کو ان کے بہت پڑھنے والے قاریوں نے رد کر دیا اور پھینک دیا، تو ان کی حرام کردہ چیزوں کو انہوں نے حرام نہیں سمجھا اور انہوں نے تمام ذبیحوں کو جن کی ذباحت ان کے سپرد ہوئی حلال کہا: صرف بکری کا بچہ ماں کے دودھ والا حرام کہا اس میں تورات کی نص تھی کہ بکری کا بچہ ماں کے دودھ والا نہ پکایا جائے۔ یہ لوگ قیاس اور رائے والے نہیں بلکہ یہ لوگ اصحاب ظاہر ہیں۔

دوسرا فرقہ ربانی لوگ ہیں، یہ لوگ اصحاب قیاس ہیں یہ تعداد میں قاریوں سے زیادہ ہیں، ان میں حاخامیم بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ جوڑتے ہیں، جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے مخاطب ہوتا ہے اور ہر مسئلے میں آواز کے ساتھ مخاطب ہوتا جس آواز کا نام انہوں نے بث قول رکھا ہوا ہے۔

یہ جماعت اپنے علاوہ دیگر امتوں کے ساتھ شدید ترین دشمنی رکھتے ہیں، کیونکہ ان کے حاخامیموں نے ان کو یہ وہم دلایا کہ کھانے کی چیزیں لوگوں کے لیے تب حلال ہو سکتی ہیں جب وہ اس علم سے استعمال کریں جو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف اور اللہ کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اس علم کو تمام امتیں نہیں جانتیں۔ صرف انہیں ہی اللہ نے یہ علم دے کر عزت بخشی ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت جھوٹ بولتے ہیں یہاں تک وہ اس طرح ہو گئے ہیں کہ اپنے علاوہ دیگر لوگوں کو جانور اور چوپایوں کی طرح سمجھتے ہیں اور باقی لوگوں کے کھانے پینے کی چیزوں اور ان کے ذبیحوں کو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح کوئی پلیدی اور نجاست کو دیکھتا ہے۔

یہ شیطان کا ان کے ساتھ مکر ہے اور کھیل ہے کیونکہ ان حاخامیموں نے اس طرح کی مبالغہ آمیز اور غلو والی باتوں سے یہ ارادہ کیا ہے کہ باقی امتوں سے ان کی مخالفت کرنے، حقیر سمجھنے اور بے علمی کی طرف منسوب کرنے میں اضافہ ہو، نیز انہوں نے اپنے علاوہ باقی سب لوگوں کو سختیوں، پابندیوں، طوقوں اور بوجھوں کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔

جب ان کے حاخامیموں میں سے کوئی بہت زیادہ تکلفات والا، سخت پابندیوں والا اور زیادہ چیزوں کو حرام سمجھنے والا ہوتو وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم ربانی ہے۔

ان کو اس تنگی اور سختی کرنے پر اس چیز نے آمادہ کیا کہ وہ مشرق ومغرب میں نکلتے ہیں تو ان میں جو جماعت کسی شہر میں ہو پھر جب ان کے پاس ان کے اہل دین میں سے لوگ دور کے شہروں سے آئے تو وہ اس کے لیے دین کی خشکی اور احتیاط میں مبالغے کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر وہ فقیہ بنا ہوا ہو تو ان کی کئی اشیاء میں وہ ان پر اعتراض اور انکار کرنے میں جلدی کرتے ہیں تا کہ وہ ان پر اپنی پرہیزگاری اور صفائی کا اظہار کریں اور ان کو اپنے سے کم دین دار جتلائیں، جو چیز وہ ان سے ناپسند سمجھے گا وہ اس کو ان شہر والوں اور مشائخ کی طرف منسوب کرے گا اور وہ اپنی باتوں اور الزامات میں چھوٹا ہو گا اور اس سے اس کا مقصد یا تو اپنی سرداری حاصل کرنا اور غلبہ ہوتا ہے یا بعض دیگر فوائد کا حصول ہوتا ہے، خصوصاً جبکہ وہاں رہنا ہو تو آپ دیکھیں گے کہ جو ان میں بطور مہمان آتا ہے تو شروع شروع میں ان کے کھانے اور ذبیحے وغیرہ نہیں کھاتا اور ذبح کرنے والے کی چھری کو غور سے دیکھتا اور ان کے کسی نہ کسی عمل میں ضرور تنقید کرتا ہے اور کہتا ہے میں صرف اپنے ہاتھ سے ذبح کی ہوئی چیز ہی کھاؤں گا، تو آپ دیکھیں گے کہ وہ بیچارے، اس کے

ساتھ ایک عذاب میں مبتلا ہیں وہ ان پر مباح اشیاء سے بھی انکار کر رہا ہوگا اور انہیں بعض اشیاء پر اپنی اختراع کردہ چیزوں کی حرمت کا وہم دلا رہا ہے یہاں تک وہ اس میں کوئی شک نہیں کرتے۔

اگر کوئی اور آنے والا ان کے پاس آ جائے وہاں پر مقیم یہ سمجھے کہ یہ آنے والا میرا توڑ کرنے والا ہے تو وہ اس کو آگے جا کر ملتا ہے۔ اس کی عزت کرتا ہے اور اس کی موافقت اور تصدیق کی کوشش کرتا ہے وہ پہلے کے کاموں کی تحسین کرتا ہے اور وہ ان لوگوں کو کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس فلاں شخص کے ثواب کو بڑا کرے کہ اس نے ان لوگوں کے دلوں میں دین کی عزت و ناموس مضبوط کر دی اور شریعت کی فصیل کو مضبوط بنایا۔ پھر جب وہ اس کو ملتا ہے تو اس کی تعریف اور شکر بیان کرتا ہے اور ایسی دعا دیتا ہے جو اس کے کام کو پکا بنا دے۔

اگر نیا آنے والا پہلے آنے والے کی سختی اور تنگ نظری پر انکار کرنے والا ہو تو وہ ان کے پاس کوئی مقام نہیں پاتا بلکہ وہ اس کو جہالت یا دین میں نرمی کی طرف منسوب کرتے ہیں کیونکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ معیشت کی تنگی اور حلال کو بھی حرام سمجھنا ہی دین داری میں زیادتی اور پختگی ہے۔

وہ ہمیشہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حق اور درستگی اس شخص کے پاس ہوتی ہے جو ان پر سختی اور تنگی کرے۔

یہ حالات تب پیش آتے ہیں جب آنے والا آدمی ان کے فقہاء میں سے ہو۔

اگر یہ آنے والا ان کے عبادت گزاروں اور ان کے علماء میں سے ہو تو آپ بڑی عجیب و غریب بات جو اس معزز اور راز دار شخص میں دیکھو گے اور وہ طریقے جو اس نے ایجاد کر کے فرائض تک پہنچا دیے تو تم دیکھو گے کہ وہ لوگ کس طرح ان کے فرمانبردار اور مطیع بنے ہوئے ہیں اور ان کا دودھ نکال رہا ہے اور ان سے ان کے نقود بٹور رہا ہے۔ جب اسے یہ پتہ چلے کہ فلاں یہودی ہفتہ کے دن کھلے راستے پر بیٹھا ہے یا اس نے کسی مسلمان سے دودھ خرید لیا ہے تو وہ اسے یہودیوں کے مجمع میں گالیاں دیتا ہے اور اس کی بے عزتی کرتا ہے اور اس کو دین کی کمی اور کمزوری کی طرف منسوب کرتا ہے۔

فصل: یہود کے حیلے

اس غضبی امت کے ساتھ شیطان کے کھیلنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ جب دیکھتے ہیں کہ انہیں جو حکم دیا گیا ہے یا جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ ان پر بہت گراں اور ثقیل ہے تو وہ اس سے جان چھڑانے کے لیے مختلف طریقوں سے حیلے کرتے ہیں، اگر وہ حیلوں سے تنگ آ جائیں تو کہتے ہیں یہ حکم اس وقت کا ہے جب حکومت و ریاست ہمارے ہاتھ میں تھی۔

اس مثال سے یہ حکم بھی ہے جب دو بھائی ایک جگہ رہتے ہوں، ان میں سے ایک مر گیا ہو اس کے پیچھے اس کا وارث کوئی نہ ہو تو اس میت کی بیوی کسی اجنبی کے پاس نہ جائے بلکہ اپنے خسر کے لڑکے سے اس کا نکاح ہو تو پہلا بچہ جو اس سے ہوگا وہ اس کے بے اولاد مرنے والے بھائی کی طرف منسوب ہوگا۔ اگر وہ شخص اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دے تو وہ عورت اس گھر سے نکل کر اس کی قوم کے بوڑھوں کے پاس شکایت لے کر جاتی ہے اور کہتی ہے میرے خسر کے بیٹے نے اپنے بھائی کے نام کو اسرائیل میں باقی رکھنے سے انکار کر دیا اور وہ میرے ساتھ نکاح نہیں کرنا چاہتا تو حاکم اس کو بلاتا اور اس سے یہ بات کھڑا کر کے

کہلواتا ہے کہ میں اس سے نکاح نہیں چاہتا تو وہ عورت اس کا جوتا پکڑ کر اس کے پاؤں سے نکالے پھر ہاتھ میں لے کر اس شخص کے چہرے پر تھوکے اور اس پر آواز لگائے۔

اسی طرح اس شخص کے ساتھ کیا جائے جو اپنے بھائی کا گھر نہیں بناتا اور ایسا شخص مخلوع النعل کہا جائے گا اور اس کی اولاد کو مخلوع النعل کی اولاد کہا جائے گا۔

یہ سب کا سب تورات میں بزعم ان کے ان پر فرض ہے۔

اس میں ایک حکمت ہے جو مرد کو اپنے فوت ہونے والے لاولد بھائی کی بیوی سے نکاح کرنے کی طرف مجبور کرتی ہے، کیونکہ وہ جب یہ جان لے گا کہ اس کو ذلت اٹھانا پڑے گی تو وہ اس کے نکاح کو ترجیح دے گا۔

اگر وہ شخص اس سے بغض رکھتا ہو اس سے نکاح میں بے رغبت ہو یا وہ عورت اس مرد سے نکاح میں بے رغبت ہو اس سے بغض رکھتی ہو تو اس کے لیے ان کے فقہاء نے یہ حیلہ نکالا ہے کہ جس سے وہ مرد عورت سے اور عورت مرد سے خلاصی حاصل کر سکے۔

وہ اس طرح ہے کہ وہ لوگ عورت پر حاکم کے پاس بڑے مشائخ کی موجودگی میں حاضری لازم کرتے ہیں پھر اس کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ وہ کہے کہ میرے خسر کا بیٹا اپنے بھائی اور میرے سابقہ فوت شدہ شوہر کا نام اسرائیل میں قائم نہیں رکھنا چاہتا اس نے مجھ سے نکاح کا ارادہ نہیں کیا تو وہ لوگ اس عورت کو اس مرد پر جھوٹ بولنے کا الزام لگائیں گے کیونکہ وہ مرد تو اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے مگر وہ عورت نہیں چاہتی جب اس عورت کو یہ الفاظ بتائیں گے اور اس سے کہلوائیں گے پھر اس مرد سے جھوٹ بلوائیں گے کہ وہ کھڑا ہو کر کہے کہ میں اس سے نکاح نہیں کرنا چاہتا شاید کہ یہی اس کی آرزو اور سوال ہو تو وہ اس کو حکم دیں گے کہ وہ جھوٹ بولے، یہ کافی نہیں تھا انہوں نے اس پر جھوٹ بولا اور اس پر بھی لازم کر دیا کہ وہ جھوٹ بولے یہاں تک کہ اس کو دہشت زدہ کر دیا اور اس نے چہرے پر تھوکا اس مسئلے کو مسئلہ ''البیاماوالجالوس'' کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے محارم کو حلال کرنے کے لیے ان کے حیلوں کے متعلق پہلے گزر چکا ہے جو کافی ہے، تو یہ قوم حیلوں، مکر اور گندگی کا گھر ہے۔

نبی ﷺ کے زمانے میں بھی یہ قسما قسم کے مکر اور حیلے آپ ﷺ کے خلاف اور آپ کے صحابہ کے خلاف کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ ان کے ان کے تمام مکر و فریب کو رد کر دیتا۔ انہوں نے آپ کے خلاف قتل کے بھی کئی دفعہ حیلے کیے مگر اللہ تعالیٰ ہر دفعہ آپ کو ان کے حیلوں سے بچاتا رہا۔

ایک دفعہ انہوں نے آپ کے خلاف یہ حیلہ کیا کہ ایک یہودی چھت پر چڑھا اور ایک چکی لے کر اس کو آپ پر پھینکنے کا ارادہ کیا آپ اس وقت دیوار کے سائے کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، آپ کے پاس وحی آ گئی تو آپ واپس تشریف لے آئے تب آپ نے ان کے ساتھ جنگ شروع کر دی اور انہیں جلا وطن کر دیا انہوں نے آپ کے ساتھ مکر کیا اور آپ کے خلاف آپ کے مشرک دشمنوں کو امداد دی تو اللہ نے آپ کو ان پر غالب کر دیا۔ انہوں نے مکر کر کے آپ کے تمام دشمنوں کو اکٹھا کیا، تو اللہ نے ان پر آپ مدد کی تو آپ نے ان کے رئیس کو مروا ڈالا۔

اسی طرح مکر کر کے آپ کو زہر کے ذریعے قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر اللہ نے آپ ﷺ کو بتادیا اور اس سے نجات دلادی۔

اسی طرح مکر کر کے آپ ﷺ پر جادو کیا یہاں تک کہ خیال کرتے ہیں کہ میں نے یہ کام کرنا تھا پھر نہ کرتے یا نہ کیا ہوتا تو اللہ نے آپ کو اس سے شفا اور نجات دے دی، اس طرح بھی انہوں نے مکر کیا کہ کہنے لگے کہ ''آپ ﷺ پر دن کے شروع والے حصے میں ایمان لاؤ اور آخر والے حصے میں کفر کرو''۔ (آل عمران: ۷۲)

پس اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی نبوت میں مسلمانوں کو بھی شک ہو جائے کیونکہ جب دِن کے شروع میں ایمان لے آئیں گے تو مسلمان مطمئن ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ انہوں نے حق کی اتباع کر لی اور ان کے لیے آپ ﷺ کی سچائی کے دلائل کھل گئے پھر جب دن کے پچھلے حصے میں کفر کریں گے اور آپ ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیں گے اور کہیں گے ہمارا ارادہ تو حق کی اتباع کا ہی تھا مگر جب ہم نے دیکھا کہ یہ حق نہیں ہے تو ہم اس سے واپس آ گئے۔

یہ ان کا بہت بڑا مکر و فریب اور خباثت تھی۔

یہ مکر اور دھوکے و فریب میں محنت اور کوشش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل وخوار کر دیا اور اپنے رسول ﷺ کے ہاتھ پر اور آپ کے تابع داروں کے ہاتھوں پر رسوا کر دیا بہت بڑا ذلیل کرنا اور ان کو بالکل توڑ پھوڑ کر رکھ دیا اور ان کی جمعیت پارہ پارہ کر دی۔

وہ آپ ﷺ سے وعدہ کرتے اور صلح کر لیتے تھے مگر جب آپ اپنے دشمنوں سے جنگ کرنے نکلے تو یہ اپنا وعدہ توڑ دیتے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس امت کی بادشاہت اور عزت چھین لی اور ان کو ذلیل کر دیا، زمین میں ان کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تو وہ طاقت اور غلبے کے بجائے دھوکے اور فریب سے اسلام کو گرانے کی کوشش کرتے رہے۔ اس طرح ہر عاجز اور بزدل آدمی مکر و فریب اور جھوٹ اور بہتان میں غالب رہتا ہے، اسی لیے عورتیں جھوٹ خیانت اور دھوکے فریب کا گھر ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴾ (یوسف: ۲۸)

''یہ تمہارا مکر ہے بے شک تمہارا مکر بڑا ہے۔''

فصل: اس امت کے ساتھ شیطان کے کھیل کرنے سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو شرافت وعزت کے خوشوں کے ساتھ مثال دیتے ہیں اور باقی امتوں کو ان کانٹوں سے جو کرم یعنی انگور کی دیواروں کے اوپر ہوتے ہیں۔

یہ ان کی انتہائی جہالت اور بیوقوفی ہے کیونکہ کرم و شرافت کی خوبیوں کا اہتمام کرنے والے لوگ اس کی دیواروں کی بلندیوں پر کانٹے اس لیے ڈالتے ہیں تا کہ اس کی حفاظت اور بچاؤ کا خیال رکھیں اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ یہود تو تمام امتوں سے زیادہ ضرر رساں اور ذلیل اور رسوا ہیں جیسے لوگ کانٹوں سے ایذا رسانیاں کرتے ہیں۔

فصل: ایک آنے والے کا انتظار جو یہودیت کو قائم کرے گا۔ اور شیطان کا ان کے ساتھ یہ کھیل بھی ہے کہ وہ ایک قائم شخص کا انتظار کرتے ہیں جو حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد سے ہوگا کہ جب وہ دعاء کے ساتھ ہاتھ اٹھائے تو تمام امتیں تباہ ہو جائیں اور یہ شخصیت جو انتظار کی جا رہی ہے یہ بزعم ان کے حضرت عیسیٰ ہیں جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

اور وہ درحقیقت اُس مسیح الدجال کا انتظار کر رہے ہیں جو گمراہی کا راہنما ہوگا، کیونکہ یہ اس کے زیادہ پیروکار ہیں۔ ورنہ حضرت عیسیٰ تو ان کو قتل کر دیں گے یہاں تک کہ ان میں سے ایک بھی نہ بچے گا۔

تین امتیں آخر میں ایک ''منتظر'' کا انتظار کر رہے ہیں کیونکہ وہ امتیں اس کے آنے کا وعدہ کی گئی ہیں اور مسلمان حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم کے آسمان سے اترنے کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے اور اپنے دشمن یہودیوں کو مار ڈالیں گے اور ان نصاریٰ کو بھی جو ان کی پوجا وعبادت کرتے ہیں اور مسلمان حضرت مہدی کے خروج کا بھی انتظار کر رہے ہیں جو اہل بیت نبی ﷺ سے ہوں گے، وہ زمین کو انصاف وعدل سے بھر دیں گے، حالانکہ پہلے وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔

فصل: یہود ہر سال کے پہلے ماہ کے پہلے عشرے میں نماز میں کیا پڑھتے ہیں

شیطان اس غضبی امت سے اس طرح بھی کھیلا کہ وہ ہر سال پہلے مہینے کے پہلے دس دنوں میں اپنی نماز کے اندر یوں کہتے ہیں کیوں امتیں کہتی ہیں کہ ان کا آلہ کہاں ہے؟ بیدار ہو جا اے ہمارے رب تو کب تک سویا رہے گا؟ جاگ جا اپنی نیند سے۔

ان کا اس قسم کے کفریات پر اقدام اس لیے ہے کہ یہ ذلت اور ذہنی غلامی سے تنگ آ کر اکتا گئے ہیں اور آسانی اور فراخی کے انتظار میں پریشان ہو گئے ہیں اور یہ راحت وآرام سے دور ہو رہے ہیں تو اس چیز نے ان کو کفر اور زندیقیت میں ڈال دیا جس کو ان جیسے ہی پسند کرتے ہیں، بایں وجہ یہ اس قسم کی قبیح دعا ومناجاۃ پر جرأت مند ہو گئے گویا کہ وہ اس کی ایسے الفاظ سے تعریف کر رہے ہیں جس سے وہ تنگی محسوس کرے اور اپنی ذات کی حفاظت وحمایت کرے۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کو یہ بتا رہے ہیں کہ اس نے اپنی ذات دوستوں اور انبیاء کی اولاد کے لیے گمنامی پسند کر رکھی ہے تو وہ اس کی خبرداری اور نیک نامی کے لیے تعریف کر رہے ہیں۔

تم دیکھو گے جب ان میں سے کوئی نماز میں یہ کلمات ادا کر رہا ہوتا ہے تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اسے اس میں کوئی شک نہیں ہوتا کہ یہ مناجات اللہ کے ہاں عظیم مقام رکھتی ہے اور یہ اللہ کی ذات کو ہلاتی جھنجھوڑتی اور دق کرتی ہے اسی لیے کسی فعل پر ندامت اور شرمندگی کو بھی وہ اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے تورات میں لکھا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ زمین میں مخلوق پیدا کر کے شرمندہ ہوا اور یہ چیز اس پر گراں گزری اور اپنی رائے کی طرف لوٹا یہ چیز حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں درج ہے۔

انہوں نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جب قوم نوح کا بگاڑ دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ ان کا کفر اور شرک عظیم ہو گیا ہے، تو وہ ان کی پیدائش پر نادم ہوا۔

ان میں سے بہت سے یہودی یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان پر اتنا رویا کہ اس کی آنکھیں دکھ گئیں پھر فرشتوں نے اس کی بیمار پرسی کی پھر اس نے اپنے ہاتھ کاٹ کھائے یہاں تک کہ ان سے خون بہنے لگا۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اسرائیل پر جو شاؤل کو بادشاہی دی اس پر نادم ہوا اور اس نے یہ بات شمویل کو بھی بتائی۔

ان کے ہاں یہ بھی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے باہر آئے تو سب سے پہلے اس کے لیے ایک مذبح بنایا اور تیار کیا اور اس پر قربانی کا چڑھاوا چڑھایا اور اللہ تعالیٰ نے گوشت بھوننے کی خوشبو سونگھی تو اپنی ذات کے متعلق فرمایا میں لوگوں کی وجہ سے

آئندہ زمین کو کبھی لعنت نہیں دوں گا کیونکہ انسان کا دل گھٹیا پن پر ہے اور جس طرح میں نے کیا آئندہ میں کبھی بھی تمام حیوانات کو ہلاک نہیں کروں گا جس طرح پہلے کیا ہے۔

انہوں نے نبی ﷺ اور صحابہ کرام کو بھی ایسے ہی کفریہ کلمات کے ساتھ مخاطب کیا۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے نبی ﷺ سے کہا: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں بنایا پھر آرام کیا، یہ بات نبی ﷺ پر گراں گزری، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب میں یہ آیت نازل فرمادی:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴾ (ق: ۳۸)

''کہ بے شک ہم نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور ہمیں اس سے کوئی تھکاوٹ نہیں پہنچی۔''

پھر غور کرو کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کس طرح فرمایا: ﴿ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ﴾ (ق: ۳۹) یعنی جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس پر صبر کرو۔

تو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے دشمنوں نے ان کی طرف وہ باتیں منسوب کیں جو ان کے لائق نہیں تھیں، اُن کے متعلق وہ باتیں کیں جن سے وہ پاک اور منزہ تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان کی اس بات پر صبر کریں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی پیروی میں اس کے طریقے پر عمل پیرا ہونا ہوگا، جب انہوں نے اس کے حق میں گستاخی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس ایذا پر صبر کیا۔

اسی طرح فنحاص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ﴾ الخ یعنی اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں، اسی لیے وہ ہم سے ہمارے اموال سے قرض مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

﴿ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴾ (آل عمران: ۱۸۱)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں ہم ان کی بات لکھ لیں گے اور ان کا نبیوں کو قتل کرنا بھی اور ہم کہیں گے کہ آگ کا عذاب چکھو۔''

نیز انہوں نے کہا تھا کہ اللہ کا ہاتھ جکڑا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ ﴾ (المائدة: ٦٤)

''یہود نے کہا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جکڑا ہوا ہے۔ جکڑے جائیں ان کے ہاتھ اور اپنی کہی ہوئی بات پر وہ لعنت کر دیے گئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔''

ہر سال پہلے مہینے کے پہلے دھاکے میں وہ لوگ یوں دعا کرتے ہیں:

اے ہمارے معبود اور ہمارے باپ دادوں کے معبود زمین کی ہر چیز پر اپنی بادشاہی قائم رکھ تاکہ ہر ذی روح چیز کہے اللہ تعالیٰ جو یعقوب علیہ السلام کا رب ہے وہ بادشاہ ہے اور اس کی بادشاہت سب پر غالب اور مسلط ہے۔

نیز اسی نماز میں وہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں۔

عن قریب تمام بادشاہت اللہ کے لیے ہو جائے گی اور اس دن اللہ ایک ہوگا اور اس کا نام بھی ایک ہوگا۔

اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس وقت بادشاہی ظاہر ہوگی کہ جب حکومت صرف یہودیوں کی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگ اور امت ہیں اور جب تک حکومت یہود کے علاوہ دوسروں کی ہوگی تو اللہ تعالیٰ تمام امتوں میں گمنام اور اپنی بادشاہی میں مطعون اور اپنی قدرت میں مشکوک ہوگا۔

فصل: یہود کے انبیاء پر اعتراضات اور اذیتیں

شیطان کا ان کے ساتھ کھیلنا اس طرح بھی تھا کہ وہ انبیاء کرام کی شان میں جرح وقدح کرتے تھے اور انہیں ایذا پہنچاتے تھے۔ انہوں حضرت نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی زندگی میں تکلیف دی اور انہیں اس بری بیماری کی طرف منسوب کیا، جس سے ان کو اللہ تعالیٰ نے بری کر دیا اور اس امت کو اس بارے میں ان کی پیروی کرنے سے منع فرمایا، چنانچہ فرمایا:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۞ ﴾
(الاحزاب: ٦٩)

''ایمان والو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف دی تو اللہ نے ان کو ان کے عیب والی بات سے بری کر دیا اور وہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ تھے۔''

صحیحین میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ بنی اسرائیل ننگے ہو کر غسل کرتے تھے ایک دوسرے کے پردے اور ننگے کو نہاتے ہوئے دیکھتے ہیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام علیحدگی میں غسل فرماتے تو بنی اسرائیل کہنے لگے یہ ہمارے ساتھ ننگے اس لیے نہیں نہاتے کہ ان کے جسم میں آدر خصیہ کی بیماری ہے، ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پتھر پر کپڑے رکھ کر نہانے لگے تو وہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے دوڑے اور یہ آواز دینے لگے اے پتھر میرے کپڑے دے اے پتھر میرے کپڑے دے دے حتیٰ کہ بنی اسرائیل نے ان کا پردہ دیکھ لیا، تو آپ نے اپنے کپڑے لے لیے اور پتھر کو مارنے لگے۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں اللہ کی قسم پتھر میں چھ یا سات زخم کے نشانات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مارنے سے پڑ گئے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ ﴾ (الاحزاب: ٦٩)

ابن جریر نے کہا ہمیں ابن حمید نے، انہیں یعقوب نے، انہیں جعفر نے حضرت سعید سے بیان کیا کہ بنی اسرائیل نے کہا موسیٰ علیہ السلام کو آدر خصیہ کی بیماری ہے۔ ایک جماعت نے کہا زیادہ پردہ کرنے کی وجہ سے ان کو برص کی بیماری ہے۔

ابن سیرین حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حیادار اور پردہ کرنے

والے تھے۔شرم کی وجہ سے ان کے جسم کا کوئی حصہ بھی نظر نہ آتا تھا تو بنواسرائیل نے انہیں تکلیف پہنچانا شروع کردیا۔ چنانچہ وہ کہنے لگے یہ اتنا پردہ اس لیے کرتے ہیں کہ ان کے جسم میں کوئی بیماری ہے یا برص ہے یا آماس خصیہ یا کوئی اور بیماری ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بری کرنا چاہا پھر آگے پہلے والی حدیث کی طرح بیان کیا۔

سفیان بن حسین نے حکم سے، انہوں نے ابن جبیر سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے، انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں: ﴿لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ اٰذَوْا مُوْسٰى﴾ انہوں نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پہاڑ پر چڑھے تو حضرت ہارون علیہ السلام فوت ہوگئے، بنی اسرائیل کہنے لگے تم نے انہیں قتل کیا وہ ہمارے ساتھ تم سے زیادہ محبت کرنے والے اور نرم تھے، اس طرح انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت تکلیف دی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا تو وہ انہیں اٹھا کر بنی اسرائیل کے پاس لے گئے، ملائکہ نے ان کی موت کے متعلق بنی اسرائیل سے باتیں کیں، تب بنی اسرائیل کو معلوم ہوگیا کہ یہ خود بخود فوت ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بنی اسرائیل کے الزام سے بری کردیا پھر وہ ان کو لے کر چلے گئے اور دفن کردیا تو ان کی قبر کے متعلق ایک گدھ کے علاوہ کسی کو علم نہیں تھا، اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے گونگی بہری کردیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ﴾ (الصف: ۵)

''جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تم مجھے کیوں تکلیف دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں ہی تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔''

﴿وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ﴾ میں غور کرو یہ جملہ حالیہ ہے یعنی تم مجھے تکلیف دیتے ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہاری طرف رسول ہوں، یہ ان کی عناد اور سرکشی کی انتہاء تھی۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝﴾ (الصف: ٦)

''اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف رسول ہوں جو مجھ سے پہلے تورات ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک رسول کی خوشخبری دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا تو جب ان کے پاس وہ دلائل لے کر آئے تو انہوں نے کہا یہ ظاہر جادو ہے۔''

تو یہ ان کی تکلیف کا تھوڑا سا تذکرہ ہے ورنہ ان کا اپنے انبیاء کو قتل اور سرکشی کے ذریعہ تکلیف دینا بہت ظاہر ہے، اور ان کی بے حسی کو ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

یہ اپنے قول و فعل سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی تکلیف دینے کی کوشش کرتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل کردیا۔

انبیاء کرام کی توہین کا یہ واقعہ تورات کی طرف منسوب کیا، کہ نص میں موجود ہے کہ فساد اور خرابی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قوم

لوط کو ہلاک کیا اور ان کی طرح دو بیٹیوں کو نجات دے دی تو انہوں نے خیال کیا کہ زمین انسانوں کی نسل سے خالی ہو گئی، کوئی انسان باقی نہیں رہا تو چھوٹی نے بڑی سے کہا ہمارا باپ بوڑھا ہے اور زمین میں کوئی انسان نہیں جو ہمارے پاس انسانوں کی طرح آئے، آؤ ہم اپنے باپ کو شراب پلاتی ہیں پھر اس کے پاس سوئیں گی تاکہ ہم سے نسل باقی رہے تو انہوں نے بقول ان کے اسی طرح کیا۔

تو انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق یہ بات منسوب کی کہ وہ نشہ میں مست ہوئے یہاں تک کہ اپنی بیٹیوں کو بھی پہچان نہ سکے، ان سے وطی کی ان کو حاملہ کیا جبکہ وہ انہیں پہچانتے نہیں تھے تو ان سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا ''مواب'' تھا یعنی یہ وہ باپ سے ہے، اور دوسری کا لڑکا پیدا ہوا جس کا ''بنی عمو'' رکھا یعنی وہ اس قبیل سے ہے۔

بعض نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ کام تورات کے نزول سے پہلے کا ہے جبکہ اقارب کا نکاح حرام نہیں ہوا تھا، مگر تورات ان کی تکذیب کرتی ہے۔ کیونکہ اس میں ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اس زمانے میں ڈرے کہ کہیں ان کی بیوی سارہ کے ساتھ مصری ان کو قتل نہ کر دیں تو انہوں نے اس کے نکاح کو مخفی رکھا اور کہا کہ یہ میری بہن ہے کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ جب بہن کہوں گا تو ان لوگوں کو کوئی بدگمانی نہ ہوگی۔

یہ نہایت ظاہر دلیل ہے کہ اس وقت بہن سے نکاح حرام تھا تو بیٹی سے بالاولی حرام ہوگا جس سے نکاح کبھی بھی مشروع نہیں ہوا حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں بھی جائز نہیں تھا۔ تورات میں ان کے پاس اس سے بھی عجیب قصہ موجود ہے کہ یہوذ بن یعقوب علیہ السلام نے اپنے بڑے بیٹے کی شادی ایک عورت سے کی جس کا نام تامار تھا، وہ اس کے پاس اس کے پیچھے سے آتا تھا، تو اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل سے ناراض ہوا اور اس کو مار دیا، تو یہوذا نے اس کی شادی اپنے دوسرے بیٹے سے کر دی، وہ جب اس کے پاس جاتا تو انزال زمین پر گرا دیتا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کا پہلا بیٹا جو بھی ہوگا وہ اس کے پہلے بھائی کے نام سے پکارا جائے گا اور اسی کی طرف منسوب ہوگا، تو اللہ تعالیٰ کو اس کا یہ عمل پسند نہ آیا اور اس کو بھی مار دیا تو یہودا نے اس کو اپنے باپ کے گھر چلے جانے کا حکم دیا حتیٰ کہ اس کا بیٹا شبل بڑا ہو جائے اور اس کی عقل مکمل ہو جائے کیونکہ اس کو خطرہ تھا کہ اس کو بھی کہیں وہی چیز نہ پہنچ جائے جو ان کو پہنچی تھی تو وہ اپنے باپ کے گھر میں رہنے لگی پھر اس کے بعد یہودا کی بیوی مر گئی اور وہ تمنات نامی مقام پر چڑھ گیا تاکہ اپنی بکریوں کی دیکھ بھال کرے جب ''تامار'' کو اپنے خسر کے اس منزل پر چڑھنے کی خبر ملی تو زانیہ عورتوں کا سا لباس پہن کر اس کے راستے کے سامنے بیٹھ گئی کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ وہ بہت شہوت پرست ہے، جب وہ وہاں سے گزرا تو اس کو زناکار عورت سمجھا اور اس کو برائی کی طرف بلایا تو اس نے اجرت مانگی اس نے اس کو ایک بکری کے بچے کا وعدہ کیا اور اس کے پاس اپنی انگوٹھی اور عصا رکھ دیا، پھر وہ اس پر داخل اور ہم بستر ہوا وہ اس سے حاملہ ہو گئی جب یہوذا کو بتایا گیا کہ وہ اس کی بھاوج ہے اور زنا سے حاملہ ہوئی ہے تو اس نے اس عورت کو جلا دینے کا حکم دیا اس عورت نے اس کو اس کی انگوٹھی اور عصا بھیجا اور کہا ان دونوں چیزوں کے مالک سے وہ حاملہ ہے تو اس پر یہوذے نے کہا اس نے سچ کہا اور مجھ سے یہ کام ہوا اس پر عذر کیا کہ میں نے اس کو پہچانا نہیں تھا اور اس کی طرف دوبارہ اس کے پاس آنے کو حرام سمجھا اور اس کو اپنے بچے کے سپرد کرنے کو بھی اور اس زنا سے اس کا بیٹا ''فارص'' پیدا ہوا وہ کہتے ہیں داؤد نبی علیہ السلام اسی عورت کی اولاد سے تھے۔

اس واقعہ میں انہوں نے نبوت کے گھرانے کو زنا اور کفر کی جانب منسوب کیا۔ اس کے قریب قریب انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی نسبت بھی کیا۔

یہ سب کا سب ان کے پاس موجود ہے اور اور ان کی کتاب کی نص میں ہے اور وہ اس بات کو حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کی طرف اور ان کے مسیح المنتظر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اور عجیب بات ہے کہ وہ مسلمانوں کو ان کے بچے سمجھتے ہیں اور وہ ان کا نام ممزیریم رکھتے ہیں جس کا واحد ممزیر ہوتا ہے اور یہ ولد الزنا کو کہتے ہیں، کیونکہ ان کی شریعت میں یہ ہے کہ خاوند اگر اپنی بیوی سے دوسرے خاوند سے نکاح کرنے کے بعد رجوع کر لے تو ان کی اولاد اولا دالزنا ہوگی۔

اور کہتے ہیں کہ اسلام کی شریعت میں جو بھی اس موضوع سے ہے وہ عبداللہ بن سلام کے موضوعات سے ہے، اس سے عبد اللہ بن سلام کا ارادہ یہ تھا کہ مسلمان بچوں کو ممزیریم بزعم ان کے بنایا جائے۔

وہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے یہ خوابیں دیکھیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ ایک حکومت والے ہیں، تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے شام کی طرف تجارت کا سفر کیا تو آپ وہاں یہود علماء کے ساتھ ملے اور ان کے سامنے یہ خوابیں ذکر کیں تو انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ صاحب حکومت ہوں گے، وہ آپ کو عبداللہ بن سلام کے پاس لے گئے انہوں نے آپ کو کچھ عرصہ تورات کے علوم اور فقہ پڑھائے اور ان یہودیوں نے قرآن مجید کا اعجاز و فصاحت عبداللہ بن سلام کی طرف منسوب کیا۔

وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام کی تقریرات سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ تین طلاقیں دی گئی عورت دوسرا خاوند کئے بغیر پہلے خاوند کے پاس نہیں آ سکتی تا کہ وہ مسلمانوں کے بچوں کو بھی اولاد زنا بنا دے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسا بہتان ان کے بہت سے گدھوں پر چلتا ہے اور رائج ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر باطل اور بہتان کے لیے اس کے حاملین بھی پیدا کیے ہیں جس طرح اس نے حق کے حاملین پیدا کیے۔

اور یہ چیز اس قسم کے لوگوں سے کوئی تعجب انگیز نہیں جو اپنے معبود اور الہ پر جرح وقدح کریں اور اس کی طرف ایسی باتیں منسوب کریں جو اس کی شان کے ساتھ نہیں ملتیں اور مناسبت نہیں رکھتیں اور وہ اپنے انبیاء کی طرف بھی نامناسب باتیں منسوب کرتے ہیں اور انہیں کبائر و عظائم سے متہم کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں سے کوئی بعید نہیں ہے کہ وہ حضرت محمد ﷺ کو جو نہایت معزز بزرگ و محترم ہیں۔ ایسے ہی مطاعن و معایب کی طرف منسوب کریں اور آپ کا ان سے دشمنی رکھنا اور لڑائیاں کرنا اور انہیں ان کے گھروں اور مالوں سے نکال دینا اور ان کی اولاد اور بیویوں کو قید کرنا یہ سب معلوم ہے، ان میں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں۔

اس غضبی امت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہا اور انہیں بدکار عورت کا بیٹا قرار دیا اور انہیں بدکاریوں کی طرف منسوب کیا۔

انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی طرف یہ منسوب کیا کہ انہوں نے شراب پی کر، نشے میں اپنی بیٹیوں سے بدکاری کی اور ان سے اولاد جنی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف یہ منسوب کیا کہ وہ جادوگر بادشاہ تھے اور ان کے والد اُن کے خیال میں مسیح بادشاہ تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف یہ منسوب کیا کہ انہوں نے اپنی اور اپنی مالکن کی شلوار کا بٹن کھولا اور وہ اس جگہ بیٹھے جہاں خاوند اپنی بیوی کے پاس جماع کے وقت بیٹھتا ہے اور دیوار پھٹی تو انہوں نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا جو اپنی انگلیوں کو کاٹ رہے تھے، آپ پھر بھی نہ اٹھے حتیٰ کہ حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے: یوسف تم زنا کاروں میں سے ہو جاؤ گے حالانکہ تم اللہ کے ہاں انبیاء میں شمار ہوتے ہو تو تب وہ اٹھے۔

یہ بات واضح ہے کہ اس طرح کا ترک گناہ بالکل قابل تعریف نہیں ہے۔ کیونکہ سب سے بدکار آدمی بھی جب ایسی برائی کے وقت اپنے باپ کو دیکھتا ہے تو بھاگ جاتا ہے اور بے حیائی ترک کر دیتا ہے۔

ان میں سے کچھ وہ بھی جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام علماء میں سے تھے بیماروں کا علاج دوائیوں سے کرتے تھے اور لوگوں کو یہ وہم دلاتے تھے کہ یہ نفع ان کی دعا سے حاصل ہوا ہے۔ ایک دفعہ ہفتے کے دن بیماروں کی ایک جماعت کا علاج کیا تو یہود نے ان پر اعتراض کیا انہوں نے کہا مجھے بتاؤ اگر ایک بکری کنوئیں میں گر جائے کیا اسے چھوڑانے کے لیے اور نکالنے کے لیے ہفتے کے دن نہیں اترو گے، تو وہ کہنے لگے کیوں نہیں، تو انہوں نے فرمایا پھر تم نے بکری کو بچانے کے لیے ہفتے کے دن کو حلال کیوں کر لیا حالانکہ انسانوں کو بچانے کے لیے ہفتے کے دن میں علاج وغیرہ کرنے کو روکتے ہو۔ جبکہ انسان تو حیوانوں سے زیادہ قابل احترام ہے، تو وہ خاموش رہے اور لاجواب ہو گئے۔

بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک پہاڑ میں اپنے کچھ شاگردوں کے ساتھ گئے وہاں انہیں کھانا میسر نہ ہو سکا تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو گھاس وغیرہ ہفتے کے دن کھانے کی اجازت دے دی، تو یہود نے ہفتے کے دن گھاس کاٹنے پر اعتراض کیا انہوں نے ان کو کہا بتاؤ اگر تم میں سے کوئی اکیلا غیر مذہب والے لوگوں میں ہو اور وہ اس کو حکم دیں کہ سبزہ کاٹ کر ان کے جانوروں کے آگے ڈال دو، ان کا مقصد ہفتے کے دن کو بے کار اور باطل کرنا نہ ہو تو کیا تم اس کو وہ سبزہ کاٹنے کی اس کو اجازت دو گے، انہوں نے کہا ہاں کیوں نہ دیں ضرور دیں گے، تو انہوں نے فرمایا کہ ان لوگوں کو میں نے سبزہ وغیرہ کاٹ کر کھانے اور غذا بنانے کا حکم دیا ہے، ہفتے کے دن ان کو باطل کرنے کے لیے نہیں دیا۔

عجیب بات ہے کہ تورات ان کے ہاتھ میں ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ آل یہوذا اور راسم کی حکومت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے تک ان میں رہے گی وہ اس کا انکار نہیں کر سکتے۔

تو انہیں کہا جائے گا تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے تک حکومت والے تھے، تو تمہارا کوئی ملک بھی نہ بچ سکا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے ہیں، جب مسیح مبعوث ہوئے اور انہوں نے ان کے ساتھ کفر کیا اور ان کے قتل کا مطالبہ کرتے رہے، اس وقت روم کے بادشاہ ان پر غالب رہے اور وہ بیت المقدس پر قابض رہے اور یہود کی حکومت مفتوح ہو چکی تھی اور ان کی جمعیت ختم ہو گئی تھی۔

پھر انہیں کہا جائے گا تم عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا کہتے ہو۔ وہ کہیں گے وہ یوسف ترکھان کا بیٹا تھا بدکاری کا نتیجہ کا تھا ہدایت کا نہ

تھا۔اس نے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم معلوم کرلیا تھا جس سے بہت سی چیزوں کو وہ مسخر کرلیتے تھے۔

یہ غضبی امت یہ بھی کہتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا وہ نام بتادیا تھا، جو بیالیس حروف سے مرکب ہوتا ہے، اسی سے سمندر پھٹ گیا تھا اور معجزات دکھائے تھے، تو انہیں کہا جائے گا کہ اگر اس نے اللہ کے نام سے معجزات کا اظہار کیا تو تم ان کی نبوت کی کیوں تصدیق کرتے ہو اور ان کو نبی مانتے ہو مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے ہو۔

بعض نے اس الزام کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ نام سکھایا تو انہوں نے وہ وحی کے ذریعے معلوم کیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو بیت المقدس کی دیواروں سے سیکھا تھا۔

یہ بہتان اور جھوٹ جو انہوں اللہ اور اس کے نبیوں پر باندھا ہے ان سے اسی کی توقع تھی اور ایسی چیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے معلوم کرنے سے ان کو مانع ہے۔ کیونکہ دونوں رسول معجزات اور آیات و دلائل میں برابر ہیں کہ ان جیسے معجزات کوئی بھی نہیں لاسکتا تھا، اگر ایک نے ان میں سے کسی حیلے سے یا علم سے معلوم کرلیا تو دوسرے کے حق میں بھی یہ ممکن ہے اور ان دونوں نے یہ بتایا کہ اللہ نے ان کے ہاتھ سے ان معجزات کا اظہار کیا ہے اور یہ ان کا اپنا ذاتی کام نہیں ہے لہٰذا ایک کی تکذیب دوسرے کی تکذیب ہے اور یہ ایک جیسی دو چیزوں میں تفریق کرنا ہے۔

نیز اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ یہ معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے حاصل کیے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے نہیں لیے، بلکہ انہوں بھی اسی سے حاصل کیے، اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں قدح ممکن ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت میں بھی ممکن ہے، اگر یہ چیز باطل ہے تو دوسری بھی باطل ہے۔

جب ان دونوں رسولوں کے معجزات کی یہ حالت ہے۔ حالانکہ ان کا زمانہ بھی دور ہوگیا اور زمین میں ان کی امتیں بھی متفرق ہوگئیں اور ان کے معجزے بھی ختم ہوگئے تو وہ ذات جس کے معجزات ہزار سے بھی زائد ہیں اور ان کا وقت بھی قریب کا ہے اور ان کے ناقلین تمام زمین والوں سے سچے اور نیک تھے اور قرن در قرن ان کا نقل کرنا بھی متواتر ہے اور سب سے بڑا معجزہ وہ کتاب ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی، ہر وقت تر و تازہ عمدہ اور نرم ہے جس میں تغیر و تبدل بالکل ناممکن ہے بلکہ گویا کہ وہ ابھی ابھی نازل ہوا ہے اور وہ کتاب قرآن مجید جو کچھ اس نے خبر دی وہ اپنے وقت میں اسی طرح ہی وقوع پذیر ہوا جس طرح اس نے بتایا تھا گویا کہ وہ اسے آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔

فصل: بعض انبیاء سے کفر سب سے کفر ہے

کسی یہودی کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا تو معترف ہوجائے مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت نہ مانے۔ اسی طرح کسی عیسائی کے لیے یہ ناممکن ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مان لے مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اقرار نہ کرے۔

اس کی وضاحت اس طرح کہ ان دو امتوں سے کہا جائے گا کہ تم نے جب ان دونوں رسولوں کو نہیں دیکھا اور نہ ہی تم نے ان کی نشانیاں اور انؑ کی نبوت کے دلائل ہی دیکھے تو کیسے ممکن ہے کہ ایک عقل مند آدمی کسی سابقہ دعوت اور روشن دلائل والے نبی کی تکذیب کردے مگر جو اُس جیسا بلکہ اس کے قریب قریب بھی نہ ہو اس کو مان لے، کیونکہ اس نے تو دونوں کو نہیں دیکھا بلکہ اس نے

ان کے دلائل ومعجزات بھی نہیں دیکھے تو جب اس نے ایک کی تکذیب کی تو اس کو دوسرے کی بھی تکذیب لازم آئے گی اور اگر ایک کی تصدیق کرے تو دوسرے کی بھی تصدیق کرنا پڑے گی لہٰذا: جس شخص نے ایک نبی کی تکذیب کی اس نے گویا تمام نبیوں کی تکذیب کی اور اس ایک نبی پر ایمان لانا اس کے لیے مفید نہیں ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾ (النساء: ۱۵۰۔ ۱۵۲)

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں فرق کریں کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے اور بعض سے کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں اس کے درمیان کا راستہ اختیار کریں یہی لوگ پکے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کیا ہے، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور کسی ایک کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور ان کے اجر دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ﴾ (البقرة: ۲۸۵)

''پیغمبر ﷺ اور تمام مؤمن اللہ تعالیٰ پر اور اس فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائے (وہ کہتے ہیں) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے۔''

ہم مغضوب علیہ شخص سے کہیں گے کہ کیا تو نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یا ان کے معجزات کو دیکھا ہے وہ ضرور کہے گا کہ نہیں، تو ہم کہیں گے تو نے ان کی نبوت اور سچائی کیسے معلوم کی، تو اس کے دو جواب ہیں:

1. وہ کہے گا کہ میرے باپ نے مجھے بتایا اور خبر دی۔
2. تواتر اور دیگر امتوں کی شہادت سے یہ معلوم ہوا؟ اور تحقیقاً ثابت ہوا، جس طرح دور کے شہروں اور مشہور نہروں کا بن دیکھے لوگوں کی شہادت واطلاع سے پتہ چلا۔

اگر اس نے پہلا جواب پسند کیا اور کہا کہ میرے باپ کی اطلاع اور شہادت ان کی نبوت کی تصدیق کا سبب بنا تو ہم کہیں گے تمہارا باپ اس کے متعلق سچا اور جھوٹ سے پاک کیوں ہے، تمہیں معلوم ہے کہ کفار اپنی اولاد کو وہ کچھ سکھاتے ہیں جو تمہارے نزدیک کفر ہے جب تم دیکھتے ہو کہ باطل دین اور فاسد مذہب کو لوگوں نے اپنے آباء سے ہی لیا ہوتا ہے، جس طرح تم نے اپنے باپ سے لیا ہے اور تم جانتے ہو کہ وہ گمراہی میں ہیں۔ لہٰذا تم نے جو کچھ اپنے باپ سے اخذ کیا ہے، اس کی تحقیق کرنا تم پر لازم ہے

کہ کہیں وہ انہیں کی طرح غلط نہ ہو۔

اگر وہ کہے کہ میرا باپ ان سے سچا، سمجھدار اور افضل ہے تو یہ بات سب لوگ اپنے باپوں کے متعلق کہتے ہیں۔

اگر وہ کہے کہ میں اپنے باپ کو اچھی طرح جانتا ہوں اور کسی دوسرے کو نہیں جانتا تو اسے کہا جائے گا کہ تمہیں یقین ہے کہ تمہارے باپ سے کسی دوسرے کا باپ زیادہ سمجھدار، سچا اور افضل نہیں ہو سکتا۔

بہر حال اگر اپنے باپ کی تقلید اس کے لیے درست اور صحیح دلیل ہے تو کسی اور کے لیے بھی درست ہے، اگر کسی اور کے لیے باطل ہے تو اس کے باپ کے لیے بھی باطل ہے۔

اگر وہ اپنے اس جواب سے رجوع کر لے اور دوسرا جواب اپنا لے اور کہے کہ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر شہادت دیگر امتوں کی شہادت سے دی ہے جو نسل در نسل تواتر سے ثابت ہے، کیونکہ اِتنے لوگوں نے ان کے غالب آنے، معجزات دکھانے اور دلائل و براہین کی خبر دی ہے کہ ان کی تصدیق مجھے وہ مجبور کرتی۔

پھر اسے کہا جائے گا تجھے یہ جواب نفع مند نہیں ہے کیونکہ تو نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور محمد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے دلائل جو بالتواتر ثابت ہیں وہ نہیں مانے۔

اگر تم کہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ان کے معجزات اور دلائل و آیات اتنے تواتر سے ثابت ہیں جتنے تواتر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ثابت نہیں۔

تو کہا جائے گا کہ اس غضبی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی بہتان کافی ہے۔

کیونکہ سب امتوں نے ان کا بہتان طراز ہونا معلوم کر لیا ہے، ورنہ معلوم ہے کہ معجزات مسیح علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے کئی گنا زیادہ تھے اور ان کے وہ معجزے جو پہلے لوگوں نے دیکھے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے معجزوں سے کم نہ تھے۔ ان کو لوگوں نے نسل در نسل نقل کرتے رہے اور تم تواتر کی خبر کو نہیں جانتے، اس لیے تم پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ان کا اقرار نہ کرو یہ بات تو ہر ایک جانتا ہے کہ جو شخص ایک بات مانتا ہو مگر اس کی نظیر کا انکار کرتا ہو تو اس نے تناقض پیدا کر دیا۔

جب ایک زمانے میں ایک نبی مشہور ہو جائے اس کی نبوت بھی صحیح ہو جائے بوجہ اُن دلائل کے جو اس وقت والوں کے لیے ظاہر ہوئے ہوں اور اس کی خبر دوسرے زمانے تک پہنچ گئی ہو، تو اس کی تصدیق اور اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے۔ اس معاملے میں حضرت موسیٰ، عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب برابر ہیں اور شاید کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شہادتوں کا تواتر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادتوں سے کمزور تر ہو کیونکہ غضبی امت کو اللہ تعالیٰ نے مکمل طور پر توڑ پھوڑ دیا اور پوری زمین میں توڑ پھوڑ کر پھیلا دیا اور ان کی حکومت اور عزت چھین لی، اس لیے وہ کسی دوسری امت کے زیر سایہ ہی زندگی گزار سکتے ہیں۔ بخلاف امت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ تو تمام زمین میں پھیل گئے ہیں اور ان میں بادشاہ بھی ہیں اور ان کی حکومتیں ہیں اور حنفاء کے ممالک زمین کے مشارق و مغارب میں بھرے پڑے ہیں، نرم اور سخت زمین کو اپنے وجود سے انہوں نے بھر دیا، تو ان کی نقل کردہ بات کس طرح جھوٹ

ہوسکتی ہے اور غضبی گمنام، قلیل اور ختم ہونے والی اُمت کس طرح سچی ہوسکتی ہے تو ثابت ہوگیا کہ روئے زمین پر یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ کی نبوت کی تصدیق کے بغیر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کی جائے، اسی طرح ممکن نہیں ہے کہ کوئی عیسائی حضرت محمد ﷺ کی تصدیق کیے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کر سکے اور ان دونوں کو مسلمانوں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دے سکتا کیونکہ ان کا ایمان دونوں پر حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ پر ہے، اور ان پر نازل کردہ چیز کی وجہ سے ہے اگر آپ نہ ہوتے تو مسلمان نہ ہی ان نبوت کو جانتے اور نہ ہی مانتے۔

خصوصاً جبکہ غضبی امت کے ہاتھ میں اپنے انبیاء کی طرف سے کوئی ایسی چیز بھی نہیں جس پر ایمان لانا ضروری ہوتا اگر قرآن مجید نہ ہوتا تو سابقہ انبیاء کی نشانیوں کے متعلق ہم کچھ بھی جان نہ سکتے، حضرت محمد ﷺ نے اور ان کی کتاب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو ثابت کیا جبکہ یہود ونصاریٰ نے یہ کام نہیں کیا۔

بلکہ ان کا صرف ظہور اور تشریف آوری ہی ان کی نبوت کی تصدیق ہے، کیونکہ آپ کے متعلق ان دونوں نے خبر اور بشارت دی تھی، اللہ کے اس فرمان کے دو معنوں میں سے ایک یہی ہے:

﴿وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ۝ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ۝﴾

(الصافات: ۳۶، ۳۷)

''اور کہتے ہیں کیا ہم ایک شاعر دیوانہ کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں بلکہ وہ سچ لے کر آیا اور رسولوں کی تصدیق کی۔''

یعنی آپ ﷺ کا آنا ہی پیغمبروں کی تصدیق کرتا ہے، اور یہ دو طرح پر ہے، ایک تو ان کے آنے کے متعلق ان رسولوں کے بتانے سے، دوسرا انہیں کی طرح ان کے خبر دینے سے اور جو کچھ وہ لائے تھے اس کے ان کی لائی ہوئی چیز کے ساتھ مطابق ہونے سے، کیونکہ پہلا رسول جب کوئی حکم لاتا ہے تو وحی سے ہی معلوم ہوتا ہے پھر دوسرا نبی آتا ہے جو نہ ہی زمان و مکان میں پہلے کے ساتھ ملنے والا ہے اور نہ ہی اس سے وہ چیز لی جو وہ لایا، اور پھر وہی کچھ بتایا جو اس نے بتایا تھا یہ چیز ان دونوں کے سچے ہونے کی دلیل ہے، پہلے کے بھی اور دوسرے کے بھی، اور یہ اس طرح ہوگیا جس طرح دو آدمی ہوں جن میں سے ایک دیکھ کر خبر دے پھر دوسرا کسی دوسرے شہر اور کنارے سے آیا اور معلوم بھی ہو کہ یہ دوسرا اس پہلے سے ملا بھی نہیں اور نہ اس سے کچھ لیا ہے اور نہ ہی اس کو ملا ہے جس نے اس سے کچھ حاصل کیا ہو مگر اس نے بھی وہی کچھ بتایا جو کچھ پہلے نے بتایا ہو تو سننے والا دونوں کے سچا ہونے کی تصدیق پر مجبور ہوگا۔

اور دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ پہلے انبیاء کی کسی بھی چیز کی تکذیب نہیں کرتا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی عیب لگاتا ہے، جس طرح پہلے گزرے ہوئے بادشاہوں کے ساتھ بعد میں غالب آنے والے کرتے ہیں بلکہ یہ ان کی تصدیق کرتا ہے، ان کی نبوت کی گواہی دیتا ہے۔ اگر جھوٹا ہو بناوٹی بات اور سیاست سے کرنے والا ہوتا تو پہلے کی تصدیق نہ کرتا بلکہ پہلے والوں پر عیب لگاتا، ان پر طعن کرتا جس طرح انبیاء کے دشمن کرتے ہیں۔

فصل: تورات میں تحریف اور تبدیلی

جو تورات اب لوگوں کے پاس موجود ہے اس کے متعلق لوگ اختلاف کرتے ہیں کہ کیا یہ تبدیل شدہ ہے اور تحریف صرف تفسیر و تاویل میں واقع ہوئی ہے تنزیل میں نہیں؟ اس بارے میں تین قول ہیں، دو قول دونوں طرف ہیں اور ایک متوسط ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک یہ افراط ہے کہ وہ کہنے لگے ساری تورات یا اس کا اکثر حصہ تبدیل شدہ ہے یہ وہ تورات نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی۔ ایسے لوگوں نے اس میں تناقص اور ایک دوسرے کی تکذیب کو دلیل بنایا اور کچھ نے اتنا غلو کیا کہ کہنے لگے کہ اس کو پیشاب کے بعد بطور ڈھیلا استعمال کرنا درست ہے۔

اس کے بالمقابل کچھ لوگ ائمہ حدیث وفقہ اور کلام والے ہیں جو کہتے ہیں کہ اس میں تبدیلی صرف تفسیر و تاویل میں ہوئی ہے اصل منزل من اللہ میں نہیں ہوئی۔ یہ مذہب امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری کا ہے، وہ اپنی صحیح ہی میں کہتے ہیں:

یحرفون کا مطلب یزیلون: یعنی وہ زائل کرتے ہیں، اور کوئی شخص بھی اللہ کی کتابوں میں سے کسی کتاب کا کوئی لفظ نہیں بدلتا بلکہ وہ لوگ اس کی اصلی تاویل وتفسیر کے علاوہ اور تاویلیں کرتے ہیں۔

یہی امام رازی کا پسندیدہ مذہب ہے جو ان کی تفسیر میں ہے۔

ہم نے اپنے شیخ سے سنا وہ کہتے تھے اس مسئلے کے متعلق بعض فضلاء میں اختلاف ہوا تو انہوں نے یہی مذہب پسند کیا، اس کے علاوہ سب کو کمزور قرار دیا، جب ان پر اعتراض و انکار ہوا تو انہوں نے پندرہ دلیلیں انہیں نکال کر دیں۔ ان لوگوں کی دلیل یہ بھی ہے کہ تورات سب زمین مشارق و مغارب پر چھا گئی اور جنوب وشمال میں پھیل گئی اور اس کے نسخے اتنے کثرت میں تھے کہ ان کی تعداد صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ تمام لوگ تمام نسخوں میں بالاتفاق تبدیلی کر دیں کہ ایک نسخہ بھی بغیر تبدیلی کے نہ رہے اور تبدیلی بھی ایک ہی طریق پر ہو یہ ایسی بات ہے کہ جس کو عقل نہیں مانتی۔ اور اس کو باطل کر کے محال گردانتی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہود کے خلاف دلیل دیتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٩٣﴾﴾ (آل عمران: ۹۳)

''کہہ دیجیے لاؤ تورات پھر پڑھو اس کو اگر تم سچے ہو۔''

انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہود نے رجم کی فرضیت کے ترک پر اجماع کر لیا تھا، مگر تورات سے بدلنا یا ختم کرنا ان کے لیے ممکن نہ تھا، اسی لیے جب انہوں نے تورات کو نبی ﷺ پر پڑھا تو پڑھنے والے نے اپنا ہاتھ رجم کی آیت پر رکھ دیا تھا عبداللہ بن سلام نے کہا کہ رجم کی آیت سے اپنا ہاتھ اٹھاؤ اس نے ہاتھ اٹھایا تو رجم کی آیت نیچے سے چمکنے لگی۔ اگر انہوں نے اس تورات کو بدل دیا ہوتا تو یہ آیت بدلنے کی انہیں زیادہ ضرورت تھی نیز انہوں نے کہا: نبی ﷺ کی صفات اور خروج کی جگہ جو تورات میں بالکل ظاہر ہے، یہ باتیں نہیں بدلتے حالانکہ انہیں بدلنا ان کے لیے ممکن نہ تھا اللہ تعالیٰ نے حق چھپانے پر ان کی مذمت کی ہے۔

اور جب کوئی ان کے پاس موجود دلائل پیش کرتا ہے، تو وہ کہتے ہیں: یہ وہ نہیں اس کا تو ہم انتظار کر رہے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ ابوداؤد نے سنن میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہود کے کچھ لوگ آئے انہوں نے

نبی ﷺ کو وادی قف میں بلایا، تو آپ وہاں ان کے بیت المدراس میں چلے گئے، انہوں نے کہا ابوالقاسم، ہم میں سے ایک آدمی نے ایک عورت سے زنا کیا ہے، آپ فیصلہ کریں انہوں نے آپ کے لیے ایک تکیہ رکھا، تو آپ اس پر بیٹھے، پھر فرمایا تورات لے کر آؤ وہ لائی گئی تو آپ نے نیچے سے تکیہ نکال دیا اور تورات اس پر رکھ دی پھر فرمایا آمنت بك و بمن انزل کہ میں تجھ پر اور جس نے تجھ کو نازل کیا اس پر ایمان لایا ہوں، پھر فرمایا تم اپنے میں سے سب سے بڑا عالم لاؤ تو وہ ایک نوجوان لڑکا لائے پھر رجم کا قصہ ذکر کیا۔

انہوں نے کہا اگر تورات تبدیل شدہ ہوتی تو آپ اس کو تکیے پر نہ رکھتے اور نہ ہی یوں فرماتے۔ آمنت بك و بمن انزلك میں تجھ پر اور جس نے تجھے نازل کیا اس پر ایمان لایا ہوں۔

انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے یوں بھی فرمایا:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝﴾ (الانعام: ۱۱۵)

''اور پوری ہوگئی بات تیرے رب کی سچائی اور انصاف سے اس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی بھی نہیں اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

اور وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی تعریف اور صفات اور علامات کو چھپانے اور اپنی اولاد اور عوام کو بھی اس کے بتلانے سے منع کرنے کے آثار بہت اور مشہور ہیں اور جو شخص اس پر مطلع ہو جاتا اس کو کہتے کہ یہ وہ نہیں ہے۔

اس فریق کے یہ دلائل تھے:

ان کے درمیان ایک تیسرا فریق ہے جو کہتا ہے کہ کچھ تھوڑا حصہ زائد ہے اور بہت کم تبدیل شدہ ہے۔ اکثر حصہ اتاری گئی شکل پر باقی ہے تھوڑے سے الفاظ بدلے گئے ہیں۔

یہ مسلک ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح میں بیان کیا ہے، انہوں نے کہا یہ اس طرح ہے جیسا کہ ان کے پاس تورات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا:

(اذبح ولدك بكرك ووحيدك اسحق)

''یعنی اپنے پہلے اور اکلوتے بیٹے اسحٰق کو ذبح کر ڈالو۔''

یہاں ''اسحاق'' تورات کی عبارت میں ان کی طرف سے اضافہ ہے۔

میں کہتا ہوں یہ بات قطعی طور پر دس وجوہ سے باطل ہے۔

❶ ایک یہ ہے ان کا پہلوٹھا اکلوتا بیٹا تینوں مذاہب کے اتفاق سے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں، تو پہلوٹھا اور اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبح کرنے کو جمع کرنا جمع بين النقيضين ہے، یعنی دو متضاد باتوں کو جمع کرنا ہے۔

❷ دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ ہاجرہ اور ان کے بیٹے اسماعیل کو سارہ سے لے جا کر صحرائے مکہ میں بسائے تا کہ سارہ بددل نہ ہو جائے، اس لیے تو لونڈی اور اس کے بیٹے کو سارہ سے دور کرنے کا حکم دیا تا کہ

اس کے دل کی حفاظت ہو اور اسے غیرت کی تکلیف سے بھی بچائے، تو کیسے اللہ تعالیٰ اسی سارہ کے بیٹے کو ذبح کرنے اور لونڈی[1] کے بیٹے کو باقی رکھنے کا حکم دیتے، یہ بات حکمت اور عقل مندی کے خلاف ہے۔

3. تیسری وجہ یہ ہے کہ ذبح کا قصہ قطعی طور پر مکہ میں ہی تھا۔ اسی لیے ھدایا اور قربانیاں ذبح کے لیے مکہ کی طرف بھیجی جاتی ہیں۔ تاکہ لوگوں کے لیے حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے کے قصے کی یادگار ہو۔

4. چوتھی وجہ اللہ تعالیٰ نے ام اسحق علیہ السلام حضرت سارہ کو اسحق علیہ السلام کی خوشخبری دی اور اسحق کے بعد یعقوب علیہ السلام کی جیسا کہ، فرمایا:

﴿ بِاِسۡحٰقَ ۙ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ ﴾ (ھود: ۷۱)

یہاں اللہ تعالیٰ نے اسحق کی اور ان کے بعد ان سے یعقوب کی اکٹھی بشارت دی، تو اگر اسحق علیہ السلام کو ذبح کا حکم فرمایا جاتا تو ان کے بیٹے حضرت یعقوب کی بطور اسحق علیہ السلام کے بیٹا ہونے کے کیسے بشارت درست ہوسکتی ہے، یعنی اللہ انہیں ذبح کا حکم بھی دے رہا ہے اور ساتھ ہی ان کی اولاد کی بشارت دے رہا ہے۔

5. پانچویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس وقت ذبیح کا قصہ بیان کیا کہ انہوں نے کس طرح اپنی جان اللہ تعالیٰ کے سپرد کردی اور کس طرح حضرت ابراہیم نے ان کے ذبح کرنے میں پیش قدمی کی اور اس قصہ سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا:

﴿ وَبَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴾ (الصافات: ۱۱۲)

''یعنی ابراہیم علیہ السلام کو اسحق علیہ السلام کی بشارت دی جو نیکوں میں سے نبی تھے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس فرمانبرداری کی قدر کی اور اس کے بدلے میں بطور ثواب اسحق علیہ السلام عطا فرمائے، پھر اسماعیل علیہ السلام کو ذبح ہونے سے بچالیا۔ بلکہ اسحق علیہ السلام اضافی انعام دے دیے۔

6. چھٹی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے اولاد مانگی تو اللہ تعالیٰ نے دعا سن لی اور اولاد عنایت فرمانے کی بشارت دے دی، جب وہ بچہ ان کے ساتھ چلنے پھرنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ذبح کرنے کا حکم دے دیا، چنانچہ فرمایا:

﴿ وَقَالَ اِنِّىۡ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىۡ سَيَهۡدِيۡنِ ۞ رَبِّ هَبۡ لِىۡ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۞ فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيۡمٍ ﴾

(الصافات: ۱۰۱)

''ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تو کہنے لگے میں اپنے رب کی طرف جارہا ہوں وہ مجھے ہدایت دے گا، اے میرے رب میرے لیے نیک اولاد بخش دے، تو ہم نے ان کو حوصلے والا لڑکا دیا۔''

تو یہ دلیل ہے کہ اس بچے کی بشارت اللہ تعالیٰ نے دعا کرنے اور اپنے رب سے مانگنے کے بعد عطا فرمائی اور یہ جس کی بشارت دی گئی ہے قطعاً قرآنی نص سے یہی بچہ ذبح کیے جانے والا ہے۔

اور حضرت اسحق علیہ السلام کی بغیر ان کی دعا کے بڑھاپے میں بشارت دی گئی اور اس وقت اولاد ہونے کی بشارت دی گئی، جبکہ اس جیسوں کا بچہ نہیں ہوتا اور یہ بشارت حضرت سارہ کو دی گئی جس نے اس سے سخت تعجب کیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] اگر لونڈی کا لفظ اہل کتاب کے زعم کے مطابق ہے تو بجا ہے، لیکن فی الواقع حضرت ہاجرہ ایک آزاد خاتون تھیں اور ایک علاقے کے بادشاہ کی دختر تھیں، اس طرح وہ لونڈی ہرگز نہیں تھیں۔ (مترجم)۔

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۞ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۞ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۞ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۞ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾

(ھود: ۶۹۔ ۷۳)

’’جب ہمارے رسول ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لائے تو کہنے لگے سلام ہو تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی سلام کا جواب دیا تو زیادہ دیر نہ ٹھہرا کہ ایک بھنا ہوا بچھڑا وہ لے کر آ گئے۔ جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس بھنے ہوئے بچھڑے کی طرف نہیں اٹھ رہے تو ان کو اجنبی اور غیر خیال کیا اور ان کے دل میں خوف پیدا ہو گیا انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ان کی عورت کھڑی تھی وہ ہنس پڑی تو ہم نے اس کو اسحق علیہ السلام کی بشارت دی اور اسحق علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام کی اس نے کہا افسوس میرا بچہ ہو گا جبکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے خاوند بھی بوڑھے ہو گئے ہیں یہ تو عجیب بات ہے۔ انہوں نے کہا کیا تم اللہ تعالیٰ کے کام سے تعجب کر رہی ہو۔‘‘

تو اس بشارت پر غور کرو اور دوسری بشارت پر بھی غور کرو تو تمہیں یہ دو بشارتیں نظر آئیں گی جو ایک دوسرے میں مختلف ہیں کہ ایک کا مخرج اور ہے دوسری کا اور، پہلی بشارت ابراہیم علیہ السلام کو دی تھی اور دوسری بشارت حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو تھی۔ پہلی بشارت وہی ہے کہ جس کے ذبح کا حکم دیا اور دوسری اس طرح نہیں تھی۔

7. ساتویں وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسحق علیہ السلام کو کبھی بھی لے کر مکہ نہیں گئے، اور انہیں کبھی بھی اپنی ماں سے الگ نہیں کیا، تو کیسے اللہ تعالیٰ اس کے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیتے اور پھر ان کی سوکن کے شہر میں اور اس کی رہائش گاہ میں، اور اس کی سوکن کے بیٹے کو ذبح نہ کریں اور اس کے بیٹے کو ذبح کریں۔

8. آٹھویں وجہ یہ ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا اور خلت کا تقاضا یہ ہوا کہ ان کا دل ہر وقت اللہ کے ساتھ معلق ہو اور اس میں کسی دوسرے کا حصہ نہ ہو، تو جب اللہ سے انہوں نے اولاد مانگی اللہ نے ان کو اسماعیل علیہ السلام بخشے تو ان کے دل کا کچھ حصہ اپنے اس بیٹے کے ساتھ لگ گیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ یہ حصہ بھی میرے لیے ہونا چاہیے، میرے سوا کسی کے لیے نہیں ہونا چاہیے تب اللہ تعالیٰ نے ان کو بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم دے کر ان کو آزمایا، جب وہ فرمانبرداری کے لیے تیار ہو گئے تو یہ حصہ اللہ کے لیے خالص ہو گیا پھر اس حکم ذبح کو منسوخ کر دیا، کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا یعنی عزم کی پختگی اور نفس کی فرمانبرداری۔

یہ بھی معلوم ہے کہ یہ کام پہلی اولاد کے متعلق ہی ہوسکتا ہے آخری میں نہیں ہوسکتا، تو جب مقصد پہلی اولاد سے حاصل ہو گیا

پھر آخری کے ساتھ اس طرح کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اگر آخری بچے کی محبت خلت میں مزاحم ہوتی تو اس کے ذبح کرنے کا حکم دیا جاتا، جس طرح پہلے کے متعلق حکم دیا گیا تھا۔ اگر ذبح کا حکم آخری سے متعلق ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صفت خلت سے مزاحم صفت پر کافی عرصہ رکھنے کے بعد اس امر کا حکم دیا گیا جو مزاحمت کو ختم کرتا ہو اور یہ چیز حکمت کے تقاضوں کے مطابق نہیں، اس لیے اس میں اچھی طرح غور کرو۔

9. نویں وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحق علیہ السلام بڑھاپے میں دیے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام جوانی اور طاقت میں دیے۔

عام عادت یہ ہے کہ پہلے بچے کے ساتھ دل زیادہ معلق ہوتا ہے اور دل اس کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے، کیونکہ وہ زیادہ پیارا اور محبوب ہوتا ہے، بخلاف بڑھاپے کی اولاد کے۔ بڑھاپے کے بعد بچے کا مقام ایسے ہے جس طرح عورت کے لیے شہوت کا محل کمزور ہے۔

10. دسویں وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس قول پر فخر کرتے تھے:

«انا ابن الذبيحين»[1]

''کہ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔''

یعنی ایک ذبیح آپ کے والد علیہ السلام تھے، اور دوسرے آپ کے دادا حضرت اسماعیل تھے اور مقصود یہ ہے کہ یہ لفظ یعنی ''اسحاق'' علیہ السلام تورات میں اضافہ ہوگا۔

اب ہم وہ سبب ذکر کریں گے جو اس تبدیلی کا باعث بنا جو اس میں کی گئی تھی، اور حق بات پیروی کے بہت لائق ہوتی ہے، حقیر سمجھنے والوں بلکہ مذاق اڑانے والوں کے غلو کی طرح ہم غلو نہیں کرتے بلکہ ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، اور نہ ہی ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن کی طرح باقی رہنے والی ہے اور جس طرح نازل ہوئی ہے اسی طرح باقی ہے۔

تو ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ کہتے ہیں کہ:

یہود کے علماء اور احبار یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ تورات جو ان کے پاس موجود ہے یہ بعینہا وہی نہیں جو حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نازل کی گئی تھی۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے تفرقے کا باعث بن سکنے والی مختلف تاویلات سے ڈرتے ہوئے تورات کو ان سے بچا کر رکھا ہوا تھا اور اس کو اپنے خاندان کے حوالے کر رکھا تھا جو لاوی کی اولاد تھے۔

اس کی دلیل تورات کا یہ قول ہے:

موسیٰ علیہ السلام نے یہ تورات لکھی اور بنی اسرائیل کے سپرد کر دی، بنی لاوی کے اماموں کی طرف، اور بنو ہارون یہود کے قاضی اور حاکم تھے کیونکہ امامت اور قربانیوں اور بیت المقدس کی خدمت انہیں پر موقوف تھی۔ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل پر تورات

---

[1] اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (عفیفی)۔

سے صرف نصف سورت ہی خرچ کی تھی اور یہ وہی تھی جس میں فرمایا گیا ہے:

''اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ سورت لکھی اور بنی اسرائیل کو سکھا دی۔''

ان کے پاس تورات کی یہ نص تھی کہ اس نے کہا ہے کہ:

''یہ سورت بنی اسرائیل پر گواہ ہوگی۔''

اور اس میں یہ بھی لکھا ہے:

''بے شک یہ سورت ان کی اولاد کے مونہوں سے بھلائی نہیں جائے گی۔''

یعنی یہ سورت ان کی طبیعتوں کی مذمت پر مشتمل ہے اور وہ عنقریب تورات کی شریعتوں کی مخالفت کریں گے اور پھر ان پر غصہ آ جائے گا اور ان کے گھر برباد کر دیے جائیں گے اور وہ شہروں کو گالیاں دیتے جائیں گے، تو یہ سورت ان کے مونہوں پر چڑھی ہوئی ہے جس طرح کوئی ان پر گواہی دینے والا ہو جو ان کے لیے کھڑا کیا گیا ہو ان کی کہی ہوئی بات کی صحت پر۔

جب تورات نے یہ واضح کر دیا کہ یہ سورت ان کے مونہوں سے اور ان کی اولاد کے مونہوں سے بھلائی نہیں جائے گی تو معلوم ہوا کہ باقی سورتیں اس طرح نہیں ہوں گی اور ممکن ہے کہ وہ ان سے بھول جائیں گی۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو صرف یہی ایک سورت دی تھی اور باقی سب سورتیں حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد کے سپرد کی گئی تھیں اور صرف انہیں میں اس کو رکھا تھا اور باقی لوگوں سے بچا کر رکھا تھا۔

اور یہ ہارونی امام جو تورات کو جانتے تھے اور اس سے اکثر حصے کو یاد رکھتے تھے ان کو بخت نصر نے بیت المقدس کی فتح کے دن ایک ہی دفعہ ہی قتل کر دیا تھا اور تورات کا حفظ کرنا ان پر فرض نہیں تھا اور نہ ہی سنت تھا بلکہ ہارونیوں میں سے ہر ایک تورات کی ایک فصل یاد کر لیتا تھا۔

جب عزرا نے دیکھا کہ ان لوگوں کا ہیکل جل گیا، ان کی حکومت ختم ہوگئی ان کی جمعیت بکھر گئی، اس کی محفوظ چیزوں میں سے ایک جماعت نے ان کی کتاب کو اٹھا لیا اور ان فصلوں میں سے جو کاہن یاد رکھتے تھے وہ ہے جس سے یہ تورات ان کے ہاتھوں میں جمع ہے اس لیے انہوں نے عزرا کی تعظیم میں انتہائی تعظیم کی انہوں نے خیال کیا کہ جو نور ان کی قبر پر ظاہر ہو رہا ہے وہ عراق کے ریگستانوں کے پاس ہے، کیونکہ اس نے ان کے لیے جمع کر دیا جو ان کے دین کو محفوظ رکھتا ہے۔

بعض نے ان میں غلو کیا یہاں تک کہ کہنے لگے کہ وہ اللہ کا بیٹا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ بات یہود کی جنس کی طرف منسوب کی اور ہر ایک کی طرف اس بات کو منسوب نہیں کیا۔

تو یہ تورات جو ان کے پاس ہے فی الحقیقۃ یہ کتاب عزرا ہے، اور اس میں بہت سی تورات بھی ہے، جسے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا، پھر اس کو ایسی امت نے لے لیا جس کو اللہ نے توڑ پھوڑ دیا اور بکھیر دیا تو اس کو تین معاملے ہو گئے۔

❶ کمی بیشی ❷ ترجمے میں اختلاف ❸ تاویل وتفسیر میں اختلاف، اب ہم حقیقت حال کی کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں۔

مثال اول

نص تورات میں یہ قول پہلے گزر چکا ہے کہ۔
(ولحم فريسة فى الصحراء لا تاكلوه وللكلب القوه)[1]
اس نص کی تحریف کا بیان اوران کا بے محل اس کو محمول کرنا پہلے بیان ہو چکا ہے۔

دوسری مثال

تورات میں ہے: تیرے جیسا نبی جوان کے اپنے بھائیوں کے درمیان ان کے لیے اٹھایا گیا توانہیں ایمان لانا چاہیے۔
اس کی تفسیر وتاویل میں انہوں نے تحریف کی، کیونکہ اس کی منزل نص میں تحریف نہ کر سکے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ بنی اسرائیل کے ایک نبی کے متعلق ہی بشارت ہے، حالانکہ یہ بات کئی وجوہ سے غلط ہے۔

❶ پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ ارادہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: ﴿مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ یعنی تمہیں میں سے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کے متعلق فرمایا:
﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (آل عمران: ١٦٤)
''اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان کیا جبکہ ان میں ایک رسول انہیں میں سے بھیجا۔''
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ (التوبة: ١٢٨)
''تمہارے پاس ایک رسول تمہیں میں سے آیا۔''
یہاں پر یہ نہیں کہا: ''مِنْ اِخْوَتِكُمْ'' یعنی تمہارے بھائیوں سے۔

❷ دوسری وجہ ہے کہ یہ چیز تورات میں مقرر شدہ ہے کہ ان کے بھائی بنی اسرائیل نہیں تھے، جیسا کہ سفر خامس کی جزاء اول میں ہے کہ:
تم اپنے بھائیوں بنی العیص سے گزرو گے جو سیعیر میں مقیم ہیں تو تم ان کی سرزمین سے کسی چیز میں طمع نہ رکھنا تو اگر عیص کی اولاد بنی اسرائیل کے بھائی ہیں، کیونکہ عیص اور اسرائیل دونوں اسحق علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ روم بنوالعیص اور یہود بنواسرائیل اور وہ بنوالعیص اور روم کے بھائی تھے، تو اسی طرح بنواسماعیل بھی تمام اولاد ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہوں گے لہٰذا بنواسماعیل بنواسرائیل کے بھائی ہیں۔

❸ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ بشارت اگر شمویل وغیرہ کسی بنی اسرائیل کے نبی کے متعلق ہوتی تو اس طرح درست نہ ہوتا کہ یوں کہا

[1] تورات اور انجیل کے حوالے الشیخ محمد عفیفی نے اپنی تحقیق میں دیے ہیں، ان کی تصدیق ''کتاب مقدس'' سے کی جا سکتی ہے۔ بہت سے حوالہ جات ''کتاب مقدس'' کے اردو ایڈیشن میں بھی ہیں، جو پاکستان بائبل سوسائٹی انار کلی لاہور کی طرف سے ''مطالعاتی اشاعت'' کے نام سے شائع کی گئی ہے، جستہ جستہ مقامات کا میں نے خود مطالعہ کیا ہے۔ (مترجم)۔

جائے بنواسرائیل جو بنواسرائیل کے بھائی ہیں۔اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ بنواسماعیل یا بنوالعیص بنواسرائیل کے بھائی ہیں۔

4 چوتھی وجہ یہ ہے کہ تورات نے کہا ہے کہ:

میں ان کے لیے آپ جیسا نبی اٹھاؤں گا۔

دوسری جگہ پر اس طرح ہے:

کہ میں اس پر موسیٰ علیہ السلام کی تورات کی طرح تورات نازل کروں گا، نیز حضرت محمد ﷺ کے علاوہ کوئی رسول بھی بنی اسرائیل میں پیدا نہیں ہوا جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح تورات دی گئی ہو سوائے حضرت محمد اور حضرت مسیح کے اور مسیح علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں سے تھے ان کے بھائیوں میں سے نہیں تھے۔ بخلاف حضرت محمد ﷺ کے کیونکہ وہ ان کے بھائیوں بنواسماعیل میں سے تھے وہ انہی میں سے نہیں تھے۔

نیز اس نص کے بعض الفاظ اس طرح تھے "كلكم له تسمعون" "تم سب اس کی بات سنو گے۔"

حالانکہ شموئیل کوئی شریعت میں اضافہ یا نسخ لے کر نہیں آئے، وہ اہل فلسطین کے خلاف ان کے ہاتھ مضبوط کرنے آئے اور تاکہ وہ ان کو تورات کی طرف موڑیں تو وہ کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے اور نہ ہی نئی کتاب لے کر آئے ہیں۔ ان کا حکم بنی اسرائیل کے دیگر انبیاء کی طرح ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی سیاست و قیادت کرتے اور نظام ملکی چلاتے تھے، جب بھی ایک نبی فوت ہو جاتے ان کی جگہ دوسرے نبی آ جاتے۔

تو اگر یہ بشارت حضرت شموئیل کے لیے ہوتی تو یہ بشارت تمام مبعوث انبیاء بنی اسرائیل کے لیے بھی ہوتی اور سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح ہوتے اور سب پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح کتاب نازل ہوتی۔

تیسری مثال

تورات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ طور سیناء سے آیا اور اس کا نور سیعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑوں سے اعلان کیا اور اس کے ساتھ قدوسی لوگوں کی جماعت ہوگی۔

ان کو معلوم تھا کہ سیعیر پہاڑ سے مراد جبل السراۃ ہے جہاں بنوالعیص رہتے تھے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس پہاڑ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقام ہے اور وہ جانتے ہیں کہ سینا کوہ طور ہے۔

فاران کو وہ جہاں شام پر محمول کرتے ہیں مگر یہ ان کا بہتان ہے اور تفسیر میں تحریف ہے، کیونکہ فاران سے مراد جبالِ مکہ ہیں کیونکہ فاران مکہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اس پر تورات کی نص دلالت کر رہی ہے کہ

اسماعیل جب اپنے باپ سے جدا ہوئے تو فاران کے ریگستان میں رہنے لگے اور وہ مکہ کے پہاڑ ہیں تورات کے الفاظ یہ ہیں:

(ان اسماعیل اقام فی بریة فاران وانكحته امه امرأة من ارض مصر)

"یعنی اسماعیل علیہ السلام فاران کی خشکی میں ٹھہر گئے اور ان کی ماں نے ان کو مصر کی سرزمین کی عورت سے نکاح کرایا۔"

تو تورات کی نص سے یہ ثابت ہو گیا کہ جبالِ فاران حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کا مسکن تھا اور جب تورات نے اس نبوت

کی طرف اشارہ کیا جو جبال فاران میں آئے گی تو یہ بات لازم ہوگئی کہ وہ حضرت اسماعیل کی اولاد میں نازل ہوگی کیونکہ وہی وہاں کے رہنے والے تھے۔

یہ بات بھی لازماً معلوم ہے کہ نبوت ولد اسماعیل میں حضرت محمد کے علاوہ کسی پر نازل نہیں ہوگی اور بحمد اللہ یہ نہایت ہی واضح بات ہے۔

فصل: نص تورات میں یہود کی تحریف

اس غضبی اُمت کی کم فہمیوں اور عقول وآراء کی خرابی پر دلالت کرنے والی ایک چیز وہ ہے جو کہ تورات میں ہے کہ:

''یہ لوگ بے عقل ہیں ان میں سمجھ نہیں ہے۔''

یہ بھی دلیل ہے کہ انہوں نے تورات میں جب یہ سنا کہ:

''تمہاری زمین کے پھل تمہارے رب کے گھر کی طرف اٹھا کر لے جائے جائیں اور بکری کا بچہ اپنی ماں کے دودھ کے ساتھ نہ پکایا جائے۔''

اور اس سے مراد یہ ہے انہیں حکم دیا گیا کہ ان پر جو بیت المقدس کی طرف حج فرض کیا گیا کہ جب وہ حج کریں تو اپنی بکریوں پہلے بچے اور اپنی زمینوں کے نئے غلے بھی ساتھ لے لیں۔ کیونکہ ان پر اس سے پہلے فرض تھا کہ گایوں اور بکریوں کے بچے اپنی ماں کے پیچھے سات دن تک چھوڑے جائیں تو آٹھویں دن وہ قربانی کے لائق ہو جائے گا اس نص میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے: (لا ینضج الهدی بلبن امه) یعنی اپنی ماں کے دودھ کے ساتھ اس کو پکایا نہ جائے یعنی زیادہ وقت نہ چھوڑا جائے مطلب یہ کہ سات دن گزرنے کے بعد آٹھویں دن وہ ان کو ساتھ لے لیں اور قربانی کریں۔ بکری کے بچے کو اُس کی ماں کے دودھ کے ساتھ نہ پکایا جائے کا مطلب یہ تھا کہ وہ گائے اور بکری کے بچے کو اُس کی ماں کے بعد جلدی ذبح کرنے کے بجائے لمبی مدت تک ٹھہر کر طوالت کرتے تھے، بلکہ وہ پیدائش سے ساتواں دن عبور کرنے والے بچوں کو ان کی ماؤں کے ساتھ کھینچ لے جاتے تھے جب وہ بیت المقدس کے حج کو جاتے تاکہ وہ اُن کے لیے تقرب کا ذریعہ بن جائیں۔

تو بیوقوف مشائخ نے یہ سمجھا کہ شریعت اِنضِاج سے مراد ہنڈیوں میں پکنا ہے اور یہ کہ وہ دودھ والی بکری کے بچے کو ہنڈیا جیسا نہ پکایا کریں حالانکہ مراد یہ ہے کہ انہوں نے بہت جلدی کی، آٹھویں دن بطور قربانی ذبح کرایا۔

اور صرف اسی غلط تفسیر پر انہوں نے اکتفاء نہیں کیا بلکہ تمام گوشتوں کا دودھ کے ساتھ کھانا حرام کر دیا۔

اور ''جدی'' کا لفظ اور ''امہ'' کا لفظ بھی لے غلط معنی کر دیا۔

اور نص کو اس طریق پر محمول کیا جس کی وہ متحمل ہی نہیں تھی لہٰذا جب وہ گوشت اور دودھ کھانے کا ارادہ کرتے تو علیحدہ علیحدہ دونوں کو کھاتے، حالانکہ معاملہ اس میں اور اس کے مثل میں ایک جیسا ہے۔

فصل: نبی محمد ﷺ کی نشانیاں پہچان کر یہود کا کفر

اس امہ کے تمام لوگوں کا ایک محال اور ناممکن چیز کو اصطلاح بنا لینے اور اس پر اتفاق کرنے کو بعید نہ سمجھا جائے کیونکہ جب کوئی قوم مخالف کے غلبہ پالینے کی وجہ سے ٹوٹ پھوٹ جائے تو اس کے دینی شعائر و نشانات مٹ جاتے ہیں اور اس کے آثار ختم ہو جاتے ہیں۔

حکومت کا زوال، مسلسل لوٹ مار کرنے، میدان جنگ قائم ہونے، شہروں کو اجاڑنے اور جلانے سے ہوتا ہے، یہ اور دیگر معاملات ان کے ساتھ مسلسل پیش آتے رہے جس سے ان کا علم، جہالت میں بدل گیا اور عزت کی جگہ ذلت سے وہ ہم کنار ہو گئے اور کثرت کے بجائے قلت میں بدل گئے۔

اور جب امت پرانی ہو جائے اور اس کو حاصل کرنے والی حکومتیں اس کو ذلت اور رسوائی سے بار بار ہمکنار کرتی رہیں تو اس کے دینی آثار و نشانات اتنے ہی زیادہ مٹ جاتے ہیں۔

اور یہ امت تمام امتوں سے بڑھ کر اس بارے میں زیادہ ایسے حالات سے دوچار ہوتی رہی، کیونکہ یہ بہت پرانی امت ہے اور کثرت سے اس پر امتیں چڑھ دوڑتی رہیں جیسے کہ کلدانی، بابلی، فارس، یونان، نصاری اور آخر میں مسلمان تھے۔

ان امتوں میں سے سب کی سب امتیں ان کو جڑ سے اکھیڑنے کا ارادہ کر لیتی اور ان کے جلد خاتمے میں مبالغہ کرتے، اسی طرح وہ لوگ ان کی کتابیں اور نشانات ختم کرنے کے درپے تھے مگر تمام امتوں میں زیادہ انصاف والے مسلمان تھے، ان کے بارے میں بھی اور دیگر امتوں کے متعلق بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی بات کا حکم دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝﴾ (النساء: ۱۳۵)

''اے ایمان والو انصاف کے قائم کرنے والے اللہ کے لیے گواہ بن جاؤ چاہے اپنی جانوں کے خلاف ہو یا والدین اور قرابت والوں کے، اگر وہ غنی یا فقیر ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے زیادہ قریب ہے، تو تم خواہشوں کی پیروی نہ کرو کہ انصاف نہ کرو اگر تم م پھر جاؤ یا اعراض کرو تو اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔''

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (المائدۃ: ۸)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کے لیے گواہ اور انصاف کو قائم کرنے والے ہو جاؤ اور تمہیں کسی قوم کی مخالفت برانگیختہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو انصاف کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔''

اِس امت کا فارس اور نصاریٰ کے معاہد بن کر اسلام نے مشاہدہ کیا، بایں حیثیت کہ نہ ان کا کوئی شہر اور وطن تھا اور نہ ان کا کوئی لشکر تھا۔
اس امت میں سب زیادہ معزز دہ ہیں جنہیں مسلمانوں کا سامنا ہوا وہ خیبر، مدینہ اور اس کے آس پاس کے یہودی تھے۔
انہوں نے اس علاقہ میں رہنے کا اس لیے ارادہ کیا تھا کیونکہ ان سے نبی محمد ﷺ کے ظہور اور تشریف آوری کا وعدہ کیا گیا تھا، یہ لوگ عرب کے مشرکین سے لڑتے بھڑتے تھے تو آپ کی آمد سے پہلے کہتے تھے کہ ہم آخر الزمان پیغمبر کے ساتھ مل کر ان پر ایمان لاکر تم پر غالب آ جائیں گے، اور ان سے یہ وعدہ کرتے تھے کہ یہ نبی عن قریب نکلیں گے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تم کو عاد اور ارم کی طرح مار ڈالیں گے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو مبعوث فرمایا تو وہ لوگ ان سے سبقت لے گئے جو ان سے جنگ کرتے تھے، تو ان یہودیوں کو حسد و بغض اور سرکشی کفر اور تکذیب پر برانگیختہ کر دیا۔
سب سے مشکل اور تکلیف دہ چیز اس امت غضبیہ سے جو پہنچی وہ اسرائیلی بادشاہوں میں سے نافرمان بادشاہوں کی وجہ سے پہنچی ہے، جنہوں نے انبیاء کو قتل کر دیا اور متعدد دفعہ انہیں ڈھونڈ ھ ڈھونڈ ھ کر تکلیف دیتے۔ نیز انہوں نے بھی بتوں کی پرستش کی تمام ملکوں میں عبادت خانوں سے دربان بلا کر ان سے ان کی رسومات بندگی معلوم کرنے لگے اور ان کے لیے گرجے اور ہیکل بنا دیتے اور ان کی عبادت پر اعتکاف کرتے تھے اور بہت سے زمانے تک انہوں نے تورات کے احکام ترک کر دیے۔
جب یہ اس طرح کے بن گئے تو ان پر ان کے بادشاہوں کی طرف سے اور اپنی طرف سے دینی آفات تواتر سے آنے لگیں، تو ان کے اپنے بادشاہوں کے علاوہ دیگر بادشاہوں سے جو مصائب اور تکلیفیں ان پر واقع ہوئیں، جنہوں نے ان کے ائمہ کو مار ڈالا ان کی کتابیں جلا ڈالیں انہیں مذہبی عبادات سے روک دیا ان کا کیا کہنا۔
فارسیوں نے ان کو فتنے سے منع کر دیا۔ زیادہ تر وہ ان کو نماز سے روکتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان لوگوں کی زیادہ نماز اپنے علاوہ دیگر امتوں کی ہلاکت کی دعا پر اور اپنے ملک کنعان کے علاوہ تمام شہروں کی بربادی کی دعا پر مشتمل ہوتی ہے۔
جب اس امت نے دیکھا کہ اہلِ فارس ان کو نماز سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں تو انہوں نے دعائیں ایجاد کر لیں جن کے متعلق وہ کہتے کہ یہ ان کی نماز جیسے ہیں جن کا نام انہوں نے حزانہ رکھا تھا اور ان کے لیے متعدد راگ ڈھال لیے اور وہ اپنی نماز کی راگوں میں ادائیگی کرتے اور تلاوت کے لیے نماز کے اوقات میں جمع ہوتے تھے۔
اور ان دعاؤں اور نماز میں فرق یہ ہوتا کہ نماز بغیر راگ کے تھی اور نمازی اکیلے نماز پڑھتا تھا اور اپنے ساتھ کسی کو جہر سے نہیں سناتا تھا اور حزانہ پڑھنے والا الحزان اپنے حزانہ میں غیروں کو بھی شریک کرتا اور سب اس کی راگوں میں معاونت کرتے تھے۔
فارسی لوگ جب ان کی اس عبادت پر اعتراض کرتے تو یہودی کہتے کہ ہم کبھی موت یاد کر کے روتے ہیں اور کبھی کبھی اپنی جانوں پر روتے ہیں لہٰذا: وہ ان کو چھوڑ دیتے۔

جب اسلام آیا تو اس نے انہیں نماز پر برقرار رکھا اور انہوں نے اس کے ساتھ ساتھ اس حزانہ کو بھی ساتھ رکھا اور اس کو ترک نہ کیا۔

اللہ کی طرف سے توفیق اور راہِ ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

والحمد للّٰہ رب العالمین اللھم صلی وسلم علی جمع الانبیاء والمرسلمین، خصوصاً من بینھم محمدا و آلہ بفضل الصلاۃ والتسلیم۔

اللھم صل وسلم علی سیدنا محمد کلما ذکرہ الذاکرون۔ و صل وسلم علی سیدنا محمد کلما غفل عن ذکرہ الغافلون

اللہ ہمیں اپنے حبیب والی ہدایت نصیب فرمائے، ہمیں آپ کی جماعت میں اور آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع فرمائے، ہمیں آپ کے حوض پر پہنچائے جس سے پینے والا پیاسا نہیں رہے گا۔ اور ہمیں آپ کی شفاعت کا حصہً وافر نصیب فرمائے۔ بے شک وہ رب بہت سخی اور بہت کرم فرما ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اختتامی کلمات

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی خیر الخلق اجمعین، سیدنا محمد و علی آلہ و صحبہ و من تبعھم باحسان إلی یوم الدین

اُمّا بعد: بارگاہ الٰہی میں معافی اور مغفرت کا طلب گار محمد حامد الفقی (یکے از علماء الازہر الشریف اور رئیس جماعت انصار السنۃ المحمدیۃ ملک مصر) عرض گزار ہے کہ کتاب إغاثۃ اللھفان کی تصحیح وتعلیق سے آج بروز ہفتہ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ کو فراغت حاصل ہوئی۔

اس کی طباعت کی تکمیل سید مصطفیٰ البابی الحلبی مرحوم کے بیٹوں کے ذریعہ سے ہوئی، جو عرب ومشرق کا ایک معروف مکتبہ ہے، اس مکتبہ میں عمدہ کام ہوتا ہے، حسن کتابت وطباعت کے تمام اسباب ان کے ہاں پائے جاتے ہیں۔ ان کے سربراہ امین افندی عمران اور الحاج امین علی صبح ہیں۔ حلبی کی اولاد کو اللہ نے خوب ذہانت و فطانت سے نوازا ہے۔ انہوں نے علم اور دین کی خدمت اپنے والد سے وارثت میں پائی ہے۔

اللہ انہیں مزید ترقی وکامیابی عطا فرمائے، ان کے تمام اعمال کو اُخروی سعادت اور نجات کا ذریعہ بنائے۔

وسلام علی لمرسلین۔ والحمد للّٰہ رب العالمین

فقیر بارگاہِ الٰہی

محمد حامد الفقی (القاہرہ)

۲۹ رمضان ۱۳۵۸ھ

۱۱ نومبر ۱۹۳۹ء

عرضِ مترجم: مترجم عرض گزار ہے کہ اس کتاب لاجواب کا اردو ترجمہ ۵۔جنوری ۲۰۰۷ء بروز جمعۃ المبارک اختتام کو پہنچا، اللہ تعالیٰ یہ خدمت قبول فرمائے اور ذریعہ نجات اخروی بنائے۔

فقط: حافظ محمد اسلم شاہدروی
ساکن، حمید پارک، شاہدرہ، لاہور

حافظ محمد اسلم شاہدروی کے تراجم وتالیفات

۱۔	ترجمہ مشکوٰۃ شریف (مکمل۔تین جلدیں)	مطبوع
۲۔	خاندانی نظام (ترجمہ فقہ السنہ، کتاب الزواج)	مطبوع
۳۔	نماز کے مسائل (ترجمہ فقہ السنہ کتاب الصلاۃ)	مطبوع
۴۔	طہارت کے مسائل (فقہ السنہ کتاب الطہارۃ)	مطبوع
۵۔	ترجمہ الوجیز فی اصول الفقہ (از ڈاکٹر زیدان)	مطبوع
۶۔	جنت کی تلاش (ترجمہ موجبات الجنۃ فی......)	مطبوع
۷۔	ادائیں محبوب ﷺ کی (ایک حصہ)	مطبوع
۸۔	حافظ محمد عبداللہ شیخوپوری رحمہ اللہ حیات وتبلیغ	مطبوع
۹۔	مولانا فیض الرحمٰن ثوری رحمہ اللہ حیات وتحقیق	مطبوع
۱۰۔	رمضان کے مسائل (متعدد مرتبہ اشاعت)	مطبوع
۱۱۔	تعلیم الجنازہ (میت، جنازہ، کفن، دعائیں)	مطبوع
۱۲۔	کتابوں پر ایک سو سے زائد تبصرے۔	تمام مطبوع
۱۳۔	کتابوں پر ایک درجن سے زائد دیباچے۔	مطبوع
۱۴۔	مضامین، تذکرے، سوانح اور اسائنمنٹس۔	مطبوع

۱۵۔ تفسیر سورۃ نور از امام ابن تیمیہ، رسائل الی الشباب، فتیات تائبات، العائدون الی اللہ اور قصص التائبات کے تراجم غیر مطبوع ہیں۔